جلد 6/4

بیان الامامت

ترجمه و تشریح

نہج البلاغہ

امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہما السلام

خُطبات (95 - 191)

الفقیہ الحکیم السید محمد احسن زیدی (مجتہد)

ڈاکٹر آف ریلیجنز اینڈ سائنس

جلد 4/6

مسلمانیت

(بیان الامامت)

ترجمہ و تشریح

نہج البلاغہ

آمیر المومنین

علی ابن ابی طالب

علیہما السلام

خُطبات (95 - 191)

الفقیہ الحکیم السید محمد احسن زیدی (مجتہد)

ڈاکٹر آف ریلیجنز اینڈ سائنس

جُملہ حقوق بحق مُصنف محفوظ

نام کتاب	:	بیان الامامۃ (ترجمہ و تشریح نہج البلاغۃ)
مترجم	:	الفقیہ الحکیم السید محمد احسن زیدی (مجتہد) ڈاکٹر آف ریلیجنز اینڈ سائنس
جلد	:	چہارم
طبع	:	دوم
سنِ اشاعت	:	2018
تعداد	:	500
قیمت	:	

****

نمبر شمار	خطبہ نمبر: (محمد احسن زیدی)	خطبہ نمبر: علی نقی طہرانی	خطبہ نمبر: مفتی جعفر حسین	عنوان	صفحہ نمبر
1	95	126	124	بڑے لیڈروں کو عوام کے برابر کر دیا گیا	2143
2	96	37	37	اسلامی تبلیغ واقدامات کا وہ دور جب کوئی سامنے نہ آتا تھا۔کوئی زبان نہ کھولتا تھا۔اور حضرت علیؑ اعلانیہ اسلامی خدمات انجام دے رہے تھے	2170
3	97	38	38	شُبہ کی وجہ تسمیہ! اُس کا حق سے تشابُہ ہونا ہے۔	2183
4	98	41	41	وفا اور سچائی دونوں کا مستقل ساتھ ہے اور میں ان دونوں سے بڑھ کر کسی اور چیز کو محافظ نہیں جانتا ہوں	2194
5	99	42	42	عاقبت کے لئے بھی اور دنیاوی ترقی کے لئے بھی سب سے بڑی رکاوٹیں؟ اور سب سے زیادہ ڈرنے کی چیزیں؟	2207
6	100	44	44	مَصْقَلَه ابن هُبَيْرَه گورنر تھا اُس نے اپنی قوم کے قیدیوں کو قرض پر رہا کرالیا تھا۔مگر پورا قرض ادا نہ کرسکنے کی بنا پر معاویہ سے جا ملا تھا۔	2212
7	101	45	45	اللہ کی رحمت کی وسعتیں، اس کی نعمتوں کی عمومیت, اللہ کی بخششوں کی فراوانیاں۔	2216
8	102	47	47	کوفہ شہر پر آنے والی آفات کا اور کوفہ کے بُرا چاہنے والوں کی تباہی پر چند اشارات۔	2224
9	103	49	49	ذات خداوندی کی عظمت اور ہمہ گیری۔	2229
10	104	50	50	فتنوں کے پیدا ہونے کے اسباب میں سے ایک سبب ذاتی یا جماعتی یا قومی خواہشوں اور مصلحتوں کی پیروی ہے۔	2233
11	105	52	52	دنیا فنا کی طرف بڑھانے میں کوشاں ہے اور اپنے ختم ہو جانے کا اعلان کر رہی ہے۔	2240
12	106	53	54	میری بیعت کرنے کیلئے لوگ لوگوں پر گرے پڑ رہے تھے جیسے پیاسے اونٹوں کو آزاد چھوڑ دیا گیا ہو۔	2247
13	107	57	56	خطبہ کا پس منظر۔ محمدؓ بن ابی بکر کی شہادت کے بعد معاویہ نے عبداللہ ابن عامر حضرمی کو بصرہ بھیجا تا کہ وہ اہل بصرہ کو از سرِ نو قتل عثمان کے انتقام کے بہانے حضرت علی علیہ السلام کی مخالفت پر آمادہ کرے۔	2255
14	108	56	57	معاویہ کے تسلط اور اس کے عمل درآمد کی پیش گوئی۔	2262
15	109	61	60	حضرت علی علیہ السلام نے ان صحابہ رضی اللہ عنھم کو جواب دیا ہے جو چاہتے تھے کہ علی علیہ السلام تنہا راتوں کو نہ نکلا کریں۔	2289

نمبر شمار	خطبہ نمبر: (محمد احسن زیدی)	خطبہ نمبر: علی نقی طہرانی	خطبہ نمبر: مفتی جعفر حسین	عنوان	صفحہ نمبر
16	110	62	61	دنیا کی مضر چیزوں سے حفاظت کا سامان دنیا کے اندر ہی فراہم کر دیا گیا ہے۔	2293
17	111	63	62	دنیا میں کامیاب رہنے کا طریقہ۔ دنیا کو آخرت بنا لینے یا آخرت سے بدلنے کی کوشش	2296
18	112	64	63	صفات وعجائبات خداوندی پر علم اور بیانات	2300
19	113	66	65	قریش کی دلیل اور خلافت کو باطل قرار دیا ہے۔	2305
20	114	67	66	''جب مصر کی حکومت کا پٹہ محمدؓ بن ابی بکر کی گردن میں پہنا دیا اور وہ وہاں قتل کر دیئے گئے تو علیؑ نے یہ خطبہ ارشاد فرمایا:	2307
21	115	69	68	حضرت علی علیہ السلام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ملاقات کی اور قریش کی شکایت سُن کر بددعا کرنے کا حکم دیا۔	2316
22	116	70	69	عراق میں قریشی صحابہ کی مذمت اُنہیں اہل عراق فرما کر کی ہے	2319
23	117	71	70	محمدؐ کی حقیقی پوزیشن درود یا صلوٰۃ کی صورت میں وہ تمام گزری ہوئی تعلیمات ورسوم و عبادات ورواجات کے ختم و مکمل کرنے والے اور تمام بند دروازوں اور روکی ہوئی تعلیمات وعبادات کو کھولنے والے ہیں۔	2323
24	118	75	74	''حضرت علی علیہ السلام کم از کم کیسا آدمی پسند کرتے تھے۔''	2331
25	119	77	76	مغفرت طلب کرنے کا دل نشین واثر انگیز طریقہ سیکھیے	2333
26	120	79	78	عام عورتوں کی قانونی پوزیشن۔	2335
27	121	80	79	زہد اور پاکدامنی پر بنیادی ہدایات۔	2339
28	122	81	80	دنیا اور دنیا کی کیفیات اور اہل دنیا کی پیچیدہ اور دلچسپ صورت حال	2343
29	123	82	81	اللہ کی ذات پاک پر ایمان افروز اور حقیقت کُشا بیانات	2345
30	124	84	83	چندصفاتِ خداوندی تاکہ قریشی ساخت کے علما کا مُنہ بند رہے۔	2367
31	125	85	84	چندصفاتِ خداوندی، ان کی افادیت، اور استفادہ کا طریقہ۔	2370
32	126	86	85	نظام اجتہاد اور مجتہدین کی مذمت	2377
33	127	87	86	قریشی مجتہدین کا اور اللہ کا طریقہ کار اور بنی اُمیہ کا تسلط	2391
34	128	88	87	زمانہ فترۃ یعنی حضرت عیسیٰؑ کے بعد ظہور محمدؐ تک کے مختصر حالات،	2397
35	129	89	88	اللہ اور کائنات سے ہلکا سا مگر مفید تعارف:	2401

نمبرشمار	خطبہ نمبر: (محمد احسن زیدی)	خطبہ نمبر: علی نقی طہرانی	خطبہ نمبر: مفتی جعفر حسین	عنوان	صفحہ نمبر
36	130	90	89	عجیب خطبات میں سے ایک لاجواب وبے پناہ خطبہ:	2409
37	131	91	90	خلافتِ قریش کا جنازہ نکل گیا تو قریش سمیت سارے مسلمان مجبور ہوئے کہ وہ خلافت حضورؐ کے حوالے کریں جو اللہ رسولؐ اور قرآن کے خلاف غصب کی تھی۔	2463
38	132	92	91	سَلُونِی کے ماتحت ایسے دعوے جو غیب دانی کی دلیل ہیں	2472
39	133	93	92	اللہ کی صفات سے اس خطبے کی ابتدا فرمائی ہے انبیاء علیہم السلام اوران کا شجرہ اور کارکردگی	2481
40	134	94	93	اعلان نبوت سے پہلے قریش نظام اجتہاد پر عمل پیرا تھے۔	2486
41	135	95	94	آنحضرتؐ کی چند صفات اور حضورؐ کے خاندان کی عظمت بیان فرمائی ہے۔	2488
42	136	98	97	دنیا میں رہنے کا کامیاب وپسندیدہ طریقہ؟	2494
43	137	99	98	اللہ، محمدؐ اور آلِ محمدؐ۔ اُن کی صفات اور مقام	2499
44	138	100	99	اللہ کی بنیادی صفات، حضرت علیؑ کی مخالفت اور نافرمانی جرم ہے	2555
45	139	101	100	قیامت میں اہل محشر کا حال۔2۔ فتنوں کے آنے کا نظارہ۔	2560
46	140	102	101	دنیا اوراس کا سامان، اللہ کے رحم کا حق دار، عالم کو مرتبہ شناس ہونا چاہئے۔	2565
47	141	104	103	نبیؐ کی بزرگی صفات اور کارکردگی۔ قریش کو دنیا کی لذتیں اور سہولتیں کب ملیں؟	2570
48	142	105	104	اسلام، رسولِ اسلام اور مسلم صحابہ کا ایسا حال،	2578
49	143	107	106	اللہ کی صفات مخلوقات کے وجود سے بھی ابھرتی ہیں۔	2586
50	144	108	107	اللہ کی صفات عملی صورت میں بیان فرمائی ہیں۔ انسانوں کا حال دکھایا ہے	2594
51	145	109	108	پورا دین نماز ہے۔	2615
52	146	110	109	دنیا سے متنفر کرکے خبردار رہنے کا ہر پہلو سے اہتمام کیا ہے۔	2623
53	147	111	110	ملک الموت کو نہ سمجھ سکنے والے ملک الموت کے خالق کو کیسے سمجھیں گے؟	2635
54	148	112	111	دنیا کی پوزیشن علی علیہ السلام کی نظر میں دنیا میں رہنے کیلئے بنیادی کام۔	2642
55	149	113	112	اللہ پر ایمان کی کئی صورتیں۔ حمدِ خداوندی اور نعمت کا رشتہ۔	2647
56	150	114	113	قحط سالی میں اللہ سے بارش طلب کرنے کا کامیاب طریقہ	2657
57	151	115	114	پردہ غیب میں لپٹی ہوئی تمام چیزوں اور حقیقتوں کے علم کا دعویٰ۔	2661
58	152	119	118	دین خداوندی کا مکمل علم حضرت علیؑ اور اہل بیتؑ کے پاس تھا۔	2665

نمبر شمار	خطبہ نمبر: (محمد احسن زیدی)	خطبہ نمبر: علی نقی طہرانی	خطبہ نمبر: مفتی جعفر حسین	عنوان	صفحہ نمبر
59	153	128	126	غیبی اطلاعات پر خطبہ۔	2668
60	154	129	127	عہد مرتضویؑ تک غربت وافلاس اور سرمایہ داری کا دور دورہ تھا۔	2674
61	155	130	128	حضرت ابوذرؓ زندگی بھر کیلئے جلاء وطن کر دیئے گئے۔	2678
62	156	132	130	موت مسلمہ حقیقت ہے۔ دنیا آخرت کیلئے سامان سفر حاصل کرنے کیلئے بنائی گئی ہے۔	2683
63	157	133	131	قریش نے دین سے رُوگردانی کرلی تھی۔	2688
64	158	134	132	قریش کا خود ساختہ خلیفہ اور خلیفہ خداوندی سلام اللہ علیہ۔	2694
65	159	135	133	ایک ایسا شجرہ جس کی نہ جڑ تھیں نہ شاخیں۔	2698
66	160	136	134	حضرت علیؑ کا چیلنج کہ میں ظالم کی ناک میں نکیل ڈال کر سرچشمہ حق تک لے جاؤں گا۔	2699
67	161	138	136	حضرت قائم قیامتؑ اعلانِ حکومت کرتے ہی نظام اجتہاد و مشاورت کا ستیاناس کر دیں گے	2701
68	162	139	137	خلافت حاصل کرنے کیلئے کچھ صحابہ گمراہ لوگوں کے امام بن کر تیغ بکف میدان میں آئیں گے	2705
69	163	140	138	گناہوں، خطاؤں اور بُھول چُوک سے محفوظ و معصومؑ حضرات پر لازم ہے کہ وہ گناہگاروں اور خطا کاروں پر رحم کرتے رہیں۔	2706
70	164	141	139	دینداروں کے خلاف افواہوں کا اثر نہ لینا، سچ اور جھوٹ میں صرف چار اُنگل کا فاصلہ ہے	2708
71	165	142	140	اموال غیر مستحق پر خرچ کرنے کی خرابی اور نتیجہ۔	2709
72	166	143	141	زمین وآسمان انسانوں پر اپنی برکتیں کیوں نازل کرتے ہیں۔	2711
73	167	144	142	امامتؑ اور آئمہ صلوٰۃ اللہ علیہم اِس اُمت میں بنی ہاشمؑ میں مقرر و متعین ہیں۔	2715
74	168	145	143	یہ دنیا موت کی تیراندازی کا میدان ہے۔	2720
75	169	146	144	قریش کا دوسرا خلیفہ۔	2722
76	170	147	145	قریشی تاریخ وتفسیر تیار ہونے کا زمانہ؟	2725
77	171	149	147	وقتِ وداع ہدایات جاری فرمائی ہیں۔	2733
78	172	150	148	رسوؐل اللہ کے اٹھتے ہی ایک گروہ اپنے سابقہ دین کی طرف پلٹ گیا تھا۔	2736
79	173	151	149	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کی نہ برابری ہوسکتی ہے نہ ان کی کمی پوری کی جاسکتی ہے۔	2743
80	174	152	150	صفاتِ خداوندی پر تخلیق خداوندی سے دلیل و برھان۔	2750
81	175	153	152	آلِ محمدؐ کی پوزیشن۔2۔ بابصیرت لوگوں کے عمل کا طریقہ۔	2763

نمبر شمار	خطبہ نمبر: (محمد احسن زیدی)	خطبہ نمبر: علی نقی طہرانی	خطبہ نمبر: مفتی جعفر حسین	عنوان	صفحہ نمبر
82	176	154	153	شِقشِقیہ یا چمگیدڑ پر ایک گہری نظر۔	2767
83	177	155	154	عائشہ کے سینے میں کینہ اور دشمنی اور انتقامی منصوبہ تھا مگر زوجہ رسولؐ ہونے کا لحاظ رکھا گیا۔	2772
84	178	156	155	حمدِ خداوندی کی غرض وغایت۔	2781
85	179	157	156	قرآن اور علیؑ کی پوزیشن۔	2787
86	180	158	157	قریش کے ساتھ اپنے سلوک کا تذکرہ، اور شکریہ ادا کرنے کا عملی طریقہ۔	2790
87	181	159	158	اللہ کی حمد وثنا ایسے طریقوں اور انداز سے بیان فرمائی ہے کہ جس کی قدر و قیمت اور تعریف ہماری علمی وسعت سے ارفع واعلیٰ ہے۔	2791
88	182	160	159	رسولؐ اللہ کے ساتھ اللہ نے کیا کیا بھیجا تھا؟	2804
89	183	162	161	اللہ کی چند صفات۔ کائنات اور مخلوقات کا تخلیقی مادہ قدیم و ازلی نہیں ہے۔	2809
90	184	163	162	حضرت علیؑ مملکت اسلام کے مظلوموں کی نمائندگی کرنے کیلئے عثمان سے گفتگو کرتے ہیں	2813
91	185	164	163	ہر مخلوق اللہ کی عجیب وعظیم کاریگری کا بولتا ہوا ثبوت ہے۔	2819
92	186	166	165	قرآن کریم کی پوزیشن؟ مسلمانوں کی محدود شناخت کیا ہے؟	2827
93	187	170	169	آسمانوں اور فضاؤں کی تخلیق کا بڑا مقصد؟	2833
94	188	172	171	مسئلہِ خلافت پر قریشی خلفا کا تصور اور خلافت کے حق دار کی شناخت؟	2835
95	189	174	173	پیغمبرؐ کی رعایت کیلئے اپنے علم غیب کو چھپاتے چلے گئے۔	2845
96	190	175	174	قرآن کریم کی پوزیشن ۔	2849
97	191	177	176	صفاتِ خداوندی کا نیا انداز۔ تشہد کا نیا انداز اور صفات رسولؐ۔	2864

☆☆☆☆☆

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 124

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 126

خُطبہ ﴿95﴾

بڑے لیڈروں کوعوام کے برابر کر دیا گیا۔1۔حقوق کا مساوی ہونا عربوں کو کبھی پسند نہیں آیا اس لئے کہ اُن کے نزدیک انسانوں میں طبقہ واریت کے بغیر نہ سرداری قائم رہتی ہے نہ حکومت کامیاب ہوتی ہے۔2۔عدم مساوات سے انسانوں کی کثرت پر ظلم و زیادتی ہوتی ہے۔3۔اللہ کا مال ہو یا اپنا ذاتی مال ہو تقسیم مساوات کے اصول پر برقرار رہنا لازم ہے۔اس کی خلاف ورزی کرنے والا چند لوگوں کی نظر میں بلند ہوگا مگر اللہ کی نظر میں پست و ذلیل ہو جائے گا۔4۔علیؑ قیامت تک انسانی حقوق کو برابر رکھنا چاہتے تھے۔

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

اَتَأْمُرُوْنِیْ اَنْ اَطْلُبَ النَّصرَ بِالْجَوْرِ فِیْمَنْ وُلِّیْتُ عَلَیْهِ ؟	1	کیا تم مجھے یہ حکم دیتے ہو کہ میں جن لوگوں کا حاکم ہوں ان پر جبر وظلم کر کے کچھ اور لوگوں کی مدد چاہوں؟ یعنی وڈیروں کو خوش رکھوں تا کہ وہ آڑے وقت کام آئیں؟
وَاللّٰهِ لَا اَطُوْرُ بِهٖ ماسَمَرَ سَمِیْرٌ ؛	2	خدا کی قسم جب تک کاروبار دنیا جاری ہے میں یہ طریقہ اختیار نہ کروں گا۔
وَمَاۤاَمَّ نَجْمٌ فِی السَّمَآءِ نَجْمًا ؛	3	اور جب تک آسمان کے ستارے ایک دوسرے کی طرف جھکتے رہیں گے میں مساوات برقرار رکھوں گا۔
وَلَوْ کَانَ الْمَالُ لِیْ لَسَوَّیْتُ بَیْنَهُمْ فَکَیْفَ وَاِنَّمَا الْمَالُ مَالُ اللّٰهِ :!!	4	اگر یہ مال میرا ذاتی مال بھی ہوتا تب بھی میں ان میں برابر کی تقسیم کرتا چہ جائیکہ وہ مال تو اللہ کا مال تھا جس کے برابر تقسیم کرنے کا حکم وعمل ثابت ہے۔ یعنی یہ امید مجھ سے نہ رکھنا کہ میں طبقہ واریت کو جاری کروں گا۔
ثُمَّ قَالَ عَلَیْهِ السَّلَامُ :اَلَا وَاِنَّ اِعْطَآءَ الْمَالِ فِیْ غَیْرِ حَقِّهٖ تَبْذِیْرٌ وَّاِسْرَافٌ ؛	5	پھر علی علیہ السلام نے فرمایا کہ اس میں کوئی شبہ نہیں مال کو تقسیم کرتے ہوئے ناحق کسی کو دے دینا فضول خرچی ہے جو منع ہے۔(17/26-27) اور خرچ میں حد سے بڑھ جانا ہے۔
وَهُوَ یَرْفَعُ صَاحِبَهٗ فِی الدُّنْیَا ؛	6	فضول خرچی اور بے جا خرچہ کرنے والے کو دنیا میں بلند مرتبہ دیتے ہیں۔
وَیَضَعُهٗ فِی الْاٰخِرَةِ ؛	7	اور آخرت میں پست کر دیتے ہیں۔
وَیُکْرِمُهٗ فِی النَّاسِ ؛	8	اور لوگوں کے اندر فضول خرچی کرنے والے کی عزت بڑھ جاتی ہے۔

وَيُهِينُهُ عِندَاللّٰهِ ؛	9	لیکن اللہ کے نزدیک ذلیل ہوجاتا ہے۔
وَلَمْ يَضَعِ امْرُؤٌ مَالَهُ فِيْ غَيْرِ حَقِّهِ وَعِنْدَ غَيْرِ اَهْلِهِ اِلَّاحَرَمَهُ اللّٰهُ شُكْرَهُمْ ؛	10	اور جو شخص مال کو ناحق خرچ کرتا ہے یا نااہل کو دیتا ہے اللہ اس شخص کو ان لوگوں کے شکر اور احسان شناسی سے محروم ہی رکھتا ہے۔
وَكَانَ لِغَيْرِهِ وُدُّهُمْ ؛	11	اور ان کی دوستی و ہمدردی بھی غیروں ہی کے حصے میں جائے گی۔
فَاِنْ زَلَّتْ بِهِ النَّعْلُ يَوْمًا فَاحْتَاجَ اِلٰى مَعُوْنَتِهِمْ فَشَرُّ خَدِيْنٍ وَاَلْاَمُ خَلِيْلٍ ؛	12	اور اگر کہیں اس کا پیر پھسل جائے یعنی اسے غربت آگھیرے تو وہ اُن ہی لوگوں کا محتاج ہوجائے گا مگر وہ لوگ اُس کے لئے بُرے ساتھی اور کمینہ دوست ثابت ہوں گے"

تشریحات:

قریشی مدبرین، نبوت محمدؐیہ کو قبل از وقت سمجھے اور نہایت فیاضانہ منصوبہ پیش کر کے نبوی منصوبے کو تباہ کرڈالنا چاہا۔

اس خطبے کی چند باتیں پہلے خطبہ 70 میں بھی آئی ہیں لیکن وہاں طلحہ وزبیر کے سلسلے میں مالی اسکیم پیش نہیں کی اور چاہا تھا کہ خطبہ 95 میں یہ گفتگو کی جائے گی۔ چنانچہ یہاں تاریخی حقیقت سے بات شروع کرتے ہیں۔ قارئین یاد فرمائیں کہ نبوت کی ابتداء میں ابوسفیان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہموار کرنے کے لئے اپنے ملک کی حکومت اور تمام دولت اور بیٹیاں پیش کی تھیں تاکہ نبوت اور ملکی سیاست میں ٹکراؤ اور تصادم نہ ہونے پائے۔ ہم ابوسفیان کی اس پیشکش پر غور کریں گے اور دیکھیں گے کہ آنحضرتؐ نے اس سرتاسر فیاضانہ پیشکش کو کیوں ٹھکرا دیا تھا؟ اس پیشکش کو اور اس کے ٹھکرا دیئے جانے پر جو کچھ لکھا گیا ہے وہ دونوں فریق کے مقاصد اور اسکیموں سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ابوسفیان کی پیشکش آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوی اسکیم کا سب سے بڑا اور اہم ترین پہلو ہمارے سامنے کھول کر رکھ دیتی ہے اور چاہتی ہے کہ جو انتہائی تصادم ابوسفیان کی نظر میں ہے وہ وقوع میں نہ آئے۔ یعنی وہ چاہتا ہے کہ رسولؐ اللہ کو ملک عرب کی حکومت دولت اور عورتیں پیش کر کے انہیں آمادہ کرے کہ اپنی تبلیغ و تعلیم واصلاح کے اقدامات نچلی سطح سے شروع کرنے کے بجائے اوپر سے شروع کریں۔ یعنی بجائے اس کے کہ آنحضرتؐ غرباء، فقرا اور محتاجوں کو اُمرا اور رؤسا و اغنیاء کے خلاف اُبھارنے، متنفر کرنے اور مجتمع کر کے مقابلے پر لانے میں وقت ضائع کریں۔ وہ اُمرا اور رؤسا اور اغنیاء کو غربا و فقرا پر متوجہ و مہربان کریں اور اُن کے حقوق دلائیں۔ اُن کی فلاح و بہبود و پرورش کا کام لیں یہ بڑی حسین اور سب کو پسند آنے والی پیشکش تھی اور نبیؐ و علیؑ کے علاوہ تقریباً سب کو پسند آئی تھی۔ اور اُس کے حُسن و پسند کا دباؤ ڈالنے ہی کے لئے ابوسفیان نے فوراً ہاں یا نہ کا جواب دینے سے منع کر کے تین دن کے بعد اسی قسم کے مجمع میں آخری جواب لینے کا اعلان کر دیا تھا۔ چنانچہ یہ عظیم الشان مجمع خوشی خوشی برخاست ہوا۔ ہر شخص مطمئن تھا اور سمجھتا تھا کہ اب کوئی بھی نبیؐ سے اختلاف نہ کرے گا۔ اور سب چاہتے تھے کہ رسولؐ اللہ اس پیشکش کو قبول کرلیں۔ چنانچہ بااثر لوگ سفارشیں لے کر آئے اور تجویز کو قبول کرنے کا تقاضا کرتے رہے اور اس کے پُرامن اور مفید ہونے پر باتیں کرتے رہے۔ رسولؐ اللہ قبل از وقت اپنی رائے بتانے سے باز رہے تاکہ بات قبل از وقت باہر نہ نکل جائے۔ تین دن لوگوں نے بڑی بے چینی سے گزارے۔ اجتماع ہوا لوگ اپنے اپنے مرتبے کے مقامات پر بیٹھے۔ سب کی نظریں آنحضرتؐ کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ ابوسفیان نے جواب چاہا۔ حضورؐ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ:

''اگر تم بادشاہت و دولت وغیرہ کی جگہ میرے داہنے ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی رکھ دو تو بھی میں اپنا طریقہ نہ چھوڑوں گا۔''

یہ جواب مجمع پر بجلی کی طرح گرا اور باندھی ہوئی تمام امیدوں اور توقعات کو جلا کر بلند ہو گیا۔ ابوسفیان سر پکڑ کر کچھ دیر بیٹھا رہا۔ پھر سنبھل کر کھڑا ہوا اور مجمع کو مخاطب کیا اور نہایت دردانگیز غصہ میں کہا کہ آج ہماری عزت وعصمت خاک میں ملا دی گئی۔ تمام حاضرین سنیں اور جو ملے اُس کو سنائیں کہ محمدؐ نے ہماری اطاعت، ہماری دولت ہی کو نہیں بلکہ ہماری بیٹیوں کو بھی ٹھکرایا ہے ہماری قومی، نسلی اور ملکی توہین کی ہے۔ وہ بڑا ہی بے غیرت وملعون شخص ہوگا جو آج کے بعد محمدؐ سے محبت اور تعاون کرتا ہوا پایا جائے گا۔ اس کے خاندان اور قبیلے سے بھی انتقام لیا جائے گا۔ مجمع پیر ملتا ہوا دل شکستہ منتشر ہو گیا۔ قوم اس سے زیادہ اور کیا کر سکتی تھی۔ اس سے بڑی قربانی کسی قوم نے اپنے نبیؐ کے لئے پیش نہیں کی۔ آوازیں آتی اور دبتی چلی جا رہی تھیں۔ بُرا ہوا، بُرا کیا وغیرہ۔

2۔ قریشی لیڈروں کی اسکیمیں اور تجاویز دودھاری اور عام عقل وفہم سے ہمیشہ بلند تر ہوا کرتی ہیں۔

حرم خالی ہو گیا۔ آنحضرتؐ، ابوطالبؑ، علیؑ اور دیگر بنی ہاشم علیہم السلام بھی واپس آ گئے۔ اسکیم ایسی تھی کہ مروت اُسے قبول کرنے کا تقاضا کرتی رہ گئی۔ ابوسفیان کی تجویز تو منظور نہ ہوئی اور نبوت ایک انتہائی خطرناک منصوبے سے بچ گئی مگر اتنا نقصان بہرحال ہو گیا کہ پبلک کے اسلام کی طرف بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔ ابوسفیان کی چال نے تمام اہل مکہ کو عموماً اور تمام قریش کو خصوصاً رسولؐ اور خاندان رسولؐ کا دشمن بنا دیا۔ یہ انکار دلوں پر برچھے کی طرح لگا تھا۔

3۔ ابوسفیان نبویؐ منصوبے سے کیا سمجھا جو اُس نے حکومت واطاعت و دولت وعزت پیش کی؟

ابوسفیان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت ورسالت کو اُن ہی تین چیزوں پر محیط سمجھا تھا جو اُس نے اَز خود پیش کی تھیں۔ اور چاہا تھا کہ اُس کی پیش کش قبول کرتے ہی آنحضرتؐ سب سے بڑے سرمایہ دار اور سرمایہ کے محافظ بن جائیں اور اپنے گرد و پیش ملک بھر کی حسین ترین عورتوں کو اپنے حسین مطالبات کے ساتھ موجود پائیں اور دولت وعیاشی کے اس سامان میں گم ہو کر رہ جائیں اور غربا ومساکین سے اتنا ہی دور ہو جائیں جتنا دُور زمین سے آسمان ہے۔ مگر رسولؐ اللہ اُس کی چال میں نہیں آئے اور اُس بظاہر پیاری اور فیاضانہ پیش کش کو ٹھکرا دیا۔ اور یوں سرمایہ داری کا محافظ بننے سے انکار کر دیا۔

4۔ آنحضرتؐ کے انکار کی پشت پر کیا حقائق کارفرما تھے۔ انکار سے کیا فائدہ ہوا؟

حضورؐ نے دیکھا کہ ابوسفیان کی پیشکش محض ایک خوش کن اور فریب انگیز پیشکش ہے۔ ایک ہوائی تجویز ہے۔ اُس میں حقیقت کا دور تک نام ونشان نہیں ہے۔ سارے ملک کی دولت کسی ایک جگہ کسی ایک مکان میں نہیں آ سکتی تھی اور اگر اُسے منتقل کرنا ممکن ہوتا تو اُس کو انجام تک پہنچانے سے پہلے پہلے ایسے عملی نکات کا حل کرنا ضروری تھا۔ جن کے لئے نہ لوگ تیار تھے اور نہ لوگوں کی پسند اور ضرورت کے مطابق کوئی اطمینان بخش انتظام سامنے تھا۔ یعنی ملکی دولت و مال ومتاع، زر وسیم وسامان کس کے پاس کتنا چھوڑا جائے؟ اور کتنا لے لیا جائے؟ اور سارے ملک سے مال ودولت جمع کر کے مرکز پر لانے والا اسٹاف کیسے اور کہاں سے فراہم کیا جائے؟ اور مال کے محفوظ پہنچنے کے لئے نگرانی کا کیا بندوبست کیا جائے؟ پھر نبیؐ کو اپنی حکومت اور احکام وفرمانات گھر گھر، ہر بستی میں ہر فرد تک پہنچانے اور تعمیل کرانے کا نظام کیسے برسرکار لایا جائے۔ اور جو عورتیں خود کو ابوسفیان کے معیار پر رسولؐ کی ہی زوجیت میں دینے پر اصرار کریں اور اُن پر کیسے کنٹرول کیا جائے گا؟ یہ تھی ابوسفیان کی وہ فیاضانہ پیشکش جو رسولؐ

کواور رسوؐل کے مشن کو تباہ کرنے میں واقعی فیاض ثابت ہوتی۔

5۔ قریش کی مکروفریب میں لپٹی ہوئی فیاضانہ پیشکش کا جواب پرخلوص خلافت کی پیشکش کی صورت میں دیا گیا۔

سیاست اورنبوت کی پہلی ٹکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ٹال کرابوسفیان کےفریب کو بیکار کردیا۔اس کے بعد اللہ نے رسوؐل کوحکم دیا کہ وہ بھی قریش کو ایک عملی ،فطری اور فیا ضانہ اسکیم پیش کردیں اور تمام کر تا دھرتا اور سر پنچوں کو دعوت ذوی العشیر ہ دے دیں (شعراء 217 تا 26/214)اورایک سچ مچ قائم ہونے والی حکومت الٰہیہ کی باگ ڈورسونپنے کے لئے انہیں مدعوکرلیں۔تمام متعلقہ ذمہ داریاں سمجھادیں اوراگروہ قبول نہ کریں تو اُسی نشست میں انہیں اُس شخصؑ سے متعارف کرادیں جوروزازل سے خلافت الٰہیہ کے لئے تعینات چلا آرہا ہے۔اُن کو بتادیں کہ وہ تمہاراخلیفہ وزیراور بھائی ہےاوراُس کی اطاعت سب پرواجب ہے۔اس دعوت ذوی العشیر ہ کوطبری اور دیگر تواریخ میں تفصیل سےلکھا گیا ہے۔نتیجہ یہ ہوا کہ قریشی لیڈروں اور دیگر سرپنچوں نے اپنی ظاہر بین آنکھوں سے کوئی آثار حکومت نہ دیکھے تواس دعوت اورخلیفہ کےتقرر کومذاق سمجھا اورحضرت ابوطالب علیہ السلام کوطنزاً کہا کہ لیجئے آپ کا بیٹا علیؑ خلیفہ ہوگیا ہے تم آج سے اس کی اطاعت کیا کرو۔چونکہ قریش نے اس دعوت کوناپسند کیااوراس کا مذاق اڑایا تھااس لئے قرآن میں اللہ کا فیصلہ نازل ہوا کہ:

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْOذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْO (محمدؐ 9-47/8)

''اور جن لوگوں نے حق کو چھپاتے رہنے کی مہم چلارکھی ہےاُن کےاوپر تباہی منڈلا رہی ہےاوراُن کےاقدامات بےراہ ہوکررہ گئے ہیں اوروہ اس لئے کہ انہوں نے (علیؑ کی خلافت ووزارت) کی حقیقت کوناپسند کیا ہے جواللہ نے بطورفرمان نازل کی تھی لہٰذا اُن کے تمام اچھےاعمال بھی ضائع ہوچکے ہیں۔''(طبری حصہ سوم خلافت راشدہ کا ترجمہ صفحہ 279 تا283)اور(الفاروق حصہ اول صفحہ 103-104)

اس تقریب کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کی مکارانہ فیاضی کا پرخلوص توڑ کرکےاُن کا منہ بند کردیا۔

6۔ حقیقت وہی تھی جسے قریشی ماہرین ومدبرین بھانپ گئے تھےواقعی دورامامت کی تمہید جداگانہ رکھی جارہی تھی۔

نبوت کے سابقہ ادوار میں جاری رہتی چلی آنے والی بہت سی چیزیں ایسی تھیں جن کو دَورِختم نبوت میں رخ بدل کرآگے بڑھانا تھا۔تاکہ دَورامامت شروع ہونے پرترقی کی رفتارتیزتر کی جاسکے۔اور بتدریج سرمایہ داروں اوراجارہ داروں کے ہاتھ سے قوت منتقل ہوسکے۔اس سلسلے میں کھلاحکم دیا گیا کہ:۔ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنكُمْ ..''تا کہ دولت تمہارےتونگروں کے قبضے میں نہ آجائے۔''(حشر 59/7) یہ ترجمہ تھا مولوی اشرف علی تھانوی کا۔اور''تاکہ وہ تمہارے مال داروں ہی کے درمیان گردش نہ کرتارہے''یہ ترجمہ ہے مولانا مودودی کا۔اور ''تاکہ نہ ہوئے ہاتھوں ہاتھ لینادرمیان دولتمندوں تمہارے کے''یہ مطلب لکھاہےعلامہ رفیع الدین مرحوم نے۔

ان ترجموں میں قریشی ذہنیت موجود ہوتے ہوئے بھی ہرقاری اتنا یقیناً سمجھ سکتا ہے کہ اللہ نے یہاں سرمایہ داروں دولتمندوں،اجارہ داروں یعنی اغنیاء کواپنا نشانہ بنایا ہےاورنہیں چاہتا کہ دولت اُن کے ہاتھوں تک پہنچے۔ہم اس آیت ہی کونہیں بلکہ اُن تمام آیات کوسامنے لائیں گے اوروہ پوراعنوان وموضوع وماحول دکھائیں گے جس میں یہ آیت موجود ہے فی الحال ہم وہ اصول سامنے رکھنا چاہتے ہیں جن پردَورامامت کی بنیاد اُٹھائی جاناتھی۔

7۔ دورِ امامت کی تمہید میں مالی کنٹرول صرف اور صرف رسوؐل یا اللہ و رسوؐل کے مقرر کردہ ولیؐ و حاکم کے ہاتھ میں رہے گا۔

چنانچہ سربراہِ اسلام جب چاہے گا جسے چاہے گا مالی حقوق سے محروم کر دے گا۔ جیسا کہ مندرجہ بالا آیت (59/7) میں اغنیاء کو محروم کیا گیا ہے۔ ویسے ہی اسی آیت میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ:

وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ . (سورہ حشر 59/7)

مودودی ترجمہ: جو کچھ رسوؐل تمہیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تم کو روک دے اس سے رک جاؤ۔ اللہ سے ڈرو، اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔" (تفہیم القرآن، جلد 5 صفحہ 392-393)

8۔ مودودی کی تشریح سے بھی رسوؐل کے سامنے ساری حاضر و غائب اُمت کے، مال کے اور ہمہ وقت اطاعت کے معاملے میں پابندی کر دی گئی

مودودی کی تشریح میں سے قریشیت کو نفی کر کے اصولی پوزیشن نوٹ کر لیں۔ لکھا ہے کہ:

"۱۵؎ سلسلۂ بیان کے لحاظ سے اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اموال بنی نضیر کے انتظام، اور اسی طرح بعد کے اموال فے کی تقسیم کے معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو فیصلہ فرمائیں اُسے بے چون و چرا تسلیم کر لو، جو کچھ حضوؐر کسی کو دیں وہ اُسے لے لے اور جو کسی کو نہ دیں وہ اُس پر کوئی احتجاج یا مطالبہ نہ کرے۔ لیکن چونکہ حکم کے الفاظ عام ہیں، یہ صرف اموال فے کی تقسیم تک محدود نہیں ہے، بلکہ اس کا منشا یہ ہے کہ تمام معاملات میں مسلمان رسوؐل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں۔ اس منشا کو یہ بات اور زیادہ واضح کر دیتی ہے کہ "جو کچھ رسوؐل تمہیں دے" کے مقابلے میں "جو کچھ نہ دے" کے الفاظ استعمال نہیں فرمائے گئے ہیں، بلکہ فرمایا یہ گیا ہے کہ "جس چیز سے وہ تمہیں روک دے (یا منع کر دے) اُس سے رک جاؤ۔ اگر حکم کا مقصود صرف اموال فے کی تقسیم کے معاملہ تک اطاعت کو محدود کرنا ہوتا تو "جو کچھ دے" کے مقابلے میں "جو کچھ نہ دے" فرمایا جاتا۔ منع کرنے یا روک دینے کے الفاظ اس موقع پر لانا خود یہ ظاہر کر دیتا ہے کہ حکم کا مقصود حضوؐر کے امر و نہی کی اطاعت ہے۔ یہی بات ہے جو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمائی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا اِذَا اَمَرْتُكُمْ بِاَمْرٍ فَائْتُوا مِنْهُ مَااسْتَطَعْتُمْ وَمَانَهِيْتُكُمْ عَنْهُ فَاجْتَنِبُوْهُ "جب میں تمہیں کسی بات کا حکم دوں تو جہاں تک ممکن ہو اُس پر عمل کرو۔ اور جس بات سے روک دوں اُس سے اجتناب کرو (بخاری مسلم)۔" (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 393-394)

قریش بہر حال اس پوری پوری اطاعت کرنے کے قائل نہ تھے۔

مودودی کے اس بیان میں یہ روایت کھلی اجازت دیتی ہے کہ جہاں تک اطاعت ہو سکے کرو ورنہ نافرمانی اور خلاف ورزی کر سکتے ہو۔ یہ ہے قریشی تفہیم کا طریقہ اور روایات گھڑنے کا اصول کہ جہاں تک ہو سکے رسوؐل کی نافرمانی کی راہیں نکالی جائیں۔ بہر حال یہ سمجھا اور مان لیا گیا کہ مالی قبضہ رسوؐل کا ہوگا۔ 2۔ سرمایہ داروں کو مال بالکل نہ دیا جائے گا۔ 3۔ اور باقی پوری امت بھی رسوؐل پر کوئی مالی مطالبہ نہ کرے گی۔ 4۔ اور ہر حال میں تعمیل و اطاعت کرتی رہے گی۔ 5۔ جسے جو کچھ دے دیا جائے گا خوش ہو کر لے لے گا اور جس چیز سے روک دیا جائے گا باز رہے گا۔

9۔ فطری اور فوری ضرورت سے زائد ہر چیز ضرور تمندوں کے لئے دے دی جائے گی نمونہ سربراہ دے گا۔

ان پانچ اصولوں کے نتیجے میں دنیا سے تنگدستی احتیاج اور مُفلسی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ ان پانچوں اصولوں کی مزید وضاحت اور تاکید کے لئے دو اور حکم قرآن کریم سے نوٹ کرنا چاہئیں۔ ارشاد ہوا تھا کہ:

یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰہِ وَالرَّسُوْلِ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِکُمْ وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَO(سورہ انفال 8/1)

مودودی ترجمہ: ''تم سے انفال کے متعلق پوچھتے ہیں؟ کہو' یہ انفال تو اللہ اور اُس کے رسولؐ کے ہیں۔ پس تم لوگ اللہ سے ڈرو اور اپنے آپس کے تعلقات درست کرو اور اللہ اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت کرو اگر تم مومن ہو۔''(تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 128)

یہاں مودودی نے لفظ انفال کا ترجمہ نہیں کیا ہے مگر اگلے صفحہ 129 پر لکھا ہے کہ:

نفل اور انفال کے معنی غیر متعلقہ اور غیر ضروری اموال اور سامان آسائش ہیں۔

''انفال جمع ہے نَفَل کی۔ عربی زبان میں نفل اُس چیز کو کہتے ہیں جو واجب سے یا حق سے زائد ہو۔ جب یہ تابع کی طرف سے ہو تو اس سے مراد وہ رضا کارانہ خدمت ہوتی ہے جو ایک بندہ اپنے آقا کے لئے فرض سے بڑھ کر تَطَوُّعًا بجالاتا ہے۔ اور جب یہ متبوع کی طرف سے ہو تو اس سے مراد وہ عطیہ وانعام ہوتا ہے جو آقا اپنے بندے کو اُس کے حق سے زائد دیتا ہے۔ پس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ یہ ساری ردّ وکد، یہ نزاع، یہ پوچھ گچھ کیا خدا کے بخشے ہوئے انعامات کے بارے میں ہو رہی ہے۔ اگر یہ بات ہے تو تم لوگ اِن کے مالک ومختار کہاں بنے جا رہے ہو کہ خود ہی اُن کی تقسیم کا فیصلہ کرلو۔ مال جس کا بخشا ہوا ہے وہی فیصلہ کرے گا کہ کسے دیا جائے اور کسے نہیں؟ اور جس کو بھی دیا جائے اُسے کتنا دیا جائے''

مودودی نے ایک دفعہ پھر مان لیا کہ انفال کی تقسیم کا اور انفال کو حاصل کرنے کا حق اللہ ورسولؐ کے سوا کسی اور کو نہیں ہے۔ اور قریشی خود ساختہ بکواس کو نظر انداز کر کے اُن کے بیانات میں سے قارئین کو اُن کے اصولی اقرار پر متوجہ کرنا چاہتے ہیں۔ اور اُس کو بحث میں نہیں لانا چاہتے کہ قریشی مومنین انفال پر ردّ وقدح اور جھگڑا کر رہے تھے اور خود ہی اُسے تقسیم کر لینا چاہتے تھے۔

نفل اور انفال کے تفصیلی معنی لکھنے کے باوجود مودودی انفال کو بلادلیل کے مال غنیمت بناتے ہیں۔

مودودی کے اس تفصیلی بیان کا منشاء سمجھنے کے لئے چند جملے اسی صفحہ 129 کے شروع کے نوٹ کر لیں:

''یہ تھا وہ نفسیاتی موقع جسے اللہ تعالیٰ نے سورہ انفال نازل کرنے کے لئے منتخب فرمایا اور جنگ پر اپنے تبصرے کی ابتدا اسی مسئلے سے کی۔ پھر پہلا فقرہ جو ارشاد ہوا اُسی میں سوال کا جواب موجود تھا۔ فرمایا ''تم سے انفال کے متعلق پوچھتے ہیں؟'' یہ اُن اموال کو ''غنائم'' کے بجائے ''انفال'' کے لفظ سے تعبیر کرنا بجائے خود مسئلے کا فیصلہ اپنے اندر رکھتا تھا۔ انفال جمع ہے نفل کی۔۔۔''

اوپر گزر چکا ہے۔ نفل اور انفال کی لفظ کو مسئلے کا جواب اس لئے کہا کہ یہ تو انعامات اور فالتو سامان ہے جس میں تمہیں مداخلت کا حق نہیں ہے لیکن اگر وہ صحیح معنی میں انفال رہنے دئے جاتے اور انہیں خود غرضی سے ''غنائم'' نہ بنا دیا جاتا تو بات صحیح ہو جاتی اور مداخلت کا حق اور اُن کا حصہ بھی نہ ہوتا۔ مگر خود اپنی رائے سے انفال کو غنائم بناتے ہی وہ تو اُن کا واجب حق بن گیا۔ اور لفظ کے مودودی معنی ضائع ہو گئے۔ لیکن جو کچھ ضائع ہوا وہ مودودی کا خود ساختہ تھا۔ اُن کے کہنے سے نہ انفال غنائم بنتے ہیں نہ غنائم انفال بن سکتے ہیں۔ مگر قریشی علما کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ قرآن کے الفاظ کے ساتھ بازی گری کریں اور مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لئے الفاظ کے جہاں ضروری ہوں معنی بدل ڈالیں۔ چنانچہ جعلسازی کو پکا کرنے کے لئے اس صفحہ 129 کے آخر میں لکھتے ہیں:

انفال کو مالِ غنیمت بنانے پر دوبارہ فریب کاری کرتے ہیں۔

''اس مقام پر ایک لطیف نکتہ ذہن میں رہنا چاہیئے۔یہاں ''انفال'' کے قصے کو صرف اتنی بات کہہ کر ختم کر دیا ہے کہ یہ اللہ اور اُس کے رسولؐ کے ہیں (نہیں بلکہ اُن کی تقسیم اور حصول سے منع بھی کیا اور اللہ سے ڈرایا بھی اور اپنی ذہنیت کی اصلاح کا حکم بھی دیا اور مومن ہونے کی شرط بھی یاد دلائی اور اطاعت کا حکم بھی دیا یعنی انفال سے قطعاً لاتعلق کر دیا تو اب تقسیم سے انفال کا کوئی تعلق نہ رہا۔احسن) تقسیم کے مسئلے کو یہاں نہیں چھیڑا گیا تاکہ پہلے تسلیم و اطاعت مکمل ہو جائے۔(جو 15 سال کے الہامات میں پوری نہ ہوئی تھی۔احسن) پھر چند رکوع کے بعد بتایا گیا کہ ان اموال کو تقسیم کس طرح کیا جائے۔اسی لئے یہاں انہیں ''انفال'' کہا گیا ہے اور رکوع 5 میں جب تقسیم کا حکم بیان کرنے کی نوبت آئی تو انہی اموال کو 'غنائم' کے لفظ سے تعبیر کیا گیا۔''(تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 129)

اب اگر کوئی یہ دریافت کر لے کہ مودودی کو یہ اطلاعات اپنے باطل قیاسات کے علاوہ کہاں سے ملی ہیں؟ تو سارے قریشی علما کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔بہر حال قریشی علما نے انفال ہی کو غنیمت بنا لیا اور اُس کا پانچواں حصہ اللہ و رسولؐ کا بنا کر باقی چار حصوں کو فوجیوں پر تقسیم کرنے کا قاعدہ بنا لیا تھا۔بہر حال ہم عرض کر چکے کہ ہم یہاں وہ اصول سامنے رکھیں گے جن سے تمام حقوق اللہ و رسولؐ کے لئے متعین ہو جاتے ہیں اور مال یا اطاعت اس میں امت کو کوئی اختیار نہیں رہتا ہے۔اور یہ بار بار آیات اور مودودی بیانات سے سامنے آ چکا ہے اور ثابت ہو چکا کہ:

''مالی فراوانی اور آسائش خالصتاً اللہ و رسولؐ کے ہاتھ میں رہے گی۔اور ساری امت کو اُن کے ہاتھوں کی طرف دیکھنا ہوگا۔''

فطری اور فوری ضرورت کے علاوہ تمام مال و متاع و سامان ضرورت مندوں کا ہے۔

اے نبیؐ یہ قریش تم سے آمد و خرچ پر سوال کرتے ہیں۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ O فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ O (سورہ بقرہ 2/219-220)

''آپ اُن سے کہہ دیں کہ جو کچھ قابلِ نظر اندازی ہو سب خرچ کر دو۔اُسی طرح اللہ تم سے آیات کو بیان کرتا ہے شاید تم لوگ دنیا اور آخرت دونوں پر غور و فکر سے کام لے سکو۔اور آپؐ سے بے سہارا لوگوں کے معاملے میں عمل درآمد معلوم کرتے ہیں۔اُن سے کہو کہ انتہائی مقصد تو یہ ہے کہ بے سہارا لوگ معاشرہ میں فٹ اور موزوں ہو جائیں۔اور اگر تم تمام بے سہارا لوگوں کو اپنے ساتھ کنبہ میں ملا لو تو بہر حال وہ تمہارے بھائی ہی تو ہیں اور اللہ فساد پھیلانے والوں کو اصلاح کرنے والوں سے الگ الگ جانتا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تمام قابلِ نظر انداز مال و سامان اور بے سہارا لوگوں کے معاملے میں تم پر سختی کرتا۔مگر غلبہ رکھنے کے ساتھ ساتھ وہ صاحبِ حکمت بھی ہے۔اس لئے تمہیں آزاد چھوڑ دیا ہے۔''(سورہ بقرہ 2/219-220)

10۔مندرجہ بالا آیات (59/7، 8/1، 2/219-220) پر عمل سب سے پہلے دورِ نبوت کو ختم کر کے دورِ امامت کا افتتاح کرنے والا اولین ولی و حکمران کرے گا۔

پچھلے عنوان میں دعوت ذوی العشیرہ کے ماتحت حضرت علی علیہ السلام کی خلافت و وزارت کا اعلان اور قریش کا خسران بیان ہو چکا تھا۔

اُن کے سلسلہ خلافت ووزارت کا بیان اور اُن کی پہچان بھی قرآن کریم نے وہی بیان کی ہے جو مندرجہ بالا آیات (2/219-220، 8/1، 59/7) کا تقاضا ہے چنانچہ اللہ نے اپنے ساتھ برابر کا ولیؑ بنایا تھا (خطبہ 94) اور یوں اعلان کیا تھا کہ:

اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَ ھُمْ رٰکِعُوْنَ O وَمَنْ یَّتَوَلَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغٰلِبُوْنَO (مائدہ 56-5/55)

''حقیقت اس کے علاوہ کچھ اور ہے ہی نہیں کہ تمہارے ولی اور حکمران تو صرف اللہ اور اس کا رسولؐ ہیں اور وہ مومنین جو کہ نماز قائم رکھتے ہیں اور حالت رکوع (ناداری) میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسولؐ اور پھٹے حال میں زکوٰۃ دینے والے مومنین کو اپنا ولی وحاکم بنائے گا تو بلاشبہ اللہ کی جماعت ہی غالب رہتی چلی جائے گی۔'' (مائدہ 56-5/55)

معلوم ہوا کہ وہ خلفائے خداوندی ہی وہ لوگ تھے جنہوں نے اپنا تمام فاضل سامان حکم قُلِ الْعَفْوَ کے ماتحت ضرورتمندوں کو دے دیا تھا اور اللہ کی طرف سے عائد ہونے والے تمام واجبات ناداری اور پھٹے حال میں بھی ادا کرتے رہتے تھے۔ اور اسی معلوم ومشہود شناخت کی وجہ سے انہیں اللہ و رسولؐ کے ساتھ ولی وحکمران بتایا گیا۔ یہ حضراتؑ مسلمانوں میں بھی اور غیر مسلموں میں مذکور ہوتے اور پہچانے جاتے تھے۔ اور تواریخ واحادیث وتفاسیر وغیرہ کی کتابیں گواہی دیتی ہیں اور منبروں پر علمائے امت بیان کرتے چلے آئے ہیں کہ اُن حضراتؑ کے گھروں سے کھانا پکانے والا دھواں مہینوں مہینوں نہ نکلتا تھا۔ فاقے رہتے تھے۔ بدن پر اور گھروں میں روزمرہ پہننے کے لئے بھی ضرورت کے مطابق کپڑے نہ ہوتے تھے۔ یہ حضراتؑ اپنی ناداری اور پھٹے حال کو برقرار رکھنے اور جو میسر آئے حاجت مندوں کو دے دینے پر فخر کیا کرتے تھے۔

11۔ حضرت علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ نے اپنا اپنا عالمگیر پروگرام خاموشی سے شروع کیا تو قرآن نے ریکارڈ کرلیا۔

چنانچہ ازلی وابدی خلفائے خُداوندی نے دنیا سے ہر قسم کے تنزل اور احتیاج کو بتدریج فنا کرنے اور نوع انسان کو لامحدود قدرت وحیات فراہم کرنے کا پروگرام شروع کردیا جسے قرآن نے یوں بیان کیا ہے کہ:

یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَیَخَافُوْنَ یَوْمًا کَانَ شَرُّہٗ مُسْتَطِیْرًا O وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسْکِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًاO اِنَّمَا نُطْعِمُکُمْ لِوَجْہِ اللّٰہِ لَا نُرِیْدُ مِنْکُمْ جَزَآءً وَّلَا شُکُوْرًاO۔۔۔الخ (دھر 10 تا 76/7)

''انہوں نے اللہ کے سہارے اپنے طے کردہ پروگروام کو پورا کرنا شروع کردیا ہے اور اُس روز سے ڈرتے اور اُسے سامنے رکھتے چلے جارہے ہیں جس کا خطرہ بے پناہ طریقے سے پھیلا ہوا ہے۔ لہٰذا انہوں نے اللہ کی محبت اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے بے سہارا لوگوں (یتیموں) کو اور ہر طرف سے محروم پائے جانے والوں (مسکینوں) کو اور قید وبند ومجبور و پابند کردیئے جانے والے (اسیروں) لوگوں کو کھانا کھلانے اور ضرورت کی چیزیں فراہم کرنے اور جکڑبند سے نجات دلانے کا فرض ادا کرتے چلے جانے کا نظام قائم کردیا ہے۔ اور اعلان کردیا ہے کہ یہ پروگرام اللہ کی توجہات ورضا حاصل کرنے کے لئے ہے اس میں متعلقین پر احسان کرنا یا اُن سے مزدومعاوضہ اور شکریہ وصول کرنا ہرگز مقصود نہیں ہے۔''

یہ تھے وہ حضراتؑ جو مجسم رکوع (5/55) تھے۔ اور قُلِ الْعَفْوَ کی چلتی پھرتی بولتی چالتی تصویر تھے اس آیت (2/219) کی تفسیر تھے۔ یہ تھے وہ حضراتؑ جن کے پاس کوئی چیز ضرورت سے زیادہ اور قابل نظرانداز نہ ہوتی تھی۔ انہوں نے ذاتی ملکیت کی نفی کردی تھی۔ وہ کل کے لئے اُسی طرح

اللہ پر بھروسہ رکھتے تھے جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھروسہ رکھتے تھے اور قرآن میں بطور مثال مذکور ہوئے ہیں۔ (سورہ صف 61/14، سورہ مائدہ 115 تا 5/112، سورہ آل عمران 53-3/52) یہ حضرات علیہم السلام وہ کام کررہے تھے جو حضرت ابو طالب علیہ السلام نے رسوؐل اللہ کے ساتھ کیا تھا اور جسے اللہ نے اپنا کام کہہ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر احسان جتایا ہے اور فرمایا ہے کہ کیا ہم نے تجھے یتیم و بے سہارا نہ پایا تھا اور کیا تجھے بہترین و محفوظ پناہ فراہم نہ کردی تھی اور ہم نے تمہیں الجھنوں اور دقتوں میں پھنسا ہوا دیکھا تو تمہیں تمام رکاوٹوں کو پار کرجانے میں راہنمائی نہ کردی تھی۔ اور ہم نے تمہیں نادار و پھٹے حال میں پاکر تمہیں غنی و مستغنی نہ کردیا تھا؟ چنانچہ اب تم کسی یتیم و بے سہارا شخص کو جھڑکیاں کھانے کی حالت میں نہ چھوڑنا اور کسی حاجت مند و محتاج کو دَردَر مارے مارے پھرنے نہ دینا (ضحیٰ، 10 تا 93/6)۔ چنانچہ آخری نبوت کے یہ وزرا و خلفاء اور دور امامت و ولایت کے یہ امام و اولیاء و حکمران نہایت خوبی سے یہ پروگروام دن رات چلا رہے تھے۔ قریش اس پروگرام سے بہت جلد سمجھ گئے کہ دعوت ذوی العشیرہ میں قائم ہونے والی اُس حکومت و خلافت و وزارت واُخوت کا یہ پروگرام رکنے والا نہیں ہے اور بہت جلد پہلے قریش ہی اُس کی زد میں آنے والے ہیں۔

12۔ قریش نے دعوت ذوی العشیرہ کو ٹھکرانے کی لاعلاج غلطی محسوس کی اور حکومت الٰہیہ علومہ کو قومی حکومت میں تبدیل کرنے کا پروگروام بنایا۔

قریش کے چھوٹے بڑے لیڈروں نے اب محسوس کیا کہ انہیں جلد سے جلد محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکومت الٰہیہ علوؑیہ کو موڑ کر قومی حکومت میں تبدیل کرنا چاہئے لہٰذا انہوں نے سرمایہ داروں دولت مندوں، اجارہ داروں، مہاجنوں، اور بلامحنت کئے غربا کی محنت پر عیش کرنے والوں کو متوجہ کیا اور دکھایا کہ محمدؐ کے خلفاء وؤزرا کیا کررہے ہیں؟ اور کیسا بے پناہ سیلاب اُمنڈنے والا ہے۔ جو ایک مرتبہ بلند ہوا تو تمہیں اور تمہاری دولت کو آن کی آن میں بہالے جائے گا۔ یہ علیؑ و محمدؐ کے چاروں طرف جمع رہنے والے غربا تمہارے جسم کا وہ خون پی جائیں گے جو تم اُن کے جسموں سے صدیوں سے نچوڑتے اور چوستے چلے آرہے ہو۔ وہ تمہارے یہ محلات و مکان ڈھادیں گے جو تم نے اُن سے مشقت کرا کرا کے مفت میں بنوائے ہیں۔ وہ تمہاری اس نرم و نازک اور نازوں سے پلی ہوئی اولاد و نسل کا گلا گھونٹ دیں گے۔ جو تم نے اُن کی اور اُن کی اولاد کی خوراک کم کر کے اور اُن کا آرام و چین اور نیند حرام کر کے پلوائی ہے۔ لہٰذا جاگو اور سیلاب کو روکنے اور اس پر بند باندھنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اور بے خبری اور غفلت کی حالت میں اُس کے دہانے توڑ دو، اس کی تندی اور اُبال کو ادھر ادھر ضائع کردو، آؤ مل کر بیٹھو۔ آرام و چین کے لئے آرام و چین اٹھا کر رکھ دو۔ اور دن رات علیؑ کو حکومت الٰہیہ سے محروم کرنے کی راہیں نکالو۔ اور جو راہ نکلے جو تدارک سامنے آئے اس پر بلا تاخیر عمل کرو۔ تم بھی اپنی دولت کو غرباء پر صرف کرنا شروع کردو۔ انہیں واپس کھینچو۔ علیؑ اور طرفداران علیؑ کو غریب سے غریب تر کردو۔ وسائلِ حیات اُن پر تنگ کردو۔ تعلیمات قرآن کی تفہیم کا رخ قومی حکومت کی طرف موڑ دو۔ عوام کو شخصی اور موروثی حکومت سے خوفزدہ کردو۔ قومی، مشاورتی اور جمہوری حکومت کے فوائد دل نشین کراؤ۔ خود رسوؐل کو اپنی طرزِ حکومت کو اچھائیاں سمجھاؤ (بقرہ 2/204)۔ مان جائیں تب ٹھیک نہ مانیں تب بھی درست و مفید۔ کیونکہ اس طرح اُن کے ذہن پر قومی رجحان کا دباؤ پڑے گا جو اُن کے بیانات کو متاثر کرے گا۔

13۔ قومی حکومت سرمائے اور دولت اور دولتمندوں کی محافظ ہوگی اور سرمایہ داروں کی مخالفت کرنے والوں کو تباہ و برباد کرے گی۔

ظاہر ہے کہ قریش کی قومی، مشاورتی اور جمہوری حکومت کا تصور قدیم الایام سے آج تک کثرت الناس کو پسند رہا ہے۔ اور شخصی حکومت

اس کے مقابلے میں ناپسند رہتی چلی آتی ہے لہٰذا یہی سب سے بڑا حربہ تھا جسے قریش نے اللہ و رسولؐ کے خلاف استعمال کیا اور قرآن کو مجبور صورت میں اپنی تائید اور مدد میں آگے بڑھایا۔ چونکہ قریش نے دین و دنیا اور عقلی کے خلاف قومی حکومت بنانے کا تہیہ کر لیا تھا لہٰذا اللہ نے اپنی سنت و قانون کے مطابق قریش پر جبر نہیں کیا انہیں ڈھیل مہلت اور مادی تائید دے کر آزاد چھوڑ دیا۔ اُنہوں نے حضرت علی علیہ السلام کو صرف اس لئے حکومت سے الگ کر دیا کہ حضرت علی و محمد علیہما السلام نے مشیت خداوندی کے سامنے سر جھکا دیا۔ اور مشیت کے ساتھ ساتھ چلنے والا صبر کا منصوبہ بنا لیا اور خود بھی قریش کو پوری مہلت اور تائید سونپ دی اور صرف حقایق بیان کرتے رہنے کو اختیار کر لیا اور پسند نہ کیا کہ قریش کو کٹے ہاتھ سے تباہ کریں اور جبر سے ناکام کر دیں (خطبہ 3 جملہ 7-8)۔ یوُں قریشی حکومت کی گاڑی چلی اور چلتی رہی۔ خلفائے قریش زیر تشریح خطبہ کے اولین جملوں کے خلاف اپنے مددگاروں کو داد و دہش سے کروڑوں پتی بنانے میں مشغول رہے (3 تا 95/1) اور سرمایہ داروں کی قوت سے غرباء و عوام کی کثرت کو دبائے رکھا اور ظالمانہ و جابرانہ حکومت چلتی اور لاشعوری میں یہودی قبرستان کی طرف بڑھتی رہی۔ اور حضرت علی علیہ السلام تنبیہات کے ساتھ ساتھ پُر خلوص تعاون کرتے رہے۔ آخر خلافت کا جنازہ گلیوں میں کُتّوں کی دعوت کا سامان بنا اور حضرت علی علیہ السلام ہی کی مدد سے اُسے بے کفن قبر نصیب ہوئی اور پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا۔

14۔ وہ ذات پاک جو آتی ہوئی حکومت کو صرف اِسلئے ٹھوکر مار دے کہ اُسے سرمایہ داروں کی تائید منظور نہیں وہ طلحہ و زبیر کو بھی ٹھکرا دے گی

اس آسمان نے اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھا تھا اور ساری دُنیا جانتی ہے کہ خلیفہ دوم کے قائم کردہ شوریٰ میں پانچ کروڑ پتی تھے اور ایک حضرت علی علیہ السلام اُن سرمایہ داروں کے ساتھ نتھی کر دیئے گئے تھے جو اُس دن تک بھی برابر رکوع (پھٹے حال) میں رہتے چلے آئے تھے اور رکوع ہی میں رہنا طے کئے ہوئے تھے۔ اور اسی بات پر پھر حکومت کو ٹھکرا دیا اور ابوبکر و عمر کی ظالمانہ و جابرانہ اور بندر بانٹ کرنے والی طرز حکومت کی تائید سے انکار کر دیا۔ اور حکومت پھر ایک سرمایہ دار یا غنی عثمان کو دیدی گئی۔ بہر حال وہ دور ابوبکر و عمر کی راہ چلتا ہوا اپنے رہنماؤں کے قبرستان پر ختم ہوا۔ اور حکومت دوڑ کر حضرت علی علیہ السلام کے قدموں پر سجدہ ریز ہوگئی۔ اور پھر آسمان کی آنکھوں نے وہ نظارہ دیکھا جو نہ اُس سے پہلے دیکھا تھا اور نہ رجعت سے پہلے دیکھنا نصیب ہوگا۔ خود کو حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھ فروخت (بیعت) کرنے والوں کا ایسا ہجوم تھا جس کے ریلے میں قریش بھی بادلِ ناخواستہ دھکے کھاتے آئے اور بیعت کر لی۔ اور سوچا کہ حضرت علی علیہ السلام انتظام مملکت سے جب عملاً دوچار ہوں گے تو اپنے تصوراتی مقام سے نیچے اُتر آئیں گے اور تین حکمرانوں کے تیار کردہ نظام حکومت کو ایک دم نہ سہی رفتہ رفتہ بتدریج اختیار کر لیں گے۔ عہد رسولؐ کے بعد حالات میں زمین و آسمان کا اور سفید و سیاہ کا فرق ہو گیا ہے۔ علیؑ کس کس انتظام کو بدلیں گے؟ انہیں ماحول سے سمجھوتہ کرنا ہی پڑے گا۔ اسی قسم کی امیدیں قریشی قلوب و اذہان میں گزر رہی تھیں۔ اور حضرت علی علیہ السلام سابقہ حکمرانوں کا تانا بانا توڑتے اور قرآنی نظام سے رعایا کو جوڑتے چلے جا رہے تھے۔ وہ لاکھوں کی تعداد میں تنخواہ دار فوج کو ثلاثہ اینڈ کمپنی کے قائم کردہ خزانوں پر رکھ کر رخصت کر چکے تھے۔ چھاؤنیاں خالی ہو رہی تھیں۔ جنگی نظام کروٹ بدل کر قیصر و کسریٰ کے بجائے اسلامی صورت اختیار کر رہا تھا۔ ناجائز عطیات اور جاگیریں واپس آ رہی تھیں۔ ایک کامیاب اور غربا کے لئے مسرت انگیز و اسلامی انقلاب برپا تھا۔ اور لطف یہ کہ قریشی لیڈروں سے نہ مشورہ لیا جاتا تھا نہ انہیں گھاس ڈالی تھی۔ ایسے عالم میں قریش چین سے نہ بیٹھ سکتے تھے۔ آخر قریش نے طلحہ و زبیر کو آگے بڑھایا وہ آئے اور شکوہ کیا۔ پہلا شکوہ یہی کہ آپ نے ہمیں سو فیصد نظر انداز کر دیا۔ اور دوسرا یہ کہ سابقہ حکمرانوں کے طرز عمل کے خلاف ہمیں حقوق میں بھی برابر کر دیا۔ اِن شکووں کا ہی جواب ہے اس خطبہ 95 میں۔ طلحہ و زبیر جو کچھ

چاہتے تھے اس خطبہ میں مذکور ہے اور جو کچھ مذکور ہے وہی قریش کا مذہب مسلک وعقیدہ اور آج تک عمل درآمد ہے۔ اور وہ بڑے زور وشور سے سرمایہ داری، ذاتی ملکیت اور طبقہ واریت کو قرآنی تعلیمات وآیات سے ثابت کرنے پر مناظرے کرتے رہے ہیں۔

15۔ قرآنی تعلیمات کوتبدیل کرکے توسب کچھ ہوسکتا ہے مگر تبدیل وتحریف کے بغیر قریش کا مذہب اور مذہب کا ہر تصور باطل ہے۔

یہاں تک قرآن سے قریش کی سرمایہ داری اور سرمایہ دارانہ ذہنیت اور طبقہ واریت اور ذاتی ملکیت باطل ہوچکی ہے اور صرف چند آیات (10 تا 59/6،10،8/1،2/219-220،5/55-56،76/7) سے قریش کا پورا سرمایہ دارانہ ڈھانچہ گر کر تباہ ہوجاتا ہے۔ اُن کی بدقسمتی کہ اُنہوں نے یہ مان لیا ہے کہ: ''دولت کو اغنیاء میں نہ جانے دو۔''

یعنی اللہ اغنیاء کو غربا ومساکین کی راہ سے ہٹانا چاہتا ہے یعنی اللہ جانتا ہے کہ اغنیاء ہی وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی مالی اسکیموں سے لوگ غریب اور محتاج بنتے ہیں۔ تو اَب بتائیے وہ کون سی عقل ہے جو سرمایہ داری اور اجارہ داری اور اغنیاء اور محتاجوں کے طبقات کو برقرار رکھنے والا قانون جاری کرنا پسند کرے گی؟ اور جب کہ اللہ نے ہر اُس چیز کو خرچ کر ڈالنے کا بھی حکم جاری کردیا ہے جو نظر انداز کی جاسکتی ہے (اَلْعَفْوَ) تو اغنیاء تو الگ رہے کسی سچے مومن کے پاس بھی ایک جوڑا کپڑے ایک بستر ایک چادر یعنی اتنا سامان رہ جائے گا جتنا محمدؐ وعلیؑ اور فاطمہؑ اور حسنین علیہم السلام کے پاس عہد رسوؐل میں معلوم ومشہور اور ضروری ہے۔ اور جوں جوں حالت ترقی پذیر ہوتی جائے گی۔ ہر چیز آسائش کی طرف بڑھتی چلی جائے گی۔ یہ نہ اللہ کو منظور وپسند ہے نہ شریف انسان اُسے پسند کرتے ہیں کہ غربا اور اُن کے بچے سردی میں تھرتھر کانپتے ہوئے سورج نکلنے کا انتظار کررہے ہوں اور اغنیاء اور اُن کے بچے لحافوں، گدیلوں اور شاندار فرکوٹ پہنے ہوئے گرم ومرغن ولذیذ کھانے پینے کے سامان سے لطف اندوز ہورہے ہوں۔ اور اُن کے خادم اور خادمائیں اُن کے چاروں طرف اُسی سردی میں گشت لگارہے ہوں اور اگر کچھ بچ جائے تو بطور پرورش اُن کا پس خوردہ کھا رہے ہوں۔ یہ صورت حال ہرگز کسی رحم دل وغیور ہستی کو پسند نہیں آسکتی۔ اسی صورت حال کو روکنے کے لئے حضرت ابوذر غفاری اُٹھے تھے اور سخت اَذیتیں پہنچا کر اُنہیں جلاوطن کردیا گیا تھا۔ یہی صورتحال بے دین لوگوں کو کمیونزم کی طرف لے گئی ہے۔ اسی صورتحال کو علما نے اللہ کی پسندیدہ صورتحال قرار دیا تو ساری دنیا اسلام سے متنفر ہوگئی۔ اسی صورتحال نے مسلمانوں کو دنیا میں ذلیل وخوار کیا۔ انہیں دنیا کی ساری اقوام کا غلام ومحتاج بنادیا ہے اور اُن کیلئے بہت سے لیبر کیمپ تیار ومنتظر ہیں وہ اس صورتحال سے بچ نکلنے کی راہیں تلاش کرتے اور اپنے باطل عقائد کی وجہ سے ناکام ہوتے چلے آتے ہیں۔

16۔ سرمایہ داری اور ذاتی ملکیت کا جواز اور تحفظ وہی لوگ کرسکتے ہیں جو قرآن کریم کو پس پشت ڈال دیں۔

ہم یہاں یہ دکھائیں گے کہ قرآن کریم اور سابقہ تمام کتابیں جو نظام حیات اور جو طرز معیشت پیش کرتے ہیں وہ وہی ہے جو ہم نے حضرت علیؑ وفاطمہؑ وحسنین علیہم السلام کی طرف سے قرآن کی چند آیات کے ساتھ پیش کیا ہے اور وہ تمام بحثیں پبلک کو فریب میں مبتلا کرنے کے لئے ہیں جو مودودی اور قریشی علماء رزق، تقسیم رزق، ذاتی ملکیت اور سرمایہ داری کے جواز اور ثبوت میں کرتے ہیں۔ بہرحال یہاں قرآن سے تین آیات پیش کرتے ہیں جو سورہ بقرہ میں آئے ہوئے فرمان قُلِ الْعَفْو (2/219) کی تفسیر کرتی ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ O الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ O وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ O (عنکبوت 29/58 تا 60)

مودودی ترجمہ:''جولوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں اُن کو ہم جنت کی بلند و بالا عمارتوں میں رکھیں گے۔ جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے کیا ہی عمدہ اجر ہے عمل کرنے والوں کے لئے۔ اُن لوگوں کے لئے جنہوں نے صبر کیا ہے اور جو اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ کتنے ہی جانور ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے، اللہ اُن کو رزق دیتا ہے اور تمہارا رازق بھی وہی ہے، وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 716-717)

مودودی کے تشریحی بیانات حقیقت پر پردہ ڈالنے کے لئے ہوتے ہیں۔ مگر مندرجہ بالا آیات ذخیرہ اندوزی کی نفی کر چلیں۔

مودودی کی دو عدد تشریحات پڑھئے اور اُن کی چالاکی میں سے خود حق کو نکال لیجئے:

1۔''۹۸ یعنی جنہوں نے بھروسہ اپنی جائیدادوں اور اپنے کاروبار اور اپنے کنُبے قبیلے پر نہیں بلکہ اپنے رب پر کیا۔ جو اسباب دُنیوی سے قطع نظر کر کے محض اپنے رب کے بھروسے پر ایمان کی خاطر ہر خطرہ سہنے اور ہر طاقت سے ٹکرا جانے کیلئے تیار ہو گئے، اور وقت آیا تو گھر بار چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے۔ جنہوں نے اپنے رب پر اعتماد کیا کہ ایمان اور نیکی پر قائم رہنے کا اجر اس کے ہاں کبھی ضائع نہ ہوگا اور یقین رکھا کہ وہ اپنے مومن صالح بندوں کی اس دنیا میں بھی دستگیری فرمائے گا اور آخرت میں بھی اُن کے عمل کا بہترین بدل دے گا۔'' (ایضاً صفحہ 717)

غور فرمائیں کہ اس آیت (29/59) میں نہ کسی خطرے کا ذکر ہے نہ ایمان کا نہ کسی سے ٹکرانے کی بات ہے نہ گھر بار چھوڑنے کا تذکرہ ہے۔ جس بات کا تقاضا ہے اُدھر توجہ نہیں دی ہے۔ بات یہ کرنا تھی کہ مسلمانوں کو جائیدادوں پر بھروسہ نہ کرنا چاہئے اور جب جائیداد پر بھروسہ فضول ہے تو جائیداد بنانا بھی احمقانہ بات ہے۔ یعنی اصل بات یہ تھی کہ ذاتی ملکیت، دولت، ذخیرہ اندوزی کی مسلمان کو ضرورت نہیں۔ ضرورت ہے اللہ پر توکل کی اور بس۔

2۔دوسری تشریح۔ ''۹۹ یعنی ہجرت کرنے میں تمہیں فکرِ جان کی طرح فکرِ روزگار سے بھی پریشان نہ ہونا چاہئے۔ آخر یہ بے شمار چرند و پرند اور آبی حیوانات جو تمہاری آنکھوں کے سامنے ہوا اور خشکی اور پانی میں پھر رہے ہیں، ان میں سے کون اپنا رزق اُٹھائے پھرتا ہے؟ اللہ ہی تو اُن سب کو پال رہا ہے۔ جہاں جاتے ہیں اللہ کے فضل سے اُن کو کسی نہ کسی طرح رزق مل ہی جاتا ہے۔ لہٰذا تم یہ سوچ سوچ کر ہمت نہ ہارو کہ اگر ایمان کی خاطر گھر بار چھوڑ کر نکل گئے تو کھائیں گے کہاں سے۔ اللہ جہاں سے اپنی بے شمار مخلوق کو رزق دے رہا ہے تمہیں بھی دے گا۔''
(تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 717)

حقیقت فریب میں سے جھانک رہی ہے۔ قارئین قرآن یہ مقام (عنکبوت 60 تا 29/40) پڑھیں بلکہ اور پیچھے تک جائیں آپ کو کہیں ایمان کے لئے ہجرت کا ذکر نہ ملے گا۔ مگر مودودی نہیں چاہتے کہ مسلمانوں کے سامنے ذخیرہ اندوزی، سرمایہ داری اور ذاتی ملکیت و جائیداد بنانے کے خلاف تصور آجائے۔ لیکن اس فریب سازی اور ہجرت و ایمان کی قلابازی کے باوجود آیات اور مودودی کے بیانات سے ثابت ہو گیا کہ اللہ وہی نظامِ معیشت قائم کرنا چاہتا تھا جو حضرت علی علیہ السلام نے عملاً پیش کیا تھا اور جو ''اَلْعَفْوَ'' کے حکم میں مطلوب تھا۔

آخری تشریح سے قریشی و شیطانی نظامِ معیشت تباہ ہو جاتا ہے اور علوی نظام سے سامنے آتا ہے۔

بہر حال مودودی اگلے صفحہ پر علوی نظام کی قدامت پر لکھتے ہیں کہ:

''ٹھیک یہی بات ہے جو سیدنا مسیح علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے فرمائی تھی۔ انہوں نے فرمایا۔۔۔''

مودودی نے اپنی مصلحت کے ماتحت متی کی انجیل کے چھٹے (6) باب کی 25 تا 34 آیات کا مضمون لکھا ہے۔لیکن ہم چھٹے باب کی پہلی آیت سے نقل کر کے قارئین کو تمام متعلقہ ہدایات بھی دکھائیں گے تاکہ نظام معیشت کے ساتھ ساتھ نظام عبادت پر بھی روشنی پڑ جائے سنئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

’’خبردار اپنی راست بازی کے کام آدمیوں کے سامنے دکھانے کے لئے نہ کرو۔نہیں تو تمہارے باپ کے پاس جو آسمان پر ہے تمہارے لئے کچھ اجر نہیں ہے (1)۔پس جب تو خیرات کرے تو اپنے آگے نرسنگا نہ بجوا، جیسا ریا کار عبادتخانوں اور کوچوں میں کرتے ہیں۔تاکہ لوگ اُن کی بڑائی کریں (2)۔میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ وہ اپنا اجر پا چکے۔ بلکہ جب تو خیرات کرے تو جو تیرا داہنا ہاتھ کرتا ہے اُسے تیرا بایاں ہاتھ نہ جانے (3)۔تاکہ تیری خیرات پوشیدہ رہے۔اس صورت میں تیرا باپ جو پوشیدگی میں دیکھتا ہے تجھے بدلہ دے گا (4)۔اور جب تم دعا کرو تو ریا کاروں کی مانند نہ بنو کیونکہ وہ عبادتخانوں میں اور بازاروں کے موڑوں پر کھڑے ہوکر دعا کرنا پسند کرتے ہیں (5)۔تاکہ لوگ اُن کو دیکھیں۔میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ وہ اپنا اجر پا چکے۔ بلکہ جب تو دعا کرے تو اپنی کوٹھڑی میں جا اور دروازہ بند کر کے اپنے باپ سے جو پوشیدگی میں ہے دعا کر اس صورت میں تیرا باپ جو پوشیدگی میں دیکھتا ہے تجھے بدلہ دے گا (6)۔اور دعا کرتے وقت غیر قوموں کے لوگوں کی طرح بک بک نہ کرو، کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے بہت بولنے کے سبب سے ہماری سنی جائے گی (7)۔پس اُن کی مانند نہ بنو کیونکہ تمہارا باپ تمہارے مانگنے سے پہلے ہی جانتا ہے کہ تم کن کن چیزوں کے محتاج ہو (8)۔تُم اس طرح دُعا کیا کرو کہ اَے ہمارے باپ تو جو آسمان پر ہے تیرا نام پاک مانا جائے (9)۔تیری بادشاہی آئے، تیری مرضی جیسی آسمان پر پوری ہوتی ہے زمین پر بھی ہو (10)۔ہماری روز کی روٹی آج ہمیں دے (11)۔اور جس طرح ہم نے اپنے قرضداروں کو معاف کیا ہے تو بھی ہمارے قرض معاف کردے (12)۔اور ہمیں آزمائش میں نہ لا بلکہ برائی سے بچا کیونکہ بادشاہی اور قدرت اور جلال ہمیشہ تیرے ہی ہیں۔آمین (13)۔اس لئے کہ اگر تم آدمیوں کے قصور معاف کرو گے تو تمہارا آسمانی باپ بھی تم کو معاف کرے گا (14)۔اور اگر تم آدمیوں کے قصور معاف نہ کرو گے تو تمہارا باپ بھی تمہارے قصور معاف نہ کرے گا (15)۔اور جب تم روزہ رکھو تو ریا کاروں کی طرح اپنی صورت اداس نہ بناؤ کیونکہ وہ اپنا منہ بگاڑتے ہیں تاکہ لوگ اُن کو روزہ دار جانیں (16)۔میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ وہ اپنا اجر پا چکے (17)۔ بلکہ جب تُو روزہ رکھے تو اپنے سر میں تیل ڈال اور منہ دھو (18)۔تاکہ آدمی نہیں بلکہ تیرا باپ جو پوشیدگی میں ہے تجھے روزہ دار جانے اس صورت میں تیرا باپ جو پوشیدگی میں دیکھتا ہے تجھے بدلہ دے گا۔اپنے واسطے زمین پر مال جمع نہ کرو (19)۔ جہاں کیڑا اور زنگ خراب کرتا ہے اور جہاں چور نقب لگاتے اور چُراتے ہیں (20)۔ بلکہ اپنے لئے آسمان پر مال جمع کرو جہاں نہ کیڑا خراب کرتا ہے نہ زنگ اور نہ وہاں چور نقب لگاتے اور چُراتے ہیں (21)۔ کیوں کہ جہاں تیرا مال ہے وہیں تیرا دل بھی لگا رہے گا (22)۔ بدن کا چراغ آنکھ ہے پس اگر تیری آنکھ درست ہے تو تیرا سارا بدن روشن ہوگا (23)۔پس اگر تیری آنکھ خراب ہو تو تیرا سارا بدن تاریک رہے گا۔پس اگر وہ روشنی جو تجھ میں ہے تاریکی ہو تو تاریکی کیسی بڑی ہوگی (24)۔کوئی آدمی دو مالکوں کی خدمت نہیں کرسکتا۔کیوں کہ یا تو ایک سے عداوت رکھے گا اور دوسرے سے محبت۔یا ایک سے ملا رہے گا اور دوسرے کو ناچیز جانے گا (25)۔تم خدا اور دولت دونوں کی خدمت نہیں کرسکتے۔اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ تم اپنی جان کی فکر نہ کرنا کہ ہم کیا کھائیں گے یا کیا پئیں گے، اور نہ اپنے بدن کی کہ کیا پہنیں گے (26)۔کیا جان خوراک سے اور بدن پوشاک سے بڑھ کر

نہیں ہے؟ ہوا کے پرندوں کو دیکھو کہ نہ بوتے ہیں نہ کاٹتے ہیں، نہ کوٹھیوں میں جمع کرتے ہیں۔تو بھی تمہارا آسمانی باپ اُن کو کھلاتا ہے کیا تم اُن سے زیادہ قدر نہیں رکھتے؟(27)۔تم میں ایسا کون ہے جو فکر کر کے اپنی عمر میں ایک گھڑی بھی بڑھا سکے؟(28)۔اور پوشاک کے لئے کیوں فکر کرتے ہو؟ جنگلی سوسن کے درختوں کو غور سے دیکھو کہ وہ کس طرح بڑھتے ہیں وہ نہ محنت کرتے ہیں نہ کاتتے ہیں(29)۔تو بھی میں تم سے کہتا ہوں کہ سلیمان بھی، باوجود اپنی ساری شان شوکت کے اُن میں سے کسی کی مانند مُلبّس نہ تھا۔پس جب خدا میدان کی گھاس کو جو آج ہے اور کل تنور میں جھونکی جائے گی ایسی پوشاک پہناتا ہے تو اَے کم اعتقادو تم کو کیوں نہ پہنائے گا؟ اس لئے فکرمند نہ ہو کہ ہم کیا کھائیں گے(31-30)۔یا کیا پئیں گے یا کیا پہنیں گے؟ اُن سب چیزوں کی تلاش میں تو غیر قومیں رہتی ہیں(32)۔تمہارا آسمانی باپ جانتا ہے کہ تم ان سب چیزوں کے محتاج ہو(33)۔تم پہلے اُس کی بادشاہی اور اُس کی راستبازی کی تلاش کرو۔یہ سب چیزیں بھی تمہیں مل جائیں گی۔کل کے لئے فکر نہ کرو۔کیونکہ کل کا دن اپنی آپ فکر کر لے گا۔آج کے لئے آج ہی کا دُکھ کافی ہے۔(34)‘‘

مودودی اپنے اور قرآن اور انجیل کے بیان پر مکروفریب کا آخری کلہاڑا مارتے ہیں۔

مودودی نے انجیل سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مندرجہ بالا بیان لکھا اور مختصراً تسلیم کر لیا کہ کھانے اور پینے اور پہننے کے سامان کی تلاش کرنا مسلمانوں کا نہیں بلکہ غیر اقوام کا کام ہے۔اِن چیزوں کی ذخیرہ اندوزی کی ضرورت نہیں ہے۔لہٰذا معاشی تگ ودو کو پہلا نمبر دینا، جائیداد بنانا، ذاتی ملکیت رکھنا اسلامی نظام کے خلاف ہے۔یہ سب کچھ مانتے ہی حضرت علی علیہ السلام اور قرآن کی تصدیق اور ثلاثہ اینڈ کمپنی کی تکذیب ہو جاتی ہے۔مگر قریشی علما یہ سب کچھ لکھنے اور ماننے کے بعد بھی کافر رہیں تو انہیں قریشی علما کیسے کہا جا سکتا ہے؟ چنانچہ یہ بیان دینے کے بعد مسلسل اسی سانس میں اپنی تسلیم ورضا کو قریشی کروٹ دے دی اور پہلو بدل کر یہ کہہ دیا کہ اسلام میں مستقل اور مقبول نظام یہی ہے کہ ہر آدمی دن رات کھانے پینے اور پہننے کے سامان کے حصول اور ذخیرہ کرنے میں لگا رہے اور جائیداد اور ذاتی ملکیت بنائے چنانچہ لکھتے ہیں:

چالاکی اور مکاری قریشی انداز دیکھئے:

’’قرآن اور انجیل کے ان ارشادات کا پس منظر ایک ہی ہے۔دعوتِ حق کی راہ میں ایک مرحلہ ایسا آجاتا ہے جس میں ایک حق پرست آدمی کے لئے اُس کے سوا چارہ نہیں رہتا کہ عالم اسباب کے تمام سہاروں سے قطع کر کے محض اللہ کے بھروسہ پر جان جوکھوں کی بازی لگا دے۔ ان حالات میں وہ لوگ کچھ نہیں کر سکتے جو حساب لگا لگا کر مستقبل کے امکانات کا جائزہ لیتے ہیں اور قدم اُٹھانے سے پہلے جان کے تحفظ اور رزق کے حصول کی ضمانتیں تلاش کرتے ہیں۔دراصل اس طرح کے حالات بدلتے ہی اُن لوگوں کی طاقت سے ہیں جو سر ہتھیلی پر لے کر اُٹھ کھڑے ہوں اور ہر خطرے کو انگیز کرنے کے لئے بے دھڑک تیار ہو جائیں۔اُن ہی کی قربانیاں آخر کار وہ وقت لاتی ہیں کہ جب اللہ کا کلمہ بلند ہوتا ہے اور اس کے مقابلے میں سارے کلمے پست ہو کر رہ جاتے ہیں۔‘‘(تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 720-719)اور پھر محض اللہ پر بھروسے کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ عالم اسباب کے تمام سہارے اختیار کرنا لازم ہو جاتا ہے اور مستقبل کے امکانات کا جائزہ لینا اور جان کے تحفظ اور رزق کے حصول کی ضمانتیں تلاش کرنا واجب ہو جاتا ہے اور مستقبل میں کام آنے کے لئے رزق وسامانِ حیات کا ذخیرہ کرنا، جائیداد بنانا اور ذاتی ملکیت کا ڈھیر لگانا فرض ہو جاتا ہے۔اور جان کو جوکھوں میں ڈالنا اور سر ہتھیلی پر لئے پھرنا حرام اور خودکشی بن جاتا ہے تاکہ اللہ کا کلمہ برابر بلند رہتا چلا جائے۔‘‘

ہمارا یہ طنزیہ جملہ مودودی کے بیان کا لازمی نتیجہ ہے اور وہ عملی صورت ہے جو قریش نے اختیار کی تھی اور جس پر چودہ سو سال سے شیعہ، سُنّی، اہلحدیث، مجتہدین اور حنفیوں، مالکیوں اور شافعیوں اور حنبلیوں کا مستقل عمل درآمد ہے اور اللہ کا کلمہ بلند ہے۔ لاحول ولاقوۃ۔

17۔ علویٔ نظامِ معیشت کی پیروی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے برابری اور ذخیرہ اندوزی وذاتی ملکیت ہمیشہ سے اسلام میں ممنوع رہی ہے۔

اب ہم باقاعدہ قرآن کے ساتھ انجیل کا نظام معیشت دکھاتے ہیں تاکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مشن ومنشائے خداوندی پر عمل کا یقین آجائے سنئے رسولوں کے اعمال میں لکھا ہے کہ:

''اور ایمانداروں کی جماعت ایک دل اور ایک جان تھی اور کسی نے بھی اپنے مال کو اپنا نہ کہا۔ بلکہ اُن کی سب چیزیں مشترک تھیں اور رسول بڑی قدرت سے خداوند یسوع کے جی اٹھنے کی گواہی دیتے رہے۔ اور اُن سب پر بڑا فضل تھا۔ کیونکہ اُن میں کوئی بھی محتاج نہ تھا۔ اس لئے کہ جو لوگ زمینوں یا گھروں کے مالک تھے اُن کو بیچ بیچ کر بکی ہوئی چیزوں کی قیمت لاتے اور رسولوں کے پاؤں پر رکھ دیتے۔ پھر ہر ایک کو اُس کی ضرورت کے موافق بانٹ دیا جاتا تھا۔ اور یوسف نام کا ایک لاوی تھا۔ جس کا لقب رسولوں نے برنباس یعنی نصیحت کا بیٹا رکھا تھا۔ اور جس کی پیدائش کپرس کی تھی۔ اس کا ایک کھیت تھا جسے اُس نے بیچا اور قیمت لاکر رسولوں کے پاؤں میں رکھ دی۔''

(رسولوںؑ کے اعمال ب 4 آیات 32 تا 37)

یہ ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اپنے شاگردوں میں قائم کیا ہوا نظام معیشت۔ جس میں ذاتی ملکیت کی جگہ پورے معاشرے کی مشترک ملکیت اور جائیداد تھی۔ انفرادی ذخیرہ اندوزی ممنوع تھی۔

18۔ ابتدائی تعلیمات اور دینی تمہید کی تکمیل کے بعد آخری تبلیغ اسی اجتماعی نظام کی ہوتی تھی۔

یہاں یہ بھی نوٹ کرلیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے اطمینان کے مواقع پر اسی اجتماعی اور آخری نظام کی تبلیغ فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ انجیل سے ایک واقعہ بطور مثال ملاحظہ ہو۔

اول۔ ''اور دیکھو ایک شخص نے پاس آکر اُس سے کہا کہ اے استاد میں کونسی نیکی کروں تاکہ ہمیشہ کی زندگی پاؤں؟ اُس نے اس سے کہا کہ تو مجھ سے نیکی کی بابت کیوں پوچھتا ہے؟ نیکی تو ایک ہی ہے لیکن اگر تو زندگی میں داخل ہونا چاہتا ہے تو حکموں پر عمل کر۔ اُس نے اُس سے کہا کون سے حکموں پر؟ یسوع نے کہا یہ کہ خون نہ کر، زنا نہ کر، چوری نہ کر، جھوٹی گواہی نہ دے، اپنے ماں باپ کی عزت کر، اور اپنے پڑوسی سے اپنی مانند محبت رکھ۔ اُس جوان نے اُس سے کہا کہ میں نے ان سب پر بچپن سے عمل کیا ہے اب مجھ میں کس بات کی کمی ہے؟ یسوع نے اُس سے کہا کہ اگر تو کامل ہونا چاہتا ہے تو جا، اپنا مال واسباب بیچ کر غریبوں کو دے۔ تجھے آسمان پر خزانہ ملے گا اور آکر میرے پیچھے ہولے۔ مگر وہ جوان یہ بات سُن کر غمگین ہو کر چلا گیا کیونکہ وہ بڑا مالدار تھا۔ اور یسوع نے اپنے شاگردوں سے کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ دولت مند کا آسمان بادشاہی میں داخل ہونا مشکل ہے۔ اور پھر تم سے کہتا ہوں کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے نکل جانا اس سے آسان ہے کہ دولتمند خدا کی بادشاہی میں داخل ہو۔'' (انجیل متی باب 19 آیت 16 تا 24)

قارئین اب پھر قریشی اسلام کو اور قریشی عقائد کو اور چودہ سو سالہ اعمال وعملدرآمد کو اور اُن کے غنی اور اغنیاء کو دیکھیں اور خود کو بھی دیکھیں اور سوچیں کہ اُن کا آپ کا اور ہمارا ٹھکانا کہاں درست ہے؟

دوم۔ ''وہ یریحو میں داخل ہو کر جارہا تھا اور دیکھو زکائی نام کا ایک آدمی تھا جو محصول لینے والوں کا سردار اور دولتمند تھا وہ یسوع کو مجمع میں دیکھنے کی کوشش کرتا تھا کہ کون سا ہے لیکن بھیڑ کے سبب سے دیکھ نہ سکتا تھا۔ اس لئے کہ اُس کا قد چھوٹا تھا۔ پس اُسے دیکھنے کے لئے آگے دوڑ کر ایک گولر کے پیڑ پر چڑھ گیا کیونکہ یسوع اُسی راہ سے جانے والا تھا۔ جب یسوع اُس جگہ پہنچا تو اُوپر نگاہ کر کے اُس سے کہا کہ اے زکائی جلد اُتر آ کیونکہ آج مجھے تیرے گھر رہنا ضرور ہے۔ وہ جلد اُتر ا اُس کو خوشی سے اپنے گھر لے گیا۔ جب لوگوں نے یہ دیکھا تو سب بُڑ بڑا کر کہنے لگے کہ وہ تو ایک گنہگار شخص کے یہاں جا اُترا۔ **اور زکائی نے کھڑے ہو کر خداوند سے کہا کہ اے خداوند دیکھ میں اپنا آدھا مال غریبوں کو دیتا ہوں** اور گر کسی کا کچھ ناحق لے لیا ہے تو اُس کو چوگنا ادا کرتا ہوں۔ یسوعؑ نے اُس سے کہا کہ آج اس گھر میں نجات آئی ہے اس لئے کہ یہ بھی ابراہیمؑ کا بیٹا ہے۔ کیونکہ ابن آدمؑ کھوئے ہوؤں کو ڈھونڈنے اور نجات دینے آیا ہے۔'' (انجیل لوقا باب 19 آیات 1 تا 10)

قارئین یہاں پہلے یہ نوٹ کر لیں کہ یہ شخص زکائی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد نہیں بلکہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد سے بنی اسرائیل تھا۔ سوچنا یہ ہے کہ بنی اسرائیل بھی خود کو اولادِ ابراہیمؑ کہنے میں عزت وفخر محسوس کرتے تھے اور یہ کہ تمام انبیاء بنی اسرائیل بھی اولادِ ابراہیمؑ کی نجات کے لئے آئے تھے۔ پھر یہ نوٹ کریں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے زکائی سے مال کے متعلق کچھ نہیں فرمایا تھا۔ معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ کا معاشی مشن سب کو معلوم تھا کہ دولت کو غربا میں پہنچانا چاہتے ہیں تا کہ دولتمندوں کو دولتمند نہ رہنے دیا جائے اور یوں اُن کو نجات کا موقع دیا جائے۔ معلوم ہوا کہ نجات اس میں ہے کہ دنیا سے غربت اور افلاس واحتیاج کو ختم کر دیا جائے۔ یوں محمدؐ وعلیؑ اور اولادِ علی علیہم السلام کے اسلام میں اور قریش کے خود ساختہ اور دنیا میں پھیلے ہوئے اسلام میں نجات اور تباہی کا فرق ہے۔

19۔ قریشی علمایا سرمایہ دار علمانے دولت کو اُس کے مرکزی مقام سے ہٹا کر لوگوں میں دولت کا ٹھکانہ بنادیا اور قرآن میں تحریف وتبدیلی کی

ہم نے اس بحث کی ابتداء میں لکھا تھا کہ ہم مالِ فے اور غنیمت والی آیات کو اور اُس ماحول کو ازسرنو سامنے لائیں گے جس میں آیت (59/7) موجود ہے (پیرا 6) لہٰذا ازسرنو مالِ فے والی آیت پڑھیے، اللہ نے فرمایا تھا کہ:

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ O مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ O لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ O وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ O وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ O (سورہ حشر 59/6 تا 10)

''اور جو کچھ اللہ نے اُن اہل کتاب کے قبضے سے نکال کر اپنے رسولؐ کو دوبارہ دلا دیا ہے اُس کے دلانے میں تم نے فوجی کارروائی کے طور پر نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹوں کی مدد سے محنت کی۔ بلکہ ہوتا یہ ہے کہ اللہ اپنی مشیت کے مطابق جس پر چاہتا ہے اپنے رسولوںؑ کو مسلط کر دیتا

ہے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ ہر وہ مال واملاک وسامانِ آسائش وسامانِ ترقی جو اللہ نے بستیوں والوں سے اپنے رسوؐل کو واپس دلا دیا ہے۔ وہ اللہ کی ملکیت اور اختیار میں، رسوؐل کی ملکیت اور اختیار میں، اور ذی القربٰی کی ملکیت اور اختیار میں رہے گا۔ اور یتیمی کو اور مسکینی کو اور مارے مارے پھرنے کو آسودہ حالی اور بے روک ترقی سے بدلنے کے لئے اللہ ورسوؐل اور رشتہ داروؐں والاؐ اپنی بصیرت اور حکم سے استعمال کریں گے۔ تاکہ اموال وسامان آسائش وترقی دولتمندوں، سرمایہ داروں، اجارہ داروں اور عثمانوں (غنیوں) ہی کے اندر گھومتے اور غربا کو محروم نہ کرتے رہیں، اس لئے رسوؐل جو کچھ تمہیں دیا کرے وہ بلاچُون وچرا لے لیا کرو اور جس چیز سے، جس کام سے یا جس مال سے تمہیں منع کر دیا کرے تم سب اس سے باز رہا کرو۔ اور اللہ کے احکام کی خلاف ورزی سے بچا کرو (وَاتَّقُوا اللّٰہَ) اس لئے کہ اللہ یقیناً رسوؐل کی حکم عدولی سرتابی اور مال طلب کرنے پر سخت تعقب کرنے اور عذاب دینے والا ہے۔ اللہ رسوؐل اور رشتہ داروؐں وآلے کا یہ نظام اُن مہاجرین کی خوش حالی، آسودہ حالی اور بے روک ترقی کا بھی ذمہ دار ہے جن سے اُن کا مال واسباب اور گھر بار چھین کر انہیں اُن کی بستیوں سے نکالا گیا اور جو اللہ کی خوشنودی اور صرف اُس کے فضل کی خاطر اپنا سب کچھ چھوڑ کر خالی ہاتھ نکل آئے تاکہ وہ لوگ رسوؐل کے پاس رہ کر دلجمعی کے ساتھ دن رات اللہ اور اُس کے رسوؐل کی نصرت کرتے رہیں۔ وہی لوگ ہیں جو سچ مچ کے مہاجر ہیں (باقی نفع اندوزی یا سازش کے لئے آئے ہیں) اور جو لوگ کہ مہاجرین سے بھی پہلے کے مومن تھے یعنی جو کہ ایماںِ مجسم کے اپنے خانہ زاد ایمان میں رچے بسے ہوئے لوگ ہیں اُن کا تو خاص خیال رکھا جائے گا اس لئے کہ وہ پناہ لینے آنے والے مہاجرین سے محبت اور بہت پیار کا سلوک کرتے ہیں اور مہاجروں کو جو کچھ بھی اور جتنا بھی دے دیا جائے اُس میں سے کچھ لے لینے کی اپنے دلوں تک میں احتیاج اور خواہش محسوس نہیں کرتے بلکہ خود اپنے ذاتی اموال واملاک اور اپنے حصوں میں سے بھی مہاجرین کو بطورِ ایثار وقربانی دیتے رہتے ہیں اور اپنی تنگ حالی اور غربت کی بھی پرواہ نہیں کرتے اور حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اِن انصار کی طرح دل تنگی اور تنگ دامنی سے محفوظ ہیں وہی لوگ وہ ہیں جو سچ مچ کامران وبامراد ہو چکے ہیں۔ اور وہ لوگ بھی خصوصی توجہ کے مستحق ہیں جو لُٹ پٹ کر آنے والے مہاجرین کے بعد سورۂ حشر کے نزول وتلاوت سے پہلے پہلے مدینہ میں آ چکے تھے (وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِھِمْ ۔59/10) اور وہ یہ دعا کرتے رہتے ہیں کہ اَے ہمارے پروردگار تو ہماری اور ہمارے اُن بھائیوں کی مغفرت اور تحفظ کا انتظام کر دے جو ایمان لانے میں ہم پر سبقت رکھتے ہیں۔ اور ہمارے دلوں میں تمام مومنین کے لئے کوئی بھی انتقامی جذبہ پیدا نہ ہونے دینا۔ یہ اس لئے کہ ہم اُن سب کو دیکھ دیکھ کر تجربہ کے بعد ایمان لائے ہیں۔ اے ہمارے پالنے والے تو ہی حقیقی طور پر مُلائم سلوک کرنے والا رحیم ہے۔''

20۔ سرمایہ داری، اجارہ داری اور غنی قسم کے لوگوں کی روک تھام اور غربت وافلاس اور محرومی کے خاتمہ کا نظام سامنے ہے۔

قارئین کرام اس عنوان کے ماتحت مودودی اور دیگر قریشی علما کی مکاریاں، دست درازیاں اور اللہ ورسوؐل اور قرآن کے ساتھ بددیانتی پر نظر ڈالنے سے پہلے یہ نوٹ کر لیں کہ مندرجہ بالا ہمارا ترجمہ ہی وہ پہلا ترجمہ ہے جس میں آیات (10 تا 59/6) کے الفاظ اور منشا کی ترجمانی کی گئی ہے۔ اور ترجمہ کا ایک جملہ بھی ایسا نہیں لکھا گیا ہے جو آیات کے الفاظ کے معنی وگنجائش سے باہر نکلتا ہو۔ جب کہ مودودی اینڈ کمپنی نے اپنے تیار کردہ شانِ نزول اور افسانوں کو بنیاد بنا کر اور قریشی حکومتوں کی پالیسیوں اور عمل درآمد کو جائز قرار دینے کے لئے اُن آیات (10 تا 59/6) کا مقصد ومنشا بالکل اُلٹ کر رکھ دیا ہے۔ مثلاً انہوں نے الفاظ ذِی الْقُرْبٰی کے معنی ''رشتہ داروں'' کر دیئے ہیں۔

الف۔ حضرت علی علیہ السلام کواُن آیات (7تا59/6) سے باہر نکالنے کے لئے ترجمہ غلط کرنا ضروری تھا۔

ذِیْ الْقُرْبٰی کا جملہ دولفظوں سے مرکب ہے تمام لغات دیکھ جاؤ آپ کو لفظ ''ذی۔ ذا۔ ذوٗ'' کے معنی ''والا'' اور ''صاحب'' اور ''مالک'' کے ملیں گے اور قرآن کے کئی ایک مقامات پر مودودی بھی صحیح ترجمہ کرتے ہیں۔

اللہ نے فرمایا کہ: 1۔وَفَوْقَ کُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌO ۔(یوسفؑ 12/76)

مودودی کا ترجمہ ہے: ''اور ایک علم رکھنے والا ایسا ہے جو ہر صاحب علم سے بالاتر ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد 2، صفحہ 421-423) اور سنئے:

2 ۔اِذًالَّابْتَغَوْا اِلٰی ذِی الْعَرْشِ سَبِیْلًاO (بنی اسرائیل 17/42)

مودودی ترجمہ: '' تو وہ مالکِ عرش کے مقام پر پہنچنے کی ضرور کوشش کرتے۔'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 618)

قارئین نے دیکھا کہ قرآن باطل پرست مترجمین کو گرفتار کرکے اُن کی بددیانتی اُگلوالیتا ہے لہٰذا مودودی نے نہ صرف لفظ ''ذِی'' کو ایک مستقل لفظ مان لیا بلکہ اُس کے تینوں معنی بھی اپنے داہنے ہاتھ سے اپنی تفسیر میں لکھ دیئے۔ ہم باقی مقامات کو نظرانداز کرکے کہتے ہیں کہ مودودی اینڈ کمپنی کو ذی الْقُربٰی کے معنی ''قربیٰ والا یا قربیٰ کا مالک'' کرنا چاہئیں تھے۔ اور یہ معنی کرتے ہی یہ سوال اُٹھ کھڑا ہوتا کہ وہ کون ایک شخص ہے جو قربیٰ کا مالک ہے اور اللہ و رسوؐل کے ساتھ مسلسل مذکور ہوا ہے؟ یعنی بات کچھ یا تمام رشتہ داروں کی نہیں ہورہی ہے بلکہ جس طرح اللہ و رسوؐل کی تنہا تنہا بات ہوئی اُسی طرح وہ شخص بھی تنہا سامنے آتا ہے اور اُس کی شناخت یہ ہے کہ قربیٰ کا مالک ہے۔ اور جس طرح اللہ اور رسوؐل کے ساتھ ملکیت ظاہر کرنے والا لام (ل) آیا ہے اسی طرح ذی القربیٰ کے ساتھ (لِذِ الْقُربٰی) آیا ہے اور اسی لئے ہم نے ''فَلِلّٰہِ'' کا ترجمہ ''وہ اللہ کی ملکیت اور اختیار میں'' کیا ہے اور ''وَلِلرَّسُوْلِ'' کا ترجمہ ''رسوؐل کی ملکیت اور اختیار میں'' کیا ہے اور لِذِ القربٰی کا ترجمہ بھی ''ذی القربیٰ کی ملکیت اور اختیار میں'' کیا ہے۔ اور جہاں جہاں اور جن جن کے ساتھ یہ ''لام'' ملکیت نہیں آیا اور حرف واؤ (عطف) سے انہیں ملا دیا گیا ہے اُن کو ہم نے اللہ، رسوؐل اور ذی القربیٰ کے ماتحت رکھا ہے۔ یہاں یہ بھی نوٹ کرلیں کہ اللہ تو ہر حال میں ہر چیز کی ملکیت رکھتا چلا جائے گا مگر عملی ملکیت اور اختیارات اُس کے خلفاء یعنی انبیاءؑ اور آئمہؑ یا نمائندگان کے ہاتھوں میں رہتے ہیں۔ اور وہی اس ملکیت اور اختیار کو اللہ کی جگہ اور اللہ کے حکم کے مطابق استعمال کرتے تھے۔ لہٰذا محمد صلی اللہ علیہ آلہ وسلم اپنے زمانہ میں مالک و مختار تھے اور اُن کے بعد اور اُن کی موجودگی میں ملکیت و اختیار ذِی القربیٰ یا قربا کے مالک کو دے کر قیامت تک کی ملکیت اور اختیار کا اعلان کردیا گیا تھا (59/6-7)۔

3۔ ترجمہ کو غلط رخ پر موڑنے کے لئے لفظ ''القربیٰ'' میں تحریف کی ہے۔

یہ ثابت ہوجانے کے بعد کہ لفظ ''ذِی'' کے معنی ''مالک'' اور ''صاحب'' اور ''والا'' ہیں جسے مودودی نے آیت (59/7) کے ترجمہ سے غائب کردیا ہے۔ اب یہ دیکھئے کہ مودودی نے لفظ ''اَلقربیٰ'' کے ساتھ کیا کچھ کیا ہے؟ پہلی بات یہ نوٹ کرلیں کہ علامہ نے القربیٰ کے معنی ''رشتہ داروں'' کئے ہیں اور اس لفظ ''اَلقربیٰ'' میں آئے ہوئے حروف الف لام (ال) کو نظرانداز کردیا ہے اور جس کے مسلّمہ معنی یا تو: ''تمام قسم کے اور تمام لوگوں کے رشتہ داروں'' ہوتے ہیں اور یا ''مخصوص رشتہ داروں'' کرنا پڑیں گے لہٰذا لفظ ''ذِی'' کو شامل کرکے ''ذِی القربیٰ'' کے معنی بھی دو صورتوں میں کرنا پڑیں گے: اول درجے کے معنی ''تمام قسم کے اور تمام لوگوں کے رشتہ داروں کا مالکؑ ۔''

دوسرے درجے کے گھٹیا معنی ''مخصوص مخصوص رشتہ داروں کا مالکؑ۔'' اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّد.

4۔ حضرت علیؑ کے علاوہ کوئی ہستی ذِی القربیٰ کے ہمہ گیر لقب کو حاصل کرنے کی قابلیت نہ رکھتی تھی اس لئے قریشی علمانے قرآن کی تحریف ضروری سمجھی

قارئین نے نوٹ کرلیا ہوگا کہ ساری نوع انسان کی تمام رشتہ داریاں حضرت علی علیہ السلام کی ملکیت واختیار میں دیا جانا ثابت ہوگیا ہے اور قیامت تک نظام معیشت اُنؑ کی زیرِسرپرستی رکھا گیا ہے۔اور وہی ہیں جو انسانوں میں تقسیم مال وآسائش اور وسائل ترقی کے ذمہ دار ہیں۔یہی حقیقت عہد رسولؐ میں قریشی ماہرینِ مذہبیات اور سیاسیات نے نوٹ کی تھی اور سارے قرآن کو اس لئے مجہور ومکذوب کیا تھا کہ حضرت علی علیہ السلام کے مقام کو پوشیدہ کردیا جائے (فرقان 31-25/30انعام 6/66) ہم اِسی لقب ذِی القربیٰ کے متعلق صرف دومثالیں دکھا کر آگے بڑھ جائیں گے۔ لہٰذا سنئے کہ قریش اور قریشی علما نے اُسی لقب کو چھپانے کی کوشش کی تھی سنئے کہ

5۔ رسولؐ اللہ کو اللہ نے دومرتبہ حضرت علیؑ کو اُن کا حق مالکیت وحکومت دینے کا حکم دیا تھا۔

اللہ نے تفصیل سے فرمایا تھا کہ:

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰہَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ Oفَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ ذٰلِکَ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰہِ وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَO(سورہ روم 38-30/37)

''کیا یہ لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ اللہ اپنی مشیت کے مطابق جس کو چاہتا ہے رزق میں کشادگی دیتا ہے اور یقیناً مشیت ہی کے مطابق رزق کو ضرورت کی مقدار سے باندھ دیتا ہے۔یقیناً تقسیم رزق کے اس قانون میں اُس قوم کے لئے کُھلے کُھلے معجزات ہیں جو اُس قانون پر ایمان رکھتی ہے۔چنانچہ تم اے رسولؐ اس شخص کو اُس کا حقِ تقسیمِ رزق دے دو جو تمام قسم کے اور تمام انسانوں کے رشتہ داروں کا مالک ہے۔اور مسکینی اور دولت کے لئے مارے مارے پھرنے کا خاتمہ کردو۔لہٰذا ذِی القربیٰ کو اس کا یہ حق ملتے ہی اُن تمام مومنین کی فلاح وبہبود وکامیابی کا نظام قائم ہوجائے گا جو اللہ کے چہرے اور توجہات کو اپنے اوپر مرکوز رکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔''

6۔ مودودی نے حسب سابق ذی القربیٰ کو چھپایا اور مالی نظام کو تباہ کرکے رکھ دیا ہے۔

یہاں بھی مودودی مالی تقسیم کو مرکز کے ہاتھ سے نکالنے کے لئے آیت (30/38) کا ترجمہ بدل کر یوں کرتے ہیں کہ:

مودودی ترجمہ ''پس (اے مومن) رشتہ دار کو اُس کا حق دے اور مسکین ومسافر کو (اُس کا حق)۔یہ طریقہ بہتر ہے اُن لوگوں کے لئے جو اللہ کی خوشنودی چاہتے ہوں اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔''(تفہیم القرآن جلد 3،صفحہ 757-750)

ذی القربیٰ کے ترجمہ میں مودودی کا جرم ثابت کیا جاچکا۔اس کے بعد اس تازہ ترجمہ میں مودودی نے خود شیطانی وحی سے اطلاع پاکر نبیؐ کی جگہ کسی اپنے اسلامی جماعت کے مومن کو مخاطب بنادیا ہے۔لیکن اِس ترجمہ سے اگر مودودی کا وہ فرضی مومن اگر کسی ایک مسکین اور ایک مسافر اور کسی ایک رشتہ دار کو وہ حق دے بھی دے جو نہ اس آیت میں مذکور ہے اور نہ قرآن میں کہیں اور بیان ہوا ہے تو یہ تمام اُن لوگوں کے لئے کیسے خیروفلاح کا سبب بن جائے گا جو اللہ کی توجہ یا خوشنودی حاصل کرنے کا ارادہ کرتے ہیں؟ جب کہ یہاں نہ باقی مساکین کا تذکرہ ہوا نہ یتامٰی کی بات ہوئی؟ بہرحال یہ ایک حقیقت ہے کہ مودودی نے حضرت علی علیہ السلام کی طرف خیال جانے کی راہ بالکل بند کردی ہے۔لیکن قرآن مودودی کی راہ میں برابر رکاوٹ ہے۔وہاں یہی بات دوبارہ فرمائی گئی اور اب مودودی کا مومن غائب ہوگیا ہے۔ارشاد ہوا تھا کہ:

وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاهُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الْکِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ کِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ

وَلَا تَنۡهَرۡهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوۡلًا كَرِيمًاO وَاخۡفِضۡ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحۡمَةِ وَقُل رَّبِّ ارۡحَمۡهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا O رَّبُّكُمۡ أَعۡلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمۡ إِن تَكُونُوا صَالِحِينَ فَإِنَّهُ كَانَ لِلۡأَوَّابِينَ غَفُورًا Oوَآتِ ذَا الۡقُرۡبَىٰ حَقَّهُ وَالۡمِسۡكِينَ وَابۡنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرۡ تَبۡذِيرًاOإِنَّ الۡمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخۡوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيۡطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًاO وَإِمَّا تُعۡرِضَنَّ عَنۡهُمُ ابۡتِغَاءَ رَحۡمَةٍ مِّن رَّبِّكَ تَرۡجُوهَا فَقُل لَّهُمۡ قَوۡلًا مَّيۡسُورًا O(بنی اسرائیل 28تا17/23)

''اور تیرے پروردگار نے یہ فیصلہ کر رکھا ہے کہ اللہ کے سوا تم لوگوں کو کسی اور کی عبادت نہیں کرنا ہے۔اور والدین کے ساتھ احسان سے پیش آیا کرو۔اگر اُن دونوں میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہارے سامنے بوڑھے ہو جائیں۔تو اُن کی بُری سے بُری بات پر بھی اُن کے رُو برو اُف تک نہ کرنا۔اور اُن دونوں کو کبھی نہ جھڑکنا۔اور جب بھی اُن کو مخاطب کرنا تو عزت و بزرگی اور نفع رسائی کو مدنظر رکھنا اور جس طرح پرندے اپنے بچوں کے لئے اپنے پَر و بازو پھیلا دیتے ہیں۔تم بھی بڑی عاجزی اور ذلت کی حالت میں اُن کے روبرو بچھ جایا کرنا۔اور اُن کے لئے یہ دعا کرتے رہا کرو کہ اَے پروردگار تو اُن دونوں پر اُسی طرح رحم کرتا رہ جیسا کہ ان دونوں نے میرے بچپن میں میری ربوبیت کی تھی۔تمہارا پروردگار تمہارے قلب وذہن میں اپنے والدین کے لئے جو کچھ ہے اُس سے خوب واقف ہے۔اگر تم صالح ہو گے تو اللہ اپنے سے وابستہ رہنے والوں کے لئے تحفظ کا انتظام کرنے والا ہے۔اور اے نبیؐ تم اپنے والدین کے مداوے کے لئے اُس شخص کو اُس کے موروثی حق حکومت کو دے دو جو تمام قسم کے تمام رشتے داروں کا مالک ہے اور مسکینی اور مارے مارے پھرنے کو ختم کرا دو اور صرف باتوں سے پیٹ نہ بھر دیا کرو۔حقیقت یہ ہے کہ صرف باتوں سے پیٹ بھرنا تو شیطان کے بھائیوں کا کام ہے اور شیطان کا مشن تو یہ ہے کہ وہ حقائقِ خداوندی پر پردہ ڈالتا رہے۔اور اگر ذی القربیٰ کے حقِ حکومت کو مصلحتاً اس لئے ٹالنا پڑے کہ ابھی تم خود ہی اللہ کی رحمت وتوجہ کے امیدوار رہو تو تم اُسے تسلی آمیز وحقیقت خیز باتیں کر کے سنبھالا دیا کرو۔''

یہ آیات ہوں یا قرآن کی دوسری آیات ہوں اُن سے باطل پرستوں کا مقصد معنی تبدیل کئے بغیر پورا نہیں ہوتا۔بہرحال یہ دوسرا موقع ہے جہاں ذی القربیٰ علیہ السلام کی پوزیشن بیان ہوئی اور قریشی علمانے اُسے بھی چھپا دیا ہے۔لیکن یہاں ایک خاص صورتحال بھی اس حق کی دائیگی کے ساتھ رسُول اللہ کے متعلق بیان فرمادی ہے جسے سمجھنا تمام مسلمانوں کے لئے اشد ضروری ہے۔اور یہ ہے کہ:

(ب) <u>حکومتِ الٰہیہ کا حق نبوتِ محمدؐیہ کی بنا پر نہیں یہ تو علیؑ کا موروثی حق ہے</u>

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلانِ نبوت کے بعد آج تک اس پر غور نہیں کی گیا کہ حکومت الٰہیہ نبوت کی بنا پر نہیں بلکہ نبوت نہ ہوتی تو بھی حکومت بلا اختلاف اور بلا جدوجہد سارے عرب کی خوشنودی اور یک جہتی سے ملنا تھی۔تفصیلات ہماری تصنیفات میں عموماً اور کتاب مرکزِ انسانیت میں خصوصاً ملیں گی۔یہاں تو مختصراً یہ عرض کرنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش سے تین ہزار سال قبل سے خاندانِ ابراہیم علیہ السلام میں ایک مملکت عظیمہ (نساء 55-4/54) قائم تھی (ارض القران سید سلیمان ندوی) اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے خاندان کا آخری ماتحت بادشاہ جبلہ بن ایھم خلیفہ دوم کے زمانہ تک برسرِ حکومت وتخت تھا۔حضرت اسماعیلؑ کے سب سے بڑے اور پہلے بیٹے جناب نابت (نبایوت) علیہ السلام کی اولاد کے آخری مطلق العنان بادشاہ اور امام حضرت ابو طالب علیہ السلام تھے اور سیرۃ النبی، شبلی، طبری اور تمام قدیم تواریخ سے ثابت ہے کہ حضرت قصیؑ، جناب ہاشم اور حضرت عبدالمطلب علیھم السلام ایسے شہنشاہ تھے جن کے خطوط عرب وعجم کے شاہانِ ممالک اور قیصر و

کسریٰ کے یہاں قانون کا درجہ رکھتے تھے۔اور عربوں کو اُن کے ممالک میں عزت واکرام اُن کے خطوط ہی کی بنا پر ملتا تھا۔اُن کے ٹیکسز معاف تھے۔قیصر روم اُن کے استقبال کو آیا کرتا تھا، درباروں میں انہیں کرسیاں ملتی تھیں،ان کے قافلے ساری دنیا میں محفوظ جاتے آتے تھے (ارض القرآن علامہ سید سلیمان ندوی)۔عرب وعجم اس خاندان سے انتہائی محبت کرتا تھا۔قیصر روم نے حضرت عبدالمطلب علیہ السلام کے روبرو اپنی بیٹی پیش کی تھی تاکہ وہ اسے زوجگی میں قبول فرمالیں۔چنانچہ اگر نبوت محمدؐ یہ بیچ میں حارج نہ ہوگئی ہوتی اور اگر حضرت علیؑ نے خدا اور رسولؐ کی تائید کے لئے خود کو اور اپنی اولاد کو قیامت تک کے لئے پیش نہ کر دیا ہوتا اور اگر قریشی لیڈروں اور بہادروں کو تلوار کے گھاٹ نہ اتارا ہوتا تو حضرت ابوطالب علیہ السلام کے انتقال پر حضرت علی علیہ السلام کے سر پر تین ہزار سال سے چلتی چلے آنے والی موروثی حکومت کی پگڑی باندھی جاتی۔ یہ تھا وہ حق جسے ادا کرنے کا سارے قرآن میں طرح طرح ذکر ہوتا رہا ہے اور جو تائید اِسلام اور قیامت تک کی ذمہ داری لینے کی وجہ سے دُوہرا ہوگیا تھا۔اور قریش روزِ اوّل سے اس حقیقت کو جانتے تھے اور صرف نبوت کی وجہ سے حسد کرنے لگے تھے (نساء 4/54)۔اور نبوت ہی کی تائید وطرفداری کی بنا پر قریش اور قریشی علما حضرت علی علیہ السلام کو حکومتِ الٰہیہ سے دور اور محروم رکھنے میں کوشاں رہے ہیں۔

21۔مالِ فَے اور آیات (59/1-10) پر دوسری نظر ہماری تفسیر احسن التعبیر۔

ہماری تفسیر سے مال فَے اور قریشی نظریات اور عمل درآمد کو سمجھنے کے لئے چند پیراگراف کو یہاں نقل کرنا مفید ہوگا۔ملاحظہ فرمائیں:۔

''آیات (59/2-10) میں جو کچھ فرمایا ہے اس کا مختصر وجامع مقصد ومطلب یہ ہے کہ سرمایہ داروں، اجارہ داروں اور غنی قسم کے لوگوں پر ظلم وجبر کئے بغیر انہیں غرباء کا خون چوسنے اور اپنی تجوریاں بھرنے سے محروم کر کے دنیا سے غربت وافلاس ومحرومی ومسکینی کو ختم کر دیا جائے۔اس مقصد ومطلب کو حاصل کرنے کے لئے ان آیات کے چند اہم نکات یا احکامات یوں ہیں کہ:

(1) زمین وآسمان کی ہر وہ چیز، ہر وہ مال ودولت اور ہر وہ سامان جو نوعِ انسان کی فلاح وبہبود اور ترقی میں درکار ہے اور جس کے وجود میں آنے یا وجود میں لانے میں انسانوں کی ذاتی محنت کدّ وکاوش اور فکر وعمل کو دخل نہیں ہے کسی انسان کی ملکیت نہیں ہے۔اور کسی کو اُس پر تصرف کا حق نہیں ہے۔(59/6-7)۔

(2) ہر ایسی چیز، ہر ایسا مال ودولت اور ہر ایسا سامان اللہ اور اُس کے رسولؐ کی ملکیت وتسلط میں ہے اور اُن ہی کی صوابدید کے ماتحت متعلقہ ضرورت مندوں کو دیا جائے گا۔اور کسی شخص کو اعتراض کرنے کا حق نہ ہوگا۔ورنہ عذاب وعقوبت کا مستحق ہوگا (59/6-7)۔

(3) ایسے اموال واشیاء وسامان ہرگز ہرگز دولت مندوں کو نہیں دیئے جائیں گے (59/7)۔یہاں تک کہ وہ دولت مندی کے دائرہ سے نکل کر ضرورت مندوں میں نہ آجائیں۔اور عوام الناس اُن سے آگے نہ نکل جائیں۔

(4) مذکورہ مال ودولت اور سامان کی صرف ایک مثال دی گئی ہے یعنی وہ مال ودولت جو بلا جنگ وجدل بلا فوجی یا کسی اور کارروائی کے حاصل ہو۔اور وہ مال مادی طور پر اللہ ورسولؐ کے قبضے میں پہلے رہا ہو۔لیکن اُن کی رضامندی کے بغیر اور مشیت کے تسلسل کی بنا پر ناجائز قبضے میں چلا جائے یا چلا گیا ہو۔اور اس مثال میں ان لوگوں کے مال واسباب اور جائیداد کو سامنے رکھا گیا ہے جو اپنی بدعہدی، سازشوں اور قریش سے وفاداریوں کی بنا پر قانوناً جلا وطن ہوئے تھا اور انہیں اسے اپنی جائیداد اور دیگر سامان چھوڑ کر جانا پڑا تھا۔لیکن اصول اور قاعدہ ہر اُس مال واسباب کو شامل کرتا ہے جس کے لئے متعلقہ مسلمانوں نے کوئی ذاتی جدوجہد اور محنت نہ کی ہو مثلاً زمین وآسمان میں اللہ کے خزانے، دریاؤں

نہروں اور پہاڑوں سے حاصل ہونے والا سامانِ معدنیات، بارش، دھوپ، بجلی وغیرہ پر کسی انسان کو ذاتی طور پر حقِ تصرف نہ ہوگا وہ خالصتاً رسولؐ وخلیفۂ رسولؐ کے اختیار وملکیت میں رہیں گے اوران کی صواب دید کے ماتحت خرچ کئے جائیں گے۔ یہ حقیقت قہری طور پر مسلمات میں سے ہے کہ کائنات اور کائنات کی تمام موجودات کا حقیقی اوراوّلین وآخرین مالک اس کا خالق اور برقرار رکھنے والا اور ترقی دینے والا اللہ ہے اوراس کے بعد اُس کا مقرر کردہ معصومؑ جانشین وحاکم تمام موجودات کا مالک اوران پر تصرف کا کلی اختیار رکھتا ہے۔اسی لئے لازم وواجب ہے کہ جو کچھ وہ دے وہی اور اتنا ہی لیا جائے اور جو کچھ وہ نہ دے اس کو نہ مانگا جائے گا نہ اس پر اعتراض کیا جائے گا نہ دل میں خلش اور تنگی محسوس کی جائے ورنہ عذابِ خداوندی سے دوچار ہونا پڑے گا (59/7)۔اس کے ہر حکم کی بے چوں وچرا تعمیل کی جائے گی تو وہ نوع انسانی کی لامحدود ترقی وخوشحالی کی ضمانت لے گا اور منزل مقصود یعنی حیات جاوداں تک پہنچا کر چھوڑے گا۔اطاعت نہ کرنے سے یہی حال لازم تھا جو آج مسلمانوں کا ہے۔اور آج کا حال نیز چودہ سو سال کا حال یہ ثابت کرتا ہے کہ مسلمانوں میں کبھی اس مالی نظام اور نظام کے قوانین کی ہرگز پابندی نہیں کی گئی اور برابر مال وملکیت خداوندی پر بھی اور حکومتِ خداوندی پر بھی غاصبانہ قبضہ جاری رہتا چلا آیا ہے۔اس لئے ہر اُس مال و سامان کو مالِ فَے قرار دیا گیا جو اللہ غاصبوں سے چھین کر اپنے مقرر کردہ حاکم کو دلاتا ہے (59/6-7)۔

(5) <u>علامہ اینڈ کمپنی کے نزدیک مالِ فَے کیا ہے؟؟؟</u>

علامہ مالِ فَے کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''اس جگہ قابل غور بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مَـآ اَفَـآءَ اللّٰـهُ عَـلٰى رَسُوْلِـهٖ مِنْهُمْ (جو کچھ پلٹا دیا اُن سے اللہ نے اپنے رسولؐ کی طرف) کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔اِن الفاظ سے خود بخود یہ معنی نکلتے ہیں کہ: ''یہ زمین اور وہ ساری چیزیں جو یہاں پائی جاتی ہیں'' <u>دراصل اُن لوگوں کا حق نہیں ہیں جو اللہ جل شانہ کے ''باغی'' ہیں۔</u> وہ اگر اُن پر قابض ومتصرف ہیں تو ''یہ حقیقت میں اس طرح کا قبضہ و تصرف ہے جیسے کوئی خائن ملازم اپنے آقا کا مال دبا بیٹھے۔اِن تمام اموال کا اصل حق یہ ہے کہ یہ اُن کے حقیقی مالک، اللہ رب العالمین کی اطاعت میں اُس کی مرضی کے مطابق استعمال کئے جائیں۔ ا۔اوران کا <u>یہ استعمال صرف مومنین صالحین ہی کر سکتے ہیں۔</u>اس لئے جو اموال بھی ایک جائز وبرحق جنگ کے نتیجے میں کفار کے قبضہ سے نکل کر۔ ۲۔اہل ایمان کے قبضے میں آئیں اُن کی حقیقی حیثیت یہ ہے کہ اُن کا مالک انہیں اپنے خائن ملازموں کے قبضے سے نکال کر۔ ۳۔<u>اپنے فرمان بردار ملازموں کی طرف پلٹا لایا ہے۔</u>اسی لئے ان املاک کو اسلامی قانون کی اِصطلاح میں فَے (پلٹا کر لائے ہوئے اموال) قرار دیا گیا ہے۔'' (تفہیم القرآن 5 صفحہ 388، صفحہ 389)

(6) <u>مودودی نے اموال فَے کی تعریف اور بیان میں اپنے مسلمہ معنی اور ترجمہ کی مخالفت میں اور قریش کی موافقت میں فریب دیا ہے۔</u>

قارئین اگر غور فرمائیں گے تو دیکھیں گے کہ مودودی نے مالِ فَے کی تعریف اور بیان میں سارے مسلمانوں کو فریب ہی فریب دیا ہے اور قرآن کے خلاف کھلا ہوا جھوٹ بولا ہے۔اُن کا بیان دوبارہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھئے اور دیکھئے کہ اس علامہ نے اپنے اس بیان میں رسولؐ کو بالکل باہر نکال دیا ہے اور آیات (59/6-7) کو اللہ، کفار اور مومنین کے درمیان محدود کر دیا ہے۔جب کہ اُن آیات میں نہ کافروں کا ذکر ہے نہ مومنین صالحین کا لفظ ہے نہ خائن ملازموں کی بات ہے نہ مال دبا بیٹھنے کا قصہ ہے۔دوسری چالاکی یہ کی ہے کہ ہر جائز جنگ میں ملنے والے مال کو مالِ فَے بنا دیا ہے جب کہ آیات (59/6-7) میں جنگ میں ملنے کی بات نہیں ہے۔بلکہ بلا جنگ ملنے والے مال کو مالِ فَے فرمایا گیا ہے لیکن مودودی غنیمت

یعنی جنگ میں لوٹے ہوئے مال کو بھی مالِ فَے بنا گئے ہیں۔صرف جائز جنگ کی شرط لگائی ہے اور یہ بتانے کی زحمت جان بوجھ کرنہیں کی کہ قرآن کی رُو سے جائز جنگ کون سی ہوتی ہے تاکہ ثلاثہ اینڈ کمپنی کی ہر جنگ جائز ہوجائے۔ان آیات میں مومنین یا مسلمانوں کو اوران کی دوڑ دھوپ کو بالکل خارج کر کے مالِ فَے اُس مال کو کہا گیا جو پلٹا کر رسوؐل کو دیا جائے نہ کہ مومنین کو۔اور جس پر رسوؐل کو مسلط کیا جائے نہ کہ مومنین کو۔اور یہ صرف اللہ اور رسوؐل کے تسلط اور اختیار میں رہے نہ کہ مومنین کے اور مومنین اُس کو صرف اس حالت میں ہی استعمال کرسکتے ہیں جب رسوؐل انہیں دے دے نہ کہ خود بخود اپنی مومنیت کی بنا پر۔اور اللہ نے خود آ کر کوئی مال یا سامان نہ کافر کو دیا ہے نہ مومن کو دیا۔دینے والا اللہ کا نمائندہ ہوتا ہے جسے مودودی نے پہلے ہی آؤٹ کردیا ہے تاکہ اُس کی جگہ ایرے غیرے نتھو خیرے لے لیں۔لہٰذا مودودی نے ایک نہیں بلکہ کئی ایک دھوکے اور مغالطے دیئے ہیں اور کئی جھوٹ بولے ہیں۔

(7) مومنین صالحین کو اللہ نے مالِ فَے کے انتظام اور تحویل سے دھمکی دے کر باز رکھا ہے۔

مودودی کے پسندیدہ صحابہ کو اللہ نے دھمکی دے کر مالِ فَے کے انتظام اور تحویل سے عذاب وعقوبت کی دھمکی دے کر دُور سے دُور رکھا ہے۔چنانچہ پہلے عام اور تمام مومنین سے فرمایا گیا ہے کہ:

''جو کچھ رسوؐل تمہیں دے دے وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تم کو روک دے اس سے رُک جاؤ۔'' (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 392)

یہ حکم قیامت تک تمام ایمان لانے والوں پر واجب ہے اور مالِ فَے ہی نہیں بلکہ تمام قسم کے اموال کی تقسیم اور انتظام سے سارے مومنین کو قیامت تک محروم کر کے مالی انتظام اور تحویل کو رسوؐل کے اختیار میں دیا گیا ہے۔لہٰذا سارا قرآن علامہ اینڈ کمپنی کا اور اُن کے قریشی بزرگوں کا مخالف ہے۔چونکہ حکومت کو غصب کرنے والے گروہ میں اغنیاء ہی تھے اور حضرت عثمان کو تو ساری اُمت آج تک عثمان غنی کہہ کر پکارتی ہے ادھر ابوبکر وعمر بھی مالدار تاجر تھے اور مالداروں اور دولت مندوں کا اللہ کی بادشاہت اور جنت میں داخلہ ہی ناممکن ہے (انجیل)۔اس لئے اللہ نے تمام اغنیاء کو مالِ فَے سے محروم کرنے کے لئے فرمایا کہ: ''تاکہ دولت تمہارے اغنیاء ہی کے اندر نہ گھومتی رہے (59/7)۔

اور تمام مومنین سے فرمایا گیا ہے کہ:۔ ''اللہ سے ڈرو، اللہ بہت سخت سزا دینے والا ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 393)

مالِ فَے سے محروم کئے جانے والوں سے اللہ نے کہا کہ:

''وہ ایسے مال نہیں ہیں جن پر تم نے اپنے گھوڑے اور اونٹ دوڑائے ہوں، بلکہ اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے تسلط عطا فرمادیتا ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 388)

یہ وہ مقام ہے جہاں اللہ نے تمام مومنین صالحین اور غیر صالحین اور انصار و مہاجرین اور فرمانبردار ملازمین کا پتہ کاٹ کر رکھ دیا ہے اور فیصلہ کردیا ہے کہ مالِ فَے اور دیگر چیزوں کو جانشینانِ خداوندی محمدؐ نام کے لوگوں کے تسلط واختیار میں دیا ہے۔لہٰذا بعد رسوؐل مالِ فَے پر بھی پھر سے غاصبانہ قبضہ کرلیا گیا تھا اور غصب کرنے والوں کی تباہی اور عذاب میں مبتلا ہونے کی اسی آیت (59/7) میں اطلاع دے دی گئی ہے اُن کے لئے جواز کی تلاش کی ضرورت ہی نہیں تھی۔مگر قریش کو پبلک کی نظروں سے بچانے کے لئے دھوکہ دیا جاسکتا تھا۔چنانچہ قریش اور اُن کے علمانے اپنے اجتہاد کی آڑ میں بیٹھ کر زکوٰۃ وخمس ومالِ فے اور غنیمت کے قوانین گھڑے اور اُمت میں پھیلائے اوران کو احکامِ خداوندی کہہ کر ان پر جبر وقوت و تلوار و مال وزر سے عمل کرایا لیکن وہ احکام اور وہ اجتہاد قرآن کے یہاں باطل ہے اور صرف سورہ مائدہ کی چار ہی آیات (47 تا 5/44) کی رو سے

کفر و ظلم و فسق و فجور رہے۔ اسلام اور اس کا نظام خاطیوں کو سونپا ہی نہیں جا سکتا۔ البتہ معصومؑ کے ماتحت خاطی کام کر سکتے ہیں جنہیں خطا پر سزا دی جائے گی۔ مگر جب خاطی لوگ خود خلیفہ بن بیٹھے تو انہیں سزا کون دیتا؟ اسی لئے خلفائے قریش نہایت گھناؤنے جرائم کرتے رہے اور اُن سے کوئی مواخذہ نہ ہوسکا۔ عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کے علاوہ تمام خلافتوں میں ظلم و جفا کی کوئی شرمناک سے شرمناک صورت بھی باقی نہ رہی۔ خود خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کو زہر دے کر راہ سے ہٹا دیا گیا اس لئے کہ قریشی خلافت کی جاری کردہ وہ لعنت جو سو سال سے خاندان رسولؐ پر ہر منبر سے ہوتی چلی آ رہی تھی اس نے بند کر دی۔ اس نے حضرت فاطمہ علیہا السلام سے چھینا ہوا جاگیر کا حصہ خاندان اہل بیتؑ کو واپس کر دیا تھا اور چند روز اور زندہ رہتا تو قریش کو اندیشہ تھا کہ شیعہ مذہب اختیار کر لے گا۔

8۔ قریشی خودساختہ قوانین سے آج سو فیصد شیعہ و سنی علما لوٹ کے مال کو قرآن کی رو سے جائز سمجھتے ہیں۔

یہی نہیں کہ آج تمام شیعہ سنی علما لوٹ کے مال کو قرآن کی رُو سے جائز و حلال سمجھتے ہیں بلکہ قریش کے تیار کئے ہوئے قوانین کو اسلامی اور اللہ و رسولؐ کے قوانین بھی سمجھتے ہیں۔ مودودی کے چند جملے سنئے:

''اس طرح شریعت میں غنیمت (لُوٹ کے مال کو۔ احسنؔ) اور فَے کا حکم الگ الگ کر دیا گیا ہے۔ غنیمت کا حکم سورہ انفال آیت 41 میں ارشاد ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ:

وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا غَنِمۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوۡلِ وَلِذِی الۡقُرۡبٰی وَالۡیَتٰمٰی وَالۡمَسٰکِیۡنِ وَابۡنِ السَّبِیۡلِ اِنۡ کُنۡتُمۡ اٰمَنۡتُمۡ بِاللّٰهِ وَمَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلٰی عَبۡدِنَا یَوۡمَ الۡفُرۡقَانِ یَوۡمَ الۡتَقَی الۡجَمۡعٰنِ وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ O (8/41)

''اُس کے پانچ حصے کئے جائیں۔ چار حصے لڑنے والی فوج میں تقسیم کر دئے جائیں، اور ایک حصہ بیت المال میں داخل کر کے اُن مصارف میں صرف کیا جائے جو اُس آیت (8/41) میں بیان کئے گئے ہیں۔'' (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 389)

(9) علامہ کا جھوٹ اور فریب قرآن میں کیسے مل سکتا ہے؟

علامہ کا یہ بیان پڑھ کر ہر قاری یہ سمجھا ہے کہ اسلامی شریعت اور قرآن میں یہ قانون اللہ نے دیا ہے مگر علامہ کا اپنا ترجمہ دیکھیں اور فیصلہ کریں کہ انہوں نے سچ لکھا ہے یا جھوٹ بولا ہے؟ لہٰذا آیت (8/41) کی عربی اوپر لکھی ہوئی ہے ترجمہ پڑھیں:۔

''اور تمہیں معلوم ہو کہ جو کچھ مالِ غنیمت تم نے حاصل کیا ہے اُس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسولؐ اور رشتے داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔ اگر تم ایمان لائے ہو اللہ پر اور اس چیز پر جو فیصلے کے روز، یعنی دونوں فوجوں کی مُڈ بھیڑ کے دن، ہم نے اپنے بندے پر نازل کی تھی (تو یہ پانچواں حصہ بخوشی ادا کرو) اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 145-146)

(10) مودودی کا بیان اس ترجمہ اور آیت میں کہاں ملتا ہے؟

قارئین بتائیں کہ اس آیت کی عربی میں اور مولانا کے اُردو ترجمے میں مودودی کی لکھی ہوئی وہ شریعت کہاں ہے؟ وہ بیت المال کدھر ہے؟ وہ فوج میں چار حصوں کے تقسیم کرنے کا حکم کہاں ہے؟ اور یہ کہاں بتایا گیا ہے کہ لوٹ کے اُس مال کو کون تقسیم کرے گا؟ یا کس نے تقسیم کیا تھا؟ اس آیت میں مخاطب لوگوں کا اللہ کے یہاں ایمان بھی مصدقہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو مشکوک اور ڈاکو یا لٹیرے لوگ ہیں۔ اور خود بلا کسی کی اجازت کے لوٹ مار کر کے لوٹ کے سارے مال کو ہتھیائے بیٹھے ہیں۔ اور اُن سے اُن کے ایمان کا واسطہ دے کر پانچواں حصہ طلب کیا گیا ہے۔ اور اس آیت

(8/41) میں اور مودودی کے ترجمہ میں یہ بھی نہیں ہے کہ اُن ڈاکوؤں نے قرآن میں آئے ہوئے اللہ کے اس حکم کی تعمیل کی تھی یا نہیں؟ یعنی آیا انہوں نے پانچواں حصہ رسوؑل کو دیا تھا یا نہیں؟ یہ ہے وہ فراڈ وفریب جو قرآن کے سر چپکا کر اور چند شانِ نزول اور کہانیاں گھڑ کر اِس بکواس کو اسلامی قانون یا اسلامی شریعت لکھا جاتا رہا ہے۔ حالانکہ اللہ تو یہ فرماتا ہے کہ:

(11) لوٹ مار کی عادت چھڑانے کے لئے ڈاکوؤں کو عذاب کی دھمکی اور مال واپس کرنے کی شرط ہے۔

''اگر لوٹ مار کے سلسلے میں پہلے ہی ایک کتاب موجود نہ ہوتی تو جو کچھ تم نے لے لیا ہے اُس کی پاداش میں تم پر عذاب عظیم نازل کیا جاتا'' (سورہ انفال 8/68)۔ اور اس سے پہلی آیت میں کہا گیا ہے کہ: ''تم لوگ دنیا کے مال ومتاع کے دلدادہ ہو۔ اور اللہ کے پیش نظر آخرت ہے۔'' (8/67)۔ معلوم ہوا کہ یہ لٹیرے لوگ محض لُوٹ مار کے لئے مسلمانوں کے ساتھ شریک ہو گئے تھے اور اُن لٹیروں کو ایمان کی طرف بڑھانے کے لئے رعایت دی گئی تھی۔ چنانچہ اللہ نے دنیا کا مال ومتاع لوٹنے کے لئے یہ بھی فرمایا تھا کہ:

(12) غنیمت یا لوٹ کا مال بڑھا کر اور ہر طرح سے اور بہتر حالت میں واپس کرنے کی شرط سے جائز کیا گیا تھا۔

''اے نبیؐ تمہارے لوگوں کے قبضے میں جو جنگی قیدی ہیں اُن قیدیوں سے کہہ دو کہ اگر یہ ثابت ہو گیا کہ تم لوگ پُر خلوص ہو اور شر انگیزی سے باز رہتے ہو تو اللہ تمہیں اس سے زیادہ اور بہتر مال وسامان دے گا جو تم سے لے لیا گیا ہے اور تمہارے تحفظ کا بندوبست بھی کرے گا (8/70)۔ اس گارنٹی اور ذمہ داری کی شرط کے ساتھ لوٹے ہوئے مال واسباب کو استعمال کرنے کی اجازت دی گئی تھی (8/69) نہ کہ ہمیشہ کے لئے لوٹتے رہنے اور لوٹ کا مال کھاتے رہنے کی اجازت دی گئی تھی۔ ورنہ اللہ نے لوٹ مار کو اور لوٹ کے مال کو اور لٹیروں کو ہمیشہ ناپسند کیا ان کو دنیا پرست کہہ کر ان کی مذمت کی ہے۔ مودودی ترجمہ پڑھیئے:

(13) لوٹ مار کی اور لٹیروں کی اللہ نے ہمیشہ ہی مذمت کی ہے۔

''اور جوں ہی کہ وہ چیز اللہ نے تمہیں دکھائی جس کی محبت میں تم گرفتار تھے (یعنی مال غنیمت) تم اپنے سردار کے حکم کی خلاف ورزی کر بیٹھے اس لئے کہ تم میں سے کچھ لوگ دنیا کے طالب تھے اور کچھ آخرت کی خواہش رکھتے تھے۔ تب اللہ نے تمہیں کافروں کے مقابلے میں پسپا کر دیا تا کہ تمہاری آزمائش کرے۔'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 294، آل عمران 3/152)

یہ تھی غنیمت اور یہ تھے قریشی ڈاکو جو مومن بنے ہوئے تھے۔ اور قرآن کا قانون قتل وغارت اور لوٹ مار اور ڈاکہ زنی اور چوری کو آج تک سنگین جرم اور حرام قرار دیتا چلا آیا ہے۔ وہ قریش کی غاصب وغادر وظالم حکومتوں کے مجتہدانہ اور خودساختہ قوانین وہ نزول قرآن کے دوران بھی قرآن کے الفاظ کے مخالف جرم کفر وظلم وفسق کی ذیل میں آتے تھے (مائدہ 47-5/44) مگر جب انہوں نے قومی حکومت بنالی تو رسوؐل اور ذی القربیٰ علیہ السلام کے وہ تمام ہی حقوق چھین لئے جو اللہ نے قرآن میں اُن کو دیئے تھے۔

(14) سابقہ آیت (8/41) میں بھی ذی القربیٰ کے وہی معنی کرنا ہوں گے جو ہم نے قرآن سے ثابت کئے ہیں۔

مودودی نے سورہ انفال کی آیت (8/41) کے اپنے ترجمہ میں ذی القربیٰ کے معنی وہی کرنا تھے اور کئے ہیں جو قریشی سانچے میں ڈھالے گئے تھے یعنی: وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی .....الخ.

''اور تمہیں معلوم ہو کہ جو کچھ مالِ غنیمت تم نے حاصل کیا ہے اُس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسوؐل اور رشتے داروں اور یتیموں اور

مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 145-146)

یعنی مودودی نے آخر میں جملہ ''کے لئے ہے'' لاکر اللہ ورسوؐل اور ذی القربیٰ کو برابر کر دیا ہے۔ حالانکہ قاعدہ کی رُو سے ترجمہ تھا۔ وہ اللہ کی ملکیت اور اختیار میں، اور اللہ کے رسوؐل کی ملکیت اور اختیار میں، اور تمام قسم کے اور تمام انسانوں کے رشتے داروں کے مالک کی ملکیت اور اختیار میں ہے جو یتیمی، مسکینی اور راستے میں پھرنے کو خوشحالی سے تبدیل کریں گے۔''

یہاں بھی ''لام'' ملکیت صرف اللہ، رسوؐل اور ذی القربیٰ کے ساتھ آیا تھا اور باقی کو ''واوَ'' سے وابستہ کیا گیا ہے۔ برابر کا حصہ دار نہیں بنایا گیا ہے اور یہاں ان پر ایماندار ہونے کی شرط لگائی ہے۔ یعنی جو اِن تینوں کو مالک نہ سمجھیں اور خود حصہ دار بنیں وہ ایمان سے خارج ہو جائیں گے۔ مگر ان تمام شرائط اور دھمکیوں کے باوجود قریش نے قرآن کے احکام میں تحریف کر کے اللہ، رسوؐل اور ذی القربیٰ علیہم السلام کے وہ تمام حقوق ضبط کر لئے جو اللہ نے قرآن میں مقرر فرمائے تھے۔ دلیل یہ رہی ہے کہ جب تک رسوؐل اللہ حاکم تھے تو ذی القربیٰ اور ان کے خاندان کو وہ حقوق حاصل تھے اب ہم حاکم ہیں تو ہمارے خاندان کو وہ حقوق ملنا چاہئیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ **تم قرآن کی کون سی آیت سے حاکم بنے ہو؟** اس سوال کا جواب قریش اور قریشی علما سے آج تک بن نہ پڑا اس لئے کہ قرآن میں قریش کی حاکمیت کے لئے کوئی آیت نہیں ہے۔ بلکہ قریش اور قریشی علماء نے برابر مانا ہے کہ قرآن یا حدیث سے ابوبکر اینڈ کمپنی کی حکومت ثابت نہیں ہے بلکہ انہیں قوم نے حاکم بنایا ہے۔ انہوں نے یہ بھی مانا ہے کہ ابوبکر کو حاکم بنانے کے لئے نہ کبھی قریشی قوم جمع ہوئی اور ابوبکر کو حاکم بنایا یا نہ انصار نے جمع ہو کر ابوبکر کی حکومت پر رائے دی۔ اور نہ قریش اور انصار دونوں نے مل کر ابوبکر کو حاکم بنایا۔ بلکہ ابوبکر نے بار بار اعلان کیا کہ وہ اس حکومت کا حقدار نہیں ہے جب کہ علی علیہ السلام مسلمانوں میں موجود ہیں تو تم لوگ میری بیعت سے باہر نکل جاؤ۔ لہٰذا قریش اور قریشی حکومتوں کا دشمنانِ خدا و رسوؐل ہونا اور باطل ہونا بار بار اور ہر بار ثابت ہوتا چلا آیا ہے۔ لہٰذا طلحہ و زبیر کا مساوی تقسیم کو نہ ماننا اور باقی اُمت سے بڑا اور زیادہ حصہ مانگنا بھی باطل اور اسلامی نظام کی مخالفت تھا۔

(22) مساوات کو برابری سمجھنا بھی باطل ہے، مساوات کے معنی حالات سے موزونیت ہیں۔

مساوات اُس طرزِ عمل کو کہتے ہیں جو حالات کو موزوں بنانے کے لئے اختیار کیا جائے۔ اس سے برابری کا تصور جاری کر دیا گیا ہے جو غلط ہے۔ مال اور تقسیم مال کے سلسلے میں ہر وہ عمل مساوات ہے جو طبقہ واریت کو ختم کرنے کے لئے اختیار کیا جائے گا۔ کبھی اغنیاء کو محروم کر کے غرباء کو دیا جائے گا۔ کہیں غربا کو زیادہ اور اُمراء کو کم دیا جائے گا۔ مقصد یہ ہوگا کہ تمام انسانی برادری برابر کی پوزیشن اختیار کرلے۔ یُوں مساوات کو وہ طریقہ کہا جاسکتا ہے جو لوگوں کو برابری کی طرف لائے۔ اور آخری درجہ میں تمام انسانوں کو ایک کنبہ کی صورت دے کر سب کو مخلوط کر دیا جائے تاکہ طبقہ واریت کا سو فیصد سدِّ باب ہو جائے جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نظام انجیل اور معارف القرآن سے دکھایا جا چکا ہے اور اس کے لئے قرآن کا یہ حکم بنیاد بنتا ہے کہ:۔

وَيَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْيَتٰمٰى قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ O (2/220)

مودودی ترجمہ: ''پوچھتے ہیں یتیموں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟ کہو، جس طرزِ عمل میں ان کے لئے بھلائی ہو، وہی اختیار کرنا بہتر ہے۔ اگر تم اپنا اور ان کا خرچ اور رہنا سہنا مشترک رکھو، تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ آخر وہ تمہارے بھائی بند ہی تو ہیں۔ برائی کرنے والے اور

بھلائی کرنے والے، دونوں کا حال اللہ پر روشن ہے۔ اللہ چاہتا تو اس معاملے میں تم پر سختی کرتا، مگر وہ صاحب اختیار ہونے کے ساتھ صاحبِ حکمت بھی ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 168-167)

(الف) یہ آیت (2/220) اور اس سے پہلی آیت (2/219) ترتیب وار بتدریج مخلوط و مشترک معاشرہ کی بنیاد ہیں۔

مودودی کے اس ترجمہ میں یہ مان لیا گیا ہے کہ ''یتیموں کا خرچ اور رہنا سہنا مشترک رکھنا'' اللہ نے تجویز فرمایا ہے۔ آیت (2/220) کے باقی ترجمہ میں اضافہ بھی کیا گیا ہے اور الفاظ کے معنی بھی بدلے گئے ہیں تاکہ قرآن پڑھنے والوں کو اللہ کی تجویز کے باوجود ''اشتراکیت'' کے تصور اور معاشی دقتوں کے حل سے بچا کر اپنے سرمایہ دارانہ نظام کی طرف موڑا جاسکے۔ بہر حال آیت میں الفاظ کے معنی کو بدلے بغیر یتیموں کی بنا پر پیدا ہونے والی معاشی دقتوں کی اصلاح کے لئے مشترک معیشت کو بطورِ حل سامنے رکھا گیا ہے۔ اور دو اہم اور قابل غور اصول اور سامنے رکھ دیئے ہیں۔ یعنی نوع انسان بہر حال تمہارے بھائی ہیں یعنی پوری نوع انسان کی معاشی اصلاح اشتراک سے ہوسکتی ہے اور یہ کہ معاشی اصلاح ایسا طرزِ معیشت ہے کہ اگر اس طریقہ کو نافذ کرنے میں اللہ جبر و سختی کرتا تو بھی جائز ہوتا۔ مگر وہ چاہتا ہے کہ تم آزادی کے ساتھ عقل و تجربہ سے خود حضرت عیسیٰؑ و حضرت علی علیہ السلام والا نظام معیشت قائم کروتا کہ تمہیں اجر و ثواب بھی ملے۔ جبر و سختی سے تم ثواب سے محروم ہو جاتے۔ جو اللہ کی حکمت کے خلاف ہے۔ لہٰذا علوی و عیسوی نظام ثابت ہوگیا۔ اس سے پہلی آیت میں قُلِ الْعَفْوَ موجود ہے۔

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 37

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 37

خُطبہ ﴿96﴾

1۔اسلامی تبلیغ واقدامات کا وہ دور جب کوئی سامنے نہ آتا تھا۔کوئی زبان نہ کھولتا تھا۔اور حضرت علیؑ اعلانیہ اسلامی خدمات انجام دے رہے تھے۔خم ٹھونک کر مخالفوں سے بات کرتے تھے۔2۔حقائقِ اسلام پر مرتضوی خطبات اور کلام کب شروع ہوا؟3۔اللہ کے نور کی روشنی میں حضرت علیؑ نے پیش رفت اور پیش قدمی کی تھی۔4۔کسی کو حضرت علیؑ پر عیب گیری کا موقع نہ مل سکا۔5۔حضرت علیؑ نے اپنا سب کچھ رضائے الٰہی کو سپرد کیے رکھا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فَقُمۡتُ بِالۡاَمۡرِ حِیۡنَ فَشِلُوۡا ؛	1	چنانچہ میں دین کی تائید اور حمایت کیلئے اس وقت اٹھا تھا جب سب کمزوری دکھا رہے تھے
وَتطَلَّعۡتُ حِیۡنَ تَقبَّعُوۡا ؛	2	اور اُس وقت سر بلند کر کے مخالفوں کے سامنے ڈٹ گیا تھا، جب لوگوں نے گوشہ گیری اختیار کر رکھی تھی۔
وَنطَقۡتُ حِیۡنَ تَعۡتَعُوۡا ؛	3	اور اس وقت حقائق اسلام پر زبان کھولی تھی جب سب نے چُپ سادھ رکھی تھی۔
وَمَضِیۡتُ بِنُوۡرِ اللّٰہِ حِیۡنَ وَقَفُوۡا ؛	4	اور اس وقت اللہ کے نور کو لے کر آگے بڑھا تھا جب سب بے حرکت کھڑے تھے۔
وَکُنۡتُ اَخۡفَضَھُمۡ صَوۡتًا وَاعۡلَاھُمۡ فَوۡتًا ؛	5	اور اُن سب سے دھیمی آواز کے باوجود میری سبقت و پیش قدمی سب سے بلند اور نمایاں تھی۔
فَطِرۡتُ بِعِنَانِھَا ؛	6	چنانچہ میں نے اسلام کی لگام پکڑ کر اُڑنا شروع کیا۔
وَاسۡتَبۡدَدۡتُ بِرِھَانِھَا ؛	7	اور قوت کے ساتھ اس کی کامیابی کی ضمانت لے لی۔
کَالۡجَبَلِ لَا تُحَرِّکُہُ الۡقَوَاصِفُ ؛	8	ایسے پہاڑ کی طرح جم کر دفاع کیا جسے طوفان برق و باد ہلا نہ سکے۔
وَلَا تُزِیۡلُہُ الۡعَوَاصِفُ ؛	9	اور نہ ہی جسے آندھیاں ڈگمگا سکتی ہیں۔
لَمۡ یَکُنۡ لِّاَحَدٍ فِیَّ مَھۡمَزٌ ؛	10	کسی ایک شخص کے لئے بھی یہ گنجائش نہ تھی کہ وہ مجھ میں عیب گیری کر سکے۔
وَلَا لِقَائِلٍ فِیَّ مَغۡمَزٌ ؛	11	اور نہ یہ موقع تھا کہ کوئی بات کرنے والا کوئی ناپسندیدہ طنز کر سکے۔
اَلذَّلِیۡلُ عِنۡدِیۡ عَزِیۡزٌ حَتّٰی آخُذَ الۡحَقَّ لَہٗ ؛	12	میرے نزدیک ہر ذلیل شخص اُس وقت تک صاحب عزت تھا جب تک اُس کا حق اسے نہ دلا دوں
وَالۡقَوِیُّ عِنۡدِیۡ ضَعِیۡفٌ حَتّٰی آخُذَ الۡحَقَّ مِنۡہُ ؛	13	اور ہر طاقت ور شخص اس وقت تک کمزور تھا، جب تک میں اُس سے دوسروں کا حق وصول نہ کر لوں۔
رَضِیۡنَا عَنِ اللّٰہِ قَضَآئَہٗ ؛	14	ہم نے اللہ کے تمام فیصلوں کے سامنے سر تسلیم خم کیا ہوا ہے۔

وَسَلَّمْنَا لِلّٰهِ اَمْرَهٗ ؛	15	اور ہم نے اُس کے تمام احکام کو مان لیا ہے۔
اَتَرَانِیْ اَكْذِبُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ؟ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ ؛	16	کیا تو یہ فیصلہ کرنا جائز سمجھتا ہے کہ میں ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کو جھٹلاؤں گا؟ جب کہ:۔
وَاللّٰهِ لَاَنَا اَوَّلُ مَنْ صَدَّقَهٗ فَلَا اَكُوْنُ اَوَّلَ مَنْ كَذَبَ عَلَیْهِ ؛	17	بخدا میں ہی وہ پہلا شخص ہوں جس نے رسوؐل اللہ کی تصدیق کی تھی چنانچہ میں وہ پہلا شخص نہیں ہوسکتا جو اُن پر جھوٹ بولے۔
فَنَظَرْتُ فِیْ اَمْرِیْ فَاِذَا طَاعَتِیْ قَدْسَبَقَتْ بَیْعَتِیْ ؛	18	چنانچہ میں نے اپنے معاملے میں غور کیا تو دیکھا کہ اپنی بیعت کرانے سے بھی پہلے مجھ پر رسولؐ اللہ کی اطاعت واجب چلی آ رہی تھی۔
وَاِذَا الْمِیْثَاقُ فِیْ عُنُقِیْ لِغَیْرِیْ ؛	19	اور میری گردن پر رسوؐل اللہ سے کئے ہوئے معاہدے کی ذمہ داری سب سے زیادہ عائد ہوتی ہے۔

تشریحات۔

حضرت علیؑ نے بچپن سے ہر لحہ نبوت کی تائید میں گزارااور اپنے والد علیہ السلام کی طرح مخالفت کو دبانے میں لگے رہے۔

حضوؑر نے اس خطبے میں اپنی خدمات اور کارکردگی کا جس قدرت وشوکت وصولت وتسلسل سے تذکرہ فرمایا ہے اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ انہوؑں نے اس دنیا میں ایک لحہ بھی ایسا نہیں گزارا جس میں وہ نبوت واسلام کے فروغ میں مصروف نہ رہے ہوں۔انہوں نے آنکھ کھولی تو نورِ نبوؑی اور اسلامی شکل وصورت دل میں اُترتی چلی گئی۔علومِ خداوندی، رسوؐل کی زبان اور لعاب دہن سے لسان اللہ سے وابستہ رہے اور ہر رگ وپے میں سرایت کر گئے۔اکثر دیکھا اور پوچھا اور سمجھا کہ رات کے اندھیرے میں حضرت ابو طالب علیہ السلام انہیں گود میں اٹھائے لئے چلے جارہے ہیں اور نہایت خاموشی سے اس بستر پر لٹا رہے ہیں جہاں سرِشام ان کے بھائی محمدؐ لیٹے تھے۔یہ بستر بدلنے کا عملدرآمد رات کے اندھیرے میں اور نہایت پوشیدہ اور خفیہ ہوتا تھا۔مگر خفیہ نہ رہ سکا بلکہ رفتہ رفتہ اہل مکہ کو معلوم ہوگیا اور مکہ سے نکل کر ساری دنیا میں مشہور ہوگیا اور اہل علم واہل قلم نے اپنی زبان اور تحریروں سے تمام انسانوں تک پہنچادیا اور آج تک شب ہجرت خود اپنے اختیار وارادے سے بستر رسوؐل پر سونا اور حضرت ابو طالب علیہ السلام کا بستر نبوؑی پر سلاتے رہنے کی عادت ڈالنا، منبروں سے بیان ہوتا چلا آ رہا ہے اور مومنین کی ہمت وایمان ومحبت میں ترقی کا باعث ہوتا چلا آیا ہے مگر میرے ذہن میں ایک سوال ہمیشہ اُبھرتا رہا ہے مگر میں نے آج سے پہلے نہ اُس سوال کو کہیں لکھا اور نہ اس کا جواب کہیں لکھا ہوا دیکھا۔اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی کے دل میں نہ وہ سوال اٹھا اور نہ پوچھا گیا اور نہ جواب ملا۔بہرحال ہم اس سوال کو لکھتے ہیں سنئے اور غور فرمایئے:

2۔ حضرت علی علیہ السلام شبِ ہجرت، رسوؐل کے بستر پر سوتے اور رسوؐل معلوم ہوتے رہے۔

سوال یہ ہے کہ یہ بات تو حضرت ابو طالب علیہ السلام کے لئے ہر طرح مناسب اور معقول اور ممکن تھی کہ وہ رات کو حضرت محمدؐ کو بے آرام کئے بغیر اُنؐ کے بستر سے اٹھا کر دوسرے بستر پر لٹادیں اور انؐ کی حفاظت کے لئے حضرت علیؑ کو انؐ پر قربان کرنے کے لئے انؐ کے بستر پر سُلادیں۔مگر یہ کیسے ممکن تھا کہ حملہ آور ایک بچہ کو، چھوٹا سا قد وقامت ہوتے ہوئے بھی بچہ نہ سمجھے اور اس کی آنکھیں اُسے ایک قدآور جوان اور محمد

سمجھیں؟ جیسا کہ شبِ ہجرت انہیںؑ محمد سمجھنے پر کسی کو شک وشبہ نہ ہوا اور طلوع آفتاب تک وہ اُنہیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سمجھتے رہے۔ اور حضرت علی علیہ الصلوٰۃ والسلام بیدار ہوئے تو رسالت وامامت کا فرق نظر آیا اور ان ہی حضرت سے تحقیق حال پر سوالات کئے۔

3۔ قریش نے ویسے تو بہت سے افسانے تیار کئے ۔مگر قریش کی تاریخ وحدیث وتفسیر وغیرہ کی کتابیں محمدؐ وعلیؑ کے بچپن اور جوانی کے حالات سے خالی ہیں۔

قریش نے محمد وعلی علیہما السلام کے اُن تمام حالات کو غائب کرلیا جو اُن کی پالیسیوں کے خلاف پڑتے تھے۔ انہوں نے اُن کو ایک عام اور خاطی بشر بنا کر دکھانے کے لئے اللہ کی عطا کردہ تمام قوتوں قدرتوں اور عقل مند انسانوں کو حیران کردینے والی معجزاتی طاقتوں کو، اپنی تیار کی جانے والی تاریخوں، حدیثوں اور تفسیروں سے دُور رکھا اور خود اپنے ایسے انسان بنا کے اُمت وانسانیت کے سامنے پیش کیا۔ اُنہیں کافروں کی اولاد اور کافر بنا کر دکھلایا۔ اور چالیسویں سال اچانک وحی کا آجانا اور نبی بنا دیا جانا لکھا۔ اور نبوت کے دوران ان سے ہر قسم کی غلطیاں، کوتاہیاں اور بہت سی لغزشیں سرزد ہونا اپنے ریکارڈ میں سجا کر لکھا۔ اس تمام پلاننگ اور کوششوں کے باوجود ان کے ماہرین ومصنفین سے ایسی غلطیاں ہوتی رہیں جن سے حق تک رسائی ممکن ہوگئی۔ پھر قرآن کریم نے ان کا بھانڈا پھوڑ دیا۔ اور ہمیں سابقہ انبیاء علیہم السلام کے بچپن، جوانی اور بڑھاپے کے حالات پر اطلاع دے دی اور قرآن کریم نے واضح الفاظ میں انہیںؑ سابقہ تمام انبیاءؑ ورسلؑ سے افضل واعلیٰ اور صاحبِ قدر وکرامت بتایا ہے۔ اور قریش نے غلطی سے اس حقیقت کو مان لیا ہے۔ لہٰذا ہم انہیں سابقہ انبیاءؑ ورسلؑ سے کسی حالت میں، کسی مرتبے اور قدرت میں کم نہیں سمجھ سکتے نہ ان کے والدین علیہم السلام کو سابقہ انبیاء ورسل علیہم السلام کے والدین وبزرگوں سے کم ماننے اور منوانے کے لئے تیار ہوسکتے ہیں۔ اللہ کے ہر سلوک کو جو اس نے ان کے ساتھ کیا اور قرآن میں مذکور ہوا ہم بڑھا چڑھا کر محمدؐ وعلیؑ اور ان کے آباؤاجدادؑ کے لئے منوائیں گے۔ اور قریش کے ان تمام افسانوں کا انکار کردیں گے جن کے بل بوتے پر انہوں نے اپنے حالات اور مذہب کو سجا کر اور سنوار کر ابلیس کی طرح اُمت اور انسانیت کو فریب دیا ہے اور جن کا ذکر قرآن میں نہیں ہے۔

4۔ قرآن میں اُن نامعقول وغیر ضروری مظالم کا کہیں بھی تذکرہ نہیں ہے۔ جو قریش نے مشرکین عرب پر بطورِ تہمت لگائے ہیں۔

مثلاً غریب مسلمانوں کو دھوپ میں لٹا کر ان کے اوپر پتھر رکھ دینا وغیرہ، ہر وہ ظلم جس کے لئے معقول وجہ نہ ہو پاگلوں کا کام ہوتا ہے اور قریش سب کچھ تھے مگر وہ ہرگز پاگل نہ تھے۔ جو بات یا فعل ان کے نزدیک بے عقلی کا ہوتا تھا وہ اسے پاگلوں کا فعل کہتے تھے لہٰذا ہر وہ بات جو انہیں پاگل قرار دے بلا دلیل تسلیم کرلینا پاگل پن ہے۔ قریش نے مسلمان لباس پہن لینے اور حکومت الٰہیہ پر قبضہ کرلینے کے بعد مکی قریشیوں کو اس لئے بدنام کرنے کے افسانے پھیلائے کہ کوئی یہ شک نہ کرلے کہ قریشی مسلمان ان ہی کے پیرو اور چمچے تھے۔ ہم نے ثابت کیا ہے کہ مشرکینِ قریش میں اور مومن قریش میں کسی معاملے اور مسئلے میں ذرہ برابر فرق نہ تھا۔ قریشی مومنین روز اول سے اور آج تک سو فیصد ان کے ہم مذہب وہم عقیدہ رہے ہیں۔ اس حقیقت پر پردہ ڈالنے ہی کے لئے انہوں نے افسانے تیار کئے اور امت میں پھیلائے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس راز کو میرے سوا کسی نے نہیں سمجھا۔ اور اس چودہ سو سال میں شیعہ سنی تمام علما فریب خوردگی کے عالم میں قریش کے تیار کردہ حدیثی وتاریخی وتفسیری افسانوں سے راہ نمائی لیتے رہے ہیں۔ ہم تنہا ہیں جس کو اُن کا تیار کردہ ریکارڈ دھوکا نہیں دے سکا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام کا یہ سارا خطبہ من وعن اسلامی ریکارڈ میں ہونا چاہئے تھا۔

پیدائش کے بعد رسوؐل اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چالیس سالہ حالات کو کیوں نہ لکھا؟ ابوبکر وعمر وعثمان کے بچپن کے حالات، جوانی کے واقعات کیوں غائب کر دیئے؟ اسی لئے نا کہ اُن کے فضائل اور اِن کے رزائل قریش کا پردہ فاش کرتے تھے؟ اُن کے لئے ضروری تھا کہ وہ صرف ایسی باتیں لکھوائیں جو اُن کے عقائد واعمال واقدامات کی تائید کرتی ہوں اور اُن کے راہنماؤں کی بدکرداری چھپاتی ہوں۔ حضرت علی علیہ السلام کا یہ خطبہ (96) بتاتا ہے کہ: میں دین کی تائید اور حمایت میں اس وقت اٹھا جب سب کمزوری دکھا رہے تھے۔ اور اس وقت سر بلند کر کے مخالفوں کے سامنے ڈٹ گیا جب لوگوں نے خانہ نشینی اختیار کر رکھی تھی (خطبہ 96، جملہ 1 تا 2) ہم جاننا چاہتے ہیں کہ وہ کون کون مسلمان تھے؟ ہمیں ان کے نام بتاؤ جو ازراہِ بُزدلی گھروں میں بیٹھ کر دن گزار رہے تھے؟ ہمیں خود قرآن سے سمجھنا ہوگا کہ یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے حکومت الٰہیہ کو جس طرح ہو سکے غصب کرنے اور چھین لینے کا پلان بنایا تھا۔ یہ وہی قریشی مومنین تھے جو مکہ کے قریشی مرکز کے اشاروں پر چلا کرتے تھے اور ان ہی کے اشارہ پر مسلمان بن کر رسوؐل کے ساتھ شامل ہوگئے (آل عمران 3/149) تھے اور لوٹ مار کا مال حاصل کرنے کے لئے حقیقی مومنین میں گھُل مل گئے تھے (3/152) اور جو جنگ میں رسوؐل کو دشمنوں کی کھنچی ہوئی تلواروں کے نرغہ میں قتل ہو جانے کے لئے چھوڑ کر بھاگ گئے تھے اور پہاڑ پر جا کر جمع ہو گئے تھے اور رسوؐل کے پکارنے اور بلانے پر بھی پلٹ کر نہ دیکھا تھا (3/153)۔ اور جن کے لئے مودودی نے لکھا ہے کہ:۔

''جب مسلمانوں پر (لُوٹ میں لگ جانے کی بنا پر۔ احسؔن) اچانک دو طرف سے حملہ ہوا اور اُن کی صفوں میں اَبتری پھیل گئی تو کچھ لوگ (صحابہ۔ احسؔن) مدینہ کی طرف بھاگ نکلے اور کچھ اُحد پر چڑھ گئے، (ان ہی میں ابوبکر وعمر تھے۔ احسؔن) مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک انچ اپنی جگہ سے نہ ہٹے۔ دشمنوں کا چاروں طرف ہجوم تھا، مگر اللہ کا رسوؐل اس نازک موقع پر بھی پہاڑ کی طرح اپنی جگہ جما ہوا تھا۔ اور بھاگنے والوں (صحابہ۔ احسؔن) کو پکار رہا تھا۔ اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰهِ ،اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰهِ ،اللہ کے بندو میری طرف آؤ اللہ کے بندو میری طرف آؤ۔ (مگر کوئی پلٹ کر بھی نہ دیکھتا تھا۔ احسؔن)۔'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 295)

''اُن ہی فرار شدہ صحابہ میں وہ گروہ بھی تھا جو اللہ کے متعلق حق کے خلاف عقائد کا پرچار کر رہا تھا اور ایام جاہلیت والے سابقہ عقائد پر زور دے رہا تھا اور اپنے اسلام لانے کے منصوبے کے ماتحت حکومت واقتدار میں رسوؐل اللہ کے ساتھ برابر کے حقوق چاہتا اور شخصی حکومت کو رسوؐل کے خاندان سے نکال کر قومی وجمہوری حکومت بنانا چاہتا تھا (مودودی ترجمہ میں تلاش کریں 3/154) اور یقیناً اس تصور کے بانی مبانی عمر وابوبکر تھے۔ اور ان ہی کے لئے حضرت علیؑ اور اللہ نے لفظ حِیۡنَ فَشِلۡوُا اور فَشِلۡتُمۡ (خطبہ 96، جملہ 1، 3/152) بولا ہے۔

جہاد میں کمزوری دکھانے اور بھاگ جانے والوں کی کچھ خصوصیات مودودی کی زبانی (3/145)

ان کی بدترین صفات قرآن سے مودودی کی زبانی سنئے:

وہ لوگ دنیا پرست تھے۔ 2۔ تنگ نظری میں مبتلا تھے۔ 3۔ اپنی مجتہدانہ غلط کوشش کے نتائج اچھے نکلتا دیکھ کر ان کی طرف جھک پڑنے والے تھے۔ 4۔ آخرت کے اچھے نتائج کے لئے اپنا وقت، اپنا مال اور اپنی قوتیں صرف کرنے کے لئے تیار نہ رہتے تھے'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 292)

لفظ فَشِلۡوُا اور فَشِلۡتُمۡ کے ماتحت آنے والے لوگ ہی ذِی القربیٰ کو محروم کرنے والے صحابہ تھے۔

جن لوگوں کے لئے حضوؐر نے لفظ فَشِـلُـوۡا (خطبہ 96، جملہ 1) فرمایا ہے وہ سورہ انفال میں مال غنیمت لوٹنے اور پانچواں حصہ اللہ

رسوؐل اور ذی القربیٰ کو دینے کا قانون بنانے والے صحابہ تھے (انفال 43-8/41) اللہ نے ان کے سینوں میں سے کمزوری و کم ہمتی نوٹ کر کے انہیں آگے بڑھانے کے لئے دشمنوں کی تعداد کم بتائی تھی۔ان صحابہ کی صفات بھی مودودی نے لکھی ہیں۔

1۔اپنی خواہشات اور جذبات میں بہہ جانے والے۔ 2۔جلد بازی کرنے والے۔3۔گھبرانے اور ہراس اور طمع میں مبتلا رہنے والے۔4۔غلط قوتِ فیصلہ رکھنے والے۔5۔خطرات اور مشکلات میں بھاگ نکلنے چھپ کر بیٹھنے والے۔6۔بے محل حرکات کرنے والے۔7۔مصائب اور آفات کے وقت بدحواس ہوجانے والے۔8۔دنیاوی فوائد، منافع اور لذات نفس میں الجھنے والے۔یعنی لفظ صبر وضبط سے قطعاً عاری لوگ تھے۔(تفہیم القرآن جلد 2، صفحہ 148)

5۔خطبہ 96 درحقیقت قریش کو ننگا کرنے کے لئے دیا گیا ہے۔

جب حضرت علی علیہ السلام نے یہ خطبہ 96 دیا تھا اور جن لوگوں کے سامنے دیا تھا وہ اُن مسلمانوں یا صحابہ سے واقف تھے۔جو اس خطبہ میں مذکور ہیں۔لیکن بعد میں جب معاویہ نے تاریخ اسلام اور احادیث رسوؐل لکھوانا شروع کیں تو اُن مردود و مذموم لوگوں کو اسلام کا ہیرو بنا کر پیش کیا گیا اُنہیں اوّلین وسابقین اور صدیق وفاروق اعظم کے القاب میں ملبوس کیا گیا۔لیکن یہ خطبہ اور قرآن مل کر اُن کی بدکاریوں، ناہنجاریوں اور اسلام دشمنی کا راز کھولتا ہے۔اور بتاتا ہے کہ صرف حضرت علیؑ اور حضرت ابوطالبؑ اور اُن کا اپنا خاندان علیہم السلام اسلام اور نبوت کا طرفدار تھا۔اور جن لوگوں کو قریشی مرکز نے اوّلین سابقین میں شامل ہوجانے کا اشارہ کیا تھا وہ چپکے چپکے یا اعلانیہ ایمان کا اظہار کرتے اور اپنے اپنے کاروبار میں مصروف رہ کر دن گزار رہے تھے اور عیسائیوں و یہودیوں اور بجیرا راہب اور ورقہ بن نوفل وغیرہ لوگوں کی اور سابقہ الہامی کتابوں کی پیشینگوئیوں پر تکیہ لگائے ہوئے تھے۔اور تنہا حضرت علی علیہ السلام ہی ہاتھوں اور لفظوں سے نبیؐ اور نبوت کا دفاع اور تبلیغ اور اہتمام کر رہے تھے اور اپنی اسی جدوجہد کے لئے فرمایا تھا کہ: وَنَطَقْتُ حِيْنَ تَعْتَعُوْا ؛وَمَضَيْتُ بِنُوْرِ اللّٰهِ حِيْنَ وَقَفُوْا؛ (خطبہ 96، جملے 3،4)

''اور میں نے نبیؐ و نبوت کی تائید و تبلیغ میں اس زمانے میں بولنا شروع کر دیا تھا جب کہ اوّلین وسابقین کہلانے والوں نے چُپ سادھ رکھی تھی اور میں نور اللہ کو ساتھ لے کر اس زمانہ میں آگے بڑھا تھا جب سب مسلمان ہیرو کہلانے والے لوگ بے حس و حرکت کھڑے تھے۔''

حضرت علی علیہ السلام کا یہ بیان چھپانے کے لئے قریشی تاریخ ساز اداروں نے حضرت محمد و علی علیہما السلام کے اور ابوبکر وعمر وعثمان کے اور دیگر اسلامی ہیروز بنا دیئے جانے والوں کے بچپن و جوانی کے حالات سے چشم پوشی کی تھی ورنہ علی علیہ السلام کا یہ بیان بھی تصدیق ہوجاتا کہ:۔

''اور اُن سب سے دھیمی آواز رکھنے کے باوجود میری سبقت اور پیش قدمی سب سے بلند بانگ اور نمایاں تھی۔چنانچہ میں نے اسلام کی لگام پکڑی اور اُسے ہمہ گیری دینے کے لئے میں نے پرواز شروع کر دی تھی اور نہایت دباؤ اور قوت کے ساتھ اسلام کی کامیابی کی تنہا ضمانت لے لی تھی۔اور مخالفت کو روکنے کے لئے ایسے پہاڑ کی طرح جم کر قائم رہا تھا جسے برق وباد کے طوفان جنبش نہ دے سکتے تھے۔اور نہ اُسے آندھیاں اور سیلاب ڈگمگا سکتے تھے۔''(خطبہ 96، جملے 5 تا 9)

حضرت علی علیہ السلام کے متعلق وہ تصورات جو شیعہ یا سُنی علما نے قریشی ریکارڈ سے مُتاثر ہو کر اپنی اپنی کتابوں میں جمع کئے ہیں ہم نے رد کر دیئے ہیں اس لئے کہ وہ حضرت علیؑ کے اپنے بیانات کے خلاف ہیں اور ہمارا اصول یہ ہے کہ ہر اُس فضیلت کو بھی رد کر دیں جو حضرت علی علیہ السلام کے خطبات و بیانات سے میل نہ کھائے یا جو قریشی مذہب اور پالیسی کی تائید میں ہو۔

6۔ حضرت علیؑ کی تخلیقی عظمت، خاندانی ونسلی شجاعت وصولت تمام سابقہ انبیاؑء ورسلؑ کی وراثت اور پُشت پر اللہ کی تائید وقدرت کے بعد کچھ درکار نہیں۔

حضرت علی علیہ السلام کا یہ خطبہ ہے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ مشرکین اعلان نبوت کے بعد حضرت ابو طالبؑ، محمد رسوؐل اللہ اور علیؑ مرتضیٰ علیہم السلام کا بائیکاٹ اور ترکِ تعلق وتعاون تو کرسکتے تھے اور کئے رکھا مگر خاندانِ رسوؐل اور پیروانِ رسوؐل پر ہرگز ظلم وستم کرنے کی قدرت نہ رکھتے تھے۔ یہ خطبہ تمام قریشی افسانوں کو باطل کرتا ہے۔ اس میں تو ناجائز کدورت اور دشمنی رکھنے والوں پر جبر واستبداد کرکے دبائے رکھنے کا اعلان فرمایا گیا ہے (خطبہ 96، جملے 6 تا 9) مظلوم ومقہور اور کمزور لوگ یہ نہیں کہہ سکتے کہ وَاسْتَبْدَدْتُ بِرِھَانِھَا اور میں جبر وقوت وزبردستی کے ساتھ اسلامی کامیابی کی ضمانت لے کرآگے بڑھتا چلا گیا۔ اور پہاڑوں سے بڑھی ہوئی مضبوطی اور پائیداری کے ساتھ نبیؐ، اسلام اور مسلمانوں کا تحفظ کرتا رہا اور یہی عمل درآمد ہے جو اس عنوان (6) پر بجتا ہے۔ ہر قدم پر رسوؐل اللہ اور مسلمانوں کا مشرکوں کے ہاتھ سے پٹتے اور ذلیل ہوتے رہنا اور سردارِ مکہ حضرت ابو طالب وحضرت علی علیہما السلام کا موجود ہونا بہت بڑی توہین وناکامی ہے۔ جو معاویہ اینڈ کمپنی نے اور دیگر تاریخ وحدیث گھڑنے والوں نے اسلام کی تاریخ کے نام سے اسلامی ریکارڈ میں رکھی ہے۔ حیاتِ رسوؐل میں بھی اور بعد رسوؐل بھی کسی مشرک یا نام نہاد مسلمان کی یہ جرات نہ ہوئی کہ ظلم وجبر تو الگ، بقول حضرت علی علیہ السلام کوئی حضرت علیؑ میں حرف گیری یا طنزیہ جملہ کہہ سکتا (خطبہ 96، جملے 10 تا 11) مکہ واہل مکہ کی خوفزدگی اور حضرت علی علیہ السلام کے سامنے زبان بندی کا نظارہ دیکھنا ہو تو سورہ برأت پڑھ کر دیکھو۔ اور ساتھ ہی یہ دیکھو کہ ایسا قہارانہ بیان سنانے کے لئے حضرت علیؑ ہی کو کیوں بھیجا تھا؟ صرف اس لئے کہ حضرت علی علیہ السلام کے سامنے بچپن وجوانی میں اہل مکہ کانپتے اور لرزتے رہتے تھے۔ سورہ برأت اگر کوئی اور سناتا تو مکہ کا کوئی بھی بہادر اٹھ کر دو تھپڑ مار کر اُس سے سورہ چھین لیتا۔ وہ لوگ جواُن کے سامنے مانندِ رعیت ومحکوم رہتے چلے آرہے تھے اور اُن کے سامنے باربار بھاگتے نظر آتے تھے۔ شیعہ کہلانے والے علمانے ابوبکر سے سورہ توبہ لے کر حضرت علیؑ کو دے دیا جانا ہی ایک فضیلت بنا کر دکھا دیا حالانکہ یہ فضیلت نہیں بلکہ رسوؐل اور اللہ کی توہین ومذمت تھی۔ وہ کام جس کو ہر کوئی کرسکے علیؑ ہی کو دیا جانا تاکہ رسوؐل اور علیؑ کی یکتائی اور رشتہ داری ثابت ہو سکے، بڑی گھٹیا بات ہے۔ وہ تو رشتہ دار، بھائی بھائی تھے ہی، اور سورہ توبہ کے آنے سے پہلے بھی تھے، بعد میں رہے اور سورہ توبہ واپس نہ کی جاتی تب بھی بھائی بھائی رہتے۔ اس عمل درآمد سے محض تعصب کا اعلان ہوا اور کوئی فرق نہ ہوا۔ لیکن بتانے کی بات یہ تھی کہ ابوبکر ایک بڈھا اور کمزور جسم کا آدمی تھا۔ اسے باربار سانس پھول جانے کا سامنا کرنا پڑتا۔ اتنا طویل خطبہ دینے کی نہ اُسے عادت تھی نہ اتنا طویل مضمون اس نے کبھی پڑھ کر سنایا تھا۔ نہ اُسے یہ قوت حاصل تھی کہ ایسے قہارانہ زبان میں تیار شدہ خطبہ کو اُسی قاہرانہ لب ولہجے میں ادا کرسکتا اور آخری بات یہ کہ ایک ثابت شدہ بزدل وکمزور آدمی جابروں، ظالموں، سرکشوں کے سامنے کیسے جم کر کھڑا ہوتا اور کس طرح اُن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اُنہیں جھنجوڑ سکتا؟ اگر کوئی اچانک چھینک دیتا تو ابوبکر گر نہ پڑتے تو بھاگ ضرور جاتے۔ اہل عقل کو متعصّبانہ توجیہہ کی جگہ صحیح، فطری اور عملی صورت پیش کرنا چاہئے تھی تاکہ قیامت تک آنے اور سننے والوں پر اثر پڑتا، وہ متاثر ہوتے۔

7۔ سورۂ توبہ اور قریش سے توبہ کرانے والی بے پناہ ہستیؑ کا تاب وتوان اور دبدبہ وشان چُھپتی نہیں۔

ہماری تفسیرِ قرآن احسن التعبیر سے سورہ توبہ کی تشریح سے تمہید سنئے لکھا گیا تھا کہ:

''سورہ توبہ 9 ہجری کے آخری مہینے میں پہلی مرتبہ حضرت علی علیہ السلام نے قریش کو بطورِ چیلنج سُنائی تھی۔ یہ وہ موقع تھا کہ مکہ میں تمام

سردارانِ قریش موجود تھے۔تمام عرب وعجم کے تاجر اور حاجی سمٹ کر مکہ میں جمع ہو گئے تھے۔ ہزاروں دشمنوں کے مجمع میں کھڑے ہو کر اللہ کے اس قاہرانہ چیلنج کو حضرت علی علیہ السلام کے سوا اور کوئی اس مطلوبہ شان اور دبدبہ کے ساتھ پیش ہی نہ کر سکتا تھا جس کی آج ضرورت تھی۔ اُدھر حضرت علی علیہ السلام سرکشانِ قریش کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر آیاتِ خداوندی کا جادو جگا رہے تھے اور اِدھر جنگ بدر و اُحد وخندق وخیبر وغیرہ میں اپنی بے جگری، شجاعت اور تلوار کی تیزی اور صفائی کو زبان کی روانی اور لب ولہجہ کی اٹھا پٹخ سے ہم آہنگ رکھتے ہوئے اپنے مخاطبین کے دلوں کو ہلا اور سروں کو چکرا رہے تھے۔لوگوں کو جگہ جگہ اپنی کمزوری، بزدلی اور فرار یاد آتا جا رہا تھا۔میدان جنگ کی چیخیں کانوں میں گونج جاتی تھیں اور دل دہل جاتے تھے۔اگر جوانانِ قریش کے جوڑ و بند ڈھیلے نہ پڑ گئے ہوتے تو آج سردارانِ قریش کے لئے یہ پہلا اور آخری موقع تھا کہ وہ اور تمام دشمنانِ اسلام کو لازم تھا کہ وہ جان پر کھیل جاتے اور سوچتے کہ تباہ تو ہونا ہی ہے محمدؐ وعلیؑ کو چار ماہ کا موقع ہی کیوں دیا جائے اور ذلت کی زندگی کی جگہ عزت کی موت کو کیوں نہ اختیار کر لیا جائے۔اور سر ہتھیلی پر رکھ کر چاروں طرف سے علیؑ اور طرفدارانِ محمدؐ پر یکبارگی حملہ کر دیتے تو سوچیے کہ ان مسلمانوں کا کیا حال ہوتا اور وہ کہاں چھپتے جو چوڑے میدان میں سے فرار کر جایا کرتے تھے۔یہ چیلنج تو ایک زبردست فوج کی زیرنگرانی کرنا چاہئے تھا۔مدینہ سے آئے ہوئے مسلمان مسافر تھے۔اسلحہ کی جگہ قربانی کی بھیڑ بکریاں اور اونٹ لئے ہوئے تھے۔اہل مکہ اپنے شہر میں تھے۔اسلحہ اور سامانِ رسد موجود تھا۔وہ حملہ کرتے تو ایک مسلمان بھی بچ کر نہ جاتا۔سب وہیں کھیت ہو کر رہ جاتے۔مگر رسوؐل اللہ اور اللہ کا انتخاب صحیح تھا۔انہوں نے ایک زبردست فوج کی جگہ صرف یداللہ،لسان اللہ،عین اللہ کو تعینات کیا اور قریشی گروہ کی ہمتیں توڑ کر رکھ دیں۔ذرا سوچیے کہ عمرو بکر وخالد یہاں کیا کرتے؟ یہاں سینکڑوں عمر اور ہزاروں خالد وبکر موجود تھے مگر علیؑ ایک ہی تھا اور کافی تھا۔یہی لوگ تو تھے جنہیں بعد میں قریشی تاریخ نے سیف اللہ، صدیق اکبر،اور فاروق اعظم اور تیس مار خان بنا دیا۔یہی لوگ تو تھے جن کے لئے علی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ میں تنہا نبیؐ اور اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کر رہا تھا اور یہ لوگ دُم دبائے،سانس روکے ہوئے گھروں میں دُبکے ہوئے تھے۔

<u>8۔یہ وہی علیؑ تھے جو تنِ تنہا مکہ میں لوگوں کو تین دن تک امانتوں کا روپیہ بانٹتے رہے اور قریش دَم بخود پھرتے رہے۔</u>

وہ اللہ اور رسوؐل ہی تو تھے جنہوں نے طے کیا تھا کہ علیؑ بسترِ رسوؐل پر سوئے رہیں۔صبح کو سو کر اٹھیں تو تلوار بکف مجمع کو ڈانٹ کر بھگا دیں۔ مکہ کے تمام باشندوں کو مطلع کریں،امانتیں حساب کر کے سب کو واپس کریں۔سامانِ سفر کریں اور چاروں فاطمہؑ وں علیھن السلام کو نہایت عزت و شان سے محملوں میں سوار کریں اور مدینہ لے کر آنحضرؐت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور پہنچ جائیں۔کتنا اطمینان اور یقین تھا اللہ ورسوؐل کو حضرت علی علیہ السلام کے ہر کام پر ہر نقل وحرکت پر؟ حضرت علی علیہ السلام مکہ میں تنہا تھے۔سارا مکہ جو رسوؐل کے خون کا پیاسا تھا۔اور اس شخص کو اپنے اندر اپنی گلیوں اور سڑکوں پر ہلکی سی مسکراہٹ لئے ہوئے چلتا پھرتا دیکھ رہا تھا جس نے اُنہیں رات بھر بیوقوف بنائے رکھا اور صبح کو دھکا دے کر بھگا دیا تھا۔ قریش نہ ہاتھ ہلا سکتے تھے نہ ہی زبان میں اُٹھنے کی طاقت تھی۔یہی شخص تو سورہ توبہ کا چیلنج سُنا رہا تھا۔ہجرت کی صبح تک تو نہ علیؑ کی تلوار کی کاٹ دیکھی تھی اور نہ ہی ان سے کوئی مقابلہ ہوا تھا۔سورہ توبہ سننے سے پہلے تو علیؑ اُن کے جسم وحواس پر مسلط ہو کر رہ گئے تھے۔انہوں نے تلوار کی پہلی کاٹ تو اُس وقت دیکھی تھی جب حضرت علی علیہ السلام کو گھیرنے اور مع خواتین کے واپس مکہ لانے کے لئے ایک بہادروں کا گروہ حضوؐر کو گھیر کر کھڑا ہو گیا ۔آپ تنہا تھے اور چاہتے تھے کہ مکہ کے جوان عورتوں کا خیال کر کے از راہِ شرم ورحم وشرافت بلا لڑے پلٹ جائیں اور عورتوں کو جنگ کی ہیبت کے

احساس سے محفوظ رہنے دیں۔ سمجھایا، اپیل کی مگر شرم وحیا اور رحم وشرافت اور قریش مختلف ومتضاد چیزیں تھیں انہوں نے بڑھ کر حملہ کیا۔ تنہا شخص پر دس بارہ جنگجوؤں کا حملہ؟ حضرت علی علیہ السلام نے بنی اُمیہ کے غلام حرب کو حمائل کر دیا یعنی سر اور ایک ہاتھ کٹ کر گرا تو یہ سب بھاگے۔ دوسرا گروہ آتا ہوا نظر آیا۔ ابھی دور تھا، بلند ہو کر انہیں دیکھنا اور خود کو دکھانا چاہا تو حملہ آور گروہ نے دیکھا کہ ایک شخص اتنا بلند ہے کہ اگر چاہے تو ان کے سروں کو پیروں سے روند ڈالے۔ آنکھیں پتھرا گئیں گرتے پڑتے کسی طرح منظر سے نکل بھاگے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کہیں وہ سوئچ (Switch) دب گیا تھا۔ جو حضرت ابو طالب علیہ السلام کے زمانہ میں رسولؐ کے بستر پر لٹاتے ہوئے سائز برابر کر دیا کرتا تھا۔ اور میدانِ جنگ میں سامنے سے بھاگنے والی فوج کا ہر جوان یہ دیکھ کر سرپٹ دوڑتا چلا جاتا تھا کہ علیؑ تعاقب کرتے ہوئے دو چار ہاتھ قریب آچکے ہیں۔ سپاہیوں کے منہ سے یہ باتیں نکل کر تواریخ وحدیث کی کتابوں میں پہنچیں اور بحثیں یوں ہوتی رہیں کہ حضرت علیؑ بھاگنے والے کا پیچھا نہ کرتے تھے۔ یہ تمہارا وہم تھا۔ تم پر علیؑ کی ہَول سوار تھی۔ اور یہ کہ میں ان سے قریب ہی چھپا ہوا لیٹا تھا۔ علیؑ تو اپنی جگہ سے ہلے تک نہیں۔ علیؑ کے لئے علماء نے یہ بھی کہا کہ وہ مظہر العجائب تھے اور یہ بھی کہ ایک مادی جسم کئی جگہ پر نہیں ہوسکتا ہے۔

9۔ علیؑ جوان ہوئے تو قریش کی ناک میں نکیل ڈالی۔ علیؑ بچے تھے تو رسولؐ سے شرارت کرنے والے بچوں کے دانت توڑے۔

حضرت علی علیہ السلام کے خطبے میں عربوں پر جبر واستبداد قدم قدم پر ثابت ہے۔ ایک تاریخی واقعہ سنئے:۔

''جنگ احد کے متعلق حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ جب حضرت علی علیہ السلام طلحہ بن ابی طلحہ کے مقابلہ پر نکلے تو اُس نے دریافت کیا کہ تو کون ہے کہ اس کم سنی میں میرے ہاتھ سے قتل ہونے کو مقابلہ میں نکل آیا ہے۔ حضورؑ نے فرمایا کہ میں علیؑ ہوں ابو طالب علیہ السلام کا بیٹا ہوں۔ طلحہ نے یہ سن کر کہا کہ اَے قُضَیم مجھے پہلے ہی خیال تھا کہ تمہارے سوا میرے مقابلہ پر آنے کی اور کوئی جسارت نہ کرے گا۔ لوگوں نے اسی لفظ قُضَیم سے مخاطب کئے جانے کا سبب حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا؟ حضورؑ نے فرمایا کہ بچپن میں حضرتؑ علی علیہ السلام کا یہ لقب اس لئے مشہور ہوا کہ مشرکین قریش خود تو رسولؐ اللہ کو اس لئے نہ چھیڑتے تھے کہ اطلاع ہوجانے پر ان کی پٹائی ہوگی لہٰذا انہوں نے بچوں کو اس کام پر لگا دیا وہ رسولؐ پر مٹی پھینکتے تھے، کنکریاں مارتے تھے اور حضرت ابو طالب علیہ السلام بچوں کو کچھ نہ کہہ سکتے تھے اور وہ شرارتیں کرتے ہوئے دوڑ کر کسی کے بھی گھر میں گھس جاتے تھے۔ دوسرے روز رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبلیغ کے دَورہ میں حضرت علی علیہ السلام کو اپنے ساتھ لے لیا۔ چنانچہ جو لڑکا آیا حضرت علیؑ نے اس کا تعاقب کیا اور گھروں میں جا کر پکڑا اور کسی کے دانت توڑ دیئے کسی کا ناک بگاڑ دیا۔ کسی کا ہاتھ توڑ دیا کس کا گھٹنا پھٹ پڑا۔ یعنی بچے آپس میں لڑتے تھے، تھوڑی ہی دیر میں میدان صاف ہوگیا۔ بچے چیختے چلاتے ہائے واویلا کرتے ماں باپ کے پاس جاتے اور چاروں طرف قَضَمَنا علیؑ کا شور تھا ماں باپ کیا کرتے علیؑ بھی تو ایک بچہ تھے لیکن جس کے جہاں لگا توڑے پھوڑے بغیر نہ چھوڑا۔ پورے علاقہ میں ''علیؑ نے توڑ دیا'' ''علیؑ نے پھوڑ دیا'' کا شور تھا۔ آئندہ پھر کبھی کوئی لڑکا بدمعاشی اور شرارت کے خیال سے حضورؐ کے قریب نہ آتا تھا۔ یہ تھا قضیم کے لقب کا مطلب۔ کافی اپاہج لڑکوں کی تعداد پھرتی تھی اور کوئی نہ چاہتا تھا کہ محتاج بن کر گھر میں بیٹھے۔ مکے کے بچے چھپتے پھرتے تھے۔ ماں باپ نے کان پکڑ لیا تھا۔ علیؑ کا مارا ہوا نہ طبیب کے ہاتھوں اچھا ہوا نہ جراح سنوار سکا۔ انگلی بھی کہیں لگی تو زہر میں بجھی ہوئی برچھی کی طرح کام کرتی رہی۔ لوگ تاکید کرتے تھے کہ دیکھو قضیم سے دور دور اور بچ کر رہا کرو۔ قریشی کہانیوں میں اہل مکہ کو شیر بنا کر دکھایا گیا ہے۔ اور

مسلمانوں کو بھیڑ بکریاں اور لاوارث مجبور اور مقہور کی صورت میں پیش کیا گیا ہے اور حضرت ابو طالب علیہ السلام کے انتقال کے بعد تو ظلم و ستم کی لرزہ خیز داستانیں گھڑی گئی ہیں۔ حالانکہ حضرت ابو طالب علیہ السلام کا صدمہ اپنے مقام پر ہے اور اس نقصان کا بدلہ کسی طرح نہیں ہوسکتا مگر اس نقصان کا اس بات سے کوئی تعلق نہیں کہ مسلمان لاوارث ہوگئے تھے۔ کسی مسلمان پر مسلمان ہونے کی وجہ سے اگر زیادتی ہو جانا معلوم ہو جاتا تھا تو متعلقہ شخص یا اشخاص کو شارع عام پر ذلیل ورسوا کیا جاتا تھا اور اسے اسی مسلمان کے ہاتھوں پٹوایا جاتا تھا جس پر زیادتی کی جاتی تھی۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ وہ خود اپنے غلام کو بھی مار پیٹ سکے۔ قریشی تاریخ کی گھڑی ہوئی کہانیاں محض بکواسِ مبین ہیں یہ تو مانا جاسکتا ہے کہ حضرت ابو طالب علیہ السلام کے انتقال کے بعد حضرت علی علیہ السلام قریش پر زیادہ سختی اور شدت سے پیش آنے لگیں مگر یہ ہرگز ماننے کی بات نہیں کہ باپ کے مرتے ہی جوان بیٹا بڈھا اور سنجیدہ اور سو فیصد بردبار و خاکسار ہوکر رہ جائے جب کہ تشدد وزبردستی کرنے کے عادی لوگ چاروں طرف موجود بھی ہوں۔ جن کے سامنے اپنی پسند کے علاوہ کوئی قانون اور کوئی ضابطہ نہ ہو۔ اسی لئے آپ نے قریش کے لئے لفظ ''اِستِبدَاد'' فرمایا ہے جس سے ظالموں سے عہد جوانی میں بڑھ کر یا گھیر کر، مجبور کرکے بدلہ لینا ہی مراد ہے۔ لہٰذا ہمارے قارئین نوٹ کرلیں کہ حضرت علی علیہ السلام رسوؐل اللہ کے ایسے محافظ ورکھوالے تھے کہ غلط کار لوگوں کے ساتھ جَو برابر بھی رعایت نہ کرتے تھے۔ علی علیہ السلام کے انتقال کی خبر پر عائشہ نے نعرہ مار کر یہی تو کہا تھا کہ ''عربوں کے ناک سے نکیل نکل گئی اب وہ جو چاہیں کریں۔''

قارئین یہاں اللہ کی ایک بات نوٹ کرلینا ضروری ہے اور وہ یہ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں کی جہاں کئی ایک مخصوص صفات اور شناختیں نوٹ کرائی ہیں وہاں اس خطبہ 96 کے متعلق بھی ایک صفات کی جوڑی ہے۔ یعنی وہ جہاں آپس میں مہربان ہیں اُس سے بھی پہلے وہ حق پر پردہ ڈالنے والوں کے لئے نہایت شدید وسخت کار ہیں (اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (سورہ الفتح 48/29) اس جوڑی میں پہلے سخت کاری کو بیان کیا گیا ہے رحم کا نمبر دوسرا ہے۔ اور ہم اسی صفت کو اس خطبے میں بیان کررہے ہیں۔

<u>10۔ اللہ کی رضا اور قضا پر راضی ہونے ہی کا ثبوت ہے کہ کائنات کے تمام اَسرار وغوامض پر عبور رکھتے ہوئے قریش کو فریب سے نہ روکا، نہ دفاع کیا (خطبہ 96، جملے 14 تا 15)</u>

تمام انسان دن رات دیکھتے بھی ہیں اور خود بھی ناپسندیدہ منصوبے بناتے ہیں۔ لوگوں کو فریب بھی دیتے ہیں۔ جھوٹ بھی بولتے ہیں۔ لیکن اللہ ان کے ہر خیال وعمل سے واقف ہوتے ہوئے بھی اُنہیں سب کچھ کرنے دیتا ہے۔ محمدؐ وعلیؑ اور ان کے جانشین آئمہ علیہم السلام بھی قریش کے ہر خیال، ہر تصور اور ہر اقدام پر مطلع ہوتے ہوئے اللہ کی طرح اللہ کی رضامندی اور مشیت سے ہم آہنگ رہنے کے بعد اپنا دفاع بھی اُسی قدر کرتے تھے۔ جس قدر اللہ کو منظور و پسند اور مشیت کے مطابق ہوتا تھا۔ ورنہ یہ جاہل اور گھٹیا قوم دولمحہ بھی سامنے ٹھہر نہ سکتی تھی۔ رضائے الٰہی کے حصول کی غرض سے ان کے ساتھ ایسے بن کر رہے کہ گویا اتنا ہی جانتے ہیں جتنا درمیانی عقل وعلم وبصیرت کے عام لوگ جان سکتے ہیں۔ یہ مشکل ترین پارٹ تھا جو ان حضرات علیہم السلام نے دنیا میں ادا کیا۔ جس پر ہر وقت حالاتِ غیب روشن ہوں وہ تو اپنے بچوں کے جنازوں کو ہر وقت دیکھتے ہوئے وقت ودن گزاریں گے۔ ان کے لئے، جو بیس سال قبل ہی وہ نظارہ دیکھ رہے ہوں جسے بروقت دیکھنے والے کا دل پھٹ جائے، وہ بیس سال اسی درد وکرب ومصیبت میں گزاریں گے جو بروقت کسی کا زخمی ہونا اور قتل ہونا دیکھے۔ اور چند منٹ کے بعد وہ نظارہ سامنے سے ہٹ

جائے اور اُسے بھلانے اور دل سے اس صدمہ کو ہٹانے کا فطری عمل شروع ہو جائے وہ چند روز میں اس کرب انگیز منظر کو بھول جائے گا اور دل بہل جائے گا لیکن یہ حضرات تو بھولنے کا سامان بھی نہیں رکھتے یعنی وارداتِ قتل ہر لمحہ سامنے واقع ہوتی رہے گی۔ان کی تکلیف اور دقت کو بیان کرنے کے لئے تو ڈکشنری میں الفاظ بھی نہیں ہیں۔اللہ کی ہر بات، ہر فیصلے اور ہر حالت پر راضی ہو جانا ایک ایسی صورتِ حال ہے جو اُن ہی حضرات کو راس آسکتی تھی (خطبہ 96، جملے 14 تا 15)۔

11۔ محمدؐ کی رسوؐل کی حیثیت سے تصدیق کرنے کی بات بھی آلِ محمدؐ کے لئے دوھری ہے یعنی کب؟

یہ تو فرمادیا گیا کہ: ’’میں سب سے پہلا وہ شخص ہوں جس نے محمدؐ رسول کی تصدیق کی تھی۔اور وہ وہ شخص نہیں ہوسکتا جو سب سے پہلے اُن کی تکذیب کردے۔‘‘ اگر یہ تصدیق عالمِ انوار سے متعلق ہے تو یہ کہنا پڑے گا کہ نورِ محمدؐ کے تمام اجزا یعنی خود حضرت محمدؐ بھی چودہ اجزا میں سے ایک ہیں تو یہ کہنا پڑے گا کہ اول وآخر کی تمیز ہی اٹھ جائے گی یعنی سب نے ایک ساتھ تصدیق کی تھی اور اگر یہ دنیاوی وجود کی بات ہے تو جو پہلے سے موجود تھا اس نے پہلے تصدیق کی تھی۔لہٰذا سب سے پہلے حضرت عبدالمطلبؑ تصدیق کرنے والے تھے۔اور اگر یہ گنتی کے حساب سے تصدیق تھی تو بیشک حضرت علی علیہ السلام سب سے پہلے تصدیق کرنے والے ہیں۔

12۔ امام زمانہ کی نظر میں دنیاوی لوگ حقوق کی بنا پر عزت وذلت کے مالک ہیں۔

امام علیہ السلام کے فرائض میں سے ہے کہ ہر فرد بشر کو اُس کے حقوق دلوا کر رہے۔لہٰذا امامؑ کی ساری محنت اس شخص پر صرف ہونا چاہئے جس کے حقوق واجب الادا ہوں۔اس کے حقوق دلائے بغیر خود امام علیہ السلام کی قوت وعزت کا قیام نہیں ہوتا اور یہی فرمایا ہے حضور علیہ السلام نے کہ ’’میرے نزدیک ہر ذلیل وکمزور آدمی اس وقت تک عزت دار اور طاقتور ہے جب تک میں اسے اُس کے حقوق نہ دلا دوں (ایضاً، جملہ 12)۔‘‘ ’’اور ہر طاقت ور اور عزت والا شخص میرے نزدیک اُس وقت تک کمزور وذلیل ہے جب تک میں اُس سے دوسروں کے دبائے ہوئے حقوق واپس نہ لے لوں (ایضاً، جملہ 13)۔‘‘

13۔ ولایت وخلافت وامامت کا منصب بھی نبوت ورسالت کی طرح ازلی وابدی اور منجانب اللہ ہوتا ہے۔

یہ بات بھی تمام انسانوں کے علم میں آچکی ہے کہ جس طرح انسان کسی شخص کو نبیؐ یا رسولؐ نہیں بنا سکتے اُسی طرح کسی کو خلیفہؑ یا امامؑ بھی نہیں بنایا جاسکتا۔اور نبوتؐ وخلافتؑ ورسالتؐ اور امامتؑ ایسے عہدے یا منصب ہیں کہ اُن کا براہِ راست اللہ سے تعلق ہے یہ سب نمائندگانِ خداوندی ہوتے ہیں۔اور اُن کی اطاعت تمام انسانوں پر اُسی طرح واجب ہوتی ہے جس طرح اللہ کی اطاعت واجب ولازم ہوتی ہے۔اُن کی نافرمانی بھی اللہ کی نافرمانی ہوتی ہے۔اور وہ تمام علوم جو انبیاءؑ ورسلؑ کو دیئے جاتے ہیں خلفا وآئمہ کو بھی دئے جاتے ہیں۔اور اللہ نے قرآن کریم میں ان لوگوں کو حقیقی کافر فرمایا ہے۔جو اللہ اور انبیاءؑ کو الگ الگ کریں یا ان میں فرق وتفریق کریں۔

14۔ اللہ اور انبیؑا میں تفریق کرنا یا انہیں الگ الگ کرنا یا بعض انبیؑا کو ماننا اور بعض سے کفر کرنا حقیقی کفر ہے۔

اور جو اللہ اور انبیؑا میں فرق نہ کریں وہ جلد اجر پانے والے مومن ہوتے ہیں سنئے:۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ يَكۡفُرُوۡنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يُّفَرِّقُوۡا بَيۡنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوۡلُوۡنَ نُؤۡمِنُ بِبَعۡضٍ وَّنَكۡفُرُ بِبَعۡضٍ وَّيُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يَّتَّخِذُوۡا بَيۡنَ ذٰلِكَ سَبِيۡلًا O اُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ حَقًّا ۚ وَاَعۡتَدۡنَا لِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابًا مُّهِيۡنًا O وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ

وَلَمْ یُفَرِّقُوْا بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِکَ سَوْفَ یُؤْتِیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًاO(سورہ نساء 152-4/150)

''یقیناً جولوگ اللہ اور اس کے رسولوں کی حقیقی پوزیشن کو اس ارادہ اور منصوبے کے ماتحت چھپاتے ہیں کہ اس طرح سے وہ اللہ کے اور اُس کے رسولوں کے درمیان تفرقہ ڈال دیں چنانچہ ان کا قول یہ ہے کہ ہم بعض کو بعینہ مانیں گے اور بعض کی پوزیشن کو پوشیدہ کرلیں گے۔اور اس طرح اُن کا منصوبہ یہ ہے کہ ان دونوں پوزیشنوں کے درمیان ایک موزوں عقیدہ پیدا کرلیں گے۔وہی لوگ حقیقی معنی میں حق کو چھپانے والے ہیں اور حق کو چھپانے والے کیسے بھی ہوں ہم نے ان سب کے لئے رسوا کن عذاب تیار کیا ہوا ہے۔اور جولوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں اور اللہ اور رسولوں میں سے کسی ایک کو بھی الگ الگ نہیں کرتے وہی لوگ ہیں جن کو تفریق نہ کرنے کا اجر ہم بہت جلد دیں گے۔اور اللہ تو ہمیشہ سے تحفظ فراہم کرنے والا رحیم ہے۔''

لہٰذا قدیم زمانہ سے ایسی بہت سی مذہبی جماعتیں گزری ہیں جنہوں نے ان آیات کے مطابق اللہ اور رسولوں میں تفریق کی تھی۔مگر قریشی مجتہدین نے تو اس تفریق میں کمال کر دیا۔انہوں نے ابلیس کی طرح اللہ کی تمام صفات اور قدرتوں کا اقرار کیا لیکن انبیاؑ ءورُسلؑ کو عام خطا کار انسان سمجھا اور اللہ کے ساتھ رسولوں کو کسی بات اور کسی تصور اور اقدام میں ہم آہنگ نہیں مانا۔اور خصوصاً انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتوں پر ساری عمر یقین نہیں کیا۔بلکہ رسولؐ کے معاملے میں وہ خود قرآن کا اعتبار نہ کرتے تھے۔وہ یقین کرتے تھے کہ آنحضرتؐ اللہ کی مرضی کے خلاف اپنے خاندان کا اقتدار چاہتے ہیں اور حضرت علی علیہ السلام کو اپنی جگہ ساری امت پر مطلق العنان خلیفہ وحاکم بنانا چاہتے ہیں۔اُنہوں نے اللہ کی اس بات کو کبھی نہیں مانا کہ محمدؐ گھٹیا جذبات ومیلانات وخواہشات کے ماتحت علیؑ کے معاملے میں بھی بات نہیں کرسکتے (سورہ نجم 53/3) اور یہ کہ علیؑ کے سلسلے میں بھی جو کچھ کہتا ہے وہ اَزرُوئے وحی کہا کرتا ہے (سورہ نجم 53/4) اور یہ کہ رسولؐ کے تمام خیالات وتصورات اور پسند وناپسند اللہ کے معیار وپسند کے مطابق ہوتے ہیں (دھر 76/30، تکویر 81/29) مطلب یہ کہ وہ علیؑ کے بارے میں اتنے بدظن تھے کہ نہ اللہ کی بات مانتے تھے اور نہ رسولؐ کو سچا جانتے تھے۔

15۔ قریش کے قلب وذہن پر ایک ایسی چوٹ لگی ہوئی تھی کہ اُنہوں نے آئندہ کبھی سچی باتوں کا بھی یقین نہ کیا۔علیؑ ان کے حواس پر مسلط ہوکر رہ گئے تھے۔

حضرت علی علیہ السلام اللہ کی طرف سے دین پر مسلط تھے،قرآن پر مسلط تھے،علوم خداوندی پر مسلط تھے تو قریش پر اور قریش کی عقل وحواس پر کیوں مسلط وسوار نہ ہوتے؟ قریش ہر وقت چلتے پھرتے،سوتے جاگتے اپنے اوپر حضرت علی علیہ السلام کو منڈلاتے ہوئے دیکھتے تھے۔وہ ان کے لئے ہر کونے اور ہر موڑ پر مڑنے سے پہلے رکتے اور اچانک سامنا ہوجانے کا خطرہ محسوس کرتے تھے اور ایک زنّاٹے دار تھپڑ کو بعید نہ سمجھتے تھے۔گھر سے لے کر باہر تک ان کے یقین میں کوئی جگہ ایسی نہ تھی کہ جہاں علیؑ سے اچانک ملاقات ممکن نہ ہو۔

16۔ حضرت علیؑ کی ہیبت کا مادّی سبب ان کا اپنا تجربہ اور علیؑ کی اپنی ذمہ دارانہ پوزیشن،نبوّت کا تحفظ،قیامِ حکومت الٰہیہ کا وعدہ تھا۔

حضرت ابو طالب علیہ السلام کی زندگی ہی میں اللہ کی طرف سے یہ حکم آچکا تھا کہ ایک عظیم الشان مملکت کے موجود ہونے کا اعلان کر دو (نساء 4/54) اور اس حکومت کے لئے ایک وزیر ایک خلیفہ اور ایک جانشین کو تعینات کر دو اور بتا دو کہ پورے عرب کو سرِ تسلیم خم کرنا پڑے گا۔ہر مخالفت اور ہر محاذ دست بستہ نبیؐ کے سامنے حاضر ہوکر اطاعت کا اعلان کرے گا۔قرآن کے تمام قوانین کے سامنے سر جھکانا ہوگا۔تمام قسم کے بُت

توڑ دیئے جائیں گے صرف ایک اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہونا پڑے گا۔ اور یہ تمام ذمہ داری اس شخص کی ہوگی جو خلافت و وزارت و امامت وحکومت لینے کے لئے بخوشی آگے بڑھے گا۔ حکم کی بنیادی صورت یہ تھی کہ:۔

وَاَنذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ O وَاخۡفِضۡ جَنَاحَکَ لِمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ O

فَاِنۡ عَصَوۡکَ فَقُلۡ اِنِّیۡ بَرِیۡٓءٌ مِّمَّا تَعۡمَلُوۡنَ O وَتَوَکَّلۡ عَلَی الۡعَزِیۡزِ الرَّحِیۡمِ O (سورہ شعراء 217 تا 214)

''اور اے نبیؐ تم تمام متعلقہ اور قریشی سرپنچوں کو متنبہ کردو۔ اور مومنین میں سے جو مومن زیرتنبیہہ معالے میں بھی تیری پیروی کریں تو اُن کے لئے تم اپنے دست وبازو اور آغوش پھیلائے رکھنا، اور اگر مومنین بھی تیری نافرمانی کریں تو نافرمانوں کے لئے اعلان کردو کہ میں تمہارے اعمال واقدامات سے بری الذمہ ہوں اور تمہیں نتائج بھگتنے کے لئے کھلا چھوڑتا ہوں۔ اور اس کے بعد اے محمدؐ تم رحم کرنے والی اور غالب رہنے والی ہستی پر توکل کر کے بے فکر ہو جاؤ۔''

17۔ قریشی تاریخ میں دعوتِ ذوی العشیرہ کس طرح ریکارڈ اور بیان ہوتی چلی آئی ہے؟

اللہ کا یہ حکم رسولؐ اللہ کو پہنچا۔ اس حکم پر کس طرح عمل ہوا یہ تاریخ طبری سے سنئے:۔

''علیؑ بن ابی طالبؑ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت ''وَاَنذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ . رسولؐ اللہ پر نازل ہوئی تو آپؐ نے مجھے بلایا اور کہا ''علیؑ، اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنے قریبی کنبے والوں کو ہدایت کروں۔ میں اپنے کو اس سے عہدہ برآ ہونے میں مجبور پاتا ہوں۔ کیونکہ جب میں اُن کو اپنی دعوت دوں گا وہ مجھے تکلیف پہنچائیں گے۔ اس خوف سے میں اس حکم کی بجاآوری میں خاموش تھا۔ کہ جبرئیلؑ میرے پاس آئے اور کہا کہ محمدؐ، اگر تم اللہ کے اس حکم کی بجاآوری نہ کرو گے تو تمہارا رب تم کو عذاب دے گا۔ اس لئے تم آدھ سیر تین پاؤ کا کھانا تیار کرو۔ اس پر بکری کی ران بھون کر رکھ دینا اور دودھ سے بھر کر ایک کٹورا لا دو۔ اس کے بعد تمام بنوعبدالمطلب کو میرے پاس بلا لاؤ تا کہ میں ان سے گفتگو کروں۔ اور اللہ کے حکم کو ان تک پہنچا دوں۔ میں نے رسولؐ اللہ کی فرمائش پوری کر دی۔ اور پھر تمام بنو عبدالمطلب کو، جو اس زمانے میں کم وبیش چالیس مرد تھے۔ آپؐ کے پاس بلا لایا۔ ان میں آپؐ کے چچا ابوطالب، حمزہ، عباس، اور ابو لھب بھی تھے۔ سب کے جمع ہو جانے کے بعد رسولؐ اللہ نے مجھے اس کھانے کو لانے کا، جو میں نے آپؐ کے لئے تیار کیا تھا حکم دیا۔ میں نے اُسے لا کر رکھا۔ رسولؐ اللہ نے اس میں سے گوشت کا ایک ٹکڑا اٹھا کر اسے اپنے دانتوں سے چیرا اور پھر اسے خوان کے کنارے پر رکھ دیا۔ اور سب سے کہا بسم اللہ کر کے کھانا شروع کیجئے۔ تمام جماعت نے شکم سیر ہو کر کھانا کھا لیا۔ اور مجھے صرف ان کے ہاتھ چلتے دکھائی دیتے تھے اور قسم ہے اُس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں علیؑ کی جان ہے کہ جتنا کھانا میں نے ان کے لئے تیار کیا تھا۔ اس میں سے ہر ایک اس کو کھا سکتا تھا۔ کھانے کے بعد رسولؐ اللہ نے فرمایا ان سب کو دودھ پلاؤ۔ میں نے وہ کٹورا لا کر اُن کو دیا۔ اسے پی کر وہ سب سیر ہو گئے۔ حالانکہ بخدا وہ صرف اتنا تھا کہ ان میں کا ہر شخص اس کو پی جاتا۔ اس کے بعد رسولؐ اللہ نے چاہا کہ ان سے گفتگو کریں مگر آپؐ کے بولنے سے پہلے ابولھب نے کہا ''عرصے سے یہ تم پر جادو کرتا رہا ہے'' یہ سن کر تمام جماعت اٹھ کر چلی گئی۔ رسولؐ اللہ نے ایک لفظ بھی نہ کہا۔ مجھ سے کہا یا علیؑ تم نے دیکھا کہ اس شخص نے مجھے آج بات کرنے کا موقع نہیں دیا اور سب لوگ چلے گئے۔ کل پھر اسی قدر کھانے کا انتظام کر اور ان سب کو میرے پاس بلاؤ۔ (مسلسل لکھا ہے کہ)

بنوعبدالمطلب کومکرّر دعوت اسلام۔

''حسب الحکم دوسرے دن پھر میں نے اُسی قدر کھانے اور دودھ کا انتظام کر کے سب کو رسوؐل اللہ کی خدمت میں جمع ہونے کی دعوت دی۔ جب وہ آ گئے تو آپؐ نے کل کی طرح مجھے کھانا لانے کا حکم دیا۔ میں کھانا لایا، آپؐ نے آج بھی وہی کیا جو کل کیا تھا۔ اس کی برکت سے سب نے شکم سیر ہو کر کھالیا۔ پھر آپؐ نے مجھ سے کہا کہ ان کو دودھ پلاؤ۔ میں اس کٹورے کو لے آیا اسی سے وہ سب سیر ہو گئے اس سے فراغت کے بعد رسوؐل اللہ نے فرمایا کہ اَے بنوعبدالمطلب میں نہیں جانتا کہ کوئی عرب مجھ سے پہلے اس سے بہتر کوئی نعمت تمہارے پاس لایا ہو۔ جو میں تمہارے لئے لایا ہوں۔ اس میں دین و دنیا کی بھلائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم کو اس بھلائی کی دعوت دوں۔ تم میں سے کون ہے جو اس معاملے میں میرا بوجھ بٹانے کے لئے آمادہ ہو تا کہ وہ میرا بھائی بنے، میرا وصی ہو اور تم میں میرا جانشین ہو؟ اس دعوت میں سب کے سب ساکت وصامت رہے کسی نے حامی نہیں لی۔ البتہ میں نے کہا'' حالانکہ میں اس جماعت میں سب سے کم عمر تھا۔ سب سے زیادہ چھوٹی آنکھیں تھیں، پیٹ بڑا اور پنڈلیاں پتلی تھیں۔ اَے اللہ کے نبیؐ میں تمہارا وزیر بنتا ہوں۔ رسوؐل اللہ نے میری گردن تھام کر کہا'' یہ میرا بھائی ہے میرا وصی ہے اور تم میں میرا خلیفہ ہے تم اس کی بات سنو اور جو کہے اسے بجالاؤ، اس پر ساری جماعت ہنسنے لگی اور انہوں نے ابوطالبؑ سے کہا: ''سنو تم کو حکم ہوا کہ تم اپنے بیٹے کی اطاعت وفرمانبرداری کرو۔''

(طبری ترجمہ جلد اول صفحہ 88-90)

یہیں قارئین کو مسلسل معلوم ہوگا کہ رسوؐل اللہ نے قریش کو تین دفعہ اخوت ووصایت ووزارت وخلافت اور اپنی جانشینی پیش کی تھی اور ہر مرتبہ حضرت علی علیہ السلام نے یہ ذمہ داری قبول کی تھی۔ اور آخر میں حضرت ابوطالب علیہ السلام کو طعنہ دے کر رخصت ہو گئے تھے۔ اور یہ صرف اس لئے کہ اُنہیں اُس وقت یعنی نبوت کے چوتھے سال کہیں کسی حکومت کے آثار وسامان نظر نہ آتے تھے۔ یعنی اُنہوں نے اس وقت اللہ و نبیؐ کی بات کو ایک پاگل کا قول سمجھا اور مذاق بنا کر چلے گئے۔ لیکن انہوں نے حضرت علی علیہ السلام کی وزارت وخلافت کا نتیجہ بہت جلد دیکھ لیا اور یقین ہو گیا کہ انہیں اور سارے عرب کو بہت جلد ہتھیار ڈالنا پڑیں گے مگر اب موقع اُن کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ اب اُنہیں قوم کو علیؑ سے ڈرانے کی مہم شروع کرنا پڑی۔ سب کو جلدی جلدی ایمان لانا پڑا۔ مخالف محاذ بنانا پڑا اور قدم قدم پر دونوں محاذوں پر حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھ پٹنا پڑا۔ انہیں ان تمام قوتوں سے ٹکر لے کر اپنا سر پھوڑنا پڑا جن کے بل بوتے پر علیؑ کو وزیر وخلیفہ بنایا گیا تھا۔ اُن کے سامنے علی علیہ السلام کی تمام ظاہری وباطنی صفات وقدرتیں آ گئیں جن کی وجہ سے ہر میدان میں ہتھیار ڈالنے پڑے اور چاروں طرف علیؑ کا ڈنکا بجنے لگا۔

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 38
علی نقی طہرانی: خطبہ نمبر: 38

خُطبہ ﴿97﴾

1۔شُبہ کی وجہ تسمیہ! اُس کا حق سے تشابُہ ہونا ہے۔

2۔شُبہات حق کو ڈھونڈ نکالنے میں بھی مددگار ہوتے ہیں اور باطل میں اُلجھ جانا اور غلط راہوں میں بھٹک جانا بھی شبہات ہی کی وجہ سے ہوا کرتا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَاِنَّمَا سُمِّيَتِ الشُّبۡهَةُ شُبۡهَةً لِاَنَّهَا تُشۡبِهُ الۡحَقَّ ؛	1	اور اس کے سوا اور کوئی وجہ نہیں کہ شبہ کو اس لئے شبہ کہا جاتا ہے کہ وہ حق سے مشابہت رکھتا ہے لہٰذا حق سے مشابہت کی بنا پر اس کا نام شبہ رکھ دیا گیا ہے۔
فَاَمَّا اَوۡلِيَآءُ اللّٰهِ فَضِيَاؤُهُمۡ فِيۡهَا الۡيَقِيۡنُ ؛	2	چنانچہ اولیاء اللہ کے لئے شبہ میں سے یقین کی چمک نظر آجاتی ہے۔
وَدَلِيۡلُهُمۡ سَمۡتُ الۡهُدٰى ؛	3	اور انہیں دلیل کے ساتھ ہدایت کی سمت میں راہنمائی مل جاتی ہے۔
وَاَمَّا اَعۡدَآءُ اللّٰهِ فَدُعَاؤُهُمۡ فِيۡهَا الضَّلَالُ ؛	4	اور رہ گئے دشمنانِ خدا لوگ ان کے لئے شبہ میں گمراہی کی دعوت ہوتی ہے۔
وَدَلِيۡلُهُمُ الۡعَمٰى ؛	5	اور انہیں دلیل کے ساتھ شبہ اندھا کر دیتا ہے۔
فَمَا يَنۡجُوۡ مِنَ الۡمَوۡتِ مَنۡ خَافَهٗ وَلَا يُعۡطَى الۡبَقَآءَ مَنۡ اَحَبَّهٗ ؛	6	چنانچہ موت ایسی چیز ہے کہ اس سے ڈرنے والا موت سے بچتا نہیں اور جو موت کو محبوب سمجھتا ہو موت اسے بقا فراہم نہیں کرتی ہے“

تشریحات:

شُبہ اور شباہت خاطی انسانوں کے لئے خصوصاً عالمگیر راہنمائی کا ایک ذریعہ رہا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے اِن چند جُملوں میں راہنمائی کا ایک ایسا پہلو سامنے رکھ دیا ہے۔جس سے لاشعوری میں انسان روزِ اول سے اِس دنیا میں راہنمائی حاصل کرتا چلا آرہا ہے۔اور جن لوگوں نے شبہ اور شباہت کے قوانین پر غور کیا اور اس سلسلے کے راز و رموز کو سمجھ لیا وہی آج اس کائنات کے راز کھول رہے ہیں اور زمین پر بیٹھے ہوئے شبہ اور شباہت کی کمندوں سے کروڑوں میلوں میں پھیلے ہوئے سیاروں اور ستاروں کی تسخیر کر رہے ہیں۔اور یہ سمجھ گئے ہیں کہ یہ ساری کائنات اور اس کی تمام موجودات ایک ہمہ گیر نُور سے پیدا کی گئی ہیں۔اور خواہ دُور ہوں یا نزدیک ہوں تمام چیزوں کا تعلق اور بقا اُسی نُور سے ہے۔اور سب اپنی بنیاد کا پتہ بتانے کے لئے ایک دوسری سے مشابہ ہیں۔اگر صورت اور سائز میں مشابہت نہیں ہوتی تو صفات و خصوصیات میں مشابہت مل جاتی ہے۔یعنی اس پوری کائنات میں کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں آپ کو مشابہت کا سلسلہ موجود نہ ملے۔اُس مقدس و ہمہ گیر نُور کے نشانِ پا ہر جگہ اس کی طرف راہنمائی کر رہے ہیں۔اس زمین کی مشابہت کے ذریعہ ایسی لاکھوں زمینوں کا چشم دید

علم حاصل ہو گیا ہے۔ جمادات ونباتات وحیوانات سب میں مشابہت کا رشتہ قائم ہے مشابہت کو برقرار رکھنے اور ہر ایک کو دوسروں سے مربوط کرنے اور ہر چیز کا ذاتی تشخص بھی بحال رکھنے میں ہزاروں قوانین اور ہاتھ برسرِ کار ہیں۔ یہی وہ ابتدائی اور کلیدی علم تھا جو میدانِ عمل میں آنے سے پہلے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ کہہ کر عطا کیا گیا تھا کہ:۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِىْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَO قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُO قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ O (بقرہ 33-2/31)

''اور آدمؑ کو تمام موجودات کے ناموں، کاموں اور خصوصیات کی تعلیم دی گئی اور پھر ان حضرات کو ملائکہ کے سامنے لایا گیا اور ان سے میں نے کہا کہ مجھے ان لوگوں کے نام بتادو۔ اگر تم آدمؑ پر شبہ کرنے میں سچے ہو؟ فرشتوں نے کہا کہ تیری ذات پاک ہے ہمیں تو اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے تعلیم دی ہے اور یقیناً تو ہی حکمتوں کا عالم ہے۔ آدمؑ سے کہا گیا کہ تم ان ملائکہ کو ان حضرات کے نام بتادو۔ چنانچہ جب آدمؑ نے ملائکہ کو ان لوگوں کے نام بتادیئے تو ملائکہ سے کہا گیا کہ کیا کہ میں نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمینوں کی تمام ظاہر وغائب چیزوں کا جاننے والا ہوں۔ اور یقیناً میں ان چیزوں کو بھی خوب جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور ان چیزوں کا بھی خوب جاننے والا ہوں جو تم چھپاتے ہو۔''

ان آیات میں درسِ حقایق وشباہت دیا گیا ہے اور پھر ملائکہ اور حضرتِ آدمؑ کا شباہت اور شبہ ہی کا امتحان لیا گیا ہے۔

2۔ ہم اِن آیات کے متعلق ذرا دیر بعد بات کریں گے یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مودودی کے بیانات سے تمہید قائم کرلی جائے۔

جس مقام سے ہم گزر رہے ہیں وہاں اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو خلیفہ بنانے کا اعلان فرمایا تھا اور ملائکہ کو سجدہ کے لئے تیاری کا حکم دیا تھا اور ملائکہ نے لفظ خلیفہ سن کر شبہ کیا تھا اور اللہ سے وضاحت چاہی تھی۔ چنانچہ ہم مودودی کو آگے بڑھا کر چند حقائق پر ان کا بیان لیتے ہیں۔

(اول) خلیفہ مودودی کی نظر میں۔

چنانچہ سب سے پہلے لفظ خلیفہ پر مودودی کا بیان نوٹ کریں لکھا ہے کہ:

''۳۸؎ خلیفہ: وہ جو کسی کی ''مِلک'' میں اُس کے تفویض کردہ اختیارات اس کے نائب کی حیثیت سے استعمال کرے۔ خلیفہ مالک نہیں ہوتا، بلکہ اصل مالک کا نائب ہوتا ہے۔ اس کے اختیارات ذاتی نہیں ہوتے، بلکہ مالک کے عطا کردہ ہوتے ہیں۔ وہ اپنے منشا کے مطابق کام کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ بلکہ اُس کا کام مالک کے منشا کو پُورا کرنا ہوتا ہے۔ اگر وہ خود اپنے آپ کو مالک سمجھ بیٹھے اور تفویض کردہ اختیارات کو مَن مانے طریقے سے استعمال کرنے لگے، یا اصل مالک کے سوا کسی اور کو مالک تسلیم کر کے اس کی منشا کی پیروی اور اُس کے احکام کی تعمیل کرنے لگے تو یہ سب غدّاری اور بغاوت کے افعال ہوں گے۔'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 62)

مودودی کو خلیفہ کے لفظی معنی بھی معلوم نہیں ہیں۔ لفظ خلیفہ کا مادہ۔ خ۔ ل۔ ف ہے اور لغات القرآن کی رُو سے اس کا ماضی خَـلَفَ ہے اور معنی ''وہ جانشین ہوا'' یا ''وہ پیچھے آیا'' ہیں مصدر خِلَافَةٌ ہے۔ جس کے معنی جانشین ہونے کے ہیں اور خَــلْفٌ بھی مصدر ہے۔ جس کے معنی کسی کے پیچھے آنے کے ہیں (جلد 2 صفحہ 317) لُغت کی رُو سے علامہ کا سارا ہی بیان غلط ہو گیا۔ اور اس لئے بھی غلط ہو گیا کہ انہوں نے خلیفہ کو ''نائب'' بھی

لکھ دیا ہے۔ نائب کئی ایک ہوسکتے ہیں مگر جانشین صرف ایک ہوتا ہے۔ اور کسی کو جانشین بنانے کے بعد تمام اختیارات جانشین کو سونپنا ہوتے ہیں اور جانشین کا بعینہٖ وہی مقام ہوتا ہے جو جانشین بنانے والے کا تھا اور جانشین بالکل آزادانہ اپنی عقل وبصیرت وصوابدید سے کام کرتا ہے اور اس کے کام کو اسی کا کام سمجھنا ہوگا جس کا وہ جانشین ہوتا ہے۔ ملائکہ کے شبہ کی طرفداری میں مودودی نے لکھا ہے کہ:۔

(دوم) **فرشتوں نے حضرت آدمؑ کو ایک بااختیار وخود مختار ہستی سمجھا اور فساد کا اندیشہ پیش کیا تھا۔**

''یہ فرشتوں کا اعتراض نہ تھا بلکہ استفہام تھا۔ فرشتوں کی کیا مجال کہ خدا کی تجویز پر اعتراض کریں۔ وہ خلیفہ کے لفظ سے یہ تو سمجھ گئے تھے کہ اس زیرِ تجویز مخلوق کو زمین میں کچھ اختیارات سپرد کئے جانے والے ہیں۔ مگر یہ بات ان کی سمجھ میں نہ آتی تھی کہ سلطنت کائنات کے نظام میں کسی بااختیار مخلوق کی گنجائش کیسے ہوسکتی ہے، اور اگر کسی کی طرف کچھ ذرا سے بھی اختیارات منتقل کر دیئے جائیں تو سلطنت کے جس حصے میں بھی ایسا کیا جائے گا وہاں کا انتظام خرابی سے کیسے بچ جائے گا؟ اسی بات کو وہ سمجھنا چاہتے تھے۔''

(تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 63-64، حاشیہ نمبر 39)

علامہ کا یہ بیان بھی محض قیاس وگمان پر منحصر ہے نہ یہ قرآن سے اخذ کیا گیا ہے نہ اس کا تعلق حدیثِ معصومؑ سے ہے۔ اس بیان میں وہ ملائکہ کو بے اختیار ومجبور مخلوق مانتے ہیں۔ لیکن یہ بات وہ کہاں سے اور کیسے سمجھے کہ بااختیار مخلوق ضرور خرابی پیدا کرنے کا باعث ہوگی؟ یہ سوجھ بوجھ اُس مخلوق کو کہاں سے اور کیسے مل گئی کہ بااختیار مخلوق سے خرابی ہی سرزد ہوگی۔ پھر علامہ نے اعتراض کو استفہام بھی کسی کلامی قاعدہ سے نہیں قرار دیا ہے۔ بلکہ تک لگادی ہے اور سنئے کہ فرشتوں کی پوزیشن صاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

(سوم) **ملائکہ ضرورت اور مصلحت نہیں جانتے، ملائکہ کی خدمات ناکافی اور خلیفہ کے مقابلے میں غیر ضروری ہیں۔**

''۱؎ یہ فرشتوں کے دوسرے شبہ کا جواب ہے۔ یعنی فرمایا کہ خلیفہ مقرر کرنے کی ضرورت اور مصلحت میں جانتا ہوں تم اسے نہیں سمجھ سکتے۔ اپنی جن خدمات کا تم ذکر کر رہے ہو وہ کافی نہیں ہیں، بلکہ ان سے بڑھ کر کچھ مطلوب ہے اسی لئے زمین میں ایک ایسی مخلوق پیدا کرنے کا ارادہ کیا گیا ہے جس کی طرف کچھ اختیارات منتقل کئے جائیں۔'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 63)

(چہارم) **انسانی علم کی صورت، حضرت آدمؑ کو تمام اشیاء کا علم دیا گیا تھا؟**

مودودی لکھتے ہیں کہ:

''۲؎ انسان کے علم کی صورت دراصل یہی ہے کہ وہ ناموں کے ذریعہ سے اشیاء کے علم کو اپنے ذہن کی گرفت میں لاتا ہے۔ لہٰذا انسان کی تمام معلومات دراصل اسمائے اشیاء پر مشتمل ہیں۔ آدمؑ کو سارے نام سکھانا گویا ان کو تمام اشیاء کا علم دینا تھا۔'' (ایضاً صفحہ 63)

3۔ بدعقیدگی عربی زبان کے سمجھنے پر بھی اثر انداز ہوئے بغیر نہ رہی۔

قریشی بدعقیدگی مودودی کو عربی سمجھنے میں بھی مانع ہوئی ہے عربی بولنے والوں کا ہر پانچ سال کی عمر کا بچہ اور عربی پڑھنے والا ہر دوسری جماعت کا بچہ جانتا ہے کہ لفظ ''ھَا'' بے جان چیزوں کی ضمیر ہے اور لفظِ ''ھُمْ'' جانداروں اور جمع مذکر کی ضمیر ہے۔ مگر علامہ ان دونوں ضمیروں میں فرق اور تمیز کرنے سے قاصر رہے اور نتیجہ میں لازم تھا کہ ترجمہ غلط ہوجائے۔ قارئین ان آیات (2/31-33) کو دوبارہ لفظ بلفظ دیکھیں فرمایا گیا کہ: وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا، یعنی آدم کو تمام بے جان نام سکھا دئے'' ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ، یعنی پھر پیش کیا ان جاندار ہستیوں کو

ملائکہ کے سامنے۔ فَقَالَ اَنۡۢبِـُٔوۡنِىۡ بِاَسۡمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ، چنانچہ کہا کہ مجھے ان جاندار لوگوں کے نام بتاؤ؟ اگر تم سچے ہو؟ قَالُوۡا سُبۡحٰنَكَ لَا عِلۡمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا ، انہوں نے کہا کہ ہم اس سے زیادہ نہیں جانتے جتنا تو نے ہمیں سکھا دیا ہے۔ یعنی ناموں کی مدد سے نام والے لوگوں کو نہیں پہچان سکتے۔ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنۡۢبِئۡهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ ، کہا کہ اے آدمؑ تم ملائکہ کو ان مردوں کے نام بتادو۔ فَلَمَّآ اَنۡۢبَاَهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ ، چنانچہ جب آدمؑ نے فرشتوں کو ان لوگوں کے نام بتادئے''

قارئین غور کریں کہ لفظ عَرَضَهُمۡ میں جانداروں کا بلکہ انسانوں کا ذکر تھا۔ پھر لفظ اَنۡۢبِئۡهُمۡ میں جانداروں بلکہ لوگوں کا ذکر ہوا ہے۔ پھر بِاَسۡمَآئِهِمۡ میں بھی جانداروں اور انسانوں کا سوال تھا۔ پھر اَنۡۢبَاَهُمۡ میں چوتھی مرتبہ انسانوں کا تذکرہ ہوا اور آخری دفعہ پھر لفظ بِاَسۡمَآئِهِمۡ آیا مگر مودودی نے ہر جگہ ان بار بار سامنے لائے جانے والے مردوں کو نظر انداز کر دیا اور ہر ترجمہ میں ''اِن چیزوں کے نام'' لکھتے چلے گئے اور یہ تشریح کہیں نہ کی کہ وہ کون سی اور کتنی چیزیں تھیں جن کے نام ملائکہ سے دریافت کئے تھے یا ملائکہ کو آدمؑ نے بتائے تھے؟ اگر یہ کہا جائے کہ ان سب ہی چیزوں کے نام دریافت کئے یا بتائے تھے جن کا علم حضرت آدم علیہ السلام کو دیا گیا تھا۔ تب تو ہر سوال میں اَنۡۢبِـُٔوۡنِىۡ بِاَسۡمَآئِهَا كُلَّهَا آنا لازم تھا۔ چونکہ ہر دفعہ بِاَسۡمَآئِهَا كُلَّهَا نہیں آیا تو تمام چیزوں کے نام بھی نہیں پوچھے گئے پھر وہی سوال دوبارہ سامنے آتا ہے کہ کتنی چیزوں کے نام معلوم کئے گئے؟ لہٰذا چیزوں کے نام کہنا دوبارہ باطل ہو گیا یہ بات تیسرے طریقے سے بھی باطل ہے یعنی اگر حضرت آدم علیہ السلام سے ان ہی چیزوں کے نام بتانے کو کہا تھا جن کے نام انہیں ابھی بتائے اور سکھائے تھے تو وہی نام بتا کر انہوں نے کیا کمال کیا؟ اور کمال ضرور کیا ہے۔ اس لئے کہ جب انہوں نے ان کے نام بتا دیئے تو اللہ نے فخر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ: ''میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی وہ ساری حقیقتیں جانتا ہوں جو تم سے مخفی ہیں۔۔۔۔'' اور خود مودودی نے بھی اس فخر کو لکھا ہے کہ:

> ''۴۴؎ یہ مظاہرہ فرشتوں کے پہلے شبہ کا جواب تھا۔ گویا اس طریقہ سے اللہ نے انہیں بتا دیا کہ میں آدمؑ کو صرف اختیارات ہی نہیں دے رہا ہوں، بلکہ علم بھی دے رہا ہوں۔'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 64)

یہ مظاہرہ بھی کوئی وزن اس لئے نہیں رکھتا کہ ملائکہ کے سامنے اللہ نے بیان کر دیا کہ آدمؑ کو تمام چیزوں کے نام سکھا دیئے گئے ہیں۔ اور ملائکہ کو کبھی تمام چیزوں کے نام نہیں سکھائے گئے تھے۔ لہٰذا ملائکہ اور آدمؑ کا علم تو برابر تھا ہی نہیں تو آدمؑ کے علم پر فخر بے معنی ہوا۔ اور ملائکہ نے تو پہلے ہی اس امتحان کو غلط یا (Out of Syllabus) کہا ہے یعنی جو تعلیم ہمیں دی ہی نہیں گئی اس پر ہم سے سوال کرنا بے انصافی ہے (لَا عِلۡمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا) لہٰذا امتحان ایسی چیز میں ہونا صحیح ہوتا جو دونوں کو برابر سکھائی گئی ہوتی یا دونوں جس سے جاہل ہوتے۔ اس صورت میں کامیابی قابل فخر ہو سکتی تھی۔ اور یہ ماننے کی بات نہیں ہے کہ اللہ نے امتحان میں بے انصافی کی یا غلط فخر کیا۔ درحقیقت علامہ کی غلط ترجمانی نے یہ صورت پیدا کی ہے۔ **علامہ کو بیچ سے نکال دو تو بے انصافی بھی خارج ہو جائے گی۔**

لہٰذا ان کی ترجمانی کا بیان شدہ پہلو دوبارہ سامنے رکھیں اور دیکھیں کہ اللہ نے فرشتوں کے سامنے چیزوں کو پیش نہیں کیا یعنی: عَرَضَهَا عَلَى الۡمَلٰٓئِكَةِ نہیں فرمایا بلکہ عَرَضَهُمۡ عَلَى الۡمَلٰٓئِكَةِ کہا ہے یعنی کچھ صاحبانِ حیات کو پیش کر کے ان سب کے نام معلوم کئے تھے اور ملائکہ ان کے نام نہ بتا سکے تھے اور آدمؑ نے بتا دیئے تھے امتحان اس بات کا ہے کہ قرآن میں آدمؑ کو کچھ جانداروں سے تعارف کرانے کا ذکر نہیں ہے۔ لہٰذا آدمؑ کو یہ حضرات پہلی دفعہ دکھائے جانا ثابت ہوتا ہے اور یہی حال ملائکہ کا ہے انہوں نے بھی ان لوگوں کو پہلے نہ دیکھا تھا۔ مگر ان کے نام دونوں کو

معلوم ہونا لازم ہیں۔ چنانچہ آدمؑ کو تو تمام موجودات کے نام بتا دیئے گئے تھے ان کو ان بے شمار ناموں میں سے چند ناموں کو قانونِ شباہت اور تشبیہ اور مناسبت سے ان حضرات پر موزوں کرنا اور بتانا تھا کہ کس کا کیا نام ہے۔ اور ملائکہ اپنی تخلیق کے دن سے ان کے ناموں کو اپنی تسبیح میں پڑھتے اور دُھراتے آرہے تھے اور عرش پر وہ نام جگہ جگہ لکھے ہوئے دیکھتے تھے مگر ملائکہ معلوم سے مجہول کا پتہ لگانے اور قانونِ شباہت، شبہ اور تشبیہ کی فطری قابلیت ہی نہ رکھتے تھے۔ چنانچہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کی اخذ واستنباط واستدلال کی قدرت دیکھ کر ان کی استطاعت وقدرت کو مان گئے بلکہ نادم ہوئے کہ ہم لاکھوں برس سے محمد وعلی وفاطمہ اور حسن وحسین علیہم السلام کا نام وصفات جپتے رہے مگر اتنا نہ سمجھ سکے کہ محمد کیسی ذات پاک کو ہونا چاہئے اور اجزائے محمدؐ میں کیا اور کتنی شباہت ملنا چاہئے؟ یہ تھا قانونِ شباہت اور شبہ سے راہنمائی حاصل کرنے اور حق تک پہنچنے کا امتحان جسے حضرت آدم علیہ السلام نے پہلے درجہ میں اللہ کے حضور ملاء اعلیٰ پر کامیابی سے دیا۔ اور اولادِ آدمؑ برابر شُبھات، تشبیہ، مشابہت اور شباہت کے گرداب میں پھنستی، ڈوبتی اور پار نکلتی چلی آرہی ہے۔ اور ابھی ابھی دیکھا گیا کہ مودودی حق تک پہنچنے میں اسی شبہ سے ناکام ہوگئے کہ انہوں نے لفظ اَسۡمَاءَ کُلَّهَا کے دباؤ میں آکر ضمیر جمع مذکر کو ضمیر جمع اسماء کے شبہ میں بے جان سمجھا اور گمراہ ہوگئے اور محمدؐ وآل محمدؐ سے اتنا قریب ہوتے ہوئے ابلیس کے ساتھ جا ملے جس سے وہیں اسی مجمع میں اللہ پوچھ رہا ہے۔

4۔ محمدؐ اور اجزائے نورِ محمدؐ سجدہِ آدمؑ سے پہلے اس محفل میں بھی موجود تھے۔ ان کو آدمؑ کے اندر اور باہر ودیعت ہونا اور ساتھ ساتھ رہنا تھا۔

فَسَجَدَ الۡمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمۡ اَجۡمَعُوۡنَ O اِلَّآ اِبۡلِيۡسَ اِسۡتَكۡبَرَ وَ كَانَ مِنَ الۡكٰفِرِيۡنَ O قَالَ يٰٓاِبۡلِيۡسُ مَا مَنَعَكَ اَنۡ تَسۡجُدَ لِمَا خَلَقۡتُ بِيَدَىَّ اَسۡتَكۡبَرۡتَ اَمۡ كُنۡتَ مِنَ الۡعَالِيۡنَ O (ص 75-38/73)

''چنانچہ تمام ملائکہ نے تو بیک وقت مجموعی حیثیت سے آدمؑ کو سجدہ کرلیا مگر ابلیس اپنے گھمنڈ کی بنا پر سجدہ سے باز رہا اور وہ حق پوشوں میں سے تھا۔ اللہ نے کہا کہ اَے ابلیس تجھے اُس ہستی کو سجدہ کرنے میں کیا چیز مانع ہوئی ہے جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا تھا؟ کیا تُو خود کو بڑا سمجھا یا تو ہے ہی بزرگ مرتبہ عالین میں سے؟'' (ص 75-38/73)

قارئین دیکھیں کہ قرآن کس طرح اپنے بیانات کو سادہ، واضح اور مسلسل الفاظ وترتیب کے ساتھ پیش کرتا اور کائنات کے راہنماؤں کو طرزِ راہنمائی سمجھاتا ہے اور کس حُسن کے ساتھ ساری نوعِ انسان کو گمراہ کرنے والے کو بھی وہیں جمع کر دیتا ہے اور شبہ وشباہت کو واضح کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ شبہ کس طرح راہنمائی اور گمراہی کا سبب بنتا ہے۔

5۔ قرآن کریم بھی شباہت کے قانون سے راہنمائی عطا کرتا ہے اور اس سے بھی ابلیس کا گروہ گمراہ ہو کر رہ جاتا ہے گمراہ ہونے کا طریقہ سنئے:۔

قارئین نے دیکھا کہ اس کائنات کی اشیاء اور موجودات میں ربط وشباہت کس طرح نوع انسان پر حقائق کا انکشاف کرتے ہیں اور انہیں زمین سے اُٹھا کر فلک الافلاک تک لے جاتے ہیں اور یقین دلاتے ہیں کہ اس کائنات کی ہر چیز آپس میں مربوط اور ایک دوسری سے اپنی بُنیاد میں وابستہ ہیں اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ ساری کائنات ایک ہی چیز سے پیدا کی گئی ہے۔ اور وہ چیز ہر چیز میں کارفرما ہے۔ یہ اسی چیز کے خواص وآثار و قوتیں ہیں جو ہر چیز میں عدل وحکمت کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔ اُسی چیز کی قوت ہر چیز پر نگراں ہے۔ وہی چیز ان میں اِتصال وافتراق و انجذاب پیدا کرتی ہے۔ وہی ان کو مختلف صورت میں وجود پذیر ومعدوم کرتی ہے۔ وہی ان کو ترکیب دیتی ہے اور ہم نے اُسے محمدؐ کا نور تسلیم کیا ہے

اب ہم قرآن کریم میں قانون شباہت کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کا ذکر کرتے ہیں جن کو خطبہ میں حضرت علی علیہ السلام نے دشمن خدا فرمایا ہے (خطبہ 97، جملہ 4) اور جن کو شبہ گمراہی کی دعوت دیتا ہے اور جن کی اپنی دلیل ہی اندھی ہوتی ہے (خطبہ 97، جملے 4-5) اور جنہیں نورِ محمدؐ کی عظمت کا مندرجہ بالا بیان بہت دکھ درد میں مبتلا کر دیتا ہے۔

(الف) قریش نے دلیل کے ساتھ گمراہ ہونے اور گمراہ کرنے کا قرآن کریم سے کون سا طریقہ اختیار کیا ہے؟

بہر حال قریش نے قرآن سے ایک آیت کو اپنے لئے گمراہی کی کلید بنایا ہے۔ آیت اور مودودی کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

هُوَالَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَاتَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ O (آل عمران 3/7)

مودودی ترجمہ "وہی خدا ہے، جس نے یہ کتاب تم پر نازل کی ہے، اس کتاب میں دو طرح کی آیات ہیں، ایک محکمات جو کتاب کی اصل بنیاد ہیں اور دوسری متشابہات۔ جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ ہے، وہ فتنہ کی تلاش میں ہمیشہ متشابہات ہی کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور ان کو معنی پہنانے کی کوشش کیا کرتے ہیں، حالانکہ ان کا حقیقی مفہوم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ بخلاف اس کے جو لوگ علم میں پختہ کار ہیں، وہ کہتے ہیں کہ "ہمارا ان پر ایمان ہے، یہ سب ہمارے رب ہی کی طرف سے ہیں" اور سچ یہ ہے کہ کسی چیز سے صحیح سبق صرف دانش مند لوگ حاصل کرتے ہیں۔" (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 233-235)

(ب) گمراہی کو مکمل کرنے کے لئے مودودی کی تین تشریحات بھی پڑھ لیں تا کہ وہ آیاتِ متشابہات کی آڑ میں قرآن کو بیکار کر سکیں۔

(1) آیاتِ محکمات ہی قابل اعتبار ہیں۔

مودودی قرآن سے استفادہ کا طریقہ بتاتے ہیں۔

"محکم پکی اور پختہ چیز کو کہتے ہیں "آیاتِ محکمات" سے مراد وہ آیات ہیں جن کی زبان بالکل صاف ہے۔ 2۔ جن کا مفہوم متعین کرنے میں کسی اشتباہ کی گنجائش نہیں ہے۔ 3۔ جن کے الفاظ معنی و مدعا پر صاف اور صریح دلالت کرتے ہیں۔ 4۔ جنہیں تاویلات کا تختۂ مشق بنانے کا موقع مشکل ہی سے کسی کو مل سکتا ہے۔ 5۔ یہ آیات "کتاب کی اصل بنیاد ہیں" یعنی قرآن جس غرض کے لئے نازل ہوا ہے اس غرض کو یہی آیتیں پورا کرتی ہیں۔ 6۔ اُنہی میں اسلام کی طرف دنیا کو دعوت دی گئی ہے۔ 7۔ اُنہی میں عبرت و نصیحت کی باتیں فرمائی گئی ہیں۔ 8۔ انہی میں گمراہیوں کی تردید اور راہِ راست کی توضیح کی گئی ہے۔ 9۔ اُنہی میں دین کے بنیادی اصول بیان کئے گئے ہیں۔ 10۔ اُنہی میں عقائد، عبادات، اخلاق، فرائض اور امر و نہی کے احکام ارشاد ہوئے ہیں۔ 11۔ پس جو شخص طالب حق ہو اور یہ جاننے کے لئے قرآن کی طرف رجوع کرنا چاہتا ہو کہ وہ کس راہ پر چلے اور کس راہ پر نہ چلے، اُس کی پیاس بجھانے کے لئے آیاتِ محکمات ہی اصل مرجع ہیں اور فطرۃً انہی پر اس کی توجہ مرکوز ہوگی اور وہ زیادہ تر اُنہی سے فائدہ اٹھانے میں مشغول رہے گا۔" (ایضًا جلد اول صفحہ 234)

(2) آیاتِ متشابہات نہایت خطرناک اور گمراہ کن ہیں ان پر بس ایمان لانا کافی ہو جاتا ہے۔

قارئین نے دیکھ لیا کہ مودودی صرف اور صرف آیاتِ محکمات میں مسلمانوں کو محدود رکھنا چاہتے ہیں۔ اب ذرا آیات متشابہات کا حال سنیں لکھا ہے کہ:۔

’’متشابہات ،یعنی وہ آیات جن کے مفہوم میں اشتباہ کی گنجائش ہے، یہ ظاہر ہے کہ انسان کے لئے زندگی کا کوئی راستہ تجویز نہیں کیا جا سکتا، جب تک کائنات کی حقیقت اور اس کے آغاز و انجام اور اس میں انسان کی حیثیت اور ایسے ہی دوسرے بنیادی امور کے متعلق کم سے کم ضروری معلومات انسان کو نہ دی جائیں، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جو چیزیں انسان کے حواس سے ماوراء ہیں جو انسانی علم کی گرفت میں نہ کبھی آئی ہیں، نہ آسکتی ہیں، جن کو اس نے نہ کبھی دیکھا نہ چھوا، نہ چکھا، ان کے لئے انسانی زبان میں نہ ایسے الفاظ مل سکتے ہیں جو اُنہی کے لئے وضع کئے گئے ہوں اور نہ ایسے معروف اسالیب بیان مل سکتے ہیں، جن سے ہر سامع کے ذہن میں ان کی صحیح تصویر کھنچ جائے۔ لامحالہ یہ ناگزیر ہے کہ اس نوعیت کے مضامین کو بیان کرنے کے لئے الفاظ اور اسالیبِ بیان وہ استعمال کئے جائیں، جو اصل حقیقت سے قریب تر مشابہت رکھنے والی محسوس چیزوں کے لئے انسانی زبان میں پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ مابعد الطبیعی مسائل کے بیان میں قرآن کے اندر ایسی ہی زبان استعمال کی گئی ہے اور متشابہات سے مراد وہ آیات ہیں، جن میں یہ زبان استعمال ہوئی ہے۔ لیکن اس زبان کا زیادہ سے زیادہ فائدہ بس اتنا ہی ہوسکتا ہے کہ آدمی کو حقیقت کے قریب تک پہنچا دے یا اس کا ایک دھندلا سا تصور پیدا کردے۔ ایسی آیات کے مفہوم کو متعین کرنے کی جتنی زیادہ کوشش کی جائے گی اتنے ہی زیادہ اشتباہات و احتمالات سے سابقہ پیش آئے گا۔ حتٰی کہ انسان حقیقت سے قریب تر ہونے کے بجائے اور زیادہ دُور ہوتا چلا جائے گا۔ پس جو لوگ طالب حق ہیں اور ذوقِ فضول نہیں رکھتے، وہ تو متشابہات سے حقیقت کے اُس دھندلے تصور پر قناعت کر لیتے ہیں جو کام چلانے کے لئے کافی ہے اور اپنی تمام تر توجہ محکمات پر صرف کرتے ہیں، مگر جو لوگ بوالفضول یا فتنہ جُو ہوتے ہیں، ان کا تمام تر مشغلہ متشابہات ہی کی بحث و تنقیب ہوتا ہے۔‘‘ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 234-235)

(3) <u>مودودی نے ڈرتے ڈرتے متشابہات کو مان لیا ہے۔</u>

مودودی کی یہ تیسری تشریح ان کے ایمان بالقرآن کا خاتمہ کرنے کے لئے کافی ہے لکھتے ہیں کہ:۔

’’یہاں کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ جب لوگ متشابہات کا صحیح مفہوم جانتے ہی نہیں، تو ان پر ایمان کیسے لے آئے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک معقول آدمی کو قرآن کے کلام اللہ ہونے کا یقین محکمات کے مطالعہ سے حاصل ہوتا ہے، نہ کہ متشابہات کی تاویلوں سے اور جب آیات محکمات میں غور وفکر کرنے سے اس کو یہ اطمینان حاصل ہو جاتا ہے کہ یہ کتاب واقعی اللہ ہی کی کتاب ہے، تو پھر متشابہات اس کے دل میں کوئی خلجان پیدا نہیں کرتے۔ جہاں تک ان کا سیدھا سادا مفہوم اس کی سمجھ میں آجاتا ہے، اس کو وہ لے لیتا ہے اور جہاں پیچیدگی رونما ہوتی ہے، وہاں کھوج لگانے اور موشگافیاں کرنے کے بجائے وہ اللہ کے کلام پر مجمل ایمان لاکر اپنی توجہ کام کی باتوں کی طرف پھیر دیتا ہے۔‘‘ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 235)

یہ تھا علامہ کا محکمات اور متشابہات کے سلسلے میں سارا تصور۔ علامہ نے متشابہات کے متعلق جو کچھ کہا ہے وہ بظاہر نہایت سادہ معلوم ہوتا ہے لیکن متشابہات کی ذیل میں متشابہات کی پوزیشن واضح کرنے کی بجائے وہ محکمات میں لپیٹ کر متشابہات کی گیارہ خرابیاں بیان کر چکے ہیں۔ ہم مودودی کے بیان کو الٹ کر متشابہات کی پوزیشن قارئین کے سامنے رکھیں گے اور بتائیں گے کہ مودودی کے عقائد کے مطابق متشابہات کی موجودگی میں سارا قرآن مہمل و بے معنی اور مشکوک ہو جاتا ہے۔

6۔ مودودی اور دوسرے تمام شیعہ سنی یا قریشی علمانے قرآن کو متشابہات کے نام پر مشکوک کردیا ہے۔

مودودی نے آیاتِ محکمات کی جو صفات لکھی ہیں وہ تمام آیات، متشابہات کی مذمت کی ہیں، سنئے:

آیات متشابہات مودودی کے قلم سے۔

''1۔ متشابہات، مشکوک ومشتبہ اور شبہات میں الجھانے والی چیز کو کہتے ہیں۔2۔ آیات متشابہات سے وہ آیات مراد ہیں جن کی زبان بالکل واضح اور صاف نہ ہو۔3۔ جن کا مفہوم متعین کرنے میں شبہات واحتمالات گھیرلیں اور یقین واطمینان کہیں ہاتھ نہ آئے۔4۔ جن کے الفاظ معنی ومدعا پر صاف وصریح دلالت نہ کرتے ہوں۔5۔ جنہیں تاویلات اور ہیرا پھیری کا تختہ مشق بنانے کا ہر کسی کو آسانی سے موقع مل سکے۔ 6۔ آیاتِ متشابہات کا کتاب کی بنیاد سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔7۔ یعنی آیاتِ متشابہات اُن اغراض ومقاصد کو پورا نہیں کرتیں، جن کے لئے قرآن نازل ہوا ہے۔8۔ آیاتِ متشابہات میں نہ عبرت کی باتیں ہیں نہ نصیحت ملتی ہے۔9۔ آیات ومتشابہات میں دنیا کو اسلام کی طرف دعوت نہیں دی گئی ہے۔10۔ آیات متشابہات میں نہ گمراہیوں کی تردید ہے نہ راہِ راست کی وضاحت کی گئی ہے۔11۔ آیات متشابہات میں دین کے بنیادی اصول تک بیان نہیں کئے گئے ہیں۔12۔ آیاتِ متشابہات میں نہ عقائد کا بیان ہے نہ عبادت واخلاق وفرائض کا ذکر ہے نہ ان میں امر ونہی کے احکام ارشاد ہوئے ہیں۔13۔ چنانچہ جو شخص بھی طالبِ حق ہو اور یہ جاننے کے لئے قرآن کی طرف رجوع کرنا چاہتا ہو کہ کس راہ پر چلے اور کس راہ پر نہ چلے اس کی پیاس بجھانے کے لئے آیات متشابہات بالکل بے کار ہیں۔ اس کی توجہ فطرتاً آیات متشابہات پر ہرگز مرکوز نہ ہوگی اور وہ زیادہ تر آیات متشابہات سے دُور تر رہے گا۔14۔ تاکہ اسے مزید اشتباہات واحتمالات سے سابقہ نہ پڑے اور وہ آیات متشابہات کی وجہ سے حقیقت سے دور نہ ہوجائے۔''

یہ ہے مودودی کی نظر میں آیات متشابہات کی پوزیشن اور ان کی خرابیاں جو اس ملعون نے آیات محکمات میں لپیٹ کر بیان کردی ہیں اور کسی کو محسوس تک نہ ہوا۔

7۔ مودودی کے دوفریب بھی آیاتِ متشابہات کے ساتھ شامل کرلیں تو آپ کو اللہ کی غلطی نظر آئے گی۔

مودودی نے آیات متشابہات کے بیان کرنے میں ایسی زبان کا استعمال کیا جانا لکھا ہے جو قاری کو حقیقت کے قریب قریب پہنچادے یعنی آیات متشابہات کی زبان کچھ نہ کچھ قاری کی سمجھ میں آتی ہے۔ مگر مودودی نے محکمات اور متشابہات والی آیت (3/7) میں تو یہ ترجمہ کیا ہے کہ ''حالانکہ آیات متشابہات کا حقیقی مفہوم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 235)

یعنی خود محمدؐ بھی نہیں جانتا۔ اب یہ سوال خود بخود پیدا ہوتا ہے کہ اللہ نے اس قرآن میں آیات متشابہات کو کیوں نازل کیا ہے؟ اور کیوں فتنہ جُو لوگوں کو فتنہ انگیزی کا موقع دیا؟ یعنی قرآن کو قرآن ہی کی آیات سے گمراہی پھیلانے کا ذریعہ کیوں بنایا؟ اور اس فتنہ انگیزی اور گمراہی کو روکنے کے لئے کوئی تدارک کیوں نہ کیا؟

8۔ آیاتِ متشابہات کا تعین نہ اللہ ہی نے کیا نہ مودودی ہی نے بتایا لہٰذا قرآن مشکوک ہوگیا۔

اور ان آیات کی نشاندہی بھی نہ کی گئی جو پورے دین وقرآن کو تباہ کرنے کے لئے کافی ہیں۔ جن میں خرابیاں ہی خرابیاں ہیں جن کی کوئی اچھائی کوئی افادیت نہ اللہ نے بتائی نہ مودودی نے بیان کی۔

9۔ قریشی علما یعنی شیعہ سنی دونوں نے قرآن کو مہجور کیا (25/30) جھٹلایا (6/66) اور آیاتِ متشابہات کی آڑ میں مشکوک کیا حالانکہ وہ سارا محکم و متشابہ ہے

اب ہم دکھائیں گے کہ قریش عہد رسوؐل سے قرآن کے ساتھ فراڈ کرتے چلے آئے ہیں اور یہ کہ آیات متشابہات کی آڑ میں بھی فراڈ ہی کیا گیا ہے۔ لہٰذا نمبر وار ملاحظہ فرمائیں:۔

(اول) آیاتِ متشابہات میں تمام خرابیاں فرضی اور مودودی وغیرہ علما کا فریب ہے۔

مودودی نے آیت (3/7) کا ترجمہ غلط اپنی طرف سے بڑھا کر کیا ہے۔ اس کی بڑی غلطی پکڑنے کیلئے علامہ رفیع الدین مرحوم کا ترجمہ پڑھیں:

رفیع الدین کا ترجمہ: ''وہی ہے جس نے اُتاری اوپر تیرے کتاب، بعضی اس کی آتیں محکم ہیں یعنی ظاہر معنوں کی وہ جڑ ہیں کتاب کی اور اَور ہیں متشابہ معنی کئی طرف ملتے پس آیا وہ لوگ کہ بیچ دلوں ان کے کے کجی ہے پس پیروی کرتے ہیں اس چیز کی کہ شبہ ڈالتی ہیں اس میں سے واسطے چاہنے گمراہی کے اور واسطے چاہنے حقیقت اُس کی کے اور نہیں جانتا حقیقت مگر اللہ۔'' (صفحہ 62)

یوں تو رفیع الدین بھی قریشی علما ہی میں سے ہیں مگر وہ جان بوجھ کر فراڈ نہیں کرتے لہٰذا اس ترجمہ میں انہوں نے مودودی کی طرح خود اپنے پاس سے ''اس کتاب میں دو طرح کی آیات ہیں'' نہیں لکھا۔ پھر یہ بھی نہیں لکھا کہ ''ہمیشہ متشابہات ہی کے پیچھے پڑے رہتے ہیں'' مطلب یہ ہے کہ مودودی نے کھُل کر آیاتِ متشابہات کو اپنا نشانہ بنایا ہے۔ حالانکہ اللہ نے اس آیت میں آیاتِ متشابہات کی طرف اشارہ تک بھی نہیں کیا ہے۔ لیکن تمام علما نے یہی سمجھا اور یہی لکھا کہ فتنہ جُو لوگ آیاتِ متشابہات کو فتنہ اور گمراہی پھیلانے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ جو سراسر نہ صرف غلط ہے بلکہ اس آیت (3/7) سے باہر کا خود ساختہ مفہوم ہے۔

ذرا دیر بعد ہمارا ترجمہ بات واضح کردے گا لیکن ہم چاہتے ہیں کہ آپ جتنی عربی جانتے ہوں اس کی روشنی میں اس آیت (3/7) پر لفظ بلفظ نظر ڈالیں اور ہمارا بیان پڑھتے چلیں۔ آیت میں سب سے پہلا مونث لفظ ''آیات'' ہے پھر دوسرا لفظ ''محکمات'' بھی مونث ہے۔ پھر تیسرا لفظ ''ھُنَّ'' لفظ محکمات کی مونث ضمیر ہے۔ پھر چوتھا لفظ متشابہات بھی مونث ہے۔ پھر بہت دور جا کر پانچواں لفظ فتنہ مونث ہے۔ یہ صورتِ حال سامنے رکھئے اور ہمارا مذکر و مونث کے ساتھ ترجمہ پڑھئے۔

''وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے اوپر ایک مذکر کتاب نازل کی ہے۔ اس مذکر کتاب میں (منہ) مونث و محکم آیات ہیں۔ وہ مونث محکم آیات اس مذکر کتاب کی مائیں یا بنیاد ہیں۔ اور اسی مذکر کتاب میں مونث متشابہ آیات ہیں۔ جن لوگوں کے دلوں میں مذکر زیغ ہے وہ پیروی کرتے ہیں اس چیز کی جو مشابہ ہو جاتا ہے اس مذکر سے تاکہ مونث فتنہ پھیلائیں اور اس مذکر کا حقیقی مفہوم معلوم کرلیں حالانکہ اس مذکر کا حقیقی مفہوم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔''

مذکر و مونث کے اس ترجمہ سے آپ یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ وہ فتنہ جُو لوگ کسی مونث کی پیروی نہیں کرتے۔ یعنی نہ وہ محکمات کی پیروی کرتے ہیں اور نہ ہی متشابہات کی پیروی کرتے ہیں۔ لہٰذا مودودی اینڈ کمپنی کا یہ الزام کہ متشابہات کو فتنہ جو لوگ استعمال کرتے ہیں سراسر بکواس ہے۔ وہ تو جس چیز کی پیروی کرتے ہیں وہ چیز مذکر ہے۔ اب پھر شروع سے مذکر و مونث پر نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ مذکر ایک کتاب ہے دوسرا مذکر اس کتاب سے متعلق ضمیر منهُ پھر مذکر زیغ ہے پھر اس مذکر زیغ سے متعلق مذکر ضمیر منه ہے اور اس سے متعلق ضمیر مذکر ہٖ (تاوِیْلِه) ہے اور اسی زیغ

سے متعلق پھر مذکر ضمیر ہ(تَاوِیلَہٗ) ہے۔یعنی گمراہی اور فتنہ اور تاویل کا تعلق لفظ زیغ سے ۔

اب ہمارا تفصیلی ترجمہ سنئے:۔

''وہ اللہ ہی ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی ہے اس میں محکم آیات ہیں جو اس کتاب کی مائیں ہیں اور دوسری محکم آیات سے مشابہ آیات ہیں ۔اَب جن لوگوں کے دلوں میں پہلے سے کوئی منصوبہ ہوتا ہے تو وہ اس منصوبہ کو دل میں لئے ہوئے قرآن کی ورق گردانی کرتے ہیں اور جو مفہوم کہیں بھی اس زیغ یا منصوبے سے مشابہ ہوجاتا ہے اسی کو اپنے منصوبے پر فٹ کر کے فتنہ انگیزی کرتے ہیں اور اسی کو حقیقی معنی و منصوبہ قرار دے لیتے ہیں حالانکہ ان کے منصوبے کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔''

(دوم) تمام علمانے اور مودودی نے بھی لفظ متشابھات کے معنی غلط کئے ہیں۔

ہم صرف مودودی کی غلطیاں دکھاتے ہیں باقی تمام علما کو ان کے ترجمہ سے خود گرفتار کرلیں اور پبلک کو دکھائیں کہ جب وہی لفظ آیت (آل عمران 3/7) میں آیا تو یہ معنی نہ کئے جو یہاں (بقرہ 2/25) کئے ہیں فرمایا گیا کہ:۔

كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنۡهَا مِنۡ ثَمَرَةٍ رِّزۡقًا قَالُوۡا هٰذَا الَّذِىۡ رُزِقۡنَا مِنۡ قَبۡلُ وَاُتُوۡا بِهٖ مُتَشَابِهًا.....(بقرہ 2/25)

مودودی ترجمہ ''اُن باغوں کے پھل صورت میں دنیا کے پھلوں سے مِلتے جُلتے ہوں گے۔جب کوئی پھل اُن کو کھانے کو دیا جائے گا۔تو وہ کہیں گے کہ اَیسے ہی پھل اِس سے پہلے دنیا میں ہم کو دیئے جاتے تھے۔'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 58) اسی مودودی نے لکھا تھا کہ:۔

''متشابھات یعنی وہ آیات جن کے مفہوم میں اشتباہ کی گنجائش ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 234)

مگر اس ملعون کو لکھنا چاہئے تھا کہ ''وہ آیات جو محکمات سے ملتی جلتی اور ویسی ہی ہوں گی۔''

دوسری آیت دیکھیں۔ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيۡرَ مُتَشَابِهٍ (6/141)

مودودی ترجمہ: ''جن کے پھل صورت میں مشابہ اور مزے میں مختلف ہوتے ہیں'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 589)

لہٰذا اس خبیث کو کہنا چاہئے کہ: ''آیات متشابھات آیات محکمات سے مشابہ ہوتی ہیں۔یعنی ویسی ہی ہوتی ہے جیسی وہ ہوتی ہیں''

(سوم) مودودی اور تمام ملعون علما پر ایک ضرب حیدری لگادی جائے۔

ان خبیثوں کی چھوٹی چھوٹی اور کئی بددیانتیاں پکڑنے کے بجائے ان کا راستہ ہی کیوں بند نہ کردیا جائے قارئین سنیں کہ یہ قرآن تو اول سے آخر تک صرف متشابہات سے لبریز کتاب ہے۔

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِيۡثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِىَ تَقۡشَعِرُّ مِنۡهُ جُلُوۡدُ الَّذِيۡنَ يَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ ثُمَّ تَلِيۡنُ جُلُوۡدُهُمۡ وَقُلُوۡبُهُمۡ اِلٰى ذِكۡرِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهۡدِىۡ بِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ وَمَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنۡ هَادٍ O (زمر 39/23)

مودودی ملعون کا صحیح ترجمہ:

''اللہ نے بہترین کلام اتارا ہے۔ایک ایسی کتاب جس کے تمام اجزا ہمرنگ ہیں اور جس میں بار بار مضامین دُہرائے گئے ہیں۔اُسے سن کر اُن لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرنے والے ہیں، اور پھر ان کے جسم اور ان کے دل نرم ہوکر اللہ کے ذکر کی طرف راغب ہوجاتے ہیں۔یہ اللہ کی ہدایت ہے جس سے وہ راہ راست پر لے آتا ہے جسے چاہتا ہے اور جسے اللہ ہی ہدایت نہ دے

اُس کے لئے پھر کوئی ہادی نہیں ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 367-368)

(چہارم) **اس ملعون کی آیات متشابہات پر تشریح بھی سُن لیں اور متشابہات پر غور کریں۔**

''۴۳؎ یعنی ان میں کوئی تضاداور اختلاف نہیں ہے پوری کتاب اول سے لے کر آخر تک ایک ہی مدعا، ایک ہی عقیدہ اور ایک ہی نظام فکر و عمل پیش کرتی ہے۔ اس کا ہر جز (یعنی آیت۔احسن) دوسرے جز کی اور ہر مضمون دوسرے مضمون کی تصدیق وتائید اور توضیح وتشریح کرتا ہے۔ اور معنی وبیان دونوں کے لحاظ سے اس میں کامل یکسانی (Consistency) پائی جاتی ہے۔'' (ایضًا صفحہ 368-369)

قارئین اس دغاباز وفریب ساز کی مجبوری تھی کہ اس نے اپنا تھوکا ہوا چاٹ لیا اور تمام قریشی علما کے منہ پر طمانچہ مار دیا۔ یہ ہے وہ معجزہ جو آیات متشابہات کی شباہت سے سامنے آیا ہے۔ اور خدا اور رسولؐ اور قرآن وعلیؑ کے تمام دشمنان کو سرنگوں ہونا اور حق کو قبول کرنا پڑا ہے۔ یہاں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ جس طرح یہ پوری کائنات اور اس کی تمام اشیاء اور موجودات اپنی اصل کی طرف یعنی نور محمدؐی کی طرف راہنمائی کرتی ہیں بالکل اسی طرح یہ قرآن اور اس کی تمام آیات محمدؐ وآل محمدؐ کی طرف لے جاتی ہیں۔ اور ان سب میں وہ شباہت کارفرما ملتی ہے جو انہیں وجود میں لائی ہے اور جس کی بنا پر یہ فرمایا گیا ہے کہ ہمارا پہلا بھی محمدؐ اور ہمارا آخری بھی محمدؐ ہے ہمارا درمیان والا بھی محمدؐ ہے اور ہم سب کے سب محمدؐ ہیں۔ اور میں کہا کرتا ہوں کہ ان کا اول علیؑ بھی ہے محمدؐ بھی۔ ان کا آخری بھی علیؑ ہے درمیان میں بھی علیؑ ہے اور یہ کہ وہ سب علیؑ بھی ہیں محمدؐ بھی۔

اللّٰھُمَ صَلی علٰی محمدؐ و آلِ محمدؐ۔

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 41

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 41

خُطبہ ﴿98﴾

1۔وفا اور سچائی دونوں کا مستقل ساتھ ہے اور میں ان دونوں سے بڑھ کر کسی اور چیز کو محافظ نہیں جانتا ہوں۔2۔جو شخص اپنے مرجع کو سمجھ لیتا ہے وہ کبھی غداری نہیں کرتا اس لئے کہ اسے آخرت میں محاسبہ کا ڈر رہتا ہے۔3۔ہمارے اس زمانہ میں مکر وفریب اور غدر کو عقل وفراست سمجھ لیا گیا ہے اور جاہلوں نے غداروں اور مکاروں کو دانشور ماننا شروع کر دیا ہے۔4۔زمانہ کے نشیب وفراز پر مطلع شخص اگر کوئی حیلہ اور مکر اپنے لئے مفید سمجھتا بھی ہے تو اللہ کی عائد کردہ پابندیاں اسے مکر وحیلے سے روک دیتی ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اِنَّ الۡوَفَآءَ تَوۡاَمُ الصِّدۡقِ ؛	1	یقیناً وفا سچائی کی جوڑی دار ہے۔
وَلَا اَعۡلَمُ جُنَّةً اَوۡقٰى مِنۡهُ ؛	2	اور میں ان دونوں سے زیادہ محفوظ رکھنے والی اور کوئی چیز نہیں جانتا ہوں۔
وَلَا يَغۡدِرُ مَنۡ عَلِمَ كَيۡفَ الۡمَرۡجِعُ ؛	3	اور جو شخص اپنے مرجع اور واپسی کے مقام کو سمجھ لیتا ہے وہ غداری نہیں کرتا ہے۔
وَلَقَدۡ اَصۡبَحۡنَا فِيۡ زَمَانٍ قَدِ اتَّخَذَ اَكۡثَرُ اَهۡلِهِ الۡغَدۡرَ كَيۡسًا ؛	4	اور ہم تو ایسے زمانہ میں ہیں جس میں لوگوں کی کثرت نے غداری کو فراست اور عقلمندی سمجھ کر اختیار کر رکھا ہے۔یعنی غداری فیشن بن گئی ہے۔
وَنَسَبَهُمۡ اَهۡلُ الۡجَهۡلِ فِيۡهِ اِلٰى حُسۡنِ الۡحِيۡلَةِ ؛	5	اور جاہلوں نے اس زمانہ میں ان کی غداری کو حسن تدبیر کہہ کر ان سے منسوب کر دیا ہے۔
مَالَهُمۡ ؟ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ ؛	6	انہیں کیا ہو گیا ہے خدا اُنہیں قتل کرے!!
قَدۡ يَرَى الۡحُوَّلُ الۡقُلَّبُ وَجۡهَ الۡحِيۡلَةِ وَدُوۡنَهٗ مَانِعٌ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰهِ وَنَهۡيِهٖ فَيَدَعُهَا رَاۡيَ عَيۡنٍ بَعۡدَ الۡقُدۡرَةِ عَلَيۡهَا ؛	7	یقیناً وہ شخص جو معاملات کے نشیب وفراز جانتا ہے وہ ہر کام کی تدبیر اور حیلے پر مطلع ہوتا ہے لیکن مکر وحیلہ وغداری کو کام میں نہیں لاتا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت اور ممانعت نے اسے روک رکھا ہے لہٰذا وہ قدرت واختیار اور موقع ہوتے ہوئے بھی حیلہ ومکر وغدر استعمال نہیں کرتا۔
وَيَنۡتَهِزُ فُرۡصَتَهَا مَنۡ لَّا حَرِيۡجَةَ لَهٗ فِي الدِّيۡنِ ؛	8	اور جو شخص دینی احساسات اور ذمہ داریوں کو سامنے نہیں رکھتا وہ موقع ملتے ہی غدر ومکر وحیلہ کرنے میں کوئی تکلف نہیں کرتا ہے“

تشریحات:

قارئین نوٹ کرلیں کہ قریش کی مکاری وغدّاری ضرب المثل ہے۔ خود اُن کے علما، مثلاً ڈاکٹر طہٰ حسین نے، عربوں کی عادت وخصلت پر روشنی ڈالتے ہوئے عربوں کو عموماً اور صحابہ رسولؐ اور قریش کو خصوصاً مکار وغدّار وفریب ساز اور دین فروش لکھا ہے تاکہ معاویہ کے کردار پر بھرپور روشنی جاسکے۔ (کتاب علیؑ۔احسنؑ)۔

قریشی لیڈروں اور ثلاثہ اینڈ کمپنی کا مستقل روّیہ اور اپنا دستور العمل پیش کیا ہے۔

ہم سوچ رہے ہیں کہ اس خطبہ کی تشریح میں قریشی لیڈروں کی کون کون سی غداریاں اور مکاریاں سامنے لائی جائیں؟ اور بات کہاں سے شروع کی جائے؟ بہتر ہوگا کہ ہم حضرت علی علیہ السلام کے آخری مدّ مقابل اور ابوبکر وعمر وعثمان کے چہیتے حکمران معاویہ بن ابوسفیان کی چند غداریاں اور مکاریاں دکھا کر بات شروع کریں اور اس کے بعد قریش کی وہ غداریاں دکھا کر بات ختم کردیں جو انہوں نے نزولِ قرآن کے دوران اللہ ورسوؐل سے کی تھیں۔

1۔الف) معاویہ اور عمرو عاص کی ایک چال جس سے قرآن کے نام پر مسلمانوں کو دھوکا دے کر شکست سے بچے اور تفرقہ پھیلایا۔

مودودی لکھتے ہیں کہ:

''معاویہ کی فوج شکست کے قریب پہنچ گئی۔ اس وقت عمرو بن العاص نے معاویہ کو مشورہ دیا کہ اب ہماری فوج نیزوں پر قرآن اٹھالے اور کہے کہ هٰذَا حَكَمٌ بَينَنَا و بَينَكُم یہ ہمارے اور تمہارے درمیان حَکَم (ثالث) ہے۔ اس کی مصلحت خود عمرو نے یہ بتائی کہ اس سے علیؑ کے لشکر میں پھوٹ پڑ جائے گی کچھ کہیں گے کہ یہ بات مان لی جائے اور کچھ کہیں گے کہ نہ مانی جائے ہم مجتمع رہیں گے اور ان میں تفرقہ پڑ جائے گا۔ اگر وہ مان گئے تو ہمیں مہلت مل جائے گی۔'' اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ یہ محض ایک جنگی چال تھی۔ قرآن کو حَکَم (ثالث) بنانا سرے سے مقصود ہی نہ تھا۔'' (خلافت وملوکیت صفحہ 139)

2۔غداری اور بدعہدی اور فریب کو بلاتکلف استعمال کرنا۔ مودودی کا دوسرا اقبال واقرار۔

ذرا آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:

''ابوموسیٰ نے یہ بات سنتے ہی کہا کہ مَالَكَ لَا وَفَقَكَ اللّٰهُ، غَدَرتَ وَفَجَرتَ یہ تم نے کیا کیا؟ خدا تمہیں توفیق نہ دے تم نے غداری کی، دھوکا دیا اور عہد کی خلاف ورزی کی، سعد بن ابی وقاص بولے ''افسوس تمہارے حال پر اَے ابوموسیٰ تم عمرو کی چالوں کے مقابلے میں بڑے کمزور نکلے'' ابوموسیٰ نے جواب دیا ''اب میں کیا کروں اس شخص نے مجھ سے ایک بات پر اتفاق کیا اور پھر اس سے دامن چھڑا لیا'' عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے کہا کہ ''ابوموسیٰ اس سے پہلے مرگئے ہوتے تو ان کے حق میں زیادہ اچھا ہوتا'' عبداللہ بن عمر نے کہا کہ ''دیکھو اس امت کا حال کہاں جا پہنچا ہے؟ اس کا مستقبل دو ایسے آدمیوں کے حوالے کردیا گیا جن میں سے ایک کو اس کی کچھ پرواہ نہیں کہ وہ کیا کررہا ہے؟ اور دوسرا ضعیف ہے'' درحقیقت کسی شخص کو بھی وہاں اس امر میں شک نہ تھا کہ دونوں کے درمیان اسی بات پر اتفاق ہوا تھا جو ابوموسیٰ نے اپنی تقریر میں کہی تھی۔ اور عمرو بن العاص نے جو کچھ کیا وہ طے شدہ بات کے بالکل خلاف تھا۔ اس کے بعد عمرو بن العاص نے جاکر معاویہ کو خلافت کی

بشارت دی اور ابو موسیٰ شرم کے مارے حضرت علیؑ کو منہ نہ دکھا سکے اور سیدھے مکے چلے گئے۔'' (خلافت وملوکیت صفحہ 142)

اس خطبے کی رُو سے معاویہ اور عمرو عاص غداری و مکاری اور عہد شکنی اور بے دینی کی بنا پر دانشورانِ قریش تھے۔ اور یہ دونوں اور ایسے ہی اور بہت سے دانشور عمر نے تیار کئے تھے۔ اور یہی فرق تھا حضرت علیؑ اور قریشی لیڈروں کی دانشوری اور دین میں۔ اور یہی فرق ہے کفر و اسلام میں۔

3۔ ابوبکر و عمر و عثمان کے تیار کردہ حکمران قیصر و کسریٰ کے راستہ اور طریقوں اور دین پر رواں دواں جارہے تھے۔

مودودی کی آخری بات سن کر یہ طے کرلیں کہ قریشی خلافت کس بے تکلفی سے قیصر و کسریٰ اور بے دین حکمرانوں کی راہ پر جارہی تھی اور حضرت علی علیہ السلام کس طرح ان کی راہیں روک رہے تھے۔ مودودی کی قریشی زبان میں سنئے اور حقیقت تک پہنچ جایئے۔ لکھتے ہیں کہ:

''اس کے بعد حضرت علیؑ نے کوفہ واپس پہنچ کر شام پر چڑھائی کی پھر تیاریاں شروع کردیں۔ اس زمانہ میں انہوں نے جو تقریریں کیں ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ امت پر ملوکیت کے مسلط ہوجانے کا خطرہ کس شدت کے ساتھ محسوس کررہے تھے اور خلافت راشدہ کے نظام کو بچانے کے لئے کس طرح ہاتھ پاؤں مار رہے تھے۔ ایک تقریر میں وہ فرماتے ہیں کہ:

''خدا کی قسم اگر یہ لوگ تمہارے حاکم بن گئے تو تمہارے درمیان کسریٰ اور ہرقل کی طرح کام کریں گے''

ایک دوسری تقریر میں انہوں نے فرمایا: ''چلو ان لوگوں کے مقابلے میں جو تم سے اس لئے لڑ رہے ہیں کہ ملوک جبابرہ بن جائیں اور اللہ کے بندوں کو اپنا غلام بنالیں۔'' (144-145)

4۔ حضرت علیؑ سے ساری عمر غداریاں، مکاریاں اور فریب کاریاں کرنے والے ان کے بعد نادم و نامراد اور جہنم واصل ہوئے۔

اقرار تو تمام قریشی علما نے کیا ہے مگر لگے ہاتھ مودودی کا بیان سن لیں۔

''اس کے بعد جو حالات پیش آئے انہیں دیکھ کر بہت سے وہ لوگ بھی، جو پہلے حضرت علیؑ اور ان کے مخالفین کی لڑائیوں کو محض فتنہ سمجھ کر غیر جانبدار رہے تھے، یہ اچھی طرح جان گئے کہ حضرت علیؑ کس چیز کو قائم رکھنے اور امت کو کس انجام سے بچانے کے لئے اپنی جان کھپا رہے تھے؟ حضرت عبداللہ بن عمر نے اپنے آخری زمانے میں کہا ''مجھے کسی چیز پر اتنا افسوس نہیں ہے جتنا اس بات پر کہ میں نے علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ کیوں نہ دیا؟'' ابراہیم النخعی کی روایت ہے کہ مسروق بن اجدع حضرت علیؑ کا ساتھ نہ دینے پر توبہ و استغفار کیا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کو عمر بھر اس بات پر سخت ندامت رہی کہ وہ حضرت علیؑ کے خلاف جنگ میں معاویہ کے ساتھ کیوں شریک ہوئے تھے۔'' (خلافت وملوکیت صفحہ 145)

اور تمام قریشی علما نے متفقہ طور پر لکھا ہے کہ عائشہ اس قدر رویا کرتی تھیں کہ ان کی اوڑھنی پوری بھیگ جاتی تھی۔ مگر اس سے ان کو کوئی فائدہ نہ ہوا۔ وہ قرآن اور حدیث سے جہنمی ہوگئے۔

5۔ حضرت علیؑ کے ساتھ قریش دوست بن کر غداریاں اور دشمن بن کر مکاریاں اور فریب کاریاں کرتے رہے۔

ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے لکھا ہے کہ:

''حضرت علیؑ آزمائش کے اس سخت دَور سے گزرتے رہے دوست غدّاری اور دشمن مکاری سے پیش آتے رہے لیکن آپؑ اس پورے دَور میں اپنے روشن مسلک پر ارادے کے پکے رہے۔ نہ معاملات میں کوئی پستی گوارا کی نہ دین میں کوئی کمزوری دکھائی۔ نہ اپنی کھُلی ہوئی

سیاست سے ذرا بھی انحراف کیا۔ مصیبتیں مسلسل آتی رہیں اور سدّ راہ بنتی رہیں مگر آپ اپنی راہ چلتے رہے۔ دائیں بائیں کسی طرف جھکے نہیں۔'' (کتاب علیؑ صفحہ 233)

طٰہٰ حسین ہی نے لکھا ہے کہ: ''چنانچہ جس کو حق بات اور ہدایت اچھی معلوم ہوئی آپؑ کے ساتھ رہا اور جس کو باطل اور گمراہی بھلی معلوم ہوئی امیر معاویہ سے جاملا۔'' (ایضاً صفحہ 302)

یہ تھے حضرت علی علیہ السلام جن کو اللہ و رسولؐ نے روزِ اول سے حکومت الٰہیہ پر خلیفہ و وزیر بنایا تھا اور وہ تھے قریش۔

6۔ قریش نے اسلام اس لئے اختیار کیا تھا کہ اسلامی اور قرآنی عقائد کو رسولؐ کے خلاف ایک مختلف اور جاہلیت والے دین میں بدل دیں۔

قریش کو رسولؐ اللہ سے پہلا اختلاف یہ تھا کہ وہ رسولؐ کے شخصی فیصلوں میں غلطی کا امکان سمجھتے تھے اور کثرت کے متفقہ فیصلوں کو صحیح اور قابل اعتبار خیال کرتے تھے۔ چنانچہ اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نوٹ کرایا کہ:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ۭ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّھُمْ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًاO (سورہ نساء 4/60)

مودودی ترجمہ: ''اے نبیؐ تم نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اس کتاب پر جو تمہاری طرف نازل کی گئی اور ان کتابوں پر جو تم سے پہلے نازل کی گئی تھیں، مگر چاہتے یہ ہیں کہ اپنے معاملات کا فیصلہ کرانے کے لئے طاغوت کی طرف رجوع کریں، حالانکہ انہیں طاغوت سے کفر کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ شیطان انہیں بھٹکا کر راہِ راست سے بہت دور لے جانا چاہتا ہے۔''
(تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 366)

اس آیت پر علامہ نے لمبی چوڑی تشریح لکھی ہے اس کا ایک جملہ سن لیں:

''۔ یہاں صریح طور پر طاغوت سے مراد وہ حاکم ہے جو قانون الٰہی کے سوا کسی دوسرے قانون کے مطابق فیصلہ کرتا ہو۔'' (صفحہ 367)

یہاں ہم بلاتمہید بتادیں کہ طاغوت وہی مرکز تھا جو اجتہاد اور مشاورت سے کثرت کا فیصلہ نافذ کرتا تھا اور اس مرکز کا حکم یہ تھا کہ:

يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ۔۔(مائدہ 5/41)

''اور لوگوں سے کہتے ہیں کہ اگر تمہیں یہ حکم دیا جائے تو مانو نہیں تو نہ مانو (بچ کر نکل جاؤ)۔'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 470)

7۔ عہد رسولؐ میں نزول قرآن کے دوران کوئی ایسی جماعت یا گروہ یا قوم ایسی نہیں ہوسکتی جو قرآن اور سابقہ کتابوں کی رُو سے اجتہاد پر عامل ہوتی۔

جو شخص قریش اور انصار کے حالات سے ذرا سا بھی واقف ہے وہ مندرجہ بالا آیات (5/41،4/60) کو دیکھ کر یہ ماننے پر مجبور ہو جائے گا کہ پوری قوم پر ایسا کنٹرول کسی اور کو حاصل نہیں ہوسکتا جیسا ان آیات میں بیان ہوا ہے کہ کھلا کھلا حکم نافذ کردے کہ ''رسولؐ کا صرف وہی حکم مانا جائے گا جو اصولاً ہمارے حکم کے مطابق ہو'' ایسا کھلا اور عام حکم قریشی مرکز ہی دے سکتا تھا اور قریشی قوم ہی سے یہ امید کی جاسکتی تھی کہ یہ قوم ایسے حکم کی اطاعت کرے گی۔ اور چونکہ بعد رسولؐ اسی قوم نے اپنی پسندیدہ حکومت قائم کی تھی اور اپنے احکامات وقوانین کو اجتہاد و مشاورت اور اجماع کے اصولوں پر چلایا تھا لہٰذا اس میں شبہ کرنا بہت بڑی بے بصیرتی ہوگی کہ وہ قوم قریش نہیں کوئی اور ہوسکتی ہے۔

8۔ قریش نے اللہ کے دین کی بنیادوں میں اختلاف پیدا کر کے فرقہ واریت کو جاری کیا۔

اللہ نے قریش کو تفرقہ اندازی سے روکنے کے لئے فرمایا تھا کہ:

یٰاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَOوَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ جَمِیۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا ...(آل عمران 3/102-103)

مودودی ترجمہ: ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔ سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔

9۔ مودودی کی تشریح عربوں کو خود ساختہ اجتہادی مسائل گھڑنے سے روکا گیا تھا۔

''اللہ کی رسی سے مراد اس کا دین ہے، اور اس کی رسی سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ یہی وہ رشتہ ہے جو ایک طرف اہل ایمان کا تعلق اللہ سے قائم کرتا ہے اور دوسری طرف تمام ایمان لانے والوں کو باہم ملا کر ایک جماعت بناتا ہے۔ اس رسی کو ''مضبوط پکڑنے'' کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کی نگاہ میں اصل اہمیت ''دین'' کی ہو۔ اسی سے اُن کو دلچسپی ہو، اِسی کی اقامت میں وہ کوشاں رہیں اور اسی کی خدمت کے لئے آپس میں تعاون کرتے رہیں۔ جہاں دین اساسی تعلیمات اور اس کی اقامت کے نصب العین سے مسلمان ہٹے اور ان کی توجہات اور دلچسپیاں جزئیاتِ وفروع کی طرف منعطف ہوئیں پھر ان میں لازماً وہی تفرقہ واختلاف رونما ہو جائے گا جو اس سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی امتوں کو اصل مقصدِ حیات سے منحرف کر کے دنیا اور آخرت کی رسوائیوں میں مبتلا کر چکا ہے۔ یعنی اگر تم آنکھیں رکھتے ہو تو ان علامتوں کو دیکھ کر خود اندازہ کر سکتے ہو کہ آیا تمہاری فلاح اس دین کو مضبوط تھامنے میں ہے یا اُسے چھوڑ کر پھر اُسی حالت کی طرف پلٹ جانے میں جس کے اندر تم پہلے تھے؟ آیا تمہارا اصلی خیر خواہ اللہ اور اس کا رسولؐ ہے یا وہ یہودی اور مشرک اور منافق لوگ جو تم کو حالتِ سابقہ کی طرف پلٹا لے جانے کی کوشش کر رہے ہیں؟'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 276-277 حاشیہ نمبر 83، 85)

10۔ قرآن کی آیات (5/41,4/60) مودودی کے ترجمہ اور تشریحات سے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ قریش نے اللہ رسولؐ اور قرآن سے غداری کی تھی۔

قریش نے دل سے کبھی قرآن اور رسولؐ کے احکام کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ ان کے سامنے ہر بات اور ہر عقیدے کو ماننے کے لئے ایک معیار تھا۔ جس کا تعین ان کا مرکز یا طاغوت کر چکا تھا۔ وہ صرف اس مرکز کے معیار کو مانتے تھے۔ اللہ و رسولؐ لاکھ سر ماریں وہ ہرگز توجہ نہ دیں گے ان کے احکام و بیانات و آیات کی وہی تعبیر کریں گے جو مرکز نے بتائی ہے۔ اسی اصول پر انہوں نے قرآن کی ہر آیت کو ہر لفظ کو اللہ و رسولؐ کے مقرر کئے ہوئے موضوع اور مفہوم سے ہٹا کر اپنے مرکزی اور اجتہادی معنی میں تبدیل کر رکھا تھا۔ اور قریشی مرکز نے جس حکم کے ذریعہ رسولؐ کے احکام کو اپنے احکام کے ماتحت کیا تھا وہیں اللہ نے یہ بھی بتایا ہے کہ وہ مرکز قرآن کے ہر حکم کو اپنی پالیسی کے ماتحت تبدیل کرتا جا رہا ہے۔ مودودی سے آیت کا ترجمہ پھر سنئے: ''کتاب اللہ کے الفاظ کو ان کا صحیح محل متعین ہونے کے باوجود اصل معنی سے پھیرتے ہیں، اور لوگوں سے کہتے ہیں کہ اگر تمہیں یہ حکم دیا جائے تو مانو نہیں تو نہ مانو (یعنی ٹال دو۔ احسن)۔'' (مائدہ 5/41، تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 470)

قارئین کے غور کرنے کی بات ہے کہ جس قوم کا مرکز اللہ و رسولؐ کے مقابلے میں قوم کو ناپسند ہو وہاں اللہ و رسولؐ کے احکام بجنسہٖ کیسے مانے جائیں

گے؟اور جب کہ پورا قرآن ہی معنوی حیثیت سے تبدیل ومھجور کر دیا گیا ہو(فرقان 25/30)اور جب کہ قوم کو یقین دلایا گیا ہو کہ یہ رسوؐل ہمارے ایسا خاطی انسان ہے۔اور خاندان کا جانبدار بھی ہے۔

11۔ قریش کو بار بار تفرقہ پردازی سے منع کیا گیا مگر تفرقہ ہی مفید تھا۔

قریش یہ جانتے تھے کہ اگر ہم نے مسلمانوں میں ایک الگ جماعت نہ بنائی تو ہم اپنی قومی اور جمہوری حکومت نہ بنا سکیں گے اس لئے انہوں نے اللہ کے احکام وہدایات کو سنا اور ٹالتے رہے۔چنانچہ ان سے فرمایا گیا کہ:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌO..(3/105-108)

مودودی ترجمہ ''کہیں تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فرقوں میں بٹ گئے اور کھلی کھلی واضح ہدایات پانے کے بعد پھر اختلاف میں مبتلا ہوئے جنہوں نے یہ روش اختیار کی وہ اس روز سخت سزا پائیں گے جب کہ کچھ لوگ سُرخرو ہوں گے اور کچھ لوگوں کا منہ کالا ہوگا،جن کا منہ کالا ہوگا (ان سے کہا جائے گا کہ) نعمت ایمان پانے کے بعد بھی تم نے کافرانہ رویہ اختیار کیا اچھا تو اب اس کفرانِ نعمت کے صلہ میں عذاب کا مزا چکھو۔'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 278)

قارئین نوٹ کریں کہ مودودی کو یہاں کمزور ایمان والوں اور منافقوں کی آڑ لینے کا موقع نہیں ملا ہے ورنہ وہ قریشی لیڈروں اور قریشی مومنین کو چھپانے کے لئے اکثر کہہ دیتے ہیں کہ یہ منافقین یا کمزور ایمان والوں کی بات ہو رہی ہے۔ہم مودودی کو اسی لئے آگے رکھ رہے ہیں کہ بہانوں کی گنجائش نہ رہے۔

12۔ اللہ ورسوؐل سے غدّاری،نافرمانی،لوٹ مار،رسوؐل کو قتل کرانے کی اسکیم۔حکومت میں حصہ مانگنا،بے دینی خطرناک منصوبہ ظاہر ہوا۔

قرآن کریم نے قریش کے مومنین کی لمبی چوڑی تفصیل دی ہے۔ہم مودودی کا اہم ترجمہ لکھیں گے عربی کی اصل عبارت آیات کے نمبروں کے ماتحت خود پڑھیں۔مودودی کا ترجمہ یوں ہے:

''اللہ نے (تائید ونصرت کا) جو وعدہ تم سے کیا تھا وہ تو اس نے پورا کر دیا۔۔مگر جب تم نے کمزوری دکھائی اور اپنے کام میں باہم اختلاف کیا،اور جوں ہی کہ وہ چیز اللہ نے تمہیں دکھائی جس کی محبت میں تم گرفتار تھے (یعنی مال غنیمت) تم اپنے سردار کے حکم کی خلاف ورزی کر بیٹھے۔اس لئے کہ تم میں سے کچھ لوگ دنیا کے طالب تھے اور کچھ آخرت کی خواہش رکھتے تھے۔تب اللہ نے تمہیں کافروں کے مقابلے میں پسپا کر دیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے۔یاد کرو جب تم بھاگے چلے جا رہے تھے کسی کی طرف پلٹ کر دیکھنے تک کا ہوش تمہیں نہ تھا،اور رسوؐل تمہارے پیچھے تمہیں پکار رہا تھا۔۔مگر ایک دوسرا گروہ۔۔۔جس کے لئے ساری اہمیت بس اپنے مفاد ہی کی تھی، اللہ کے متعلق طرح طرح کے جاہلانہ گمان کرنے لگا جو سراسر خلافِ حق تھے۔یہ لوگ اب کہتے ہیں کہ ''اس کام کے چلانے میں ہمارا بھی کوئی حصہ ہے؟'' ان سے کہو (کسی کا کوئی حصہ نہیں) اس کام کے سارے اختیارات اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔'' دراصل یہ لوگ اپنے دلوں میں جو بات چھپائے ہوئے ہیں اُسے تم پر ظاہر نہیں کرتے۔ان کا اصل مطلب یہ ہے کہ ''اگر (قیادت کے) اختیارات میں ہمارا کچھ حصہ ہوتا تو یہاں ہم نہ مارے جاتے۔۔۔اے لوگو جو ایمان لائے ہو،کافروں کی سی باتیں نہ کرو۔۔۔(اے پیغمبرؐ) یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لئے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہو۔ورنہ اگر کہیں تم تندخو اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب تمہارے گردوپیش سے

چھوٹ جاتے۔ان کے قصور معاف کر دو، ان کے حق میں دعائے مغفرت کرو، اور دین کے کام میں ان کو بھی شریک مشورہ رکھو، پھر جب تمہارا عزم کسی رائے پر مستحکم ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کرو، اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اسی کے بھروسے پر کام کرتے ہیں'' (آل عمران 159 تا 3/151، تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 294-298)

یہاں قریشی مومنین کی غداریاں، مکاریاں اور بے دینی کے ساتھ ساتھ یہ بات نوٹ کریں کہ وہ رسولؐ کے ساتھ حکومت میں برابر کا حصہ چاہتے تھے اور مشاورت کو اپنے لئے ضروری سمجھتے تھے۔اور آخر قریشی حکومتیں اسی اصول پر بنیں اور ایک ہزار سال تک چلتی رہیں۔

13۔ جہاد واجب ہو تو ناپسند، پُر امن رہنا بھی ناپسند، دن رات لوٹ مار کے لئے تیغ بکف مگر اللہ کے لئے ڈرپوک و بُزدل۔

قریش کے مومنین کا حال مودودی کے ترجمہ سے سنئے:

''تم نے ان لوگوں کو بھی دیکھا جن سے کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ روکے رکھو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو؟ اب جو انہیں لڑائی کا حکم دیا گیا تو ان میں سے ایک فریق (فرقہ۔احسن) کا حال یہ ہے کہ لوگوں سے ایسا ڈر رہے ہیں جیسا خدا سے ڈرنا چاہئے یا کچھ اس سے بھی بڑھ کر۔کہتے ہیں کہ خدایا! یہ ہم پر لڑائی کا حکم کیوں لکھ دیا؟ کیوں نہ ہمیں ابھی کچھ اور مہلت دی؟ ان سے کہو، دنیا کا سرمایۂ زندگی تھوڑا ہے۔اور آخرت ایک خدا ترس انسان کے لئے زیادہ بہتر ہے، اور تم پر ظلم ایک شمّہ برابر بھی نہ کیا جائے گا۔رہی موت، تو جہاں بھی تم ہو وہ بہرحال تمہیں آکر رہے گی خواہ تم کیسی ہی مضبوط عمارتوں میں ہو۔اگر انہیں کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، اور اگر کوئی نقصان پہنچتا ہے تو کہتے ہیں یہ تمہاری بدولت ہے۔'' (نساء 78-4/77) (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 375-373)

14۔ قریش کی ذہنیت اور کردار۔

مودودی نے ان آیات کی تشریح میں لکھا ہے کہ:

''اس آیت (4/77) کے تین مفہوم ہیں اور تینوں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں، ایک مفہوم یہ ہے کہ پہلے یہ لوگ خود جنگ کے لئے بے تاب تھے۔بار بار کہتے تھے کہ صاحب ہم پر ظلم کیا جا رہا ہے، ہمیں ستایا جاتا ہے، مارا جاتا ہے۔گالیاں دی جاتی ہیں آخر ہم کب تک صبر کریں، ہمیں مقابلے کی اجازت دی جائے۔اس وقت ان سے کہا جاتا تھا کہ صبر کرو اور نماز و زکوٰۃ سے ابھی اپنے نفس کی اصلاح کرتے رہو تو یہ صبر و برداشت کا حکم ان پر شاق گزرتا تھا۔مگر اب جو لڑائی کا حکم دے دیا گیا تو ان ہی تقاضا کرنے والوں میں سے ایک گروہ دشمنوں کا ہجوم اور جنگ کے خطرات دیکھ دیکھ کر سہما جا رہا ہے۔دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جب تک مطالبہ نماز اور زکوٰۃ اور ایسے ہی بے خطر کاموں کا تھا اور جانیں لڑانے کا کوئی سوال درمیان میں نہ آیا تھا یہ لوگ پکے دیندار تھے مگر اب جو حق کی خاطر جان جوکھوں کا کام شروع ہوا تو ان پر لرزہ طاری ہونے لگا۔تیسرا مفہوم یہ ہے کہ پہلے تو لوٹ کھسوٹ اور نفسیاتی لڑائیوں کے لئے ان کی تلوار ہر وقت نیام سے نکلی پڑتی تھی اور رات دن کا مشغلہ ہی جنگ و پیکار تھا۔اُس وقت انہیں خونریزی سے ہاتھ روکنے اور نماز و زکوٰۃ سے نفس کی اصلاح کرنے کے لئے کہا گیا تھا۔اب جو خدا کے لئے تلوار اُٹھانے کا حکم دیا گیا تو وہ لوگ جو نفس کی خاطر لڑنے میں شیر دل تھے، خدا کی خاطر لڑنے میں بُزدل بنے جاتے ہیں۔وہ دستِ شمشیر زن جو نفس اور شیطان کی راہ میں بڑی تیزی دکھاتا تھا اب خدا کی راہ میں شل ہوا جاتا ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 375 تا 375)

15۔ قریش کی دِکھاوے والی اطاعت اور قریشی لیڈروں کے اسلام اور رسوؐل کے خلاف منصوبے اور مشورے، راز فاش کرنا، شیطان کی پیروی۔

مودودی کا ترجمہ سنئے:

''وہ منہ پر کہتے ہیں کہ ہم مطیع فرمان ہیں۔ مگر جب تمہارے پاس سے نکلتے ہیں تو ان میں ایک گروہ راتوں کو جمع ہو کر تمہاری باتوں کے خلاف مشورے کرتا ہے اللہ ان کی یہ ساری سرگوشیاں لکھ رہا ہے تم ان کی پرواہ نہ کرو اور اللہ پر بھروسہ رکھو، وہی بھروسہ کے لئے کافی ہے۔

کیا یہ لوگ (قریشی لیڈر۔احسن) قرآن پر غور نہیں کرتے؟ اگر یہ (قرآن۔احسن) اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت کچھ اختلاف بیانی پائی جاتی۔ اور یہ لوگ جہاں کوئی اطمینان بخش یا خوفناک خبر سن پاتے ہیں اسے لے کر پھیلا دیتے ہیں۔ حالانکہ اگر یہ اسے رسوؐل اور اپنی جماعت کے ذمہ دار اصحاب تک پہنچائیں تو وہ ایسے لوگوں کے علم میں آجائے جواُن کے درمیان اس بات کی صلاحیت رکھتے ہیں کہ اس سے صحیح نتیجہ اخذ کرسکیں۔ تم لوگوں پر اللہ کی مہربانی اور رحمت نہ ہوتی تو معدودے چند کے سوا تم سب شیطان کے پیچھے لگ گئے ہوتے۔ پس اَے نبیؐ! تم اللہ کی راہ میں لڑو، تم اپنی ذات کے سوا کسی اور کے لئے ذمہ دار نہیں ہو۔ البتہ اہل ایمان کو لڑنے کے لئے اکساؤ۔ بعید نہیں کہ اللہ کافروں کا زور توڑ دے، اللہ کا زور سب سے زیادہ زبردست اور اس کی سزا سب سے زیادہ سخت ہے۔''

(سورہ نساء 84 تا 4/81، تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 377-376)

16۔ قریشی مسلمان اپنی خیانت کارانہ گواہیوں اور جھوٹے بیانات سے رسوؐل اللہ کو غلط راہ پر ڈالنے میں کوشاں رہتے تھے۔

مودودی صاحب کا ترجمہ سنئے اور قریش کی ترکیبوں پر نظر ڈالئے۔ اُلٹے اللہ رسوؐل اللہ سے فرماتا ہے کہ:

''اَے نبیؐ ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ تمہاری طرف نازل کی ہے تاکہ جو راہ راست اللہ نے تمہیں دکھائی ہے اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو، تم بددیانت لوگوں کی طرف سے جھگڑنے والے نہ بنو، اور اللہ سے درگزر کی درخواست کرو، وہ بڑا درگزر فرمانے والا ہے اور رحیم ہے، جو لوگ اپنے نفس سے خیانت کرتے ہیں تم ان کی حمایت نہ کرو۔ اللہ کو ایسا شخص پسند نہیں ہے جو خیانت کار اور معصیت پیشہ ہو۔ یہ لوگ انسانوں سے اپنی حرکات چھپا سکتے ہیں۔ مگر خدا سے نہیں چھپا سکتے وہ تو اس وقت بھی ان کے ساتھ ہوتا ہے جب یہ راتوں کو چھپ کر اس کی مرضی کے خلاف مشورے کرتے ہیں ان کے سارے اعمال پر اللہ محیط ہے۔''(4/105-108)

17۔ قریشی لیڈر خود رسوؐل اللہ کو اپنے مجتہدانہ تصورات اور عقاید سے گمراہ کرنے میں کوشاں رہتے تھے اللہ کے فضل نے محفوظ رکھا۔

''اَے نبیؐ! اگر تم پر اللہ کا فضل نہ ہوتا اور اس کی رحمت شامل حال نہ ہوتی تو ان میں سے ایک گروہ نے تو تمہیں غلط فہمی میں مبتلا کرنے کا فیصلہ کر ہی لیا تھا، حالانکہ درحقیقت وہ خود اپنے سوا کسی کو غلط فہمی میں مبتلا نہیں کر رہے تھے اور تمہارا کوئی نقصان نہ کرسکتے تھے۔ اللہ نے تم پر کتاب وحکمت نازل کی ہے اور تم کو وہ کچھ بتایا ہے جو تمہیں معلوم نہ تھا، اور اس کا فضل تم پر بہت ہے (نساء 4/113) مودودی صاحب نے اس آیت (4/113) کے ترجمہ میں یہ مان لیا کہ قریشی ماہرین اور مجتہدین خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی قرآنی تعلیمات کے خلاف لے جانے میں پوری پوری کوششیں کر چکے تھے۔ اور سابقہ عنوان نمبر 16 میں اللہ نے آنحضرتؐ کو منع فرمایا ہے کہ وہ قریش کی جانبداری نہ کریں اس لئے کہ وہ دین میں ہر وقت خیانت کرنے میں مصروف ہیں۔

18۔ قریشی مسلمانوں کا دن رات اسلام کے خلاف مشورے کرتے رہنا اور عورتوں اور مردوں کو گٹھ جوڑ کے لئے تیار کرنا زبردست محاذ بنانا

پچھلے عنوانات اور آیات میں قریشی سازش مسلسل بیان ہوتی چلی آرہی ہے اور یہاں بھی مودودی کے ترجمہ سے آپ اُسی سازش کو مسلسل دیکھیں ارشاد ہے کہ:

''لوگوں کی خُفیہ سرگوشیوں میں اکثر و بیشتر کوئی بھلائی نہیں ہوتی، (بلکہ بُرائیاں ہی بُرائیاں ہوا کرتی ہیں۔ احسنؔ) ہاں اگر کوئی پوشیدہ طور پر صدقہ و خیرات کی تلقین کرے یا کسی نیک کام کے لئے یا لوگوں کے معاملات میں اصلاح کرنے کے لئے کسی سے کچھ کہے تو یہ البتہ بھلی بات ہے۔ اور جو کوئی اللہ کی رضا جوئی کے لئے ایسا کرے گا اُسے ہم بڑا اجر عطا کریں گے۔ مگر جو شخص رسوؐل کی مخالفت پر کمر بستہ ہو اور اہل ایمان کی روش کے سوا کسی اور روش پر چلے، درآنحالیکہ اُس پر راہِ راست واضح ہو چکی ہو تو اس کو ہم اُسی طرف چلائیں گے جدھر وہ خود پھر گیا اور اسے جہنم میں جھونکیں گے۔ جو بدترین جائے قرار ہے۔ (نساء 115 تا 4/114)'' (تفہیم القرآن جلد صفحہ 397-396)

19۔ مودودی اور تمام قریشی علما لفظِ ولایت اور اُس سے بننے والے تمام الفاظ سے بچ کر گزر جانے میں خیریت سمجھتے ہیں۔

قارئین نوٹ فرمائیں کہ مندرجہ بالا آیات (115-4/114) میں دو الفاظ آئے تھے یعنی ''نُوَلِّہٖ مَاتَوَلّٰی'' اور مودودی نے ان کا ترجمہ کیا تھا کہ ''تو اس کو ہم اسی طرف چلائیں گے جدھر وہ خود پھر گیا'' اور اُسے جہنم میں جھونکیں گے'' عرض یہ کرنا ہے کہ ان دونوں الفاظ ''نُوَلِّہٖ ، تَوَلّٰی'' کا مصدر ولایۃ ہے اور معنی حکومت اور ملکی اقتدار ہے۔ اور یہی صحیح معنی مودودی نے لکھے بھی ہیں۔ دیکھئے ان ہی دونوں الفاظ میں کا ایک لفظ اس آیت میں بھی وارد ہوا تھا کہ:

20۔ جب ہم قریشی علما کہتے ہیں تو ہماری مراد شیعہ علما بھی ہوا کرتے ہیں۔

وَ اِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا وَیُهْلِکَ الْحَرْثَ وَ النَّسْلَ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ O (بقرہ 2/205)

مودودی ترجمہ: ''جب اُسے اقتدار حاصل ہو جاتا ہے، تو زمین میں اُس کی ساری دوڑ دھوپ اس لئے ہوتی ہے کہ فساد پھیلائے، کھیتوں کو غارت کرے اور نسل انسانی کو تباہ کرے۔ حالانکہ اللہ جسے وہ گواہ بنا رہا تھا فساد کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 159)

دیکھئے کہ مودودی لفظ تَوَلّٰی کے سو فیصد صحیح معنی کر گئے ہیں۔ یعنی لفظ تَوَلّٰی کے معنی ساری زمین یا دنیا پر ولایت و حکومت کا حاصل ہو جانا ہوتے ہیں ۔ یعنی یہی معنی مودودی کو آیت (4/115) میں کرنا چاہئیں تھے۔ یعنی ان آیات میں بھی رسوؐل کی ایک مخالف جماعت کا ذکر ہو رہا ہے جو رسوؐل کے قائم کردہ نظام حکومت اور ولایت کو توڑ پھوڑ رہی ہے جس کے لئے اللہ نے آیت میں الفاظ ''وَمَن یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰی وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا O (4/115) اور جو رسوؐل کو بیچ سے شق کر رہی ہے چیر رہی ہے باوجود اس کے کہ اس کے سامنے ہدایات واضح ہو چکی ہیں اور وہ باقی مومنین کی مخالف راہ چلی جا رہی ہے۔ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی لہٰذا ہم اس جماعت کو اسی ولایت و اقتدار پر قائم رکھیں گے جو ولایت اس نے بنالی ہے۔ چونکہ مودودی اینڈ کمپنی یہ وہم تک پیدا ہونے نہیں دینا چاہتی کہ عہد رسوؐل ہی میں اور نزول قرآن کے دوران ہی ایک جماعت اپنی حکومت بنا چکی تھی۔ اور وہی حکومت تھی جس نے اللہ و رسوؐل کی حکومت کو غصب کیا تھا اور وہی ابوبکر و عمر کی حکومت تھی ابھی ابھی مودودی کا صحیح ترجمہ گزر رہا ہے۔ جس میں انہوں نے تفصیل سے مانا ہے کہ:۔

''عہد رسوؐل کا ایک شخص جب اقتدار حکومت پالیتا ہے تو وہ ساری دنیا کو فتنہ و فساد کی جولانگاہ بنائے گا۔ زمین قتل و غارت و جنگ کا اکھاڑہ بنا

دی جائے گی فصلیں اور کھیتیاں غارت کردی جائیں گی۔ اور نسلِ انسانی کو تہہ تیغ کردیا جائے گا'' اتنا واضح ترجمہ بھی امت کے لئے کافی نہ ہوا اور لوگ یہ نہ سمجھے کہ قریش عہد رسوؐل ہی میں اللہ و رسوؐل کی قائم کردہ حکومت کے خلاف برابر اپنی قومی حکومت بنانے میں مصروف رہے اور اُمت کے نہ سمجھنے میں ہم نام نہاد شیعہ علما کو سنی علما سے بڑا مجرم مانتے چلے آئے ہیں۔

قریشی علما حقیقت میں شیعہ علما ہیں جنہوں نے اس امت کو گمراہ کرنے میں سنی علماء سے بڑا پارٹ ادا کیا ہے۔

قارئین اپنی آنکھوں سے دیکھ کر فیصلہ کریں کہ امت کی گمراہی میں سب سے بڑا حصہ کس کا ہے۔ ابھی ابھی ہم نے مودودی کے ترجموں پر اعتراضات کئے اور پھر انہیں گھیر کر ان ہی الفاظ کا صحیح ترجمہ ان سے کرا کے دکھایا اب ذرا شیعہ علما کا ترجمہ دیکھیں اور سوچیں کہ ان ملاعین نے ولایت اور مولا پر ایمان رکھتے ہوئے صحیح معنی کیوں نہ کئے؟ آیئے آپ کو چند آیات کے شیعہ سنی ترجمے دکھا کر دونوں کا فرق دکھائیں:۔

وَ اِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا وَیُهْلِکَ الْحَرْ ثَ وَ النَّسْلَ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَا دَ O(بقرہ 2/205)

فرمان علی کا ترجمہ: ''اور جہاں مُنہ پھیرا تو اِدھر اُدھر دوڑ دھوپ کرنے لگا تاکہ مُلک میں فساد پھیلائے اور زراعت اور مویشی کا ستیاناس کرے اور خدا فساد کو اچھا نہیں سمجھتا'' (صفحہ 49)

رفیع الدین مرحوم کا ترجمہ: ''اور جب حاکم ہوتا ہے کوشش کرتا ہے بیچ زمین کے تاکہ فساد کرے بیچ اس کے اور ہلاک کرے کھیتی کو اور جانوروں کو اور اللہ نہیں دوست رکھتا فساد کرنا'' (صفحہ 40)

لمحہ فکریہ: اس آیت میں لفظ تَوَلّٰی آیا ہے جس کا مصدر ولایت ہے۔ اور جس کے معنی ہیں حکمران بن جانا اور ساری دنیا کو قتل و غارت اور فساد سے لبریز کردینا۔ اور نسل انسانی کو تباہ کرڈالنا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ شخص وہی شخص ہے جس کی باتیں رسوؐل کو بہت پسند آتی تھیں (2/204) اور اُسی کی یہ داستان بیان ہوئی ہے جو رسوؐل کا سب سے بڑا اور کمینہ دشمن تھا۔ مگر فرمان علی نہ تَوَلّٰی کے صحیح معنی کرتے ہیں۔ نہ ولایت و حکومت غصب کرنے پر متوجہ ہوتے ہیں۔ حالانکہ یہ نام نہاد شیعہ عالم پہلی آیت (2/204) کا یہ ترجمہ کر چکا ہے کہ:

''(اَے رسوؐل) بعض لوگ (منافقین سے ایسے بھی ہیں) جن کی (چکنی چپڑی) باتیں (اس ذرا سی) دنیوی زندگی میں تمہیں بہت بھاتی ہیں اور وہ اپنی دلی محبت پر خدا کو گواہ مقرر کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ (تمہارے) دشمنوں میں سب سے زیادہ جھگڑالو ہے۔'' (صفحہ 49)

یہ ترجمہ کرنے کے بعد اور اس شخص کو سب سے زیادہ جھگڑالو دشمن ماننے کے بعد بھی اس خبیث مترجم کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کون ہونا چاہئے ؟ اور تَوَلّٰی کے کیا معنی کرنا چاہئیں؟ جب کہ علامہ رفیع الدین لفظ تَوَلّٰی کے معنی دنیا میں حاکم بن جانا کرتے ہیں۔ اور مودودی ''جب اسے اقتدار حاصل ہوجاتا ہے'' ترجمہ کرتے ہیں۔ یہ ملعون شیعہ مترجم حقیقی معنی میں قریش کا اور ابوبکر و عمر کا آدمی ہے۔

21۔ شیعہ علما ثلاثہ اینڈ کمپنی کے علما ہیں۔

اسی سلسلے کا ایک اور مقام دیکھیں جہاں یہ ہی خبیث شخص لفظ تَوَلَّیْتُمْ کے معنی حاکم بننا کرتا ہے۔ سنئے:

فَهَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ تَوَلَّیْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْافِی الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَکُمْO (محمدؐ 47/22)

ترجمہ فرمان سنئے: ''کیا تم سے کچھ دُور ہے کہ اگر تم حاکم بنو تو روئے زمین میں فساد پھیلاؤ اور اپنے رشتوں ناتوں کو توڑنے لگو'' (صفحہ 812)

مودودی ترجمہ: ''اب کیا تم لوگوں سے اس کے سوا کچھ اور توقع کی جاسکتی ہے کہ اگر تم الٹے منہ پھر گئے تو زمین میں فساد برپا کروگے اور آپس میں

ایک دوسرے کے گلے کاٹو گے۔'' (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 26)

مودودی کی تشریح: ''۳۴ع اصل الفاظ ہیں اِنۡ تَوَلَّیۡتُمۡ ان کا ایک ترجمہ وہ ہے جو ہم نے اوپر متن میں کیا ہے اور دوسرا ترجمہ یہ ہے''

اگر تم لوگوں کے حاکم بن گئے۔'' (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 26)

علامہ رفیع الدین مرحوم کا مومنانہ ترجمہ:

''پس کیا ہو تم نزدیک اس بات کے کہ اگر والی ہو تم حکم کے یہ کہ فساد کرو بیچ زمین کے اور کاٹو قرابتیں اپنی۔'' (صفحہ 612)

ہم نے ہر جگہ ان ملاعین کو سامنے نہیں رکھا۔ اللہ اور رسوؐل کے مشن کو بے روک چلنے دیا ہے البتہ اپنی کتاب اسلام اور علمائے اسلام میں ان خبیثوں پر کافی روشنی ڈالی ہے۔ اور وہاں ان پر ایسی شدید گرفت کی گئی ہے کہ ان کی مشہور اور مصنوعی پوزیشن مضحکہ بن کر رہ گئی ہے۔

22۔ قریشی مومنین میں ایک فرقہ جس پر حق واضح ہو چکا تھا اور اسے وہ حق سخت ناگوار گزر رہا تھا اور وہ رسوؐل سے جھگڑ رہا تھا۔

قریشی علما کی یہ عادت رہی ہے کہ جہاں جہاں اللہ نے کھول کر قریشی مسلمانوں کی بدکرداری نازل فرمائی ہے تو انہوں نے اپنے پاس سے ترجموں میں یہ لکھ دیا کہ یہ بدکرداری منافقوں کی مذکور ہوئی ہے۔ حالانکہ وہاں پر آیات میں کہیں یہ لفظ استعمال نہیں ہوا ہے۔ بہر حال آیات پڑھئے اور مودودی کا ترجمہ دیکھئے اور ان مومنین کا حال دیکھئے جو بعد میں ہیرو بنا دیئے گئے اور آج ان کے خلاف ایک لفظ سننا گوارا نہیں کیا جاتا۔ اللہ فرماتا ہے کہ:

کَمَآ اَخۡرَجَکَ رَبُّکَ مِنۡۢ بَیۡتِکَ بِالۡحَقِّ وَاِنَّ فَرِیۡقًا مِّنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ لَکٰرِهُوۡنَ O یُجَادِلُوۡنَکَ فِی الۡحَقِّ بَعۡدَ مَا تَبَیَّنَ کَاَنَّمَا یُسَاقُوۡنَ اِلَی الۡمَوۡتِ وَهُمۡ یَنۡظُرُوۡنَ O (سورہ انفال 8/5-6)

مودودی ترجمہ: ''(اس مال غنیمت کے معاملے میں بھی ویسی ہی صورت پیش آرہی ہے جیسی اس وقت پیش آئی تھی جب کہ) تیرا رب تجھے حق کے ساتھ تیرے گھر سے نکال لایا تھا اور مومنوں میں سے ایک گروہ (فرقہ۔ احسنؔ) کو یہ سخت ناگوار تھا۔ وہ (فرقہ۔ احسنؔ) اس حق کے معاملے میں تجھ سے جھگڑ رہا تھا درآنحالیکہ وہ حق صاف صاف نمایاں ہو چکا تھا۔ ان کا حال یہ تھا کہ گویا آنکھوں دیکھے موت کی طرف ہانکے جا رہے ہیں'' اس ترجمہ کی تشریح بھی سن لیں:

23۔ مودودی مانتے ہیں کہ قریشی مسلمان نافرمان تھے رسوؐل کے کہنے سے خطرہ میں نہ پڑتے تھے۔

''یعنی جس طرح اس وقت یہ لوگ (قریشی مسلمان۔ احسنؔ) خطرے کا سامنا کرنے سے گھبرا رہے تھے، حالانکہ حق کا مطالبہ اس وقت یہی تھا کہ خطرے کے منہ میں چلے جائیں۔ اسی طرح آج انہیں مال غنیمت ہاتھ سے چھوڑنا ناگوار ہو رہا ہے، حالانکہ حق کا مطالبہ یہی ہے کہ وہ اسے چھوڑیں اور حکم کا انتظار کریں۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر اللہ کی اطاعت کرو گے اور اپنے نفس کی خواہش کے بجائے رسوؐل کا کہا مانو گے تو ویسا ہی اچھا نتیجہ دیکھو گے جیسا کہ ابھی جنگ بدر کے موقع پر دیکھ چکے ہو۔'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 132-131)

اس خطبہ 98 کی ذیل میں قرآن سے دکھایا ہی یہ جا رہا ہے کہ قریشی مسلمان ایسا اسلام لائے تھے جس میں رسوؐل کی ہر بات اور ہر حکم کی اطاعت نہ کرتے تھے اور قرآن کریم کو اپنے اجتہاد کے ماتحت تبدیل کر کے اختیار کرنا لازم جانتے تھے۔ اور یہاں مودودی نے اس مقصد و مطلب کی مکمل تائید کر دی ہے۔

24۔ قریش ایسے مومنین تھے جو رسولؐ کی اطاعت نہ کرتے تھے، اور ان کی باتیں اَن سُنی کر دیتے تھے ان کے مقابلے میں اپنی ولایت بنا رکھی تھی۔

یہاں سے چند آیات مسلسل ایسی دیکھیں جن سے قریشی ایمان و اعمال کا پتہ چلتا ہے فرمایا گیا کہ:۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ وَلَا تَوَلَّوۡا عَنۡہُ وَاَنۡتُمۡ تَسۡمَعُوۡنَ O وَلَا تَکُوۡنُوۡا کَالَّذِیۡنَ قَالُوۡا سَمِعۡنَا وَھُمۡ لَا یَسۡمَعُوۡنَ O اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنۡدَ اللّٰہِ الصُّمُّ الۡبُکۡمُ الَّذِیۡنَ لَا یَعۡقِلُوۡنَ O وَلَوۡ عَلِمَ اللّٰہُ فِیۡھِمۡ خَیۡرًا لَّاَسۡمَعَھُمۡ وَلَوۡ اَسۡمَعَھُمۡ لَتَوَلَّوۡا وَّھُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ O یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَجِیۡبُوۡا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوۡلِ اِذَا دَعَاکُمۡ لِمَا یُحۡیِیۡکُمۡ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ یَحُوۡلُ بَیۡنَ الۡمَرۡءِ وَقَلۡبِہٖ وَاَنَّہٗۤ اِلَیۡہِ تُحۡشَرُوۡنَ O وَاتَّقُوۡا فِتۡنَۃً لَّا تُصِیۡبَنَّ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡکُمۡ خَآصَّۃً وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ O (8/20-25)

’’اے لوگو جو ایمان لا چکے ہو تم اللہ اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت کرو اور اس کے خلاف اپنی حکومت نہ بناؤ اور تم سب کچھ سنتے ٹالتے جا رہے ہو۔ اور اے قریشی مومنین تم ان لوگوں کی مانند نہ ہو جانا جو کہنے کو تو یہی کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا ہے مگر وہ عمل و اطاعت کی غرض سے سنتے ہی نہیں ہیں۔ یقیناً خدا کے نزدیک بدترین قسم کے جانور وہی بہرے اور گونگے قریشی مجتہد قسم کے لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے اگر اللہ کو معلوم ہوتا کہ ان مجتہدین میں کچھ بھی بھلائی ہے تو وہ ضرور انہیں سننے کی توفیق دے دیتا۔ لیکن بھلائی کے بغیر ہی اگر وہ ان کو سننے کی توفیق دے دیتا تو بھی وہ اپنی قائم کردہ ولایت کی بنا پر روگردانی کر لیتے۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم اللہ اور اس کے رسولؐ کی پکار پر جواب دیا کرو خصوصاً جب کہ رسولؐ تمہیں زندگی بخش چیز کی طرف دعوت دیا کرے۔ اور یہ سمجھ لو کہ اللہ آدمی کے اور اس کے دل کے درمیان حائل ہے اور تم اسی کی طرف محشور ہو گے۔ اور تم اس فتنے سے بچو جو صرف ظالموں ہی پر وارد نہ ہو گا سب پر وارد ہو گا اور جان لو کہ اللہ کا تعاقب بہت شدید ہے۔‘‘

قارئین غور فرمائیں کہ اللہ نے قرآن میں قریشی مسلمانوں کی اس مخالفت کو کس تفصیل سے پیہم بیان فرمایا تھا۔ لیکن قریشی علما نے امت کے سامنے اپنا خود ساختہ ترجمہ و تشریحات و تفسیر رکھ کر سارے مسلمانوں کو اللہ کے بیانات سے غافل و جاہل رکھا۔ یعنی نتیجہ یہ نکال لیا کہ کوئی قرآن ہرگز نازل نہ ہوا تھا۔

25۔ اللہ قرآن میں چلاتا رہا کہ قریش اللہ اور رسولؐ کے ساتھ خیانت کر رہے ہیں مگر کسی کو معلوم نہ ہوا۔

اللہ نے جو کچھ کہا وہ پبلک تک نہ پہنچا اور پہنچا تو بدل کر پہنچایا گیا۔ اللہ نے فرمایا تھا کہ:

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَخُوۡنُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوۡلَ وَتَخُوۡنُوۡۤا اَمٰنٰتِکُمۡ وَاَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ O وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَاۤ اَمۡوَالُکُمۡ وَاَوۡلَادُکُمۡ فِتۡنَۃٌ وَّاَنَّ اللّٰہَ عِنۡدَہٗۤ اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ O (8/27-28)

’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم اللہ اور رسولؐ کے ساتھ خیانت نہ کیا کرو اور نہ ہی اپنی امانتوں میں خیانت کرو اور تم یہ سب خیانتیں جان بوجھ کر کیا کرتے ہو۔ اور یہ بھی سمجھ لو کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد ایک فتنہ ہیں اور یہ کہ اللہ کے پاس دینے کے لئے عظیم الشان اجر ہے۔‘‘

اللہ نے یہ فرمایا اور قرآن میں آج تک موجود ہے مگر اُمت سے پوچھ کر دیکھو کہ کیا مکہ کے رہنے والے مہاجرین اللہ و رسولؐ کے ساتھ خیانت کیا

کرتے تھے۔کیا وہ عام لوگوں کی امانت میں بھی خائن تھے؟ سب کہیں گے کہ وہ تو رسولؐ کے بہت بزرگ صحابہ تھے ان سے ہرگز خیانت نہ ہوسکتی تھی۔مگر قرآن ایک طرف سے سب کو ''اے مومنین'' کہہ کر پکارتا ہے اور سب کو خیانت کار وغدار کہتا ہے اور خیانت بھی اللہ ورسولؐ کے ساتھ کرنے کا جرم عائد کرتا ہے اور اس خیانت کا سب سے بڑا عمل حکومت مرتضوی میں دن رات کی خیانت ہے۔جس سے کسی قریشی کو کسی لمحہ نجات نہیں ملتی۔

26۔ قریشی مومنین اللہ، رسولؐ اور قرآن اور سابقہ تمام کتب پر ایسا ایمان رکھتے تھے کہ دوبارہ ایمان کا تقاضا ہوا۔

قریشی مومنین اپنے اجتہاد کی روشنی میں جیسا ایمان لائے تھے وہ اللہ کے یہاں شمار نہ ہوا تھا اس لئے حکم ملا کہ:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالْکِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَالْکِتٰبِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ....(نساء 4/136)

''اے قریشی قسم کے مومنین تم اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاؤ اور اس کتاب پر بھی ایمان لاؤ جو اللہ نے اس رسولؐ پر نازل کی ہے اور ان کتابوں پر بھی ایمان لاؤ جو اس نبیؐ سے اور اس کی کتاب سے پہلے نازل ہو چکی ہیں۔''

یہاں قارئین کے غور کرنے کی اتنی سی بات ہے کہ قریش نہ اللہ پر ایمان رکھتے تھے نہ محمدؐ کو رسولؐ مانتے تھے نہ قرآن پر ان کا ایمان تھا نہ وہ توریت و زبور وانجیل کو مانتے تھے اس کے باوجود اللہ نے انہیں یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کہہ کر پکارا ہے۔یعنی وہ خود ساختہ ایمان رکھتے تھے۔یہی ہمارا کہنا ہے کہ قریش میں ایمان کا ذرہ بھی موجود نہ تھا۔وہ برابر اپنے اسی ایمان پر برقرار چلے آرہے تھے جو انہوں نے ایام جاہلیت کے اپنے بزرگوں سے لیا تھا۔

27۔ قریشی مسلمانوں نے قرآن کے تمام کلیدی احکام کو قومی پالیسی اور اسکیم کے مطابق تبدیل کر لینے کے بعد قومی طور پر اپنایا تھا۔

اس سلسلے کی آخری بات یہ نوٹ کرنا ہے کہ قریشی قوم کی طرف سے پیش کیا جانے والا کوئی ترجمہ،نظریہ یا مفہوم قرآن کی رو سے ناقابل قبول ہے اس لئے کہ رسولؐ اللہ نے اپنی قوم کو قرآن میں ردّ وبدل کر کے اُسے مہجور کرنے کا مجرم قرار دیا ہے اور اللہ قریش کو دشمنِ رسولؐ تسلیم کر کے اُسے اسلام سے خارج کر چکا ہے مزید برآں قریش کو مکذّبِ قرآن فرمادیا ہے (سورہ فرقان 25/27-31) اور سورہ انعام 6/66)۔

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 42

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 42

خُطبہ ﴿99﴾

1۔عاقبت کے لئے بھی اور دنیاوی ترقی کے لئے بھی سب سے بڑی رکاوٹیں؟اور سب سے زیادہ ڈرنے کی چیزیں؟2۔قیامت میں ہر شخص اپنی ماں سے منسلک ہوگا لہٰذا تم دنیا کے فرزند نہ بنو بلکہ آخرت کے بیٹے بنو۔3۔دنیا اپنا سامان سمیٹتی تیزی سے گزرتی جارہی ہے اور آخرت ادھر کا رخ کئے آرہی ہے۔4۔آج عمل کا دن ہے اور حساب نہیں ہے اور کل حساب کا دن ہوگا اور عمل نہ ہوسکے گا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَيُّهَاالنَّاسُ اِنَّ اَخۡوَفَ مَااَخَافُ عَلَيۡكُمۡ اثۡنَانِ ؛	1	اے لوگو تمہارے بارے میں سب سے زیادہ خوفزدہ کرنے والی دو چیزیں ہیں جن سے میں ڈرتا ہوں۔
اتِّبَاعُ الۡهَوٰى وَطُوۡلُ الۡاَمَلِ ؛	2	ایک مسلسل خواہشوں کی پیروی اور دوسری لمبی لمبی امیدیں اور تمنائیں۔یعنی ایک خواہش کے بعد دوسری خواہش اور ایک تمنا کے بعد دوسری تمنا کا سلسلہ ہے جس میں تم الجھ سکتے ہو۔
فَاَمَّا اتِّبَاعُ الۡهَوٰى فَيَصُدُّ عَنِ الۡحَقِّ ؛	3	خواہشوں کی پیروی تو حق تک پہنچنے سے روک دیتی ہے۔
وَاَمَّا طُوۡلُ الۡعَمَلِ فَيُنۡسِى الۡاٰخِرَةَ؛	4	اور تمناؤں کا سلسلہ آخرۃ کو بھلا دیا کرتا ہے۔یعنی حق اور آخرت ہاتھ سے نکل جائیں تو تباہی ہی تباہی ہے۔
اَلَا وَاِنَّ الدُّنۡيَا قَدۡ وَلَّتۡ حَذَّآءَ فَلَمۡ يَبۡقَ مِنۡهَا اِلَّاصُبَابَةٌ كَصُبَابَةِ الۡاِنَآءِ اصۡطَبَّهَا صَابُّهَا ؛	5	خبردار ہوکر سنو کہ دنیا بڑی تیزی سے اپنا راج قائم کررہی ہے۔چنانچہ اس نے کچھ باقی نہیں چھوڑا ہے جو رہ گیا ہے وہ اتنا سا بچا ہے جتنا کسی برتن کو انڈیل کر خالی کردینے کے بعد برتن میں لگا رہ جایا کرتا ہے۔یعنی حق کو صفاچٹ کرچکی ہے
اَلَا وَاِنَّ الۡاٰخِرَةَ. قَدۡ اَقۡبَلَتۡ؛	6	خبردار ہوجاؤ کی آخرت یقیناً آگے بڑھی چلی آرہی ہے۔
وَلِكُلٍّ مِنۡهُمَا بَنُوۡنَ ؛	7	اور ان دونوں کے بیٹے شمار کئے جائیں گے۔
فَكُوۡنُوۡا مِنۡ اَبۡنَآءِ الۡاٰخِرَةِ وَلَاتَكُوۡنُوۡا مِنۡ اَبۡنَآءِ الدُّنۡيَا ؛	8	چنانچہ تم آخرت کے بیٹے بن جانا مگر دنیا کے بیٹے نہ بننا۔
فَاِنَّ كُلَّ وَلَدٍ سَيُلۡحَقُ بِاُمِّهٖ يَوۡمَ الۡقِيَامَةِ ؛	9	حقیقت یہ ہے ہر بیٹا قیامت کے دن اپنی اپنی ماں سے ملحق ہوکر رہے گا۔
وَاِنَّ الۡيَوۡمَ عَمَلٌ وَلَاحِسَابَ ؛	10	اور یقیناً آج عمل کرنے کا دن ہے اور حساب نہیں ہورہا ہے۔

وَغَدًا حِسَابٌ وَلَاعَمَلَ ؛	11	اور کل حساب کا دن ہوگا اور عمل کا موقع نہ رہے گا''۔

تشریحات:

یہ نوٹ کرلیں کہ نظام اجتہاد کا قیام اسی لئے ہوتا ہے کہ نت نئی خواہشات اور تمناؤں اور مصلحتوں کو پورا کیا جاسکے اور ہر ضرورت اور تقاضائے وقت کے لئے مسائل اور فتوے گھڑے جاسکیں۔

حضرت علی علیہ السلام کی طرف سے مختلف عنوانات پر خطبات وارشادات اور نصیحتوں کے یہ انبار بھی اُن کے حقیقی راہنما اور ہمدردِ انسانیت ہونے کا عظیم الشان ثبوت ہے۔اور ایک حقیقی راہنما ہرگز نہیں چاہتا کہ کوئی انسان دنیا اور آخرت میں ناکام ونامراد رہے۔اس لئے اُس کا وظیفہ ہی یہ ہوتا ہے کہ انسانوں کو ان تمام دقتوں اور اُلجھنوں سے بچ کر نکلنے کی ترکیبیں بتائے جو دنیا میں مختلف حالات اور صورتوں میں پیش آنا ممکن ہوں۔یعنی راہنما وہی ہوسکتا ہے جو اس دنیا کے تمام حالات واسباب پر مطلع ہو۔جو یہاں کے شب وروز ومہ وسال ونشیب وفراز پر مطلع ہو جس کے سامنے ترقی میں مددگار تمام چیزیں ہوں۔جو ترقی میں حارج اور رکاوٹ بننے والی چیزوں کا عالم ہو۔جو اُن تمام ہتھکنڈوں سے آگاہ ہو جو ابلیس نے نوعِ انسان کو بہکانے،ڈگمگانے،وسوسوں میں مبتلا کرنے کے لئے سوچ رکھے ہوں۔یا اپنے تیار کئے ہوئے انسانوں یا جنات کو تعلیم دیئے ہوں۔ راہنما کو ان دشواریوں پر بھی مطلع ہونا ضروری ہے جو انسانوں کو عمل کے دوران پیش آجایا کرتی ہیں۔سفر اور حضر میں تندرستی اور بیماری میں مددگار رہنا بھی حقیقی راہنما کی ذمہ داری،غلط آرزوؤں اور تمناؤں کے بُرے نتائج پر قبل از وقت مطلع کرنا اور بچا کر نکالنا بھی راہنما ہی کی ذمہ داری ہے۔دُنیا اور آخرت میں لوگوں کو اپنے راہنما پر اطمینان ویقین رہنا چاہئے انہیں بھروسہ ہونا چاہئے کہ ان کا راہنما پسندیدۂ خدا انسان ہے۔وہ ہمیشہ اور ہر حال میں ان کی فلاح وبہبود ونجات کا ضامن رہے گا۔اُس سے کبھی ان کو خطرہ ونقصان نہ ہوگا۔

2۔اللہ کی طرف سے مقرر کردہ راہنما ہر اُس تخریب اور تخریبی قوت سے واقف اور اس پر غالب ہوتے ہیں جو انسانوں کے خلاف محاذ آرا ہوتی ہے۔

اس عنوان میں قارئین کو کائنات کی اس سب سے بڑی اور اولین تخریبی قوت کو بھی سامنے رکھنا ہوگا جسے قرآن میں ابلیس اور شیطان کے نام سے متعارف کرایا گیا ہے۔اور جو اپنی تخلیق،ماہیت اور کیفیت اور صورت میں بھی اور اختیارات وعمل میں بھی انسانی قوت ورسائی اور فہم وفراست سے باہر ہے مثلاً فرمایا گیا کہ:۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۭاِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭاِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ O(اعراف 7/27)

''اے آدمؑ کی اولاد کہیں ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہیں بھی اسی طرح الجھن میں مبتلا کردے جس طرح اس نے تمہارے والدین کو الجھن میں مبتلا کرکے جنت سے نکلوادیا تھا اور ان دونوں کے لباس اُن سے جدا کروادیئے تھے اور ان دونوں کو اُن کی پوشیدہ چیزوں سے روشناس کرادیا تھا۔شیطان بھی اور اس کا قبیلہ بھی یہ قدرت رکھتے ہیں کہ تمہیں ہر ایسی جگہ سے دیکھ سکتے ہیں کہ جہاں سے تم ان کو نہیں دیکھ سکتے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ ہم نے اُن شیاطین کو ان لوگوں کا ولی اور حاکم ومختار بنادیا ہے جو اللہ وانبیاؑ پر ایمان نہیں لاتے ہیں۔''

3۔ حقیقیؑ راہنما کی نظر سے ابلیس اور اس کا گمراہ کن قبیلہ پوشیدہ نہیں رہ سکتا ورنہ عام انسان محفوظ نہ رہیں گے۔

اس آیت میں بڑی بڑی دو باتیں غور طلب ہیں پہلی یہ کہ ابلیس کے گمراہ کرنے میں اولین چیز جنسیات ہوں گی ۔اور دوسری چیز یہ کہ ابلیس اور اس کا ادارہ نظروں سے پوشیدہ رہ کر انسانوں کو غلط راہوں پر ڈالے گا۔اور انسان کبھی اور کسی حالت میں اپنی گمراہ کرنے والی طاقتوں کو دیکھ نہ سکے گا۔اس لئے ضروری اور فطری ہو جاتا ہے کہ انسانی راہنما اُس کے دشمن ادارہ کو ہمیشہ نظروں کے اندر رکھے اور اس کی تمام تگ ودو اور انگیخت پر مطلع رہے اور انسانوں کو خبر دار کرتا رہے۔اور گمراہی سے بچنے کے لئے انسانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے راہنما سے مربوط رہیں اور اس کی ہدایات سے ذرہ برابر سرتابی نہ کریں۔اسی سلسلے میں یہ بات خود بخود سامنے آجاتی ہے کہ ابلیس اور اس کا ادارہ جنسیات کو ذریعہ بنا کر اولادِ آدم کو سرکش بنانے کی راہیں نکالے گا۔لہٰذا ضروری ہے کہ انسان اپنے جنسی تعلقات میں سو فیصد اپنے راہنما کی ہدایات پر عمل کریں تا کہ ہر بچہ فطرت کے قوانین کے ماتحت پرورش اور تربیت پائے اور ایسی خوراک وغذا سے دُور رکھا جائے جس میں سرکشی، غفلت اور بدنظمی کے ذرّات وجراثیم پائے جاتے ہوں۔یا جو جسمانی نقائص کے حامل ہوں۔

4۔ حقیقیؑ راہنما کو ابلیس پر تخلیقی، منصبی اور علمی فوقیت کے ساتھ ساتھ حاکمانہ قدرت بھی حاصل ہونا ضروری ہے۔

انسانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ جنسی تعلقات، اور اولاد کے معاملے میں ابلیس کی مداخلت سے محفوظ رہیں اور اس کے ان اختیارات کو ملحوظ رکھیں جو اللہ نے اسے دیئے ہیں۔اس نے انسانوں کے اسی کمزور پہلو کا ذکر کیا تھا کہ:۔

لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَاَحْتَنِکَنَّ ذُرِّیَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلًاO(17/62بنی اسرائیل)

''اگر تو نے مجھے قیامت تک مہلت وتاخیر دے دی تو میں آدمؑ کی اولاد کو سوائے چند ایک کے اپنے قابو میں لے آؤں گا۔''

اور اللہ نے فرما دیا تھا کہ:

قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَکَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُکُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًاOوَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِکَ وَاَجْلِبْ عَلَیْهِمْ بِخَیْلِکَ وَرَجِلِکَ وَشَارِکْهُمْ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ وَمَا یَعِدُهُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا O(17/64-63)

جا تجھے مہلت دی جاتی ہے لہٰذا جو کوئی اولادِ آدمؑ میں سے تیری پیروی کرے گا اُس کے لئے پوری پوری سزا جہنم مقرر کر دی ہے۔لہٰذا ان میں جس جس کو تو اپنی باتوں سے قابو میں کر سکے اور جن کو اپنے جذبہ سے اپنا بنا سکے اور جن پر تو اپنے سواروں اور پیادوں سے تسلط پا سکے تجھے چھوٹ ہے کہ تو ان کے مال ودولت میں شریک ہو جا ان کی اولاد میں حصہ دار بن جا اور ان سے متعلقہ وعدے کرتا رہ مگر یہ یاد رکھ کہ:۔

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ وَکَفٰی بِرَبِّکَ وَکِیْلًا O(بنی اسرائیل17/65)

میرے اپنے بندوں پر تیرا قابو نہیں چل سکتا اور یہ کہ تیرا پروردگار حفاظت اور وکالت کیلئے بھی کافی ہے'' (بنی اسرائیل17/65)

یعنی اللہ نے اپنے راہنماؤں اور اپنی راہنمائی کے بھروسہ پر ابلیس کو پوری چھوٹ دے دی تھی۔اُس کو اُس کے مشن کے سلسلے میں سارے اختیارات وقدرت دے کر آزاد چھوڑ دیا تھا۔لہٰذا اس کے بعد انسانوں کی ذمہ داری رہ جاتی تھی کہ وہ اپنی اور اپنی ذریت کے تحفظ کے لئے اپنے راہنماؤں کے قدم بقدم چلیں اور ابلیس کی تمام کدّ وکاوش کو بیکار کر کے رکھ دیں۔اپنے راہنما کی باتوں سے زیادہ دلچسپ معلوم ہونے والی باتوں کو ابلیس کی باتیں سمجھ کر نظر انداز کر دیں۔غیر ضروری اور آسان وعدوں کو ٹھکرا دیں۔دولت اور اولاد میں داخلے کی راہیں بند کر دیں۔ مسلح اور سوار پیادوں کے

تعاون کوٹھکرادیں اور ہراُس پہلوکوابلیسی مداخلت خیال کریں جواپنے راہنماؤں سے بڑھاہوااورزیادہ اثر انگیز ونتیجہ خیز معلوم ہوتاہو۔

5۔ توقع سے زیادہ مفید، واقعات سے بڑھ کرآسان اورزیادہ حُسن وجمال سے آراستہ سامان کوابلیسی فریب سمجھیں۔

ابلیس کاسب سے اثر انگیز طریقہ، زینت وزیبائش وحسن وجمال میں لپیٹ کراپنے پروگرام پیش کرنا ہے۔اس نے پہلے دن کہہ دیا تھا کہ:۔

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ Oاِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ Oقَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ Oاِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ.....(حجر 15/39-42)

''اے میرے پروردگارجیسا کہ تونے مجھے اغوا کیاہے۔میں بھی اولادِ آدمؑ کے سامنے ساری دُنیا کوسجا کرمزین کرکے پیش کروں گااور یوں ان سب کواغوا کردوں گا۔سوائے ان لوگوں کے جواُن میں سے تیرے مخلص بندے نکلیں۔اللہ نے جواب میں کہا تھا کہ یہی علیؑ کا قائم رہنے والا راستہ ہے کہ میرے بندوں پر تجھے کبھی قابوحاصل نہ ہونے پائے گا۔''

6۔ابلیس کاتمناؤں اورآسائشوں اورنت نئی ایجادات سے لبریز پروگرام جوخدائی تعلیمات کے مقابلے میں جاذبِ نظر ہوتاہے۔

یہاں ابلیس کامفصل ومزّین پروگرام بھی دیکھ لیں۔

اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا Oلَّعَنَهُ اللّٰهُ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا O وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًاOيَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا O(نساء 4/117-120)

''وہ اللہ کے سوانسوانی مددبھی چاہتے ہیں اوروہ صرف سرکش شیطان سے مدد مانگتے ہیں لعنت کی ہے اللہ نے اُس پر،اُس نے کہا تھا کہ میں تیرے بندوں میں سے قانونی طریقہ پرفرض شدہ اپنا حصہ حاصل کرکے رہوں گا۔میں انہیں گمراہی میں ماسٹر بنادوں گااوران میں آرزوؤں اورتمناؤں کاہنگامہ برپاکردوں گااوران میں ایسے احکام جاری کروں گاجوان کے سامنے انعامات کے دروازے کھول دیں گے اوران میں نسلی تبدیلیوں اورپیوندکاری کے طریقے اوراحکام عام کردوں گاجس سے مختلف ترقی یافتہ نسلیں پیداکریں گے۔اور جولوگ اس شیطان کواپناولی وحکمران بنائیں گے۔اوراللہ کی جگہ اُسے اختیارکرلیں گے وہ یقیناً کُھلے کُھلے گھاٹے میں رہیں۔وہ ان لوگوں سے وعدہ پروعدہ کرتارہے گااوران میں تمنائیں ابھارتارہے گامگرشیطان کے سارے وعدے محض دھوکہ ہواکرتے ہیں۔''

7۔حضرت علی علیہ السلام نے اصولی طورپرنیک انسانوں کے سامنے نجات پانے کاصاف وسادہ طریقہ بیان کردیاہے۔

ہروہ شخص جوفطری حالات کی رُوسے سامنے آنے والی اُمید یاتمنا کودل میں لے کراُس کے حاصل کرنے میں اللہ ورسولؐ اورامام علیہ السلام کی ہدایات کے مطابق عمل کرے گا اُسے متوقع تمناومرادحاصل ہوجائے گا۔دیکھنا یہ ہوگا کہ کسی کاکوئی نقصان کرکے جوکچھ ملے گا وہ جائز نہ ہو گا۔دوسروں کے حقوق پورے کرتے ہوئے جوکچھ ملتاہے وہ تمہارے لئے حلال ہے۔دُورازکارخیالات وامیدیں باندھنا احمقانہ کوشش ہے۔نفع حاصل کرنے میں ایسے تصورات اختیارکرلیناجن سے ایک رات میں لکھ پتی بن جانے کی امید پیداہوتی ہویقیناً آپ کے ظرف وحالات سے مطابق نہیں لہٰذاانہیں شیطانی خبط کہہ کردماغ سے جھٹک دیجئے۔اپنی محنت کے مطابق معاوضہ لیجئے محنت سے زیادہ معاوضہ، یقیناً کسی اورکاہے وہ حقدارکوجانے دیجئے۔ابلیسی طریقوں، پالیسیوں اورتمناؤں کونظرسے اوجھل نہ ہونے دیجئے۔ابلیس اورنظام اجتہادگمراہ کن اُمیدیں اورآرزوئیں

اُبھارتے ہیں انہیں یک سر نا منظور کر دیجئے۔ نہ زیادہ مانگئے نہ زیادہ دیجئے۔ ہمیشہ فطری و قدرتی حساب کو سامنے رکھئے۔ اپنی بساط اور حیثیت کے اندر رہتے ہوئے نیک ارادے کیجئے۔ انہیں انجام تک پہنچانے کے لئے جائز کوششیں کیجئے، جائز وسائل و ذرائع اختیار کیجئے، اللہ اور امام علیہ السلام سے دعا کیجئے ان کی توفیقات طلب کیجئے۔ کامیابی پر شکریہ ادا کیجئے۔ مومنین کی مشکلات اور دقتوں میں ہاتھ بٹائیے اور اللہ و امامؑ سے امید رکھیئے کہ وہ تمہاری تائید و مدد کے لئے نئی راہیں کھول سکتے ہیں۔ نئی راہوں پر نظر رکھئے۔ اور اللہ و امام علیہ السلام سے کبھی مایوس نہ ہو جائیے وہ تمہیں تمہارے ایمان میں ترقی اور قوت عطا کریں گے۔ اور ہمت و حالات سے بڑھ کر ذمہ داریاں سنبھالنے اور پوری کرنے کی توفیقات عطا کریں گے۔ خواہشات اور آرزوؤں کا پیدا ہونا بُری بات نہیں ہے۔ بُری بات یہ ہے کہ تمہاری خواہش یا آرزو تمہارے دینی حالات میں ابتری پیدا کرنے والی ہو۔ جس کی وجہ سے تمہیں کچھ ضروری ذمہ داریوں کو نظر انداز کرنا یا خیر باد کہنا پڑے۔ ہمیشہ اپنے اوّلین فرائض و واجبات کو ترتیب وار سامنے رکھ کر ادا کرتے رہو۔ صبح سے شام تک کا پروگرام اِس طرح تیار کرو کہ جس میں ضروریاتِ زندگی کا فراہم کرنا بھی سما جائے اور اہل خانہ، بچوں اور قریبی پڑوسیوں اور عزیزوں کی ضروریات بھی منسلک ہو جائیں۔ ترتیبِ عمل اس طرح رکھنا چاہئے کہ کوئی ایک کام کسی دوسری کام کو پیچھے نہ ہٹائے بلکہ ہر عمل دوسرے اعمال میں مددگار رہوتا چلا جائے۔ کسی کام کو کل پر ٹالنا مفید جذبہ نہیں ہے۔ ہر کام کو اَب اور ابھی کرنے کے جذبہ کے ماتحت رکھنا چاہئے۔ جن کاموں میں دوسروں کے تعاون کی ضرورت ہوتی ہے ان کے لئے مل کر پروگرام بنانا ضروری ہوتا ہے تاکہ دونوں فریق بلا کسی تصادم اور روک ٹوک کے اپنے اپنے حصے کی ذمہ داری ادا کرسکیں اور وقت و قوت کو ضائع ہونے سے محفوظ رکھ سکیں۔ ایسی سادہ اور دینی زندگی جینے والے مومنین دین و دنیا میں بامراد رہتے ہیں۔

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 44

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 44

خُطبہ ﴿100﴾

مَصقَلہ ابن ہُبَیرَہ گورنر تھا اُس نے اپنی قوم کے قیدیوں کو قرض پر رہا کرالیا تھا۔ مگر پورا قرض ادا نہ کرسکنے کی بنا پر معاویہ سے جاملا تھا۔ حضرت علیؑ نے قیدی چھڑانے کی مدح کی مگر فرار کرکے دشمن سے جاملنے پر مذمت کی اور فرمایا کہ اگر فرار نہ کرتا تو قرض میں رعایت دی جاتی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قَبَّحَ اللّٰہُ مَصۡقَلَۃَ فَعَلَ فِعۡلَ السَّادَۃِ وَفَرَّفِرارَ الۡعَبِیۡدِ ؛	1	اللہ مصقلہ کا بُرا کرے کام تو اُس نے سرداروں والا کیا تھا مگر غلاموں کی طرح فرار کرکے دشمن کے یہاں چلا گیا۔
فَمَا اَنۡطَقَ مَادِحَہٗ حَتّٰی اَسۡکَتَہٗ وَلَاصَدَّقَ وَاصِفَہٗ حَتّٰی بَکَّتَہٗ ؛	2	ابھی اس کی مدح کرنے والے نے اس کی مدح کے لئے منہ سے بات بھی نہ نکالی تھی کہ اُس نے اسے چپ کردیا۔ ابھی اس کا وصف بیان کرنے والے نے اس کے عمدہ فعل کی تصدیق بھی نہ کی تھی کہ اس نے اس کی زبان بندی کرڈالی۔
وَلَوۡاَقَامَ لَاَخَذۡنَا مَیۡسُوۡرَہٗ ؛	3	اگر وہ ٹھہرا رہتا تو سہولت سے ہم قرض وصول کرلیتے۔
وَانۡتَظَرۡنَا بِمَالِہٖ وُفُوۡرَہٗ ؛	4	اور اس کی مالی وسعت بڑھنے کا انتظار کرتے۔

تشریحات:

قارئین کرام خطبہ کے الفاظ میں حضور علیہ السلام کی حق پروری کی جھلک دیکھتے ہیں۔ جس حد تک اچھائی کا جذبہ ملتا ہے آپؑ مدح وثنا کرنا چاہتے ہیں۔ جہاں سے بُرائی نمودار ہوتی ہے آپ مذمت میں تکلف نہیں فرماتے اور مستقبل میں اچھے سلوک کا وعدہ فرماتے ہیں۔ خطبہ کے عنوان اور تاریخ سے معلوم ہوجاتا ہے کہ مصقلہ حضورؑ کی طرف سے گورنر تھا۔ اور اس گورنری ہی کے زمانہ میں مذکورہ بالا واقعہ پیش آیا تھا یہ زمانہ جنگِ نہروان کے بعد کا ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب معاویہ نے خارجی تحریک کو پورے ملک میں پھیلادیا تھا۔ جنگِ صفین میں جو افتراق اور پھوٹ جنگ روکنے اور صلح کرنے پر وجود میں آئی تھی اُسے معاویہ، عمرو بن العاص اور دیگر سیاسی لیڈروں نے بہت وسیع الاطراف بنادیا تھا۔ اس پر نت نئے سوالات ایجاد کئے جارہے تھے۔ ہم نے جنگ صفین اور تحکیم کے ذیل میں مکمل روشنی ڈال دی ہے۔ یہاں اس خطبے کے زیرنظر پہلو کو ڈاکٹر طہٰ کے قلم سے پیش کرتے ہیں سُنیے:

1۔مصقلہ ایسے بہت سے ہیرو معاویہ کے اسٹیج پر رقص کرتے نظر آتے ہیں۔

''علیؑ اور خوارج''

حضرت علیؑ اپنے ساتھیوں اور حامیوں کے ہاتھوں جس کوفت اور مصیبت میں مبتلا تھے وہ یہیں ختم نہیں ہو جاتی ۔ بلکہ اس سے زیادہ شدت اور خرابی کے ساتھ آگے بڑھتی ہے ۔ چنانچہ بہت جلد آپؑ کو معلوم ہو گیا کہ نہروان میں آپؑ کی کامیابی بے فیض رہی ہے ۔جس کیلئے آپؑ نے بڑی مشقت اُٹھائی تھی ۔اور جس کے بعد آپؑ کا اور آپؑ کے ساتھیوں کا دل بڑا مغموم اور حسرت زدہ بنا رہا ہے۔اس لئے کہ نہروان میں تمام خوارج کا خاتمہ نہ ہو گیا تھا۔البتہ اُن کی ایک جماعت قتل ہوگئی،لیکن ابھی وہ کوفہ میں تھے اور آپؑ کے ساتھ تھے۔بصرہ میں آپؑ کے گورنر کے ساتھ تھے۔علاوہ ازیں کوفہ اور بصرہ کے قرب و جوار میں پھیلے ہوئے تھے۔یہ خارجی نہروان کے معرکے میں کام آنے والے اپنے بھائیوں کا قصاص اپنے دلوں سے بھلا نہ سکے۔اور یہ شکست ان کے فکر و نظر کے کسی گوشہ میں کوئی تبدیلی پیدا نہ کر سکی۔ بلکہ اس سے ان کی قوتوں میں اور اضافہ ہوا اور ان کو وہ مذموم اور ہولناک طاقت بھی ملی۔جس کا سر چشمہ بغض،کینہ اور انتقام کے جذبات ہیں۔

2۔دینداری اور نرمی کے بدلے میں خوارج کا رویہ حضرت علیؑ کے ساتھ۔

خوارج کا یہ حال تھا کہ وہ کبھی کبھی آپؑ کے سامنے آجاتے اور اعلانیہ بلاکسی تردّد کے اپنے بدترین خیالات کا اظہار کرتے ۔ چنانچہ ایک دن خرِّیت بن راشد سلمی جو سامہ بن لوئی کی اولاد میں سے تھا آیا اور کہنے لگا کہ:

''خدا گواہ ہے کہ میں نے نہ آپؑ کی اطاعت کی اور نہ آپؑ کے پیچھے نماز پڑھی'' آپؑ نے کہا کہ خدا تیرا بیڑا اغرق کرے تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی ،اپنا عہد توڑا اور اپنے آپ کو دھوکا دیتا رہا۔اس پر حضرت علیؑ نہ اس پر خفا ہوئے نہ اُسے گرفتار کیا۔ بلکہ اُسے مناظرے کی دعوت دی کہ بات کا صحیح رُخ اس کے سامنے پیش کر دیں ۔شاید وہ حق کی طرف لوٹ سکے۔خرِّیت نے کہا کہ میں کل آؤں گا۔حضرت علیؑ نے منظور کرلیا اور اُسے جانے دیا ایسا نہیں کیا کہ اُس کو جیل میں رکھ کر سوال و جواب کرتے ۔ پھر وہ اپنی قوم بنی ناجیہ کی طرف آیا جہاں اُس کا بڑا اثر تھا اور جن کو لے کر جمل وصفین کے معرکوں میں شریک ہوا تھا۔ان کو حضرت علیؑ سے اپنے سوال و جواب کی کیفیت بتائی اس کے بعد وہ رات کی تاریکی میں کوفہ سے لڑائی کے لئے نکل گیا۔حضرت علیؑ نے اطلاع پا کر ایک فوج بھیجی کہ ان کو تلاش کرو اور اطاعت کا حکم دو اگر انکار کریں تو جنگ کریں۔ چنانچہ فوج پہنچ گئی۔فوج کے افسر اور خرِّیت میں بحث و مباحثہ ہوا لیکن بے نتیجہ۔رات کے اندھیرے میں خرِّیت فرار کر گیا۔حضرت علیؑ نے ایک دوسری فوج بھیجی جو بڑی تھی اور زیادہ طاقت ور تھی اور ان کے تعاقب کا حکم دیا اور اپنے بصرہ کے حاکم عبداللہ ابن عباس کو لکھا کہ اس فوج کی امداد کریں۔ چنانچہ انہوں نے مدد کی اور فریقین میں مقابلہ ہوا اور سخت جنگ ہوئی۔خرِّیت کے ساتھیوں میں ابتری پیدا ہوئی لیکن وہ اس مرتبہ بھی تاریکی میں اپنے ساتھیوں سمیت فرار کر گیا۔تھوڑے ہی دنوں بعد اس شخص کی حقیقت کھلی کہ اس نے حکومت یا حق کی مخالفت میں خروج نہیں کیا۔وہ ایک جانباز دلیر تھا۔خارجیوں پر ایسا ظاہر کرتا تھا کہ ان کا ساتھی ہے۔اور عثمانیوں میں اپنے آپ کو عثمان کے قصاص کا طالب بتاتا تھا۔ بہت سے مخلوط نسل کے لوگوں کی ٹولیاں اس کے ساتھ ہوگئیں اور وہ دریا کے ساحل پر بڑھتا گیا۔ جتنا بھی وہ آگے بڑھا موٹے مسٹنڈے غریب عجمی مسلمان اور مخلوط لوگوں کی جماعتیں اس سے ملتی گئیں۔تا آنکہ اس کی فوج بہت بڑھ گئی اور وہ بڑی اہمیت کا مالک ہو گیا۔عیسائیوں کی ایک جماعت بھی اس کے ساتھ ہوگئی جس میں کچھ ایسے تھے کہ مسلمان ہونے کے بعد پھر عیسائی

ہو گئے۔ اور بعض اپنے دین پر قائم رہ گئے لیکن جزیے سے چھٹکارا پانے کی یہ صورت نکالی۔ حضرت علیؑ کی فوج خرّیت اور اس کے ساتھیوں کے تعاقب میں تھی۔ چنانچہ ایک دن ان کو گھیرے میں لے لیا۔ اور معرکہ آرائی ہوئی جس میں خرّیت مارا گیا۔ اور اس کے ساتھیوں کو حضرت علیؑ کے افسر نے قید کر لیا۔ ان میں سے جو مسلمان تھے ان کو چھوڑ دیا اور جو مرتد ہو گئے تھے ان سے توبہ کرنے کے لئے کہا جو مسلمان ہو گیا اس کو چھوڑ دیا اور جو مسلمان نہیں ہوا اس کو قیدی بنا لیا۔ افسر نے اس واقعہ کی اطلاع حضرت علیؑ کو دی اور قیدیوں اور ساتھیوں کو لے کر کوفہ کی طرف روانہ ہوا۔ یہ قیدی پانچ سو کی تعداد میں تھے۔ یہ لوگ راہ میں فارس کے ایک علاقے سے گزرے جس کا حاکم حضرت علیؑ کا مقرر کردہ مصقلہ ابن ہبیرہ شیبانی تھا۔ قیدی چلا چلا کر اس سے فریاد کرنے لگے کہ ان کو اس قید سے نجات دلائے۔ اور یہ قیدی زیادہ تر اسی کی قوم بکر ابن وائل میں سے تھے۔ مصقلہ نے ان کو حضرت علیؑ کے افسر سے خرید لیا اور آزاد کر دیا لیکن جو قیمت دینا منظور کی اس کے ادا کرنے میں ٹال مٹول کرنے لگا۔ یہ لوگ کوفہ پہنچے اور حضرت علیؑ کو قیدیوں کے ساتھ مصقلہ کا واقعہ معلوم ہوا تو آپؑ نے افسر کی تعریف کی اور اس کی رائے کی تائید کی اور انتظار کرتے رہے کہ مصقلہ اپنے ذمہ کی رقم واجب الادا بھیجے گا۔ لیکن جب اُس نے دیر کی تو آپؑ نے مطالبہ کیا اور اصرار اور پھر دھمکی دی۔ اس کے بعد ایک تقاضہ کرنے والے کو بھیجا اور ہدایت کر دی کہ اگر ٹال مٹول کرنا چاہئے تو بصرہ کے حاکم عبداللہ ابن عباس کے پاس اس کو پہنچا دینا۔

3۔ مصقلہ اور معاویہ کا طرزِ عمل۔

مصقلہ کا یہ واقعہ پوری قوت اور وضاحت کے ساتھ اُس ذہنیت کا پتہ دیتا ہے جو حضرت علیؑ کی اطاعت کے بارے میں زمانے کے اکثر عراقی سردار رکھتے تھے۔ مصقلہ نے قرض ادا کرنے سے پہلو تہی کی اور ابن عباس کے پاس لایا گیا۔ جب ابن عباس نے قرض کی ادائیگی کا مطالبہ کیا تو کہنے لگا۔ اگر ابن عفان کے لئے اس سے بھی زیادہ رقم کا مطالبہ کرتے تو مجھے کچھ عذر نہ ہوتا۔ اُس کے بعد فریب دے کر بصرہ سے بھاگ نکلا اور امیر معاویہ سے جا ملا۔ انہوں نے بڑی خندہ پیشانی سے ملاقات کی، کھلایا، پلایا اور خوش کیا۔ یہ سلوک دیکھ کر مصقلہ نے چاہا کہ اپنے بھائی نعیم بن ھبیرہ کو بھی اپنے پاس بلا لے۔ چنانچہ مصقلہ نے بنی تغلب کے ایک عیسائی شخص جلوان نامی کے ہاتھ اس مقصد کے ساتھ ایک خط بھیجا۔ لیکن جیسے ہی یہ نصرانی کوفہ پہنچا حضرت علی علیہ السلام کو حالات کا پتہ چل گیا اور معلوم ہوا کہ وہ صرف خط پہنچانے نہیں آیا بلکہ جاسوسی اور مخبری بھی اس کا کام ہے چنانچہ اس کے ہاتھ کاٹ دئے گئے۔ اس کے بعد وہ مر گیا۔ نعیم اپنے بھائی کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ:۔

لَا تَـأمـن هـداک عَـن ثقة .ريب الزمان و لا تبعث كجلوانا .ماذا اردت الٰی ارساله سفهًا،ترجو سقاط اَمر اماکان خـوّانـا.عَرّضته لعليؑ انه اَسد .يمشى العرضنة مِن آساو خفانا.قد كنت فى منظر عن ذاو مستمع ،تاوى العراق و تـدعـى خير شيبـانـا،لـو كنت اديت مال القوم مصطبرا،للحق اَحييت بالافضال موتانا،لكن لحقت بِاهل الشام ملـتـمسًـا،فـضـل ابـن هـنـد و ذاک الـراى اشجـانـا.فالان تكثر قرع السن من ندم .وَما تقول و قد كان الذى كان.وَظَلت تبغضک الاحياء قاطبة ،لم يرفع اللّٰه بالبغضاء انسانا.

”خدا تم کو ہدایت دے زمانے کے فریب سے بے خوف ہو کر جلوان جیسے آدمی کو نہ بھیجا کرو۔ اُس کے بھیجنے کی بے وقوفی سے تمہارا کیا مقصد تھا؟ تم کو ایک ایسے شخص سے گراوٹ کی امید تھی جو خائن نہیں تھا۔ تم نے اس کو علیؑ کے بالمقابل بھیجا، وہ تو نرم پتھروں کے شیروں میں سے

ایک شیر ہیں اور میدان میں چلتے پھرتے ہیں۔عراق آتے اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور اپنے کانوں سے سنتے اور شیبان کے بہترین بزرگ کہے جاتے۔حق کو پیش نظر رکھ کر اگر قوم کا مال پیش کردیتے تو ہمارے مرحوم بزرگوں کو زندگی بخشتے۔لیکن تم تو ابن ہند (معاویہ) کی مہربانیوں کے جویاں ہوئے جو شام چلے گئے اور یہ بات ہم کو رنجیدہ کرتی ہے۔اب تم ندامت میں دانت پیستے ہو مگر جو کچھ ہونا تھا وہ تو ہو ہی چکا۔تمام قبائل تم سے نفرت کریں گے۔اللہ نے نفرت اور بغض سے کسی قوم کو بلند نہیں کیا۔''

پس حضرت علیؑ کے لئے مصقلہ کی اطاعت ایک ایسے آدمی کی اطاعت نہ تھی جو اپنے سب کاموں میں حق اور ایمانداری کو پیش نظر رکھتا ہے۔اور نتائج سے بے پرواہ ہو کر صبر و ثابت قدمی سے اپنے فرائض انجام دیتا ہے۔بلکہ اس کی اطاعت ایک خلیفہ کے لئے ایک معمولی آدمی کی اطاعت تھی۔ایسے آدمی کی اطاعت جو تن پرست و موقع پرست اور مطلبی و خودغرض ہو، جو اپنی بھلائی چاہتا ہے جس طرح بھی بن آئے۔اور یہ مصقلہ اس معاملے میں تنہا نہیں تھا۔بلکہ بصرہ اور کوفہ کے بڑے لوگوں میں اس کے جیسے بہت سے افراد تھے۔خواص کا یہ حال تھا پھر عام آدمی کس قطار اور شمار میں ہوں گے؟مصقلہ قیدیوں کو خریدتا ہے اور ان کو آزاد کردیتا ہے اس لئے نہیں کہ اللہ سے ثواب کا متمنی ہے یا کسی اچھے کام کا بڑا شائق ہے۔بلکہ قبیلے کی طرف داری کے جذبے سے اور خلیفہ کے ساتھ چالبازی کر کے اپنے جذبے کی تکمیل کرتا ہے۔پھر جب حاکم کو اس کی مکاری کا پتہ چلتا ہے اور وہ رقم کا مطالبہ کرتا ہے تو تعمیل نہیں کرتا بلکہ فرار ہو کر ان لوگوں سے جا ملتا ہے جو خلیفہ سے برسرپیکار ہیں اور خلیفہ کے خلاف ہر قسم کی ریشہ دوانیاں کررہے ہیں۔اس طرح مصقلہ دوستی کی حد سے نکل کر دشمنی کی صف میں کھڑا ہوجاتا ہے۔اور یہ امیر معاویہ کا اس سے ملاقات کرنا، اس کو خوش آمدید کہنا اور اس کے ساتھ حسن سلوک کرنا اسی طرح بُرا فعل ہے جس طرح مصقلہ کا قرض کی ادائیگی سے ٹال مٹول کرنا اور شام بھاگ جانا۔امیر معاویہ نے جو کچھ کیا اس کو چال اور مکر کے سوا کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ایک سچا مسلمان ہرگز وہ بدلہ نہیں دے سکتا جو معاویہ نے مصقلہ کو دیا یہ تو اُس وقت موزوں ہوتا کہ کوئی رومی ان کے پاس بھاگ کر آتا کہ قیصر کے خلاف کوئی ریشہ دوانی کرنی ہے جس سے دشمن کے مقابلے میں معاویہ کو مدد ملتی ہے۔لیکن اپنے خلیفہ کے ساتھ مکاری کرنے والے کو پناہ دینا اور وہ محض اس لئے کہ شاید اس سے عراق میں خرابیاں پیدا کرنے کا کام لیا جاسکے۔معاملے کا یہ وہ پہلو ہے جو امیر معاویہ کی اس سیاست کے اہم رُخ کو بے نقاب کردیتا ہے جس پر معاویہ اپنے جدید اقتدار کی بنیاد رکھنا چاہتے ہیں۔یہ دنیاوی سیاست تھی جس کا دامن دنیاوی ساز و سامان، دنیاوی ضرورتوں، منفعتوں، خواہشوں اور ہوسنا کیوں سے بھرا تھا۔یہاں پہنچ کر حضرت علیؑ اور معاویہ کے سیاسی مسلک کا فرق بالکل واضح ہوجاتا ہے۔حضرت علیؑ کے مسلک کی بنیاد خالص دین پر تھی اور معاویہ کے مسلک کی بنیاد خالص دنیا پر۔حضرت علیؑ کو جب مصقلہ کے فرار ہونے کی خبر ملی تو آپؑ نے اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا۔'' کام تو اس نے سرداروں جیسا کیا اور بھاگا غلاموں کی طرح'' اُس کو کیا ہوگیا تھا؟ خدا اُسے ھلاک کرے۔بعد میں اُس کا گھر آپؑ کے حکم سے گرادیا گیا۔'' (کتاب علیؑ، صفحہ 222-232)

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 45

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 45

خُطبہ ﴿101﴾

1۔اللہ کی رحمت کی وسعتیں، اس کی نعمتوں کی عمومیت، 2۔اللہ کی بخششوں کی فراوانیاں، اس کا فیضان غیر منقطع۔

3۔دنیا بڑی پیاری، بڑی شاداب اور بہت شیریں اور اپنے چاہنے والوں کی قدردان ہے مگر فانی ہے۔

4۔بہتر سے بہتر سامان مہیا کرکے دنیا سے چلنے کیلئے تیار ہوجاؤ۔ 5۔دنیا میں اپنی ضرورت سے زیادہ لینے میں کوشاں نہ رہو۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡحَمۡدُلِلّٰهِ غَيۡرَ مَقۡنُوۡطٍ مِّنۡ رَّحۡمَتِهٖ ؛	1	تمام ستائش اس اللہ کے لئے ہے جس کی رحمت سے ناامیدی کی صورت نہیں نکلتی۔
وَلَامَخۡلُوٍّ مِّنۡ نِّعۡمَتِهٖ ؛	2	اور نہ کوئی ایسی ہستی ہے جو اس کی نعمت سے مالا مال نہ رہی ہو۔
وَلَا مَاۡيُوۡسٍ مِّنۡ مَّغۡفِرَتِهٖ ؛	3	اور نہ ہی اس کی بخشش و مغفرت سے مایوسی ہوسکتی ہے۔
وَلَامُسۡتَنۡكَفٍ عَنۡ عِبَادَتِهٖ ؛	4	اور نہ اس کی عبادت کرنے سے کوئی اپنی بے عزتی سمجھتا ہے۔یعنی سب اسے عبادت کا حقدار سمجھتے ہیں۔
اَلَّذِىۡ لَا تَبۡرَحُ مِنۡهُ رَحۡمَةٌ ؛	5	وہی ذات ہے جس کی رحمتوں کا سلسلہ ٹوٹنے نہیں پاتا ہے۔یعنی رحمتیں تہہ در تہہ جاری ہیں۔
وَلَا تُفۡقَدُ لَهٗ نِعۡمَةٌ ؛	6	اور نہ ہی اس کی طرف سے نعمتوں کا سلسلہ غائب ہوتا ہے
وَالدُّنۡيَا دَارٌ مُنِّىَ لَهَا الۡفَنَآءُ ؛	7	اور دنیا تمناؤں کا مقام ہے دنیا کے لئے مٹ جانا مقرر ہے۔
وَلِاَهۡلِهَا مِنۡهَا الۡجَلَآءُ ؛	8	اور دنیا والوں کے لئے جلاوطنی ضروری ہے
وَهِىَ حُلۡوَةٌ خَضۡرَآءُ ؛	9	اور دنیا شیریں اور شاداب ہے
وَقَدۡ عَجِلَتۡ لِلطَّالِبِ،	10	اپنے طلبگار اور چاہنے والے کی طرف تیزی سے بڑھ کر آتی ہے۔
وَالۡتَبَسَتۡ بِقَلۡبِ النَّاظِرِ ؛	11	اور نظر بھر کر دیکھنے والے کے دل میں سما جاتی ہے۔
فَارۡتَحِلُوۡا مِنۡهَا بِاَحۡسَنِ مَا بِحَضۡرَتِكُمۡ مِنَ الزَّادِ ؛	12	اس دنیا میں سے جو بہتر سے بہتر سفر میں اور منزل پر خرچ کرنے کا سامان مل سکے وہ لے کر چلنے کے لئے تیار رہو۔
وَلَا تَسۡئَلُوۡا فِيۡهَا فَوۡقَ الۡكَفَافِ ؛	13	اور اس دنیا میں اپنی ضرورت سے زیادہ نہ مانگو۔
وَلَا تَطۡلُبُوۡا مِنۡهَا اَكۡثَرَ مِنَ الۡبَلَاغِ ؛	14	یہاں سے اتنا طلب کرو جتنے میں تمہاری گزر بسر ہوسکے۔

تشریحات:

اگر انسان یہ یقین کرلے کہ وہ اس دنیا میں مسافر ہے۔ اور پھر مسافر بھی ایسا کہ جسے یہ معلوم ویقین نہیں ہے کہ اُس نے کتنے دن قیام کرنا اور کب روانہ ہونا ہے؟ لہٰذا وہ ایسی ہی زندگی بسر کرے گا جس کا آخری جملوں میں ذکر ہوا ہے (خطبہ 101، جملہ 12 تا 14) اور جو بھی ایسی زندگی بسر کرے گا وہ دنیا سے پورا پورا استفادہ کرے گا مگر اُس کی رعنائیوں اور تمناؤں میں اُلجھے بغیر مستفید ہوگا۔ اور حضرت علی علیہ السلام اللہ تعالیٰ کو ایک ایسی ذاتِ پاک مانتے ہیں کہ جس کی کوئی صفت یا قدرت عارضی نہیں ہے۔ وہ رحیم ورحمٰن ہے لہٰذا اُس کی رحمت ہر لحظہ کائنات پر اور کائنات کی ہر مخلوق پر اثر انداز ہورہی ہے کوئی چیز رحمت کے دائرے سے باہر نہیں ہے۔

2۔ رحمت کو عام رکھنے کے لئے اللہ نے شعوری ولاشعوری دوہرا انتظام فرمایا ہوا ہے۔

چنانچہ ارشاد ہے کہ:۔

وَاِذَا جَآءَکَ الَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِاٰیٰتِنَا فَقُلۡ سَلٰمٌ عَلَیۡکُمۡ کَتَبَ رَبُّکُمۡ عَلٰی نَفۡسِہِ الرَّحۡمَۃَ اَنَّہٗ مَنۡ عَمِلَ مِنۡکُمۡ سُوۡٓءًۢا بِجَہَالَۃٍ ثُمَّ تَابَ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ وَ اَصۡلَحَ فَاَنَّہٗ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌO وَکَذٰلِکَ نُفَصِّلُ الۡاٰیٰتِ وَلِتَسۡتَبِیۡنَ سَبِیۡلُ الۡمُجۡرِمِیۡنَ O(انعام 6/54-55)

''جب تمہارے پاس وہ لوگ آتے ہیں جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں تو ان سے کہو ''تم پر سلامتی ہے، تمہارے رب نے رحم وکرم کا شیوہ اپنے اوپر لازم کرلیا ہے۔ یہ اس کا رحم وکرم ہی ہے کہ اگر تم میں سے کوئی نادانی کے ساتھ کسی بُرائی کا ارتکاب کر بیٹھا ہو پھر اس کے بعد توبہ کرے اور اصلاح کرلے تو وہ اُسے معاف کردیتا ہے۔ اور نرمی سے کام لیتا ہے۔'' اور اس طرح ہم اپنی نشانیاں کھول کھول کر پیش کرتے ہیں تاکہ جرائم پیشہ مسلمانوں کی راہ بالکل نمایاں ہوجائے۔'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 545-545)

یہ اللہ کی رحمت کا عام اور وسیع ترین طریقہ ہے جس میں لازم ہے کہ اللہ جو کچھ بھی کرے وہ رحمت ہی رحمت ہو۔

3۔ مخلوق کی ضروریات کا مخلوق کے معیار پر پتہ لگانا اور ہر مخلوق کو اس کا سامانِ بقاوترقی فراہم کرنے کا معصوم نظام۔

اللہ نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسوؐل بنانے کی غرض ہی ایک بیان کی ہے اور وہ یہ ہے کہ:

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَO(21/107)

''اے محمدؐ! ہم نے تمہیں ساری کائنات کی طرف اور کسی غرض سے بھیجا ہی نہیں ہے سوائے اس غرض کے کہ تم پوری کائنات کے لئے رحمت بن جاؤ۔'' (سورہ انبیاّء 21/107)

4۔ محمد مصطفیٰ کا پوری کائنات اور ساری موجودات ومخلوقات کے لئے روزِ ازل سے رحمت ہونا مسلّمہ ہے۔

یہ آیت (21/107) تمام نیک طینت علما اور عوام کے نزدیک مسلّمات میں سے رہتی چلی آئی ہے۔ مگر قریشی مسلمانوں نے اس آیت کو اس کے الفاظ ومعنی کے ساتھ کبھی قبول نہیں کیا ہے۔ اور اس کے ترجموں اور تفسیروں میں اپنی طرف سے طرح طرح کی مداخلت کی ہے۔ حالانکہ آیت میں گنتی کے الفاظ ہیں اور ہر لفظ کے واضح معنی ہیں علامہ رفیع الدین کا لفظی ترجمہ دیکھئے لکھا ہے:۔

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ.

<u>رفیع الدین:</u> ''اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ کو مگر رحمت واسطے عالموں کے۔''

مودودی ترجمہ "اے محمدؐ ہم نے جو تم کو بھیجا ہے تو یہ دراصل دنیا والوں کے حق میں ہماری رحمت ہے۔"(تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 189)

قارئین دیکھ سکتے ہیں کہ اس ترجمہ کا اس آیت کے الفاظ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ آیت میں نہ "دنیا والوں کے لئے" عربی الفاظ ہیں اور نہ ہی "ہماری رحمت ہے" کے لئے عربی موجود ہے اور نہ ہی "اے محمدؐ" آیت میں آیا ہے۔ اور نہ ہی آیت میں یہ کہا گیا کہ "ہم نے جو تم کو بھیجا ہے" اللہ نے تو یہ فرمایا ہے وَمَا اَرْسَلْنٰکَ ، یعنی "اور ہم نے تو تجھے بھیجا ہی نہیں" الغرض مودودی صاحب نے آیت کے الفاظ اور معنی دونوں کو اُلٹ کر رکھ دیا ہے۔ اللہ نے آیت میں محمدؐ کو رحمت فرمایا ہے۔ مگر مودودی محمدؐ کو رحمت کے درجہ سے خارج کرتے ہیں اور محمدؐ کے بھیجنے کو اللہ کی رحمت لکھتے ہیں اور سب سے بدترین صورت یہ ہے کہ اللہ محمدؐ کو پوری کائنات کے لئے رحمت فرماتا ہے، مگر مودودی اللہ کی رحمت کو بھی صرف دنیا والوں تک محدود کرتے ہیں۔ اور وہ اس لئے کہ محمدؐ دنیا سے آگے نہ بڑھ جائیں۔

5۔ محمدؐ ہوں یا کوئی اور رسولؐ ہو مودودی انہیں اس دُنیا تک محدود رکھنے پر مُصِر ہیں۔

چنانچہ اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساری کائنات کے لئے نذیر فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا تھا کہ:۔

تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًاO(25/1)

مودودی ترجمہ: "نہایت متبرک ہے وہ جس نے یہ فرقان اپنے بندے پر نازل کیا تاکہ سارے جہان والوں کے لئے نذیر ہو۔"(تفہیم القرآن جلد سوم صفحہ 431-432)

سادہ دل قاری یہ نہیں سمجھتا کہ مودودی نے ترجمہ میں کوئی گڑبڑ کی ہے۔ مگر مودودی کی تشریح پڑھئے لکھا ہے:

"پھر یہ جو فرمایا کہ سارے جہان والوں کیلئے نذیر ہو، تو اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کی دعوت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کسی ایک ملک کے لئے نہیں، پوری دنیا کیلئے ہے اور اپنے ہی زمانہ کیلئے نہیں، آنے والے تمام زمانوں کیلئے ہے۔"(تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 432)

قارئین اپنی آنکھوں سے دیکھیں کہ مودودی اینڈ کمپنی قرآن اور رسولؐ کو عالمین کے لئے نہیں مانتی بلکہ انہیں اس دنیا تک محدود کرتی ہے اور جہاں جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اللہ نے لفظ "عالمین" فرمایا ہے اس کا ترجمہ اس دنیا۔ یا اس جہاں میں محدود کر دیتی ہے۔

6۔ محمدؐ کی کائناتی پوزیشن کو مودودی اور قریشی علما نے گھٹانے کیلئے لفظ عالمین کے معنی بدل دیئے۔

اول "رب العالمین" جو تمام کائنات کا رب ہے۔(تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 43)

دوم " فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَO(بقرہ 2/47) "میں نے تمہیں دُنیا کی ساری قوموں پر فضیلت عطا کی(صفحہ 74)

سوم " عَلَی الْعٰلَمِیْنَ"(بقرہ 2/122) "دنیا کی تمام قوموں پر فضیلت دی(صفحہ 108)

چہارم " اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ "(2/131)۔ میں مالکِ کائنات کا مسلم ہو گیا(تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 113)

پنجم " ذُوْفَضْلٍ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ "(2/251)" دنیا کے لوگوں پر اللہ کا بڑا فضل ہے(تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 191)

ششم "وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ"(آل عمرانؑ 3/33)

" اللہ نے آدمؑ اور نوحؑ اور آل ابراہیمؑ اور آل عمران کو تمام دُنیا والوں پر ترجیح دے کر منتخب کیا تھا۔"(ایضاً صفحہ 246)

ہفتم "عَلٰی نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ "(3/42)" تمام دنیا کی عورتوں پر ترجیح دے کر"(ایضاً صفحہ 250)

ہشتم "ھُدًی لِّلعٰلَمِیْنَ" (3/96) تمام جہان والوں کے لئے مرکزِ ہدایت بنایا گیا تھا (ایضاً صفحہ 274)

نہم "ذِکْرٰی لِلْعٰلَمِیْنَ" (انعام 6/90) یہ تو ایک عام نصیحت ہے تمام دُنیا والوں کے لئے۔ (ایضاً صفحہ 562)

دہم "مَارَبُّ الْعٰلَمِیْنَ" (شعرا 26/23) یہ رب العالمین کیا ہوتا ہے؟ موسیٰؑ نے جواب دیا:۔

"رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَھُمَا" (26/24) آسمانوں اور زمین کا رب اور ان سب چیزوں کا رب جو آسمان وزمین کے درمیان ہیں۔" (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 484)

یازدہم "اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَO رَبِّ مُوْسٰی وَھٰرُوْنَO" (26/47-48)

"مان گئے ہم رب العالمین کو موسیٰ وھارونؑ کے رب کو۔" (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 492)

قارئین نے لفظ عالمین کے معنی بدلنے کی یہ گیارہ مثالیں دیکھ لیں۔ اور ان سب مثالوں میں قرآن نے کوئی ایسا لفظ استعمال نہیں کیا یا کوئی ایسا تقاضا نہیں کیا جس سے لفظ عالمین کے معنی بدلنا ضروری ہوجاتے۔ ہر ایک جگہ آپ یہ دیکھیں گے کہ علامہ اینڈ کمپنی یہ پسند نہیں کرتی کہ ان آیات میں متعلقہ افراد کو کائناتی وسعت حاصل ہو۔ اس لئے اس خبیث گروہ نے کہیں عالمین کے معنی دنیا کی قومیں کر دیئے۔ کہیں عالمین کو دنیا بنا ڈالا۔ اور ان کی اصل غرض یہ تھی کہ محمدؐ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پوری کائنات کے سرپرست و مربی اور کرتا دھرتا نہ مان لئے جائیں۔ اور کائنات کی ہر ہر مخلوق کے ھادی ونذیر ثابت نہ ہو جائیں۔ لیکن ان کی بدقسمتی کہ قرآن تو آنحضرتؐ کو "رحمۃ للعالمین اور نذیر للعالمین" ہی قرار دیتا ہے۔ اور چند ملاعین کے علاوہ امت کی کثرت نے حضورؐ کو ساری کائنات کے لئے رحمت اور نذیر مانا ہے۔

7۔ مودودی اینڈ کمپنی چونکہ محمدؐ وآلِ محمدؐ سے عقیدتاً و عملاً منقطع رہتی آئی ہے۔ اس لئے کائناتی علوم سے محروم رہی ہے، بہرحال دنیا کی حالت جانتی ہے۔

قریشی علما اور قریشی قسم کے مسلمان اپنے جاہل لیڈروں اور اپنے راہنماؤں کے قدم بقدم چلنے کی بنا پر ان تمام احادیث وتفاسیر سے محروم رہے۔ جن میں محمد وآلِ محمد صلوٰۃ اللہ علیہم السلام نے تخلیق کائنات پر کائناتی وسعتوں پر، کائنات سے استفادہ کے طریقوں پر بیانات دیئے تھے۔ چنانچہ آج ان کا اسلامی ریکارڈ ایسی احادیث سے خالی ہے۔ اس لئے کہ ان کے اولین لیڈروں اور خلفا نے ایسی تمام احادیث کا بلیک آؤٹ اور بائیکاٹ کئے رکھا جن سے محمد وآلِ محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کی حقیقی اور عالم گیر پوزیشن واضح ہوتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اور ان کا پورا ماحول جہالت میں ڈوب کر رہ گیا۔ اور سوائے نام نہاد روزہ ونماز وزکوٰۃ وجہاد اور غسل ووضو اور چوری وزنا وغیرہ کے مسائل کے ان کے یہاں کوئی علمی چیز باقی نہ رہ سکی۔ اور وہ آج تک علومِ کائنات میں ان لوگوں کے محتاج ہو کر رہ گئے جنہیں وہ کافر و بے دین قرار دے چکے تھے۔ لہٰذا آج وہ علم سے سوفیصد محروم اور ہر بات میں غیر مسلموں اور بے دینوں کے محتاج ہیں۔ چنانچہ انہیں ساری دنیا کی اقوام کے سامنے بھکاری کی حیثیت سے کھڑا ہونا پڑتا ہے سینے کی سوئی سے لے کر ہوائی جہاز تک اور معمولی اسلحہ سے لے کر میزائل وراکٹ تک اور گھڑی سے لے کر ریڈار اور دیگر تحقیق وانکشاف کرنے والے آلات تک کافروں، یہودیوں، عیسائیوں، ہندوؤں، کمیونسٹوں وغیرہ سے مانگنا پڑتے ہیں۔ اس کائنات اور اس زمین کی وسعت وحالت پر مودودی نے جو ان کے بیانات پڑھے ہیں۔ ان میں سے ایک بیان ہم آپ کو دکھاتے ہیں تاکہ آپ کو خود مودودی کے قلم سے یہ معلوم ہو جائے کہ قریشی علما اور لیڈروں نے آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کائناتی (رحمۃ للعالمینی) پوزیشن کو صرف اس دنیا تک محدود کر کے کتنی بڑی خیانت کی ہے؟ اور خود کو

اور پوری اُمت کو کتنا بڑا نقصان پہنچایا ہے اور آج کے غیر مسلموں اور کافر و بے دین قرار دیئے ہوئے لوگوں سے کس قدر پیچھے اور جہالت کے کس مقام پر ہیں۔ سنئے مودودی نے کہیں سے نقل کیا ہے کہ:۔

8۔اس دنیا یا زمین یا اس جہان کی پوزیشن عالمین یا کائنات کے مقابلے میں؟

''ہماری یہ زمین جس نظامِ شمسی میں شامل ہے اس نظام کی عظمت کا یہ حال ہے کہ اس کا مرکز، یعنی سورج زمین سے 3 لاکھ گنا بڑا ہے۔ اور اس نظام کے بعید ترین ستارے نیپچون کا فاصلہ سورج سے کم از کم 6 ارب 79 کروڑ 30 لاکھ میل ہے۔ بلکہ اگر پلوٹو کو بعید ترین سیارہ مانا جائے تو وہ سورج سے 4 ارب 60 کروڑ میل دور تک پہنچ جاتا ہے۔اس عظمت کے باوجود یہ نظامِ شمسی ایک بہت بڑے کہکشاں کا ایک محض چھوٹا سا حصہ ہے۔جس کہکشاں (Galaxy) میں ہمارا یہ نظامِ شمسی شامل ہے اس میں تقریباً 3 ہزار ملین (تین ارب) آفتاب پائے جاتے ہیں اور اس کہکشاں (Galaxy) کا قریب ترین آفتاب ہماری اس زمین سے اس قدر دور ہے کہ اس کی روشنی یہاں تک پہنچنے میں چار سال صرف ہوتے ہیں۔ پھر یہ کہکشاں (Galaxy) بھی پوری کائنات نہیں ہے۔ بلکہ اب تک کے مشاہدات کی بنا پر اندازہ کیا گیا ہے کہ یہ تقریباً بیس لاکھ لولبی سحابیوں (Spiral nebulae) میں سے ایک ہے۔اور ان میں سے قریب ترین سحابیے کا فاصلہ ہم سے اس قدر زیادہ ہے کہ اس کی روشنی دس لاکھ سال میں ہماری زمین تک پہنچتی ہے۔ رہے بعید ترین اجرام فلکی جو ہمارے موجودہ آلات سے نظر آتے ہیں، ان کی روشنی تو زمین تک پہنچنے میں 10 کروڑ سال لگ جاتے ہیں۔اس پر بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انسان نے ساری کائنات دیکھ لی ہے۔ یہ خدا کی خدائی کا بہت تھوڑا سا حصہ ہے جو اب تک انسانی مشاہدے میں آیا ہے۔آگے نہیں کہا جا سکتا کہ مزید ذرائع مشاہدہ فراہم ہونے پر اور کتنی وسعتیں انسان پر منکشف ہوں گی۔''(تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 261)

قارئین یہ بھی نوٹ کرلیں کہ اب انسانی تحقیق وانکشافات زمین پر بیٹھے بیٹھے کرنے تک محدود نہیں ہیں۔اب تو انسان زمین سے اربوں میل کے فاصلے پر مصنوعی سیارے بھیج کر ان کی مدد سے اور اربوں میل دور تک کی تصویریں اور حالات حاصل کرنے پر قادر ہو چکا ہے۔اور وہ انکشافات اور معلومات مودودی کے اس بیان سے ہزاروں گنا زیادہ ہیں۔

قارئین یہاں یہ بھی نوٹ کرلیں کہ آج بھی یہ پوری کائنات امام زمانہ محمد بن حسن عسکری علیہم السلام کے جلال و جمال وقوتِ تسخیر کے ماتحت رواں دواں چلی جارہی ہے اور آنحضرت علیہ السلام کی راہنمائی کے ماتحت اپنے راز و رموز و حالات حقیقی متلاشیانِ محمدؐ و آل محمدؐ کے سامنے کھولتی چلی جارہی ہے۔ رہ گئے مسلمان بننے اور کہلانے والے یہ لوگ تو یہ ابلیس کی طرح راندۂ درگاہ، رجیم وملعون کر کے چھوڑے ہوئے بولتے چالتے فریب ساز وفریب خوردہ لوگ ہیں جن کی طرف توجہ دینا بھی تضیع اوقات ودرجات کا باعث ہوتا ہے۔

9۔ قریش اور دیگر علما جو کچھ قرآن کے الفاظ کی سند سے مانتے ہیں اس کا جائزہ اور محاسبہ کرکے دیکھئے۔

فی الحال ہم قارئین کے سامنے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں آئے ہوئے قرآن کے الفاظ رکھتے ہیں اور دکھاتے ہیں کہ کیا واقعی علمانے ان الفاظ کے ماتحت آنحضرتؐ پر ایمان رکھا ہے؟ گذشتہ زیر بحث آیت (21/107) میں لفظ رحمت کو سب نے مانا ہے فرق یہ ہے کہ کچھ نے صرف اس دنیا کے لئے رحمت مانا ہے اور کچھ نے ساری کائنات کے لئے حضور علیہ السلام کو رحمت تسلیم کیا ہے۔اب ہم دونوں قسم کے ماننے والوں سے دریافت کرتے ہیں کہ حضوؐر کو رحمت کس دن سے مانتے ہو؟ غالباً جواب یہ ہوگا کہ جس روز سے اللہ نے رحمت بنا کر بھیجا تھا۔لیکن یہ

جواب کافی نہیں ہوتا جب تک یہ نہ بتایا جائے کہ کس دن بھیجا تھا؟ جواب میں یہ کہنا نہ صحیح ہوگا اور نہ کافی ہوگا کہ جس دن سے آپؐ نے اعلان نبوت کیا۔اس لئے کہ آیت میں اعلانِ نبوت کا ذکر نہیں ہے۔اور جواب آیت کے الفاظ کے ماتحت رہنا چاہئے۔ پہلے تو یہ بتایئے کہ آپؐ نے جو ریکارڈ تیار کیا ہے اس میں کہیں بھی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنے کا یا بھیجے جانے کا یا پہنچنے کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔وہاں تو اُنؐ کے حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کے گھر میں پیدا ہونے سے بات شروع کی گئی ہے۔یعنی آپ کا ریکارڈ رسوؐل اللہ کی پیدائش ہمیں 571ء بتاتا ہے۔اور آپ لوگ زیادہ اسی 571ء سے حضوؐر کو رحمت مان سکتے ہیں۔لیکن اللہ نے پورے قرآن میں کہیں حضوؐر کے پیدا ہونے، جوان ہونے اور پھر چالیس سال کی عمر میں ان کے رسوؐل بنائے جانے کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔لہٰذا ہم آپ کے ریکارڈ کے اعداد وشمار کو خدائی اعداد وشمار ماننے کو تیار نہیں ہو سکتے۔علاوہ ازیں تمہارے ریکارڈ کی رُو سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پیدائشِ رسوؐل سے پہلے یا اعلان رسالت سے پہلے اس دنیا کے لئے اللہ کی طرف سے رحمت کون تھا؟ اور نذیر کون تھا؟ قرآن نہ کسی اور کی رحمت ونذارت کا ذکر کرتا ہے نہ کسی اور کی ایسی رحمت کا اعلان کیا گیا ہے۔ساتھ ہی اللہ نے حضور علیہ السلام کی رحمت کو کسی خاص صورت سے مشروط نہیں فرمایا ہے۔یعنی یہ پابندی نہیں لگائی کہ حضوؐر کا مادّی جسم موجود ہو تو رحمت ہوگی۔ورنہ رحمت بھی جسم کے ساتھ معدوم ہو جائے گی۔چنانچہ آج جب کہ حضوؐر کے جسم سے مادی رابطہ حاصل نہیں ہے حضور بدستور رحمت ونذیر ہیں۔لہٰذا قریشی ریکارڈ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحمت پر پابندی عائد نہیں کرتا۔نہ اس کے ساتھ رحمت پابند تھی نہ اس سے رحمت وابستہ ہے۔مطلب یہ ہے کہ حضوؐر کو ارسال کرنا اللہ کے علم میں ہے اور حضوؐر کی رحمت اُسی لمحہ سے برسرکار ہے۔اور جن مخلوقات کے لئے حضوؐر کو رحمت بنایا گیا تھا وہ کسی ایک لمحہ کے لئے بھی دائرہ رحمت سے باہر نہیں نکل سکے ہیں۔اور رحمت رسانی کی یہ غرض ہی رحمت کی ابتدا کو متعین کرنے کے لئے کافی ہے۔

10۔اللہ کی رحمت کائنات کی ہر شے اور ہر مخلوق کو اپنے آغوش میں لئے ہوئے ہے یعنی آغوش محمدیؐ ہمہ گیر ہے۔

تمام مخلوقات میں یہ علم وقدرت ودیعت نہیں کیا گیا کہ وہ خود تلاش وحصول رحمت کر سکتیں۔اس لئے اللہ نے اپنی رحمت کو ہمہ گیر بنا دیا ہے تاکہ اگر کوئی چیز دائرہ رحمت سے باہر نکلنا بھی چاہے تو نہ نکل سکے۔جیسا کہ فرمایا کہ:۔

قَالَ عَذَابِیٓ اُصِیۡبُ بِهٖ مَنۡ اَشَآءُ ۚ وَرَحۡمَتِیۡ وَسِعَتۡ كُلَّ شَیۡءٍ ؕ فَسَاَكۡتُبُهَا لِلَّذِیۡنَ یَتَّقُوۡنَ وَیُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِیۡنَ هُمۡ بِاٰیٰتِنَا یُؤۡمِنُوۡنَ O اَلَّذِیۡنَ یَتَّبِعُوۡنَ الرَّسُوۡلَ النَّبِیَّ الۡاُمِّیَّ الَّذِیۡ یَجِدُوۡنَهٗ مَكۡتُوۡبًا عِنۡدَهُمۡ فِی التَّوۡرٰىةِ وَالۡاِنۡجِیۡلِ یَاۡمُرُهُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَیَنۡهٰهُمۡ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیۡهِمُ الۡخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنۡهُمۡ اِصۡرَهُمۡ وَالۡاَغۡلٰلَ الَّتِیۡ كَانَتۡ عَلَیۡهِمۡ ؕ فَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِهٖ وَعَزَّرُوۡهُ وَنَصَرُوۡهُ وَاتَّبَعُوا النُّوۡرَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ مَعَهٗۤ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ O قُلۡ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَیۡكُمۡ جَمِیۡعَا الَّذِیۡ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحۡیٖ وَیُمِیۡتُ ۪ فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهِ النَّبِیِّ الۡاُمِّیِّ الَّذِیۡ یُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوۡهُ لَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ O (سورۃ الاعراف 158-7/156)

’’عذاب تو میں جسے چاہتا ہوں دیا کرتا ہوں۔اور میری رحمتؐ ہر ہر چیز کو اپنی وسعت میں لئے ہوئے ہے اور میں اپنی رحمتؐ کے لئے عنقریب لکھ دوں گا کہ وہ رحمتؐ ان لوگوں کا لحاظ کرے جو تقویٰ اختیار کریں اور زکوٰۃ دیا کریں اور جو لوگ ہماری آیات پر یعنی سلسلہ امامتؑ پر ایمان لائیں۔اور اُس رسوؐل کی پیروی کریں جو اُم القریٰ کا باشندہ نبیؐ ہے اور جو اُن کے پاس توریت وانجیل میں اپنے پورے حالات سمیت لکھا ہوا ملتا ہے اور وہ ان کو عالمی پسندیدہ چیزوں پر عمل کرنے کا حکم دیتا ہے اور جو انہیں عالمی ناپسندیدہ چیزوں پر عمل کرنے

سے روکتا ہے۔اوران کے لئے تمام پاکیزہ وپسندیدہ چیزوں کا حلال کرتا ہے اور تمام خبیث قسم کی چیزوں کو ان پر حرام کرتا ہے اوران کے اوپر سے وہ مجتہدانہ پابندیاں ہٹاتا ہے جواُن کے مجتہدین نے اُن پر تھوپ رکھی تھیں۔اوران کو ان گھٹ بندھنوں سے آزاد کرتا ہے جوان کے سربراہوں کی طرف سے ان پر لازم کردی گئی تھیں۔چنانچہ جو جولوگ بھی اس پر ایمان لائیں اوراس کی قوت میں اضافہ کریں اوراس کی نصرت کریں اوراس نوؔر کی پیروی کریں جو بالکل اُس رسوؔل کے ساتھ ساتھ نازل کیا گیا ہے بس وہی لوگ کامیاب ہیں۔اَے رسوؔل کہہ دو کہ اَے گروہِ انسان میں تم سب کے لئے اس اللہ کی طرف سے رسوؔل ہوں جس کے لئے آسمانوں اورزمینوں کی حکومت ہے۔جس کے علاوہ اورکوئی معبودنہیں ہے وہی زندگی عطا کرتا ہے اوروہی موت دیتا ہے۔چنانچہ تم سب اللہ پر ایمان لاؤاوراس کے رسوؔل پر ایمان لاؤ جو مکہ کا رہنے والا نبیؐ ہے اورخود بھی اللہ پراوراس کے کلمات پر ایمان رکھتا ہے اورتم اسی رسوؔل کی پیروی کروممکن ہے کہ تم سب ہدایت یافتہ ہو جاؤ۔''(اعراف 7/156-158)

قارئین نوٹ فرمائیں کہ یہاں جو آیات آپ کے سامنے لائی گئی ہیں یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست کے جواب میں ارشاد ہوئی ہے۔ انہوں نے عرض کیا تھا کہ:

اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَO وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْکَ ..(اعراف 7/155-156)

''اَے اللہ تو ہی ہم سب کا ولی وحاکم ہے چنانچہ تو ہمیں محفوظ کردے اورہم پر اپنی رحمت مبذول کردے۔اورتو ہی تمام حفاظت کرنے والوں سے بہتر حفاظت فراہم کرنے والا ہے اور ہمارے لئے اس دنیا میں بھی اچھائیاں لکھ دے اورآخرت میں بھی اچھائیاں لکھ دے۔ اورہم توہدایت کے لئے تجھ سے وابستہ ہوچکے ہیں''۔

اس درخواست کا جواب ہے وہ پوری تفصیل جو آپ کے سامنے سے گزری ہے اس میں جہانِ رحمت کی ہمہ گیری بیان ہوئی ہے وہیں محمدؐ کے ساتھ نازل ہونے والا نور علیؑ بھی پیروی کے لئے لازم قرار دیا گیا ہے۔اورآیت وکلمات کی صورت میں حضرت فاطمہ علیہا السلام اوران کی اولاد میں گزرنے والے آئمہ وشہداءعلیہم السلام بھی سامنے لائے گئے ہیں اورفلاح و بہبود وکامیابی کی تمام شرائط سامنے رکھی گئی ہیں۔لہٰذا جو ہستی یہ فرما رہی ہے کہ''تمام حمد وستائش اس اللہ کے لئے جس کی رحمت سے مایوسی کی کوئی صورت نہیں نکلتی۔''(خطبہ 101، جملہ 1)

لہٰذا اُس ذات پاک علیہ السلام کا یہ بیان تمام شکوک وشبہات اورمخالف امکانات سے مبرا ہے اوریقین دلاتا ہے کہ ہمارا تعلق رحمت سے منقطع نہیں ہوسکتا۔اورہماری نجات کی اس ایک جملے سے بڑی اورکوئی گارنٹی نہیں ہوسکتی۔شرائط وہی ہیں کہ ہم محمد وآل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کے منکر و باغی نہ ہوں۔ اوراللہ کو ہر حال میں عبادت کا مستحق مانتے رہے ہوں (خطبہ 101، جملہ 4) تو یقین کیا جاسکتا ہے کہ ہمیں ہر حال میں اللہ کی نعمتوں سے مالا مال رکھا جائے گا (ایضًا جملے 2،6)اورکوئی ایسی صورت سامنے نہ آئے گی کہ ہم سے رحمتِ خداوندی صلی اللہ علیہ وآلہ منقطع ہوجائے (ایضًا جملہ 5)۔

11۔یہ دنیا جیسی بھی ہو محبانِ محمدؐ وآل محمدؐ کے لئے جنت نظیر بن کر محبت اور کرم فرمائیوں سے پیش آئے گی۔

لہٰذا ہمارے ساتھ اس دنیا کو بھی خلوص ومحبت سے پیش آنا پڑے گا اس لئے کہ اللہ نے ہمارے لئے جہاں آخرت میں اچھائیاں لکھنا منظور فرمایا ہے وہیں بقول حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اِس دنیا کے قیام میں بھی بھلائیاں، اچھائیاں اورخوبیاں ہی خوبیاں لکھنا ہیں۔

وَاکۡتُبۡ لَنَا فِیۡ هٰذِهِ الدُّنۡیَا حَسَنَةً وَّفِی الۡاٰخِرَةِ اِنَّا هُدۡنَاۤ اِلَیۡکَ ..(اعراف 7/156)

لہٰذا محبانِ محمدؐ و آل محمد صلوۃ اللہ علیہم کے لئے یہ دنیا بھی ایک اطمینان بخش مقام ثابت ہوگی خصوصاً حضرت حجۃ علیہ السلام کے انصار کے لئے یہ دنیا جنت بنی رہے گی اپنی شیرینیوں اور شادابیوں سے دل نشین بنی رہے گی (خطبہ 10 جملے 9، 11) اور خود ہماری مدد اور راہنمائی کرے گی اور ہماری دوسری منزل کا بہترین سامان خود مہیا کر کے دے گی (خطبہ 101، جملہ 12) اور ہم خود حضرت علی اور آئمہ علیہم السلام کی پیروی میں ان تمام چیزوں سے الگ اور منقطع رہیں گے جن کو وہ حضرات ناپسند فرماتے تھے (خطبہ 101، جملہ 13) اور خوشنودی معصومین علیہم السلام اور رضائے قائم قیامت علیہ السلام کے علاوہ ہمیں کسی اور چیز کی طلب ہی نہ ہوگی (خطبہ 101، جملہ 14) ہمیں دنیا میں وہ تمام اسلوبِ حیات ناپسند اور نامنظور رہیں گے جو دشمنانِ محمدؐ و آل محمدؐ کو پسند رہے ہیں۔ ہماری دعا، تمنا اور آرزو ہی یہ ہوگی کہ خدایا ہمیں ان تمام چیزوں سے دور رکھ جو تجھے اور محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کو ناپسند ہوں اور وہ سب کچھ عطا فرما جو تم سب کو پسند ہو۔ اُس گروہ سے کیسے بدعنوانیوں کی امید کی جاسکتی ہے جسے دنیا کی نعمتیں دیکھتے ہی رنج والم گھیر لیتے ہیں۔ جو ٹھنڈا پانی دیکھ کر زار وقطار رونے لگتے ہیں۔ جو اپنے بچوں پر شفقت ومحبت کی نظر ڈالتے ہی بے قرار و بے تاب ہو جاتے ہوں۔ اور جن کے بچے یہ سمجھنے سے قاصر رہ جاتے ہوں کہ ہمارے والدین ہمیں دیکھ کر کیوں رونے لگتے ہیں؟ اور جو اپنے بچوں کو ان تصورات کے سایہ میں پالتے ہوں کہ بچو تم کبھی امام حسین علیہ السلام کے بچوں کو نظر انداز نہ کرنا۔ تم حضرت علیؑ اصغر اور حضرت سکینہؑ کو نہ بھلا دینا۔ ہم تمہیں گود میں لیتے وقت اور سینے پر لٹاتے ہوئے انہیں نہیں بُھلا سکتے۔ ہم کوشش کے باوجود آنسوؤں کو بہنے سے نہیں روک سکتے۔ امامؑ کے بچوں کا رونا ہمارے قلب وذہن کی گہرائیوں میں پیوست ہو کر رہ گیا ہے۔ ہمارے والدین کا یہی حال ہو جاتا تھا جب وہ ہمیں پیار کرتے تھے تو گھنٹوں گھنٹوں رویا کرتے تھے۔ اور ہم سہم کر رہ جاتے تھے۔ آج ہم اس قابل ہوئے ہیں کہ تمہیں دیکھ کر اُس تکلیف کو سمجھیں جو حضرت زینب وام کلثوم علیہما السلام کو ہوئی تھی اور وہ حضرت سکینہ علیہا السلام کو بہلانے میں برداشت کر رہی تھیں۔ جو قوم اس درد وگداز میں زندگی گزارے دنیا اُسے کیسے باغی کر دے گی؟ وہ کیسے دشمنان محمدؐ و آل محمدؐ کی راہوں پر چلنے لگے گی؟ اُسے تو ہر قدم پر محمدؐ و آل محمدؐ اور ان کے بڑے بوڑھے بزرگ اور بچے کھڑے ہوئے ملیں گے۔ اور ان کا لباس وخوراک اور طرزِ عمل سامنے نظر آئے گا۔ وہ تو انہیں دیکھ دیکھ کر کانپتے اور لرزتے دن گزاریں گے۔ ان کی خوشنودی ورضا جوئی کے سوا ان کے پاس دوسری خواہشیں کیسے اور کدھر سے آئیں گے۔ ان کے شب وروز و ماہ وسال ان حضراتؑ کی زندگی کے تسلسل میں گزریں گے۔ غم کا ایک دور ختم نہ ہونے پائے گا کہ دوسرا دور شروع ہو جائے گا۔ ان کے لئے لذات دنیا کا حصول مشکل ہو جائے گا۔ جائز اور ضروری سہولتوں سے لطف اندوز ہونا بھی انہیں ناگوار وگراں گزرے گا۔ دراصل محمدؐ و آلِ محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کی زندگیاں ان کے سامنے ایک ایسی روک ہوں گی جو ان کے خیال وعمل کو غلط رخ پر جانے سے باز رکھیں گے۔ وہ تو تنہائی میں تنہا نہ ہوں گے۔ انہیں ایسا لمحہ ملنے ہی نہ پائے گا کہ وہ دنیا سے لطف اندوز ہونے میں کرب وتکلیف وتکدر محسوس نہ کریں۔ وہ کیسے بھول جائیں گے کہ انہیں فلاں وقت محمدؐ و آل محمدؐ کی آنکھیں نہیں دیکھ رہی ہیں؟

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر: 47

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 47

خُطبہ ﴿102﴾

یہ خطبہ کوفہ شہر پر آنے والی آفات کا اور کوفہ کے بُرا چاہنے والوں کی تباہی پر چند اشارات پیش کرتا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

كَـاَنِّـىۡ بِکَ يَـا كُوۡفَةُ تُمَدِّيۡنَ مَدَّالۡاَدِيۡمِ الۡعُكَاظِيِّ وَتُعۡرَكِيۡنَ بِالنَّوَازِلِ ؛	1	اے شہر کوفہ گویا میں تجھے اس حالت میں دیکھ رہا ہوں جس حالت میں چمار لوگ چمڑے کو دباغت کے بعد عکاظ کے بازار میں کھینچ کھینچ کر دیکھا کرتے تھے۔اور یہ کہ تجھے حادثات وآفات کے ساتھ کھرچا اور رگڑا جا رہا ہے۔
وَتُرۡكَبِيۡنَ بِالزَّلَازِلِ ؛	2	اور تجھے تہ و بالا کرنے کے لئے اپنی سواری بنالیا ہے۔
وَاِنِّـىۡ لَاَعۡلَمُ اَنَّهٗ مَا اَرَادَبِکَ جَبَّارٌ سُوۡٓءًا اِلَّا ابۡتَلَاهُ اللّٰهُ بِشَاغِلٍ اَوۡرَمَاهُ بِقَاتِلٍ ؛	3	اور یقیناً مجھے معلوم ہے جو جابر و ظالم تیرا برا چاہے گا اللہ اسے کسی مصیبت میں پھانس کر آزمائے گا یا کسی قاتل کے حوالے کر دے گا۔

تشریحات:

یہاں یہ نوٹ کرنے کی بات ہے کہ زیاد بن ابوسفیان نے کوفہ کے منبر سے حضرت علیؑ کی شان میں گستاخی کا ارادہ کیا تو فالج میں مبتلا ہوا۔ اُس کے بیٹے عبید اللہ ابن زیاد کو کوڑھ کا مرض ہوا اور تلواروں سے ٹکڑے ہوا۔حجاج ابن یوسف کے پیٹ میں سانپ پیدا ہوئے اور تڑپ تڑپ کر جان دی۔مصعب ابن زبیر اور یزید ابن مہلب تلواروں سے ٹکڑے ہوئے۔

کوفہ ہو یا بصرہ یا کوئی اور شہر ہو یہ سمجھ کر بات کرنا چاہئے کہ قریشی حکومتوں نے جس ضرورت کو پہلا نمبر دیا تھا وہ یہ تھی کہ ان کی حکومت و اقتدار کو روز افزوں استحکام حاصل ہوتا چلا جائے۔چنانچہ شہروں کے آباد کرنے میں ان قبیلوں کو اولیت دی جاتی تھی جن سے انحراف اور مخالفت کا وہم تک نہ ہوتا ہو۔چنانچہ ان قبائل کو استحکام نہ دیا جاتا تھا۔جو خاندان ہاشم و عبدالمطلب و ابوطالب علیہم السلام سے متاثر یا وابستہ یا محبت و عقیدت رکھتے تھے۔لہٰذا یہ بات نہایت آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے مدینہ کی مرکزیت کو ترک کر کے کوفہ کو اپنا دارالخلافہ اس لئے بنایا تھا کہ کوفہ میں چن چن کر ثلاثہ اینڈ کمپنی نے حضرت علی علیہ السلام کے دشمن قبائل کو مستحکم کر دیا تھا۔اور حضور علیہ السلام کے لئے ضروری ہو گیا تھا کہ آپؑ بنفسِ نفیس کوفہ میں رہیں تا کہ وہاں کے لوگ آپؑ کے علم و اخلاق سے براہ راست مستفید ہوں اور انہیں خلفائے ثلاثہ کی سازشوں اور منصوبوں پر عملی اطلاعات حاصل ہوں اور حق و حقیقت کو قبول کرنے والے قلوب و اذھان سازشی انتظامات اور رشوت ستانی کے پروپیگنڈے سے باہر آسکیں۔چنانچہ ہم مختصراً یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کے کوفہ میں قیام و انتظام نے کوفہ کو وہ شہر بنا دیا تھا کہ جس نے رفتہ رفتہ قریشی حکومت و اقتدار کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی۔(تفصیلات ہماری کتاب مذہب شیعہ ایک قدیم تحریک اور ہمہ گیر قوت میں ملاحظہ فرمائیں) وہ کوفہ

ہی تھا جہاں کے باشندوں نے پانچ سال تک بلا کوئی معاوضہ، وظیفہ اور تنخواہ حتیٰ کہ راشن و رسد لئے ہوئے عہد نبویؐ کے مجاہدین کی طرح تیغ بکف میدان جنگ میں خلافت الٰہیہ کا دفاع کیا اور قریش کے پینتیس (35 سالہ) سال کے قاہرانہ و جابرانہ انتظام کو ہر قدم پر شکست فاش دی۔ان کی تنخواہ دار و مسلح افواج کو فرار پر مجبور کرتے رہے۔لاکھوں سورماؤں کو ہر میدان میں ڈھیر کر کے رکھ دیا۔ساری مملکت اسلام میں کوفہ شہر کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ہر صوبہ کے لوگ کوفہ کا نام سن کر لرزہ براندام ہو جاتے تھے۔انہیں محمد و آل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم سے والہانہ پیار تھا۔چنانچہ حضرت علی علیہ السلام کے بعد قریشی حکومتوں نے اہل کوفہ کو تباہ و برباد کرنے پر پورا پورا زور صرف کیا۔ہر ممکن ظلم و ستم روا رکھا۔ان کی افرادی و اجتماعی قوتوں کو فنا کرنے کے لئے پوری قریشی حکومت کا سرمایہ داؤ پر لگائے رکھا کوفہ پر ایسے ولدالزنا گورنروں کو تعینات کیا جاتا رہا جو علیؑ اور دوستدارانِ علیؑ کو قتل کرنا اسلام کی خدمت سمجھتے تھے۔جن کے مظالم سے خود دشمنانِ محمدؐ و آل محمدؐ چیخ اٹھے۔

علامہ احمد امین مصری نے لکھا ہے کہ:

1) ''پھر امام حسینؑ کو کربلا میں شہید کیا۔اس کے بعد چن چن کر اہل بیتؑ کو ذلیل و خوار کرایا۔کہیں انہیں قتل کیا،کبھی کوئی تہمت لگا کر ان کے ہاتھ پاؤں کٹوا دئے۔جس شخص پر انہیں شیعان علیؑ میں سے ہونے کا گمان ہوا۔اُسے قید کر دیا،اس کا مال و اسباب لوٹ لیا،اس کا گھر گروا دیا، عبیداللہ بن زیاد، قاتل حسینؑ کے زمانہ میں تو عرصہ حیات اُن پر تنگ ہو گیا تھا۔زیاد کے بعد حجاج آیا جس نے بہت بُری طرح انہیں قتل کیا اور ہر تہمت اور ہر سازش میں اُن کو پکڑا۔حتیٰ کہ اس کا یہ حال ہو گیا تھا کہ اگر کسی شخص کے متعلق اس کے سامنے کہا جاتا تھا کہ وہ زندیق یا کافر ہے تو یہ بات اُسے اس سے کہیں زیادہ گوارہ تھی کہ کسی شخص کے متعلق یہ کہا جائے کہ وہ شیعہ علیؑ میں سے ہے۔'' (فجر الاسلام صفحہ 771)

2) ''مدائنی کا بیان ہے کہ زیاد بن سمیہ شیعوں کو چن چن کر پکڑتا تھا۔کیونکہ اسے ان کا پورا حال معلوم تھا۔چنانچہ زیاد نے ہر پتھر اور ہر ڈھیلے کے نیچے قتل کیا اور ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ کاٹ کر انہیں انتہائی خوفزدہ کر دیا تھا۔اس نے ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھیریں۔انہیں کھجوروں کے تنوں پر سولیاں دیں۔انہیں منتشر کر کے عراق سے اس طرح ملک بدر کیا کہ وہاں کوئی مشہور و معروف شیعہ باقی نہ رہا۔'' (ایضاً صفحہ 772)

لیکن ان تمام مظالم کے باوجود کوفہ کے حق پرستوں نے باطل کو مٹا کر چھوڑا۔مخالفوں نے ایسا پروپیگنڈا کیا کہ خود شیعہ علما نے اہل کوفہ کو مشکوک سمجھ لیا اور یہ ضرب المثل جاری ہو گئی کہ '' اَلْکُوْفِیُ لَا یُوْفِیُ ''کوفہ کے باشندے وفادار نہیں ہوتے۔حالانکہ فداکاری کے ہر میدان میں صرف کوفہ ہی سب سے آگے نظر آتا ہے۔کربلا کے میدان میں شہید ہونے والوں کی زیادہ تعداد سب کو معلوم ہے۔بہر حال کوفہ و بصرہ کو علیؑ اور اولادِ علیؑ کی دشمنی کے لئے تیس پینتیس سال تک تیار کیا جاتا رہا لیکن یہ دونوں شہر دشمنانِ محمد و آل محمدؐ کے لئے ایک مستقل مصیبت بنے رہے اور آج بھی کوفہ عربوں کا وفادار و فداکار نہیں ہے نہ کبھی ہو سکے گا۔حضرت علی علیہ السلام کے اخلاق و اعمال کا اثر سرزمین کوفہ میں بڑی گہرائی تک اُترا ہوا ہے۔اس کا وہاں پیدا ہونے والی چیزوں سے نکل جانا آسان نہیں ہے۔ہم نے برابر محسوس کیا ہے کہ حضور علیہ السلام کی مذمتوں میں بھی انہیں کوفہ سے محبت کا ثبوت ملتا ہے اور یہ محبت برابر خاندان مرتضویؑ میں پائی جاتی ہے۔اور دوستدارانِ محمدؐ و آل محمدؐ برابر کوفہ، اھلیانِ کوفہ اور سرزمین کوفہ سے محبت و عقیدت رکھتے چلے آرہے ہیں۔دوسرے الفاظ میں یہ کہنا صحیح ہے کہ کوفہ ہر اس شخص کے دل میں اُسی تناسب سے آباد ہوتا گیا جس تناسب سے محبت محمدؐ و آل محمدؐ اس کے دل میں جاگزیں ہوتی گئی۔کوفہ اور باشندگان کوفہ میں شہادت امام حسین علیہ السلام کے بعد ایک خاص کیریکٹر اُبھرا تھا جو اُن کے تجربہ نے پیدا کیا تھا۔انہوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ آئندہ کبھی اور کسی حالت میں وہ میدان جنگ میں ڈھیر ہو کر نہ رہ جائیں گے۔بلکہ تحریک کو زندہ اور جاری رکھنے

کا انتظام پہلے کرکے مریں گے۔تاکہ ان کے ساتھ تحریک تشیع نہ مر جائے۔وہ ہر اس قائدومجاہد کا اس وقت تک ساتھ دیں گے جب تک انہیں کامیابی کی اُمید رہے گی اور قائدومجاہد کو تاکید کریں گے کہ ناکامی کی طرف ایک قدم بھی نہ اُٹھائے اگر قائد نے جذبہ فداکاری یا جوشِ محبت میں ایسا قدم اُٹھایا جو تحریک کو موت کے گھاٹ اُتار دے تو کوئی مجاہدین اُس قائد کو تنہا چھوڑ کر تحریک کے تحفظ میں لگ جائیں گے،خواہ وہ مجاہد اور اس قائد کے غلط ساتھی موت سے دوچار ہو جائیں۔اسی اصول کی پابندی تھی جس کی بنا پر امیر مختار یکہ وتنہا رہ کر شہید ہوگئے۔اسی وجہ سے زید بن امام زین العابدین علیہ السلام تنہا چھوڑ دئے گئے اور بڑی بری شکست وموت سے دوچار ہوئے۔کوئی ہر اُس شخص کی مدد کے لئے تیزی سے اٹھتے تھے جو آلِ محمدؐ کا انتقام لینے کے لئے اُٹھتا تھا۔خواہ وہ آلِ محمدؐ کے مرکز علیہ السلام کی طرف سے تعینات ہوا ہو یا سیاسی اقتدار کے لئے اٹھا ہو۔لیکن جیسے ہی وہ غلط قدم اٹھاتا تھا اسے کوئی شیعہ یکاوتنہا چھوڑنے میں ذرہ برابر تکلف نہ کرتے بلکہ وہ پہلے ہی سے اس انتظار میں رہتے تھے کہ مناسب ترین موقع آتے ہی نہایت تدبر سے اسے موت کے منہ میں جانے کے لئے چھوڑ دیں۔ایسے واقعات لگاتار پیش آئے جن میں کوئی فداکاروں نے بلارُو رعایت قائدین کو بے یارومددگار چھوڑا۔اور اپنوں اور پرایوں میں مشہور ہوگیا کہ کوفی وفا نہیں کرتے عین وقت پر اپنے قائدین سے دغا کرجاتے ہیں۔لیکن وہ لوگ یہ بات نہ سمجھے کہ کوفیوں کی وفا تحریک تشیع کے لئے وقف تھی نہ کہ ہر قائد بن جانے والے کے ساتھ۔انہوں نے اپنے پیہم عمل در آمد سے محبان وفداکارانِ آلِ محمدؐ کو تحریک تشیع کے تحفظ پر متوجہ رکھا اور بتایا کہ میدان جنگ ہو یا کوئی اور میدان ہو ہر میدان میں تحریک کا تحفظ، ترقی اور بقا پہلا نمبر رکھتا ہے۔تحریک کو کمزور یا مجروح کرنے والے شہداء بھی ان کی نظر میں حرام موت مرتے تھے۔بےعقلوں، پالیسی سے ناواقفوں اور جوشیلے تیغ آزمالوگوں نے تحریک کو ہمیشہ نقصان پہنچایا ہے۔ان کے یہاں دشمنانِ محمدؐ وآلِ محمدؐ کے ساتھ دغا،فریب اور بےوفائی لازم تھی۔وہ ان سے سچ بولنا حرام سمجھتے تھے۔ان کی یہ پالیسی ہی تھی جس نے غدارانِ اسلام کو تباہ کرکے رکھ دیا تھا اور خلافتیں رفتہ رفتہ ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہوگئی تھیں۔اور خود بُلا بُلا کر شیعوں کو وزارت وامارات واختیارات سونپنے پر مجبور ہوئی تھیں۔یہ کوفی یا تحریک تشیع کی پالیسی اور منصوبے تھے جو سقوطِ خلافت ثلاثہ کا باعث ہوئے۔اگر 300 ہجری میں شیعوں کو اجتہادی ڈگر پر نہ ڈال دیا گیا ہوتا تو 400 ہجری میں خلافت معصومین علیہم السلام نے اعلان کر دیا ہوتا اور حضرت حجۃ قائم قیامت محمدؐ بن حسن عسکری علیہم السلام نے خلافت الٰہیہ قائم کردی ہوتی۔لیکن شیعہ جمہور مجتہدین کی قیادت کے ماتحت آگیا اور تحریک تشیع انڈر گراؤنڈ یا غیبت کبریٰ میں چلی گئی۔

2۔ حضرت علیؑ خطبہ 102 میں کوفہ اور اھل کوفہ وغیرہ سے اپنی مستقل ہمدردی اور ان کے مخالفوں سے دشمنی ظاہر کرتے ہیں۔

کوفہ اور اہل کوفہ سے ہمارے اس تعارف کے بعد یہ سمجھنا مشکل نہ رہے گا کہ حضرت علی علیہ السلام کوفہ اور اہالیانِ کوفہ سے بحیثیت مجموعی ہمدردی رکھتے تھے اور کوفہ اور باشندگان کوفہ کے مخالفوں سے دشمنی کا مستقل جذبہ رکھتے تھے اور ہم سے بھی یہی توقع رکھتے تھے کہ ہم کوفہ کے متعلق دشمنوں کے پروپیگنڈے سے متاثر نہ ہوں بلکہ حقیقت کی تلاش میں لگے رہیں۔اور کوفہ والوں سے تعاون کریں۔لہٰذا اس خطبہ 102 کا ہر جملہ ہمیں اسی مقصد کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔اور بتاتا ہے کہ دشمنانِ کوفہ کوفہ والوں کے ساتھ وہی سلوک کریں گے جو چمڑے اور چمڑے سے بننے والے سامان کے ساتھ کاروباری لوگ یعنی چمار کرتے چلے آئے ہیں۔اس کے لئے آپؑ نے بازارِ عکّاظ کا نقشہ سامنے رکھا ہے۔مکہ کے نزدیک طائف اور نخلہ کے درمیان ماہ ذی قعد میں ایک میلا بھرا کرتا تھا جو حج کے بعد تک برقرار رہتا تھا اُسے عرصہ دراز سے بازارِ عکّاظ کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔وہاں یوں تو ہر قسم کا مال تجارت آتا اور بکتا تھا مگر بنیادی طور پر یہ چمڑے کی منڈی تھی یہاں مختلف جانوروں کے چمڑے مختلف حالتوں میں

لائے جاتے تھے اور دُور دُور کے چمڑے کے تاجر اس منڈی یا میلے یا بازار سے تھوک اور خوردہ چمڑا خرید کر لے جاتے تھے۔ یہاں پہلے سے دباغت شدہ چمڑا بھی ملتا تھا اور دباغت کے ماہرین وہاں بھی دباغت کا کاروبار کرتے تھے اور ساتھ کے ساتھ فوراً دباغت کر کے بھی چمڑا گاہکوں کو فراہم کرتے تھے۔ دباغت میں دو چیزیں خاص طور پر دیکھنے کی ہوتی تھیں اول یہ کہ کون کون سا رنگ چمڑے میں پیوست کیا گیا ہے اور دوم یہ کہ چمڑے میں کھینچنے سے بڑھنے اور صورت بدلنے کی گنجائش بالکل نہ رہے تاکہ جس چیز کو جو شکل اور سائز دیا جائے وہ مستقلاً برقرار رہے۔ اس میلے میں اور ہر میلے میں غپ شپ مارنے والے بھی آتے تھے۔ قصے کہانیوں اور پھبتیوں کی بھرمار بھی رہتی تھی شعرا اور تک بند لوگ بھی قصیدوں اور ھجو اور مذمت کا بازار گرم رکھتے تھے۔ عکاظ میں بھی یہ تمام بکواس ہوتی تھی۔ اس بازار میں عمر بن خطاب کی شرکت بھی دکھائی گئی ہے۔ حضرت علی علیہ السلام اسی بازار کی مثال دے کر کوفہ اور اہل کوفہ سے فرماتے ہیں کہ:

اَے کوفہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تجھے اس طرح کھینچا جا رہا ہے جس طرح عکاظ کے بازار میں چمڑے کے تاجر چمڑے کو کھینچ تان کر دیکھا کرتے ہیں۔ اور تجھے بھی اُسی طرح کُھرچا اور رگڑا جا رہا ہے جس طرح چمڑے کو تیار کرنے میں مختلف کروٹیں اور تبدیلیاں کی جاتی ہیں (خطبہ 102، جملہ 1)۔ مطلب یہ کہ ماہرین مذہبیات و سیاسیات طرح طرح کے ہتھکنڈوں سے تمہاری گنجائشوں کو جانچنے اور پہچاننے اور استعمال کے قابل بنانے میں مشغول رہیں گے تمہاری نفسیات اور اُفتادِ طبع کو آزمایا جائے گا۔ یعنی تمہاری شیعت اور محبتِ آل محمدؐ کی گنجائش و برداشت اور انتہا کا پتہ لگانے کے لئے تمہیں مختلف مصائب و آلام و آفات و آزمائشوں سے گذارا جائے گا اور بعض کو راحت و آسائش و چین کی زندگی سے لطف اندوز ہونے کا موقع دیا جائے گا۔ یعنی ہر وہ ٹیکنیک استعمال کی جائے گی جس سے انہیں اپنے اسکیموں اور عمل درآمد میں مدد ملے۔ یہاں قارئین سوچیں کہ اہل کوفہ کو اس جملہ (خطبہ 102، جملہ 1) سے یہ راہنمائی ملنا چاہئے کہ وہ دشمنوں کے اعمال و آزمائش کا ایسا ردّعمل پیش کریں کہ انہیں حقیقتِ حال معلوم نہ ہو سکے وہ ہر قدم پر دھوکہ کھائیں اور اہل کوفہ سے پُر امید رہیں پھر انہیں اپنے مقاصد کے لئے استعمال کریں اور ناکام و نامراد رہیں یعنی اہل کوفہ کا ردّعمل (Role) بہت مشکل تھا۔ کہیں انہیں بہت کمزور شیعہ بن کر دکھانا تھا اور دشمنوں کو امیدوں کے جال میں پھانسنا تھا۔ کہیں نہایت شدید شیعت دکھا کر انہیں مایوس کرنا تھا۔ کہیں ان سے دولت وصول کرنا تھی۔ کہیں اسلحہ لینا تھا اور کہیں خود سے مایوس کر کے ان کا راستہ روک دینا تھا۔ اور اہل کوفہ ہر دَور سے کامیاب گزرے اور دشمن ناکام رہے۔ ان ہی تمام حالتوں کی تعلیم اس خطبے میں دی گئی۔ یہ جو فرمایا کہ: ''تجھے تہہ و بالا کرنے کے لئے اپنی سواری بنالیا ہے'' (خطبہ 102، جملہ 1) مطلب یہ تھا کہ سواری بن جانا اور نہایت کامیابی سے ایسا پٹخنا کہ سارا پلان تباہ ہو کر رہ جائے۔

پھر فرمایا کہ: یقیناً مجھے وہ سب کچھ معلوم ہے جو جو برائیاں اور تکالیف پہنچانے کے لئے صاحبانِ اقتدار و جبروت تمہارے ساتھ کریں گے مگر یہ سمجھ لو کہ اس قسم کے لوگوں کو اللہ کسی نہ کسی مصیبت میں پھانس دے گا اور بجائے اس کے کہ وہ جابر و ظالم تمہیں آزمائے خود آزمائش میں پھانس دیا جائے گا اور یا کسی قاتل کے سپرد کر دیا جائے گا کہ قتل کیا جاوے (خطبہ 102، جملہ 3) اس جملے نے بھی اہل کوفہ کی حد بھر راہنمائی کی ہے وہ خود ایسے لوگ ساتھ میں ملاتے رہے جو وقت آنے پر داخلی دشمن کو قتل کر ڈالیں۔ چنانچہ کوفہ کا دارالامارہ اور تختِ حکومت وہ تھا جہاں برابر جابروں و ظالموں کے سر قتل ہونے کے بعد پیش کئے جاتے رہے۔ حضرت امیر مختار کے سامنے وہ تمام سر پیش ہوئے جو کربلا کے میدان میں ہیرو بنے تھے۔ پھر کوفی پالیسی کی خلاف ورزی کی وجہ سے وہ وقت آ گیا کہ مختار اور ان کے عارضی ساتھیوں کو شکست ہوئی اور وہ سب قتل ہو گئے۔ اور اب مختار کا سر

مصعب ابن زبیر کے سامنے پیش ہوا۔ پھر کوفی پالیسی کی بنا پر مصعب ابن زبیر کو شکست ہوئی اور مصعب ابن زبیر کا سر عبدالملک بن مروان کے سامنے پیش کیا گیا۔ یہ تمام واقعات 61ھ سے 71ھ تک دس سال میں رونما ہوئے اور یوں لوگ قاتلوں کے حوالے ہو کر قتل ہوتے رہے (خطبہ 102، جملہ 3)۔

3۔ کچھ اور مخالفین کوفہ جو قدرت کی انتقامی چکی میں پس گئے۔

اُن ہزاروں لوگوں میں سے چند سر برآوردہ لوگ جو زیر تشریح خطبہ (102) کی زد پر آئے اور بُری موت مر گئے۔

1) زیاد بن ابیہ نے کوفہ والوں پر تمام ممکن سختیاں اور مظالم کئے تھے اور چاہا تھا کہ وہ حضرت علی علیہ السلام پر اہل کوفہ سے تبرا کرائے اور یہ ارادہ کرتے ہی اس پر فالج گرا اور ساتھ ہی طاعون میں مبتلا ہو گیا اور بستر پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جان دی اور اپنی سفاکیوں کا نشانہ بن کر رہا۔

2) عبیداللہ ابن زیادہ مرض کوڑھ میں مبتلا ہوا اور آخر تلواروں سے چُور چُور کر ڈالا گیا۔

3) حجاج ابن یوسف کو اللہ نے سانپوں کی خوراک بنا دیا اس کے پیٹ میں سانپ اور کیڑے پیدا ہو گئے اور تڑپ تڑپ کر مر گیا۔

4) عمر ابن ھبیرہ مرض برص سے مرا۔

5) خالد قسری نے قید و بند میں زندگی بسر کی اور بُری طرح مارا گیا۔

6) مصعب ابن زبیر۔ اور

7) یزید ابن مہلب بھی تلواروں کی نذر ہو کر مرے۔ یعنی کوفہ ظالموں اور جابروں کے لئے پیغام موت و ذلت رہا ہے۔ کوفہ ہی وہ شہر ہے جہاں سے حنفیوں کے دین کی بنیاد اٹھائی گئی جہاں ابوحنیفہ نے زید کی تائید میں فتاویٰ دیئے اور نصرت کی۔

4۔ خاندانِ رسولؐ میں چھ سال تک سوگ منایا گیا، ہنسنا مسکرانا اور آرائش و زیبائش و کنگھی کرنا تک حرام رہا یہاں تک کہ عبیداللہ ابن زیاد کا سر پہنچا

ووجّہ برأس عبیداللّٰہ بن زیاد اِلٰی علیؑ بن الحُسین الی المدینة مع رجل من قومه وقال له قف بباب علیؑ بن الحسینؑ ...الخ(جلد صفحه 259)

2) وروی بعضهم اَنّ علیؑ بن الحسینؑ لَم یُرضاحگا یومًا قط منذقُتل ابوه الا فی ذلک الیوم ،وامتشطت نساً آلؑ رسوؐل اللّٰه و اختضبن.وَمَا امتشطت امراه ولاَ اختضبت مُنذ قتل الحسینؑ بن علیؑ"(ایضًا صفحه 259)

تاریخ یعقوبی کی رُو سے 66ہجری میں مختار بن ابی عبید الثقفی نے عبیداللہ ابن زیاد کا سر اور دیگر بہت سے قاتلوں کے سر حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں مدینہ بھجوائے تھے۔ اُسی روز سے خاندانِ رسولؐ میں مردوں اور مستورات کا سوگ کُھلا تھا اور چہروں نے مسکراہٹ کو حاصل کیا تھا۔ سر لانے والے نے بلند آواز سے پکارا تھا کہ: نادی بِاَعلٰی صوته .یا اَهل بیت النبوّة و معدن الرسالة و مهبط الملائكة و منزل الوحی انا رسول المختار بن ابی عبید معی راس عبیدالله بن زیاد.

اے نبوت کے اہلبیتؑ، اَے رسالتؐ کے مخزن، اے ملائکہ کے نزول کی جگہ والو اَے وحی کے نازل ہونے کی منزل والو! میں مختار کا قاصد ہوں اور عبیداللہ ابن زیاد کا سر لایا ہوں۔

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر: 49

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 49

خُطبہ ﴿103﴾

ذات خداوندی کی عظمت اور ہمہ گیری۔ ایسی ذات کہ جس کا انکار کرنے والا بھی دل میں اقرار کرتا ہے۔ عقل وفہم کی حدود سے باہر رہنے والی ہستی۔ اس کو مخلوقات سے تشبیہ دینے والے باطل پرست ہوتے ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلْـحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی بَطَنَ خَفِيَّاتِ الْاُمُوْرِ،	1	تمام ستائش اس اللہ کیلئے ہے جو چھپے ہوئے حالات کے اندر بھی اترا ہوا ہے۔
وَدَلَّتْ عَلَيْهِ اَعْلَامُ الظُّهُوْرِ؛	2	اور ظاہر اور واضح نشانیاں اس کے موجود ہونے پر دلیل بنتی ہیں۔
وَامْتَنَعَ عَلٰى عَيْنِ الْبَصِيْرِ؛	3	اور دیکھنے والوں کی آنکھوں سے اس کا دیکھ لیا جانا منع کیا ہوا ہے۔
فَلَاعَيْنُ مَنْ لَمْ يَرَهُ تُنْكِرُهُ ؛	4	اس کے باوجود جو آنکھیں اسے نہیں دیکھتیں وہ بھی اس کے موجود ہونے کا انکار نہیں کرسکتیں۔
وَلَا قَلْبُ مَنْ اَثْبَتَهُ يُبْصِرُهُ ؛	5	اور نہ کوئی ایسا قلب ہے جو اس کے وجود کو ثابت کرتا ہو وہ اس کو دیکھ بھی سکتا ہو۔
سَبَقَ فِي الْعُلُوِّ فَلَاشَيْءَ اَعْلٰى مِنْهُ؛	6	وہ اپنی بلندی میں سب بلند چیزوں اور بلندیوں سے سبقت رکھتا ہے لہٰذا کوئی چیز اس سے بلند تر ہو ہی نہیں سکتی ہے۔
قَرُبَ فِي الدُّنُوِّ فَلَا شَيْءَ اَقْرَبُ مِنْهُ ؛	7	قربت کے معاملے میں بہت قریب ہے مگر اس سے قریب تر کوئی چیز نہیں ہے۔
فَلَا اسْتِعْلَاؤُهُ بَاعَدَهُ عَنْ شَيْءٍ مِّنْ خَلْقِهِ	8	اسکی بلندی اور بالا دستی نے اسے اپنی مخلوق میں سے کسی چیز سے دور نہیں کردیا ہے
وَلَا قُرْبُهُ سَاوَاهُمْ فِي الْمَكَانِ بِهِ ؛	9	اور نہ اس کی قربت نے اسے کسی جگہ اس کی مخلوق کے برابر کردیا ہے۔
لَمْ يُطْلِعِ الْعُقُوْلَ عَلٰى تَحْدِيْدِ صِفَتِهِ؛	10	اللہ نے عقلوں کو اپنی صفات کی حد بندی پر مطلع نہیں کیا ہے۔ یعنی صفات خداوندی کو محدود کرنے والا جاہل ہوتا ہے۔
وَلَمْ يَحْجُبْهَا عَنْ وَاجِبِ مَعْرِفَتِهِ ؛	11	اور اس کی ضروری معرفت حاصل کرنے کی راہ میں پردے بھی نہیں ہیں۔
فَهُوَ الَّذِی تَشْهَدُ لَهُ اَعْلَامُ الْوُجُوْدِ ؛	12	وہ ایسی ہستی ہے کہ جس کے وجود کی نشانیاں ایسی گواہی دیتی ہیں کہ:
عَلٰى اِقْرَارِ قَلْبِ ذِی الْجُحُوْدِ؛	13	انکار کرنے والے کا دل بھی اقرار کئے بغیر نہیں رہتا ہے۔
تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يَقُوْلُ الْمُشَبِّهُوْنَ بِهِ ؛	14	اللہ ان لوگوں کے اقوال سے بہت ارفع واعلیٰ ہے جو اللہ کو تشبیہات کے وسیلے سے

		بیان کیا کرتے ہیں۔
وَالْجَاحِدُوْنَ لَهُ عُلُوًّا كَبِيْرًا ؛	15	اور یوں اس کی بزرگی اور بڑائی کا انکار کیا کرتے ہیں۔

تشریحات:

تشریحات میں ہماری عاجزی قابل ذکر ہے

ذاتِ خداوندی کے متعلق دماغ میں کوئی اور کسی قسم کا تصور رکھنا باطل ہے اس لئے کہ تصور ماڈی چیزوں کا ہوا کرتا ہے۔

چنانچہ ہم یہ کہتے ہیں کہ: اللہ وہی ہے اور ویسا ہی ہے جیسا کہ محمدؐ اور دوازدہ آئمہ علیہم السلام نے مانا ہے اور ہمیں یہی حکم دیا گیا ہے کہ ہم یوں کہا کریں کہ: ''ہم محمدؐ و آل محمدؐ کے اللہ پر ایمان لاتے ہیں۔''

ہمیں اللہ کی ذات وصفات پر کوئی بیان نہ دینا چاہئے۔ کیونکہ اللہ کی ذات وصفات بیان کرنا صرف حضرت علی اور آئمہ علیہم السلام ہی کو زیب دیتا ہے اور ہم اللہ کے متعلق جو کچھ کہہ سکتے ہیں وہ وہی کچھ ہوتا ہے جو ہم نے اپنی ناقص ومحدود عقل سے ان حضرات علیہم السلام کے بیانات سے سمجھا اور اپنے ذہن میں محفوظ رکھا ہوتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ سمجھنا چاہیے کہ جو کچھ ہم نے سمجھا اس میں ہماری عقل کی خامی موجود رہتی ہے یعنی ہوسکتا ہے کہ ہم غلط سمجھے ہوں یا سمجھے تو صحیح ہوں لیکن ذہن کے اندر محفوظ رکھنے میں ہم سے غلطی یا کوتاہی ہوگئی ہو یا ذہن میں تو صحیح تصور تھا لیکن اس تصور کو الفاظ کا جامہ پہنانے میں ہماری بے بضاعتی آڑے آ گئی ہو۔ مختصراً یہ کہ ہمارے الفاظ اور بیانات کو آخری بات اور سند نہ سمجھیں بلکہ حضرت علی علیہ السلام کی بات سمجھنے میں اگر مدد ملتی ہو تو ضرور مدد لیں۔ ساتھ ہی حضرت علی علیہ السلام کا بیان فرمایا ہوا یہ اصول کبھی نہ بھولیں کہ ''عقلیں ذاتِ خداوندی اور صفاتِ خداوندی کی حد بندی اور انتہا پر مطلع نہیں ہیں'' (خطبہ 103، جملہ 10)۔ لہٰذا اپنی یا کسی اور خاطی کی عقل کے کسی فیصلے کو ذات وصفاتِ خداوندی پر حجت نہ بنائیں اور صرف ان لوگوں کی باتوں پر توجہ دیں جو بار بار اپنی عقل کو محدود و عاجز قرار دیتے ہوئے پائے جائیں۔ اور حضور علیہ السلام نے یہ بھی واضح فرما دیا ہے کہ ''جو معلومات ضروری اور لازمی ہوتی ہیں ان تک پہنچنے میں کوئی رکاوٹ اور دقت نہیں ہے'' (خطبہ 103، جملہ 11)۔ مثال کے طور پر اللہ کے خالق کائنات ہونے، موت وزیست فراہم کرنے میں اور اللہ کو رحیم و کریم سمجھنے میں کوئی بحث ضروری نہیں ہے۔ عوام الناس جن صفاتِ خداوندی کو مانتے چلے آرہے ہیں۔ ان کے صحیح ہونے میں یا ان کو صحیح سمجھنے میں کوئی خلجان پیدا نہیں ہونا چاہیے۔ جہاں جہاں اور جن معاملات میں علما الجھاؤ پیش کرتے ہیں ان پر ہرگز توجہ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ یعنی وہاں علما اپنی اپنی مصلحتوں کو منوانے کے لئے بحثیں نکالتے اور عوام الناس کو موڑنے اور اپنے گروہ میں شامل کرنے کے لئے نکتہ آفرینی کرتے ہیں۔ لہٰذا اللہ کے متعلق موٹی موٹی اور ضروری و عام فہم تصورات میں مزید غور و فکر انسان کو گمراہ کرنے کے لئے پیش کیا جاتا ہے۔ جو بحثیں گمراہ کرنے والے علما نکالتے ہیں ان میں دیکھنا یہ چاہئے کہ جو پہلو علما منوانا چاہتے ہیں وہ پہلو اللہ کی کسی اور معلوم ومشہور صفت میں مداخلت کر کے اس صفت کو غلط تو ثابت نہیں کرتا ہے۔ مثلاً آپ کے سامنے کسی عالم کا یہ قول آتا ہے کہ ''اللہ ہر چیز پر قادر ہے'' یہ قول اگر اسی حد میں رہے تو اس میں نہ کوئی غلطی ہے اور نہ گمراہی کا اندیشہ ہے۔ اللہ کو بلاشبہ اپنی ہر مخلوق پر قدرت ہونا چاہئے ورنہ مخلوقات اللہ کے اختیار سے باہر نکل جائیں گی۔ جو غلط اور گمراہ کن بات ہے۔ لیکن اگر علما یہ کہتے کہتے کہ ''اللہ ہر چیز پر قادر ہے'' یہ بھی کہنے لگیں کہ ''اللہ ہر کام کرنے پر قادر ہے'' تو یہ قول قابل غور ہے اسے سمجھے بغیر مان لینا گمراہ کر دے گا۔

مثلاً اگر ہم یہ مان لیں کہ ''اللہ ہر کام کرنے پر قادر ہے'' تو ہر کام کہتے ہی اس میں غلط کام'' بھی آجائیں گے تو گویا ہم نے یہ بھی مان لیا کہ معاذ اللہ اللہ جھوٹ بھی بول سکتا ہے۔2۔اللہ غلطی بھی کر سکتا ہے۔3۔اللہ بے قصور انسان کو جہنم میں بھی بھیج سکتا ہے۔4۔اللہ یزید کو جنت عطا کر سکتا ہے۔ 5۔اللہ جانوروں کا روپ دھار سکتا ہے۔6۔اللہ آدمی کی صورت میں ہمارے سامنے آسکتا ہے۔ایسی تمام باتیں اللہ کے متعلق غلط باطل اور گمراہ کن ہیں اس لئے کہ ان سے اللہ کے علم کی نفی ہوتی ہے۔اللہ کی ہمہ گیری باطل ہوتی ہے۔اللہ کا سمیع وبصیر وعلیم ہونا ضائع ہوجاتا ہے۔اللہ پر وعدہ خلافی کا الزام آتا ہے۔اللہ کا خود اپنے بنائے اور بتائے ہوئے قوانین کی خلافت ورزی کرنا ثابت ہوتا ہے۔لہٰذا علما کا یہ قول کہ ''خدا قادر مطلق ہے'' گمراہ کرنے کے لئے گھڑا گیا ہے۔اس کی گمراہی لفظ ''مطلق'' میں چھپادی گئی ہے۔اور اسی قسم کے بہت سے الفاظ ہمارے گمراہ کرنے کے لئے علما نے تیار کئے ہیں۔علما کا توڑ کرنے کے لئے ان سے کہیے کہ ہمیں معصومؑ راہنماؤں نے یہ بتایا ہے کہ اللہ کے متعلق تم وہ باتیں کہہ سکتے ہو جو قرآن میں مذکور ہیں (کافی) لہٰذا اگر اللہ نے قرآن میں خود کو کہیں ''قادر مطلق'' فرمایا ہے تو وہ آیت پڑھ کر سنایئے یا اس سورت اور آیت کا نمبر اور اَتا پتا بتایئے جہاں پر ''قادر مطلق'' کا جملہ آیا ہو؟ بس یہ کہتے ہی علما کے ہوش وحواس خطا ہوجائیں اور ان کی خطا وسازش واضح ہوجائے گی۔علما نے امت کو گمراہ کرنے کے لئے قرآن میں مذکورہ آیات والفاظ کے ساتھ ایسے الفاظ گھڑ کر لگا دیئے ہیں جو سننے اور پڑھنے میں دیدہ زیب وپسندیدہ لگتے ہیں لیکن وہ تمام الفاظ شیطانی یا ابلیسی تعلیم سے لئے گئے ہیں۔مثلاً قرآن نے لفظ ''فرض'' یا ''فریضۃ'' استعمال کیا ہے۔اسی طرح اور اسی وزن کا لفظ ''واجب'' جو اکثر دینی مسائل میں استعمال ہوتا ہے۔علما نے ان الفاظ کو الٹ پلٹ کرنے اور ردّوبدل کرنے کے لئے ان کے ساتھ خود ساختہ الفاظ اپنی طرف سے لگا دیئے ہیں جیسے لفظ۔1۔کفائی۔2۔عینی۔3۔تعینی۔4۔تخییری۔5۔مضیق۔6۔مطلق۔7۔مشروط۔8۔مقید۔ 9۔شرعی۔10۔عقلی۔11۔توصلی۔وغیرہ یہ الفاظ ساتھ لگا دینے سے شیعہ سنی دونوں قسم کے علما اللہ ورسولؐ کے بیان کردہ مطالب کو بدل دیتے ہیں، الٹ دیتے ہیں اور جو چاہتے ہیں وہ جاری کر دیتے ہیں۔علما کے فریب اور دھوکوں سے بچنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ ان کی گفتگو اور جملوں میں استعمال ہونے والے الفاظ پر نظر رکھی جائے اور موقع بموقع ان الفاظ پر سوالات کئے جانا چاہئیں۔مثلاً فلاں لفظ قرآن میں کہاں استعمال ہوا ہے؟ انہیں قرآن سے وابستہ کرنا چاہئے وہ قرآن کی لفظ بار بار بولنے والوں سے اُسی طرح گھبراتے ہیں جس طرح شیطان لاحول سے گھبراتا ہے۔ لہٰذا انہیں نہج البلاغہ اور قرآن کی مار دینا چاہیے تاکہ وہ آپ کو گمراہ نہ کرسکیں اور آپ سے خوفزدہ ہوجائیں۔وہ ایسے لوگوں سے ہٹ کر بچ کر رہا کرتے ہیں جو قرآن کا ذکر کرتے ہوں۔

2۔اللہ کی واضح نشانیاں جن سے خود اللہ کے وجود کا ثبوت ملتا ہے۔

حضور علیہ السلام نے اللہ کی ہمہ گیری بیان کرنے کے لئے ایک یہ پہلو بیان فرمایا ہے کہ کوئی ایسی حالت تسلیم نہیں کی جاسکتی جو اللہ تعالیٰ کے علم ووجود سے خالی ہو۔خواہ وہ حالت سب پر ظاہر ہو یا پوشیدہ ہو۔خواہ وہ دلوں اور دماغوں اور سینوں کے اندر کے خیالات ہوں یا پوشیدہ اسکیمیں اور منصوبے ہوں۔یا کسی کے خلاف کسی کی سازشیں ہوں۔یعنی قریش اور قریش کے ہمنوا لوگوں کو خبردار رہنا چاہئے اور یقین رکھنا چاہئے کہ ان کے خفیہ منصوبے اللہ پر اور اللہ کے جانشین پر پوشیدہ نہیں ہیں۔اور اللہ اور اللہ کے جانشین کا ثبوت دینے کے لئے منہ بولتے نشانات اور ثبوت چاروں طرف بکھرے ہوئے ہیں (خطبہ 103، جملہ 2،12) اللہ کے وجود کا ثبوت دینے کے لئے یہ آسمان، یہ چاند، یہ سورج اور ستارے اور زمین وصحرا اور ریگستان اور پہاڑ ودریا اور سمندر موجود ہیں جن کو نہ انسان نے پیدا کیا نہ انسان ان سے پہلے موجود تھا۔اور نہ کوئی اور مخلوق ایسی ممکن ہے جس نے

اُن کو وجود بخشا ہو یا جو اُن پر قدرت رکھتا اور جانشینِ خداوندی ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ علی علیہ السلام ہی تنہا وہ ہستی ہیں جو اللہ سے دو ٹوک تعارف کراتے ہیں اور اس کی قدرت وعظمت وشان کو سامنے لے آتے ہیں۔اور ہر دیکھنے والے کی آنکھ اور بصارت کی تخلیق سے مطلع اور ان کی گنجائش سے آگاہ ہیں وہی جانتے ہیں کہ ہر آنکھ اللہ کو دیکھنے سے عاجز ہے اور ہر آنکھ اللہ کو دیکھے بغیر بھی اتنا کچھ دیکھتی رہی ہے کہ وجود خداوندی کا انکار اس کے بس کی بات نہیں(خطبہ 103، جملہ 3،4)ایسے حقائق سے لبریز بیانات صرف خلیفہ خداوندی اور حجت اللہ فی العالمین ہی بیان کر سکتا ہے۔اور وہی وہ ہستی علیہ السلام ہے جو لوگوں کے دلوں، دلوں کی قوتِ عمل وگنجائش پر آخری بیان دے سکتا ہے(خطبہ 103، جملہ 5)حضرت علی علیہ السلام ہی وہ ہستی ہوسکتی ہے۔جو اللہ سے اللہ کی بلندیوں اور بزرگیوں سے اتنا قریب ہو اور جو باقی تمام مخلوقات کی حیثیت و ماہیت پر ایسی مطلع ہو کہ یہ بتا سکے کہ اللہ اپنی بلندی اور بزرگی میں تمام مخلوق سے بلند تر ہے مگر دور تر نہیں اور کوئی مخلوق ایسی نہیں جو اللہ سے قریب تر ہو (خطبہ 103، جملہ 6،7)اور یہ کہ اللہ کی بلندی اسے مخلوق سے دور نہیں کرتی یا یہ کہ مخلوق سے اس کا فاصلہ نہیں بڑھاتی اور نہ اللہ کا قرب اسے مخلوقات کے برابر کرتا ہے(خطبہ 103، جملہ 8،9) قارئین کے سوچنے کی بات یہ ہے کہ جو اطلاعات حضرت علی علیہ السلام انسانوں کو فراہم کر رہے ہیں وہ کسی آسمانی کُتب سے پڑھ کر نہیں سُنا رہے ہیں۔لہٰذا ان اطلاعات کے لئے ماننا ہوگا کہ یہ حضور علیہ السلام کی ذاتی اطلاعات ہیں اور اسی اصول پر منحصر ہیں جس اصول پر اللہ نے حضرت علی علیہ السلام کو رسالت محمدؐیہ پر اپنے برابر کا گواہ بنایا(رعد 13/44) پھر حضرت علی علیہ السلام تمام منکرینِ خداوندی کی قلبی کیفیات کے عالم ہونے کا ثبوت یہ فرما کر دیتے ہیں کہ ''لوگ زبان سے انکار کر دیتے ہیں مگر ان کے دل اللہ کے موجود ہونے کا اقرار کرتے ہیں(خطبہ 103، جملہ 13)۔

3۔ اکثر علما جو خدا کی صفات اور وجود کے ثبوت پر گفتگو کرتے ہیں ان کی گفتگو انکار خداوندی پر منتج ہوتی ہے۔

قارئین کو ان علما سے خبردار رہنے کا تقاضہ فرمایا ہے جو اپنے خیال میں اللہ کے وجود اور صفات کے قائل ہوتے ہیں۔مگر جب لوگوں کے سامنے اللہ کے وجود وصفات کا بیان دیتے یا لکھتے ہیں تو وہ ایسی مثالیں اور تشبیہات بیان کر دیتے ہیں جن سے اللہ کے وجود کی نفی ہو جاتی ہے(خطبہ 103/14-15)اور یہ وہی علما ہوتے ہیں جو اللہ کا سہارا لے کر اپنے باطل عقائد کو صحیح ثابت کرنے میں کوشاں ہوتے ہیں۔چونکہ یہ علما اکثر نظامِ اجتہاد سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کے لیڈر و راہنما خاطی انسان ہوتے ہیں۔اس لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ علما انبیاءؑ ورسل وآئمہ علیہم السلام کو ممکن الخطا مانیں۔تاکہ ان کے خاطی لیڈر بھی انبیاءؑ ورسلؑ کے جانشین بنائے جاسکیں۔اور وہ تمام غلطیوں، لغزشوں کو اللہ کی صفات کے پردے میں ان لیڈروں کے بجائے اللہ کے ذمہ لگا سکیں۔کہیں تقدیر ومشیت کی آڑ میں، کہیں بشریت واجتہاد کی آڑ میں اللہ سے چپکا سکیں۔وہ ان لیڈروں کو بچانے کے لئے یہ مانتے ہیں کہ اللہ اجتہادی غلطی کرنے والوں کو بھی ثواب عطا کرتا ہے اور مجتہدانہ غلطیاں، قتل وغارت کرنے والوں کو بھی جنت میں بھیجے گا اس لئے تمام صحابہ کو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔وہ قاتل کو بھی جنتی کہتے ہیں اور مقتول کو بھی جنت کا حق دار سمجھتے ہیں اور تمام گناہ اللہ کے سر لگا دیتے ہیں۔

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 50

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 50

خُطبہ《104》

1۔فتنوں کے پیدا ہونے کے اسباب میں سے ایک سبب ذاتی یا جماعتی یا قومی خواہشوں اور مصلحتوں کی پیروی ہے۔2۔دوسرا سبب قرآن سے ہٹ کر ذاتی یا جماعتی یا قومی ضرورتوں اور تقاضوں کے ماتحت احکام گھڑنا اوران پرعمل کرنا ہوتا ہے۔3۔اگرحق خالص طور پر سامنے ہوتا تو بے راہ روی کی گنجائش نہیں رہتی۔4۔اوراگر خالص باطل سامنے ہوتو کوئی اس پر عمل نہ کرے۔ 5۔گمراہی پھیلانے والے حق اور باطل کو بڑے تدبر سے ملا دیتے ہیں لوگ اس مجموعہ یا مکسچر کو حق سمجھ کرعمل کرنا شروع کردیتے ہیں۔6۔خالص باطل دوقدم بھی نہیں چل سکتا اس لئے لیڈر یا علما حضرات باطل کو حق کی ٹانگیں فراہم کردیتے ہیں اور باطل حق کے پیروں سے چلنا شروع کردیتا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اِنَّمَا بَدْءُ وُقُوْعِ الْفِتَنِ اَهْوَآءٌ تُتَّبَعُ ؛	1	حقیقت یہ ہے کہ امتوں میں فتنوں کو پیدا کرنے والی وہ ذاتی یا جماعتی یا قومی خواہشیں یا مصلحتیں ہوا کرتی ہیں جن کی پیروی کی جاتی ہے۔
وَاَحْكَامٌ تُبْتَدَعُ؛	2	اور وہ احکام بھی فتنے پیدا کرتے ہیں جو ذاتی یا جماعتی یا قومی خواہشوں کو پورا کرنے کیلئے۔
يُخَالَفُ فِيْهَا كِتَابُ اللّٰهِ؛	3	اللہ کی کتاب کے خلاف گھڑلئے جایا کرتے ہیں اوران پرعمل کیا جاتا ہے۔
وَيَتَوَلّٰى عَلَيْهَا رِجَالٌ رِجَالًا عَلٰى غَيْرِ دِيْنِ اللّٰهِ ؛	4	اور جنہیں ساری امت پر نافذ کرنے کے لئے کچھ لوگ باقی لوگوں پر دین خداوندی کے علاوہ حاکم بنالئے جاتے ہیں۔یعنی وہ احکام بھی دین اور قرآن کے خلاف ہوتے ہیں اور وہ حاکم بھی دین اور قرآن کے خلاف مقرر کئے جاتے ہیں۔
فَلَوْ اَنَّ الْبَاطِلَ خَلَصَ مِنْ مِزَاجِ الْحَقِّ لَمْ يَخْفَ عَلَى الْمُرْتَادِيْنَ ؛	5	چنانچہ اگر باطل حق کی ملاوٹ کے بغیر خالص ہوتا تو حق کے طلبگار اور متلاشی لوگوں پر باطل کا باطل ہونا پوشیدہ نہ رہ سکتا تھا۔یعنی انہیں مغالطہ نہ ہوتا اور وہ باطل کو فوراً پہچان لیتے
وَلَوْ اَنَّ الْحَقَّ خَلَصَ مِنْ لَّبْسِ الْبَاطِلِ، انْقَطَعَتْ عَنْهُ اَلْسُنُ الْمُعَانِدِيْنَ ؛	6	اوراسی طرح اگرحق بھی باطل کے میک اپ(Makeup) کے بغیر خالص سامنے آجاتا تو دشمنان حق کی زبانیں کٹ کررہ جاتیں یعنی وہ فریب کاری کی باتیں کرہی نہ سکتے۔
وَلٰكِنْ يُّؤْخَذُ مِنْ هٰذَا ضِغْثٌ، وَمِنْ هٰذَا ضِغْثٌ فَيُمْزَجَانِ؛	7	ولیکن دشمنان حق کرتے یہ ہیں کہ ایک موزوں ومناسب مقدار میں حق کو لیتے ہیں اوراسی حساب سے باطل کی مقدار لیتے ہیں پھر دونوں کو بڑے تدبر سے ملا دیتے ہیں لہٰذا خالص

		حق اور خالص باطل کی جگہ یہ نیا تیار کردہ مکسچر سامنے آتا ہے۔
فَهُنَالِكَ يَسْتَوْلِي الشَّيْطَانُ عَلٰى اَوْلِيَآئِهٖ ؛	8	بس یہی وہ صورت حال ہوتی ہے جہاں سے ابلیس اپنے گماشتوں کے اوپر چھا جاتا ہے اور وہ غلط مفاہیم کو حق سمجھ کر قبول کر لیتے ہیں۔
وَيَنْجُو الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَ اللّٰهِ الْحُسْنٰى.	9	اور جن لوگوں پر پہلے سے اللہ نے اچھائیاں اور قومی پالیسیاں واضح کر رکھی ہیں وہ اس صورت حال سے بچ جاتے ہیں۔

تشریحات:

نظام اجتہاد کی مکمل اور تفصیلی تردید وابطال۔

اس خطبہ سے یہ سیکھنا چاہئے کہ کسی مسلمان کو اپنی یا کسی اور کی خواہش اور ضرورت اور تقاضہ کی پیروی کے لئے قرآن کو آلہ کار بنا کر اپنے یا کسی اور کے مفاد میں احکام نہیں گھڑنا ہیں اور خالص قرآن (مائدہ 47 تا 44 /5) کے الفاظ میں اللہ کے نازل کردہ احکام پر عمل کرنا ہوگا۔ خواہ فائدہ ہو یا نقصان ہو۔ اور ایسا ارادہ کرتے ہی یا یہ بات مانتے ہی نظام اجتہاد باطل ہو جاتا ہے۔ اور ساتھ ہی غلط مفاھیم واحکام اخذ کرنے کی ترکیب بھی معلوم ہو جاتی ہے (فرقان 31 تا 25/30، انعام 6/66)۔

تشریحات قریشی پالیسی اور دین سازی۔

یہ خطبہ ایک نمایاں سبق یہ دیتا ہے کہ خواہشوں اور مصلحتوں کے ماتحت دین کی کسی بات یا حکم کو تبدیل کر کے اپنی یا کسی کی خواہش یا مصلحت کو پورا کرنا خالص بے دینی ہے۔ چنانچہ اپنی ہر ضرورت ہر خواہش اور ہر مصلحت کو نظر انداز کر کے وہ طریقہ اختیار کرنا ہوگا جو قرآن میں اللہ نے بتایا ہو۔ اور ہر ضرورت اور ہر مصلحت قرآن کے سامنے پیش کرنا ہوگی اور جو حکم قرآن سے ملے اسے لفظ بلفظ اختیار کرنا ہوگا۔ اور اگر تمہیں تمہاری ضرورت اور مصلحت پر قرآن میں واضح حکم یا تدارک نہ ملے تو پھر قرآن سے یہ دریافت کرنا ہوگا کہ وہ کون شخص ہو سکتا ہے جسے قرآن سے ہر ضرورت اور ہر مصلحت پر ضرور واضح حکم ملے گا۔ یعنی وہ کون شخص ہے جس کے روبرو ساری امت اپنی اپنی احتیاج وضرورت اور مصلحتوں کو پیش کرے گی اور جس کا ہر فیصلہ یا حکم بالکل اللہ، رسولؐ اور قرآن کا فیصلہ یا حکم ہوگا؟ اگر اس طرح قرآن کو راہنما نہ بنایا گیا اور قرآن سے معلوم کئے بغیر ہر شخص نے خود ہی اپنے لئے ایک طریقہ اور رویہ اختیار کر لیا تو قرآن سے ایسے طریقہ اور رویہ کے لئے فیصلہ لینا ہوگا۔ اگر وہ ہر شخص کو آزادی دے دے تو یہ طریقہ اور رویہ حق بجانب ہوگا ورنہ باطل ہوگا۔

2۔ نزولِ قرآن کے دوران اور عہد رسولؐ میں ساری امت کا راہنما کون تھا؟

لہٰذا یہ سمجھنا ہر حال میں ضروری ہے کہ قرآن کس کو اللہ کی طرف سے پوری اُمت کا راہنما بتاتا ہے؟ اور قرآن سے راہنمائی حاصل کرنے کے لئے قرآن کیا اصول مقرر کرتا ہے؟ اور وہ اصول ایسا ہونا چاہئے کہ خود رسولؐ اللہ کی سربراہی اور راہنمائی بھی اس کے ماتحت آنا اور رہنا چاہئے اور پھر ساری امت پر لازم ہوگا کہ اپنی تمام ضرورتوں کو اُس اصول کے ماتحت قرآن کے بتائے ہوئے راہنما کے سامنے پیش کرنا اپنا فریضہ قرار دے لے اور قیامت تک اس کی خلاف ورزی نہ کرے۔

3۔ اصولی حیثیت سے بھی اور بہت سی آیات سے بھی عہدِ رسوؐل یا حیاتِ رسوؐل میں رسوؐل ہی ساری امّت کے راہنما تھے۔

اصولی طور پر ہر رسوؐل اللہ کا نمائندہ ہونے کی بنا پر ساری امّت کا راہنما ہوتا ہے اور اس کی موجودگی میں امّت کے کسی فرد کو یہ حق نہیں ہوتا کہ وہ راہنمائی کا مقام خود ہی حاصل کر لے۔ لہٰذا امّت کے ہر فرد کو رسوؐل سے رجوع ہونا لازم ہے اور رسوؐل کے ہر فیصلے اور حکم کو دل کی گہرائی اور رضا مندی کے ساتھ صحیح ماننا اور اس کی تعمیل واطاعت کرنا بھی لازم ہے۔ چنانچہ اللہ نے قرآن میں یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ: فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوۡکَ فِیۡمَا شَجَرَ بَیۡنَهُمۡ ثُمَّ لَا یَجِدُوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیۡتَ وَیُسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًاO (نسا 4/65)

''قسم ہے اَے محمدؐ! تمہارے پروردگار کی یہ قریشی مسلمان اس وقت تک ایماندار نہیں ہوں گے جب تک یہ لوگ اپنے آپس کے ہر جھگڑے ہر اختلاف اور ہر ضرورت میں آپ سے فیصلہ اور حکم حاصل نہ کر لیا کریں اور جو فیصلہ تم کیا کرو اس پر اپنے دل میں بھی کوئی تنگی یا ناگواری محسوس نہ کیا کریں بلکہ تمہارے ہر فیصلے اور ہر حکم کو دل کی گہرائی اور رضا مندی سے خوشی خوشی قبول نہ کرنے لگیں۔''

4۔ سربراہی اور تمام انسانوں کو سربراہ کے ماتحت رہنے اور اطاعت کرنے کا اصول ہمہ گیر علم اور اللہ سے رابطہ ہے۔

یہ اور اس قسم کے بہت سے احکام قرآن میں موجود ہیں مگر رسوؐل کی سربراہی اور اطاعت کا اصول قرآن میں ''ہمہ گیر علم اور اللہ سے براہ راست رابطہ'' بیان ہوا ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ:۔

اول۔ رسوؐل سے جہالت ولاعلمی کی نفی کر دی گئی ہے

وَلَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَیۡکَ وَرَحۡمَتُهٗ لَهَمَّتۡ طَّآئِفَةٌ مِّنۡهُمۡ اَنۡ یُّضِلُّوۡکَ وَمَا یُضِلُّوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡفُسَهُمۡ وَمَا یَضُرُّوۡنَکَ مِنۡ شَیۡءٍ وَاَنۡزَلَ اللّٰهُ عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَةَ وَعَلَّمَکَ مَالَمۡ تَکُنۡ تَعۡلَمُ وَکَانَ فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَیۡکَ عَظِیۡمًاO (نساء 4/113)

''اور اگر تمہارے اوپر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت چھائی ہوئی نہ ہوتی تو قریشی مسلمانوں کے ایک گروہ نے تمہیں گمراہ کرنے کی ہمت کر ہی لی تھی۔ اور وہ گروہ اپنے سوا نہ کسی اور کو گمراہ کر سکا اور نہ نقصان پہنچا سکا۔ اور اللہ نے تمہارے اوپر ایک مکمل کتاب اور مکمل حکمت نازل کر دی ہے اور تمہیں وہ سب کچھ تعلیم کر دیا ہے جو تم نہ جانتے تھے۔ اور تمہارے ساتھ تو اللہ کا عظیم الشان فضل وابستہ رہتا چلا جا رہا ہے۔''

دوم۔ محمدؐ نے اپنی تعلیم کے دَوران جتنا علم انہیں اللہ نے دیا تھا وہ تمام علم متعلقین کو دے دیا ہے

اور آنحضرتؐ کی تعلیم کے متعلق یہ سند عطا کی ہے کہ: کَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا فِیۡکُمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡکُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتِنَا وَیُزَکِّیۡکُمۡ وَیُعَلِّمُکُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَةَ وَیُعَلِّمُکُمۡ مَّا لَمۡ تَکُوۡنُوۡا تَعۡلَمُوۡنَO (2/151)

''جیسا کہ ہم نے تمہارے اندر تم ہی میں سے ایک رسوؐل بھیجا ہے جو تمہارے لئے تمہارے سامنے ہماری تمام آیات کی تلاوت کرتا ہے اور تمہارا تزکیہ نفس کرتا ہے اور تمہیں مکمل کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں ان تمام حقائق کی تعلیم دیتا ہے جو تم پہلے نہ جانتے تھے۔''

5۔ رسوؐل کو ہمہ گیر علم دیا گیا تھا (4/113) اور رسوؐل نے انسانوں کو ہمہ گیر علم دینے کا پروگرام جاری کیا تھا۔

بہرحال قرآن نے بتا دیا کہ اللہ نے رسوؐل اللہ کو ہمہ گیر علم کی تعلیم دے کر بھیجا تھا (4/113) اور رسوؐل اللہ نے اُمت کو ہمہ گیر علم کی تعلیم دی تھی (2/151) اور چونکہ آیت میں مضارع کا صیغہ یُعَلِّمُکُمۡ آیا ہے جس کے معنی ہیں کہ قیامت تک ہمہ گیر علم کی تعلیم جاری رہنے کا انتظام بھی اللہ نے رسوؐل کے ذریعہ سے کرا دیا ہے۔ یعنی ایسے حضرات عہدِ رسوؐل میں تھے اور برابر قیامت تک برقرار رہیں گے جنہوں نے رسوؐل اللہ سے ہمہ

گیرعلم حاصل کرلیا تھا اور قیامت تک ہمہ گیرعلم کی تعلیم جاری رکھیں گے۔لہٰذا ہر وہ شخص تمام نوع انسان کا راہنما ہوگا جو رسوؐل کے درجہ کا ہمہ گیرعلم رکھتا ہو(4/113) اور باقی جزوی علم رکھنے والوں کوان ہی سے رابطہ رکھنا، علم حاصل کرنا اور تمام دینی و دنیاوی مسائل وسوالات سیکھنا ہوں گے جو ہمہ گیر علم کے علما ہوں گے۔یعنی ساری نوع انسان کی راہنمائی کے لئے ہمہ گیرعلم کا ہونا لازم ہے۔

6۔ قرآن خود ہمہ گیرعلم کی تفصیلات وجزئیات اور بیانات کا حامل ہے

ہمہ گیرعلم کی تفصیلات اور جزئیات اوران کے تمام بیانات تحریری صورت میں قرآن کریم میں ریکارڈ کردیئے گئے ہیں چنانچہ اللہ نے قرآن کریم کی پوزیشن یوں بیان کی ہے کہ: مَا كَانَ حَدِيثًا يُّفْتَرٰى وَلٰـكِنْ تَصْدِيقَ الَّذِىْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَىْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ O (12/111)

”یہ قرآن کوئی ایسا قصہ نہیں ہے جو یوں ہی گھڑ کے تیار کرلیا جائے ولیکن یہ توان تمام کتابوں کی تصدیق ہے جو اللہ کی طرف سے نازل ہوئی اور تمہارے یہاں موجود ہیں اور تمام اشیائے کائنات کی تفصیلات کا حامل ہے اور ماننے والوں کے لئے مکمل راہنمائی اور رحمت ہے“۔ (سورہ یوسف 12/111) اور فرمایا کہ:۔

7۔ محمدؐ تمام نوع انسان کے اعمال واقوال وخیالات وتصورات پر چشم دید گواہ کی حیثیت میں پیش ہوں گے۔

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِىْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَابِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰـٰٓؤُلَآءِ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَىْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَO (نحل 16/89)

”جس روز ہم ہر اُمت میں سے ایک ایک چشم دید گواہ امتوں پر قائم کریں گے جو ان ہی میں سے ہوگا اور ان تمام امتوں اور چشم دید گواہوں پر گواہی کے لئے تجھے چشم دید گواہ کی حیثیت میں کھڑا کریں گے۔تاکہ تم ان سب پر گواہی دو اور اسی غرض کے لئے ہم نے تمہارے اوپر ایک ایسی مکمل کتاب نازل کی ہوئی ہے جو کائنات کی ہر شے کا بیان کرتی ہے اور اسلام لانے والوں کے لئے مکمل راہنمائی اور رحمت اور خوشخبریوں کا مجموعہ ہے۔“

8۔ وہ تمام لوگ قرآن کے مخالف اور باطل پرست قریشی مسلمان لیڈر تھے جو ہمہ گیرعلم سے محروم اور تفصیلاتِ کائنات سے جاہل ہوتے ہوئے راہنما بن گئے۔

جونمونہ کی آیات (16/89,12/111,2/151,4/113,4/65) ہم نے لکھ دی ہیں ان کی مزید تائید وتفصیل کے لئے بہت سی آیات قرآن میں موجود ہیں جو واضح الفاظ میں مذکورہ آیات کی تائید وتفصیل بیان کرتی ہیں۔اور یہ ثابت کردیتی ہیں کہ اس چودہ سو سال کے اندر جو لوگ نہ ہمہ گیرعلم کے یا قرآن کے مکمل عالم تھے اور نہ ہی انہوں نے ہمہ گیرعلم کا یا قرآن کے مکمل عالم ہونے کا دعویٰ کیا مگر وہ امت کے راہنما بنے رہے اور قرآن کے خلاف مسائل گھڑتے رہے وہ باطل پرستوں کا ایک گروہ تھا۔جس نے اپنی اور اپنے چاروں طرف پھیلے ہوئے لوگوں کی اور اپنی قوم کی خواہشوں کو پورا کرنے کے لئے مسائل واحکام اور فتاوٰی گھڑے، کتابوں میں لکھے اور لوگوں سے ان پرعمل کرایا وہ سب مسلمان لیڈر فتنوں کو پیدا کرنے والے اور پروان چڑھانے والے اور دشمنانِ حق وحقانیت اور مخالفانِ قرآن وحدیث تھے اور ان ہی کا تذکرہ اس خطبہ 104 میں کیا گیا ہے۔یہی لوگ تھے جنہوں نے ہمہ گیرعلم رکھنے والے عالم کو اسلامی حکومت سے دُور رکھا اور ان لوگوں کا تعاون حاصل کرلیا جو اپنی خواہشوں کی پیروی

کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ایسے لوگوں کو اپنا حکمران بنالینا مفید سمجھا جو ایسے احکام گھڑ کر دے سکیں جو عوام کی مصلحتوں اور خواہشوں کو پورا کر دیں (خطبہ 104، جملہ 1 تا 4)۔ لہٰذا قرآنی عقلی اور فطری اصول کی رُو سے قیادت وحکومت وراہنمائی کا وہ پورا سلسلہ باطل اور قرآن کا مخالف ثابت ہوگیا جو وفاتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد قریش نے قائم کیا تھا۔ اور وہ تمام احکام وفتاویٰ اور فیصلے مخالف قرآن ثابت ہوگئے جو اُن حاکموں، لیڈروں، علما اور قاضیوں نے گھڑے، لکھے اور شائع کئے تھے۔ اور جو آج تک اسلامی شریعت کے نام سے مسلمانوں میں چلے آرہے ہیں۔

9۔ قریش اور قریشی حکومتوں اور لیڈروں نے حق کو باطل میں اور باطل کو حق میں ملایا اور ایک نیا دین تیار کر کے ساری امت کو گمراہ کیا۔

قرآن کریم نے تو یہ فرمایا تھا کہ:

(اول) **ہر حکم قرآن کے یا اللہ کی طرف سے نازل شدہ الفاظ میں دیا جائے گا**

وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ O............ وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُم بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ O وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ O (مائدہ 47-5/44)

"جو کوئی بھی اللہ کے نازل کردہ کو حکم اور فیصلہ نہ بنائے گا وہ حقیقت کو چھپانے والا (کافر) ہوگا اور جو کوئی اللہ کے نازل کردہ سے فیصلہ نہ کرے گا وہ ہی ظالم ہوگا۔ اور جو کوئی اللہ کے نازل کردہ احکام کو فیصلہ نہ بنائے گا وہی فاسق وقانون کا مخالف ہوگا"

(دوم) **باطل کو حق میں ملانے کا ایک طریقہ۔**

یہاں قارئین حضرت علی علیہ السلام کے جملے (خطبہ 9-104/5-9) کا منشاء سمجھیں گے اور خود اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے اور خود اپنی عقل وبصیرت سے سمجھیں گے کہ ابلیسی گروہ یا قریشی علما کس طرح حق میں باطل کو ملا کر نتیجہ اپنی خواہش اور مصلحت پر فٹ کر لیتے ہیں۔ اس کے لئے آپ علامہ رفیع الدین مرحوم کا دوسو سال پرانا لفظی ترجمہ پہلے پڑھ لیں تاکہ آپ کو یہ معلوم اور یقین ہوجائے کہ اللہ کی نازل کردہ آیات کا لفظ بلفظ ترجمہ یا مطلب ومعانی کیا ہوتے ہیں؟

علامہ رفیع الدین کا لفظ بلفظ ترجمہ:

وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ "اور جو کوئی نہ حکم کرے ساتھ اُس چیز کے کہ اُتاری ہے اللہ نے"

فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ O(5/44مائدہ) پس یہ لوگ وہ ہیں کافر"

وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُم بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ O (5/45)مائدہ

"اور جو کوئی نہ حکم کرے ساتھ اُس چیز کے کہ اُتاری ہے اللہ نے پس یہ لوگ وہ ہیں ظالم

وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ O(47) (مائدہ 47-5/44)

اور جو کوئی نہ حکم کرے ساتھ اُس چیز کے کہ اُتاری ہے اللہ نے پس یہ لوگ وہی ہیں فاسق۔ (مائدہ 47-5/44) ترجمہ صفحہ 141-140)

اس ترجمہ سے بھی تین مرتبہ یہ معلوم ہوا کہ ہر حکم اس چیز کے ساتھ دینا ہوگا جو اللہ نے نازل کی ہے یعنی حکم میں بعینہٖ اللہ کے نازل کردہ الفاظ ہوں گے۔ اپنی طرف سے نہ حکم ہوگا نہ اپنے الفاظ ہوں گے۔ اور جو ایسا نہ کریں گے وہ لوگ کافر وظالم اور فاسق ہوں گے یعنی وہ اسلام سے خارج ہوجائیں گے۔

(سوم) **اپنے پاس سے ترجمہ میں ایک لفظ بڑھا کر آیات کو بدلنے کا انتظام**

علامہ رفیع الدین کا ترجمہ دیکھنے کے بعد اب علامہ اشرف علی تھانوی کا ترجمہ دیکھیں اور فرق نوٹ کریں لکھتے ہیں کہ:

''اور جو شخص خدا تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے سوایسے لوگ بالکل کافر ہیں۔'' (5/44)

علامہ نے تینوں آیات کے ترجمہ میں لفظ ''موافق'' داخل کیا ہے۔

علامہ مودودی کا ترجمہ بھی دیکھیں۔

مودودی صاحب نے لفظ ''موافق'' کی جگہ لفظ ''مطابق'' کا اضافہ کیا ہے۔ اور اشرف علی تھانوی اور مودودی کا منشاء یہ ہے کہ:

تھانوی۔ 1۔ ہر حکم اللہ کے نازل کردہ کے موافق ہونا چاہئے۔ اور

مودودی۔ 2۔ ہر حکم اللہ کے نازل کردہ کے مطابق ہونا چاہئے۔

لیکن اللہ نے تو یہ فرمایا ہے کہ:۔

رفیع الدین۔ 3۔ ہر حکم اللہ کے نازل کردہ سے ہونا چاہئے۔ یعنی ''ہر حکم اللہ کا نازل کردہ ہونا چاہئے۔''

اشرف علی اور مودودی اللہ کا نازل کردہ حکم نہیں چاہتے بلکہ ایسا حکم چاہتے ہیں جو اللہ کے نازل کردہ کے موافق یا مطابق ہو۔ یعنی جو شخص جس حکم کو اللہ کے نازل کردہ کے موافق یا مطابق سمجھے وہ حکم دے دیا کرے۔ یعنی حُکم حکم دینے والے کی سمجھ کے ماتحت آ گیا۔ یوں قریشی علما نے اپنی پسند کے الفاظ ترجموں میں داخل کر کے سارے قرآن کے معنی تبدیل کر دیئے (فرقان 25/30) اور اللہ کی قائم کی ہوئی شرط کو اُٹھا دیا۔ غور طلب بات یہ ہے کہ یہ دونوں الفاظ یعنی موافق اور مطابق عربی زبان کے الفاظ ہیں۔ اگر اللہ کا منشا بھی وہی ہوتا جو تھانوی اور مودودی کا ہے تو وہ آیت کو یوں نازل کرتا وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ موافق بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ، یا، وَمَنْ لَّمْ يَحْكُم مطابق بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ، یعنی ''جو کوئی اللہ کے نازل کردہ کے موافق حکم نہ دے یا جو کوئی اللہ کے نازل کردہ کے مطابق حکم نہ دے۔ وہ کافر ہے۔ وہ ظالم ہے۔ فاسق ہے۔ مگر اللہ نے گنجائش رکھی ہی نہیں وہ تو اسی حکم کو اپنا حکم فرماتا ہے جو خود اس نے نازل کیا ہے۔ جب تک وہی حکم بلفظہ نہ دیا جائے گا کفر و ظلم و فسق سے چھٹکارہ نہ ملے گا۔

(چہارم) **قریش ہرگز اللہ کے خالص احکام کو نافذ نہ کریں گے۔**

مودودی سے مندرجہ بالا آیات کے متعلق قریش کے تصورات سنئے لکھتے ہیں کہ:

''بعض اہل تفسیر نے ان آیات (5/47,5/45,5/44) کو اہل کتاب کے ساتھ مخصوص قرار دینے کی کوشش کی ہے۔ مگر کلام الٰہی کے الفاظ میں اس تاویل کے لئے کوئی گنجائش موجود نہیں۔ اس تاویل کا بہترین جواب وہ ہے جو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے دیا ہے۔ ان سے کسی نے کہا کہ یہ تینوں آیتیں تو بنی اسرائیل کے حق میں ہیں۔ کہنے والے کا مطلب یہ تھا کہ یہودیوں میں سے جس نے خدا کے نازل کردہ حکم کے خلاف فیصلہ کیا ہو وہی کافر ہے وہی ظالم اور وہی فاسق ہے۔ اس پر حضرت حذیفہ نے فرمایا۔ نعم الاخوۃ لکم بنو اسرائیل ان کانت لھم کل مرۃ ولکم کل حلوۃ کلا واللہ تسلکن طریقھم قدر الشراک، یعنی کتنے اچھے بھائی ہیں تمہارے لئے بنی اسرائیل کہ کڑوا کڑوا سب ان کے لئے ہے اور میٹھا میٹھا سب تمہارے لئے ہے۔ ہرگز نہیں خدا کی قسم تم ان ہی کے طریقے پر قدم بقدم چلو گے۔'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 476)

یہاں یہ نوٹ کرلیں کہ جناب حذیفہ رسوؐل کے صحابی تھے اوران سے سوال و جواب صحابہ ہی میں سے کوئی کررہا تھا۔جس کا نام چھپانا ضروری تھا ۔لہٰذا حضرت حذیفہ نے قریشی صحابہ پر یہ فیصلہ لادیا کہ وہ بنی اسرائیل کے قدم بقدم چلیں گے یعنی اسلام کو قطعاً چھوڑ دیں گے اور قریش کے متعلق یہود ونصارااور مجوس اور ایرانیوں کی پیروی کرنے کی اطلاع خود بخاری میں موجود ہے۔اور خود مودودی نے بھی لکھا ہے کہ :مسلمانوں نے یہود و نصاریٰ کی پیروی کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی تھی ‘‘(تفہیم القرآن جلداول صفحہ 508)

9۔عوام کے سامنے خالص حق اور خالص باطل کو آنے سے روک دیا گیا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے یہ فیصلہ کر دیا کہ ان کی خلافت کا زمانہ آنے تک سابقہ خلافتوں نے یعنی ابوبکر اور عمر اور عثمان نے حق و باطل کو اس موزونیت سے ملا کر عوام کے سامنے رکھ دیا تھا کہ خالص حق اور خالص باطل کا ملنا ممکن نہ رہا تھا (104/5-6 خطبہ)اور یہ کہ ان حکومتوں کی تائید کرنے والوں کی زبانیں دھڑا دھڑ پروپیگنڈے میں مصروف تھیں اور تمام لوگوں کو اپنے تیار کیے ہوئے باطل عقائد، باطل اعمال اور باطل مذہب پر پختہ کیا جا رہا تھا اور یہ پروپیگنڈا عہد رسوؐل اور نزول قرآن کے زمانے ہی میں شروع کر دیا گیا تھا اور اللہ نے اس طرزِ عمل کو قرآن (فرقان 25/30) میں ریکارڈ کر دیا تھا اور بتا دیا تھا کہ ’’اے رسوؐل آپؐ کی قوم نے اس قرآن کو جھوٹے عقائد، جھوٹے اعمال اور جھوٹے مذہب میں تبدیل کرکے قرآن کے حق ہونے کو جھٹلا دیا ہے مگر قرآن ہی بہر حال حق ہے۔‘‘(انعام 6/66)

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَى أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِنْ فَوْقِكُمْ أَوْ مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَيُذِيقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ انْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُونَO وَكَذَّبَ بِهِ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ قُلْ لَسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيلٍ O......الخ(انعام 6/65/68)

’’اے نبیؐ! قریش سے کہہ دو کہ تمہاری اس سازش کے بدلے میں اللہ اس پر بھی قدرت رکھتا ہے کہ تم پر اوپر سے عذاب نازل کردے اور یا زمین کے اندر اور تمہارے پیروں کے نیچے سے تمہارے لئے عذاب پھٹ پڑنے کا انتظام کردے یا تمہارے گروہوں کے اندر پھوٹ ڈال کر ایک دوسرے سے لڑنے کا مزا تمہیں چکھائے۔اے نبیؐ ذرا دیکھو کہ ہم قرآن کی آیات کو کس ترکیب سے الٹ پلٹ کے بیان کرتے ہیں تاکہ کسی طرح قریش یہ سمجھ جائیں کہ ان کی سازش طرح طرح سے سمجھائی اور ریکارڈ کی جارہی ہے۔اور یہ کہ آپ کی قوم نے کس کس ترکیب سے قرآنی حق اور حقائق کو باطل کی ملاوٹ سے جھٹلا کر رکھ دیا ہے لیکن قرآن بہرطور خالص حق ہے۔ان سے کہہ دو کہ میں تمہاری وکالت نہیں کروں گا اور یہ بھی واضح کردو کہ ہر ایک غیبی خبر کے وقوع میں آنے کے لئے ایک وقت مقرر ہوتا ہے جو تمہیں جلد ہی معلوم ہو جائے گا۔اور اے رسوؐل جب تم یہ دیکھو کہ قریشی ماہرین ہماری آیت میں باطل کی ملاوٹ کے لئے غور وخوض اور تدبر کر رہے ہیں تو تم ان کی مجلس کو نظر انداز کرکے اٹھ جاؤ تاکہ وہ تمہیں بھی اس ردّوبدل اور ملاوٹ میں ساتھی اور ہم خیال نہ سمجھ سکیں اور اس وقت تک ان کی مجلس میں شریک نہ ہو جب تک وہ قرآن میں باطل کی ملاوٹ سے فارغ ہو کر کسی اور بحث میں نہ لگ جائیں۔اور اگر ان کا بڑا لیڈر اپنی شیطانی ترکیب سے تمہیں دماغی طور پر مصروف کرلے اور تم بروقت ان کی مجلس سے اٹھنا بھول جاؤ تو یاد آجانے کے بعد اس بے محل اور غلط کام کرنے والی قوم میں نہ بیٹھو۔‘‘(انعام 6/65-68)

ان آیات نے قریش کی سازش کو، ان کے طریق کار کو بہت سادہ اور واضح الفاظ میں کھول کر بیان کر دیا ہے اور حضرت علی علیہ السلام نے طرح طرح اور بار بار اس صورتِ حال کو واضح کر دیا ہے جو قریش نے تیار کرکے امت میں پھیلا دی تھی۔

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر: 52

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 52

خُطبہ 《105》

1۔ دنیا فنا کی طرف بڑھانے میں کوشاں ہے اور اپنے ختم ہوجانے کا اعلان کر رہی ہے۔ اپنی پسندیدہ اور مسلّمہ اچھائیوں کو منکرات میں تبدیل کر رہی ہے۔ 2۔ بڑی تیزی سے پچھلے پیروں پیچھے ہٹ رہی ہے اور اپنے باشندوں کو بھی فنا کی طرف ڈھکیل رہی ہے۔ اور اپنے پڑوسیوں کو موت کا نغمہ سنا رہی ہے۔ 3۔ اس کی شیرنیاں کڑواہٹ میں اور اس کی رعنائیاں کدورت میں بدلتی جا رہی ہیں۔ یہاں سے نکلنے کی صورت نکالو۔ آرزوؤں اور منصوبوں میں نہ الجھو۔ مال و اولاد سے لاتعلق ہو کر اپنی نجات و تقرب خداوندی کے لئے التجا و فریاد کرو۔ اعمالناموں میں لکھے ہوئے گناہوں کو مٹوانے کے لئے متوجہ ہو جاؤ۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلا وَاِنَّ الدُّنۡيَا قَدۡ تَصَرَّمَتۡ ؛	1	خبردار ہو جاؤ کہ یہ دنیا یقیناً فنا کی طرف بڑھانے میں کوشاں ہے۔
وَاٰذَنَتۡ بِانۡقِضَآءٍ ؛	2	اور اس نے اپنے ختم ہوجانے کا اعلان جاری کر دیا ہے۔
وَتَنَكَّرَ مَعۡرُوۡفُهَا ؛	3	اور اس نے اپنی عالمی پسندیدہ چیزوں کو ناپسندیدہ بنانا شروع کر دیا ہے۔
وَاَدۡبَرَتۡ حَذَّآءَ ؛	4	اور وہ خود بھی تیزی سے پیچھے ہٹ رہی ہے۔ اور
فَهِيَ تَحۡفِزُ بِالۡفَنَآءِ سُكَّانَهَا ؛	5	ساتھ ہی وہ اپنے باشندوں کو بھی فنا کی طرف دھکا دے رہی ہے۔
وَتَحۡدُو بِالۡمَوۡتِ جِيۡرَانَهَا ؛	6	اور اپنے پڑوسیوں کو موت کا نغمہ سناتی جا رہی ہے۔
وَقَدۡ اَمَرَّ مِنۡهَا مَا كَانَ حُلۡوًا ؛	7	اور اس نے اپنی میٹھی چیزوں کو تلخی میں بدلنا شروع کر دیا ہے۔ چنانچہ ذائقے برابر بدلتے چلے آ رہے ہیں۔
وَكَدِرَ مِنۡهَا مَا كَانَ صَفۡوًا ؛	8	اور جو چیزیں یہاں صاف و شفاف تھیں وہ گدلا رہی ہیں۔
فَلَمۡ يَبۡقَ مِنۡهَا اِلَّا سَمَلَةٌ كَسَمَلَةِ الۡاِدَاوَةِ ؛	9	دنیا کی فراوانیوں میں سے اب اتنا سا باقی رہ گیا ہے کہ جتنا کسی برتن میں انڈیلنے کے بعد تھوڑا سا پانی رہ جایا کرتا ہے۔
اَوۡ جُرۡعَةٌ كَجُرۡعَةِ الۡمَقۡلَةِ ؛	10	یا پانی کا ایک گلاس جس کے پانی کو پتھریاں ڈال کر ابھارا جا سکے چنانچہ
لَوۡتَمَزَّزَهَا الصَّدۡيَانُ لَمۡ يَنۡقَعۡ ؛	11	اگر کوئی اتنے پانی کو پی بھی لے تو اس کی پیاس نہ بجھ سکے۔ (گڑھے کے کم پانی کو کنارے تک لانے کیلئے جو پتھریاں ڈالتے ہیں ان کو ''مَقلَہ'' کہتے ہیں)

فَازْمِعُوْا عِبَادَ اللّٰهِ الرَّحِيْلَ عَنْ هٰذِهِ الدَّارِ الْمَقْدُوْرِ عَلٰى اَهْلِهَا الزَّوَالُ ؛	12	چنانچہ اے بندگان خدا اس گھر یا جگہ سے رحلت کی تیاری کرو جہاں کے رہنے والوں کے لئے اللہ نے زوال طے کیا ہوا ہے۔
وَلَا يَغْلِبَنَّكُمْ فِيْهَا الْاَمَلُ ؛	13	اور یہاں تمہارے اوپر تمنائیں اور آرزوئیں غالب نہ ہونے پائیں۔
وَلَا يَطُوْلَنَّ عَلَيْكُمْ فِيْهَا الْاَمَدُ ؛	14	اور نہ ہی یہاں کے قیام کی مدت کو بہت طویل سمجھ لینا یعنی تمناؤں کو سمیٹ کر اور دنیا کو چندروزہ سمجھ کر جلد سے جلد چلنے کی تیاری کرلو۔
فَوَاللّٰهِ لَوْ حَنَنْتُمْ حَنِيْنَ الْوُلَّهِ الْعِجَالِ ؛	15	اور قسم بخدا اگر تم ان اونٹنیوں کی طرح نالہ وفریاد کرو جن کے بچے مرگئے
وَدَعَوْتُمْ بِهَدِيْلِ الْحَمَامِ ؛	16	اور ان کبوتروں کی طرح پکارو جو بچھڑ گئے ہوں۔
وَجَاَرْتُمْ جُؤَارَ الْمُتَبَتِّلِ الرُّهْبَانِ ؛	17	اور ان تارک الدنیا رہبانوں کی طرح تڑپ تڑپ کر چلاؤ جو وصلِ خداوندی چاہتے ہیں۔
وَخَرَجْتُمْ اِلَى اللّٰهِ مِنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ؛	18	اور مال واولاد تک کو چھوڑ چھاڑ کر اللہ کی راہ میں نکل کھڑے ہو۔ تاکہ
اِلْتِمَاسَ الْقُرْبَةِ اِلَيْهِ فِى ارْتِفَاعِ دَرَجَةٍ عِنْدَهٗ ؛	19	تم اللہ سے قربت اور اس کے حضور میں اپنے درجات کی بلندی کے لئے التماس کرو۔
اَوْ غُفْرَانِ سَيِّئَةٍ اَحْصَتْهَا كُتُبُهٗ ؛	20	یا ان برائیوں کی بخشش طلب کرو جن کو اللہ کی کتابوں نے اپنے اندر ریکارڈ کرلیا ہے۔
وَحَفِظَهَا رُسُلُهٗ ؛	21	اور جو اس کے فرشتوں نے محفوظ کررکھا ہے۔
لَكَانَ قَلِيْلًا فِيْمَا اَرْجُوْ لَكُمْ مِنْ ثَوَابِهٖ ؛	22	تو بھی یہ سب کچھ اس ثواب کے مقابلے میں کم قربانی اور عبادت ہے جو میں تمہارے لئے امید لگائے ہوئے ہوں۔
وَاَخَافُ عَلَيْكُمْ مِنْ عِقَابِهٖ ؛	23	اور اللہ کے جس مواخذہ اور پکڑ کے لئے میں تمہارے سلسلے میں ڈرتا ہوں اس سے تمہاری محنت کم رہے گی۔
وَاللّٰهِ لَوِ انْمَاثَتْ قُلُوْبُكُمْ انْمِيَاثًا ؛	24	خدا کی قسم تم یوں سمجھ لو کہ اگر نالہ وفریاد وعبادت سے تمہارے دل پگھلتے چلے جائیں۔
وَسَالَتْ عُيُوْنُكُمْ مِنْ رَّغْبَةٍ اِلَيْهِ اَوْ رَهْبَةٍ مِنْهُ دَمًا ؛	25	اور تمہاری آنکھیں اللہ کے خوف سے اور اس کی رضامندیوں کی طلب میں مسلسل خون کے آنسو بہاتی چلی جائیں۔
ثُمَّ عُمِّرْتُمْ فِى الدُّنْيَا مَا الدُّنْيَا بَاقِيَةٌ ؛	26	اور تم دنیا کے باقی رہنے تک کی طویل عمر بھی پاؤ اور اسی طرح تم دل پگھلاتے اور خون روتے ہوئے گزارو اور

مَاجَرَتْ اَعْمَالُکُمْ وَلَوْ لَمْ تُبْقُوْا شَيْئًا مِّنْ جُهْدِكُمْ اَنْعُمَهُ عَلَيْكُمُ الْعِظَامَ ؛	27	اپنی محنت سے تم بالکل مٹ جاؤ تب بھی تمہاری ساری عبادتیں ساری ریاضتیں اور تمام فریادوبکا ان نعمتوں سے کم اور حقیر ہی رہیں گی جو اللہ نے تمہیں دی ہیں۔
وَهُدَاهُ اِيَّاكُمْ لِلْاِيْمَانِ ؛	28	اور ان عظیم الشان نعمتوں کے ساتھ ہی تمہیں ایمان کی طرف راہنمائی بھی کی ہے۔

تشریحات:

تشریحات کی کوشش کردیکھوں۔

اِس قسم کے بیانات وخطبات ہماری علمی بضاعت کودھکیلتے دھکیلتے صفر کی طرف لے جاتے ہیں۔ ہمارے بولنے اور لکھنے کی طاقت سمٹ کر رہ جاتی ہے اور ہماری کسی طرح جمع کی ہوئی بصیرت بکھر کر رہ جاتی ہے۔اور ہم سوچتے رہ جاتے ہیں کہ بات کہاں سے شروع کریں؟اور کیا لکھیں؟ خطبہ کا آسان ترین پہلو بھی اپنے ثبوت کی بنا پر ہمارے علم کے لئے مشکل ترین پہلو ہے یعنی یہ کہ:

خبردار ہو جاؤ کہ یہ دُنیا فنا کی طرف بڑھانے میں کوشاں ہے اور اس نے اپنے ختم ہوجانے کا اعلان بھی کر دیا ہے (خطبہ 105 جملہ 1 تا 2)۔سمجھ میں آئے یا نہ آئے مگر ساری دنیا یہ مانتی ہے کہ یہ دنیا اور اس دنیا کی ہر چیز فانی ہے اور نہ دنیا نے اپنی اس حالت پر رہنا ہے اور نہ دنیا کی کوئی اور چیز باقی رہنا ہے(خطبہ 105 جملہ 1 تا 2)۔کہنے اور ثبوت دینے میں بڑا فرق ہے۔فنا کے معنی تو یہ ہیں کہ جو چیز فنا ہو گی اس کا وجود کسی صورت اور مقدار میں بھی باقی نہ رہے گا۔یہی وہ پہلو ہے جو ثبوت کا محتاج ہے اور فنا ہونے کا ثبوت دینا ہماری عقلی رسائی سے باہر ہے۔یہ بات تو آسانی سے سمجھ میں آتی ہے کہ چیزوں کی صورت بدل جاتی ہے ایک پتہ گل جاتا ہے یعنی اپنی اصلی صورت کو چھوڑ دیتا ہے لیکن مٹی بن جاتا ہے اور مٹی میں وہ مقدار بڑھ جاتی ہے جو پتے کی مقدار تھی یعنی پتہ فنا نہیں ہوا بلکہ مٹی کی صورت میں باقی ہے۔آدمی مرجاتا ہے اور اس کا بدن رفتہ رفتہ مٹی بن جاتا ہے بعض چیزوں کو مٹی بننے میں برسوں لگ جاتے ہیں لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ آخر وہ آدمی مٹی بن جائے گا۔یعنی مٹی کی مقدار بڑھ جائے گی۔لیکن یہ بات مشکل ہے کہ وہ آدمی کسی صورت اور کسی مقدار میں بھی باقی نہ رہے گا۔اور اس کا ثبوت درحقیقت اللہ اور علیؑ کے سوا کوئی نہیں دے سکتا۔گو آج سائنس کا یہ کہنا ہے کہ ہزاروں ہزار چیزیں ہر لحہ فنا ہورہی ہیں اور ہزاروں ہزار چیزیں وجود اختیار کررہی ہیں۔ لیکن یہ بھی محض ایک قول ہے اور اس قول کا محسوس ومشہود ثبوت پھر مادی آلات و مادی عقل کے قابو کی بات نہیں ہے۔یہ صرف اور صرف اللہ وعلی علیہ السلام کی قدرت کے اندر کی بات ہے اس لئے کہ عدم سے وجود میں لانا اور موجودات کو عدم میں داخل کرنا صرف خالقِ مطلق کا کام ہے۔وہی عدم اور وجود کا خالق اور ان پر مطلع ہے۔لہٰذا یہ دونوں جملے(خطبہ 105 جملہ 1 تا 2)۔بھی ہماری عقل کے قابو میں نہیں آتے اور ہمارا کام صرف ماننا رہ جاتا ہے۔اور ڈاکٹر آف ریلیجنز اینڈ سائنس (Doctor of Religions & Science) ہونے کے باوجود فنا اور بقا کو نہ سمجھ سکنا کچھ اچھا نہیں لگتا۔مگر اقرار کے سوا چارہ بھی نہیں ہے۔

2۔ مذہبیات میں بھی لفظ فنا سے کسی چیز کا اپنی موجودہ شکل وصورت وخصوصیات سے محروم ہونا ہے۔

سمجھنے سمجھانے کے لئے مذہبیات میں بھی فنا کے معنی گہرائی کے ساتھ نہیں لئے گئے ہیں اس لئے کہ عوام الناس کی عقلی سطح سے بات اونچی

اٹھ جاتی تھی اور جس بات کو انسانوں کی کثرت نہ سمجھے اسے مذہبیات میں عموماً بیان نہیں کیا جاتا ہے۔ گو اللہ نے یہ فرما دیا ہے کہ:

كُلُّ مَنۡ عَلَيۡهَا فَانٍ Oوَيَبۡقٰى وَجۡهُ رَبِّكَ ذُو الۡجَلٰلِ وَالۡاِكۡرَامِO (سورہ رحمٰن 27-55/26)

''کُل موجودات نے فنا ہونا ہے اور آپؐ کے عظمت وجلال اور نفع کے مالک پروردگار کا چہرہ یا وجہ نے باقی رہنا ہے۔''

اور ظاہر ہے کہ ''رب کا چہرہ یا وجہ'' رب نہیں ہوسکتا۔ وہ رب کے علاوہ کچھ اور ہونا چاہئے۔ ورنہ یہ ماننا ہوگا کہ ''رب کا وہ حصہ جو ''وجہ'' ہے باقی رہے گا اور باقی ماندہ ''رب'' فنا ہوجائے گا۔ اور یہ ماننا غلط ہوگا اس لئے کہ رب کو نہ حصوں میں تقسیم کرنا صحیح ہوسکتا ہے اور نہ اس کا فنا ہوجانا ماننے کی بات ہے۔ کیونکہ رب ہی تو خالق فنا اور بقا ہے اور فنا وبقا خود رب پر وارد نہیں ہوسکتے۔ اسے ہر حال میں باقی رہنا ہے اور اپنی مخلوق کی بنا پر نہیں بلکہ خود اپنی قدرت سے باقی رہنا ہی ہے لہٰذا بات رب کی بقا کی نہیں بلکہ رب کی وجہ کے باقی رہنے کی ہوئی ہے یعنی ایک رب باقی رہ جائے گا اور ایک رب کی وجہ باقی رہے گی ان دونوں کے علاوہ تمام موجودات ومخلوقات فنا ہوجائیں گی اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ رب کی ''وجہ'' کون ہے؟ اس کے لئے امت کی کثرت نے یہ مانا ہے کہ ''حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ، اللہ کی ''وجہ'' ہیں اور ادھر حضرت علی علیہ السلام کا دعویٰ ہے کہ وہ اللہ کی وجہ ہیں۔ اور یہ دعویٰ بھی حضرت محمدؐ کے اللہ کی وجہ ہونے کا ثبوت ہے۔ اس لئے کہ علیؑ ومحمدؐ ایک نور ہیں اور دونوں محمدؐ بھی ہیں اور علیؑ بھی ہیں۔ لہٰذا زیرنظر آیات (27-55/26) میں اللہ ومحمد وعلی وفاطمہ وحسنین وآئمہ معصومین علیہم السلام کے ہمیشہ باقی رہنے اور باقی کائنات کے فنا ہوجانے کی اطلاع دی گئی ہے۔ اس بیان اور ان آیات (27-55/26) کے علاوہ جو کچھ ملتا ہے۔ اس میں فنا کا سادہ تصور پایا جاتا ہے جسے ہم اور سب سمجھ سکتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ آدمی مرجائے گا۔ اس کا جسم گل سڑ جائے گا۔ رفتہ رفتہ مٹی بن جائے گا۔ جسم کے کچھ عناصر بکھر جائیں گے۔ اور ضرورت پڑنے پر اللہ اس کے اسی جسم کو جس کو موت آئی تھی پھر زندہ کرلے گا اور تمام عناصر اور گوشت پوست اور ہڈیاں وغیرہ دوبارہ تیار ہوجائیں گی اور زندہ ہوکر وہ آدمی اسی صورت میں حساب کے لئے لایا جائے گا کہ اس کے بچے بیوی اور باقی رشتہ دار و متعلقین اسے پہچانیں گے۔ یعنی اس دوبارہ تخلیق میں کوئی نقص نہ رہے گا۔ وہ وہی آدمی ہوگا جس نے دنیا میں وہ اعمال کئے تھے۔ جن کا اجر وجزا وسزا اس کو دی جائے گی۔ یہ تمام باتیں ہم سمجھتے ہیں مگر یہ نہیں سمجھتے کہ اللہ یہ سب کچھ کیسے کرے گا؟ یہ سب کچھ ہم بھی سمجھتے اگر اللہ نے ہمارے سامنے کائنات کو پیدا کیا ہوتا اور اپنا تخلیقی عمل دَرآمد ہمیں سمجھایا ہوتا۔ لہٰذا جن حضرات کو تخلیق کی اسکیم سمجھائی، سکھائی اور کرکر کے دکھائی ہو وہی زندگی وموت وفنا کو سمجھ سکتے ہیں اور وہ ہی تخلیق کے ہر ہر مرحلہ پر چشم دید گواہ یا شہید بنائے جاسکتے ہیں۔ باقی انسانوں کی عقل وسمجھ کا اونچے سے اونچا مقام یہی ہوسکتا ہے کہ ان باتوں کو سن کر سمجھیں اور یقین حاصل کرلیں اور جتنا کچھ انہیں بتایا اور سکھایا گیا ہو اس پر تجربات کرکے ان بیانات کے عین الیقین تک سمجھنے کے لئے بلند کرتے اور مزید تعلیمات حاصل کرنے اور سمجھنے کے لئے تیار کرتے چلے جائیں اور ہر قدم پر اللہ کی قدرتوں کا یقین رکھتے چلیں اور یہ سمجھیں کہ اللہ انہیں بھی عملاً لامحدود قدرت واختیار وعلم دے سکتا ہے اور اس کی کوئی حد نہیں ہے۔ حد اور شرط صرف یہ ہے کہ ہم اللہ کی ذات اور ان صفات وقدرت پر یقین رکھیں جو محمدؐ وآل محمد علیہم السلام نے بیان فرمائی ہیں اور اوپر سے نیچے تک مختلف انسانوں پر نظر رکھیں اور ان کی ترقی اور حاصل کردہ علم وقدرت کو دیکھیں اور اپنے لئے اسی قسم کا ماحول پیدا کرنے اور توفیقاتِ خداوندی حاصل کرنے میں کوشاں رہیں جس ماحول میں ہم سے زیادہ ترقی یافتہ انسانوں نے ترقی کی تھی۔ لہٰذا اس طرح ہم لامحدود ترقی وقدرت حاصل کرنے کے میدان میں قدم رکھ دیں گے اور قدم رکھتے ہی فطری طور پر ہمارے سامنے ترقی کے راستے اور دروازے کھلتے چلے جائیں گے۔ لہٰذا پہلے ایمان وغور وفکر پھر راہنماؤں کی پیروی اور اطاعت وہ اصول ہیں کہ جن کے ذریعہ سے ہم ترقی کا وہ مقام حاصل کرسکیں

گے جسے آج سمجھنے سے بھی قاصر ہیں۔اور یہ سب کچھ اسی حالت میں ممکن ہے جب کہ دنیا میں پھیلے اور پھیلائے ہوئے شکوک وشبہات پر قطعاً متوجہ نہ ہوں۔یہاں پیدا ہونے والے الجھاؤ سے سو فیصد الگ اور لاتعلق رہیں اور یہ جب ہی ممکن ہے جب ہم آنکھ بند کر کے معصومین علیہم السلام کی اطاعت اور قدم قدم ان کی پیروی میں لگے رہیں اور کسی کی نہ بات سنیں نہ ان کے بتائے ہوئے منصوبوں اور اسکیموں میں دل چسپی لیں نہ ادھر توجہ دیں اور یہی عطر ہے اس ساری تعلیم کا جو قرآن وحدیث معصومینؑ میں دی گئی ہے۔یعنی گوش ہوش سے صرف معصومین علیہم السلام کی بات سننا اور باقی سب طرف سے بہرے ہو جانا اور اندھا دھند ان کی اطاعت و پیروی کرنا اور باقی سب طرف سے آنکھیں بند کر لینا۔یعنی اپنے ہوش وحواس و بصیرت کو صرف معصومین علیہم السلام کے سپرد کر دینا۔یہی خطبہ کا مقصد ہے۔

3۔خطبہ 105 کا دوسرا پہلو سادہ مگر قابل غور وفکر ہے۔

آگے چل کر حضورؑ نے دنیا کی حالت بیان کرتے ہوئے اللہ کی نعمتوں کے شکریہ کی ادائیگی کا ذکر فرمایا ہے۔اس میں نیک وایماندار مومنین کی عبادت اور اللہ سے وابستہ ہونے اور اللہ کی رضا مندیاں حاصل کرنے اور اپنے درجات کی بلندیاں چاہنے میں ان کی جدّ وجہد بیان فرمائی ہے اور اس سلسلے میں عبادت گزار مومنین کا اس طرح نالہ وفریاد کرنا جس طرح پسر مردہ اونٹنیاں نالہ وفریاد کرتی ہیں (جملہ 15) اور ان کبوتروں کی طرح چلانا جو اپنے جوڑوں سے بچھڑ گئے ہوں (جملہ 16) اور ان تارک الدنیا زاہدوں اور راہبوں کی طرح تڑپ تڑپ کر اللہ سے قربت چاہنا (جملہ 17) اور اپنے اموال واولاد سے کنارہ کش ہو کر اللہ کی رضا مندیوں کے لئے نکل کھڑے ہونا (جملہ 18) ایک طرف رکھا ہے اور دوسری طرف اللہ کی نعمتوں کو رکھا ہے (جملہ 27 تا28) اور بتایا ہے کہ تمہاری مذکورہ عبادتیں، محنتیں اور فریاد و بکا تو اس قابل بھی نہیں کہ تمہیں تمہارے ان گناہوں سے بچالیں جو اعمالناموں اور ریکارڈ کی کتابوں اور فرشتوں کے یہاں لکھے جا چکے ہیں (جملہ 20 تا21) چہ جائیکہ اللہ کے یہاں تمہارے درجات بلند کرا دیں اور تمہیں اللہ کی قربت دلا دیں (جملہ 19) اور بتایا کہ تمہارے لئے میں جس ثواب کا امیدوار ہوں اس سے تمہاری عبادتیں، محنتیں اور فریاد وبُکا بہت کم ہے (جملہ 22) اور وہ عذاب اور مواخذہ کہیں زیادہ ہے جس کا مجھے تمہارے لئے خوف ہے (جملہ 23) لہٰذا تمہاری یہ عبادتیں، فریاد وبُکا اور ترکِ لذّات اور محنت تو ایک طرف اگر تم عبادت وخوفِ خداوندی سے اپنے قلوب کو گھلا دو اور خون کے آنسو لگا تار بہاتے بہاتے دنیا کے خاتمہ تک خود کو بالکل مٹا دو (جملہ 24 تا27) تب بھی تم نہ اللہ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کر سکو گے نہ دنیا میں جو الجھاؤ تم پر حاوی رہا نہ اس کا بدلہ کر سکو گے۔اور نعمت ایمان ہی ایک اتنی عظیم الشان نعمت ہے کہ اس کا بدلہ بھی نہیں کر سکتے (جملہ 27 تا28)۔اور نہ وہ عظیم الشان ثواب حاصل کر سکو گے جو میں تمہارے لئے چاہتا ہوں (جملہ 12)۔

اس بیان (خطبہ 105، جملہ 15 تا28) سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف ایمان لے آنا اور عبادت وریاضت ومحنت وفریاد وبکا سے وہ مقام حاصل نہیں ہو سکتا جو حضرت علی علیہ السلام کے معیار کے مطابق اجر وثواب دلا سکے اور درجات کی بلندی کرا سکے اور اعمالناموں میں لکھے جا چکنے والے گناہوں کو ریکارڈ کے دفتروں سے مٹوا سکے۔اور عقاب وحساب اور مواخذہ سے بچا سکے۔لہٰذا معلوم ہوا کہ وہ تمام انسان بڑے آرام ونفع میں رہیں گے جو خود کو، اپنے اختیارات وقدرت کو، اپنی عقل وبصیرت وہوش وحواس خمسہ کو محمد وآل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم السلام کو سپرد کر کے صرف وہ کچھ کرتے رہیں جو محمدؐ وآل محمدؐ بتائیں اور ان کی خوشنودی کے طلبگار رہیں۔ان کے لئے فرمایا گیا ہے کہ:

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِھِمْ حَسَنٰتٍ..(25/70)

''ان لوگوں کے علاوہ وہ لوگ جو اپنی اصلاح کے لئے محمدؐ و آل محمدؐ کی طرف واپس آتے اور ایمان لاتے اور صالح اعمال بجالاتے رہیں گے وہی وہ لوگ ہوں گے جن کے اعمالناموں میں لکھی ہوئی برائیوں کو اللہ اچھائیوں سے بدل دے گا۔''

لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ Oاَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ Oوَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِي انْتِقَامٍ O(زمر 39/35-37)

''وہ جو کچھ چاہیں گے وہ سب کچھ انہیں ان کے پروردگار کے پاس سے ملے گا احسان پیشہ لوگوں کی جزا ہی وہ ہے کہ انہیں ان کی خواہش کے مطابق سب کچھ دیا جائے تاکہ اللہ ان تمام بُرے اعمال کو ان کے اعمال ناموں سے چھپا دے جو وہ کرتے رہے تھے اور ان کے اچھے اعمال کی بہترین جزا عطا کرے جو انہوں نے کئے تھے۔کیا اے محمدؐ اللہ تیرے جیسے بندے کے لئے تمام اچھائیاں اور فضیلتیں دینے کے لئے کافی نہیں ہے؟ اور قریش تمہیں اللہ کے علاوہ دوسروں سے بھی خوفزدہ کرنا چاہتے ہیں اور جسے اللہ ہی گمراہ کردے اس کو ہدایت دینے والا کوئی ہادی نہیں ہوسکتا اور جسے اللہ ہی ہدایت کردے اس کو کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور کیا اللہ انتقام لینے کے لئے غالب رہنے والا نہیں ہے۔''(زمر 39/35-37)

یہ ہے حقیقی مومنین اور دوستدارانِ اہل بیت علیہم السلام کی حالت جس میں کم سے کم محنت اور جان گھلائے بغیر وہ سب کچھ ملتا ہے جو حضرت علی علیہ السلام چاہتے ہیں اور مواخذہ وحساب کے بغیر ہی تمام بُرے اعمال اعمالناموں سے مٹا دیئے جاتے ہیں اور فرشتوں کا حساب کتاب اور ریکارڈ بدل دیا جاتا ہے(خطبہ 105/20-23)لہٰذا محمدؐ و آل محمدؐ کے زیر سایہ رہو۔اُن سے محبت وعقیدت میں زندگی چین وراحت سے گزارو اور یقین کرلو کہ یہ دنیا اور ابلیس تم پر قابو نہ پاسکیں گے(حجر 15/42)۔اور تم ان خشک زاہدوں اور محبت اہلبیتؑ کے بغیر دن رات عبادت کرنے والوں اور فریاد وبُکا کرنے والوں سے لاکھوں درجہ بہتر اور بامراد زندگی گزاردو گے اور ہوسکتا ہے کہ تمہیں موت وزوال وفنا سے بچا کر منزل مقصود پر پہلے ہی پہنچا دیا جائے۔اور یہ دنیا اور اس کے جھمیلے ہاتھ ملتے رہ جائیں۔

4۔ حضرات آئمہ معصومینؑ دنیا اور دنیا کی تمام یا اکثر چیزوں کو محسوس ومشہور صورت میں پیش کرتے ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام دنیا اور دنیا کے عمل درآمد کو ہمارے سامنے ایک مادی اور جاندار وہوش مند دانشور کی شکل میں پیش فرماتے ہیں تاکہ ہم حضورؑ کے بیانات کو اپنے قلوب واذھان میں پوری طرح محسوس کرسکیں اور پوری طرح لطف اندوز ہوسکیں۔اور پھر حضورؑ کی ہدایات پر اسی طرح عمل پیرا ہوسکیں جس طرح ایک ہوش مند دشمن کے مقابلہ میں دفاعی اقدامات کرنے چاہئیں۔وہ چاہتے ہیں کہ ہم دنیا کے حالات کو اُس غور وفکر کے ساتھ زیر نظر رکھیں کہ ہمیں دنیا کا وہ اعلان سنائی دینے گے جو اس نے اپنے خاتمہ کے متعلق کیا ہے اور روزانہ کررہی ہے(خطبہ 105 جملہ 2)۔اور ہمیں دنیا کا پیچھے ہٹنا اور باشندگانِ زمین کو فنا کی طرف دھکیلنا نظر آنے لگے(خطبہ 105، جملہ 4 تا 5)اور ہم اپنی بصیرت کے کانوں سے دنیا کا وہ گیت سن سکیں جو وہ موت تک پہنچانے کے لئے گارہی ہے(خطبہ 105، جملہ 6)اور ہم دنیا کی چیزوں کو استعمال کرنے میں وہ تاثرات محسوس کرسکیں جو دنیا پیدا کررہی ہے۔یعنی کیا واقعی دنیا میٹھی میٹھی چیزوں کا ذائقہ بدل کر انہیں کڑوا کررہی ہے اور صاف ستھری چیزوں کو گندہ کررہی ہے اور معروفات کو منکرات میں بدل رہی ہے(خطبہ 105، جملہ 7 تا 8)یا یہاں پر حضرت علی علیہ السلام دنیا پرست لیڈروں کو دنیا کی صورت میں پیش

فرمار ہے ہیں۔یعنی دنیانہیں بلکہ لیڈرلوگ لوگوں کواچھائیوں سے روکنے برائیوں پرلگانے کے لئے یہ سب کچھ کررہے ہیں جوحضورؑ نے دنیا کے نام سے بیان فرمایا ہے؟ اورانہوں نے اس دنیا کوایسا بنادیا ہے کہ یہاں اچھائیوں اور مفید چیزوں کا فقدان ہوگیا ہے۔اور متلاشیانِ حق کو دنیا میں کم سے کم سامانِ ہدایت ملتا ہے(خطبہ 105، جملہ 9 تا 11)اورزیادہ سے زیادہ گمراہ کرنے والا سامان ہاتھ آتا ہے۔اور متلاشیانِ حق کو بدلی ہوئی صورتوں کی وجہ سے باطل حق معلوم ہونے لگتا ہے۔تلخ چیزیں میٹھی معلوم ہوتی ہیں؟ حضورؑ کا اندازِ بیان اپنے اندر طرح طرح کے پہلو لئے ہوئے چلتا ہے اور آپؑ کے ہر جملے میں دُوہرے دُوہرے پہلو موجود ہوتے ہیں۔یہ قاری اور مترجم کا کام ہے کہ حضور علیہ السلام کے منشا کی کھوج میں لگا رہے اور عملاً دنیا کی کسی صورت وشکل سے فریب نہ کھائے۔

5۔ حضور علیہ السلام دنیااوردنیا کی مُضر چیزوں سے خبر دار کرنے کے ساتھ ساتھ استفادہ سے نہیں روکتے۔

حضورعلیہ السلام یہ جانتے ہیں کہ انسانوں نے اسی دنیا کے قیام ورہائش میں آخرت کے لئے سامان آسائش ونجات فراہم کرنا ہے۔اس لئے حضورؑ دنیااور آسائش دنیا کوترک کردینے کا حکم نہیں دیتے بلکہ وہ دنیا سے اور سامانِ دنیا سے خبر دار رہنے کا تقاضہ ضرور فرماتے ہیں(جملہ 1)وہ یہاں چیزوں کوسمجھنے پر زور دیتے ہیں اور نہیں چاہتے کہ لوگ یہاں کی چیزوں اور آسائشوں اور زیبایشوں میں الجھ کررہ جائیں(جملہ 12)وہ یہاں تمناؤں،امیدوں اور منصوبوں کے تسلسل میں پھنس کراپنی عاقبت وآخرت کو بھول جانے سے منع فرماتے ہیں(جملہ 13 تا 14)وہ اس صورت حال سے خبر دار کرتے ہیں جس میں ایک تمنا پوری ہوتی ہے اور آدمی اُس سے متعلق دوسری تمنا اور امید وانتظام میں لگ جاتا ہے۔اللہ نے اولا دعطا کی تو اب اس کے پالنے، جوان ہونے ،بہترین تربیت کرنے اور اس کے اچھا مستقبل بنانے میں لگ جانا اور اس سلسلے میں اللہ سے دعائیں مانگنا۔عبادت کرنا وغیرہ سب قدرتی ہے مگر دوسری اولا دہو جانے پر پھر وہی سب کچھ کرنے اور زیادہ محنت ومشقت میں لگ جانا ضروری ہو جاتا ہے اور یہ سب کچھ گناہ نہیں ہوتا۔مگر مذکورہ ضروریات کی خاطر اللہ وامام زمانہ علیہ السلام کی طرف سے عاید ہوتے رہنے والے فرائض اور واجبات کی ادائیگی میں کمی یا نظراندازی بھی ساتھ میں لپٹی ہوئی چلی آتی ہے۔اور آدمی ترجیح دینے میں ان چیزوں کو پہلا نمبر دینے لگتا ہے جو زیادہ قریب سے دباؤ ڈالتی ہیں۔جہیز تیار کرلوں تو۔کالج کی فیس ادا کردوں تو فلاں کام کروں گا۔یہ الجھاؤ ہے جس سے بچنا ہے۔

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 54

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 53

خُطبہ ﴿106﴾

1۔میری بیعت کرنے کے لئے لوگ لوگوں پر گرے پڑ رہے تھے جیسے پیاسے اونٹوں کو آزاد چھوڑ دیا گیا ہو۔

2۔وہ بیعت کے لئے مجھ پر اس طرح ٹوٹ رہے تھے جیسا کہ مجھے یا کسی بیعت کرنے والے کو قتل کر دینے کا ارادہ کر رکھا ہو۔

3۔طلحہ وزبیر سے اگر جنگ نہ کرتا تو مجھے رسالت محمدؐ یہ کے انکار کا مجرم بننا پڑتا۔ جسے میں نے پسند نہ کیا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡم

فَتَدَاكُّوْا عَلَيَّ تَدَاكَ الْإِبِلِ الْهِيمِ يَوْمَ وِرْدِهَا قَدْ أَرْسَلَهَا رَاعِيهَا وَخُلِعَتْ مَثَانِيهَا؛	1	وہ بیعت کیلئے مجھ پر اس طرح ٹوٹ پڑے جس طرح پانی پینے کے دن وہ پیاسے اونٹ ایک دوسرے پر گرا کرتے ہیں جن کا پینکھڑا کھول کر چرواہے ان کو آزاد چھوڑ دیں۔
حَتّٰى ظَنَنْتُ أَنَّهُمْ قَاتِلِيَّ؛	2	مجھے یہ خیال ہونے لگا تھا کہ یا تو وہ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں اور:
أَوْ بَعْضُهُمْ قَاتِلُ بَعْضٍ لَدَيَّ؛	3	یا وہ میرے سامنے اپنے میں سے بعض بیعت کرنیوالے کو قتل کر دینا چاہتے ہیں
وَقَدْ قَلَّبْتُ هٰذَا الْأَمْرَ بَطْنَهُ وَظَهْرَهُ حَتّٰى مَنَعَنِيَ النَّوْمَ؛	4	میں نے بیعت توڑنے والوں کے معاملے پر الٹ پلٹ کر اس کے ظاہر و باطن پر اتنا غور وفکر کیا کہ میری نیند تک اڑ گئی تھی۔
فَمَا وَجَدْتُنِي يَسَعُنِيَ إِلَّا قِتَالُهُمْ؛	5	مگر پھر بھی مجھے ان سے جنگ کے علاوہ اور کوئی مناسب راہ نہ ملی۔
أَوِ الْجُحُودُ بِمَا جَاءَ بِهِ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ؛	6	یا جنگ نہ کروں تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری رسالت کا انکار کروں۔
فَكَانَتْ مُعَالَجَةُ الْقِتَالِ أَهْوَنَ عَلَيَّ مِنْ مُعَالَجَةِ الْعِقَابِ؛	7	چنانچہ میرے لئے اس کا آسان علاج جنگ ہی تھا عذاب کے مقابلے میں۔
وَمَوْتَاتُ الدُّنْيَا أَهْوَنَ عَلَيَّ مِنْ مَوْتَاتِ الْآخِرَةِ؛	8	اور مجھے آخرت کی تباہی سے دنیا کی اموات آسان معلوم ہوئیں۔

تشریحات:

بیعت کرنے والوں کا ہجوم وجوش وخروش اِس لئے تھا کہ باقاعدہ بیعت وخلافت پہلی دفعہ واقع ہوئی تھی

حضرت علی علیہ السلام نے اپنی بیعت کے نظارہ کو یوں بھی بیان فرمایا ہے کہ:

''میری بیعت خلفائے ثلاثہ کی طرح جبراً وقہراً اور ناگواری وناپسندیدہ ماحول میں نہیں ہوئی تھی بلکہ لوگوں نے بڑے ذوق وشوق اور جوش

کے عالم میں اس طرح بیعت کی تھی۔ کہ میں اپنے ہاتھوں کو سمیٹتا تھا اور لوگ اُنہیں کھینچ کر پھیلا رہے تھے اور بیعت کرتے جارہے تھے۔ میں اپنے ہاتھوں کو اپنے قابو میں رکھنا چاہتا تھا لیکن بیعت کرنے والے اُن کو کھینچ کھینچ لیتے اور بیعت کرتے تھے۔ اس انبوہ کے ہجوم میں میرے جوتے ٹوٹ گئے تھے۔ میری چادر پھٹ گئی تھی۔ ضعیف لوگ کچل کر رہ گئے تھے۔ بڈھے لوگ لڑکھڑاتے ہوئے پہنچے اور بیعت کی۔ عورتوں نے نقابیں اُٹھا رکھی تھیں۔''

بہرحال حضور علیہ السلام کی بیعت اور حکومت پر عوام الناس نے حد بھر مسرت کا اظہار کیا تھا۔ جو اس سے پہلے مسلمانوں میں کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ آپ نے از خود خلافت حاصل کرنے کے سلسلے میں کوئی ایسی کوشش نہیں کی تھی جیسی کوشش متوقع تھی اور عمر نے اپنے بیانات میں آپؑ کے خلاف مشہور کردیا تھا کہ آپ خلافت کے لئے بہت حریص ولالچی ہیں۔ لہٰذا لوگ برابر یہ توقع کرتے چلے آرہے تھے کہ آپؑ کی طرف سے ایسی اور ایسی کوشش ہونا چاہیئے۔ لیکن آپؑ کے عملی پروگرام نے عمر کے الزامات کو جھوٹا اور باطل ثابت کردیا اور لوگوں کی توقعات خاک میں ملتی چلی آئیں اور اُلٹا یہ یقین پیدا ہوگیا تھا کہ حضرت علی علیہ السلام ہرگز خلافت حاصل کرنے کی کوشش نہ کریں گے۔ سبب یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمادیا تھا کہ اَے علیؑ تم کعبہ کی طرح ہو لوگ کعبہ کے پاس آتے ہیں کعبہ کسی کے پاس نہیں جاتا اگر یہ لوگ خود تمہارے پاس آکر خلافت تمہیں دیں تو لے لینا تم اُن کے پاس خلافت کے لئے نہ جانا۔ لہٰذا یہ بات طے شدہ تھی کہ خلافت دینے کے لئے لوگ آئیں گے۔ اور حضور علیہ السلام اسی کے منتظر تھے۔ اس یقین کی وجہ سے ایروں غیروں نے خلافت کے حصول کی کوششیں کی جماعتیں بنائیں لیکن حضرت علیؑ نے ثابت کردیا کہ وہ نہ خلافت کے محتاج ہیں نہ وہ اس ذیل میں ہاتھ پھیلائیں گے۔

2۔ خلافت چاہنا تو کہاں، آپؑ تو حکومت وخلافت قبول کرنے سے انکار فرماتے رہے ہیں۔

اور جب وہ وقت آگیا اور لوگ خلیفہ بنانے اور حکومت قبول کرنے کی درخواست لے کر آئے تو آپؑ نے برابر انکار کیا۔ تاکہ تہمت تراشی کرنے والوں پر لوگ لعنت کرتے رہیں اور ساری دنیا کو معلوم ہوجائے کہ وہ لوگ بڑے گھٹیا درجے کے لوگ تھے جو حضرت علی علیہ السلام کے حقوق غصب کرنے میں تھرڈ کلاس کی جھوٹی افواہیں بھی اُڑاتے اور پھیلاتے رہے اور یوں عوام کو حضورؑ سے متنفر کرنے کی کمینہ کوششوں تک سے دریغ نہ کیا۔ مودودی سے بھی سن لیں:

''اُس وقت اُن چھ اصحاب میں سے چار موجود تھے جن کو حضرت عمر نے اپنی وفات کے وقت اُمت کے مقدم ترین اصحاب قرار دیا تھا۔ ایک حضرت علیؑ۔ دوسرے حضرت طلحہ۔ تیسرے حضرت زبیر۔ چوتھے حضرت سعد بن وقاص۔ ان میں سے حضرت علیؑ ہر لحاظ سے پہلے نمبر پر تھے۔ شوریٰ کے موقع پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے امت کی عام رائے معلوم کرنے کے بعد یہ فیصلہ دیا تھا کہ حضرت عثمان کے بعد دوسرے شخص جن کو اُمت کا زیادہ سے زیادہ اعتماد حاصل ہے، حضرت علیؑ ہی ہیں۔ اس لئے یہ بالکل فطری امر تھا کہ لوگ خلافت کے لئے اُن ہی کی طرف رجوع کرتے۔ صرف مدینے ہی میں نہیں پوری دنیائے اسلام میں دوسرا کوئی شخص ایسا نہ تھا جس کی طرف اس غرض کے لئے مسلمانوں کی نگاہیں اُٹھتیں۔ حتیٰ کہ اگر آج کے رائج طریقوں کے مطابق بھی کوئی انتخاب کرایا جاتا تو لازماً عظیم اکثریت کے ووٹ اُن ہی کو حاصل ہوتے چنانچہ تمام معتبر روایتوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اور دوسرے اہل مدینہ اُنؑ کے پاس گئے اور اُنؑ سے کہا'' یہ نظام کسی امیر کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا، لوگوں کے لئے ایک امام کا وجود ناگزیر ہے اور آج آپؑ کے سوا ہم

کوئی ایسا شخص نہیں پاتے جو اس منصب کے لئے آپ سے زیادہ مستحق ہو۔ نہ سابق خدمات کے اعتبار سے اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرب کے اعتبار سے۔'' اُنہوںؑ نے انکار کیا اور لوگ اصرار کرتے رہے۔ آخر کار انہوںؑ نے کہا کہ: ''میری بیعت گھر بیٹھے خفیہ طریقے سے نہیں ہوسکتی، عام مسلمانوں کی رضا کے بغیر ایسا ہونا ممکن نہیں ہے۔'' پھر مسجد نبوی میں اجتماع عام ہوا اور تمام مہاجرین وانصار نے اُنؑ کے ہاتھ پر بیعت کی۔'' (خلافت وملوکیت صفحہ 121-122)

مودودی کے اِس محققانہ بیان پر ایک تاریخی وواقعاتی نظر: جوں جوں خلفائے ثلاثہ اور قریش ساز حکومت پر زمانہ گزرتا گیا قریشی علمانے جھوٹ کو سچ کا لباس پہنانے میں ترقی جاری رکھی۔ مودودی کا زمانہ آتے آتے جھوٹ کو سو فیصد سچ بنادیا گیا۔ لیکن یہ باطل پرست علما لوگوں کی نہ آنکھیں بند کرسکتے تھے نہ زبان بندی کرسکتے تھے اور نہ قریش کے تیار کردہ سابقہ ریکارڈ اور کتابوں کو بدل سکتے تھے۔ اس لئے اہلِ نظر کے سامنے اُن کی فریب سازی برابر کھڑی رہی اور وہ اُن سازشوں پر برابر مطلع رہتے چلے آئے اور آج بھی اگر کوئی قریشی کردار اور فراڈ کا سلسلے وار مطالعہ کرے صاف دیکھ سکتا ہے کہ مودودی نے کتنا جھوٹ لکھا اور اُمت کو کتنا فریب دیا ہے؟ چنانچہ مودودی نے جو کچھ لکھا اُس میں ہر کلیدی مقام پر جھوٹ بولا ہے۔ اور اس جھوٹ میں کئی ایسی اصولی باتیں مان لی ہیں جن سے قریشی خلافت اور خلافت سازی باطل ہوکر رہ جاتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے یہ جملہ لفظ بلفظ غلط، جھوٹ اور بطور فریب لکھا ہے کہ:

''شوریٰ کے موقع پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے اُمت کی عام رائے معلوم کرنے کے بعد یہ فیصلہ دیا تھا کہ حضرت عثمان کے بعد دوسرے شخص جن کو اُمت کا زیادہ سے زیادہ اعتماد حاصل ہے حضرت علیؑ ہی ہیں۔''

قارئین غور کریں کہ شوریٰ کی کارروائی جو کچھ بھی ہوئی اور جس طرح بھی ہوئی وہ مدینہ شہر کے اندر ہوئی تھی وہاں ساری اُمت کبھی اور کسی زمانہ میں جمع نہ ہوئی تھی۔ لہٰذا مودودی کا زیرِ نظر جملہ خالص بکواس، جھوٹ اور فریب ہے۔ پھر یہ بھی فریب ہے کہ عبدالرحمٰن نے حضرت علیؑ کو دوسرا نمبر دیا تھا۔ اُس نے تو پہلے نمبر پر حضرت علیؑ کو خلافت دینے کے لئے بلایا تھا۔ اور وہ یقیناً اور مجبوراً بادل نخواستہ حضرت علی علیہ السلام کو خلافت دیتا اور اُن کی بیعت کرتا اگر حضرت علیؑ نے اُس کی شرط کو ٹھکرا نہ دیا ہوتا۔ لہٰذا محفل کا کام چلانے اور قریشی خلافت کے بطلان پر پردہ ڈالنے کے لئے یہ مذکورہ جملہ کافی مدد دیتا ہے۔

مودودی کے بیان پر دوسری نظر: مودودی کے اس بیان میں یہ بات اگر صحیح ہے کہ ''یہ نظام کسی امیر کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا لوگوں کے لئے ایک امام کا وجود ناگزیر ہے'' تو یہ بات سراسر جھوٹ اور فریب ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسلامی نظام کے اور امام کے قیام کی اہمیت معلوم نہ تھی اور یہ کہ انہوں نے کوئی امام وامیر مقرر نہ کیا تھا'' پھر مودودی کا امیر وامام کے لئے اسلام میں سابقہ اسلامی خدمات کو اور رسولؐ سے قربت کو شرط بنانا بتاتا ہے کہ اس سے پہلے کسی خلیفہ کے تقرر کے وقت یہ دونوں شرطیں سامنے نہ رکھی گئی تھیں ورنہ اُس وقت بھی حضرت علی علیہ السلام سے زیادہ کوئی امیری اور امامت کا مستحق نہ تھا۔ لہٰذا ابوبکر وعمر وعثمان کی خلافت وحکومت باطل اور غصب شدہ ثابت ہوگئی۔ پھر وہ خلافتیں اسی بیان سے اور حضرت علی علیہ السلام کے اعلان سے بھی باطل ثابت ہوگئیں اس لئے کہ ان کے لئے نہ اجتماع عام ہوا نہ عام مسلمانوں کی رضامندی حاصل کی گئی۔ یہی نہیں بلکہ اُن تینوں خلفا کے خلاف مسلمانوں کی کثرت نے احتجاج کیا اور قتل وخونریزی تک نوبت پہنچی اور قریشی ریکارڈ کی رُو سے سارا عرب اسلام چھوڑ کر مرتد ہوگیا تھا۔

3۔ حضرت علیؑ کی بیعت پر قصیدے لکھے گئے اور قریشی خلفا کی مذمت کی گئی۔

اور حضرت علی علیہ السلام کی بیعت پر تمام مسلمانوں نے خوشیاں منائیں، قصیدے پڑھے، اطمینان کا اظہار کیا اور سابقہ قریشی خلفا کی مذمت بھی کی اور حضرت علی علیہ السلام کے فضائل بیان کئے چنانچہ صحابی رسول خزیمہ بن ثابت انصاری کے قصیدے کے چند شعر لکھتے ہیں یہ وہ بزرگ صحابی ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے **ذوالشہادتین** (اکیلا دو گواہوں کے برابر) کا لقب دیا تھا اور شیعہ وسنی ریکارڈ میں اس لقب پر اتفاق ہے۔ انہوں نے قصیدے میں کہا کہ:

اِذَا نَحْنُ بَايَعْنَا عَلِيًا فَحَسْبُنَا | اَبُوحَسَنٍ مِمَّا يُخَافُ مِنَ الْفِتَنِ
وَجَدْنَاهُ اَوْلَى النَّاسِ بالنَّاسِ اَنَّهُ | اَطُبُّ قُرَيْشٍ بِالْكِتَابِ وَ بِالسُّنَنِ
وَاَنَّ قُرَيْشًا لَا تَشقّ غُبَارَه | اِذَا مَاجَرىٰ يَوْمًا عَلٰى ضَمرالْبَدَنِ فَفِيْهِ
اَلَّذِىْ فِيْهِمْ مِنَ الْخَيْرِ كُلَّه | وَمَافِيْهِمْ بَعْضَ الَّذِى فِيْهِ مِنَ الْحَسَنِ
وَصِىُّ رَسُوْلِ مِنْ دُوْنِ اَهْلِهٖ وَفَارِسُهٗ | قَدْ كَانَ فِىْ سَالِفِ الزَّمَنِ
وَاَوَّلُ مَنْ صَلّٰى مِنَ النَّاسِ كُلِّهِمْ | سِوىٰ خَيْرَةُ النِّسْوَانِ وَاللّٰهِ ذِى الْمَنَن
وَصَاحِبِ كَبْشِ الْقَوْمِ فِىْ كُلِّ دَفْعَةٍ | يَكُوْنُ لَهَا نَفْسَ الشُّجَاعِ الَّذِى الدَّقَنِ
فَذَاكَ الَّذِى ثَنَى الحناجر بِاِسْمِهٖ | اِمَامُهُمْ حَتّٰى اُغِيْبُ فِى الْكَفَن

"جب ہم نے ابوالحسن علیؑ بن ابیطالبؑ سے بیعت کر لی تو ہم فتنوں سے پیدا ہونے والی تمام باتوں سے محفوظ ہو گئے۔ ہم نے اُن کو تمام انسانوں کے لئے تمام انسانوں سے بہتر پایا۔ اور بلاشبہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسولؐ اللہ کے تمام قریش سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ اگر وہ کسی روز لاغر اور دُبلے ناقہ پر سوار ہو کر جائیں تو بھی قریش اُن کے غبار تک نہ پہنچ سکیں گے۔ قریش میں جتنی خوبیاں ہیں وہ تمام علیؑ میں موجود ہیں مگر علیؑ میں جو خاص صفتیں ہیں قریش اُن سے بے بہرہ ہیں۔ قربتِ رسولؐ کے ساتھ ساتھ وہ رسولؐ کے وصی بھی ہیں۔ اور قدیم سے اُن کے ایک بہادر شہسوار رہے ہیں۔ قسم ہے خدائے ذوالمنن کی کہ اُنہوںؑ نے سوائے حضرت خدیجۃ الکبریٰ بہترین زنان کے تمام لوگوں سے پہلے نماز پڑھی ہے سردار قوم پیغمبرؐ کے ساتھ ہر ایک جنگی معرکہ میں تیغ بکف رہے۔ جہاں بڑے بڑے بہادروں کی جانیں خوف کے مارے ٹھوڑیوں پر آ جایا کرتی تھیں۔ لہٰذا وہؑ وہی ہستی ہیں کہ نرخرے اُن کے نام کی مدح وثنا کرتے رہتے ہیں اور وہ تاحیات کفن پوشی سے پہلے پہلے تمام مخلوق کے امام ہیں۔"

4۔ اُن ملاعین کا ذکر جنہوں نے قریشی منصوبہ خلافت کی وفاداری نباہنے کے لئے حضورؑ کی بیعت نہیں کی تھی۔

یہ تذکرہ بار بار ہوا ہے کہ قریش نے حضرت علی علیہ السلام کو حکومت سے محروم کرنے کا عہد ابتدائے نبوت ہی میں کر لیا تھا اور طے کیا تھا کہ وہ خاندان رسولؐ میں حکومت وخلافت نہ جانے دیں گے بلکہ ایک قومی، جمہوری اور قریشی حکومت بنائیں گے (الفاروق حصہ اول صفحہ 103 اور تاریخ طبری) اس مقصد کے لئے قریش نے شخصی وموروثی مطلق العنان حکومت کی اس قدر خرابیاں اور نقصانات عوام میں پھیلائے تھے کہ لوگ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن کے احکام تک سے متنفر ہو گئے تھے اور قرآن وحدیث کی کھل کر مخالفت کرتے تھے اور اُنہوں نے حضرت علی علیہ السلام کی حکومت سے تمام دانشوران قریش کو خوفزدہ کر دیا تھا۔ وہ سمجھتے تھے اور تقریباً ٹھیک ہی سمجھتے تھے کہ حضرت علی علیہ السلام کی حکومت اُن ہی اصولوں اور بنیادوں پر قائم ہوگی اور چلے گی جن بنیادوں اور اصولوں پر رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کی حکومت قائم رہی تھی۔ یعنی کسی بڑے سے بڑے لیڈر اور سردار قوم کو بھی چون وچرا کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔ وہ کسی سے مشورہ لے کر احکامات جاری نہ کریں گے۔ اُن کے منہ سے نکلا ہوا ہر حکم اللہ کا حکم ہوگا جس کی اطاعت تمام انسانوں پر واجب ہوگی۔ کسی کو لیت ولعل کی اجازت نہ ہوگی۔ خلاف ورزی پر قرآنی سزا دی جائے گی۔ رسولؐ اللہ کے سامنے تو چوں وچرا اور خلاف ورزی کرنے کی گنجائش نکال لی جاتی تھی لیکن حضرت علیؑ کے علم وبیان کے سامنے زبان کھولنا ناممکن ہو جائے گا۔

پھر وہ اُن قبیلوں اور خاندان کو آسانی سے ہم خیال بنا سکے تھے۔ جن کے بہادر ذوالفقار کا لقمہ بنے تھے۔ بہرحال قریش نے عہدِ رسولؐ ہی میں قرآن کے تمام متعلقہ اور کلیدی مقامات و آیات کی ایسی تاویلات و تشریحات قوم میں پھیلا دی تھیں جن سے قرآن کے مقاصد کو مجہور کر کے دوسرے مقاصد و مطالب وابستہ کردیئے تھے (سورہ فرقان 27 تا 31/25، انعام 65 تا 68/6) اور قریش کو عادی بنا دیا تھا کہ وہ قریشی مرکز کے خلاف خود رسولؐ کا حکم نہ مانتے تھے (مائدہ 41/5)۔ لہٰذا قریشی پروپیگنڈے نے قومی حکومت بنالی ساری آبادی نے حضرت علیؑ کو خوشی خوشی خلافت سے محروم کیا اور اپنے ایسے خلفاو حکمران بنائے جو اُن کے مفاد کو مدنظر رکھیں، اُن کے مشوروں کے ماتحت رہیں اور اُن کی مصلحتوں کے خلاف کوئی اقدام نہ کریں۔ اُنہیں یقین کامل تھا کہ حضرت علی علیہ السلام ہرگز قرآن کے خلاف عمل نہ کریں گے۔ اور اُن کے مفاد، مصلحت اور مشوروں کی ذرہ برابر پرواہ نہ کریں گے۔ اس یقین کی بناپر دانشوران قریش وانصار ودیگر سرداران قوم نے بڑی رغبت و کوشش وانہماک سے ابوبکر وعمر وعثمان کی اطاعت کی اور وہ نہ چاہتے تھے کہ حکومت حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھ میں آئے لیکن حضرت علیؑ کے منصوبۂ صبر نے چوتھائی صدی کے ختم ہونے کے ساتھ قریشی حکومت کا جنازہ نکال دیا جسے مسلمانوں کے قبرستان تک میں جگہ نہ ملی جسے بے غسل وکفن یہودی قبرستان میں خود حضرت علی علیہ السلام کی مدد سے دفن کیا گیا اور حالات اس طرح پلٹ پڑے کہ عوام الناس کے دباؤ سے قریش اور مخالفین مرتضوی کی کثرت کو بیعت کرنا پڑی اور انہیں اتنی فرصت ہی نہ ملنے پائی کہ اپنے منصوبہ خلافت پر غور کر کے فرار کی کوئی راہ نکال سکتے۔ بہرحال ان تمام حالات کے باوجود اُن لوگوں کا تاریخ میں ذکر کیا گیا ہے جنہوں نے حضرت علی علیہ السلام کی بیعت نہ کی اُن میں سے سب سے بڑا ملعون امام حسین علیہ السلام کے قاتل عمر بن سعد کا باپ سعد بن وقاص تھا۔ اُس کے بعد دوسرے درجہ پر خلیفہ دوم عمر کا بیٹا عبداللہ بن عمر تھا۔ اِس نے حضرت علی علیہ السلام کی بیعت نہیں کی تھی مگر اُس نے معاویہ ویزید کی بڑی دھوم دھام سے بیعت کی تھی۔ اور یہ عبداللہ بن عمر عبدالملک بن مروان کی بیعت کے لئے حجاج بن یوسف کے پاس آیا اور اُس سے عبدالملک بن مروان کی بالواسطہ بیعت کے لئے ملتجی ہوا۔ لیکن حجاج عبداللہ بن عمر پر خفا ہوا اور کہا کہ تو نے کل علیؑ بن ابیطالب کو بیعت کے قابل نہ سمجھا اور آج عبدالملک کی بیعت کے لئے بے چین ہے یہ کہہ کر پیر بڑھا دیا اور کہا کہ اس وقت میرا ہاتھ خالی نہیں تم میرے پیر پر عبدالملک بن مروان کی بیعت کرو اور اپنے گھر جاؤ۔

وہ انصار جنہوں نے حضرت علیؑ کی بیعت نہیں کی تھی۔

انصار میں سے بیعت نہ کرنے والے۔ 1۔ حسان بن ثابت شاعر۔ 2۔ کعب بن مالک۔ 3۔ سلمان بن مخلد۔ 4۔ ابوسعید خدری۔ 5۔ محمد بن مسلمہ 6۔ نعمان بن بشیر۔ 7۔ زید بن رافع بن خدیج۔ 8۔ فضالہ بن عبید۔ 9۔ کعب بن عجرہ۔ اِن سب نے حضرت علی علیہ السلام کے تمام دشمنوں کی بیعت کی لیکن آپؑ سے بیعت نہیں کی۔ قاضی نوراللہ شوستری، ابوسعید خدری کے رجوع کرنے کے قائل ہوئے ہیں لیکن اُنہوں نے رجال ابن داؤد سے دھوکا کھایا ہے۔ ہم ابوسعید خدری کو ملاعین کی اگلی صف میں شمار کرتے ہیں۔

حضرت علیؑ کی بیعت اور حکومت ظاہری کی تاریخ 18 ذی الحجہ 35 ہجری۔

حضور علیہ السلام کی بیعت اور نفاذ حکومت ظاہری اٹھارہ ذی الحجہ 35 ہجری بروز جمعہ کو ہوا تھا۔ لیکن یہ غلط ہے کہ عثمان اس تاریخ کو قتل ہوا تھا۔ حضورؑ اُس کے قتل کے بعد تین روز تک بیعت کو ٹالتے رہے اور قریش اینڈ کمپنی کو تولتے رہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ عثمان کے قتل کی صحیح ترین تاریخ 14 یا 15 ذی الحجہ 35 ہجری ہے اور اس قسم کی تمام روایات خود ساختہ ہیں کہ۔ 1۔ موسیٰ علیہ السلام نے اُسی دن وتاریخ کو ساحروں پر فتح پائی

تھی۔2۔اور فرعون کو غرق کیا گیا۔3۔یوشعؑ بن نون کو وصی بنایا گیا۔4۔آصف برخیا وصی بنائے گئے۔5۔شمعون کو وصی بنایا گیا۔یہ صحیح ہے 18 ذی الحجہ ہی کو رسولؐ اللہ نے غدیر خم پر حضرت علی علیہ السلام کی خلافت و امامت پر بیعت لی تھی۔یہ بھی یاد رکھیں کہ کسی خاص دن کو مقدس و متبرک بنانے کے لئے جہاں بھی روایات کا انبار ملے اُسے خود ساختہ سمجھ کر نظر انداز کردیں ایسی روایات کی تصدیق معصومین علیہم السلام سے نہیں ہوئی ہے۔ مثلاً نوروز کے لئے کافی علما نے یہ انبار لگایا ہے جو سراسر باطل ہے۔اور شیعہ مذہب اور نظام حضرت حجۃ علیہ السلام سے اس کا کوئی دُور کا بھی تعلق نہیں ہے۔بہر حال حضور علیہ السلام نے حکومت قبول فرمالی اور اپنے خطبہ کی ابتدا یوں فرمائی کہ۔

1۔اَلْحَمْدُلِلّٰهِ عَلٰی اِحسَانِهٖ لَقَدْ رَجَعَ الْحَقُ اِلٰی مَکَانِهٖ۔

''تمام حمد وستائش اللہ کے اس احسان پر ضروری ہے کہ یقیناً حق اپنے مکان کی طرف پلٹ آیا ہے۔'' اور یہ بھی کہ۔

2۔اِلْاٰنَ اِذْرَجَعَ الْحَقُّ اِلٰی اَهْلِهٖ وَنُقِلَ اِلٰی مُنْتَقِلِهٖ۔

''یہ ہی گھڑی ہے وہ جس میں حق اپنے اہل کی طرف پلٹا ہے اور غلط مقام سے صحیح مقام کی طرف منتقل ہوگیا ہے۔''

3۔فقَدْ طَلَعَ طَالِعٌ وَلَمَعَ لَامِعٌ وَلَاحَ لَائِحٌ وَاعْتَدَلَ مَائِلٌ؛

وَاسْتَبْدَلَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ قَوْمًا؛وَبِيَوْمٍ يَوْمًا ؛وَانْتَظَرْنَا الْغِيَرَ انْتِظَارَ الْمُجْدِبِ الْمَطَرَ ؛

''یقیناً آفتاب خلافت اُفقِ ولایت سے طلوع ہوگیا۔اور قمر امامت برج حق سے چمک اُٹھا اور کوکب امارت فلک وصایت پر چمکا اور جو امور کہ باطل کی طرف مائل ہوگئے تھے ٹھیک جگہ قائم ہوگئے اللہ نے ایک قوم کو دوسری قوم سے بدل دیا اور باطل دنوں کی جگہ حق کے دنوں کو لے آیا۔ اور ہم حکومت باطل کے بدلنے کا اس طرح انتظار کر رہے تھے جس طرح خشک سالی میں بارش کا انتظار کیا جاتا ہے۔''

اس کے بعد حمد وثنائے الٰہی مکمل کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کی ستائش بیان فرمائی۔اور نعمتوں کا ذکر فرمایا جو مسلمانوں پر مبذول ہوئیں۔پھر دنیا اور اموال دنیا اور اسباب دنیا کی برائیاں بیان کیں اور آخرت کے لئے تیاری اور نعمتیں جمع کرنے کا شوق دلایا اور پھر فرمایا کہ اے لوگو میں تمہیں تمہارے نبیؐ کی راہ پر چلاؤں گا۔اگر تم اطاعت کا حق ادا کرتے رہے تو تمہارے درمیان احکام خدا اور سوؐل کی سنت کو قائم کردوں گا۔آگاہ ہو جاؤ کہ میرا مقام و مرتبہ رسولؐ کے ساتھ آج بھی وہی ہے جو اُن کی حیات کے دوران تھا۔میں جس امر کا تمہیں حکم دوں گا تم اُس پر کاربند ہو جاؤ۔اور جس بات سے منع کروں اس سے باز رہو۔جب تک تفصیل اور تشریحات ہم سے نہ سن لو اپنی رائے کو دخل نہ دینا۔یہ اس لئے کہ ہمارے پاس ہی وہ تمام عذرات و معلومات ہیں۔جن تک پہنچنے سے تمہاری عقلیں قاصر ہیں۔اور خدا اس پر گواہ ہے کہ میں تم پر حکومت کرنے سے کراہت کرتا رہا ہوں۔اور اب تمہارے اصرار و التجا کی وجہ سے راضی ہوا ہوں۔اس کے بعد حضورؐ نے داہنے اور بائیں نظر ڈالی اور فرمایا کہ تم میں جو لوگ دنیا میں غرق ہیں اور نفیس محلوں میں بود و باش رکھتے ہیں اور اپنی آسائش و آرائش کے لئے محلوں میں نہریں جاری کررکھی ہیں اور تیز وتند گھوڑوں پر سواری کرتے ہیں اور حسین و جمیل کنیزوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور غلاموں سے دن رات خدمت اور محنت لیتے ہو حالانکہ یہ سب کچھ صورت حال اُن کے لئے جائز نہیں ہے اور باعث ننگ و شرم ہے۔کل جس وقت وہ ان کاموں سے روکے جائیں گے۔اور اُن سے اللہ کے اور بندوں کے حقوق واجبہ کا مطالبہ کیا جائے گا تو وہ انکار کے ساتھ پیش آنے والے ہیں۔انہیں چاہئے کہ اللہ کے احکام کی تعمیل کریں یہ اعتراض نہ کریں کہ ابوطالبؑ کا بیٹا ہمیں ہمارے حقوق سے محروم کررہا ہے اور ہمارے حاصل کردہ درجات اور وقار کی پرواہ نہیں کرتا ہے۔غور سے سنو کہ اگر تم نے اپنے کردار سے کچھ شرف

وبزرگی حاصل کی تھی اور تم نے اُسے اپنے اعمال سے ضائع نہیں کیا تو اُس کا اجروثواب تمہیں اللہ کے یہاں موجود ملے گا۔مگراس دنیا میں تمام مسلمانوں کے حقوق برابر ہیں اور حقوق میں کسی کو کسی پر ترجیح نہیں ہے۔ یہ مال واسباب اللہ کا مال واسباب ہے۔اور تم سب اللہ کے بندے ہو لہٰذا یہ مال تمہارے درمیان مساوی تقسیم ہوا کرے گا۔لہٰذا کل تم سب ہمارے پاس آؤ تاکہ جو مال موجود ہے وہ تم میں برابر انصاف کے ساتھ تقسیم کیا جائے گا۔تم عربی ہو یا عجمی ہو غلام ہو یا آزاد ہو صحابی ہو یا غیر صحابی ہو تمہیں حقوق میں ایک دوسرے پر ترجیح نہیں دی جائے گی۔اس کے بعد خطبہ ختم کر کے منبر سے اُتر آئے۔اسکافی کہتا ہے کہ یہ پہلا خطبہ تھا جسے سن کر لوگوں نے حضورؑ کی مخالفت میں قدم رکھا۔دلوں میں عداوت پیدا ہوئی اور بڑے لوگوں میں جان چھڑانے اور سابقہ رویہ پر قائم رہنے کی فکر پیدا ہوئی اور لوگ جمع ہو ہو کر مشورے کرنے لگے۔بہرحال اگلے روز حسب الحکم سب لوگ جمع ہوئے۔حضورؑ نے وہ مال طلب فرمایا جس کا نہ کسی کو ٹوٹل (میزان) معلوم تھا نہ یہ معلوم تھا کہ مال کے حقداروں کی کل تعداد کتنی ہے۔حضورؑ نے اپنے کاتب ابورافع کو تین تین دینار فی کس تقسیم کرنے کا حکم دیا۔بیان ہوا کہ سہیل بن حنیف انصاری نے اُسی دن اپنے غلام کو آزاد کیا تھا اور وہ بھی تقسیم کے وقت موجود تھا سہیل نے حضورؑ سے کہا کہ حضور یہ کل تک میرا غلام تھا آج میں نے اُسے آزاد کر دیا ہے لہٰذا آپ مجھے اور میرے غلام کو برابر کی رقم دلوا رہے ہیں۔فرمایا کہ تم دونوں اس تقسیم میں مساوی ہو لہٰذا دونوں کو تین تین دینار دیئے گئے۔اور لکھا گیا ہے کہ تین تین دینار کے حساب سے پوری رقم حقداروں میں پوری پوری تقسیم ہوگئی اور حضرت علی علیہ السلام کو بھی تین دینار ملے۔تقسیم کا حکم دے کر حضورؑ مسجد قبا میں نماز کے لئے تشریف لے گئے۔ پیچھے طلحہ وزبیر اور عبداللہ بن عمر۔سعید بن عاص۔مروان بن حکم نے قریش اور غیر قریش سے اُسی روز اس تقسیم کی کھل کر مخالفت کی۔عبیداللہ بن ابورافع کاتب کہتا ہے کہ میں نے عبداللہ بن زبیر کو دیکھا کہ اپنے باپ اور باپ کے اصحاب سے کہتا ہے کہ کل ہم بالکل نہ سمجھے کہ کل کی باتوں سے علی کا یہ ارادہ تھا؟ سعید نے زید بن ثابت کو مخاطب کر کے کہا کہ یہ سب ہم کو سنایا گیا تھا۔عبیداللہ کہتا ہے کہ مجھ سے ضبط نہ ہو سکا میں نے سعید اور عبداللہ بن زبیر سے کہا کہ یہ قرآن میں اللہ نے ٹھیک فرمایا ہے کہ: وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ـ(مومن 23/70)اُن قریشی مسلمانوں کی کثرت حق کو ناپسند کرتی ہے۔پھر میں نے یہ سارا واقعہ بے کم وکاست حضرت علی علیہ السلام کو سنا دیا۔آپؑ نے فرمایا کہ اگر میں زندہ وسلامت رہا تو اُن کو راہ راست پر لا کر چھوڑوں گا۔خدا ہلاک کرے اولادِ عاص کو کہ وہ میری نگاہ سے کل ہی سمجھ گیا تھا کہ میرا مقصود اس خطبے سے وہ اور اُس کے ساتھی ہیں۔جنہوں نے دین کو دنیا کے بدلے میں فروخت کر دیا ہے۔اگلے روز نماز صبح کے بعد ابھی لوگ مسجد ہی میں تھے کہ طلحہ وزبیر نکل کر مسجد کے ایک گوشہ میں جا بیٹھے ذرا دیر بعد سعید وابن زبیر اور مروان بھی آ کر اُن میں شامل ہو گئے۔پھر کچھ اور آدمی اس جلسے میں شریک ہو گئے۔اُن کے درمیان کچھ آہستہ آہستہ باتیں ہوتی رہیں پھر ولید بن عقبہ اُٹھا اور امیر المومنین کی خدمت میں آیا اور کہا کہ یا ابوالحسنؑ ہم سب تمہارے ہاتھ سے صدمے اُٹھائے ہوئے ہیں۔میرا باپ تمہارے ہاتھ سے جنگ بدر میں قتل ہوا۔ہمارا بھائی عثمان کل ہی گھر میں محصور ہو کر قتل ہوا تم نے مطلق مدد نہ کی۔سعید کے باپ عاص کو بروز بدر تم نے قتل کیا جو باعتبار قوت وجسامت قریش کا سانڈ کہلاتا تھا۔مروان کے ساتھ تم نے یہ سلوک کیا کہ عثمان نے جب اُس کے باپ حکم کو مدینہ میں بلوایا تو تم نے اُس کے سامنے بہت سے عیب اُس میں نکالے۔ہم خود تمہارے بھائی برادر ہیں کسی بھی معاملے میں ہم خود کو تم سے کمتر نہیں سمجھتے۔اس شرط پر بیعت کرتے ہیں کہ عثمان کے زمانہ میں جو مال ہمارے تصرف میں آیا اس کا مطالبہ نہ کرنا۔اور عثمان کے قاتلوں سے قصاص لینا۔ورنہ اگر ہماری طرف تمہاری نیت کچھ اور ہے تو ہم کو چھوڑ دو کہ ہم شام چلے جائیں۔حضورؑ نے فرمایا کہ تمہارا یہ کہنا کہ تم سب صدمہ یافتہ ہو یہ صدمہ اور ایذا تمہیں اللہ کے حکم سے پہنچائی گئی تھی اس لئے کہ میں نے اللہ ورسولؐ کے احکام کے

ماتحت تم سے جہاد کیا تھا۔اور یہ کہنا کہ تم سے مالی مطالبہ نہ کیا جائے اس کے لئے میں مختار نہیں ہوں کہ اللہ کے مال کو تمہارے لئے چھوڑ دوں۔ اور عثمان کے قاتلوں سے قصاص لینا تو اگر میں اس قصاص کو آج لازم سمجھتا تو کل ہی اس کا قصاص لے لیا ہوتا۔لیکن اگر تم مجھ سے خوفزدہ ہو تو میں تمہارا خوف دور کر کے تمہیں مطمئن کروں گا اور مجھ سے ڈرتے ہوئے اگر تم کہیں جانا چاہو گے تو تمہیں منع نہ کروں گا۔ولید یہ جواب سن کر اپنی پارٹی میں چلا گیا اور اُسے حضرت علی علیہ السلام کے جواب سے مطلع کیا۔اس کے بعد یہ لوگ چلے گئے اور کھل کر حضرت علیؑ سے اختلاف ومخالفت کا اظہار کرنے لگے۔طرف داران حضرت علی علیہ السلام نے اُن سے گفت وشنید کی انہیں سمجھایا اور لاجواب کیا لیکن وہ بدستور مخالفت میں سرگرم رہے۔اور حضورؑ کی طرف سے خدا اور رسولؐ کے حکم کے مطابق سلوک کیا جاتا رہا۔اور حضورؑ نے فرمادیا تھا کہ میں نے قریش کے متعلق دن رات غور کر کے آخری فیصلہ کرلیا تھا کہ اللہ، رسولؐ اور قرآن کے ماتحت اُن سے جنگ لازم ہے۔اور رعایت کرنے کے معنی یہ ہوں گے کہ میں اللہ رسولؐ اور قرآن کے احکام کی مخالفت کر رہا ہوں۔لہٰذا فیصلہ یہ کرلیا تھا کہ اُن سے جنگ کی جائے گی اور ضرورت پڑنے پر اُن کو قتل کر کے ڈھیر لگا دیا جائے گا اور آخرت وعاقبت کو سنوارا جائے گا۔

چنانچہ حضورؑ نے مخالفوں کے سامنے طرح طرح دین پیش کیا اُن کو قرآن کی طرف بلایا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کے عملدرآمد کی مثالیں دیں واقعات یاددلائے اور بتایا کہ خلفائے ثلاثہ نے اللہ، رسولؐ اور قرآن کو بالائے طاق رکھ دیا تھا اور قیصر وکسریٰ کے قوانین کو اور اپنی اور اپنی قوم کی مصلحتوں اور مفاد کو اپنا دین بنالیا تھا۔میں نے اسی بنا پر آتی ہوئی حکومت کو ٹھکرادیا تھا کہ میں ثلاثہ اینڈ کمپنی کی سنت پر نہیں بلکہ قرآن پر عمل درآمد رکھوں گا اور اس سلسلے میں ساری اُمت کی مخالفت کی بھی پرواہ نہ کروں گا۔لہٰذا تم نے خود میرے بار بار انکار پر منت سماجت کر کے مجھے یہ حکومت سونپی ہے اور میں نے کہہ دیا تھا کہ میں تمہیں اُسی راستے پر چلاؤں گا جو اللہ ورسولؐ نے بتایا ہے اور تمہاری مرضی ورضامندی کی پرواہ نہ کروں گا اگر تمہیں منظور نہ ہو تو کسی اور کو اپنا حاکم بنالو میں تم سے بھی زیادہ پُرامن رہوں گا۔اب جب کہ تم نے اپنی خوشامد منت وسماجت اور اُمت کے حالات سے مجھ پر اتمام حجت کر کے یہ حکومت مجھے سونپ دی ہے تو میری طرف سے یہ اُمید نہ رکھو کہ میں اسلام کے خلاف تمہاری رائے اور مصلحت پر عمل پیرا ہوں گا۔میں زندگی کے آخری سانس تک اللہ ورسولؐ کی رضامندی اور خوشنودی کے لئے عمل کروں گا اور ہرگز عوام الناس کی حق تلفی نہ ہونے دوں گا۔میں سارے قریش اور پورے عرب سے نہیں ڈرتا میں نے ایک دفعہ اُن کا سر جھکا دیا تھا اور اب بھی میرے پاس وہی تلوار ہے۔وہی دست وبازو ہیں، وہی ہمت وارادہ واستقلال ہے اور وہی اللہ ورسولؐ میرے ساتھ ہیں۔اور تم بھی وہی قریش اور وہی عرب ہو جو بار بار میرے سامنے سے فرار ہوتے رہے ہو۔ اُدھر میرے ساتھ حقیقی مومنین جو اپنے دینی خلوص وجذبے کے ساتھ اسلامی خدمات اور میری اطاعت کے لئے سب کچھ قربان کردینے کے لئے تیار ہیں جو نہ اُجرت مانگتے ہیں نہ وظیفہ وتنخواہ چاہتے ہیں حتیٰ کہ اسلحہ بھی اپنے گھر اور صرفے سے فراہم کرتے ہیں اور تمہارے ساتھ تمام خودغرض، موقع پرست، اور بے دین لوگ ہیں جو اہل حق کے سامنے ٹھہر نہیں سکتے۔اور میں تو بفضل خدا تنہا پورے عرب اور قریش کے لئے کافی ہوں۔لہٰذا مایوس ہو جاؤ کہ ہماری طرف سے بے دین لوگوں سے کوئی رعایت کی جائے گی۔ہم نہایت اطمینان سے اسلامی سلوک کریں گے۔فتنہ وفساد سے باز رہو گے تو اچھے سلوک کے امیدوار رہنا۔جرم وستم کرو گے تو سخت ترین سزا کے لئے تیار رہنا۔میدان جنگ میں آؤ گے تو اپنے سروں کو گردنوں سے جدا سمجھنا۔تمہارے ہاتھوں اور پیروں کو کاٹ کاٹ کر میدان جنگ کو پاٹ دیا جائے گا اور تمہیں جہنم تک پہنچانے کا پورا پورا بندوبست کیا جائے گا۔دین اور موعظہ تمہارے سامنے ہے تم جس رویہ کو خوشی سے پسند کرو مختار ہو۔ہمیں دفاعی کارروائی میں تکلف نہ ہوگا۔

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر: 56

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 57

خُطبہ ﴿107﴾

خطبہ کا پس منظر۔ محمدؓ بن ابی بکر کی شہادت کے بعد معاویہ نے عبداللہ ابن عامر حضرمی کو بصرہ بھیجا تا کہ وہ اہل بصرہ کو از سرِ نو قتل عثمان کے انتقام کے بہانے حضرت علی علیہ السلام کی مخالفت پر آمادہ کرے۔ بصرہ میں قبیلہ بنی تمیم عثمان سے عقیدت رکھتا تھا اس لئے عبداللہ ابن عامر تمیم ہی میں آ کر ٹھہرا۔ ان دنوں عبداللہ ابن عباس اپنی جگہ زیاد ابن عبید کو گورنر بنا کر بصرہ سے کوفہ آئے ہوئے تھے۔ جب بصرہ میں مخالفت کے آثار پیدا ہونے لگے تو قائم مقام گورنر نے حضرت علی علیہ السلام کو تمام واقعات سے مطلع کیا۔ علیؑ نے کوفہ کے باشندہ بنی تمیم کو بصرہ جانے اور بنی تمیم کو سمجھانے کے لئے آمادہ کرنا چاہا تو انہوں نے ہمت افزا جواب نہ دیا۔ اس سلسلے میں یہ خطبہ دیا گیا تھا اور یہ بتایا گیا تھا کہ عہد رسولؐ میں قوم و قبیلے اور اعزاء و اقرباء کا خیال نہیں کیا جاتا تھا بلکہ اسلام کے خلاف جو بھی جنگ کے لئے کھڑا ہوتا تھا۔ مومنین اس سے بلا رورعایت جنگ کرتے تھے۔ خطبے کے نتیجے میں بصرہ کے لئے لوگ روانہ ہوئے اور عبداللہ ابن عامر حضرمی مع اپنے تخریب کاروں کے ٹھکانے لگا دیا گیا تھا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَقَدْ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ، نَقْتُلُ اٰبَآئَنَا وَاَبْنَآءَ نَا وَاِخْوَانَنَا وَاَعْمَامَنَا؛	1	ماضی میں صورتحال یہ رہی تھی کہ ہم رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کی ہمراہی میں اپنے باپ دادا اور بیٹوں، بھائیوں اور چچاؤں کے ساتھ اسلام کی تائید میں جنگ کرتے تھے۔
مَا يَزِيْدُنَا ذٰلِكَ اِلَّا اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا وَمُضِيًّا عَلَى اللَّقَمِ؛	2	وہ جنگیں ہمارے ایمان اور تسلیم میں اضافہ کے سوا اور کچھ خرابی پیدا نہ کرتی تھیں۔ ہمیں راہ راست پر برقرار رکھنے میں مددگار ہوتی تھیں۔
وَصَبْرًا عَلٰى مَضَضِ الْاَلَمِ؛	3	اور رنج والم پر صبر اور لذت عطا کرتی تھیں۔
وَجِدًّا فِيْ جِهَادِ الْعَدُوِّ؛	4	اور دشمنانِ اسلام سے جہاد کرنے کی ہمت اور کوشش میں اضافہ کرتی جاتی تھیں۔
وَلَقَدْ كَانَ الرَّجُلُ مِنَّا وَالْاٰخَرُ مِنْ عَدُوِّنَا يَتَصَاوَلَانِ تَصَاوُلَ الْفَحْلَيْنِ ؛	5	اور یہ ہوتا تھا کہ ہمارا ایک شخص ادھر سے اور ہمارے دشمن کا ایک شخص اُدھر سے مقابلے پر آتے تھے اور دونوں نہایت جواں مردی اور بے جگری کے ساتھ ایک دوسرے پر حملہ کرتے تھے اور درندوں کی طرح ایک دوسرے سے گتھ جاتے تھے۔
يَتَخَالَسَانِ اَنْفُسَهُمَا، اَيُّهُمَا يَسْقِيْ صَاحِبَهٗ كَاْسَ الْمَنُوْنِ؛	6	اور دونوں ایک دوسرے کی جان لینے میں اس طرح کوشش کرتے تھے کہ دیکھیں کون اپنے مدمقابل کو پہلے موت کا جام پلا کر اس کی تمناؤں کا خاتمہ کرتا ہے؟

فَمَرَّةً لَّنَا مِنْ عَدُوِّنَا، وَمَرَّةً لِعَدُوِّنَا مِنَّا؛	7	چنانچہ کبھی ہمیں اپنے دشمن پر کامیابی حاصل ہوتی تھی اور کبھی ہمارا دشمن کامیاب ہو جاتا تھا۔
فَلَمَّا رَأَى اللّٰهُ صِدْقَنَا اَنْزَلَ بِعَدُوِّنَا الْكَبْتَ؛	8	بہر حال جب اللہ نے ہمارے خلوص اور عمل کی صداقت دیکھ لی تو اس نے ہمارے دشمن کے لئے ذلت اور ناکامی نازل کردی اور
وَاَنْزَلَ عَلَيْنَا النَّصْرَ؛	9	ہمارے لئے نصرت و کامیابیاں نازل کر دکھائیں۔
حَتّٰى اسْتَقَرَّ الْاِسْلَامُ مُلْقِيًا جِرَانَهُ ؛	10	یہاں تک کہ اسلام کو اسی طرح استحکام و قرار مل گیا جس طرح اونٹ آرام کے لئے اپنا سینہ اور گردن ٹکا دیتا ہے۔
وَمُتَبَوِّئًا اَوْطَانَهُ؛	11	اور اسے اس کے وطنوں میں بسا دیا گیا۔
وَلَعَمْرِي لَوْ كُنَّا نَأْتِي مَا اَتَيْتُمْ مَاقَامَ لِلدِّيْنِ عَمُوْدٌ؛	12	اور اپنی جان کی قسم اگر ہم نے بھی وہ طرزِ عمل اختیار کیا ہوتا جو تم نے ہمارے ساتھ اختیار کیا ہوا ہے تو نہ دین کے ستون قائم ہوتے۔
وَلَا اخْضَرَّ لِلْاِيْمَانِ عُوْدٌ؛	13	اور نہ کبھی ایمان کا درخت سرسبز و شاداب ہو کر برگ و بار لاتا۔
وَاَيْمُ اللّٰهِ لَتَحْتَلِبُنَّهَا دَمًا؛	14	اور بخدا تم اپنی کرتوتوں کے بدلے میں دودھ نہیں بلکہ خون دوھو گے۔ یعنی دودھ چاہو گے مگر خون نکلے گا۔
وَلَتُتْبِعُنَّهَا نَدَمًا؛	15	اور تمہیں مسلسل ندامت اور پشیمانیاں نصیب ہوں گی''

تشریحات:

قریشی مومنین عہدِ رسولؐ میں بھی ایسے ہی تھے جیسے عہدِ مرتضویؑ میں۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے اس خطبہ میں بھی قریش کا پردہ رکھا ہے۔ اور صرف اس لئے کہ حضورؐ کو یقین تھا کہ خطبہ ختم ہوتے ہی مومنین بصرہ جانے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ ورنہ قریش کی صحیح صورت دکھا دیتے۔ حضورؐ نے جن مومنین اور مجاہدین کا ذکر فرمایا ہے وہ قریشی نہ تھے وہ عام اور حقیقی مومنین تھے جو دشمنانِ اسلام کو نہ اپنا باپ سمجھتے تھے نہ بیٹا۔ نہ اُن سے بھائیوں کا رشتہ رکھتے تھے نہ انہیں چچا اور ماموں اور خالو کا مقام دیتے تھے۔ تلوار سونت کر اُن کے سامنے آتے تھے اور انہیں یقین دلاتے تھے کہ اسلام اور کفر میں، دین اور بے دینی میں کوئی رشتہ نہیں رہتا ہے تمام دشمنانِ اسلام ہمارے دشمن ہیں اور ہم دشمنوں کے ساتھ کوئی لحاظ و رعایت نہیں کر سکتے۔ یہ حقیقی مومنین کا طرزِ عمل تھا جس کا حضورؐ نے ذکر کیا ہے رہ گئے قریشی مومنین وہ تو اپنے والدین اور عزیز و اقربا کے سامنے اللہ، رسولؐ اور اسلام کو کوئی مقام نہ دیتے تھے۔ بلکہ اُن کا احترام کرتے تھے۔ اُن سے محبت رکھتے تھے اور اسلام کے خلاف اُن کی مدد کرتے تھے خفیہ ساز باز رکھتے تھے جس کی تفصیل اللہ نے یوں بیان فرمائی ہے کہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ، يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ،اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَاَنَا

اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَا اَعْلَنْتُمْ ، وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ O اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ O لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ O (ممتحنہ 3 تا 60/1)

''اے مومنین تم لوگ میرے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو اپنا حکمران نہ بناؤ۔ اور تم تو بڑے احترام والی محبت اُن کے سامنے پیش کرتے ہو حالانکہ اُن لوگوں نے اُس حقیقت کو چھپالیا ہے جو تمہارے پاس آئی ہے۔ وہ رسولؐ کو بھی اور تمہیں بھی تمہارے شہر سے اس بات پر نکال باہر کرتے ہیں کہ تم اپنے پروردگار اللہ پر ایمان لے آئے۔ اب اگر تم میری راہ میں جہاد کے لئے نکلے ہو اور میری رضامندیاں بھی چاہتے ہو پھر بھی تم میرے دشمنوں کے ساتھ احترام بھری محبت سے خفیہ ساز باز کر رہے ہو اور میں وہ سب کارروائیاں جانتا ہوں جو تم خفیہ طریقے پر کرتے ہو اور وہ معاملات بھی مجھے معلوم ہیں جو تم لوگوں کو دکھانے کے لئے اعلانیہ کرتے رہتے ہو۔ اور تم میں جو کوئی یہ سلسلہ محبت و رازداری اب بھی جاری رکھے گا یقیناً وہ ہدایت کی راہ سے گمراہ ہو جائے گا۔ اور اگر وہ تمہیں آزادی سے پالیں گے تو تمہارے ساتھ کھلی دشمنی سے پیش آئیں گے اور تم پر دست درازی اور زبان درازی سے بُری طرح پیش آئیں گے۔ اور انہیں یہ پسند آئے گا کہ تم بھی اُن کی طرح حق پوشی کرنے لگو۔ اور سنو کہ قیامت میں تمہاری ماؤں کے رشتہ دار اور تمہاری اولاد تمہارے لئے مفید ثابت نہ ہوں گے۔ اور تمہارے اندر جدائی ڈال دی جائے گی اور اللہ تمہارے تمام اعمال کو دیکھتا رہتا ہے اور اُن سے واقف ہے۔''

یہ تھے قریشی مومنین رسولؐ اللہ کے زمانے میں اور بالکل اسی قسم کے مومن تھے حضرت علی علیہ السلام کے چاروں طرف پھیلے ہوئے۔ الغرض قرآن کی رُو سے قریش نے وہ ایمان کبھی بھی اختیار نہیں کیا تھا جس کا تقاضہ اللہ و رسولؐ کی جانب سے قرآن میں ہوتا رہا ہے۔ (4/136، 4/60,65,66)

2۔ معاویہ نے بصرہ میں حضرت علیؑ کے خلاف تخریب کاری کے لئے عبداللہ بن عامر کو بھیجا تھا۔

قریش نے اپنی تیار کردہ تاریخ میں بھی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تخریب کاری میں ریکارڈ قائم رکھا ہے چنانچہ ہم ڈاکٹر طہٰ حسین کے قلم سے اس تخریب کاری پر ایک بیان سنانا ضروری سمجھتے ہیں۔ سنئے: طہٰ حسین لکھتے ہیں کہ:

''یہ پہلو خاندانی عصبیت کا پہلو ہے جس کے عرب عہد جاہلیت میں بڑے خوگر تھے۔ امیر معاویہ نے دیکھا کہ عراق میں حضرت علیؑ کمزور ہو رہے ہیں اُن کے ساتھی جو بجائے خود کمزور، بے بس اور نافرمان ہیں۔ اُنؑ سے الگ ہو رہے ہیں تو مصر سے فراغت پاتے ہی بصرہ کی طرف توجہ کی جس کی اہمیت مصر سے کسی طرح کم نہ تھی۔ اور جس کے مضافات میں فارس کے علاقے آجاتے ہیں۔ معاویہ نے سوچا کہ بصرہ میں عثمانیت کا کافی زور ہے۔ بصرے والوں نے حضرت عائشہ اور اُن کے دونوں ساتھیوں طلحہ و زبیر کے ساتھ عثمان کے قصاص کے لئے شورش بپا کی تھی۔ جمل کے معرکے کی یاد (اور تکلیف و شرم) ابھی بصرے والوں کے دلوں سے فراموش نہیں ہوئی۔ اُن کے انتقام کے زخم ابھی بھرے نہیں۔ پھر ابن عباس حضرت علیؑ سے ناراض ہو کر بصرہ چھوڑ چکے ہیں۔ بس اُنہوں نے چاہا کہ بصرہ والوں کو ابھاریں اور انتقام کی یاد دلا کر قصاص کے لئے پھر سے آمادہ کریں۔ چنانچہ عمرو بن عاص نے اس خیال کی تائید کی بلکہ عملی اقدام کے لئے زور دیا۔ تب امیر معاویہ نے ایک سخت آدمی کو جس کا حضرت عثمان سے رشتہ بھی تھا منتخب کیا، اُس کا نام عبداللہ بن عامر حضرمی ہے یہ مقتول خلیفہ عثمان کا خالہ زاد بھائی ہے۔ اُس کو بصرہ بھیجا اور تاکید کر دی کہ بنی تمیم کے یہاں جانا اور بنی اُزد سے دوستی اور تعلقات کا اظہار کرتے رہنا البتہ بنی ربیعہ سے بچے

رہنا اس لئے کہ وہ حضرت علیؑ کے طرفدار ہیں۔عبداللہ بن عامر بصرہ پہنچ کر بنی تمیم کو اپنانے میں تو کامیاب ہوگئے لیکن احنف بن قیس کو وہ اپنے ساتھ نہ ملا سکے اس لئے کہ وہ معرکہ جمل کے بعد سے اپنے چند ساتھیوں سمیت کنارہ کشی اختیار کر چکے تھے۔ابن عباس بصرہ زیاد کے حوالے کر کے وہاں سے نکل چکا تھا۔زیاد نے چاہا کہ ربیعہ کی پناہ میں چلا جائے لیکن اُس کے بعض سرداروں کا تذبذب اور تردد دیکھ کر بنی اُزد سے درخواست کی۔اُزدیوں نے اس شرط پر پناہ دی کہ قصر امارت چھوڑ کر اُن کے قبیلے میں قیام کرے اور اپنے ساتھ بیت المال اور منبر بھی لائے چنانچہ زیاد نے یہ منظور کر لیا اور شرط پوری کر دی۔اب بصرہ متعدد ٹولیوں میں بٹ گیا۔ایک ٹولی امیر معاویہ کے ہوا خواہوں کی بنی اور اُن کے قاصد عبداللہ ابن عامر کے ساتھ ہوگئی۔دوسری احنف بن قیس کے ساتھ خانہ نشین ہوگئی۔تیسری ٹولی جس کی صفوں میں کچھ انتشاری کیفیت تھی واقعات کے انتظار میں تھی یہ بنی ربیعہ کے لوگ تھے۔چوتھی ٹولی اُن لوگوں کی تھی جس کے پیش نظر نہ علیؑ تھے نہ عثمان اور نہ معاویہ وہ معاملات کو صرف خاندانی حسب ونسب کی عینک سے دیکھتی تھی۔چنانچہ وہ اپنی پناہ میں آنے والے کی حامی بن گئی تھی جو اب اُن کے قبیلے میں قیام پذیر ہو چکا تھا یہ بنی اُزد کی ٹولی تھی اُس کا دل غالباً عبداللہ بن عامر کی طرف سے کچھ میلا ہو چکا تھا اس لئے کہ اس نے بنی تمیم پر بھروسہ کیا اور اُنہیں میں مقیم ہوا اور اِن کے پاس نہیں آیا۔اسی طرح خاندانی عصبیت بہت بُری صورت میں سامنے آئی۔جس کی وجہ سے بصرہ کی فوجی حکومت سے زیادہ اپنے قبیلے کی رعایت کرنے لگے۔امام سے زیادہ اہمیت اُن کی نگاہ میں خاندانی حسب ونسب کی ہوگئی۔اب وہ دین سے زیادہ خاندان کی بنیاد پر غصہ اور اشتعال قبول کرنے لگے۔اور آپس میں مقابلہ کرنے لگے کہ کون اپنے پناہ گیر کی حمایت میں اپنے حریف سے زیادہ مصائب برداشت کرتا ہے اور ثابت قدمی دکھاتا ہے۔زیاد نے حضرت علیؑ کو واقعات کی اطلاع دی۔لیکن وہ جنگ کی طرف مائل نہ ہوئے۔اُنہوں نے بنی تمیم کے پاس ایک کوفے کے تمیمی اُعین بن ضبیعہ کو بھیجا تاکہ اُن کو ہوش کی باتیں بتائے۔لیکن جیسے ہی اُعین نے گفتگو کا ارادہ کیا تمیمیوں نے اختلاف کیا اور اُس سے علیحدہ ہوگئے۔پھر ایک رات اُس پر حملہ کر کے اس کا خاتمہ ہی کر دیا۔زیاد نے اُس کا قصاص لینا چاہا کہ بنی تمیم پر حملہ آور ہو لیکن بنی اُزد نے مزاحمت کی اور کہا کہ عہد و پیمان میں یہ نہیں ہے کہ جس سے تم صلح کرو ہم بھی صلح کریں ہم تو صرف اس کے پابند ہیں کہ تمہاری اور بیت المال کی حفاظت کریں۔زیاد نے حضرت علیؑ کو اُعین بن ضبیعہ کے انجام کی خبر دی تو آپ نے ایک دوسرے تمیمی جاریہ بن قدامہ کو بلایا اور اُس کو اُس قوم کی طرف بھیجا بلکہ اُس کے ساتھ ایک چھوٹی سی فوج بھی کر دی۔بصرہ پہنچتے ہی جاریہ نے زیاد سے تبادلہ خیال کیا۔پھر تمیمیوں سے ملا اور اُن سے بھی باتیں کیں۔کچھ لوگ تو مطمئن ہوگئے اور مان لیا اور کچھ مخالف ہی رہے۔اس کے بعد جاریہ کوفہ سے ساتھ آنے والوں اور بصرہ کے حامیوں کو لے کر عبداللہ بن عامر سے مقابلے کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا اور بالآخر اُس کو اور اُس کے حامیوں کو شکست دیدی۔عبداللہ بن عامر اور اُس کے ستر (70) آدمیوں نے بصرہ کے ایک گھر میں اور بعض مورخین کہتے ہیں کہ بصرے کے ایک پرانے قلعے میں پناہ لی۔جاریہ نے اُن کو دھمکی دی اور اپنی مجبوری بتائی لیکن اُنہوں نے محصور ہونا گوارا کر لیا۔اور کوئی بات منظور نہیں کی۔تب جاریہ نے لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دیا اور گھر یا قلعے کے کنارے کنارے رکھ کر آگ لگادی۔جس سے پورا گھر گھر والوں سمیت یا پورا قلعہ قلعہ والوں سمیت جل گیا اور ایک بھی نہ بچا۔اس کامیابی پر اُزدی عصبیت خوشی کے ترانے گانے لگی اور جب زیاد اور بیت المال حکومت کی کوٹھی میں واپس آ گیا اور منبر بھی جامع مسجد میں اپنی جگہ پر رکھ دیا گیا تو اُزدی شاعر عمرو بن عرندس عودی نے اپنی قوم کے حسب پر فخریہ شعر کہا۔(کتاب علی صفحہ 362-358)

3۔ حضرت علیؑ چاہتے تو اُن کے فدا کار ساتھی تمام قریش اور معاویہ کو عبداللہ بن عامر کی طرح بھون ڈالتے۔

جیسے بھی ہوا اور جو بھی ہوا یہ حضرت علی علیہ السلام قریش اور قریشی مسلک کے لوگوں پر اتمام حجت کے گیارہ پہلو ختم کرنے کا منصوبہ لے کر اُٹھے تھے اور چاہتے تھے کہ وہ اور اُن کے دس جانشین قریش کی حسرتیں نکال دیں اور دنیا کو وہ حدود دکھا دیں جن حدود تک قریش علیؑ اور اولادِ علیؑ کی دشمنی میں جانا چاہتے تھے۔ اور ظلم وستم و مکر و دغا غداری اور کمینگی کا کوئی ایسا پہلو باقی نہ رہ جائے کہ قریش پچھتاتے رہ جائیں۔ آپؑ نے اور باقی آئمہ معصومینؑ نے مسکرا مسکرا کر قریش کو مواقع فراہم کئے یہاں تک کہ دنیا صبر وضبط پر عش عش کر اُٹھی اور اس دنیا میں سینکڑوں ایسے مشن کھڑے ہوگئے جنہوں نے مرتضوی اصولوں پر بنیادیں اُٹھائیں اور چاروں طرف سے ظالموں، ظلم کے طرفداروں اور جابروں پر یلغار بول دی۔ اگر کہیں حضور علیہ السلام نے اپنے فدا کاروں کو اتنی اجازت بھی دے دی ہوتی جتنی ہمیں حاصل ہے تو یاد رکھئے کہ معاویہ اور قریش کے الفاظ بالکل اُسی طرح ناقابل فہم وافسانہ بن جاتے جس طرح آج قوم عاد وثمود کے الفاظ ہمارے سامنے آتے ہیں اور ہمارے سامنے کوئی تصور نہیں آتا۔ یہی حال لفظ قریش اور اُن کے لیڈروں کا ہوجاتا۔ لیکن حضورؑ نے اُن کے ساتھ اتنی رعایات برسرکار رکھیں کہ اپنی اولاد اور متبعین کو بھی بھینٹ چڑھا دیا۔ اور ہم پر اپنے اور اہل بیتؑ کے غم والم میں شرکت کو فطری بنا کر واجب کر دیا اور چودہ سو سال سے شیعوں کے یہاں مسرت افروز دنوں کا آنا عنقا ہوگیا اور ہمارے روز وشب اور مہ وسال مسلسل غم منانے اور آنسو بہانے میں گزرنے لگے۔ اور اس طرح ہمیں وہی مقام بلند حاصل کرنے کا حقدار بنا دیا جو خود اُن حضرات علیہم السلام کو حاصل ہے۔ یہ سب کچھ نہ کیا ہوتا تو ہم قریش کے ساتھ ساتھ خود آئمہ اور اہلبیت علیہم السلام کو بھی بھول چکے ہوتے لہٰذا ضروری تھا کہ درود کے پہلو میں لعنتی لوگ موجود رہیں۔

4۔ نور وظلمت، درود ولعنت اُسی طرح ساتھ ساتھ رکھے گئے ہیں جس طرح دن ورات، حق وباطل ساتھ ہیں۔

لہٰذا قرآن نے دونوں کو ساتھ ساتھ رکھا ہے۔ سنئے:

اِنَّ اللّٰـهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا O اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا O ۔(احزاب 33/56-57)

''یقیناً اللہ اور اللہ کے ملائکہ مخصوص نبیؐ پر درود بھیجتے رہتے ہیں بھیجتے رہیں گے اے وہ لوگو جو ایمان لاچکے ہو تم سب بھی اُس نبیؐ پر درود بھیجا کرو اور اُسے سلام کرتے رہو ایسا سلام جو اطاعت وفرمانبرداری سے لبریز ہو۔ اور یقیناً جو لوگ اللہ کو اور اُس کے رسولؐ کو ایذا پہنچاتے ہیں اللہ نے اُن پر دنیا اور آخرت میں لعنت مسلط کر دی ہے اور اُن کے لئے رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے''

5۔ وہ لوگ قرآن میں بھی ممدوح اور قابل احترام ہیں جن کی مدح حضرت علیؑ نے کی ہے۔

بہرحال عہد رسولؐ میں جن لوگوں کے جہاد اور قربانی کا ذکر ومدح حضرت علی علیہ السلام نے کی ہے (خطبہ 107، جملے 1 تا 11) اُن کو اللہ نے قرآن میں بھی باقی تمام ہی مسلمانوں کے لئے بطور مثال اور نمونہ پیش فرمایا ہے چنانچہ کہا گیا کہ۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ O يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ O كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ O اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۔(صف 61/1-4)

''جو کچھ بھی آسمانوں اور زمینوں میں ہے سب اللہ کی ہمہ گیری کا اعلان کر رہا ہے اور یہ کہ اللہ ہر حال میں غالب رہنے والا حکیم ہے۔ اے

لوگو جو ایمان لا چکے ہو تم ایسی غپ شپ کیوں مارتے رہتے ہو جو تم عملاً کرتے نہیں ہو؟ اور اللہ کے نزدیک سب سے بڑی بُرائی کی یہ بات ہے کہ تم جہاد کے سلسلے میں ایسے غپیں مارتے رہو جن میں سے تم نے ایک کام بھی نہ کیا ہو۔ یہ صحیح ہے کہ اللہ کو وہ لوگ بہت محبوب ہیں جو اللہ کی راہ میں اس طرح جم کر اور ڈٹ کر جنگ کریں کہ معلوم ہو کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔''

6۔ وہ بہادر مومنین جن کا ایمان و بصیرت جنگی مشکلات میں ترقی ہی ترقی کرتے رہتے تھے۔

حضرت علی علیہ السلام اُن مومنین کی مدح وثنا کرتے ہیں جو میدان جنگ میں دشمنان اسلام سے مرعوب ہونے کے بجائے اپنی ایمانی بصیرت میں اضافہ کیا کرتے تھے۔ قرآن کریم بھی اُن کی مدح کرتا ہے کہ:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا O وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا O مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَاعَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا O۔ (احزاب 33/20-23)

''یقیناً تمہارے لئے تو رسولؐ اللہ کے عملدرآمد میں مستقل نمونہ ہے اور یہ اُن لوگوں کے لئے ہر حال میں مفید ہی مفید ہے جو اللہ کی قربت اور یوم آخرت میں خوشنودی چاہتا ہو اور کثرت سے اللہ کا تذکرہ جاری رکھتا ہو اور جب اس قسم کے مومنین نے دشمنان اسلام کی فوج کو گروہ در گروہ دیکھا تو اعلان کیا کہ یہ تو وہی سب کچھ سامنے آگیا جس کا اللہ اور اُس کے رسولؐ نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اُس طرح اللہ ورسولؐ نے اپنے اعلان واطلاع کو سچ کردکھایا ہے۔ اور یوں اُن کے ایمان وقبولیت میں اضافہ ہی اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اور اُن ہی مومنین میں سے کچھ ایسے مومنین ہیں جنہوں نے قربانی دینے کا جو وعدہ اللہ سے کیا تھا اُسے پورا کردکھایا ہے اور کچھ ایسے مومنین ہیں جو ہر لحہ قربانی دینے اور شہید ہو جانے کا انتظار کررہے ہیں اور انہوں نے اپنے پروگرام میں ذرہ برابر ادل بدل نہیں کی ہے۔''

اور حضرت علی علیہ السلام نے بھی یہ لفظ فرمائے تھے۔ مَا يَزِيْدُنَا ذٰلِكَ اِلَّا اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا وَمُضِيًّا عَلَى اللَّقَمِ؛ وَصَبْرًا عَلٰى مَضَضِ الْاَلَمِ؛ وَجِدًّا فِىْ جِهَادِ الْعَدُوِّ؛ (خطبہ 107، جملے 2 تا 4)

''وہ جنگیں ہمارے ایمان اور اطاعت میں اضافہ کے سوا کوئی خرابی پیدا نہ کرتی تھیں اور ہمیں راہ راست پر برقرار رکھنے میں مددگار ہوتی تھیں۔ اور رنج والم پر ہمارے صبر اور لذت میں اضافہ کرتی تھیں اور دشمنان اسلام سے جہاد کرنے میں جدت اور ہمت پیدا کرتی تھیں۔''

7۔ راہ خدا میں جہاد کرنے والے مومنین خود قتل ہو کر قربان ہو جانے سے نہیں ڈرتے۔

حقیقی مومنین اللہ کے ہاتھ میں نتیجہ چھوڑ کر میدان جہاد میں تیغ بکف کود پڑتے ہیں وہ قتل ہو جانا اور دشمن کو قتل کر ڈالنا ممکن سمجھتے ہوئے میدان میں بے دھڑک اُترتے ہیں۔ وہ اس کی پہلے سے فکر کرتے ہی نہیں کہ کون قتل ہوگا؟ اور کون قتل کرے گا؟ یہ اس لئے کہ انہیں دونوں صورتوں میں اجر وثواب ملنا طے شدہ ہے۔ چنانچہ اللہ نے فرمادیا ہے کہ:

فَلْيُقَاتِلْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًاO۔ (نساء 4/74)

''چنانچہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں تو وہی لوگ جنگ کرتے ہیں جو اپنی دنیاوی زندگی کو آخرت کی زندگی کے بدلے میں فروخت کرنے

کی فکر میں لگے رہتے ہیں اوراس صورت میں جوکوئی بھی راہ خدا میں جہاد کرے گا اب اگر وہ قتل ہوجائے یا اپنے دشمن پر غالب آجائے بہرصورت ہم اُسے جلد ہی عظیم الشان اجر عطا کریں گے'' (اس آیت کا تھانوی ترجمہ اُس کو تھانہ میں پہنچانے کا تقاضہ کرتا ہے)۔

یہی کچھ حضورؑ نے فرمایا کہ: **فَمَرَّةً لَّنَا مِنْ عَدُوِّنَا، وَمَرَّةً لِعَدُوِّنَا مِنَّا**؛ (خطبہ 107، جملہ 7)

''چنانچہ کبھی تو ہمیں اپنے دشمن پر کامیابی حاصل ہوتی تھی اور کبھی ہمارا دشمن ہم پر کامیابی حاصل کرلیتا ہے۔ مطلب یہ کہ ہم بلا کوئی شرط لگائے ہر حال میں جنگ کرتے تھے۔''

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 57

علی نقی طہرانی: خطبہ نمبر: 56

خُطبہ ﴿108﴾

معاویہ کے تسلط اور اس کے عمل درآمد کی پیش گوئی۔ معاویہ نے اُسی دن علیؑ سے اور خاندان مرتضوی سے تبرا شروع کرادیا تھا جس دن سے عثمان کی قمیض اور نائلہ کی انگلیاں جامع دمشق کے منبر پر رکھوائی تھیں۔ اس منبر کے گرد عثمان کا ماتم ہوا کرتا تھا اور ساتھ ہی حضرت علی علیہ السلام کو عثمان کا قاتل کہہ کر تمام حاضرین سے لعنت وملامت کرائی جاتی تھی۔ لیکن لعنت وملامت کے لئے کسی پر جبر نہ کیا جاتا تھا۔ خطبہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ علیؑ کے بعد اپنے عہد حکومت میں جبرً اتبرا کرایا جائے گا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَمَّـا اِنَّـهٗ سَیَـظۡهَـرُ عَـلَیۡـكُمۡ بَعۡدِیۡ رَجُلٌ رَحۡبُ الۡبُلۡعُوۡمِ؛	1	آ گاہ ہوجاؤ کہ میرے بعد بہت جلد تم پر ایک ایسا شخص مسلط ہوجائے گا جس کا حلق اور نرخرہ بہت کشادہ ہوگا اور۔
مُنۡدَحِقُ الۡبَطۡنِ؛	2	جس کا بطن و پیٹ بڑھا ہوا ہوگا۔
یَاۡكُلُ مَایَجِدُ؛	3	جو کچھ پائے گا نگل جائے گا۔
وَیَطۡلُبُ مَالَا یَجِدُ؛	4	اور جو کچھ نہ پائے گا اسے طلب کرے گا۔
فَاقۡتُلُوۡهُ، وَلَنۡ تَقۡتُلُوۡهُ؛	5	چنانچہ تم اس شخص کو قتل کردینا اور تم اسے ہرگز قتل نہ کرسکوگے۔
اَلَا وَاِنَّهٗ سَیَاۡمُرُكُمۡ بِسَبِّیۡ وَالۡبَرَاۗءَةِ مِنِّیۡ؛	6	خبردار رہنا وہ جلد ہی تمہیں حکم دے گا کہ علیؑ کو گالیاں دو اور اس سے تبرا کرو۔
فَاَمَّا السَّبُّ فَسُبُّوۡنِیۡ؛	7	جہاں تک گالی کی بات ہے تم گالی تو دے لینا۔
فَاِنَّهٗ لِیۡ زَكَاةٌ، وَلَكُمۡ نِجَاةٌ؛(مِنَ الۡمَوۡتِ)	8	اس لئے کہ گالیاں میری پاکیزگی اور تمہاری جان بچانے میں مددگار ہوں گی۔
وَاَمَّا الۡبَرَاۗءَةُ فَلَا تَتَبَرَّؤُا مِنِّیۡ ؛	9	رہ گئی براۃ یعنی تبرا تو اس بات پر عمل نہ کرنا۔
فَاِنِّیۡ وُلِدۡتُ عَلَی الۡفِطۡرَةِ؛	10	اس لئے کہ میں یقیناً حقیقی فطرت پر پیدا ہوا ہوں۔
وَسَبَقۡتُ اِلَی الۡاِیۡمَانِ وَالۡهِجۡرَةِ؛	11	اور اس لئے بھی براۃ نہ کرنا کہ میں نے ایمان لانے والوں اور ہجرت کرنے والوں سے پہلے ایمان وھجرت میں سبقت کی تھی۔

تشریحات:

یوں تو حضرت علی علیہ السلام سے عوام الناس کو متنفر کرنے کی مہم قریش نے عہد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی میں چلا رکھی تھی اور وہ حد بھر اطاعت وفرماں برداری پر بھی اعتراضات کرتے اور ریاکاری کا الزام لگاتے رہتے تھے اور محنت وغربت پر کنجوس کہہ کر مذاق اُڑاتے رہتے تھے اور مذاق اور اعتراضات والزامات میں خود رسولؐ اللہ کو بھی شامل کر لیتے تھے اور مال نہ ملنے پر آنحضرتؐ پر غصہ بھی کر لیا کرتے تھے(توبہ 87-9/58) قریش کی اس مہم کی تفصیل سورہ توبہ(59-9/58 سے 80-9/73 تک) میں بیان کر دی گئی ہے۔نمونہ کے لئے یہ آیت دیکھیں ارشاد ہے کہ:

اَلَّذِیۡنَ یَلۡمِزُوۡنَ الۡمُطَّوِّعِیۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ فِی الصَّدَقٰتِ وَالَّذِیۡنَ لَا یَجِدُوۡنَ اِلَّا جُہۡدَہُمۡ فَیَسۡخَرُوۡنَ مِنۡہُمۡ سَخِرَ اللّٰہُ مِنۡہُمۡ وَلَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌO۔(توبہ 9/79)

”جو لوگ دل کھول کر خیرات کرنے والے مومنین پر ریاکاری کا اور محنت ومزدوری کرنے والے غریب مومنین پر کنجوسی کا الزام لگا کر اُن کا مذاق اُڑاتے ہیں اللہ اُن کا مذاق اُڑاتا ہے اور اُن کے لئے دردناک عذاب ہے“

اُن ہی کے لئے یہ فرمایا تھا کہ:

اَلَمۡ یَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ یَعۡلَمُ سِرَّہُمۡ وَنَجۡوٰىہُمۡ وَاَنَّ اللّٰہَ عَلَّامُ الۡغُیُوۡبِO(9/78)

”کیا اُن لوگوں کو یہ معلوم نہیں ہے کہ اللہ اُن کے تمام راز اور خفیہ منصوبوں کا علم رکھتا ہے اور یہ کہ اللہ ہر غائب چیز کا جاننے والا ہے“

نزول قرآن کے دوران قریش حضرت علی علیہ السلام اور دیگر مومنین کے خلاف جو سازشیں کرتے تھے یہ سمجھ کر کرتے تھے کہ ہماری کارکردگی قرآن میں ریکارڈ ہو جائے گی اور ہم عوام میں بدنام ہو جائیں گے۔لیکن وفات رسولؐ کے بعد قریش کو یہ خطرہ اور اندیشہ بھی نہ رہا لہٰذا اُنہوں نے طرح طرح حضرت علی علیہ السلام کو بدنام کرنے کی مہم کو تیز تر کر دیا۔ابوبکر وعمر کے زمانہ میں اُن کو خلافت کا لالچی قرار دیا گیا۔کم عقل ومسخرہ مشہور کیا گیا۔فلاح عامہ اور مفاد عامہ کا اور جمہوری حکومت کا مخالف اور باغی مشہور کرنے پر ساری قوم نے پورا زور لگا دیا۔ساری قوم نے پورے ملک میں اُن کی شخصی حکومت سے بچ کر رہنے اور اُن کی سخت پالیسی سے ڈرنے کا ڈنکا بجا دیا۔پھر یہ مشہور کیا کہ اُنہوں نے حکومت پر قبضہ کرنے کے لئے خلیفہ وقت کو بے قصور قتل کرا دیا اور قتل کرنے والوں کو اپنی پناہ میں رکھا۔اور انہیں عہدے اور انعامات دیئے۔عثمان کی مظلومی کو بڑھا چڑھا کر گھر گھر پہنچایا اور قتل عثمان کا بدلہ لینے کے بہانے حضرت علیؑ کے ساتھ پانچ سال تک مسلسل جنگ جاری رکھی۔اور اُن کے خلاف نفرت وعداوت کے شعلے بھڑکائے۔اتنا پروپیگنڈا کیا کہ اچھے خاصے واقعات سے واقف لوگوں کے دلوں میں بھی شکوک وشبہات پیدا ہو گئے الغرض قریش نے کوئی ایسا پہلو نہ چھوڑا جس سے پبلک کو مشکوک کر کے حضرت علی علیہ السلام کے خلاف نفرت پھیلانا ممکن تھی۔

2۔ مودودی کو بھی شکایت ہے کہ حضرت علیؑ کے خلاف ناجائز نفرت واشتعال بھڑکایا۔

علامہ مودودی بھی لکھتے ہیں کہ:

”حضرت عثمان کی شہادت (18 ذی الحجہ 35ھ) کے بعد حضرت نعمان بن بشیر اُن کا خون سے بھرا ہوا قمیص اور اُن کی اہلیہ محترمہ حضرت نائلہ کی کٹی ہوئی اُونگلیاں، حضرت معاویہ کے پاس دمشق لے گئے۔اور اُنہوں نے یہ چیزیں منظر عام پر لٹکا دیں تا کہ اہل شام کے جذبات بھڑک اُٹھیں۔یہ اس بات کی کھلی علامت تھی کہ حضرت معاویہ خون عثمان کا بدلہ قانون کے راستے سے نہیں بلکہ غیر قانونی طریقے سے لینا

چاہتے تھے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ شہادت عثمان کی خبر ہی لوگوں میں غم وغصہ پیدا کرنے کے لئے کافی تھی۔ اس قمیص اوران انگلیوں کا مظاہرہ کر کے عوام میں اشتعال پیدا کرنے کی کوئی حاجت نہ تھی۔ ادھر حضرت علیؑ نے منصب خلافت سنبھالنے کے بعد جو کام سب سے پہلے کئے اُن میں سے ایک یہ تھا کہ محرم ۳۶ھ میں حضرت معاویہ کوشام سے معزول کر کے حضرت سہل بن حنیف کواُن کی جگہ مقرر کر دیا۔ مگر ابھی یہ نئے گورنر تبوک تک ہی پہنچے تھے کہ شام کے سواروں کا ایک دستہ اُن سے آ کر ملا اور اُس نے کہا کہ اگر آپ حضرت عثمان کی طرف سے آئے ہیں تو اھلاً وسہلاً۔ اور اگر کسی اور کی طرف سے آئے ہیں تو واپس تشریف لے جائیں۔ یہ اس بات کا صاف نوٹس تھا کہ شام کا صوبہ نئے خلیفہ کی اطاعت کے لئے تیار نہیں ہے۔ حضرت علیؑ نے ایک اور صاحب کو اپنے ایک خط کے ساتھ حضرت معاویہ کے پاس بھیجا مگر اُنہوں نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ اور صفر 36ھ میں اپنی طرف سے ایک لفافہ اپنے ایک پیغامبر کے ہاتھ اُن کے پاس بھیج دیا۔ حضرت علیؑ نے لفافہ کھولا تو اُس میں کوئی خط نہ تھا۔ حضرت علیؑ نے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ اُس نے کہا کہ میرے پیچھے دمشق میں ساٹھ ہزار آدمی خون عثمان کا بدلہ لینے کے لئے بے تاب ہیں۔ حضرت علیؑ نے پوچھا کہ کس سے بدلہ لینا چاہتے ہیں؟ اُس نے کہا آپ کی رگِ گردن سے۔ اس کے صاف معنی یہ تھے کہ شام کا گورنر صرف اطاعت ہی سے منحرف نہیں ہے بلکہ اپنے صوبے کی پوری فوجی طاقت مرکزی حکومت سے لڑنے کے لئے استعمال کرنا چاہتا ہے اور اُس کے پیش نظر قاتلین عثمان سے نہیں بلکہ خلیفہ وقت سے خون عثمان کا بدلہ لینا ہے۔ یہ سب کچھ اس چیز کا نتیجہ تھا کہ حضرت معاویہ 16۔17 سال ایک ہی صوبے اور وہ بھی جنگی نقطہ نظر سے انتہائی اہم صوبے کی گورنری پر رکھے گئے۔ اسی وجہ سے شام خلافتِ اسلامیہ کے ایک صوبے کی بہ نسبت اُن کی ریاست زیادہ بن گیا تھا۔ مورخین نے حضرت علیؑ کے حضرت معاویہ کو معزول کرنے کا واقعہ کچھ ایسے انداز سے بیان کیا ہے کہ جس سے پڑھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ وہ تدبر سے بالکل ہی کورے تھے۔ مغیرہ بن شعبہ نے اُن کو عقل کی بات بتائی تھی کہ معاویہ کو نہ چھیڑیں، مگر انہوں نے اپنی نادانی سے یہ رائے نہ مانی اور حضرت معاویہ کو خواہ مخواہ بھڑکا کر مصیبت مول لے لی۔ حالانکہ واقعات کا جو نقشہ خود اُن ہی مورخین کی لکھی تاریخوں سے ہمارے سامنے آتا ہے۔ اُسے دیکھ کر کوئی سیاسی بصیرت رکھنے والا آدمی یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ حضرت علیؑ اگر حضرت معاویہ کی معزولی کا حکم صادر کرنے میں تاخیر سے کام کرتے تو یہ بہت بڑی غلطی ہوتی۔ اُن کے اس اقدام سے ابتدا ہی میں یہ بات کھل گئی کہ حضرت معاویہ کس مقام پر کھڑے ہیں۔ زیادہ دیر تک اُن کے موقف پر پردہ پڑا رہتا تو یہ دھوکے کا پردہ ہوتا جو زیادہ خطرناک ہوتا۔'' (خلافت وملوکیت صفحہ 132 تا 134)

3۔ اہل دانش اُس محنت اور سنگین پروپیگنڈے کا آج تک اندازہ بھی نہ کر سکے جو قریشی تدبر اور حکومتوں نے حضرت علیؑ کے خلاف کیا تھا۔

قارئین فی الحال اُس مقام کا اندازہ کریں جو اس وقت اُن کے نزدیک حضرت علی، فاطمہ اور حسنین علیہم السلام کو حاصل ہے۔ یا اُمت کے عوام وخواص اور علما آل محمدؐ کو کیا مقام دیتے ہیں؟ ساری اُمت اپنی نمازوں میں اُن پر درود پڑھتی ہے انہیں تمام پیروں اور مرشدوں اور اولیا اللہ کا پیرومرشد وولی مانتے اور لکھتے ہیں۔ صوفیاء کرام کے تمام شجرے حضرت علی علیہ السلام سے ملائے جاتے ہیں۔ اور عوام وخواص اور علما نے مانا اور لکھا ہے کہ تمام پیروں کو مرشدوں کو اور تمام اولیا اللہ کو اُن ہی کے وسیلے سے اور اُن ہی سے تمام کرامات ومعجزات ملے ہیں۔ اُن کی شان اور اُن کا مقام بیان کرنے میں علما اور صوفیائے کرام اور اولیا اللہ نے ہزاروں صفحات حضرت علیؑ وفاطمہؑ وحسنین علیہم السلام کی شان بیان کرنے میں صرف کئے ہیں۔ اور نظم ونثر میں اُن حضرات کی مدح وثنا کرنے میں اپنی پوری زندگیاں بسر کی ہیں۔ مثلاً۔

(1) بندہ ہزار سال عبادت اگر کرے اور زر بقدرِ کوہِ اُحد راہ حق میں دے

حج بھی ہزار بار پیادہ ہوں گر کئے اور بے گناہ شہید بھی ہو ظلم وجور سے

حُبِّ علیؑ کی مے نہیں گر دل کے جام میں جنت کی بو نہ پہنچے گی اس کے مشام میں

(2) مولوی معنوی کا ارشاد ہے۔"یہ تیرے مست تجھے سلام کرتے ہیں۔"

اَے سرور مردان علیؑ مستان سلامت میکنند

اَے صفدر میدان علیؑ مستان سلامت میکنند

اَے طالب و مطلوب ما اَے مقصد مقصود ما

اَے عابد و معبود ما مستان سلامت میکنند

آں آیت اللہ را بگو آں قدرت اللہ را بگو

آں حجة اللہ را بگو مستان سلامت میکنند

با خواجۂ قنبر بگو با صاحبِ منبر بگو

با ساقی کوثر بگو مستان سلامت میکنند

یہ مستوں کا سلام پچیس اشعار میں ہے۔(کوکب دری صفحہ 264-265)

اور اس میں نام بنام بارہ اماموںؑ کو اِسی انداز سے سلام پیش کیا گیا اور سلام کے خاتمہ پر کتاب کے مولف علامہ سید محمد صالح کشفی نے اپنا سلام اسی ردیف وقافیہ میں لکھا ہے چند اشعار سنئے اور مقام علیؑ وآل محمدؐ تازہ کیجئے۔

(3) اَے شاہ دین پرور علیؑ مستان سلامت می کنند

اَے دین کے پالنے والے علیؑ تجھے مست سلام کرتے ہیں

اَے ساقی کوثر علیؑ مستان سلامت میکنند

اَے کوثر کے ساقی مست تجھے سلام کرتے ہیں

اَے سرفراز ولیا بدرالدجی دردوسرا

اَے جانشین مصطفیؐ مستان سلامت میکنند

مقصودِ ایمان رابگو معبود عرفان رابگو

مسجود مستان رابگو مستان سلامت میکنند

اس قصیدے میں اٹھائیس اشعار ہیں جن میں حضرت علی علیہ السلام کو پیروجوان کا شہنشاہ اور پوری کائنات کی دیکھ بھال کرنے والا تسلیم کیا (دارندۂ کون ومکان) ساری کائنات کی جان کہا۔کائنات کواُن کی وجہ مانا۔کاروبار جہاں کی عزت اُن سے قرار دی اعلائے علیین کواُن کے سبب مانا۔اُن کو تمام راز ورموز کی اور آثار کی بنیاد تسلیم کیا ہے۔جنت کا خازن اور حکمت کا مخزن، ہمت کی کان آیت رحمت،عزت کا پرچم، زحمتوں کو دُور کرنے والا،اُن کو عارف ومعروف، کاشف ومکشوف قرار دیا ہے۔اُن ہی کو حمد کرنے والا اور محمود کہا، ناطق ومنطوق لکھا، سابق ومسبوق کہا:

(4) مولوی معنوی نے کہا کہ:

آں نقطہ تحقیق حقائق بہ حقیقت

کرزوئے یقین مظہر حق بود علیؑ بود

ھم اول وھم آخر وھم ظاھروباطن

ھم وعدہ وھم موعد وموعود علیؑ بود

اسی ردیف وقافیہ اوراسی وزن کے ساتھ نواشعار فرمائے ہیں اورفضیلت کی انتہا کردی ہے۔اوراس سے پہلے (صفحہ 105) پندرہ اشعار لکھے گئے ہیں جن کا مطلع یہ ہے کہ:

تا صورتِ پیوند جہاں بود علیؑ بود

تا نقش زمین بود وزماں بود علیؑ بود

ھم آدمؑ وھم شیثؑ وھم ادریسؑ وھم ایوبؑ

ھم یوسفؑ ھم یونسؑ ھم ھودؑ علیؑ بود

ھم اوّل ھم آخر وھم ظاھر وباطن

ھم عابدوھم معبد ومعبود علیؑ بود

ریکارڈ بتاتا ہے خلیفہ دوم نے کہا تھا کہ اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمر تباہ ہوگیا ہوتا۔وہ پرچہ قبر میں رکھنے کی وصیت بھی کی تھی جس پر امام حسن علیہ السلام نے عبداللہ بن عمر کو غلام زادہ لکھ دیا تھا یہ اور بہت کچھ موجود ہے۔سوچنا یہ ہے کہ خلفائے ثلاثہ اور معاویہ نے کتنی محنت کی ہوگی اور کیا کیا مشہور کیا ہوگا کہ ایسے حضرات پر مملکت اسلامیہ میں ہزاروں میل کے اندر اندر ہر مسجد کے منبر سے سوسال تک برابر لعنت ہوتی رہی۔لوگوں کو لعنت نہ کرنے پر قتل کیا جاتا رہا۔آنکھوں میں لوہے کی سلاخیں لال کرکے پھرائی جاتی رہیں۔زندہ دفن کیا جاتا رہا۔زندہ جلایا جاتا رہا۔کربلا میں خاندان رسولؐ کا اطمینان سے قتل عام ہوا۔رسولؐ زادیوں اور رسولؐ کے بچوں کو قید کیا گیا۔پھر یہ سوچئے کہ کتنا عظیم الشان مشن ہوگا جس نے دوبارہ یہ عزت وحرمت قائم کی جو آج مسلمانوں میں موجود ہے اور پھر ساتھ ہی یہ سوچئے کہ اُن شیعوں نے کیا کیا کچھ کیا ہوگا کہ آج دنیا پھر واپس لوٹ رہی ہے؟ حسینیت مردہ باد کے نعرے لگ رہے ہیں۔آل محمدؐ کے مذہب کے خلاف نفرت اور عداوت کا طوفان پھیلتا جارہا ہے۔یوم معاویہ، یوم یزید وعثمان منانے کے لئے لوگ بے چین ہیں۔یقیناً ان شیعوں نے بھی ثلاثہ اینڈ کمپنی اور معاویہ ویزید سے کم محنت نہیں کی۔کیا ایسا تو نہیں ہوا کہ دشمنان محمدؐ

وآلِ محمدؑ شیعوں کا روپ دھار کر اِدھر آ گئے ہوں اور اُن کے روپ میں اپنے بزرگوں اور اپنے مذہب کو دوبارہ زندہ کرنے کے لئے کوشش کر رہے ہوں؟ بہر حال سوچئے کہ یہ وقت سوچنے سے زیادہ کچھ تدارک کرنے کا وقت ہے۔ اللہ نے بھی فرمایا ہے کہ:

وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ۔(3/140)

''یہی وہ دن ہیں جن کو ہم لوگوں کے درمیان بار بار اَدل بدل کر گھماتے رہا کرتے ہیں تا کہ اللہ کو سچ مچ کے مومنین کا پتہ لگ جائے اور وہ تم میں سے حقائق پر چشم دید گواہ الگ کر سکے (آل عمران 3/140)۔''

4۔ معاویہ اینڈ کمپنی کے اسلام وکفر پر قدیم روایات اُن کا لعنتی وجہنمی اور بے دین اور دشمن محمدؐ وآل محمدؑ ہونا۔

چاہتے ہیں کہ معاویہ اور اُس کے خاندان اور اُن کے ساتھیوں کے متعلق قدیم روایات اور بیانات سامنے لائیں تا کہ یہ معلوم ہو کہ حضرت علی اور اولادِ علی علیہم السلام پر لعنت وملامت کرانے والے کیسے لوگ تھے اور اُن کی محمدؐ وآل محمدؑ سے دشمنی کا سبب کیا تھا۔ کتاب تہذیب المتین فی تاریخ امیر المومنین مولفہ 1895ء صفحہ 195 پر ایک عنوان قائم کیا گیا ہے ''**بیان کفر معاویہ وعمرو عاص وغیرھما**''

1۔ ''اخوند مجلسی علیہ الرحمہ نے بحار الانوار میں کتاب عیون الاخبار سے نقل کیا ہے کہ حضرت امام رضا علیہ السلام نے اپنے آباء کرام علیہم السلام سے روایت کیا ہے کہ فرمایا آنحضرت نے کہ مستحفظین اصحاب رسولؐ اللہ خوب جانتے ہیں کہ اللہ نے اہل صفین پر اپنے رسولؐ کے زبان سے لعنت کرائی ہے اور مفتری بلاشبہ زیاں کار ہوتے ہیں۔

2۔ **اور امام محمدؑ باقر وجعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ سورہ الحاقہ امیر المومنین اور معاویہ کے مقدمہ میں نازل ہوئی ہے۔**

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ O اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْOفَهُوَ فِیْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ Oفِیْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍOقُطُوْفُهَا دَانِيَةٌOكُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِO(69/24-19) حضرت امیر المومنین کی شان میں ہے۔ اور

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْOوَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ Oيٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ Oمَآ اَغْنٰى عَنِّیْ مَالِيَهْ Oهَلَكَ عَنِّیْ سُلْطٰنِيَهْ O(69/25-29) معاویہ کے حق میں ہے۔

یعنی چند آیات میں اللہ نے اہل جنت اور جنت کی نعمتوں کا حال بیان کیا ہے اور اُن کے سید وسردار امیر المومنین علیہ السلام ہیں۔ اور دیگر چند آیتوں میں اہل جہنم اور جہنم کی سزاؤں کا ذکر فرمایا ہے۔ مراد اُن سے معاویہ اور اُس کے امثال ہیں۔ اور نیز حضرت صادقؑ سے منقول ہے کہ صاحب سلسلہ معاویہ ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔

خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ Oثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُOثُمَّ فِیْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ Oاِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ Oوَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِO (حاقہ-69/30)

یعنی'' پکڑو اُس کو اور طوق پہناؤ اُس کو اور پھر گرم کوٹھڑی میں داخل کرو اُس کو پھر وہاں اُسے ستر گز کی زنجیر میں باندھو یہ شخص یقیناً اللہ پر ایمان نہ لاتا تھا اور مساکین کے کھانے پینے کا انتظام نہ کرتا تھا۔''

نوٹ: ہم نے یہ دو بیانات کتاب مذکور سے بعینہ لکھے ہیں۔جنہیں پڑھنے اور سمجھنے میں قارئین کو دِقت اور الجھن پیش آئے گی اس لئے کہ یہ کتاب اٹھاسی سال پرانی ہے ساتھ اس کی زبان اور طرز بیان بھی بہت پرانا ہے۔لہٰذا اب ہم اسی کتاب سے زبان اور طرز بیان کو جدید صورت میں لکھیں گے تاکہ قارئین روانی سے پڑھتے اور سمجھتے چلے جائیں۔

3۔ یحییٰ بن طویل کہتے ہیں کہ:

میں مکے کے سفر میں اونٹ پر سوار حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے ساتھ تھا اور وہ حضورؑ گھوڑے پر سوار تھے جب وادی ضجنان سے گزرے تو میں نے ایک کالے رنگ کے آدمی کو دیکھا کہ اس کے گلے میں زنجیر بندھی ہوئی ہے اور کہتا ہے کہ **یَا عَلِیُّ بن الحسینؑ اَسْقِنِیْ سَقَاکَ اللّٰہُ** ۔اَے حسینؑ کے بیٹے علیؑ مجھے پانی پلا دو اللہ تمہیں سیراب رکھے۔حضرت زین العابدین علیہ السلام نے سر جھکا لیا اور سواری کو تیز کر کے آگے بڑھ گئے۔میں نے پلٹ کر دیکھا کہ ایک شخص اُس کالے آدمی کو زنجیر پکڑے ہوئے پیچھے سے کھینچ رہا ہے۔اور کہہ رہا ہے کہ اس کو پانی نہ پلانا۔خدا اس کو پانی نہ دے۔چنانچہ میں نے بھی اپنے اونٹ کو دوڑا دیا اور آنحضرتؑ سے آملا۔امامؑ نے فرمایا کہ یہ پیاسا شخص معاویہ ہے جسے پیاس کا عذاب دیا جا رہا ہے۔

4۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام مکے کے سفر میں جب وادی ضجنان میں سے گزرے تو تین مرتبہ فرمایا کہ **لا غفر اللّٰہ لک** یعنی خدا تجھے کبھی نہ بخشے۔پھر ساتھیوں کو بتایا کہ معاویہ بن ابوسفیان کو زنجیر پہنائے ہوئے لے جا رہے تھے اور وہ پیاس کے مارے زبان باہر نکالے ہوئے تھا۔اُس نے مجھ سے پانی پلانے اور اُس کی بخشش کی دعا کرنے کے لئے کہا تھا۔پھر فرمایا کہ یہ بھی جہنم کی وادیوں میں سے ایک وادی ہے۔

5۔ شیخ طوسی نے کتاب امالی میں لکھا ہے کہ:

حضرت علی علیہ السلام نماز کے قنوت میں صبح کے وقت معاویہ، عمرو عاص، ابوموسیٰ اشعری اور ابوالاعور سلمی اور اُن کے ساتھیوں پر لعنت کیا کرتے تھے۔کتاب کنز الاعمال میں بھی ایسی روایتیں ہیں۔

6۔ نصر ابن مزاحم نے کتاب صفین میں لکھا ہے کہ:

جب حضرت علی علیہ السلام نے شام کی افواج کے جھنڈوں کو دیکھا تو فرمایا کہ خدا کی قسم یہ لوگ سچا ایمان نہیں لائے تھے۔مگر مجبور ہو گئے تھے۔اور جب انہیں قوت و اقتدار حاصل ہو گیا تو ہمارے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔

7۔ اِسی کتاب میں ہے کہ صفین کے دن ایک شخص نے حضرت عمار یاسرؓ سے کہا کہ رسولؐ اللہ نے یہ فرمایا ہے اسلام لانے کے بعد اُن کا خون اور مال حرام ہے۔انہوں نے جواب دیا کہ ٹھیک ہے مگر یہ لوگ تو اسلام لائے نہیں تھے۔اطاعت قبول کر لی تھی اور جیسے ہی اُن کو مددگار اور قوت ملی تو اطاعت چھوڑ کر کفر کی طرف پلٹ گئے۔

8۔ عبداللہ بن مسعود وغیرہ اصحاب رسولؐ سے نقل کیا ہے:

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا کہ تم جب معاویہ کو میرے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے دیکھو تو اُسے قتل کر دینا ابوسعید خدری صحابی رسولؐ نے کہا کہ **فما فعلوا و لا افلحوا** انہوں نے ایسا نہ کیا اور فلاح نہ پائی''

9۔ اور ابن عمر نے یہ بھی کہا کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا تھا کہ معاویہ اسلام پر نہ مرے گا۔اور جابر بن عبداللہ انصاری نے کہا کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا تھا کہ

معاویہ میری ملت پر نہ مرے گا۔

10۔ حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ:

میں نے رسولؐ اللہ کو خواب میں دیکھا تو اُن سے امت کے انحراف کی شکایت کی فرمایا کہ دیکھ میں نے دیکھا تو معاویہ اور عمرو بن العاص جہنم میں اُلٹے لٹکتے ہیں اور اُن کے سروں کو جہنم کے پتھروں سے توڑا جا رہا ہے۔

11۔ مناقب ابن شہر آشوب میں آیت اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِاَحۡکَمِ الۡحٰکِمِیۡنَ O(95/8) (کیا اللہ تمام حکم کرنے والے حکمرانوں پر بڑا حکمران نہیں ہے) کی تفسیر میں عبداللہ ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ ام ہانی کے گھر میں سو گئے تو گھبرا کر اُٹھ بیٹھے۔ سبب پوچھا گیا تو فرمایا کہ ابھی ابھی مجھے قیامت اور خطراتِ قیامت کی سیر کرائی گئی ہے۔ جنت کی نعمتیں دکھائی گئی ہیں۔ میں نے دیکھا کہ معاویہ اور عمرو بن العاص جہنم کے اندر کھڑے ہیں اور اُن کے سروں کو جہنم کے دہکتے ہوئے پتھروں سے توڑا جا رہا ہے۔ اور اُن سے پوچھا جا رہا ہے کہ تم علیؑ بن ابی طالب کی ولایت پر کیوں ایمان نہ لائے۔

12۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ:

ہم اور آل ابوسفیان دو خانوادے ہیں جن میں اللہ کے لئے دشمنی قائم ہے۔ اس لئے کہ ہم نے اللہ کی تصدیق کی اور اُنہوں نے تکذیب کی۔ ابوسفیان نے رسولؐ اللہ سے جنگ جاری رکھی۔ معاویہ نے حضرت علی علیہ السلام سے جنگ کی۔ یزید ملعون نے امام حسین علیہ السلام کا اور اُن کے ساتھیوں کا قتل عام کیا۔

13۔ کتاب معانی الاخبار میں امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے۔

ایک مرتبہ معاویہ رسولؐ اللہ کے پاس بیٹھا کچھ لکھ رہا تھا۔ حضورؐ نے ہاتھ کے اشارے سے لوگوں کو بتایا کہ جو کوئی اُسے ایسی حالت میں پائے کہ یہ حاکم ہو تو چاہئے کہ اس کا پیٹ تلوار سے چاک کر دے۔ امامؑ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضورؐ کے منہ سے یہ حدیث سنی تھی۔ اُس نے ملک شام میں معاویہ کو منبر سے خطبہ دیتے ہوئے دیکھا تو حدیث یاد آ گئی۔ میان سے تلوار نکال کر معاویہ کی طرف بڑھا تو لوگوں نے روکا کہ کیا ارادہ ہے اُس نے وہ حدیث سنا دی لوگوں نے کہا کہ خبر بھی ہے معاویہ کو کس نے حاکم بنایا ہے؟ اُس نے لاعلمی کا اظہار کیا تو لوگوں نے کہا کہ امیر المومنین حضرت عمر نے معاویہ کو شام کی حکومت دی ہے۔ اُس شخص نے سر جھکا لیا اور کہا کہ امیر المومنین کا حکم سر آنکھوں پر۔ اور اپنے ارادے سے باز آ گیا۔ (قارئین دیکھیں کہ عمر کے سامنے رسولؐ کا حکم رد کر دیا گیا)

14۔ کتاب عیون الاخبار میں نقل کیا گیا ہے کہ حضرت امام رضا علیہ السلام کے زمانے میں خراسان کے ایک شخص نے اپنی زوجہ کی طلاق پر قسم کھائی کہ معاویہ اصحاب رسولؐ سے نہیں تھا۔ اس زمانے کے فقہا معاویہ کو صحابہ میں شمار کرتے تھے لہٰذا اُنہوں نے فتویٰ دے دیا کہ طلاق واقع ہو گئی ہے۔ امام رضا علیہ السلام سے مسئلہ پوچھا گیا تو آپؑ نے فرمایا کہ طلاق واقع نہیں ہوئی اس لئے کہ معاویہ رسولؐ کا صحابی نہ تھا۔ فقہا نے حضورؑ کی خدمت میں رقعہ لکھ بھیجا کہ یا ابن رسول اللہ آپ نے طلاق واقع نہ ہونے کا حکم کس قاعدے سے دیا ہے؟ حضرت نے جواب میں لکھا کہ تم ہی لوگ ابوسعید خدری سے روایت کرتے ہو کہ فتح مکہ کے روز مسلمان ہونے والوں کے لئے رسولؐ اللہ نے فرمایا تھا کہ **اَنۡتُمۡ خَیۡرٌ وَاَصۡحَابِی خَیۡرٌ وَلَا هِجۡرَةَ بَعۡدَ الفتح** یعنی تم خوب ہو اور میرے اصحاب خوب ہیں اور فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے۔ اس حدیث کی رُو سے فتح مکہ کے روز مسلمان

ہونے والے اصحاب رسولؐ سے خارج ہیں اور فتح مکہ کے بعد ہجرت باطل ہے۔ چنانچہ تمام فقہاء نے حضورؐ کے فیصلے کو مانا اور اپنے فتوے سے رجوع کرلیا۔

15۔ نصر بن مزاحم نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ زید بن ارقم ایک روز معاویہ کے پاس آیا اس وقت عمرو بن العاص تخت پر معاویہ کے پاس بیٹھا تھا۔ زید بن ارقم نے خود کو معاویہ اور عمرو کے درمیان میں ڈال دیا اور انہیں بیچ میں سے سرک کر زید بن ارقم کو جگہ دینا پڑی۔ عمرو بن عاص نے ناگواری کے ساتھ زید سے کہا کہ تجھے پورے تخت پر کہیں جگہ نہ ملی جو ہمارے درمیان میں گھس کر بیٹھ گیا۔ زید نے کہا کہ ایک مرتبہ حضورؐ رسالت پناہ ایک غزوہ پر جارہے تھے اور تم دونوں بھی لشکر میں شامل تھے۔ ایک دن حضورؐ نے تم دونوں کو ساتھ ساتھ دیکھا تو تند نظر سے دیکھتے رہے اور فرمایا کہ جب اِن دونوں کو مجتمع دیکھو تو اُن میں جدائی ڈال دیا کرو۔ اس لئے کہ یہ دونوں کبھی بھی کسی اچھے کام کے لئے جمع نہ ہوں گے۔

16۔ علامہ زمخشری نے کتاب ربیع الابرار میں لکھا ہے کہ:

حضرت رسولؐ خدا کھڑے تھے ناگاہ ابوسفیان خچر پر سوار نمودار ہوا یزید بن ابوسفیان خچر کو آگے سے چلا رہا تھا اور معاویہ پیچھے سے ہانک رہا تھا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ **لَعَنَ اللّٰہُ الرَّاکِبُ وَالقَائِدُ وَالسَّائِقُ۔**

اللہ لعنت کرے اِس سوار پر اور اس کی قیادت کرنے والے پر اور اس کے ہانکنے والے پر، یہ حدیث کئی طرح روایت کی گئی ہے۔ مثلاً:

17۔ کتاب تذکرہ خواص الاُمۃ میں حضرت امام حسن علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ اَے معاویہ حضرت رسولؐ خدا نے بروز خندق تجھ کو دیکھا کہ تو اپنے باپ کی سواری کو پیچھے سے ہانک رہا ہے اور وہ لوگوں کو رسولؐ اللہ کے خلاف جنگ پر اُکسارہا ہے اور تیرا بھائی یزید اس کی سواری کو آگے سے کھینچتا جارہا ہے۔ تو حضرتؐ نے فرمایا کہ: **لَعَنَ الْجَمَلُ وَرَاکِبُہُ وقَائِدُہُ وسائِقُہُ** ۔یعنی اللہ اُس اونٹ پر اور اُس کے سوار پر اور اس کی قیادت کرنے والے پر اور اُسے ہانکنے والے پر لعنت کرے۔ اور یہی روایت امام حسین علیہ السلام سے اُس زمانے میں روایت کی گئی ہے جب کہ ابوسفیان اندھا ہو چکا تھا۔ اور ابن ابی الحدید نے اپنے شیخ و استاد ابوعبداللہ بصری متکلم سے اور اُس نے عاصم لیثی سے اور اُس نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ ہم مسجد رسولؐ خدا میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ لوگ کہہ رہے تھے کہ ہم پناہ مانگتے ہیں اللہ اور رسولؐ کے غضب سے۔ میں نے وجہ پوچھی تو بتایا گیا کہ معاویہ ابھی ابھی ابوسفیان کا ہاتھ پکڑ کر اُسے مسجد نبوی سے باہر لے گیا ہے حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا کہ خدا لعنت کرے تابع اور متبوع پر میری امت کو معاویہ کے ہاتھوں بہت مصیبت دیکھنی ہوگی۔

18۔ اور کتاب محاضراتِ راغب اصفہانی سے منقول ہے کہ:

معاویہ ایک مرتبہ بیمار ہوا۔ طبیب علاج کے لئے آیا۔ معاویہ کو دیکھ کر کہا کہ ڈرنے کی بات نہیں شفا ہو جائے گی۔ ایسا ہی ہوا کچھ دنوں بعد شفا ہوگئی۔ کچھ مدت کے بعد پھر بیمار ہو گیا۔ ایک عیسائی شخص ملاقات کو آیا تو اُس نے کہا کہ میرے پاس ایک تعویذ ہے جس بیمار کو باندھتے ہیں شفایاب ہو جاتا ہے۔ معاویہ نے وہ تعویز لے کر اپنے گلے میں باندھ لیا۔ طبیب آیا تو اُس نے کہا کہ اب معاویہ بہت جلد مرجائے گا چنانچہ معاویہ اُسی رات میں مرگیا۔ لوگوں نے طبیب سے پوچھا کہ تو نے کس یقین پر معاویہ کے مرنے کی پیشینگوئی کی تھی۔ طبیب نے کہا کہ حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ معاویہ نہ مرے گا جب تک اُس کے گلے میں صلیب نہ پہنائی جائے گی۔ میں نے معاویہ کے گلے میں تعویز دیکھا

جس میں صلیب بنی ہوئی تھی اور مجھے یقین ہو گیا کہ یہ تعویز اُس کی موت کا سبب بنے گا۔"

19۔ **بالجملہ احادیث کثیرہ اور مشہور سنیوں اور شیعوں میں روایت ہوئی ہیں** جن سے واضح ہو جاتا ہے کہ معاویہ اور اُس کے اصحاب گمراہ تھے اور دین اسلام سے اُن کا اصلاً و مطلقاً کوئی تعلق نہ تھا۔ اس معاملے میں فرقہ معتزلہ بھی شیعوں کے ساتھ متفق اور یہ سب اُن کو دشمن خدا اور رسولؐ اور مستقل جہنمی سمجھتے ہیں۔ عبدالحمید بن ابی الحدید معتزلی نے نہج البلاغہ کی ابتدا میں لکھا ہے کہ:

اَمَّا عَسْكَرُ الشَّامِ بِصِفِّيْنَ فَاِنَّهُمْ هَالِكُوْنَ كُلُّهُمْ عِنْدَ اَصْحَابِنَا لَا يُحْكَمُ لِاَحَدٍ مِنْهُمْ اِلَّا بِالنَّارِ لِاَصْرَارِهُمْ عَلَى الْبَغْيِ وَلِمَوْتِهِمْ عَلَيْهِ رُؤْسَاؤُهُمْ وَالْاَتْبَاعُ جَمِيْعًا.

ترجمہ: رہ گئیں شام کی فوجیں جو صفین میں حاضر تھیں ہمارے اصحاب کے نزدیک تمام تباہ شدہ ہیں اُن میں کا ہر شخص جہنمی ہے اس لئے کہ وہ بغاوت پر اصرار رکھتے تھے اور اُسی باغی حالت میں مر گئے اُن کے حکمران بھی اور اطاعت کرنے والے بھی"

20۔ **قریشی علمانے معاویہ کو جہنمی ہوتے ہوئے** جنتی بنانے کی کوشش کی اور ایسی روایات گھڑی ہیں جن سے اُسے تمام جرائم سے بری کر دیا ہے۔ لیکن اہل سنت میں ایسے علما بھی گزرے ہیں جنہوں نے معاویہ کو ملعون وجہنمی لکھا اور مانا ہے اور مذکورہ بالا روایت جمع کرنے والے تمام علمائے اہل سنت اُسے لعنتی وجہنمی سمجھتے ہیں۔

21۔ **روضۃ الصفا میں حافظ ابرد سے نقل کیا ہے** کہ اُس نے کہا کہ عجیب سے عجیب تر بات یہ ہے کہ بعض مسلمان علما معاویہ کو مخالفت حضرت علیؑ میں مجتہد بھی کہتے ہیں۔ اور یہ اُن کا دین سے نہایت تغافل اور تجاہل ہے۔ ابن ابی الحدید نے اپنے اُستاد ابو جعفر نقیب سے ابطال عدالت صحابہ میں ایک رسالہ نقل کیا ہے۔ اُس کے آخر میں ایک نہایت پر لطف بیان دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ "تعجب ہے اہل حدیث کے فرقے پر اور حشویہ فرقہ پر کہ نبیوں کو گناہ گار ثابت کرنے میں بڑی کوشش کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ جو انبیاؑ سے گناہ کے منکر ہیں اُن پر طنز وطعن کرتے ہیں اور قدری و معتزلی ایسے منکر کو کتاب اللہ کے نصوص کا منکر قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ ہم نے اُن میں سے سیکڑوں بلکہ ہزاروں کو دیکھا ہے جو کہتے ہیں کہ حضرت یوسفؑ عزیز کی زوجہ زلیخا کے اُس مقام پر بیٹھے جہاں مرد مجامعت کے لئے بیٹھتا ہے۔ کبھی کہتے ہیں کہ حضرت داؤدؑ نے اُوریا کو قتل کیا تاکہ اُس کی زوجہ سے نکاح کریں۔ اور اِن لوگوں کی بکواس یہاں تک پہنچی ہے کہ حضرت رسولؐ خدا کو قبل نبوت کافر کہتے ہیں۔ اور آدمؑ میں قدح کرنا اور گناہ کے صادر ہونے کو ثابت کرنا تو اُن کی عادت ہے۔ بڑی شدومد سے اس پر بحث اور مناظرے کو تیار رہتے ہیں۔ مگر جب معاویہ وعمرو بن عاص جیسے اشخاص پر بات کی جاتی ہے اور کوئی اُن پر گناہوں اور بدترین افعال کا ثبوت فراہم کرے تو اُن کے چہرے سرخ اور گردنیں دراز ہو جاتی ہیں اور آنکھیں نکال کر کہتے ہیں کہ یہ بدعتی، رافضی ہے کہ صحابہ کی بدگوئی کرتا ہے اور سلف صالح کو برا بھلا کہتا ہے۔ ذرا آگے چل کر نقیب مذکور لکھتا ہے کہ ہم اُن سے پوچھتے ہیں کہ آیا بیعت علیؑ صحیح تھی اور تمام مسلمانوں پر اُن کا حکم عام تھا یا نہ تھا؟ اگر بیعت صحیح تھی اور حکم عام تھا تو بتاؤ کہ جب کوئی خارجی امام وقت پر خروج کرے تو کیا تمام مسلمانوں کا فرض نہیں ہے کہ وہ اس خروج کرنے والے سے جہاد کریں؟ حتیٰ کہ اس کو امام وقت کی اطاعت پر مجبور کر دیں۔ چنانچہ کیا یہ برأت و بیزاری جو ہم اس زمانہ میں معاویہ وعمرو عاص سے کرتے ہیں مثل اُسی جنگ و جدل کے نہیں ہے جو اُس وقت ہم پر لازم ہوتا کیا ان دونوں امور میں کچھ گڑ بڑ ہے؟ ہم اس وقت صرف اس لئے اُن سے تبراء کرتے ہیں کہ اس وقت موجود نہ تھے کہ اپنے ہاتھوں سے اُن سے جنگ کرتے۔ اب ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ بجائے اُس وقت جنگ کے کہ جو ہمارے اختیار سے باہر ہے برأت و بیزاری عمل میں لائیں اور اُن پر

لعنت کریں۔ دوسرے یہ کہ معاویہ اپنی دائمی رُوسیاہی مہیا کرتا تھا کہ خود بھی اور دوسروں سے بھی حضرت علیؑ پر اور اُن کی طاہر و مطہر اولاد پر گالیوں اور لعنت وتبرا کی بوچھاڑ کرتا تھا۔ اور اُس معلون وشقی کے حکم سے تمام مملکت اسلامیہ میں منبروں سے یہ لعنت وتبرا جاری تھا۔ اور اُس خبیث کی جہنم واصل ہونے کے بعد بھی سو سال تک اس پر عمل ہوتا رہا۔‘‘

22۔ امام واقدی نے روایت کی ہے کہ جب معاویہ بعد بیعت حسن واجتماع الناس کے عراق سے شام میں واپس آیا تو اُس نے خطبہ میں کہا کہ اَے لوگو مجھے رسولؐ خدا نے خبر دی ہے کہ تو میرے بعد اُمت کا خلیفہ ہوگا پس اس وقت ارض مقدسہ کو اختیار کرنا کیوں کہ اس میں ابدال اور خدا کے اولیا ہیں۔ چنانچہ میں نے تم کو اختیار کرلیا ہے۔ فَالْعَنُوْا اَبَاتُرَابٍ پس تم لعنت کرو ابوتراب پر۔ اُن ملاعین نے اُس کے حکم کے مطابق لعنت کی۔ دوسرے روز معاویہ نے ایک کتبہ اس مضمون کا لکھا اور شامیوں کو جمع کر کے اُن کے سامنے اُس کتبہ کو پڑھا۔‘‘

23۔ سنن ابن ماجہ میں جو صحاح ستہ میں سے ایک ہے اس طرح سے روایت ہے کہ۔

قَدِمَ مُعَاوِيَةُ فِى بَعْضِ حَجَّاتِهٖ فَدَخل عَلَيْهِ سَعْدٌ فَذَكَرُوْا عَلِيًّا فَنَالَ مِنْهُ فَغَضِبَ سَعْدٌ وَقَالَ تَقُوْلُ هٰذَا وَسَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ يَقُوْلُ مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ وَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ اَنْتَ مِنِّىْ بِمَنْزِلَةِ هٰرُوْنَ مِنْ مُوْسٰىؑ اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِىَّ بَعْدِىْ وَ سَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ لَاُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔

یعنی معاویہ اپنے حجوں میں سے ایک حج میں آیا اُس کے پاس سعد بن ابی وقاص آئے تو حضرت علیؑ کا ذکر آنے پر معاویہ نے اُن کی مذمت کی اس پر سعد کو غصہ آ گیا اور کہا کہ تو یہ کہتا ہے اور میں نے حضرت رسولؐ خدا کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جس کا میں مولا ہوں علیؑ اُس کا مولا ہے اور نیز یہ بھی کہتے ہوئے سنا ہے کہ اَے علیؑ تیرا مجھ سے وہی مقام ہے جو ہارونؑ کا موسیٰؑ سے تھا البتہ میرے بعد نبی نہیں ہے اور یہ بھی میں نے سنا کہ فرمایا تھا کہ کل میں ایسے شخص کو علم دوں گا جسے اللہ اور اللہ کا رسولؐ محبوب رکھتے ہیں۔‘‘

24۔ صحیح مسلم میں، جو صحیح بخاری کے ہم پلہ کتاب ہے لکھا ہے کہ۔

اَمَرَ مُعَاوِيَةُ بِنْ اَبِىْ سُفْيَانَ سَعْدًا فَقَالَ مَايَمْنَعُكَ اَنْ تُسَبَّ اَبَاتُرَابٍ ؟قَالَ اَنَاذَكَرْتُ ثَلٰثًا قَالَهُنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَلَنْ اَسُبَّهٗ لِاَنْ يَكُوْنَ لِىْ وَاحِدَةً مِنْهُنَّ اَحَبُّ اِلَىَّ مِنْ حُمُرِالنَّعِمِ۔

معاویہ نے سعد کو حکم دیا کہ جناب علیؑ کو گالیاں دے اور کہا کہ اُسے گالیاں دینے سے تجھے کیا چیز مانع ہے؟ سعد نے کہا کہ مجھے تین ایسی باتیں یاد ہیں جو رسولؐ اللہ نے فرمائی تھیں لہٰذا میں ہرگز گالیاں نہ دوں گا۔ اگر اُن تینوں میں سے ایک بھی میرے حق میں فرمائی گئی ہوتی تو وہ مجھے سرخ رنگ اونٹوں سے زیادہ محبوب ہوتی۔‘‘

یہاں یہ سوال خود بخود اُٹھتا ہے کہ کیا اب بھی قریشی علما معاویہ کو رضی اللہ عنہ کہتے رہیں گے؟ اور اُسے نیک صحابہ میں شمار کریں گے؟ کیا اب بھی امام برحق اور خلیفہ برحق پر لعنت کرنے والوں کو اپنا امام وپیشوا مانتے رہیں گے؟ اور اگر امام برحق اور مسلّمہ خلیفہ خدا اور رسولؐ پر لعنت بھیجنے والے امام وپیشوا ہو سکتے ہیں تو ابوبکر وعمر وعثمان اور معاویہ پر لعنت کرنے والوں کو کیوں امام وپیشوا نہ مانو گے؟ امام وپیشوا نہ مانو تو کم از کم شیعوں کو مومن ومسلم تو مانو؟ کیا تم نے ظلم وناانصافی کرنے کی قسم کھا رکھی ہے کیا تمہارا دین ہی یہ ہے کہ کبھی انصاف نہ کرو؟

25۔ کتاب مستطرف میں ہے کہ معاویہ ملعون مدینہ میں آیا اور منبر پر جا کر حضرت علی علیہ السلام کی مذمت شروع کر دی۔ امام حسن علیہ السلام اُٹھے

اور بعد حمد وصلوٰۃ فرمایا کہ اللہ نے کوئی نبیؑ ایسا مبعوث نہیں کیا جس کے لئے مجرموں میں سے کوئی نہ کوئی دشمن تجویز نہ کیا ہو۔ چنانچہ اے معاویہ میں علیؑ بن ابی طالبؑ کا بیٹا ہوں۔ اور تو صخر کا بیٹا ہے۔ تیری ماں ہند ہے۔ میری ماں فاطمہ زہراؑ ہے۔ تیری دادی قیلہ ہے۔ اور میری دادی خدیجۃؑ الکبریٰ ہے۔ پس خدا کی لعنت ہو اُس پر جو ہم میں سے از روئے نسب قابل ملامت ہے اور از روئے تذکرہ پوشیدہ تر ہے۔ اور اُس کا کفر بڑا اور نفاق سخت ہے۔ تمام حاضرین مسجد نے بلند آواز سے آمین کہا۔ معاویہ خطبہ چھوڑ کر اپنی منزل گاہ کی طرف چلا گیا۔

26۔ ابن ابی الحدید نے ابو عثمان جاحظ سے نقل کیا ہے کہ:

بنی اُمیہ نے معاویہ سے کہا کہ اے امیر المومنین تم اپنی آرزو میں کامیاب ہو گئے اگر اب اُس شخص پر لعنت کرنا چھوڑ دو تو بہتر ہوگا۔ معاویہ نے کہا کہ ہرگز نہیں جب تک کہ لعنت کرتے کرتے بچے بڑھے نہ ہو جائیں اور بڑھے مر نہ جائیں اور تمام اچھائیاں بیان کرنے والے ختم نہ ہو جائیں یہ لعنت جاری رکھوں گا''

27۔ ابوالحسن مدائنی نے کتاب الاحداث میں لکھا ہے کہ:

معاویہ نے بعد سال جماعت اپنے گورنروں اور حکام کو ایک فرمان لکھا کہ جو شخص ابوتراب کی فضیلت بیان کرتا ہو اُس کی اور اُس کے اہل وعیال کے خون سے میں بری الذمہ ہوں۔ اس کے بعد خطیب ہر سمت میں منبروں پر کھڑے ہوتے اور علیؑ پر لعنت کرتے تھے۔ اور اُن سے بیزاری کا اعلان کرتے تھے۔ اور اُن کی اور اُن کے اہلؑ بیت کی مذمت کرتے تھے۔ اس زمانہ میں کوفہ کے باشندوں پر بہت آفات نازل کی جارہی تھیں چونکہ وہاں شیعوں کی کثرت تھی معاویہ نے کوفہ اور بصرہ کا گورنر زیاد بن ابیہ کو مقرر کیا تھا وہ شیعوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کرتا تھا۔ انہیں اندھا کر دیتا تھا اُن کے ہاتھ پیر کٹوا دیتا تھا۔ کھجوروں کے تنوں پر اُن کو سولی دیتا تھا۔ جلاوطن کرتا تھا یہاں تک کہ عراق میں کوئی معروف ومشہور شیعہ نہ رہا۔ معاویہ نے دوسرے فرمان میں لکھا کہ شیعان علیؑ کی گواہی قبول نہ کریں۔ ایک اور فرمان میں لکھا کہ عثمان کی مدح وثنا کرنے والوں کے نام وپتے میرے پاس بھیجو اس طرح عثمان کے فضائل ومناقب افراط سے شائع ہو گئے اس لئے کہ فضائل ومناقب لکھنے اور بیان کرنے والوں کو معاویہ مالا مال کر دیتا تھا۔ اور انہیں جاگیریں اور جائیدادیں بخشتا تھا۔ پھر اس نے فرمان جاری کیا کہ عثمان کے حق میں بہت احادیث ہو گئی ہیں۔ اور دیار وامصار میں پھیل گئی ہیں۔ اب لوگوں کو دعوت دو کہ وہ صحابہ اور خلفائے ثلاثہ کی شان میں حدیثیں تیار کریں۔ جو حدیث ابوتراب کی شان میں ہو اُس جیسی یا اُس سے بڑھ کر اُن کی شان میں تیار کریں۔ یہ بات میرے لئے بہت مسرت انگیز ہے اور شیعوں کی حجتیں اس سے باطل ہو جاتی ہیں۔ اور یہ روایات اُن پر عثمان کے مناقب سے بھی زیادہ گراں گزرنے والی ہیں۔ معاویہ کے یہ فرمانات عامہ خلائق کے سامنے پڑھے گئے اور روایات کثیرہ صحابہ کی شان میں تیار کی گئیں جن کی کچھ اصل وحقیقت نہ تھی۔ چنانچہ وہ لوگ اُن خود ساختہ فضائل کو منبروں سے پڑھتے تھے۔ نقل درنقل کر کے پھیلاتے تھے۔ پھر وہ روایات مدرسوں کے استادوں کو دی گئیں اور درس وتعلیم میں داخل کی گئیں۔ بچے قرآن کی مانند اُن کو یاد کرتے تھے۔ عورتیں اور لڑکیاں گھروں کے اندر اُن کو پڑھتیں اور تلقین کرتی تھیں۔ نوکروں اور غلاموں کو یاد کرائی جاتی تھیں۔ پھر ایک فرمان پوری مملکت میں بھیجا کہ جو شخص علیؑ واولادِ علیؑ کو دوست رکھتا ہے اس کا نام دفتروں سے کاٹ دیں اُن کا روزینہ بند کر دیں اور جن لوگوں پر علیؑ سے دوستداری کا الزام ہو اُن پر تشدد کرو سزائیں دو اُن کے گھر مسمار کر دو۔ اِن فرمانات سے شیعوں پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ نوبت یہ آ گئی تھی کہ اگر کوئی شیعہ اپنے کسی دوست کے گھر جاتا تو چھپ کر اُس سے بات کرتا تھا۔ اور اُس کی زوجہ اور نوکروں تک سے ڈرتا تھا۔ اور خود اُس دوست سے قسم وعہد لئے بغیر زبان

نہ کھولتا تھا۔ بہر حال پیغمبرؐ خدا کے خلاف بہت سے بہتان تراشے گئے۔ جن پر فقہا اور قاضی لوگ عمل کرتے تھے۔ اور قاریان قرآن جھوٹی حدیثیں بناتے تھے۔ اور حکام سے عزت وتوقیر حاصل کرتے تھے۔ اور مال ومنال وجاگیریں انعام میں پاتے تھے۔ رفتہ رفتہ یہ خود ساختہ حدیثیں ایمان دار لوگوں تک پہنچ گئیں اور انہوں نے اِن کو صحیح سمجھ کر روایت کرنا شروع کر دیا۔ اگر وہ جانتے کہ یہ جھوٹی ہیں تو کبھی روایت نہ کرتے۔ یہی عملدرآمد جاری رہا یہاں تک کہ حسنؑ بن علیؑ کا انتقال ہوا کہ اس وقت آفتیں اور بلائیں زیادہ ہوگئیں۔ کوئی شخص بھی شیعہ کہلانے والا نہ رہا۔ جان کے خوف سے چھپا ہوا یا جنگلوں اور پہاڑوں میں سرگرداں پھرتا ہوا۔ شہادت حسینؑ کے بعد مصیبت اور بڑھ گئی۔ عبدالملک بن مروان نے خلیفہ ہو کر شیعوں پر اور بھی سخت تشدد کیا۔ حجاج بن یوسف کو عراق کا حکمران بنایا اُس کے پاس عابدوں اور زاہدوں نے بغض علیؑ کی بنا اور وسیلے سے قرب ومنزلت حاصل کی۔ اُن کے دشمنوں کی مدح وثنا کا بازار گرم ہوا اور اُن کے فضائل ومناقب بند ہوگئے حد ہوگئی کہ حجاج کے سامنے کہنے والے نے کہا کہ اَے امیر میرے والدین نے میرے اوپر بڑا ظلم کیا کہ میرا نام علی رکھ دیا ہے اور میں غریب ونادار اور امیر کے رحم وکرم اور عطیہ کا محتاج ہوں۔ حجاج نے مسکرا کر کہا تو نے سوال کا اچھا ذریعہ اختیار کیا ہے اور کہا کہ تجھے میں فلاں مقام کی حکومت دیتا ہوں'' یہاں علامہ ابوالحسن مدائنی کی روایت ختم ہوگئی۔

نوٹ: مولوی مفتی محمد قلی کنتوری کتاب تشئید المطاعن میں لکھتے ہیں کہ ''علامہ ابوالحسن مدائنی علمائے اہل سنت میں صدوق وثقہ تھے۔ چنانچہ علامہ سمعانی نے کتاب انساب میں لکھا ہے کہ حارث بن ابواسامہ نے ذکر کیا ہے کہ ابوالحسن مدائنی بصرہ میں پیدا ہوئے اور وہیں نشوونما پائی کچھ مدت کے بعد مدائن گئے اور وہاں سے بغداد آئے اور وہاں رہتے رہے حتیٰ کہ ماہ ذی الحجہ ۲۳۴ھ میں فوت ہوئے وہ تاریخ انسان اور اخبار عرب اور اُن کے انساب کے عالم تھے۔ اور عالم تھے فتوحات اور مغازی کے اور روایت شعر کے اور صدوق وثقہ تھے اس میں۔''

28۔ عمر بن عبدالعزیز اموی کہ بجائے ہشام بن عبدالملک ۹۹ھ میں خلیفہ ہوا تھا۔ بیان کرتا تھا کہ:

میں ایام طفلی میں عبیداللہ بن عتبہ بن مسعود سے قرآن پڑھا کرتا تھا۔ ایک روز لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا کہ میرا معلم وہاں سے گزرا۔ ہم اس وقت علی بن ابی طالب پر لعنت کرنے میں مصروف تھے۔ اُس نے اسے بُرا سمجھا اور مسجد کو چلا گیا۔ میں لڑکوں سے جدا ہو کر مسجد میں اُس کے پاس آیا تاکہ اپنا معمول کا سبق پڑھوں۔ وہ مجھے دیکھ کر نماز میں مصروف ہوگئے۔ اور نماز میں اس قدر طول دیا کہ مجھے یہ محسوس ہوگیا کہ اُستاد مجھ سے خفا ہے اور اعراض کر رہا ہے۔ نماز سے فارغ ہوئے تو ناک چڑھائے میری طرف متوجہ ہوئے میں نے کہا کہ آج شیخ کا کیا حال ہے؟ کہا کہ اَے بیٹے تو علیؑ پر لعنت کرتا ہے؟ میں نے کہا کہ جی ہاں میں لعنت کرتا ہوں۔ کہا تجھے یہ بات کب معلوم ہوئی کہ اللہ اہل بدر سے راضی ہو کر پھر اُن پر غضبناک ہوگیا تھا؟ میں نے پوچھا کہ کیا علیؑ اہل بدر سے ہیں؟ کہا کہ تجھ پر افسوس ہے کہ کیا تجھے معلوم نہیں کہ بدر تو سارا کا سارا علیؑ کا ہے۔ میں نے کہا کہ میں آئندہ ایسا نہ کروں گا۔ کہا کہ واللہ ایسا نہ کرے گا۔ میں نے کہا کہ ہاں میں ایسا نہ کروں گا۔ اُس کے بعد میں نے کبھی لعنت نہیں کی۔ پھر عمر بن عبدالعزیز کہتا ہے کہ میرا باپ مدینہ کا گورنر ہوا تو میں ہر جمعہ کو زیر منبر حاضر ہوتا تھا۔ وہ منبر پر خطبہ کہتا تو میں دیکھتا کہ وہ تمام خطبہ کمال فصاحت وبلاغت سے ادا کرتا تھا۔ مگر جب علیؑ کی مذمت پر پہنچتا ہے تو تلجلج واضطراب اُس کی زبان میں پیدا ہو جاتا۔ ایک روز میں نے اُس سے دریافت کیا کہ اَے پدر بزرگوار آپ نہایت فصیح وبلیغ خطیبوں میں سے ایک ہیں۔ یہ کیا بات ہے کہ جب آپ اس مرد کی مذمت پر پہنچتے ہو تو آپ کی زبان لکنت کرنے لگتی ہے؟ اُس نے کہا کہ اَے فرزند یہ لوگ جو اہل شام وغیرہ سے زیر منبر جمع ہوتے ہیں اگر اس مرد کے فضائل ومناقب پر مطلع ہوں جیسا کہ تیرا باپ مطلع ہے۔ تو یہ سب ہم سے برگشتہ ہو جائیں۔ اور ایک بھی ہماری اطاعت نہ کرے۔ اس بیان نے بھی میرے دل میں اثر کیا۔

علاوہ اُس کے جولڑکپن میں اپنے معلم سے سنا تھا۔لہٰذا میں نے درگاہ خدامیں عہد کیا کہ اگر مجھ کوخلافت ملی تو میں اس بدترین رسم کو بند کردوں گا۔ جب اللہ نے اپنے لطف وکرم سے مجھ کوخلیفہ بنادیا تو میں نے اُسے دور کیا۔اور پوری مملکت میں اس مضمون کے فرمان جاری کئے‘‘

29۔روضۃ الصفامیں ہے کہ ایک یہودی نے عمر بن عبدالعزیز کی تعلیم سے دربار میں بزرگان شام اور رؤسائے بنی اُمیہ کی موجودگی میں عمر بن عبدالعزیز کی بیٹی سے شادی کی درخواست کی تو عمر بن عبدالعزیز نے جواب دیا کہ یہ مواصلت ومناکحت جائز نہیں اس لئے کہ ہم مسلمان ہیں اورتو دین وآئین سے بیگانہ یہودی ہے۔یہودی نے کہا کہ تمہارے پیغمبرؐ نے اپنی لڑکی علیؑ ابن ابی طالب کو دی۔عمر بن عبدالعزیز نے کہا کہ علیؑ ارکانِ دین محمدیؐ وبزرگان ملت سے ہیں۔یہودی نے کہا کہ اس صورت میں کس لئے اُن پرلعنت کرتے ہو۔عمر نے حاضرین کی طرف متوجہ ہوکر کہا کہ یہودی کو جواب دو۔ورنہ اس رسم بدکوترک کرو۔سب خاموش اورملزم ہوئے پس عمر نے حکم دیا کہ آئندہ کوئی شخص زبان کو بالفاظ ناشائستہ امیرالمومنین علیؑ بن ابی طالبؑ میں آلودہ نہ کرے۔

30۔معاویہ نے امام حسنؑ کو زہر سے شہید کرایا تھا :

علامہ سبط ابن جوزی نے تذکرہ خواص الامۃ میں امام حسنؑ کے حالات میں لکھا ہے کہ معاویہ نے جعدہ بنت اشعث زوجہ امام حسنؑ کو ورغلایا کہ آنحضرتؑ کوزہر دے دے۔اوروعدہ کیا کہ اگرتو ایسا کرے گی توایک لاکھ درہم تجھ کودوں گا اوراپنے بیٹے یزید کے ساتھ تیرا نکاح کردوں گا۔جب امام حسنؑ نے شہادت پائی تو جعدہ نے کسی کومعاویہ کے پاس بھیجا اوروعدہ کی وفا چاہی۔معاویہ نے مال اُس کے پاس بھیج دیا اوردوسرے وعدہ کے متعلق کہا کہ مجھ کو یزید سے محبت ہے اوراُس کی زندگی کودوست رکھتا ہوں اگرایسا نہ ہوتا توضرور ہی تیری شادی اس سے کردیتا‘‘

31۔شعبی کہتا ہے کہ اس قول کا مصداق یہ ہے کہ حسنؑ اپنی موت کے وقت کہتے تھے حالانکہ اُن کومعاویہ کی سازش معلوم ہوگئی تھی۔

لَقَدْ عَلَمْتَ صِفَةُ شَرِبْتَهُ وَبَلَغَ اُمْنِيَّتَهُ وَاللهِ لَا يَفِيْ بِمَاوَعَدَوَلَا يُصَدِّقُ فِيْمَا يَقُوْلُ ۔وہ اُس کے شربت کی صفت کوجانتے تھے۔وہ اپنی مرادکو پہنچا۔قسم بخدا کہ وہ اپناوعدہ وفانہ کرے گا۔اوروہ اپنے قول میں راست گونہیں ہے۔

32۔اورابن سعد سے نقل کیا ہے کہ معاویہ نے چند بار اُس جناب کوزہر دیا کیوں کہ وہ حضرتؑ اوراُن کے بھائی حسینؑ شام جایا کرتے تھے۔

33۔تہذیب الکمال فی اسماء الرجال میں ام بکر بنت مسور سے روایت کی ہے کہ :

حسنؑ کو چند بار زہر پلایا آخری باری میں اُنہوں نے وفات پائی کیوں کہ اُن کا جگر ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا تھا۔چنانچہ جب حضورؑ نے رحلت کی توزنان بنی ہاشم نے ایک ماہ تک اُن پرنوحہ اوربکا جاری رکھا۔اورابوعوانہ نے کہا ہے کہ جعدہ بنت اشعث نے اُن حضرتؑ کوزہر پلایا اورآپؑ چالیس روزتک علیل رہے۔اورتاریخ خمیس سے نقل کیا گیا ہے کہ جب معاویہ کوشام میں وفات امام حسن علیہ السلام کی خبر پہنچی تو اُس نے تکبیر کہی اور ساتھ ہی اہل شام نے تکبیر کہی۔فاختہ بنت قریضہ نے کہا کہ اقر اللہ عینک یا امیر المومنین خدا تیری آنکھیں ٹھنڈی رکھے کس بات پرتم نے تکبیر کہی ہے؟ معاویہ نے کہا کہ حسنؑ نے انتقال کیا ہے۔فاختہ نے کہا توپسر فاطمہؑ کے مرنے پرتکبیر کہتا ہے؟ معاویہ نے کہا کہ میں نے شماتت کی وجہ سے تکبیرنہیں کہی ہے۔مگرمیرے دل نے راحت پائی ہے۔اس لئے تکبیر کہی ہے۔راوی کہتا ہے کہ شماتت نہیں مگراستراحتِ قلب؟ اورکسی کا دل کسی کے مرنے پرراحت نہیں پاتا سوائے شماتت کرنے والے کے۔

34۔زبیر بن بکار سے روایت کی گئی ہے کہ عبداللہ بن عباس معاویہ کے پاس شام گئے اوراُس کے پاس حسنؑ بن علیؑ کے مرنے کی خبر پہنچی تو اُس

نے سجدہ شکر کیا اور شکر خدا بجالایا۔ اور آثار مسرت وسرور اُس کے چہرے پر عیاں تھے۔ لوگوں کو ملاقات کے لئے آنے کی اجازت دی۔ اُن کے بعد ابن عباس کو بلایا اور کہا تو نے سنا کہ تیرے اہل میں کیا حادثہ ہوا؟ کہا نہیں معاویہ نے کہا کہ ابو محمدؑ نے وفات پائی اللہ تیرے اجر کو اس مصیبت میں عظیم کرے۔ عبداللہ بن عباس نے یہ سن کر کہا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن ہم اس مصیبت کو خدا کے یہاں قابل شمار سمجھتے ہیں۔ اے معاویہ مجھے تیرے سجدہ شکر کرنے کا حال معلوم ہوا میں یہ سمجھتا ہوں کہ تو نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کی وفات پر سجدہ شکر کیا ہے۔ خدا کی قسم اے معاویہ حسنؑ کا جسم تیری قبر کو نہ بھرے گا اور اُن کی موت تیری عمر کو دراز نہ کرے گی۔ ہم حسنؑ کی مصیبت سے پیش تر اُس سے بھی عظیم تر مصیبت برداشت کر چکے ہیں۔ معاویہ نے سنا اَن سنا کر کے کہا کہ حسنؑ کی کتنی عمر تھی؟ ابن عباس نے کہا کہ امام حسنؑ کی شان اس سے بلند ہے کہ اُن کی تاریخ ولادت کسی پر مخفی ہو۔ معاویہ نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ حسنؑ نے چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑے ہیں۔ ابن عباس نے کہا کہ ہم سب پہلے چھوٹے ہی تھے پھر بڑے ہوئے۔ معاویہ نے کہا اے ابن عباس اب قبیلہ کا سید وسردار تو ہی ہے۔ ابن عباس نے کہا کہ ابوعبداللہ حسینؑ بفضل خدا زندہ وسلامت ہیں۔ اُس کے بعد عبداللہ ابن عباس اٹھے اور آنسواُن کی آنکھوں سے جاری تھے۔ معاویہ نے کہا للہ درہ اُس کی نیکی خدا کے لئے ہے۔ ہم نے جب اُس کے ساتھ ملاقات کی اُس کو سید وسردار پایا۔

35۔ ابن ابی الحدید نے حضرت علی علیہ السلام کے اس قول کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

لَا تَقْتُلُوا الْخَوَارِجِ بَعْدِی فَلَيْسَ مَنْ طَلَبَ الْحَقَّ فَاَخْطَاهُ لَمَنْ طَلَبَ الْبَاطِلَ فَاَدْرَكَهُ ۔

یعنی میرے بعد خارجیوں کو اندھا دُھند قتل نہ کرنا اس لئے کہ وہ شخص بہتر ہے جو حق کی تلاش کرے اور اُسے پا نہ سکے اُس شخص سے جو باطل کو تلاش کرے اور اُسے پا لے۔ یہ قول معاویہ اور اُسی قسم کے لوگوں کے حق میں ہے کیوں کہ اُن کی طرز وروش زندگی خارجیوں سے بدتر تھی۔ خارجیوں کا عیب ونقص اور غلطی یہی تھی کہ وہ حضرت علی علیہ السلام سے برأت اور اُن کی بدگوئی کرتے تھے۔ اور صرف یہی سبب ہے کہ اہل حق اور مسلمانوں کے دوسرے فرقے خارجیوں پر ردّ وانکار کرتے اور انہیں گمراہ سمجھتے ہیں۔ ورنہ وہ اس کے علاوہ باقی اقوال وعقائد میں ہمارے (ابن ابی الحدید کے) اصحاب کے ساتھ ایک مسلک پر ہیں۔ اور اظہار دین قواعد شریعت اور عبادت کی پابندی اور منکرات سے علیحدگی میں امتیاز رکھتے ہیں برخلاف معاویہ اور اُس کے صحابہ کے کہ وہ ہمہ تن لھو ولعب میں اور دنیا ولذّات دنیا میں منہمک رہتے تھے۔ اور الحاد وزندقہ میں غرق تھے۔ اس لئے ہمارے (معتزلی کے) اکثر اصحاب نے معاویہ کو فاسق قرار دیا ہے اور تفسیق ہی پر بس نہیں کی بلکہ اُس کے دین ویقین میں مذمت کی ہے کہ وہ ملحد تھا اور اعتقاد نبوت نہ رکھتا تھا۔ اور اُس کے منہ سے نکلنے والے بے ساختہ کلمات اور سقطات الفاظ میں سے بہت سی ایسی باتیں نقل کی ہیں جو اس کے الحاد اور بدعقیدگی پر واضح دلالت کرتی ہیں۔

36۔ زبیر بن بکار حضرت علی علیہ السلام سے منحرف شخص تھا اور اُن سے بے گانگی برتنے میں مشہور ومعروف ہے اور معاویہ سے عداوت نہ رکھتا تھا اُس نے کتاب موفقیات میں مطرف بن مغیرہ بن شعبہ سے روایت کی ہے کہ اُس نے کہا کہ میں اپنے باپ مغیرہ کے ساتھ شام گیا۔ وہ اکثر معاویہ کے پاس جاتا اور اُس سے باتیں کر کے لوٹ کر آتا تو مجھ سے بیان کیا کرتا تھا۔ اور زیادہ تر معاویہ کی عقل ودانشمندی کا تذکرہ کرتا رہتا تھا۔ اور اُس کی دانائی پر اظہارِ تعجب کیا کرتا تھا۔ ایک رات جب وہاں سے پلٹ کر آیا تو اُس کے چہرے پر رنج وملال کے آثار تھے۔ لہٰذا اُس نے کھانا بھی نہ کھایا۔ میں نے انتظار کے بعد پوچھا کہ کیا سبب ہے کہ میں آج آپ کو ملول دیکھتا ہوں۔ کہا کہ میں ایک ایسے شخص کے پاس سے آیا ہوں جو تمام

انسانوں سے خبیث وحقیر ترین آدمی ہے اور وہ معاویہ بن ابوسفیان ہے۔ میں نے آج خلوت میں اُس سے کہا تھا کہ اَے امیر المومنین تم اپنی مراد کو پہنچ گئے اور اب تیری عمر بھی کافی زیادہ ہو چکی ہے۔ لازم ہے کہ تم عدل وانصاف کو قطعی طور پر ہاتھ سے نہ دو۔ بنی ہاشم تیرے ہی بھائیوں میں سے ہیں اب تمہیں چاہیئے کہ اُن کو نظر لطف وکرم اور مروت سے دیکھو اور صلہ رحمی کے شرائط پر عمل کرو۔ بخدا اب تو اُن کے پاس کوئی بھی ایسی چیز باقی نہیں ہے جس سے تمہیں خوف اور خطرہ ہو سکے۔ اور یقیناً ایسا عملدر آمد تمہارے اچھے تذکرے کو باقی رکھنے اور تمہیں اجر وثواب کا مستحق بنائے گا۔ اُس نے کہا کہ افسوس ہزار افسوس میں اپنے لئے کس اچھے ذکر کے باقی رہ جانے کی اُمید کروں؟ میرا بھائی ابوبکر خلیفہ ہوا اور اُس نے عدل وانصاف پر عمل کیا مگر جب مرا تو اس کا ذکر بھی اس کے ساتھ ہی مر گیا۔ اب سوائے اس بات کے کوئی یہ کہے کہ ابوبکر بھی ایک شخص ہوا کرتا تھا اور کچھ اُس کے لئے باقی نہیں رہا۔ اُس کے بعد ہمارا بھائی عمر بن خطاب سلطنت کا مالک ہوا اور کتنی محنت اور جدوجہد سے دس سال خلافت کی۔ مرا تو اس کے سوا اُس کے لئے کیا رہا کہ کوئی کہہ دے کہ عمر بھی ایک خلیفہ تھا۔ لیکن ابن ابی کبشہ کے لئے ہر روز وشب پانچ مرتبہ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا عالم میں شور ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد کسی کے لئے کون سا عمل باقی رہے گا؟ اور کون سا عمل دوام حاصل کرے گا؟ اَے مغیرہ قسم بخدا کہ ہم دفن ہوں گے تو ہماری یاد بھی ساتھ ہی دفن ہو جائے گی۔''

37۔ دوسرے مقام پر کتاب اخبار الملوک احمد بن طاہر سے نقل کیا ہے کہ معاویہ نے موذن کو سنا تو اُس نے کہا لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ معاویہ نے بھی لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کہا۔ پھر سنا اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ تو معاویہ نے کہا لِلّٰهِ اَبُوْكَ یعنی اَے عبداللہ کے بیٹے محمدؐ تو بڑا بلند ہمت تھا بغیر اس کے راضی ہی نہ ہوا کہ اپنا نام رب العالمین کے نام کے ساتھ ملا دے۔'' اور یہ کہ معاویہ مطلقاً شرع کا پابند نہ تھا۔ علانیہ فسق وفجور پر عمل کرتا تھا۔ شراب پیتا تھا۔ گانے والیوں سے گانا سنتا تھا۔ چاندی سونے کے برتن استعمال کرتا تھا۔ اور بے دھڑک احادیث نبوی کا ردّ وانکار کرتا تھا۔ اب ان سب باتوں پر ثبوت دیکھیئے اور قریشی مسلمانوں کے تعصب اور دشمنی پر نظر ڈالئے کہ یہ تمام واقعات وروایات اپنی کتابوں میں لکھنے اور پڑھنے کے باوجود معاویہ کو امام برحق کہے چلے جاتے ہیں۔ اور اُسے بُرا کہنے والوں کو بدعتی، رافضی اور منکر اسلام کہتے رہتے ہیں۔

38۔ مسند احمد بن حنبل میں عبداللہ بن بریدہ صحابی سے منقول ہے کہ اُس نے کہا کہ میں اپنے باپ کے ساتھ معاویہ کے پاس گیا۔ اُس نے ہمیں فرش پر بٹھایا اور کھانا طلب کیا پھر شراب منگائی پہلے خود پی۔ پھر میرے باپ کو دی کہ پیئے اُس نے انکار کیا اور کہا کہ جب سے رسولؐ خدا نے اسے حرام کیا ہے میں نے کبھی نہیں پی ہے۔''

39۔ محاضرات راغب اصفہانی سے منقول ہے کہ کسی نے ہشام بن حکم سے پوچھا کہ:

معاویہ جنگ بدر میں شامل تھا اس نے کہا ہاں شامل تھا۔ مگر کفار کی طرف سے اور شریک بن عبداللہ کے سامنے معاویہ کی بُردباری کا ذکر نکلا تو اُس نے کہا کہ معاویہ صرف بے وقوفی کی کان تھا۔ بخدا کہ جب معاویہ کو قتل امیر المومنین علی علیہ السلام کی خبر ملی تو وہ تکیہ لگائے بیٹھا تھا خبر سن کر سنبھل کر بیٹھا پھر کہا کہ اَے کنیز مجھے گانا سنا کہ آج میری آنکھیں ٹھنڈی ہو گئی ہیں۔ کنیز نے گانا شروع کیا۔

اَلَا اَبْلَغْ مُعَاوِيَةَ بِنْ صَخَر فَلَا قَرَّت عُيُوْنُ الشَّامِتِنَا

اَفِى شَهْرِ الصِّيَامِ فَجِعْتُمُوْنَا بِخَيْرِ النَّاسِ طُرًّا اَجْمَعِيْنَا

قَتَلْتُمْ خَيْرَ مَنْ رَكِبَ الْمَطَايَا وَاَفْضَلَهُمْ وَمَنْ رَكِبَ السَّفِيْنَا

یعنی ہاں معاویہ بن صخر کو خبر کردو کہ شماتت کرنے والوں کی آنکھیں ٹھنڈی نہ ہوں گی۔تم نے ماہِ صیام میں ہم کو ایسے شخص کے دردوغم میں مبتلا کیا جو تمام بنی نوع انسان سے بہتر تھا۔تم نے اُس شخص کو قتل کیا ہے جو اونٹوں اور گھوڑوں پر سوار ہونے والوں میں سب سے ہی بہتر و افضل تھا۔اور کشتی پر سوار ہونے والوں میں بھی سب سے افضل تھا۔معاویہ کے سامنے گرز پڑا تھا اُٹھا کر اُس کنیز کے سر میں اس زور سے مارا کہ کنیز کا بھیجا سر سے باہر نکل گیا۔ بتاؤ کہ اُس روز معاویہ کا حلم اور بُردباری کہاں گئی تھی؟

40۔ ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ میں لکھتا ہے کہ معاویہ کے افعال ظاہری اور باطنی صریحاً عدالت کے مخالف تھے۔ریشمی لباس پہننا اور سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا۔حد ہوگئی کہ جب ابودرداء صحابی نے اس پر اعتراض کیا اور بتایا کہ رسولؐ اللہ سے میں نے سنا ہے کہ جو شخص سونے چاندی کے برتنوں میں کھاتا پیتا ہے وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ کو جمع کرتا ہے۔تو معاویہ نے کہا تھا کہ:

''میرے نزدیک تو سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے سے کوئی حرج واقع نہیں ہوتا ہے۔ابودرداء نے کہا کہ میں تیرے سامنے رسولؐ اللہ کی حدیث بیان کرتا ہوں اور تو اپنی ذاتی رائے سے اُسے رد کرتا ہے۔قسم بخدا کہ میں تیرے ساتھ کبھی ایک ملک میں نہ رہوں گا۔ ابن ابی الحدید کہتا ہے کہ جس طرح یہ خبر معاویہ کی عدالت کو باطل کرتی ہے اُسی طرح اُس کے عقائد کو بھی باطل قرار دیتی ہے۔جو شخص رسولؐ کے مقابلے میں اپنی رائے کو صحیح سمجھتا ہو وہ ہرگز صحیح العقیدہ نہیں ہوسکتا ہے۔''

41۔ صحیح ترمذی میں ہے کہ ایک مرد نے اہل شام سے عبداللہ بن عمر بن خطاب سے عورتوں سے متعہ کرنے پر سوال کیا۔عبداللہ بن عمر نے کہا کہ جائز ہے۔شامی شخص نے کہا کہ تیرا باپ تو متعہ سے منع کرتا تھا۔عبداللہ نے کہا جس چیز کو رسولؐ اللہ نے حلال و جائز کیا ہے وہ میرے باپ کے منع کرنے سے ناجائز یا حرام نہیں ہوسکتا ہے۔

42۔ معاویہ نے عائشہ کو زندہ درگور کیا تھا۔

علما میں یہی مشہور رہتا چلا آیا ہے لیکن معاویہ بھی قریشی علما کا پیرومرشد تھا اور عائشہ بھی اُن کے یہاں ہیروئن رہی ہے اس لئے کھل کر اقرار کرنے سے کتراتے رہے ہیں۔اس لئے دبی زبان سے کہی اور لکھی ہوئی باتیں سنئے:

(اول) کتاب تشئید المطاعن میں مفتی محمد قلی نے کتاب اوائل جلال الدین سیوطی سے نقل کیا ہے کہ اولیات معاویہ سے ایک یہ ہے کہ وہ پہلا شخص جس نے صفا و مروہ کے درمیان سواری کی وہ معاویہ ہے۔معاویہ ہی پہلا شخص ہے جس نے نبیذ پی اور گانا سننا شروع کیا اور مٹی کھانا جائز کیا یہ جس روز منبر رسولؐ پر اپنے بیٹے یزید کی بیعت پر لوگوں کو رضامند کررہا تھا تو عائشہ نے حجرہ سے سر نکال کر اُسے ٹوکا اور پوچھا کہ کیا پہلے بزرگوں نے اپنے بیٹوں کی بیعت کی خواہش کی تھی جو تو یزید کیلئے بیعت چاہتا ہے؟ اگر نہیں تو تو کس کی پیروی میں ایسا کررہا ہے۔عائشہ کی تقریر سے معاویہ شرمندہ ہوکر منبر سے اُتر کر اپنی قیام گاہ کو پلٹ گیا۔وہاں اُس نے عائشہ کے لئے ایک گڑھا کھدوایا جس میں گر کر عائشہ مر گئی تھی۔

(دوم) حبیب السیرؒ میں ہے کہ تاریخ حافظ اَبرد میں ربیع الابرار اور کامل السفینہ سے منقول ہے کہ 58ھ میں معاویہ اپنے بیٹے کی بیعت کے لئے مدینہ آیا۔امام حسینؑ اور عبدالرحمٰن بن ابوبکر و عبداللہ بن زبیر معاویہ سے خفا ہوئے۔عائشہ نے معاویہ کو ملامت کی معاویہ نے ایک کنواں گھر میں کھدوا کر اُس کا منہ خس و خاشاک سے بند کرادیا اور اُس پر آبنوس کی ایک کرسی بچھادی اور ضیافت کے بہانے عائشہ کو بلایا اور اُس کرسی پر بٹھایا۔خس و خاشاک کی وجہ سے کرسی کنویں میں جاگری اور معاویہ نے عائشہ کو زندہ کنویں میں دفن کرادیا کنویں کا منہ پختہ طریقہ پر

بند کرادیا۔اور مدینہ سے مکہ چلا آیا۔

(سوم) حکیم سنائی نے بھی کتاب حدیقہ میں معاویہ کا عائشہ کو قتل کرنے کی تصریح کی ہے۔چنانچہ جنگ کی آخری صفت کی ذیل میں کہتا ہے کہ:

عاقبت هم بدست آن باغی   شد شهید و بکشتن آن طاغی

هر كه با جفتِ مصطفی زنيسان   بد كند مردارتو مرد مخوان

43۔معاویہ کے بدترین اعمال میں سے ایک یزید کو خلافت دینا ہے

معاویہ نے جن حیلوں اور ظلم و جبر وقہر سے یزید کی بیعت لی اُسے مسلمانوں پر مسلط کیا وہ بے دین بادشاہوں کے لئے بھی شرم اور عار تھے۔پھر یزید نے جو کچھ کیا وہ وہی کچھ تھا جو اگر زندہ رہتا تو معاویہ خود کرتا۔بیٹے نے باپ دادا کی آرزوؤں اور تمناؤں کو پورا کیا۔

44۔معاویہ کی بے دینی اور بے حیائی کا ایک شاہکار وہ ہے جس میں اُس نے زیاد کو ابوسفیان کا بیٹا اور اپنا بھائی بنایا تا کہ زیاد کی مدد سے اسلام میں مزید تخریب و مظالم سہل و آسان ہو جائیں۔اس بے حیائی کی تفصیل تو اریخ میں تفصیل سے لکھی ہوئی ہے۔اور ہم آپ کے سامنے لانے والے ہیں فی الحال اتنا سن لیں۔کہ حارث بن کلدہ ثقفی ایک طبیب تھا۔اُس کے پاس ایک غلام عبید نام کا اور ایک کنیز سمیہ نام کی تھی۔طبیب نے اُن دونوں کا نکاح کر دیا تھا اور یہ دونوں طبیب کے یہاں خدمات انجام دیتے تھے اِن دونوں کے یہاں وہ زیاد پیدا ہوا تھا جس کا تذکرہ ہونے والا ہے۔معاویہ نے اپنی حکومت کے زمانہ تک زیاد مذکور کی فہم و فراست کا کافی اثر لیا تھا۔اُس نے دیکھا تھا کہ خلیفہ دوم بھی زیاد سے بہت متاثر تھا اور اُسے اپنی حکومت میں کلیدی مقام دے رکھا تھا۔معاویہ نے زیاد کو سو فیصد اپنے مقاصد میں استعمال کرنے کے لئے چاہا کہ اُسے ابوسفیان کا بیٹا بنا کر اپنا بھائی بنالے تا کہ وہ اطاعت و وفا کی زنجیر کھول نہ سکے۔چنانچہ معاویہ نے ایک عام جلسہ میں زیاد کو زیاد بن عبید کی جگہ زیاد بن ابوسفیان بنالیا۔اس طرح معاویہ نے اپنے باپ ابوسفیان کو اور زیاد کی ماں سمیہ کو بلا کسی ثبوت کے زانی ثابت کر دیا۔اور اس طرح اُس نے خود کو اپنی قوم و قبیلے میں بدنام کیا اور عوام میں اُس کے خلاف نفرت پھیل گئی۔اور کئی ایک شاعروں نے اس بے حیائی پر اشعار بھی تصنیف کئے یہاں چند اشعار لکھتے ہیں جن کو ابن خلکان نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔چنانچہ ابن مغزع حمیری نے لکھا کہ:

اَلاَ اَبۡلِغۡ مُعَاوِیَةَ بِنۡ صخرٍ   مُغَلۡغَلَةً عَنِ الرَّجُلِ الۡیَمَانی

اَتَغۡضَبُ اَنۡ یُّقَالُ اَبُوۡکَ عِفٌّ؟   وَتَرۡضٰی اَنۡ یُّقَالُ اَبُوۡکَ زَانٍ

فَاَشۡهَدُ اَنۡ رَحۡمَکَ مِنۡ زِیَادٍ   کَرِحۡمَ الۡفِیۡلِ مِنۡ وَلَدِالۡاَتَانِ

وَاَشۡهَدُ اَنَّهَا وَلَدَتۡ زِیَادًا   وَ صَخۡرٌمِنۡ سَمِیَّةٍ غَبۡرُدان

یعنی۔ ہاں معاویہ بن صخر کو یمن کے باشندے کی طرف سے پیغام پہنچا دو کہ اگر کوئی تیرے باپ کو پاکدامن کہے تو تو غضب ناک ہو جاتا ہے۔ اور جو تیرے باپ کو زانی کہے تو تو خوش ہو جاتا ہے۔لہٰذا میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرا رشتہ زیاد سے ایسا ہی ہے جیسے ہاتھی کا رشتہ گدھی سے ہوتا ہے اور میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ سمیہ سے زیاد پیدا ہوا اس حالت میں کہ ابوسفیان اُس کے پاس پھٹکا بھی نہیں تھا۔

45۔معاویہ کے اس اعلان سے وہ لوگ بھی ناراض ہوئے جو معاویہ کو اپنا امام و راہنما مانتے تھے۔چنانچہ علامہ فضل بن روز بھان جو شیعوں کا دشمن

ہے اور اُن کے خلاف کتابیں لکھتا رہا ہے۔ اور قریش کا طرف دار و جانب دار عالم ہے مجبور ہو کر لکھتا ہے کہ:

لَمَّا بَلَغَ الْخِلَافَةَ اِلٰی مُعَاوِیَۃِ بَعَثَ اِلَی الْکُوْفَةِ وَاسْتَلْحَقَ زِیَادًا وَ هٰذَا مِنْ قَبَائِحِ الْاُمُوْرِ الصَّادِرَةِ عَنْ مُعَاوِیَۃِ وَلَا یَعْتَذِرُلَهٗ۔

یعنی۔ جب خلافت معاویہ کو مل گئی تو اُس نے کوفہ سے زیاد کو بلایا اور اُسے ابوسفیان کا بیٹا بنا دیا معاویہ کے کئے ہوئے بُرے امور میں سے یہ کام سب سے بدترین عمل ہے اور اس کے لئے ہمارے پاس کوئی عذر بھی نہیں ہے۔"

46۔ ابن ابی الحدید نے علیؑ بن محمدؑ مدائنی سے روایت کی ہے کہ "جب معاویہ نے زیاد کو ابوسفیان کا بیٹا بنانے کا ارادہ کر لیا تو جب زیاد اُس کے پاس شام میں آیا تو حکم دیا کہ لوگ جلسہ عام میں حاضر ہوں۔ اسکے بعد منبر پر گیا اور زیاد کو بھی منبر پر اپنے پاس ایک زینہ نیچے بٹھایا۔ اور حمد و ثنائے الٰہی کے بعد کہا کہ اَے لوگو مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ زیاد ہمارے اہل بیت کے نسب میں شریک و شامل ہے۔ لہٰذا جس کے پاس اس حقیقت پر ثبوت اور گواہی ہو اُٹھ کر سب کے سامنے پیش کر دے۔ چنانچہ لوگ اُٹھنا شروع ہوئے اور بیان دینا شروع کیا کہ زیاد بلاشبہ ابوسفیان کا بیٹا ہے۔ ہم نے خود ابوسفیان سے سنا ہے کہ زیاد میرا بیٹا ہے۔ اس کے بعد ابومریم سلولی کھڑا ہوا جو ایام جاہلیت میں شراب فروشی اور مسافروں کے قیام و طعام و آسائش کا کاروبار کیا کرتا تھا۔ وہ اُٹھا اور بیان کیا کہ اَے امیر المومنین میں گواہی دیتا ہوں کہ ابوسفیان طائف میں ہمارے پاس آئے میں نے اُن کیلئے گوشت اور شراب اور طعام تیار کرایا۔ کھانے سے فارغ ہو کر اُنہوں نے کہا کہ اَے ابومریم مجھے رات کو ایک عورت کی ضرورت ہوگی اس کا بھی انتظام کر لو۔ میں سمیہ کے پاس گیا اور بتایا کہ ابوسفیان میرا مہمان ہے اور تو اُس کی سخاوت سیر چشمی و شرافت پر مطلع ہے۔ اُسے رات کیلئے ایک عورت کی ضرورت ہے۔ اگر تو میرے ساتھ چلے تو تیرے حق میں بہتر رہے گا۔ سمیہ نے کہا کہ عبید بکریاں لے کر آنے والا ہے۔ وہ آ جائے تو اُسے کھانا کھلا کر فارغ کر دوں اور اُس کے لیٹ جانے کے بعد میں پہنچ جاؤں گی۔ میں نے آ کر ابوسفیان کو بتایا وہ مطمئن ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد سمیہ بن ٹھن کر آئی اور ابوسفیان کے کمرے میں داخل ہو گئی۔ دونوں صبح تک وہاں رہے وہ لوٹ کر گھر گئی تو میں نے ابوسفیان سے دریافت کیا کہ آپ نے اپنی ہم خوابہ کو کیسا پایا؟ اُنہوں نے کہا کہ خوب تھی اگرچہ اُس کی بغلوں سے بدبو آتی رہی۔ یہ سن کر زیاد منبر پر سے بولا کہ اَے ابومریم لوگوں کی ماؤں کو بُرا نہ کہو ورنہ کوئی تیری ماں کو بھی گالیاں دے سکتا ہے۔ راوی نے بیان کیا کہ جب معاویہ نے لوگوں کے بیانات اور شہادتیں لے لیں تو زیاد کھڑا ہوا۔ سب لوگ خاموش ہو گئے۔ تو اُس نے حمد و صلوٰۃ کے بعد کہا کہ اَے لوگو جو کچھ معاویہ اور گواہوں نے کہا میں نے اور تم نے سن لیا ہے۔ بہرحال مجھے تحقیق نہیں کہ یہ سب کچھ صحیح ہے یا غلط ہے۔ یہ لوگ خود ہی اس پر زیادہ واقف و ذمہ دار ہیں۔ مجھے یہ کہنا ہے کہ عبید میرا مشہور شدہ باپ تھا۔"

47۔ تشئید المطاعن میں تاریخ ابن خلکان سے لکھا گیا ہے کہ اس بیان و انتظام کے بعد زیاد کو سفیان کا بیٹا کہا جانے لگا۔ جب زیاد کے بھائی ابوبکرہ کو یہ تمام قصہ معلوم ہوا کہ معاویہ نے زیاد کو اپنا بھائی ثابت کر دیا اور یہ کہ زیاد بھی اس پر راضی ہے۔ تو قسم کھائی کہ کبھی زیاد سے بات نہ کروں گا۔ اُس نے اپنی ماں کو زانی مان لیا ہے۔ اور باپ کے نسب کا انکار کر دیا ہے۔ اور قسمیہ کہا کہ سمیہ نے کبھی ابوسفیان کو نہیں دیکھا۔ افسوس ہے زیاد پر کہ وہ ام حبیبہ زوجہ رسولؐ خدا (بنت ابوسفیان) کے ساتھ کیا رویہ اختیار کرے گا؟ کیا وہ بھائی کے رشتے سے ام حبیبہ سے ملنے جائے گا؟ اگر اُم حبیبہ نے پردہ کیا تو یہ زیاد کی، معاویہ کی اور اس سارے منصوبے کی ذلت و رسوائی ہوگی۔ اور اگر اُم حبیبہ نے پردہ نہ کیا اور سامنے آ گئی تو رسولؐ اللہ کی رسوائی کا سبب بنے گی۔ بہرحال معاویہ کے زمانے میں زیاد حج کو آیا تو مدینہ بھی آیا۔ اور چاہا کہ اُم حبیبہ سے ملے کیوں کہ اُس کے اور معاویہ کے خیال میں تو وہ اُن کی بہن تھی۔ مگر زیاد کو ابوبکرہ کا قول یاد آ گیا اور ملاقات سے باز رہا اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ خود اُم حبیبہ نے اُسکی ملاقات سے انکار کر دیا۔

48۔ ابوالحدید معتزلی پھر لکھتا ہے کہ ہمارے شیخ ابوعثمان نے روایت کی ہے کہ حکومت بصرہ کے زمانہ میں ایک دفعہ زیاد ابوعریان عدوی کے پاس سے گزرا جب ابوعریان بہت بڈھا اور نابینا تھا۔ اُس نے پوچھا کہ یہ کیسا شور وغل ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ زیاد بن ابوسفیان کی سواری گزر رہی ہے۔ ابوعریان نے کہا کہ ابوسفیان نے تو معاویہ، عتبہ، عشہ، حنظلہ اور محمد کے سوا اور کوئی بیٹا نہیں چھوڑا تھا یہ زیاد نام کا اُس کا بیٹا کہاں سے نکل پڑا؟ اُس کی یہ بات زیاد تک بھی جا پہنچی۔ ساتھ ہی کسی مشیر نے یہ مشورہ بھی دیا کہ کچھ دے کر اس کتے کا منہ بند کر دینا بہتر ہوگا۔ زیاد نے دوسو دینار ابوعریان کے پاس بھیج دیئے۔ قاصد نے دینار دیتے ہوئے کہا کہ تیرے چچازاد بھائی زیاد بن ابوسفیان نے تمہاری ضروریات میں خرچ ہونے کے لئے یہ دو سو دینار ارسال کئے ہیں۔ ابوعریان نے کہا کہ بخدا یہ اقربا پروری کا ثبوت ہے اور زیاد بن ابوسفیان واقعی میرا چچازاد بھائی ہے۔ دوسرے روز زیاد بڑے ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ آیا اور پاس کھڑے ہو کر سلام کیا اور بتایا کہ میں زیاد ہوں۔ ابوعریان نے یہ سن کر رونا شروع کر دیا۔ رونے کا سبب پوچھا گیا تو کہا کہ مجھے زیاد کی آواز میں اپنے بھائی ابوسفیان کا لب ولہجہ سنائی دیا اس لئے مجھ پر گریہ طاری ہوگیا تھا۔

49۔ معاویہ دن رات کھانا کھانے میں مصروف رہتا تھا اور بتایا گیا ہے کہ رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے اُسے بددعا دی تھی چنانچہ صحیح مسلم میں عبداللہ بن عباس سے روایت کی ہے کہ اُنہوں نے کہا کہ میں لڑکوں میں کھیل رہا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ تشریف لائے میں ایک دروازے کے پیچھے ہوگیا۔ حضورؐ نے میری کمر پر ہاتھ رکھا اور فرمایا کہ جا کر معاویہ کو بلا لاؤ۔ میں گیا تو دیکھا کہ وہ کھانا کھا رہا تھا۔ تھوڑی دیر میں مجھے پھر بھیجا تو وہ برابر کھانے میں مصروف تھا۔ جب دوبارہ آکر میں نے یہی جواب دیا تو حضرت نے فرمایا کہ: لَا اَشْبَعَ اللّٰہُ بَطْنَہٗ۔ ''خدا اس کا پیٹ نہ بھرے'' اور حضرت علی علیہ السلام نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ ''میرے بعد تم پر ایک ایسا شخص مسلط ہو جائے گا جس کا گلا کشادہ اور پیٹ بہت بڑا ہوگا۔ جو پائے گا کھا جائے گا اور جو کھانے کی چیز نہ ملے گی اُسے مانگے گا۔ اُسے قتل کر ڈالنا ہر چند کہ میں جانتا ہوں کہ تم اُسے قتل نہ کرسکو گے۔''
(خطبہ نمبر108، جملے 1 تا5)

50۔ ابن ابی الحدید کہتا ہے کہ کچھ لوگوں نے اس خطبے میں مذکور شخص سے حجاج وغیرہ کو مراد لیا ہے۔ مگر میرے نزدیک اس سے مراد معاویہ ہی ہے۔ اِس لئے کہ زود خوری اور زیادہ کھانے میں وہی مشہور ہے۔ اور اُس کا پیٹ بھی اتنا بڑا تھا کہ بیٹھ کر اُس کی رانوں پر رکھا رہتا تھا۔ اور یہ بھی کہا ہے کہ گو معاویہ مال دینے میں سخی مشہور ہے۔ مگر کھانے کے معاملے میں انتہائی کنجوس تھا۔ اور اُس کا ایک مذاق روایت کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ معاویہ کے پاس ایک دیہاتی شخص مہمان تھا۔ اور اُس دیہاتی کے سامنے ایک بھنا ہوا بکرا رکھا تھا۔ معاویہ دیہاتی کے کھانے کا انداز دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر کے بعد کہا کہ تم تو اُس بکرے سے خوفزدہ معلوم ہوتے ہو۔ اور اس طرح ڈر ڈر کر کھا رہے ہو کہ گویا اس کے باپ نے تمہیں سینگوں سے مارا ہو۔ اُس دیہاتی نے کہا کہ مَا حَنُوْکَ عَلَیْہِ اَرْضَعُتْکَ اُمُّہٗ تجھے کیوں درد ہو رہا ہے کہیں تو نے اس کی ماں کا دودھ تو نہیں پیا ہے؟ نیز ایک اور دیہاتی کا قصہ یوں ہے کہ وہ معاویہ کے سامنے کھانا کھا رہا تھا۔ معاویہ نے اُس کے اناپ شناپ کھانے کو دیکھا تو سمجھا کہ اس کی خوراک بہت زیادہ ہوگی۔ تو اُسے آہستہ کرنے کے خیال سے پوچھا کہ تیرے لئے چھری کانٹا منگوا دوں؟ اُس نے کہا کہ میری چھریاں خود میرے منہ کے اندر (دانت) ہیں۔ معاویہ نے پوچھا تیرا نام کیا ہے؟ اُس نے کہا کہ میرا نام لقیم (لقمے مارنے والا) ہے۔ معاویہ نے کہا جب ہی تو تو بڑے سے بڑا لقمہ کھاتا ہے۔ اور بہت سی روایات میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ نے معاویہ کو بلوایا تو معلوم ہوا کہ کھانا کھا رہا ہے۔ پھر بلوایا تو پھر یہی جواب ملا تو فرمایا کہ۔ اَللّٰھُمَّ لاَ تَشْبَعَہٗ اے اللہ اُس کا پیٹ کبھی نہ بھرے۔ ایک شاعر نے کہا ہے کہ:

اَحِبُ لِیُ بَطُنُہٗ کَانہَاوِیَہٗ کَانَ فِیُ اَمُعائِہٖ مُعَاوِیَہٗ۔

میرا ایک دوست ہے جس کا پیٹ دوزخ کی طرح کا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُس کے معدہ میں معاویہ رہتا ہے۔

51۔ابوالحسن مدائنی نے لکھا ہے کہ معاویہ روزانہ دن میں چار مرتبہ کھانا کھایا کرتا تھا۔ اُن میں آخری سب سے زیادہ ہوتا تھا۔ باوجود اس کے پھر رات کو ثرید نوش کرتا تھا۔ جس میں بہت سی پیاز اور روغن ڈالتے تھے۔ اور کھانے کا انداز اُس کا ایسے ہوتا تھا کہ ہر دفعہ تین چار رومال خراب کر دیتا تھا۔ اور اس کثرت سے کھاتا تھا کہ کھاتے کھاتے پیٹھ کے بل لیٹ جایا کرتا تھا اور کہتا تھا کہ اَے خادم دستر خواں اُٹھالے مگر بخدا میں سیر نہیں ہوا ہوں۔ صرف تھک گیا ہوں۔ اور مجھے رسولؐ خدا کی دعا سے بھی شرم آرہی ہے کہ فرمایا تھا کہ اس کشادہ حلق والے کو اللہ سیر نہ کرے۔

52۔ابن ابی الحدید نے یہ بھی لکھا ہے کہ معاویہ نے بیالیس سال حکومت کی۔ بائیس سال تو شام کا گورنر رہا۔ اور شہادت علی علیہ السلام کے بعد بیس سال خلیفۃ المسلمین رہا اور ۶۰ھ میں وفات پائی۔ اور وہ رسولؐ اللہ کا کاتب بھی رہا۔ مگر کتابت میں اختلاف ہے۔ محققین کے نزدیک کتابت وحی علیؑ وزید بن ثابت وزید بن ارقم سے متعلق تھی۔ حنظلہ بن ربیعہ اور معاویہ بن ابوسفیان آنحضرتؐ کی طرف سے جانے والے خطوط اور دیگر کا تحریر کرتے تھے۔ حکیم سنائی غزنوی نے بقول صاحب روضۃ الصفا اُس کی شان میں کہا ہے کہ۔

پسرِ ھند گرچہ خالِ مَن است دوستی وَیم بکارے نیست

درنوشتِ اُوخطے زبہرِ رسوؐل بخطّش نیز افتخارے نیست

در مقامے کہ سیر مردانند بخط و خال اعتبارے نیست

یعنی ہند کا بیٹا معاویہ گو میرا اماموں ہے۔ مگر اُس کو دوست رکھنا بے کار ہے۔ اُس کا نبیؐ کے لئے خط وکتابت کرنا بھی کسی فخر کی گنجائش نہیں رکھتا ہے۔ جس مقام پر شیر مرداں حضرت علیؑ ہیں۔ وہاں کسی کے خط اور خال نقش ونگار کا کوئی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

53۔ابن ابی الحدید پھر لکھتا ہے کہ معاویہ روز اول ہی سے حضرت علیؑ سے بغض ودشمنی رکھتا تھا اور سخت مخالف تھا اور کیوں نہ ہوتا جب کہ اُس کا اپنا بھائی حنظلہ اور ماموں ولید بن عتبہ بروز بدر آنحضرتؐ کی تلوار کا لقمہ بنے تھے۔ اور اُس کے نانا عتبہ اور اُس کے چچا شیبہ بھی اُن ہی کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔ اور نیز حضرت علی علیہ السلام نے معاویہ کے چچازاد بھائیوں بنوعبدالشمّس کے قبیلے کے چیدہ چیدہ جنگجوؤں کو تہہ تیغ کیا تھا۔ پھر عثمان کے حادثہ میں حضورؐ نے اس کی مدد سے ہاتھ روک لیا تھا۔ اور عثمان کے قاتلوں نے حضورؐ کی پناہ لے لی تھی۔ اس لئے معاویہ عثمان کے قتل کو اُن ہی سے منسوب کرتا تھا۔ یوں عداوتیں پختہ ہوگئی تھیں۔ سینوں میں بغض وکینے جوش مارتے تھے۔ یہاں تک کہ ہوا جو کچھ کہ ہوا۔

54۔علامہ مجلسی نے عبداللہ ابن عباس سے روایت کی ہے کہ ابوسفیان رسولؐ اللہ کے پاس حاضر ہوا اور کہا کہ میں ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ میں ہی نہ بتادوں کہ تم کیا پوچھنا چاہتے ہو؟ ابوسفیان خوش ہوا اور کہا کہ بتایئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم یہ جاننا چاہتے ہو کہ میں ابھی کتنا اور زندہ رہوں گا۔ ابوسفیان نے کہا کہ جی ہاں میرا یہی سوال ہے۔ فرمایا کہ میں صرف تریسٹھ سال زندہ رہوں گا۔ ابوسفیان نے کہا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ راست گو ہیں۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ تیری یہ گواہی زبان تک ہے۔ تہہ دل سے نہیں ہے۔ حدیث کے راوی عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ قسم بخدا ابوسفیان منافق تھا۔

55۔ابن عباس نے یہ بھی بتایا کہ ایک دن ہم ابوسفیان کے ساتھ ایک مجلس میں تھے اور حضرت علیؑ بھی ہمارے درمیان موجود تھے کہ موذن نے اذان شروع کی۔اور کہا کہ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۔ابوسفیان نے پوچھا کہ اس مجلس میں کوئی ایسا شخص تو موجود نہیں جس سے پردہ اور احتیاط ضروری ہو؟ کسی نے کہہ دیا کہ کوئی ایسا شخص نہیں ہے۔ابوسفیان نے کہا کہ اَے برادر ہاشمی تو بڑا جراٗت مند تھا تو نے اپنا نام کتنی بلندی پر اللہ کے برابر جما دیا ہے۔حضرت علیؑ نے کہا کہ۔اَسْخَنَ اللّٰهُ عَيْنَيْكَ يا اباسُفْيَان ۔اَے ابوسفیان خدا تیری آنکھوں کو تکلیفوں سے گرم رکھے۔نام کی بلندی برادر ہاشمی کی بنا پر نہیں ہے بلکہ اللہ نے نام بلند کیا اور فرمایا کہ۔وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۔ہم نے تیرے ذکر کو بلند کیا ہے۔ابوسفیان نے کہا کہ میری نہیں بلکہ اللہ اُس کی آنکھوں کو گرم رکھے جس نے یہ کہا کہ یہاں کوئی غیر نہیں ہے۔''

56۔ابوالطفیل عامر بن واثلہ سے روایت کی ہے کہ رسولؐ خدا نے سات مقام پر ابوسفیان کو ملعون قرار دیا ہے اور اُن تمام مقامات پر لعنت کا حقدار تھا۔

اول جب کہ رسولؐ اللہ ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ کو جا رہے تھے اور ابوسفیان شام سے آتا ہوا راہ میں ملا۔آپؐ کو دیکھ کر بُرا کہا اور دھمکی دی اور قصد کیا کہ حضورؐ کو مغلوب کرلے اور اللہ نے اُس کے شر کو دفع کیا تھا۔

دوم۔بروز بدر جب کہ ابوسفیان قافلہ تجارت کا قائد و پیش رو تھا۔کہ اُن کو رسولؐ اللہ سے بچا کر لے جائے لہٰذا اللہ و رسولؐ نے اس پر لعنت کی تھی۔

سوم۔بروز اُحد ابوسفیان نے کہا تھا۔ اُعْلِ يَا هُبَل (بلند ہوا ے ھبل) اور رسولؐ نے فرمایا تھا کہ اَللّٰهُ اَعْلٰى وَاَجَلّ (خدا برتر و بزرگ ہے) ابوسفیان نے کہا کہ ہمارے لئے عُزا ہے اور تمہارے لئے نہیں ہے۔رسولؐ اللہ نے فرمایا تھا کہ اللہ ہمارا مولا ہے۔اور تمہارا کوئی مولا نہیں ہے۔

چہارم۔بروز خندق کہ ابوسفیان قریشی لشکروں کو لے کر مدینہ پر حملہ آور ہوا اور اللہ نے اُسے نامراد و گھاٹے میں رکھا اور سورہ احزاب کی دو آیتیں نازل ہوئیں اور اس دن ابوسفیان اور اُس کے اصحاب کو کافروں کا نام دیا گیا۔معاویہ اُس وقت مشرک اور دشمن خدا اور رسولؐ تھا۔

پنجم۔بروز حدیبیہ کہ مشرکین اُس روز مانع ہوئے کہ نہ حضورؐ کو مسجد حرم میں داخل ہونے دیا نہ قربانی کرنے کی اجازت دی۔لہٰذا آنحضرتؐ حج کے ارکان اور طواف وغیرہ بجالائے بغیر مدینہ کو واپس چلے گئے۔اور تمام مسلمان بھی حج سے محروم رہے۔لہٰذا خدا اور رسولؐ نے ابوسفیان پر لعنت کی۔

ششم۔بروز احزاب جب کہ ابوسفیان قریشی قریش کی طرف سے اور عامر بن طفیل قوم ہوازن کی طرف سے عینیہ بن حصین قوم غطفان کی طرف سے آئے اور بنی قریظہ و بنی نضیر نے آنے کا وعدہ کیا۔پس لعنت کی رسولؐ اللہ نے اُن پیشواؤں اور اُن کے پیروؤں پر۔

ہفتم۔بروز عقبہ جب کہ منافقین حضرت رسولؐ پر حملہ آور ہوئے یہ کل سترہ اشخاص تھے بارہ بنی اُمیہ کے اور پانچ باقی قریش میں سے آنحضرتؐ نے تمام اہل عقبہ پر لعنت کی۔

57۔شیخ صدوق علیہ الرحمہ اس روایت کو لکھنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ روایت اسی طریقے پر وارد ہوئی ہے۔لیکن صحیح یوں ہے کہ عقبہ پر حملہ کرنے والے چودہ آدمی تھے۔اور علامہ مجلسی نے یہ لکھا ہے کہ یوم خندق واحزاب ایک ہی جنگ کے دو نام ہیں۔روایت مذکورہ میں دو مرتبہ شمار کرلیا گیا ہے۔شاید یہ تکرار بوجہ لعنت کی تکرار کے ہوئی ہوگی۔دو وجہ سے۔یا پہلی مرتبہ میں خدا کا لعنت کرنا ہوا اور انہیں کفار کے نام سے موسوم کرنا مقصود ہوا اور دوسری دفعہ رسولؐ خدا کا لعنت کرنا مقصود ہو۔نیز مجلسی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ دوسری روایت میں اس طرح وارد ہے۔ساتویں بروز شنبہ جب کہ بارہ اشخاص آنحضرتؐ پر حملہ آور ہوئے سات اُن میں سے بنی اُمیہ تھے اور پانچ باقی قریش سے تھے۔اور شاید یہ صحت سے قریب ہو۔اور جو کچھ صدوق

علیہ الرحمہ نے ذکر کیا ہے کہ وہ کل چودہ تھے وہ عقبہ ثانیہ کی تعداد ہو کہ ظاہر حدیث یہ ہے کہ منافقین نے دو مرتبہ حضورؐ پر کمین گاہ سے حملہ کیا ایک مرتبہ عقبہ تبوک سے اور دوسری مرتبہ حجۃ الوداع سے واپس آتے ہوئے۔'' واللہ اعلم۔

58۔ **کتاب غارات ابراہیم بن محمد ثقفی سے نقل کیا ہے کہ** جب عقیل شام میں معاویہ کے پاس تھے تو ایک دن معاویہ نے اُن سے پوچھا کہ اے عقیل تم نے لشکر عراق اور لشکر شام کو صفین کے میدان میں دیکھا تھا مجھے اُن دونوں لشکروں کے حالات کی خبر دے۔ عقیل نے کہا کہ حضرت علیؑ کے لشکر کا اور اُن کے لیل ونہار کا وہی حال تھا جو رسولؐ کے زمانہ میں ہوتا تھا فرق یہ تھا کہ اُن کے درمیان رسولؐ اللہ نہ تھے۔ تیرے لشکر کو دیکھا تو اسلام کے چند منافق اُس میں تھے جنہوں نے وادی عقبہ میں رسولؐ اللہ کے اونٹ کو بھڑکانے کی کوشش کی تھی۔ اے معاویہ بتا کہ یہ تیرے داہنی طرف کون بیٹھا ہے کہا کہ یہ عمرو عاص ہے۔ عقیل نے کہا کہ وہی عمرو عاص ہے نا جس کے سلسلے میں قریش کے چھ آدمیوں میں جھگڑا تھا کہ یہ اُن کے نطفے سے ہے۔ آخر اُن پر ایک قصاب نے غلبہ پایا تھا۔ اور بتا کہ یہ دوسرا کون ہے؟ کہا یہ ضحاک بن قیس ہے۔ عقیل نے کہا قسم بخدا کہ اس کا باپ انتہا درجہ کا کنجوس اور بد باطن تھا۔ اور تیسرے نمبر پر کون بیٹھا ہے؟ معاویہ نے کہا کہ یہ ابوموسیٰ اشعری ہے۔ عقیل نے کہا کہ یہ مراقہ کا بیٹا ہے۔ جب معاویہ نے دیکھا کہ عقیل نے اُس کے تمام مشیروں اور ندیموں کی مذمت کر دی ہے تو اُن کی تسلی کے لئے خود کو پیش کیا اور کہا کہ میرے متعلق بھی کچھ سنائیے۔ عقیل نے کہا کہ اس سوال کو رہنے دے۔ کہا کہ نہیں کچھ تو میری شان میں بھی کہہ دو۔ عقیل نے کہا کہ کیا تو حمامہ کو جانتا ہے۔ معاویہ نے پوچھا کہ حمامہ کون تھی؟ عقیل نے کہا کہ بس میں نے تیرے حق میں جو کہنا تھا کہہ دیا ہے۔ اس کے بعد حضرت عقیل اُٹھے اور چلے گئے۔ معاویہ نے نسابہ کو بلوایا اور اُس سے حمامہ کی بابت معلوم کیا۔ اُس نے کہا کہ جان کی امان پاؤں تو میں بیان کروں معاویہ نے جان کی امان دے دی تو نسابہ نے کہا کہ حمامہ ابوسفیان کی نانی تھی۔

59۔ **معاویہ مومنین کا ماموں (خال المومنین) کیسے بنا** یہ قصہ یوں ہے کہ عمر بن اوس اودی جو جنگ صفین میں حضرت علی علیہ السلام کی فوج میں تھا مع چند اشخاص کے شامی فوجیوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو گیا اور ان سب قیدیوں کو معاویہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ عمرو عاص نے ان سب کو قتل کرنے کے لئے کہا۔ عمر بن اوس نے معاویہ سے کہا کہ مجھے قتل نہ کرنا اس لئے کہ تو رشتہ میں میرا خال (ماموں) ہے۔ معاویہ نے اُس سے کہا کہ میں تیرا ماموں کیسے ہو گیا؟ حالانکہ بنی اود اور بنی عبدالشمس کے درمیان کوئی رشتہ داری نہیں ہے۔ عمر نے کہا کہ اگر میں ثابت کر دوں تو کیا تو مجھے چھوڑ دے گا۔ معاویہ نے وعدہ کر لیا کہ ہاں تجھے آزادی دوں گا۔ عمر بن اوس نے کہا کہ ام حبیبہ تیری بہن ہے یا نہیں؟ اُس نے کہا کہ ہاں میری بہن ہے۔ عمر نے کہا کہ کیا ام حبیبہ ام المومنین ہے یا نہیں؟ اس نے کہا کہ ہاں وہ اُم المومنین بھی ہے۔ عمر نے کہا کہ میں اس کا بیٹا ہوں اور تو اس کا بھائی ہے اور اسی لئے میرا ماموں ہے۔ معاویہ خوش ہو گیا اور کہا کہ تعجب ہے اتنے آدمیوں میں کسی کا ذہن اس طرف نہیں گیا چنانچہ اسے رہا کر دیا۔

60۔ **عبداللہ بن عباس نے بتایا کہ** ہم لوگ ایک سفر میں رسولؐ اللہ کے ہم رکاب تھے۔ آپؐ نے دو آدمیوں کے گانے کی آواز سنی تو فرمایا کہ دیکھو یہ کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ معاویہ اور عمرو بن عاص ہیں۔ رسولؐ نے آسمان کی طرف سر بلند کیا اور فرمایا۔ **اَللّٰھُمَّ ارْکُسْھُمَا رَکْسًا وَّدُعَّھُمَا اِلَی النَّارِ دَعًّا**۔ اے خدا اِن دونوں کو خوب ذلیل وخوار کرنا اور دونوں کو جہنم واصل کرنا۔''

(مسند احمد بن حنبل جلد 1 صفحہ 421 کتاب صفین صفحہ 246 طبع مصر وغیرہ)

61۔ **رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ**: **یطلع علیکم مِنْ ھٰذا الفج رَجُلٍ مِنْ اُمَّتِی یحشر علٰی غیر مِلّتی فطلع معاویة۔**

اس گھاٹی میں سے میری امت کا ایک ایسا شخص برآمد ہوگا جو میری ملت کے خلاف محشور ہوگا۔ چنانچہ معاویہ برآمد ہوا۔" (طبری جلد 11 صفحہ 357)
یہی حدیث نصر بن مزاحم کی لفظوں میں یوں ہے کہ: **یطلع علیکم مِنْ هٰذَا الفج رَجُل یموت علٰی غیر سنتی۔**
اس گھاٹی سے ایک ایسا شخص برآمد ہوگا جو میرے مسلک کے علاوہ کسی اور مسلک پر مرے گا۔" (کتاب صفین صفحہ 247)

62۔ پیغمبرؐ خدا نے فرمایا کہ: **اِنَّ مُعَاوِيَةَ فِي تَابُوْتٍ مِنْ نَارِ اَسْفَل درک منها ینادی یَاحنان یا منان الان وقد عصیتَ من قبل و کنتَ من المفسدین** ۔معاویہ جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں آگ کے تابوت میں ہوگا اور پکارے گا یاجنان یامنان۔ جواب ملے گا "اب" حالانکہ تو اس سے پہلے نافرمانیاں کرتا رہا اور تو فساد پھیلانے والوں میں شامل رہا۔ (طبری جلد 11 صفحہ 257)

63۔ حضرت ابوذر غفاری نے معاویہ سے کہا کہ تم ایک مرتبہ گزر رہے تھے میں نے سنا کہ رسولؐ اللہ فرما رہے تھے کہ:
اَللّٰهُمَّ لَعَنَهُ وَلَا تشبعه اِلَّا بالتُراب۔ خداوندا اس پر لعنت کر اور مٹی سے اس کا پیٹ بھرا کرے۔" (الغدیر جلد 8 صفحہ 312)

64۔ نصر بن مزاحم نے کتاب صفین میں اور ابن عدی عقیلی خطیب اور منادی نے ابوسعید خدری اور عبداللہ بن مسعود کے واسطوں سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ: **اذارَاَیتم معاویة علٰی منبری فاقتلوه** ۔جب تم معاویہ کو میرے منبر پر دیکھو تو اُسے قتل کر ڈالنا۔ **اِذَارَئیتُم مُعَاوِيَةَ يَخْطَبُ عَلٰی منبری فاقتلوه** ۔جب تم لوگ معاویہ کو میرے منبر پر خطبہ پڑھتے ہوئے دیکھو تو اُسے قتل کر دینا۔"
ابوسعید بیان کرتے ہیں کہ: **فَلَمْ نَفْعَلُ وَلَمْ نَفْلَحُ**۔ چنانچہ ہم نے ایسا نہیں کیا تو فلاح بھی نہیں پائی"
حسن بصری کہتے ہیں کہ: **فَمَافَعَلُوْاوَلَاافَلَحُوْا** ۔نہ لوگوں نے ایسا کیا اور نہ انہوں نے فلاح پائی۔
(کتاب صفین طبع مصر صفحہ 243 تاریخ طبری جلد 11 صفحہ 257، تاریخ خطیب جلد 2 صفحہ 181۔ ابن ابی الحدید جلد 1 صفحہ 448)

65۔ زید بن ارقم اور عبادہ بن صامت سے مروی ہے کہ: **اِذَارَئیتُم مُعَاوِيَةَ وَ عمر و بن العاص فَفرّ قوابینهم فَاِنهُمَالَنْ یجمعا اِلٰی خیر** ۔ جب تم معاویہ اور عمرو عاص کو اکٹھا دیکھو تو دونوں کو الگ الگ کر دینا اس لئے کہ وہ کبھی بھی بھلائی کے کام کے لئے اکٹھا نہ ہوں گے۔ (کتاب صفین صفحہ 112 عقد الفرید جلد 2 صفحہ 290)

66۔ علامہ ابن عساکر نے اپنی تاریخ جلد 7 صفحہ 161 میں عمیر بن رفاعہ کے واسطہ سے روایت کی ہے کہ عبادہ بن صامت صحابی شام میں تھے اُن کی طرف سے اونٹوں کی قطار گزری جن میں شراب لدی ہوئی تھی۔ عبادہ نے پوچھا یہ کیا ہے زیتون تو نہیں؟ لوگوں نے کہا کہ نہیں بلکہ شراب ہے۔ جو دوسروں کے ہاتھ فروخت کی جاتی ہے۔ عبادہ نے ایک چھری لے کر ہر مشک چاک کر دی۔ ابو ہریرہؓ بھی شام ہی میں تھے معاویہ نے ان کے پاس کہلا بھیجا کہ اپنے عبادہ کو روکتے نہیں وہ صبح بازار میں پہنچ جاتے ہیں اور ذمی تاجروں کی دوکان داری غارت کر دیتے ہیں۔ اور ہر شام مسجد میں بیٹھتے ہیں اور سوائے ہمیں برا بھلا کہنے کے اور عیب نکالنے کے کوئی دوسرا کام نہیں کرتے ہیں۔ ابو ہریرہؓ نے عبادہ سے کہا کہ تمہیں معاویہ سے کیا سروکار ہے جو کرتے ہیں کرنے دو۔ خداوند عالم فرماتا ہے کہ۔ **تِلْکَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَامَاکَسَبَتْ وَلَکُمْ مَاکَسَبْتُمْ۔**
عبادہ نے جواب دیا اے ابو ہریرہؓ تم ہمارے ساتھ اُس وقت نہیں تھے۔ جب کہ ہم نے رسولؐ خدا کی بیعت کی تھی ہم نے اِن باتوں پر بیعت کی تھی کہ پیغمبرؐ کا حکم سنیں گے۔ ہر حال میں اطاعت کریں گے۔ تنگ حالی اور فراخی دونوں حالتوں میں راہ خدا میں خرچ کریں گے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں گے۔ خدا کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ نہ کریں گے۔

67۔ ابن عسا کروغیرہ نے روایت کی ہے کہ عبدالرحمٰن بن سہیل انصاری عہد عثمان میں شام میں تھے۔شراب کے مشکیزے اُن کی طرف سے گزرے جو معاویہ کے لئے جارہے تھے۔وہ اپنا نیزہ لے کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور ہر مشک پھاڑ ڈالی۔غلاموں نے عبدالرحمٰن کو پکڑلیا۔جب معاویہ کو اس واقعہ کی خبر ملی تو کہا کہ انہیں چھوڑ دو وہ بوڑھے ہیں اور اُن کی عقل جاتی رہی ہے۔عبدالرحمٰن نے کہا خدا کی قسم میری عقل نہیں گئی لیکن رسولؐ اللہ نے ہمیں منع کیا ہے۔کہ نہ ہمارے پیٹوں میں شراب داخل ہو نہ ہمارے مشکیزوں میں۔میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ اگر میں زندہ رہا اور میں نے معاویہ میں وہ باتیں دیکھیں جو میں رسولؐ اللہ سے سن چکا ہوں تو میں اس کا پیٹ پھاڑ دوں گا یا اپنی جان دے دوں گا۔(اصابہ جلد 2 صفحہ 401 تہذیب التہذیب جلد 6 صفحہ 192۔استیعاب جلد 3 صفحہ 401۔اسد الغابہ جلد 3 صفحہ 299)

68۔ کوفہ کا ایک شخص اونٹ پر سوار دمشق میں آیا۔ایک دمشق کا باشندہ اُس کے پیچھے پڑ گیا اور کہا کہ یہ اُونٹنی میری ہے۔تم نے صفین میں مجھ سے چھین لی تھی۔معاملہ معاویہ کے پاس پہنچا دمشقی شخص نے پچاس آدمیوں سے گواہی دلوادی کہ وہ اونٹنی اُس کی ہے۔معاویہ نے کوفی کے خلاف فیصلہ دے دیا اور حکم دیا کہ وہ اونٹنی اُس کے حوالے کردے۔کوفی نے کہا کہ خدا آپ کا بھلا کرے پہلے یہ تو دیکھ لو کہ یہ اونٹ ہے یا اونٹنی ہے۔معاویہ نے کہا کہ اب جو فیصلہ ہو چکا وہ ہو چکا۔اِس کے بعد معاویہ نے پوشیدہ طور پر کوفی کو بلا بھیجا اور پوچھا تمہارا اونٹ کتنے داموں کا تھا؟ اس نے قیمت بتادی معاویہ نے دوگنی قیمت دلوادی اور اس کے علاوہ مزید انعام واکرام دیا اور کہا کہ علیؑ سے جا کر کہہ دینا کہ میں ایک لاکھ ایسے آدمیوں کو لے کر آپ کا مقابلہ کروں گا جو اونٹ اور اونٹنی میں تمیز نہیں کرتے اور اطاعت اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ صفین جاتے وقت بدھ کے روز جمعہ کی نماز پڑھادی اور کوئی معترض نہ ہوا۔اِن لوگوں نے اپنا سر عاریت دے دیا ہے۔اور عمرو عاص کی اس بات کو گرہ میں باندھ لیا ہے کہ علیؑ نے عمارؓ یاسر کو قتل کیا کیوں کہ وہ اسے اپنی مدد کے لئے لائے تھے۔اور اتنی اطاعت کرتے ہیں کہ انہوں نے علیؑ پر تبرا کرنے کو سنت بنالیا ہے۔اسی پر بچے تربیت پارہے ہیں اور اسی پر بوڑھے ہو کر مریں گے۔"(مروج الذہب جلد 2 صفحہ 72)

69۔ اسلام کا مشہور ومعروف مورخ طبری اپنی تاریخ میں 60ھ کے واقعات لکھتے ہوئے کہتا ہے کہ عمرو عاص اہل مصر کے ایک گروہ کے ساتھ معاویہ کی ملاقات کو آئے۔(اس زمانہ میں عمرو عاص معاویہ سے کچھ نالاں اور برسر پرخاش تھے) اُنہوں نے اُن لوگوں کو سکھلا دیا کہ جب معاویہ کے پاس جانا تو اُس کی توہین کرنا اور خلیفہ کہہ کر سلام نہ کرنا۔معاویہ کو جب اِن لوگوں کی اطلاع ہوئی تو وہ عمرو عاص کی سازش کو تاڑ گئے۔اور دربانوں سے کہا کہ نابغہ کے لڑکے عمرو عاص نے شاید اِن لوگوں کی نظروں میں میرے مقام ومرتبہ کو کم کیا ہو۔تم اِن لوگوں کے ساتھ جتنی سختی اور شدت کر سکتے ہو کرنا یہاں تک کہ یہ لوگ سمجھ لیں کہ اُن کی جان خطرے میں ہے۔دربانوں نے بھی اُس کی اطاعت کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سب سے پہلے جو شخص معاویہ کی خدمت میں پہنچا اس نے کہا کہ۔اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ۔اور باقی لوگوں نے بھی اسی طرح سلام کیا۔"
(تاریخ طبری جلد 6 صفحہ 184،تاریخ ابن کثیر جلد 8 صفحہ 140 تاریخ کامل جلد 4 صفحہ 5)

70۔ شمس الدین ضیا مقدسی اپنی کتاب احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم صفحہ 299 پر لکھتے ہیں کہ:

"اصفہان والوں میں کچھ سادہ لوحی اور معاویہ کے متعلق غلو بھی تھا۔مجھ سے ایک شخص کے زہد وعبادت کی تعریف کی گئی تو میں قافلہ کو چھوڑ کر اُس کے پاس گیا رات اُسی کے یہاں بسر کی۔میں نے بہت سی باتیں اس سے پوچھیں۔اُن ہی میں سے یہ بھی پوچھا تھا کہ تم صاحب بن عبادہ (ایک مشہور شیعہ وزیر تھا) کے متعلق کیا کہتے ہو؟ صاحب بن عبادہ کا نام سنتے ہی اُس شخص نے گالیوں کی بوچھاڑ کردی اور کہا کہ اس

صاحب بن عبادہ نے ایسا عقیدہ ہمارے سامنے پیش کیا جسے ہم جانتے بھی نہیں۔ میں نے پوچھا وہ عقیدہ کیا تھا؟ اُس نے کہا کہ صاحب کہتا ہے کہ معاویہ مرسل نہ تھے۔ میں نے پوچھا کہ تم معاویہ کے متعلق کیا کہتے ہو؟ اس نے کہا کہ میں وہی کہتا ہوں جو خداوند عالم نے کہا ہے کہ: لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ ۔ (ہم رسولوں میں سے کسی ایک کو بھی جدا نہیں کرتے وہ سب اللہ کے رسول تھے) ابوبکر بھی مرسل تھے عمر بھی مرسل تھے اسی طرح اُن چاروں خلفا کا ذکر کیا پھر کہا کہ معاویہ بھی مرسل تھے۔ میں نے کہا کہ ایسا نہ کہا کرو ابوبکر و عمر و عثمان و علیؑ خلفا تھے اور معاویہ بادشاہ تھا۔ پیغمبرؐ نے فرمایا ہے کہ میرے بعد خلافت تیس برس تک رہے گی اس کے بعد بادشاہت ہے۔ یہ سن کر وہ شخص مجھے بھی گالیاں دینے لگا۔ اور ہر ایک سے کہتا پھرا کہ یہ شخص رافضی ہے۔ اگر میں بھاگ کر قافلے میں نہ جاملتا تو وہ لوگ میرا قصہ تمام کر دیتے۔''

71۔ قتل عثمان کے فوراً بعد معاویہ کا زبیر کے نام خط۔

''ابوعبداللہ زبیر امیر المومنین کی خدمت میں معاویہ ابن ابی سفیان کی طرف سے۔ میں نے آپ کے لئے شام والوں سے بیعت لی ہے۔ سب نے متفقہ طور پر آپ کی بیعت کر لی ہے۔ لہٰذا کوفہ اور بصرہ پر جلد قبضہ کر لیجئے۔ علیؑ آپ سے پہلے نہ پہنچنے پائیں۔ اگر یہ دونوں شہر آپ کے قبضے میں آجاتے ہیں تو پھر علیؑ کے پاس کچھ نہ بچے گا۔ آپ کے بعد میں نے طلحہ کے لئے بیعت لی ہے۔ آپ انتقام خون عثمان کے مطالبہ کا اعلان کیجئے۔ لوگوں کو اس طرف بلایئے۔ اور پوری مستعدی اور سرگرمی کام میں لایئے خدا آپ دونوں کو کامیاب اور آپ کے دشمن کو ذلیل وخوار کرے گا۔'' اس خط کو پڑھ کر زبیر بہت خوش ہوئے طلحہ کو بھی یہ خط پڑھ کر سنایا کسی کو بھی اس میں شک نہ ہوا کہ معاویہ ہم دونوں کے خیرخواہ ہیں اس کے بعد اُن دونوں نے علیؑ کی مخالفت پر کمر کس لی۔'' (شرح ابن ابی الحدید جلد 1 صفحہ 77)

72۔ زبیر کے نام معاویہ کا دوسرا خط

''آپ زبیر بن عوام ابن ابی خدیجہ ہیں۔ اور پیغمبرؐ کی پھوپھی کے صاحب زادے ہیں۔ حواری رسولؐ ہیں۔ رسولؐ اللہ کے ہم زلف ہیں۔ مسلمانوں کے شہسوار ہیں۔ آپ ہی نے مکہ میں اپنی جان کی بازی لگادی تھی۔ اور تلوار کھینچ کر پیغمبرؐ کی حمایت پر تل گئے تھے۔ یہ سب باتیں قوتِ ایمان اور صدقِ یقین کی دلیل ہیں۔ رسولؐ اللہ نے پہلے ہی آپ کو جنت کی بشارت دے رکھی ہے۔ حضرت عمر نے آپ کو شوریٰ کا ممبر چنا تھا۔ اَے ابوعبداللہ خیال کیجئے کہ رعیت اس وقت منتشر بھیڑ بکری کی مانند ہورہی ہے۔ کیوں کہ چرواہا کوئی نہیں ہے لہٰذا مسلمانوں کی جان بچانے، پراگندگی دُور کرنے، اتحاد و یکجہتی پیدا کرنے آپس کے اختلاف مٹانے کی جلدی کوشش کیجئے۔ قبل اس کے کہ معاملہ قابو سے باہر ہوجائے اور اُمت اسلام میں انتشار پیدا ہوجائے۔ لوگ اس وقت ہلاکت کے کنارے کھڑے ہیں۔ اور قوی امکان ہے کہ ہلاکت کے گڑھے میں گر پڑیں۔ لہٰذا اُمت کی شیرازہ بندی کے لئے کمر کس لیجئے اور خدا تک پہنچنے کی راہ نکالئے میں نے اپنی طرف سے آپ کے لئے اور آپ کے صاحب طلحہ کے لئے حکومت کا معاملہ مضبوط کر لیا ہے۔ پہلے آپ خلیفہ ہوں گے پھر آپ کے صاحب طلحہ، خداوند عالم آپ کو ہدایت کرنے والا اور طالبِ خیر وتقویٰ قرار دے۔''

73۔ طلحہ کے نام معاویہ کا خط:

''قریش میں سب سے بڑھ کر صاف و پاک آپ ہیں۔ پھر چہرے میں آپ کے صباحت بھی ہے۔ اور ہاتھوں میں بذل و سخا بھی ہے۔

زبان بھی آپ کی فصیح ہے۔سابقیت میں آپ دوسروں کے برابر ہیں۔عشرہ مبشرہ میں پانچویں فرد ہیں۔جنگ اُحد میں آپ کو خصوصی شرف وفضل حاصل ہوا۔رعیت آپ کو جو اپنی حکومت سونپ رہی ہے اس کی طرف جلدی کیجئے۔اس سے تخلف کی گنجائش نہیں ہے۔خداوند عالم آپ سے تب ہی راضی ہوگا جب آپ اس معاملے کو اپنے ہاتھ میں لیں گے۔میں نے آپ کے لئے اور زبیر کے لئے یہاں تمام انتظامات مکمل کر لئے ہیں۔زبیر کسی فضیلت کی وجہ سے آپ پر تقدم نہیں رکھتے۔چاہے آپ زبیر کو مقدم قرار دیں یا زبیر آپ کو۔جو مقدم قرار پائے گا وہی امام ہوگا۔اور اُس کے بعد دوسرے شخص کے ہاتھ میں حکومت جائے گی۔''

ہم چاہتے ہیں کہ یہاں معاویہ کے حالات کو فی الحال روک دیں اور بتائیں کہ طلحہ وزبیر کا حضرت علیؑ سے کوفہ وبصرہ کی گورنری طلب کرنا اور مشورہ نہ لینے کی آڑ اختیار کرنا اور پھر مکہ میں آکر عائشہ کے دست وبازو بن جانا وغیرہ سب کچھ معاویہ کے مندرجہ بالا خطوط کا نتیجہ تھا۔اور ان تینوں کو یقین ہوگیا تھا کہ معاویہ آڑے وقت میں ہمارے کام آئے گا۔مگر وہ دھوکے میں تھے۔

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر: 60

علی نقی طہرانی: خطبہ نمبر: 61

خُطبہ ﴿109﴾

حضرت علی علیہ السلام نے ان صحابہ رضی اللہ عنھم کو جواب دیا ہے جو چاہتے تھے کہ علی علیہ السلام تنہا راتوں کو نہ نکلا کریں۔ اس لئے کہ قریش کے مخالف لیڈر اس تاک میں پائے جاتے تھے کہ موقع ملے تو علی علیہ السلام کو قتل کر ڈالیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَاِنَّ عَلَيَّ مِنَ اللّٰهِ جُنَّةً حَصِيْنَةً؛	1	اور یہ ایک حقیقت ہے کہ اللہ نے میری حفاظت کے لئے مجھے احاطہ میں رکھنے والی ایک ڈھال فراہم کی ہوئی ہے۔
فَاِذَا جَاءَ يَوْمِي انْفَرَجَتْ عَنِّي وَاَسْلَمَتْنِيْ؛	2	اور جب میری زندگی کا آخری دن آجائے گا تو ڈھال مجھ سے الگ ہو جائے گی اور مجھے موت کے سپرد کر دے گی۔
فَحِيْنَئِذٍ لَّا يَطِيْشُ السَّهْمُ وَلَا يَبْرَأُ الْكَلْمُ؛	3	اور اس حالت میں نہ کوئی تیر خطا کرے گا اور نہ لگا ہوا زخم ہی اچھا ہو سکے گا۔" (مطلب یہ کہ تم فکر مند نہ رہا کرو)۔

تشریحات:

محبت کرنے والے اپنے محبوب کی زندگی کی طرف سے کسی وعدے سے مطمئن نہیں ہوا کرتے۔ باوجودیکہ مسلمانوں اور کافروں کو بار بار یہ تجربہ ہوا کہ حضرت علی علیہ السلام ہر خطرے سے محفوظ رہتے ہیں۔ ایک پرانا کرتا پہنے ہوئے تیروں کی بوچھاڑ میں پھرتے رہنا اور میدان جنگ میں بوریا بچھا کر اطمینان سے نمازیں پڑھتے رہنا ممکن ہی نہیں جب تک اللہ کی طرف سے زندگی کی ذمہ داری نہ لے لی گئی ہوتی۔ مگر پھر بھی چاہنے والوں کے دل مطمئن نہ ہوتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے درخواست کی تھی کہ حضور علیہ السلام چند فداکاروں کو بطور باڈی گارڈ ساتھ رکھا کریں۔ اور حضرت علیؑ کے اس خطبے کے بعد وہ محبت کرنے والے خوش اور مطمئن نہ ہو سکتے تھے۔ وہ بھی میری طرح اس خطبے کو سن کر دل تھام کر رہ گئے ہوں گے اور سوچتے رہ گئے ہوں گے کہ باوجودیکہ حضور علیہ السلام کی زندگی کی گارنٹی اللہ نے لے رکھی تھی مگر اس میں کیا حرج ہو جاتا اگر آپؑ دو چار فداکاروں کو ساتھ رہنے کی اجازت دے دیتے؟ اُن کا دل رہ جاتا اور ساتھ ہی انہیں قربت سے سکون ملتا۔ مگر کیا کیا جائے کہ یہ حضراتؑ علیہم السلام اللہ کی مشیت اور قضا و قدر کو نباہنے میں بہت سختی سے کاربند رہتے تھے اور یہی ایک معاملہ تھا جس کے لئے یہ حضرات بہت ہی بے رحم اور سنگ دل تھے۔ کسی کی نہ سنتے تھے۔ چنانچہ اس خطبے میں بھی چاہنے والوں کا دل توڑ کر رکھ دیا ہے جس کی شکایت اُن کے دلوں میں باقی رہ گئی۔ اگر دو چار جان نثار باڈی گارڈ سائے کی طرح ساتھ ساتھ رہنے کی اجازت پا لیتے تو اُس منحوس رات میں جس نے ہمارے قلوب میں ایسا زخم لگایا جو بارہ مہینے ناسور کی طرح بہتا رہتا ہے، وہ باڈی گارڈ حضورؑ کے درِ دولت سے برآمد ہونے پر آگے پیچھے تیغ بکف چلتے اور نماز کے دوران آپؑ کو گھیرے

رہتے تو ابن ملجم کی کیا مجال تھی کہ وہ پاس پھٹک سکتا؟ مگر کیا کریں کہ حضورؑ کو ہم سے زیادہ اللہ اور اللہ کی مشیت سے پیار تھا اور اپنے چاہنے والوں کی پرواہ نہ تھی۔ مجھے یہاں جناب مہتاب رائے مرحوم کا شعر لکھنے دیجئے۔

ہم اُلٹے، بات اُلٹی، یار اُلٹا   بنے کیوں کر کہ ہے سب کار اُلٹا

خطا ہماری ہے کہ ہم نے خاطی و جاہل ہوتے ہوئے اتنی بلند اور خدا نما ہستیوں سے محبت کی جرأت و جسارت کی ہے۔ اور یہ اُمید رکھی تھی کہ وہ ہماری دِلدِھی اور تسکین کی فکر کیا کریں گے۔ مجھے اگر حضور علیہ السلام نے موقع دیا تو میں اُن تیرہ حضرات علیہم السلام کی وہ تمام شکایات لکھوں گا جو برَمے کی طرح میرے دل کو برَماتی اور دُکھ دیتی رہتی ہیں۔ انشاءاللہ والا امام علیہ السلام۔

بتائیے ہم کس منہ سے اُن کی شکایت کریں اور شکایت سے اب کیا فائدہ ہوگا، جو علی اصغر علیہ السلام کو جناب صغرا علیھا السلام کی گود سے خدائی چھومنتر پڑھ کر لے لیں اور بہن کا دل دھک سے ہوکر رہ جائے اور امام حسین علیہ السلام کو اپنی بچی پر رحم نہ آئے۔ صرف اس لئے نا کہ وہ اپنے شہدا کی فہرست میں ایک فرد کی کمی نہ چاہتے تھے۔ یقیناً وہ اُس وقت بھی اُس تیر اور زخم کو دیکھ رہے ہوں گے جس نے علی اصغر علیہ السلام کا ایک ہچکی اور مسکراہٹ کے ساتھ اللہ کے حضور پہنچنے کا راستہ صاف کر دیا تھا۔ اگر یہ بچہؑ مدینہ میں بہنؑ کے پاس ہوتا۔ تو استغاثہ پر جھولے سے ہُمک کر کیسے گرتا؟ اور حرملہ لعین کو تیر مارنے کا موقع کیسے ملتا؟ جو لوگ ایسے ہوں ہم خطا کار لوگ اُن سے اپنے لئے کیا اُمید رکھیں۔ دوستو جنت ہی تو سب کچھ نہیں ہمیں تو اُن کی نظرِ کرم بھی درکار ہے۔ اور نظرِ کرم ہی کی خاطر اپنی شکایات کو دبائے رکھتے ہیں۔ اور کوشش کرتے ہیں کہ ہم بھی اُن کی رضا میں اُسی طرح راضی رہیں جس طرح وہ حضرات علیہم السلام اللہ کی رضا و قضا و مشیت میں راضی رہتے ہیں۔

2۔ راز و رموز خداوندی اور معیار رسالتؐ و امامتؑ کے ہر پہلو کو برقرار و بحال رکھنا اُن پر واجب اور نوع انسان کے لئے مفید تھا۔

اُن کے لئے یہ تو آسان تھا کہ وہ بادشاہانِ عالم کی طرح اپنے محافظ و باڈی گارڈ مقرر کر دیتے۔ مگر اُن کے لئے یہ مشکل تھا کہ محافظوں کی موجودگی میں ابن ملجم کو اُس کے ارادے میں کامیاب ہو جانے دیتے۔ اور محافظ مقرر کر دینے کے بعد عوام و خواص کو یہ یقین دلانا بھی مشکل تھا کہ اُن کا واقعی محافظ اللہ ہے۔ اور یہ کہ وہ واقعی اللہ کے راز و رموز اور غیب پر مطلع ہیں۔ اور یہ کہ اُنہیں اپنی موت کا وقت اور دن معلوم ہے۔ اور یہ کہ وہ حضرات علیہم السلام اللہ کے رازوں کی نہایت بے رحمی اور بے جگری سے حفاظت کرتے ہیں۔ خود کو اور اپنے بچوں تک کو اللہ کی مشیت و رضا و قضا پر قربان کر دیتے ہیں۔ اور اپنے پیروؤں اور چاہنے والوں سے بھی یہی چاہتے ہیں کہ بے چون و چرا اطاعت کریں اور نوع انسان کے مفادات کا تحفظ کریں۔ اور ساتھ ہی راز و رموز خداوندی کی حفاظت کو پہلا نمبر دے کر ہر چیز پر ترجیح دیتے رہیں۔ ہر آنے والی اُفتاد کو خوشی خوشی لبیک کہیں، مسکرائیں اور جھیل جائیں۔

3۔ جن کے رُتبے ہیں سِوا اُن کو سِوا مشکل ہے؟؟

ذرا سوچئے کہ اگر آپ کو یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص جھوٹی قسمیں کھا کر آپ کو فریب دے رہا ہے اور جب آپ اُس کے ساتھ روانہ ہو جائیں گے تو وہ آپ کو آپ کے دشمنوں کے حوالے کر دے گا؟ تو آپ ہرگز اُس کی بات نہ مانیں گے، ہرگز اُس کی قسموں کا اعتبار نہ کریں گے اور ہرگز اُس کے ہمراہ روانہ نہ ہوں گے۔ مگر یاد رکھیں کہ محمدؐ و علیؑ اور اہل بیت محمدؐ صلوات اللہ علیہم کے ساتھ دن رات یہی کچھ ہوتا رہا۔ لوگ اِسکیمیں بنا بنا کر دن رات جھوٹ بولتے رہے۔ قسمیں کھاتے رہے۔ یقین دِلاتے رہے۔ اور وہ حضراتؑ راز ہائے خداوندی کو پوشیدہ رکھنے کے لئے جانتے

بوجھتے ظاہری صورت حال پر یقین کرتے رہے۔فریب پر فریب کھاتے اور نقصان اُٹھاتے رہے۔مگر کبھی بلا موقع یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ ہمیں فلاں واقعہ معلوم تھا۔یا ہمیں فلاں فلاں صحابہ کا جھوٹا ہونا معلوم تھا۔

4۔ دوستدارانِ محمدؐ وآلِ محمدؐ کی یہ شکایت کہ عائشہ کو کیوں زوجہ بنایا گیا؟ جس نے گھر میں آکر تباہی مچادی تھی۔

ذرا سوچیے کہ حضرت خدیجہ علیہا السلام کا انتقال ہو چکا ہے۔ابوبکر رسولؐ اللہ کی دل بستگی کے لئے اپنی بیٹی پیش کرتے ہیں۔اظہارِ ہمدردی کرنے والے اُس شخص کو یہ بتانا کہ تو دشمنِ خدا اور سولؐ ہے۔تو شادی کی آڑ میں ایک مخبر میرے گھر میں رکھنا چاہتا ہے(تحریم 1 تا 3/66)۔ اور یہ کہ میرے خلاف ایک محاذ بنانا چاہتا ہے(4 تا 6/66) یہ جواب صحیح تھا۔مگر جرم کے سرزد ہونے سے پہلے کسی کو نہ مجرم کہا جا سکتا ہے نہ جرم کی سزا دی جا سکتی ہے۔لہٰذا یہ جواب سننے والا ہر شخص رسوؐل کی بات کو غلط قرار دیتا۔بداخلاقی کا الزام عائد کرتا اور ابوبکر کو ہمدردی اور قربانی کا تمغہ پہناتا۔اور ساتھ ہی اللہ کے راز کو افشا کرنے کی جرأت کرنا پڑتی اور اللہ کی مرضی ومشیت کے خلاف قرآن کو برسوں پہلے تلاوت کرنا پڑتا۔اور ثبوت موجود نہ ہونے کی بنا پر قرآن کی تکذیب ہو جاتی اور یہ جرم بھی رسولؐ ہی پر عائد ہوتا۔چنانچہ ضروری ہو گیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راز و رموزِ خداوندی کو پوشیدہ رکھتے،دشمن خدا اور رسولؐ سے وہی سلوک کرتے،جو حضورؐ نے کیا۔عائشہ اور ابوبکر کو پورا موقع دیتے،جو دیا گیا۔دشمنِ جان کو پہلو میں لے کر غداری اور بے وفائی کا ہر موقع فراہم کرتے ہوئے دین کا تحفظ کرتے،جو کیا گیا۔بڑی دردناک تھیں محمدؐ وآلِ محمدؐ کی زندگیاں۔وہ خود اپنے اور اپنی اولاد واعزاء کے چلتے پھرتے جنازے دیکھتے رہے اور زبان سے اُف تک نہ نکلنے دی۔انتہائی مشکل وخلاف فطرت حالات میں مسکرا کر زندگی گزارتے رہے۔نہایت حُسن تدبر کے ساتھ اُدھر اللہ کی عائد کردہ ذمہ داریاں اُن کے انتہائی معیار پر ادا کرتے رہے۔اِدھر بندوں پر اتمام حجت کرتے اور اخلاق ورحم وکرم ونوازشات کی انتہا کرتے رہے۔اور ہر بات صحیح،مناسب اور پسندیدگی کے معیار پر فرماتے رہے۔اپنے عمل درآمد سے اُدھر اللہ کی نظروں میں بلند سے بلند تر مقامات حاصل کرتے چلے گئے۔اِدھر خطا کار وضعیف انسانیت کو زمین سے اُٹھا کر آسمانوں کی بلندیوں پر سرفراز کرتے رہے۔اپنے کردار سے لوگوں میں وہ یقین وجذبہ فداکاری بھر گئے کہ انسانوں نے اپنی جان ومال واولاد کو اسلام پر قربان کرنے میں دریغ نہ کیا۔دیکھئے امام حسین علیہ السلام فرمارہے ہیں کہ تمہارے اُن درجات ومقامات کی ذمہ داری لیتا ہوں جو شہادت کے بعد تمہیں ملنے والے ہیں اور تم نے ابھی ابھی اپنی اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ تم سب میدان جنگ سے چلے جاؤ اور جو جانا چاہے میرے اہل بیتؑ کو بھی لے جاؤ۔اس فوج کو صرف مجھ سے سروکار ہے۔تم سے کوئی مزاحمت نہ کرے گا۔یہ فرما کر چراغ بجھوائے کہ مروت سدِ راہ نہ ہو۔مگر جب چراغ جلائے گئے تو سارا مجمع موجود تھا۔لوگ باری باری آگے بڑھے اور شکوہ کر رہے تھے کہ آپ ہماری آزمائش کر رہے ہیں خدا کی قسم اگر ہمیں سو بار(100) قتل کیا جائے۔آگ میں جلایا جائے تب بھی ہر بار زندہ ہو کر شہادت کو ترجیح دیں گے۔حکم دیجئے تو ابھی تلواریں اپنے سینوں سے پار کر کے دکھا سکتے ہیں۔یہ تھا وہ یقین جو محمدؐ وآل محمد صلوات اللہ علیہم نے علم غیب ورازِ خداوندی کو محفوظ رکھتے ہوئے اور ظاہری حالات پر عمل کرتے ہوئے پیدا کر دیا تھا۔

5۔ یقیناً اللہ صرف اُن کا ساتھی اور شریک حال ہے جو سمجھ بوجھ کر خوشی خوشی صبر کی اسکیم پر عمل کرتے ہیں۔

میں ہی نہیں بلکہ اِس خطبے کے تمام قاری تڑپ کر رہ گئے اور تڑپتے ہوئے کئی ایک ایسی باتیں منہ سے نکل گئیں جو محدود عقل اور غیر معصوم لوگوں کی فطرت کے عین مطابق تھیں۔دلوں کے تڑپنے سے وہ نظام برسرکار آ گیا جو چپکے چپکے اندر ہی اندر قلب وذہن پر چھا جاتا ہے اور تڑپنے

والوں کی تعزیت کی آڑ میں اُنہیں ساتھ لے کر ایک ایسے زینہ پر چڑھتا چلا جاتا ہے جہاں آنسو ہچکیوں اور سسکیوں میں بدلتے رک جاتے ہیں۔قلوب واذہان پر اُس یقین کا ماحول طاری ہوجاتا ہے کہ ہمارے تڑپنے سے وہ حضرات علیہم السلام ملول ورنجیدہ ہوگئے ہیں۔جن کے رنج وملال پر ہم اپنی جانیں قربان کرنا اپنا فریضہ سمجھتے ہیں اور جن کی خوشی کے لئے ہم اپنا سب کچھ لٹا دینے کے لئے تیار رہا کرتے ہیں۔یہ ماحول قلب وذہن میں اُتر کر صورت حال کو بدل دیتا ہے۔آنسو خشک ہوجاتے ہیں۔ہچکیاں، سسکیاں، اور سبکیاں رُک جاتی ہیں۔پشیمانیاں ہجوم کر لیتی ہیں کہ ہم نے رنج وغم کو وہاں تک جانے کے لئے کیوں آزاد چھوڑ دیا کہ وہ ذواتؑ مقدسہ ملول ہوگئیں جنہیں مسرور رکھنا ہمارا دین وایمان ہے۔یہ ماحول ہمیں ثباتِ قدم عطا کرتا ہے۔ہم اللہ اور معصومین علیہم السلام کی معیت کے حصول میں اُس مقام تک بلند ہونے کی تمنا کرتے ہیں کہ یہ کہہ سکیں:

؎ ستم بنامِ مشیتؑ اُٹھائے ہیں انور　　کہ ہم مزاجِ مشیتؑ کے راز داں ٹھیرے

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 61

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 62

خُطبہ ﴿110﴾

1۔ دنیا کی مضر چیزوں سے حفاظت کا سامان دنیا کے اندر ہی فراہم کر دیا گیا ہے۔

2۔ دنیا کا وہ تمام سامان جو دنیا ہی کی سہولتوں کے لئے حاصل کیا جائے گا۔
ادھر اس کا حساب لیا جائے گا اور ادھر وہ سامان انسانوں کے ساتھ نہ چلے گا۔

3۔ وہ سامان جو آخرت کے لئے جمع کیا جائے گا۔ ادھر اس کا حساب نہ لیا جائے گا۔
اور ادھر وہ سامان انسانوں سے پہلے ہی پہنچ جائے گا۔

4۔ دنیا عقل مندوں کے لئے بڑھنے اور گھٹنے والا سایہ ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

اَلا وَاِنَّ الدُّنْیَا دَارٌ لا یُسْلَمُ مِنْهَا اِلَّا فِیْهَا ؛	1	یہ سمجھ لو کہ یہ دنیا ایسی جگہ ہے کہ اس کے نقصان پہنچانے والے سامان سے بچاؤ کا سامان خود اسی دنیا میں موجود ہے۔
وَلا یُنْجٰی بِشَیْءٍ كَانَ لَهَا ؛	2	اور دنیا میں دنیا ہی کیلئے جمع کئے ہوئے سامان سے انسانوں کو نجات نہیں مل سکتی ہے۔
اُبْتُلِیَ النَّاسُ بِهَا فِتْنَةً فَمَا اَخَذُوْهُ مِنْهَا لَهَا اُخْرِجُوْا مِنْهُ وَحُوْسِبُوْا عَلَیْهِ ؛	3	دنیا میں انسانوں کو امتحان میں رکھا گیا ہے اس لئے وہ جو کچھ دنیا میں موجود رہ کر دنیا ہی کی سہولت کے لئے فراہم کریں گے وہ اس سے جدا کر دیئے جائیں گے اور ساتھ ہی ان سے حساب اور باز پرس بھی ہوگی۔
وَمَا اَخَذُوْهُ مِنْهَا لِغَیْرِهَا قَدِمُوْا عَلَیْهِ وَاَقَامُوْا فِیْهِ ؛	4	اور جو سامان دنیا میں دنیا کے علاوہ دوسرے مقام کے لئے اکٹھا کریں گے وہ ان سے پہلے وہاں پہنچ جائے گا اور وہ اس جگہ ہمیشہ رہیں گے۔
فَاِنَّهَا عِنْدَ ذَوِی الْعُقُوْلِ كَفَیْءِ الظِّلِّ ؛	5	چنانچہ بات یہ ہوئی کہ یہ دنیا عقل مند لوگوں کے نزدیک کوئی مستقل چیز نہیں بلکہ ایک گھٹنے بڑھنے والے سائے کی طرح ہے۔
بَیْنَا تَرَاهُ سَابِغًا حَتّٰی قَلَصَ ؛	6	وہ اسے ابھی ابھی پھیلتا اور بڑھتا ہوا دیکھتے ہیں یہاں تک کہ وہ سمٹنے لگتا ہے۔
وَزَائِدًا حَتّٰی نَقَصَ ؛	7	اور اس کا اضافہ ناقص ہوتا چلا جاتا ہے۔

تشریحات:

حضور علیہ السلام کی سب سے پہلی بات سب سے اہم اور بنیادی بات ہے۔اس میں سلامتی اور فنا کی طرف متوجہ فرمایا ہے۔اور کہا یہ ہے کہ دنیا میں سلامت رہنے اور فنا و زوال سے بچنے کا سامان فراہم کر دیا گیا ہے۔یعنی اگر سلامتی اور بقا درکار ہو تو کہیں دُنیا سے باہر جانے اور تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔اس سلسلے کا تمام سامان یہیں اردگرد تلاش کرنا چاہئے۔اس سے پہلی حقیقت جو اُبھر کر سامنے آتی ہے یہ اطلاع ہے کہ اگر حضورؑ کے فرمان پر توجہ نہ دی جائے اور دنیا میں زندگی کو زندگی کے فطری ہاتھوں میں سونپ دیا جائے تو فنا ہو جانا اور رفتہ رفتہ مٹتے جانا مقدر شدہ ہے۔لیکن اگر حضورؑ کے پہلے جملے پر غور کیا جائے تو آدمی اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہ رہے گا کہ یہاں انسانوں کو فنا ہونے اور مٹ جانے کے لئے پیدا نہیں کیا گیا ہے بلکہ سلامت رہنے کا سامان اُس کے چاروں طرف پھیلا دیا گیا ہے۔تاکہ وہ خداداد عقل سے کام لے کر فنا کے حملوں سے محفوظ ہو کر بقا کے دامن میں پناہ لے کر سلامتی کی منزل میں جا پہنچے۔مطلب یہ ہوا کہ اِس بیان کا دینے والا خطیب علیہ السلام اِس دُنیا سے اُس میں فراہم کردہ سامان سے اور انسان سے اور فنا اور بقا سے کماحقہ راہ نمائی کی حد تک واقف و مطلع ہے۔اور فنا سے بچنے اور باقی رہنے کے لئے اُسی سے ہدایات و معلومات حاصل کرنا چاہئیں۔ورنہ زندگی تجربوں کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھ کر فنا ہو جائے گی۔دیکھئے ہم حکیم یا طبیب ہیں آپ ڈاکٹر اور سرجن ہیں۔وہ علوم سائنس اور حیاتیات کے ماہر ہیں۔مگر زوال وفنا سے بچنے کی راہ نہیں ملتی روزانہ خود بھی بیمار و علیل ہوتے رہتے ہیں اور اپنے چاروں طرف بیماروں کا ہجوم دیکھتے ہیں ہزاروں مفید اور سلامتی بخش دواؤں اور اشیاء کا علم اور تجربہ حاصل کر چکنے کے بعد بھی کشاں کشاں فنا کی طرف کھنچے چلے جا رہے ہیں۔آیئے غور کیجئے اور اگر ممکن ہو سکے تو وہ راستہ ڈھونڈ نکالئے جس پر چل کر اُس ہستیؑ سے رابطہ قائم ہو جائے جو حضور علیہ السلام سے استفادہ پر فائز کر دے۔آمین ثم آمین۔

دوسرے جملے میں ہر روز اور ہر شخص کو پیش آنے والے حالات پر توجہ دلائی ہے کہ دُنیا میں رہتے ہوئے دنیا میں موجود چیزوں سے چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں ہے۔انہیں استعمال کرنا ہی پڑے گا اُن میں رہنا ہی ہوگا۔ہر زندہ رہنے والا زندگی کے لئے اُن کا محتاج ہے۔اپنے تیسرے اور چوتھے جملے میں حضورؑ نے دنیاوی سامان سے نجات حاصل کرنے کا ایک ایسا بالواسطہ طریقہ بتایا ہے اور اس کی ابتدایوں کی ہے کہ یہ دنیا آخری منزل نہیں ہے۔اس کے بعد ہر شخص کو ایک اور دنیا میں جانا لازم ہے جہاں اُسے اِس دُنیا میں رہنے اور یہاں کے سامان کو استعمال کرنے پر ماخوذ کیا جائے گا۔پھر یہ بتایا ہے کہ اِس دنیا میں جو سامان اِسی دنیا کی سہولتوں اور آسائشوں کے لئے جمع کیا تھا وہ یہیں رہ جائے گا اور دوسری دنیا میں اُس کا حساب بھی دینا پڑے گا۔لیکن جن اشخاص نے دوسری دنیا کو سامنے رکھ کر وہاں کی سہولتوں اور آسائشوں کو مدنظر رکھا ہوگا۔تو دوسری دنیا میں وہ تمام سامان اُن سے پہلے اُن کی سہولت و آسائش کے لئے پہنچ جائے گا۔اور اُس سامان کا اُن سے کوئی حساب بھی نہ لیا جائے گا اور وہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ دوسری دنیا میں سہولتوں اور آسائشوں میں رہیں گے۔اِن جملوں پر غور کرنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ دُنیا میں دُنیا کا سامان استعمال کرنے میں دوسری دنیا کی آسائش اور سہولت کو سامنے رکھنا چاہئے اور وہ طریقہ معلوم کرنا چاہئے کہ جس سے ہم اِس دنیا کے سامان سے یہاں بھی پوری طرح مستفید ہوتے رہیں اور دوسری دنیا میں بھی استفادہ، سہولت اور آسائش جاری رہے اور کوئی حساب کتاب، پوچھ گچھ اور مواخذہ بھی نہ ہو۔یہ دُوہرا تہرا استفادہ کرنے والا بہترین طریقہ پھر خطیب علیہ السلام ہی بتا سکتے ہیں۔وہ طریقہ بتانے والا ایسا شخص ہونا ضروری ہے جو اِس دُنیا سے اور اُس دُنیا سے کماحقہ واقف ہو۔ورنہ ہماری آخرت مشکوک رہتی چلی جائے گی اور ہماری کوششیں اور اعمال ضائع ہو جانے کا اندیشہ برقرار رہے گا۔

اور دوسری دنیا میں پہنچ جانے کے بعد تدارک کی کوئی صورت نہ رہے گی۔ لہٰذا موقع سے فائدہ اُٹھانا عقلمندی ہوگی۔ پھر پانچویں جملے میں حضورؑ اُن عقلمند انسانوں کا ذکر فرماتے ہیں جو اس دنیا کو بحیثیت مجموعی دیکھنے کی قابلیت رکھتے ہیں اور یہاں کے تمام سامان اور متعلقات کو سمیٹ کر ایک سائے کی مثال سے واضح فرماتے ہیں اور چھٹے و ساتویں جملے میں سائے کے بڑھنے اور پھیلنے کی طرف متوجہ کر کے اس دنیا کی بے ثباتی کو واضح فرماتے ہیں اور تنبیہہ کرتے ہیں کہ یہاں کی چیزوں اور حالات پر مطمئن نہیں ہو جانا چاہیئے۔ دیکھنے والوں کو یہاں پر ترقی تنزل اور ہر اضافہ میں نقصان نظر آ سکتا ہے لہٰذا کوشش کرنا چاہیئے کہ فنا کے اِن جھٹکوں اور تھپیڑوں سے بچ کر بقا کی طرف قدم بڑھایا جائے اور صحیح راہنمائی حاصل کی جائے۔

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 62

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 63

خُطبہ ﴿111﴾

1۔دنیا میں کامیاب رہنے کا طریقہ۔2۔دنیا کو آخرت بنا لینے یا آخرت سے بدلنے کی کوشش۔3۔موت کو سامنے رکھنے اور اس کو آسان بنانے کی باتیں۔4۔انسان ایک طویل سفر میں مصروف ہے اسے زادِراہ سمیٹنے میں لگا رہنا چاہیئے۔5۔موت کے بعد دوٹھکانے جنت یا جہنم ہیں۔6۔تمہیں ہر حال میں اپنی جان کا خیر خواہ رہنا چاہیئے۔7۔تمہارے خلاف ابلیس اور اس کی پیدا کردہ تمنائیں اور فریب برسرکار ہیں۔لہٰذا شرمندگی اور رنج والم سے محفوظ رہو۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

فَاتَّقُوا اللّٰهَ عِبَادَ اللّٰهِ ؛	1	اے بندگان خدا تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، ذمہ داری اختیار کرلو۔
وَبَادِرُوْا اٰجَالَكُمْ بِاَعْمَالِكُمْ ؛	2	اور حسن عمل کا ذخیرہ کرنے میں موت پر سبقت لے جاؤ۔
وَابْتَاعُوْا مَا يَبْقٰى لَكُمْ بِمَا يَزُوْلُ عَنْكُمْ ؛	3	اور ضائع ہو جانے والی چیزوں کے بدلے میں وہ چیزیں خرید لو جو کبھی زوال پذیر نہ ہونے پائیں۔
وَتَرَحَّلُوْا فَقَدْ جُدَّ بِكُمْ ؛	4	اور روانگی کا انتظام کرو یقیناً تمہارے سفر میں جلدی درپیش ہے۔
وَاسْتَعِدُّوْا لِلْمَوْتِ فَقَدْ اَظَلَّكُمْ ؛	5	موت سے بچنے میں ہر کوشش کرو بلاشبہ وہ تمہارے اوپر منڈلا رہی ہے یعنی تمہارا ہر لمحہ اس کے زیرِ سایہ گزر رہا ہے۔
وَكُوْنُوْا قَوْمًا صِيْحَ بِهِمْ فَانْتَبَهُوْا ؛	6	تم ایسی قوم بن جاؤ جسے بلند آواز سے پکارنا ہی چوکنا کردے اور وہ سنبھل کر آمادہ ہو جائے۔
وَعَلِمُوْا اَنَّ الدُّنْيَا لَيْسَتْ لَهُمْ بِدَارٍ فَاسْتَبْدَلُوْا ؛	7	اور یہ سمجھ لو کہ یہ دنیا تمہارے لئے مستقل رہنے کی جگہ نہیں۔لہٰذا جلدی جلدی اسے بدل لو۔یعنی اپنے مستقل ٹھکانے میں اپنی جگہ ابھی سے بنا رکھو۔
فَاِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ لَمْ يَخْلُقْكُمْ عَبَثًا	8	یہ ایک مستقل حقیقت ہے کہ اللہ پاک نے تمہیں خواہ مخواہ نہ بلا مقصد کے پیدا کیا ہے
وَلَمْ يَتْرُكْكُمْ سُدًى ؛	9	اور نہ تمہیں بیکار و غیر ذمہ دار چھوڑ رکھا ہے۔
وَمَا بَيْنَ اَحَدِكُمْ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ اَوِ النَّارِ اِلَّا الْمَوْتُ اَنْ يَّنْزِلَ بِهٖ ؛	10	اور یہ کہ آخری منزل تک پہنچنے میں تمہارے درمیان موت ایک رکاوٹ ہے۔موت واقع ہوتے ہی تمہاری منزل جنت ہے یا جہنم ہے۔
وَاِنَّ غَايَةً تَنْقُصُهَا اللَّحْظَةُ	11	وہ مدت حیات جسے ہر گزرنے والا لمحہ کم کرتا جا رہا ہے جسے ہر گھڑی مسمار کر رہی ہے

وَتَهْدِمُهَا السَّاعَةُ لَجَدِيْرَةٌ بِقَصْرِ الْمُدَّةِ ؛		ضروری ہے کہ اس زمانہ کو کم سمجھا جائے۔ یعنی زندگی کو چند روزہ سمجھنا مفید ہے،
وَاِنَّ غَائِبًا يَّحْدُوْهُ الْجَدِيْدَانِ : اَللَّيْلُ وَالنَّهَارُ ، لَحَرِيٌّ بِسُرْعَةِ الْاَوْبَةِ ؛	12	اور ایسا مسافر جسے دن الگ کھینچ رہا ہو اور رات اسے الگ گھسیٹ رہی ہو یہی سمجھے گا کہ اسے اس کی منزل تک جلد ہی پہنچا دیا جانے والا ہے۔ لہٰذا اسے راہ میں الجھ کر نہ رہ جانا چاہئے۔
وَاِنَّ قَادِمًا يَّقْدَمُ بِالْفَوْزِ اَوِ الشِّقْوَةِ لَمُسْتَحِقٌّ لِاَفْضَلِ الْعُدَّةِ ؛	13	نتیجہ میں اس مسافر کو جسے یا تو ہمیشہ کی کامیابی اور کامرانی ملنے والی ہو یا ہمیشہ کی ناکامی سے سابقہ پڑنا ہو وہی تو مستحق ہے کہ اپنا زیادہ سے زیادہ تحفظ کرے۔
فَتَزَوَّدُوْا فِی الدُّنْيَا مِنَ الدُّنْيَا مَاتَحْرُزُوْنَ بِهٖ اَنْفُسَكُمْ غَدًا ؛	14	چنانچہ تم لوگ اس دنیا میں اس دنیا سے وہ تمام زادِ سفر لے لو جس سے کل اپنا بچاؤ کر سکو اور کامیاب ہو جاؤ۔
فَاتَّقٰی عَبْدٌ رَّبَّهٗ نَصَحَ نَفْسَهٗ ؛	15	چنانچہ بندوں کو اپنے پروردگار کے سامنے ذمہ دار رہنا اور اپنے نفس کی خیر خواہی میں نصیحت کرنا چاہئے۔
وَقَدَّمَ تَوْبَتَهٗ ؛	16	اور قبل از وقت اپنی اصلاح پر متوجہ رہنا (توبہ کرنا) چاہئے۔
وَغَلَبَ شَهْوَتَهٗ ؛	17	جسمانی خواہشوں پر غلبہ پالینا چاہئے۔
فَاِنَّ اَجَلَهٗ مَسْتُوْرٌ عَنْهُ ؛	18	خصوصاً جب کہ اس کی آخری گھڑی یا موت اس سے پوشیدہ ہے نہ معلوم کب آجائے۔
وَاَمَلَهٗ خَادِعٌ لَّهٗ ؛	19	اور طرح طرح کی امیدیں اسے فریب میں مبتلا رکھتی ہیں۔
وَالشَّيْطَانُ مُوَكَّلٌ بِهٖ ؛	20	اور شیطان اپنے اوپر توکل کرانے میں مصروف ہے۔ اور
يُزَيِّنُ لَهُ الْمَعْصِيَةَ لِيَرْكَبَهَا ؛	21	اسے گناہوں میں لگانے کے لئے گناہوں کو سجا رہا ہے۔
وَيُمَنِّيْهِ التَّوْبَةَ لِيُسَوِّفَهَا حَتّٰی تَهْجُمَ مَنِيَّتُهٗ عَلَيْهِ اَغْفَلَ مَايَكُوْنُ عَنْهَا ؛	22	اور وہ توبہ کا سہارا دے کر اسے نیکیوں سے غافل اور گناہوں میں مصروف رکھتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ توبہ کا موقع ہی نہیں ملتا اور موت اسے غفلت میں آ کر گھیر لیتی ہے۔
فَيَا لَهَا حَسْرَةً عَلٰی ذِیْ غَفْلَةٍ اَنْ يَّكُوْنَ عُمُرُهٗ عَلَيْهِ حُجَّةً ؛	23	افسوس اس حسرت بھری غفلت کی زندگی پر کہ ایک غافل آدمی کی اپنی ہی عمر اس کے اوپر تباہی کے لئے حجت بن جائے۔
وَاَنْ تُؤَدِّيَهٗ اَيَّامُهٗ اِلٰی شِقْوَةٍ ؛	24	اور یوں اس کی زندگی کا انجام بدبختی و ناکامی کی صورت میں سامنے آئے۔

نَسْأَلُ اللّٰہَ سُبْحَانَہٗ اَنْ یَّجْعَلَنَا وَاِیَّاکُمْ مِمَّنْ لَّا تُبْطِرُہٗ نِعْمَۃٌ ؛	25	ہم تو اللہ پاک سے یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اور تمہیں ایسا بنا دے کہ ہمیں دنیا کی نعمتیں اور سہولتیں سرکش اور نافرمان نہ بنا سکیں۔
وَلَا تُقَصِّرُ بِہٖ عَنْ طَاعَۃِ رَبِّہٖ غَایَۃٌ وَّلَاتَحُلُّ بِہٖ بَعْدَ الْمَوْتِ نَدَامَۃٌ وَّلَا کَآبَۃٌ ؛	26	اور نہ نعمتوں کی وجہ سے ہم اپنے پروردگار کی اطاعت میں کمی کرنے پائیں اور مرنے کے بعد ہمیں ندامت اور رنج والم اور دکھ نہ اٹھانا پڑیں۔'' آمین۔

تشریحات:

اس خطبے میں حضور علیہ السلام نے روزمرہ گزرنے والے حالات پر انسانوں کو متوجہ فرمایا ہے کوئی پیچیدہ مسئلہ سامنے نہیں رکھا ہے جس کو سمجھنے میں دِقت پیش آئے۔ خطبے کا مقصد ومدعا یہ ہے کہ انسان دنیا سے رخصت ہوتے وقت شرمندگی اور ندامت وناکامی سے دوچار نہ ہو۔ دنیا والے پس ماندگان اور عزیز واقارب اور دوست واحباب بھی اُس سے خوش ہوں اور اُس کی جدائی کو ایک نقصان سمجھیں اور اُدھر اللہ ورسولؐ اُس سے راضی اور خوش ہوں اور وہ آخرت کی زندگی میں کامیاب وکامران داخل ہو۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اُسے حضورؑ نے چند نصیحتیں فرمائی ہیں۔ چند چیزوں سے خبردار فرمایا ہے۔ چند رکاوٹوں پر متوجہ کیا ہے۔ چنانچہ پہلی بات تو یہ فرمائی ہے کہ اس دنیا میں رہتے ہوئے ہر وقت یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اُسے اللہ نے ایک مرکزی مقصد کے انجام دینے کی خاطر پیدا کیا ہے۔ اُس کے ذمہ بہت سی ذمہ داریاں لگائی ہیں لہٰذا اُسے اپنے فکر وعمل میں اُن ذمہ داریوں کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔ خلاف ورزیوں اور بے راہ روی سے بچ کر رہنا چاہئے۔ اور چونکہ اُسے یہ معلوم نہیں کہ موت کب آئے گی لہٰذا اُسے جلدی جلدی اپنے حصے کے کام کرتے رہنا چاہئے۔ پھر اُسے یہ معلوم ہے کہ یہاں نوع انسان کا دشمن شیطان بھی موجود ہے اور ہر لمحہ اس فکر میں رہتا ہے کہ اولادِ آدمؑ کو تباہی کی طرف لے جائے اور اللہ کو دیا ہوا چیلنج پورا کر دکھائے۔ لہٰذا ہمیں شیطان کو ایسا موقع نہ دینا چاہئے کہ وہ کامیاب ہوجائے۔ شیطان سے بچنے کے لئے اس خطبے میں سیکڑوں راہوں میں سے دو موٹی موٹی راہیں بتائی ہیں۔ جن کے ذریعہ ہمیں غافل کیا جاتا ہے۔ اور جن کو ہم شیطانی راہیں سمجھنے کے بجائے خود اپنی چیزیں سمجھ کر غفلت میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ اُن میں سے ایک امید ہے۔ اور دوسری آرزو یا تمنا ہے۔ وہ ہمارے دماغ میں اُمیدوں اور آرزوؤں کے راستے سے داخل ہوتا ہے۔ ہمیں بہت خوش آئند اُمیدوں اور آرزوؤں میں لگا دیتا ہے اور ہم اُمیدوں اور آرزوؤں میں لگ کر باقی ذمہ داریوں کو بھول جاتے ہیں اور ایک اُمید کے بر آنے پر دوسری اُمید قائم کرلیتے ہیں۔ ایک آرزو پوری ہونے پر دوسری آرزو ہمارے سامنے آ کھڑی ہوتی ہے یوں ہم اس کے جال میں پھنستے چلے جاتے ہیں۔ خوشحالی کی آرزو کو ہم فطری سمجھتے ہیں لیکن ہم جو کچھ سمجھتے ہیں اُس میں ہم سے غلطی بھی ہوتی ہے اور شیطان اسی تاک میں رہتا ہے کہ ہم کہاں غلطی کرتے ہیں؟ اور وہیں سے وہ ہمیں غلط طرف موڑ لے جاتا ہے۔ اگر ہم اُمیدوں اور آرزوؤں کے جنجال سے دُور رہیں تو دنیا میں کام کیسے کریں؟ ہر کام کرنے سے پہلے ایک آرزو ہوتی ہے اُس آرزو کے لئے ہم کام کرتے ہیں اور آرزو کے پورا ہونے کی ہمیں اُمید ہوتی ہے۔ اُمیدوں اور آرزوؤں کے سہارے ہی تو ہم کام کرتے ہیں ورنہ کسی کام کے کرنے کا جذبہ ہی پیدا نہ ہوگا۔ یوں ہم شیطان کو نظر انداز کرکے کاموں اور کاموں کے نتائج کی اُمید اور آرزو میں لگے رہتے ہیں اور گویا خود کو شیطان کے ہاتھوں میں سونپ دیتے ہیں اور اسی سے منع کیا گیا ہے۔ تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اُمید ہو نہ آرزو ہو تو کوئی کام بھی کرنے کی ضرورت نہ رہے گی۔ یہ بات صحیح ہے اور اِسی کو سمجھانے کے لئے کہا گیا تھا کہ تم کو خواہ مخواہ اور بیکار پیدا نہیں کیا گیا ہے۔

یعنی تمہاری پیدائش کا ایک مقصد ہے۔اور کہا گیا تھا کہ تمہیں اللہ کے سامنے ذمہ دار رہنا ہے۔بس یہ دونوں باتیں بتاتی ہیں کہ تمہیں ہر کام خدائی مقصد کے ماتحت کرنا ہوگا اور جو ذمہ داری تم پر عائد کی گئی ہے۔اُس کو پورا کرنے کی آرزو رکھنا ہوگی اور ذمہ داریوں کے عہدہ برآ ہونے کی اُمید میں کام کرنا ہوگا۔یعنی تم خود ساختہ اور خودرو اُمیدوں اور آرزوؤں کو چھوڑ دو۔اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کے ماتحت کام کرو اور صرف وہی اُمیدیں اور آرزوئیں رکھو جو تمہارے فرائض سے تعلق رکھتی ہوں۔یعنی تمہاری آرزوئیں اُمیدیں،تصورات اور اعمال وہی ہونا چاہئے جو تمہیں تمہارے مقصد میں کامیاب کرنے والے ہوں۔یوں شیطان کا عمل دخل ختم ہو جائے گا۔تمہارا ہر کام،ہر خیال،ہر اُمید،ہر آرزو وہی ہوگی جو اللہ نے بتائی ہے۔اللہ کے احکامات سے اِدھر اُدھر ہٹنا ہی تو شیطان کو آگے بڑھنے کا موقع دیتا ہے۔لہٰذا خود کو،اپنے اعمال وتصورات واختیارات کو کلیتاً معصومؑ راہنما کے حوالے کر دو تو وہ تمام دِقتیں اور اُلجھنیں پیش ہی نہ آئیں گی جن کا خطبے میں ذکر ہوا ہے۔جب تم نے اپنا مرنا جینا امامؑ زمانہ کے سپرد کر دیا تو تم سر سے پیر تک متقی اور پرہیزگار اور ذمہ دار بن گئے۔

اگر تم نے خود کو سو فیصد معصومؑ راہنما کے حوالے کر دیا اور صرف معصوم ہدایات پر عمل کرنا شروع کر دیا تو تمہیں اس کی فکر کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں کہ موت کب آتی ہے۔آتی بھی ہے کہ نہیں آتی ہے؟تمہیں اُن چیزوں کا پتہ لگانا آسان ہو جائے گا جو آخرت تک پہنچنے والی اور دنیا ہی میں ضائع ہو جانے والی ہوں۔اب تمہیں روانگی میں جلدی کرنے کی ضرورت ہی نہ رہے گی اس لئے کہ تم معصوم مشن کی خدمات انجام دے رہے ہو اور چاہو گے کہ جتنی طویل زندگی ہو اچھا ہے کہ زیادہ سے زیادہ خدمات انجام دے سکو۔یاد رکھو کہ اس صورت میں موت تمہارے بجائے دشمنانِ محمدؐ وآلِ محمدؐ کے سروں پر منڈلائے گی۔اس لئے کہ تم تو اُس قوم میں داخل ہو گئے جو معصوم آواز پر لبیک کہنے والی اور اُن کے اشاروں پر قربان ہو جانے والی قوم ہے یعنی تم انصاران امام زمانہ علیہ السلام میں داخل ہو گئے ہو۔اور ہر وقت دامن لپیٹے کمر باندھے مستعد رہتے ہو۔تم نے تو اس دنیا اور اس کے متعلقات کو اپنے معصوم راہنما کے حوالے کر دیا ہے لہٰذا تمہاری دنیا اب یہ دنیا نہیں ہے تم نے اپنی جگہ قرب محمد وآل محمد علیہم السلام میں بنالی ہے۔تمہیں تو اب اُن کی قربت سے اور کوئی چیز پیاری نہیں ہے اُن کا قرب جنت سے بھی زیادہ اہم اور قیمتی ہے۔تم تو جنت سے زیادہ پیارے مقام میں اپنا ٹھکانہ بنا چکے ہو۔تمہاری تو موت بھی زندگی سے بدل چکی ہے۔

حضور علیہ السلام نے اس خطبہ نمبر 111 میں عوام وخواص سب کو مخاطب فرمایا ہے اور یہ اُمید کی ہے کی مخاطبین میں سے غور وفکر کرنے والے دانشمند لوگ راہ میں اُلجھنے سے بچ کر خطیبؑ کی معرفت حاصل کرلیں گے۔اور بجائے دن اور رات کے دھکے کھانے کے اپنی لگام معصومؑ ہاتھوں میں سونپ دیں گے اور نتیجے میں مستقل کامیابی کے مستحق بن کر ناکامیوں سے محفوظ ہو جائیں گے۔اور یوں خود امامؑ زمانہ کو اپنا زادِ سفر بنا کر آخرت کی راہ چلیں گے۔اور اللہ کے ذمہ دار بندے بن کر اپنی ذات کے صحیح خیر خواہ بن جائیں گے۔اپنی ذات اور ذاتی خواہش،اپنے ارادے اور تمام اختیارات معصومؑ راہنما کے سپرد کر دیئے تو اب خواہشوں پر غلبہ پانے کی ضرورت ہی نہ رہی۔نہ اپنی ذاتی امیدیں اپنی رہیں نہ تمنائیں باقی رہیں نہ شیطان کو تکلیف کرنے کی ضرورت رہی۔حضورؑ کی دعا قبول ہوگئی وہ چاہتے تھے کہ ہماری سرکشی اور نافرمانی کی تمام راہیں بند ہو جائیں۔بس آن کی آن میں ہم نے وہ تمام اُلجھنیں راہ سے ہٹا دیں۔خود کو حضورؑ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدموں میں ڈال دیا اور یوں موت سے پہلے ہی ندامت ورنج والم اور دکھ کو خیر باد کہہ کر مسرتوں کامیابیوں فلاح ونجات کو حاصل کرلیا۔معصومؑ کا دامن تھام لینا اور خطا کاروں کو راہ سے ہٹا دینا ہی کامیابی ونجات ہے۔

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر: 63

علی نقی طہرانی: خطبہ نمبر: 64

خُطبہ ﴿112﴾

صفات وعجائبات خداوندی پر علم اور بیانات

1۔صفاتِ خداوندی ایک دوسری پر مقدم وموخر نہیں؟ 2۔اللہ کے سواکسی اور کوایک کہنا یا وحدت سے موصوف کرنا صحیح بات نہیں۔

3۔اللہ کے علاوہ اور نہ کوئی صاحب غلبہ ہے نہ قوی ہے نہ مالک ہے نہ مستقل عالم ہے نہ قادر ہے نہ سمیع ہے نہ بصیر ہے۔

4۔تخلیق کائنات نہ حصول اقتدار کے لئے کی نہ تحفظ کے لئے نہ مقابلے کے لئے کی ہے۔

5۔کسی مخلوق میں سمایا نہیں نہ جدا رہا ہے۔

6۔تخلیق سے تھکا نہیں نہ عاجز ہوا نہ فارغ ہوا نہ شبہ میں مبتلا ہوا۔اس لئے کہ اس کا علم محکم اور احکام قطعی اور فیصلے اٹل ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

اَلۡحَمۡدُلِلّٰهِ الَّذِیۡ لَمۡ تَسۡبِقۡ لَهٗ حَالٌ حَالًا ؛	1	تمام ستائش اس اللہ کیلئے مخصوص ہیں جس کی کوئی حالت دوسری حالتوں پر سبقت نہیں رکھتی۔
فَیَکُوۡنَ اَوَّلًا قَبۡلَ اَنۡ یَکُوۡنَ اٰخِرًا ؛	2	یعنی یہ نہیں کہ آخر ہونے سے پہلے اوّل رہا ہو اور اوّل ہونے کے وقت آخر نہ ہو۔
وَیَکُوۡنَ ظَاهِرًا قَبۡلَ اَنۡ یَکُوۡنَ بَاطِنًا	3	یا پوشیدہ ہونے سے پہلے صرف ظاہر رہا ہو یعنی وہ ظاہر و باطن بیک وقت رہا ہے۔
کُلُّ مُسَمًّى بِالۡوَحۡدَةِ غَیۡرُهٗ قَلِیۡلٌ ؛	4	ہر وہ چیز جو وحدت کے نام سے موسوم ہے اللہ کے علاوہ قلت یا کثرت سے دوچار ہے۔
وَکُلُّ عَزِیۡزٍ غَیۡرُهٗ ذَلِیۡلٌ ؛	5	اللہ کے علاوہ ہر غالب کہلانے والی چیز ذلیل ومغلوب ہوتی ہے۔
وَکُلُّ قَوِیٍّ غَیۡرُهٗ ضَعِیۡفٌ ؛	6	اس کے علاوہ ہر قوی چیز کمزور ہے۔
وَکُلُّ مَالِکٍ غَیۡرُهٗ مَمۡلُوۡکٌ ؛	7	اس کے علاوہ ہر مالک مملوک ہے۔یعنی خود اللہ کی ملکیت ہے۔
وَکُلُّ عَالِمٍ غَیۡرُهٗ مُتَعَلِّمٌ ؛	8	اس کے علاوہ ہر عالم کہلانے والا طالب علم ہے۔
وَکُلُّ قَادِرٍ غَیۡرُهٗ یَقۡدِرُ وَیَعۡجِزُ ؛	9	اس کے علاوہ ہر صاحب قدر کہلانے والا کبھی قادر ہوتا ہے اور کبھی عاجز ہوتا ہے۔
وَکُلُّ سَمِیۡعٍ غَیۡرُهٗ یَصَمُّ عَنۡ لَطِیۡفِ الۡاَصۡوَاتِ وَیُصِمُّهٗ کَبِیۡرُهَا وَیَذۡهَبُ عَنۡهُ مَا بَعُدَ مِنۡهَا ؛	10	اور اللہ کے علاوہ تمام سننے والے خفیف ولطیف آوازوں کو سننے سے بہرے ہوتے ہیں۔ اور بڑی اونچی آوازیں انہیں بہرا کر دیتی ہیں اور حد سے دور کی آوازیں ان کے کان پکڑ نہیں سکتے۔یعنی ان کی سماعت محدود ہوتی ہے۔

وَ كُـلُّ بَصِيرٍ غَيْرُهُ يَعْمٰى عَنْ خَفِيِّ الْاَلْوَانِ وَلَطِيفِ الْاَجْسَامِ ؛	11	اور اللہ کے علاوہ باقی تمام دیکھنے والے ہلکے رنگوں اور لطیف جسموں کو دیکھنے سے اندھے ہوتے ہیں۔ (یہی سبب ہے کہ مائکروسکوپ ایجاد کی گئی، دوربین بنائی گئی پھر بھی ہم اندھے ہیں)۔
وَ كُلُّ ظَاهِرٍ غَيْرُهُ غَيْرُ بَاطِنٍ ؛	12	اور اللہ کے علاوہ تمام ظاہر چیزیں صرف ظاہر ہیں بیک وقت پوشیدہ نہیں ہیں۔
وَ كُلُّ بَاطِنٍ غَيْرُهُ غَيْرُ ظَاهِرٍ ؛	13	اور اس کے علاوہ پوشیدہ چیزیں پوشیدہ ہیں ظاہر نہیں ہیں۔
لَمْ يَخْلُقْ مَاخَلَقَهُ لِتَشْدِيدِ سُلْطَانٍ ؛	14	جو کچھ بھی اللہ نے پیدا کیا ہے وہ اپنی طاقت واقتدار اور سلطانی میں اضافہ کے لئے پیدا نہیں کیا۔
وَلَا تَخَوُّفٍ مِنْ عَوَاقِبِ الزَّمَانِ ؛	15	اور نہ اس لئے پیدا کیا کہ اُسے کسی سے کسی قسم کا خطرہ یا زمانہ کے تکلیف دینے والے حالات کا خوف تھا۔
وَلَا اسْتِعَانَةٍ عَلٰى نِدٍّمُثَاوِرٍ ؛	16	اور نہ ہی کسی برابر والے کے مقابلے میں مدد لینے کے لئے پیدا کیا۔
وَلَا شَرِيكٍ مُّكَاثِرٍ ؛	17	اور نہ کسی شریک کی فراوانی روکنے کے لئے پیدا کیا۔
وَلَا ضِدٍّ مُّنَافِرٍ؛	18	نہ کسی نفرت کرنے والے کی ضد میں کائنات پیدا کی ہے۔
وَلٰكِنْ خَلَائِقُ مَرْ بُوْبُوْنَ ؛	19	ولیکن تمام مخلوقات کو ربوبیت کے لئے پیدا کیا ہے۔
وَعِبَادٌ دَاخِرُوْنَ ؛	20	اور وہ سب عاجز وحقیر بندے ہیں۔
لَمْ يَحْلُلْ فِى الْاَشْيَآءِ فَيُقَالَ:	21	اور اللہ چیزوں کے اندر گُھل کر حل نہیں ہوگیا کہ کوئی کہے:
هُوَفِيهَا كَائِنٌ ؛	22	کہ اللہ چیزوں کے اندر رہ کر تکوین کرتا ہے۔
وَلَمْ يَنَأَ عَنْهَا فَيُقَال:	23	اور نہ وہ مخلوقات سے دور ہے جو یہ کہا جائے کہ
هُوَمِنْهَا بَائِنٌ ؛	24	اللہ مخلوقات سے لاتعلق اور دور ہے۔
لَمْ يَؤُدْهُ خَلْقُ مَاابْتَدَأَ؛	25	جن چیزوں کو اس نے ابتدا میں بنایا تھا انہوں نے اسے تھکایا نہ تھا۔
وَلَا تَدْبِيرُ مَاذَرَأَ؛	26	اور تخلیق کی تدبیر نے اسے خستہ حال نہیں کیا تھا۔
وَلَا وَقَفَ بِهٖ عَجْزٌ عَمَّا خَلَقَ ؛	27	اور نہ تخلیق کے دوران وقفہ کسی عاجزی یا احتیاج کی بنا پر دیا گیا تھا۔
وَلَا وَلَجَتْ عَلَيْهِ شُبْهَةٌ فِيْمَا قَضٰى وَقَدَّرَ ؛	28	اور نہ ہی اسے اپنے فیصلوں اور تقدیروں کے سلسلے میں کوئی شبہ لاحق ہوا تھا۔
بَلْ قَضَآءٌ مُتْقَنٌ ؛	29	بلکہ اس کا ہر فیصلہ بالکل استوار اور صحیح ہے۔

وَعِلْمٌ مُحْكَمٌ ؛	30	اور اس کا علم محکم ہے۔
وَاَمْرٌ مُبْرَمٌ ؛	31	اور اس کا حکم ٹلنے والا نہیں ہے۔
اَلْمَامُوْلُ مَعَ النِّقَمِ ؛	32	مصیبت میں بھی اللہ ہی سے امید لگی رہتی ہے۔اور
اَلْمَرْهُوْبُ مَعَ النِّعَمِ ؛	33	نعمتوں کے ملنے پر بھی اس کا ڈر لگا رہتا ہے۔

نوٹ اس خطبے کی تشریح میں یہ خیال رہے کہ مسلمان علما نے یہ طے کر رکھا ہے کہ:

''اللہ جب سے موجود ہے اُس وقت سے وہ خالق نہ تھا۔اگر وہ ابتدا ہی سے خالق ہوتا تو مخلوق بھی اُسی کی طرح قدیم سے موجود ہوتی اور قدیم صرف ایک یعنی اللہ ہے۔لہٰذا اللہ نے تخلیق کا کام بعد میں شروع کیا تھا یعنی وہ خالقیت کی صفت میں موخر ہے۔''

اور یہ خطبہ اُن کی تردید کرتا ہے۔

تشریحات:

سب سے پہلے قارئین یہ بات نوٹ کرلیں کہ بعض علما نے یہ کہا ہے کہ اللہ شروع سے خالق نہ تھا اگر وہ خالق ہوتا تو اللہ کی مخلوقات بھی شروع سے ساتھ ساتھ ہوتی اور اگر ایسا نہ ہوتا تو مخلوق کو بھی قدیم ماننا پڑتا اور قدیم صرف ایک ہی ہوسکتا ہے اور وہی اللہ ہے لہٰذا اُن علما نے کہا کہ نہ اللہ شروع سے خالق تھا نہ مخلوق شروع سے موجود ہے۔علما کی یہ بات مان لی جائے تو اللہ کی صفت خالقیت کو موخر کرنا پڑے گا۔ جو حضرت علی علیہ السلام کے اس خطبہ نمبر 112 کے خلاف ہے۔لہٰذا بات یہ ہوئی کہ اللہ ہمیشہ سے خالق ہے مگر تخلیق اُس نے جب چاہا، کی تھی۔یعنی یہ کہا جاسکتا ہے کہ خالقیت کا ظہور بعد میں ہوا تھا۔لیکن صفتِ خالقیت اللہ میں ہمیشہ سے موجود تھی۔

دوسری بات یہ نوٹ کریں کہ اللہ کی ذات پاک اور اُس کی صفات بیان کرنے میں جراٴت سے کام نہ لیا کریں۔یہ کام معصومین علیہم السلام کے لئے مخصوص کردیں اور اگر صفات خداوندی بیان کرنا پڑ ہی جائیں تو اُسی حد تک اور اُن ہی الفاظ میں بیان کریں جو قرآن کریم میں اور آئمہ معصومین علیہم السلام کی صحیح احادیث میں استعمال کی گئی ہیں۔ورنہ ہوسکتا ہے کہ آپ کوئی ایسا لفظ یا ایسی صورت سامنے لے آئیں جو تمہیں دین ہی سے خارج کردے اور تمہیں احساس وشعور تک نہ ہو۔اس معاملے میں یہ کہنا زیادہ محفوظ رکھتا ہے کہ میں اللہ کو ذاتی طور پر نہیں جانتا ہوں۔جس قدر محمد وآل محمد علیہم السلام نے بیان فرمایا اور میں سمجھ سکا، میں اُتنا ہی جانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ میرے سمجھنے میں اور بیان کرنے میں غلطی ہوجانے کا امکان ہے۔لہٰذا مجھے اللہ کے متعلق بیان دینے سے معاف کردیا جائے میں نہیں چاہتا کہ میں گناہ گار رہوں۔

چنانچہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی زبانی جناب محمد بن حکیم رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ:

عَنْ مُحمّد بن حكيم قَالَ: كَتَبَ ابو الحسن موسىٰ بن جعفر عليه السلام اِلٰى اَبِىْ: "اَنَّ اللّٰهَ اَعْلاَ وَاَجلّ وَاَعْظَمُ مِنْ اَنْ يَّبْلَغُ كُنْهُ صِفَتِهٖ فَصِفُوْهُ بِمَا وَصَفَ بِهٖ نَفْسِهٖ وَكُفُّوْا عَمَّاسَوٰى ذٰلِكَ۔ (کافی کتاب التوحید حدیث نمبر 6)

حضورؑ نے میرے والد کو لکھا کہ یقیناً اللہ اس سے بلند وبالا اور اعظم واعلیٰ ہے کہ کوئی اُس کی صفات کی حقیقت کو سمجھ سکے لہٰذا تم اللہ کی وہی صفات بیان کیا کرو جو خود اُس نے اپنے لئے بیان کی ہیں۔اُس کے علاوہ بیانات سے منہ بند رکھا کرو۔''

لہٰذا ہمیں اُن حدود میں محدود رہنا لازم ہے جو قرآن اور حدیث عموماً اور حضرت علی علیہ السلام نے خصوصاً قائم کردی ہیں۔ چنانچہ خطبہ زیرِتشریح میں یہ بات واضح ہے کہ اللہ کی کوئی صفت باقی صفات سے الگ کر کے بیان کرنا غلط ہے۔ جب ہم اللہ کو رحیم کہتے ہیں تو عین اُسی وقت وہ قہار و جبار بھی ہے۔ یعنی تمام صفات اللہ میں ہر وقت و ہر حالت میں مجتمع ماننا لازم ہے اور یہ حقیقت خطبہ کی ابتدا سے تیسرے جملے تک واضح کردی گئی ہے۔ اور اس کا سمجھنا اس لئے مشکل ہے کہ ہم سے ہر صفت الگ الگ ظہور میں آتی ہے۔ یعنی جب ہم خوش ہیں تو ناراضی، غصہ اور غم و رنجیدگی ہم سے جدا رہتے ہیں۔ ہماری ہر صفت ہماری باقی صفات کی نفی کرتی ہے۔ لہٰذا اللہ کو اپنی طرح کا رحیم و کریم نہ سمجھنا چاہئے۔ وہ اپنی کسی صفت میں ہماری طرح نہیں ہے۔ ہم بہت سی چیزوں کو واحد یا ایک کہتے ہیں۔ مگر ضروری ہے کہ وہ ایک نہ ہو۔ وہ ضرور ایک مرکب کی صورت میں ہوتا ہے۔ مثلاً ایک کا ہندسہ چند نقطوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ ایک شخص خود چند چیزوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ ایک اُنگلی میں کئی جوڑ، ہڈیاں، گوشت، رگیں اور کھال وغیرہ ہوتے ہیں وہ چیزیں جنہیں ہم بسیط کہتے ہیں وہ بھی خالص نہیں ہوتے۔ اور پھر ہر چیز کسروں میں تقسیم ہوجاتی ہے اور اب تو اجزائے لاتیجزیٰ بھی یعنی ایٹم کو بھی توڑ دیا گیا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ اللہ کے سوا نہ کوئی واحد ہے نہ احد ہے نہ تنہا ہے نہ یگانہ ہے۔ ہماری زبانیں اُس مطلب ومنشا کو ادا کرنے کے لئے الفاظ کا ذخیرہ ہی نہیں رکھتیں جو اللہ و معصومین علیہم السلام استعمال کرتے ہیں۔ لہٰذا ہماری زبان کا ہر لفظ ایک محدود تصور کی تصدیق کرتا ہے۔ اور اسی نقص کو حضورؑ نے مثالیں دے کر دس جملوں (4 تا 13) میں واضح فرمایا ہے اور بڑے آسان الفاظ میں حقیقت کو سامنے رکھ دیا۔ چنانچہ ہر غالب، ہر قوی، ہر مالک، ہر عالم اور ہر قادر خود دوسرے انسانوں کے سامنے اور پھر اللہ کے سامنے عاجز و مغلوب وضعیف و جاہل اور محتاج اور کسی اور کی ملکیت ہے۔ چھ سات فٹ کا تندرست و توانا شخص غصہ اور دل اور جذبات کے سامنے مغلوب و بے بس ہوجاتا ہے۔ فالج کا ایک جھٹکا بڑے بڑے پہلوانوں کو مجبور کردیتا ہے۔ ہم برائے نام سمیع و بصیر ہیں۔ ہمارا سننا اور دیکھنا تو ہمیں معلوم ہے کہ محدود ہے ورنہ ہم نے مائکرواسکوپ اور دُوربینیں نہ بنائی ہوتیں سماعت کے آلات نہ ایجاد کئے ہوتے۔ آج ہم لاکھوں میل دُور کی چیزوں کو اسی لئے دیکھ رہے ہیں کہ ہمیں ہماری کمزوری کا علم عطا کردیا گیا ہے۔ آج ہم ہزاروں میل دور کی آوازیں سن سکتے ہیں۔ لیکن ابھی تک ہم نہ چیونٹی کی آواز سن سکتے ہیں نہ سمجھ سکتے ہیں (سورہ نمل 16 تا 27/24)۔ بہرحال وہ دن آئیں گے جب نوعِ انسان کو اس کائنات کی ہر چیز کو مسخر و مطیع کرنے کا علم عطا کیا جائے گا۔ حضرت حجۃ قائم آلِ محمدؑ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توجہات انسان کو لامحدود بصیرت و بصارت عطا کرنے کی طرف مائل ہیں، حقداروں کو بتدریج علوم کائنات عطا کئے جا رہے ہیں، صرف دشمنانِ محمدؐ و آلِ محمدؐ محروم رکھے گئے ہیں اور مجبور ہیں کہ وہ اپنے کافر و بے دین قرار دیئے ہوئے لوگوں سے سیکھیں یا بھیک مانگیں۔

حضورؑ نے چھ سات جملوں میں (خطبہ 112، جملے 9 تا 14) تخلیق کا سبب بتایا ہے اور اُن تمام توجیہات کی نفی کردی ہے جن سے ذاتِ خالق میں عیب و نقص ثابت ہوتا ہے اور چونکہ عوام مخاطب ہیں اس لئے الفاظ اور توجیہات کو سادہ رکھا ہے۔ ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ جن جن چیزوں کی اللہ کے تعارف میں ضرورت تھی وہ سب محمدؐ و آلِ محمدؐ کے لئے پیدا کی گئی تھیں تاکہ وہ مخلوق پر ظہورِ خداوندی کو ہویدا کرسکیں۔ اُن کی ذمہ داری اور تخلیق کی غرض ہی یہ تھی کہ وہ بندوں سے اللہ کا تعارف کرائیں۔ یہ اللہ کا تعارف ہی نہیں بلکہ تعارف کے ساتھ سادہ زبان میں دینی عقائد بھی ہیں کہ تم یہاں اللہ کے سوا کسی کو نہ غالب سمجھو نہ قوی قرار دو۔ نہ کسی کو مالک سمجھو نہ کوئی اللہ کے سوا عالم ہے نہ کوئی ہر حال میں ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ اللہ ہی یہاں سب سے پہلی ہستی ہے وہی آخر تک قائم و دائم ہے اپنی تمام صفات کے ساتھ ہر وقت موجود ہے۔ وہی حقیقی سننے والا اور دیکھنے والا ہے وہ ہی سماعت و بصارت و علم و قدرت و طاقت کو حدود فراموش بنا سکتا ہے۔ وہ تمہیں لطیف سے لطیف چیز کو دیکھنے کی طاقت دے سکتا ہے۔ یہ بات خود

بخو دسمجھ میں آسکتی ہے کہ خطیب علیہ السلام جو کچھ فرمار ہے ہیں وہ اُن کے علم و تجربے میں آئی ہوئی حقیقتیں ہیں اور وہ تمام مخاطبین کو اُن تمام حقائق کو دیکھنے سمجھنے اور سمجھانے کا علم وقدرت فراہم کر سکتے ہیں۔ جو خود خدا سے متعارف نہ ہو وہ دوسروں کو کیسے تعارف کرا سکے گا؟ وہ کیسے بتا سکے گا کہ اللہ مخلوق کو پیدا کرنے میں نہ تھکا نہ اُکتایا، نہ مخلوق سے کسی قسم کا فائدہ اُٹھایا نہ اُسے مخلوق کی احتیاج اور ضرورت تھی۔ نہ وہ مخلوق کے اندر گھلا اور ملا ہوا ہے نہ وہ اُن سے جدا و دور ہے وہ اُن کے اندر بھی ہے اور باہر بھی ہے۔ وہ مخلوق کے ساتھ تقسیم نہیں ہوسکتا۔ ایسا نہیں ہے کہ کسی انسان کا ہاتھ کاٹا جائے تو اللہ کا بھی کچھ حصہ کٹ جائے۔ وہ اُن کے اندر کی اور باہر کی ہر ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ ایسا تعارف وہی کرا سکتا ہے جو قرب خداوندی میں اُس حد پر رہا ہو جہاں سے وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق عین الیقین حاصل کر سکے۔ گویا اُس کی تمام باتیں اُس کا مشاہدہ ہوں جس نے نہ صرف تمام مخلوقات کو بچشم خود دیکھا ہو بلکہ اُن کی تخلیق کے دوران مراحلِ تخلیق کو دیکھنے کے لئے حاضر و موجود رکھا گیا ہو اور تخلیق کے سلسلے میں اپنے حصہ کے فرائض ادا کرتا رہا ہو۔ وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ اللہ تخلیق کے دوران وقفہ میں تھکا ہوا نہیں تھا۔ نہ تخلیق کے دوران کوئی شبہ واقع ہوا تھا۔ اور اللہ کا ہر فیصلہ اور ہر قانون مستقلاً صحیح اور قطعی ہوتا ہے اور اُس کا کوئی حکم ٹلنے والا یا بدلنے والا نہیں ہوا کرتا۔ اور یہ قدرت اُسی کو حاصل ہوسکتی ہے کہ مشکل ترین مسائل کو آسان ترین الفاظ میں بیان کردے جو اُدھر اللہ سے واصل رہتا ہو اور اِدھر مخلوق میں شامل رہ کر کائنات کی ہر چیز سے اُسی طرح واقف ہو جس طرح اُن کا خالق واقف و عالم ہے۔ تاکہ وہ کائناتی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں اللہ سے مدد اور استعانت چاہیں اور مشکلات میں الجھے ہوؤں کی مشکل کُشائی کریں اور پس ماندہ اور پچھڑے ہوئے لوگوں کی دستگیری فرمائیں۔

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 65

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 66

خُطبہ ﴿113﴾

قریش کی دلیل اور خلافت کو باطل قرار دیا ہے۔

1۔انصار کا یہ کہنا کہ ''ایک حاکم ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے ہو۔'' (**مِنَّا اَمِيْرٌ وَّ مِنْكُمْ اَمِيْرٌ**) حدیث سے باطل قرار دیا۔

2۔قریش کا خود کو شجرہ رسولؐ سے کہنا عملاً باطل ہو گیا اور وہ فریب ساز بھی ثابت ہو گئے۔

3۔اور قریش کا رسولؐ کے شجرہ کے پھلوں کو ضائع کرنا ثابت ہو گیا۔

3۔انصار کے بُرے لوگوں کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرنے اور ان کی برائیوں سے چشم پوشی کرنے کا ثبوت مل گیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَالَ عَلَيْهِ السَّلَام مَا قَالَتِ الْاَنْصَارُ؟ قَالُوْا:	1	علی علیہ السلام نے پوچھا کہ انصار نے کیا کہا تھا؟ وہ بولے کہ انصار نے کہا کہ:
قَالَتْ مِنَّا اَمِيْرٌ وَّمِنْكُمْ اَمِيْرٌ ؛	2	''ایک حاکم ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے''
قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ :فَهَلَّا احْتَجَجْتُمْ عَلَيْهِمْ بِاَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَصّٰى بِاَنْ يُّحْسَنَ اِلٰى مُحْسِنِهِمْ ؛	3	علی علیہ السلام نے فرمایا کہ تم نے انصار پر یہ حجت کیوں پیش نہ کی کہ رسولؐ اللہ نے وصیت کی تھی کہ انصار کے احسان پیشہ لوگوں کے ساتھ تم احسان سے پیش آیا کرنا۔
وَيَتَجَاوَزَعَنْ مُّسِيْئِهِمْ ؛	4	اور ان کے بُرے لوگوں کی برائیوں سے درگزر کیا کرنا۔
قَالُوْا:وَمَافِيْ هٰذَا مِنَ الْحُجَّةِ عَلَيْهِمْ؟	5	انہوں نے پوچھا کہ اس وصیت میں انصار پر کیا حجت قائم ہو جاتی؟
فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامَ :لَوْكَانَتِ الْاِمَارَةُ فِيْهِمْ لَمْ تَكُنِ الْوَصِيَّةُ بِهِمْ ؛	6	علی علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر انصار کے لئے حکومت ہوتی تو دوسروں کو ان کے لئے وصیت کی ضرورت نہ تھی۔یعنی پھر وہ اپنے حقوق لینے میں خود ہی مختار ہوتے۔دوسروں کے ہاتھوں کی طرف دیکھنے کے محتاج نہ ہوتے۔
ثُمَّ قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامَ فَمَاذَا قَالَتْ قُرَيْشُ؟	7	پھر علی علیہ السلام نے پوچھا کہ قریش نے کیا دلیل پیش کی تھی؟
قَالُوْا :اَحْتَجَّتْ بِاَنَّهَا شَجَرَةُ الرَّسُوْلِ ؛ فَقَا لَ عَلَيْهِ السَّلَامُ : اَحْتَجُّوْا بِالشَّجَرَةِ وَاَضَاعُوا الثَّمَرَةَ ؛	8	انہوں نے بتایا کہ قریش نے اپنا شجرہ رسولؐ سے ہونے کی حجت قائم کی تھی تب علی علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''قریش نے درختؐ کو تو حجت بنالیا مگر درخت کے پھلوںؑ کو ضائع کر دیا''

تشریحات:

خطبہ کا پس منظر یہ ہے کہ جب سقیفہ بنی ساعدہ میں چند آدمیوں نے ابوبکر کی بیعت کر لی تو حضرت علی علیہ السلام کو اس واقعہ کی اطلاع دی گئی۔ آپؑ نے وہاں خلافت کی بنیادی گفتگو معلوم کی تو انصار اور قریش دونوں کی دلیل و حجت کو باطل قرار دے دیا۔ اور صرف چند جملوں میں دونوں پر اپنے حقِ خلافت کو مقدم ثابت کر دیا۔ ایک مسلمہ حدیث سے انصار حقِ خلافت سے محروم ثابت ہو گئے اور قریش کی دلیل پلٹ کر اُن کے خلاف حضرت علی علیہ السلام کو رسوؐل کی حکومت کا حق دار ثابت کر دیتی ہے۔

1۔ خلافت اور حقِ خلافت پر قریش کے پاس نہ اُس وقت کوئی دلیل تھی نہ آج تک ہے۔

خلافت اور حقِ خلافت پر ہم نے بیان الامامت میں بار بار اور طرح طرح سے دلائل وثبوت کے انبار لگا دیئے ہیں اور ہمارے قاری حضرت علی علیہ السلام کی حقانیت پر مطمئن ہیں اور مزید بحث کی احتیاج نہیں ہے۔ اِس کے باوجود ہمیں چند بنیادی باتیں یہاں بھی عرض کرنا ہیں۔ اُن میں سے ایک عمر کا بیان بھی ہے اور ابوبکر کی دلیل بھی پیش کرنا ہے۔

2۔ ابوبکر و عمر نے انصار کے سامنے مہاجرین کو رسولؐ کے خاندان والے اور رسولؐ کے ولی قرار دیا۔

(1) پہلے ابوبکر نے اپنی تقریر میں یہ جملہ کہا کہ: ''مہاجرین وہ پہلے ہیں جنہوں نے اس زمین پر اللہ کی عبادت کی اور اللہ اور اُس کے رسولؐ پر ایمان لائے وہ رسولؐ اللہ صلعم کے ولی اور خاندان والے ہیں اور رسولؐ کے بعد اس منصبِ امارت کے سب کے مقابلے میں وہی زیادہ مستحق ہیں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اُن کے حق میں سوائے ظالم کے اور کوئی اُن سے تنازع نہ کرے گا۔'' (طبری کا ترجمہ جلد نمبر 2 صفحہ 30)

(2) عمر کی تقریر ''بخدا عرب ہرگز اس بات کو نہ مانیں گے کہ تم اُن پر حکومت کرو جب کہ اُن کے نبیؐ تمہارے علاوہ دوسرے قبیلے کے ہوں ہاں البتہ عربوں کو اُس قبیلے کی حکومت تسلیم کرنے میں تامل نہ ہوگا جس میں نبوت تھی اور اُسی قبیلے میں سے اُن کے امیر ہونا چاہئیں اور اس شکل میں اگر عربوں میں سے کوئی اس کی امارت ماننے سے انکار کرے گا تو اُس کے مقابلے میں ہمارے پاس کھلی ہوئی دلیل اور کھلا ہوا حق ہوگا محمدؐ کی حکومت اور امارت میں کون ہم سے تنازع کر سکتا ہے۔ اُسے سب ہی نے تسلیم کیا اُن کے بعد اب ہم اُن کے ولی اور خاندان والے اس کے مستحق ہیں اور صرف جو گمراہ ہوگا گنہگار ہوگا۔ یا ورطہ ہلاکت میں گرفتار ہوگا وہی اس تجویز کی مخالفت کرے گا اور کوئی نہیں کر سکتا۔''
(ایضاً صفحہ 31)

3۔ ابوبکر و عمر کے نزدیک حق خلافت اور خلیفہ؟

ابوبکر و عمر کے اِن دونوں بیانات سے حضرت علی علیہ السلام کا خلیفہِ رسولؐ ہونا ثابت ہوا اور ابوبکر و عمر کا ظالم و گنہگار رہنا بھی معلوم ہو گیا۔

4۔ ابوبکر و عمر اور اُن کی قوم قریش کی تمام کوششیں پالیسی ناکام ہو گئیں تو اُنہیں علیؑ سے چوری چوری انصار کو دھوکا دینا پڑا۔

اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ ابوبکر و عمر نے تیاری تو یہ کی تھی کہ قوم کو متفق کر کے قومی حکومت بنائیں گے شخصی حکومت کی خرابیاں بیان کر کے حکومت کو خاندان رسوؐل کی شخصی حکومت سے بچائیں گے۔ لیکن آخر تک انہیں اپنی اسکیم پر کثرت کا تعاون نہ ملا اور آخر رسولؐ کے خاندان اور ولایت کا فریب دے کر حکومت حاصل کرنا پڑی۔

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 66

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 67

خُطبہ ﴿114﴾

لَمَّاقَلَّدَ مُحَمَّدَابنَ اَبِیْ بکرٍمِّصرَ فَمُلِکَتْ وَ قُتِلَ

”جب مصر کی حکومت کا پٹہ محمدؒ بن ابی بکر کی گردن میں پہنا دیا۔اور وہ وہاں قتل کر دیئے گئے تو علیؑ نے یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَقَدْاَرَدْتُ تَوْلِیَۃَ مِصرَ ھَاشِمَ ابنَ عُتْبَۃَ ؛	1	میرا ارداہ تو یہ تھا کہ میں ہاشم ابن عتبہ کو مصر کا گورنر بناؤں۔
وَلَوْوَلَّیْتُہٗ اِیَّاھَا لَمَّاخَلّٰی لَھُمُ الْعَرْصَۃَ ؛	2	اور اگر میں نے اسے حاکم بنا دیا ہوتا تو وہ کبھی دشمنوں کے لئے میدان خالی نہ چھوڑتا۔
وَلَا اَنْھَزَھُمُ الْفُرْصَۃَ ؛	3	اور نہ ہی دشمنوں کو مہلت دیتا۔
بِلَاذَمٍّ لِمُحَمَّدِ ابنَ اِبِیْ بَکْرٍ ؛	4	اس سے محمد بن ابی بکر کی مذمت مقصود نہیں بیانِ حقیقت مقصود ہے۔
فَلَقَدْ کَانَ اِلَیَّ حَبِیْبًا ؛	5	وہ تو میرے لئے پیارا تھا۔
وَکَانَ رَبِیْبًا ؛	6	اور میرا پروردہ تھا۔

تشریحات:

سابقہ خطبات میں حضرت علی علیہ السلام اور اُن کے مدمقابل اقوام اور اُن کے طرفداروں کے متعلق کافی تفصیل سے حالات بیان ہوتے رہے ہیں۔ یہاں محمد بن ابوبکر سے تعارف ضروری ہے۔ یہ ابوبکر کے بیٹے تھے۔اُن کی والدہ کا نام اسما بنت عمیس تھا۔ابوبکر کے مرنے کے بعد حضرت علی علیہ السلام نے اُن سے نکاح کرلیا تھا۔اُن کے ساتھ ابوبکر سے دو بچے بنام محمد اور اُم کلثوم آئے اور اُن دونوں کی پرورش بیت الامامت میں ہوئی۔حضرت علی علیہ السلام نے انہیں اپنے بچوں کی طرح پالا تھا اور خود اُن کی تربیت کی تھی اور اُن سے اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کی طرح محبت کرتے تھے۔یہی ام کلثوم تھیں جن سے عمر بن الخطاب نے نکاح کیا تھا اور اس منگنی اور نکاح پر حضرت علیؑ نے کافی برا مانا تھا اور عباس نے بیچ میں پڑ کر صلح اور یہ نکاح کرا دیا تھا۔یہی اُم کلثوم ہیں جنہیں قریشی تاریخی افسانوں میں حضرت فاطمہ علیہا السلام کی بیٹی بتایا گیا ہے۔یہی اُم کلثوم تھیں جنہیں عمر کے قتل ہونے پر حضرت علی علیہ السلام اپنے گھر میں لے آئے تھے۔مختصر یہ کہ جس طرح گھر کے پروردہ زید کو قریش نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کا بیٹا مشہور کر دیا تھا اُسی طرح ام کلثوم کو حضرت علیؑ کی بیٹی مشہور کیا گیا۔یعنی اس خاندان کا سلوک غیروں کے بچوں کے ساتھ بھی ایسا ہوتا تھا کہ خود حقیقی والدین ویسا سلوک اور توجہ نہ کرسکتے تھے۔یہاں پرورش پانے والے بچے اپنے حقیقی ماں باپ کے ساتھ جانے سے انکار کر دیتے تھے۔یہیں کے پرورش یافتہ بچوں کو قریش نے حضرت عبدالمطلب ،حضرت ہاشم اور حضرت قصیٰ علیہم السلام کی اولاد بنانے اور مشہور کرنے

پر اپنی حکومتوں کا سارازورلگادیا ہے اور صدیوں، دن رات ایسا اَن تھک پروپیگنڈا کیا اور اپنی تیار کردہ تاریخوں، تفسیروں اور احادیث کی کتابوں میں اِس تسلسل سے اس سازش کولکھا ہے کہ خود شیعہ علما اور سادات اس مغالطہ میں مبتلا ہوگئے اور ماننے لگے کہ ابولہب وعباس وغیرہم حضرت عبدالمطلب کے بیٹے تھے۔ یہ سازش بہت اوپر کی نسلوں سے شروع کی گئی تھی۔لوگ اپنی اولاد کوغربت یا کثرت عیال کے بہانے خاندان اسماعیل علیہ السلام اوراُن کی اولاد میں پرورش کے لئے چھوڑ دیتے تھے۔اور رفتہ رفتہ نسل اسماعیلؑ سے پیوند لگا لیتے تھے۔اور خانوادہ رسولؐ بھی از راہ ثواب بچوں کو پالتا رہا۔ یہاں تک آج قرآن کریم میں اس سازش کوروک دیا اور کہہ دیا کہ:

مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِكُمۡ وَلٰكِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمًا۝(33/40)

''محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے بھی باپ نہیں ہیں ولیکن وہ تو اللہ کے رسولؐ اور خاتم النبیّن ہیں اور اللہ اس باپ بنانے والی سازش کا علم رکھتا چلا آیا ہے۔''

اس آیت نے نازل ہوکر یہ راستہ بند کردیا تھا ورنہ یہ سلسلہ خود حضرت اسماعیل علیہ السلام سے شروع کیا گیا ہے۔لہٰذا بخاری میں حضرت اسماعیلؑ کی شادی قبیلہ جرہم کی لڑکی سے دکھائی گئی ہے۔(بخاری کتاب الانبیاء) حالانکہ حضرت اسماعیلؑ کی شادی مصر کے شاہی خاندان میں خود حضرت ہاجرہ علیہا السلام کر کے لائی تھیں۔ بہرحال ہم یہ عرض کررہے تھے کہ حضرت علی علیہ السلام نے محمد بن ابوبکر اور ام کلثوم کو بڑے پیار وتوجہ سے پرورش وتربیت کیا تھا۔کہ اُن کے اپنے بیٹوں اور بیٹیوں میں کوئی فرق نہ رہا تھا۔اور اسماء بنت عمیس سے نکاح کے کئی ایک اسباب تھے پہلا سبب یہ تھا اسماءؑ بنت عمیس کا پہلا نکاح حضرت علیؑ کے بھائی جعفر طیار علیہ السلام سے ہوا تھا۔اور جب حبشہ میں ہجرت کر کے گئے تو حضرت اسماء بنت عمیس آپ کے ساتھ تھیں اور حبشہ کے قیام کے دوران اُن سے عبداللہ بن جعفر پیدا ہوئے جو جواد کے لقب سے مشہور ہیں۔ جب جنگ موتہ میں حضرت جعفر طیار شہید ہوگئے تو ابوبکر کی درخواست پر اسماء بنت عمیس کا نکاح ابوبکر سے ہوگیا۔اور اُن سے یہی لڑکا محمدؒ اور اُم کلثوم پیدا ہوئے۔اور ابوبکر کے بعد اسماء سے حضرت علیؑ نے نکاح کرلیا تا کہ وہ تمام گھریلو راز بھی طشت از بام ہوجاتے جو قریش اور ابوبکر وعمر کے مابین تھے۔اور اپنی چھوٹی بھابھی بھی اپنے خاندان میں زندگی کے باقی دن گزارے۔ حضرت محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کا یہ ابتدائی تعارف تھا۔اُنہوں نے ساری زندگی حضرت علیؑ اور خاندان رسولؐ کی صحبت اور خدمت ومحبت میں گزاری اور اُن پر قربان ہوگئے۔

2۔ محمد بنؓ ابی بکر کی زندگی کے متعلق چند خاص حالات۔

چونکہ قریش حضرت علی علیہ السلام کے سایہ تک سے خوفزدہ اور ہوشیار رہتے تھے اِس لئے اُن سے تربیت پانے والے محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ سے بھی بچ کر رہنا لازم تھا۔ چنانچہ قریشی حکومت نے انہیں ابوبکر کا بیٹا ہونے کے باوجود اپنے اقتدار وحکومت سے دُور دُور رکھا۔عہد عثمان میں محمد نے عثمان سے بطور شکایت کہا کہ آپ نے فلاں فلاں انتہائی نالائق اور بدنام نوجوانوں کوفلاں فلاں عہدوں پر تعینات کیا اور مجھے ابوبکر کا بیٹا ہوتے ہوئے بھی کہیں نامزد نہیں کیا ہے۔عثمان کو مروت کے ماتحت پوچھنا پڑا کہ بتاؤ تمہیں کیا عہدہ دیا جائے؟ محمد نے مصر کی گورنری مانگی۔ چنانچہ باقاعدہ فرمان لکھا گیا اور محمد بن ابی بکر مع اپنے احباب کے مصر کی حکومت سنبھالنے کے لئے روانہ ہوگئے۔ساتھ ہی ایک دوسرا فرمان مصر کے سابق گورنر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے نام لکھا گیا جس میں محمد بن ابی بکر کو مع اُن کے ساتھیوں کے گرفتار کر کے قید وبند وقتل وغیرہ سے راہ سے ہٹا دینے کی تاکید لکھی گئی اور حکم نامہ عثمان کے غلام کے ہاتھ عثمان ہی کے اونٹ پر سوار کر کے خفیہ طور پر ارسال کردیا گیا۔خوش قسمتی کہئے یا بدقسمتی یہ

قاصد محمد بن ابی بکر کے ساتھیوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہو گیا اور تلاشی لینے پر وہ خط بھی پکڑا گیا جو فرمان کے طور پر مصر کے گورنر کو لکھا گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ پارٹی گرفتاری اور قتل کے لئے مصر نہ جا سکتی تھی لہٰذا مع قاصد واپس مدینہ آئی۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ حکومت کے گورنروں کی زیادتیوں سے تنگ آ کر تمام بڑے بڑے شہروں کے وفود عثمان کو گھیرے رہتے تھے اور اپنی شکایات کی فہرستیں پیش کیا کرتے تھے۔ اُن میں مصر کا وفد بھی موجود تھا۔ یہ پارٹی آئی تو اس فرمان سے مدینہ کے باشندے اور صحابہ بھی مشتعل ہو گئے۔ قریشی افسانوں میں کہا گیا ہے کہ عثمان نے اس فرمان سے لاعلمی کا اظہار کیا تو لوگوں نے کہا کہ مروان کو ہمارے حوالے کرو جس کے پاس آپ کی مہر رہتی ہے۔ انہوں نے مروان کو حوالے کرنے سے انکار کر دیا۔ تفصیلات لکھی جا چکی ہیں۔ نتیجہ میں عثمان قتل ہوئے۔ اور قریشی افسانوں میں حضرت محمد بن ابی بکر کو عثمان کے قاتلوں میں شمار کیا گیا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ عثمان کے سینے پر سوار ہوئے داڑھی پکڑی مگر عثمان کی اپیل اور منت سماجت پر واپس چلے گئے اور قتل میں حصہ نہیں لیا اور عثمان کی زوجہ نائلہ واردات قتل پر چشم دید گواہ تھیں جن کی اُونگلیاں بھی اُس تلوار سے کٹ گئی تھیں جس سے عثمان قتل ہوئے۔ انہوں نے بھی شہادت دی تھی کہ قتل کے وقت محمد بن ابی بکر وہاں موجود نہ تھے۔ اس کے باوجود محمد بن ابی بکر کو قاتلان عثمان میں پہلا نمبر دیا جاتا رہا ہے۔ اور خود حضرت علی علیہ السلام سے بھی وہی سلوک کیا جاتا رہا جو قاتلوں سے بھی نہیں کیا جاتا۔ بہر حال ہم متعلقہ تمام تفصیلات لکھ چکے ہیں یہاں تو محمد بن ابوبکر اور مصر کی گورنری کو واضح کرنا مقصود ہے۔ بہر حال قتل عثمان کے بعد تمام صحابہ نے حضرت علیؑ کے در دولت پر جا جا کر منت سماجت کر کے انہیں خلافت قبول کرنے پر رضا مند کیا اور تمام صحابہ اور مسلمانوں کی ایک ہولناک کثرت نے بیعت کر کے انہیںؑ خلیفہ بنالیا۔ آپؑ نے سب سے پہلا کام تمام تخریب پسند گورنروں کو معزول کرنے اور نئے گورنروں کو متعین کرنے کے فرمان جاری کئے اور مصر کی گورنری حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے قیس کو سپرد کی۔ یہ وہی سعد بن عبادہ ہیں جن کی ضد میں بشیر انصاری نے ابوبکر کی بیعت کر لی تھی اور جنہوں نے ہمیشہ ابوبکر و عمر کی کھلی مخالفت جاری رکھی اور کبھی نہ اُن کے ساتھ نماز پڑھی نہ کسی قسم کا تعاون کیا اور مدینہ چھوڑ کر نکل گئے اور جنہیں عمر نے اپنے عہد خلافت میں تعاقب کرا کے تیر سے قتل کروا دیا تھا۔ اور مشہور ہو گیا کہ انہیں جنوں نے قتل کیا تھا۔

بہر حال ایک ایسا وقت بھی آیا جب حضرت قیسؓ بن سعد کو بادلِ ناخواستہ اپنے قریشی صحابہ کی سازش کے ماتحت حکومتِ مصر سے واپس بلانا پڑا اور اُن کی جگہ محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو مصر کا گورنر بنانا لازم ہو گیا تھا۔

3۔ محمد بنؓ ابی بکر اور مصر کی گورنری؟

حضرت قیس بن سعد کی معزولی میں معاویہ کی گہری سازش شامل تھی وہ روز اول سے مصر پر قبضہ کرنے کی فکر میں تھا۔ اُس نے عمرو بن عاص سے پیشگی وعدہ کر لیا تھا کہ اگر ممکن ہوا تو وہ اُسے مصر کا گورنر بنائے گا۔ چنانچہ معاویہ نے جناب قیس کو مصر کی گورنری سے اُکھیڑنے کے لئے اپنے تمام سیاسی جوڑ توڑ اور حربے استعمال کئے تھے۔ اب محمدؓ بن ابی بکر جیسا جوشیلا اور ناتجربہ کار نوجوان مصر کا گورنر بنا تو معاویہ نے اُن کے خلاف بھی اپنے داؤ پیچ جاری رکھے۔ اور مصر میں جو لوگ عثمان کے طرف دار تھے انہیں محمد بن ابی بکر کے خلاف محاذ بنانے میں دولت اور افرادی مدد فراہم کرنا شروع کر دی۔ یہاں تک کہ مصر میں محمد بن ابی بکر کے خلاف ایک مضبوط محاذ بن گیا جن پر قابو حاصل کرنا اُن کے لئے مشکل ہو گیا۔ طرفداران عثمان اور معاویہ نے علی الاعلان گلی کوچوں میں نکل نکل کر محمد بن ابی بکر اور حضرت علی علیہ السلام کے خلاف پروپیگنڈا شروع کر دیا۔ محمد بن ابی بکر اُن کو روکنے کے لئے جس کو بھیجتے وہ قتل کر دیا جاتا تھا۔ جب حالات کوفہ میں حضرت علی علیہ السلام کو معلوم ہوئے تو آپ نے جناب مالک بن اشتر کو خط

کے ذریعہ بلایا اور اُنہیں مصر کو سنبھالنے کے لئے ارسال کیا۔ ادھر مالک اشتر روانہ ہوئے اُدھر معاویہ کا جاسوس یہ اطلاع لے کر معاویہ تک پہنچا کہ مصر کی حکومت کو سنبھالنے کے لئے مالک اشتر روانہ ہو چکے ہیں۔ معاویہ نے اس خبر کو اپنے لئے بہت گراں سمجھا کہ اگر کہیں مالک اشتر مصر پہنچ گئے تو مصر پر قبضہ ناممکن ہو جائے گا۔ اس لئے معاویہ نے قلزم کے علاقہ کے ایک شخص کو زہر اور پیغام بھیجا جو وہاں کے خراج کا افسر تھا کہ مالک اشتر تمہارے علاقہ سے گزرنے والا ہے اگر تم اپنی سوجھ بوجھ اور انتظام سے اُسے مہمان رکھ کر شربت میں یہ زہر ملا کر پلا دو تو بیس سال کا خراج معاف کرتا ہوں۔ یہ شخص نظر براہ رہا اور بہت مناسب طریقے پر حضرت مالک اشتر سے ملاقات کی شرائط مہمانداری بجالائے، عمدہ کھانے کھلائے اور زہر ہلاہل شربت میں پلا کر معاملہ صاف کر دیا۔ مالک اشترؒ اللہ کو پیارے ہوگئے۔ معاویہ کو اطلاع ہوئی تو خوشیاں منائی گئیں۔ کہ خوشی کا مقام تھا اور اُس نے فخریہ کہا کہ حضرت علیؑ کے دو بہت مضبوط ہاتھ تھے ایک عمارؓ یاسر جسے میں نے جنگ صفین میں کٹوا دیا تھا دوسرا ہاتھ مالک اشتر تھا جسے میں نے آج کٹوا دیا ہے۔ (تاریخ طبری)

معاویہ کو حضرت مالک اشتر رضی اللہ عنہ کی شہادت سے جس قدر خوشی واطمینان حاصل ہوا اُس سے کہیں زیادہ رنج و غم حضرت علی علیہ السلام کو اُن کی شہادت کی اطلاع سے ہوا چنانچہ فرمایا کہ۔ اِنَّـا لِـلّٰهِ وَاِنَّـا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن ۔ تمام مدح وستائش پروردگار عالم ہی کے لئے ہے۔ بارِالٰہا میں مالک اشتر کی شہادت پر تجھ سے اجر کا طالب ہوں۔ اُن کی موت زمانہ کے بڑے مصائب میں سے ایک مصیبت ہے۔ خدا رحم کرے مالک اشتر پر۔ اُنہوں نے اپنے عہد کو پورا کیا زندگی کے دن پورے کئے اور پروردگار کے پاس پہنچ گئے۔ پیغمبرؐ کی جدائی کی شدید ترین مصیبت اُٹھانے کے بعد اس سے بڑی کوئی مصیبت نہیں ہو سکتی۔ ہم نے ہر مصیبت پر خود کو صبر کا عادی بنا لیا ہے۔ اب کوئی اور مصیبت مصیبت معلوم نہیں ہوتی۔ بے شک مالک میرے لئے ایسا ہی تھا جیسا میں رسولؐ اللہ کے لئے تھا اے مالک تمہاری موت سے ایک گروہ کو خوشی ہوگی اور ایک گروہ رنج و غم میں ڈوب جائیگا۔ میت پر رونے والیوں کو مالک کے غم میں رونا چاہئے۔ علقمہ بن قیس نخعی کہتے ہیں کہ حضرت امیرالمومنینؑ اتنا رنج واندوہ فرماتے رہے کہ ہمیں اندیشہ رہا کہ کہیں آپ بھی رحلت نہ فرما جائیں۔ مدتوں رنج و غم آپؐ کے چہرے پر نمایاں رہا۔ محمدؓ بن ابی بکر اپنی معزولی اور مالک اشترؓ کی تعیناتی سے رنجیدہ تھے۔ امیرالمومنینؑ کو مالکؓ اشتر کی شہادت اور محمدؓ بن ابی بکر کے رنجیدہ ہونے کی کیفیت معلوم ہوئی تو آپؐ نے انہیں خط میں لکھا کہ:

”مجھے اطلاع ملی ہے کہ تمہاری جگہ مالک اشترؓ کو بھیجنے سے تمہیں ملال ہوا ہے۔ تو واقعہ یہ ہے کہ میں نے یہ تبدیلی اس لئے نہیں کی تھی کہ تمہیں تمہارے کام پر کمزور اور ڈھیلا پایا تھا۔ نہ یہ چاہا تھا کہ تم اپنی کوششیں تیز تر کر دو۔ اور اگر تمہیں میں نے تمہارے منصب سے ہٹانا چاہا تھا تو اس لئے کہ تمہیں کسی ایسی جگہ تعینات کر دوں جہاں زحمت بھی کم ہو اور وہ تمہیں پسند بھی آئے۔ بلاشبہ جس شخص کو ہم نے مصر کا حاکم بنا کر بھیجا تھا وہ ہمارا خیر خواہ اور ہمارے دشمنوں کے لئے بہت سخت گیر تھا۔ خدا اُس پر اپنی رحمت کرے اُس نے زندگی کے دن پورے کر لئے اور موت سے ہمکنار ہو گیا اس حالت میں کہ ہم اُس سے راضی ہیں خدا کی رضامندیاں بھی اُسے نصیب ہوں۔ اور وہ اُسے زیادہ سے زیادہ اجر عطا کرے۔ اب تم دشمن سے مقابلہ کے لئے باہر نکل کھڑے ہو اور اپنی بصیرت کے ساتھ عملدرآمد کرو۔ اور جو تم سے لڑے اس سے لڑنے کے لئے آمادہ ہو جاؤ۔ اور اپنے پروردگار کی راہ کی طرف دعوت دو۔ اور اللہ سے زیادہ سے زیادہ مدد مانگو کہ تمہاری مہمات میں کفایت کرے گا اور مصیبتوں میں تمہاری مدد کرے گا۔“

اُدھر معاویہ نے اپنے افسروں اور مشیروں کو بلا کر اُن سے مشورہ کیا۔ عمرو عاص نے زبردست فوج سے مصر پر حملہ آور ہونے کا فیصلہ سنایا۔ سب اس

سے متفق تھے۔ مگر معاویہ نے کہا کہ لشکر کشی سے قبل مصر کی مخالف اور موافق جماعتوں سے خط و کتابت کی جائے۔ موافقین کو لکھا جائے کہ وہ اپنے مقصد پر ثابت قدم رہیں اور انہیں یہ امید دلائیں کہ ہم عنقریب اُن کی مدد کے لئے مصر پہنچنے والے ہیں۔ اور مخالفین کو صلح کی دعوت دی جائے دھمکایا جائے، لالچ دیا جائے۔ اگر مخالفین ہمارے ساتھ متفق ہو جائیں تو اس سے بہتر اور کیا بات ہے ورنہ جنگ اور فوج کشی تو کرنا ہی ہے۔ سب نے معاویہ سے اتفاق کیا۔ چنانچہ خطوط لکھے گئے اور ایک خط محمد بن ابی بکر کو بھی لکھا گیا کہ:

(عمر و عاص نے لکھا کہ)

''اے ابوبکر کے بیٹے اپنی جان لے کر ہمارے مقابلہ سے ہٹ جاؤ میں نہیں چاہتا کہ تمہیں ایک ناخن سے بھی اذیت پہنچاؤں۔ یہاں کے باشندے تمہارے خلاف ہیں اور تمہاری نافرمانی پر اتفاق کر چکے ہیں۔ وہ تمہاری اتباع پر نادم ہیں۔ اگر لڑائی کا بازار گرم ہوا تو وہ تمہیں چھوڑ کر الگ ہو جائیں گے۔ تم مصر سے نکل جاؤ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں۔ والسلام''

اس خط کے ساتھ عمر و عاص نے وہ خط بھی بھیجا جو معاویہ نے محمدؓ بن ابی بکر کے نام خود لکھا تھا۔ حالت یہ ہے کہ محمدؓ بن ابی بکر نے عمرو بن عاص اور معاویہ کے خطوط پڑھ لئے ہیں۔ عمرو بن عاص زبردست فوج لئے ہوئے مصر سے کچھ دُور پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے۔ اُنہوں نے خطوط پڑھ کر ایک عریضے کے ساتھ امیر المومنینؑ کو روانہ کر دیئے اور لکھا کہ:

''بعد حمد و صلوٰۃ اے امیر المومنینؑ عاصی بن عاصی (عمرو بن عاص) ایک لشکر جرار لے کر مصر کے قریب آ پہنچا ہے۔ اُس کے پاس مصر کے وہ لوگ بھی جمع ہو گئے ہیں جو اُس کے ہم خیال تھے۔ اپنی طرف کے لوگوں میں بزدلی بھی دیکھ رہا ہوں۔ اگر حضور کو مصر کی ضرورت ہے تو لشکر اور اموال سے میری مدد فرمائیں والسلام علیک ورحمۃ اللہ و برکاتہ۔''

حضورؑ نے فوراً جواب لکھا کہ:

''بعد حمد و صلوٰۃ کے معلوم ہوا کہ تمہارا خط پہنچا جس میں تم نے لکھا ہے کہ ابن عاص ایک جرار لشکر لے کر مصر کے قریب آ گیا ہے۔ اور جو لوگ اس کے ہم خیال ہیں اس سے جا ملے ہیں۔ ایسے لوگوں کا تمہارے پاس سے چلے جانا جو اس کے ہم خیال تھے تمہارے پاس رہنے سے بہتر ہے۔ تم نے لکھا ہے کہ اپنی طرف والوں میں تم بزدلی محسوس کر رہے ہو۔ تم بزدل نہ ہو چاہے وہ لوگ بزدل ہو جائیں۔ قلعہ بند ہو جاؤ۔ اپنے دوستوں کو اپنے پاس جمع کر لو۔ اپنے لشکر میں دیدبان پھیلا دو۔ اُن سے لڑنے کو کنانہ بن بشیر کو نامزد کر دو۔ جو اپنے خلوص، تجربہ اور شجاعت میں معروف ہیں۔ میں لوگوں کو تمہاری مدد کے لئے بھیجنے ہی والا ہوں۔ اپنے دشمن کے مقابلے میں جمے رہو۔ اپنی بصیرت پر عمل درآمد کرو۔ اپنی نیت پر اُن سے جنگ کرو۔ خدا کی راہ میں اُن سے جہاد کرو۔ اگر تمہارا گروہ قلیل ہے تو کوئی بات نہیں۔ اکثر خداوند عالم قلیل کی نصرت فرماتا ہے۔ اور کثیر کو چھوڑ دیتا ہے۔''(2/245) وغیرہ وغیرہ۔

خط روانہ ہو گیا۔ محمدؓ بن ابی بکر نے عمرو بن عاص اور معاویہ کو اُن کے خطوط کے مردانہ وار جوابات دیئے۔ اور کوفہ سے مدد آنے کے منتظر رہے لیکن حضرت علی علیہ السلام کے بار بار کے خطبے دینے کے باوجود لشکر تیار نہ ہو سکا۔ یہی وہ موقعہ ہے جب حضورؑ نے بڑے درد انگیز الفاظ میں اہل کوفہ اور اپنے قریشی صحابہ کے شکوے کئے ہیں۔ بہرحال ایک روز دورانِ خطبہ مالک بن کعب ارحبی نے اُٹھ کر کہا کہ لوگوں کو میری سرکردگی میں جمع فرما دیجئے۔ وقت گزرا جاتا ہے اُجر مشقت ہی سے ملتا ہے۔ پھر انہوں نے مسلمانوں کی طرف رخ کر کے کہنا شروع کیا کہ ''لوگو خدا سے ڈرو اپنے

امامؑ کے کلمہ کی اطاعت کرو، اِن کی دعوت کی لاج رکھو، اپنے دشمن سے جہاد کرو۔ یا امیرؑ المومنین ہم لڑنے کو جائیں گے۔ حضرتؑ نے سعد کو حکم دیا کہ لوگوں میں ندا کردو کہ مالک بن کعب کے ساتھ مصر جاؤ مگر ایک ہفتہ تک بھی لوگ مالک کے پاس جمع نہ ہوئے۔ جو چند لوگ مالک کے پاس آئے تھے انہیں لے کر مالک پشت کوفہ پر منتظر ہیں۔ حضرتؑ بھی تشریف لائے دیکھا کہ سب ملا کر دو ہزار مومنین تھے۔ حضورؑ نے فرمایا خیر تم لوگ روانہ ہو جاؤ مگر خدا کی قسم مجھے اُمید نہیں کہ تم لوگ اپنے بھائیوں کے خاتمہ بالخیر ہونے تک پہنچ سکو گے۔ مالک بن کعب یہ چھوٹا سا لشکر لے کر مصر کو روانہ ہو گئے۔

4۔ محمد بن ابی بکر کی جنگ اور شہادت؟

اُدھر عمرو بن عاص نے مصر پر حملہ کر دیا اور محمد بن ابی بکر نے حالات اور حضورؑ کی ہدایت کے مطابق کنانہ بن بشیر کو مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ عمرو عاص نے کنانہ کے مقابلے میں یکے بعد دیگرے کئی ایک رسالے بھیجے مگر کنانہ نے ہر رسالہ کو شکست دے کر عمرو عاص تک واپس بھگا دیا۔ (روضۃ الصفا) عمرو عاص نے محمد بن ابی بکر کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر کو ایک فوج دے کر کنانہ کے مقابلہ میں بھیجا وہ بھی شکست کھا کر واپس آ گئے۔ آخر عمرو عاص نے کنانہ کے مقابلے کے لئے ایک عظیم الشان لشکر بھیجا لشکر کی کثرت دیکھ کر کنانہ ایک تباہ کن جنگ کے لئے گھوڑے سے اُتر گئے۔ ساتھیوں نے بھی صورت حال دیکھ کر اپنے اپنے گھوڑوں کو چھوڑ دیا اور اس طرح حملہ آور ہوئے کہ دشمنوں کو کاٹ کاٹ کر گرانا شروع کیا۔ دوران جہاد آیت مَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ... (3/145) کسی شخص کے لئے یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ اللہ کی طے کردہ موت کے بغیر مر جائے۔ پڑھتے جاتے تھے اور دشمن کی فوج میں گھستے جاتے تھے۔ اور اسی حملے کے دوران شہادت حاصل کر لی اس پر عمرو عاص کی ہمت بڑھنا قدرتی بات تھی وہ محمدؓ بن ابی بکر پر حملے کے لئے بڑھا۔ جنگ شروع ہوئی۔ محمدؓ بن ابی بکر کے ساتھی انہیں چھوڑ کر اِدھر اُدھر ہٹنا اور بچنا شروع ہوئے محمدؓ بن ابی بکر کب تک تنہا مقابلہ کرتے۔ خستہ حالی اور زخمی حالت میں ایک ویرانہ میں تھک کر بیٹھ گئے۔ عمرو عاص نے اُن کی لشکر گاہ پر قبضہ کر لیا معاویہ بن خدیج محمدؓ بن ابی بکر کی تلاش میں نکلا۔ راستہ میں لوگوں سے دریافت کرتا جاتا تھا کہ اُدھر سے کوئی گزرا تو نہیں ہے۔ ایک شخص نے بتا دیا کہ اِس ویرانہ میں ایک شخص زخمی حالت میں بیٹھا ہے۔ معاویہ بن خدیج نے محمدؓ بن ابی بکر کو گرفتار کر لیا۔ یہ اُس وقت بہت پیاسے تھے اور بقول سبط ابن جوزی روزے سے تھے۔ محمدؓ کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر بھی عمرو عاص کے لشکر میں ہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ تجھے قسم ہے میرا بھائی اس مجبوری کے عالم میں قتل نہ کیا جائے تم معاویہ بن خدیج کو منع کرنے کا حکم بھیج دو۔ حکم آیا مگر معاویہ بن خدیج ملعون نے منظور نہ کیا۔ اور کہا اے محمدؓ بن ابی بکر، اگر میں تمہیں ایک قطرہ پانی کا دوں گا تو خدا مجھے کبھی سیراب نہ کرے گا۔ تم لوگوں نے عثمان پر پانی بند کیا تھا اور اُن کو پیاسا قتل کیا تھا۔ ابوبکر کے بیٹے اب میں تم کو بھی پیاسا قتل کروں گا اور خدا تمہیں جہنم میں حمیم وغسلین سے سیراب کرے گا۔ محمدؓ بن ابی بکر نے کہا کہ او یہودی جولاہن کے بچے قیامت کا دن نہ تیرے قبضے میں ہے نہ عثمان کے۔ اُس دن کا مالک تو اللہ ہے جو اپنے دوستوں کو سیراب کرے گا اور دشمنوں کو پیاسا رکھے گا۔ اور دشمنِ خدا تُو ہے اور تیرے ساتھ والے ہیں اور جن کا تُو دوست ہے اور جو تیرے دوست ہیں۔ خدا کی قسم اگر میرے قابو میں میری تلوار ہوتی تو تُو مجھ پر اتنا قابو نہ پا سکتا تھا۔ معاویہ بن خدیج نے محمدؓ سے کہا کہ کیا تجھے معلوم ہے کہ میں تیرے ساتھ کس طرح پیش آؤں گا۔ میں تمہیں اس مرے ہوئے گدھے کے پیٹ میں رکھ کر اُس میں آگ لگا دوں گا۔ تم کو جلا ڈالوں گا۔ محمدؓ نے کہا کہ اگر تم نے میرے ساتھ ایسا کیا تو کیا تعجب ہے۔ بہت سے اولیا اللہ کے ساتھ تم اس طرح کا ظالمانہ برتاؤ کر چکے ہو۔ میں خدا سے اُمیدوار ہوں کہ وہ میرے لئے اس آگ کو جس سے تو مجھے

ڈرا رہا ہے ٹھنڈی اور سلامتی والی بنادے گا۔ جیسا کہ خدا نے اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام کے لئے کیا تھا۔ اور تجھے اور تیرے معاویہ کو جہنم کی دہکتی ہوئی آگ کا ایندھن بنائے گا۔ عمرو عاص کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ اُسے بھی جہنم کا ایندھن بنائے گا۔ جب بھی وہ آگ بجھنے لگے گی خدا اُس کے شعلوں کو اور تیز تر کردے گا۔ معاویہ بن خدیج نے کہا کہ میں تمہیں ظلماً تو قتل نہیں کررہا ہوں میں عثمان کا بدلہ لے رہا ہوں۔ محمدؓ نے کہا تجھے عثمان سے کیا تعلق ہے وہ ایک ایسا شخص تھا جس نے حکم خدا اور قرآن کو بدل دیا۔ حالانکہ اللہ قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے کہ جن لوگوں نے اس کے مطابق حکم نہ کیا ہو جو خدا نے نازل کیا ہے وہ لوگ کافر ہیں یہی لوگ ظالم ہیں اور یہی لوگ فاسق ہیں۔ ہم نے اُن کی چند باتوں پر اعتراض کیا اور یہ چاہا کہ وہ خلافت سے دست بردار ہوجائیں۔ انہوں نے منظور نہیں کیا۔ جس کی وجہ سے قتل کرنے والوں نے اُسے قتل کردیا۔ معاویہ بن خدیج کو محمدؓ بن ابی بکر کی یہ دلیرانہ گفتگو بہت بُری لگی اور انہیں شہید کردیا۔ پھر اُس پیکر اخلاص و وفا کو گدھے کے مردے میں بند کرکے جلا ڈالا۔ (شرح ابن ابی الحدید، اسد الغابہ اور شذرات میں یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ خود عمرو عاص نے اپنے ہاتھ سے شہید کیا) صاحب حیوٰۃ الحیوان ابن خلکان سے نقل کرتے ہیں کہ ایک روایت یہ بھی ہے کہ معاویہ بن خدیج نے انہیں زندہ ہی مرے ہوئے گدھے کی کھال میں بند کرکے جلا ڈالا۔ حیوٰۃ الحیوان جلد اول میں ہے کہ معاویہ بن خدیج نے محمدؓ بن ابی بکر کو صفر 38ھ میں شہید کیا اور حکم دیا کہ اُن کی لاش میں رسی باندھ کر راہوں میں گھسیٹا جائے اور مرے ہوئے گدھے میں رکھ کر جلائے جائیں۔ ابن اثیر اسد الغابہ جلد نمبر 4 صفحہ 224 پر لکھتے ہیں کہ جب ام المومنین عائشہ کو قتل محمدؓ کی خبر پہنچی تو انہیں بہت صدمہ ہوا اور کہا کہ میں انہیں اپنا بھائی اور فرزند سمجھتی تھی۔ اُن کے جلائے جانے کے بعد پھر کبھی اُم المومنین نے بھنا ہوا گوشت نہیں کھایا۔

صاحب حیوٰۃ الحیوان جلد اول صفحہ 394 میں لکھتے ہیں کہ عائشہ نے اپنے بھائی عبدالرحمٰن کو عمرو عاص سے محمدؓ بن ابی بکر کی سفارش میں بھیجا عمرو عاص نے یہ کہہ کر عذر کردیا کہ یہ معاملہ معاویہ بن خدیج سے متعلق ہے۔ جب محمدؓ بن ابی بکر شہید ہوگئے تو اُن کا غلام سالم اُن کا پیرہن لے کر مدینہ آیا۔ خبرِ شہادت سنائی مردوں اور عورتوں کا ہجوم ہوگیا۔ معاویہ کی بہن اُم المومنین ام حبیبہ بنت ابی سفیان زوجہ نبیؐ نے ایک مینڈھا بھُنوا کر عائشہ کے پاس بھیجا اور کہلا بھیجا کہ دیکھو اس طرح تمہارا بھائی بھون ڈالا گیا۔ عائشہ نے مرتے دم تک بھنا ہوا گوشت نہ کھایا بقول ابن ابی الحدید جب کبھی عائشہ کو چلتے ہوئے ٹھوکر لگتی تھی تو اپنے بھائی کے قاتلوں پر یوں نفرین کرتی تھیں۔

تَعُسَنُ معاویہ بن ابی سفیان و عمرو بن العاص و معاویہ بن الخدیج۔ (خدا معاویہ، عمرو اور معاویہ بن خدیج کو غارت کرے) اور ہر نماز کے بعد ان تینوں کے لئے بددعا کرتی تھیں۔ سبط ابن جوزی اس واقعہ کو تذکرہ میں یوں لکھتے ہیں کہ:

"جب قتل محمد بن ابی بکر کی خبر عائشہ کو ملی تو وہ بہت روئیں اور وہ اپنی ہر نماز کے بعد معاویہ اور عمرو عاص کے لئے بددعا کیا کرتی تھیں۔ جب ام حبیبہ معاویہ کی بہن کو اُن کے قتل کی اور جلائے جانے کی خبر ملی تو انہوں نے ایک مینڈھا بھُنوا کر عائشہ کے پاس بھیجا اُس سے مقصود خون عثمان کے عوض محمد بن ابی بکر کے قتل ہونے پر اظہار مسرت و تشفی تھا۔ عائشہ نے اُن کے اس فعل سے متاثر ہوکر زبان پر یہ کلمات جاری کئے

"خدا زانیہ زادی پر لعنت کرے خدا کی قسم اب میں کبھی بھنا ہوا گوشت نہ کھاؤں گی۔"

نیز اُنہوں نے اپنے بھائی کے عیال کو بلا کر اپنے پاس رکھا اور خود اُن کی تربیت کی۔ صاحب اصابہ بھی لکھتے ہیں کہ عائشہ نے محمد کے فرزند قاسم کی تربیت اپنے ذمہ لی تھی۔"

یہ ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کے لگاتار خطبوں کے بعد صرف دو ہزار مجاہدین مصر جانے کے لئے تیار ہوئے تھے۔ اور مالک

بن کعب کی سرکردگی میں مصر کی طرف روانہ ہوئے تھے اور ابھی صرف پانچ روز کی راہ کوفہ سے مصر کی طرف چلے تھے کہ اُدھر سے حجاج بن غزیہ انصاری اور عبدالرحمٰن بن مسیّب فزاری آتے ہوئے دکھائی دیئے۔

فزاری شام میں حضورؑ کے جاسوس تھے۔ اُنہوں نے آکر بتایا کہ میں شام سے نہیں نکلا مگر یہ کہ میں نے دیکھا کہ عمرو بن العاص کی جانب سے معاویہ کے پاس قتل محمد بن ابی بکر کی خبر بعنوان بشارت بھیجی گئی۔ پھر متواتر لوگوں نے آکر فتح مصر کی خوشخبری سنائی اور معاویہ قتل محمد بن ابی بکر کا منبر پر اعلان کر چکا تھا۔ یا امیرؑ المومنین میں نے کبھی ایسی مسرت نہیں دیکھی جیسی اس خبر سے اہل شام کو ہوئی ہے۔ حضورؑ نے فرمایا کہ اُن کی شہادت پر ہمارا غم والم اہل شام کی مسرت سے بھی کہیں بہت زیادہ ہے۔ دوسری طرف حجاج بن غزیہ نے مصر میں اپنے چشم دید حالات سنائے یہ محمد بن ابی بکر کے ساتھ مصر میں تھے۔ حضور علیہ السلام کو محمدؓ سے جو قلبی لگاؤ اور محبت تھی اُس کا اندازہ کرنا بہت مشکل ہے۔ آپؑ نے بچپن سے اُسے پالا، گود میں کھلایا اور بڑھنے کے ساتھ ساتھ اُس کی تربیت کی۔ وہ ایک صالح نوجوان تھے۔ اٹھائیسویں سال داغ مفارقت دے گئے تھے۔ مومن مخلص تھے۔ عبادت گزار و نیک اطوار تھے۔ امیرؑ المومنین کی نصرت اپنا دینی فریضہ سمجھتے تھے۔ آخری سانس تک نہایت صبر شکن و تکلیف دہ حالت میں پیمان وفا پر قائم رہے۔ جان دے دی مگر محبت بوترابؑ سے منہ نہ موڑا۔ حضورؑ کو اُن کی موت پر جتنا بھی صدمہ ہو کم ہے۔ لوگوں نے کہا کہ حضورؑ نے اُن کا بہت غم منایا ہے۔ فرمایا کہ اُن کا غم منانے میں ہمیں کیا چیز مانع ہوسکتی تھی؟

5۔ جناب ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ جنگ صفین میں شہید ہو چکے تھے؟

یہ ہاشمؓ، عمر ابن سعد ملعون کے چچازاد بھائی تھے۔ حضور علیہ السلام نے اُنہیں محمد بن ابی بکر کی شہادت اور مصر پر قبضہ ہو جانے کی اطلاع پر یاد فرمایا ہے اور کہا ہے کہ: ''میرا ارادہ تھا کہ میں ہاشم بن عتبہ کو مصر کا گورنر بناؤں...... اگر کہیں میں نے اُسے گورنر بنا دیا ہوتا تو وہ معاویہ اینڈ کمپنی کے لئے میدان خالی نہ چھوڑتا اور انہیں اتنی فرصت ہی نہ لینے دیتا۔''

ہمیں معلوم ہے کہ خلافت سنبھالتے ہی آپؑ نے مصر کا گورنر جناب قیس بن سعد بن عبادہ کو بنایا تھا۔ اور محمدؓ بن ابی بکر کو مصر کا گورنر بنانے کے وقت ہاشمؓ زندہ نہ تھے۔ جو اُنہیں گورنر بنانے کا ارادہ کیا جاتا۔ لہٰذا اُنہیں حاکم بنانے کا خیال اُسی وقت آیا ہوگا جب قیس کو گورنر بنایا تھا اور کسی مصلحت کی بنا پر ہاشمؓ کے بجائے قیس کو تعینات کر دیا تھا۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ قیس کے طرز حکومت نے وہ میدان اور موقع فراہم کیا جس سے معاویہ کی کوششوں اور ریشہ دوانیوں کو فرصت مل گئی۔ اور مصر فتح ہو گیا اور محمدؓ شہید ہو گئے۔ یہ بات سوچی بھی نہیں جاسکتی کہ قیس نے یا محمدؓ نے جان بوجھ کر وہ میدان اور فرصت پیدا کی ہو کہ معاویہ کامیاب ہو گیا۔ وہ دونوں انتہا درجہ کے بابصیرت اور پُرخلوص فداکار تھے۔ جس بات کی طرف توجہ جانا چاہئے اور جسے حضورؑ کُھل کر کہنا اپنے منصب کے شایان شان نہیں سمجھتے وہ یہ ہے کہ محض خلوص، وفاداری اور فداکاری ہی کافی نہیں ہے بلکہ معاویہ، عمرو عاص اور قریشی لیڈروں کی چالاکیوں، مکاریوں فریب کاریوں کو نظر کے سامنے رکھ کر پیش بندیاں کرنا اور اُن تمام راہوں کو بند کرنا خلوص و وفاداری سے کہیں زیادہ ضروری اور قیمتی ہے۔ اور چونکہ ہاشم بن عتبہ قریشی خاندان سے تھا اور اُن کے تمام حربوں اور چالوں سے واقف تھا لہٰذا وہ معاویہ کو مصر کی فتح کا خیال آنے سے پہلے اُسے اس فکر میں مبتلا کر دیتا کہ شام کو کیسے ہاشم سے محفوظ رکھا جائے وہ اپنی ٹیکنیک (Technique) سے مصر کے دیہات اور علاقوں پر قبضہ کرنے کے اسکیم بناتے اور اپنا اثر و رسوخ معاویہ کے درباریوں تک میں پھیلاتے اور معاویہ کی نیندیں حرام کر دیتے۔ مگر محمدؓ محض روزہ نماز اور مساجد کے احاطہ میں بند رہے۔ قیس بھی وفا اور نرمی اور اخلاق کی رسیوں میں بندھے

رہے۔آپ جناب مالک اشترؒ کو دیکھئے کہ نہایت اطمینان سے مہمانداری قبول کرلی اور زہر پی لیا۔اگر یہ خیال سامنے رہتا کہ اُن کی روانگی سے معاویہ کو کتنی تشویش ہوئی ہوگی اور اُس نے اُن کے مصر پہنچنے سے روکنے کے لئے کیا کچھ نہ کیا ہوگا؟ یہ جانتے ہوئے کہ ہمارا مدمقابل بے دین ہے۔ غدار ہے۔مکار ہے۔فریب ساز ہے۔رشوت دیتا بھی ہے لیتا بھی ہے۔زہر کھلانا اُس کا پرانا حربہ ہے۔گھات لگا کر قتل کرانا اُن کا پیشہ ہے۔پھر خلوص ووفا وغیرہ کی پٹی باندھے رکھنا۔انتہائی بے بصیرتی تھی جس کی تکلیف حضورؐ کو پہنچتی تھی۔ہم اپنے دوستوں کو بتاتے ہیں کہ محمدؐ وآل محمد علیہم السلام کسی حالت میں چالاکی نہ کرتے تھے۔ہر حال میں سچ بولتے تھے۔اپنے تمام پروگراموں کا سب کے سامنے اعلان کرتے تھے۔دھوکے بازوں، نسلی وعادی مجرموں سے بھی کچھ نہ چھپاتے تھے۔وہ کسی حال میں رحم وکرم کو ترک نہ کرتے تھے۔یہی وہ عملدرآمد تھا کہ قریش اپنی ہر اسکیم میں کامیاب ہوئے اور جب چاہا اور جتنا چاہا محمدؐ وآل محمد کو تکلیف اور مصیبت سے دوچار کیا۔یہ سب کچھ دیکھنے، سننے اور پڑھنے کے بعد ہمارا رویہ کیا اور کیسا ہونا چاہئے؟ یہ ایک بہت اہم سوال ہے اور اس کا مختصر وجامع جواب یہ ہے کہ دوستداران محمدؐ وآل محمدؐ کو ایسا رویہ اختیار کرنا چاہئے کہ کوئی اُن کو فریب نہ دے سکے، ناکام نہ کرسکے، وہ اپنی تمام دینی اور دنیاوی اسکیموں میں ہمیشہ کامیاب وکامران رہیں اور یہ جب ہی ہوسکتا ہے کہ ہم ہر حال میں تقیہ اور تقویٰ کو مضبوطی سے اختیار کریں جھوٹوں کے ساتھ ہرگز سچ نہ بولیں غداروں اور دغابازوں کے ساتھ وفا اور خلوص ہرگز استعمال نہ کریں غدر اور فریب کو قبل از وقت بھانپیں اور دشمن کو غدر اور فریب کا ایسا سبق دیں کہ وہ سات پشتوں تک نہ بھولیں۔ہر اقدام میں تمام ممکنات کو پہلے سامنے رکھیں اور قبل از وقت ایسا فول پروف انتظام کریں کہ بجائے ندامت اور پچھتانے کے خوشیاں منائیں۔مطلب یہ ہے کہ قریش کی ساری چالاکیوں اور مکاریوں سے کچھ بڑھ کر عمل درآمد کریں۔تاکہ اپنا اور مومنین کا تحفظ یقینی ہوجائے۔

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 68

علی نقی طہرانی :خطبہ نمبر: 69

خُطبہ ﴾115﴿

حضرت علی علیہ السلام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ملاقات کی اور قریش کی شکایت سُن کر بددعا کرنے کا حکم دیا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

مَلَکَتۡنِیۡ عَیۡنِیۡ وَاَنَا جَالِسٌ؛	1	میں بیٹھا ہوا تھا کہ میری آنکھیں مجھ پر غالب ہوگئیں اور
فَسَنَحَ لِیۡ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ؛	2	نتیجہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ میرے سامنے آ گئے۔
فَقُلۡتُ یَا رَسُوۡلَ اللّٰہِ مَاذَا لَقِیۡتُ مِنۡ اُمَّتِکَ مِنَ الۡاَوَدِ وَاللَّدَدِ؛	3	تب میں نے عرض کیا کہ یا رسوؐل اللہ مجھے آپ کی امت کے ہاتھوں کیسے کیسے مکارانہ منصوبوں اور کیسی تباہ کن دشمنی سے سابقہ پڑا ہے۔
فَقَالَ: اُدۡعُ عَلَیۡہِمۡ فَقُلۡتُ ؛	4	حضوؐر نے فرمایا کہ تم میری امت کے لئے اللہ کو دعوت دو (بددعا کرو)
اَبۡدَلَنِیَ اللّٰہُ بِہِمۡ خَیۡرًا مِنۡہُمۡ ؛	5	میں نے اللہ سے عرض کیا کہ: یا اللہ تو مجھے اس امت سے بہتر امت عطا فرمادے۔
وَاَبۡدَلَہُمۡ بِیۡ شَرًّا لَہُمۡ مِنِّیۡ ؛	6	اور اس امت کو میری جگہ برا حاکم دے دے۔''

تشریحات:

سب سے پہلے حضوؐر کے پہلے جملے کا ترجمہ مفتی جعفرحسین سے سنئے لکھا ہے کہ:

''میں بیٹھا ہوا تھا کہ میری آنکھ لگ گئی۔'' (نہج البلاغہ جلداول صفحہ 209)

پھر جناب فیض الاسلام علی نقی طہرانی کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

''نشستہ بُودم خواب بچشمم مسلّط شُد (جلداول صفحہ 156)۔''میں بیٹھا تھا کہ میری آنکھوں پر خواب مُسلّط ہوگیا۔''

اِن مترجمین پر شیطانی وحی نازل ہوئی تھی۔

اِن دونوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ: ''آپؐ نے یہ کلام شب ضربت کی سحر کو فرمایا۔'' (ایضاً جلداول صفحہ 209)

''امام علیہ السلام بعد از نیمہ شب روزی کہ (وقت طلوع صبح نوزدھم رمضان سال چہل ہجری) شمشیر برفرقِ مبارکش زدہ شد (بوسیلہ عبدالرحمٰن ابن ملجم مُرادی وبراثر آن درثلث اول شب بیست ویکم آنماہ وفات نمود) فرمود۔'' (ایضاً جلداول صفحہ 156)

قارئین دیکھیں کہ اِن دونوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ ایسے یقین کے ساتھ لکھا کہ گویا یہ دونوں حضوؐر کے سرہانے بیٹھے ہوئے سب کچھ بچشم خود دیکھ رہے تھے یا یہ کہ اُن پر وحی نازل کی گئی ہے۔

2۔ حضورؑ کے الفاظ سے اور اُن کے مقام بلند سے ہم جو کچھ سمجھتے ہیں وہ ملاحظہ ہو۔

لفظ ملکیت ایک عام، سادہ اور خود اُردو میں بھی استعمال ہونے والا لفظ ہے اور حضورؑ نے فرمایا یہ ہے کہ:

مَلَکَتْنِیْ عَیْنِیْ وَاَنَا جَالِسٌ؛ ''میری آنکھوں نے مجھے ایسی حالت میں اپنی ملکیت میں لے لیا جب کہ میں بیٹھا ہوا تھا۔''

پہلے تو یہ سوچئے کہ جس روز حضور علیہ السلام کا سر دوٹکڑوں میں شگافتہ ہوا تھا اور حضورؑ نے مسجد ہی میں دونوں ٹکڑوں کو ملا کر عمامے سے باندھا تھا۔ اُس رات کی پہلی صبح کو آپ ہرگز اس قابل نہ تھے نہ ہوسکتے تھے کہ بیٹھ جائیں اور زخم وغیرہ کا ذکر تک بھی نہ کریں۔ لہٰذا یہ بیٹھا ہوا ہونا سر کے دوٹکڑے ہونے کے بعد اسی صبح کی بات ہرگز نہیں ہوسکتی۔ یہ بات تندرستی کے زمانہ کی ہے۔ پھر یہ سوچئے کہ حضرت علی علیہ السلام اُس شدید زخم اور یقینی موت کے پاس کھڑے ہونے کے وقت وہ دعا کیسے مانگ سکتے تھے جو خطبہ میں مذکور ہوئی ہے؟

یعنی یہ کہ اللہ مجھے اس اُمت سے بہتر اُمت عطا کرے۔ یعنی آپؑ کو دعا کے وقت اور زندہ رہنے کا یقین ہے۔ رہ گئی ضربت تو اُس کا حضورؑ انتظار کرتے رہے ہیں۔ اور ضرب لگنے کے بعد آپ کا یہ جملہ تمام مسلمانوں میں مشہور ہے کہ ''میں بخدا کامیاب ہوگیا'' اس ضرب سے پہلے بھی ضرب لگنے کے بعد بھی آپؑ پُر یقین تھے کہ میں اب شہید ہوجاؤں گا اور آپؑ نے وصیتیں کرنا بھی شروع کردیا تھا۔ لہٰذا یہ دعا بھی اُن دونوں مترجمین کی بات کو بکواس ثابت کرتی ہے۔ اب یہ دیکھئے کہ حضورؑ نے نیند آجانے کا یا خواب کو یا آنکھیں بند ہوجانے کا ذکر نہیں فرمایا ہے۔ یہ بھی مترجمین کی بے دینی، مادہ پرستی اور عربی زبان سے مذاق کا ثبوت ہے کہ بلا دلیل لفظی بات کو نیند اور خواب میں تبدیل کردیا ہے۔ حضورؑ نے تو یہ فرمایا ہے کہ آنکھیں میرے قابو میں رہنے اور مجھے فطری حالات دیکھنے سے روک کر میرے سامنے یہ سانحہ پیش کرتی ہیں کہ رسولؐ اللہ میرے سامنے آگئے۔ اگر یہ نیند یا خواب کی بات ہوتی تو لفظ فَسَنَحَ رسوؐل اللّٰہ کہنا بے معنی وغیر ضروری وغیر متعلق بات ہوتی۔ لفظ سانحہ۔ سوانح عمری اردو زبان میں بھی استعمال ہوتے ہیں اور خواب کے لفظ سانحہ اور حادثہ استعمال نہیں ہوتے بلکہ غیر معمولی صورت حال کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ چونکہ جاگتے ہوئے، بیٹھے بیٹھے اچانک فطری ماحول کے بجائے آنکھوں کے روبرو رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ آگئے اس لئے حضورؑ نے اس نظارہ کو سانحہ فرمایا اور آنکھوں کا بے قابو ہوجانا بتایا ہے۔ چنانچہ سونے اور خواب میں دیکھنے کی حالت میں اس بیان کی ضرورت نہ تھی۔

3۔ آنحضرتؐ اور دیگر انبیاؑ اور آئمہؑ وفات کے بعد بھی تشریف لاتے رہتے ہیں۔

آیئے آپ کو ایک حدیث سنائیں اُس سے آپ کی توجہ حقیقت کی طرف منعطف ہوجائے گی۔

عِدَّةٌ مِّنْ اَصْحَابِنَا عَنْ اَحْمَد بن محمد البرقی عَنْ جعفر بن مُثَنّٰی الخطیب قَالَ: کُنْتُ بِالْمَدِیْنَةِ وَسَقْفُ الْمَسْجِدِ الَّذِی یَشْرَفُ عَلٰی الْقَبْرِ قَدْ سَقَطَ وَالْفِعْلَةُ یَصْعُدُوْنَ وَیَنْزِلُوْنَ وَنَحْنُ جَمَاعَةٌ ،فَقُلْتُ لِاَصْحَابِنَامَنْ مِنْکُمْ لَهٗ مُوْعَدٌ یَدْخُلُ عَلٰی اَبِیْ عَبْدِاللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامَ اللَّیْلَةَ ؟فَقَالَ مَهْرَانُ بن ابی نصرانا ،وَقَالَ اِسْمَاعِیل بن عمار الصیرفی. اَنَا فَقُلْنَا لَهُمَا: سَلَاهُ لَنَا عَنِ الصُّعُوْدِ لَنَشْرَفُ عَلٰی قَبْرِ النبیؐ ،فَلَمَّا کَانَ مِنَ الْغَدِ لَقِیْنَا هُمَا، فَاجْتَمَعْنَا جَمِیْعًا، فَقَالَ اِسْمَاعِیل :قَدْ سَاَلْنَاهُ لَکُمْ عَمَّا ذَکَرْتُمْ، فَقَالَ: مَااُحِبُّ لِاَحِدٍ مِنْهُمْ اَنْ یَعْلُوْا فَوْقَهٗ وَلَا آمَنُهٗ اَنْ یَرَی شَیْئًا یَذْهَبُ مِنْهُ بَصَرَهٗ اَوْیَرَاهُ قَائِمًا یُصَلِّی اَوْیَرَاهُ مَعَ بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ صلی اللّٰه علیه و آله. (کافی کتاب الحجة باب نهی عن الا شراف علیٰ قبر النبیؐ)

''ہمارے صحابہ کی ایک جماعت نے احمد بن محمد برقی سے اور اُنہوں نے جعفر بن مُثنّٰی خطیب سے روایت کیا ہے کہ اُس نے کہا کہ میں

مدینہ میں موجود تھا کہ مسجد کی چھت کا کچھ ایسا حصہ شکستہ ہوگیا جو رسولؐ اللہ کی قبر سے بلندی پر تھا۔ اور معمار اور کاریگر لوگ مرمت کے سلسلے میں چھت پر چڑھتے اور اُترتے تھے ہمارے صحابہ کی بھی وہاں ایک جماعت موجود تھی۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ تم میں کون وعدہ کرتا ہے کہ وہ آج رات حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ملاقات کرے گا؟ اس پر مہران بن ابی نصر نے کہا کہ میں ملاقات کروں گا اور ساتھ ہی اسماعیل بن عمار الصیرفی نے کہا کہ میں بھی ملنے والا ہوں۔ ہم نے اُن دونوں سے کہا کہ تم ہمارے لئے حضورؑ امامؑ سے یہ سوال کرنا کہ کیا نبیؐ کی قبر سے بلندی پر چڑھنا چاہئے یا نہیں؟ جب اگلے دن صبح ہوئی ہم سب جمع ہو کر اُن دونوں سے ملے اور دریافت کیا تو اسماعیل نے بتایا کہ ہم نے تمہارا سوال دریافت کیا تھا۔ امامؑ نے فرمایا ہے کہ: مجھے یہ پسند نہیں کہ تم میں سے کوئی ایک بھی قبر نبیؐ سے بلندی پر چڑھے اور یہ بھی یقین و بھروسہ نہیں دیتا کہ تم سے کوئی ایسی چیز دیکھ لے کہ اُس کی بینائی ہی جاتی رہے یا وہ رسولؐ اللہ کو نماز پڑھتا ہوا دیکھ لے یا نبیؐ کو اپنی کسی زوجہ کی ہمراہی میں دیکھ لے۔'' (کافی کتاب **الحجة** باب نہی عر الاشراف علیٰ قبر النبیؐ)

4۔ علامہ محمد باقر مجلسی جیسے بدعقیدہ عالم کی تک بندی و قیاس آرائی؟

ہم علامہ کی فارسی کا اُردو ترجمہ لکھتے ہیں سنئے:

''یہ جو فرمایا کہ میں پسند نہیں کرتا'' اس کے معنی کراہت کے ہیں۔ لیکن جو وجہ بیان فرمائی وہ حرام ہونے کی دلیل ہے اور میں نے اس مسئلہ میں اپنے فقہا کا کوئی واضح حکم نہیں دیکھا ہے۔ دَآهُ یُصَلِّی سے مقصود یہ ہے کہ مثالی جسم سے نماز پڑھتے ہوں گے۔ بہت سی حدیثوں میں آیا ہے کہ (پیغمبرؐ و آئمہؑ بلکہ پیغمبرانؑ دیگر بعد از مردن احوالی غریبے دارند) ہمارے پیغمبرؐ اور آئمہؑ اور دوسرے انبیاؑ کا مرنے کے بعد عجیب حال ہوتا ہے جو عام انسانوں کا نہیں ہوتا اُن کا گوشت زمین پر حرام ہے اُن کا جسم آسمانوں پر چلا جاتا ہے۔''

(ایضاً کافی جلد 2 صفحہ 465 اُسی حدیث کی جاہلانہ شرح)

یہ ہیں سکہ بند علما جن کو کسی چیز پر یقین نہیں ہوتا۔ انہوں نے نہ قرآن پڑھا نہ اس پر ایمان لائے۔

5۔ رسول اللہ تمام انبیائےؑ سابقہ کو بُلا کر اُن سے سوال کرسکتے تھے۔

تمام انبیاؑ اور آئمہ علیہم السلام ہمیشہ ایسی پوزیشن میں رکھے جاتے ہیں کہ جہاں ضروری سمجھیں جا آسکیں اسی بنا پر حضورؐ سے فرمایا گیا ہے کہ:

وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَامِنْ قَبْلِکَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً یُّعْبَدُوْنَO۔ (زخرف 43/45)

''اے نبیؐ، تم اُن رسولوںؑ سے دریافت کرو جو تم سے پہلے ارسال کئے گئے تھے کہ کیا ہم نے رحمٰن کے علاوہ بھی کچھ قابل عبادت لوگ بنائے تھے جن کی پوجا کی جاتی ہے؟

ہمارا ایمان و یقین و تجربہ ہے کہ تمام سربراہان اسلام پوری کائنات میں جس چیز کو چاہیں حاضر کرلیں اور خود جہاں ضروری ہو تشریف لے جائیں۔ باقی انبیاؑ و آئمہ علیہم السلام ہر زمانہ کے سربراہؑ اسلام کے پاس رہا کرتے ہیں۔

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 69

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 70

خُطبہ ﴿116﴾

1۔عراق میں قریشی صحابہ کی مذمت اُنہیں اہل عراق فرما کر کی ہے۔

2۔علیؑ خوشی سے عراق میں نہیں آئے تھے۔

3۔کلام مرتضویؑ پر جھوٹ ہونے کا الزام اسی طرح لگاتے تھے جس طرح انبیاء علیہم السلام کو جھوٹا قرار دیتے ہیں۔

4۔کلام مرتضویؑ کو سمجھنے اور سنبھال کرر کھنے والے ظروف، قلب وذہن نایاب رہتے چلے گئے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

اَمَّا بَعۡدُ یَا اَهۡلَ الۡعِرَاقِ فَاِنَّمَا اَنۡتُمۡ کَالۡمَرۡاَةِ الۡحَامِلِ حَمَلَتۡ ؛	1	حمد خداوندی کے بعد اے اہل عراق یقیناً تم لوگ اس حاملہ عورت کی مانند ہو جس نے حمل کی تمام زحمتیں برداشت کی ہوں۔اور
فَلَمَّا اَتَمَّتۡ اَمۡلَصَتۡ ؛	2	پھر اس نے جان بوجھ کر اپنا حمل ساقط کردیا ہو۔
وَمَاتَ قَیِّمُهَا وَطَالَ تَاَیُّمُهَا ؛	3	اور پھر اس کی دیکھ بھال کرنے والا شوہر بھی مرگیا اور اس کے رنڈاپے نے بہت طول کھینچا۔
وَوَرِثَهَا اَبۡعَدُهَا ؛	4	اور وہ اپنے تمام عزیزوں سے بعید کے لوگوں کے قبضہ میں چلی گئی ہو۔
اَمَا وَاللّٰهِ مَا اَتَیۡتُکُمۡ اخۡتِیَارًا ؛	5	خدا کی قسم میں تمہارے پاس اپنی خوشی اور اختیار سے نہیں آیا تھا۔
وَلٰکِنۡ جِئۡتُ اِلَیۡکُمۡ سَوۡقًا؛	6	ولیکن مجھے خلافت کی ذمہ داریوں نے ہانک کر بھیجا تھا۔یعنی تم نے خود حالات کو پیچیدہ بنایا اور مجھے ان کو سنوارنے کے لئے آنا پڑا۔
وَلَقَدۡ بَلَغَنِیۡ اَنَّکُمۡ تَقُوۡلُوۡنَ ؛	7	اور مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ تم لوگ یہ بھی کہتے ہو کہ:
عَلِیٌّ یَکۡذِبُ ؛	8	علیؑ جھوٹ بولتا ہے۔
قَاتَلَکُمُ اللّٰهُ ؛	9	خدا تمہیں قتل کرے یہ تو بتاؤ کہ،
فَعَلٰی مَنۡ اَکۡذِبُ ؟	10	میں کس پر جھوٹ بولتا ہوں؟
اَعَلَی اللّٰهِ؟	11	کیا میں اللہ پر جھوٹ بولوں گا؟ جب کہ میں
فَاَنَا اَوَّلُ مَنۡ اٰمَنَ بِهٖ ؛	12	وہ پہلا شخص ہوں جو اللہ پر ایمان لایا تھا۔یا
اَمۡ عَلٰی نَبِیِّهٖ ؟	13	کیا میں اللہ کے نبیؐ پر جھوٹ بولوں گا جب کہ:۔

فَانَا اَوَّلُ مَنْ صَدَّقَهٗ ؛	14	میں ہی وہ پہلا شخص ہوں جس نے نبیؐ کی تصدیق کی تھی؟
كَلَّا وَاللّٰهِ وَلٰكِنَّهَا لَهْجَةٌ غِبْتُمْ عَنْهَا ؛	15	خدا کی قسم یہ بات ہرگز صحیح نہیں ہے لیکن وہ ایسا کلام ہے جس کے بیان کے وقت تم غائب تھے۔
وَلَمْ تَكُوْنُوْا مِنْ اَهْلِهَا ؛	16	اور تم اس کلام کے لئے ویسے بھی اہلیت نہ رکھتے تھے۔
وَيْلُمِّهٖ ؛	17	تمہاری ماں افسوس میں مبتلا ہو۔
كَيْلًا بِغَيْرِ ثَمَنٍ ؛	18	میں تو بلا ناپ تول کے اور بلا قیمت کے لٹاتا رہا ہوں۔
لَوْ كَانَ لَهٗ وِعَآءٌ ؛	19	کاش اس علمی دولت کے لئے کوئی ظرف یا برتن موجود ہوتا۔
وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ؛	20	اور تم لوگ کچھ زمانہ کے بعد اس غیبی خبر کے متعلق پوری معلومات حاصل کر سکو گے۔'' (سورہ ص 38/88)

تشریحات:

یہ خطبہ بتاتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام اُن قریشی صحابہ کو مخاطب فرمارہے ہیں جو قریشی ذہنیت اور قریشی تعلیمات و تربیت کی بنا پر ہر اُس چیز کو غپ اور جھوٹ سمجھتے ہیں جو مادی حالات و مادی سامان سے بلند درجہ کی بات ہو۔ چنانچہ قریشی عقائد و اعمال دینی تصورات کو ہمیشہ نچلے درجہ کے اعمال وعقائد بنا کر اختیار کرتے تھے۔ مثلاً نماز کو معراج المومنین کہنے کا مطلب اُن کے یہاں زیادہ ملکی وقومی ترقی سمجھا جاتا تھا مثلاً پیش نماز بنا دیا جانا یا کسی عہدے پر ترقی مل جانا یا خلیفہ اور حکام کی نظر میں معزز ومکرم ہو جانا اور بس۔

یعنی اُن کے قلب وذہن میں اس کی گنجائش نہ تھی کہ نماز ایک نمازی کو بلند کر کے دُور دراز کے ممالک کی سیر کرا سکتی ہے۔ یا ایک جگہ سے آناً فاناً ہزاروں میل کے فاصلے پر پہنچا سکتی ہے یا ایک نمازی عرش کی بلندیوں کو چھو سکتا ہے۔ یہ باتیں قریش اور اُن کے راہنما لیڈروں، ابوبکر وعمر کے نزدیک جھوٹی اور ایسی باتیں کرنے والا جھوٹا سمجھا جاتا تھا۔ عراق کے باشندے قریشی لیڈر یا صحابہ بھی اسی طرح حضرت علی علیہ السلام کو جھوٹا سمجھتے چلے آئے تھے۔

2۔ قریش اور قریشی لیڈروں کا محمدؐ وعلیؑ اور قرآن کے مقابلہ میں سب سے بڑا حربہ۔

قریش نے اسلام اور قرآن کو عملی دین بنانے کی آڑ میں ہر اُس بات کا اور ہر اُس چیز کا انکار کر دیا جو کسی طرح اُن کے علم وفہم وقدرت سے باہر محسوس ہوئی۔ وہ چونکہ ساری کائنات کی تمام تفصیلات تک رسائی نہ رکھتے تھے۔ اس لئے انکار کر دیا کہ قرآن میں ہر چیز کی تفصیل ہے (12/111)۔ اُن کے قابو سے باہر کی بات تھی کہ وہ قرآن میں ہر چیز کا واضح بیان دکھا سکیں اس لئے اُنہوں نے تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً .. (16/89) ہر چیز کے واضح بیان کا، اور ہر قسم کی راہنمائی کا اور ہر طرح رحمۃ ہی رحمۃ کا انکار کر دیا۔ اور کہا کہ قرآن ایک مختصر سی اصولی کتاب ہے اور اس کے اصولوں کو سامنے رکھ کر لیڈر حضرات جیسے چاہیں گے قوانین بنا لیا کریں گے۔ اُنہوں نے رسولؐ کے متعلق بھی یہ کہا کہ ایک اَن پڑھ آدمی تھا۔ تھوڑا سفر کیا تھا اور وہ بھی بچپن کی عمر میں کیا تھا۔ چالیس سال تک قریش ہی کی طرح کافر رہے یہاں تک کہ اُس پر وحی آنے لگی۔ وہ

اپنی محدود معلومات کی بناپر اپنے بزرگ لیڈروں سے پوچھ پوچھ کر اور مشورہ کر کے احکام دیا کرتا تھا۔اُس سے زیادہ علم و تجربہ رکھنے والے لیڈر اس سے بہتر قرآن کی منشا کو سمجھتے تھے۔ وہی لوگ تھے جن کو آپ نے قرآن کی تعلیم و تنفیذ کا مختار بنایا تھا۔اُدھر قریش کسی قسم کی اور کسی مقدار میں بھی معجزاتی قدرت نہ رکھتے تھے اس لئے اُنہوں نے نبیؐ سے معجزہ صادر ہونے کا اور معجزہ کی ضرورت کا بھی انکار کر دیا۔ پھر قریش نسبی و نسلی طور پر مخلوط معاشرہ تھے۔اس لئے انہوں نے آئندہ نسبی پاکیزگی کی شرط اُٹھا کر تمام اولادِ آدمؑ کو برابر کر دیا اور کہہ دیا کہ خون و نسل اور طبقہ واریت اسلام کے خلاف ہے۔جس کا عمل بہتر وہ خود بہتر۔لہٰذا کام دیکھو اور کام ہی کی وجہ سے انہیں مقام دو۔

یہ تھا قریش کے اختیار کردہ دین کا نظام اور یہی نظام آج سارے مسلمانوں میں پھیلا ہوا ہے۔اس میں نہ سنی کی تفریق ہے نہ شیعہ اُن سے الگ ہیں۔رہ گیا نمازوں میں ہاتھ کھولنا، باندھنا یا کہیں اِدھر اُدھر ہٹ کر رکھنا یہ سارے مسلمانوں میں متفقہ طور پر جاری ہے۔

3۔ حضرت علیؑ ایسے مسلمانوں کے حکمران رہے اور مخاطب کیا۔

ایسے ہی مسلمان حضرت علی علیہ السلام کے مخاطب تھے۔انہیں حضورؐ نے سب سے پہلے اُن کے پسندیدہ اور اختیار کردہ اسلامی نظام پر پکڑا تھا۔اُن کے سامنے اُس حاملہ عورت کی عملی مثال رکھی جس نے حمل برداشت کیا ہو۔دن رات حمل کے تحفظ میں خود کو حاملہ جان کر ہر قسم کی زحمت و تکلیف اُٹھاتی رہی ہو۔پیٹ میں جگہ گھری ہوئی ہے۔لہٰذا کھانے میں کمی اور احتیاط کرتی ہو۔وزن کی وجہ سے نہ تیز چلتی ہو نہ تیز چلنے کو مفید سمجھنے پر ضد کرتی ہو۔کپڑے پہننے اور سونے میں بھی آزاد نہ ہو۔سیر سپاٹے پر پابندی۔آنے جانے ملنے ملانے اور جنسی تعلقات میں پابندی رکھتی ہو اور جب حمل ہر طرح صحت مند و مکمل ہو جائے اور وضع حمل اور آسانیوں اور آزادیوں اور خوشیوں کا زمانہ سامنے آجائے تو ایک ہولناک زقند لگا کر اس حمل کو گرا دے۔بچہ الگ مرجائے اور خود زخمی ہو کر خون کو قابو میں کرنے کے لئے بستر پر دراز ہو جائے۔دردوں اور پیچ و تاب میں مبتلا ہو جائے۔یہ حال اور عمل درآمد دیکھو اور پھر اُس مرد یا مردوں کو دیکھو جنہوں نے جنگی سامان جمع کرنے اور خریدنے میں کفایت شعاری اور تنگدستی کی تمام زحمتیں برداشت کی ہوں۔تنکا تنکا جمع کیا ہو۔اپنے کاروبار میں کٹوتی کی ہو۔کپڑوں جوتوں اور دیگر سامان کو دورانِ جنگ استعمال کرنے کے لئے ننگے پیر پھرتے رہے ہوں ناقص اور کم کپڑے پہنے ہوں۔کم خوراک پر اپنا اور بچوں کا گزارا کیا ہو۔زیادہ سامان کے تحفظ کے لئے نیندیں خراب کی ہوں۔عورتوں بچوں اور مردوں اور بزرگوں نے جنگ سے بخیر و خوبی اور کامیاب لوٹنے کی دن رات اور چلتے پھرتے دعائیں مانگی ہوں فاضل وقت دھار دار اور نوکدار ہتھیاروں کے تیز کرنے اور چمکانے میں خرچ کیا ہو۔گھوڑے کو کاوا دینے، کدانے اور اچانک مڑنے کی پریکٹس کرائی ہو۔سفر کی تمام زحمتیں اُٹھائی ہوں میدان جنگ میں ایک دوسرے سے بڑھ کر دشمن پر یلغار مچائی ہو اور جیسے ہی دشمن ہتھیار ڈالنے اور پناہ مانگنے پر تیار ہو وہ مرد یا وہ لوگ جنگ و جدل کو الگ رکھ کر صلح کی درخواست کر لیں۔کیا یہ مرد قطعاً اُس حمل گرانے والی عورت کی طرح نہیں ہیں؟ کیا آج وہی دشمن تمہیں دن رات قتل و غارت نہیں کر رہا ہے؟ اور اُس عورت کا تو بعد میں شوہر بھی مر گیا تھا۔شوہر کے پیچھے اُس کے رنڈاپے کے ابھی برسوں گزرنا ہیں۔اور اُس عورت کو اجنبی لوگوں میں جا کر کنیزوں کی طرح رہنا ہے۔تمہارے سامنے بالکل اُسی عورت والے حالات ہیں تمہیں اُن سے گزرنے کی بھی تیاری کرنا ہے۔اس غلط کاری اور بدحالی میں میں یہ سنتا ہوں کہ تم میرے لئے یہ بھی کہتے ہو کہ علیؑ جھوٹ بولتا ہے۔

4۔ حضرت علی علیہ السلام قریشی صحابہ کو سرزنش فرماتے اور ملزم قرار دیتے ہیں۔

ذرا بتاؤ تو سہی کہ میں کس کے خلاف جھوٹ بولتا ہوں اور کیا جھوٹ بولتا ہوں؟ یہ تو کسی کی مجال نہ تھی کہ کوئی قریشی لیڈر یا کوئی اُن کا

لگا سکا حضرت علی علیہ السلام کی کسی بات کو جھوٹا قرار دے سکے اور جن باتوں کو قریش جھوٹ کہتے تھے وہ تو تمام قرآن کے دعاوی تھے اور خود اپنے الفاظ سے ثابت تھے۔ جن عالمی وکائناتی علوم کی شہرت تھی اور جن کی وجہ سے یہودی وعیسائی علما حضرت علیؑ کا لوہا مانتے تھے اور سارا عرب حضورؐ کے سامنے بے دھڑک نظر بلند کر کے نہ دیکھتا تھا اُن کو جھوٹا کہہ کر عوام کو حضورؐ کے لکچروں اور خطبات میں جانے سے روکنا مقصود ہوتا تھا۔ لیکن اس روک تھام اور پروپیگنڈے کے باوجود لوگ حضرت علی علیہ السلام پر جان قربان کرنے کو تیار ہو جاتے تھے۔ قارئین اس خطبے میں آخری بات یہ دیکھیں کہ حضورؑ کو لوگوں سے شکایت ہے کہ اُن کے علوم وہدایات کو سمیٹنے اور محفوظ رکھ کر آگے بڑھانے والوں کی کمی ہے۔ علم وہنر ورموز کائنات کی کمی نہیں ہے۔ اور نا اہلوں اور بے قدروں کی بھیڑ بھاڑ ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ رفتہ رفتہ جو انقلاب عرب میں آیا اور قریشی حکومتوں کا تختہ اُلٹ دیا۔ اُن کی خلافتوں اور انتظامات کی اینٹ سے اینٹ بجادی وہ اسی تعلیم کا اثر ونتیجہ تھا۔

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 70

علی نقی طہرانی :خطبہ نمبر: 71

خُطبہ ﴿117﴾

1۔ محمدؐ کی حقیقی پوزیشن درود یا صلوٰۃ کی صورت میں وہ تمام گزری ہوئی تعلیمات ورسوم وعبادات ورواجات کے ختم ومکمل کرنے والے اور تمام بند دروازوں اور روکی ہوئی تعلیمات وعبادات کو کھولنے والے ہیں۔ انتہائی ترقی تک راہنمائی کرنے والی راہیں اور مائل اسٹون MileStone یا نشانِ راہ قائم کرنے والے عجائبات پیش فرمائے ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَللّٰهُمَّ دَاحِيَ الْمَدْحُوَّاتِ ؛	1	اے اللہ اے تمام زمینوں کا فرش بچھانے والے!
وَدَائِمَ الْمَسْمُوكَاتِ ؛	2	اور تمام آسمانوں اور دوسری چیزوں کو بلا سہاروں کے دائمی طور پر روکنے والے
وَجَابِلَ الْقُلُوبِ عَلٰى فِطْرَتِهَا ؛	3	اور دلوں کو ان کی فطرت کے ماتحت جبلّت اور خصوصیتیں دینے والے (بات تمام جاندار مخلوق کے دلوں کی ہو رہی ہے) یعنی
شَقِيِّهَا وَسَعِيدِهَا ؛	4	شقاوت اور دائمی خرابی اور سعادت اور دائمی خوش بختی اختیار کر لینے کی قدرت اور فراہم کرنے کی قدرت دینے والے۔
اَجْعَلْ شَرَائِفَ صَلَوَاتِكَ وَنَوَامِيَ بَرَكَاتِكَ ،عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُولِكَ الْخَاتِمِ لِمَا سَبَقَ؛	5	تُو اپنی شریف ترین صلوات اور روز بڑھتے اور پھیلتے چلے جانے والی برکتیں اپنے بندے محمدؐ اور اپنے رسوؐل کے ساتھ منسلک کر دے جو تمام سابقہ چیزوں، تعلیمات و رسومات ورواجات وقوانین وعبادات، طرز ہائے زندگی کو ختم اور مکمل کرنیوالے ہیں۔
وَالْفَاتِحِ لِمَا انْغَلَقَ ؛	6	اور اُن راہوں، طریقوں اور قوانین کے کھولنے اور جاری کرنے والے ہیں جن کے دروازے بند رکھے گئے تھے۔
وَالْمُعْلِنِ الْحَقَّ بِالْحَقِّ ؛	7	اور بذریعہ حق مکمل حق کا اعلان کرنے والے ہیں۔
وَالدَّافِعِ جَيْشَاتِ الْاَبَاطِيلِ ؛	8	اور جو ہر قسم کے باطل کی فوجوں سے مخلوق کا دفاع کرنے والے ہیں یعنی محمدؐ۔
وَالدَّامِغِ صَوْلَاتِ الْاَضَالِيلِ ؛	9	اور گمراہی کے حملوں اور قوتوں کو کچلنے والے ہیں۔
كَمَا حُمِّلَ فَاضْطَلَعَ ؛	10	جیسی بھی ذمہ داریاں ان پر تُو نے ڈالیں اُنہوں نے اُن کو برداشت اور پورا کیا۔ اور

قَائِماً بِاَمْرِکَ ؛	11	تیرے احکام کو سننے اوران کی تعمیل کے لئے ہمیشہ تیار رہے اور
مَسْتَوْفِزًا فِیْ مَرْضَاتِکَ ؛	12	تیری رضا مندیوں سے وابستہ رہے اوروہ
غَیْرَنَا کِلٍّ عَنْ قُدُمٍ ؛	13	آگے بڑھنے اوراقدامات کرنے میں کوتاہی نہ کرنے والے تھے۔
وَلَا وَاهٍ فِیْ عَزْمٍ ؛	14	اوراپنے ارادوں میں کمزوری بھی نہ آنے دی۔
وَاعِیًا لِوَحْیِکَ ؛	15	وہؐ تیری وحی کے لئے موزوں ترین ظرف تھے۔
حَافِظًا لِّعَهْدِکَ ؛	16	تیرے کئے ہوئے عہد کے محافظ تھے۔
مَاضِیًا عَلٰی نَفَاذِ اَمْرِکَ ؛	17	تیرے احکامات کو عملاً نافذ کرنے کی راہ چلتے رہے۔
حَتّٰی اَوْرٰی قَبَسَ الْقَابِسِ ؛	18	یہاں تک کہ انہوں نے روشنی کے متلاشیوں کے لئے روشنی کے شعلے بلند رکھے۔
وَاَضَاءَ الطَّرِیْقَ لِلْخَابِطِ؛	19	اوراندھیروں میں بھٹکنے والوں کے لئے راہ راست کو منوّر رکھا۔
وَهُدِیَتْ بِهٖ الْقُلُوْبُ بَعْدَ خَوْضَاتِ الْفِتَنِ وَالْآثَامِ ؛	20	فتنوں میں غور وخوض اور گناہوں میں دوڑ دھوپ کے بعد دلوں نے آپؐ کے سبب ہدایت پائی۔
وَاَقَامَ مُوْضِحَاتِ الْاَعْلَامِ ؛	21	اورانہوں نے راستوں کوواضح کرنے والے نشان مقرر کئے۔
وَنَیِّرَاتِ الْاَحْکَامِ ؛	22	روشن رہنے والے احکام نافذ کئے۔
فَهُوَ اَمِیْنُکَ الْمَامُوْنُ ؛	23	چنانچہ آنحضرتؐ تیری خیانت سے محفوظ امین ہیں۔
وَخَازِنُ عِلْمِکَ الْمَخْزُوْنِ ؛	24	تیرے ظاہر اور مخفی احکام کے خزینہ دار ہیں۔
وَشَهِیْدُکَ یَوْمَ الدِّیْنِ ؛	25	اورنتائج برآمد ہونے والے دن وہ تیرے حاضر وناظر گواہ ہیں۔
وَبَعِیْثُکَ بِالْحَقِّ ؛	26	وہ تیرے حق کے ساتھ مبعوث ہونے والے ہیں۔
وَرَسُوْلُکَ اِلَی الْخَلْقِ ؛	27	اوروہ تیری ساری مخلوقات پر تیرے رسوؐل ہیں۔
اَللّٰهُمَّ افْسَحْ لَهٗ مَفْسَحًا فِیْ ظِلِّکَ ؛	28	خدایاان کے مقام کواپنے زیر سایہ وسعتیں عطا کرتا رہ۔
وَاجْزِهٖ مُضَاعَفَاتِ الْخَیْرِ مِنْ فَضْلِکَ ؛	29	اوراپنے فضل سے انہیں بڑھتے رہنے والے اختیارات دیتا رہ۔
اَللّٰهُمَّ اَعْلِ عَلٰی بِنَاۤءِ الْبَانِیْنَ بِنَاۤءَهٗ؛	30	اے اللہ تمام تعمیرات کرنے والوں کی عمارتوں پر ان کی عمارت کو بلندی ورفعت عطا کرنا۔
وَاَکْرِمْ لَدَیْکَ مَنْزِلَتَهٗ ؛	31	اوراپنے پاس سے اورتوجہ سے ان کی منزل کو بزرگ ومفید بنادے۔
وَاَتْمِمْ لَهٗ نُوْرَهٗ ؛	32	اوران کے لئے ان کے نور کوانتہائی مقام تک پہنچانا۔

وَاَجۡزِہٖ مِنِ ابۡتِعَاثِکَ لَہٗ مَقۡبُوۡلَ الشَّھَادَۃِ ؛	33	اور انہیں اپنی رسالت کی جزا میں مقبول شہادت سے نوازنا۔
وَمَرۡضِیَّ الۡمَقَالَۃِ ؛	34	اور ان کی ہر بات کو اپنی پسندیدگی عطا فرمانا۔
ذَامَنۡطِقٍ عَدۡلٍ وَّخُطَّۃٍ فَصۡلٍ ؛	35	اس لئے کہ تیری ہر بات سراسر عدل اور فیصلے حد بندی کرنے والے ہوتے ہیں۔(مطلب یہ ہے کہ تو نے جن ضرورتوں اور مصلحتوں کو سامنے رکھ کر آنحضرتؐ کو مبعوث کیا تھا ویسی ہی جزا عطا کرنا)
اَللّٰھُمَّ اجۡمَعۡ بَیۡنَنَا وَبَیۡنَہٗ فِیۡ بَرۡدِ الۡعَیۡشِ وَقَرَارِ النِّعۡمَۃِ؛	36	اے اللہ ہمیں بھی حضورؐ کے ساتھ خوش گوار زندگی اور برقرار رہنے والی نعمتوں میں ساتھ ساتھ رکھنا۔
وَمُنَی الشَّھَوَاتِ ؛	37	اور تمنا بھری ضروریاتِ زندگی میں شریک رکھنا۔
وَاَھۡوَآءِ اللَّذَّاتِ ؛	38	اور خواہشوں کو ابھارنے والی لذتوں میں شامل رکھنا۔
وَرَخَآءِ الدَّعَۃِ وَمُنۡتَھَی الطُّمَاۡنِیۡنَۃِ ؛	39	سکون قلب اور وسعت خیال اور اطمینان کی انتہائی منزل میں ساتھ رکھنا۔
وَتُحَفِ الۡکَرَامَۃِ ؛	40	اور ان تمام تحفوں میں شریک رکھنا جن سے عزت واحترام بڑھتا ہے۔

تشریحات:

تشریحات میں سب سے پہلی اور آخری بات یہ نوٹ کریں کہ جس طرح حضورؐ نے پہلے خطبے میں اللہ کی پوزیشن اور مدح وثنا میں کمال کر دیا ہے بالکل اُسی طرح اس خطبے میں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے کمال کر دکھایا ہے۔ اِن دونوں خطبوں میں یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ حضورؐ اللہ ورسولؐ کی پوزیشن کو جن حدود تک سمجھے ہیں وہاں تک رسائی ناممکن ہے۔ آپ کا ہر جملہ محبت واحترام میں ڈوبا ہوا ہے۔ آپ کا ہر لفظ اس احساس کو لئے ہوئے آتا ہے جیسا کہ آپؑ اللہ ورسولؐ کو اپنے سامنے بالمواجہ دیکھ رہے ہیں اور اُن کی صفات وتجلیات خود الفاظ کی صورت میں حضورؐ کے قلب وذہن پر برس رہی ہیں۔ اور آپؑ اُنہیں سمیٹ کر خطبہ کی شکل میں ترتیب دیئے جا رہے ہیں۔ اور کہیں یہ محسوس ہونے نہیں پاتا کہ آپؑ کو بات کہنے میں کوئی دِقت پیش آ رہی ہے۔

2۔ اللہ سے آنحضرتؐ کے لئے دعا کرنے سے پہلے بطور اپیل کائنات کی تین اہم چیزوں کا ذکر۔

طریقہ یہ ہے کہ اللہ سے کچھ مانگنے سے پہلے ہمیں یہ بیان کر دینا چاہئے کہ ہم اللہ کی کتنی معرفت رکھتے ہیں اور یہ کہ اُسی معرفت نے ہمیں یہ یقین دلایا ہے کہ اللہ ہمیں فلاں فلاں چیزیں بھی دے سکتا ہے۔ یہ طریقہ ہر اُس دعا میں بلاناغہ ملے گا جو قانونی حیثیت سے ہمیں سکھائی گئی ہو۔ مثلاً سورہ فاتحہ یا الحمد میں ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ پہلے اللہ کو ساری کائنات کا پیدا کرنے اور پالنے والا مانو۔ اُس کے بعد رحمٰن اور رحیم ہونے کا اعلان کرو۔ پھر یہ بتاؤ کہ ہم نہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کرتے ہیں نہ کسی اور سے مدد طلب کرتے ہیں۔ اِس کے بعد اپنی دعا مانگو۔ اسی طریقے کے مطابق حضرت علی علیہ السلام پہلے یہ بتاتے ہیں کہ اللہ نے اس کائنات میں لاتعداد زمینیں بنائی ہیں اور انہیں میدانوں کی صورت میں پھیلا دیا ہے۔ تاکہ انسانوں کو وہاں رہنے اور چلنے پھرنے میں ایسی دِقت اور مشکل پیش نہ آئے جیسی پہاڑوں پر رہنے میں پیش آتی ہے۔ اِس سے یہ بھی سمجھا جا سکتا

ہے کہ انسان اُن تمام زمینوں پر رہائش کے لئے جانے والا ہے اور آج کی دنیا اس کوشش میں مصروف ہو چکی ہے چاند نام کی زمین پر انسان چل پھر چکا ہے۔ اور وہاں سکونت کے لئے کوششیں جاری ہیں۔ عہد مرتضویؑ کے لوگوں کو یہ وہم بھی نہ ہوا تھا کہ وہ اپنی زمین سے بلند ہو کر کہیں اور جا سکیں گے۔

حالانکہ اُن ہی کے زمانے میں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوری کائنات کی سیر کرنے کا ذکر فرمایا تھا۔ مگر اُس وقت قریشی مسلمانوں نے یہ کہہ دیا تھا کہ یہ خواب کی باتیں ہیں زمین سے بلند ہو کر مع جسم فضا میں جانا اُن لوگوں نے نہ مانا تھا۔ اور آج بھی معراج کے متعلق پرویز اور اُن کے ہم خیال لوگ ایسی ہی باتیں کر رہے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جن مسلمانوں نے رسولؐ اللہ کا یقین نہ کیا تھا وہ آج کافروں کی باتوں کا یقین کر رہے ہیں۔ یہ اُن کی بدقسمتی ہے جو قیامت تک اُن کا ساتھ نہ چھوڑے گی۔ جنہوں نے محمد وآل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کا یقین نہ کیا اُدھر وہ کائناتی علوم سے جاہل رہے اور اِدھر اُن لوگوں کا محتاج رہنا پڑا جنہیں وہ کافر و بے دین کہتے چلے آرہے تھے۔ لہٰذا اپنے نبیؐ اور حقیقی راہنماؤں کو جھٹلا کر اب انہیں اپنے کفار و بے دین لوگوں سے بھیک مانگنا مقدر ہو چکا ہے۔

3۔ دوسری اہم حقیقت یہ ہے کہ عظیم الشان آسمانوں اور آسمانی کرّوں کو بلا سہارے قائم کیا۔

پھر یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ نے لاتعداد کرّوں کو فضا میں بلا کسی سہارے کے جہاں چاہا وہاں روکا ہوا ہے۔ اور وہ اللہ کے مقرر کردہ قانون سے ذرہ برابر اِدھر اُدھر نہیں ہٹتے اور جسے جس راہ پر چلنے کا حکم دیا ہے وہ برابر اُسی راہ پر چلا جا رہا ہے۔ ہزاروں لاکھوں میل کا سفر کر رہے ہیں۔ اور خدائی نظام میں کہیں ابتری اور گڑبڑ پیدا نہیں ہوتی۔

4۔ تیسرے نمبر کی اہم چیز جاندار و بے جان مخلوق کی خصوصیات و مقدرات کا مقرر کرنا۔

جنہیں ہم عرف عام میں بے جان مخلوق کہتے ہیں وہ بھی اللہ اور محمدؐ وآل محمدؐ کے نزدیک بے جان نہیں ہیں بہرحال اللہ نے ہر چیز یا ہر مخلوق کے اندر چند خواص یا خصوصیات ودیعت کی ہیں۔ جو اُن میں موجود پائی جاتی ہیں اور جن کا علم رکھنے والے اُن سے استفادہ کرتے ہیں۔ مثلاً ہمیں معلوم ہے کہ انسانوں یا جانوروں کے بیمار ہو جانے پر ہم جو دوائیں بطور علاج استعمال کرتے ہیں وہ یہیں کی چیزیں ہوتی ہیں۔ اُن میں پتھر، درختوں یا پودوں کی جڑیں، پھل، پھول۔ پتے، شاخین، چھال، بُرادہ ہوتے ہیں۔ اور اُن کی خصوصیات معلوم ہونے کی بنا پر ہم انہیں موزوں کر کے بیماروں کو کھلاتے یا پلاتے ہیں، تو بیماریاں تندرستی سے بدل جاتی ہیں۔ یعنی یوں سمجھئے کہ بدن میں جس چیز کی کمی سے بیماری یا کمزوری پیدا ہوئی تھی۔ اُسے جسم میں پہنچانے سے کمی پوری ہو گئی اور بیماری جاتی رہی۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ نے ہمارے جسم میں وہ سب کچھ شامل کیا ہے جو یہاں نباتات و جمادات وحیوانات کی صورت میں پیدا کیا ہے۔ خصوصیات معلوم ہونے کی بنا پر ہم بیماروں کو تندرست اور کمزوروں کو طاقت ور بنا دیتے ہیں۔ لہٰذا یہاں کی مخلوق چھوٹی ہو یا بڑی سب میں اللہ نے چند ضروری خاصیتیں رکھ دی ہیں اور اُن کا علم اللہ نے انسانوں تک پہنچانے کا انتظام کیا ہے۔ اس علم کے ذریعہ ہم پوری کائنات پر قابو حاصل کر سکتے ہیں۔ ہمیں اگر اپنی بناوٹ اور اپنی عادت وخصلت کا علم ہو تو ہم خود اپنے اوپر بھی قابو اور تسلط حاصل کر سکتے ہیں۔ جس طرح اپنی بیماری وکمزوری کا علاج کیا تھا بالکل اُسی طرح اپنی دوسری عادتوں کا علاج بھی کر سکتے ہیں۔ مثلاً غصہ کو کم کر سکتے ہیں، قوت حافظہ کو بڑھا سکتے ہیں۔ غور وفکر میں ترقی کر سکتے ہیں، قوت برداشت وتحمل و بردباری میں اضافہ کر سکتے ہیں۔ حیوانی قوتوں میں کمی یا زیادتی کر سکتے ہیں۔ حد یہ ہے کہ ہم چاہیں تو دو چار منٹ میں مر بھی سکتے ہیں یعنی اللہ نے مقدرات کی ذیل میں ایسا عمدہ انتظام کر دیا ہے کہ خوش

قسمتی، بدقسمتی، کامیابی وناکامی، ترقی وتنزل اللہ نے اپنے قوانین کے ماتحت رکھا ہے۔ اوراپنے اُن نمائندوںؑ کے سپرد کر دیا ہے جن کی سپردگی میں ساری مخلوق کو عموماً اور نوع انسان کو خصوصاً ترقی کے لئے دیا ہے۔ لہٰذا اللہ نے تقدیرات کو اس طرح مقرر فرمایا ہے کہ کوشش کرنے والا ہمیشہ کامیابی اور خوش بختی بھی حاصل کر سکتا ہے اور ہمیشہ کی بدبختی اور ناکامی سے بھی وابستہ ہو سکتا ہے۔ (جملہ نمبر 4-3)

5۔ رسولؐ اللہ کے لئے دعا اور اُن کی لامحدود صفات وثنا۔

کائنات اور تقدیرات سے تعارف کے بعد حضرت علی علیہ السلام رسولؐ اللہ کے لئے اللہ کی شریف تر صلوٰت اور ہر روز بڑھتے رہنے والی برکات وابستہ رکھنے کی دعا فرماتے ہیں اور اُن ذمہ داریوں کی طرف اشارہ فرماتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ نے دورِ نبوت میں مکمل اور ختم کرنا ہیں۔ اور انہیں سمیٹ کر دو صورتوں میں پیش کر دیا ہے۔

6۔ رسولؐ اللہ کی بڑی سے بڑی ذمہ داریاں دو جملوں میں۔

اَلْخَاتِمِ لِمَا سَبَقَ؛ وَالْفَاتِحِ لِمَا انْغَلَقَ ؛

اِن دو جملوں میں حضرت آدم علیہ السلام کے دور سے لے کر خود اپنے دور تک کی تمام عبادات وتعلیمات وقوانین وقواعد وضوابط واحکامات ورسومات ورواجات اور طرز زندگی کے تمام متعلقات کو ختم ومکمل کر دینا رسولؐ اللہ کا فریضہ تھا اور وہ تمام دروازے اور راہیں چوپٹ کھول دینا جو مسلسل بند رکھے جاتے رہے۔ اس دوسرے جملے سے آنحضرتؐ کے بعد دورِ امامت کا قیامت تک جاری رہنا ثابت ہوتا ہے۔ یعنی دورِ نبوت ورسالت کی آخری تعلیم کے بعد دورِ امامتؑ کی تعلیم وتبلیغ کا دور ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص مکمل طور پر دورِ نبوت ورسالت سے واقف ہوگا اور اُس پر عامل ہوگا وہ دورِ امامت میں داخل کیا جائے گا ورنہ نہیں۔ وہ برابر دورِ نبوت ہی میں گھومتا رہے گا یعنی تعلیمات نبوت ورسالت کی آخری تعلیم ''ی'' تک پڑھ لینے اور عمل کر لینے کے بعد اُس کو امامت کے دور کی تعلیم کا ''الف'' پڑھایا جائے گا۔

7۔ دورِ امامت کو قرآن نے ابتدا ہی میں سمجھایا تھا۔

سورہ بقرہ کی پہلی پانچ آیات کو اُن لوگوں کے سمجھنے کے لئے چھوڑ یا بند کر رکھا تھا جو غور کر کے اُلجھیں اور اُلجھن سے نکلنے کے لئے سوال کریں۔ جو سوال نہ کریں اُن کو اُن کے حال اور سمجھ پر رہنے دیا گیا تھا۔ چنانچہ شیعہ اور سنی عوام اور علما نے آج تک وہ مطلب بھی نہ سمجھا جو لفظوں سے برآمد ہوتا چلا آیا ہے۔ اُس کے خلاف اپنی ذاتی رائے اور اجتہاد سے ایک ایسا مطلب ومعنی اختیار کر لئے جو انہیں قیامت تک حقیقت حال سے دُور دُور رکھنے کی ضمانت لیتے ہیں۔

8۔ سورہ بقرہ کی پہلی پانچ آیات کو موجود علما سے سمجھئے۔

کوئی سا قرآن کھولئے اور دیکھئے کہ پہلی آیت۔ الٓمّٓ (1)۔ ہے۔ پہلی آیت میں نمبر لکھا ہوا ہے یہ ہر قرآن میں مگر ترجمہ یا معنی کسی نے نہیں لکھے یعنی اس سورہ میں کل دو سو چھیاسی آیتیں ہیں جن میں سے ایک بے معنی یا بلا معنی ہے۔ گویا اللہ نے خواہ مخواہ نازل کی اور اللہ یا رسولؐ یا صحابہ نے خواہ مخواہ اس کو پہلا نمبر دے دیا۔ حالانکہ اسی طرح قرآن میں کئی جگہ الٓـــمّٓ آیا ہے اور وہاں اِسے نمبر نہیں دیا گیا ہے۔ اب دوسری آیت دیکھیں۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَO (2)

<u>مودودی ترجمہ:</u> ''یہ اللہ کی کتاب ہے اس میں کوئی شک نہیں ہدایت ہے اُن پرہیزگار لوگوں کے لئے جو........

تمام شیعہ سنی ترجموں میں لفظ ذٰلِکَ کے معنی ''وہ'' کی جگہ ''یہ'' لکھے ہوئے ہیں جو سب ماشاءاللہ عربی زبان کی رُو سے غلط ہیں۔اللہ کسی اور کتاب کی بات کررہا ہے جسے اُس نے اسم اشارہ ''وہ'' سے ظاہر کیا ہے جو اس قرآن کے علاوہ اور اس سے جداگانہ اور دُور فاصلے پر ہے۔پھر یہاں کہیں لفظ شک نہیں یہاں پر لفظ ریب ہے اور ریب کے معنی شک نہیں ہوتے اس لئے کہ شک تو خود عربی کا لفظ ہے۔اگر اللہ کو یہ کہنا ہوتا کہ ''اِس میں شک نہیں ہے'' تو یہ کہتا کہ لَاشَکُّ فِیْہِ اور یہ بات بھی غلط ہوتی اس لئے کہ سوائے چند مسلمانوں کے اس کتاب میں تو انسانوں کی کثرت کو شک ہے۔اور خود مسلمانوں کو شک ہے اُن کے نزدیک یہ مکمل کتاب نہیں ہے چند پارے یا چند سورتیں اس میں کم ہیں۔

مودودی سے سنئے کہ اُن کے نزدیک تو اللہ خود رسوؐل کو شک کرنے سے روکتا ہے۔

مودودی ترجمہ کرتے ہیں کہ: ''اب اگر تجھے اُس ہدایت کی طرف سے کچھ بھی شک ہو جو ہم نے تجھ پر نازل کی ہے تو اُن لوگوں سے پوچھ لے جو پہلے سے کتاب پڑھ رہے ہیں فی الواقع یہ تیرے پاس حق ہی آیا ہے تیرے رب کی طرف سے لہٰذا تو شک کرنے والوں میں سے نہ ہو۔'' (تفہیم القرآن جلد2 صفحہ 311)(سورہ یونس 10/94)

یہاں پہلے تو یہ دیکھ لیں کہ شک عربی کا لفظ ہے اور اُس (2/2) آیت میں نہیں ہے لہٰذا معنی غلط کئے ہیں پھر یہ دیکھ لیں کہ بقول مودودی خود رسوؐل اللہ کو قرآن میں شک کرنے سے منع کیا گیا ہے اور یہ تو واقعہ ہے کہ انسانوں کی کثرت کو قرآن کے کتاب اللہ ہونے میں شک ہے۔لہٰذا اللہ نے ہرگز یہ نہیں کہا کہ ''اِس کتاب میں شک نہیں ہے'' بلکہ کچھ اور کہا ہے۔کیا کہا ہے؟ یہ سارا غلط تصور بیان ہو جانے کے بعد بتائیں گے۔اس کے ساتھ اللہ نے یہ کہا ہے کہ:

هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ o الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنفِقُونَ o وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَآ اُنزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ o اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ o۔(بقرہ 5-2/1)

مودودی ترجمہ: ''ہدایت ہے اُن پرہیزگاروں کے لئے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔نماز قائم کرتے ہیں جو رزق ہم نے اُن کو دیا ہے اُس میں سے خرچ کرتے ہیں جو کتاب تم پر نازل کی گئی ہے یعنی قرآن اور جو کتابیں تم سے پہلے نازل کی گئی تھیں اُن سب پر ایمان لاتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں ایسے لوگ اپنے رب کی طرف سے راہ راست پر ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 49 تا 51)

یہ ترجمہ دیکھنے کے بعد اب اس ترجمہ سے یہ سمجھیں کہ جس کتاب کا یہ ذکر ہو رہا ہے وہ کتاب صرف اُن لوگوں کو ہدایت کرتی ہے جو:

پہلے سے متقی ہوں (2) پہلے سے غیب پر ایمان لا چکے ہوں۔(3) نمازیں پڑھتے ہوں۔(4) راہ خدا میں اپنا مال خرچ کرتے ہوں۔(5) جو قرآن پر ایمان رکھتے ہوں۔(6) توریت و زبور و انجیل اور تمام سابقہ کتابوں پر ایمان رکھتے ہوں۔(7) آخرت اور قیامت پر یقین رکھتے ہوں۔ اتنی شرطیں پوری کر چکنے والوں کو وہ کتاب ہدایت شروع کرے گی۔لیکن قرآن غریب تو اسلام لائے بغیر صرف اسلام لانے کا ارادہ کرنے سے ہدایت دینا شروع کر دیتا ہے۔سوچئے اور پوچھئے کہ جب ایک آدمی متقی پرہیزگار ہے اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے نمازیں پڑھتا ہے۔ساری کتابوں کا ماننے والا ہے اُسے قرآن اور کیا ہدایت دے گا؟ اور اُسے کس ہدایت کی ضرورت ہے؟ مطلب واضح ہے کہ:

الف۔لام۔میم۔آل محمدؐ۔وہ کتاب ہے جس کے متعلق کوئی اُلجھن (ریب) نہیں ہے وہ اُن لوگوں کو ہدایت دے گی جو تمام سابقہ دینیات وعبادات وعقائد پر پورا ایمان و عمل رکھتے ہوں گے۔

اور یہی مطلب ہے دور امامت کا۔ اور دور امامت میں ہدایت کا وہاں سربراہ اسلام علیہ السلام اور اُن کا اسٹاف پیچھے پلٹ کر اپنا وقت ضائع نہیں کریں گے۔ عوام الناس اور عملی نظام لوگوں کو معیار امامت تک بلند کریں گے۔ اور وہاں سے اُن کی الف۔ب اور ت شروع ہوگی جو تسخیر مادہ وکائنات سے متعلق ہوگی۔ جس سے لوگوں کو دور نبوت کی سیکھی ہوئی نمازوں اور عبادتوں کے نتائج برآمد کرنا پہلے نمبر پر آئے گا۔ یہاں یہ بھی نوٹ کریں کہ دور امامت میں تضیع اوقات سنگین جرم ہوگی ایک مقرر مدت کے اندر اندر ہر شخص کو فقاہت کے علمی درجہ تک پہنچنا ہوگا ورنہ اُسے بارزمین سمجھ کر راستہ صاف کردیا جائے گا۔ اور تازہ قائم شدہ نظام میں ہر بچہ کو سترہ سال کی عمر تک فقاہت کا علمی درجہ پار کرنا ہوگا۔ اور یہاں سے امامت کی تعلیمات کی ابتدا ہوگی۔ (دیکھو ''اسلام میں نظام ہدایت وتقلید'' اور ''مسئلہ رجعت'')

9۔ معجزات نام ہی قریشی اصطلاح کا ہے معجزات نہیں بلکہ یہ تعلیمات دینیہ ہیں۔

اسی جگہ یہ بات سمجھ لینا ضروری ہے کہ اس کائنات میں جو کچھ ہوتا ہے یا ہوسکتا ہے یا آئندہ ہوسکے گا وہ سب قوانین سے ہوتا ہے قوانین کے ماتحت ہوتا ہے۔ اور قوانین ہی کے ماتحت ہوتا رہا ہے۔ یہاں انبیا علیہم السلام کے ہاتھوں ایسے کام ہوتے رہے ہیں جو انسان کی عام عقل اور معلومہ قوانین وعلم کی گرفت سے باہر تھے۔ اس لئے اُن کاموں کو قریشی ریکارڈ میں ''معجزات'' کا نام دیا دے دیا گیا ہے۔ اور مطلب یہ لیا گیا کہ جب اللہ لوگوں کو لاجواب بے بس اور عاجز و مجبور کرنا چاہتا ہے تو اپنے کسی نبیؑ کو ایسی عارضی قدرت اور اختیارات دے دیتا ہے جس سے وہ معجزات دکھا سکتا ہے اور ضروری معجزہ دکھا چکنے کے بعد نبیؑ جیسا پہلے تھا ویسا ہی رہ جاتا ہے۔ یعنی اُسے پتہ بھی نہیں چلتا کہ کیا ہوا تھا اور کیسے ہوا تھا۔ یعنی معجزہ صرف اللہ کا فعل ہوتا ہے۔ نبیؑ کا اُس سے نہ کوئی تعلق ہوتا ہے نہ اُس میں کوئی اختیار ہوتا ہے نہ اُس کی سمجھ ہوتی ہے نہ وہ اُسے پھر کبھی دُہرا سکتا ہے۔ یہ ہے وہ باطل تصور جو آج بھی تمام علمائے اسلام یعنی شیعہ وسنیوں کے یہاں مسلّمہ ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ کوئی معجزہ دیا گیا نہ اُن کے زمانہ میں اُس کی ضرورت ہے۔ اُن کا معجزہ تو صرف قرآن ہے اور وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ عہد رسولؐ میں نوع انسان زمانہ بلوغ کو پہنچ گئی تھی اس لئے انہیں معجزات کی ضرورت نہ رہی تھی۔ وہ لوگ اپنے اس باطل عقیدے اور جاہلانہ تصور کے لئے قرآن کی آیات بھی پیش کیا کرتے تھے۔ لیکن اہل عقل وہوش لوگ جانتے ہیں کہ اللہ نے دنیا میں ایسی قوتیں اور قوانین پیدا کئے ہیں جن کے استعمال سے اور جن کے نتیجے میں ایسے نتائج برآمد ہو جاتے ہیں جو اُن قوتوں اور قوانین کے استعمال کئے بغیر ہزاروں سال میں بھی برآمد نہیں ہوسکتے۔ بہرحال یہاں صرف اس قدر بتانا مقصود ہے کہ معجزات لوگوں کو حیران کرنے یا تماشہ دکھانے یا لاجواب کرکے اپنی قوت منوانے کے لئے نہیں ہوتے بلکہ اُس کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی ہے اور نوع انسان کے استفادہ کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔ انسانی ترقی ملحوظ ہوتی ہے اور انسان کو وہ قوت عطا کرنا مطلوب ہوتا ہے۔ کہ وہ تجربات میں اپنا وقت ضائع کئے بغیر مرکزی پروگرام کے ماتحت رُوبہ ترقی رہے۔ یہاں حدیث قدسی کا یہ دعویٰ سن لیں کہ یہ فرمایا گیا ہے کہ:

''اے انسان اگر تونے ہمارے قوانین کی اطاعت کی تو ہم تجھے اُس مقام پر فائز کردیں گے کہ تو کہے کہ ہوجا اور ہوجایا کرے''

یعنی ''کُنْ فَیَکُوْن'' کا مقام انسانوں کے لئے منتظر ہے۔

اس تعلیم وترقی کے دروازے عموماً بند (انْــغَلَــق) رکھے گئے تھے۔ مگر معدوم نہ تھے۔ یہ تمام دروازے حضرت حجۃ علیہ السلام کے ہاتھوں کھلوا دیئے جائیں گے۔ یہ حضرت علیؑ اور باقی آئمہ علیہم السلام کے ادوار میں بھی کھلوا دیئے جاتے مگر قریش نے آئمہؑ کو مجبور رکھا اور انہوں نے دور امامت کا اعلان عام نہیں کیا مگر اُن کے ہاتھوں خاصان خدا وہ قوتیں اور قدرتیں حاصل کرتے رہے جنہیں اُن زمانوں کے لوگ کرامات ومعجزات کہتے اور

لکھتے چلے آئے ہیں۔اگر زمانہ سازگار رہا ہوتا اور قریش نے انہیں ذرا سی بھی آزادی دی ہوتی تو لوگ دورامامت سے فیض یاب ہوجاتے۔دشمنان محمدؐ وآل محمدؑ ہی نے نہیں بلکہ دوستداران محمدؐ وآل محمدؑ کہلانے والوں کی کثرت نے بھی اُن حضرات علیہم السلام کی راہ روکے رکھی اور دورنبوت سے نہ باہر نکلنے نہ اندر رہے۔یہاں تک کہ ایک حدیث بطور ثبوت نہیں بطور حکایت سن لیں اور سوچتے رہیں۔فرمایا یہ گیا تھا اور تمام علما کو معلوم ہے کہ:

"میری اُمت کے علما بنی اسرائیل کے انبیاؑ کے مانند ہوں گے"

علما کیا سمجھے اور آپ کو کیا بتایا میں بحث پر وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا۔بہر حال حدیث کے الفاظ سے ثابت ہے کہ جن حضرات کو آنحضرتؐ نے اپنی اُمت کے علما فرمایا ہے وہ یقیناً بنی اسرائیل کے تمام انبیا علیہم السلام کی طرح معصوم ہوں گے اور اُن کے ہاتھ سے وہ تمام افعال واعمال ظہور میں آئیں گے جو حضرت عیسیٰؑ سے لے کر حضرت اسحاقؑ تک ظہور میں آئے۔موت وزیست عطا کرنا ہواؤں اور فضاؤں پر اختیارات کا ہونا وغیرہ معمولی باتیں ہوں گی۔رہ گئے یہ نام نہاد علما۔یہ لوگ بکاؤ مال، یہ دشمنانِ خدا اور رسولؐ اور دشمنانِ قوم، خدا اِن پر لعنت کرے۔آمین۔

بہر حال دورامامتؑ میں وہ تمام دروازے اور راہیں کھول دیئے جائیں گے جو سابقہ ادوار نبوت میں مستقلاً یا عارضی طور پر بند تھے۔

10۔خطبہ کی چیدہ وتشریح طلب باتیں۔

ہم نے خطبہ کا ترجمہ ایسا سادہ اور واضح کر دیا ہے کہ ہر جملہ قارئین کی طبیعت کا جزو بن جائیگا اور آسانی سے سمجھ میں آتا جائیگا۔جملہ گیارہ میں حضورؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ آنحضرتؐ تیرے احکام نافذ کرنے کے لئے ماضی میں کھڑے رہتے تھے۔بلکہ دو لفظ فرمائے ہیں۔قَائِمًا بِأَمْرِكَ تیرے حکم کو نافذ کرنے کے لئے کھڑے ہوئے ہیں۔یعنی اپنی جگہ سے ہٹے نہیں۔ستائیسویں جملہ میں آنحضرتؐ کو تمام مخلوقات کا رسولؐ فرمایا ہے نہ کہ صرف انسانوں کا رسولؐ۔29ویں جملہ میں اُن کے لئے روزافزوں اختیار طلب فرمائے ہیں اور آخری دعائیہ جملے تو اُن کی عصمت اور نعمتوں سے دست کشی اور بھوک کا بے چین کرنے والا ثبوت دیتے ہیں۔

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر: 74

علی نقی طہرانی: خطبہ نمبر: 75

خُطبہ ﴿118﴾

''حضرت علی علیہ السلام کم از کم کیسا آدمی پسند کرتے تھے۔''

1۔کلمہ، حکمت کو گرہ میں باندھنے والا۔2۔ ہدایت کی طرف دوڑ کر جانے والا۔3۔ راہبرؑ کا دامن تھامے رکھنے والا۔

4۔ اللہ کو سامنے سمجھ کر عمل کرنے والا۔5۔ریاکاری سے دور، ثواب کا ذخیرہ سمیٹنے والا اور تقویٰ پر کاربند رہنے والا۔

6۔اُمیدوں اور تمناؤں سے چوکنا رہنے والا اور مہلتِ حیات سے اِستفادہ کرنے والا۔ 7۔موت کی طرف بڑھنے والا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

رَحِمَ اللّٰهُ امۡرَأً سَمِعَ حُكۡمًا فَوَعٰى ؛	1	خدا اُس شخص پر رحم کرے جو ایک حکم سنے اور اسے قبول کر کے عمل کرے
وَدُعِىَ اِلٰى رَشَادٍ فَدَنَا ؛	2	اور جب ہدایت اور اچھائی کی طرف بلایا جائے تو اسے اپنا لے۔
وَاَخَذَ بِحُجۡزَةِ هَادٍ فَنَجَا ؛	3	اور راہبر کا دامن پکڑے اور نجات حاصل کر لے۔
رَاقَبَ رَبَّهٗ ؛	4	خدائی قوانین پر اپنا دارومدار رکھے۔
وَّخَافَ ذَنۡبَهٗ ؛	5	اور گناہوں سے ڈر کر بچا رہا۔
قَدَّمَ خَالِصًا ؛	6	بے ریاکاری عمل آگے بڑھائے۔
وَّعَمِلَ صَالِحًا اكۡتَسَبَ مَذۡخُوۡرًا ؛	7	اور نیک و صالح اعمال ادا کرتا رہے اور ان چیزوں کو ذخیرہ کرے جو اس کے لئے اللہ نے مہیا کئے ہیں۔
وَاجۡتَنَبَ مَحۡذُوۡرًا؛	8	اور ان تمام چیزوں سے بچتا رہے جو اس کے لئے منع ہیں۔
رَمٰى غَرَضًا وَّاَحۡرَزَ عِوَضًا ؛	9	جو ٹھیک مقصد تک پہنچا اور صحیح بدلہ حاصل کیا۔
كَابَرَ هَوَاهُ وَكَذَّبَ مُنَاهُ ؛	10	اپنی خواہشوں کے مقابلہ میں ڈٹا رہا اور آرزوؤں کو جھٹلاتا رہا۔
جَعَلَ الصَّبۡرَ مَطِيَّةَ نَجَاتِهٖ؛	11	صبر کو نجات کی سواری بنائے رکھا۔
وَالتَّقۡوٰى عُدَّةَ وَفَاتِهٖ ؛	12	تقویٰ اور پارسائی کو اپنی وفات کے لئے ذخیرہ بناتا رہا۔
رَكِبَ الطَّرِيۡقَةَ الۡغَرَّآءَ ؛	13	روشن اور صحیح راہ پر گامزن رہا۔
وَلَزِمَ الۡمَحَجَّةَ الۡبَيۡضَآءَ ؛	14	اور دینی شاہراہ کی روش کو لازم کر لیا۔

اِغْتَنَمَ الْمَهَلَ ؛	15	مہلت حیات کو غنیمت سمجھ کر زندگی گزاری اور وقت ضائع نہ کیا۔
وَبَادَرَ الْاَجَلَ ؛	16	اور موت کی طرف قدم بڑھاتا رہا۔
وَتَزَوَّدَمِنَ الْعَمَلِ ؛	17	نیک عملی کا سامان لے کر منزل کا سفر کیا"

تشریحات:

خطبہ میں جن اعمال و عادات کو پسند فرمایا گیا ہے وہ ہر شخص کو پسند ہیں۔ کسی بھی مسلک و مذہب کا شخص، دنیا میں کسی بھی قوم و ملک کا فرد اُن کو ناپسند نہیں کرتا۔ اور یہ معلوم ہے کہ عالمی پسند کی باتیں ہی معروفات کہلاتی ہیں۔ اور عالمی ناپسندیدہ چیزوں کو منکرات کہا جاتا ہے۔ پھر جہاں یہ پسندیدہ عمل ہے کہ حکم سنتے ہی اُس کی تعمیل کر لی جائے وہیں یہ اُس سے بھی زیادہ پسندیدہ اور مفید عمل درآمد ہے کہ احکامات کو محفوظ کر لیا جائے۔ اس لئے کہ رفتہ رفتہ یہ احکامات کا ایک ضابطہ اور ریکارڈ بن جائے گا۔ اور اس کی مدد سے لوگ لوگوں کی راہنمائی کر سکیں گے اور ایک نظام برسرِعمل رکھا جا سکے گا۔

اگر لوگوں کو بھلائی کی دعوت قبول کرنے اور نجات و فلاح اور کامیابی حاصل کرنے اور راہنما کا دامن تھامے رہنے کی عادت ہو جائے تو تمام تائیدات خداوندی بڑھ کر اُن کا استقبال کریں گی اور ناکامی اُن کے پاس نہ پھٹکے گی۔ دین و دنیا کی تمام کامرانیاں اور ترقیاں روزِ ازل سے اُن لوگوں کے نصیب میں لکھی ہوئی ہیں جو اپنے پروردگار کے قوانین اور خوشنودی کے سہارے چلیں۔ نافرمانیوں سے بچ بچ کر قدم اُٹھائیں۔ اپنے کاموں میں نام و نمود کا شائبہ نہ آنے دیں۔ پتہ لگ جانے پر مفید کاموں کا ذخیرہ کرتے رہیں۔ نیک مقاصد کو حاصل کرنے سے باز نہ رہیں۔ کوئی ایسا کام نہ کریں جس کا عمدہ سے عمدہ بدلہ ملنے کی اُمید نہ ہو۔ نیکیاں اور بھلائیاں بٹورنے میں لالچی اور خودغرض بن جائیں۔ اچھائیوں اور مفید چیزوں کے حصول کے علاوہ نہ کسی چیز کی تمنا کریں نہ امیدیں باندھیں۔ تمنا اور امید اللہ و راہنما کی خوشنودی سے بندھی ہوئی رہنا چاہئے ورنہ تمنائیں اور اُمیدیں ہی شیطان کے وہ ہتھیار ہیں جن سے وہ لوگوں کو راہ راست سے ہٹا کر ایسے جنجال میں اُلجھا دیتا ہے کہ پھر نجات کی راہ سوجھتی ہی نہیں ہے۔ راہ راست کبھی چھوٹ نہیں سکتی اگر راہبر کا چہرہ ہمارے سامنے رہے۔ اور ہم اپنے تمام تصورات و اقدامات میں اُس کی رضامندی معلوم کرتے رہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ ہم اپنے غلط بھروسہ پر راہنما سے دُور نکل آتے ہیں۔ اور اپنی پسند کو راہنما بنا کر عمل پر عمل کرتے چلے جاتے ہیں۔ اور راہبر کے سایہ سے باہر نکلتے ہی ابلیس کا سایہ ہم پر اور ہمارے تصورات و اعمال پر پڑنے لگتا ہے اور اب ہمیں دونوں سایوں میں تمیز کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ جب یہ دیکھو کہ ہماری خوشی اور رائے کو زیادہ اہمیت دی جا رہی ہے تو رُک جاؤ۔ ہوسکتا ہے کہ یہیں کہیں ابلیس ہو۔ وہ تمہارے خلاف بات کہنے کی جرأت نہیں رکھتا۔ اُس کا مقصد تمہیں بہلانا پھسلانا ہوتا ہے۔ تمہارا راہنما تمہاری پسند اور خوشی کو اختیار نہیں کرتا۔ وہ تمہیں ذرا ذرا سی غلط بات پر ٹوکتا ہے۔ روکتا ہے۔ اور تمہاری ناراضی کی ذرہ برابر پرواہ نہیں کرتا۔ ہدایت کاری ظاہری ہو یا تصوراتی ہو۔ بس اُس میں اگر تمہیں خوش کیا جارہا ہے تو چونک جاؤ تحقیق کرو۔ راستہ مل جائے گا۔

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 76

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 77

خُطبہ 《119》

مغفرت طلب کرنے کا دل نشین و اثر انگیز طریقہ سیکھیے

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ مَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ ؛	1	خدایا تو ان چیزوں کو بخش دے جن کو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔ (مطلب یہ کہ جب میں جانتا ہی نہیں تو مغفرت کیسے مانگوں گا)
فَاِنْ عُدْتُ فَعُدْ عَلَیَّ بِالْمَغْفِرَةِ ؛	2	اگر میں غلطی کا اعادہ کروں تو تو میرے لئے مغفرت کا اعادہ کرنا۔
اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ مَا وَاَیْتُ مِنْ نَّفْسِیْ وَلَمْ تَجِدْ لَهٗ وَفَآءً عِنْدِیْ ؛	3	خداوندا جس نیک عمل کے کرنے کا میں نے اپنے دل میں وعدہ کیا تھا اور تو نے مجھ سے اس وعدہ کو وفا ہوتے نہیں دیکھا تو اُسے بھی بخش دے۔ (قدم قدم پر انسان ایسے وعدے کرتا ہوا گزرتا چلا جاتا ہے)
اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ مَاتَقَرَّبْتُ بِهٖ اِلَیْکَ بِلِسَانِیْ ثُمَّ خَالَفَهٗ قَلْبِیْ ؛	4	اے اللہ میری زبان سے نکلے ہوئے وہ جملے جن میں تیری قربت کا خواستگار رہا تھا اور چاہتا تھا کہ تجھے خوش کروں گا اور عملاً تجھے نیک عمل کر کے دکھاؤں گا لیکن میرا دل ہم نوا نہ ہوسکا یہ کوتاہیاں بھی بخش دے۔
اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ رَمَزَاتِ الْاَلْحَاظِ ؛	5	اے اللہ تو آنکھوں سے کئے ہوئے ناپسندیدہ اشاروں کو بھی بخش دے۔
وَسَقَطَاتِ الْاَلْفَاظِ ؛	6	اور میرے ناشائستہ الفاظ کا استعمال بھی بخش دینا۔
وَشَهَوَاتِ الْجَنَانِ ؛	7	اعضائے جسمانی کے غلط استعمال کو بھی بخش دینا۔
وَهَفَوَاتِ اللِّسَانِ ؛	8	اور زبان سے کی ہوئی نازیبا گفتگو کو بھی بخش دینا۔

تشریحات:

غور طلب بات یہ ہے کہ آیا بخشش طلب کرنے کا کوئی پہلو باقی رہ گیا ہے؟ مجھے تو نظر نہیں آتا۔ ممکن کہ ہمارا کوئی قاری ایسا پہلو ڈھونڈ نکالے اور اس دعا میں اضافہ کردے۔ بڑے مزے کی بات یہ فرمائی ہے کہ یا اللہ اگر میں غلطی کو دوبارہ کر گزروں تو تو بخشش کو دُہرانا۔ مطلب یہ ہے کہ ایک انسان کے لئے غلطی کرنا جس قدر آسان ہے۔ اُس سے زیادہ اللہ کے لئے بخش دینا ہے۔ پھر یہ بھی بڑے پتے کی بات ہے کہ یہ ممکن ہے کہ مجھ سے بخشش طلب کرنے میں بھی غلطی ہو جائے اور کوئی غلطی یاد نہ آئے یا نظر سے رہ جائے مگر اللہ سے تو غلطی نہیں ہوسکتی لہٰذا وہ جب بخشنے پر آئے گا تو کوئی غلطی یا گناہ باقی نہ رہ سکے گا۔ چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے دوسرے نیک لوگوں کو دیکھ کر یا خود اپنے بُرے اعمال سے شرما کر دل میں یہ

خیال گزرتا ہے کہ میں فلاں نیک کام کروں گا۔ ذرا یہ کام ہو جائے تو ساری زندگی اپنی اصلاح میں صرف کروں گا۔ ایسے خیالات آتے اور گزر جاتے ہیں اور نیک عملی کا موقع ملنے نہیں پاتا۔اس دُعا میں اُن خیالات کو وعدے قرار دیا ہے۔اور وعدہ خلافیاں کرتے رہنے کا اقرار کر کے تمام خیالات پر بلا عمل ومحنت کئے اجر وثواب حاصل کرنے کی راہ نکالی ہے۔اور اللہ سے کچھ بعید و ناممکن نہیں ہے کہ وہ ہماری ندامت پر اور حضورؐ کی محبت پر ہمیں وہ کچھ دے دے جو سکھایا گیا ہے۔اس دعا میں خود کو چاروں طرف سے گھیر کر اپنی ہر کمزوری کو اللہ کے سامنے رکھ دیا ہے۔حالانکہ آنکھیں، زبان، قلب وذہن اور تمام خواہشات ولذّات اللہ نے عطا کئے ہیں۔لیکن دعا میں کہیں ذرہ برابر شکوہ نہیں ہے تمام اعمال اور تصورات کو اس طرح قبول کرلیا گیا ہے۔کہ گویا ہم نے خود اپنی آنکھیں پیدا کی ہوں اور خود ہی جان بوجھ کر غلط نظری کی ہو اور یوں خود ہی لغزش کے بانی بنے ہوں۔سب کچھ اپنے ذمہ لگا کر قبول کرلیا ہے۔اللہ کو بخشنے اور سزا دینے میں مختار مانا گیا ہے۔وہاں سے یہاں تک اپیلیں ہی اپیلیں ہیں۔قوی اُمید ہے کہ اللہ اِن الفاظ میں اور اس انداز سے دعا مانگنے والے کو معصومین علیہم السلام کے صدقہ میں معاف فرمانا پسند کرے گا۔آمین بحق معصومینؑ، آمین۔

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 78

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 79

خُطبہ 《120》

عام عورتوں کی قانونی پوزیشن۔

1۔ناقص العقل ہونا۔(قرآن) 2۔ناقص الایمان ہونا۔(قرآن) 3۔حصوں میں ناقص ہونا۔(قرآن)

عام عورتوں میں اچھی عورتیں بھی خطرناک ہوسکتی ہیں۔دیکھوقرآن سورہ تحریم (66/3-6)وغیرہ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

مَعَاشِرَ النَّاسِ ؛	1	اے لوگو تمہیں معلوم ہو کہ:
اِنَّ النِّسَآءَ نَوَاقِصُ الْاِیْمَانِ ؛	2	عورتیں بحیثیت مجموعی ایمان میں ناقص ہوتی ہیں۔اور
نَوَاقِصُ الْحُظُوْظِ ؛	3	حصوں کی تقسیم میں بھی ناقص ہیں۔اور
نَوَاقِصُ الْعُقُوْلِ ؛	4	عقل میں بھی ناقص ہوتی ہیں۔
فَاَمَّا نُقْصَانُ اِیْمَانِهِنَّ فَقُعُوْدُهُنَّ عَنِ الصَّلٰوةِ وَالصِّيَامِ فِیْ اَيَّامِ حَيْضِهِنَّ ؛	5	چنانچہ ایمان کا نقص تو اس سے ثابت ہے کہ حیض کے دنوں میں ان کو نماز اور روزہ چھوڑنا پڑتا ہے۔
وَاَمَّا نُقْصَانُ عُقُوْلِهِنَّ فَشَهَادَةُ امْرَأَتَيْنِ كَشَهَادَةِ الرَّجُلِ الْوَاحِدِ ؛	6	عقلوں میں نقص اس طرح ثابت ہے کہ حقائق کے سلسلے میں دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہوتی ہے۔
وَاَمَّا نُقْصَانُ حُظُوْظِهِنَّ فَمَوَارِيْثُهُنَّ عَلَى الْاَنْصَافِ مِنْ مَّوَارِيْثِ الرِّجَالِ ؛	7	حصوں میں کمی اس طرح ہے کہ میراث میں ان کا حصہ مردوں کے مقابلے میں آدھا ہوتا ہے۔
فَاتَّقُوْا شِرَارَ النِّسَآءِ ؛	8	بدمعاش اور شر پسند عورتوں کے معاملے میں ذمہ دار پوزیشن کبھی بھی نہ چھوڑو۔
وَكُوْنُوْا مِنْ خِيَارِهِنَّ عَلٰى حَذَرٍ ؛	9	اور اچھی عورتوں سے بچ کر رہو تاکہ انہیں بدمعاشی کی شہہ نہ ملے۔
وَلَا تُطِيْعُوْهُنَّ فِی الْمَعْرُوْفِ حَتّٰى لَايَطْمَعْنَ فِی الْمُنْكَرِ ؛	10	اور تم ان کی پسندیدہ باتوں میں بھی اطاعت نہ کرو ورنہ وہ تم سے ناپسندیدہ باتوں کی اطاعت چاہیں گی(66/3-6)۔

تشریحات:

پہلے قارئین یہ اصول سمجھ لیں کہ: نہ ہر زَن زَن اَست نہ ہر مَرد مَرد۔ خدا پنج انگُشت یکساں نہ کرد۔

تخلیقی حیثیت سے عورت اور مرد میں اللہ نے جوفرق رکھا ہے۔وہ تخلیقی مقاصد کو پروان چڑھانے کی غرض سے رکھا ہے اور وہ انتہائی ضروری تھا۔اُسی فرق کا کرشمہ ہے کہ اندرونی دباؤ عورت کو مرد میں اور مرد کو عورت میں تبدیل کردیتا ہے۔اور جب سے آدمی نے اُس فرق کو سمجھا ہے خود اندرونی دباؤ پیدا کردیا جاتا ہے اور معمولی سرجیکل مدد سے جنس تبدیل کردینا ممکن ہوگیا ہے۔تخلیقی فرق کے علاوہ جوفرق تعلیم وتربیت سے پیدا ہوتے ہیں وہ بھی اب پوشیدہ نہیں رہے ہیں۔اور تعلیم وتربیت سے اب ہم خواتین کو مردوں کے برابر لے آئے ہیں۔اب وہ ہر میدان میں مردوں کا مقابلہ کررہی ہیں اور وہ تصورات غلط ثابت ہوچکے ہیں جو مردوں نے ایام جاہلیت میں عورتوں کے متعلق قائم کرلئے تھے۔مثلاً یہ کہ ہر مرد ہر حالت میں عورتوں سے افضل واعلیٰ ہوتا ہے۔اور ہر عورت ہر حال میں مردوں کے تابع رہنا چاہئے۔اور یہ کہ مردوں کی عقل ہر حال میں ہر عورت سے زیادہ ہوتی ہے۔یا یہ کہ مردوں کے حقوق ہر حال میں تمام عورتوں سے زیادہ ہوتے ہیں۔یا یہ کہ عورتیں فلاں کام کرہی نہیں سکتیں۔یہ اور اسی قسم کی تمام باتیں اور تصورات دینی ودنیاوی حیثیت سے باطل ثابت ہوچکے ہیں۔یہ دوسری بات ہے کہ عورتوں کی تخلیقی خصوصیات کو برقرار رکھنے کے لئے دین میں عورتوں کو مردوں کی طرح ہر کام کے لئے آزاد نہیں چھوڑا جاتا۔ہر وہ کام عورتوں سے کرانا غلط ہے جو اُن کی فطری حیا اور شرم اور جھجک کو ضائع کردے۔جو اُن کی جسمانی لطافت ونزاکت لوچ ولچک کو کرختگی اور سختی وتندی میں تبدیل کردے۔جو اُن کے حسن وجمال اور جاذبیت کو متاثر کرے۔جو انہیں بانجھ کردے۔اُنہیں ایسے ماحول سے بھی محفوظ رکھا جائے گا جس میں اُن کی شعریت اور نازک خیالی متاثر ہوتی ہو۔انہیں ہار جیت کے تمام مقابلوں سے حتیٰ کہ مقابلے دیکھنے سے بھی دُور رکھا جانا چاہئے۔انتہائی منشا اور مقصد یہ ہے کہ وہ پیٹ سے لے کر باہر تک بچوں کو وہ تمام صفات ودیعت کرسکے جو اللہ نے صرف عورت کو عطا کئے ہیں تاکہ ہر آنے والی نسل انسانی ترقی کے بام عروج تک پہنچائی جاسکے۔اور مردوں کو عورتوں کے قرب سے وہ قوت وہمت وولولہ حاصل رہے کہ انہیں زندگی کے ہر میدان میں اُمنگیں اور مسرتیں گھیرے رہیں۔

اس خطبے میں حضرت علی علیہ السلام نے عام عورتوں کو سامنے رکھا ہے اور اُن کی بھی قانون کے ماتحت پوزیشن بیان فرمائی ہے فطری طور پر تندرست عورت وہ ہے جس کو ہر مہینے ماہواری ہوتی ہو۔ایسی عورت استقرار حمل کے لئے تیار ہوتی ہے۔وہ عورتیں جنہیں ماہواری نہ ہوتی ہو تندرست عورتیں نہیں کہلاتیں۔اگر انہیں ابھی ماہواری شروع ہی نہیں ہوئی ہے تو وہ نابالغ لڑکیاں ہوں گی یعنی وہ ابھی پوری عورتیں نہیں ہیں۔اور اگر وہ بلوغ کی عمر تک پہنچ چکی ہیں اور ماہواری نہیں ہوتی ہے تو نسوانی نظام کی خرابی کی وجہ سے بیمار ہوں گی جن کا علاج کرایا جائے گا۔اور ماہواری جاری ہونے تک انہیں نہ نماز ترک کرنا ہوگی اور نہ روزہ چھوڑنا ہوگا۔پھر کچھ ایسی عورتیں بھی ہوسکتی ہیں جن کو ماہواری ہوتی رہی اور ایک خاص عمر میں پہنچ کر ماہواری بند ہوگئی ہے ایسی عورتوں کو اولاد سے مایوس عورتیں کہا جائے گا۔اور وہ بھی روزہ نماز نہ چھوڑیں گی۔حضور علیہ السلام نے صرف اُن عورتوں کے ایمان میں کمی بتائی ہے جو اولاد پیدا کرنے کے لئے فٹ ہوں اور انہیں ماہواری ہوتی ہو۔معلوم ہوا کہ باقی عورتوں کے ایمان میں کمی نہیں ہے۔یعنی حاملہ عورتیں بھی نماز روزہ ترک نہ کریں گی۔بانجھ عورتیں بھی ترک نہ کریں گی۔مایوس عورتیں بھی روزہ نماز نہ چھوڑیں گی۔اور جوان لڑکیاں بھی پورے روزے اور نمازیں ادا کریں گی۔لہٰذا معلوم ہوا کہ ہر عورت کا ہر حال میں ایمان ناقص نہیں ہوتا۔یہاں دراصل حضورؐ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اُن عورتوں کے اللہ ورسولؐ وآخرۃ پر ایمان لانے میں کمی یا خامی ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس زمانہ میں اُن پر نماز وروزہ واجب

نہیں ہے اُن کو دیکھنے والے لوگ بلا پوچھے یہ نہیں جان سکتے کہ وہ عورت مسلمان ہے۔ چوبیس گھنٹے سامنے رہنے کے باوجود اُس کے کسی عمل سے مسلمان ہونا ثابت نہ ہوگا۔ ان معنی میں وہ ایمان کا کھلا ثبوت دینے سے قاصر رہتی ہے اس لئے اُن میں بولتے چالتے ایمان کی کمی اور نقص ثابت ہے۔ پورا مومن وہی ہوا جس کی نقل و حرکت، صورت شکل خود پکار کر بتائے کہ وہ مومن ہے۔ اِسی طرح اُن کی عقل کا نقص بھی ہے۔ پورا عاقل کوئی ایسی بات پسند نہیں کرتا جس میں اُس کو خواہ مخواہ نقصان یا تکلیف برداشت کرنا پڑے۔ اسی لئے وہ خود غرضی کی طرف مائل رہتا ہے۔ وہ پسند نہ کرے گا کہ اُسے سوتے سوتے جگا دیا جائے یا اُس کا بستر گیلا کر دیا جائے۔ لہٰذا وہ ننھے بچوں سے دُور سوئے گا ورنہ اُسے بار بار اُن کی ضروریات پوری کرنے اور آرام و راحت فراہم کرنے کے لئے نہ صرف جاگنا پڑے گا بلکہ پلنگ سے اُٹھ کر اُن کے لئے دودھ گرم کرنا اور پلانا پڑے گا۔ اُن کا بستر خشک اور صاف کرنا ہوگا اور نیند اچاٹ ہو جانے پر پریشان ہونا لازم ہوگا۔ عورت یہ تمام دِقتیں خوشی خوشی برداشت کرتی ہے۔ رات میں بار بار اور کئی کئی مرتبہ جاگتی ہے اور تیوری پر بل نہیں آتا۔ اس کے پاس پوری عقل ہوتی ہے۔ مگر عقل اُسے خود غرض نہیں بنا سکتی وہ عقل کی ضروریات کو نظر انداز کر دیتی ہے۔ چونکہ اُس کی عقل اُس کے جذبات کا حکم مان لیتی ہے اس لئے اس کو ناقص العقل کہا جاتا ہے۔ یہ وہی بات ہے کہ:

؎ بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ہنوز

اِسی نقص کی بنا پر نہیں معلوم وہ کب کسی کی طرف جھک جائے؟ اُسے کب اور کس پر پیار یا رحم آ جائے؟ گواہی کے الفاظ میں رحم اور پیار لڑکھڑاہٹ پیدا کر دیں گے اور بیان قانونی حیثیت سے مشکوک ہو جائے گا۔ اس لئے گواہی میں دو عورتیں درکار ہیں دونوں کا بیک وقت رحم و پیار سے مغلوب ہونا متصور نہیں ہے۔ لیکن اگر جج اس کا امکان دیکھے تو تعداد کی شرائط بڑھا سکتا ہے بعض ایسے حالات ہوں گے جن میں کسی مرد یا مردوں کی گواہی نہ سنی جائے گی نہ قبول کی جائے گی اور صرف ایک عورت کی گواہی دو مردوں سے زیادہ معتبر ماننا پڑے گی۔ اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہر مقدمہ آزادانہ سربراہ اسلام علیہ السلام تک جا سکتا ہے۔ جہاں غلط فیصلہ ہو ہی نہیں سکتا۔ یاد رہے کہ یہ تو تمام اہل مذاہب مانتے ہیں کہ ہر جگہ اللہ موجود ہے اور کوئی عمل یا کوئی چیز اُس کی نظروں سے اوجھل نہیں ہو سکتی مگر وہ سامنے آ کر گواہی نہیں دے سکتا۔ اسی مجبوری کو رفع کرنے کے لئے تو اللہ نے اپنے نمائندگان علیہم السلام کو نوع انسان کی دیکھ بھال اور ترقی سونپی ہے وہ سامنے آ کر گواہی نہیں دے سکتا تو نہ دے سکے لیکن سربراہ اسلام تو کسی وقت غیر حاضر نہ ہوگا اور ایک جگہ نہیں کئی جگہ سامنے کھڑا ہو کر گواہی دے سکے گا۔ یہی مقامات تو ایسے مقامات ہیں جہاں اللہ کے لئے نمائندہ بنانے کی ضرورت عملاً ثابت ہوتی ہے۔ بہرحال ہمارے عقائد میں سربراہؑ اسلام کی موجودگی میں کبھی غلط فیصلہ ہو جانا ممکن نہیں ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ لوگ اُس سے تعلق ہی نہ رکھیں اور غلط فیصلوں کو غنیمت سمجھ کر خود سربراہ اسلام بن جائیں۔ اس صورت میں نہ اللہ ہی زبردستی کرتا ہے نہ امام یا رسول یا نبی علیہم السلام جبر کرتے ہیں حالانکہ اُن کے قابو میں ہوتی ہے ساری زبردستی، پوری قوت اور تمام جابرانہ اقتدار۔ مگر وہ اتمام حجت کرتے ہیں۔ اور وہی بہتر جانتے ہیں کہ حق کو ثابت اور برسر کار رکھنے میں کہاں عورت کو گواہ بنایا جائے اور کہاں مرد کو اور کہاں ایک کو اور کہاں چار کو۔ اور کہاں کسی کو نہیں۔

اب رہ گیا عورتوں کا حصوں میں ناقص ہونا یہ اس لئے کہ عورت ایسی مختلف پوزیشنوں میں رہتی ہے جن میں مرد نہیں رہتا۔ مردوں کی محدود اور گنی چنی حالتیں ہیں اور وہ اُن حالتوں سے باہر نہیں نکلتے۔ مثلاً شادی تو عورت کی بھی ہوتی ہے اور مرد کی بھی۔ عورت کی بھی سسرال ہوتی ہے۔ اور مرد کی بھی۔ مرد کو اپنی سسرال سے کوئی حصہ نہیں ملتا۔ مگر عورت سسرال سے دھڑلے کے ساتھ حصہ لے لیتی ہے۔ اور اپنے میکے یا ماں باپ

کے گھر سے بھی حِصّہ لیتی ہے۔ اگر عورت تنہا اپنے ماں باپ کی اولاد ہو تو مرد کی طرح تنہا پورے ترکہ کی مالک بنتی ہے اور شادی ہو جانے کے بعد سسرال سے بھی حصہ پاتی ہے جو مرد کو نہیں ملتا۔ مثلاً ایک مرد اور ایک عورت دونوں اپنے اپنے ماں باپ کی تنہا تنہا اولادیں تھے۔ دونوں کو پورا کا پورا سارا کا سارا ورثہ ملا اور مثلاً ایک ایک ہزار ایکڑ زمین دونوں کو ملی۔ اس کے بعد دونوں کی شادی ہوگئی اب عورت کو جو کچھ سسرال سے ملے گا وہ ایک ہزار ایکڑ میں جمع ہو کر عورت کی ملکیت بنے گا مگر مرد کو اپنی سسرال سے کچھ نہ ملے گا۔ لہٰذا اُس کے پاس صرف ایک ہزار ایکڑ زمین ہی رہے گی اور یوں عورت زیادہ مالدار و آسودہ حال ہوگی۔ لہٰذا کئی حصے پانے کی وجہ سے اگر کہیں سے عورت کا حصہ کم بھی آئے تو وہ مرد سے بہرحال زیادہ خوش حال رہتی ہے۔ لہٰذا حصوں کا نقص یا کمی کوئی عیب نہیں ہے۔

رہ گیا عام عورتوں کی طرف سے ہوشیار رہنا یہ کوئی اہم بات نہیں ہے اس لئے کہ مردوں کی طرف سے غافل رہنے کا کہیں حکم نہیں ہے مردوں سے ہوشیار رہنا لازم ہے۔ مرد بھی شرپسند ہوتے ہیں فرق یہ ہے کہ عورتوں سے رحم کی اُمید کی جاسکتی ہے۔ مردوں سے خدا بچائے۔ اُن کی بے رحمی کربلا میں قابل دید تھی۔ اور کربلا ہی میں ایک عورت تھی جو دو اماموںؑ پر حکمران تھی۔ ہمارا اُس عورت اور اماموںؑ پر سلام۔ یہ خطبہ ہو یا کوئی اور مسئلہ ہو ہمیں سر جھکا کر ایمان لانا چاہیے۔

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 79

علی نقی طہرانی: خطبہ نمبر: 80

خُطبہ《121》

زہداور پاکدامنی پر بنیادی ہدایات۔

1۔امیدوں اور تمناؤں پر غالب رہو۔

2۔حرام سے دامن بچاؤ۔

3۔شُکر کو جاری رکھو۔

4۔بہانہ بازیاں اور عذرتراشیاں کام نہ دیں گی۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَيُّهَاالنَّاسُ الزَّهَادَةُ قِصرُ الْاَمَلِ ؛	1	اے لوگو ”پارسائی“ اسی قدر ہے کہ انسان کا امیدوں اور آسروں کو کم کرتے جانا۔
وَالشُّكْرُ عِنْدَ النِّعَمِ ؛	2	اور نعمتوں کا عملاً شکرادا کرتے رہنا۔
وَالْوَرَعُ عِنْدَ الْمَحَارِمِ ؛	3	اور حرام چیزوں سے لاتعلق رہنا۔
فَاِنْ عَزَبَ ذٰلِكَ عَنْكُمْ فَلَا يَغْلِبِ الْحَرَامُ صَبْرَكُمْ ؛	4	چنانچہ اگر حرام سے قطعاً لاتعلق رہنا کسی وقت تمہاری نظر اور سمجھ سے اوجھل ہوجائے تو کم ازکم تمہارے صبر پر حرام کو غالب نہ آنا چاہیئے۔
وَلَا تَنْسَوْا عِنْدَ النِّعَمِ شُكْرَكُمْ؛	5	اور نعمتوں پر شکر کرنا بھی تمہیں بھلانہ دینا چاہیئے۔
فَقَدْ اَعْذَرَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ بِحُجَجٍ مُّسْفِرَةٍ ظَاهِرَةٍ ؛	6	بہرحال یہ سمجھ لوکہ اللہ نے تمہارے تمام عذرات اور بہانوں کے جواب میں اپنے صاف اَن کتاب کے بیانات سے۔
وَكُتُبٍ بَارِزَةِ الْعُذْرِ وَاضِحَةٍ ؛	7	اور چیلنج کرنے والی کتابوں سے اپنے عذرات قائم کرکے تمہارا منہ بند کردیا ہے“

تشریحات:

حضور علیہ السلام نے پارسائی کی اُن زحمتوں کو رفع کردیا ہے جو سابقہ زمانوں میں برداشت کی جاتی تھیں۔مثلاً عمدہ اورلذیذ غذاؤں سے اور جسمانی لذتوں سے کنارہ کشی۔شادی نہ کرنا عورتوں اور بچوں میں گھل مل کر نہ رہنا۔آرام دہ بستر پر چین سے نہ سونا۔دن رات جسم کو عبادتوں اور ریاضتوں میں گھلانا۔اور جسم کو کمزور سے کمزورتر کرکے یہ سمجھنا کہ اس طرح اُن کی روح قوت حاصل کررہی ہوگی۔پارسائی اور قربت خداوندی حاصل کرنے کا یہ طریقہ دنیا کے تمام مذاہب،تمام اقوام اور تمام ممالک میں پایا جاتا ہے۔اور بعض مذاہب تو آج بھی اس خبط میں مبتلا ہیں۔اوراب

جنگلوں سے نکل کروہ ترقی یافتہ ممالک کے حد سے گزر جانے والے مادہ پرستوں کی مایوسی کا سہارا بن رہے ہیں۔اور مذہباً وہ بے دین اور بے خدا لوگ یعنی بدھ مت کے لوگ ہیں۔وہ یوروپ وامریکہ کے اُن لوگوں کو اُلٹا سیدھا کھڑا ہونے اور سانس روک کر غیر فطری پوزیشنوں میں بیٹھنے اور عزلت گزینی کی مشقوں میں لگاتے ہیں جو اس دنیا میں کُھل کھیلے،جنہوں نے مادہ پرستی،عیاشی اور بدمعاشی میں اپنا راحت وچین تباہ کرلیا ہے۔وہ اُن تباہ شدہ لوگوں کو سوائے تباہی کے اور کیا دے سکتے ہیں۔جو مرکز کائنات،کائنات کے خالق اور تمام قوتوں کے ذخیرے ہی کو نہیں مانتے وہ قوت قدسیہ کہاں سے لائیں گے اور لوگوں کو اطمینان وسکون کہاں سے فراہم کریں گے؟ جو سکون کی بنیاد ہی کے منکر ہوں وہ صرف عزلت گزینوں کا ایک ٹولہ بنا کر فرضی سکون کا فریب دے سکتے ہیں۔سکون خود اُن کے مرشد کو نہ ملا تو اُنہیں کہاں سے ملے گا۔مہاتما بدھ ایسے پرانے زمانے کے کردار ہیں کہ اُن کے حالات کی تحقیق کی تمام راہیں بند ہیں۔اُن کے متعلق ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ اُنہوں نے گھربار اور حکومت چھوڑ کر جنگلوں میں رہنا کیوں اختیار کیا تھا؟ البتہ ہندوؤں کے قدیم ریکارڈ میں ہمیں ایک کہانی ملتی ہے جس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ وہ ایک بھنگن سے معاشقہ کرتے تھے اور ناکام رہے تھے۔بھنگن نے اپنی قوم اور اپنے معاشرہ کو ترجیح دی اور اُن کے ساتھ نہ گئی اس سلسلے میں چند مصرعہ بھی ملتے ہیں کہ:

(1) عشق نہ جانے ذات کذات۔یعنی عشق ذات پات کی پرواہ نہیں کرتا۔

(2) بھوک نہ جانے جھوٹا بھات۔ بھوک یہ نہیں دیکھتی کہ چاول کس کے پس خوردہ ہیں۔

(3) نیند نہ جانے ٹوٹی کھاٹ۔ نیند کا غلبہ شکستہ چارپائی کی فکر نہیں کرتا۔

(4) پیاس نہ جانے سور گھاٹ۔

کہا گیا ہے کہ مدتوں راجہ صاحب بھنگن کے دروازے پر بچا کھچا کھانا کھا کر ٹوٹی ہوئی چارپائی پر لیٹتے رہے۔مگر بھنگن بامذہب تھی اُس نے راج اور گدی کی پرواہ نہ کی نہ راجہ کو لفٹ دی۔اُس نے اپنے مقام سے گرنے کو بدمذہبی سمجھا۔راجہ صاحب نے اُس سے خودی اور خودداری کا سبق سیکھا۔مذہب کے خلاف منتقمانہ جذبہ اخذ کیا اور جنگل جنگل مارے پھر کر زندگی گزار دی۔دیکھنے والوں نے طرح طرح کی کہانیاں گھڑیں اور رفتہ رفتہ پیر بنا دیا۔مرشد مان لیا۔یہاں سے یہ بیماری مختلف اقوام میں پھیلی اور اب تک کسی نہ کسی صورت میں اور کسی نہ کسی مقدار میں چلی آرہی ہے۔اور شکل بدل بدل کر مسلمانوں میں بھی جمنے کی کوشش کرتی رہی ہے۔

قرآن کریم میں بھی اس مسلک کا تذکرہ کیا گیا ہے اور ناپسند کیا ہے۔

بہرحال اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے بات شروع کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ:

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ وَجَعَلْنَا فِىْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ O(57/27)

’’پھر ہم نے پے در پے اُن کے نقش قدم پر اپنے رسولؑ بھیجے اور اُن کے بعد عیسیٰؑ ابن مریم کو بھیجا اور اُن کو انجیل عطا کی اور جن لوگوں نے عیسیٰؑ کی پیروی اختیار کی تھی اُن کے دلوں میں ہم نے رحم اور ترس پیدا کر دیا تھا۔اور اُنہوں نے رہبانیت (یعنی ترک لِذّات اور عزلت گزینی) خود ہی جاری کرلی تھی۔ہم نے اُن پر ترکِ لذّات وعزلت گزینی واجب نہیں کی تھی۔مگر اُنہوں نے اللہ کی خوشنودیاں

اور رضامندیاں حاصل کرنے کے لئے خود ہی اس پر عمل شروع کر دیا تھا۔ اور اُسے جاری کر کے اُس کو ٹھیک نبھا بھی نہ سکے اور اُن سے اُس کا حق ادا نہ ہوسکا۔ بہر حال اُن میں سے جو لوگ ایمان لائے ہوئے تھے۔ انہیں ہم نے اُن کی رہبانیت کا اجر عطا کیا۔ مگر اُن کی کثرت فاسقوں اور بے مہار لوگوں کی ہوگئی۔''

اس آیت میں یہ بتادیا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروؤں میں رہبانیت شروع ہوئی تھی اور یہ اس لئے کہ وہ لوگ بڑے رحمدل اور ترس کھانے والے تھے اور اللہ کی رضامندیاں حاصل کرنا اُن کا مقصد تھا۔ مگر یہ سب کچھ اُنہوں نے از خود کیا تھا انہیں اللہ نے ترک لذّات اور گوشہ نشینی کا حکم نہ دیا تھا۔ پھر اللہ نے اُن پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس خود عاید کردہ پابندیوں کو بھی اُن کے حق کے معیار پر نبھا نہ سکے بلکہ اُن کی کثرت عام لوگوں سے بھی گئی گزری اور بد چلن ہو کر رہ گئی تھی۔

عیسائیوں کی رہبانیت پر مختصر سی نظر ڈال لیں۔

سب سے پہلے یہ چیز سامنے رکھئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ماں کی گود میں عام فطرت کے خلاف پیدا ہوتے ہی بولنا پڑا تھا کہ وہ اُن اعتراضات کا جواب دے سکیں جو لوگ اُن کی والدہ پر کر رہے تھے۔ پھر اُنہیں نہایت کم سنی کی عمر میں دین کی تبلیغ کرنا پڑی اور تبلیغ دین میں بھی زیادہ تر دین کا وہ پُر یقین پہلو سامنے رکھنا پڑا جس کا کوئی انکار نہ کر سکے لہٰذا اُن کا دین ایک طوفانی تیزی اور قوت کے ساتھ پھیلا جس نے یہودی علما اور یہودی حکومت کے ہاتھ پیر پُھلا دیئے اور اُن کے سامنے سیاسی حیثیت سے اُن کا قتل کر کے جان چھڑانا ہی آخری بات قرار پا گیا۔ چنانچہ اُنہوں نے اپنے خیال میں اُنہیں سولی دے دی۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام شادی کرنے کی عمر سے پہلے ہی اپنی اُمت سے رخصت ہوگئے۔ یہ جو کچھ نظروں کے سامنے آیا بڑا دردناک تھا۔ لہٰذا عیسائیوں میں ایک دردناک اور غمگین زندگی اور بال بچوں اور بیوی سے الگ رہنا قدرتی طور پر مقدس سمجھا جانے لگا اور جس سے ہوسکا اس نے اس زندگی کو اختیار کر لیا۔ مدت دراز تک عیسائی ایک اتنی لمبی اور موٹی لکڑی کندھے پر اُٹھائے پھرتے رہے جس کو زمین میں گاڑ کر سولی دیا جاسکے۔ یعنی وہ ایک چلتا پھرتا چیلنج تھے کہ آؤ اے یہودیو ہمیں سولی پر چڑھا دو اور تمام ضروری سامان خود ہم سے لے لو۔ ایسی حالت میں شادی کرنا بڑا غلط تھا۔ وہ تو دنیا سے فارغ رہنا چاہتے تھے۔ لوگوں کی خدمت کرتے تھے وہی کچھ کرتے تھے جو حضرت عیسیٰ نے چند سال تک کیا تھا۔ صحیح ایمان رکھنے والوں کو اللہ نے قوت قدسیہ بھی عطا کی تھی کرامات و معجزاتی قدرت بھی عطا کی تھی۔ اندھے لنگڑے لُولے اور مایوس العلاج لوگ اُن کو گھیرے رکھتے حکومت الگ خائف اور جان چھڑانے کی فکر میں رہتی تھی۔ اُن کی نقل کرنے والے بھی تھے، ریاکار بھی تھے۔ بہر حال یہ حالات رہبانیت کے لئے سازگار ہوگئے تھے لیکن رفتہ رفتہ وہی کچھ ہوا جو قرآن میں بتایا گیا ہے اور جو ہمیشہ ہوتا رہا ہے۔ نقلی لوگوں کی کثرت نے حقیقی لوگوں کو پوشیدہ کر دیا۔ مسلمانوں کے صوفیا کے ساتھ بھی تو کچھ ایسا ہی ہوا آج گدیاں بہت سی ہیں لیکن صاحب کرامات کوئی نہیں ہے۔ ڈھونگ سب کر رہے ہیں حقیقت کہیں نہیں ہے۔ یہاں رک کر ذرا یہ سوچئے کہ اگر اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دنیا میں زیادہ رہنے دیا ہوتا اور وہ شادی کر لیتے تو اُن کی اولاد کو بنی آدمؑ تو کہا نہیں جاسکتا تھا پھر کیا کہا جاتا؟ اس سوال سے بچانا بھی ضروری ہوگیا تھا۔ غالباً اس لئے عجلت سے کام لیا گیا۔

عیسائی تاریخ میں نفس کشی، ریاضت اور عزلت گزینی کے ہزاروں افسانے بھرے پڑے ہیں۔ اُن کو لکھنا کوئی فائدہ نہ دے گا۔ البتہ یہ بتانا مفید ہے کہ اسلام میں اللہ کی پیدا کی ہوئی تمام نعمتوں، زیبائشوں اور آرائشوں کو استعمال کرنے کی اجازت ہے اور یہ خطبہ بھی صرف حرام سے

بازرکھنے کی بات کرتا ہے۔اِسی طرح قرآن کریم نے یہ سوال پیدا کیا ہے کہ:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِىَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ــــــ(7/32)

’’اَے رسولؐ اِن سے پوچھو کہ وہ کون ہے جس نے اللہ کی اُن زینتوں کوحرام کردیا جو اُس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہیں اور اُس تمام پاک وپسندیدہ رزق کو منع کردیا ہے جو اُس نے عطا کیا ہے اُن کو بتادو کہ دنیا میں یہ تمام زیبائشیں، زینتیں اور نفیس وعمدہ غذائیں مومنین کے لئے ہیں اور قیامت میں تو خالص اُن ہی کے حصہ میں آئیں گی۔‘‘

یہ بات اور ہے کہ ہم دوسروں تک عمدہ سامان پہنچانے کے لئے کوئی ایسا نظام قائم کریں جس میں ہر شخص اپنی ضرورت کے مطابق سامان خرچ نہ کرے اور کفایت شعاری کے ماتحت پس انداز کیا ہوا سامان ضرورتمندوں تک پہنچاتا رہے۔اِس کو ورع اور تقویٰ کہا جاتا ہے۔جولوگ دوسروں کا خیال نہیں رکھتے اور جو ملتا ہے اپنے اوپر صرف کر لیتے ہیں وہ حقیقی معنی میں فاسق وفاجر ہوتے ہیں اور اُن کے عذرات کسی طرح قابل قبول نہیں ہوتے۔یہاں تمام انسان ایک دوسرے کے لئے امین اور ذمہ دار ہیں۔

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 80

علی نقی طہرانی: خطبہ نمبر: 81

خُطبہ ﴿122﴾

دنیااوردنیا کی کیفیات اوراہل دنیا کی پیچیدہ اوردل چسپ صورت حال

1۔ دنیامیں انسانی ابتدااورانتہا کی صورت۔

2۔ یہاں کے حرام وحلال کا حال۔

3۔ یہاں کے ایک غنی اورایک فقیر پر کیا گزرتی ہے۔

4۔ جدوجہد کرنے والااورلاپرواہ رہنے والا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مَا اَصِفُ مِنۡ دَارٍ اَوَّلُهَا عَنَآءٌ؛	1	ایسی دنیا کی حالت اورصفات میں کیا بیان کروں جس کی ابتدا جبر سے ہوئی ہے۔
وَ آخِرُهَا فَنَآءٌ ؛	2	اورجس کی انتہافنا ہوجانے اورمٹ جانے پر ہوگی۔
فِیۡ حَلَالِهَا حِسَابٌ وَّفِیۡ حَرَامِهَا عِقَابٌ ؛	3	جہاں کی حلال چیزوں کے استعمال پرحساب لیاجائے گااورحرام چیزوں پرسخت باز پُرس اورعذاب ہوگا۔
مَنِ اسۡتَغۡنٰی فِیۡهَا فُتِنَ ؛	4	جہاں کی دولت مندی فتنہ میں مبتلا کرتی ہے۔
مَنِ افۡتَقَرَ فِیۡهَا حَزِنَ ؛	5	اورجہاں فقیری رنجیدہ رکھتی ہے۔
وَمَنۡ سَاعَاهَا فَاتَتۡهُ ؛	6	جودنیاحاصل کرنے میں کوشاں ہودنیااس سے بھاگتی ہے۔
وَمَنۡ قَعَدَ عَنۡهَا وَاتَتۡهُ ؛	7	اورجواس سے الگ ہوبیٹھےاس کے پاس دوڑی آتی ہے۔
وَمَنۡ اَبۡصَرَ بِهَا بَصَّرَتۡهُ ؛	8	جودنیاکوآئینہ کی طرح دیکھےاسے بینائی دیتی ہے۔
وَمَنۡ اَبۡصَرَ اِلَیۡهَا اَعۡمَتۡهُ ؛	9	اورجودنیاکودنیاکے لئے دیکھےاسے اندھاکردیتی ہے۔

تشریحات:

حضور علیہ السلام نے دنیا کی وہ حالت بیان فرمائی ہے جو دنیاداروں یا دلدادگان دُنیا کے ساتھ گزرتی ہے۔ پہلا جملہ یہ بتاتا ہے کہ دنیا یا کائنات کو پیدا کرنے میں اللہ نے کسی کی رضامندی یا ناراضگی کا خیال نہیں رکھا یہ تخلیق قطعاً جبری وقہری صورت میں کی گئی ہے اور جو مقاصد سامنے تھے اُن کا پورا ہونا طے شدہ ہے اور یقیناً یہ پورا کارخانۂ حیات فنا ہونے والا ہے۔ لہٰذا اس دنیا کی اچھائیاں بھی فنا ہوجائیں گی اور اِس کی برائیاں بھی

باقی رہنے والی نہیں ہیں۔ لہٰذا منع کرتے کرتے حضورؐ نے دنیا کی چند صفات وحالات تو بیان کر ہی دئے ہیں۔ دنیا اور اس کے متعلقات کا فنا ہو جانا اسی کی ایک اہم ترین و آخری صفت ہے۔ دنیا میں دو ہی طرح کی چیزیں اور سامان موجود ہے۔ ایک قسم کو حلال اور دوسری کو حرام کہا جا سکتا ہے اور دونوں کا نتیجہ بیان فرمادیا ہے۔ حلال کو استعمال کرنے والوں سے حساب لیا جائے گا۔ اور حرام کو کام میں لانے والوں پر عذاب لازم ہے۔ یہاں کی حلال چیزوں کی فہرست بنائی جائے تو لاکھوں سے زیادہ تعداد ہو جائے گی یہی حال حرام کے متعلق بھی سمجھ لیں۔ پھر دنیا میں کوئی مستغنی نہیں ہو سکتا جب تک بہت سے لوگوں کو اُن کے حقوق سے محروم نہ کرے۔ اور دولتمند ہو جانے کے بعد دولت کا استعمال بھی اُسے ذمہ داریوں میں الجھاتا ہے لہٰذا بات صحیح ہے کہ مستغنی ہونے کے دوران بھی اور مستغنی ہو جانے کے بعد بھی فتنوں سے دوچار رہنا پڑتا ہے۔ فقر و فاقہ اگر مجبوراً ہو تو رنج و الم سے سابقہ پڑتا بھی ہے۔ یہاں زیادہ تر ایسے لوگ ہیں جو جلدی سے لکھ پتی بننے میں کوشاں ہوتے ہیں اور بے اصولا پن انہیں اور مصیبت میں پھنسا دیتا ہے۔ یہ لوگ جنہیں دنیا سے لاتعلقی دولت مند بناتی ہے۔ وہ بظاہر مقدس بنے ہوئے لوگ ہوتے ہیں وہ انکار کرتے جاتے ہیں اور اُن سے فیض یاب ہونے کے خیال سے اُن پر دولت کا چڑھاوا چڑھاتے ہیں دنیا تجربہ کرانے اور عبرت فراہم کرنے میں کسی کو دھوکا نہیں دیتی۔ غور کرنے والا دیکھتا ہے کہ اُس کے آس پاس کے لوگ مرتے ہیں تو خود کو بھی ایک مرجانے والا یقین کر لیتا ہے۔ موسموں کا بدلنا یہ بتاتا ہے کہ دنیا ایک حال پر نہیں رہ سکتی۔ لہٰذا اُسے تبدیلیوں کے لئے۔ مرنے کے لئے تیاری کرنا چاہئے۔ بیماری اُسے تندرستی کی قمت بتانے میں تکلف نہیں کرتی۔ تنگدستی اُسے خوشحالی اور فراخ دستی کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ لہٰذا غور و فکر کرنے والوں کو دنیا بصیرت اور بینائی عطا کرتی ہے۔ اور جو دنیا کو دنیا کے حصول کے لئے دیکھتا ہے وہ یہاں دنیا داروں کی اندھی تقلید میں لگ جاتا ہے۔ وہ مال و دولت اور سامان بٹورنے میں مصروف ہو جاتا ہے۔ یہ نہیں سوچتا کہ وہ مال اور وہ سامان جائز ہے یا ناجائز ہے۔ اُسے حاصل کرنے میں کسی کا حق مارا جارہا ہے یا نہیں؟ وہ اس طرف سے آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ یہاں کی کامیابیاں اُسے اتنا مصروف کر لیتی ہیں کہ وہ نہ اپنی ضمیر کی آواز سنتا ہے نہ نصیحت کرنے والوں کی بات اس پر اثر انداز ہوتی ہے۔ یعنی وہ صرف اندھا ہی نہیں ہو جاتا بلکہ یہ دنیا اُسے بہرا بھی کر دیتی ہے۔

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر:81

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 82

خُطبہ ﴿123﴾

اللہ کی ذاتِ پاک پر ایمان افروز اور حقیقت کُشا بیانات

اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات پر جن علماء اور خطیبوں نے حضرت علی علیہ السلام کے بیانات سے استفادہ کے بعد کچھ کہا ہے ان کے بیانات میں کچھ جان ملتی ہے اور جن علماء نے خود اپنے مبلغ علم سے کچھ کہا ہے وہ نہ صرف اہل علم کے نزدیک بکواس بن کر رہ گیا بلکہ اُسی بکواس نے اللہ کے انکار کا سامان فراہم کیا۔ یہ کمیونسٹ ان ہی جاہل علماء نے پیدا کئے ہیں۔ وہی لوگ اللہ سے بغاوت کرانے کے ذمہ دار ہیں۔

1۔ اللہ کی حمد وثناء کرنے کی وجہ علیؑ کی نظر میں۔

2۔ اللہ پر ایمان لانے کا ایک سبب۔

3۔ ہدایت طلب کرنے کی وجہ۔

4۔ مدد چاہنے، بھروسہ کرنے اور اس کے دین کی تبلیغ کرنے کا سبب؟

5۔ انسان کے ساتھ اللہ کا سلوک۔

6۔ دنیا میں انسان کے ساتھ دنیا کا سلوک

7۔ موت کا ہنگامہ اور قبر تک کا سفر۔

8۔ قبروں سے اٹھایا جانا۔

9۔ قیامت کے متعلق ضروری باتیں۔

10۔ آنکھیں کان اور دیگر اعضاء کیوں دیئے گئے۔

11۔ قبر سے قیامت تک کے حالات

12۔ ماں کے پیٹ میں کیا گزری؟

وہ تعلیمات جمع کردی ہیں جن کی انسان کو ضرورت ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

اَلۡـحَـمۡـدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ عَلَا بِحَوۡلِہٖ وَدَنَا بِطَوۡلِہٖ	1	تمام ستائش وحمد وثناء اس اللہ کے لئے جو اپنی توانائی اور قدرت سے غالب اور بلند ہے اور اپنے فضل واحسان کے ساتھ نزدیک ہے۔
مَانِحِ کُلِّ غَنِیۡمَۃٍ وَفَضۡلٍ ؛	2	ہر فائدہ اور بزرگی کا عطا کرنے والا ہے یعنی جن چیزوں پر انسان کی ترقی وخوش حالی کا دارومدار ہے وہی فراہم کرتا ہے۔
وَکَاشِفِ کُلِّ عَظِیۡمَۃٍ وَاَزۡلٍ ؛	3	اور بڑی چھوٹی مصیبت اور رکاوٹ بننے والی چیزوں کا دور کرنے والا وہی ہے۔ یعنی آسودہ حالی اور تنگی اُسی کے ہاتھ میں ہیں۔
اَحۡـمَـدُہٗ عَـلٰی عَوَاطِفِ کَرَمِہٖ وَسَوَابِغِ نِعَمِہٖ ؛	4	میں اُس کے کرم کے تسلسل اور اس کی نعمتوں کی فراوانیوں کی بنا پر اس کی حمد وثنا کرتا ہوں۔
وَاُوۡمِنُ اَوَّلًا بَادِیًا ؛	5	اور اُس پر اس لئے ایمان لایا ہوں کہ وہ اولین ہستی ہے جو ظاہر وھویدا ہے۔
وَاسۡتَھۡدِیۡہِ قَرِیۡبًا ھَادِیًا ؛	6	اور اُس سے اس لئے ہدایت طلب کرتا ہوں کہ وہ قریب ترین ہادی ہے۔
وَاسۡتَعِیۡنُہٗ قَاھِرًا قَادِرًا ؛	7	اور اُسی سے ہر قسم کی مدد مانگتا ہوں کہ وہ ہر چیز پر مستقلاً غالب وقادر ہے۔
وَاَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ کَافِیًا نَاصِرًا ؛	8	اور اُسی پر توکل رکھتا ہوں کہ وہ میری تمام ضرورتوں میں کافی اور مددگار ہے۔
وَاَشۡھَـدُ اَنَّ مُـحَـمَّدًا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ ؛	9	اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (اللہ درود بھیجتا رہے اُنؑ پر اور اُنؑ کی آلؑ پر) اس کے بندے اور رسوؐل ہیں۔
اَرۡسَلَہٗ لِاِنۡفَاذِاَمۡرِہٖ ؛	10	اللہ نے انہیں اس لئے ارسال کیا تھا کہ وہ اس کے احکامات کو نافذ کریں۔
وَاِنۡھَآءِ عُذۡرِہٖ ؛	11	اور اس کی حجتیں عذرات اور دلائل مکمل کردیں۔
وَتَقۡدِیۡمِ نُذُرِہٖ ؛	12	اور پہلے ہی سے لوگوں کو برے اور غلط اعمال کے برے نتائج سے ڈرادیں۔
اُوۡصِیۡکُمۡ عِبَادَ اللّٰہِ بِتَقۡوَی اللّٰہِ الَّذِیۡ ضَرَبَ لَکُمُ الۡاَمۡثَالَ ؛	13	لہٰذا اے اللہ کے بندو میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ تم اللہ کی عائد کردہ ذمہ داریوں کو سنبھالو اس لئے کہ اُس نے اپنی پسند اور ناپسند مثالیں دے کر بیان کردی ہیں۔
وَوَقَّتَ لَکُمُ الۡاٰجَالَ ؛	14	اور اُس نے تمہارے لئے تمہاری بھی اور باقی تمام چیزوں کی بھی عمریں اور وقت مقرر کردیا ہے۔
وَاَلۡبَسَکُمُ الرِّیَاشَ ؛	15	اور تمہیں طرح طرح کے لباسوں سے آراستہ ہونے کا علم دے دیا ہے۔
وَاَرۡفَعَ لَکُمُ الۡمَعَاشَ ؛	16	اور تمہاری بقا اور ترقی کے متعلق تمام ہی چیزیں فراہم کردی ہیں۔
وَاَحَاطَ بِکُمُ الۡاِحۡصَآءَ ؛	17	اور تمہاری اور تمہارے متعلق ہر چیز کی تعداد اپنے علم کے احاطہ میں محصور کردی ہے۔

وَارْصَدَ لَكُمُ الْجَزَآءَ ؛	18	اور تمہیں تمہارے ہر قسم کے اعمال کی جزا دینے کے لئے بہت سے ادارے اور مشاہدہ گاہیں مقرر کر رکھی ہیں۔
وَاٰثَرَكُمْ بِالنِّعَمِ السَّوَابِغِ ؛	19	اور تمہارے لئے اپنی ہمیشہ کُھلی اور مسلسل نعمتوں کا سلسلہ قائم کیا ہے۔
وَالرِّفَدِ الرَّوَافِغِ؛	20	اور تمہیں بے شمار اور فراوانی سے اپنے عطیات سے نوازا ہے۔
وَاَنْذَرَكُمْ بِالْحُجَجِ الْبَوَالِغِ ؛	21	اور تمہیں دل میں اتر جانے والی اور پاس آکر بیان کرنے والی حجتوں سے تنبیہ کرادی ہے۔
فَاَحْصَاكُمْ عَدَدًا ؛	22	چنانچہ تمہیں تعداد کی صورت میں بھی گن رکھا ہے۔
وَّوَظَّفَ لَكُمْ مُدَدًا ؛	23	اور تمہارے لئے اس نے ایک زمانہ تک کچھ رعایتیں تجویز کردی ہیں۔
فِیْ قَرَارِ خِبْرَةٍ ؛	24	جو تمہیں اس آزمائشی دور میں ملیں گی۔
وَّالدَّارِ عِبْرَةٍ ؛	25	اور جن سے تمہیں اس سبق آموز دنیا میں واسطہ پڑے گا۔
اَنْتُمْ مُخْتَبَرُوْنَ فِيْهَا ؛	26	تمہیں اس دنیا میں طرح طرح کے امتحانوں سے گزرنا اور نمٹنا پڑے گا۔
وَمُحَاسَبُوْنَ عَلَيْهَا ؛	27	اور ان رعایتوں اور امتحانات کے سلسلے میں تمہارا محاسبہ کیا جائے گا۔
فَاِنَّ الدُّنْيَا رَنِقٌ مُشْرَبُهَا ؛	28	چنانچہ ابھی سے سمجھ لو کہ یقیناً یہ دنیا ایک ایسا چشمہ ہے جس کا گھاٹ گدلا اور میلا ہے۔اور
رَدِغٌ مَّشْرَعُهَا ؛	29	اس تک پہنچنے کا راستہ کیچڑ اور دلدل میں سے گزرتا ہے۔
يُوْنِقُ مَنْظَرُهَا ؛	30	مگر اسکا نظارہ مسرت انگیز ہے۔یعنی دلدل اور کیچڑ اور گدلا پن دور سے نظر نہیں آتے ہیں
وَيُوْبِقُ مَخْبَرُهَا ؛	31	اور امتحانات وآزمائش میں تباہ کن ہے۔
غُرُوْرٌ حَائِلٌ ؛	32	ہر طرف راہ میں حسین فریب حائل ہیں۔جو موہ لیتے ہیں۔
وَضَوْءٌ اٰفِلٌ ؛	33	چُھپ جانے والی روشنی موجود ہے۔
وَظِلٌّ زَائِلٌ ؛	34	اور ایسا سایہ اور پناہ ہے کہ جو جلدی سے زائل ہو جاتے ہیں۔
وَسِنَادٌ مَائِلٌ ؛	35	اور تباہی کی طرف جھکا ہوا ستون وسہارا ہے کہ سہارا لیتے ہی گر پڑے گا۔
حَتّٰى اِذَا اَنِسَ نَافِرُهَا ؛	36	جب دنیا سے نفرت کرنیوالا اس سے اُنس ومحبت کرنے لگتا ہے اور اسکا گرویدہ ہوجاتا ہے
وَاطْمَاَنَّ نَاكِرُهَا ؛	37	اور جب کوئی اجنبی دنیا کی طرف سے مطمئن ہوجاتا ہے تو
قَمَصَتْ بِاَرْجُلِهَا ؛	38	تو دنیا اپنی ٹانگیں اُٹھا کر زمین پر پٹخ دیتی ہے یعنی آمادگی ظاہر کردیتی ہے۔
وَقَنَصَتْ بِاَحْبُلِهَا ؛	39	اور اپنی گرفت میں لینے والے رسّوں سے باندھ لیتی ہے۔
وَاَقْصَدَتْ بِاَسْهُمِهَا ؛	40	اور اپنے بے خطا تیرِ نظر کا نشانہ بنالیتی ہے۔

وَاَعْلَقَتِ الْمَرْءَ اَوْهَاقُ الْمَنِيَّةِ قَائِدَةً لَّهُ اِلٰى ضَنْكِ الْمَضْجَعِ وَ وَحْشَةِ الْمَرْجِعِ ؛	41	اور پھر یوں پھنسنے والے مردوں کی گردن میں تمناؤں کی کمند ڈال کر اُن کو اُس تنگ و تاریک قبر کی طرف گھسیٹتی ہوئی لاتی ہے جو مدت سے ان کے انتظار میں تھی اور وحشت انگیز واپسی کی جگہ کے حوالے کرتی رہتی ہے۔
وَمُعَايَنَةِ الْمَحَلِّ ؛	42	یوں وہ مرد اُس ٹھکانے اور منزل کا معائنہ کرتے ہیں۔
وَثَوَابِ الْعَمَلِ ؛	43	اور اپنی کارگزاریوں کا بدلہ پاتے ہیں۔
وَكَذٰلِكَ الْخَلَفُ يَعْقُبُ السَّلَفَ :	44	اور وہی کچھ حالت بعد والوں پر گزرتی ہے جس سے پہلے والوں کو سابقہ پڑا تھا۔
لَاتُقْلِعُ الْمَنِيَّةُ اخْتِرَامًا ؛	45	نہ تمناؤں والی موت ہی کسی قسم کی رعایت اور کمی کرتی ہے۔یعنی دھڑا دھڑ مارتی رہتی ہے
وَلَايَرْعَوِى الْبَاقُوْنَ اجْتِرَامًا ؛	46	اور نہ ہی موت سے بچے ہوئے لوگ بدکاریوں سے باز رہتے ہیں یعنی مرنے والوں کا مرنا انہیں سبق نہیں دیتا۔
يَحْتَذُوْنَ مِثَالًا ؛	47	وہ باہم ایک دوسرے کی مثل عمل کرتے رہتے ہیں۔
وَيَمْضُوْنَ اَرْسَالًا ؛	48	اور اسی حالت میں آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔اور
اِلٰى غَايَةِ الْاِنْتِهَآءِ ؛	49	یوں اپنی انتہائی مقررہ حالت کو پہنچتے رہتے ہیں۔
وَصَيُّوْرِ الْفَنَآءِ ؛	50	اور فنا کے گھاٹ اترتے رہتے ہیں
حَتّٰى اِذَا تَصَرَّمَتِ الْاُمُوْرُ ؛	51	یہاں تک کہ وہ وقت آجائے گا جب دنیا کے یہ معاملات منقطع اور ختم ہو جائیں گے۔
وَتَقَضَّتِ الدُّهُوْرُ ؛	52	اور یہ زمانہ اور اس کے متعلقات کنارے آلگیں گے۔
وَاَزِفَ النُّشُوْرُ ؛	53	اور حشر و نشر کا ہنگامہ شروع ہوگا۔
وَاَخْرَجَهُمْ مِّنْ ضَرَائِحِ الْقُبُوْرِ وَاَوْكَارِ الطُّيُوْرِ ؛	54	اور تمام انسانوں کو اُن کی قبروں سے، اور اگر ضرورت ہوئی تو پرندوں کے گھونسلوں سے۔
وَاَوْجِرَةِ السِّبَاعِ ؛	55	اور بھیڑیوں کے بھٹوں سے بھی برآمد کر کے کھڑا کرلے گا۔
وَمَطَارِحِ الْمَهَالِكِ سِرَاعًا اِلٰى اَمْرِهٖ ؛	56	اور مر کر گرنے کی جگہوں سے، جیسے میدان جنگ یا دریاؤں سے بھی تیزی کے ساتھ نکال کر کھڑا کرلے گا۔
مُهْطِعِيْنَ اِلٰى مَعَادِهٖ ؛	57	اور وہ سب اپنے پلٹنے کے مقام کی طرف دوڑ رہے ہوں گے۔اس طرح کہ
رَعِيْلًا صُمُوْتًا ؛	58	کچھ چپ چاپ گروہ در گروہ جا رہے ہوں گے۔
قِيَامًا صُفُوْفًا ؛	59	کچھ صفیں باندھے کھڑے ہوں گے۔

يَنْفُذُهُمُ الْبَصَرُ ؛	60	اللہ کی نگاہ ان سب کو اپنے احاطہ میں لئے ہوگی یعنی کوئی اِدھر اُدھر کھسک نہ سکے گا۔
وَيُسْمِعُهُمُ الدَّاعِیْ ؛	61	حساب کے لئے بلانے والا اُن سب کو اپنے اعلانات سنواتا رہے گا یعنی کوئی یہ نہ کہہ سکے گا کہ میں نے سنا نہ تھا۔
عَلَيْهِمْ لَبُوْسُ الْاِسْتِكَانَةِ ؛	62	اُن کے اوپر عاجزی کا لباس ہوگا۔
وَضَرَعُ الْاِسْتِسْلَامِ وَالذِّلَّةِ ؛	63	اور وہ فرمانبرداری اور ذلت کے عالم میں ہوں گے۔
قَدْضَلَّتِ الْحِيَلُ ؛	64	یقیناً اُس دن اُن کے مکر اور حیلہ و بہانہ سازیاں بے کار ہو جائیں گی۔
وَانْقَطَعَ الْاَمَلُ ؛	65	امید و آس منقطع ہو جائے گی۔
وَهَوَتِ الْاَفْئِدَةُ كَاظِمَةً ؛	66	اور اُس دن قلوب جھکے ہوئے اور افسردہ و غمگین ہوں گے۔
وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ مُهَيْنِمَةً ؛	67	آوازیں دب کر دھیمی، مخفی اور کمزور پڑ جائیں گی۔
وَاَلْجَمَ الْعَرَقُ ؛	68	منہ پسینے سے بھربھر جائے گا۔
وَعَظُمَ الشَّفَقُ ؛	69	خوف و دہشت حد سے گزر جائے گی۔
وَاُرْعِدَتِ الْاَسْمَاعُ لِزَبْرَةِ الدَّاعِیْ اِلٰى فَصْلِ الْخِطَابِ ؛	70	اور جب آخری فیصلے کے لئے بلانے والا آواز دے گا تو کان گونج اُٹھیں گے۔
وَمُقَايَضَةِ الْجَزَآءِ ؛	71	اور اعمال اور جزا کا مقابلہ اور مبادلہ کیا جائے گا۔
وَنَكَالِ الْعِقَابِ ؛وَنَوَالِ الثَّوَابِ ؛	72	اور عذاب میں مبتلا کرنے کا کام شروع ہوگا۔ اور بدلہ عطا کیا جائے گا۔
عِبَادٌ مَّخْلُوْقُوْنَ اِقْتِدَارًا ؛	73	یہ وہی بندے ہیں جن کو اقتدار کے ثبوت کے سلسلے میں پیدا کیا گیا تھا۔
وَمَرْبُوْبُوْنَ اقْتِسَارًا ؛	74	اور غلبہ اور تسلط کے ماتحت اُن کی ربوبیت و تربیت کی گئی ہے۔
وَمَقْبُوْضُوْنَ احْتِضَارًا ؛	75	حالت نزع میں انہیں قبضے میں لیا گیا۔
وَمُضَمَّنُوْنَ اَجْدَاثًا ؛	76	اور قبروں میں رکھ دیا گیا تھا۔
وَكَائِنُوْنَ رُفَاتًا ؛	77	جہاں گل سڑ کر ریزہ ریزہ اور ذرّوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔
وَمَبْعُوْثُوْنَ اَفْرَادًا ؛	78	اور انہیں تنہا اور فرداً فرداً اٹھایا جائے گا۔
وَمَدِيْنُوْنَ جَزَآءً ؛	79	اور اچھے اور برے اعمال کی جزا دی جائے گی۔
وَمُمَيَّزُوْنَ حِسَابًا ؛	80	اور حساب ہی سے انہیں الگ الگ اور شناخت کیا جائے گا۔
قَدْ اُمْهِلُوْا فِیْ طَلَبِ الْمَخْرَجِ ؛	81	یقیناً انہیں گمراہی سے نکلنے کے لئے مناسب مہلت دے دی گئی تھی۔

وَهُدُوْا سَبِيْلَ الْمَنْهَجِ ؛	82	اورانہیں راہ راست کی ہدایت اورراہنمائی کردی گئی تھی۔
وَعُمِّرُوْا مَهَلَ الْمُسْتَعْتَبِ ؛	83	انہیں اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے ٹھیک فرصت، مہلت اورکافی عمرعطا کردی تھی۔
وَكُشِفَتْ عَنْهُمْ سُدَفُ الرِّيَبِ	84	اوران کے سامنے سے وہ تمام صورتیں ہٹا دی تھیں جن سے شکوک وشبہات اورالجھنیں پیدا ہوسکتیں تھیں۔
وَخُلُّوْا لِمِضْمَارِ الْجِيَادِ ؛	85	زندگی کے دوران انہیں میدانِ عمل میں آزاد چھوڑ دیا گیا تھا۔
وَرَوِيَّةِ الْاِرْتِيَادِ ؛	86	اورانہیں پوراموقع دیا گیا کہ وہ اپنی تلاش اورسوچ بچار کارویہ اختیار کرلیں۔
وَاَنَاةِ الْمُقْتَبِسِ الْمُرْتَادِ ؛	87	اورمتلاشیانِ حق کی طرح وہ تمام سامان اورروشنی جمع کرلیں جوضروری ہے۔
فِىْ مُدَّةِ الْاَجَلِ ؛	88	اوراس کے لئے موت آنے سے پہلے
وَمُضْطَرَبِ الْمَهَلِ ؛	89	اورمہلت کے دوران ہاتھ پیرماریں۔
فَيَالَهَا اَمْثَالًا صَائِبَةً ؛	90	یہ کتنی صحیح مثالیں ہیں۔؟
وَمَوَاعِظَ شَافِيَةً؛	91	اورکیسے حیات بخش وعظ ہیں؟
لَوْصَادَفَتْ قُلُوْبًا زَاكِيَةً ؛	92	اگران پرعمل کرنے کے لئے پاک دل لوگ ہوں۔
وَاَسْمَاعًا وَّاعِيَةً ؛	93	اورغورسے سننے اورمحفوظ رکھنے والے کان ہوں۔
وَآرَآءً عَازِمَةً ؛	94	اوران پراقدامات کرنے والی رائیں اورارادے ہوں۔
وَاَلْبَابًا حَازِمَةً ؛	95	اورپختہ فیصلے کرنے والی سوجھ بوجھ اورفہم وفراست ہو۔
فَاتَّقُوا اللّٰهَ تَقِيَّةَ مَنْ سَمِعَ فَخَشِعَ	96	اللہ کا تقویٰ اور پرہیز گاری اس شخص کے مانند اختیار کروجوسُنے اورسرِاطاعت جھکادے
وَاقْتَرَفَ فَاعْتَرَفَ ؛	97	جوغلطی کے قریب جاتے ہی غلطی کا اعتراف واقرار کرلے۔
وَ وَجِلَ فَعَمِلَ ؛	98	اورڈرمحسوس کرتے ہی صحیح عمل کرلے۔
وَحَاذَرَ فَبَادَرَ ؛	99	اورجومتنبہ اورخبردار ہوتے ہی راست اقدام میں بڑھتا جائے۔
وَاَيْقَنَ فَاَحْسَنَ ؛	100	اوریقین فراہم ہوتے ہی بہترعمل کرے۔
وَعُبِّرَ فَاعْتَبَرَ ؛	101	سبق ملتے ہی سبق آموزکام کرے۔
وَحُذِّرَ فَحَذِرَ ؛	102	خبردار کیاجائے توخبرداررہے۔
وَزُجِرَ فَازْدَجَرَ ؛	103	اورڈانٹا گیاتوڈانٹ کااثرقبول کیا۔
وَاَجَابَ فَاَنَابَ ؛	104	اوردعوت حق قبول کی تواس سے پوری طرح وابستہ ہوگیا۔

وَرَاجَعَ فَتَابَ ؛	105	حق کی طرف رجوع کیا تو توبہ کر کے اپنی اصلاح شروع کردی۔
وَاقْتَدٰى فَاحْتَذٰى ؛	106	پیرویِ حق شروع کی تو اسی کا ہو کر رہ گیا۔
وَاُرِیَ فَرَاٰى ؛	107	جب اسے صحیح پہلو دکھایا گیا تو اُسے پوری طرح سمجھ کر دیکھا اور قبول کرلیا۔
فَاَسْرَعَ طَالِبًا ؛	108	طلبِ حق میں ایک طالب کی طرح تیزی سے سرگرم رہتا چلا گیا۔
وَنَجَا هَارِبًا ؛	109	اور باطل سے فرار کرتے کرتے نجات پا گیا۔
فَاَفَادَ ذَخِيْرَةً ؛	110	چنانچہ اس نے پورا پورا فائدہ اُٹھایا اور آخرت کے لئے ذخیرہ جمع کرلیا۔
وَاَطَابَ سَرِيْرَةً ؛	111	اور ساتھ ہی خود کو اور اپنے باطن کو طیب و طاہر کرلیا۔
وَعَمَّرَ مَعَادًا ؛	112	اور قیامت میں واپسی کی عمارت کو خوب تعمیر کرلیا۔
وَاسْتَظْهَرَ زَادًا لِيَوْمِ رَحِيْلِهٖ ؛	113	اور اپنے سفر کے دن کا تمام ضروری سامان قابو کرلیا۔
وَوَجْهِ سَبِيْلِهٖ ؛	114	اور دورانِ سفر پیش آنے والی وجوہات پر نگاہ رکھی۔
وَحَالِ حَاجَتِهٖ ؛	115	اور پیش آنے والی اپنی حاجتوں
وَمَوْطِنِ فَاقَتِهٖ ؛	116	اور بدحالی اور فاقہ کے مواقع کا بندوبست کیا۔
وَقَدَّمَ اَمَامَهٗ لِدَارِ مُقَامِهٖ ؛	117	اور تمام ضروری چیزیں اپنے آگے بھیج دیں تاکہ وہ اس کی دائمی قیام گاہ میں موجود ملیں۔
فَاتَّقُوا اللّٰهَ عِبَادَ اللّٰهِ جِهَةَ مَاخَلَقَكُمْ لَهٗ ؛	118	چنانچہ اے بندگانِ خدا اللہ کے سامنے ان چیزوں کے لئے ذمہ دار بنو جن کے لئے تمہیں پیدا کیا ہے۔
وَحْذَرُوْا مِنْهُ كُنْهَ مَا حَذَّرَكُمْ مِّنْ نَفْسِهٖ ؛	119	اور اللہ سے ان چیزوں کے متعلق بچتے رہو جن سے بچنے کیلئے اس نے تمہیں تاکید کی ہے۔
وَاسْتَحِقُّوْا مِنْهُ مَا اَعَدَّلَكُمْ بِالتَّنَجُّزِ لِصِدْقِ مِيْعَادِهٖ ؛	120	اور اس کے سامنے ان چیزوں کے حقدار بن جاؤ جو اس نے تمہارے لئے تیار کی ہیں اور اس سے اس کے سچے وعدہ کو پورا کرانے میں کوشاں رہو۔
وَالْحَذَرِ مِنْ هَوْلِ مَعَادِهٖ ؛	121	اور اس ہولناک صورت حال سے بچتے رہو جو قیامت میں واپسی کے وقت پیش آسکتی ہے
جَعَلَ لَكُمْ اَسْمَاعًا لِتَعِىَ مَاعَنَاهَا	122	اس نے تمہارے لئے کان اور قوتِ سماعت بنائی تاکہ تم ضروری اور اہم ہدایات کو سنو اور ان سے استفادہ کے لئے انہیں محفوظ رکھو۔
وَاَبْصَارًا لِتَجْلُوَعَنْ عَشَاهَا ؛	123	اور تمہیں آنکھیں اور بصارت بھی دی ہے تاکہ تم تاریکی سے روشنی میں آؤ اور چیزوں کا مشاہدہ کرو۔

وَاَشلَآءً جَامِعَةً لِاَعْضَآئِهَا ؛	124	اور تمہارے ظاہری اعضاء کو باطنی اعضاء سے وابستہ اور ہمرِشتہ کیا تاکہ دونوں مل کر کام کریں۔
مُلَائِمَةً لِاَحْنَآئِهَا ؛	125	ان کے پیچ وخم ان کے متعلق سپردہ کاموں کی مناسبت سے رکھے گئے ہیں۔
فِیْ تَرْكِيْبِ صُوَرِهَا وَمُدَدِعُمُرِهَا ؛	126	وہ اپنی صورتوں کی ترکیب دائرہ کار اور اپنی عمر وحدود کے تناسب کے ماتحت ہیں۔
بِاَبْدَانٍ قَائِمَةٍ بِاَرْ فَاقِهَا ؛	127	اور ایسے مستقل بدن رکھتے ہیں جو اپنی اپنی ضروریات کو پورا کررہے ہیں۔
وَقُلُوْبٍ رَّائِدَةٍ لِاَرْزَاقِهَا ؛	128	اور ایسے دلوں سے وابستہ ہیں جو اپنے سامانِ بقاوترقی کی کھوج میں لگے رہتے ہیں
فِیْ مُجَلِّلَاتِ نِعَمِهٖ وَمُوْجِبَاتِ مِنَنِهٖ	129	یعنی بڑی بڑی نمایاں نعمتوں اور احسان انگیز بخششوں کے حصول میں مصروف رہتے ہیں اور سلامتی وعافیت چاہتے ہیں۔
وَحَوَاجِزِ عَافِيَتِهٖ ؛	130	اللہ نے تمہارے لئے عمریں مقدر کردی ہیں اور عمروں کی مدت کو تم سے چھپا کر رکھا
وَقَدَّرَ لَكُمْ اَعْمَارًا سَتَرَهَا عَنْكُمْ ؛	131	سابقہ زمانوں میں گزرے ہوئے لوگوں کے حالات و واقعات و تجربات سے
وَخَلَّفَ لَكُمْ عِبَرًا مِّنْ اٰثَارِ الْمَاضِيْنَ قَبْلَكُمْ مِنْ مُسْتَمْتَعِ خَلَاقِهِمْ؛	132	تمہارے لئے عبرت اور سبق حاصل کرنے کا سامان کر رکھا ہے دیکھو کہ وہ لوگ اپنے اپنے حصہ کے سامان سے لطف اندوز ہوتے رہے اور کھلے طور پر آزاد پھرتے تھے۔
وَمُسْتَفْسَحِ خِنَاقِهِمْ ؛	133	اور گلے میں موت کا پھندا پڑنے سے پہلے خوب پھیل پھیل کر رہتے تھے۔
اَرْهَقَتْهُمُ الْمَنَايَا دُوْنَ الْاٰمَالِ ؛	134	امیدیں اور آرزوئیں پوری ہونے سے پہلے ہی انہیں موت نے آگھیرا۔
وَشَذَّبَهُمْ عَنْهَا تَخَرُّمُ الْاٰجَالِ ؛	135	عمر کے ختم ہوجانے سے ان کی تمنائیں بکھر کر برباد ہوگئیں۔
لَمْ يَمْهَدُوْا فِیْ سَلَامَةِ الْاَبْدَانِ ؛	136	انہوں نے تندرستی کے عالم میں آخرت کے لئے کوئی سامان نہ کیا۔
وَلَمْ يَعْتَبِرُوْا فِیْ اُنُفِ الْاَوَانِ ؛	137	اور اس وقت کوئی عبرت اور نصیحت حاصل نہ کی جب جوانی کا دور دورہ تھا۔(یعنی تندرستی اور جوانی کو مسلسل ضائع کرتے رہے)
فَهَلْ يَنْتَظِرُ اَهْلُ بَضَاضَةِ الشَّبَابِ اِلَّا حَوَانِیَ الْهَرَمِ ؟؛	138	کیا یہ بھرپور جوانی والے لوگ کمر جھکا دینے والے بڑھاپے کے انتظار میں ہیں کہ ضعیفی آجائے تو نیک رویہ اختیار کریں گے؟
وَاَهْلُ غَضَارَةِ الصِّحَةِ اِلَّا نَوَازِلَ السَّقَمِ ؟	139	اور یہ صحت مند اور شباب کے دور سے گزرنے والے لوگ نیک کام کرنے کے لئے نازل ہونے والی بیماریوں کی راہ دیکھ رہے ہیں؟
وَاَهْلُ مُدَّةِ الْبَقَآءِ اِلَّا اٰوِنَةَ الْفَنَآءِ ؟	140	اور کیا یہ باقی رہنے والے زندہ لوگ راست روی کے لئے فنا اور تباہی کے علاوہ کسی اور چیز کا انتظار کررہے ہیں؟

مَعَ قُرْبِ الزِّيَالِ وَاُزُوْفِ الْاِنْتِقَالِ وَعَلَزِ الْقَلَقِ ؛	141	ساتھ ہی ساتھ جب کہ آخرت کے لئے روانگی ہونے والی ہےاورانتقال کا وقت آ گیا ہے بستر مرگ پر تڑپنا اور تمام متعلقات سے دوری کا صدمہ سر پر کھڑا ہے۔
وَالَمِ الْمَضَضِ وَغُصَصِ الْجَرَضِ ؛	142	اور بے قراری و بے چینی سے ہاتھ پیر پٹخنا اور گلے میں پھنسے ہوئے تھوک کو نگلنا پڑے گا۔
وَتَلَفُّتِ الْاِسْتِغَاثَةِ بِنُصْرَةِ الْحَفَدَةِ وَالْاَقْرِبَآءِ وَالْاَعِزَّةِ وَالْقُرَنَآءِ ؛	143	اور اپنے عزیزوں اور قریبوں اور خدمت کرنے والوں اور چاہنے والوں سے مدد کے لئے چاروں طرف رہ رہ کر آنکھیں گھمانا ہوں گی ۔کروٹیں بدلنے کی ضرورت پڑے گی اور حالت جان کنی میں ترسنا پڑے گا۔
فَهَلْ دَفَعَتِ الْاَقَارِبُ اَوْنَفَعَتِ النَّوَاحِبُ ؟	144	لیکن سوال یہ ہے کہ کیا تمہارے عزیز و اقارب نے موت کو روک دیا اور کیا رونے والوں کے رونے نے کچھ فائدہ اور چین فراہم کیا؟
وَقَدْ غُوْدِرَفِیْ مَحَلَّةِ الْاَمْوَاتِ رَهِيْنًا وَفِیْ ضِيْقِ الْمَضْجَعِ وَحِيْدًا ؛	145	اس کے برعکس نتیجہ تو یہ نکلا کہ اسے سب نے مل کر قبر کے لئے تیار کیا اور قبرستان میں لاکر قبر کے اندر تنگ و تاریک گوشہ میں جکڑ کر تکلیفیں اُٹھانے اور تڑپنے کے لئے تنہا چھوڑ دیا۔
قَدْهَتَكَتِ الْهَوَامُّ جِلْدَتَهٗ وَاَبْلَتِ النَّوَاهِكُ جِدَّتَهٗ ؛	146	یقیناً کیڑوں اور بچھوؤں نے اس کی کھال کو چھلنی کر دیا ہے۔اور قبر کی سختیوں نے اس کی رعنائی اور چمک دمک کو مٹا کر رکھ دیا ہے۔
وَعَفَّتِ الْعَوَاصِفُ اٰثَارَهٗ ؛	147	اور تند ہواؤں اور آندھیوں کی پیدا کردہ نمی (Humidity) نے مروڑ مروڑ کر اس کے وجود کو مٹا دیا ہے۔
وَمَحَاالْحَدَثَانِ مَعَالِمَهٗ ؛	148	اور زمانہ کے حادثات نے اس کے تمام نشانات ختم کر دیئے ہیں۔
وَصَارَتِ الْاَجْسَادُ شَحِبَةً بَعْدَ بَضَّتِهَا ؛	149	وہ تر و تازہ اور نظر نواز بدن گھل گھل کر گھناؤنے مکروہ اور نا پید اہو گئے۔
وَالْعِظَامُ نَخِرَةً بَعْدَ قُوَّتِهَا ؛	150	اور جسم کی طاقت ور اور مضبوط ہڈیاں رفتہ رفتہ سڑ گل کر بوسیدہ مٹی بنتی چلی گئیں۔
وَالْاَرْوَاحُ مُرْتَهَنَةً بِثِقْلِ اَعْبَائِهَا مُوْقِنَةً بِغَيْبِ اَنْبَآئِهَا ؛	151	اور ان کی روحیں اب اپنے نظام کی کشش کے ہاتھوں میں رہن پڑی ہیں۔اور اب انہیں غیب کی تمام خبروں پر یقین کرنا پڑ رہا ہے۔
لَاتُسْتَزَادُ مِنْ صَالِحِ عَمَلِهَا وَلَا تُسْتَعْتَبُ مِنْ سَيِّئِ زَلَلِهَا ؛	152	اور اب نہ تو ان سے نیک اعمال میں اضافہ مطلوب اور نہ اس کی گنجائش رہ گئی ہے اور نہ ہی بدکرداری کے ریکارڈ میں کمی کرانے کیلئے کسی توبہ و پشیمانی کا موقع ہے۔
اَوَلَسْتُمْ اَبْنَآءَ الْقَوْمِ وَالْاٰبَآءَ	153	یہ تو بتاؤ کہ کیا تم ان مرچکنے والوں کے بیٹے اور بھائی اور باپ دادا اور قریبی

وَاِخْوَانِهِمْ وَالْاَقْرَبَآءِ ؛		رشتہ دار نہیں ہو؟
تَحْتَذُوْنَ اَمْثِلَتَهُمْ ؛	154	اگر ہو! تو تمہیں بھی ان کی مانند حالات پیش آنا ہیں۔
وَتَرْكَبُوْنَ قِدَّتَهُمْ، وَتَطَأُوْنَ جَادَّتَهُمْ	155	اور تم پھر بھی ان ہی کی سواری پر سوار ہو کر اسی راستے پر جا رہے ہو جس پر وہ لوگ گئے تھے۔
فَالْقُلُوْبُ قَاسِيَةٌ عَنْ حَظِّهَا ؛	156	چنانچہ تمہارے دل ابھی تک سخت اور اس نتیجہ سے نڈر ہیں۔
لَاهِيَةٌ عَنْ رُشْدِهَا سَالِكَةٌ فِيْ غَيْرِ مِضْمَارِهَا ؛	157	ہدایت حاصل کرنے سے لاپرواہ ہیں اور مخالف راہوں میں راہ پیمائی کر رہے ہیں۔
كَاَنَّ الْمَعْنِيَّ سِوَاهَا وَكَاَنَّ الرُّشْدَ فِيْ اِحْرَازِ دُنْيَاهَا ؛	158	گویا نیک چلنی اور ہدایت حاصل کرنے میں تمہارے سوا کوئی اور مخاطب ہے یعنی تم سے بات نہیں ہو رہی ہے اور گویا تمہارے لئے دنیا میں بدمعاشیاں اور بدکرداریاں کرنا ہی ہدایت یافتہ ہونا ہے۔
وَاعْلَمُوْا اَنَّ مَجَازَكُمْ عَلَى الصِّرَاطِ وَمَزَالِقِ دَحْضِهِ وَاَهَاوِيْلِ زَلَلِهِ وَتَارَاتِ اَهْوَالِهِ	159	یاد رکھو اور سمجھ لو کہ تمہیں بھی پل صراط عبور کرنا پڑے گا۔ اور اس کے عبور کرنے میں پیر اور ٹانگیں لرزیں اور ڈگمگائیں گی۔ اور لوگوں کو ہول اور خوف سے دوچار ہونا پڑے گا۔ یعنی قدم قدم پر ہولناک خطرات پیش آئیں گے۔
فَاتَّقُوا اللّٰهَ عِبَادَ اللّٰهِ تَقِيَّةَ ذِيْ لُبٍّ شَغَلَ التَّفَكُّرُ قَلْبَهُ ؛	160	لہٰذا اے خدا کے بندو تم اللہ کا ویسا تقویٰ اختیار کرو جیسا تقویٰ وہ خردمند شخص اختیار کرتا ہے جس کے دل کو سوچ بچار نے حق کے علاوہ ہر چیز سے غافل کر دیا ہو۔
وَاَنْصَبَ الْخَوْفُ بَدَنَهُ ؛	161	اور خوفِ حساب نے اس کے بدن کو اپنا نشانہ بنا رکھا ہو۔
وَاَسْهَرَ التَّهَجُّدُ غِرَارَ نَوْمِهِ ؛	162	اور تہجد کی شب بیداری نے اس کی فطری نیند کو بھی بیداری سے تبدیل کر دیا ہو۔ (باقی رات میں بھی عبادت کرتا ہو)۔
وَاَظْمَاَ الرَّجَاءُ هَوَاجِرَ يَوْمِهِ ؛	163	اور رحمتِ خداوندی کی آس میں جو شدید گرمی کے دنوں کی دوپہر پیاس میں گزار دیتا ہو (روزے رکھتا ہو)۔
وَظَلَفَ الزُّهْدُ شَهَوَاتِهِ ؛	164	جس کو پارسائی اور لذاتِ دنیا سے کنارہ کشی نے خواہشوں اور جنسی شہوتوں سے باز رکھا ہو۔
وَاَوْجَفَ الذِّكْرُ بِلِسَانِهِ ؛	165	اور جس کی زبان ہر وقت ذکرِ خدا و رسولؐ میں مصروف رہتی ہے۔
وَقَدَّمَ الْخَوْفَ لِاَمَانِهِ ؛	166	اور جس نے نافرمانی اور گناہ سے امان میں رہنے کیلئے خوفِ خداوندی کو آگے کر رکھا ہے۔
وَتَنَكَّبَ الْمَخَالِجَ عَنْ وَضَحِ السَّبِيْلِ ؛	167	اور اس نے تمام ایسی باتوں اور کاموں کی طرف سے آنکھیں بند کر رکھی ہیں جو اسے واضح راہِ راست سے ہٹا دیں۔

وَسَلَکَ اَقْصَدَ الْمَسَالِکَ اِلَی النَّهجِ الْمَطْلُوبِ ؛	168	اور جس نے سب سے مضبوط، صحیح اور بہترین مسلک کو اُسی انداز سے اختیار کیا ہوا ہے جو مطلوبِ خداوندی ہے۔ (یعنی اسلام کو اللہ و رسولؐ کی پسند کے مطابق اختیار کر رکھا ہو)
وَلَمْ تَفْتِلْهُ فَاتِلاتَ الْغُرُوْرِ ؛	169	اور جسے نہ تو مغالطوں اور خود فریبیوں نے غافل کیا ہو۔
وَلَمْ تَعْمَ عَلَيْهِ مُشْتَبِهَاتُ الْاُمُوْرِ ؛	170	اور نہ ہی شبہ میں ڈالنے والے کاموں اور مشکوک معاملات نے اسے اندھا کیا ہو۔
ظَافِرًا بِفَرْحَةِ الْبُشْرٰی وَرَاحَةِ النُّعْمٰی فِیْ اَنْعَمِ نَوْمِهٖ وَ اٰمَنِ يَوْمِهٖ ؛	171	وہ جنت کی خوشخبری سے خود کو فاتح سمجھتا ہے اور نعمتوں اور آسائشوں کو پا کر عمدہ نیند سوتا ہے۔ اور نہایت امن اور راحت میں اپنا دن بسر کرتا ہے۔
قَدْ عَبَرَ مَعْبَرَ الْعَاجِلَةِ حَمِيْدًا ؛	172	رکاوٹوں سے معمور گزرگاہ (دنیا) کو وہ دانشور قابل حمد و ثناء طریقے سے گزر گیا (پار کر گیا)
وَقَدَّمَ زَادَالْاٰ جِلَةِ سَعِيْدًا ؛	173	اور رکاوٹوں سے معمور گزرگاہ (دنیا) سے حاصل کیا ہوا سامان سفر سعادت مندانہ طریقے سے پہلے ہی بھیج دیا۔
وَبَادَرَ مِنْ وَّجَلٍ ؛	174	خوفِ خداوندی میں حد سے بڑھا اور راہ راست پر گزرنے میں نمبر لے گیا۔
وَاَكْمَشَ فِیْ مَهَلٍ وَّرَغِبَ فِیْ طَلَبٍ وَذَهَبَ عَنْ هَرَبٍ وَرَاقَبَ فِیْ يَوْمِهٖ غَدَهٗ ؛	175	دنیا میں حاصل شدہ مہلت میں عبادت و اطاعتِ خداوندی کے لئے جلدی کرتا رہا اور طلبِ آخرت میں اطمینان سے بڑھتا رہا اور عذاب خداوندی سے بھاگنے کے لئے اقدام کرتا رہا اور آج ہی سے کل کی ضرورتوں کو پورا کرنے میں کوشاں رہا۔
وَنَظَرَ قُدُمًا اَمَامَهٗ فَكَفٰی بِالْجَنَّةِ ثَوَابًا وَّنَوَالاً ؛	176	جو کچھ اسے درپیش تھا جیسے حالات قبر و برزخ و قیامت، مرنے سے پہلے ہی نظر میں رکھے چنانچہ جزا کے طور پر ملنے والی چیزوں میں جنت بہت کافی ہے۔
وَكَفٰی بِالنَّارِ عِقَابًا وَّوَبَالاً ؛	177	اور سزا کے طور پر پیش آنے والی آفت اور وبال آگ میں جلنا بھی کافی ہے۔
وَكَفٰی بِاللّٰهِ مُنْتَقِمًا وَّنَصِيْرًا ؛	178	اور انتقام لینے کے لئے اللہ اور مدد کرنے کے لئے بھی اللہ کافی ہے۔
وَكَفٰی بِالْكِتَابِ حَجِيْجًا وَّخَصِيْمًا ؛	179	قیامت میں دین کے مخالفوں اور سرکشوں کے مقابلے میں قرآن کا احتجاج کرنا اور مدّ مقابل ہونا بھی کافی ہے۔
اُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَی اللّٰهِ الَّذِیْ اَعْذَرَ بِمَا اَنْذَرَ ؛	180	میں تمہیں اللہ کے تقوے کی وصیت کرتا ہوں جس نے اپنی تنذیر کے ذریعہ سے تمہارے عذرات ختم اور اپنے عذرات قائم کردئے ہیں اور
وَاحْتَجَّ بِمَا نَهَجَ ؛	181	اپنے بتائے ہوئے طریقوں سے تم پر حجت مکمل کردی ہے۔

وَحَذَّرَكُمْ عَدُوًّا نَفَذَ فِي الصُّدُوْرِ خَفِيًّا وَنَفَثَ فِي الْاٰذَانِ نَجِيًّا ؛	182	اور تمہیں اس دشمن سے بچنے کی تاکید کر دی ہے جو مخفی طریقوں سے سینوں کے اندر احکام پہنچاتا ہے۔اور سرگوشی کے انداز میں کان بھرتا اور سمجھاتا رہتا ہے۔
فَاَضَلَّ وَاَرْدٰى وَوَعَدَ فَمَنّٰى ؛	183	چنانچہ وہ گمراہ کر کے تباہ کرتا ہے اور وعدے کر کے تمناؤں میں الجھائے رکھتا ہے۔
وَ زَيَّنَ سَيِّئَاتِ الْجَرَائِمِ ؛وَهَوَّنَ مُوْبِقَاتِ الْعَظَائِمِ ؛	184	اور بدترین جرائم کو سجا کر پسندیدہ بنا کر پیش کرتا ہے تاکہ لوگ نیکی سمجھ کر جرم کریں اور تباہ کن گناہوں کو ہلکا اور آسان کر کے قابل عمل بنا دیتا ہے۔
حَتّٰى اِذَا اسْتَدْرَجَ قَرِيْنَتَهٗ وَاسْتَغْلَقَ رَهِيْنَتَهٗ ؛	185	یہاں تک کہ جب یوں درجہ بدرجہ اپنے طریقہ پر چلا دیتا ہے اور اسے اپنا رہین منت بنا کر پوری طرح پھانس لیتا ہے تب،
اَنْكَرَ مَازَيَّنَ وَاسْتَعْظَمَ مَاهَوَّنَ وَحَذَّرَ مَااَمَّنَ ؛	186	وہ اُس سامان کا انکار کر دیتا ہے جو سجا کر سامنے لایا تھا اور اس سامان کی عظمت ظاہر کرتا ہے جسے ہلکا کر کے دکھایا تھا اور ان گناہوں سے بچنے کو کہتا ہے جنہیں بے خطر قرار دیا تھا۔
فِيْ صِفَةِ خَلْقِ الْاِنْسَانِ		تخلیق انسانی کے متعلق۔
اَمْ هٰذَا الَّذِيْ اَنْشَاَهٗ فِيْ ظُلُمَاتِ الْاَرْحَامِ وَشُغُفِ الْاَسْتَارِ نُطْفَةً دِهَاقًا وَّعَلَقَةً مُّحَاقًا ؛	187	یا پھر انسان کو یوں دیکھو کہ اللہ نے اسے اس کی ماں کی بچہ دانی کی تاریکیوں میں نشوونما دیا تھا اور پردہ کے پیچھے ایسی حالت سے تخلیق شروع کی جب کہ وہ زندگی سے لبریز نطفہ تھا اور جما ہوا خون اور بے شکل وصورت چیز تھا۔
وَجَنِيْنًا وَّرَاضِعًا وَّوَلِيْدًا وَّيَافِعًا ؛	188	اور وہاں اسے شکل وصورت اور اعضاء دئے گئے اور پوشیدہ طور پر پرورش کیا گیا یہاں تک کہ دودھ سے پلنے والا بچہ بن گیا اور بچپن سے گزرتا ہوا پورا جوان ہو گیا۔
ثُمَّ مَنَحَهٗ قَلْبًا حَافِظًا وَلِسَانًا لَافِظًا وَبَصَرًا لَاحِظًا ؛	189	پھر اللہ نے اسے حفاظت کرنے والا دل اور بولنے والی زبان اور ملاحظہ کرنے والی نظر عطا کی۔
لِيَفْهَمَ مُعْتَبِرًا وَّيُقَصِّرَ مُزْدَجِرًا ؛	190	تاکہ عزت و تجربہ حاصل کرنے کے لئے سمجھے بوجھے اور دیکھے اور تنبیہ ونصیحت سے متاثر ہو کر برائیوں سے دور رہے۔
حَتّٰى اِذَاقَامَ اعْتِدَالُهٗ وَاسْتَوٰى مِثَالُهٗ نَفَرَ مُسْتَكْبِرًا وَخَبَطَ سَادِرًا ؛	191	یہاں تک کہ جب وہ صحیح توازن تک پہنچا اور اس کا قد وقامت اپنی جگہ مضبوط ہو گیا تو وہ مغرور ہو گیا اور سرکشی ونفرت اختیار کر لی۔اور آوارگی میں مصروف ہو گیا۔
مَاتِحًا فِيْ غَرْبِ هَوَاهُ ؛كَادِحًا سَعْيًا لِدُنْيَاهُ ؛	192	بدکاری اور خواہشوں میں مشغول ہو گیا اور سر سے پیر تک حصول دنیا میں کوشش اور جدوجہد کرنے لگا۔

فِیْ لَذَّاتِ طَرَبِهٖ وَ بَدَوَاتِ اَرَبِهٖ لَایَحْتَسِبُ رَزِیَّةً وَلَا یَخْشَعُ تَقِیَّةً ؛	193	بدمست کرڈالنے والی لذّتوں اور ہوس میں مشغول ہوگیا نہ کسی خطرے کی فکر کرتا تھا کہ اس سے بچ کر چلے نہ اسے کسی قسم کی ذمہ داری کے چھوڑنے سے کچھ خوف تھا۔
فَمَاتَ فِیْ فِتْنَتِهٖ غَرِیْرًا وَّعَاشَ فِیْ هَفْوَتِهٖ یَسِیْرًا ؛	194	چنانچہ فتنوں اور فساد میں مبتلا رہتا ہوا مر گیا اور جو تھوڑی سی عمر ملی تھی اسے بدکرداری میں گزار گیا۔
لَمْ یُفِدْ عِوَضًا ؛	195	اور جو نعمتیں اللہ نے دی تھیں ان سے فائدہ نہ اُٹھایا۔
وَلَمْ یَقْضِ مُفْتَرَضًا ؛	196	اور جو کچھ اس پر واجب تھا اس کو بجا نہ لایا۔
دَهَمَتْهُ فَجَعَاتُ الْمُنِیَّةِ فِیْ غُبَّرِ جِمَاحِهٖ وَ سَنَنِ مَرَحِهٖ ؛	197	اور آخر میں سرکشی اور ہوس پروری کے دوران ہی موت اس پر ٹوٹ پڑی اور طرح طرح کی بیماریوں نے اسے دھرلیا۔
فَظَلَّ سَادِرًا وَّبَاتَ سَاهِرًا ؛	198	حیرانی اور سرگردانی کے عالم میں رات بھر تکلیف سے جاگ کر گزارتا تھا۔
فِیْ غَمَرَاتِ الْاٰلَامِ ؛	199	وہ جان کنی کی تکلیف و درد اور آلام میں الجھ گیا۔
وَطَوَارِقِ الْاَوْجَاعِ وَالْاَسْقَامِ ؛	200	اور درد کے دوروں اور صحت کی خرابیوں میں اس طرح مبتلا تھا کہ:
بَیْنَ اَخٍ شَقِیْقٍ وَّوَالِدٍ شَفِیْقٍ ؛	201	حقیقی بھائی اور مہربان باپ بھی اور
وَدَاعِیَةٍ بِالْوَیْلِ جَزَعًا وَلَادِمَةٍ لِلصَّدْرِ قَلَقًا ؛	202	تڑپ تڑپ کر فریاد کرنے والی ماں بھی یہ تکلیف دہ حالت دیکھنے کیلئے موجود تھی اور سینہ پیٹنے اور ماتم کرنے والی بہن بھی حاضر تھی اور ان تمام چاہنے والوں کے سامنے
وَالْمَرْءُ فِیْ سَكْرَةٍ مُلْهِیَةٍ ؛	203	ہی وہ شخص موت کی لپیٹ میں بدحواس تھا۔
وَغَمْرَةٍ كَارِثَةٍ وَاَنَّةٍ مُوْجِعَةٍ ؛	204	غم اور اندوہ کے نرغہ میں مبتلا اور جان و روح نکلنے کا درد اور بے ہوشی اس پر چھائی ہوئی تھی۔
وجَذْبَةٍ مُكْرِبَةٍ ؛	205	دنیا چھوڑنے کا کرب انگیز عالم اس پر طاری تھا۔
وَسَوْقَةٍ مُتْعِبَةٍ ؛	206	اور نزع کا تھکا دینے والا اور دنیا سے ہانکنے والا معاملہ اس پر گزر گیا۔
ثُمَّ اُدْرِجَ فِیْ اَكْفَانِهٖ مُبْلِسًا ؛	207	چنانچہ بتدریج مایوسی کے عالم میں اسے کفن میں لپیٹ دیا گیا۔
وَجُذِبَ مُنْقَادًا سَلِسًا ؛	208	اور وہ شخص نہایت لاچاری اور بے بسی کے عالم میں دوسروں کے ہاتھوں میں چلا گیا
ثُمَّ اُلْقِیَ عَلَی الْاَعْوَادِ ؛	209	پھر اسے ایک تختہ پر لٹا دیا گیا تھا۔ وہ بھی
رَجِیْعَ وَصَبٍ وَنِضْوَسَقَمٍ ؛	210	ایسی حالت میں کہ وہ بیماری کی محنت و تکلیف سے خستہ و بدحال ہو چکا تھا۔
تَحْمِلُهٗ حَفَدَةُ الْوِلْدَانِ وَحَشَدَةُ	211	پھر اسے خدمت کرنے والے بیٹوں اور تعاون کرنے والے بھائیوں نے کاندھا

الْاِخْوَانِ اِلٰی دَارِ غُرْبَتِہٖ وَمُنْقَطَعِ زُوْرَتِہٖ ؛		دے کر بے کسی اور غربت کے اس گھر (قبر) تک پہنچا دیا جہاں آئندہ ملنے جلنے اور زیارت کرنے کی تمام راہیں بند ہو جاتی ہیں۔
حَتّٰی اِذَا انْصَرَفَ الْمُشَیِّعُ وَرَجَعَ الْمُتَفَجِّعُ ؛	212	یہاں تک کہ جب رخصت کے لئے ساتھ ساتھ چلنے والے اور سوگوار مصیبت زدہ لوگ اسے قبر کے سپرد کر کے واپس لوٹ آئے تو
اُقْعِدَ فِیْ حُفْرَتِہٖ نَجِیًّا لِّبَهْتَةِ السُّؤَالِ وَعَثْرَةِ الْاِمْتِحَانِ ؛	213	اسے قبر میں اُٹھا کر بٹھا دیا گیا تاکہ اس سے باز پرس کی جائے تو وہ شخص سوالات کے ڈر کے مارے اور امتحان میں غلطی ہو جانے کی گھبراہٹ میں سرگوشی کے انداز میں آہستہ آہستہ جواب دے گا۔
وَاَعْظَمُ مَاهُنَالِکَ بَلِیَّةً نُّزُوْلُ الْحَمِیْمِ	214	وہاں کی سب سے عظیم الشان بلا و مصیبت تو گرم پانی کی مہمانی اور دعوت
وَتَصْلِیَةُ الْجَحِیْمِ وَفَوْرَاتُ السَّعِیْرِ وَسَوْرَاتُ الزَّفِیْرِ ؛	215	اور دھکتے ہوئے آگ کے گڑھے میں داخلہ اور بھڑکتے ہوئے آگ کے شعلے اور ان کی گونج و گرج ہے۔
لَا فَتْرَةٌ مُّرِیْحَةٌ ؛	216	وہاں عذاب میں وقفہ و ناغہ نہیں ہے جو راحت و چین مل سکے۔
وَلَادَعَةٌ مُّزِیْحَةٌ؛	217	اور نہ کوئی ایسی آسائش ہے جو رنج و تکلیف کو برطرف کر سکے۔
وَلَاقُوَّةٌ حَاجِزَةٌ ؛	218	اور نہ اس عذاب کو روکنے والی کوئی قوت ہی موجود ہے۔
وَلَامَوْتَةٌ نَاجِزَةٌ ؛	219	اور نہ وہاں ایسی موت ہی آئے گی جو عذاب سے رہا کر دے۔
وَلَاسِنَةٌ مُّسْلِیَةٌ ؛	220	نہ تکلیف کو بھلا دینے والی نیند ہے۔
بَیْنَ اَطْوَارِ الْمَوْتَاتِ وَعَذَابِ السَّاعَاتِ ؛	221	بلکہ وہاں تو طرح طرح موتیں، اور ہر گھڑی نئے نئے عذابوں سے دوچار رہنا ہوگا۔
اِنَابِاللّٰہِ عَائِذُوْنَ ؛	222	ہم تو اللہ ہی سے پناہ چاہتے ہیں۔
عِبَادَ اللّٰہِ اَیْنَ الَّذِیْنَ عُمِّرُوْا فَنَعِمُوْا ؟	223	اے اللہ کے بندو وہ لوگ کہاں ہیں جنہیں عمریں دی گئیں، اور وہ نعمتوں سے فائدہ اُٹھاتے رہے؟
وَعُلِّمُوْا فَفَهِمُوْا ؛	224	انہیں تعلیم دی گئی تو وہ سب کچھ سمجھ گئے۔
وَاُنْظِرُوْا فَلَهَوْا وَسَلِمُوْا فَنَسُوْا ؛	225	اور جنہیں وقت دیا گیا اور انہوں نے غفلت میں وقت گزار دیا۔ اور وہ صحیح وسالم و تندرست رکھے گئے تو انہوں نے وقت کی نعمت کو بھلا دیا۔
اُمْهِلُوْا طَوِیْلًا وَّمُنِحُوْا جَمِیْلًا ؛	226	انہیں لمبی مہلت دی گئی اور اچھی چیزیں بھی دی گئیں۔

وَحُذِّرُوْا اَلِيْمًا ؛	227	اور انہیں دردناک عذاب سے بھی خبردار کر دیا گیا تھا۔
وَوُعِدُوْا جَسِيْمًا ؛	228	اور ان سے بڑے بڑے وعدے بھی کئے گئے تھے۔
اَحْذَرُوْا الذُّنُوْبَ الْمُوَرِّطَةَ وَالْعُيُوْبَ الْمُسْخِطَةَ ؛	229	لہٰذا تم ایسے گناہوں اور عیبوں سے بچتے رہو جو انسان کو تباہی کے بھنور میں پھنسا دیتے ہیں اور خدا کو غضب ناک کرتے ہیں۔
اُوْلِي الْاَبْصَارِ وَالْاَسْمَاعِ وَالْعَافِيَةِ وَالْمَتَاعِ ؛	230	اے چشم بینا اور گوشِ شنوار کھنے والو اور دولت اور چین کے مالک لوگو کیا اس سے بچاؤ کی کوئی جگہ ہے؟
هَلْ مِنْ مَّنَاصٍ اَوْ خَلَاصٍ اَوْ مَعَاذٍ اَوْ مَلَاذٍ اَوْ فِرَارٍ مَحَارٍ؟	231	یا چھٹکارہ پانے کی کوئی گنجائش ہے؟ یا کوئی پناہ یا ٹھکانہ ہے؟ یا مواخذہ سے بھاگ نکلنے کا کوئی موقع ہے یا دنیا میں پھر واپس آ سکنے کی کوئی صورت ہے؟
اَمْ لَا؟ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ؟ اَمْ اَيْنَ تُصْرَفُوْنَ؟ اَمْ بِمَا ذَا تَغْتَرُّوْنَ ؟	232	اگر نہیں تو پھر یہ بتاؤ کہ تم کہاں اور کیوں بھٹک رہے ہو؟ اور کدھر متوجہ ہو؟ یا کن چیزوں کے فریب میں آ گئے ہو؟
وَاِنَّمَا حَظُّ اَحَدِكُمْ مِنَ الْاَرْضِ ذَاتِ الطُّوْلِ وَالْعَرْضِ ؛	233	اور حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس زمین کی لمبائی اور چوڑائی میں سے تم میں ہر ایک کا حصہ،
قِيْدُ قَدِّهٖ مُتَعَفِّرًا عَلٰى خَدِّهٖ ؛	234	تمہارے قد بھر کی زمین (قبر) ہے جس میں تم مٹی سے اٹے ہوئے گالوں کے ساتھ پڑے ہو گے۔
اَلْاٰنَ عِبَادَاللّٰهِ وَالْخِنَاقُ مُهْمَلٌ وَالرُّوْحُ مُرْسَلٌ ؛	235	خدا کے بندو اس گھڑی تک یہ غنیمت ہے کہ ابھی گردن میں پھندا نہیں پڑا ہے اور تمہاری روح بھی ابھی تک آزاد و مختار ہے۔
فِيْ فِيْنَةِ الْاِرْشَادِ ، وَرَاحَةِ الْاَجْسَادِ ، وَبَاحَةِ الْاِحْتِشَادِ ، وَمَهَلِ الْبَقِيَّةِ ، وَاُنُفِ الْمَشِيَّةِ ، وَاِنْظَارِ التَّوْبَةِ ، وَانْفِسَاحِ الْحَوْبَةِ ؛	236	ہدایت حاصل کرنے اور اصلاح کی فرصت بھی ہے۔ جسم بھی تندرست اور آرام سے ہیں اور جلسوں کے انعقاد اور اجتماعات کا موقع ہے اور زندگی کی باقی ماندہ مہلت بھی ہے اور اپنی مرضی کے مطابق کام کرنے کی چھوٹ بھی ہے اور توبہ اور پشیمانی کا وقت ہے اپنی حاجت کو پورا کرنے اور عجز و نیاز پیش کرنے کا موقع ہے لہٰذا اس سے استفادہ کر لو۔
قَبْلَ الضَّنْكِ وَالْمَضِيْقِ وَالرَّوْعِ وَالزُّهُوْقِ وَقَبْلَ قُدُوْمِ الْغَائِبِ الْمُنْتَظَرِ وَاَخْذَةِ الْعَزِيْزِ الْمُقْتَدِرِ ؛	237	قبل اس کے کہ تمہیں تنگی اور پابندی گھیر لے اور خوف و زوال چھا جائے اور اس سے پہلے پہلے کہ وہ ہستی جسے الْغَائِبِ الْمُنْتَظَرِ کہتے ہیں ظاہر ہو جائے اور قادر و غالب اپنی گرفت میں لے لے۔

تشریحات:

اس خطبے میں حضرت علی علیہ السلام نے پہلے جملے میں اللہ کی دو صفات سے اپنی گفتگو کا آغاز فرمایا ہے۔ اور وہی دونوں صفات ہیں جو ہر حال میں تمام مخلوقات سے وابستہ رہتی ہیں۔ پہلی صفت ''حَوْل'' ہے اور دوسری صفت ''طَوْل'' ہے۔ اور ہمیں یہ بتایا ہے کہ اللہ نے تمام مخلوقات اور پوری کائنات کو اپنے گھیرے یا احاطے کے اندر رکھنے کے لئے بلندیوں اور وسعتوں میں اپنا اقتدار قائم کیا ہے تاکہ دُور سے دُور کی چیزیں اور پستیوں اور بلندیوں کی چیزیں ایک ماحول میں برقرار رہیں۔ اور اُن کے حالات اور اُن میں ہر آن واقع ہونے والی تبدیلیاں مربوط و مسلسل رہیں اور کوئی چیز قوت وقدرت سے محروم نہ رہے۔ یعنی پوری کائنات اور کائنات کی تمام موجودات نظم وضبط وتدبر وترتیب میں ایک دوسری سے بندھی ہوئی مقصدِ تخلیق انجام دیتی رہیں۔ اور ایک حکیمانہ ماحول اُنہیں آپس میں مربوط وترقی پذیر رکھتا چلا جائے۔ اس عمل درآمد کے لئے فرمایا عَلَا بِـحَوْلِهٖ یعنی ایک کائناتی ماحول پیدا کرنے اور برقرار رکھنے کے لئے اُس نے اپنی توانائی اور قدرت کو غلبہ عطا کیا ہے اور بلند ہو گیا ہے۔ اس ماحول میں ہر مخلوق کے لئے اُس کے وجود اور بقاو نشوونما وارتقاو ربوبیت کے لئے ضروری تھا کہ اللہ ہر چیز سے اتنا قریب رہے کہ اُس سے زیادہ قربت ممکن ہی نہ ہو سکے اور ہر مخلوق کو دستِ سوال دراز کرنے سے پہلے ہی اس کی ضرورت کا سامان فراہم ہوتا رہے۔ ربوبیت کے اس پہلو کو حضور علیہ السلام نے اللہ کے فضل واحسان کے ماتحت فرما کر رکھا ہے کہ دَنَا بِطَوْلِهٖ یعنی اللہ اپنے تمام فضل واحسان اور لطف وکرم کے ساتھ نزدیک سے نزدیک اور قریب آگیا ''عَلَا بِـحَوْلِهٖ وَدَنَا بِطَوْلِهٖ'' ایک ایسا جملہ ہے جسے ٹھیک سے سمجھنے کے لئے پوری کائنات کا نظم وضبط تفصیل سے جاننا ضروری ہے ساتھ ہی کائنات کی تمام موجودات پر مطلع ہونا بھی ضروری ہے اور تمام موجودات کا آپس میں تعلق بھی معلوم ہونا ضروری ہے۔ پھر یہ سب کچھ جاننے اور سمجھنے کے لئے ایک ایسے راہنما کا ساتھ ساتھ ہونا ضروری ہے جو اس لامحدود کائنات میں آپ کو اُنگلی پکڑے ہوئے ہر چھوٹی بڑی مخلوق سے تعارف کراتا پھرے پھر تم تو نظر سے اُسی طرح اور اتنا ہی ایک چیز کو دیکھ سکو گے جس طرح اور جتنا مثلاً تم ایک آدمی کو دیکھ سکتے ہو۔ لہٰذا راہنما کا یہ کہہ دینا کہ دیکھو یہ آدمی ہے۔ تعارف کے لئے کافی نہ ہوگا۔ وہ تو ایک عظیم اور پیچیدہ مرکب ہے اُس میں کیا کیا ہے؟ یہ سب کچھ معلوم ہونا چاہئے؟ اُس کے اعضا کیسے کام کرتے ہیں؟ اُن سے کام کیسے لیا جاتا ہے؟ حضرت علی علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

''تمہارے ظاہری اعضا کو باطنی اعضا سے وابستہ اور ہم رشتہ کیا ہے کہ ظاہری وباطنی اعضا مل کر کام کریں۔ اُن کی نرمی پیچ وخم اور لوچ ولچک اُن کو سپرد شدہ کاموں کی مناسبت سے رکھے گئے ہیں۔ اُن کو اُن کی شکلوں کی ترکیب اور اُن کے دائرہ کار، اُن کی عمر اور حدود کے ماتحت ترتیب دیا ہے اور یہ تمام اعضا مستقل بدن رکھتے ہیں اور سب کے لئے الگ الگ دل بنائے گئے ہیں جو اپنے اپنے نظام کو سنبھالنے اور ضروریات فراہم کرنے میں لگے رہتے ہیں۔'' (خطبہ 123 جملہ 122 تا 128)

یعنی معاملہ صرف اسی قدر نہیں ہے کہ آپ انسانی جسم اور اُس کے اعضا سے تعارف حاصل کرلیں بلکہ ہر عضو سے متعلقہ دل کا پتہ بھی لگائیں۔ اُن میں رابطہ کو بھی معلوم کریں اور پورے جسمانی نظام سے واقفیت حاصل کریں اور دیکھیں کہ یہ نظام آدمی کا محتاج نہیں ہے وہ ایک حد تک ایک محدود دائرے میں آدمی کا حکم مانتا ہے اور محدود طور پر اُسے اپنی ضروریات پر متوجہ کرتا ہے لیکن باقی اپنے دائرہ کار میں نہ اُس سے مشورہ لیتا ہے اور نہ آدمی اُس کی راہنمائی کرسکتا ہے۔ اُسے معلوم نہیں ہونے پاتا کہ اُس کے اعضائے رئیسہ کیسے کام کرتے ہیں؟ دورانِ خون کیا کچھ کرتا ہے۔ جسم

کے تمام اجزاء کو کیسے ضروری سامان پہنچاتا ہے اور اس سلسلے میں ذرہ برابر غلطی نہیں کرتا۔ ہڈی، ناخن، گوشت اور رگیں اور کھال کو ضرورت کے مطابق سامان پہنچاتا ہے اور آدمی کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ کیا ہو رہا ہے اور کس طرح ہو رہا ہے؟ یہ ساری کائنات انسانی جسم کی طرح نہایت حسین طریقہ پر دن رات مصروف ہے۔ ہر چیز دوسری چیز سے شعوری اور لاشعوری طور پر وابستہ ہے۔ یہ وہ بندوبست ہے جسے برسر کار لانے کے لئے وہ جملہ فرمایا گیا ہے۔ یہ جملہ اور خطبے کا ہر جملہ خطیب علیہ السلام کی وسعت نظر اور لامحدود علم کی بھرپور اطلاع دیتا ہے۔ یہ تمام جملے اُن کے علم و تجربے اور عملی واقفیت کا ثبوت ہیں۔ فلسفیانہ خیالات نہیں ہیں۔

یہ تمام چشم دید حالات و واردات ہیں۔ وہ اللہ کی نعمتوں کے تسلسل اور فراوانیوں کو دیکھتے ہوئے ہی ایسی حمد و ثنا کر سکتے ہیں جس کا ختم ہونا اُسی طرح ممکن نہیں جس طرح اللہ کی نعمتوں کا ختم ہونا ممکن نہیں ہے۔ جس طرح نعمتوں کا تسلسل ٹوٹنے نہیں پاتا اُسی طرح حضوؑر کی زبان سے حمد و ستائش کا سلسلہ کسی حد و کنارے پر نہیں رکتا۔ وہ تنہا ہستی ہیں جو اللہ کو تمام چیزوں سے ظاہر و ہویدا فرمانے کا حق رکھتے ہیں۔ اُن ہی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اللہ کو قریب ترین ہادی فرمائیں۔ اور اُس سے ہدایات حاصل کریں۔ اور ہر مددگار کے مقابلے میں اللہ کو سب سے زیادہ محسوس و مشہود مددگار پائیں اور مدد و نصرت حاصل کریں اور اللہ کے سوا کسی اور پر حقیقی بھروسہ، اعتماد و توکل نہ کریں۔ چنانچہ ستائش خداوندی میں چند (آٹھ جملوں) جملوں کے بعد آپؑ نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کی نبوت و رسالت پر اُسی انداز میں شہادت دی ہے۔ جس انداز میں اللہ نے قرآن میں اپنے ساتھ حضرت علی علیہ السلام کو برابر کا شہید بنایا ہے اور الکتاب کے مکمل علم کی خود سند دی ہے (سورہ رعد 13/43)۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے خطبے میں فرمایا ہے کہ:

رسولؐ اللہ کی پوزیشن علیؑ کی نظر اور بیان میں۔

”میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ پر اللہ اپنا درود و سلام بھیجتا ہے وہ اللہ کے بندے اور رسولؐ ہیں۔ اللہ نے اُنہیں اپنے احکامات کو نافذ کرنے کے لئے بھیجا تھا اور چاہا تھا کہ وہ تمام کائنات میں اللہ کی طرف سے اللہ کی حجتیں، دلائل اور عذرات مکمل کر دیں اور پیشگی کے طور پر اللہ کی طرف سے متعلقین کو برُے نتائج سے خبردار فرما دیں۔ اس سلسلے کا آخری جملہ وَتَقْدِيمِ نُذُرِهٖ فرمایا ہے یعنی اللہ کی طرف سے جتنے نذیرؑ آنے والے ہیں اُن کی پیشوائی اور تمہید جاری کر دیں اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کے لئے قرآن میں فرمایا ہے کہ:

هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰىO (نجم 53/56) یہ نذیرؑ تمام اوّلین نذیروں میں سے ایک یا پہلا ہے۔

بات واضح ہے کہ آخر میں آنے والا یہ رسولؐ یہ نبیؐ سب سے پہلا اور اوّلین نذیر ہے۔ یہی فرمایا ہے حضرت علی علیہ السلام نے کہ وہ تنذیر کی تقدیم کے لئے تشریف لائے۔ اور مسلسل کارِ تنزیل انجام دیتے رہے ہیں اور دوسری جگہ اللہ نے تمام انبیاؑ ورسل علیہم السلام کو نبوت اور کتاب میں سے حصہ دینے کے لئے یہی شرط لگائی ہے کہ جب تمہارے پاس ایک تصدیق کرنے والا رسوؐل آئے اور جو کچھ تمہارے ساتھ ہو اس کی تصدیق کرے تو تم اس پر ضرور ایمان لاؤ گے اور ضروری طور پر اُس کی نصرت کرو گے (3/81)۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے پہلے نذیر یا تنذیر کی ابتدا کرنے والے اور نبوت و کتاب اور انبیاؑ ورسلؑ کی ابتدا کرنے والے رسولؐ اور نبیؐ تھے۔ اور اگر ایسا نہ ہوتا تو حضوؐر کو پوری کائنات کے لئے رحمت (21/107) اور نذیر فرمانا بھی غلط ہوتا اِس لئے کہ کائنات کا وجود جب سے ہے اس سے کچھ پہلے رحمت اور نذیر کا موجود ہونا ضروری ہے۔ ورنہ ایک ایسا زمانہ ماننا پڑے گا کہ جب کائنات رحمت اور نذیر سے خالی ہو (فرقان 25/1 کائنات کا نذیر)

حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کے لئے اللہ نے تفصیل یہ دی ہے کہ حقائق کو چھپانے والے کہتے ہیں کہ تو اللہ کا بھیجا ہوا رسولؐ نہیں ہے تم اُن سے کہہ دو کہ: قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِO (رعد 13/43)

''تمہارے اور میرے درمیان گواہی کے لئے ایک اللہ اور ایک وہ شخص گواہانِ کافی ہیں جس کے پاس مکمل کتاب کا علم ہے۔''

یہاں یہ نوٹ کر کے حضرت علی علیہ السلام کے خطبے اور خطبے کے ہر جملے پر نظر ڈالیں کہ مکمل کتاب کے علم کا مطلب کائنات کی تمام تفصیلات کا علم ہے چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ:

مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰـكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِىْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَىْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَO (12/111)

مودودی جیسے منکر کا ترجمہ۔

''یہ جو کچھ قرآن میں بیان کیا جارہا ہے یہ بناوٹی باتیں نہیں ہیں بلکہ جو کتابیں اس سے پہلے آئی ہوئی ہیں اُن ہی کی تصدیق ہے اور ہر چیز کی تفصیل اور ایمان لانے والوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 438)

ذرا دیر پہلے ہم یہی عرض کر رہے تھے کہ حضرت علی علیہ السلام جو کچھ فرماتے ہیں وہ اُن کا ذاتی علم و تجربہ ہوتا ہے۔ فلسفیانہ تصورات و تخیلات نہیں ہوتے ہیں۔ اُنہوںؑ نے جو کچھ دیکھا ہے یا دیکھتے ہیں وہی کچھ بلکہ اُس سے بھی کچھ کم فرماتے ہیں۔

اللہ کی طرف سے بندوں کے لئے جزا کے ادارے اور مشاہدہ گاہیں۔

سوچئے کہ کسی کی کیا مجال ہے کہ وہ یہ جملہ منہ سے نکال سکے کہ'' وَاَرْصَدَ لَكُمُ الْجَزَآءَ ؛'' (خطبہ 123، جملہ 18)

''اور تمہیں تمہارے اعمال کی جزا دینے کے لئے بہت سے ادارے اور مشاہدہ گاہیں مقرر کر دی ہیں''

ایسا جملہ وہی ہستی بول سکتی ہے جس نے اس کائنات میں جگہ جگہ ''رصدگاہیں'' خود دیکھی ہوں اور خود اُس کے اپنے ساتھ ایک رصدگاہ ہر وقت چلتی ہو۔ آیئے قرآن کا ایک مقام دیکھیں اور حضورؐ کا منشا سمجھیں۔

نمائندگانِ خداوندی کے آگے پیچھے مشاہدہ گاہیں چلتی ہیں تاکہ تعلیمات خداوندی درستی سے پہنچیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ سے لوگوں کو اُن کے سوال کا جواب یہ دلواتا ہے کہ۔

قُلْ اِنْ اَدْرِىْٓ اَقَرِيْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ يَجْعَلُ لَهٗ رَبِّىْٓ اَمَدًاO عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًاO اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًاO لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى كُلَّ شَىْءٍ عَدَدًاO (سورہ جن 72/25-28)

ترجمہ: ''اے رسولؐ یہ بھی بتا دو کہ تم سے جو وعدہ کیا گیا ہے میں مادی وسائل سے یا درایتاً نہیں جانتا کہ وہ وعدہ مستقبل قریب کا ہے یا میرا پروردگار اُس وعدہ کی ابتدا و انتہا میں طول دے دے گا۔ وہ اپنی پوشیدہ اسکیموں کا خود ہی عالم ہے۔ چنانچہ وہ کسی کو بھی اپنے غیب پر علمی غلبہ نہیں دیتا۔ مگر صرف اپنے اُس رسولؐ کو اپنے غیب پر علمی غلبہ دیتا ہے جسے اُس نے اپنے رسولوںؑ میں سے مرتضٰی بنا دیا ہو۔ یعنی جسے اُس نے غلبہ کے لئے پسند کر لیا ہو چنانچہ غیب پر غلبہ دینے کے بعد اللہ یقیناً اُس رسولؐ کے آگے، پیچھے، دائیں، بائیں اور اُوپر نیچے ایک رصدگاہ منسلک کر دیتا ہے تاکہ مادی طور پر بھی معلوم ہوتا رہے کہ اُس نے اپنے پروردگار کی رسالت پہنچا دی ہے اور اللہ اُس کے ماحول اور تمام

عطا شدہ سامان کا خود بھی احاطہ کئے ہوئے ہے اور اُس نے ہر ہر چیز کی تعداد کو شمار کر رکھا ہے۔''

اِن آیات میں آپ نے اُس رصد گاہ کا ذکر دیکھا جو مرتضیٰ رسوؐل کے ساتھ وابستہ یا منسلک رہتی ہے۔ وہ رصد گاہیں یا مشاہدہ گاہیں جہاں سے اچھے اور بُرے لوگوں کو ان کے اعمال کی جزا و سزا ملتی رہتی ہے اور جن کا حضرت علی علیہ السلام نے تذکرہ فرمایا ہے وہ سورہ النبا میں تفصیل سے مذکور ہوئی ہیں ہم وہاں سے آیات کا ترجمہ اور ابتدا لکھے دیتے ہیں سنئے: اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ○ (78/21)

''یقیناً ایک مشاہدہ گاہ تو جہنم ہی ہے۔ جو طاغوتوں یعنی سرکشوں کا ٹھکانا بھی جو اس میں لامحدود زمانوں تک رکھے جائیں گے۔ اور اُن کے لئے نہ ٹھنڈ کا انتظام کیا جائے گا نہ عمدہ پینے کی چیزیں دی جائیں گی البتہ گرم اُبلتا ہوا پانی اور پیپ وغیرہ اُن کی خوراک ہوگی۔ اُن کے لئے اُن کے کردار کے مطابق صحیح جزا فراہم کی جائے گی۔ یہ لوگ کسی حساب کتاب اور باز پرس کا یقین نہ رکھتے تھے۔ اور ہماری آیات کو ڈٹ کر جھٹلاتے رہتے تھے۔ اور اُن کے متعلق اُن کا ہر عمل ریکارڈ کیا جاتا رہے گا۔ اُن کے لئے عذاب کے سوا کسی چیز میں اضافہ نہ ہوگا۔'' (21 تا 30/78 سورہ النبا)

اس کے بعد متقی لوگوں کے لئے رصد گاہیں ہوں گی جہاں ان کی کامیابی کا بندوبست کیا جاتا رہے گا اور طرح طرح کی نعمتوں کے فراہم کرنے کی تفصیل چھ آیات میں دی گئی ہے (36-78/31)۔ یعنی جس طرح بُرے لوگوں کے لئے مرکزی رصد گاہ جہنم سے منسلک ہے اُسی طرح اُس کے مقابلے میں مرکزی مشاہدہ گاہ جنت سے منسلک اور پوری کائنات میں پھیلی ہوئی ہوگی۔ جہاں سے اچھے لوگوں کو جزاء ملتے رہنے کا انتظام ہوگا۔

حشر ونشر اور حساب کا ہنگامہ مادی اور مشہود ہوگا۔

آپ کو نہ صرف معلوم ہے بلکہ آپ کو یقین اور ایمان حاصل ہے کہ اللہ ایک ہمہ گیر ہستی ہے۔ وہ تصور میں آنے والی ہر جگہ موجود ہے۔ وہ نہ کسی ایک محدود جگہ میں سما سکتا ہے نہ آ سکتا ہے۔ نہ کوئی ایسی جگہ فرض کی جا سکتی ہے جہاں اللہ نہ ہو۔ انسان اور مخلوقات جہاں جہاں بھی ہیں وہاں ہر جگہ اللہ موجود ہے۔ لہٰذا قرآن میں اللہ کا جگہ جگہ یہ فرمانا کہ قیامت میں تمام انسان ہمارے سامنے پلٹ کر آئیں گے۔ ہمارے سامنے جمع ہوں گے۔ سمجھ میں آنے والی باتیں نہیں ہیں۔ اس لئے کہ انسان تو قیامت ہی میں نہیں بلکہ ہر وقت اللہ کے سامنے ہیں۔ اللہ کے پاس ہیں۔ اللہ کا یہ کہنا بھی سمجھ میں آنے والی بات نہیں کہ اللہ ہر آدمی سے حساب لے گا۔ اور تنہا تنہا انسان اللہ کے سامنے آئیں گے (وَيَأْتِينَا فَرْدًا ۔19/80) یا یہ کہ (وَ كُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ۔19/95) تمام انسان قیامت کے روز اللہ کے سامنے الگ الگ تنہا تنہا حاضر ہوں گے۔''

یہ بیانات ممکن ہی نہیں ہیں۔ مگر اللہ نے فرمایا ہے لہٰذا صحیح ہیں اور اس کی عملی صورت اللہ نے جگہ جگہ اور خود اسی سورہ مریم میں یوں بیان کر دی ہے کہ:

حشر ونشر وحساب وجزا وسزا تنہا اللہ تعالیٰ سے متعلق نہیں بلکہ نمائندگان خدا سے متعلق ہے۔

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ○ (مریم 19/85)

''جس روز ہم متقیوں کو رحمٰن کے سامنے وفود کی صورت میں جمع کریں گے۔''

اور یہ بھی فرمایا ہے کہ: فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ○ (مریم 19/68)

''محمدؐ تیرے پروردگار کی قسم ہے کہ ہم اِن سب کو اور تمام شیاطین کو بھی جہنم کے گرد اس طرح حاضر کریں گے کہ یہ سب گھٹنوں کے بل کھڑے ہوں گے۔

ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّاO(19/69)

پھر ہم ہر گروہ میں سے اُن لوگوں کو جدا جدا کریں گے جو اُن میں سب سے زیادہ رحمٰن کے سرکش تھے۔

اگر ہم یوں ہی آیات لکھتے جائیں تو ہزاروں صفحات بھر جائیں گے بہر حال بات بہت واضح ہے کہ اللہ نے جہاں جہاں اپنے لئے جمع کا لفظ بولا ہے وہاں اُس نے اُن حضرات کو اپنے ساتھ شامل رکھا ہے جو اللہ کی نمائندگی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں اور جن کو اللہ مادی کاموں میں استعمال کرتا ہے مثلاً فرمایا کہ۔

وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَO(حجر 15/23)

''اور یقیناً ہم ہی ہیں کہ ہم ضرور زندگی عطا کرتے ہیں اور موت دیتے ہیں اور ہم ہی سب کے وارث ہیں۔''اور یہ کہ:

اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ O(ق۔50/43)

''یقیناً ہم ہی مارتے اور زندہ کرتے ہیں اور ہماری ہی طرف پلٹ کر آنا ہے۔''

بات صاف ہوگئی کہ جہاں جہاں اور جس جس حالت میں اللہ مادی طور پر نہیں سماتا یا نہیں آتا وہاں اپنی اصلی شان میں وہ بھی موجود ہوگا اور اُس کے نمائندے تو مادی صورت میں بھی موجود ہوں گے۔ لہٰذا یہ سمجھ میں آجانا چاہئے کہ حساب لینے اور جزا و سزا دینے کے تمام حالات میں اللہ تو موجود ہوگا ہی مگر مادی اور محسوس و مشہود طریقے پر وہ حضرات موجود ہوں گے جن کو اللہ نے اپنی مادی محسوس و مشہود نمائندگی کے لئے پیدا اور تیار کیا ہے اور جن کے لئے یہ فرمایا ہے کہ کائنات میں ہر مخلوق کے اعمال و حرکات و سکون پر مادی محسوس گواہ موجود ہوں گے اور جو اللہ کے سامنے گواہی دیں گے۔

تمام مخلوقات پر چشم دید حاضر و ناظر گواہی دینے والے نمائندگان خداوندی۔

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَاۤءِ شَهِيْدًاO(4/41)

''اُس وقت تم کیسا محسوس کرو گے جب ہم تمام اُمتوں میں سے اُن اُمتوں پر ایک گواہ لائیں گے اور تمہیں اے محمدؐ اُن سب پر چشم دید حیثیت سے گواہ قائم کریں گے۔'' یا یہ فرمایا کہ:

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَاۤءِ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَO(نحل 16/89)

جس دن ہم تمام اُمتوں میں سے خود اُن ہی میں سے ایک ایک چشم دید گواہ مبعوث کریں گے اور تمہیں چشم دید گواہ کی حیثیت سے اُن تمام اُمتوں پر اور گواہوں پر مبعوث کریں گے اور آپؐ کے اوپر تو ہم نے کتاب بھی ایسی نازل کردی ہے جو ہر ہر چیز کو بیان کرتی ہے اور مسلمانوں کے لئے ہدایت اور رحمت اور خوشخبری ہے۔''

یہاں تک یہ یقین ہو جانا چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وہ مرکزی مادی محسوس و مشہود ہستی ہے جو قیامت کے دن بھی اور ہر روز بھی ساری کائنات کی ہر چیز پر ہر لحہ گواہ ہے۔

یہاں سے آپ حضرت علی علیہ السلام کا وہ بیان پڑھیں جس میں آپ حشر و نشر کے ہنگامے کا ذکر فرماتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ تمام انسانوں کو اُن کی قبروں سے اُٹھایا جانے کا مطلب یہ ہے کہ عموماً لوگ قبروں ہی میں دفن ہوتے ہیں۔ لیکن ہوسکتا ہے کہ کچھ لوگوں کو پرندوں نے کھایا

ہو تو انہیں پرندوں کے گھونسلوں سے، بھیڑیوں کے بھٹوں یا غاروں سے، دریاؤں، جھیلوں اور میدان جنگ سے اُٹھایا جائے گا یعنی جو جہاں بھی ہوگا اُسے حاضر کرلیا جائے گا۔ طرح طرح سے لوگ حاضر کئے جائیں گے۔ اور حساب کے لئے بلانے والی ہستی ہر شخص اور ہر گروہ کو اپنے اعلانات پہنچائے گی تا کہ کوئی سننے سے رہ نہ جائے۔ لوگ دوڑ دوڑ کر نقطہ اجتماع پر آرہے ہوں گے۔ اُن کی حالت تفصیل سے بیان فرمائی ہے ویسی ہی جیسی کہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں گے۔ یہاں تک کہ آخری فیصلے کی اطلاع سے لوگوں کے کان گونج رہے ہوں گے۔ اس کے بعد اعمال اور جزا کے مبادلے کا ذکر فرمایا ہے اور عذاب وثواب دئے جانے کی بات کی ہے (خطبہ 123، جملے 53 تا 72)۔

اس کے بعد لوگوں کی عام حالت بیان فرمائی ہے جسے ہم اور آپ دونوں سمجھتے ہیں اور جو خود ہم پر گزر رہی ہے۔ ایسے الفاظ اور ایسے انداز میں نصیحت کرتے ہوئے گزرتے ہیں کہ ایک دفعہ تو بالکل باغی اور ناہنجار شخص کا دل بھی نیکوکار بن جانے کی تمنا کرنے لگتا ہے۔ دل پگھل جاتا ہے۔ آنسو بہنے لگتے ہیں۔ اللہ کی نعمتوں اور احسانات کا تذکرہ ندامت اور احساسِ شکر سے گردن جھکا دیتا ہے۔

پھر حضور علیہ السلام سابقہ زمانہ میں گزرے ہوئے لوگوں کی حالت بیان فرماتے ہیں اُن کی اس طرح مرقع کشی کرتے ہیں کہ ماضی کے لوگ سامنے چلتے پھرتے نظر آنے لگتے ہیں۔ اور اپنی اپنی دنیاوی مصروفیات اور مشاغل میں زندگی پوری کردیتے ہیں۔ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا یہ تندرست وتوانا لوگ کمر کے جھک جانے اور بڑھاپے کی ناتوانی کا انتظار کررہے ہیں (خطبہ 123، جملہ 138)۔ آپ کا انداز ایسا ہے کہ قاری کو شرم آنے لگتی ہے اور اُسے اُن لوگوں پر افسوس ہونے لگتا ہے۔ یکا یک حضورؑ آپ کے سامنے وہ دردناک نظارہ پیش کردیتے ہیں جو بیماری اور موت کے جھمیلے میں مرنے والے پر گزرتا ہے اور عزیز واقربا حسرت ویاس میں مبتلا مرنے والے کے چاروں طرف بیٹھے ہوئے نظر آتے ہیں۔ دل گھٹنے لگتا ہے روح کانپ اُٹھتی ہے۔ کاش ہم پر وہ تاثر استقلال سے طاری ہوجائے اور ہمیں وہ نظارہ خود اپنے چاروں طرف دیکھنا نصیب نہ ہو۔ پھر حضورؑ آپ کو جنازہ کے ساتھ قبرستان تک لاتے ہیں اور آپ کے سامنے کھدی ہوئی قبر اور جنازہ اور ہمراہیوں کو رکھ دیتے ہیں دفن اور رخصت کا نظارہ تو آپ نے کئی دفعہ دیکھا ہوگا لیکن قبر میں کیا ہوا؟ یہ حضورؑ سے سننے کی باتیں ہیں یہ وہ باتیں ہیں جن کو حضورؑ خود ملاحظہ فرماتے ہیں۔ خود وہاں مردہ کو حساب کے لئے زندہ کرتے ہیں اور اُس کی حالت دیکھتے ہیں۔ اور بار بار مختلف مُردوں کو دیکھتے ہیں۔ اُن کی روحیں حضورؑ کی اجازت سے مرکز ارواح میں شامل ہوتی ہیں اور اُن کی تمام حالتیں حضورؑ کی آنکھوں کے سامنے سے گزرتی ہیں۔ اُن کے اعمالناموں کو بند کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ اب اُن میں کسی اضافہ یا کمی کی گنجائش ہے یا نہیں ہے۔ بعض میں گنجائش نہیں ہوتی یعنی اُن کے اعمال حسنہ ختم ہوچکے۔ بعض کے نیک یا بُرے کام اُن کے مرنے کے بعد بھی جاری رہتے ہیں تو اُن کا اعمال نامہ کھلا رہتا ہے۔ جس میں نیکیاں یا برائیاں درج ہوتی رہتی ہیں۔ مثلاً جواخانہ بنایا تھا وہاں جب تک جوا کھیلا جاتا رہے گا گناہ لکھے جاتے رہیں گے۔ مسجد بنائی تھی نمازیں جاری رہیں گی تو نیکیاں درج ہوتی رہیں گی۔ اولاد اُن کے لئے نیک اعمال کرے گی نیکیاں لکھی جاتی رہیں گی۔

اِس کے بعد اچانک حضورؑ دریافت کرتے ہیں کہ تم بھی اُن کی اولاد، اُن کے بھائی بند وعزیز واقربا ہو؟ تمہیں بھی وہی حالات پیش آنا ہیں جو تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔ کیا تمہیں اُن حالات سے بچنے کی کوشش نہ کرنا چاہئے۔ کیا یہ نصیحتیں تمہیں نہیں کسی اور کو مخاطب کرتی ہیں؟ تمہیں بھی پل صراط سے گزرنا ہوگا وہاں تمہاری ٹانگیں لرزش کریں گی تو کوئی اور جہنم میں نہ گرے گا (159/123 خطبہ)۔

حضرت علیؑ کا پسندیدہ خردمند اور نجات پانے والا شخص جو چین سے سوتا ہے اور اطمینان سے رہتا ہے۔

جملہ (خطبہ 123، جملہ 159) سے حضور علیہ السلام ایک ایسے دانشمند شخص کی زندگی پر نظر ڈالتے ہیں جو غور و فکر اور آخرت میں نجات کو اپنا مقصد بنالیتا ہے اور اُن تمام چیزوں کی طرف سے اپنی دلچسپیاں ہٹالیتا ہے جو اس کی راہ میں رکاوٹ بننے والی ہیں۔ اور اُن تمام چیزوں کو اپنا شعار بناتا ہے جو اُسے راست روی پر قائم رکھتی ہیں۔ اُس نے اپنی لذت اور آرام و آسائش کو تبدیل کر دیا ہے۔ بیداری اُسے آسودہ حال کرتی ہے۔ عبادت اور ذکر خدا و رسولؐ میں اُسے لذت ملنے لگتی ہے اُسے پارسائی مسرت بخشتی ہے۔ اُس نے وہ مذہب و مسلک اختیار کیا ہے جو اللہ کو پسند اور مطلوب ہے اور مغالطوں اور شبہات سے باہر نکل آیا ہے وہ خود کو ایک فاتح سمجھتا اور سر بلند کر کے چلتا ہے۔ وہ قرآن کو سب سے بڑی دولت اور جنت کو سب سے بڑی نعمت سمجھتا ہے۔ اُس نے موت آنے سے پہلے ہی آخرت کے لئے بندوبست کر دیا ہے۔ ہر طرف سے بےفکر و مطمئن ہو کر زندگی بسر کرتا ہے۔ مزے سے چین کی نیند سوتا ہے۔

تخلیق کائنات سے قبر تک کا سفر دوبارہ بیان فرمایا ہے۔

غالباً کسی شخص نے خطبہ کے اہم پہلو کو دوبارہ بیان فرمانے کی درخواست کی ہے اس لئے حضورؐ نے ذرا پہلے سے یعنی بچے کے پیدا ہونے کی بات شروع فرمائی ہے اور بچپن سے جوانی اور جوانی سے عیاشانہ حالات سے گزر کر موت سے دوچار ہونے اور ماں بہن اور چاہنے والوں کے رونے پیٹنے سے قبر تک کے حالات دوبارہ بیان فرمائے ہیں۔ قبر میں باز پرس کے لئے اُٹھایا جانا بیان فرما کر عذاب جہنم اور جہنم میں گزرنے والی حالت سے روشناس کیا ہے۔ وہاں طرح طرح موتوں سے سابقہ پڑنا نئے نئے عذاب واقع ہونا بیان کرتے ہوئے خود بھی اللہ سے پناہ طلب کی ہے اور پھر اُن لوگوں کی طرف متوجہ کیا ہے جنہوں نے تندرستی، توانائی، خوشحالی اور آسودگی سے فائدہ نہ اُٹھایا۔ لمبی لمبی عمریں ضائع کر کے اُسی راہ پر چلے گئے جو تباہی کی طرف لے جاتی ہے۔

آخری نصیحت فرصت، صحت اور اس مہلت سے فائدہ اُٹھانے کی تاکید اور رخصت۔

آپ حاضرین سے دریافت فرماتے ہیں کہ کیا تمہارے پاس کوئی پکا عذر ہے؟ محاسبہ اور باز پرس سے بچ نکلنے کی کوئی گنجائش ہے؟ کیا کوئی پناہ ہے؟ کیا فرار کا کوئی راستہ ہے؟ اگر نہیں تو کیوں بھٹک رہے ہو؟ البتہ تمہاری زمین بہت کشادہ، قبر کی جگہ ضرور ملے گی۔ اس موقع سے اس مہلت سے، اس تندرستی سے، اس آزادی سے فائدہ اُٹھالو۔ توبہ کرلو اور راستہ بدل لو۔ دیکھو حضرت حجت امامؑ غائب، قائم قیامتؑ کے ظہور سے پہلے پہلے سنبھل جاؤ۔

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر: 83

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 84

خُطبہ ﴿124﴾

چند صفاتِ خداوندی تاکہ قریشی ساخت کے علما کا مُنہ بند رہے۔

1۔ اللہ کے اول و آخر ہونے کی بات۔

2۔ وہم وگمان وقیاس کی رسائی ناممکن۔

3۔ قلوب اس کی کیفیات متعین نہیں کرسکتے۔

4۔ انسانوں کو ہنکانے والا ہانک رہا ہے اور ایک حاضرو ناظر ہستیؑ اس کا ریکارڈ لئے ساتھ ساتھ ہے۔

5۔ موت کا چنگل ہر شخص پر استوار ہے۔

6۔ موت آنے سے پہلے کرنے کی چند اصولی ہدایات۔

7۔ جنت کی چند بنیادی صفات اور وہاں انسانوں کی حالت وصورت۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَاَشۡهَدُاَنۡ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحۡدَهٗ لَاشَرِیۡکَ لَهٗ ؛	1	اور میں یہ شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے وہ تنہا ویگانہ ہے اس کا کوئی بھی شریک نہیں ہے۔
اَلۡاَوَّلُ لَاشَیۡءَ قَبۡلَهٗ ؛	2	وہ ایسا حقیقی اول ہے کہ اس سے پہلے کوئی چیز نہ تھی۔
وَالۡاٰخِرُ لَاغَایَةَ لَهٗ ؛	3	اور ایسا آخر ہے کہ اس کی کوئی حد اور انتہا اور سبب نہیں ہے۔
لَاتَقَعُ الۡاَوۡهَامُ لَهٗ عَلٰی صِفَةٍ ؛	4	اوہام کسی طرح بھی اس کی صفات تک نہیں پہنچ سکتے۔
وَلَا تُعۡقَدُ الۡقُلُوۡبُ مِنۡهُ عَلٰی کَیۡفِیَّةٍ ؛	5	اور قلوب اس کی کیفیت وحالت کی تصدیق نہیں کرسکتے۔
وَلَا تَنَالُهُ التَّجۡزِئَةُ وَالتَّبۡعِیۡضُ ؛	6	اور نہ اس کا تجزیہ اور جز بندی کی جاسکتی ہے۔
وَلَا تُحِیۡطُ بِهِ الۡاَبۡصَارُ وَالۡقُلُوۡبُ ؛	7	قلب ونظر سے اس کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔
فَاتَّعِظُوۡا عِبَادَاللّٰهِ بِالۡعِبَرِ النَّوَافِعِ ؛	8	چنانچہ اے خدا کے بندو مفید وعظوں سے تم لوگ سبق اور عبرت حاصل کرو۔
وَاعۡتَبِرُوۡا بِالۡاٰیِ السَّوَاطِعِ ؛	9	اور روشن وآشکار علامات ونشانات سے بھی نصیحت اور سبق لیتے رہو۔

وَازْدَجِرُوْا بِالنُّذُرِ الْبَوَالِغِ ؛	10	اور دلوں میں اترنے والی اور پہنچنے والی تنبیہات اور نذیروں سے خوفزدہ رہ کر غلط روش سے بچو۔
وَانْتَفِعُوْا بِالذِّكْرِوَ الْمَوَاعِظِ ؛	11	اور مخصوص ذکر یعنی محمدؐ اور قرآن اوران کے لکچروں سے نفع کماؤ۔
فَكَاَنْ قَدْ عَلِقَتْكُمْ مَخَالِبُ الْمَنِيَّةِ ؛	12	چنانچہ یہ سمجھو گویا تمہیں تمنا کے ختم کردینے والی موت نے اپنے چنگل میں لٹکا رکھا ہے
وَانْقَطَعَتْ مِنْكُمْ عَلَائِقُ الْاُمْنِيَّةِ ؛	13	اور گویا تم سے تمہارے سارے تعلقات اور آرزوؤں کو منقطع کردیا گیا ہے۔
وَدَهَمَتْكُمْ مُفْظِعَاتُ الْاُمُوْرِ ؛	14	اور یہ کہ گویا تم پر تمام رسوا اور تباہ کرڈالنے والی سختیاں ٹوٹ پڑی ہیں۔
وَالسِّيَاقَةُ اِلٰى الْوِرْدِ الْمَوْرُوْدِ ؛	15	اور گویا تمہیں موت کے گھاٹ یا ٹھکانے تک ہانک کرلے جایا جارہا ہے۔
وَكُلُّ نَفْسٍ مَعَهَا سَائِقٌ وَّشَهِيْدٌ ؛	16	اور سمجھ لو کہ ہر ذی حیات کے ساتھ ساتھ ایک ایک ہانکنے والا اور ایک ایک چشم دید گواہ بھی ہوگا۔
سَائِقٌ يَّسُوْقُهَا اِلٰى مَحْشَرِهَا ؛	17	ہانکنے والے تو انہیں حساب کے لئے جمع ہونے کی جگہ تک ہانک کرلے جائیں گے۔
وَشَهِيْدٌ يَشْهَدُ عَلَيْهَا بِعَمَلِهَا؛	18	اور چشم دید گواہ ان کے تمام اعمال پر گواہی دیں گے۔
وَدَرَجَاتٌ مُتَفَاضِلَاتٌ ؛	19	جنت ایک ایسا مقام ہے جہاں ایک دوسرے سے بڑھے ہوئے درجات ہیں۔
وَمَنَازِلُ مُتَفَاوِتَاتٌ ؛	20	اور وہاں ایسی منزلیں ہیں جو ایک دوسرے سے تفاوت اور معیاری امتیاز رکھتی ہیں۔
لَايَنْقَطِعُ نَعِيْمُهَا ؛	21	اس میں قیام کرنے والوں پر وہاں کی نعمتیں کبھی منقطع نہ ہوں گی۔
وَلَا يَظْعَنُ مُقِيْمُهَا ؛	22	اور وہاں قیام کرنے والوں کو کبھی وہاں سے نکالا نہ جائے گا۔
وَلَا يَهْرَمُ خَالِدُهَا ؛	23	وہاں ہمیشہ رہنے والے کبھی بوڑھے نہ ہوں گے نہ عمر گھٹے بڑھے گی۔
وَلَا يَبْاَسُ سَاكِنُهَا ؛	24	وہاں کے باشندے کبھی تنگدستی سے دوچار نہ ہوں گے۔

تشریحات:

حضرت علی علیہ السلام نے اپنے پہلے خطبے سے اللہ کی صفات بیان فرمانا شروع کی ہیں اور اُن پر طرح طرح سے اس طرح وضاحتیں پیش کی ہیں کہ حضورؑ کے بیانات پڑھ لینے کے بعد یہ ممکن نہیں رہتا کہ کوئی قاری اللہ کے متعلق کوئی غلط بات سوچ سکے حضورؑ کی پہلی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ یہ بتادیں کہ اللہ کی پوزیشن عقل وفہم وادراک سے بلندتر ہے اور انسان کی سوجھ بوجھ اور بصیرت کے تمام ذرائع اور وسائل اللہ کو اپنے دائرہ فہم وفراست میں نہیں لاسکتے۔ لہٰذا اللہ کو سمجھنے اور سمجھانے پر انسانی عقل ووجدان قدرت نہیں رکھتے۔ اور حضورؑ کی آخری کوشش یہ رہتی ہے کہ اللہ کے متعلق وہی کچھ اور اُتنا ہی کچھ کہو جو اللہ نے خود قرآن میں فرمایا ہے۔ یہاں اس خطبے میں منع فرمایا ہے کہ اللہ کی صفات کا تجزیہ اور تفصیل اور تعین نہ کیا جائے اور اپنی بصیرت اور قلبی واردات سے اللہ کا احاطہ نہ کیا جائے اور یہ کہ انسان کے وہم وگمان اس معاملے میں کچھ اندازہ نہیں لگاسکتے۔ اللہ کے سوا اس کائنات میں کوئی چیز ایسی پہلی یا آخری نہیں ہے جس سے پہلے کوئی چیز ہو اور جس کے بعد کوئی آخری چیز ہو۔ لہٰذا اللہ کی کیفیت وماہیت

وحالت پر بیانات دینے سے باز رہنا چاہئے۔

انسانوں سے خطاب، نصیحت تنبیہ اور جنت سے تعارف۔

اللہ کی صفات کے بعد حضورؑ نے سامعین کو نصیحت فرمائی ہے کہ لکچروں سے، مختلف علامات ونشانات سے تنبیہات سے اور خبر دار کرنے والوں سے اور قرآن اور محمدؐ وآل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم سے مستفید ہوا کریں اور یہ سمجھ لیں کہ موت تمہیں گھیرے ہوئے ہے اور ایک روز تمہارے یہ تمام تعلقات، رشتے ناطے، امیدیں اور تمنائیں ختم ہو جائیں گے۔ کوئی مددگار نہ ہوگا تمہیں گھسیٹ کر مواخذہ کے لئے حاضر کر لیا جائے گا۔ ہر شخص دوزبردست حضرات کا قیدی ہوگا۔ جن کے پاس تمام اعمال کا ریکارڈ ہوگا۔ اور سب کو اُن کے اعمال کی جزا اور سزا دے دی جائے گی۔ جنت میں جانے والوں کے درجات بلند ہوتے جائیں گے۔ منزلیں بدلتی جائیں گی۔ وہاں مستقل طور پر قیام رہے گا۔ بڑھاپا اور تنگ دستی دُور رہیں گے۔

قارئین خاص طور پر یہ نوٹ کریں کہ حشر ونشر تمام جانداروں کا ہوگا اسی لئے حضورؑ نے کُلُّ نفس فرمایا ہے اور قرآن کریم نے تمام صاحبان حیات کو اُمتیں قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ۔ ثُمَّ اِلٰی رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ (انعام 6/38) پھر سب کے سب اپنے پروردگار کے پاس جمع ہوں گے۔

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر: 84

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 85

خُطبہ ﴿125﴾

1۔ چند صفاتِ خداوندی، ان کی افادیت، اور استفادہ کا طریقہ۔ 2۔ مجتہدین کے خلاف قرآن کی ہمہ گیری، تمام انسانی ضرورتوں کا حل۔ 3۔ اپنے نفس کا خیر خواہ کون ہے؟ نیک بخت کون ہے؟ فریب ساز کون ہے؟

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قَدۡ عَلِمَ السَّرَائِرَ ؛	1	اللہ یقیناً ہر پوشیدہ چیز کا علم رکھتا ہے۔
وَخَبَرَ الضَّمَائِرَ ؛	2	اور دلوں کے اندر کی ہر صورت حال کی خبر رکھتا ہے۔
لَہُ الۡاِحَاطَۃُ بِکُلِّ شَیۡءٍ وَّ الۡغَلَبَۃُ لِکُلِّ شَیۡءٍ ؛	3	وہ ہر ہر چیز کو گھیرے ہوئے احاطہ میں لئے ہوئے ہے اور تمام چیزوں پر غلبہ اور قابو رکھتا ہے۔
وَالۡقُوَّۃُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ ؛	4	اور اللہ ہر ہر چیز پر قوت رکھتا ہے اور ان کے ساتھ جو چاہے کر سکتا ہے۔
فَلۡیَعۡمَلِ الۡعَامِلُ مِنۡکُمۡ فِیۡ اَیَّامِ مَہَلِہٖ قَبۡلَ اِرۡہَاقِ اَجَلِہٖ وَفِیۡ فَرَاغِہٖ قَبۡلَ اَوَانِ شُغۡلِہٖ ؛	5	چنانچہ تم میں سے ہر عمل کرنے والے کو لازم ہے کہ وہ عمل کرے قبل اس کے کہ اس کی مہلت کے دن ختم ہو جائیں اور قبل اس کے کہ اس کی آخری گھڑی یعنی موت اس تک آ پہنچے اور قبل اس کے کہ اسے فراغت حاصل ہے اور ابھی اس کی مصیبت و قبر کی مشغولیت پیش نہیں آئی ہے۔
وَفِیۡ مُتَنَفَّسِہٖ قَبۡلَ اَنۡ یُّؤۡخَذَ بِکَظَمِہٖ ؛	6	اور اس کے سانس لینے کا راستہ کھلا ہوا ہے قبل اس کے کہ وہ بند ہو جائے اور اس کا گلا گھٹنے لگے۔
وَلۡیُمَہِّدۡ لِنَفۡسِہٖ وَقَدَمِہٖ ؛	7	اور اسے چاہئے کہ وہ اپنی سہولت اور آسائش اور ثباتِ قدم کے لئے مفید کام کرلے۔
وَلۡیَتَزَوَّدۡ مِنۡ دَارِ ظَعۡنِہٖ لِدَارِ اِقَامَتِہٖ ؛	8	اسے چاہئے کہ وہ اپنے عارضی قیام کے گھر (دنیا) سے مستقل قیام گاہ کے لئے ضروری سامان فراہم کرلے۔
فَاللّٰہَ اللّٰہَ اَیُّہَا النَّاسُ فِیۡمَا اسۡتَحۡفَظَکُمۡ مِنۡ کِتَابِہٖ ؛ وَاسۡتَوۡدَعَکُمۡ مِنۡ حُقُوۡقِہٖ ؛	9	اے خدا کے بندو اللہ سے ان چیزوں کی حفاظت کے سلسلے میں ڈرتے رہو جن کا حکم اس نے اپنی کتاب میں دیا ہے اور اس نے اپنے جن حقوق کا ادا کرنا تمہارے ذمہ لگایا ہے انہیں پورا کرتے رہو۔

فَاِنَّ اللّٰهَ سُبۡحَانَهٗ لَمۡ يَخۡلُقۡكُمۡ عَبَثًا ؛	10	چنانچہ یہ ایک حقیقت ہے کہ اللہ پاک نے تمہیں بلامقصد خواہ مخواہ پیدا نہیں کر دیا تھا
وَلَمۡ يَتۡرُكۡكُمۡ سُدًى ؛	11	اور نہ ہی تمہیں بیکار و آوارہ رہنے کے لئے آزاد چھوڑ رکھا ہے۔
وَلَمۡ يَدَعۡكُمۡ فِيۡ جَهَالَةٍ وَّلَا عَمًى ؛	12	اور تمہیں جہالت اور بے بصری کی حالت میں نہیں رہنے دیا ہے۔
قَدۡ سَمّٰى اٰثَارَكُمۡ وَعَلِمَ اَعۡمَالَكُمۡ وَكَتَبَ اٰجَالَكُمۡ ؛	13	اللہ نے تمہارے حالات اور ریکارڈ کی باقاعدہ نشاندہی کی ہے اور تمہارے اعمال و اقدامات معلوم کر لئے ہیں اور تمہاری عمریں لکھ دی ہیں۔
وَاَنۡزَلَ عَلَيۡكُمُ الۡكِتَابَ تِبۡيَانًا لِّكُلِّ شَيۡءٍ ؛	14	اور تم پر ایسی کتاب نازل کر دی ہے جو ہر ہر چیز اور ہر ضرورت کو بیان کرتی ہے۔
وَعَمَّرَ فِيۡكُمۡ نَبِيَّهٗ اَزۡمَانًا حَتّٰى اَكۡمَلَ لَهٗ وَلَكُمۡ فِيۡمَا اَنۡزَلَ مِنۡ كِتَابِهٖ دِيۡنَهُ الَّذِيۡ رَضِيَ لِنَفۡسِهٖ ؛	15	اور تمہارے اندر اپنے نبیؐ کو ایک زمانہ گزارنے اور دین پر عمل کر کے دکھانے کے لئے عمر عطا کی تھی۔ یہاں تک کہ اپنے نبیؐ کے لئے بھی اور خود تمہارے لئے بھی اپنے اُس دین کو مکمل کر دیا تھا جسے اس نے اپنی کتاب میں نازل کیا اور جس سے بذات خود راضی ہوا تھا۔
وَاَنۡهٰى اِلَيۡكُمۡ عَلٰى لِسَانِهٖ مَحَابَّهٗ مِنَ الۡاَعۡمَالِ وَمَكَارِهَهٗ وَنَوَاهِيَهٗ وَاَوَامِرَهٗ	16	اور اپنے نبیؐ کی زبان سے اُس نے اپنے تمام پسندیدہ اور تمام ناپسندیدہ اعمال اور اپنے تمام احکام اور ممانعتیں تم تک پہنچا دیں“
فَاَلۡقٰى اِلَيۡكُمُ الۡمَعۡذِرَةَ وَاتَّخَذَ عَلَيۡكُمُ الۡحُجَّةَ وَقَدَّمَ اِلَيۡكُمۡ بِالۡوَعِيۡدِ وَاَنۡذَرَكُمۡ بَيۡنَ يَدَيۡ عَذَابٍ شَدِيۡدٍ ؛	17	چنانچہ تمہارے سامنے اس نے اپنی معذرت، فلاں حکم کس لئے بیان ہوا اور فلاں چیز کی ممانعت کیوں ہوئی دلیل و برہان کے ساتھ پیش کر کے حجت قائم کر دی اور تمہیں قبل از وقت نافرمانی کی سزا کی اطلاعات بھیج دیں اور تمہیں پیش آنے والے شدید عذاب سے چوکنا کر دیا تھا۔
فَاسۡتَدۡرِكُوۡا بَقِيَّةَ اَيَّامِكُمۡ وَاصۡبِرُوۡا لَهَا اَنۡفُسَكُمۡ ؛	18	چنانچہ اب یہ تمہارا کام ہے کہ تم ان باقی ایام میں اپنی کوتاہیوں اور غلط کاریوں کی تلافی کرو اور مواخذہ کو سہنے کے لئے خود کو تیار کرو۔
فَاِنَّهَا قَلِيۡلٌ فِيۡ كَثِيۡرِ الۡاَيَّامِ الَّتِيۡ تَكُوۡنُ مِنۡكُمۡ فِيۡهَا الۡغَفۡلَةُ وَالتَّشَاغُلُ عَنِ الۡمَوۡعِظَةِ ؛	19	چنانچہ یہ باقی دن تو ان دنوں کے مقابلے میں بہت کم ہیں جو تم نے غفلت میں گزار دیئے ہیں۔ اور جو تم نے وعظ و نصیحت کے خلاف اپنے دنیاوی مشغلوں میں گنوا دیئے ہیں۔
وَلَا تُرَخِّصُوۡا لِاَنۡفُسِكُمۡ فَتَذۡهَبَ بِكُمُ الرُّخَصُ مَذَاهِبَ الظَّلَمَةِ ؛	20	اپنے نفسوں کو فرصت نہ لینے دینا کہ وہ پھر وقت کو برباد کر سکیں ورنہ وہ دی ہوئی فرصت تمہیں ظالموں کے مذہب پر گھسیٹ کر لے جائے گی۔

وَلَا تُدَاهِنُوْا فَيَهْجُمَ بِكُمُ الْاِدْهَانُ عَلَى الْمَعْصِيَةِ ؛	21	اور ٹالنے وٹرخانے والی روش اختیار نہ کرنا ورنہ وہ ٹالنا ٹرخانا اور آسان پسندی تمہیں نافرمانی اور گناہ کی خاطر اپنے ہجوم میں لے لے گی۔
عِبَادَ اللّٰهِ اِنَّ اَنْصَحَ النَّاسِ لِنَفْسِهٖ اَطْوَعُهُمْ لِرَبِّهٖ ؛	22	تمام انسانوں میں سب سے زیادہ اپنی ذات کا خیر خواہ یقیناً وہی شخص ہوتا ہے جو ان میں سب سے زیادہ اپنے پروردگار کا اطاعت شعار ہو۔
وَاِنَّ اَغَشَّهُمْ لِنَفْسِهٖ اَعْصَاهُمْ لِرَبِّهٖ ؛	23	اور سب سے زیادہ اپنے نفس کو دھوکے میں رکھنے والا وہی شخص ہوتا ہے جو تمام انسانوں میں اپنے رب کا سب سے زیادہ نافرمان ہو۔
وَالْمَغْبُوْنَ مَنْ غَبَنَ نَفْسَهٗ وَالْمَغْبُوْطُ مَنْ سَلِمَ لَهٗ دِيْنُهٗ ؛	24	اور سب سے زیادہ غبن اس کا ہوا ہے جس نے اپنی ذات سے غبن کیا ہو (کسی کی چیز دبا لینا غبن ہے اپنی ذات یا جسم کو غلط جگہ استعمال کرنا ذاتی غبن ہے) اور خوش حال اور قابل رشک وہ ہے جس کا دین سلامت رہا۔
وَالسَّعِيْدُ مَنْ وُّعِظَ بِغَيْرِهٖ ؛	25	خوش بخت وسعادت مند وہ ہے جو دوسروں کو دیکھ کر سبق لے اور کامیاب ہو۔
وَالشَّقِيُّ مَنِ انْخَدَعَ لِهَوَاهُ وَغُرُوْرِهٖ ؛	26	اور قلاشی اور محتاجگی پھیلانے والا وہ شخص ہے جو ذاتی خواہشات اور مصلحتوں میں الجھا اور فریب کھا گیا۔
وَاعْلَمُوْا اَنَّ يَسِيْرَ الرِّيَاءِ شِرْكٌ ؛	27	اور یہ سمجھ لو کہ ہلکی سی ریا کاری بھی شرک ہے یعنی نظام شرکت کا ممبر بنا دیتی ہے۔
وَمُجَالَسَةَ اَهْلِ الْهَوٰى مَنْسَاةٌ لِلْاِيْمَانِ وَمَحْضَرَةٌ لِلشَّيْطَانِ ؛	28	اور ان لوگوں کی صحبت میں بیٹھنا جو مستقلاً ذاتی خواہشوں اور مصلحتوں پر دینی احکام کو ڈھالتے ہیں (یعنی مجتہد ہیں) ایمان کو بھلانے اور شیطان کو بلانے کی منزل میں یا محفل میں داخل کر دیتا ہے۔
جَانِبُوا الْكَذِبَ فَاِنَّهٗ مُجَانِبٌ لِلْاِيْمَانِ ؛	29	جھوٹ سے اجتناب کرو اس لئے کہ جھوٹ ایمان کی مخالف چیز ہے۔
اَلصَّادِقُ عَلٰى شَفَا مَنْجَاةٍ وَّكَرَامَةٍ ؛	30	اور مکمل سچا شخص نجات اور کرامت کی بلندیوں پر فائز شخص ہوتا ہے۔
وَالْكَاذِبُ عَلٰى شَرَفِ مَهْوَاةٍ وَّمَهَانَةٍ ؛	31	اور ایک مکمل جھوٹا شخص ایسی بلندی پر ہے جہاں سے وہ ہلاکت کے غار اور پستی کے گڑھے میں گرنے والا ہے۔
وَلَا تَحَاسَدُوْا فَاِنَّ الْحَسَدَ يَاْكُلُ الْاِيْمَانَ كَمَا تَاْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ ؛	32	حسد نہ کیا کرو اس لئے کہ حسد ایمان کو اُسی طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ ایندھن کو جلا کر کھا جایا کرتی ہے۔
وَلَا تَبَاغَضُوْا فَاِنَّهَا الْحَالِقَةُ ؛	33	بغض نہ رکھا کرو اس لئے کہ بغض نیکیوں کو آہستہ آہستہ کھرچ کر مٹا دیتا ہے۔

وَاعۡلَمُوۡا اَنَّ الۡاَمَلَ يُسۡهِى الۡعَقۡلَ وَيُنۡسِى الذِّكۡرَ؛	34	اور یہ بھی سمجھ لو کہ امیدیں اور آرزوئیں عقل پر سھو کو حاوی کر دیتی ہیں اور مجسم ذکرؑ کی طرف سے دلوں پر بھول کا غلاف چڑھا دیتی ہیں۔
فَاكۡذِبُوۡا الۡاَمَلَ فَاِنَّهٗ غَرُوۡرٌ وَصَاحِبُهٗ مَغۡرُوۡرٌ ؛	35	چنانچہ تم لوگ امیدوں اور آرزوؤں کو جھٹلا دیا کرو۔ اس لئے کہ آرزو مندی یقیناً دھوکہ ہوتی ہے اور آرزوئیں رکھنے والا شخص بلاشبہ فریب خوردہ ہوتا ہے۔

تشریحات:

وہ شخص جو اللہ پر یقین رکھتا ہے اور اُس کی رضا جوئی کے خلاف عمل نہیں کرتا اُسے اپنے مخالفوں کی اُسی حدتک فکر رکھنا چاہئے جس حدتک اللہ نے اپنے تحفظ کا حکم دیا ہے۔ اِس کے علاوہ اُسے اس فکر میں مبتلا رہنے اور کھوج لگانے کی ضرورت نہیں کہ مخالفین کیا سوچ رہے ہیں؟ اُن کے دلوں میں کیا کچھ پوشیدہ ہے اور کن چیزوں کو وہ اپنی مدد اور آپ کی مخالفت میں استعمال کرنے کی اسکیم بنا رہے ہیں اور اُن کے پاس کون کون سی قوت وطاقت ہے۔ اس لئے کہ اللہ اُن کے راز و پوشیدہ اسکیموں پر ہر لحہ مطلع ہے اور انہیں اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہے۔ اُن پر اور اُن کی ہر چیز پر غلبہ رکھتا ہے۔ وہ تمہیں بھی اُن اسکیموں پر مطلع کرسکتا ہے انہیں مغلوب کرسکتا ہے۔ تمہیں اُن کے مقابلہ میں کامیاب کرسکتا ہے لہٰذا کرنے کا کام یہی ہے کہ ہم سوفیصد اللہ سے وابستہ رہیں اور اُس کے احکام پر کاربند رہتے ہوئے زندگی گزاریں۔ ہمارے مخالف اس صورت میں ہماری ہی مخالفت نہیں کرتے۔ بلکہ وہ اللہ کے بھی مخالف ہیں اور اللہ کے مخالف یقیناً ناکام رہا کرتے ہیں۔ لہٰذا ہمیں اللہ کی صفات کو سمجھنا اور اُن پر یقین اور توکل رکھنا چاہئے اور اپنے تمام کام اللہ کو سپرد کردینا چاہئیں۔ اور ہر وقت امام زمانہ سربراہ اسلام علیہ السلام سے مادی مدد طلب کرتے رہنا چاہئے وہ حضرتؑ تمہارے دشمنوں کو مغلوب کردیں گے۔

دنیا میں فرصت وصحت وتندرستی اور خوشحالی کے دنوں میں زیادہ سے زیادہ صحت مند اعمال بجالاؤ۔

پھر دنیا میں وہ تمام اعمال چن چن کر کرو جن سے تمہاری صحت، قوت، تندرستی اور خوشحالی میں روز افزوں ترقی ہوتی رہے۔ یاد رکھو ہر وہ کام بدعملی اور بدکرداری میں داخل ہے جو تمہیں یا کسی اور کو کمزور و بیمار کرتا ہو۔ خوشحالی اور اطمینان کی زندگی بدکرداری سے کبھی حاصل نہیں ہوسکتی۔ اللہ کی عبادت تمہاری تندرستی اور خوشحالی کے لئے ہے۔ عبادت سے اللہ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا وہ صرف تمہارے فائدے کے لئے ہے۔ اجتماعی عبادتیں لوگوں سے ملنے اور اُن کے حالات جاننے کا مستقل پروگرام ہیں۔ لہٰذا ہم پر واجب ہوجاتا ہے کہ ہم بیماروں، کمزوروں، تنگدستوں، فکرمند لوگوں، ضرورت مندوں کی فارغ البالی خوشحالی اور صحت وقوت کا انتظام کریں اور اپنی پوری طاقت ساری بصیرت اور تمام وسائل اس پر صرف کردیں اور جب ہم سب اپنا تمام وقت اس پر صرف کریں گے تو اللہ نے خوشحالی اور مطمئن زندگی فراہم کرنے کی ضمانت لے رکھی ہے۔ دن رات نمازیں پڑھنا اور لوگوں کی صحت وتوانائی وخوش حالی کی طرف توجہ نہ کرنا عبادت نہیں ہے بلکہ شیطان کا فریب ہے۔ اسی فریب نے آج مسلمانوں کو تمام اقوام کا بھکاری بنا رکھا ہے۔ خدا کی طرف سے ایسے عبادت گزاروں پر دن رات عذاب وعتاب ہوتا ہے۔ آپ حضرت علی علیہ السلام کے خطبات میں تلاش کریں تو ڈھونڈے سے مولویانہ نمازوں روزوں اور دیگر عبادات کا ذکر نہ ملے گا۔ وہ حسد سے منع کرتے ہیں بغض سے

روکتے ہیں۔اللہ کی ناپسندیدہ چیزوں سے باز رکھنا چاہتے ہیں۔وہ بیماری کی سخت مذمت کرتے ہیں تڑپ تڑپ کر مرنے والی موت سے ڈراتے ہیں۔غفلت اور غلط امیدوں اور تمناؤں سے روکتے ہیں۔ہر کوتاہی اور غلط کاری کو تباہ کن فرماتے ہیں۔ہر نیک اور مفید کام کا تقاضا فرماتے ہیں۔غلط مصروفیات اور مشغلوں سے باز رکھنا چاہتے ہیں۔دغا،فریب،غبن سے روکتے ہیں۔حقوق خداوندی کو ادا کرنے پر اصرار کرتے ہیں۔دنیا سے سفر آخرت کے لئے سامان بھیجنے پر زور دیتے ہیں۔یاد رکھو اور ساری دنیا کو بتادو کہ نمازیں پڑھنے سے سفرِ آخرت کے لئے کوئی سامان آگے نہیں جاتا جو آخرت میں کام آسکے۔البتہ بھوکوں کی بھوک دور کرنا لوگوں کو لباس پہنانا۔بیماروں کو دوا اور غذا فراہم کرنا۔یتیموں کی سرپرستی کرنا۔لوگوں کا قرض ادا کرنا وغیرہ ایسے کام ہیں جن سے سامان آخرت جمع ہوتا ہے اور دنیا میں خوشحالی،صحت واطمینان پیدا ہوتا ہے۔مگر دھڑا دھڑ اذانیں پکارنے اور کھٹا کھٹ نمازیں پڑھنے سے زادِ آخرت تو کیا ثواب بھی نہیں ہوتا۔وہ تو فرض یا واجب ہے اور فرض وواجب کے ادا کرنے سے نہ کوئی ثواب ہوتا ہے نہ اجر ملتا ہے۔فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ Oالَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ Oالَّذِينَ هُمْ يُرَآءُونَ Oوَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ O(107/4-7) اور ایسے نمازیوں پر اللہ نے ملامت کی ہے کہ ایسے نمازیوں کے لئے بڑی خرابی ہے جو اپنی نمازوں کو بھلائے ہوئے ہیں۔ جو لوگوں کو دکھانے کے لئے نماز پڑھتے رہتے اور استعمال کی عام چیزیں بھی ضرورتمندوں کو نہیں دیتے۔یہ ایسے نمازیوں کی بات ہے جیسے آج کل ایران وعرب وپاکستان وغیرہ ممالک کے نمازی ہیں۔

یہ بے نمازوں کی بات نہیں ہے بلکہ نماز پڑھنے والے نمازیوں یعنی مصلین کی بات ہے۔جنہوں نے نماز کے تمام متعلقات اور مقاصد کو نظر انداز کر رکھا ہے۔وہ پابندی سے نماز جماعت پڑھتے ہیں مگر نہ کسی بیمار کو پوچھتے ہیں نہ کسی کے شکستہ لباس کی پرواہ کرتے ہیں نہ کسی کی غربت وضرورت سے تعلق رکھتے ہیں نماز پڑھی اور یہ جا وہ جا۔پلٹ کر نہیں دیکھتے اور موقع ملے تو جوتے چرُالے جاتے ہیں۔یہ سب ملاعین ہیں۔اِن خطبات میں یہی لوگ خاص طور پر مخاطب ہیں۔یہ نمازیں اور یہ عبادتیں ہی مسلمانوں پر عذاب کا باعث ہیں۔لہٰذا ہمارے قارئین بہرحال حضرت علی علیہ السلام کے بیانات پر نظر رکھیں۔حضور نے خطبہ نمبر 123 میں تہجد کا ذکر فرماتے ہوئے کہا ہے کہ:

وَاَسْهَرَ التَّهَجُّدُ غِرَارَ نَوْمِهٖ ؛(خطبہ 123،جملہ 162)''تہجد کی شب بیداری نے اُس کی فطری نیند کو بھی بیداری میں تبدیل کردیا ہے''

یہاں آپ دراصل مولویانہ نماز کی بات نہیں کررہے ہیں بلکہ یہ بتارہے ہیں کہ اُس شخص نے تہجد کی نماز کو شب بیداری کا ذریعہ بنالیا ہے۔یعنی اُس نے راتوں کو بیدار رہ کر کام کرنے کی عادت ڈالنے کے لئے نماز تہجد کو اپنا ذریعہ اور وسیلہ قرار دیا ہے۔اور تہجد ایک ایسی نماز ہے جس سے مسلمانوں کی 99.9% فیصد لوگوں کو بخار چڑھتا ہے۔اس لئے کہ اس میں نام ونمود اور شور وغل کا موقع نہیں ملتا۔اور حضور علیہ السلام نے تو معمولی سی ریاکاری کو مشرکوں کا کام فرمایا ہے اور جو نمازیں مسلمانوں نے پابندی سے اپنا رکھی ہیں وہ از سرتا پا ریاکاری ہی ریاکاری یعنی شرک ہی شرک ہے۔(۱۲۵/۲۷) اسی قسم کی عبادت سے روکنے کے لئے فرمایا ہے کہ''اپنے نفسوں کو فرصت نہ لینے دینا تاکہ وہ پھر وقت کو برباد نہ کرسکیں ورنہ وہ دی ہوئی فرصت تمہیں ظالموں کے مذہب پر گھسیٹ لے جائے گی(خطبہ 125،جملہ 20)۔

یہاں حضور علیہ السلام اسی مولویانہ مذہب سے خبردار فرمارہے ہیں۔یہ بھی سوچیں کہ اپنی جان کو فرصت نہ لینے دینے سے کیا حضورؑ ہمیں سوکھے سجدوں میں چوبیس گھنٹے مصروف رکھنا چاہتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔

پانچ وقت کی واجب نمازوں میں تو زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے کی مصروفیت ہوسکتی ہے۔حضورؑ تو چاہتے ہیں کہ اپنے نفوس کو کسی وقت

فرصت نہ لینے دی جائے۔سوچئے کہ وہ کیا دینی کام ہوسکتے ہیں جن میں چوبیس گھنٹے آدمی مصروف رہ سکے؟ یقیناً وہ واجب نمازوں کے علاوہ ہی کام ہوسکتے ہیں اور وہ کام وہی ہیں جن کا ہم ذکر کرتے آرہے ہیں۔یعنی پوری نوع انسان کی صحت وسلامتی وخوشحالی کے انتظامات جن سے اِن نام نہاد مسلمانوں کو کوئی تعلق نہیں ہے۔حضورؑ نے اُن تمام احکام کی تعمیل کا ذکر فرمایا جو قرآن میں دیئے گئے ہیں اُن تمام حقوق کی ادائیگی لازم ہے جو اللہ نے عائد کئے ہیں یوں انسان کو دن رات میں ایک لمحہ کی فرصت اور رخصت نہیں مل سکتی۔اور حضورؑ نے تو ایک ایسی بات بھی فرما دی ہے جو اِن نمازی مسلمانوں کے لئے خاص طور پر مصیبت ہے۔آپ محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ سے معاہدہ لیتے ہوئے یہ عہد بھی لیتے ہیں کہ:

صَلِّ الصَّلَاةَ لِوَقْتِهَا الْمُوَقَّتِ لَهَا ؛ وَلَا تُعَجِّلْ وَقْتَهَا لِفَرَاغٍ ؛ وَ لَا تُؤَخِّرْهَا عَنْ وَقْتِهَالِاشْتِغَالٍ ؛
وَّاعْلَمْ اَنَّ كُلَّ شَیْءٍ مِنْ عَمَلِكَ تَبَعٌ لِّصَلَاتِكَ ۔(معاہدہ (خطوط نہج البلاغہ) خط 27، جملے 32,33)

ترجمہ:''تم نماز کو اُس کے مقررہ وقت پر ادا کرنا۔جان چھڑانے کے لئے وقت سے پہلے ہی ادا نہ کر لینا اور دوسری مشغولیت میں اُلجھ کر نماز ادا کرنے کو تاخیر میں نہ ڈالنا۔اور یہ سمجھ لو کہ تمہارے اعمال نماز کی پیروی میں ہونا چاہئیں''

محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ مصر کے گورنر تھے اُن سے نماز کے متعلق یہ عہد لیا گیا تھا اور اس میں جو بنیادی اور عالمگیر بات ہے وہ یہ ہے کہ تمام انسانی پروگرام اس طرح بنائے جائیں گے کہ انفرادی واجتماعی اعمال نماز کی پیروی کریں گے یعنی ہر عمل نماز ہی کا ایک جز ہوگا یا یہ کہ تمام اعمال مل کر نماز ہوں گے۔کیا کبھی یہ بات آپ نے سنی تھی؟ کیا کبھی اِن اسلام اسلام پکارنے والوں نے ایسا پروگرام بنانے پر سوچا؟ ساتھ ہی یہ بھی سن لیں کہ پیش نماز کیسی نماز پڑھائے گا؟ حضرت علی علیہ السلام مالک اشتر سے معاہدہ میں لکھتے ہیں کہ:

وَقَدْ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ حِيْنَ وَجَّهَنِیْ اِلَى الْيَمَنِ كَيْفَ اُصَلِّی بِهِمْ؟ فَقَالَ :
صَلِّ بِهِمْ كَصَلَاةِ اَضْعَفِهِمْ ؛ وَكُنْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا .. ۔(خط 53، جملے 321 تا 322)

''میں نے یمن جاتے ہوئے رسولؐ اللہ سے دریافت کیا تھا کہ لوگوں کو کیسی نماز پڑھاؤں؟ فرمایا تھا کہ:

''لوگوں کے ساتھ ایسی نماز پڑھنا جو اُن میں سے سب سے ضعیف آدمی پڑھ سکتا ہو۔اور مومنین کے ساتھ ہمیشہ رحم وکرم برقرار رکھنا''

اور حضرت علی علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا ہے کہ لوگوں کو نماز سے متنفر نہ کر دینا'' بہرحال ہمیں یہ کہنا ہے کہ خلافت نے اسلام کو اُلٹا کھڑا کر دیا تھا اور وہ چودہ سو سال سے سر کے بل چلا آرہا ہے اور شیعہ سنی کثرت جو نماز پڑھ رہی ہے وہ سب کچھ ہے نماز نہیں ہے۔

یہ نماز تو قریشی لیڈروں نے اس لئے اختیار کی تھی کہ لوگوں کی پانچ دفعہ روزانہ گنتی لینے کے لئے اس سے بہتر اور کوئی طریقہ یا ذریعہ نہیں تھا۔مارشلزم کا کنٹرول قائم کرنے میں یہ مفید ترین پریڈ (Parade) ہے۔لوگوں سے زکوۃ اور دیگر واجبات وصول کرنے کا اس سے بہتر کوئی پروگرام ممکن نہیں لوگوں کی مالی حیثیت اور دیگر کیفیات معلوم ہوتے رہنے کا بہترین سبب ہے۔پانچ مرتبہ پوری مملکت میں احکام پہنچانے کے لئے سہل ترین پروگرام ہے۔خوشی اور ناخوشی معلوم کرنے کے لئے پسندیدہ وسیلہ ہے۔زکوۃ حکومت کا خزانہ بھرنے کے لئے ضروری تھی۔روزہ ریشننگ اور غذائی کنٹرول کے لئے مفید تھا حج مرکزی احکام ورابطہ کے لئے پسندیدہ چیز تھی۔اور یہ سب مل کر فوج کشی جنگ وجدل لوٹ مار یا جہاد کو کامیاب بناتے ہیں۔اسی لئے مارشل کے اسلام میں اِن ہی چیزوں پر سارا زور دیا جاتا ہے۔صحت، تندرستی خوشحالی کا کہیں دُور دُور نہ ہی ذکر ہوتا ہے نہ اُن کے لئے پروگرام بنتا ہے۔سرمایہ داری۔سرمایہ پرستی۔سرمایہ داروں اور اجارہ داروں کے تحفظ پر تمام پروگراموں کی تان ٹوٹتی ہے۔کبھی کبھی

اور کہیں کہیں محتاج خانوں، یتیم خانوں اور بیواؤں کے اداروں کی بات بھی سننے میں آجاتی ہے۔ یہ لوگ عورتوں کا اور مزدوروں کا دن مناتے ہیں مگر نہ عورتوں کے لئے کچھ کرتے ہیں نہ مزدوروں اور محنت کشوں کے لئے کچھ کرتے ہیں یہی ظالموں کا مذہب ہے۔

ظالموں سے اور ظالموں کے مذہب سے سو فیصد جدائی ضروری ہے۔

یہاں آخری نصیحت پر متوجہ کرنا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر کسی کو اللہ، رسولؐ اور امام زمانہ علیہم السلام کی توجہ اور خوشنودی درکار ہے اور چاہتا ہے کہ اُسے حقیقی مسلمانوں میں شمار کرلیا جائے تو اُس پر لازم ہے کہ وہ اِن نام نہاد مسلمانوں سے اُن کے لیڈروں سے اور نائب امامؑ یا امام اُمت کہلانے والے طاغوتوں سے سو فیصد جدا اور منقطع ہوجائے کوئی چیز اُن سے وابستہ نہ رہنے دے نہ اُن کی کسی معاملے میں نقل کرے۔ اُن تمام اعمال کو خیر باد کہہ دے جنہیں وہ دین کے کام کہہ کر کرتے ہیں۔ اس نصیحت پر جتنی سختی اور کوشش سے عمل کرے گا اُتنا ہی جلد اُسے اسلام کے حقیقی نظام سے وابستگی اور ہدایات حاصل ہوں گی تائید خدا اور رسولؐ اور امام علیہ السلام حاصل ہوگی۔ مشکلات راہ سے ہٹنا شروع ہوں گی۔ کائناتی تعاون ہاتھ بڑھائے گا اور خود بخود یہ یقین پیدا ہوتا جائے گا کہ اُس کی دست گیری کی جارہی ہے اس کی دعائیں سنی اور قبول کی جانے لگیں گی۔ شرط یہی ہے کہ اِن دُنیا پرست اور کاروباری علما و عوام سے تمام دینی رشتے منقطع کرلئے جائیں۔ اِن کے ساتھ دنیاوی تعلق رکھیں اور اُس میں بھی اپنی کامیابی کو پہلا نمبر دیں۔ اُن کے ساتھ عاقلانہ رویہ رکھیں اُنہیں یہ نہ بتائیں کہ آپ اُن کے مخالف ہیں اس معاملہ میں انہیں بھرپور اور پُریقین فریب دیں۔ اُن سے ہر طرح فائدہ اُٹھائیں۔ اپنا نقصان ہرگز نہ ہونے دیں خواہ انہیں نقصان ہوجائے۔ (باقی آئندہ)

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر: 85

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 86

خُطبہ ﴿126﴾

نظام اجتہاد اور مجتہدین کی مذمت

خود اپنی عام انسانی صفات کو سبق آموزی کے لئے پیش کیا ہے۔

1۔ اللہ کی طرف سے اپنی ذاتی خواہشوں مُرادوں اور ضرورتوں اور مصلحتوں کی مخالفت کرنے کی طاقت ملنا اور مخالفت کرتے رہنا 2۔ حزن کو شعار بنانا اور خوف کو اپنا رویہ قرار دینا۔ 3۔ دل میں چراغ ہدایت روشن رکھنا۔ سختیوں اور مشکلات کو آسان بنا لینا۔ خواہشات کا لباس اتار پھینکنا۔ ہدایت کے دروازے کھولنا گمراہی کی راہیں بند کرنا۔ مجتہدوں کے خلاف مجتہدوں کے ساختہ پرداختہ مسائل کو روشنی میں لانا۔ گنجلکوں کو دور کرنا۔ خاموشی بھی ہدایت آفرین۔ گفتار بھی راہنمائی کی حامل۔ دین خدا کا خزانہ۔ 4۔ مجتہدین کی پول کھولنا جو قرآن کو اپنی رائے کے ماتحت رکھتے ہیں۔ 5۔ نبیؐ کی عترتؑ کی پوزیشن۔ 6۔ ثقل اکبر اور ثقل اصغر پر عمل وتحفظ۔ 7۔ بنی امیہ کا حال۔ (خطبہ نمبر 17 کا ضمیمہ)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

عِبَادَ اللّٰهِ اِنَّ مِنۡ اَحَبِّ عِبَادَ اللّٰهِ اِلَيۡهِ عَبۡدًا اَعَانَهُ اللّٰهُ عَلٰى نَفۡسِهٖ ؛	1	خدا کے بندو سنو کہ اللہ کے یہاں تمام بندوں میں سب سے زیادہ محبوب شخص کی شناخت یہ ہے کہ اللہ نے اسے اس کے نفس و ذات وحرکات وسکنات اور ارادوں پر قابو رکھنے میں اعانت کی ہو اور اسے قابو حاصل ہو۔
فَـاسۡتَشۡعَرَ الۡـحُـزۡنَ وَتَجَلۡبَبَ الۡخَوۡفَ ؛	2	چنانچہ یہ قابو رکھنے والا شخص حزن و ملال کو اپنا شعار بنا لیتا ہے اور اللہ سے ہر وقت خوفزدہ رہنے کا رویہ اختیار کر لیتا ہے۔
فَزَهَرَ مِصۡبَاحُ الۡهُدٰى فِيۡ قَلۡبِهٖ ؛	3	چنانچہ اس کے نتیجہ میں اس کے دل کے اندر ہدایت کا ہمیشہ روشن رہنے والا چراغ نور افشاں ہو جاتا ہے۔
وَاَعَدَّ الۡقِرٰى لِيَوۡمِهِ النَّازِلِ بِهٖ ؛	4	اور حساب ومواخذہ کی آنے والی منزل میں اپنی مہمانی کیلئے بہترین سامان تیار کر لیتا ہے۔
فَـقَرَّبَ عَلٰى نَفۡسِهِ الۡبَعِيۡدَ وَهَوَّنَ الشَّدِيۡدَ؛	5	یوں وہ اس دور والی منزل کو اپنے لئے قریب لے آتا ہے اور سخت ترین محاسبہ اور مشکلات کو ہلکا کر لیتا ہے۔

نَظَرَ فَاَبْصَرَ وَذَكَرَ فَاسْتَكْثَرَ ؛	6	وہ دیکھتا ہے تو بینائی اور بصیرت میں اضافہ کرتا ہے اور تذکرہ کرتا ہے تو اسے بہت کثیر کرلیتا ہے۔
وَارْتَوىٰ مِنْ عَذْبٍ فُرَاتٍ سُهِّلَتْ لَهٗ مَوَارِدُهٗ فَشَرِبَ نَهَلاً وَسَلَكَ سَبِيْلاً جَدَدًا	7	اور وہ ہدایت کے شیریں اور ٹھنڈے چشمے سے پوری طرح سیراب ہوگیا ہے جس تک پہنچنا اس کیلئے آسان کردیا گیا تھا اور وہ سنجیدگی سے راہ راست سے منسلک ہے۔(یعنی وہ اُن تمام ہی ہدایات کا حامل ہے جو راہِ حق کیلئے ضروری ہیں)
قَدْ خَلَعَ سَرَابِيْلَ الشَّهَوٰتِ وَتَخَلّٰى مِنَ الْهُمُوْمِ اِلَّا هَمًّا وَّاحِدًا انْفَرَدَ بِهٖ ؛	8	اس نے شہوات وخواہشات کے کپڑوں سے خودکوا لگ رکھا ہے۔اوراس نے ہرایک مہم اور تمام مقاصد کوالگ کردیا ہے سوائے ایک مہم اورایک مقصد (ہدایت کاری) کے جس میں وہ منفرد ہے۔
فَخَرَجَ مِنْ صِفَةِ الْعَمٰى ، وَمُشَارَكَةِ اَهْلِ الْهَوٰى ؛	9	لہٰذا وہ گمراہی اور بے بصیرتی کے ہر پہلو سے باہر آگیا ہے اور مخصوص خواہش پرستوں ، مجتہدین کی شرکت اور مصاحبت سے تعلق نہیں رکھتا۔
وَصَارَ مِنْ مَّفَاتِيْحِ اَبْوَابِ الْهُدٰى وَمَغَالِيْقِ اَبْوَابِ الرَّدٰى ؛	10	اوراس طرح آخر کار مکمل ہدایت کی کنجیاں بن گیا اور گمراہی کے دروازوں کو بند کرنے والا آلہ (Bolt) بھی بن گیا ہے۔
قَدْ اَبْصَرَ طَرِيْقَهٗ وَسَلَكَ سَبِيْلَهٗ وَعَرَفَ مَنَارَهٗ وَقَطَعَ غِمَارَهٗ ؛	11	اس نے اپنا راستہ بصیرت کے ساتھ ملاحظہ کرلیا اور اپنے راستہ سے منسلک ہوگیا اور اپنے مینار کو پہچان لیا اور اس مینارِ ہدایت تک پہنچنے کی تمام دشواریوں اور دقتوں کوالگ کردیا۔
وَاسْتَمْسَكَ مِنَ الْعُرٰى بِاَوْثَقِهَا وَمِنَ الْحِبَالِ بِاَمْتَنِهَا ؛	12	حقانیت کی اس کڑی سے وابستہ ہوگیا جو سب کڑیوں سے مضبوط اور قابل بھروسہ تھی اور دین کی رسیوں میں سے محکم ترین رسی کا سہارا لے لیا۔
فَهُوَ مِنَ الْيَقِيْنِ عَلٰى مِثْلِ ضَوْءِ الشَّمْسِ ؛	13	چنانچہ وہ راہنما یقین کے معاملہ میں سورج کی روشنی کی مانند ہے کہ اندھا بھی انکارنہیں کرسکتا ہے۔
قَدْ نَصَبَ نَفْسَهٗ لِلّٰهِ سُبْحَانَهٗ فِيْ اَرْفَعِ الْاُمُوْرِ مِنْ اِصْدَارِ كُلِّ وَارِدٍ عَلَيْهِ ؛	14	اس نے اپنی ذات اور تمام متعلقات کواللہ پاک کیلئے نصب کردیا ہے تاکہ اللہ سے متعلق جو بھی بلندترین مقصد یا ضرورت اسکے سامنے وارد ہوا سے حل کردے
وَتَصْيِيْرِ كُلِّ فَرْعٍ اِلٰى اَصْلِهٖ مِصْبَاحُ ظُلُمَاتٍ كَشَّافُ عَشَوَاتٍ مِفْتَاحُ مُبْهَمَاتٍ دَفَّاعُ مُعْضِلَاتٍ دَلِيْلُ فَلَوَاتٍ ؛	15	اور ہر تفصیل کی بنیاد تک لوگوں کی راہنمائی کرے اور اندھیروں کو دور کرنے میں لوگوں کے لئے چراغ راہ ثابت ہو لیڈروں کے مشتبہ کئے ہوئے مسائل کی حقیقت بیان کرنے والا ہے اور ان کی پیدا کردہ الجھنوں اور پیچیدگیوں کو

		کھولنے والی کنجی ہے اور مجتہدین کی جاری کردہ دینی رکاوٹوں کو دور کرنے والا ہے۔
يَقُوْلُ فَيُفْهِمُ وَيَسْكُتُ فَيَسْلَمُ ؛	16	دینی باتیں کرتا ہے تو سمجھا کر چھوڑتا ہے اور خاموش رہتا ہے تو سلامت روی برقرار رکھتا ہے۔
قَدْ اَخْلَصَ لِلّٰهِ فَاسْتَخْلَصَهٗ ؛	17	اس نے خود کو اللہ کے لئے یکسو اور خالص کر لیا ہے تو اللہ نے بھی اس کے خلوص کو قبول کر لیا ہے۔
فَهُوَمِنْ مَعَادِنِ دِيْنِهٖ وَاَوْتَادِ اَرْضِهٖ ؛	18	بہرحال وہ شخص اللہ کے دین کا خزانہ اور کانیں ہے اور اللہ کی زمین کا مرکز ومحور سہارا ہے۔(یعنی اللہ کا دین اور اس کی زمین اسی کے دم قدم سے برقرار ومتحرک ہے)
قَدْ اَلْزَمَ نَفْسَهُ الْعَدْلَ فَكَانَ اَوَّلُ عَدْلِهٖ نَفْيَ الْهَوٰى عَنْ نَفْسِهٖ ؛	19	اس نے اپنی ذات پر عدل کرنا اور عادل رہنا لازم کر لیا ہے۔ چنانچہ اس کا پہلا عدل تو یہی ہے کہ اس نے اپنی ذاتی خواہشوں اور مصلحتوں کی نفی کر دی ہے۔(یعنی وہ ہرگز مجتہد نہیں ہے)
يَصِفُ الْحَقَّ وَيَعْمَلُ بِهٖ ؛	20	وہ مکمل حق کی صفات اور صورتیں بیان کرتا ہے اور ان ہی کے مطابق عمل بھی کرتا ہے۔
لَايَدَعُ لِلْخَيْرِ غَايَةً اِلَّا اَمَّهَا ؛	21	نیکی کی کوئی بھی حدّ وانتہا ایسی نہیں ہے جسے اس نے چھوڑ دیا ہو سوائے اس کے کہ اس نے ارادۃً اختیار کیا۔
وَلَا مَظِنَّةً اِلَّا قَصَدَهَا ؛	22	اور کوئی جگہ ایسی نہ چھوڑی جہاں نیکی کے موجود ہونے کا امکان تھا اور اس نے وہاں کا قصد نہ کیا ہو۔
قَدْ اَمْكَنَ الْكِتَابَ مِنْ زِمَامِهٖ فَهُوَ قَائِدُهٗ وَاِمَامُهٗ يَحُلُّ حَيْثُ حَلَّ ثَقَلُهٗ ، وَيَنْزِلُ حَيْثُ كَانَ مَنْزِلُهٗ؛	23	اس نے اپنی باگ ڈور اور اختیار قرآن کے حوالے کر دیا چنانچہ قرآن ہی اس کا قائد و امام ہے جہاں قرآن اپنا سامان اتارتا ہے وہیں وہ بھی اپنا سامان اتارتا ہے اور منزل اور قیام بھی وہیں کرتا ہے جہاں قرآن کی منزل اور قیام ہوتا ہے۔ یعنی ہر حال میں ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔
وَاٰخَرَ قَدْ تَسَمّٰى عَالِمًا وَّلَيْسَ بِهٖ ؛	24	<u>اور ایک دوسرا شخص بھی ہے جسے یقیناً عالم کا نام دے دیا گیا ہے جب کہ وہ عالم نہیں ہے</u>
فَاقْتَبَسَ جَهَائِلَ مِنْ جُهَّالٍ وَاَضَالِيْلَ مِنْ ضُلَّالٍ ؛	25	<u>چنانچہ اس نام نہاد عالم نے جاہلوں سے جہالتیں لے کر جمع کر لی ہیں اور گمراہ کرنے والوں سے گمراہیاں لی ہیں۔</u>
وَنَصَبَ لِلنَّاسِ اَشْرَاكًا مِنْ حَبَائِلِ غُرُوْرٍ وَّقَوْلِ زُوْرٍ ؛	26	<u>اور اس نے لوگوں کے لئے دھوکے کی رسیوں سے بُنا ہوا جال اور پروپیگنڈے کے ہتھکنڈوں کا نظام کھڑا کر دیا ہے۔</u>

قَدْ حَمَلَ الْكِتَابَ عَلٰى اٰرَائِهٖ وَعَطَفَ الْحَقَّ عَلٰى اَهْوَائِهٖ ؛	27	اور اس جال اور پروپیگنڈے میں قرآن کو اپنی رائے پر فٹ کر کے دکھایا ہے اور حق کو عام پسندیدہ خواہشوں اور اجتہادات میں تبدیل کر دیا ہے ۔
يُؤَمِّنُ النَّاسَ مِنَ الْعَظَائِمِ وَيُهَوِّنُ كَبِيْرَ الْجَرَائِمِ	28	قبول عام دینے کے لئے اپنے نظام میں لوگوں کو دین کی عظیم اسکیموں سے بچا دیا ہے اور بڑے بڑے جرائم کو جاری کرنے کے لئے ان کی سنگینی کو ہلکا کر کے پیش کیا ہے۔
يَقُوْلُ : اَقِفُ عِنْدَ الشُّبُهَاتِ وَفِيْهَا وَقَعَ ؛	29	کہتا تو وہ یہ ہے کہ میں شبہات کو اختیار کرنے کے بجائے رک جاتا ہوں اور بات صاف کرنا چاہتا ہوں مگر حقیقتاً اس کا سارا کاروبار ہی شبہات پر منحصر ہے۔
وَيَقُوْلُ: اَعْتَزِلُ الْبِدَعَ وَبَيْنَهَا اضْطَجَعَ ؛	30	اور وہ یہ بھی کہتا ہے کہ میں دین کے خلاف ایجادات نہیں کرتا ہوں مگر دراصل وہ تو بدعتوں میں لپٹا ہوا ہے۔
فَالصُّوْرَةُ صُوْرَةُ اِنْسَانٍ وَالْقَلْبُ قَلْبُ حَيَوَانٍ ؛	31	اُس نام نہاد عالم و مجتہد کی صورت تو انسانوں ہی کی جیسی ہے مگر اس کا دل حیوان (جانوروں) کا دل ہے۔
لَا يَعْرِفُ بَابَ الْهُدٰى فَيَتَّبِعَهُ وَلَابَابَ الْعَمٰى فَيَصُدَّ عَنْهُ ؛	32	وہ حیوان ہدایت کے دروازہ سے متعارف نہیں ہے کہ اُس دروازے کی پیروی کرے اور نہ ہی وہ گمراہی کے دروازے کو جانتا ہے کہ اس کی پیروی سے باز رہ سکے۔
فَذٰلِكَ مَيِّتُ الْاَحْيَاءِ فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ؟ وَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ؟	33	چنانچہ مسئلے گھڑنے والا زندہ لوگوں میں ایک میت (مردہ) ہے۔ چنانچہ لوگو تم کدھر جا رہے ہو اور تمہیں کدھر بہکا کر لے جایا جا رہا ہے۔
وَالْاَعْلَامُ قَائِمَةٌ وَالْاٰيَاتُ وَاضِحَةٌ وَالْمَنَارُ مَنْصُوْبَةٌ ؛	34	حالانکہ ہدایت کے نشان و پرچم قائم و بلند ہیں اور واضح آیات سامنے ہیں اور حق کے مینار کھڑے ہیں۔
فَاَيْنَ يُتَاهُ بِكُمْ ؟	35	چنانچہ تمہیں کس طرح بہکایا جا رہا ہے؟
بَلْ كَيْفَ تَعْمَهُوْنَ وَبَيْنَكُمْ عِتْرَةُ نَبِيِّكُمْ ؟ وَهُمْ اَزِمَّةُ الْحَقِّ وَ اَعْلَامُ الدِّيْنِ ؛وَاَلْسِنَةُ الصِّدْقِ ؛	36	بلکہ تم کیسے بھٹک رہے ہو جب کہ نبیؐ کی عترتؑ تمہارے اندر موجود ہے اور وہ مکمل حق کی لگامیں ہیں اور دین کے نشان اور دین کے پرچم ہیں اور وہ مجسمۂ سچائی کی زبان ہیں۔
فَاَنْزِلُوْهُمْ بِاَحْسَنِ مَنَازِلِ الْقُرْاٰنِ وَرِدُوْهُمْ وُرُوْدَ الْهِيْمِ الْعِطَاشِ ؛	37	چنانچہ تم انہیں قرآن کی مقرر کی ہوئی منزلوں میں سے بہترین منزل میں رکھو اور تم لوگ ان کی خدمت میں اسی شوق سے بڑھ کر آیا کرو جس طرح بہت پیاسے اونٹ پانی کی طرف آتے ہیں۔
اَيُّهَا النَّاسُ خُذُوْهَا عَنْ خَاتَمِ	38	اے لوگو اہل بیتؑ کے مقام کو خاتم النبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیانات سے

النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ ؛		سمجھ کر اختیار کرو۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ:
اِنَّهُ يَمُوْتُ مَنْ مَّاتَ مِنَّا وَ لَيْسَ بِمَيِّتٍ وَيَبْلٰى مَنْ بَلِيَ مِنَّا وَلَيْسَ بِبَالٍ ؛	39	یہ ایک حقیقت ہے کہ ہم اہل بیتؑ میں سے جو کوئی مرتا ہے وہ مرتا تو ہے لیکن وہ ہرگز مردہ نہیں رہتا بلکہ زندہ رہتا ہے جیسا کہ پہلے زندہ تھا۔ اور ہم میں سے جو بوسیدہ ہوتا ہے وہ بظاہر بوسیدہ ہو جاتا ہے لیکن دراصل وہ ہرگز بوسیدہ نہیں بلکہ تنومند و صاحب قوت وقدرت رہتا ہے۔
فَلَا تَقُوْلُوْا بِمَا لَاتَعْرِفُوْنَ فَاِنَّ اَكْثَرَ الْحَقِّ فِيْمَا تُنْكِرُوْنَ ؛	40	چنانچہ ہمارے مرنے کے سلسلے میں وہ باتیں نہ کیا کرو جن سے تمہارا تعارف نہیں ہے۔ چنانچہ جن چیزوں کا تم انکار کرتے ہو حق کی کثرت انہی چیزوں میں ہوتی ہے۔
وَاعْذِرُوْا مَنْ لَاحُجَّةَ لَكُمْ عَلَيْهِ وَاَنَا هُوَ ؛	41	اُس شخص کو معذور اور حق پر مانو جس پر تمہاری کوئی حجت قائم نہیں ہوئی اور تم پر اس کی حجت قائم ہے اور وہ شخص میں علیؑ ہوں۔
اَلَمْ اَعْمَلْ فِيْكُمْ بِالثَّقَلِ الْاَكْبَرِ ؟	42	کیا میں نے قریش کی پیدا کردہ رکاوٹوں کے باوجود اور تمہارے درمیان رہتے ہوئے بڑے مرکز یعنی قرآن پر سو فیصد عمل نہیں کیا ہے؟
وَاَتْرُكْ فِيْكُمُ الثَّقَلَ الْاَصْغَرَ ؟	43	اور تمہارے اندر چھوٹے مرکز کو برقرار و توانا حالت میں نہیں چھوڑا ہے۔؟
وَرَكَزْتُ فِيْكُمْ رَايَةَ الْاِيْمَانِ ؛	44	اور کیا میں نے تمہارے درمیان ایمان کا پرچم بلند نہیں رکھا ہے؟
وَوَقَفْتُكُمْ عَلٰى حُدُوْدِ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ	45	اور کیا میں نے تمہیں حرام اور حلال کی حدود کے اندر محدود و پابند نہیں رکھا ہے؟
وَاَلْبَسْتُكُمُ الْعَافِيَةَ مِنْ عَدْلِيْ ؛	46	اور کیا میں نے اپنے عادلانہ نظام سے عافیت اور چین فراہم نہیں کیا ہے؟
وَفَرَشْتُكُمُ الْمَعْرُوْفَ مِنْ قَوْلِيْ وَفِعْلِيْ ؛	47	اور اپنے بیانات اور عمل سے میں نے تمہارے لئے عالمی پسندیدگی کو بطور فرش نہیں بچھا اور پھیلا دیا ہے۔؟
وَاَرَيْتُكُمْ كَرَائِمَ الْاَخْلَاقِ مِنْ نَّفْسِيْ ؛	48	اور اپنے ذاتی عمل درآمد سے میں نے تمہیں بزرگ ترین اور مفید اخلاق کا سبق نہیں دیا۔؟
فَلَا تَسْتَعْمِلُوا الرَّأْيَ فِيْمَا لَا يُدْرِكُ قَعْرَهُ الْبَصَرُ ؛	49	چنانچہ تم لوگ ان مسائل میں ہرگز اپنی رائے استعمال نہ کرنا جن مسائل کی گہرائی تک تمہاری بصیرت نہ پہنچے۔
وَلَا يَتَغَلْغَلُ اِلَيْهِ الْفِكْرُ ؛	50	اور نہ ان چیزوں کے متعلق تمہارے فکر و تفکر کو رسائی ہوتی ہو۔

تشریحات:

خطبہ کا مقصد و مدعا ترجمہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام عوام الناس کو اہل بیتؑ نبی صلی اللہ علیہ وعلیہم کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں اور راہنمائی کے متعلق اُس صورت حال کو واضح کرنا چاہتے ہیں جو قریشی لیڈروں نے پیدا کر رکھی ہے۔ حالت یہ ہے کہ رسولؐ اللہ کی وفات کے بعد قریش لوگوں کو یہ یقین دلاتے چلے آ رہے ہیں کہ اب اللہ کی طرف سے راہنمائی اور ہدایت رسانی بند ہو چکی ہے اور جو تعلیمات رسولؐ نے دی تھیں وہ لوگوں میں بکھری ہوئی ہیں نہ کوئی ایک شخص تمام تعلیمات کا حامل ہے اور نہ اُمت کو کسی ایک شخص کے سپرد کیا گیا ہے۔ لوگوں کو ایسی حالت میں چھوڑ دیا گیا ہے کہ اُن میں سے کوئی تنہا اُمت کو اس راہ پر نہیں چلا سکتا جس پر اللہ و رسولؐ چلانا چاہتے تھے اور چلا رہے تھے۔ اس صورت حال سے یہ بات خود بخود سمجھ میں آ جاتی ہے کہ دانشور صحابہ کو جمع ہو کر ہر مسئلہ، ہر ضرورت اور ہر اختلاف پر اپنی اپنی دینی معلومات بیان کر کے آپس کے مشورے سے متفقہ فیصلے کرنا ہوں گے اور عوام الناس کو مع صحابہ کے اُن پر عمل کرنا لازم ہوگا۔ وہ متفقہ فیصلے ہی اللہ اور رسولؐ کے فیصلے اور احکام ہوں گے چنانچہ آپس کے مشورے سے بننے والا خلیفہ دانشوران اُمت کو بطور جماعت مشاورت اپنے پاس موجود رکھ کر اُمت کی رہبری کرے گا۔

یہ پالیسی وفات رسولؐ کے بعد اختیار کی گئی اور اس پر ابوبکر و عمر اور عثمان نے اپنے زمانہ میں اپنی اپنی رائے اور اپنے اپنے حالات کے ماتحت عمل کیا۔ اور حالات اتنے پیچیدہ و ابتر ہو گئے کہ عہد رسولؐ ایک خواب اور قصہ پارینہ ہو کر رہ گیا۔ ہر بعد میں آنے والے خلیفہ نے سابقہ خلیفہ کے طرز عمل کے خلاف طریقہ اختیار کیا۔ رفتہ رفتہ اسلامی اعمال و عقائد کے نام تو وہی رہ گئے لیکن اُن کی شکل و صورت اتنی بدل گئی کہ خود بڑے بڑے صحابہ نے اعتراضات کئے۔ بہت سے نئے مسئلے جاری کئے جاتے رہے۔ بہت سے قدیم اعمال و عقائد کو ختم کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ قرآن کے بہت سے احکام کو ترک کر کے اُن کی جگہ اپنی رائے سے احکام اور فیصلے جاری کر دئے گئے۔ قریش کی اپنی تیار کردہ تاریخ و تفسیر و احادیث کی کتابوں میں مسائل و احکام کی ردّ و بدل کی تفصیلات بھری پڑی ہیں۔ ردّ و بدل اور ترمیم و تنسیخ کی بنیاد یا اصول یہ رکھا گیا کہ ہر وہ سابقہ حکم منسوخ کر دیا جائے جو قریشی مفاد یا خلیفہ کی پالیسی کے خلاف ہو اور ہر وہ حکم جاری کیا جائے جو قریشی مفاد یا مصلحت کے مطابق ہو ایسے احکام کے رد کرنے یا جاری کرنے میں قریش کی کثرت رائے ہمیشہ تیار رہتی تھی۔ لہٰذا خلیفہ اور قریش کی اجتماعی اور متفقہ رائے سے قرآن کے احکام رد و باطل کئے جاتے رہے اور نئے فیصلے اور احکام نافذ ہوتے رہے اور اس کا ذکر حضورؐ نے خطبہ (126، جملے 27 تا 32) میں فرمایا ہے۔ اِن ہی حالات نے رفتہ رفتہ قریشی خلافت اور قریشی قوم کے خلاف نفرت پھیلا دی جانبداری برتنے پر دو خلیفہ قتل ہوئے۔ اور قریشی حکمرانوں سے تنگ آئے عوام اور صحابہ حضرت علی کو خلافت پر رضامند کرنے کے لئے اُن کی منت سماجت میں مشغول ہو گئے اور طرح طرح کے عذرات اور دلائل پیش کر کے انہیں رضامند کر لیا۔ اُنہوں نے تمام صحابہ نام کے لوگوں، لیڈروں اور عوام پر واضح کر دیا کہ وہ کسی کے مشورے اور رائے سے حکومت نہ کریں گے۔ وہ قرآن کی حکومت نافذ کریں گے اور کسی کی رُو رعایت نہ کریں گے۔ اور جو مخالفت کرے گا اُس کے ساتھ قرآن کے مطابق سلوک کریں گے۔ سب نے تمام شرائط منظور کر لیں اور پہلی دفعہ ایک ہولناک و عظیم الشان کثرت کی متفقہ رائے سے پہلا خلیفہ منتخب کیا گیا۔ اس سلسلے میں علامہ مودودی کی تحقیق دیکھنا مفید ہوگا۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

مودودی کا بیان حضرت علیؑ کی خلافت پر دیکھئے۔

''یہ بالکل فطری امر تھا کہ لوگ خلافت کے لئے اُن ہی کی طرف رجوع کرتے۔صرف مدینہ ہی میں نہیں پوری دنیائے اسلام میں دوسرا کوئی شخص ایسا نہ تھا جس کی طرف اسی غرض کے لئے مسلمانوں کی نگاہیں اُٹھتیں۔حتیٰ کہ اگر آج کے رائج الوقت طریقوں کے مطابق بھی کوئی انتخاب کرایا جاتا تو لازماً عظیم اکثریت کے ووٹ اُن ہی کو حاصل ہوتے۔امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ اِس وقت حضرت علیؑ سے بڑھ کر کوئی شخص خلافت کے لئے اَحق نہ تھا۔'' (البدایہ و النہایہ جلد8 صفحہ 130)

چنانچہ معتبر روایتوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اور دوسرے اہل مدینہ اُن کے پاس گئے اور اُن سے کہا کہ :

''یہ نظام کسی امیر کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔لوگوں کے لئے ایک امام کا وجود ناگزیر ہے اور آج آپ کے سوا ہم کوئی ایسا شخص نہیں پاتے جو اس منصب کے لئے آپ سے زیادہ مستحق ہو۔نہ سابق خدمات کے اعتبار سے اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرب کے اعتبار سے'' اُنہوں نے انکار کیا اور لوگ اصرار کرتے رہے۔آخر کار اُنہوں نے کہا ''میری بیعت گھر بیٹھے خفیہ طریقے سے نہیں ہوسکتی عام مسلمانوں کی رضا کے بغیر ایسا ہونا ممکن نہیں ہے'' پھر مسجد نبوی میں اجتماع ہوا اور تمام مہاجرین وانصار نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کی۔صحابہ میں سے 17 یا 20 ایسے بزرگ تھے جنہوں نے بیعت نہیں کی۔ابن عبدالبر کا بیان ہے کہ جنگ صفین کے موقع پر 8 سو ایسے اصحاب حضرت علیؑ کے ساتھ تھے جو بیعت رضوان کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے (الاستیعاب جلد2 صفحہ 423) اس روداد سے اس امر میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ حضرت علیؑ کی خلافت قطعی طور پر ٹھیک ٹھیک ان ہی اصولوں کے مطابق منعقد ہوئی تھی جن سے خلافت راشدہ کا انعقاد ہوسکتا تھا۔وہ زبردستی اقتدار پر قابض نہیں ہوئے تھے۔ انہوں نے خلافت حاصل کرنے کے لئے برائے نام بھی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔لوگوں نے خود آزادانہ مشاورت سے اُن کو خلیفہ منتخب کیا تھا۔صحابہ کی عظیم اکثریت نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور بعد میں شام کے سوا تمام بلاد اسلامیہ نے اُن کو خلیفہ تسلیم کیا تھا۔اب اگر حضرت سعد بن عبادہ کے بیعت نہ کرنے سے حضرت ابوبکر وعمر کی خلافت مشتبہ نہیں ہوتی تو 17 یا 20 صحابہ کی بیعت نہ کرنے سے حضرت علیؑ کی خلافت کیسے مشتبہ ہوسکتی ہے۔علاوہ بریں ان چند اصحاب کا بیعت نہ کرنا تو محض ایک منفی فعل تھا جس سے خلافت کے معاملے کی آئینی پوزیشن پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔کیا مقابلے میں کوئی دوسرا خلیفہ تھا؟ جس کے ہاتھ پر اُنہوں نے جوابی بیعت کی ہو؟ یا اُن کا کہنا یہ تھا کہ اب امامت یا مملکت کو بے خلیفہ رہنا چاہئے؟ یا یہ کہ کچھ مدت تک خلافت کا منصب خالی رہنا چاہئے؟ اگر ان میں سے کوئی بات نہ تھی تو محض اُن کے بیعت نہ کرنے کے یہ معنی کیسے ہوسکتے ہیں کہ اکثریت اور عظیم اکثریت نے جس کے ہاتھ پر بیعت کی ہے وہ جائز طور پر فی الواقع خلیفہ نہیں بنا؟'' (خلافت وملوکیت 121 تا 123)

مودودی کی شرائط ابوبکر وعمر کی خلافت کو باطل کرتی ہیں۔

مودودی کے اس بیان سے حضرت علی علیہ السلام کی خلافت تمام ہی جمہوری اصولوں کی رُو سے بھی برحق ثابت ہوگئی اور یہ جملہ خاص طور پر قابل غور ہے کہ: ''حضرت علیؑ کی خلافت قطعی طور پر ٹھیک ٹھیک اُن ہی اصولوں کے مطابق منعقد ہوئی تھی جن پر خلافت راشدہ کا انعقاد ہوسکتا تھا۔''

اگر علامہ یہ لکھتے کہ ان ہی اصولوں کے مطابق خلافت راشدہ کا انعقاد ہوا تھا'' تو ابوبکر وعمر وعثمان کی خلافتیں راشدہ مانی جاسکتی تھیں۔مگر علامہ جانتے ہیں کہ اُن تینوں کا انتخاب اس معیار پر نہ ہوا تھا۔جس پر حضرت علیؑ منتخب ہوئے تھے۔یہ تو قریش کا معیاری طریقہ تھا جس پر کوئی قریشی خلیفہ فٹ نہیں آتا۔حضرت علی علیہ السلام کے اسی بیان میں مودودی نے لکھا ہے کہ حضور خفیہ بیعت کو بیعت نہیں مانتے۔ بلکہ جمہوری انتخاب کے

لئے ''عام مسلمانوں کی رضا'' کی شرط لگاتے ہیں۔ جو تینوں قریشی خلفا کو بقول اُن کے علما اور اُن کی تاریخ کی رُو سے حاصل نہیں تھی۔ یعنی وہ معیار جس پر منتخب ہونے والے خلفا کو خلفائے راشدین کہنا صحیح ہے۔ اس پر ابوبکر وعمر وعثمان منتخب نہیں ہوئے صرف حضرت علیؑ منتخب ہوئے تھے۔ دوسری بات بھی اُن تینوں خلفاء کو باطل ثابت کرتی ہے اور وہ یہ ہے کہ مودودی نے حضرت علیؑ کی بیعت نہ کرنے والوں پر تین شرطیں عائد کی ہیں یعنی اگر اُن تینوں شرطوں میں سے ایک بھی پوری ہوتی تو حضرت علی علیہ السلام کی خلافت مشتبہ مان لی جاتی اول یہ کہ اگر کوئی حضرت علیؑ کا مدمقابل خلیفہ ہوتا اور اُن 17 یا 20 صحابہ نے اس کی بیعت کی ہوتی۔ اس شرط پر جن لوگوں نے ابوبکر کی بیعت نہیں کی وہ حق بجانب تھے کیوں کہ انہوں نے خم غدیر پر حضرت علیؑ کی بیعت کی ہوئی تھی۔ اور اُن کے بیعت نہ کرنے سے ابوبکر کی خلافت مشتبہ اور باطل ہو جاتی ہے۔ پھر ان تینوں خلفا کی خلافت اس لئے بھی باطل ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے ابوبکر کی بیعت نہ کی تھی اور وہ ابوبکر کے مقابلے میں خود خلافت کے مدعی اور خلیفہ تھے۔ اور ابوبکر اینڈ کمپنی کے پاس کوئی دلیل وحجت نہ تھی۔ نہ تمام عوام کی رضا مندی سے ابوبکر کی خلافت منعقد ہوئی تھی۔

قریشی خلافت نے لیڈری اور اسلامی دینی راہنمائی کو عام اور سستا کر دیا تھا۔

بہر حال یہ تینوں خلافتیں اپنی داخلی خرابیوں اور رفتار کی وجہ سے موت کے گھاٹ اُتر گئی تھیں۔ اور مجبور ہو کر حضرت علی علیہ السلام کو خلیفہ بنانا پڑا تھا۔ جب تک یہ خلافتیں اور یہ تینوں خلفا قبرستان تک پہنچیں اُنہوں نے دین کو موت کی نیند پہلے سلا دیا تھا اور اپنے پروپیگنڈے اور پالیسیوں سے سیکڑوں راہنما بنا کر مملکت میں پھیلا دئے تھے اور اُن پر خلیفہ کا مرکزی کنٹرول رہتا تھا۔ اور عوام الناس خلیفہ اور اُس کے تیار کردہ راہنماؤں کے احکام کو خدا اور رسولؐ کے احکام سمجھتے تھے۔ خاص خاص حالات کے علاوہ حضرت علی علیہ السلام تک آنے کی کسی کو ضرورت نہ پڑتی تھی پھر چونکہ حکومت نے اپنے مقرر کردہ لوگوں کے علاوہ کسی کو احکام دینے اور مسائل بیان کرنے کی اجازت نہ دی تھی بلکہ سختی کے ساتھ ممانعت اور سزا تجویز کر رکھی تھی اس لئے بھی عوام حضرت علیؑ تک نہ پہنچتے تھے۔ ان حالات اور ایسی صورت حال کے باوجود خلفائے ثلاثہ کی گرفت کا ڈھیلا ہوتے جانا اور ایک روز خلافت کا حضور علیہ السلام کے پیروں میں آ گرنا ایک ایسا کمال ہے جسے تھکے ہوئے دماغ صرف معجزہ ہی قرار دے سکتے ہیں۔ لیکن یہ معجزہ ہرگز نہ تھا یہ تو وہ پالیسی تھی جس کا ذکر حضرت علی علیہ السلام نے اپنے تیسرے خطبے (جملہ 7 تا 8) میں فرمایا ہے اور وہاں یہ دو صورتیں سامنے رکھی تھیں کہ:

> ''آیا میں اپنے مخالفوں کو اپنے اس کٹے ہوئے ہاتھ سے تباہ کر دوں اور اُن کی جڑیں نکال لوں۔ یا اپنی صبر کی پالیسی کی دیر طلب اور تکلیف دہ صورت حال سے انہیں دو چار کر دوں۔''

حضور علیہ السلام نے صبر کی پالیسی کو اختیار فرمایا تھا۔ اس پالیسی کا نظر آنے والا پہلو تو یہ تھا کہ آپ نے اپنی کوئی سیاسی پارٹی نہ بنائی اور مودودی کے بیان میں موجود ہے کہ: ''آپ نے خلافت حاصل کرنے کے لئے برائے نام بھی کوئی کوشش نہیں کی۔'' یعنی بلا کوئی محاذ بنائے آپ نے صرف تعاون اختیار کیا۔ اور حد یہ ہے کہ آج تک تمام اہل سنت اُنہیں چار یاروں میں کا ایک شمار کرتے اور چار یار زندہ باد کے نعرے لگاتے ہیں۔ لیکن جو کچھ سامنے آیا وہ یہ تھا کہ تمام عرب کے مسلمان قبائل نے خلافت ابوبکر کے خلاف بغاوت اور جنگ کی۔ ایک سال برابر قتل عام لوٹ مار اور دار و گیر جاری رہا ہزار ہا مسلمان قتل کئے گئے گرفتار کر کے غلام بنائے گئے عورتیں اور بچے کنیز وغلام بنائے گئے۔ بنی حنیفہ جیسے قبائل کا بچہ بچہ قتل کر دیا گیا۔ تمام بڑے بڑے صحابہ کو مدینہ میں نظر بند رکھا گیا۔ سزائیں دی جاتی رہیں اور رفتہ رفتہ قریشی حکومت بے دینی کی ڈھلوان پر پھسلتی ہوئی موت سے ٹکرا کر

گری اور حضرت علی علیہ السلام کے پیروں میں پناہ لی۔ مگر یہ پناہ سنبھلنے، دم لینے اور از سرِ نو حضرت علی علیہ السلام کے خلاف اُٹھنے کے لئے لی گئی تھی چنانچہ ایک دو ماہ کے اندر ہی اندر حضرت علیؑ کے مقابلے میں قریشی لیڈروں نے جنگی محاذ بنالیا۔ لڑائیاں ہوتی رہیں۔ قریش شکست پر شکست کھاتے اور ذلیل و رسوا ہوتے رہے۔ اُن کے پچاس ہزار سے زیادہ جنگ جو قتل ہوئے۔ حضور علیہ السلام ایک فیصلہ کن آخری حملہ کے لئے تیار تھے پچاس ہزار سواروں کا لشکر حضورؑ کے پہنچنے کا عنان بدست انتظار کر رہا تھا کہ حضورؑ پر گھات لگا کر تہجد کی نماز کے سجدہ میں حملہ کیا گیا اور شمشیر سے سرکار علیہ السلام کا سر دو پارہ ہوگیا۔ یوں معاویہ اور ملک شام بچ گئے اور حضورؑ شہید ہوگئے۔ اور قریش کو پھر چند سال تک مہلت اور سانس لینے کا زمانہ مل گیا۔ اور حکومت مدینہ سے نکل کر دمشق چلی گئی۔ اور قریش کا وہ خواب بکھر گیا جو انہوں نے رسولؐ کی حکومت پر قبضہ کرنے سے پہلے دیکھا تھا۔ (تفصیلات کتاب ''مذہب شیعہ'' میں دیکھئے)

قریش اسلام کے ساتھ ساتھ خاندان رسولؐ کا نام و اکرام و احترام اور مقام مٹا دینا چاہتے تھے۔

حضرت علی علیہ السلام کی صبر کی پالیسی میں قریشی عوام اور قریشی حکومت کے ساتھ ہر نیکی میں تعاون کرنا غربا اور بے سہارا عوام سے محبت وشفقت اور خدمت سے پیش آنا بغض و حسد اور انتقامی جذبات کے بجائے قربانی و ایثار سے پیش آنا۔ خود تنگدست رہ کر مساکین اور محتاجوں کی خوشحالی کی فکر میں لگا رہنا عام دستور تھا اس کے ساتھ ہی موقع بموقع عوام کو اپنے خطبات سے اسلام و اخلاق کی تعلیم دینا وہ ہتھیار تھے جو قریشی حکومت اور قریشی پالیسی کی جڑیں کھوکھلی کرتے چلے جارہے تھے۔ یہ حضورؑ کے خطبات ہی تھے جو اسلام کی تعلیمات کو واپس لا رہے تھے اور پورے ملک میں برقرار رکھے ہوئے تھے اور قریش ساز اسلام کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ثابت ہو رہے تھے۔

عصمت کی عملی مفید اور قابل توجہ قدر و اُجر تعریف جو قریشی تصور پر چوٹ تھی۔

وہ بچہ معصوم کہلاتا ہے جو ابھی عقل و عمل کی پختگی تک نہیں پہنچا۔ یعنی ابھی اُس کے وہ اعضا اپنا کام نہیں کرتے جن سے گناہ وقوع میں آتا ہے۔ لہٰذا وہ دراصل معصوم نہیں بلکہ مجبور ہے۔ اور تھوڑے ہی دنوں کے بعد اُس کے اعضا بتدریج مختار یعنی صاحب اختیار ہوتے جاتے ہیں اور وہ گناہ پر قادر ہوتا جاتا ہے۔ مثلاً جھوٹ بولنا شروع کر دیتا ہے تو گویا زبان اور ارادہ مختار ہوگئے۔ یوں ہی رفتہ رفتہ ہر بُرے سے بُرا اور سنگین سے سنگین گناہ اور جرم کرنے پر قادر ہوجاتا ہے۔ اور اب وہ اپنے اچھے کاموں پر اَجر کا مستحق اور بُرے کاموں پر سزا کا حقدار ہوجاتا ہے۔ یعنی پہلے اُسے نہ اجر کا حق تھا نہ سزا پر اُسے ذمہ دار بنایا جاسکتا تھا۔ مطلب یہ ہوا کہ اُس کی عصمت بے کار تھی۔ اِسی طرح اگر اللہ نے فرشتوں کو مجبور پیدا کیا ہے اور اُن سے کوئی گناہ نہیں ہوسکتا تو اُن کی عصمت اور اُن کا معصوم ہونا بے کار ہے انہیں کسی اجر و ثواب و سزا کا حق ہی نہیں ہے۔ چنانچہ یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اجر و سزا اُسی صورت میں واجب ہوں گی جب کہ آدمی یا کوئی اور مخلوق اپنے اعمال میں مختار ہو۔ جس کو گناہ کا اختیار ہی نہ دیا گیا یا جس سے گناہ ہو ہی نہ سکتا ہو اُس کو نہ اچھے اعمال کا اجر ملے گا نہ وہ قابل قدر ہوگا اور نیکی کی وجہ سے نہ اُس کا کوئی بلند مقام ہوگا۔

اب سوچئے کہ اگر ہمارے آئمہ اور انبیا علیہم السلام کا یہی حال ہے کہ اُن سے فرشتوں کی طرح یا بچوں کی طرح کوئی گناہ نہیں ہوسکتا یا یہ کہ اللہ نے اُن سے غلطی، لغزش، گناہ اور جرائم کا صدور منع کر دیا ہے تو پہلے نمبر پر تو اُن کے وہ تمام بلند مقام اور درجے بے معنی ہوجاتے ہیں جو ہم اُن کے متعلق مانتے ہیں اور ساتھ ہی اُن کا اپنے کمالات میں روز افزوں ترقی کرتے جانا غلط ہوجاتا ہے اور دوسرے نمبر پر اُن کی اطاعت اور پیروی بھی بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے اس لئے کہ اُن سے تو صرف نیکیاں اور اچھائیاں ہی ظہور میں آئیں گی۔ یہی کچھ کہہ کر قریش عوام میں نبیؐ اور آئمہ علیہم

السلام کی قدر ومنزلت عوام کی نظر میں گراتے تھے اور ہمارے مذہب کو ایک ناقابل عمل مذہب بتاتے تھے۔اور اسی کو دلیل بنا کر وہ تمام انبیا اور آئمہ علیہم السلام کو خاطی اور اپنے جیسا بشر مانتے اور منواتے تھے اور آج تک وہ ہمارے علما اور عقائد پر طرح طرح تنقید کرتے ہیں اور اسی اصول پر وہ خاطی انسانوں کی قدر ومنزلت اور نبیؐ کی جانشینی کے قائل ہیں۔اور بڑے بڑے علما اس مسئلے کا ذکر سنتے ہی دم دبا کر چل دیتے ہیں۔لیکن حضرت علی علیہ السلام نے اس خطبہ نمبر 126 کے پہلے اور ایک ہی جملے میں اس پوری بحث کو سمیٹ کر حل کر دیا ہے۔اور ایسی دلیل قائم کی ہے جسے اُس کی جگہ سے ہٹایا نہیں جا سکتا۔اور ساتھ ہی تمام معصومین علیہم السلام کا وہ بلند مقام ثابت کر دیا ہے کہ جس سے بلند تر مقام ہمارے بس میں نہیں ہے۔جملہ غور سے پڑھئے آپؑ نے فرمایا ہے کہ:

''سارے انسانوں یا بندوں میں سب سے زیادہ محبوب شخص اللہ کے نزدیک وہ بندہ ہے جسے اللہ نے اُس کے نفس پر قادر بنانے میں خود مدد واعانت کی ہے۔''(خطبہ 126، جملہ 1)

مطلب یہ ہے کہ تم جس شخص کو اس حالت میں دیکھو کہ اُسے اپنی ذات پر سو فیصد قابو ہے یعنی اُس سے کوئی ایسا قول وعمل سرزد نہیں ہوتا جو ناپسندیدہ ہو، مضر ہو، نقصان پہنچانے والا ہو وہ نہ صرف یہ کہ اللہ کا محبوب ہے بلکہ تمام نوع انسان کے لئے ہر طرح مفید ومکرم ہے۔پھر نفس پر قابو ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تھکن اُس پر غالب نہ آئے نیند بھی اُس کے قابو میں ہو۔دل ودماغ اور اُن کی تمام تحریکات ومیلانات یعنی خواہشات ولذات ورجحانات واحساسات وجذبات پر بھی اُسے قابو ہو۔اُس کی فکر، اُس کی سوچ اور تصورات بھی اُس کے اختیار میں ہوں۔یہ ہوتی ہے انبیاء وآئمہ علیہم السلام کی حالت اور یہ حالت پیدائشی یا جبلی نہیں بلکہ خدا نے اس حالت میں رہنے کے لئے اُن کی اعانت یا مدد کی ہوتی ہے اُن سے ظہور یا وقوع میں جو کچھ بھی آتا ہے اُن کے اختیار وارادہ کے ماتحت وقوع میں آتا ہے اور اس میں ہر وقت اللہ کی مدد اُن کے ساتھ رہتی ہے اور اللہ کی یہ مدد بھی کوئی ایسا آلہ نہیں جو انہیں مجبور کر کے رکھتا ہو اور وہ اُس مدد کی خلاف ورزی پر قادر نہ ہوں اگر ایسا ہوگا تو پھر انہیں مجبور ماننا ہوگا۔

اللہ کی مدد ہر کسی کو مل سکتی ہے اور ملتی ہے اور عام ہے اور اس سلسلے میں بھی انسان لامحدود ترقی کر سکتا ہے۔

ذرا اپنی حالت پر غور فرمائیے ایک وقت تھا کہ آپ کسی چیز سے نہ ڈرتے تھے۔اگر موقع ملتا تو سانپ کو پکڑ لیتے۔آپ ہر چیز کو پکڑنے اور منہ میں دینے کے عادی تھے اسی پکڑنے کی عادت نے آپ کو رفتہ رفتہ اُن چیزوں سے رُوشناس کرایا جنہیں پکڑنا غلط تھا۔ہاتھ جس دن جلا تھا اُس روز سے آپ نے آگ کو ٹھیک طرح پہچانا اور اُس کے بعد سے آج تک آگ کو یا آگ کی ہمشکل چیز کو آپ نے نہیں پکڑا اور نہ آئندہ پکڑیں گے۔اُس روز کے بعد بھی آپ آگ سے کئی دفعہ جلے ہوں گے مگر غلطی سے، عمداً جان بوجھ کر نہیں اور جس غلطی نے آپ کو جلا دیا تھا اس غلطی سے بھی آپ اُسی طرح بچنے میں کوشاں ہوں گے جس آگ سے بچنے میں کوشاں رہتے ہیں۔مطلب یہ ہے کہ جن جن نقصان دینے والی چیزوں کا آپ کو عملی تجربہ ہوتا گیا آپ اُن سے بچنے میں کوشاں رہتے گئے۔اور ہم آج دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ جان بوجھ کر آپ کبھی آگ کو نہ پکڑیں گے۔یعنی اس معاملے میں آپ کی اللہ نے مدد کی ہے۔آپ کو علم الیقین اور حق الیقین فراہم کر دینے سے آپ کو آئندہ غلط کاری سے محفوظ کر دیا ہے۔کئی چیزوں سے آپ اس لئے باز رہتے ہیں کہ آپ نے دوسروں کو اُن چیزوں سے نقصان پہنچتے ہوئے دیکھا ہے۔بات کو مختصر کرنے کے لئے یوں عرض کر دیں کہ علم وہ ذریعہ ہے جس سے اللہ مدد فرماتا ہے۔پھر علم کے مختلف درجات ہیں جو آدمی کو غلط روی سے روکتے ہیں۔علم کی کمی سے غلطیاں ہوتی ہیں۔اللہ سے غلطی، بھول چوک وغیرہ اس لئے نہیں ہوسکتی کہ وہ مجسمہ علم ہے آج جن چیزوں کا آپ کو آگ کی طرح کا علم ہے اُن چیزوں میں آپ ہرگز

غلطی نہیں کر سکتے۔ آپ کو غلطیوں سے بچانے اور عصمت کی طرف بڑھانے اور آپ کی محنت کو بلا رُکاوٹ بار آور کرنے اور لامحدود ترقی کرانے ہی کیلئے آپ کو معصومؑ راہنما دئے گئے ہیں۔ اُن کے نقش قدم پر چلئے۔ اُن کی ہدایات پر سو فیصد عمل کیجئے اور لامحدود قوت و اختیارات حاصل کر لیجئے۔

یہ بھی سمجھ لیجئے کہ آج بھی اللہ کا فضل و کرم اور ہدایات و راہنمائی اُسی طرح بلکہ اُس سے کچھ زیادہ سہل طریقے سے جاری ہیں جیسا کہ عہد رسولؐ اور عہد مرتضویؑ میں جاری تھیں۔ اور وہ تمام فیوض حاصل کئے جاسکتے ہیں جن کا قرآن میں ذکر فرمایا گیا ہے۔

حضورؑ کا دوسرا جملہ اُن کے کائناتی علم واحساس پر متوجہ کرتا ہے۔ حزن وملال وخوف کا ذخیرہ۔

دوسرے جملے میں آپؑ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ انسانی فطرت، انسانی اُمنگوں اور انسانی تمناؤں کے بالکل خلاف اور ناممکن ہے۔ کوئی نہیں چاہتا کہ وہ مستقلاً رنج وملال کو اپنا شعار بنالے اور اگر کوئی چاہے بھی تو وہ مستقلاً رنجیدہ اور ملول نہیں رہ سکتا۔ جوانی آئے گی تو ہنساتی ہوئی آئے گی۔ شادی ہوگی تو مسرتیں لائے گی۔ اولاد ہوگی تو شادمانیاں برسائے گی۔ قدم قدم پر حالتیں بدلیں گی۔ ہر چیز کے لئے زوال وعروج مقرر ہے۔ یہ بات سمجھ میں آنے کی ہے، ہی نہیں کہ علیؑ اُس انقلاب آفرین دنیا میں رنج وملال کو استقلال بخش سکیں۔ اُدھر وہ فرماتے ہیں کہ سارا خوف اِدھر اُدھر سے سمیٹ کر ہر وقت رنج وملال کے ساتھ ہی مستقلاً خوف وہراس کو اپنے اوپر طاری کرلیں گے۔ خوف کس بات کا اور خوف کس کا۔ کوئی غلط کام نہ کریں تو خوف کیوں ہوگا اور جب ہر فکر و خیال و عمل مرضی خداوندی کے مطابق ہو تو خوف کس کا اور کیوں؟

قارئین حضور علیہ السلام کی اس بات یا اس جملے کو سمجھنے کے لئے یہ سمجھئے کہ آپؑ اللہ کی اولین مخلوق ہیں اور ایسی مخلوق ہیں جن کو اللہ نے تمام مخلوقات کی بنیاد بنایا ہے اور جن کو تمام مخلوقات کی تخلیق میں شامل رکھا ہے اور جن کی صورت کو ہر مخلوق کی شکل وصورت میں بھی مدنظر رکھا ہے اور جن کی تخلیق خود اِن ہی کے لئے کی گئی ہے۔ یعنی حضور علیہ السلام پوری کائنات اور کائناتی موجودات ومخلوقات کی علت مادی بھی ہیں۔ علت فاعلی بھی ہیں۔ علت صوری بھی ہیں اور علت غائی بھی ہیں۔ یہ سبب ہے کہ ہر مخلوق پر وارد ہونے والا رنج واندوہ اور طاری ہونے والا ہر خوف حضورؑ پر فطری طور پر وارد ہوتا ہے۔ اُسی طرح جس طرح ایک انگلی میں پھانس لگنے سے سارا جسم دُکھی ہوتا ہے۔ غلط کار لوگوں کا وہ رنج وغم جو انہیں عذاب کے وقت ہوگا وہ ہر وقت حضورؑ پر گزرتا ہے۔ وہ خوف جو انہیں دنیا میں یا آخرت میں ہوتا ہے یا ہوگا وہ سرکار علیہ السلام محسوس کرتے ہیں اور یہی سبب ہے کہ حضورؑ اور حضورؑ کی اولادؑ و بزرگؑ ہر لمحہ بخشش اُمت اور بخشش نوع انسان کے لئے ہر عبادت میں زار وقطار رویا کرتے تھے۔ انہیں احساس مسرت کا وقت نہ ملتا تھا۔ اس لئے کہ ساری نوع انسان ہر وقت نظر کے سامنے سے غائب نہ ہوتی تھی۔ اُن پر، نباتات وجمادات وحیوانات پر گزرنے والی کوئی چیز غائب نہ تھی۔ تو یہ جملہ (خطبہ 126، جملہ 2) تو بہت کم ہے۔ بہت مختصر ہے۔ پوری واردات نہیں۔ واردات کی طرف ایک عاقلانہ، سلجھا ہوا مختصر سا اشارہ ہے۔ وہ کیسے کسی کی شادی پر کھل کھلا کر ہنسیں جب کہ اُس کا جنازہ بھی سامنے ہو اس کی ماں بہنیں روتی ہوئی نظر آرہی ہوں؟

سب کچھ جانتے بوجھتے قبر میں، حشر میں اُس کا حساب لے رہے ہوں۔ باقی مخلوق پر تو اُن کے حالات خاص زمانوں میں گزرتے تھے لیکن حضورؑ کے لئے تو زمان ومکان کی قید نہ تھی۔ یوں رنج وغم وخوف مستقل شعار بن کر رہ گئے تھے۔ یہاں ایک دو آیات سن لیں تو اس جملہ کی تشریح کو روکنے کی کوشش کریں۔ فرمایا گیا ہے کہ:

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِى الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَO فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَO (توبہ 9/81-82)

ترجمہ:''جن صحابہ کو جنگ سے پیچھے رہ جانے کی اجازت دے دی گئی تھی وہ اللہ کے رسولؐ کا ساتھ نہ دینے پر اور گھروں میں آرام سے رہنے پر خوش ہو رہے ہیں۔اور انہیں یہ ناگوار گزرا کہ وہ اللہ کی راہ میں اپنی جانوں اور اپنے مالوں سے جہاد کریں۔اور اُنہوں نے باقی مسلمانوں سے بھی کہا کہ تم بھی اس سخت گرمی کے موسم میں جنگ کے لئے رسولؐ کے ساتھ نہ جاؤ۔اَے رسولؐ اُن کو بتاؤ کہ جہنم کی آگ اس گرمی سے بہت زیادہ گرم ہوگی۔کاش اُن مسلمانوں کو اتنی سمجھ ہوتی۔اب اُن کو چاہئے کہ وہ کم ہنسا کریں اور زیادہ رویا کریں اس لئے کہ یہ صحابی جو کمائی کرتے رہے اُس کی جزا ایسی ہی ہے جس پر رونا زیادہ پڑے گا۔''(سورہ توبہ 82-9/81)

قارئین اُن مسلمانوں کو تو سننے کے بعد بھی رونا نہ آیا ہوگا اور اگر آیا ہوگا تو چند منٹ کے لئے آیا ہوگا۔لیکن محمدؐ و آل محمدؐ تو مستقلاً رنجیدہ رہے۔

خطبہ آگے بڑھتا ہے اور مستقل حزن وملال وغم واندہ اور فکر وخوف کا نتیجہ بیان کرتا ہوا حضورؐ کی پوری پوزیشن سامنے لے آتا ہے۔

خطبے کے اگلے جملے اپنے ترجمہ ہی سے واضح ہوتے چلے جاتے ہیں۔اور عوام کو فلسفیانہ گفتگو سے بچانے اور بات کو اُن کے لئے قابل عمل بنانے کے لئے یہ سبق دیتے ہیں۔کہ ہمہ گیر دردوغم اور خوف وحزن کا نتیجہ یہ ہوا کہ قلب وذہن میں ایک مستقل ہدایت کا چراغ روشن ہوگیا۔لہٰذا اس طرح اگر نوع انسان کا درد تمہارے دل میں رہے گا تو تمہارے لئے بھی اللہ کی طرف سے یہی کچھ ہوگا۔اور قیامت اور باز پرس کے روز تمہاری مدد کرنے والا سامان تمہارے لئے تیار ہو جائے گا۔پانچواں جملہ ہماری وضاحت کو مزید روشنی عطا کرتا ہے۔اور بتاتا ہے کہ حضور علیہ السلام سے محشر وقیامت اور مواخذہ کبھی دُور نہیں رہا ہر وقت سامنے نظارہ رہتا تھا۔اور یہی وجہ ہے کہ حضورؐ کے بیانات میں تنگی کا نام ونشان نہیں ہوتا تھا ہر حقیقت بڑھتے بڑھتے کمال کو پہنچتی چلی جاتی تھی (126/6 خطبہ)۔اور ہر جملہ بتاتا جاتا ہے کہ حقائقِ کائنات اپنی پوری وسعتوں تک آنجناب کے سامنے منکشف تھے (7)۔اور یہ سب کچھ اللہ نے اُن کے سامنے کھول کر رکھ دئے تھے۔اس علم کا نتیجہ یہی تھا کہ خواہشات اور فانی لذات سے دُور سے دُور ہو جائیں اور وہ راہنمائی اور ہدایت کاری کے مقصد میں لاجواب ومنفرد ہو جائیں (8)۔ہدایت کاری میں منفرد اور یگانگت کے معنی ہی یہ ہیں کہ اپنی ذاتی مصلحتوں اور خواہشات کو مدنظر رکھ کر کوئی اقدام نہ کیا جائے اگر ذاتیات کو احکام خداوندی میں داخل نہ کیا جائے تو لازم ہے کہ اللہ ایسے شخص کو ہدایت کے دروازوں کی کنجیاں سونپ دے اور گمراہی کے دروازوں کا قفل بنائے (10)۔چنانچہ حضرت علی علیہ السلام نے قریش اور قریشی حکومت کے تسلط کو چیلنج کر دیا تھا اور تمام عوام کو بتادیا تھا کہ اللہ کی طرف سے جس کے پاس ہدایت کی کنجیاں اور ہدایت کے دروازے ہیں۔ اور جسے ہدایت اور صحیح دین میں داخل ہونا ہو وہ حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو۔یہ اعلانات وہ تمام راہنما سن رہے تھے۔جنہوں نے بعد وفاتِ رسولؐ دین کا ٹھیکہ لے لیا تھا۔اور پبلک کو گمراہ کر رہے تھے۔خلیفہ وقت اور اُس کا نظام حضرت علیؑ کے جواب میں کوئی چیز کوئی دلیل کوئی آیت پیش نہ کر سکتا تھا۔لوگوں کو لوٹ کا مال دینے سے حضورؐ کا جواب نہ ہوسکتا تھا۔لوگ لوٹ کا مال لے کر دنیاوی سہولتیں حاصل کرتے تھے مگر دین کے معاملے میں وہ حضرت علیؑ سے قلبی وابستگی اختیار کرتے جارہے تھے۔حضورؐ نے بتایا ہے کہ قریش کے تیار کردہ گمراہ نظام کے باوجود اُنہوں نے اسلام تک پہنچنے میں حائل تمام دِقتیں دور کردی تھیں مینار ہدایت کو بلند کر دیا تھا اور مسلمانوں کو حقیقی راہنما سے متعارف ہونے کے مواقع فراہم کردئے تھے (11)۔اور اللہ کے دین کی سب سے مضبوط کڑی یعنی امامت کو واضح کر دیا تھا اور بتادیا تھا کہ وہ حضرت خود اُن شعاعوں اور اُس دھوپ کی مانند ہیں جو دین کے سورج سے برس رہی ہیں اور جس کا انکار اندھا شخص بھی نہیں کرسکتا اس لئے کہ دھوپ اور شعاعیں تو جسم کو گرم کردیتی ہیں (13)۔اور اپنے مستقل مقام سے ثابت کر دیا تھا کہ وہ حضورؐ اللہ کی طرف سے بھی اور اپنی اطاعت سے بھی اللہ کے پورے دین کے ذمہ دار

ہیں اوراس بلند مقام پر فائز ہیں جہاں سے دین کی تمام ذمہ داریاں، تمام ضرورتیں اور تمام مقاصد پورے کئے جائیں گے(14)۔اور ہر مختصر بات کو اور ہر دینی شاخ کو دین کی بنیاد سے ملا کر دکھانے کی ذمہ دار ہیں اور گمراہی کے اندھیروں کو دُور کرنے والے چراغ ہیں، تمام اُلجھنوں اور پیچیدگیوں اور گنجلکوں کو واضح کرنے والے ہیں(15)۔الغرض حضورؑ کے اسی ایک خطبے نے قریش سازاسلام کی دھجیاں اُڑا کر رکھ دی تھیں اور دین کا ہر پہلو واضح کر دیا تھا یہ دوسری بات ہے کہ قریشی حکومت کی پیدا کردہ دنیاوی مصروفیتوں کی بنا پر لوگ عمل کرنے سے قاصر رہیں۔قاصر رہنا آدمی کو ذمہ دار بناتا ہے۔لیکن مسئلہ معلوم نہ ہونا ہواُن کے قصور کو ہلکا کرتا ہے۔اسی پہلو کو صاف کرنے کے لئے حضورؑ نے فرمایا ہے کہ میں ہی وہ شخص ہوں جس نے تمہارے اوپر دین کی تمام حجتیں قائم کردیں اور غلط کاری کے لئے عذرات ختم کردے اور تم نے مجھ پر کوئی حجت قائم نہیں کی ہے(41)۔

آل نبیؐ کی مرکزی پوزیشن ابدی حیات کے مالک دین کی کان دین کی زبان۔

ساری دنیا کو بتایا کہ آپؑ دین کی کان ہیں اور زمینوں کے مرکز محور وسہارا ہیں۔یعنی تمام کُرّےاُن کے دم قدم سے قائم ہیں۔وہ قرآن کریم کے ہر حال میں ساتھی، رفیق ہیں قرآن کی امامت وقیادت میں لوگوں کو چلاتے ہیں اُن کی کوئی بات، کوئی فیصلہ قرآن سے ہٹا ہوا نہیں ہوتا (23)۔حضورؑ نے اہلؑ بیت کو دین کے نشانات فرمایا قرآن کی آیات بتایا دین کے مینار قرار دیا ہے(34)۔انہیں دین کی لگام فرمایا ہے حق کے سنبھالنے والے بتایا سچائی کی زبان قرار دیا ہے۔اور تمام انسانوں کے رجوع کرنے کا مقام(36)۔قرآن کو اہل بیتؑ کے مقام بلند کا حامل کہہ کر قیامت تک آنے والے لوگوں کے سامنے یہ چیلنج رکھ دیا کہ قرآن پڑھو اور اہل بیتؑ کا مقام متعین کرلو(37)۔دین کے متعلق جو کچھ سیکھنا ہو وہ اہل بیتؑ سے حاصل کرو(38)۔اوراس کے بعد یہ راز کھولا ہے کہ اہل بیتؑ کی موت ایک عارضی اور وقتی صورت حال ہوتی ہے اس کے بعد وہ اپنی سابقہ زندگی جیتے ہیں(39)۔اوراُن کی زندگی بعدالموت کے متعلق چہ میگوئیاں کرنے سے منع کیا ہے اور فرمایا ہے کہ جن حقائق کا تم انکار کرتے ہو وہی صحیح ہوتے ہیں۔یعنی قریش کے انکار کو حق ہونے کی دلیل سمجھنا صحیح ہے۔اس لئے کہ قریش کا رویہ یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ کی نعمتوں کو پہچانتے ہیں اور جان بوجھ کراُن کا انکار کرتے ہیں۔(یَعۡرِفُوۡنَ نِعۡمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ یُنۡكِرُوۡنَهَا وَاَكۡثَرُهُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ O(16/83)اوراُن کی کثرت ہی حق کو چھپانے والی ہے(40)۔یہی مقام ہے جہاں حضرت علی علیہ السلام یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ میں نے قریش کے پیدا کردہ حالات کے دوران قرآن پر برابر عمل کیا ہے اور یہ فخر کرتے ہیں کہ انہوں نے ثقلین کو برابر محفوظ رکھا اور اُمت کو پہنچایا ہے(42-43)۔اور یہ کہ ایمان کا پرچم بلند رکھا اور تمہیں حدود حلال وحرام سے اِدھراُدھر نہ ہونے دیا۔یعنی حلال کو حرام کرنے اور حرام کو حلال بنالینے کا موقع نہ دیا۔اور آخری جملے میں اجتہاد سے منع کیا(50)۔

قریش کا نظام اجتہاداور مجتہد آخرالزمان قرآن میں مذکور شیطان اور شیطان کا مرشد۔

اس خطبے کی ابتدا میں ہم نے لکھا ہے کہ یہ خطبہ نمبرسترہ کا ضمیمہ ہے یعنی حضور علیہ السلام نے وہاں تفصیل سے قریشی اجتہاد اور مجتہدین کا ذکر فرمایا تھا اور یہاں بھی اُن کا مختصر ذکر کیا ہے۔حضورؑ نے یہاں اپنا تفصیلی بیان کرکے فرمایا ہے کہ:

''میرے مقابلے پرایک دوسرا شخص بھی چلا آرہا ہے جس کا نام جاہلوں نے''عالم'' رکھ دیا ہے حالانکہ اُسے علم سے کوئی تعلق نہیں ہے''(24)۔

یہاں آپ نے قریش کے سب سے بڑے دانشور عمر بن الخطاب کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔جس کو تمام اہل سنت علما نے مسلسل سب سے بڑا مجتہد مانا ہے۔اور پرویز ایسے لوگوں نے جسے اس زمانہ میں شاہکار رسالت کا لقب دیا ہے۔اوراسی نام سے ایک کتاب بھی لکھی ہے جس کا

جواب ہم نے خطبہ نمبر 220 کی تشریح میں مفصل دیا ہے۔ بہر حال حضورؑ نے اس کے متعلق اپنے پہلے ہی جملے (24) میں علم کی نفی کی ہے یعنی اُسے پکا جاہل فرمایا ہے۔ پھر یہ فرمایا ہے کہ اُس نے اپنی ہی قسم کے چند جاہلوں سے علم کے نام پر چند جہالتیں جمع کر لی ہیں اور گمراہ کرنے والوں سے گمراہیوں کا ذخیرہ اکٹھا کر رکھا ہے۔ اس طرح اس نام نہاد عالم نے فریب کا ایک جال بچھایا ہے اور پروپیگنڈے کے زور سے تیار کیا ہوا ایک نظام قائم کر رکھا ہے۔ یوں وہ قرآن کو اپنی رائے پر اور حق کو اپنی مصلحتوں اور خواہشوں پر فٹ کرتا ہے۔ اور اپنے اس نظام کو عوام میں مقبول بنانے کے لئے اُس نے لوگوں کو دین کی ذمہ داریوں سے آزاد کر دیا ہے اور بڑے بڑے جرائم کو ہلکا اور معمولی کر کے لوگوں کو ہم خیال بنالیا ہے۔ وہ کہتا تو یہ ہے کہ میں شبہات پر اقدام نہیں کرتا اور یہ کہ میں بدعتوں سے بچتا ہوں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اُس کا سارا کاروبار شبہات اور بدعت پر منحصر ہے۔ وہ ایک انسان نما جانور ہے نہ ہدایت پر مطلع ہے اور نہ گمراہی ہی پر عبور رکھتا ہے وہ زندہ لوگوں میں مردہ ہے'' (24 تا 33)۔

حضورؑ نے عمر بن الخطاب کا مبلغ علم اور طریق کار دکھایا ہے جو آج بھی جاری ہے۔

جن لوگوں سے عمر نے اپنا نام نہاد علم جمع کیا تھا وہ پہلے نمبر پر تو خود اُسی کے اور اُس ہی جیسے قریشی ایام جاہلیت کے لیڈر تھے۔ پھر اُس نے یہود و نصاریٰ کے مجتہدین کو اپنا راہنما بنایا اور یہودی مکتب اجتہاد سے اجتہاد سیکھا اور حکومت حاصل ہو جانے کے بعد اُس نے ایرانی و یونانی لیڈروں کی ایک جماعت کو اپنے مشیروں میں بڑی بڑی تنخواہوں پر ملازم رکھا اور سابقہ قدیم حکمرانوں کے قوانین کو اسلام کے نام پر مسلمانوں میں بے درنگ رائج کیا (الفاروق اور شاہکار رسالت) یہ تھے عمر بن الخطاب کے تسلیم شدہ ماخذ۔ عمر کا ذکر ختم کر کے آپ نے قریش اور عوام کو آڑے ہاتھوں لیا ہے اور اُن کے بھٹکنے اور بہکنے پر تنبیہ کی ہے اور اُن کے سامنے خود کو اور اہل بیت نبیؐ علیہم السلام کو مع اُن کی صفات اور قرآنی سندات کے ساتھ پیش فرمایا ہے اور اتمام حجت کر دی ہے۔

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر: 86

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 87

خُطبہ ﴿127﴾

قریشی مجتہدین کا اور اللہ کا طریقہ کار اور بنی اُمیہ کا تسلط

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَقْصِمْ جَبَّارِیْ دَهْرٍ قَطُّ اِلَّا بَعْدَ تَمْهِيْلٍ وَّرَخَآءٍ ؛	1	حمد وثنائے خداوندی کے بعد سنو کہ اللہ نے کسی زمانے کے سرکشوں کی ہڈیوں کا چورا نہیں کیا اور انہیں تباہ و برباد نہیں کیا جب تک پہلے ان کو خوشحالی اور اصلاح کے لئے مہلت نہ دی ہو۔
وَلَمْ يَجْبُرْ عَظْمَ اَحَدٍ مِنَ الْاُمَمِ اِلَّا بَعْدَ اَزْلٍ وَّبَلَآءٍ ؛	2	اور کسی امت کی شکستہ ہڈیوں اور بدحالی کی اصلاح کر کے خوشحالی نہیں دی جب تک اس امت کو پہلے آزمائش کے دور سے نہیں گزار لیا۔
وَفِیْ دُوْنَ مَا اسْتَقْبَلْتُمْ مِّنْ عَتْبٍ وَّمَا اسْتَدْبَرْتُمْ مِّنْ خَطْبٍ مُعْتَبَرٌ ؛	3	اور جو جو حالات تم پر پہلے گزر چکے اور جو جو مصائب اور جن سختیوں اور تکلیفوں سے تم گزر چکے ہو ان سے کم بھی پیش آتیں تو سبق لینے کے لئے کافی تھیں۔
وَمَا كُلُّ ذِیْ قَلْبٍ بِلَبِيْبٍ وَلَا كُلُّ ذِیْ سَمْعٍ بِسَمِيْعٍ وَّلَا كُلُّ ذِیْ نَاظِرٍ بِبَصِيْرٍ ؛	4	ہر وہ ہستی جس کو خدا نے قلب عطا کیا ہے صاحب عقل نہیں ہوتی (جیسے تمام جانور) اور اسی طرح ہر کانوں والا سن کر سمجھنے والا نہیں ہوتا اور ہر دیکھنے والا یا آنکھوں والا صاحب بصیرت نہیں ہوا کرتا ہے۔
فَيَا عَجَبًا وَمَالِیَ لَا اَعْجَبُ مِنْ خَطَآءِ هٰذِهِ الْفِرَقِ عَلٰى اِخْتِلَافِ حُجَجِهَا فِیْ دِيْنِهَا ؛	5	مجھے تعجب ہے اور مجھے تعجب نہ ہونے کا کوئی سبب بھی نہیں ہے کہ ان فرقوں نے کتنی غلطیاں کی ہیں اور کس طرح ایک ہی دین کے اندر اپنی اپنی مختلف دلیلوں کی وجہ سے کتنے فرقے بنالئے ہیں۔
لَا يَقْتَصُّوْنَ اَثَرَ نَبِیٍّ وَّلَا يَقْتَدُوْنَ بِعَمَلِ وَصِیٍّ ؛	6	وہ سب کے سب نہ تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ کے راستے اور طریقے پر چل رہے ہیں اور نہ ہی وہ نبیؐ کے وصی کی اقتداء کر رہے ہیں۔
وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِغَيْبٍ وَّلَا يَعِفُّوْنَ عَنْ عَيْبٍ ؛	7	اور نہ ہی وہ تمام فرقے غیب پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ ہی اپنا دامن کسی عیب اور برائی سے محفوظ رکھتے ہیں۔

یَعۡمَلُوۡنَ فِی الشُّبُھَاتِ وَیَسِیۡرُوۡنَ فِی الشَّھَوٰتِ ؛	8	ان کے اعمال واقدامات کی بنیاد شبہات پر ہے اور وہ بے تحاشہ خواہش پرستی کی دوڑ میں لگے ہیں۔
اَلۡمَعۡرُوۡفُ فِیۡھِمۡ مَاعَرَفُوۡا	9	جس چیز کو وہ اچھا اور جائز سمجھیں ان کے نزدیک وہی چیز اللہ کے یہاں بھی اچھی اور جائز ہے اور جس چیز کو وہ برا اور گناہ سمجھیں وہی اللہ کے یہاں بھی بری اور گناہ ہے۔
وَالۡمُنۡکَرُعِنۡدَھُمۡ مَّااَنۡکَرُوۡا ؛		
مَفۡزَعُھُمۡ فِی الۡمُعۡضِلَاتِ اِلٰی اَنۡفُسِھِمۡ	10	دینی مشکلات کو حل کرنے کے لئے انہوں نے اپنے آپ کو کافی سمجھ رکھا ہے۔
وَتَعۡوِیۡلُھُمۡ فِی الۡمُبۡھِمَاتِ عَلٰی آرَائِھِمۡ ؛	11	اور پوشیدہ اور غیر واضح معاملات میں انہیں اپنی ذاتی رائے پر پکا بھروسہ ہے۔
کَاَنَّ کُلَّ امۡرِئٍ مِنۡھُمۡ اِمَامُ نَفۡسِہٖ ؛	12	گویا ان میں کا ہر شخص بذاتِ خود ایک امام ہے۔
قَدۡ اَخَذَ مِنۡھَا فِیۡمَا یَرٰی بِعُرًی ثِقَاتٍ وَاَسۡبَابٍ مُحۡکَمَاتٍ ؛	13	اور ان کے خیالات میں انہوں نے جو کچھ سمجھا اور دیکھا ہے وہی دین کی مضبوط ترین دلیل اور محکم ترین راہِ عمل ہے۔
حَتّٰی یَظُنَّ الظَّانُّ اَنَّ الدُّنۡیَا مَعۡقُوۡلَۃٌ عَلٰی بَنِیۡ اُمَیَّۃَ تَمۡنَحُھُمۡ دَرَّھَا ؛	14	ان لوگوں کے قائم کردہ نظام کا غلبہ اس حد تک پہنچے گا کہ ایک مخصوص مدبر یہ تصور پیش کردے گا کہ:''اب یہ حکومت اور مملکت اور ساری دنیا بنی امیہ کے چنگل میں لٹکتی رہے گی اور ان ہی کو اپنے فائدے اور تمام انعامات بخشتی رہے گی۔
وَتُوۡرِدُھُمۡ صَفۡوَھَا	15	اور ان ہی کو اپنے صاف اور شیریں چشمے پر لاتی رہے گی تا کہ وہ سیراب ہوں۔
وَلَایُرۡفَعُ عَنۡ ھٰذِہِ الۡاُمَّۃِ سَوۡطُھَا وَلَاسَیۡفُھَا ؛	16	اور یہ کہ اس امت سے کبھی بھی بنی امیہ کے کوڑے،تازیانہ اور تلواریں اٹھنے نہ پائیں گے یعنی امت پر ان کا دائمی قابو برقرار رہے گا۔''
وَکَذَّبَ الظَّانُّ لِذٰلِکَ ؛	17	لیکن اصلیت اس قدر ہے کہ اس مدبر اور سیاسی لیڈر نے یہ جھوٹا پروپیگنڈا کیا ہے!! بات اتنی سی ہے کہ:
بَلۡ ھِیَ مُجَّۃٌ مِّنۡ لَذِیۡذِ الۡعَیۡشِ یَتَطَعَّمُوۡنَھَا بُرۡھَۃً ؛	18	یہ تو زندگی کے انقلابات میں سے ایک ایسا انقلاب ہے جس میں بنی امیہ کو یہ موقع ملا ہے کہ وہ بھی دنیا کی شیرینی سے منہ بھر کر چکھ لیں اور
ثُمَّ یَلۡفِظُوۡنَھَا جُمۡلَۃً	19	پھر جو کچھ چکھا تھا اسے بڑی ناگواری کے ساتھ اگلتے اور تھوکتے چلے جائیں''

نوٹ: جملہ نمبر 14 تا 19 لاپرواہی کی بنا پر سابقہ خطبہ (126، مفتی جعفر حسین 85، علی نقی طہرانی 86) کے آخر میں لکھے چلے آرہے تھے ہم نے اُن کو وہاں سے ہٹا کر یہاں لکھا ہے۔

تشریحات:

حضرت علی علیہ السلام نے اس خطبے کی ابتدا اللہ کے قانون سے شروع کی ہے۔اور بتایا ہے کہ اللہ ہر قوم کو بحیثیت قوم بھی اور انفرادی طور پر بھی پھلنے پھولنے اور ترقی کرنے کا موقع دیتا ہے۔لیکن اگر اس موقع کے درمیان وہ قوم یا فرد سرکشی اختیار کرتے ہیں تو انہیں تباہ کرنے کا قانون جاری کر دیا جاتا ہے تا کہ اُن کی سرکشی اور مظالم سے باقی لوگوں کو محفوظ کر دیا جائے۔اس قانون کو بیان کرنے کے بعد اپنے زمانہ کے قریش اور اُن کے زیر اثر لوگوں سے فرمایا ہے کہ تم پر جو کچھ گزرا وہ سبق لینے اور راہ راست کو اختیار کرنے کے لئے بہت کافی ہے لیکن تم نے اپنے حالات سے سبق نہیں لیا ہے لہٰذا ہوشیار رہو کہ اُس کے بعد تباہی کا قانون تم پر نافذ ہو سکتا ہے۔

جو قرآن میں اللہ کی تنبیہات کی پرواہ نہ کریں وہ علیؑ کی پرواہ بھلا کیوں کریں؟

یہ تنبیہات اور نصیحتیں اُن لوگوں کو کی جا رہی تھیں جنہوں نے قرآن میں ایسی بہت سی آیات پڑھی تھیں جن میں سابقہ اقوام کی سرکشی اور تباہی بیان کی گئی تھی۔مثلاً:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓی اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِکَ فَاَخَذْ نٰھُمْ بِالْبَاْ سَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّھُمْ یَتَضَرَّعُوْنَ O فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَ ھُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰکِنْ قَسَتْ قُلُوْ بُھُمْ وَزَیَّنَ لَھُمُ الشَّیْطٰنُ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ O فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُکِّرُوْ بِہٖ فَتَحْنَا عَلَیْھِمْ اَبْوَابَ کُلِّ شَیْءٍ حَتّٰٓی اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰھُمْ بَغْتَۃً فَاِذَا ھُمْ مُّبْلِسُوْنَ O فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ O (انعام 6/42-45)

”آپؐ سے پہلے ہم نے بہت سی اُمتوں کی طرف رسولؑ بھیجے اور اُن قوموں کو مصائب اور تکلیفوں میں مبتلا کیا تا کہ وہ عاجزی اور شریفانہ رویہ اختیار کر لیں۔چنانچہ جب اُن پر ہماری طرف سے گرفت کی گئی تو کیوں نہ اُنہوں نے عاجزی کا رویہ اختیار کیا؟ اس لئے کہ اُن کے شیطان (مجتہد) نے اُن کی نظروں میں اُن کے اعمال کو سجا کر اچھا بنا کر پیش کیا اور یوں اُن کے دل اور سختی سے کاربند ہو گئے۔پھر جب اُنہوں نے اُن ہدایات کو قطعاً بھلا دیا جو انہیں برابر کی جاتی رہی تھیں تو ہم نے اُن کے اوپر تمام نعمتوں اور آسائشوں کے دروازے کھول دئے جب ہماری عطا کردہ اُن نعمتوں پر مطمئن اور مگن ہو گئے تو ہم نے اچانک اُنہیں گرفت میں لے لیا۔اور ظلم کرنے والی قوم کی جڑیں کاٹ دی تھیں۔تمام ستائش اللہ کے لئے ہے جو پوری کائنات کا پروردگار ہے۔“

بہر حال حضور علیہ السلام بھی اپنے خطبات میں تنبیہات فرماتے اور اتمام حجت کرتے رہتے تھے۔اور یہاں بھی قوم کے مجتہدین برابر عوام اور خواص کو ان کے اعمال سجا کر دکھاتے رہتے تھے۔وہ قتل عام اور لوٹ مار و غارت گری کو جہاد کہہ کر مقدس فعل بنا دیتے تھے اور اپنے عقلی اختلاف اور اپنی اپنی مصلحتوں کے ماتحت طرح طرح کے مسائل اور فتاویٰ جاری کرتے رہتے تھے۔

عہد مرتضوی تک قریش کے نظام اجتہاد نے مسلمانوں میں بہت سے فرقے بنا دئے تھے۔

لہٰذا مختلف فرقے وجود میں آتے جا رہے تھے۔جن پر حضورؑ نے تعجب فرمایا ہے (5)۔اور لوگوں کو متنبہ کیا ہے کہ صرف شکل و صورت دیکھ کر کسی کو صاحب عقل اور سمیع و بصیر نہ سمجھ لینا چاہئے۔اس لئے کہ جانوروں کے بھی قلب ہوتے ہیں مگر وہ صاحب عقل نہیں ہوتے اُن کے بھی کان ہوتے ہیں مگر وہ ہر بات سن کر اسے سمجھ نہیں جاتے آنکھیں جانوروں کو بھی دی گئی ہیں مگر اُنہیں صاحب بصیرت و بصارت نہیں کہا جا سکتا ہے اور اللہ نے تو مجتہد قسم کے لوگوں کو جانوروں سے بدتر اور گمراہ تر فرمایا ہے۔

وہ انسان اور جنات جن کو جہنم کے لئے پھیلایا ہے جو فہم وبصارت وسماعت کو آزادی نہیں دیتے۔

چنانچہ اس سلسلے میں اللہ نے فرمایا ہے کہ:

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ O۔(اعراف 7/179)

''اور حقیقت یہ ہے کہ بہت سے جن اور انسان ایسے ہیں جنہیں ہم نے جہنم کے لئے پھیلایا ہے وہ اس لئے کہ اُن کے قلوب بنائے مگر وہ دلوں کو سمجھنے کی آزادی نہیں دیتے انہیں آنکھیں دیں مگر وہ اُن کو دیکھنے میں آزاد نہیں رکھتے اُن کے کان ہیں مگر وہ سننے میں آزاد نہیں ہیں۔ وہ لوگ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ اُن سے بھی زیادہ گمراہ ہیں اور وہ لوگ حقیقت میں غفلت شعار ہیں۔''

حضورؐ کا منشا ان تنبیہات سے یہ ہے کہ تم ان مسائل گھڑنے والوں اور مختلف فتاویٰ صادر کرنے والوں کو صاحبان فہم وفراست اور سمیع وبصیر سمجھ کر اندھا دُھند اُن کی پیروی نہ کیا کرو(4)۔ بلکہ یہ دیکھو کہ اگر اُن کے فتاویٰ اور احکام اللہ کی منشا کے مطابق ہوتے تو اُن میں اختلاف نہیں ہوسکتا تھا۔ اور ایک ہی دین کے ایک ہی قرآن سے اتنے مختلف فرقے نہ بن جاتے درحقیقت بات یہ ہے کہ مجتہد لوگ نہ اللہ کے حکم پر چلتے ہیں نہ رسولؐ کے راستے پر عمل کرتے ہیں نہ وصی کی پیروی کرتے ہیں(6)۔ نہ یہ غیب پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ بُری باتوں اور عیوب سے بچنے کی پالیسی پر عمل کرتے ہیں(7)۔ دراصل یہ سب خود ہی امام اور راہنما بن بیٹھے ہیں (127/12 خطبہ)۔ اور خود ہی امام بن بیٹھنے کے بعد اُن کا عملدرآمد شبہات پر ہے اور اپنی ضرورتوں اور خواہشوں کو پورا کرتے رہنا اُن کا مقصد ہے(8)۔ اُنہوں نے یہ فیصلہ کر رکھا ہے کہ جس بات، جس چیز یا جس کام کو وہ اچھا سمجھیں اللہ خود اُسے اچھا سمجھتا ہے اور جس بات جس چیز اور جس کام کو وہ بُرا سمجھیں اللہ بھی اُسی کو بُرا سمجھتا ہے۔

عبداللہ ابن مسعود صحابی اور عمر کے شاگرد کا مسلمہ قانون دیکھئے۔

حضرت علی علیہ السلام کا یہ جملہ(9) قریشی حکومت کا تیار کیا ہوا قانون ہے جسے علامہ محمصانی (مصری) نے اپنی کتاب **فلسفة التشريع اسلامی** میں شریعت کی ذیل میں یوں لکھا ہے کہ:

مَارَاٰهُ الْمُسْلِمُوْنَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ وَّمَارَاٰهُ الْمُسْلِمُوْنَ قبيحًا فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ قَبِيْحٌ ۔(صفحہ 123 ترجمہ)

''یعنی جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ چیز اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہوتی ہے اور جس چیز کو مسلمان بُرا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بُری ہوتی ہے۔''

قریشی مجتہدین کا بنایا ہوا یہ قانون عقلِ انسانی اور قرآن کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ (2/216) میں مسلمانوں کی کثرت کی پسند میں شر کے موجود ہونے کا، ناپسند میں خیر کی موجودگی کا اعلان فرمایا اور یہی بات سورہ نساء (4/19) میں فرمائی ہے لیکن مجتہدین نے اللہ کو مجبور کر دیا ہے کہ مسلمانوں کی پسند کو پسند کرے اور ناپسند کو ہر حال میں ناپسند کیا کرے۔ حالانکہ اللہ ساری نوع انسان کی پسند کو کوئی مقام نہیں دیتا سوائے اس کے کہ اُن کی اطاعت میں گمراہی کا امکان ہے دیکھئے سورہ انعام میں فرمایا ہے کہ:

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَO(6/117)

''اگر تم باشندگان دُنیا کی اکثریت کے کہنے پر چلو تو وہ اکثریت تمہیں اللہ کے صحیح راستے سے ہٹا کر گمراہی کی طرف لے جائے گی اس لئے

نوع انسان کی کثرت تو گمان کی پیروی کرتی ہے اور قیاس آرائیوں سے کام چلاتی ہے۔''

ذرا سوچئے کہ پوری نوع انسان کے سامنے مسلمانوں کی کل تعداد کی کیا نسبت ہے؟ اور کس بنا پر اللہ اُن کی ہر بات کے ساتھ ساتھ بندھا رہ سکتا ہے؟ بہر حال ایسے تھے مسلمانوں کے صحابہ اور قریشی مجتہدین جن کا سارا کاروبار شبہات اور شہوات پر چلتا تھا (8) اور اس جہالت کے ساتھ ساتھ وہ اس بدہضمی میں مبتلا تھے کہ وہ تمام دینی مشکلات کو سلجھانے کے لئے کافی ہیں (10) اور اُلجھے ہوئے مسائل کو حل کرنے کے لئے اُن کی رائے قابل اعتماد ہے (11) اور یہ بھی کہ اُن کی سمجھ ہی دین کی دلیل و حجت ہے (13)۔

بنی اُمیہ کے تسلط، غلبہ اور قابو پر تمام دانشوران قریش کے فیصلے کو حضرت علیؑ نے غلط قرار دیا تھا۔

بنی اُمیہ کے طرزِ حکومت اور اُن کا قاہرانہ و جابرانہ فوجی تسلط اور ملک شام کی اطاعت و فرمانبرداری کو دیکھنے والوں نے اس پالیسی پر یقین کر لیا تھا جو سابقہ تینوں قریشی خلفا نے تیار اور عملاً جاری کی تھی کہ حکومت خاندان ابوسفیان میں پہنچنے کے بعد وہاں سے باہر نہ نکل سکے (خطبہ 127، جملے 14 تا 16) اور اس مقصد کے لئے قریش نے اپنا پورا تعاون اور زور لگا دیا تھا۔ مگر حضرت علی علیہ السلام کے فیصلے نے قبل از وقت یہ پیشنگوئی کر دی تھی کہ بنی اُمیہ کو اس حکومت سے حاصل کیا ہوا سب کچھ جلد ہی اُگلنا پڑے گا (خطبہ 127، جملے 17 تا 19)۔

بنی اُمیہ سے عباسیوں نے خلافت چھینی اور اُن سے سب کچھ اُگلوا لیا تھا، ایک صدی کا راج۔

اِس خطبے کے بعد بنی اُمیہ کا تسلط و اقتدار جس حد تک پہنچا وہ یہ تھی کہ اُن کے خلفا کے حکم سے خاندان رسولؐ کا اور اُن کے تمام طرفداروں کا قتل کیا گیا خاندان رسولؐ کی عورتوں کو قید میں ڈال دیا گیا۔ ہزارہا انسان جلاوطن ہو کر سندھ اور دوسرے ممالک میں پہنچے اور عہد مرتضویؑ ہی سے لے کر حکومت کے زوال تک برابر خاندان رسولؐ اور علیؑ مرتضیٰ کی اولادؑ پر نام بنام تمام مساجد کے منبروں سے لعنت اور تبرا کیا جاتا رہا۔ سوچئے کہ حضرت علیؑ پر برسرِ منبر پوری مملکت میں لعنت ہوتی رہی لیکن قریشی خلفا کو برحق ماننے والے اہل سنت والجماعت کے لوگوں نے نہ کوئی احتجاج کیا نہ پلٹ کر اُن خلفا پر لعنت کی نہ اُن کے مذہب و مسلک کو غلط سمجھا۔ تسلط و غلبہ کی جباریت نے رفتہ رفتہ دم توڑ دیا۔ (تفصیلات کتاب مذہب شیعہ میں

ایک قریشی عالم اسلم جیراج پوری کا عنوان۔ ''بنی اُمیہ سے انتقام'' ملاحظہ فرمائیں۔

اسلم خارجی لکھتا ہے کہ:

''عباسیوں نے بنی اُمیہ سے جو اُن کے ایک جدی بھائی تھے انتقام لینے میں جس قساوت قلبی اور بے رحمی کا اظہار کیا اُس کی مثال (اس ملعون کو) اسلامی تاریخ میں نہیں ملتی (یعنی کربلا میں بھی نہیں) داوٗد نے مکہ اور مدینہ میں جس قدر بنی اُمیہ تھے سب کو قتل کر ڈالا۔ اُس کے بھائی سلیمان نے بصرہ میں یہی کیا۔ جن کو قتل کرتا اُن کو کھنچوا کر راستے میں ڈال دیتا۔ عبداللہ بن علی نے شام میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر بنی اُمیہ کے ایک ایک فرد کو مار ڈالا۔ یہاں تک کہ جوش انتقام میں اُن کے خلفا امیر معاویہ، یزید اور عبدالملک وغیرہ کی قبریں کھدوا ڈالیں۔ اور اُن کی بوسیدہ ہڈیوں کو نکال کر پھینک دیا اور مورخین کا بیان ہے کہ ہشام کی لاش صحیح سالم نکلی تھی صرف ناک گل گئی تھی۔ اس کو کوڑوں سے پٹوا کر سولی پر چڑھا دیا پھر آگ میں جلا کر راکھ ہوا میں اُڑا دی۔ عراق میں سفاح نے خود بنی اُمیہ کے افراد کو قتل کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ استبداد کا مزاج شکی ہے۔ چنانچہ اُن کی یہ سخت گیری بنی اُمیہ تک ہی محدود نہ تھی بلکہ خود اپنے ارکان سلطنت پر بھی اُنہوں نے ہاتھ بڑھایا۔''

(تاریخ اُمت جلد ہشتم صفحہ 94-93)

بنی اُمیہ کے دین پر اسلم کے بکھرے ہوئے ریمارکس۔

''الغرض جس دن سے امیر معاویہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی اُسی دن سے حکومت الٰہی جو دین کا اصل مقصود تھی رفتہ رفتہ قوت وغلبہ سے انسانی حکومت کی تابعدار اور رعایا بنائی گئی۔اور بجز عمر بن عبدالعزیز کے بنی اُمیہ نے دینی قیادت ایک دن بھی نہیں کی۔اُن کی مخصوص سیاست سے قرآن خارج ہو چکا تھا۔اور خاندانی اغراض نے قرآن کی جگہ لے لی تھی۔اس لئے دن بدن خرابیاں بڑھتی گئیں۔یہاں تک کہ حکومت الٰہی کا مفہوم ہی لوگوں کے دماغوں سے جاتا رہا۔عہد بنی اُمیہ میں جبر وقہر کی حکمرانی رہی۔عبدالملک نے بر سر منبر کہا کہ آج سے جوکوئی اس مقام پر مجھ سے کہے گا کہ اللہ کا خوف کر واُس کو قتل کردوں گا۔''(ایضاً صفحہ 89-88)

یہ تھے خلیفۃ المسلمین اور امیر المومنین معاویہ بن ابی سفیان اور اُن کی حکومتیں اسلم جیسے خارجی اور قریش پرست عالم کی نظر میں۔

بہرحال حضرؑت کی پیشنگوئی صرف ساٹھ سال کی مدت میں پوری ہوگئی اور ابوبکر وعمر وعثمان کی پالیسی کا نتیجہ سامنے آگیا۔اور دِلوں میں پوشیدہ مقاصد اور منصوبے ساری دنیا نے دیکھ لئے (بقرہ 205-2/204)۔

''اُن کی جزاء یہ ہے کہ اُن پر اللہ کی اور ملائکہ کی اور انسانوں کی لعنت ہے۔''(آل عمران 3/87)

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر: 87

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 88

خُطبہ ﴿128﴾

زمانہ فترۃ یعنی حضرت عیسیٰؑ کے بعد ظہور محمدؐ تک کے مختصر حالات، تنبیہ اور سامنے کھڑی ایک مصیبت

1۔امتوں کا خواب خرگوش میں مبتلا ہونا اور تمام چیزوں کا شیرازہ بکھرا ہوا ہونا۔2۔دنیا کا فتنوں اور جنگوں کی لپیٹ میں الجھا ہوا ہونا۔3۔پوری دنیا پر خزاں طاری تھی شجر حیات مرجھایا ہوا تھا پتے پیلے ہو کر گر رہے تھے پھلوں سے مایوسی تھی۔4۔ہدایت کے وسائل محو اور ہلاکت کے پرچم بلند تھے۔5۔دنیا تیوریاں چڑھائے ہوئے غصہ میں تھی۔6۔تلواروں کی مار نے خوف و ہراس پھیلا رکھا تھا۔7۔اپنے مخاطب لوگوں کو خبردار کیا کہ تم پر مصیبت اس انداز میں آ رہی ہے کہ تمہاری سواریوں کی باگ لٹک رہی ہے تنگ ڈھیلے ہیں اور جلد وہ ایک تباہ کن ٹھوکر کھانے والی ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَرۡسَلَهٗ عَلٰى حِيۡنِ فَتۡرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ ؛	1	اللہ نے حضورؐ کو اس وقت بھیجا تھا جب تمام رسولوں کے بعد کا وقفہ جاری تھا۔
وَطُوۡلِ هَجۡعَةٍ مِّنَ الۡاُمَمِ؛	2	اور امتیں سونے والوں کی طرح مدت دراز سے غفلت میں مبتلا تھیں۔ یعنی رسولوں سے اور تعلیماتِ خداوندی سے منقطع ہو چکی تھیں۔
وَاعۡتِزَامٍ مِّنَ الۡفِتَنِ ؛	3	اور فتنے برپا کرنے کا پختہ ارادہ اور فیصلہ کر چکی تھیں۔
وَانۡتِشَارٍ مِّنَ الۡاُمُوۡرِ ؛	4	اور تمام ہی دینی معاملات اور کاموں میں ٹوٹ پھوٹ ہو چکی تھی۔
وَتَلَظٍّ مِّنَ الۡحُرُوۡبِ ؛	5	اور جنگ و جدال اقوام میں پھیلا ہوا تھا۔
وَالدُّنۡيَا كَاسِفَةُ النُّوۡرِ ؛	6	اور دنیا نورِ خداوندی کو چھپانے اور بجھانے میں مصروف تھی۔
ظَاهِرَةُ الۡغُرُوۡرِ ؛	7	اس کی فریب کاریاں کھل کر سامنے آ گئی تھیں۔
عَلٰى حِيۡنِ اصۡفِرَارٍ مِّنۡ وَّرَقِهَا ؛	8	یہ وقت وہی تھا کہ بہار کی جگہ خزاں چھا چکی تھی پتے زرد ہو کر گر رہے تھے۔
وَاِيَاسٍ مِّنۡ ثَمَرِهَا ؛	9	اور پھلوں کی طرف سے مایوسی ہو چکی تھی۔
وَاغۡوِرَارٍ مِّنۡ مَائِهَا ؛	10	سیراب کرنیوالا پانی دنیا سے غائب ہو کر زمین کی تہوں میں جذب ہوتا جا رہا تھا۔
قَدۡ دَرَسَتۡ مَنَارُ الۡهُدٰى وَظَهَرَتۡ اَعۡلَامُ الرَّدٰى ؛	11	ہدایت کے مینار اور وسائل حقیقتاً مٹا دئے گئے تھے اور گمراہی کے پرچم غلبہ پا چکے تھے۔"

فَهِيَ مُتَجَهِّمَةٌ لِاَهْلِهَا عَابِسَةٌ فِي وَجْهِ طَالِبِهَا ثَمَرُهَا الْفِتْنَةُ وَطَعَامُهَا الْجِيفَةُ وَشِعَارُهَا الْخَوْفُ وَدِثَارُهَا السَّيْفُ ؛	12	چنانچہ دنیا اہل دنیا پر برائی کے لئے تیوری چڑھائے دیکھ رہی ہے اور اپنے چاہنے والوں کے ساتھ سنجیدہ چہرہ سے پیش آ رہی ہے۔اس دنیا کا پھل اور ثمرہ سراسر فتنہ ہے اور اس کا دیا ہوا کھانا مردار کی طرح ہے اور اس کا عمل درآمد خوف زدہ کرنا ہے۔اور اس کا وہی رویہ ہے جو تلوار کا ہوتا ہے۔
فَاعْتَبِرُوا عِبَادَ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا تِيكَ الَّتِي آبَاؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ بِهَا مُرْتَهَنُونَ وَعَلَيْهَا مُحَاسَبُونَ	13	اے خدا کے بندو تم سبق لو اور یاد کرو ان اعمال و کردار کو جن کی برائیوں میں تمہارے باپ دادا اور بھائی بند گرفتار اور رہن پڑے آ رہے تھے۔اور ان پر محاسبہ اور باز پرس کی جانے والی ہے۔
وَلَعَمْرِي مَاتَقَادَمَتْ بِكُمْ وَلَا بِهِمُ الْعُهُودُ؛ وَلَا خَلَتْ فِيمَا بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمُ الْاَحْقَابُ وَالْقُرُونُ وَمَا اَنْتُمُ الْيَوْمَ مِنْ يَوْمٍ كُنْتُمْ فِي اَصْلَابِهِمْ بِبَعِيدٍ ؛	14	اپنی جان کی قسم کہ تمہارے اور ان کے درمیان بہت سے زمانے نہیں گزر گئے ہیں یعنی ابھی کل ہی کی بات ہے کہ وہ تمہارے سامنے تھے۔اور نہ ابھی تمہارے اور ان کے درمیان صدیاں گزریں نہ دہائیاں گزریں اور نہ وہ زمانہ بہت دور چلا گیا جب تم ان کے صلب میں تھے (یعنی آج تک ان کے تمہارے درمیان اتنے ہی سال تو گزرے ہیں جتنی تمہاری اس وقت عمریں ہیں اور تم میں کوئی بھی سو سال کا نہیں ہے)
وَاللّٰهِ مَا اَسْمَعَهُمُ الرَّسُولُ شَيْئًا اِلَّا وَهَا اَنَا ذَا الْيَوْمَ مُسْمِعُكُمُوهُ وَمَا اَسْمَاعُكُمُ الْيَوْمَ بِدُونِ اَسْمَاعِهِمْ بِالْاَمْسِ ؛	15	خدا کی قسم ان کو جو کچھ بھی رسول اللہ نے سنایا تھا اس میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جو آج میں تم کو نہ سنا رہا ہوں۔اور نہ آج جو کان تمہیں ملے ہوئے ہیں ان کے کانوں سے گھٹیا ہیں جو کل انہیں ملے تھے۔
وَلَا شُقَّتْ لَهُمُ الْاَبْصَارُ وَلَا جُعِلَتْ لَهُمُ الْاَفْئِدَةُ فِي ذٰلِكَ الْاَوَانِ اِلَّا وَقَدْ اُعْطِيتُمْ مِثْلَهَا فِي هٰذَا الزَّمَانِ؛	16	اور نہ ان کے زمانے میں جو آنکھیں اور جو دل ان لوگوں کو دئے گئے تھے وہ کوئی اور قسم کی آنکھیں اور دل تھے بلکہ اسی قسم کی آنکھیں اور دل یقیناً تمہیں بھی اس زمانے میں دیئے گئے ہیں۔
وَوَاللّٰهِ مَا بُصِّرْتُمْ بَعْدَهُمْ شَيْئًا جَهِلُوهُ وَلَا اُصْفِيتُمْ بِهِ وَحُرِمُوهُ؛	17	اور قسم بخدا کہ ان کے بعد تمہیں کوئی ایسی نئی چیز نہیں بتائی گئی ہے کہ جس سے ان کو جاہل رکھا گیا ہو اور نہ تمہیں کوئی ایسی خاص چیز دی گئی ہے جس سے انہیں محروم رکھا ہو۔
وَلَقَدْ نَزَلَتْ بِكُمُ الْبَلِيَّةُ جَائِلًا خِطَامُهَا رِخْوًا بِطَانُهَا ؛	18	اور البتہ یہ صحیح ہے کہ تم پر ایک ایسی بلا یا آزمائش نازل ہوگئی ہے کہ جس کی نکیل قابو سے باہر ہوگئی ہے اور اس کا تنگ ڈھیلا ہو گیا ہے جو کہیں نہ کہیں

		تمہیں گرا کر رہے گی۔
فَلَا یَغُرَّنَّکُمْ مَّا اَصْبَحَ فِیْهِ اَهْلُ الْغُرُوْرِ ؛	19	چنانچہ خبردار رہو کہ یہ دھوکے میں مبتلا لوگ تمہیں بھی دھوکہ میں مبتلا نہ کردیں کہ تم ان کے ٹھاٹھ اور شان پر پھسل پڑو۔
فَاِنَّمَا هُوَظِلٌّ مَمْدُوْدٌ اِلٰی اَجَلٍ مَعْدُوْدٌ ؛	20	وہ تو ایک بڑھتا ہوا سایہ ہے اور اس کی گنتی کی گھڑیاں ہیں پھر غائب ہو جائے گا۔

تشریحات:

اس خطبے میں حضور علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور کے زمانہ کے وقت کا حال بیان فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ آنحضرتؐ کی بعثت سے پہلے ایک ایسا زمانہ گزر چکا تھا جس میں رسولوںؑ کی آمد کا سلسلہ منقطع رہ چکا تھا۔ اس زمانہ کا ذکر قرآن کریم میں بھی یوں کیا گیا ہے کہ:

یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَكُمْ عَلٰی فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِیْرٍ وَّلَا نَذِیْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِیْرٌ وَّنَذِیْرٌ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌO۔(مائدہ5/19)

''اے اہل کتاب ہمارا یہ رسولؐ ایسے وقت میں تمہارے پاس آیا ہے اور دین کی واضح تعلیم تمہیں دے رہا ہے جب کہ رسولوںؑ کی آمد کا سلسلہ ایک مدت سے بند تھا۔ تاکہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہمارے پاس تو کوئی نہ بشارت دینے والا آیا نہ برُے نتائج سے خبردار کرنے والا آیا۔ لہٰذا وہ بشارت دینے والا اور ڈرانے والا آ گیا ہے اور تمہاری شکایت اور عذر کا سدباب کر دیا گیا ہے۔ اسلئے کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔''

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ آنحضرتؐ سے پہلے آخری رسولؐ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئے تھے اور اُن کے بعد چھ سات صدیاں یعنی کئی ایک نسلیں اُس وقفے میں گزریں جس میں کوئی رسولؑ نہیں آیا تھا۔ اور اس دوران قوموں اور اُمتوں کی راہنمائی حضرت عیسیٰؑ اور حضرت موسیٰؑ کی اُمتوں کے علما کر رہے تھے۔ اور راہنمائی توریت وانجیل کے نام پر ہو رہی تھی۔ لیکن توریت وانجیل کا صرف نام تھا جیسے آج قرآن کا صرف نام لیا جاتا ہے۔ نہ یہ قرآن پر عمل کرتے ہیں نہ وہ توریت وانجیل پر عمل کرتے تھے۔ یہ بھی اپنی مصلحتوں اور ضرورتوں اور مقاصد پر قرآن کو فٹ کر لیتے ہیں اور وہ بھی توریت وانجیل کو اپنے اجتہاد اور رائے پر ڈھالتے رہتے تھے۔ اِن میں بھی سیکڑوں فرقے بن گئے ہیں اُن میں بھی طرح طرح کے مذاہب ظہور میں آ گئے تھے۔ یہ بھی عذاب وعتاب خداوندی میں مبتلا اور دنیا کی اقوام میں ذلیل وخوار ہیں وہ بھی اس خطبے کے مطابق فتنوں کی ایجادات کر رہے تھے (128/3 خطبہ) اور لوگوں کو انتشار میں مبتلا کر رکھا تھا (4) اور جنگ وجدل سے تباہ ہو رہے تھے (5) اپنی بدکرداری اور فری اسٹائل شریعت سازی سے تعلیمات خداوندی کے نور کو بجھایا جا رہا تھا (6) اللہ نے قرآن میں اُن کی شریعت سازی، بدکرداری اور فتنہ انگیزی کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ہم ایک آیت لکھتے ہیں جس میں اللہ نے اُن سے شکایت کی ہے۔ اور اُن کے نعمتوں سے محروم رہنے کا سبب بیان فرمایا ہے کہ:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ وَكَثِیْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا یَعْمَلُوْنَ O(5/66)

''کاش اُنہوں نے توریت اور انجیل اور اُن دوسری کتابوں کو قائم کیا ہوتا جو اُن کے پروردگار کی طرف سے اُن کے پاس بھیجی گئی تھیں اگر وہ اُن پر عمل کرتے تو اُن کے لئے اوپر سے رزق برستا اور نیچے سے اُبلتا۔ اگرچہ اُن میں کچھ لوگ راست رو بھی ہیں لیکن اُن کی کثرت بدکار وبدعمل ہے۔''

اس سے معلوم ہو گیا کہ یہود و نصاریٰ نے توریت و انجیل اور دوسری کتابوں پر عمل قطعاً ترک کر دیا تھا۔ اور اُن کی تنگ حالی و تنگدستی کا یہی سبب تھا۔ دوسرے مقام پر یہ فرمایا ہے کہ جب تک یہ لوگ توریت و انجیل کو اپنا مستقل راہنما نہ بنائیں اور تمام کتابوں پر عمل پیرا نہ ہوں تو وہ بے دین شمار کئے جائیں گے (5/68) یہ بھی اُن کی مکمل حالت اور اُن کے علما کا طریقہ تھا کہ اللہ نے فرمایا کہ:

لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ O (5/63)

''کیوں اُن کے علما اور مشائخ گناہ اور جرائم کی باتیں کرنے سے اپنی پبلک کو نہیں روکتے اور حرام کھانے کی ممانعت نہیں کرتے یقیناً جس بے دینی کو وہ ایجاد کر رہے ہیں وہ بہت بُرا عملدر آمد ہے۔''

یہ تھی وہ صورت حال جو سابقہ اُمتوں کے علما نے اختیار کر رکھی تھی اور یہ تھا اُن اُمتوں کے عوام کا حال کہ وہ کُھل کر گناہوں اور حرام پر عمل کرتے اور علما اُنہیں مدد دیتے تھے۔ اور اسی کا سبب تھا کہ حضرت علی علیہ السلام نے اس خطبے میں اس زمانہ کا ذکر فرمایا ہے جس زمانے میں رسولوںؑ کی آمد کا سلسلہ بند تھا۔ اور علما و مشائخ اور مجتہدین آزاد تھے اُن کی ہر بات اللہ کی بات سمجھی جاتی تھی۔ رفتہ رفتہ اُن کے ساتھ اللہ نے وہ سلوک کیا جو حضرت علی علیہ السلام نے تفصیل سے بیان فرمایا ہے (خطبہ 26، جملے 8 تا 11)۔

بنی اُمیہ اور قریشی اقتدار کو ایک آزمائش اور خطرناک بلا فرمایا ہے اور بچنے کی تاکید کی ہے۔

حضور علیہ السلام نے اپنے مخاطبین کو بڑے پیارے انداز سے نصیحت فرمائی ہے اور بتایا ہے کہ تمہارے ابا واجداد بھی اُن ہی حالات سے گزرے ہیں لہٰذا تمہیں غلط روی سے بچنا چاہئے۔ تمہارے لئے جو تباہ کن بلا سامنے ہے وہ ایک بے لگام قوم ہے جن کو اللہ نے ڈھیل دے رکھی ہے۔ سہولت حاصل ہے اور وہ کُھل کر آزادانہ زندگی بسر کر رہی ہے اگر تم بھی اُن کے راہ چلے تو آزادروی اور بے مہاری کی وجہ سے تمہیں ٹھوکر کھانا پڑے گی۔ یاد رکھو یہ عیش چندروزہ ہے جو سایہ کی طرح سمٹ جائے گی (خطبہ 26، جملے 18 تا 20)۔

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 88

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 89

خُطبہ ﴿129﴾

اللہ اور کائنات سے ہلکا سا مگر مفید تعارف: اللہ کب سے ہے؟ دشمنوں اور دوستوں سے اُس کا سلوک ۔2۔ سورج اور چاند کا کردار، چیزوں کو نیا اور پُرانا اور نزدیک و دُور کرنا ۔3۔ انسانوں کے لئے چند ضروری ہدایات ۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡم

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الۡمَعۡرُوۡفِ مِنۡ غَيۡرِ رُؤۡيَةٍ ؛	1	حمد وثنا اللہ کے لئے شایان شان ہے جس نے آنکھوں سے نظر نہ آنے کے باوجود اپنے انتظام سے خود کو معروف کرا دیا ہے ۔
وَالۡخَالِقِ مِنۡ غَيۡرِ رَوِيَّةٍ ؛	2	کسی سوچ بچار کے بغیر ہی پوری کائنات اور اس میں موجود کروڑوں قسم کی مخلوقات کا پیدا کرنے والا ہے ۔
اَلَّذِيۡ لَمۡ يَزَلۡ قَائِمًا دَائِمًا ؛	3	وہی اللہ جو ہمیشہ سے ہمیشہ کے لئے قائم وموجود ہے ۔
اِذۡ لَا سَمَـآءٌ ذَاتُ اَبۡرَاجٍ وَّلَا حُجُبٌ ذَاتُ اَرۡتَـاجٍ وَلَا لَيۡلٌ دَاجٍ وَّلَا بَحۡرٌ سَـاجٍ وَّلَا جَبَلٌ ذُوۡ فِجَاجٍ وَّلَا فَجٌّ ذُوۡ اَعۡوِجَاجٍ وَّلَا اَرۡضٌ ذَاتُ مِهَادٍ وَّلَا خَلۡقٌ ذُوۡ اِعۡتِمَادٍ ؛	4	اُس وقت بھی قائم وموجود تھا جب کہ یہ بُرجوں والا آسمان بھی نہ تھا اور نہ ہی اُن عظیم الشان دروازوں پر لٹکنے والے پردے تھے اور نہ ہی یہ تاریکی پھیلا دینے والی رات تھی اور نہ یہ متین اور ساکت سمندر تھے اور نہ یہ گھاٹیوں اور پگڈنڈیوں والے پہاڑ تھے اور نہ ہی یہ آڑی ترچھی لہریہ دار پہاڑی راہیں تھیں اور نہ یہ گہوارہ اور بستر بننے والی زمین ہی تھی اور نہ یہ قوت وتوانائی اور بھروسہ کے قابل مخلوق تھی ۔
ذٰلِكَ مُبۡتَدِعُ الۡخَلۡقِ وَوَارِثُهُ وَاِلٰهُ الۡخَلۡقِ وَرَازِقُهُ ؛	5	وہی تخلیق اور مخلوقات کی ابتدا اور ایجاد کرنے والا اور ان سب کا وارث ہے اور وہی تمام مخلوقات کا معبود اور ان سب کو سامان بقا و ترقی فراہم کرنے والا ہے ۔
وَالشَّمۡسُ وَالۡقَمَرُ دَائِبَانِ فِيۡ مَرۡضَاتِهٖ ؛	6	اور یہ تمام سورج اور تمام چاند اسی کی رضا و خوشنودی اور قانون کی بجا آوری میں کوشاں وسرگرداں ہیں ۔
يُبۡلِيَانِ كُلَّ جَدِيۡدٍ وَّيُقَرِّبَانِ كُلَّ بَعِيۡدٍ ؛	7	ہر نئی چیز کو پرانی اور بوسیدہ کر رہے ہیں اور ہر دُور والی چیز کو قریب کرتے ہیں ۔
قَسَمَ اَرۡزَاقَهُمۡ وَاَحۡصٰى اٰثَارَهُمۡ وَاَعۡمَالَهُمۡ وَعَدَدَ اَنۡفَاسِهِمۡ وَ خَائِنَةَ	8	اللہ ہی نے سب کی ضرورت کا سامان تقسیم کیا ہے اور ان کے تمام اثرات اور نشانات کو اور اعمال کو اپنی معلومات کے احاطہ میں رکھا ہوا ہے اور ان کے سانسوں

اَعْيُنِهِمْ وَمَاتُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ مِنَ الضَّمِيْرِ وَمُسْتَقَرَّهُمْ وَمُسْتَوْدَعَهُمْ مِنَ الْاَرْحَامِ وَالظُّهُوْرِ اِلٰى اَنْ تَتَنَاهٰى بِهِمُ الْغَايَاتُ		تک کو گن رکھا ہے۔ اور ان کی آنکھوں کی خیانتیں اور جو کچھ ان کے سینوں کے اندر اور ضمیروں اور ارادوں کی صورت میں چھپا ہوا ہے اُس پر مطلع ہے اور باپوں کے صلبوں اور ماؤں کی رحموں میں ان کے ٹھہرنے اور سونپے جانے کو جانتا ہے۔ وہاں ان کا قیام اس کے علم میں ہے یہاں تک کہ وہ ان کی پیدائش سے لے کر ان کی آخری عُمر تک کے پورے سفر پر مطلع ہے۔
هُوَ الَّذِيْ اشْتَدَّتْ نِقْمَتُهُ عَلٰى اَعْدَآئِهِ فِيْ سَعَةِ رَحْمَتِهِ ؛	9	وہی اللہ تو ہے جس کی رحمتوں کی کثرت کے باوجود اس کا عذاب اس کے دشمنوں پر بڑا سخت ہے یعنی اس کی رحمتیں اس کے عذاب سے نہیں ٹکراتیں۔
وَاتَّسَعَتْ رَحْمَتُهُ لِاَوْلِيَآئِهِ فِيْ شِدَّةِ نِقْمَتِهِ ؛	10	اور اس کے عذاب کی شدت کے باوجود اس کی رحمتیں اس کے اولیاء پر بڑھتی چلی جاتی ہیں۔
قَاهِرُ مَنْ عَازَّهُ وَمُدَمِّرُ مَنْ شَاقَّهُ وَمُذِلُّ مَنْ نَاوَاهُ وَغَالِبُ مَنْ عَادَاهُ ؛	11	ان سب پر مسلط رہتا ہے جو اس پر تسلط چاہیں اور ان سب کو ہلاک کرتا ہے جو اسکے خلاف توڑ پھوڑ کریں۔ اور ان سب کو ذلیل وخوار کر دیتا ہے جو اس کی مخالفت کریں۔ اور ان سب پر غالب رہتا ہے جو اس سے دشمنی کریں۔
مَنْ تَوَكَّلَ عَلَيْهِ كَفَاهُ وَمَنْ سَاَلَهُ اَعْطَاهُ وَمَنْ اَقْرَضَهُ قَضَاهُ وَمَنْ شَكَرَهُ جَزَاهُ ؛	12	جو اس پر بھروسہ کرتا ہے اس کے لئے کافی ہوتا ہے اور جو اس سے ہی مانگتا اور سوال کرتا ہے اسے عطا کرتا ہے اور جو اسے قرض دیتا ہے تو قرض ادا کرتا ہے۔ اور جو اس کا شکر ادا کرتا ہے اسے جزا دیتا ہے۔
عِبَادَ اللّٰهِ زِنُوْا اَنْفُسَكُمْ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُوْزَنُوْا وَحَاسِبُوْهَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تُحَاسَبُوْا ؛	13	اے خدا کے بندو تم خود ہی اپنا وزن کر لو قبل اس کے کہ تمہیں تولا جائے اور قبل اس کے کہ تمہارا حساب ہو خود ہی اپنا محاسبہ کر لو۔ یعنی تمہارا حساب بھی لیا جائے گا اور تمہارے اعمال کا وزن بھی کیا جائے گا۔
وَتَنَفَّسُوْا قَبْلَ ضِيْقِ الْخِنَاقِ وَانْقَادُوْا قَبْلَ عُنْفِ السِّيَاقِ ؛	14	گلا گھٹنے سے پہلے پہلے جتنی چاہو سانسیں لے لو۔ اور اطاعت شعار بن جاؤ قبل اس کے کہ تمہیں زبردستی ہانکا جائے۔
وَاعْلَمُوْا اَنَّهُ مَنْ لَّمْ يُعَنْ عَلٰى نَفْسِهٖ حَتّٰى يَكُوْنَ لَهُ مِنْهَا وَاعِظٌ وَّزَاجِرٌ لَّمْ يَكُنْ لَهُ مِنْ غَيْرِهَا زَاجِرٌ وَّلَا وَاعِظٌ ؛	15	اور یہ جان لو کہ جو کوئی بھی اپنے نفس کی یا خود اپنی اعانت اس وقت تک نہیں کرتا جب تک کہ اس کے اوپر کوئی ڈنڈے والا اور نصیحت کرنے والا نہ ہو تو اس پر خود اس کے علاوہ کوئی اور شخص نہ ڈنڈے والا مسلط ہوگا اور نہ کوئی نصیحت کرنے والا ہی ہوگا۔

تشریحات:

ایسی بہت سی چیزیں ہیں جن کو انسان نے کبھی نہیں دیکھا اور نہ کبھی دیکھ سکے گا اِس کے باوجود انسان اُن چیزوں سے متعارف ہے۔ انہیں جانتا ہے پہچانتا ہے اور وہ چیزیں انسان کے لئے اجنبی نہیں معروف ہیں۔مثلاً خوشبو معروف ہے۔ درد معروف ہے۔ ہَوا معروف ہے۔ موت معروف ہے۔رنج وغم ومسرت معروف ہیں۔خوف وہراس معروف ہیں۔قوت وضعف یا کمزوری بھی معروف ہیں۔رُوح اور عقل وبصیرت وجہالت بھی معروف ہیں۔ایمان ویقین وسلامتی ومحبت ومودت اور بغض وعناد وحسد ورشک وغیرہ ساری دنیا میں معروف ہیں۔مگر یہ سب ایسی معروف چیزیں ہیں کہ جب اِن میں سے کسی چیز کا نام لیا جاتا ہے تو ہم ایک لذت (Sensation) محسوس کرتے ہیں یعنی ہم نے اُن چیزوں کو صرف آنکھوں سے نہیں دیکھا ہوتا۔آنکھوں کے علاوہ باقی کسی نہ کسی حِس سے محسوس کیا ہوا ہوتا ہے۔مگر اللہ کو ہم نے حواس خمسہ میں سے کسی بھی حِس سے محسوس نہیں کیا ہوتا اور لفظ اللہ سن کر ہم پر کوئی تاثر یا لذت طاری نہیں ہوتی ہے۔البتہ چند خیالات اور اُن خیالات کو جنم دینے والے چند اقوال یا باتیں ہمارے ذہن میں گردش کرنے لگتے ہیں مثلاً لفظ اللہ سن کر ہمارے سر میں لفظ آسمان اور زمین، چاند سورج ستارے رات دن اور موسمیں گھومنے لگتے ہیں۔یعنی لوگوں سے سنے ہوئے اور آنکھوں سے دیکھے ہوئے سامان پر نظریں یا دماغ مرکوز ہو کر رہ جاتا اور یہ سب سامان اللہ کا پیدا کردہ بن کر سامنے آجاتا ہے۔بس اس سے زیادہ اور کچھ ہمارے سامنے نہیں آتا۔لھذا وہ چیزیں جن کی طرف لفظ اللہ سن کر دھیان جاتا ہے انہیں ہم بچپن سے دیکھتے اور سنتے آرہے ہیں اور بچپن ہی سے اُن چیزوں کے ساتھ اللہ کا تعلق ہمارے قلب وذہن میں پیوستہ ہے اور اُسی طرح ہمارے ابا واجداد اور سابقہ نسلوں سے اللہ کا تعلق وابستہ تھا۔مگر یہ سوال خود بخود پیدا ہوتا ہے کہ ان چیزوں کو اللہ سے کس نے وابستہ کیا تھا؟ کس نے یہ بتایا تھا کہ یہ چیزیں اللہ نے پیدا کی ہیں؟ یعنی اللہ کو نوع انسان میں معروف ومتعارف کرنے کا مسلسل انتظام واہتمام کس نے کیا تھا؟ ان سوالات کا جواب ہم معصومین علیہم السلام کی زبان سے دینا زیادہ بہتر سمجھتے ہیں۔حضرت انس بن مالکؓ راوی ہیں اور بیان آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے اور حضورؐ نے تخلیق پر ایک بہت طویل بیان دیا ہے جس کا آخری حصہ ہمارے اس عنوان سے متعلق ہے۔بیان یہاں تک پہنچا کہ:

روزِ ازل سے مسلسل تعارف خداوندی کرایا جاتا رہا ہے اور کرایا جاتا رہے گا۔

وَلٰکِنْ خَلَقْنَا نَحْنُ حَیْثُ لَا سَمَآءٌ مَبْنِیَّۃٌ وَّ لَا اَرْضٌ مَدْحِیَّۃٌ وَّ لَا عَرْشٌ وَّلَا جَنَّۃٌ وَّ لَا نَارٌ کُنَّا نُسَبِّحُہُ حِیْنَ لَا تَسْبِیْحٌ وَّنُقَدِّسُہُ حِیْنَ لَا تَقْدِیْسٌ ۔فَلَمَّا اراد اللّٰہ بَدُو الصَّنعۃ فَتَق نُوری فَخلق مِنْہُ العرش فَنُوْرُ الْعرش مِنْ نُوری وَنُوْرِیْ مِنْ نور اللّٰہ وَاَنَا اَفْضَل مِنَ الْعَرْشِ ۔ثُمَّ فَتَقَ نُوْرَ ابْنِؑ اَبِی طالبؑ فَخلق مِنْہُ الملائِکۃ فَنُور الملائِکۃ مِن نُور ابنؑ ابی طالبؑ وَنُوْر ابنؑ ابی طالبؑ مِنْ نُوْر اللّٰہ و نور ابنؑ ابی طالبؑ افضل مِن الملائکۃ (یعنی عَلِیٌّ افضل مِن الملائکۃ) ثُمَّ فَتَقَ نُوْرًا بنتِی فاطمۃؑ فخلق منہ السماوات والاَرض مِنْ نُوْرًا بنتی فاطمۃؑ و نور فَاطمۃ مِنْ نُوْر اللّٰہ و فاطمۃؑ اَفضل مِنَ السمواتِ والارضِ ثُمَّ فَتَقَ نُورالحسنؑ فَخَلَقَ مِنْہ الشمسَ وَالْقَمَرَ ،فنور الشَمس والقمر مِن نُور الحسنؑ و نورالحسنؑ من نور اللّٰہ والحسنؑ افضل مِنْ الشمسِ والقمر ثُمَّ فَتَقَ نُوْر الحسینؑ فَخَلَقَ مِنْہُ الْجَنَّۃَ والحُوْرُالْعَیْن فَنُوْرُ الجَنَّۃ والحور العین مِنْ نورِ الحسینؑ، وَنُور الحسینؑ مِنْ نُور اللّٰہِ وَالْحُسین افضل مِنَ الْجَنَّۃِ والحور العین .ثُمَّ اِنَّ اللّٰہَ ...الخ (کتاب العوالم)

''اللہ نے ہمیں اُس وقت پیدا کیا تھا جب نہ اللہ کا یہ آسمان موجود تھا نہ یہ زمین موجود تھی ۔ نہ عرش موجود تھا ۔ نہ جنت تھی نہ جہنم تھا اور ہم سب اللہ کی تسبیح کرتے تھے ۔ جب کہ ابھی تک اللہ کی تسبیح بھی نہ کی گئی تھی ۔ اور ہم اللہ کی پاکیاں اور تقدیس بیان کررہے تھے جب کہ ابھی خدا کی تقدیس بھی بیان نہ کی گئی تھی ۔ پھر جب اللہ نے اپنی کاریگری کی ابتدا کا ارادہ فرمایا تو اُس نے میرے نورؐ کو ایک دفعہ کھولا تو اُس سے عرش کو پیدا کردیا لہٰذا عرش کا نور میرے نور سے پیدا ہوا ہے اور میرا نور اللہ کے نور سے پیدا ہوا تھا چنانچہ میں عرش سے افضل ہوں پھر اللہ نے ابوطالبؑ کے بیٹے علیؑ کے نور کو کھولا تو اُس سے ملائکہ کو پیدا کردیا ۔ لہٰذا ملائکہ کا نور علیؑ کے نور سے ہے اور علیؑ کا نور اللہ کے نور سے ہے لہٰذا علیؑ ملائکہ سے افضل ہیں ۔ پھر اللہ نے میری بیٹی فاطمہؑ کے نور کو ایک دفعہ کھولا تو اُس نور سے زمینوں اور آسمانوں کو پیدا کردیا ۔ لہٰذا زمینوں اور آسمانوں کا نور فاطمہؑ کے نور سے ہے اور فاطمہؑ کا نور اللہ کے نور سے ہے لہٰذا فاطمہؑ تمام آسمانوں اور زمینوں سے افضل ہیں ۔ پھر اللہ نے حسنؑ کے نور کو ایک دفعہ کھولا تو اُس سے چاند اور سورج پیدا کردئے چنانچہ چاندوں اور سورجوں کا نور حسنؑ کے نور سے ہے اور حسنؑ کا نور اللہ کے نور سے ہے لہٰذا حسنؑ چاندوں اور سورجوں سے افضل ہے پھر اللہ نے حسینؑ کے نور کو ایک دفعہ کھولا تو اُس سے جنت اور حوروں کو پیدا کیا ۔ لہٰذا جنتوں اور حوروں کا نور حسینؑ کے نور سے ہے اور حسینؑ کا نور اللہ کے نور سے ہے چنانچہ حسینؑ جنتوں اور حوروں سے افضل ہیں ۔''

اللہ سے تعارف کرانے کے بہت ذرائع میں سے ایک اور ذریعہ بھی دیکھیں ۔

احادیث کی مزید تشریح پر ہم جلد ہی بات کریں گے ۔ یہاں تو اس قدر نوٹ کرلیں کہ مندرجہ بالا حدیث میں صرف پنجتن پاک کی افضلیت کی ایک بنیادی صورت سامنے لائی گئی ہے ۔ اس سے یہ فیصلہ نہ کرلینا چاہئے کہ اُن کے انوار کو صرف مذکورہ بالا چیزوں ہی کو تخلیق کی بنیاد بنایا گیا تھا ۔ یہ تو ایک مثال ہے ۔ ورنہ کائنات کی ہر مخلوق نور معصومین علیہم السلام سے پیدا کی گئی تھی ۔ ایک اور حدیث دیکھ کر آپ کی سمجھ میں بات کھل کر آئے گی ۔ سنئے ۔

قَالَ قُلْتُ لِرَسُوْلِ اللّٰه صلی اللّٰه عَلَیْهِ و آله وسلم :اَوَّلُ شَیْ ءٍ خَلَقَ اللّٰه تعالیٰ مَاهُوَ؟ فَقَالَ نُوْر نبیِّکَ یَاجابر، خَلَقَ اللّٰهُ مِنْهُ کُلَّ خَیر ثُمَّ اقامه بَیْنَ یَدَیْهِ فِی مقام القرب مَاشاء اللّٰه ۔ثُمَّ جَعله اَقْسَامًا فَخلقَ الْعَرْشَ مِنْ قِسْمٍ والکرسی مِنْ قِسْمٍ وَحَمْلَةَ الْعَرش وخزنة الْکُرْسی مِنْ قِسْم وَاَقَام القِسْم الرَّابع فِیْ مَقَام الْحُبِّ مَاشاء اللّٰه ثُمّ جعله اَقْسَامًا فَخَلَقَ القلم مِنْ قِسْمٍ واللوح مِنْ قِسْم و الجنّة مِن قِسم وَاَقَام الرَّابع فِی مقامِ الخوف مَاشَاءَ اللّٰه ثُمَّ جَعَلَهَ اَجْزَاءً فَخَلَقَ الملائکة مِنْ جُزْءٍ والشمس مِن جُزءٍ والقمر والکواکب مِنْ جُزءٍ وَاَقَامَ الْجُزْرابع فی مقام الرجاء مَاشاء اللّٰه ثُمَّ جَعَلَهُ اَجْزَاءً فخلق الْعَقل مِنْ جُزءٍ والحِلم والْعِلم مِنْ جُزءٍ والعصمة والتوفیق مِنْ جُزءٍ واقام القسم الرابع فِی مقام الحیا ماشاء اللّٰه ثُمَّ نظر اِلَیْهِ بعَیْنِ الْهَیْبت فَرَشَّح ذٰلک النُّوْر وَقطرت مِنه مائةَ اَلْف واربعة وَ عشرون الف قطرة فَخَلَقَ اللّٰه مِنْ کلِّ قطرة رُوح نَبِیٍّ وَّرَسُوْلً ۔ثُمَّ تَنَفَّسَت ارواح الانبیاً فخلق مِن اَنفاسِهَا اَرْوَاحَ الْاَوْلِیَآء وَالشهداءَ والصالِحِیْن..الخ

''جناب جابر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ سے دریافت کیا کہ حضورؐ اللہ نے سب سے پہلے کیا چیز پیدا کی تھی؟ فرمایا کہ اللہ نے سب سے

پہلے تیرے نبیؐ کا نور پیدا کیا تھا۔ اَے جابر بن عبداللہ پھر اللہ نے میرے نور سے تمام اچھی چیزیں پیدا کی تھیں۔ پھر اُس نور کو اپنے حضور میں قریب ترین اور پسندیدہ ترین مقام پر جتنے عرصے تک اللہ نے چاہا قائم رکھا۔ پھر میرے نور کو کئی حصوں میں تقسیم کر دیا۔ چنانچہ ایک حصہ سے عرش کو پیدا کیا اور دوسرے حصے سے کرسی کو پیدا کیا اور تیسرے حصے سے عرش کے اُٹھانے والوں کو پیدا کیا۔ اور کرسی کی حفاظت کرنے والوں کو پیدا کیا۔ اور چوتھے حصے کو اللہ نے پھر جتنے عرصے تک مناسب سمجھا مقام محبت میں قائم کیا۔ پھر چوتھے حصہ کی بھی کئی قسمیں بنا دیں۔ چنانچہ اُس کے ایک حصہ سے قلم کو پیدا کیا اور دوسرے سے لوح کو پیدا کیا اور تیسرے حصے سے جنت کو پیدا کیا اور پھر چوتھے حصے کو جتنے زمانوں تک چاہا مقام خوف اور دہشت میں ٹھیرایا۔ پھر اُس چوتھے حصے کے بھی کئی حصے بنا دئے پھر ایک حصے سے ملائکہ کو پیدا کیا اور دوسرے حصے سے سورج کو پیدا کر دیا اور تیسرے حصے سے چاند اور تاروں کو پیدا کیا اور پھر چوتھے حصے کو جتنے عرصے تک مناسب سمجھا آرزوؤں، تمناؤں اور اُمیدوں کے مقام میں برقرار رکھا پھر اُس کے بھی کئی حصے بنا دئے۔ چنانچہ ایک جُز سے عقل کو پیدا کیا اور دوسرے سے علم و بردباری کو پیدا کیا اور تیسرے حصے سے عصمت اور توفیق کو پیدا کیا اور چوتھے حصہ کو پھر مقام حیا اور غیرت و شرم میں جتنا عرصہ مناسب سمجھا قائم رکھا۔ پھر اُس کی طرف ہیبت پیدا کرنے والی نظر سے دیکھا تو اُس نور کو پسینہ آ گیا اور پسینہ میں شرابور ہو کر اس نور سے ایک لاکھ چوبیس ہزار در ہزار قطرے ٹپکے۔ چنانچہ اللہ نے ہر قطرے سے نبیؑ اور رسولؑ کی ارواح کو پیدا کیا۔ پھر جب انبیاؑ و رسلؑ کی رُوحوں نے سانسیں لینا شروع کیں تو اُن کی سانسوں سے اولیاء اور شہداء اور صالحین کی روحوں کو پیدا کر دیا۔''

چندوضاحتیں :

قارئین کو سب سے پہلی اُلجھن یہ ہوا کرتی ہے کہ کائنات میں تو اچھی بُری تمام قسم کی چیزیں ہیں لہٰذا بُری چیزیں محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے پیدا کیا جانا درست معلوم نہیں ہوتی۔ اور اُسی اُلجھن کو صاف کرنے کے لئے دوسری حدیث میں یہ فرمایا گیا ہے کہ:

''اَے جابرؓ اللہ نے میرے نورؐ سے تمام اچھی چیزیں پیدا کیں''

رسولؐ اللہ نے بھی اپنے جواب میں ایک ایسا لفظ بولا ہے جس کے عمومی معنی ''اچھا'' سمجھے جاتے ہیں اور کم سے کم اس کے معنی ''اچھا یا اچھی'' ہوتے بھی ہیں اور عربی کا وہ لفظ ''خَیر'' ہے۔ یعنی فرمایا تھا کہ: '' یَاجَابِر خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ کُلَّ خَیْرٍ '' یہ نوٹ کریں کہ لفظ ''خَیر'' کے انتہائی معنی ''آزادی اور اختیارات کے ہیں۔ اور چونکہ یہ لفظ ''خَیر'' لفظ ''شر'' کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے لہٰذا خَیر کے معنی پسندیدہ اور اچھا ہو گئے اور شر کے معنی بُرا اور ناپسندیدہ کئے جانے لگے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے جو کچھ بھی پیدا کیا ہے وہ محض خیر ہی خیر ہے کسی چیز کو غلط استعمال کرنا شر ہے۔ یعنی شر اُس وقت پیدا ہوتا ہے جب خیر کو غلط استعمال کر لیا جائے۔ مطلب یہ ہوا کہ ہر خیر میں ایک پہلو شر کا موجود ہوتا ہے۔ شر کوئی الگ چیز نہیں ہے۔ اہل شریعت کا ایک اصول یا قانون یہ ہے کہ: ''چیزوں کا حُسن اور قُبح عقلی ہے شرعی نہیں ہے۔''

مطلب یہ ہوا کہ چیزیں اپنی ذات میں بُری نہیں ہوتی ہیں عقل اُن کو اچھا یا بُرا بناتی ہے۔ یعنی کس چیز کو کہاں، کتنا، کب اور کیسے استعمال کیا جائے؟ اِن سوالات کے جواب سے اچھا یا بُرا نتیجہ برآمد ہوگا اور خیر یا شر، اچھا یا بُرا متعین ہوتا رہتا ہے۔ ایک ہی چیز ایک شخص کے ایک حالت میں خیر یا اچھی ہوتی ہے۔ حالت بدلتے ہی شر یا بُری یا غیر مفید ہو جاتی ہے۔ یہ سب عقلی حالتیں ہیں اور سمجھانے سے سمجھ میں آ جاتی ہیں۔ پیچش کی حالت میں کئی ایک نعمتیں، شر، مضر، بُری اور مہلک ہو جاتی ہیں اور تندرستی میں وہی نعمتیں خیر، مفید، اچھی اور حیات بخش ہوتی ہیں۔ لہٰذا یاد رکھیں کہ اللہ

نے خیر ہی خیر پیدا کی ہے لہٰذا بات یہ ہوئی کہ:

"اَے جابر اللہ نے میرے نور سے تمام خیر ہی خیر پیدا کی ہے" یا یہ کہ "جتنی اچھائیاں اللہ پیدا کرسکتا تھا اُس نے میرے نور سے پیدا کی ہیں" یا یہ کہ "اللہ نے جو کچھ پیدا کیا وہ اچھا ہی اچھا ہے اور سب کچھ میرے نور سے پیدا کیا ہے۔ یا یہ کہ "انسان کی بقاو ترقی وقوت وقدرت واختیارات کے لئے جو کچھ ضروری تھا سب کچھ میرے نور سے پیدا کیا ہے۔"

دوسری اُلجھن یہ ہوا کرتی ہے کہ ایک ہی چیز سے لاتعداد وغیر محدود چیزیں اور مختلف اور متضاد خصوصیات رکھنے والی چیزیں کیسے پیدا ہو سکتی تھیں؟ مثلاً آگ اور پانی ایک ہی چیز سے کیسے پیدا ہو سکتے تھے؟ اندھیرا اور روشنی؟ میٹھا اور کڑوا؟ موت وحیات خوشی ورنج؟ وغیرہ وغیرہ؟ صحیح بات تو یہ ہے کہ میں بھی اِن سوالات کا جواب نہیں جانتا ہوں مگر ایک ایسی بات جانتا ہوں جس سے آپ بھی ناواقف نہیں ہیں اور وہ ہے مٹی اور مٹی سے پیدا ہونے والی کروڑوں چیزیں اور حالتیں۔ آپ جانتے ہیں کہ مٹی ہی سے پھل پھول پیدا ہوتے ہیں مٹی ہی سے پورا درخت پیدا ہوتا ہے۔ اُس کی جڑیں، شاخیں اور تنا پیدا ہوتا ہے۔ پھر درخت کتنے مختلف ہیں۔ اُن کے پھل اور پھول کتنے مختلف ہیں۔ بادام بھی پھل ہے۔ اخروٹ بھی۔ کشمش انگور، الا یچی اور چھالیا بھی پھل ہیں۔ آم انار لیموں ناریل مالٹا بھی پھل ہی ہیں۔ درختوں کے علاوہ بیلیں ہیں۔ گھانس پھونس ہے۔ نباتات ہی اتنی ہیں کہ شمار سے باہر ہیں۔ یہ سب کچھ ایک مٹی سے پیدا ہوتا ہے۔ تمام جمادات بھی مٹی ہی سے پیدا ہوتے ہیں۔ یہ کیڑے مکوڑے یہ بھُنگے یہ چرند و پرند اور درندے بھی مٹی ہی سے پیدا کئے گئے ہیں۔

حد یہ ہے کہ آدمی بھی مٹی سے پیدا کیا گیا تھا۔ پہلا براہ راست اور اُس کے بعد بالواسطہ ہم سب مٹی سے پیدا کئے جا رہے ہیں۔ ہمارا نطفہ ہماری خوراک سے بنتا ہے۔ خوراک مٹی سے پیدا شدہ چیزوں سے بنتی ہے۔ اُن ہی سے خون گوشت پوست کھال رگیں، معدہ، قلب وذہن اور سارا جسم بنتا ہے۔ اس مٹی سے آگ، تیل پٹرول اور نہ معلوم کیا کیا بنا دیا گیا ہے۔ یہ کتنی مختلف اور متضاد چیزیں ہیں۔ جو ایک ہی چیز سے بنی ہیں۔ اور ہمیں بہت معلوم ہو چکی ہیں۔ ہم اُن سے متعارف ہیں۔ جو چیز جس چیز سے جتنی زیادہ قریب ہے اتنی ہی اُس چیز کی خصوصیات سے قریب ہے یہ قربت اور یہ خصوصیات تعارف میں مدد دیتی ہیں۔ اور اِلٰہی زبان میں ایک دوسری سے متعارف ہیں۔ نور ہم سے خصوصیات میں بہت دُور ہے۔ جب ہم، ہم کہتے ہیں تو اس ہم میں وہ سب کچھ آجاتا ہے جو ہمیں مٹی سے ملا ہے۔ قلب وذہن بھی آجاتا ہے ہماری روح بھی اُسی ہم میں داخل ہے۔ یہ روح نہ ہو تو یہ ہم مردہ ہوتا ہے۔ ہماری روح زیر بحث نور سے کچھ قریب ہے۔ کچھ قریب کو سمجھنے ہی کے لئے وہ احادیث لکھی گئی ہیں۔ کچھ قریب کا مطلب کئی سو درجے دور کی بات ہے۔ کہنا یہ ہے کہ مٹی نور سے بہت دور ہے روح مٹی کی نسبت کچھ قریب ہے۔ نور سے بھی مخلوقات وموجودات بتدریج پیدا کی گئی تھیں۔ ہر قریب ترین چیز جو متعارف ہوتی گئی۔ متعارف ہی نہیں ہوتی گئی بلکہ کچھ خصوصیات بھی لیتی گئی۔ نور اللہ کی اولین مخلوق تھی۔ سب سے زیادہ اللہ کا تعارف اور خصوصیات اس میں جذب وودیعت تھیں۔ اُن کی وجہ سے تعارف خداوندی آگے بڑھا۔

جتنی سوجھ بوجھ رکھنے والی مخلوق، ملائکہ ارواح، نے پہلے تعارف حاصل کیا انہیں انوار محمدؐی نے پہلے متعارف کرایا انہوں نے انوارؐ کو دیکھا اور جیسا کچھ دیکھا اُسی معیار پر اللہ سے متعارف ہوئے پوشیدہ سوجھ بوجھ رکھنے والی مخلوق عرش، کرسی الواح وقلم تراب وطین پوشیدہ تعارف سے مالا مال ہوئے۔ انبیا ورسل علیہم السلام اپنے نمبر پر فیض یاب ہوئے وہ صاحبان عقل تھے اور انوار سے قربت قریبہ رکھتے رہے لہٰذا اپنے اپنے نمبروں پر نوع انسان کو متعارف کرایا جو آج تک جاری ہے اور جاری رہے گا۔ بہرحال یہ باتیں ہمارے کرنے کی نہیں ہیں یہ تو چھوٹا منہ اور بڑی

بات والی بات ہے۔ یہ باتیں تو روزانہ منکشف ہوتے جانے والی باتیں ہیں۔ ایک روز آپ ہم سے زیادہ بہتر سمجھیں گے۔ یہ تو ایک راہ ہے جس کی طرف اور جس کے متعلق اپنی عقل کی تنگ دامنی کے باوجود اشارہ کرنا پڑ گیا تھا۔ ہمیں اُمید ہے کہ حضورؑ قائم آل محمد صلی اللہ علیہ وعلیٰ آبائہٖ واُمھاتہٖ ہماری دست گیری فرمائیں گے۔ وہی حضرتؑ ہماری ہدایت وراہنمائی کرنے والے ہیں اُن کی نظر سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ ہمارے تعارف میں سفر نیچے سے اُوپر کو ہوگا۔ یعنی نزدیک ترین مخلوق سے لے کر بعید ترین مخلوق تک۔ یعنی پہلے اپنے جسم وجان ونفس وروح سے تعارف اور پھر متعلقات اور دیگر موجودات سے تعارف۔ اس کے برعکس انوار محمدیؑ پہلے اللہ سے متعارف ہوئے یعنی خود اپنی اُن خصوصیات، صفات، قدرتوں قوتوں اور حالتوں سے متعارف ہوئے جو اللہ نے اُن میں رکھی تھیں اور اللہ کی پوزیشن کو واضح کرتی تھیں پھر دوسری پیدا کی جانے والی مخلوق پر اثر انداز ہو کر اُن کو اپنی مذکورہ صفات وخصوصیات کے ذریعہ اللہ سے متعارف کرتے ہوئے نیچے کی طرف چلے آئے یعنی نزول اختیار کرتے ہوئے نیچے کی طرف چلے آئے یعنی نزول اختیار کرتے گئے اور وہ بات پوری ہوتی چلی آئی کہ:

''میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا مجھے یہ پسند آیا کہ میں ظاہر ہو جاؤں چنانچہ اے محمدؐ میں نے تمہیں پیدا کر دیا۔''

لہٰذا اللہ سے تعارف شروع ہو گیا۔ محمدؐ اور اجزائے نور محمد صلی اللہ علیہ وعلیہم سے تعارف ہی اللہ سے تعارف ہے۔ انسانی علم ومعرفت کی حد محمدؐ وآل محمدؐ سے متعارف ہو جانا ہے۔ اور بس۔ اِس سے آگے رسائی ناممکن ہے۔

ثُمَّ فتقَ بار بار کیوں فرمایا گیا؟

پہلے تو یہ سنئے کہ لفظ ''فتق'' کے معنی پھاڑنا۔ اُدھیڑنا۔ اور کھولنا ہوتے ہیں ان معنی کو سمجھنے اور دل نشین کرنے کے لئے قرآن کریم کی ایک آیت ملاحظہ فرمایئے جو تخلیق کائنات کی ایک منزل کو بیان کرتی ہے۔ فرمایا گیا تھا کہ:

اَوَلَمْ يَرَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ O

''کیا حقائق کو چھپانے والے لوگوں نے اِس پہلو کو نہیں دیکھا کہ یہ زمینیں اور یہ آسمان ایک زمانہ میں ملے جلے ایک جسم (ھَیولیٰ) تھے چنانچہ ہم نے اُن کو کھول دیا تھا اور پھر سب الگ الگ ہو جانے والی چیزوں کو ایک خاص پانی سے زندگی بخشی تھی کیا یہ اس کو بھی نہیں مانتے ہیں۔'' (سورہ انبیاؑ 21/30)

یہاں دو باتیں سامنے آئیں اول یہ کہ تخلیق کے ایک مرحلہ میں زمینیں اور آسمان ایک گچھے کی صورت میں تھے پھر اللہ نے اُس گچھے کو کھولنا اور اپنی پالیسی اور پروگرام کے مطابق تمام اشیا کو الگ الگ صورت دینا شروع کی اور ساتھ ہی ایک حیات بخش پانی سے سب کو ضروری اور متعلقہ زندگی عطا کرنا شروع کیا۔ اور بتدریج ایک ہی گچھے سے یہ کائنات اور اس کی موجودات رُوبکار آتی گئیں۔ یہ حیات بخش پانی اور کچھ نہیں ہو سکتا سوائے اُس نورؑ کے جس کا ہلکا سا مختصر سا ذکر مندرجہ احادیث میں ہو چکا ہے اور جس کے کھولنے اور فتق کی بات ہو رہی ہے۔ جسے ایک دفعہ کھولا تو وہ کچھ وجود میں آیا جو آپ نے پڑھ لیا۔ لہٰذا اُس نور کو بار بار کھولا جاتا رہا۔ اور کائنات کی تکمیل کی جاتی رہی جو آج بھی جاری ہے برابر جاری رہتی چلی جائے گی۔ یعنی نورِ محمدیؐ مسلسل برسرکار ہے اور رہتا چلا جائے گا۔ لہٰذا ہر بار فتق فرمانے کا مطلب تخلیق کو واضح کرنے کے لئے تھا۔ یعنی صرف ایک دفعہ کھول کر بات ختم نہیں ہوگئی تھی بلکہ یہ مسلسل عمل در آمد تھا۔

نورِ محمدیؐ متشخص اور غیر متشخص دونوں صورتوں میں برسر کار رہے۔

یہاں یہ بات بھی سننے اور سمجھنے کی ہے کہ معصومؑ احادیث یا بیانات سے یہ پتہ چلتا ہے اور کائنات کے حالات اِس کی تصدیق کرتے ہیں کہ اللہ نے نورِ محمدیؐ کو کچھ اس طرح وجود بخشا تھا کہ اُسی نور سے محمدؐ وعلیؑ وفاطمہؑ وحسنینؑ اور اُن کی اولاد میں متعین ہونے والے آئمہ علیہم السلام کا وجود متشخص کیا گیا تھا اور اُسی نور کے باقی ماندہ حصے سے اس کائنات کی مختلف مخلوقات کو بتدریج پیدا کیا گیا تھا۔ یعنی اُن حضرات علیہم السلام کے باقی ماندہ نور پر فتق یا کھولتے رہنے کا عمل جاری کیا گیا تھا۔ یعنی وہ تخلیق کے دوران خود متشخص صورت میں حاضر اور برسرِ تخلیق بھی تھے اور اپنے باقی ماندہ نور پر عمل تخلیق بھی دیکھتے رہے اور جہاں جہاں ضروری تھا پروگرام میں اپنے متعینہ فرائض انجام دیتے رہے۔ اس سے زیادہ ہم یہاں اور کچھ عرض نہ کریں گے۔

حضرت علیؑ خطبہ نمبر 129 کی ابتدا میں آپ بیتی بیان فرماتے رہے ہیں۔

جو کچھ حضرت علی علیہ السلام نے بیان فرمایا ہے اُسے وہی شخص بیان کرسکتا تھا جو سو فیصد یہ عملی یقین رکھتا ہوتا کہ اللہ کو کسی آنکھوں والے نے ہرگز نہیں دیکھا اور نہ کوئی دیکھ سکے گا۔ یہ اُسی صورت میں ممکن تھا جب کہ یہ بھی یقین ہو کہ اس سے پہلے اور کوئی موجود نہ تھا نہ پیدا ہوا تھا۔ یعنی حضورؐ بلاشبہ پہلی مخلوق تھے پہلی مخلوق ہونے کا علم ویقین بھی رکھتے تھے اور چونکہ یہ دیکھ چکے تھے کہ اللہ سے پہلے تخلیق کا کوئی نشان موجود نہ تھا۔ لہٰذا بڑے اطمینان ویقین سے فرمادیا کہ بلاکسی سوچ وبچار وغور وخوص کے اللہ نے عمل تخلیق جاری کیا۔ یعنی اُدھر آپ کو اُن پوری گنجائشوں پر عبور حاصل تھا جن میں بعد کو یہ لامحدود کائنات سمائی اور اُدھر اللہ کے سوچ بچار وغور وخوض پر حتمی فیصلہ کرنے کی قدرت حاصل تھی۔ اسی سے پتہ چلتا ہے کہ آپؐ خود ہی ارادۃ اللہ اور مشیۃ اللہ تھے۔ آپؐ خود ہی اللہ کی سوچ بچار اور غور وخوض تھے۔ اور ظاہر ہے کہ آپ ہمیشہ سے موجود نہ تھے بلکہ اولین مخلوق تھے مگر وہ سوجھ بوجھ رکھتے تھے اور ایسے حالات میں سے گزرتے تھے کہ یقین سے یہ دعویٰ کرسکیں کہ ہمیشہ سے اللہ قائم اور دائم تھا اور ایسا کوئی وقت تصور میں آ ہی نہیں سکتا جب اللہ دائم وقائم نہ رہا ہو(3)۔ اور آپؐ کو اپنے سوا اور کوئی مخلوق نظر نہ آتی تھی اس لئے یہ اعلان وہی کرسکتے تھے کہ اللہ اُس وقت بھی دائم وقائم تھا جب آسمان نہ تھے، رات نہ تھی، دن نہ تھا۔ یعنی جب نہ چاند تھا نہ سورج تھے نہ وقت تھا نہ زمین تھی نہ پہاڑ تھے۔ نہ راستے تھے۔ نہ کوئی صاحب عقل واعتماد کوئی اور مخلوق تھی۔ چونکہ آپؐ خود اُن چیزوں سے قبل صاحب ہوش وقابل اعتماد مخلوق تھے لہٰذا یہ دعویٰ آنکھوں دیکھا اور آزمودہ تھا کہ اللہ اُن سے اور خود ہم سے بھی پہلے سے دائم وقائم تھا۔ یعنی یہ تو آپ بیتی ہی سنا رہے ہیں۔

بڑی عجیب اور بلا وضاحت ایک حقیقت کُشا بات۔

اور یہ عجیب بات فرمادی ہے کہ ''اُن عظیم الشان دروازوں پر لٹکنے والے پردے بھی موجود نہ تھے'' یعنی اللہ اُن پردوں اور دروازوں سے بھی پہلے دائم وقائم تھا۔ پتہ نہیں وہ کیسے دروازے تھے؟ کس چیز کے دروازے تھے؟ کسی مکان کے دروازے تھے یا کسی احاطے کے دروازے تھے؟ اور پھر اُن دروازوں پر پردے کیوں ڈالے گئے تھے؟ کیا ہمیں یہ سوچنے کی اجازت ہے کہ وہاں کوئی پردہ نشین مقیم تھا؟ جسے عرش وکرسی، لوح وقلم اور مقدس ترین مخلوقات سے بھی پردہ میں رکھنا ضروری تھا؟ سنتا اور پڑھتا چلا آرہا ہوں کہ میدانِ حشر میں پردہ کرنے کا حکم دیا جائے گا؟ اور ایک بڑا دردانگیز شکوہ کیا جائے گا۔

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 89

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 90

خُطبہ ﴿130﴾

عجیب خطبات میں سے ایک لاجواب وبے پناہ خطبہ:

اللہ کی صفات اور وضاحت، تخلیق پر نظر، عقل وفکر کا مقام، انعاماتِ خداوندی اور دادودھش کی حدود اور جو کچھ آپ جاننا چاہیں۔

1۔ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔2۔پہاڑوں کا سانس لینا۔3۔قرآن، رسولؐ اور آئمہؑ کی تعلیم اور شیطانی علوم۔4۔راسخون فی العلم لوگ۔5۔عقل وفکر کے پیمانے اور حدود ۔6۔ہر مخلوق حجت اللہ ہے۔7۔اللہ اور قرآن کا منکر کون ہے؟۔8۔کائنات کا مطیع ہونا۔9۔سماوات اور ان پر چڑھنے والے۔10۔چاند سورج کا مقصد اور رفتار۔11۔ملائکہ اور مقصد، چپہ چپہ پر ملائکہ۔12۔زمین اوراس کے متعلقات۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَایَفِرُهُ الْمَنْعُ وَالْجُمُوْدُ وَلَایُكْدِیْهِ الْاِعْطَآءُ وَالْجُوْدُ	1	ہر قسم کی حمد وثنا اس اللہ کے لئے ہے جسے فیاضی اور عطیات کا روکنا امیر نہیں کرتا اور جسے فیاضی اور کھل کر بے انتہا عطیات کا دینا تنگ حال نہیں کرتا ہے یعنی نہ دینے سے کمی آتی ہے نہ نا دینے سے فراوانی ہوتی ہے۔
اِذَا كُلُّ مُعْطٍ مُنْتَقَصٌ سِوَاهُ وَكُلُّ مَانِعٍ مَذْمُوْمٌ مَاخَلَاهُ ؛	2	جب کہ اللہ کے علاوہ کوئی بھی ہو اس کے سرمایہ میں عطیات سے کمی ہوتی ہے اوراس کے سوا اگر کوئی کنجوسی کرے اور عطیات سے ہاتھ روک لے تو اس کی مذمت کی جاتی ہے۔
هُوَالْمَنَّانُ بِفَوَآئِدِ النِّعَمِ وَعَوَائِدِ الْمَزِیْدِ وَالْقِسَمِ عِیَالُهُ الْخَلَائِقُ ‘ ضَمِنَ اَرْزَاقَهُمْ ‘وَقَدَّرَ اَقْوَاتَهُمْ ؛	3	وہ ایسی ہستی ہے جو نعمتوں اور فوائد کی فراوانیوں سے منتیں ماننے والوں پر احسان کرتا ہے اور زیادہ سے زیادہ دینے میں تکلف نہیں کرتا ہے۔ یہ کائنات کی ساری مخلوقات اللہ کا کنبہ سمجھو کہ اس نے ان کی تمام ضرورتوں کے سامان کی ضمانت لی ہے اوران کی خوراکوں کو تقدیر کے ماتحت رکھا ہے۔
وَنَهَجَ سَبِیْلَ الرَّاغِبِیْنَ اِلَیْهِ وَالطَّالِبِیْنَ مَالَدَیْهِ ؛	4	اور جو لوگ یہ رغبت رکھتے ہیں کہ اللہ کی طرف جانے کا راستہ مل جائے اور جو لوگ اس بات کے طالب ہیں کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے انہیں مل جائے تو ان کے لئے اس نے صاف اور واضح راستہ بنا رکھا ہے۔

وَلَيۡسَ بِمَا سُئِلَ بِاَجۡوَدَ مِنۡهُ بِمَالَمۡ يُسۡئَلۡ ؛	5	اور جس چیز کا اس سے سوال کر لیا جائے یا جو چیز مانگ لی جائے وہ ان چیزوں سے بڑھ کر نہیں ہے جو ابھی مانگی نہیں گئی ہیں۔ یعنی ہر چیز اعلیٰ درجہ کی ہے۔
اَلۡاَوَّلُ الَّذِیۡ لَمۡ يَكُنۡ لَّهُ قَبۡلٌ فَيَكُوۡنَ شَیۡءٌ قَبۡلَهٗ وَالۡاٰخِرُ الَّذِیۡ لَيۡسَ لَهٗ بَعۡدٌ فَيَكُوۡنَ شَیۡءٌ بَعۡدَهٗ ؛	6	اللہ ایسی اولین ہستی ہے کہ اس سے پہلے کچھ ہے ہی نہیں کہ کوئی چیز اس سے پہلے کی کہلا سکے اور ایسا آخری ہے کہ اس کے بعد کچھ ہے ہی نہیں کہ کوئی چیز اس کے بعد کی ہو سکے۔
وَالرَّادِعُ اَنَاسِیَّ الۡاَبۡصَارِ اَنۡ تَنَالَهٗ اَوۡتُدۡرِكَهٗ ؛	7	اور وہ تو آنکھ کی پتلیوں کو روک کر رکھنے والا ہے تاکہ کوئی آنکھ اس تک نہ پہنچ سکے یا اس کی کیفیت کا ادراک نہ کر سکے۔ یعنی بصارت کی رسائی سے ماوراء ہے۔
مَاخۡتَلَفَ عَلَيۡهِ دَهۡرٌ فَيَخۡتَلِفُ مِنۡهُ الۡحَالُ ؛	8	اللہ پر زمانہ کے مختلف دور اثر انداز ہوتے ہوئے نہیں گزرتے اس لئے کائنات کی باقی چیزوں کی طرح اللہ کی حالت میں تبدیلی نہیں ہوتی ہے۔
وَلَاكَانَ فِیۡ مَكَانٍ فَيَجُوۡزَ عَلَيۡهِ الۡاِنۡتِقَالُ ؛	9	اور نہ ہی اللہ کسی ایک جگہ کے یا مکان کے اندر محدود ہے کہ اس کے لئے اس جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کی ضرورت پڑے۔
وَلَوۡ وَهَبَ مَا تَنَفَّسَتۡ عَنۡهُ مَعَادِنُ الۡجِبَالُ ؛	10	اور اگر اللہ وہ سب کچھ دے دے جو پہاڑوں کی کانیں سانس لے کر یا پھنکارہ مار کر نکال دیتی ہیں (چاندی سونا وغیرہ معدنی دولت) اور وہ بھی
وَضَحِكَتۡ عَنۡهُ اَصۡدَافُ الۡبِحَارِ :مِنۡ فِلِزِّ اللُّجَيۡنِ وَالۡعِقۡيَانِ وَنُثَارَةِ الدُّرِّ وَحَصِيۡدِ الۡمَرۡجَانِ ؛	11	جو سمندر کے گھونگے اور سیپیاں کھل کھلا کر ہنسنے میں بکھیر دیتے ہیں جیسے کہ مرجان کی شاخیں، دھاتیں، چاندی، سونا اور بکھرے ہوئے موتی وغیرہ وغیرہ تب بھی۔
مَـااَثَّـرَ ذٰلِكَ فِـیۡ جُـوۡدِهٖ وَلَا اَنۡـفَـدَسَعَةَ مَـاعِـنۡـدَهٗ وَلَكَانَ عِنۡدَهٗ مِنۡ ذَخَائِرِ الۡاِنۡعَامِ مَالَا تُنۡفِدُهٗ مَطَالِبُ الۡاَنَامِ ؛	12	یہ سب کچھ دے دینا بھی اللہ کی سخاوت پر اثر انداز نہ ہوگا اور نہ اللہ کی پیدا کردہ نعمتوں اور سامان کی وسعتوں کو ختم کر سکے گا۔ اللہ کے پاس تو انعامات کے اتنے ذخیرے ہیں کہ پوری کائنات کے ذی حیات مل کر اور مانگ مانگ کر بھی اپنے مطالبات سے انہیں ختم نہیں کر سکتے یعنی ان کی تمام ضرورتوں سے کہیں زیادہ ہیں۔
لِاَنَّـهُ الۡـجَـوَادُ الَّـذِیۡ لَايَـغِيۡـظُـهٗ سُؤَالُ السَّائِلِيۡنَ وَلَا يُبۡخِلُهُ اِلۡحَاحُ الۡمُلِحِّيۡنَ ؛	13	اور اللہ تو ایسا سخی اور بخشنے والا ہے کہ اسے مانگنے والوں کے سوالات اور تقاضے تنگ نہیں کر سکتے اور گڑگڑا کر مانگنے والوں کا گڑگڑانا اور اصرار کرنا اسے کنجوس نہیں بنا سکتا ہے۔

فَانْظُرْ اَيُّهَا السَّائِلُ فَمَا دَلَّكَ الْقُرْاٰنُ عَلَيْهِ مِنْ صِفَتِهٖ فَائْتَمَّ بِهٖ ؛	14	چنانچہ اے سوال کر کے صفاتِ خداوندی پوچھنے والے شخص غور سے سنو کہ تمہیں قرآن نے اللہ کی جن صفات پر دلیل دی ہے تم اس کی حد بھر پیروی کرو۔
وَاسْتَضِئْ بِنُوْرِ هِدَايَتِهٖ ؛	15	اور اللہ کے نور ہدایت سے روشنی حاصل کرو۔
وَمَا كَلَّفَكَ الشَّيْطَانُ عِلْمَهٗ مِمَّا لَيْسَ فِي الْكِتَابِ عَلَيْكَ فَرْضُهٗ وَلَافِيْ سُنَّةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَائِمَّةِ الْهُدٰى اَثَرُهٗ فَكِلْ عِلْمَهٗ اِلَى اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ فَاِنَّ ذٰلِكَ مُنْتَهٰى حَقِّ اللّٰهِ عَلَيْكَ ؛	16	اور جن چیزوں کا علم حاصل کرنے کے لئے ایک مخصوص شیطان نے تم پر تقلید واجب کی ہے جو نہ تو قرآن میں کہیں واجب ہے نہ رسولؐ کی سنت میں ہے اور نہ ہی ہدایت کے ذمہ دار آئمہؑ کی تعلیمات میں کہیں اس کا نشان ملتا ہے چنانچہ اس کا حاصل کرنا اللہ کے حوالے کر دے اس لئے کہ تیرے اوپر اللہ کے حقوق کی انتہا یہی اور اسی قدر ہے۔ یعنی قرآن وسنت اور آئمہؑ کی تعلیمات میں جو چیز امت پر واجب نہیں کی گئی ہے اور لوگ اسے واجب کہتے ہیں تو وہ یقیناً شیطانی نظام سے تعلق رکھنے والی چیز ہے اس سے کنارہ کشی واجب ہے۔
وَاعْلَمْ اَنَّ الرَّاسِخِيْنَ فِي الْعِلْمِ هُمُ الَّذِيْنَ اَغْنَاهُمْ عَنِ اقْتِحَامِ السُّدَدِ الْمَضْرُوْبَةِ دُوْنَ الْغُيُوْبِ الْاِقْرَارُ بِجُمْلَةِ مَاجَهِلُوْا تَفْسِيْرَهٗ مِنَ الْغَيْبِ الْمَحْجُوْبِ ؛	17	اور یہ بھی سمجھ لو کہ علم میں ڈوبے ہوئے لوگ وہ ہیں جنہیں اللہ نے تلاش اور جستجو کے لئے بندشدہ دروازوں میں گھسنے سے مستغنی اور بے پرواہ کر رکھا ہے مزید برآں وہ راسخون فی العلم لوگ غیب کے پردوں میں پوشیدہ چیزوں کا کھوج نہیں لگاتے اور ان تمام چیزوں کا اقرار کرتے ہیں جو غیب کے پردوں میں پوشیدہ ہیں اور جن کی تفسیر وہ نہیں جانتے ہیں۔
فَمَدَحَ اللّٰهُ اعْتِرَافَهُمْ بِالْعِجْزِ عَنْ تَنَاوُلِ مَالَمْ يُحِيْطُوْا بِهٖ عِلْمًا ؛	18	چنانچہ ان کے اس اعتراف کی اللہ نے مدح کی ہے کہ ہر وہ چیز جو ان کے علم کی حدوں سے باہر ہوتی ہے اس کو سمجھنے میں اپنی بے بسی کا اعتراف کرنے میں تکلف نہیں کرتے۔
وَسَمّٰى تَرْكَهُمُ التَّعَمُّقَ فِيْمَا لَمْ يُكَلِّفْهُمُ الْبَحْثَ عَنْ كُنْهِهٖ رُسُوْخًا ؛	19	اور اللہ نے جس چیز کی حقیقت سے بحث کرنے کو واجب نہیں کیا ہے اس کی گہرائی میں جانے اور غور وفکر کر کے اس کی بنیاد کا پتہ لگانے کو چھوڑے رکھنے ہی کا نام اللہ نے علم میں رسوخ رکھا ہے۔
فَاقْتَصِرْ عَلٰى ذٰلِكَ وَلَا تُقَدِّرْ عَظَمَةَ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ عَلٰى قَدْرِ عَقْلِكَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْهَالِكِيْنَ ؛	20	چنانچہ تم اسی رسوخ پر قناعت کرو اور غیر واجب چیزوں میں مداخلت نہ کرو اور اپنی عقلی و فکری قوتوں سے اللہ تعالیٰ کی عظیم صفات پر بحث ومباحثہ کر کے انہیں محدود ومقدر نہ بناؤ۔ اگر تم نے ایسا کیا تو تم بھی ہلاک ہونے والوں میں سے ایک ہو جاؤ گے۔
هُوَالْقَادِرُ الَّذِيْ اِذَا ارْتَمَتِ	21	وہ ایسا قادر ہے کہ اگر تمام اوہام اللہ کی قدرت اور توانائی کی انتہا جاننے کے لئے کوشاں

الْاَوْهَامُ لِتُدْرِكَ مُنْقَطَعَ قُدْرَتِهٖ وَحَاوَلَ الْفِكْرُ الْمُبَرَّأُ مِنْ خَطَرَاتِ الْوَسَاوِسِ اَنْ يَّقَعَ عَلَيْهِ فِيْ عَمِيْقَاتِ غُيُوْبِ مَلَكُوْتِهٖ ؛		ہوں اور خالص فکری قوت جو وسوسوں اور شبہات سے بری ہو کر اللہ کی حکمرانی کی حدود اور گہرائیاں معلوم کرنے میں لگ جائے اور اپنا پورا زور لگا دے۔
وَتَوَلَّهَتِ الْقُلُوْبُ اِلَيْهِ لِتَجْرِيَ فِيْ كَيْفِيَّةِ صِفَاتِهٖ وَغَمَضَتْ مَدَاخِلُ الْعُقُوْلِ فِيْ حَيْثُ لَاتَبْلُغُهُ الصِّفَاتُ لِتَنَالَ عِلْمَ ذَاتِهٖ رَدَعَهَا وَهِيَ تَجُوْبُ مَهَاوِيَ سُدَفِ الْغُيُوْبِ مُتَخَلِّصَةً اِلَيْهِ سُبْحَانَهٗ ‘فَرَجَعَتْ اِذْجُبِهَتْ مُعْتَرِفَةً بِاَنَّهٗ لَايُنَالُ بِجَوْرِ الْاِعْتِسَافِ كُنْهُ مَعْرِفَتِهٖ وَلَا تَخْطُرُ بِبَالِ اُوْلِي الرَّوِيَّاتِ خَاطِرَةٌ مِّنْ تَقْدِيْرِ جَلَالِ عِزَّتِهٖ ؛	22	اور اگر قلوب اپنی پوری دلچسپی کے ساتھ والہانہ انداز میں اس تلاش میں لگ جائیں کہ وہ اللہ کی صفات اور صفات کی مختلف کیفیات کا پتہ لگائیں گے اور ذاتِ خداوندی کو سمجھنے کے لئے عقلوں نے بہت دور تک چھان پھٹک میں منزلیں طے کر لی ہوں اور پیش آمدہ رکاوٹوں سے گزر رہی ہوں تو اللہ تعالیٰ ان اوہام کو اور ان قلوب کو اور ان فکری قوتوں کو اور عقلی کاوشوں کو اپنے علمِ ذات حاصل کرنے سے روک کرنا کام واپس لوٹا دیتا ہے۔ اور وہ غیب کی تاریکیوں اور ہلاکت آفرین منازل میں پُرخلوص تلاش میں بھٹکتی ہوئی واپس آتی ہیں اور انہیں یہ ماننا پڑتا ہے کہ: ”ہماری یہ تلاش اور دوڑ دھوپ اور راہ پیمائی محض خبطی پن تھا اور اس کا دارومدار محض شبہات پر تھا اور اس طرح کی بے راہ رویوں سے اللہ کی معرفت اور حقیقت کا پتہ نہیں چلایا جا سکتا ہے اور نہ ہی فکر وعقل کی کدّ وکاوش سے تلاش کرنیوالوں کے دلوں میں اللہ کی عظمت اور جلال پیدا ہوسکتا ہے اور نہ ہی ایسی کوششیں کسی حقیقت کو کھول سکتی ہیں“ لہٰذا۔
اَلَّذِي ابْتَدَعَ الْخَلْقَ عَلٰى غَيْرِ مِثَالٍ امْتَثَلَهٗ وَلَا مِقْدَارٍ احْتَذٰى عَلَيْهِ مِنْ خَالِقٍ مَّعْهُوْدٍ كَانَ قَبْلَهٗ ؛	23	اللہ تو وہ ہستی ہے جس نے تخلیق اور مخلوقات کی ابتدا بلا کسی مثال کو اپنے سامنے بطور نمونہ رکھ کر کی ہے اور نہ ہی کسی پہلے سے موجود خالق کی بنائی ہوئی چیزوں کی مقدار اور شکل وصورت کی نقل کر کے یہ کائنات اور مخلوقات پیدا کی ہے۔
وَاَرَانَا مِنْ مَّلَكُوْتِ قُدْرَتِهٖ ؛	24	اور اس نے تو اپنی قدرت اور حکمرانی کی قوت سے یہ سب کچھ بنا کر رکھ دیا ہے۔ اور ہمیں دکھایا ہے۔
وَعَجَائِبِ مَانَطَقَتْ بِهٖ اٰثَارُ حِكْمَتِهٖ ؛	25	اور اس کے پیدا کردہ یہ عجائبات اپنے منہ سے اس کی حکمت کا خود اعلان کر رہے ہیں۔

وَاعۡتِرَافِ الۡحَاجَةِ مِنَ الۡخَلۡقِ اِلٰی اَنۡ يُّقِيۡمَهَا بِمَسَاکِ قُوَّتِهٖ ؛	26	اور تمام مخلوقات کی حاجتوں اور ضرورتوں اور ان کی بے بسی سے اور ان کی ضرورتوں کے پورا ہونے کے اعتراف سے اللہ کی گرفت اور اختیار اور قوت کا پتہ چلتا ہے۔
مَادَلَّنَا بِاضۡطِرَارِ قِيَامِ الۡحُجَّةِ لَهٗ عَلٰی مَعۡرِفَتِهٖ ؛	27	ان بولتے ہوئے حقائق اور قائم شدہ حجتوں سے ہم پر اپنی معرفت واضح کی ہے اور ہماری راہنمائی کی ہے تاکہ ہم اس کے وجود وقدرت کی طرف متوجہ رہیں۔
وَظَهَرَتۡ فِی الۡبَدَائِعِ الَّتِیۡ اَحۡدَثَهَا اٰثَارُ صَنۡعَتِهٖ وَاَعۡلَامُ حِکۡمَتِهٖ ؛	28	اور اس کی پیدا کردہ عجیب وغریب چیزوں میں اس کی کاریگری کے نقوش اور اس کی حکمت کے آثار بالکل نمایاں ہیں۔
فَصَارَ کُلُّ مَاخَلَقَ حُجَّةً لَّهٗ وَدَلِيۡلاً عَلَيۡهِ وَاِنۡ کَانَ خَلۡقًا صَامِتًا ؛	29	چنانچہ جو کچھ بھی اللہ نے پیدا کیا ہے اس میں سے ہر ہر چیز اللہ کے لئے حجت بن کر رہ گئی ہے اور ہر چیز اس کے وجود وصفات کی دلیل ہے خواہ وہ خاموش اور بے زبان مخلوق ہو یا بولنے والی مخلوق ہو۔
فَحُجَّتُهٗ بِالتَّدۡبِيۡرِ نَاطِقَةٌ وَدَلَالَتُهٗ عَلَی الۡمُبۡدِعِ قَائِمَةٌ ؛	30	چنانچہ ہر مخلوق اللہ کی تدبیر اور حکمت پر بولتا ہوا ثبوت ہے اور خالق عالم کے وجود وقدرت پر اس کی راہنمائی ہر وقت ثابت اور برقرار ہے۔
فَاَشۡهَدُ اَنَّ مَنۡ شَبَّهَکَ بِتَبَايُنِ اَعۡضَآءِ خَلۡقِکَ وَ تَلَاحُمِ حِقَاقِ مَفَاصِلِهِمُ الۡمُحۡتَجِبَةِ لِتَدۡبِيۡرِ حِکۡمَتِکَ لَمۡ يَعۡقِدۡ غَيۡبَ ضَمِيۡرِهٖ عَلٰی مَعۡرِفَتِکَ وَلَمۡ يُبَاشِرۡ قَلۡبُهُ الۡيَقِيۡنَ بِاَنَّهٗ لَانِدَّلَکَ ؛	31	چنانچہ میں شہادت دیتا ہوں کہ جو کوئی تجھے تیری ہی پیدا کی ہوئی مخلوق سے تشبیہ دیتا ہے اور تیری مخلوق کے مختلف اعضاء اور اعضاء کے جوڑوں کو بنانے اور ملانے اور رعنائی عطا کرنے کی کارسازی کے باوجود وہ تجھے ان ہی کی مثل سمجھتا ہے تو درحقیقت اس نے نہ تو مخلوق کی تخلیق میں تیری حکمت اور کاریگری کو سمجھا اور نہ ہی اس کی ضمیر کی گہرائی تیری معرفت حاصل کرسکی اور نہ ہی اس کے قلب میں یہ یقین سما سکا کہ تیرا کوئی شریک وسہیم (حصہ دار) نہیں ہے۔ یعنی موحّد کہلاتے ہوئے بھی برابر مشرک رہتا چلا گیا۔
وَکَاَنَّهٗ لَمۡ يَسۡمَعۡ تَبَرُّؤَا التَّابِعِيۡنَ مِنَ الۡمَتۡبُوۡعِيۡنَ اِذۡيَقُوۡلُوۡنَ : تَاللّٰهِ اِنۡ کُنَّا لَفِیۡ ضَلَالٍ مُّبِيۡنٍ اِذۡ نُسَوِّيۡکُمۡ بِرَبِّ الۡعَالَمِيۡنَ ؛	32	اور گویا اس نے شیطان کی اتباع کرنے والوں کا یہ تبرّائی والا قول بھی کبھی نہیں سنا جو انہوں نے اپنے راہنماؤں سے کہا تھا کہ ”خدا کی قسم ہم تو بالکل کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا رہے اس لئے ہم نے تمہیں ساری کائنات کے پروردگار کے مساوی کئے رکھا (سورہ شعراء 98-26/97)
کَذَّبَ الۡعَادِلُوۡنَ بِکَ اِذۡشَبَّهُوۡکَ بِاَصۡنَامِهِمۡ	33	وہ عدل کے قائل لوگ جھوٹے ہیں اسلئے کہ انہوں نے تیری تشبیہ اپنے بتوں

وَنَحلُوکَ حِلیَةَ المَخلُوقِینَ بِاَوھَامِھِم وَجَزَّاُوکَ تَجزِئَةَ المُجَسَّمَاتِ بِخَوَاطِرِھِم وَقَدَّرُوکَ عَلَی الخِلقَةِ المُختَلِفَةِ القُوٰی بِقَرَائِحِ عُقُولِھِم وَ		سے دی ہے یعنی وہ لوگ اپنے بتوں اور لیڈروں کو بھی اللہ ہی کی طرح واجب الاطاعت سمجھتے ہیں اور اپنے وہموں کے سہارے تجھے وہی مقام دیتے ہیں جو انہوں نے مخلوق کو دے رکھا ہے۔ ساتھ ہی وہ مسلمان اپنی فکر اور خیالات سے تجھے بھی باقی مادّی اور جسم دار چیزوں کی طرح قابل تجزیہ سمجھتے ہیں اور اپنی ناقص عقلوں سے تیرے لئے بھی مختلف اعضاء اور قوتیں تجویز کئے ہوئے ہیں۔ (یعنی قریشی قسم کے مسلمان توحید خداوندی پر ایمان رکھتے ہوئے بھی اللہ کے لئے اپنی طرف سے اعضا اور بدن کے حصّے مانتے تھے) (دیکھو بخاری)
اَشھَدُ اَنَّ مَن سَاوَاکَ بِشَیءٍ مِن خَلقِکَ فَقَد عَدَلَ بِکَ وَالعَادِلُ بِکَ کَافِرٌ بِمَا تَنَزَّلَت بِہٖ مُحکَمَاتُ اٰیَاتِکَ وَنَطَقَت عَنہُ شَوَاھِدُ حُجَجِ بَیِّنَاتِکَ ؛	34	میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ جس کسی نے بھی تجھے تیری پیدا کی ہوئی کسی چیز کے مساوی قرار دیا اس نے تیرے عدل کے خلاف اپنا عدل (تناسب) قائم کیا اور ایسا خود ساختہ عادل ان تمام چیزوں کا کافر ہوتا ہے جو تیری محکم آیات میں نازل ہوئی ہیں اور جن کے متعلق تیرے منہ بولتے گواہ اور حجتیں بیان دیتی اور ثبوت فراہم کرتی رہی ہیں۔
وَاَنَّکَ اَنتَ اللّٰہُ الَّذِی لَم تَتَنَاہَ فِی العُقُولِ فَتَکُونَ فِی مَھَبِّ فِکرِھَا مُکَیَّفًا وَّلَا فِی رَوِیَّاتِ خَوَاطِرِھَا فَتَکُونَ مَحدُودًا مُّصَرَّفًا ؛	35	اور یہ بھی شہادت دیتا ہوں کہ تو ایسا اللہ ہے کہ جس کی عقلوں میں گنجائش اور سمائی ہے ہی نہیں کہ تو انسانوں کی سوچ بچار کی حدود میں آ کر ان کی تجویز کردہ کیفیات کے مطابق ہو جائے اور نہ ہی ان کے تصورات کی تجھ تک رسائی ہے کہ تو محدود ہو کر ان کے فکری تصرفات کے مطابق صورتیں اختیار کرتا رہے۔
قَدَّرَ مَاخَلَقَ فَاَحکَمَ تَقدِیرَہٗ ؛	36	اللہ نے جو کچھ پیدا کیا ہے اس کی بقا اور وجود اور فنا کے لئے تقدیر مقرر کر کے اُسے مستحکم کر دیا ہے۔
وَدَبَّرَہٗ فَاَلطَفَ تَدبِیرَہٗ ؛	37	پھر اس کے کائنات میں رہنے اور اس کی منزل کی طرف بڑھنے کی ضروری تدبیریں کیں اور پھر ان تدبیروں میں اپنے لطف و کرم کو ملحوظ رکھا۔
وَوَجَّھَہٗ لِوِجھَتِہٖ فَلَم یَتَعَدَّ حُدُودَ مَنزِلَتِہٖ ؛ وَلَم یَقصُرُدُونَ الاِنتِھَاءِ اِلٰی غَایَتِہٖ ؛	38	اور ان تمام مخلوقات کو ان کی مقرر شدہ راہ پر لگایا چنانچہ انہوں نے اپنی منزل سے تجاوز نہ کیا۔ اور مقررہ حدود میں رہیں اور نہ انہوں نے اپنی اپنی منزل اور انتہا تک پہنچنے میں کمی کی۔
وَلَم یَستَصعِب اِذ اُمِرَ بِالمُضِیِّ عَلٰی اِرَادَتِہٖ ؛	39	اور جب بھی انہیں اللہ کے ارادے اور مقصد کو انجام دینے کا حکم ملا تو انہوں نے بجا آوری کو دشوار نہ سمجھا۔

وَ كَيۡفَ وَ اِنَّمَا صَدَرَتِ الۡاُمُوۡرُ عَنۡ مَّشِيَّتِهٖ ؟	40	یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ تعمیل نہ کریں کہ وہ تمام مخلوقات اللہ کی مشیت اور ارادہ کے ماتحت وجود میں آئی ہیں اور تمام کام اسی کی مشیت کے ماتحت ہوتے ہیں۔
اَلۡمُنۡشِئُ اَصۡنَافَ الۡاَشۡيَاءِ بِلَا رَوِيَّةِ فِكۡرٍ اٰلَ اِلَيۡهَا ؛	41	وہ تو وہی اللہ ہے کہ جس نے تمام اشیاء کی ہر ہر قسم کو بلا کسی سوچ بچار کے اپنی پسند اور حکمت کے ماتحت ایجاد کیا ہے۔
وَلَا قَرِيۡحَةِ غَرِيۡزَةٍ اَضۡمَرَ عَلَيۡهَا ؛	42	نہ کہ پہلے سے تصورات کو چھپائے ہوئے اور ان پر غور وفکر کر کے پیدا کیا ہوتا (یعنی سرکشی کا امکان چھوڑا ہی نہ تھا جس کو جیسا بنایا وہ ویسی بنی اور وہی کام کیا جس کے لئے اسے بنایا تھا)
وَلَا تَجۡرِبَةٍ اَفَادَهَا مِنۡ حَوَادِثِ الدُّهُوۡرِ ؛	43	اور نہ کسی حادثہ اور زمانوں کے الٹ پھیر اور تقاضوں سے تجربہ کر کے پیدا کیا تھا۔
وَلَا شَرِيۡكٍ اَعَانَهُ عَلَى ابۡتِدَاعِ عَجَائِبِ الۡاُمُوۡرِ ؛	44	اور اللہ کے عجیب ترین کاموں کی ابتدا اور ایجاد میں کوئی ایسا شریک کار نہ تھا جس سے اس نے مدد لی ہو۔
فَتَمَّ خَلۡقُهُ بِاَمۡرِهٖ وَاَذۡعَنَ لِطَاعَتِهٖ وَاَجَابَ اِلٰى دَعۡوَتِهٖ ؛	45	چنانچہ خالص احکاماتِ خداوندی سے تخلیق کائنات اور ایجاد مخلوق تمام ہوئی اور وجود میں آتے ہی ہر مخلوق نے اطاعت اختیار کر لی اور اللہ کی دعوت اور احکام قبول کر لئے۔
لَمۡ يَعۡتَرِضۡ دُوۡنَهُ رَيۡثُ الۡمُبۡطِئِ وَلَا اَنَاةُ الۡمُتَلَكِّئِ ؛	46	ایسی کوئی مخلوق نہ رہی کہ اللہ کے حکم میں سستی یا تکلف یا اعتراض کرتی یا حیلہ و بہانہ کر کے احکام کی تعمیل کو ٹالتی۔
فَاَقَامَ مِنَ الۡاَشۡيَآءِ اَوَدَهَا وَنَهَجَ حُدُوۡدَهَا ؛	47	تمام چیزوں سے متعلق خمیدگی اور جھکاؤ کو قائم کیا اور مڑنے اور جھکنے اور لچک کھانے کی حدود اور طریقے میں مستحکم کیا۔
وَلَاءَمَ بِقُدۡرَتِهٖ بَيۡنَ مُتَضَآدِّهَا ؛	48	اور اپنی قدرت سے متضاد چیزوں اور عناصر میں ہم آہنگی پیدا کی۔
وَ وَصَلَ اَسۡبَابَ قَرَائِنِهَا ؛	49	اور تمام چیزوں کو اس طرح ایک دوسری سے ملایا اور وابستہ کیا کہ بکھر نہ سکیں۔
وَفَرَّقَهَا اَجۡنَاسًا مُخۡتَلِفَاتٍ فِي الۡحُدُوۡدِ وَالۡاَقۡدَارِ وَالۡغَرَائِزِ وَ الۡهَيۡئَاتِ ؛	50	اور ان سب کو مختلف جنسوں میں رکھ دیا جو اپنی اپنی حدود مقدرات، طبیعتوں اور خاصیتوں اور حالتوں اور صورتوں میں رہتے ہیں (اور اپنی اپنی جنس آگے بڑھاتے ہیں)
بَدَايَا خَلَائِقَ اَحۡكَمَ صُنۡعَهَا وَفَطَرَهَا عَلٰى مَا اَرَادَ وَابۡتَدَعَهَا ؛	51	چنانچہ یہ پہلی دفعہ پیدا ہونے والی مخلوقات تھیں جن کو اس نے اپنے ارادے اور مقصد کے مطابق فطرت اور خاصیتیں عطا کر کے اپنی کاریگری سے وجود بخشا تھا۔

وَنَظَمَ بِلَا تَعْلِيقٍ رَّهَوَاتِ فُرَجِهَاوَ لَاحَمَ صُدُوعَ انْفِرَاجِهَا ؛	52	اور اللہ نے آسمانوں کو بلا کسی چیز میں لٹکائے ہوئے اس طرح منظّم کیا کہ ان کے وسیع شگافوں کو آپس میں پیوست کر دیا اور اسی قسم کے دوسرے شگافوں کو مربوط کر کے مسلسل کر دیا۔
وَ وَشَّجَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اَزْوَاجِهَا ؛	53	اور آسمانوں کی جوڑیوں کو بھی ایک دوسرے سے ہم آہنگ کر دیا۔
وَذَلَّلَ لِلْهَابِطِيْنَ بِاَمْرِهٖ وَالصَّاعِدِيْنَ بِاَعْمَالِ خَلْقِهٖ حُزُوْنَةَ مِعْرَاجِهَا ؛	54	اور مخلوقات کے اعمال ریکارڈ کرنے اور دوسرے احکامات کی تعمیل کرنے کے لئے آسمانوں سے اترنے والوں اور چڑھنے والوں کے لئے نزول ومعراج کی دشواری کو آسان کر دیا۔
وَنَادَاهَا بَعْدَ اِذْ هِيَ دُخَانٌ ؛	55	اور آسمانوں کو اس وقت ندا دی گئی تھی جب کہ وہ ابھی دھوئیں کی گیس والی صورت میں تھے۔
فَالْتَحَمَتْ عُرَى اَشْرَاجِهَا ؛	56	چنانچہ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ اپنے دور دور پھیلے ہوئے قطعات (بگولوں) کو باہم ملا کر حاضر ہوں۔
وَفَتَقَ بَعْدَ الْاِرْتِتَاقِ صَوَامِتَ اَبْوَابِهَا ؛	57	اور آسمانوں کے بند شدہ دروازوں کو کھول دیا گیا تھا۔
وَاَقَامَ رَصَدًا مِّنَ الشُّهُبِ الثَّوَاقِبِ عَلٰى نِقَابِهَا ؛	58	اور شہاب ثاقب یا ٹوٹ کر دوڑنے والے ستاروں کو نقاب سے ڈھکی ہوئی کمین گاہوں پر حفاظت کیلئے قائم کر دیا۔ (تا کہ بلا اجازت کوئی آسمانوں پر نہ چڑھ سکے)
وَاَمْسَكَهَا مِنْ اَنْ تَمُوْرَ فِيْ خَرْقِ الْهَوَآءِ بِاَيْدِهٖ وَاَمَرَهَا اَنْ تَقِفَ مُسْتَسْلِمَةً لِاَمْرِهٖ ؛	59	اور انہیں اپنی قوت اور توانائی سے اپنے ہاتھوں میں اس طرح رکھا ہوا ہے کہ وہ ہواؤں کے جھٹکوں اور جھکڑوں سے ادھر اُدھر ہٹ نہیں سکتے اور آسمانوں کو یہ حکم دیا کہ اپنی جگہ پر ٹھہرو اور اطاعت شعاری کا اعلان کرو۔
وَجَعَلَ شَمْسَهَا اٰيَةً مُّبْصِرَةً لِنَهَارِهَا وَقَمَرَهَا اٰيَةً مَّمْحُوَّةً مِّنْ لَيْلِهَا ؛	60	اور ان کے سورج کو ایک ایسی آیت اور نشانی بنا دیا جو دن میں بصارت کی ذمہ دار ہے اور ان کے چاند کو جس کی روشنی گھٹتی بڑھتی رہتی ہے رات کی علامت بنا دیا ہے۔
فَاَجْرَاهُمَا فِيْ مَنَاقِلِ مَجْرَاهُمَا وَقَدَّرَ سَيْرَهُمَا فِيْ مَدَارِجِ دَرَجِهِمَا لِيُمَيِّزَ بَيْنَ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ بِهِمَا وَلِيُعْلَمَ عَدَدُ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابُ بِمَقَادِيْرِهِمَا ؛	61	چنانچہ انہیں ان کی گزرگاہوں پر روانہ کر دیا جس میں ہمیشہ محوِ سفر رہتے ہیں۔ اور اُن کے سفر کی حرکت کو متعین ومقدر کر دیا ہے تا کہ ان کی روش سے دن اور رات میں تمیز اور ان کی ابتدا اور انتہا معلوم ہوتی رہے اور تا کہ ان کی رفتار سے منزلوں سے برسوں کی تعداد کا علم ہوتا رہے اور ان کیلئے مقدر کی ہوئی منزلوں سے حساب لگایا جا سکے۔

ثُمَّ عَلَّقَ فِیْ جَوِّهَا فَلَکَهَا ؛	62	پھر آسمانوں کی فضا میں ان کے افلاک کو معلق کر دیا۔
وَنَاطَ بِهَا زِیْنَتَهَا مِنْ خَفِیَّاتِ دَرَارِیْهَا وَمَصَابِیْحِ کَوَاکِبِهَا وَرَمٰی مُسْتَرِقِی السَّمْعِ بِثَوَاقِبِ شُهُبِهَا ؛	63	اوران کی سجاوٹ کے لئے وہ ستارے جو چراغوں کی طرح روشن ہیں اور وہ ستارے جو ان کی پہنائیوں میں چھپے ہوئے ہیں آراستہ کر دیئے گئے ہیں (یعنی ستارے صرف یہی نہیں ہیں جو دکھائی دیتے ہیں) اور جو کوئی سن گن لینے کیلئے ساعت کی حد تک پہنچ سکے اس پر ٹوٹ کر دوڑنے والے ستارے (شہاب ثاقب) ٹوٹ پڑتے ہیں۔
وَاَجْرَاهَا عَلٰی اِذْلَالِ تَسْخِیْرِهَا مِنْ ثَبَاتِ ثَابِتِهَا وَمَسِیْرِ سَائِرِهَا وَهُبُوْطِهَا وَصُعُوْدِهَا ؛ نُحُوْسِهَا وَسُعُوْدِهَا ؛	64	اور ستاروں کو اس طرح مسخر اور مطیع کیا کہ سیارے گرمِ سفر رہیں اور ستارے اپنا استقلال برقرار رکھیں چنانچہ ان کی روانی اور نیچے اترنا اور اوپر چڑھنا اُن کی نحوست اور سعادت کو اپنے ارادے اور مشیت کے ماتحت کرلیا (یعنی آسمانوں اور افلاک کی کی اور ستاروں اور سیاروں کی ہر حرکت اللہ کی مرضی و تقدیر کے مطابق ہے)
ثُمَّ خَلَقَ سُبْحَانَهٗ لِاِسْکَانِ سَمٰوَاتِهٖ ؛ وَعِمَارَةِ الصَّفِیْحِ الْاَعْلٰی مِنْ مَلَکُوْتِهٖ خَلْقًا بَدِیْعًا مِّنْ مَلَائِکَتِهٖ ؛	65	پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے آسمانوں میں اور بلند ترین مقامات پر ٹھہرانے اور بسانے کے لئے ایک بہت عجیب و غریب اور انوکھی مخلوقات ملائکہ کی صورت اور صفات میں پیدا کر دی تھی۔
وَمَلَاَ بِهِمْ فُرُوْجَ فِجَاجِهَا وَحَشَا بِهِمْ فُتُوْقَ اَجْوَائِهَا ؛	66	اور ملائکہ سے وہ تمام مقامات بھر دیئے تھے جو آسمانوں کی راہوں میں اور خالی چھوڑی ہوئی جگہوں میں اور فضائے بسیط کی تمام وسعتوں میں ان کے لئے موزوں و مقرر تھیں۔
وَبَیْنَ فَجَوَاتِ تِلْکَ الْفُرُوْجِ زَجَلُ الْمُسَبِّحِیْنَ مِنْهُمْ فِیْ حَظَائِرِ الْقُدُسِ ؛ وَسُتُرَاتِ الْحُجُبِ وَسُرَادِقَاتِ الْمَجْدِ ؛	67	اور یوں کائنات کے تمام گوشوں اور چپے چپے پر پھیلے ہوئے فرشتوں کی تسبیح کی آوازیں ان کشادہ اطراف کی وسعتوں میں اور تقدس کی چار دیواریوں میں اور اللہ کی عظمت و جبروت کے لٹکنے والے پردوں میں اور بزرگی اور جلال کے حجابوں میں گونج رہی ہیں۔
وَوَرَآءَ ذٰلِکَ الرَّجِیْجِ الَّذِیْ تَسْتَکُّ مِنْهُ الْاَسْمَاعُ سُبُحَاتُ نُوْرٍ تَرْدَعُ الْاَبْصَارَ عَنْ بُلُوْغِهَا ؛	68	اور تسبیح کی اس گونج کے پیچھے کہ جس سے کان بہرے ہو جاتے ہیں نور کی تجلیات اس فراوانی سے برس رہی ہیں کہ ان کی چمک وہاں تک نگاہ کی رسائی کو روک دیتی ہے۔

فَتَقِفُ خَاسِئَةً عَلٰى حُدُوْدِهَا ؛	69	چنانچہ نظریں وہاں تک رسائی سے محروم رہ کر اپنی حدود کے اندر ہی ٹھہری رہتی ہیں۔
وَاَنْشَاَهُمْ عَلٰى صُوَرٍ مُخْتَلِفَاتٍ وَّاَقْدَارٍ مُتَفَاوِتَاتٍ اُولِىْ اَجْنِحَةٍ ؛ تُسَبِّحُ جَلَالَ عِزَّتِهٖ لَايَنْتَحِلُوْنَ مَاظَهَرَ فِى الْخَلْقِ مِنْ صُنْعِهٖ ؛وَلَا يَدَّعُوْنَ اَنَّهُمْ يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا مَعَهٗ مِمَّا انْفَرَدَبِهٖ (بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ لَايَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ (سورہ انبیا 21/26-27)	70	اور اللہ نے ان ملائکہ کو مختلف صورتوں اور مختلف اور دوررس تقدیرات کے ساتھ پیدا کیا ہے چنانچہ ان میں پرواز کیلئے پر رکھنے والے فرشتے بھی ہیں جو اللہ کی عزت و جلال کی تسبیح کرتے ہیں اور جو کچھ بھی اللہ کی کاریگری سے کائنات میں ظہور پذیر ہوا ہے اسے اپنا کام نہیں کہتے اور یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ وہ بھی اللہ کے ساتھ مل کر کوئی چیز پیدا کرتے ہیں اسلئے تخلیق میں تو اللہ ہی تنہا اور انفرادیت رکھتا ہے اسی لئے انکے حق میں اللہ نے فرمایا ہے کہ: ''وہ مکرم بندے ہیں ایسے کہ کسی بات میں بھی اللہ پر سبقت نہیں کرتے اور جو کچھ اللہ کا حکم ہوتا ہے اسی پر عمل کرتے ہیں۔(سورہ انبیاء 21/26-27)۔
جَعَلَهُمْ فِيْمَا هُنَالِكَ اَهْلَ الْاَمَانَةِ عَلٰى وَحْيِهٖ وَحَمَّلَهُمْ اِلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَدَائِعَ اَمْرِهٖ وَنَهْيِهٖ وَعَصَمَهُمْ مِنْ رَّيْبِ الشُّبُهَاتِ فَمَا مِنْهُمْ زَائِغٌ عَنْ سَبِيْلِ مَرْضَاتِهٖ ؛	71	اللہ نے ان کو اس سلسلے میں اپنی وحی کا امین بنایا ہے اور ان پر رسولوں کے متعلق ذمہ داریاں عائد کی ہیں تاکہ وہ اللہ کے احکامات اور ممانعتیں پہنچانے میں کام آئیں۔ یعنی رسولوں کے مددگار ہیں اور ان کو شبھات کے شش و پنج اور الجھنوں سے معصوم و محفوظ کردیا ہے۔ چنانچہ ان میں کوئی بھی تو اللہ کے پسندیدہ راستے کے خلاف منصوبہ بنانے والا نہیں ہے۔
وَاَمَدَّهُمْ بِفَوَائِدِ الْمَعُوْنَةِ وَاَشْعَرَ قُلُوْبَهُمْ تَوَاضُعَ اِخْبَاتِ السَّكِيْنَةِ وَفَتَحَ لَهُمْ اَبْوَابًا ذُلَلًا اِلٰى تَمَاجِيْدِهٖ وَنَصَبَ لَهُمْ مَنَارًا وَاضِحَةً عَلٰى اَعْلَامِ تَوْحِيْدِهٖ ؛	72	اور ان کو اطاعت کرنے اور مطیع رہنے کے تمام اسباب اور سامان فراہم کرنے میں ان کی مدد کی ہے اور نرم روی اور عاجزی اور سکون کو ان کے دلوں کا شعار و مشغلہ بنا دیا ہے اور اپنا شکر ادا کرانے اور عزت و احترام کرانے کیلئے ان پر متعلقہ دروازے کھول دیئے ہیں اور ان پر اپنی توحید کے تمام نشانات واضح رکھنے کیلئے ہدایت کے مینار قائم کردیئے ہیں جن سے راہنمائی حاصل ہوتی رہے۔
لَمْ تُثْقِلْهُمْ مُوْصِرَاتُ الْاٰثَامِ ؛	73	ان انتظامات کا نتیجہ یہ ہے کہ انکے کاندھوں پر گناہوں کی گرانی آنے ہی نہیں پاتی ہے۔
وَلَمْ تَرْتَحِلْهُمْ عُقَبُ اللَّيَالِىْ وَالْاَيَّامِ وَلَمْ تَرْمِ الشُّكُوْكُ بِنَوَازِعِهَا عَزِيْمَةَ اِيْمَانِهِمْ وَلَمْ تَعْتَرِكِ الظُّنُوْنُ عَلٰى مَعَاقِدِ يَقِيْنِهِمْ وَلَا قَدَحَتْ قَادِحَةُ	74	اور نہ ہی دن رات کی آمدورفت اور موسموں کا اثر انہیں متاثر کر کے ان کے حالات میں تغیر کرتا ہے اور نہ ہی شکوک ان کے عزائم اور ایمان میں گڑبڑ کرسکتے ہیں۔ اور نہ ہی ظن و گمان کی کوئی قسم ان کے عقائد و یقین محکم میں داخل ہو کر انہیں ڈگمگا سکتی ہے یعنی شکوک و شبہات اور ظن و گمان اور وہم اور ریب سے ان کا کوئی تعلق

الْإِحَنِ فِيمَا بَيْنَهُمْ وَلَا سَلَبَتْهُمُ الْحَيْرَةُ مَالَاقَ مِنْ مَّعْرِفَتِهِ بِضَمَائِرِهِمْ ؛		ہی نہیں ہے۔اور ان میں آپس میں دشمنی اور بغض وکینہ اور حسد کے شعلے نہیں بھڑکتے ہیں۔اور ان کے اندر حیرت اور تعجب کا مادہ رکھا ہی نہیں گیا ہے کہ ان کے دلوں میں معرفت شناسی اور حق پروری پر اثر انداز ہوسکیں۔
وَسَكَنَ مِنْ عَظَمَتِهِ وَهَيْبَةِ جَلَالِهِ فِي أَثْنَاءِ صُدُورِهِمْ ؛	75	اور اللہ کی بزرگی اور عظمت اور اس کا جلال اس کی ہیبت کی بنا پر ان کے دلوں میں آباد رہتا ہے۔
وَلَمْ تَطْمَعْ فِيهِمُ الْوَسَاوِسُ فَتَقْتَرِعَ بِرَيْنِهَا عَلَى فِكْرِهِمْ ؛	76	اور ان کے اندر گھسنے کے لئے وسوسے طمع نہیں کرتے کہ ان کے تصورات وتفکرات و خیالات میں کسی طرح کی ہل چل پیدا کرسکتے۔
مِنْهُمْ مَنْ هُوَ فِي خَلْقِ الْغَمَامِ الدُّلَّحِ وَفِي عِظَمِ الْجِبَالِ الشُّمَّخِ وَفِي قُطْرَةِ الظَّلَامِ الْأَيْهَمِ ؛	77	ملائکہ میں سے ایک گروہ ایسا ہے جس کو پانی سے لدئے ہوئے بادلوں میں اور عظیم پہاڑوں کی بلندیوں میں اور ایسے تیرہ وتاریک مقامات میں جہاں اندھیروں کی وجہ سے بھٹک جانا ضروری ہے تعینات کردیا گیا ہے۔
وَمِنْهُمْ مَّنْ قَدْ خَرَقَتْ أَقْدَامُهُمْ تُخُومَ الْأَرْضِ السُّفْلَى فَهِيَ كَرَايَاتٍ بِيضٍ قَدْ نَفَذَتْ فِي مَخَارِقِ الْهَوَاءِ ؛ تَحْتَهَا رِيحٌ هَفَّافَةٌ تَحْبِسُهَا عَلَى حَيْثُ انْتَهَتْ مِنَ الْحُدُودِ الْمُتَنَاهِيَةِ ؛	78	اور ان میں سے وہ بھی ہیں جن کے پیر زمین سے پار تحت الثریٰ کی گہرائی تک نکلے ہوئے ہیں اور وہ سفید پرچموں کی مانند ہیں جو ہواؤں اور خلا میں سے اُدھر گزر گئے ہیں۔اور ان کے پاؤں کے نیچے خوشبودار ہوا ہے جو ان کے لئے سہارا بنی ہوئی ہے اور وہ گنجائش کی انتہا تک حد بندی کئے ہوئے ہے (مطلب یہ ہے کہ یہ ملائکہ پوری کائنات کی وسعتوں میں سمائے ہوئے ہیں) اور یوں کائناتی حدود کی منتہا تک پھیلے ہوئے ہیں اور:
قَدِ اسْتَفْرَغَتْهُمْ أَشْغَالُ عِبَادَتِهِ ؛	79	اللہ کی عبادت اور اطاعت نے انہیں ہر مصروفیت اور شغل سے باز رکھا ہوا ہے لہٰذا وہ ہر لمحہ عبادت میں مشغول ہیں۔
وَوَصَلَتْ حَقَائِقُ الْإِيمَانِ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَعْرِفَتِهِ وَقَطَعَهُمُ الْإِيقَانُ بِهِ إِلَى الْوَلَهِ إِلَيْهِ ؛	80	ان کے اور اللہ کی معرفت کے درمیان ایمانی حقائق ان کیلئے وسیلہ بنے ہوئے ہیں۔ اور انکے یقین اور اعتماد نے جو انہیں اللہ پر ہے دوسری طرف متوجہ ہونے سے منقطع کر رکھا ہے اور اللہ کی محبت اور شدتِ شوق نے انکی تمام توجہات کو اللہ پر مرکوز کر رکھا ہے
وَلَمْ تُجَاوِزْ رَغَبَاتُهُمْ مَا عِنْدَهُ إِلَى مَا عِنْدَ غَيْرِهِ ؛ قَدْ ذَاقُوا حَلَاوَةَ مَعْرِفَتِهِ وَشَرِبُوا بِالْكَأْسِ الرَّوِيَّةِ مِنْ مَّحَبَّتِهِ ؛	81	اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے اس سے انہیں اتنی رغبت ہے کہ وہ جو کچھ اوروں کے پاس ہے اس کی طرف رغبت نہیں کرتے۔یقیناً انہوں نے اللہ کی معرفت کا مزہ چکھ لیا ہے اور انہوں نے وہ جام پی لیا ہے جو اللہ کی دوستی اور محبت بھرے رویہ سے لبریز ہے۔

وَتَمَكَّنَتْ مِنْ سُوَيْدَآءِ قُلُوْبِهِمْ وَشِيْجَةُ خِيْفَتِهٖ فَحَنَوْا بِطُوْلِ الطَّاعَةِ اعْتِدَالَ ظُهُوْرِهِمْ ؛	82	اوران کے دلوں کے اندر اللہ کے خوف نے جڑیں چھوڑ رکھی ہیں اورخوف وہاں پوری طرح مسلط ہے چنانچہ طولانی اطاعت نے ان کی کمروں کو اعتدال کے خلاف جھکا کر رکھ دیا ہے۔
وَلَمْ يُنْفِدْ طُوْلُ الرَّغْبَةِ اِلَيْهِ مَادَّةَ تَضَرُّعِهِمْ وَلَا اَطْلَقَ عَنْهُمْ عَظِيْمُ الزُّلْفَةِ رِبَقَ خُشُوْعِهِمْ وَلَمْ يَتَوَلَّهُمُ الْاِعْجَابُ فَيَسْتَكْثِرُوْا مَاسَلَفَ مِنْهُمْ؛ وَلَاتَرَكَتْ لَهُمُ اسْتِكَانَةُ الْاِجْلَالِ نَصِيْبًا فِيْ تَعْظِيْمِ حَسَنَاتِهِمْ ؛	83	اور ہر وقت اللہ کی رضا مندیوں کے حصول میں لگے رہنے کے باوجود ان کی آہ و زاری اور گڑگڑانے کے ذخائر ابھی ختم نہیں ہوئے ہیں۔اور قرب خداوندی کی عظیم بلندیوں پر ہونے کے باوجود ابھی ان کی گردنوں سے عاجزی وخاکساری کے پھندے نہیں اترے ہیں۔اوران پر خود پسندی کی حکمرانی ہوئی ہی نہیں کہ اپنی گزری ہوئی عبادتوں کو اور اطاعت کو زیادہ سمجھ کر اترائیں۔اور نہ اللہ کی عظمت و جلال کے سامنے ان کے عجز وانکسار نے یہ موقع آنے دیا ہے کہ وہ اپنی نیکیوں اور عبادتوں کو عظیم الشان سمجھ لیں۔
وَلَمْ تَجْرِ الْفَتَرَاتُ فِيْهِمْ عَلٰى طُوْلِ دُؤُوْبِهِمْ ؛	84	اور نہ ہی مسلسل کوششوں اور محنت کے باوجود ان پر سستی اور کاہلی مسلّط ہوسکتی ہے
وَلَمْ تَغِضْ رَغَبَاتُهُمْ فَيُخَالِفُوْا عَنْ رَجَآءِ رَبِّهِمْ ؛	85	اور نہ ہی اللہ کی عبادت میں ان کی دلچسپی اور رغبت کم ہونے پائی کہ وہ اپنے رب سے امید وتمنا کو کم کرسکیں۔
وَلَمْ تَجِفَّ لِطُوْلِ الْمُنَاجَاةِ اَسَلَاتُ اَلْسِنَتِهِمْ ؛	86	اور مناجات اور دعاؤں میں طویل عرصہ کی مشغولیت نے ان کی زبانوں کے کناروں کو خشک نہیں کردیا ہے۔
وَلَا مَلَكَتْهُمُ الْاَشْغَالُ فَتَنْقَطِعَ بِهَمْسِ الْجُؤَارِ اِلَيْهِ اَصْوَاتُهُمْ ؛	87	اور نہ کبھی ایسا ہوا کہ وہ دوسری مصروفیات کی وجہ سے اپنے گریہ و زاری اور گڑگڑانے کی آوازوں کو دھیما کرلیں۔
وَلَمْ تَخْتَلِفْ فِيْ مَقَاوِمِ الطَّاعَةِ مَنَاكِبُهُمْ ؛	88	اور جن مقامات پر وہ اطاعت اور عبادت کیلئے کھڑے ہوتے ہیں وہاں اپنے کاندھوں کو آگے پیچھے نہیں کرتے ہیں (یعنی اپنی صفوں اور قیام کو سیدھا رکھتے ہیں)
وَلَمْ يَثْنُوْا اِلٰى رَاحَةِ التَّقْصِيْرِ فِيْ اَمْرِهٖ رِقَابَهُمْ ؛	89	اور انہوں نے راحت و آرام حاصل کرنے کی کوششیں نہیں کی کہ اپنی گردن کو اللہ کے احکام کی تعمیل سے آزاد کرکے عبادت میں کمی کردیں۔
وَلَا تَعْدُوْ عَلٰى عَزِيْمَةِ جِدِّهِمْ بَلَادَةُ	90	ان کی کوششوں اور پختہ عزم پر کم فہمی اور غفلت وارد نہیں ہوتی کہ وہ خدا کی بندگی

الْغَفَلاتِ ؛		سے غافل اور معذور رہ جائیں۔
وَلَا تَنْتَضِلُ فِيْ هِمَمِهِمْ خَدَائِعُ الشَّهَوَاتِ ؛	91	ان کی ہمتوں اور اطاعت میں خواہشات کی فریب کاریاں اثر اندازی نہیں کرتیں۔
قَدِ اتَّخَذُوْا ذَا الْعَرْشِ ذَخِيْرَةً لِيَوْمِ فَاقَتِهِمْ ؛	92	انہوں نے اپنی ہر ضرورت اور احتیاج کے لئے مالکِ عرش ہی کو اپنی ناداری کے دن کا ذخیرہ بنایا ہے۔
وَيَمَّمُوْهُ عِنْدَ انْقِطَاعِ الْخَلْقِ اِلَى الْمَخْلُوْقِيْنَ بِرَغْبَتِهِمْ ؛	93	اور انہوں نے اپنی رغبت اور تعلق کو صرف اللہ سے وابستہ کر رکھا ہے جب کہ دوسرے لوگ اپنا سروکار مخلوق سے رکھتے ہیں۔
وَلَا يَقْطَعُوْنَ اَمَدَ غَايَةِ عِبَادَتِهِ ؛	94	اور اس محنت وتندہی کے باوجود ملائکہ اللہ کی عبادت کی آخری منزل تک نہیں پہنچ سکتے ہیں۔
وَلَا يَرْجِعُ بِهِمُ الْاِسْتِهْتَارُ بِلُزُوْمِ طَاعَتِهِ	95	اور ان کو پابندی عبادت کا شوق کسی اور طرف نہیں پلٹا تا سوائے اس کے کہ وہ
اِلَّا اِلٰى مَوَادَّ مِنْ قُلُوْبِهِمْ غَيْرِ مُنْقَطِعَةٍ مِّنْ رَجَائِهِ وَمَخَافَتِهِ ؛	96	اپنے قلبی امید وآسرے کی ہی طرف پلٹتے ہیں اور اسی سرچشمہ کی طرف لوٹتے ہیں جہاں اللہ سے امید وخوف منقطع نہیں ہونے پاتے۔
لَمْ تَنْقَطِعْ اَسْبَابُ الشَّفَقَةِ مِنْهُمْ فَيَنُوْا فِيْ جِدِّهِمْ ؛	97	چنانچہ اللہ کی شفقت کے اسباب اور وسائل ان سے منقطع نہیں ہوئے ہیں کہ وہ اپنی کوششوں میں سستی کریں۔
وَلَمْ تَاْسِرْهُمُ الْاَطْمَاعُ فَيُؤْثِرُوْا وَشِيْكَ السَّعْيِ عَلَى الْاِجْتِهَادِ هِمْ ؛	98	اور نہ ہی دنیاوی لالچ اور طمع ان پر حاوی ہے کہ وہ اس میں الجھ جائیں اور اسے اپنی حقیقی کوششوں اور اجتہاد پر ترجیح دے دیں۔
وَلَمْ يَسْتَعْظِمُوْا مَامَضٰى مِنْ اَعْمَالِهِمْ ؛	99	اور نہ انہوں نے اپنے ماضی میں کیئے ہوئے اعمال کو عظیم درجہ دیا۔
وَلَوِ اسْتَعْظَمُوْا ذٰلِكَ لَنَسَخَ الرَّجَآءُ مِنْهُمْ شَفَقَاتِ وَجَلِهِمْ ؛	100	اور اگر وہ ان اعمال کو بزرگ سمجھتے تو ان کی امیدواریاں ان کے خوف اور شفقتوں کو ریکارڈ کر لیتیں۔
وَلَمْ يَخْتَلِفُوْا فِيْ رَبِّهِمْ بِاسْتِحْوَاذِ الشَّيْطَانِ عَلَيْهِمْ ؛	101	اور نہ انہوں نے شیطان کے بہکانے میں آکر اپنے پروردگار کے متعلق کوئی اختلاف کیا۔
وَلَمْ يُفَرِّقْهُمْ سُوْءُ التَّقَاطُعِ وَلَا تَوَلَّاهُمْ عَلَى التَّحَاسُدِ ؛	102	اور نہ ہی ایک دوسرے سے جدائی اختیار کرنے کی خاطر آپس میں تفرقہ ڈالا۔ اور نہ کینہ وحسد ان پر مسلط ہونے پایا ہے۔
وَلَا تَشَعَّبَتْهُمْ مَصَارِفُ الرِّيَبِ وَلَا	103	اور نہ ان میں شش وپنج اور الجھنوں نے مختلف شعبے اور فرقے پیدا کئے اور نہ ہی

اقْتَسَمَتْهُمْ اَخْيَافُ الْهِمَمِ ؛		ان کی ہمتوں اور مہم جوئی نے ان کو بہت سی مختلف قسموں میں تقسیم کیا ہے۔
فَهُمْ اُسَرَاءُ اِيْمَانٍ لَمْ يَفُكَّهُمْ مِّنْ رِبْقَتِهٖ زَيْغٌ وَلَا عُدُوْلٌ وَلَا وَنًى وَّلَا فُتُوْرٌ ؛	104	چنانچہ تمام فرشتے ایمان کے قیدی ہیں لہٰذا ان کو منصوبہ سازی یا سستی فتور اور روگردانی نے ایمان کی قید سے کبھی نہیں چھڑایا۔یعنی ان پر یہ چیزیں کبھی اثرانداز نہیں ہوئیں۔
وَلَيْسَ فِيْ اَطْبَاقِ السَّمَآءِ مَوْضِعُ اِهَابٍ اِلَّا وَعَلَيْهِ مَلَكٌ سَاجِدٌ اَوْ سَاعٍ حَافِدٌ يَزْدَادُوْنَ عَلٰى طُوْلِ الطَّاعَةِ بِرَبِّهِمْ عِلْمًا وَتَزْدَادُ عِزَّةُ رَبِّهِمْ فِيْ قُلُوْبِهِمْ عِظَمًا ؛	105	آسمانوں کے طبقات میں کہیں ایک کھال کے برابر بھی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ سجدہ نہ کر رہا ہو۔یا وہاں تیزی اور سرعت کے ساتھ کوشش میں مصروف فرشتہ موجود نہ ہو اپنے پروردگار کی طولانی اطاعت سے ان کے علم میں زیادتی و اضافہ ہوتا رہتا ہے اور ان کے دلوں میں ان کے پروردگار کی عزت و عظمت میں بھی زیادتی اور اضافہ ہوتا رہتا ہے۔
كَبَسَ الْاَرْضَ عَلٰى مَوْرِ اَمْوَاجٍ مُّسْتَفْحِلَةٍ وَلُجَجِ بِحَارٍ زَاخِرَةٍ تَلْتَطِمُ اَوَاذِيُّ اَمْوَاجِهَا وَتَصْطَفِقُ مُتَقَاذِفَاتُ اَثْبَاجِهَا وَتَرْغُو زَبَدًا كَالْفُحُوْلِ عِنْدَ هِيَاجِهَا ؛	106	اللہ نے اس زمین کو ان امواج میں قیام کے لئے بھیجا جو اسی طرح حرکت و جنبش میں تھیں جس طرح نر و مادہ حالت ہیجان میں ہوتے ہیں اور تمام سمندروں میں اس وقت اپنے پانی کو ایک دوسرے سے زیادہ بلند کرنے کا جھگڑا اور مقابلہ جاری تھا۔سمندروں کی موجیں ایک دوسری کو رگڑ دینے کے لئے تلاطم میں مصروف تھیں اور موجیں ایک دوسری سے ٹکرا ٹکرا کر گونج پیدا کر رہی تھیں اور ان میں ایسا ہیجان اور جوش نمودار تھا کہ جیسے حیوانات جنسی مستی کے عالم میں غراتے ہیں۔
فَخَضَعَ جِمَاحُ الْمَآءِ الْمُتَلَاطِمِ لِثِقَلِ حَمْلِهَا وَسَكَنَ هَيْجُ ارْتِمَائِهٖ اِذْ وَطِئَتْهُ بِكَلْكَلِهَا وَذَلَّ مُسْتَخْذِيًا اِذْ تَمَعَّكَتْ عَلَيْهِ بِكَوَاهِلِهَا فَاَصْبَحَ بَعْدَ اصْطِخَابِ اَمْوَاجِهٖ سَاجِيًا مَّقْهُوْرًا وَفِيْ حَكَمَةِ الذُّلِّ مُنْقَادًا اَسِيْرًا ؛	107	چنانچہ زمین کے حمل کی گرانی اور ثقالت نے متلاطم پانی کی سرکشی کو عاجزی میں بدل دیا اور جیسے ہی پانی نے زمین کی دبازت محسوس کی تو اس کی کچل ڈالنے والی موجوں کا ہیجان رک گیا۔اور جب زمین کا چوڑا چکلا پاٹ سامنے دیکھا تو سمندر نے اپنی کمزوری اور ذلت محسوس کر کے خود کو سپرد کر دیا۔چنانچہ موجوں کی ہنگامہ خیزیاں ختم کر کے بے بس ہو کر رہ گیا۔اور ذلت کی حکمرانی قبول کر کے اس کے سامنے مطیع اور اسیر ہو گیا۔
وَسَكَنَتِ الْاَرْضُ مَدْحُوَّةً فِيْ لُجَّةِ تَيَّارِهٖ وَرَدَّتْ مِنْ نَخْوَةِ بَاْوِهٖ وَاعْتِلَائِهٖ وَشُمُوْخِ اَنْفِهٖ وَسُمُوِّ غُلَوَائِهٖ	108	اور زمین سمندر کے اندر اس کی موجوں کے درمیان ٹھہر گئی۔اور سمندروں کو ان کے تکبر اور سرکشی اور بلند پروازی سے روک دیا۔اور ناک چڑھائے رکھنے اور اپنے بہاؤ میں فوقیت دکھانے کا خاتمہ کر دیا۔اور اس کی روانی کو اعتدال پر لانے

وَ كَعَمَتْهُ عَلٰى كِظَّةِ جَرْيَتِهٖ ؛فَهَمَدَ بَعْدَ نَزَقَاتِهٖ وَلَبَدَ بَعْدَ زَيَفَانِ وَثَبَاتِهٖ ؛		کیلئے ایسی بندشیں عائد کیں کہ وہ اچھلنے اور کودنے کے بعد بے دم ہو کر ٹھیر گیا اور اپنی روانی کی تمام چوکڑیاں بھرنا اور چھلانگیں مارنا بند کر کے آخر اعتدال پر آ گیا
فَلَمَّا سَكَنَ هَيْجُ الْمَاءِ مِنْ تَحْتِ اَكْنَافِهَا ؛ فَحَمَلَ شَوَاهِقَ الْجِبَالِ الشُّمَّخِ الْبُذَّخِ عَلٰى اَكْنَافِهَا ؛	109	چنانچہ جب سمندری پانی کا ہیجان سکون میں بدل گیا اور زمین کی سطح ٹھیک سے استوار ہوگئی۔ اور اس کے کاندھے ٹک گئے تب اللہ نے اس کے کاندھوں پر اونچے اونچے اور چوڑے چکلے پہاڑوں کا بوجھ رکھ دیا۔
فَجَّرَ يَنَابِيْعَ الْعُيُوْنَ مِنْ عَرَانِيْنِ اُنُوْفِهَا ؛	110	چنانچہ زمین کی ناک کے نتھنوں میں سے پانی کے چشمے جاری کر دیئے۔
وَفَرَّقَهَا فِيْ سُهُوْبِ بِيْدِهَا وَاَخَادِيْدِهَا ؛	111	اور ان چشموں کو بیابانوں جنگلوں اور میدانوں اور زمین کے کشادہ اطراف میں پھیلا دیا۔
وَعَدَّلَ حَرَكَاتِهَا بِالرَّاسِيَاتِ مِنْ جَلَامِيْدِهَا ؛	112	اور زمین کی حرکتوں میں اعتدال پیدا کرنے کے لئے اللہ نے زمین کی سطح پر پہاڑ اور سنگلاخ چٹانیں پیدا کر دیں۔
وَذَوَاتِ الشَّنَاخِيْبِ الشُّمِّ مِنْ صَيَاخِيْدِهَا ؛	113	اور بلند چوٹیوں والے پہاڑوں کو مناسب مقامات پر قائم کیا۔
فَسَكَنَتْ مِنَ الْمَيَدَانِ لِرُسُوْبِ الْجِبَالِ فِيْ قِطَعِ اَدِيْمِهَا ؛وَتَغَلْغُلِهَا مُتَسَرِّبَةً فِيْ جَوْبَاتِ خَيَاشِيْمِهَا ، وَرُكُوْبِهَا اَعْنَاقَ سُهُوْلِ الْاَرَضِيْنَ وَجَرَاثِيْمِهَا ؛	114	چنانچہ زمین کو ساکن رکھنے کے لئے پہاڑوں کی جڑیں میدانوں کو چیرتی ہوئی زمین کی نچلی تہہ تک پہنچ گئیں ہیں اور جڑیں پانی میں سے مسافت طے کرتی ہوئی پانی کے سوتوں تک جا پہنچیں۔ اور زمینوں کے میدانی علاقوں کی گردنوں پر سوار ہو کر زمین کو ڈگمگانے اور تھرانے سے روکنے میں معاون ہوگئیں۔
وَفَسَحَ بَيْنَ الْجَوِّ وَبَيْنَهَا ؛	115	اور اللہ نے زمین کے اندر اور زمین اور فضا کے درمیان بہت وسعت پیدا کی ہے۔
وَاَعَدَّ الْهَوَآءَ مُتَنَسَّمًا لِسَاكِنِهَا ؛ وَاَخْرَجَ اِلَيْهَا اَهْلَهَا عَلٰى تَمَامِ مَرَافِقِهَا ؛	116	زمین میں بسنے والوں کے سانس لینے اور دوسرے فائدے اُٹھانے کے لئے ہوائیں پیدا کی ہیں۔ اور اہل زمین کو ان کی تمام ضروریات فراہم کر کے ان کے ساتھ زمین میں رکھا۔
ثُمَّ لَمْ يَدَعْ جُرُزَ الْاَرْضِ الَّتِيْ تَقْصُرُ مِيَاهُ الْعُيُوْنِ عَنْ رَوَابِيْهَا وَلَا تَجِدُ جَدَاوِلُ الْاَنْهَارِ ذَرِيْعَةً اِلٰى بُلُوْغِهَا ؛	117	پھر اللہ نے اونچی سطح کی چٹیل زمینوں کو جن کی سطح تک نہ چشموں کا پانی پہنچتا تھا اور نہ نہروں اور کنوؤں سے آبپاشی ممکن تھی یوں ہی نہیں چھوڑ دیا تھا کہ وہ بلا پانی کے غیر آباد اور بنجر بن کر رہ جائیں۔ بلکہ پانی پہنچانے کے لئے اللہ نے

حَتّٰی اَنْشَأَلَھَا نَاشِئَۃَ سَحَابٍ تُحْیِیْ مَوَاتِھَا ؛ وَتَسْتَخْرِجُ نَبَاتَھَا ؛	118	ہوا پر بلند ہونے والی گھٹاؤں کا انتظام کیا جو مُردوں کو حیات بخشتی ہیں اور گھاس واناج اور پھل پھول اور دیگر نباتات پیدا کرتی ہیں۔
اَلَّفَ غَمَامَھَا بَعْدَ افْتِرَاقِ لُمَعِہٖ وَتَبَایُنِ قَزَعِہٖ ؛	119	اللہ نے بادلوں کی بکھری ہوئی چمکیلی ٹکڑیوں اور پراگندہ بدلیوں کو اکٹھا کر کے بڑا اسارابادل تیار کیا۔
حَتّٰی اِذَا تَمَخَّضَتْ لُجَّۃُ الْمُزْنِ فِیْہِ ؛ وَالْتَمَعَ بَرْقُہٗ فِیْ کُفَفِہٖ وَلَمْ یَنَمْ وَمِیْضُہٗ فِیْ کَنَھْوَرِ رَبَابِہٖ ؛وَمُتَرَاکِمِ سَحَابِہٖ ؛اَرْسَلَہٗ سَحًّا مُتَدَارِکًا قَدْ اَسَفَّ ھَیْدَبُہٗ تَمْرِیْہِ الْجَنُوْبُ دِرَرًاَ ھَاضِیْبِہٖ؛ وَدَفَعَ شَآبِیْبِہٖ فَلَمَّا اَلْقَتِ السَّحَابُ بَرْکَ بَوَانِیْھَا ؛وَبَعَاعَ مَااسْتَقَلَّتْ بِہٖ مِنَ الْعِبْءِ الْمَحْمُوْلِ عَلَیْھَا ؛	120	یہاں تک کہ پانی سے لبریز سفید بادل تیار ہوگیا اور برسنے کی صورت اختیار کر لی اور پانی کا کافی ذخیرہ حرکت میں آ گیا۔اوراس کے اندر اور ادھر ادھر بجلیاں چمکنے لگیں۔اور بجلی کی یہ چمک اور روشنی سفید بادلوں کی تہوں میں گھنے بادلوں کے اندر مسلسل جاری رہی پھر اللہ نے ان تیار شدہ بادلوں کو زور شور سے برسنے کے لئے پے در پے بھیجنا شروع کیا۔اس طرح سے کہ پانی سے لدے ہوئے بادل نزدیک سے زمین پر منڈلا رہے تھے اور جنوبی ہوائیں انہیں متھ کر برسنے والے مینھ کی بوندیں گرا رہی تھیں اور ایک دم ٹوٹ پڑنے والی بارش کے جھالے زمین پر انڈیل رہی تھیں۔یوں بادل اپنا اُٹھایا ہوا بوجھ زمین پر گرا کر خالی ہوتے جا رہے تھے جب بادل فارغ ہوکر چلے گئے تب اللہ نے
اَخْرَجَ بِہٖ مِنْ ھَوَامِدِ الْاَرْضِ النَّبَاتَ وَمِنْ زُعْرِ الْجِبَالِ الْاَعْشَابَ فَھِیَ تَبْھَجُ بِزِیْنَۃِ رِیَاضِھَا وَتَزْدَھِیْ بِمَا اُلْبِسَتْہُ مِنْ رَیْطِ اَزَاھِیْرِھَا ؛وَحِلْیَۃِ مَاسُمِّطَتْ بِہٖ مِنْ نَاضِرِاَنْوَارِھَا ؛	121	اس افتادہ اور بنجر زمین میں سرسبز کھیتیاں پیدا کر دیں پھول پھل اور طرح طرح کی نباتات سے زمین کو ہرا بھرا کر دیا۔اور خشک پڑے ہوئے پتھریلے پہاڑوں پر سبز چادریں اُڑھا دیں تو زمین بھی اپنی ہریالی اوڑھنی اور کلیوں اور پھولوں کے زیور پہن کر جھومنے اور خوشیاں منانے لگی اور چمنستانوں کے انوار سے منور ہوگئی۔
وَجَعَلَ ذٰلِکَ بَلَاغًا لِلْاَنَامِ وَرِزْقًا لِلْاَنْعَامِ،	122	اور اللہ نے وہ سب کچھ جانداروں تک پہنچانے کے لئے کیا ہے اور چوپاؤں کے لئے رزق قرار دیا ہے۔
وَخَرَقَ الْفِجَاجَ فِیْ اٰفَاقِھَا وَاَقَامَ الْمَنَارَ لِلسَّالِکِیْنَ عَلٰی جَوَادِّ طُرُقِھَا ؛	123	اوراس نے زمین کے کناروں تک تمام سمتوں میں کشادہ راستے بنائے ہیں اور شاہراہوں پر چلنے والوں کیلئے روشنی کے مینار قائم کر دیئے ہیں۔
فَلَمَّا مَھَّدَ اَرْضَہٗ وَاَنْفَذَ اَمْرَہٗ ؛	124	چنانچہ جب اللہ نے زمین کو گہوارہ بنا دیا اوراس کے متعلق اپنے احکام بھی نافذ

اَخْتَارَ اٰدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ خِيَرَةً مِّنْ خَلْقِهٖ ؛	125	کر دیئے تب اللہ نے آدم علیہ السلام کو بزرگی عطا کی اور انہیں ساری مخلوقات سے افضل و برتر ٹھہرا دیا۔
وَجَعَلَهُ اَوَّلَ جِبِلَّتِهٖ ؛	126	اور انہیں اپنی مخصوص صفات والی پہلی مخلوق قرار دیا۔
وَاَسْكَنَهُ جَنَّتَهُ ؛	127	اور انہیں اپنی جنت میں بسا دیا۔
وَاَرْغَدَ فِيْهَا اُكُلَهُ ؛	128	اور جنت میں آدمؑ کیلئے کھانے پینے کا سامان فراوانی کے ساتھ مہیا کر دیا تھا۔
وَاَوْعَزَا اِلَيْهِ فِيْمَا نَهَاهُ عَنْهُ ؛	129	اور اس کے سامنے وہ اشارات پیش کر دیئے تھے جس سلسلے میں اسے ممانعت کرنا مقصود تھی۔
وَاَعْلَمَهُ اَنَّ فِي الْاَقْدَامِ عَلَيْهِ التَّعَرُّضَ لِمَعْصِيَتِهٖ ؛	130	اور اسے اس سلسلے میں یہ تعلیم دے دی تھی کہ اشارہ شدہ معاملہ میں اقدام کرنے سے نافرمانی سے تعرض کرنا ہوگا۔
وَالْمُخَاطِرَةَ بِمَنْزِ لَتِهٖ ؛	131	اور یہ کہ تمہاری منزلت بھی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔
فَاَقْدَمَ عَلٰى مَانَهَاهُ عَنْهُ مُوَافَاةً لِّسَابِقِ عِلْمِهٖ ؛	132	چنانچہ آدمؑ نے اسی منع کی جانے والی بات میں اقدام کیا تا کہ اسکا وہ مقصد حاصل ہو جائے جو پہلے سے علم خداوندی میں تھا اور وہ اس علم سے مطابقت کر سکے۔
فَاَهْبَطَهُ بَعْدَ التَّوْبَةِ لِيَعْمُرَ اَرْضَهُ بِنَسْلِهٖ ؛	133	133۔ چنانچہ اللہ نے توبہ کے بعد آدمؑ کو زمین پر اتار دیا تا کہ وہ اللہ کی زمین کو اپنی نسل سے آباد کرے۔
وَلِيُقِيْمَ الْحُجَّةَ بِهٖ عَلٰى عِبَادِهٖ ؛	134	اور اللہ کے بندوں پر اللہ حجت قائم کر سکے۔
وَلَمْ يُخْلِهِمْ بَعْدَ اَنْ قَبَضَهُ مِمَّا يُؤَكِّدُ عَلَيْهِمْ حُجَّةَ رُبُوْبِيَّتِهٖ وَيَصِلُ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَعْرِفَتِهٖ ؛	135	اور جب اللہ نے آدمؑ کو اپنے قبضے میں لے لیا تو اس کی وفات کے بعد بھی اللہ نے نوع انسان کو ان چیزوں سے محروم نہیں رکھا تھا جن سے آدمؑ کے بعد والے لوگوں پر اللہ کی ربوبیت کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ اور جن سے لوگوں کے اور اللہ کے درمیان معرفتِ خداوندی واضح ہوتی ہے۔
بَلْ تَعَاهَدَهُمْ بِالْحُجَجِ عَلٰى اَلْسُنِ الْخِيَرَةِ مِنْ اَنْبِيَآئِهٖ وَ ؛	136	بلکہ اللہ نے تو یکے بعد دیگرے ہر ہر دور میں اپنے برگزیدہ نبیوں کی زبان سے تعلیمات و ہدایات اور اللہ کے معاہدات کو برقرار رکھا۔
مُتَحَمِّلِيْ وَدَائِعِ رِسَالَاتِهٖ قَرْنًا فَقَرْنًا حَتّٰى تَمَّتْ بِنَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ حُجَّتُهُ	137	اور تعلیماتِ خداوندی کے امانت داروں کے ذریعہ سے ہر آنے والی صدی میں اپنی رسالت کو برابر جاری رکھا جو آخر کار ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ پر تمام ہوگئی اور اللہ کی حجت اپنی انتہا تک پہنچ گئی۔

وَبَلَغَ الْمَقْطَعَ عُذْرُہُ وَنُذُرُہُ ؛	138	اور اس کی طرف سے بندوں کے ہر عذر پر عذر قائم ہو گیا اور ان کے لئے تمام تنبیہات کا بند باندھ دیا گیا۔
وَقَدَّرَ الْاَرْزَاقَ فَكَثَّرَهَا وَقَلَّلَهَا ؛	139	اور اللہ نے روز اوّل ہی سے تمام مخلوقات کی ہر ضرورت فراہم کرنا مقدر کر دیا تھا اور فراہمی میں کمی و زیادتی بھی مقدر کر دی تھی۔
وَقَسَّمَهَا عَلَى الضِّيْقِ وَالسَّعَةِ ؛	140	اور سامانِ حیات کی تقسیم کو تنگی اور فراخی کی شکلوں میں رکھا۔
فَعَدَلَ فِيْهَا لِيَبْتَلِيَ مَنْ اَرَادَ بِمَيْسُوْرِهَا وَمَعْسُوْرِهَا ؛	141	اور اس تقسیم کو بھی عدل و تناسب کا پابند رکھا تا کہ ان لوگوں کو الگ الگ مواقع دیئے جائیں جو اس فراہمی میں آسانیاں اور سہولتوں کا ارادہ رکھتے ہوں اور جو اس میں عسرت اور تنگی کو مدّ نظر رکھیں۔
وَلِيَخْتَبِرَ بِذٰلِكَ الشُّكْرَ وَالصَّبْرَ مِنْ غَنِيِّهَا وَفَقِيْرِهَا ؛	142	اور تا کہ فراہمی کے اس مقدر شدہ طریقے سے یہ پتہ بھی چلتا رہے کہ اس میں غنی ہو جانے والے لوگوں اور فقیر بن جانے والے لوگوں کے شکر کرنے اور صبر کرنے کا حال کیا ہے؟
ثُمَّ قَرَنَ بِسَعَتِهَا عَقَابِيْلَ فَاقَتِهَا ؛	143	اور اللہ نے تقسیم رزق میں فراوانی کے پیچھے پیچھے تعاقب کے لئے تنگدستی کی مصیبت کو بھی جوڑی دار بنا دیا ہے۔
وَبِسَلَامَتِهَا طَوَارِقَ اٰفَاتِهَا ؛	144	اور سلامتی و خوشحالی کے ساتھ ساتھ آفات و حادثات کو لگا دیا ہے۔
وَبِفُرَجِ اَفْرَاحِهَا غُصَصَ اَتْرَاحِهَا ؛	145	اور بہت زیادہ خوشیوں اور فرحتوں کے پہلو بہ پہلو غم و اندوہ اور گلا گھونٹنے والے حالات کو رکھ دیا ہے۔
وَخَلَقَ الْاٰجَالَ فَاَطَالَهَا وَقَصَّرَهَا ؛	146	اور اللہ نے اسی طرح روز اول سے ہر چیز اور ہر کام کیلئے ایک وقت اور گھڑی اور عمر پیدا کی ہے اور رزق کی طرح ان میں بھی کمی ہونے اور اضافہ ہونے کی گنجائش رکھی۔
وَقَدَّمَهَا وَاَخَّرَهَا ؛	147	اور موت کو وقت سے پہلے آ جانے اور وقت کے بعد آنے کا موقع دیا۔
وَوَصَلَ بِالْمَوْتِ اَسْبَابَهَا ؛	148	اور یہ سب کچھ موت کو وجوہات اور اسباب پر منحصر کرنے سے ہوا ہے۔
وَجَعَلَهٗ خَالِجًا لِاَشْطَانِهَا ؛	149	اور اللہ نے موت کو انسانوں کی عمر کی رسی کھینچنے اور انہیں اپنی طرف گھسیٹنے والا بنایا ہے۔
وَقَاطِعًا لِمَرَائِرِ اَقْرَانِهَا ؛	150	اور اسے موقع بہ موقع انسانوں کے دنیاوی رشتوں کو منقطع کرنے والا بنا دیا ہے۔
عَالِمُ السِّرِّ مِنْ ضَمَائِرِ الْمُضْمِرِيْنَ ؛	151	اللہ ضمیروں کے اندر چھپے ہوئے رازوں کا بھی اور راز رکھنے والوں کا بھی عالم ہے۔
وَنَجْوَى الْمُتَخَافِتِيْنَ ؛	152	اور سرگوشی کرنے والوں سے اور ان کی کُھسر پُسر کو بھی جانتا ہے۔

وَخَوَاطِرِ رَجْمِ الظُّنُوْنَ ؛	153	اور دماغوں میں گزرنے والے خطرات اور ظن اور اندیشوں سے بھی واقف ہے۔
وَعُقَدِ عَزِيْمَاتِ الْيَقِيْنِ ؛	154	اور دلوں کے اندر طے ہونے والے ارادوں اور منصوبوں پر یقین کو بھی جانتا ہے۔
وَمَسَارِقِ اِيْمَاضِ الْجُفُوْنِ ؛	155	اور آنکھوں اور پلکوں کے سایہ میں چوری چوری گزرنے والے اشاروں پر بھی مطلع ہے۔
وَمَا ضَمِنَتْهُ اَكْنَانُ الْقُلُوْبِ ؛	156	اور جو کچھ دلوں کے اندر ملتوی کر کے محفوظ رکھا ہے اسے بھی،
وَغَيَابَاتِ الْغُيُوْبِ ؛	157	اور جو کچھ غیب کے پردوں میں ہے اسے بھی جانتا ہے۔
وَمَا اَصْغَتْ لِاسْتِرَاقِهِ مَصَائِخُ اَسْمَاعٍ ؛	158	اور ان باتوں کو بھی جانتا ہے جن کو چپکے سے سننے کے لئے کانوں کے سوراخ جھکا کر قریب لائے جاتے ہیں۔
وَمَصَائِفَ الذَّرِّ ؛	159	اور اللہ چیونٹیوں وغیرہ ذرّہ برابر جانوروں کے گرمی کے ٹھکانے بھی جانتا ہے۔
وَمَشَاتِي الْهَوَامِّ ؛	160	اور ڈنک مارنے والے کیڑوں کے سردی میں پناہ لینے کو بھی جانتا ہے۔
وَرَجْعِ الْحَنِيْنِ مِنَ الْمُوَلَّهَاتِ وَهَمْسِ الْاَقْدَامِ ؛	161	اور اس آہ و بکا اور فریاد اور چیخوں کو بھی سنتا ہے جو بیٹوں کی موت پر ماؤں کے منہ سے نکلتی ہیں اور چلنے والوں کے قدموں کی چاپ بھی سنتا ہے۔
وَمُنْفَسَحِ الثَّمَرَةِ مِنْ وَّلَائِجِ غُلُفِ الْاَكْمَامِ ؛	162	اور پھلوں کے نشو ونما اور ان کے اگنے اور محفوظ رہنے کے غلافوں اور گچھوں سے اور شاخوں اور خوشوں سے اور دیگر پوشیدہ مقامات کا بھی عالم ہے۔
وَمُنْقَمَعِ الْوُحُوْشِ مِنْ غِيْرَانِ الْجِبَالِ وَاَوْدِيَتِهَا ؛	163	اور حیوانات کے غاروں میں اور پہاڑوں کی وادیوں اور کھوؤں میں اور جھاڑیوں اور ان کے نشیبوں میں چھپنے اور پناہ لینے کی جگہوں پر بھی مطلع ہے۔
وَمُخْتَبَاءِ الْبَعُوْضِ بَيْنَ سُوْقِ الْاَشْجَارِ وَاَلْحِيَتِهَا ؛ وَمَغْرَزِ اَوْرَاقٍ مِنَ الْاَفْنَانَ ؛	164	اور مچھروں کے پلنے اور چھپنے کی جگہوں درختوں کی شاخوں میں اور چھالوں میں اور جہاں جہاں درختوں کے پتے اپنی شاخوں سے لگے اور ملے ہوتے ہیں وہ سب مقامات جانتا ہے۔
وَمَحَطِّ الْاَمْشَاجِ مِنْ مَّسَارِبِ الْاَصْلَابِ وَنَاشِئَةِ الْغُيُوْمِ وَمُتَلَاحِمِهَا ؛ وَدُرُوْرِ قَطْرِ السَّحَابِ فِيْ مُتَرَاكِمِهَا ؛	165	اور ان مقامات کو بھی جانتا ہے جہاں جہاں مردوں کے صلب سے چل کر نطفہ رحموں یا اندام نہانی تک پہنچتا ہے اور وہاں خون کے ساتھ ہم آہنگ ہوتا ہے اور آسمان پر بادلوں کا اُٹھ کر جانا پھر جمع ہو کر برسنا اور بوندیں بن کر زمین پر گرنا بھی جانتا ہے۔
وَمَا تَسْفِي الْاَعَاصِيْرُ بِذُيُوْلِهَا وَتَعْفُوْا الْاَمْطَارُ بِسُيُوْلِهَا ؛	166	اور ریت کے ان ذرات پر بھی مطلع ہے جن کو آندھیوں اور بگولوں نے اُڑا کر زمین پر لاد ڈالا ہے۔ اور ان تمام نشانات اور آثار کا بھی عالم ہے جنہیں طوفان باد و باراں نے مٹا دیا

وَعَوْمِ نَبَاتِ الْاَرْضِ فِیْ کُثْبَانِ الرِّمَالِ ؛		ہے اور ریت کے ٹیلوں پر اور ریگستان میں زمین کے کیڑوں کے چلنے پھرنے پر بھی مطلع ہے۔
وَمُسْتَقَرِّ ذَوَاتِ الْاَجْنِحَةِ بِذُرٰی شَنَاخِیْبِ الْجِبَالِ ؛	167	اور آسمان بوس پہاڑوں کی چوٹیوں پر طائران ہوا کے تمام نشیمنوں اور گھونسلوں کو بھی جانتا ہے۔
وَتَغْرِیْدِ ذَوَاتِ الْمَنْطِقِ فِیْ دَیَاجِیْرِ الْاَوْکَارِ ؛	168	اور گھٹا ٹوپ اندھیروں میں چہچہانے والے پرندوں کے نغموں کو بھی جانتا ہے
وَمَا اَوْعَبَتْهُ الْاَصْدَافُ وَحَضَنَتْ عَلَيْهِ اَمْوَاجُ الْبِحَارِ ؛	169	اور اسے بھی جانتا ہے جو سیپیوں نے اپنے اندر محفوظ کر رکھا ہے اور اس کا بھی عالم ہے جن چیزوں کو سمندر کی امواج نے پہلو میں دبا رکھا ہے۔
وَمَا غَشِيَتْهُ سُدْفَةُ لَيْلٍ اَوْ ذَرَّ عَلَيْهِ شَارِقُ نَهَارٍ ؛	170	اور اسے وہ سب کچھ بھی معلوم ہے جسے رات کی تاریکی ڈھانپ لیتی ہے اور جس کو دن کا سورج نمایاں کرتا رہتا ہے۔
وَمَا اعْتَقَبَتْ عَلَيْهِ اَطْبَاقُ الدَّيَاجِيْرِ ؛ وَسُبُحَاتُ النُّوْرِ ؛	171	اور اس سب کا بھی عالم ہے جسے گہری تاریکیاں اپنے قابو میں لے لیتی ہیں اور کبھی اسے نور کا جھمکٹا گھیر لیتا ہے۔
وَاَثَرِ كُلِّ خَطْوَةٍ وَّحِسِّ كُلِّ حَرَكَةٍ ؛ وَرَجْعِ كُلِّ كَلِمَةٍ وَتَحْرِيْكِ كُلِّ شَفَةٍ وَمُسْتَقَرِّ كُلِّ نَسَمَةٍ وَمِثْقَالِ كُلِّ ذَرَّةٍ ؛ وَهَمَاهِمِ كُلِّ نَفْسٍ هَامَّةٍ ؛	172	وہ عالم ہے ہر قدم کے نشان کا اور ہر چیز کی حرکت کا اور ہر لفظ کی بازگشت اور ہر ہونٹ کی جنبش اور ہر ذی حیات کا ٹھکانا اور ہر ذرے کا وزن اور ہر ذی حیات کی سسکیاں اور سسکیوں کی آوازوں کا۔
وَمَا عَلَيْهَا مِنْ ثَمَرِ شَجَرَةٍ اَوْ سَاقِطِ وَرَقَةٍ ؛ اَوْ قَرَارَةِ نُطْفَةٍ اَوْ نُقَاعَةِ دَمٍ وَّمُضْغَةٍ اَوْ نَاشِئَةِ خَلْقٍ وَّسُلَالَةٍ ؛	173	اور ان کے علاوہ جو کچھ اس زمین پر ہے وہ سب اللہ کے علم میں ہے خواہ وہ درختوں کے پھلوں میں سے ہو یا ٹوٹ کر گرنے والا پتہ ہو یا نطفہ کا ٹھہرنا ہو یا نطفے کے منجمد خون میں تبدیل ہو جانا ہو یا اس سے بننے والی مخلوق ہو یا پیدا ہونے والا بچہ ہو یا خلاصہ و نتیجہ ہو۔
لَمْ تَلْحَقْهُ فِیْ ذٰلِکَ کُلْفَةٌ وَلَا اعْتَرَضَتْهُ فِیْ حِفْظِ مَا ابْتَدَعَ مِنْ عَارِضَةٌ ؛	174	الغرض اللہ کو یہ سب کچھ جاننے میں کسی قسم کی اور کسی مقدار میں کلفت و دقت نہیں ہوئی اور نہ ہی اللہ کو اپنی ایجاد کی ہوئی مخلوق کی حفاظت کرنے میں کوئی رکاوٹ پیش آئی۔
وَلَا اعْتَوَرَتْهُ فِیْ تَنْفِيْذِ الْاُمُوْرِ	175	اور نہ ہی اللہ کو اپنے احکام نافذ کرنے اور ان پر عمل کرانے میں سستی پیش آئی

وَتَدَابِيرِ الْمَخْلُوقِينَ مَلَالَةٌ وَلَا فَتْرَةٌ ؛		اور نہ ہی تدبیر کائنات کرنے سے اسے تھکن اور ملال پیش آیا۔
بَلْ نَفَذَهُمْ عِلْمُهُ ؛ وَاَحْصَاهُمْ عَدُّهُ ؛ وَوَسِعَهُمْ عَدْلُهُ وَغَمَرَهُمْ فَضْلُهُ ؛ مَعَ تَقْصِيرِهِمْ عَنْ كُنْهِ مَاهُوَ اَهْلُهُ ؛	176	بلکہ اس کا علم یہ سب کچھ نہایت قوت سے نافذ کر سکا۔ اور کائنات کی ہر ایک اور ایک ایک چیز اللہ کے شمار میں ہے اور ہر مخلوق کو عدل کے ساتھ وسعتیں عطا کی ہیں اور سب کے ساتھ اپنے فضل و کرم کو وابستہ کر دیا ہے۔ اور ہمارے اس سلوک کے باوجود مخلوقات اللہ کے شایانِ شان اس کا حق ادا کرنے سے قاصر رہتی ہے۔
اَللّٰهُمَّ اَنْتَ اَهْلُ الْوَصْفِ الْجَمِيلِ ؛	177	اے اللہ تو ہی بہترین اوصاف کا حقدار ہے۔
وَالتَّعْدَادِ الْكَثِيرِ ؛	178	اور تو ہی کثرت سے حمد وثنا کرنے کا حقدار ہے۔
اِنْ تُؤَمَّلْ فَخَيْرُ مُؤَمَّلٍ ؛	179	اگر تجھ سے امیدیں وابستہ کی جائیں تو تو امیدوں کا بہترین مرکز ہے۔
وَاِنْ تُرْجَ فَاَكْرَمُ مَرْجُوٍّ ؛	180	اور اگر تجھ سے مانگا جائے اور درخواست کی جائے تو تُو بہترین مرکزِ توجہ اور دینے والا ہے۔
اَللّٰهُمَّ وَقَدْ بَسَطْتَ لِيْ فِيمَا لَا اَمْدَحُ بِهِ غَيْرَكَ ؛	181	اے اللہ یقیناً تو نے مجھے ایسی قوت بیان بخشی ہے جس سے میں تیرے سوا کسی اور کی حمد وثنا نہیں کرتا
وَلَا اُثْنِي بِهِ عَلٰى اَحَدٍ سِوَاكَ ؛	182	اور تیرے سوا کسی اور کی ستائش و تعریف نہیں کرتا ہوں۔
وَاُوَجِّهُهُ اِلٰى مَعَادِنِ الْخَيْبَةِ وَمَوَاضِعِ الرِّيبَةِ ؛	183	اور میں ان لوگوں کی طرف اپنی توجہ نہیں موڑتا جو ناامیدیوں کی کانیں اور بدگمانیوں اور شش و پنج کے ٹھکانے ہیں۔
وَعَدَلْتَ بِلِسَانِيْ عَنْ مَدَائِحِ الْاٰدَمِيِّينَ وَلثَّنَآءِ عَلَى الْمَرْبُوبِينَ الْمَخْلُوقِينَ ؛	184	اور میں نے آدمیوں کی مدح وثنا و رزق پانے اور پالے جانے اور پیدا ہونے والوں کی ستائش میں عدل سے کام لیا ہے۔
اَللّٰهُمَّ وَلِكُلِّ مُثْنٍ عَلٰى مَنْ اَثْنٰى عَلَيْهِ مَثُوبَةٌ مِنْ جَزَآءٍ اَوْ عَارِفَةٌ مِنْ عَطَآءٍ ؛	185	اے اللہ ہر حمد وثنا کرنے والے کا اپنے ممدوح پر یہ حق ہوتا ہے کہ وہ اپنی حمد وثنا والے پر انعام و اکرام اور لطف و کرم کرے اور اسے عمدہ جزا دے اور اپنی عطا و بخشش سے نوازے۔
وَقَدْ رَجَوْتُكَ دَلِيلًا عَلٰى ذَخَائِرِ الرَّحْمَةِ وَكُنُوزِ مَغْفِرَةِ ؛	186	اور میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں اور امیدوار ہوں کہ تو ہی مجھے رحمتوں کے ذخیروں کے اور مغفرۃ کے خزانوں پر دلیل دینے والا ہے۔
اَللّٰهُمَّ وَهٰذَا مَقَامُ مَنْ اَفْرَدَكَ بِالتَّوْحِيدِ	187	اے اللہ یہ تیرا بندہ تیرے سامنے کھڑا ہے جس نے تجھے تیری توحید اور یکتائی

اَلَّذِیُ هُوَلَکَ ؛		میں منفرد تسلیم کیا ہے جو دراصل تیرا ہی حق ہے۔
وَلَمُ یَرَ مُسُتَحِقًّا لِّهٰذِهِ الُمَحَامِدِ وَالُمَمَادِحِ غَیُرَکَ ؛	188	اور تیرے سواان تعریفوں ستائشوں اور حمد وثنا کا کسی اور کو مستحق نہیں سمجھا ہے اور تیری ہی حمد وثنا کرتا رہا ہے اور
وَبِیُ فَاقَةٌ اِلَیُکَ لَایَجُبُرُ مَسُکَنَتَهَا اِلَّافَضُلُکَ وَلَا یَنُعَشُ مِنُ خَلَّتِهَا اِلَّامَنُّکَ وَجُودُکَ ؛	189	میری احتیاج صرف تجھ سے وابستہ ہے اور تیری ہی بخششوں اور نوازشوں سے اس کی بے نوائی اور بے کسی کا مداویٰ ہوسکتا ہے۔اور اس کے فقر وفاقہ کو تیرا ہی فضل وجود واحسان سہارا دے سکتا ہے۔
فَهَبُ لَنَا فِیُ هٰذَا الُمَقَامِ رِضَاکَ ؛	190	چنانچہ ہمیں اسی مقام پرتو اپنی رضا مندیاں اور خوشیاں بخش دے۔
وَاَغُنِنَا عَنُ مَدِّ الُاَیُدِیُ اِلٰی سِوَاکَ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیُءٍ قَدِیُرٌ ؛	191	اور ہمیں اپنے سوااور تمام دینے والوں کے ہاتھوں سے لاپراہ اور مستغنی کردے اور حقیقت یہ ہے کہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔

تشریحات:

یہاں کچھ قدیم باتیں سامنے لانا ضروری ہیں۔نہج البلاغہ کو پبلک تک پہنچے ہوئے تقریباً ہزار سال ہونے والے ہیں۔اس سے پہلے حضرت علی علیہ السلام کے یہ خطبات بھی اور وہ خطبات بھی جن کو جناب السید رضی رضی اللہ عنہ نے نہج البلاغہ میں شامل نہیں کیا علمائے اسلام کی کتابوں میں لکھے ہوئے چلے آرہے تھے اور آج تک لکھے ہوئے موجود ہیں۔مطلب یہ ہے کہ تقریباً چودہ سو سال سے حضور علیہ السلام کے بیانات مسلمانوں میں گشت کرتے آرہے ہیں اور اُن بیانات وخطبات کے متعلق علما وعوام کے بہت سے اقوال بھی کتابوں میں لکھے ہوئے موجود ہیں۔ اور اُن اقوال میں سے بہت سے اقوال نہج البلاغہ میں بھی لے لئے گئے ہیں۔چنانچہ اُن اقوال میں سے اس خطبے کے متعلق یہ بتایا گیا ہے کہ اس خطبے کا نام خطبہ اِشباح مشہور چلا آرہا ہے۔مگر یہ کسی نے بھی نہیں لکھا کہ یہ نام کس نے رکھا اور کیوں رکھا تھا؟ پھر یہ بھی لکھا گیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت علی علیہ السلام سے درخواست کی تھی کہ حضورؑ آپ ہمارے سامنے اللہ کے اوصاف اس انداز سے بیان فرمائیں کہ ہمیں ایسا معلوم ہونے لگے کہ گویا ہم اُسے اپنے سامنے کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں''اس درخواست پر سب نے لکھا ہے کہ حضرت علیؑ سخت غضبناک ہوئے چہرے کا رنگ تک بدل گیا تھا اور آپ نے اَلصَّلٰوۃُ الُجَامِعَه کی آواز دے کر لوگوں کو جمع کیا اور خطبہ دیا تھا۔

خطبات کو مسلسل پڑھنے والے حضرات کبھی تسلیم نہ کریں گے کہ اللہ کی مدح وثنا کی درخواست پر حضورؑ خفا ہوئے ہوں گے۔بہرحال علمانے نہ خطبے کے نام کی حقیقت پر تحقیق کی نہ حضورؑ کی خفگی کا اصل سبب بتایا۔اِسی قسم کی بے معنی باتیں تھیں جنہیں ہم نے اپنے ترجمہ اور تشریحات میں نظر انداز کردیا ہے۔اور مترجمین اور شارحین کی پیروی نہیں کی ہے۔اور ہمیں اُن ترجموں اور تشریحات نے حقیقت کو سمجھنے میں ذرہ برابر مدد نہیں دی ہے۔اور گنجلک پیدا کرتے چلے جانے کی وجہ سے ہم نے اکثر اُن پر تنقید کی ہے۔

خطبے کے نام سے تین ممکنہ مفاہیم برآمد ہوتے ہیں۔

ہم تک وہ ذرائع نہیں پہنچے جن پر مزید تحقیق وتصدیق کی بنیاد رکھی جاسکتی۔ ہمارے پاس سب سے بڑی دلیل اگر کچھ ہے تو وہ حضور علیہ السلام کے الفاظ ہیں جو خطبات میں استعمال کئے گئے ہیں یا وہ الفاظ ہیں جو ہم تک پہنچے ہیں۔ جیسے کہ لفظ اَشبَاح ہے۔ اس لفظ سے عربی زبان کا پہلا مفہوم ''مخلوقات وموجودات اور اشیاء'' برآمد ہوتا ہے۔ یعنی چونکہ حضورؑ نے اس خطبے میں اس کائنات کی تقریباً ہی تمام موجودات ومخلوقات اور اشیاء کو بیان کردیا ہے لہٰذا کسی نے خطبہ کا نام اسی بنا پر ''اشباح'' رکھ دیا تھا۔ دوسرے اس لفظ سے ''دعا کے لئے ہاتھ بلند کرنا اور پھیلانا'' بھی برآمد ہوتے ہیں اور یقیناً حضورؑ نے خطبے کے آخر میں ایک طویل اور اثر انگیز دعا فرمائی ہے اس لئے لفظ ''اشباح'' خطبے پر صادق آتا ہے۔ اور تیسرا مفہوم ''قادر الکلام ہونا'' ''یدطولیٰ'' رکھنا بھی اس خطبے سے ثابت ہوتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اِن خصوصیات کی بنا پر کسی دانشور نے اسے ''خطبة الاشباح'' قرار دیا ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔ صحیح بات اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

2۔ اگر حضورؑ خفا ہوئے تھے تو سبب اللہ کی مدح وثنا نہ تھی بلکہ خطبے کے جملے (130/14-30) نظامِ اجتہاد کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

بہر حال اگر حضور علیہ السلام کسی سائل پر خفا ہوئے تھے تو حقیقی سبب کو لوگوں نے چھپالیا ہے اور خفگی کا ایسا سبب بیان کر کے جان چھڑالی ہے جسے کوئی بھی ایسا شخص تسلیم نہ کرے گا جو مزاج مرتضویؑ پر مطلع ہو؟ جن کی فطرت ہی یہ ہو کہ ہر وقت حمد وستائش خداوندی کرتے رہیں۔ جو اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے اور بات بات میں یہی مشغلہ رکھتے ہوں؟ وہ کیسے اُس شخص پر خفا ہو سکتے تھے جس نے بقول مترجمین حضورؑ سے یہ کہا ہو کہ:

''صِفْ لَنَا رَبَّنَا لِنَزْدَادَلَهٗ حُبًّا وَّبِهٖ مَعْرِفَةً''

ترجمہ علی نقی ''یا امیر المومنینؑ برائے ما پروردگار ما را چناں وصف کن کہ دوستی ومعرفت ما در بارۂ اُو زیادہ گردد''

ہمارا ترجمہ۔ ''ہم سے ہمارے پروردگار کی حمد وثنا اس طرح بیان فرمائیں کہ ہماری دوستی، محبت اور معرفت میں اللہ کے لئے اضافہ ہوجائے۔''

اگر حضورؑ نے ایسے سائل پر خفگی کا اظہار فرمایا تھا تو یقیناً اُس شخص کا یہ سوال نہ تھا اُس نے ضرور کوئی چڑانے والی بے دینی کی بات کہی ہوگی۔ اور وہ بات یقیناً مجتہدانہ ذہن سے نکلی ہوئی بات ہوگی۔ جسے بعد کے لوگوں نے چھپالیا ہے اس لئے کہ وہ سب اجتہاد زدہ لوگ تھے۔ اور نہ چاہتے تھے کہ اُن کے نظام اجتہاد کی پول کھل جائے۔ اس لئے اُنہوں نے بات کو بدل کر لکھا ہے اور مجتہدانہ ذہنیت مطمئن چلی آئی ہے۔ ہم انشاء اللہ جملے (خطبہ 130، جملہ 14 تا 130) کی ذیل میں حقیقت پر روشنی ڈالیں گے اور ناراضگی کا پتہ خود حضورؑ کے الفاظ سے لگائیں گے۔

3۔ تمام مخلوقات اللہ کی عیال اللہ کا کنبہ کیسے ہوسکتا ہے؟

حضور علیہ السلام نے خطبے کی ابتدا اس اصول سے فرمائی ہے کہ کسی سرمائے یا ذخیرے میں سے خرچ یا صَرف کرنے سے یقیناً اُس سرمائے یا ذخیرے میں کمی ہوتی جانا ضروری ہے۔ اور بات چونکہ حساب کی ہے اس لئے نہ اس میں دو(2) رائیں ہوسکتی ہیں نہ اس کا انکار ہوسکتا ہے۔ لازم ہے کہ سو میں سے چار نکل جائیں تو چھیانویں باقی رہیں یعنی ٹوٹل میں سے چار یا خرچ ہونے والی رقم نفی کی جائے گی اور سابقہ ٹوٹل کم ہوجائے گا۔ حساب کے اس قانون کو سامنے رکھ کر حضرت علی علیہ السلام اللہ کی حمد وثنا کو بھی حد وحساب سے باہر نکالتے ہیں اور وجہ یہ بتاتے ہیں کہ اللہ کو اپنی فیاضی اور سخاوت کو روکنا کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ اس لئے کہ اُس کے یہاں دیتے رہنے سے کمی واقع نہیں ہوتی اور نہ دینے سے اضافہ نہیں ہوتا۔ لہٰذا ہاتھ روکنا فضول اور مذموم ہے۔ چنانچہ وہ فضول اور قابل مذمت کام کیوں کرے؟ اور کیوں نہ ہر کسی کو دیتا چلا جائے؟ کیوں کسی کے شکریہ

کا انتظار کرے؟ کیوں نہ ناشکروں کو قابلِ مذمت بناتا رہے؟ اور دھڑا دھڑ احسان کرتا چلا جائے تاکہ اللہ کی حمد وثنا اور ناشکروں کی مذمت بڑھتی چلی جائے؟ اور جب کہ انسان ہی نہیں بلکہ ساری مخلوقات اُس کا کنبہ بھی ہے۔ اور سارے کنبے کے رزق وضروریات کی اللہ نے ضمانت بھی لے رکھی ہے؟ لہٰذا عطیات وسخاوت وفیاضی میں کمی کرنے کی ضرورت ہی پیدا نہیں ہوتی۔ بلکہ ضرورت پیدا ہوتی ہے زیادہ فیاضی کی زیادہ سخاوت کی۔ ایسا ہی ہے وہ اللہ جس کی حمد وثنا بھی بے حد وحساب ہونا چاہئے۔ علیؑ جیسا شخص ایسے اللہ کی حمد وثنا اور ستائش میں کیسے کمی کر سکتا ہے وہ تو اپنی ساری قدرت وقوت اس پر صرف کردے گا اور جو کچھ اللہ سے ملے گا اُسے بھی اُسی پر لگا دے گا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے علیؑ کو بھی اپنی مدح وثنا کا ایسا ذخیرہ عطا کر دیا تھا جو مدح وثنا کرنے سے کم ہونے کے بجائے بڑھتا ہی جاتا تھا۔

4۔ اللہ نے رسولؐ اللہ کو عائل فرمایا تھا اور علیؑ نے اللہ کو صاحبِ عیال فرمایا ہے۔

سورہ الضحیٰ (93/8) میں اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا تھا کہ:

وَوَجَدَکَ عَائِلاً فَاَغْنٰیO ۔ ''اے محمدؐ ہم نے تمہیں ذمہ داریوں میں گھرا ہوا پایا چنانچہ تجھے غنی کر دیا۔''

اس آیت کا یہ ترجمہ ہماری تفسیر اور ترجمہ سے نقل کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ اس وقت ہم خود تفسیر کی ذمہ داریوں میں گھرے ہوئے تھے وہ ذمہ داریاں ختم اور مکمل ہوگئی ہیں۔ اب ہمارے سامنے بیان الامة ہے اب ہم اسی آیت کا ترجمہ یوں کرنے میں مجاز ہیں کہ:

''اے محمدؐ ہم نے تمہیں صاحبِ عیال پایا چنانچہ تمہیں غنی کر دیا تھا۔''

اللہ تعالیٰ جس زمانہ میں یہ بات کر رہا ہے اُس وقت آپ شادی شدہ نہ تھے۔ اس لئے کہ آپؐ کی شادی ایک نہایت دولتمند خاتون حضرت خدیجہ علیہا السلام سے ہوئی تھی اور اُنہوں نے اپنی ساری دولت اور پورا کاروبار آپؐ کو سونپ دیا تھا۔ یعنی آپؐ کی عائلی زندگی آپؐ کی شادی سے پہلے شروع ہوئی تھی یعنی آپ صاحب عیال پہلے تھے اور آپ کی شادی بعد میں ہوئی تھی اور اللہ نے آپؐ کو جیسے ہی عائل یعنی صاحب عیال دیکھا ہے ویسے ہی غنی کر دیا تھا۔ یعنی آپؐ شادی سے پہلے غنی تھے اور اُس سے پہلے صاحبِ عیال تھے۔ اِس سے یہ بات صاف ہوگئی کہ صاحبِ عیال کے معنی شادی شدہ اور بال بچوں والا ہی نہیں ہوتے بلکہ ہر وہ شخص صاحب عیال (عائل) ہے جو ذمہ داریوں میں گھرا ہوا ہو۔ اِن ہی معنی میں حضرت علی علیہ السلام اللہ کو صاحبِ عیال فرما رہے ہیں۔ یعنی اللہ بھی صاحب عیال ہے اور اُس کا رسولؐ بھی صاحب عیال ہے۔ فرق یہ ہے کہ اللہ نہ صرف خود غنی ہے بلکہ جس کو چاہے غنی کر سکتا ہے اور رسولؐ اُس کے محتاج تھے کہ اللہ اُنہیں غنی کرے تاکہ وہ بھی اپنی ذمہ داریوں کو اُسی اطمینان سے پوری کرتے رہیں جس اطمینان سے اللہ اپنی ذمہ داریاں پوری کرتا ہے۔ اور یقیناً جسے اللہ غنی کر دے اور غنی کرنے کی سند بھی قرآن میں دے دے وہ اللہ کے سوا کسی کا محتاج نہیں رہ سکتا۔ بہرحال اس وضاحت کے بعد بھی یہ تو معلوم ہے کہ رسولؐ اللہ نے شادی کی۔ شادی سے بچے ہوئے اور اُن کا ایک کنبہ بنا اور دنیا میں مادی حیثیت سے پھیلا اور آج تک موجود ہے۔ اُن پر ہمارا سلام ہو۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ پر کنبہ والا یا عیالدار ہونا صادق آتا ہے۔ اور اُن کی ذمہ داریاں بھی، سابقہ کنبہ کی ہوں یا بعد والے کنبے کی ہوں سو فیصد صادق آتی ہیں۔ مگر اللہ پر عیال دار ہونا یا کنبہ والا ہونا یا کنبہ کی ذمہ داریاں کیسے صادق آسکتی ہیں؟ یہ سوال ہے جس پر ذرا گہرائی سے نظر ڈالنا ضروری ہے۔ ہم نے سابقہ خطبہ میں تفصیل سے یہ حقیقت واضح کی تھی کہ یہ ساری کائنات کسی نہ کسی طرح سینکڑوں مرحلوں میں سہی، نورِ محمد واجزائے نور محمد صلی اللہ علیہ وعلیہم سے پیدا کی گئی تھی۔

اس حقیقت کی رُو سے مادی طور پر یہ ساری کائنات اور اُس کی ساری مخلوقات محمدؐ کا کنبہ ہے۔ اور چونکہ حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم اپنی نورانی تخلیق اورصفاتِ خداوندی اورقدرت خداوندی اورخصوصیات خداوندی کے حامل ہونے کی بنا پراللہ کی جگہ خودکوتعارف کے لئے پیش کرنے کی بنا پرنمائندہ خداوندی ہیں لہٰذا محمد کے کنبہ کواللہ کا کنبہ فرمایا گیاہے۔اُسی طرح جس طرح محمد کی اطاعت کواللہ کی اطاعت،محمدؐ کی نافرمانی کواللہ کی نافرمانی،محمدؐ کے اعمال کواللہ کے افعال فرمایا گیاہے اوراللہ کی جگہ محمدؐ کی تنہاضمیر جگہ جگہ قرآن میں استعمال کی گئی ہے جیسے کہ فرمایا گیاہے کہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ O(8/20)

<u>پرویز کا ترجمہ</u>:''اے پیروان دعوت ایمانی اللہ اوراُس کے رسوؐل کی اطاعت کرو،اوراُس سے روگردانی نہ کرواورتم (صدائے حق) سن رہے ہو۔''(معارف القرآن جلد 4 صفحہ 627)

پرویز کے ریمارکس''دیکھئے اس میں اللہ ورسوؐل کی اطاعت کاحکم ہے لیکن وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ میں (عَنْهُ) کی ضمیرواحدغائب کی ہے۔اس سے ذرا آگے ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ O(8/24)

<u>پرویزی ترجمہ</u>:''اے پیروان دعوت ایمانی اللہ اوراُس کے رسوؐل کی پکارکا جواب دو جب وہ پکارتا ہے تاکہ تمہیں موت کی حالت سے نکال کرزندہ کردے اورجان لوکہ اللہ انسان اوراُس کے دل کے درمیان حائل ہوجاتا ہے اورجان لوکہ اُسی کے حضورجمع کئے جاؤ گے۔''

<u>پرویز کے ریمارکس اوردیگرآیات بھی۔</u>

''اس میں بھی اللہ ورسولؐ کے الفاظ موجود ہیں لیکن اِذَا دَعَاكُمْ میں صیغہ واحد غائب کا ہے سورہ نور میں ہے:۔

وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ O وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ O (24/48-49)

<u>پرویزی ترجمہ</u>:''جب یہ اللہ اوراُس کے رسوؐل کی طرف بلائے جاتے ہیں تاکہ وہؐ اِن کے درمیان فیصلہ کردے تواُن میں سے ایک فریق پہلوتہی کرلیتاہے۔اوراگراُن کا کوئی حق واجب الاداہوتواُس کی طرف سرجھکائے چلے آتے ہیں۔''

''دیکھئے اللہ اوررسولؐ کے الفاظ موجود ہیں لیکن لِيَحْكُمَ میں صیغہ واحدکاہے اسی طرح يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ میں ضمیرواحداورغائب کی ہے۔اس سے ذرا آگے ہے کہ:۔قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ O (24/54)

<u>پرویزی ترجمہ</u>:''اے پیغمبراسلام تم کہہ دوکہ اے مسلمانوں اللہ اوراُس کے رسوؐل کی اطاعت کرو۔پھراگرایسا ہوکہ تم اطاعت سے روگردانی کرنے لگ جاؤ توسمجھ رکھوکہ رسولؐ کے ذمہ وہ تبلیغ وارشاد ہے جس کا اُس پربار رکھا گیاہے اورتمہارے ذمہ وہ اطاعت وانقیاد ہے جس کا بوجھ تم پرعائد کیا گیاہے اوراگرتم نے اس کی اطاعت کرلی توصحیح راہ پرلگ جاؤ گے بہرحال رسولؐ کے ذمہ صرف احکام کوصاف صاف پہنچادیناہے۔(اوربس)۔''

اس میں اللہ ورسوؐل کی اطاعت کا مطالبہ ہے۔لیکن عَلَيْهِ اور تُطِيْعُوْهُ میں ضمائرواحدغائب کی ہیں۔ان مثالوں سے بھی یہ حقیقت واضح

ہو جاتی ہے کہ اللہ اور رسوؐل کی اطاعت سے مراد دو الگ الگ اطاعتیں نہیں ہیں بلکہ اللہ کی وہ اطاعت ہے جو مرکز نظام دین میں حکومتِ خداوندی کی وساطت سے ظہور میں آتی ہے ان ضمائر میں واحد کے صیغے مرکز ملت کے لئے آتے ہیں جو اُس وقت رسوؐل اللہ کی ذات گرامی تھی۔''
(معارف القرآن جلد 4 صفحہ 627-628)

یہاں تک پرویز ایسے دشمن خدا اور رسولؐ کے قلم سے ثابت ہوا کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن کی سند سے اللہ کی جگہ لیتے ہیں لہٰذا حضرت علی علیہ السلام نے قرآن کی سند سے محمدؐ کے کنبہ کو یعنی مخلوقات خداوندی کو اللہ کا کنبہ فرمایا ہے۔ جن کی پرورش، بہبود اور ترقی کے لئے تمام ضروری سامان فراہم کرنا اللہ نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے (خطبہ 130 جملہ 3)

5۔ مسئلہ تقدیر یا قسمت کسی مجبوری کا نام نہیں ہے۔

محمد وآل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کے مخالفین نے مسئلہ تقدیر ہی کی رُو سے ہر غلط کام کرنا شروع کیا تھا۔ اُنہوں نے مسلمانوں میں یہ تصور پھیلایا اور اِسی پر آج مسلمانوں (شیعہ وسنی) کی کثرت قائم ہے کہ اللہ نے روز ازل سے جو کچھ انسانوں کے لئے لکھ دیا وہ ضرور پیش آکر رہنا ہے۔ یعنی جو کچھ انسان سوچتے یا کرتے ہیں وہ وہی کچھ ہوتا ہے جو اللہ نے اُن کے مقدر یا تقدیر یا قسمت میں لکھ دیا تھا۔ یعنی جس کی تقدیر میں غربت اور تنگدستی لکھ دی وہ غریب اور تنگدست رہتا ہے۔ جس کے مقدر میں دولتمندی، خوشحالی لکھ دی تھی وہ امیر اور خوش حال رہتا ہے۔ جس کی قسمت میں مصیبتیں لکھ دیں وہ مصیبتوں میں مبتلا رہے گا۔ جس کی تقدیر میں کسی کو قتل کرنا لکھ دیا وہ ضرور اُس کو قتل کرے گا۔ زنا لکھ دیا تو زنا کرے گا۔ چوری لکھ دی تھی تو وہ چوری کرے گا جہنم لکھ دیا تو وہ جہنم میں جائے گا۔ جنت میں وہی جائے گا جس کے لئے اللہ نے روز ازل سے جنتی لکھ دیا تھا۔ مختصراً یہ کہ جو کچھ بھی یہاں ہوتا ہے یا کوئی کرتا ہے وہ اللہ نے روز ازل سے لکھا ہوا ہے۔ عملی دُنیا میں اپنے گھروں میں یا دوست واحباب میں غور سے دیکھو تو پتہ لگے گا کہ ہر شخص، عالم ہو یا جاہل ہو، مرد ہوں یا عورتیں ہوں سب تقدیر کے اسی عقیدے کو مانتے ہیں۔ کسی کے مرنے پر سب کہتے ہیں کہ:

''بھائی صبر کرو اللہ کی مرضی میں کوئی دخل نہیں دے سکتا ہے۔ صبر کرو جو کچھ اللہ کو منظور ہوتا ہے وہ ضرور ہو کر رہتا ہے۔ صبر کرو اللہ نے ایسا ہی لکھا تھا۔

ایک شعر سنو۔ ؎ لاکھ تم گھٹنے گھسو لاکھ رکھو سر بسجود پیش آنی ہے وہی جو کہ ہے پیشانی میں

غالب نے کہا کہ ؎ موت کا ایک دن معین ہے۔ نیند کیوں رات بھر نہیں آتی؟

اُن کا مطلب یہ ہے کہ: اللہ کی مرضی یہی تھی کہ یہ عورت بیوہ ہو جائے یہ بچے یتیم اور بے سہارا ہو جائیں اور بڑھے ماں باپ اور بہن بھائی رویا کریں۔ اللہ ہی نے چاہا تھا اور لکھ رکھا تھا کہ خاندان رسوؐل کربلا میں قتل کر دیا جائے۔ قتل کرنے والے بے قصور اور مجبور تھے اس لئے اُن کے لئے بخشش کی دعا کیا کرو کیا پتہ اللہ نے اُن کو بخشنا بھی لکھ رکھا ہو۔ خدا جھوٹوں پر لعنت کرتا رہے۔ آمین ثم آمین۔

وہ بڑے اطمینان اور دھڑلے سے کہتے ہیں کہ اگر خدا کو منظور نہ ہوتا اور اُس نے ایسا نہ چاہا ہوتا تو ابوبکر وعمر اپنی حکومت کیسے قائم کر سکتے تھے؟ اگر اللہ نے رسولؐ کے بعد حضرت علیؑ کی حکومت چاہی ہوتی تو ساری دنیا مل کر بھی اُنہیں حکومت سے محروم نہ کر سکتی تھی۔ جو کچھ خدا نے چاہا اور جس طرح چاہا، اور جو کچھ اُسے منظور تھا اور جس طرح منظور تھا اُسی طرح وقوع میں آیا۔ لہٰذا ابوبکر وعمر کو اور اُن کے طرفداروں کو بُرا کہنا یا بُرا سمجھنا خود اللہ کو بُرا کہنا اور سمجھنا ہے۔ وہ یہ بھی کہتے اور لکھتے ہیں کہ اگر اللہ چاہے تو ساری عمر دن رات عبادت اور نیکیاں کرنے والے کو جہنم واصل کر دے۔ اور دن رات گناہ اور نافرمانیاں کرنے والوں کو جنت بھی بھیج دے۔ وہ قادر مطلق اور مختار کل ہے۔ اُس پر کسی کو اعتراض کا حق نہیں ہے۔ جو چاہتا

ہے کرتا ہےاور جو چاہے گا کرے گا۔ اِنَّ اللّٰہَ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ (حج 22/14) اللہ تعالیٰ جو ارادہ کرتا ہے کر گزرتا ہے۔(اشرف علی ترجمہ صفحہ 301) یہ ہے دشمنانِ خدا اور سولؐ کا یا مجتہدین کا تقدیر کے متعلق عقیدہ جو قرآن وعقل کی پوری پوری تکذیب کرتا ہے جو اللہ کو ایک جابر وظالم وجاہل ہستی ثابت کرتا ہے جو جنت وجہنم کو عبث اور بکواس بناتا ہے جو عدل وانصاف کا ستیاناس کرتا ہے۔اور یزید وعمر وشمر وابن زیاد کو قابل بخشش قرار دیتا ہے۔

6۔اسلام وقرآن وعقل کے بیانات میں تقدیر واقعی روزِ ازل سے لکھا ہوا ہمہ گیر قانون ہے تقدیر کے خلاف یہاں کچھ نہیں ہوسکتا۔

مجتہدین کی ترکیب یہ رہی ہے کہ بقول حضرت علی علیہ السلام وہ لوگ تھوڑا سا حق میں سے لیتے ہیں اور ایک مناسب مقدار باطل میں سے لے کر حق میں ملا دیتے ہیں یوں باطل کو حق کے پیروں سے چلاتے ہیں مثلاً یہ سو فیصد صحیح ہے کہ اللہ جو بھی ارادہ کرتا ہے اس پر عمل کرتا ہے مگر یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ اللہ غلط ارادہ کرتا ہی نہیں، کر ہی نہیں سکتا ہے اس کا ارادہ اور ہر کام اُس کی کائناتی اسکیم سے ہم آہنگ ہوتا ہے جب گفتگو تقدیر کی ہورہی ہے۔یعنی جب یہ بات ہورہی ہے کہ اللہ نے روزِ ازل سے ہر چیز اور ہر مخلوق اور پوری کائنات کے لئے ایک مستقل اوراٹل اور غیر متبدل قانون بنا دیا تھا تو یہ خود بخود سمجھ میں آجانا چاہئے کہ اللہ خود اپنے بنائے ہوئے قانون کے خلاف تو کچھ کر ہی نہیں سکتا ہے اور اگر وہ خود اپنے بنائے ہوئے قانون کے خلاف کرے تو اس سے یہ ثابت ہوجائے گا کہ جس قانون کے خلاف وہ اب کر رہا ہے یقیناً وہ قانون اُس سے غلط بن گیا تھا جو اَب اس میں اصلاح کی ضرورت پڑ گئی۔یعنی یہ ماننا ہوگا کہ اللہ غلط قانون بنا سکتا ہے۔اور اِس سے اللہ کی ذات میں جہالت ماننا ہوگی جو غلط ہے۔اللہ کوئی کام نہ غلط کرسکتا ہے نہ اُس سے غلطی ہوسکتی ہے لہٰذا اُس کا بنایا ہوا قانون یا تقدیر کسی مرحلے میں غلط نہیں نکل سکتی۔اُس نے جس چیز کے لئے جو بھی قانون بنایا وہ ہر حال میں صحیح ثابت ہوگا اور اُس چیز کے لئے اُس سے بہتر اور کوئی قانون نہیں ہوسکتا ہے۔اُس نے ہر مخلوق کو کچھ خصوصیات دی ہیں اور اُن خصوصیات کے عین مطابق قانون بنائے ہیں اور نہ کوئی کام اُن قوانین کے خلاف ہوسکتا ہے اور نہ کوئی نتیجہ قوانین کے خلاف نکل سکتا ہے۔

7۔تقدیر اور قانون کو سمجھنے کے لئے چند مثالیں اور اُن کے نتائج۔

اللہ نے یہ قانون بنا دیا ہے کہ شیشہ پتھر سے ٹوٹ جائے خواہ شیشہ پتھر پر مارا جائے یا پتھر شیشے پر مارا جائے نتیجہ میں شیشہ ہی ٹوٹے گا۔ یہ بھی مستقل قانون ہے کہ نرم چیز دھار دار چیز سے کٹ جائے۔کبھی ایسا نہیں ہوگا کہ خربوزہ یا سیب چاقو کو کاٹ دے۔ٹھنڈا اور صحیح پانی پیاس کو بجھا دیتا ہے۔سفر کرنے سے ایک حد تک جاکر آدمی یا جانور تھک جاتا ہے۔دن بھر جاگنے اور کام کرنے سے رات کو نیند آجاتی ہے۔خاص حد تک کام کرنے سے بھوک لگ جاتی ہے۔مناسب خوراک سے آدمی سیر ہوجاتا ہے کسی چیز کو درمیان سے پکڑ کر اُٹھانے میں زور کم لگتا ہے۔کنارہ پکڑ کر اُٹھانے میں زور زیادہ لگتا ہے۔وغیرہ وغیرہ۔

ہر قانون کا صحیح نتیجہ پہلے ہی معلوم کیا جاسکتا ہے۔

یہ معلوم ہے کہ شیشہ پر پتھر مارنے سے شیشہ ٹوٹ جائے گا۔لیکن اگر آہستہ سے پتھر مارا جائے تو صرف آواز آئے گی ٹوٹے گا نہیں اور اگر بہت آہستہ سے مارا جائے تو آواز بھی نہ آئے گی۔چنانچہ یہ پتہ لگایا جاسکتا ہے کہ کتنے فاصلے سے مارنے پر آواز آئے گی اور کتنے فاصلے سے مارنے پر شیشہ کھیل کھیل یا چورا چورا ہوجائے گا اور کتنے فاصلے سے مارنے پر صرف دو ٹکڑے ہوں گے۔پھر فاصلہ زیادہ کرکے مارنے سے نتیجہ بدل جائے گا اور پتھر کا سائز بڑا کرکے مارنے سے بھی ٹکڑے زیادہ ہوں گے۔اور زور زیادہ لگانے سے نتیجہ بدلے گا۔شیشہ اگر موٹا لیا جائے تب بھی

نتیجہ بدل جائے گا۔لہٰذا یہ حساب لگایا جاسکتا ہے کہ کتنے فاصلے سے، کتنے بڑے اور موٹے شیشے پر، کتنے زور سے، کتنا بڑا پتھر اور کہاں مارا جائے تو کتنے ٹکڑے ہوں گے؟ اور اگر ہر دفعہ فاصلہ اور شیشہ کا سائز اور طاقت اور پتھر کا سائز اور چوٹ کا مقام صحیح صحیح مستقل رکھا جائے گا تو ہر دفعہ نتیجہ بھی مستقل نکلے گا۔ یہ اللہ کے بنائے ہوئے اور طے کردہ قوانین ہی تو ہیں جن کا علم حاصل کر کے ہم زمین پر بیٹھے بیٹھے آسمانوں کا حساب لگاتے ہیں اور نتیجہ وہی نکلتا ہے جو ہمیں حساب سے معلوم ہوا تھا۔اور قوانین مستقل نہ ہوتے تو نہ ہم حساب لگا سکتے تھے نہ نتائج صحیح برآمد ہو سکتے تھے۔ یہ تقدیرات خداوندی ہیں جن سے ہمیں اس کائنات میں قدرت حاصل ہوئی ہے انسان کو آزاد اور خودمختار پیدا کیا گیا ہے۔ اتنا آزاد اور خودمختار کہ وہ خودکشی تک کر سکتا ہے۔اپنے سینہ پر ریوالور رکھنے میں آزاد ہے خواہ گولی بھر کر رکھے یا خالی رکھے۔اُس کے ہاتھ اور عقل اس کا حکم ماننے سے انکار نہ کریں گے۔ ہاتھ ریوالور کا تالہ کھول دیں گے۔ٹریگر دبا دیں گے نہ ٹریگر دبنے سے انکار کرے گا نہ گولی چلنے اور سینے میں گھسنے سے انکار کرے گی۔ اور نہ ملک الموت روح قبض کرنے میں دیر لگائے گا وہ بھی تو اللہ کے بنائے ہوئے قانون کا پابند ہے۔لہٰذا چند منٹوں میں موت واقع ہو جائے گی۔ لیکن اگر گولی وقت گزرنے سے پہلے نکال لی جائے اور طبی امداد بروقت مل جائے تو موت واقع نہ ہوگی مگر کچھ اور واقع ہوگا اور جو کچھ واقع ہوگا وہی کچھ ہوگا جو اُن حالات کے قانون میں مقرر تھا۔اور اگر قانون کے ذمہ دار لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ خودکشی کا ارادہ کیا گیا تھا تو ارادہ کرنے والے کو سزا بھی دی جائے گی اس لئے کہ اُسے ایسا ارادہ کا اختیار نہ تھا۔اور اگر یہی عملدرآمد آپ کسی دوسرے شخص کے ساتھ کریں گے تو ریوالور اور گولی کا سلوک وہی ہوگا جو آپ کے ساتھ ہوا۔مگر نہ ریوالور آپ کو مجبور کرے گا نہ گولی کوئی دباؤ ڈالے گی۔ آپ آزاد و مختار ہیں خود کو مار ڈالیں یا دوسروں کو۔ نہ قانون غلطی کرے گا نہ آلات غلطی کریں گے۔ غلطی آپ سے ہو سکتی ہے اُن سے نہیں۔اور چونکہ آپ نے قانون کو جانتے ہوئے غلط استعمال کیا ہے اس لئے سزا آپ کو دی جائے گی یہاں بھی اور وہاں بھی۔ آپ کو معلوم ہے کہ گولی دل میں داخل ہوگی تو جان باہر نکل جائے گی اتنا جاننے سے کوئی نہیں مرتا۔ مارنے کے لئے پہلے بہت سے کام سوچ سمجھ کر کرنا ہوں گے۔جن کا قانونی نتیجہ موت ہوگا۔اگر آپ وہ کام نہ کرتے موت واقع نہ ہوتی۔آپ نے اپنے اختیار و ارادہ سے وہ کام کئے لہٰذا مجرم آپ ہیں۔سزا آپ کا حق ہے۔کسی نے آپ کو مجبور نہیں کیا۔نہ قانون اور تقدیر نے مجبور کیا نہ آلات اور سامان نے مجبور کیا۔آپ نے آلات و سامان و قانون کو استعمال پر مجبور کیا آپ نے اپنی عقل اور قوت استعمال کی لہٰذا سزا میں آپ سے آپ کی عقل و قوت چھین لی جائے گی۔تاکہ آپ آئندہ اُن کا غلط استعمال نہ کرسکیں۔

یہ کبھی نہ بھولئے کہ آپ اپنے خیالات اور ارادوں اور کاموں میں مختار ہیں۔انسانوں کے سوا آپ کے سامنے ہر چیز مجبور ہے۔فرشتے مجبور ہیں۔آلات و سامان و وسائل مجبور ہیں آپ اُنہیں جس طرح چاہیں استعمال کرنے میں مختار ہیں۔مگر انسان آپ ہی کی طرح آزاد و مختار ہیں۔ خود کو آپ سے محفوظ رکھنے میں بھی آزاد و مختار ہیں اور آپ کو اپنی راہ سے ہٹانے میں بھی آزاد و مختار ہیں۔آپ کو قتل کرنے میں بھی آپ ہی کی طرح آزاد و مختار ہیں۔لہٰذا نوٹ کرو کہ اللہ یا قانون یا کائنات کی دوسری مخلوقات آپ کو مجبور کر کے کوئی کام نہیں کراتیں۔آپ جو کچھ کرتے ہیں اپنی آزادی اور اختیار سے کرتے ہیں اُس کے لئے آپ اپنے ہر کام کے خود ذمہ دار ہوتے ہیں۔اس لئے اپنے تمام کاموں پر جزا و سزا کے حقدار ہوتے ہیں۔اور سزا کے لئے جہنم اور دوسری عقوبتیں اور جزا کے لئے جنت اور دوسری نعمتیں ہیں اور وہ آپ کی سوچی سمجھی اور آزادانہ و مختارانہ کمائی کے بدلے میں ہیں۔اور یہ بات بھی تقدیر میں طے کر دی گئی ہے کہ اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

8۔ اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا جو جیسا کرتا ہے اُسے ویسی ہی جزا یا بدلہ دیتا ہے۔

چنانچہ قرآن میں یہ فرمایا گیا ہے کہ: ذٰلِکَ بِمَا قَدَّمَتۡ یَدٰکَ وَاَنَّ اللّٰہَ لَیۡسَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِیۡدِO (حج 22/10)
''وہی تمہارے سامنے آیا جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا تھا اور یقیناً اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے''، ظلم تو ظلم ہے اور بہت بری بات ہے اللہ تو ظلم کا ارادہ تک بھی نہیں کرتا ہے۔ قرآن میں یہ فیصلہ موجود ہے کہ:
وَمَا اللّٰہُ یُرِیۡدُ ظُلۡمًا لِّلۡعِبَادِ O (مومن 40/31) اور اللہ تو بندوں پر ظلم کا ارادہ تک بھی نہیں کرتا ہے اور نہ کرے گا۔''

لہٰذا مجتہدین کا یہ کہنا کہ اللہ ہی انسانوں سے قتل کراتا ہے زنا کراتا ہے اور اللہ ہی انہیں جہنم میں سزا دے گا۔ یہ ظلم عظیم ہے اور اللہ پر ایک سنگین تہمت ہے اور قرآن کی شدید اور کھلی مخالفت ہے۔ ان مخالفت کرنے والوں کے اور قرآن کو جھٹلانے والوں کے ساتھ کیا سلوک ہوگا سنئے:

9۔ جہنم اور جنت لوگوں کے مختارانہ اعمال کے بدلے میں دیئے جائیں گے۔

یَوۡمَ یُدَعُّوۡنَ اِلٰی نَارِ جَھَنَّمَ دَعًّاOھٰذِہِ النَّارُ الَّتِیۡ کُنۡتُمۡ بِھَا تُکَذِّبُوۡنَ Oاَفَسِحۡرٌ ھٰذَآ اَمۡ اَنۡتُمۡ لَا تُبۡصِرُوۡنَ Oاِصۡلَوۡھَا فَاصۡبِرُوۡٓا اَوۡلَا تَصۡبِرُوۡا سَوَآءٌ عَلَیۡکُمۡ اِنَّمَا تُجۡزَوۡنَ مَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَOاِنَّ الۡمُتَّقِیۡنَ فِیۡ جَنّٰتٍ وَّنَعِیۡمٍ Oفٰکِھِیۡنَ بِمَآ اٰتٰھُمۡ رَبُّھُمۡ وَوَقٰھُمۡ رَبُّھُمۡ عَذَابَ الۡجَحِیۡمِO کُلُوۡا وَاشۡرَبُوۡا ھَنِیۡٓئًا بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَO(طور 19-52/13)

''قیامت کے دن جھٹلانے والوں کو دھکوں پر دھکے دے دے کر جہنم کی آگ کی طرف لایا جائے گا اور اُن کو دکھا کر کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ جہنم اور جہنم کی آگ جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے لہٰذا اب تم اس میں جلنے کے لئے داخل ہو جاؤ اور خواہ جلنے کو برداشت کرو یا نہ کرو تمہیں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ تمہیں ویسا ہی بدلہ دیا جارہا ہے جیسے تم لوگ عمل کرتے تھے۔ اور پرہیزگار لوگ وہاں باغوں اور نعمتوں میں داخل کئے جائیں گے اور اُن چیزوں سے لطف اندوز ہوں گے جو اُن کا پروردگار اُن کے لئے فراہم کرے گا اور اُن کا پروردگار انہیں آگ کے گڑھے سے بچالے گا۔ اور اُن سے کہا جائے گا کہ مزے لے لے کر کھاؤ پیو اور اپنے اُن اعمال کا لطف اُٹھاؤ جو تم کرتے رہے تھے۔''

یہاں تک چند آیات ہی سے محمدؐ و آلِ محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کے مخالفوں اور مجتہدین کے عقائد باطل ہو گئے اور اُن کا جہنمی ہونا بھی ثابت ہو چکا۔

10۔ تقدیر اور مشیت کو بطور بہانہ استعمال کر کے بدعملی کو اللہ کے ذمہ لگانے والے۔

اب ہم قرآن کریم سے اُن لوگوں کو سامنے لاتے ہیں جو قدیم زمانے سے تقدیر و مشیت کو اپنی بدکاری کے لئے بہانہ بناتے چلے آئے ہیں۔ چنانچہ اللہ نے فرمایا ہے کہ:۔

سَیَقُوۡلُ الَّذِیۡنَ اَشۡرَکُوۡا لَوۡ شَآءَ اللّٰہُ مَآ اَشۡرَکۡنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمۡنَا مِنۡ شَیۡءٍ کَذٰلِکَ کَذَّبَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِھِمۡ حَتّٰی ذَاقُوۡا بَاۡسَنَا قُلۡ ھَلۡ عِنۡدَکُمۡ مِّنۡ عِلۡمٍ فَتُخۡرِجُوۡہُ لَنَا اِنۡ تَتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا تَخۡرُصُوۡنَO(انعام 6/148)

ترجمہ ''یہ نظام شرکت و مشارکت والے لوگ عنقریب تمہارے جواب میں کہیں گے کہ اگر اللہ نے نہ چاہا ہوتا تو ہم اور ہمارے ابا واجداد کیسے لیڈروں کو حکومت خداوندی میں شریک کر سکتے تھے؟ اور نہ ہی اُس کی مرضی کے خلاف کسی چیز کو حرام قرار دے سکتے تھے۔ اے رسولؐ یہ وہی طریقہ ہے جس کے ماتحت قریش سے پہلے لوگ دین کو جھٹلاتے رہے چنانچہ اُنہوں نے ہمارے عذاب کا مزا چکھا تھا۔ قریش سے کہو کہ اگر تمہارے پاس کوئی علمی سند ہے تو ہمارے لئے پیش کرو۔ تم تو صرف قیاس و گمان و ظن و اجتہاد کی پیروی کر رہے ہو۔''

اس آیت کی تشریح مودودی سے سنئے:

''124 ؎ یعنی وہ اپنے جرم اور غلط کاری کے لئے پرانا عذر پیش کریں گے جو ہمیشہ سے مجرم اور غلط کار لوگ پیش کرتے رہے ہیں۔ وہ کہیں گے کہ ہمارے حق میں اللہ کی مشیت یہی ہے کہ ہم شرک کریں اور جن چیزوں کو ہم نے حرام ٹھیرا رکھا ہے انہیں حرام ٹھیرائیں۔ ورنہ اگر خدا نہ چاہتا کہ ہم ایسا کریں تو کیوں کر ممکن تھا کہ یہ افعال ہم سے صادر ہوتے؟ پس چونکہ ہم اللہ کی مشیت کے مطابق یہ سب کچھ کر رہے ہیں اس لئے درست کر رہے ہیں۔ اس کا الزام اگر ہے تو ہم پر نہیں اللہ پر ہے۔ اور جو کچھ ہم کر رہے ہیں ایسا ہی کرنے پر مجبور ہیں کہ اس کے سوا کچھ اور کرنا ہماری قدرت سے باہر ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 595)

11۔ مودودی کی تشریح مسلسل مشیت پر اُن کا الجھا ہوا بیان۔

''125؎ پہلی بات یہ فرمائی ہے کہ اپنی غلط کاری و گمراہی کے لئے مشیت الٰہی کو معذرت کے طور پر پیش کرنا اور اُسے بہانہ بنا کر صحیح راہنمائی کو قبول کرنے سے انکار کرنا مجرموں کا قدیم شیوہ رہا ہے۔ اور اس کا انجام یہ ہوا ہے کہ آخر کار وہ تباہ ہوئے اور حق کے خلاف چلنے کا برا نتیجہ انہوں نے دیکھ لیا۔ پھر فرمایا کہ یہ عذر جو تم پیش کر رہے ہو یہ دراصل علم حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔ بلکہ محض گمان اور تخمینہ ہے۔ تم نے محض مشیت کا لفظ کہیں سے سُن لیا ہے۔ اور اُس پر قیاسات کی ایک عمارت کھڑی کر لی ہے تم نے یہ سمجھا ہی نہیں کہ انسان کے حق میں فی الواقع اللہ کی مشیت کیا ہے؟ تم مشیت کے معنی یہ سمجھ رہے ہو کہ چور اگر مشیت کے تحت چوری کر رہا ہے تو وہ مجرم نہیں ہے کیوں کہ اُس نے یہ فعل خدا کی مشیت کے تحت کیا ہے۔ حالانکہ دراصل انسان کے حق میں خدا کی مشیت یہ ہے کہ وہ شکر اور کفر ہدایت اور ضلالت اطاعت اور معصیت میں سے جو راہ بھی اپنے لئے منتخب کرے گا خدا وہی راہ اُس کے لئے کھول دے گا۔ اور پھر غلط یا صحیح جو کام بھی انسان کرنا چاہے گا <u>خدا اپنی عالمگیر مصلحتوں کا لحاظ کرتے ہوئے جس حد تک مناسب سمجھے گا اُسے اُس کام کا اذن اور اُس کی توفیق بخش دے گا۔ لہٰذا اگر تم نے اور تمہارے باپ دادا نے مشیت الٰہی کے تحت شرک اور تحریم طیبات کی توفیق پائی</u> تو اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں۔ کہ تم لوگ اپنے ان اعمال کے ذمہ دار اور جوابدہ نہیں ہو۔ اپنے غلط انتخاب راہ اور اپنے غلط ارادے اور سعی کے ذمہ دار تم خود ہی ہو۔ آخر میں ایک ہی فقرے کے اندر کانٹے کی بات بھی فرما دی کہ:۔۔ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ O (6/149) یعنی تم اپنی معذرت میں یہ حجت پیش کرتے ہو کہ ''اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے'' اس سے پوری بات ادا نہیں ہوتی۔ پوری بات کہنا چاہتے ہو تو یوں کہو کہ ''کہ اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا'' بالفاظ دیگر تم خود اپنے انتخاب سے راہِ راست اختیار کرنے پر تیار نہیں ہو بلکہ یہ چاہتے ہو کہ خدا نے جس طرح فرشتوں کو پیدائشی راست رَو بنایا ہے اس طرح تمہیں بھی بنا دے۔ تو بے شک اگر اللہ کی مشیت انسان کے حق میں یہ ہوتی تو وہ ضرور ایسا کرتا لیکن یہ اُس کی مشیت نہیں ہے لہٰذا جس گمراہی کو تم نے اپنے لئے خود پسند کیا ہے اللہ بھی تمہیں اُسی میں پڑا رہنے دے گا۔'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 597-596)

12۔ مودودی خود بھی قریشی مذہب کے عالم ہیں اور تقدیر کے متعلق عقیدہ وہی رکھتے ہیں مگر اُسے چھپاتے ہیں۔

آپ نے قرآن سے قریشی عقیدہ دیکھ لیا کہ وہ لوگ بھی اپنے تمام اعمال کو عموماً اور بُرے اعمال کو خصوصاً اللہ کے سر لگاتے تھے مگر چالاکی یہ کرتے تھے کہ تقدیر کا لفظ نہ بولتے تھے بلکہ یہ کہتے تھے کہ اللہ کی مشیت ہی یہ تھی کہ ہم شرک کا عقیدہ اختیار کر لیں اور بعض چیزوں کو حرام قرار دے

لیں۔اُن کے اِس جواب کو اللہ نے منظور نہیں کیا بلکہ اُن سے علمی دلیل اور ثبوت طلب کیا ہے اور اُن پر یہ اعتراض کیا ہے کہ تم ظَنّ اور خَرْص سے کام لیتے ہو اور ظَنّ اور خَرْص سے طے کردہ مسائل کی پیروی کرتے ہو۔

اللہ نے قریش پر دوسرا اعتراض یہ کیا کہ تم سابقہ غلط کار قوموں اور اُمتوں کی پیروی کر رہے ہو۔لہٰذا معلوم ہوا کہ قریش ایسی اقوام اور اُمتیں پہلے بھی موجود تھیں جو تقدیر کا غلط مفہوم لیتی تھیں اور اپنے تمام اعمال کا ذمہ دار خدا کو سمجھتی چلی آ رہی تھیں۔اور قریش نے تو اپنی تمام بدکرداری کو اللہ کے حکم کے ماتحت جائز قرار دے رکھا تھا چنانچہ اللہ نے بتایا ہے کہ:

13۔ قریش نہ صرف اپنے بُرے اعمال کو تقدیر کے بہانے اللہ کے ذمہ لگاتے تھے بلکہ یہ بھی کہتے تھے کہ اللہ کا حکم بھی یہی ہے۔

وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَ نَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ O(7/28)

''قریش جب بھی کوئی شرمناک کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم اپنے اباواجداد کو یہی کام کرتے ہوئے دیکھتے چلے آئے ہیں اور خود اللہ نے ہمیں اِن کاموں کا حکم دیا ہے اے رسولؐ قریش کو بتاؤ کہ اللہ ہرگز شرمناک کاموں کا حکم نہیں دے سکتا کیا تم اللہ کے ذمے وہ باتیں لگاتے ہو جن کا تمہیں خود کو بھی علم نہیں ہے؟۔''

قرآن کے ان بیانات سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ تقدیر کی آڑ میں تمام اعمال کا ذمہ دار خدا کو سمجھا اور کہا جاتا تھا۔فرق یہ تھا وہ لوگ تقدیر کی جگہ لفظ مشیت شاء بولتے تھے اور خود مودودی نے بھی اپنی تشریح میں تقدیر کی جگہ لفظ مشیت ہی لکھا ہے اور یہ نہیں بتایا ہے کہ مشیت کیا چیز ہے یا مشیت کے معنی کیا ہیں؟ حالانکہ چور کی چوری کی مثال دی ہے اور چوری کو مشیت کے ماتحت یا مشیت کے مطابق مانا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی لکھ دیا ہے کہ ''غلط یا صحیح جو کام بھی انسان کرنا چاہے گا خدا اپنی عالمگیر مصلحتوں کا لحاظ کرتے ہوئے جس حد تک مناسب سمجھے گا اُسے اس کام کا اِذن اور اس کی توفیق بخش دے گا۔'' (تفہیم جلد اول صفحہ 596 حاشیہ نمبر 125 (ہمارا حوالہ نمبر 11)

مودودی اور قریش دونوں تمام اچھے اور بُرے کاموں کو اللہ کے اذن اور توفیق سے مشیت کے ماتحت جانتے ہیں۔لہٰذا دونوں کا عقیدہ ایک ہی ہے

14۔قرآن اور مودودی تقدیر کے مسئلہ میں کیا کہتے ہیں؟

مناسب مقام پر مودودی پر باقاعدہ تنقید کریں گے فی الحال یہاں قرآن کریم سے تقدیر پر چند بیانات وآیات دکھانا اور مودودی کا ترجمہ اور منشا پہلے پیش کرنا ہے تاکہ بات ایک طرف اور قابل فہم ہو جائے۔اللہ نے فرمایا ہے کہ:

فَالِقُ الْاِصْبَاحِ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ O(انعام 6/96)

''پردۂ شب کو چاک کر کے وہی صبح نکالتا ہے اسی نے رات کو سکون کا وقت بنایا ہے اُسی نے چاند اور سورج کے طلوع اور غروب کا حساب مقرر کیا ہے۔یہ سب اُسی زبردست قدرت اور علم رکھنے والے کے ٹھیرائے ہوئے اندازے (تقدیر) ہیں۔'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 566)

قارئین نوٹ کرتے چلیں کہ رات دن چاند سورج اور اُن کے تمام متعلقات تقدیر خداوندی کے ماتحت پابند و برسرکار ہیں۔پھر فرمایا کہ:

الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِى الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَىْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا O(فرقان 25/2)

مودودی ترجمہ: ''وہ جوزمین اورآسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے جس نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا ہے جس کے ساتھ بادشاہی میں کوئی شریک نہیں ہے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اُس کی ایک تقدیر مقرر کی۔'' (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 432-433)

مودودی کی تشریح سے تقدیر کیا ہے: مودودی نے وضاحت کی ہے کہ:

''8 دوسرا ترجمہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ''ہر چیز کو ایک اندازہ خاص پر رکھا'' یا ''ہر چیز کیلئے ٹھیک ٹھیک پیمانہ مقرر کیا'' لیکن خواہ کوئی ترجمہ بھی کیا جائے بہر حال اُس سے پورا مطلب ادا نہیں ہوتا۔ پورا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف یہی نہیں کہ کائنات کی ہر چیز کو وجود بخشا ہے بلکہ وہی ہے جس نے ایک ایک چیز کیلئے صورت، جسامت قوت واستعداد، اوصاف وخصائص، کام اور کام کا طریق، بقاء کی مدت، عروج وارتقاء کی حد، اور دوسری وہ تمام تفصیلات مقرر کیں ہیں جو اُس چیز کی ذات سے متعلق ہیں اور پھر اُسی نے عالم وجود میں وہ اسباب ووسائل اور مواقع پیدا کئے ہیں جن کی بدولت ہر چیز یہاں اپنے اپنے دائرے میں اپنے حصے کا کام کر رہی ہے۔'' (ایضاً صفحہ 434)

قارئین اس تشریح کو خاص طور پر نوٹ کر لیں۔ پھر اللہ نے فرمایا کہ:

تقدیر پر تیسری آیت

وَالشَّمۡسُ تَجۡرِیۡ لِمُسۡتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِکَ تَقۡدِیۡرُ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ Oوَالۡقَمَرَ قَدَّرۡنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ کَالۡعُرۡجُوۡنِ الۡقَدِیۡمِ Oلَا الشَّمۡسُ یَنۡۢبَغِیۡ لَهَاۤ اَنۡ تُدۡرِکَ الۡقَمَرَ وَلَا الَّیۡلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَکُلٌّ فِیۡ فَلَکٍ یَّسۡبَحُوۡنَO(36/38-40)

مودودی ترجمہ۔

''اور سورج، وہ اپنے ٹھکانے کی طرف چلا جا رہا ہے۔ یہ زبردست علیم ہستی کا باندھا ہوا حساب ہے اور چاند اُس کے لئے ہم نے منزلیں مقرر کر دی ہیں۔ یہاں تک کہ اُن سے گزرتا ہوا وہ پھر کھجور کی سوکھی شاخ کے مانند رہ جاتا ہے نہ سورج کے بس میں یہ ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن پر سبقت لے جا سکتی ہے۔ سب ایک ایک فلک میں تیر رہے ہیں۔'' (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 259 تا 261)

اِن آیات پر مودودی کی تشریحات چاند سورج رات دن پر تقدیر کا اثر؟

تقدیر کے سلسلے میں مودودی کی چند تشریحات اور دیکھتے چلیں۔

''32 دن کی آمد ورفت بھی اُنہی پیش پا افتادہ حقائق میں سے ہے جنہیں انسان محض اِس بنا پر کہ وہ معمولاً دنیا میں پیش آ رہے ہیں کسی التفات کا مستحق نہیں سمجھتا۔ حالانکہ اگر وہ اس بات پر غور کرے کہ دن کیسے گزرتا ہے اور رات کس طرح آتی ہے اور دن کے آنے اور رات کے جانے میں کیا حکمتیں کارفرما ہیں تو اُسے خود محسوس ہو جائے کہ یہ ایک رب قدیر وحکیم کے وجود اور اُس کی یکتائی کی روشن دلیل ہے۔ دن کبھی نہیں جا سکتا اور رات کبھی نہیں آ سکتی جب تک زمین کے سامنے سے سورج نہ ہٹے۔ سورج کے ہٹنے اور رات کے آنے میں جو انتہائی باقاعدگی پائی جاتی ہے وہ اس کے بغیر ممکن نہ تھی کہ سورج اور زمین کو ایک ہی اٹل ضابطہ نے جکڑ رکھا ہے۔ پھر اس رات اور دن کی آمد ورفت کا جو گہرا تعلق زمین کی مخلوقات کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ وہ اس بات پر صاف دلالت کرتا ہے کہ کسی نے یہ نظام کمال درجہ کی دانائی کے ساتھ بالا رادہ قائم کیا ہے۔ زمین پر انسان اور حیوان اور نباتات کا وجود، بلکہ یہاں پانی اور ہوا اور مختلف معدنیات کا وجود بھی دراصل نتیجہ ہے اس بات کا کہ زمین کو سورج سے ایک خاص فاصلے پر رکھا گیا ہے۔ اور پھر یہ انتظام کیا گیا ہے کہ زمین کے مختلف حصے

تسلسل کے ساتھ مقرر وقفوں کے بعد سورج کے سامنے آتے اور اس کے سامنے سے ہٹتے رہیں۔اگر زمین کا فاصلہ سورج سے بہت کم یا بہت زیادہ ہوتا، یا اس کے ایک حصے پر ہمیشہ رات رہتی اور دوسرے حصے پر ہمیشہ دن رہتا یا شب وروز کا الٹ پھیر بہت تیز یا بہت سست ہوتا یا بے قاعدگی کے ساتھ اچانک کبھی دن نکل آتا اور کبھی رات چھا جاتی تو ان تمام صورتوں میں اس کرُے پر کوئی زندگی ممکن نہ ہوتی بلکہ غیر زندہ مادوں کی شکل و ہیئت بھی موجودہ شکل سے بہت مختلف ہوتی۔

آخری آیت 36/40 کی تشریح میں غیر مسلم محققین سے مدد لی گئی ہے۔

یہاں مودودی علمائے عصر کی تحقیقات کی نقل کرتے ہیں اور اُن کے سہارے اپنی اسلامی گاڑی چلاتے ہیں جنہیں خود بھی اور سارے مسلمان علما بھی کافر کہتے چلے آئے ہیں۔دیکھئے کہ جن لوگوں نے محمد وآل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کے بیان پر یقین وایمان رکھا اور اُن کی بتائی ہوئی بنیادوں اور طریقوں سے عصری تحقیقات جاری رکھیں وہ کہاں سے کہاں پہنچے اور کیسی معلومات فراہم کیں؟ مودودی سے سنئے اور اُن کے استفادے اور ناشکری پر بھی نظر رکھئے لکھتے ہیں کہ:

''فلک کا لفظ عربی زبان میں سیاروں کے مدار (Orbit) کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔اور اس کا مفہوم سماء (آسمان) کے مفہوم سے مختلف ہے۔یہ ارشاد کہ ''سب ایک فلک میں تیر رہے ہیں'' چار حقیقتوں کی نشان دہی کرتا ہے ایک یہ کہ نہ صرف سورج اور چاند بلکہ تمام تارے اور سیارے اور اجرام فلکی متحرک ہیں دوسرے یہ کہ ان میں سے ہر ایک کا فلک یعنی ہر ایک کی حرکت کا راستہ یا مدار الگ ہے۔ تیسرے یہ کہ افلاک تاروں کو لئے ہوئے گردش نہیں کر رہے ہیں۔بلکہ تارے افلاک میں گردش کر رہے ہیں۔اور چوتھے یہ کہ افلاک میں تاروں کی حرکت اس طرح ہو رہی ہے جیسے کسی سیال چیز میں کوئی شے تیر رہی ہو۔ہماری یہ زمین جس نظام شمسی میں شامل ہے اس کی عظمت کا یہ حال ہے کہ اُس کا مرکز، سورج زمین سے 3 لاکھ گنا بڑا ہے اور اس کے بعید ترین سیارے نیپچون کا فاصلہ سورج سے کم از کم 2 اَرب 79 کروڑ 30 لاکھ میل ہے۔بلکہ اگر پلوٹو کو بعید ترین سیارہ مانا جائے تو وہ سورج سے 4 اَرب ساٹھ کروڑ میل دُور تک پہنچ جاتا ہے اس عظمت کے باوجود یہ نظام شمسی ایک بہت بڑے کہکشاں کا محض ایک چھوٹا سا حصہ ہے۔جس کہکشاں (Galaxy) میں ہمارا یہ نظام شمسی شامل ہے اس میں تقریباً 3 ہزار ملین (3 اَرب) آفتاب پائے جاتے ہیں اور اُس کا قریب ترین آفتاب ہماری زمین سے اس قدر دُور ہے کہ اُس کی روشنی یہاں تک پہنچنے میں چار سال صرف ہوتے ہیں۔پھر یہ کہکشاں بھی پوری کائنات نہیں ہے۔بلکہ اب تک کے مشاہدات کی بنا پر اندازہ کیا گیا ہے کہ یہ تقریباً 20 لاکھ لولبی سحابیوں (Spiral Nabula) میں سے ایک ہے اور اُن میں سے قریب ترین سحابیے کا فاصلہ ہم سے اس قدر زیادہ ہے کہ اُس کی روشنی ۱۰ لاکھ سال میں ہماری زمین تک پہنچتی ہے۔رہے بعید ترین اجرامِ فلکی جو ہمارے موجودہ آلات سے نظر آتے ہیں اُن کی روشنی تو زمین تک پہنچنے میں ۱۰ کروڑ سال لگ جاتے ہیں اس پر بھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ انسان نے ساری کائنات دیکھ لی ہے۔یہ خدا کی خدائی کا بہت تھوڑا سا حصہ ہے جو اب تک انسانی مشاہدے میں آیا ہے۔آگے نہیں کہا جاسکتا کہ مزید ذرائع مشاہدہ فراہم ہونے پر اور کتنی وسعتیں انسان پر منکشف ہوں گی۔تمام معلومات جو اس وقت تک کائنات کے متعلق بہم پہنچی ہیں اُن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ پورا عالم اسی مادہ سے بنا ہوا ہے جس سے ہماری یہ چھوٹی سے ارضی دُنیا بنی ہے اور اس کے اندر وہی ایک قانون کام کر رہا ہے جو ہماری زمین کی دُنیا میں کارفرما ہے۔ورنہ یہ کسی طرح ممکن نہ تھا کہ ہم اس زمین پر بیٹھے ہوئے اتنی

دُور دراز کی دنیاؤں کے مشاہدے کرتے اور اُن کے فاصلے ناپتے۔ اور اُن کی حرکت کے حساب لگاتے۔ کیا یہ اس بات کا صریح ثبوت نہیں ہے کہ یہ ساری کائنات ایک ہی خدا کی تخلیق اور ایک ہی فرماں روا کی سلطنت ہے؟ پھر جو نظم، جو حکمت، جو صناعی اور جو مناسبت اِن لاکھوں کہکشانوں اور اُن کے اندر گھومنے والے اربوں تاروں اور سیاروں میں پائی جاتی ہے اس کو دیکھ کر کیا کوئی صاحبِ عقل انسان یہ تصور کرسکتا ہے کہ یہ سب کچھ آپ سے آپ ہوگیا ہے؟ اس نظم کے پیچھے کوئی ناظم، اس حکمت کے پیچھے کوئی حکیم، اس صنعت کے پیچھے کوئی صانع اور اس مناسبت کے پیچھے کوئی منصوبہ ساز نہیں ہے؟ (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 259 تا 262)

کچھ ہمیں بھی کہنے دیجئے۔

غیر مسلم مگر خدا کی صحیح اطاعت کرنے والوں کی محنت کوشش اور تحقیق قریشی کافر کے قلم سے آپ نے دیکھ لی۔ یہ مودودی ابوبکر و عمر و عثمان وعائشہ اور قریش کا پرستار شخص ہے جنہوں نے محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کو اپنی راہ سے ہٹا کر خود رسوؐل کی حکومت اور جانشینی پر قبضہ کیا تھا اور علوم محمدؐ و علیؑ وآئمہ اہلبیت علیہم السلام سے انکار کر کے اپنا اسلامی منصوبہ دنیا میں پھیلایا تھا اور کائناتی علوم سے سو فیصد محروم ہوگئے تھے اور نتیجہ میں آج ساری دنیا کی اقوام کے سامنے ملعون اور بھکاری بنے ہوئے کھڑے ہیں اور علم و دولت کی بھیک مانگ رہے ہیں اور اُن اقوام کی تحقیق وایجادات سے استفادہ میں مصروف ہیں جنہیں خود کافر و بے دین کہتے ہیں۔ جنہوں نے تعلیمات محمد وآل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم پر ایمان اختیار کیا تھا جو محمدؐی و مرتضوؑی علوم سے اُسی زمانہ میں وابستہ ہوگئے تھے جس زمانہ میں محمدؐ وآل محمدؐ کے پیروؤں کو عرب میں قتل و جلاوطن کیا جارہا تھا اور جو آئمہ اہلبیت علیہم السلام کے علوم اور دین کو لے کر یوروپ اور دیگر ممالک میں پھیل گئے تھے اور جن کی وجہ سے یہ دنیا علوم خداوندی سے منور ہوگئی تھی۔ یہ اُن ہی کی تعلیم و تبلیغ کا نتیجہ ہے جس سے مودودی اینڈ کمپنی آج مسلمانوں کو کائنات سے روشناس کرا رہی ہے اور ساتھ ہی آج بھی محمدؐ کو اپنی تسلیم کردہ کائنات میں رحمۃ للعالمین نہیں مانتی بلکہ صرف اِس دنیا کیلئے رحمت ماننے میں بھی تکلف کرتی ہے (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 192 حاشیہ نمبر 100)

اور مودودی لکھتا ہے کہ:

''100 دوسرا ترجمہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ''ہم نے تم کو دُنیا والوں کے لئے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے'' دونوں صورتوں میں مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت دراصل نوع انسانی کے لئے خدا کی رحمت اور مہربانی ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 192)

قارئین دیکھیں کہ اللہ تو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کے لئے فرماتا ہے کہ۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَO (21/107)

''اور ہم نے تو تجھے پوری کائنات کے لئے صرف رحمت بنا کر بھیجا ہے''

آیت کے الفاظ سے محمدؐ تمام عالمین یا کائنات کے لئے اللہ کے بنائے ہوئے مجسمۂ رحمت ہیں۔ اور مودودی کا پہلا ترجمہ کہتا ہے کہ:

''اے محمدؐ ہم نے جو تم کو بھیجا ہے تو یہ دراصل دنیا والوں کے حق میں ہماری رحمت ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 189)

یہ ہے وہ ملعون عالم وہ دشمن محمدؐ مترجم و مفسر جو آنحضرتؐ کو نہ مجسمہ رحمت مانتا ہے اور نہ اُنؐ کو تمام عالمین یا کائنات کے لئے رحمت مانتا ہے اور اگر مانتا ہے تو صرف اس دنیا والوں کے لئے مانتا ہے۔ اور وہ بھی دو دو ترجمے کر کے مانتا ہے۔

15۔ دشمنانِ محمدؐ جو چاہیں کہیں اُن کیلئے لعنت اور جہنم کافی ہے مگر مومنین تو تخلیق کائنات وتقدیر سے اللہ ورسولؐ کی عظمت کو مانیں۔

ہمارے قاری اس لامحدود کائنات کی جسمانیت اور پھیلاؤ پر نظر ڈالیں اور اُس کے اندر موجود اجرام فلکی اور دیگر موجودات ومخلوق کا تصور فرمائیں اور اُن سب کو تقدیرات کے ہمہ گیر قانون کے ماتحت پیدا کرنے سے اللہ کی عظمت کا اندازہ لگائیں۔ پھر یہ دیکھیں کہ اُن سب کا بنیادی مادہ جو نورؐ ہو وہ کیسا عظیم الشان نور ہوگا جو پوری کائنات کی صورتگری اور سیرت سازی میں کام دے گا؟ پھر وہ ذوات مقدسہ کیسی محیر العقول ہوں گی جو اس تخلیق کے ہر مرحلے میں بطور شاہد حاضر رکھی جائیں گی اور جنہیں علتِ مادی کے ساتھ ساتھ علتِ صوری وفاعلی اور علتِ غائی کی حیثیت دی گئی ہے۔ اور جن سے فرمایا گیا ہے کہ تم اس پوری کائنات کی تمام موجودات مخلوقات پر چشم دید گواہ کی پوزیشن میں لائے جاؤ گے (16/89،4/41)

16۔ کائنات کی موجودہ معلوم شدہ وسعتوں پر کبھی کبھی حساب لگایا کیجئے۔

کبھی کبھی یہ بھی سوچا کیجئے کہ تمام نبیؑ اور اماموںؑ کی فرماں روائی اور راہنمائی کہاں تک پہنچتی ہے؟ یہ آزمودہ حقیقت ہے کہ روشنی ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل کا فاصلہ طے کرتی ہے تو وہ دس کروڑ سال میں کتنا فاصلہ طے کرے گی یعنی آج تک کی تحقیقات کی رُو سے کائنات کے بعید ترین ستارے یہاں سے کتنے فاصلے پر ہیں جہاں تک محمدؐ وآل محمدؐ کی رحمت چھائی ہوئی ہے؟

محمدؐ وآئمہ اہلبیت علیہم السلام کی پوزیشن پر گفتگو کرنے والوں کے سامنے یہ سوال رکھئے اور کہئے کہ اس کو حل کر کے جواب سے آپ کو مطلع کریں۔

100000000x365x24x60x186000 = کتنے میل؟

اُن سے کہہ دو کہ محمدؐ وآل محمدؐ کا مقام وہ ہے جہاں عقل انسانی اور اُسے عطا شدہ تمام خدائی وسائل وذرائع ہاتھ جوڑ کر اور سر جھکا کر اپنی بے بسی کا اعتراف کرنے پر ہمیشہ مجبور رہتے رہیں گے۔

17۔ تقدیر خداوندی پر قرآن کی چند اور آیات اور مودودی کے کچھ اور بیانات۔

اللہ، محمدؐ اور اجزائے نور محمدؐ وہ موضوع ہے کہ جس پر صرف اور صرف حضرت علی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی بات کر سکتے ہیں۔ اور ہم تو حضرت علی علیہ السلام کی بیان کردہ باتوں کی تشریح کرنے اور سمجھنے کے بھی قابل نہیں ہیں۔ بہر حال قرآن اور خود اُنؑ ہی کے بیان کی مدد سے جو کچھ سمجھ میں آسکتا ہے سنئے اللہ نے فرمایا ہے کہ:

ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ وَهِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَآ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ O فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ وَاَوْحٰی فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا وَزَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ وَحِفْظًا ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ O (حم سجدہ 41/11-12)

مودودی ترجمہ: ''پھر اللہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جو اُس وقت محض دھواں تھا۔ اُس نے آسمان اور زمین سے کہا ''وجود میں آجاؤ خواہ تم چاہو یا نہ چاہو'' دونوں نے کہا ''ہم آ گئے فرمانبرداروں کی طرح'' تب اُس نے دو دن کے اندر سات آسمان بنا دیئے۔ اور ہر آسمان میں اُس کا قانون وحی کر دیا گیا اور آسمان دنیا کو ہم نے چراغوں سے آراستہ کیا اور اُسے خوب محفوظ کر دیا یہ سب کچھ ایک زبردست علیم ہستی کا منصوبہ ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 444 تا 446)

مودودی کی تشریحات میں پھر تخلیق کائنات کو واضح کیا گیا ہے۔

یہاں بھی لفظ تقدیر کو ایک عزیز اور علیم ہستی سے منسوب کیا گیا ہے یعنی تقدیر کا یقین علم کے ماتحت ہے نہ کہ اُلٹے سیدھے جابرانہ طریقے کے ماتحت۔

اب مودودی کو سنئے:

'' 14 اس مقام پر تین باتوں کی وضاحت ضروری ہے۔اول یہ کہ آسمان سے مراد یہاں پوری کائنات ہے۔جیسا کہ بعد کے فقروں سے ظاہر ہے دوسرے الفاظ میں آسمان کی طرف متوجہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تخلیق کائنات کی طرف متوجہ ہوا۔ دوم یہ کہ دھوئیں سے مُراد مادے کی وہ ابتدائی حالت ہے جس میں وہ کائنات کی صورت گری سے پہلے ایک بے شکل منتشر الاجزاء غبار کی طرح فضا میں پھیلا ہوا تھا۔موجودہ زمانہ کے سائنس دان اسی چیز کو سحابیے (Nebula) سے تعبیر کرتے ہیں۔اور آغاز کائنات کے متعلق اُن کا تصور بھی یہی ہے کہ تخلیق سے پہلے وہ مادہ جس سے کائنات بنی ہے اِسی دخانی یا سحابی شکل میں منتشر تھا۔سوم یہ کہ ''پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا'' سے یہ سمجھنا صحیح نہیں ہے کہ پہلے اُس نے زمین بنائی، پھر اُس نے پہاڑ جمانے، برکتیں رکھنے اور سامان خوراک فراہم کرنے کا کام انجام دیا پھر اس سے فارغ ہونے کے بعد وہ کائنات کی تخلیق کی طرف متوجہ ہوا۔اس غلط فہمی کو بعد کا یہ فقرہ رفع کردیتا ہے کہ ''اُس نے آسمان اور زمین سے کہا وجود میں آجاؤ اور اُنہوں نے کہا ہم آگئے فرمانبرداروں کی طرح۔''

اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اس آیت اور بعد کی آیات میں ذکر اُس وقت کا ہو رہا ہے جب نہ زمین تھی نہ آسمان تھا بلکہ تخلیق کائنات کی ابتدا کی جارہی تھی۔محض لفظ ثُـمَّ (پھر) کو اس بات کی دلیل نہیں بنایا جاسکتا کہ زمین کی پیدائش آسمان سے پہلے ہوچکی تھی۔ قرآن مجید میں اس امر کی متعدد مثالیں موجود ہیں کہ ثُمَّ کا لفظ لازماً ترتیب زمانی ہی کے لئے نہیں آتا بلکہ ترتیب بیان کے طور پر بھی اُسے استعمال کیا جاتا ہے۔(تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 444۔445)

18۔نباتات کے متعلق تقدیر اور مودودی کا ترجمہ و تشریح دیکھیں۔

نباتات و جمادات وغیرہ کے لئے فرمایا ہے کہ:

وَالْاَرْضَ مَـدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْبَتْنَا فِيْهَا مِن كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ Oوَجَـعَـلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَOوَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَانُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍO(حجر15/19-21)

مودودی ترجمہ: ''ہم نے زمین کو پھیلایا اُس میں پہاڑ جمائے اُس میں ہرنوع کی نباتات ٹھیک ٹھیک نپی تلی مقدار کے ساتھ اگائی اور اُس میں معیشت کے اسباب فراہم کئے تمہارے لئے بھی اور اُن بہت سی مخلوقات کیلئے بھی جن کے رازق تم نہیں ہو۔کوئی چیز ایسی نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں اور جس چیز کو بھی ہم نازل کرتے ہیں ایک مقرر مقدار میں نازل کرتے ہیں۔''(تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 503-502)

مودودی کی تشریحات۔

'' 13 نباتات کی ہرنوع میں تناسل کی اس قدر زبردست طاقت ہے کہ اگر اُس کے صرف ایک پودے کی ہی نسل کو بڑھنے کا موقع مل جاتا تو چند سال کے اندر روئے زمین میں وہی وہ نظر آتی کسی دوسری قسم کی نباتات کے لئے کوئی جگہ نہ رہتی۔مگر یہ ایک حکیم اور قادر مطلق کا سوچا سمجھا منصوبہ ہے جس کے مطابق بے حد وحساب اقسام کی نباتات اس زمین پر اُگ رہی ہیں اور ہرنوع کی پیداوار اپنی ایک مخصوص

حد پر پہنچ کر رک جاتی ہے۔اسی منظر کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ ہر نوع کی جسامت، پھیلاؤ، اُٹھان اور نشو ونما کی ایک حد مقرر ہے جس سے نباتات کی کوئی قسم بھی تجاوز نہیں کرسکتی۔صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے ہر درخت ہر پودے اور ہر بیل و بوٹے کے لئے جسم، قد، شکل، برگ و بار اور پیداوار کی ایک مقدار پورے ناپ تول اور حساب وشمار کے ساتھ مقرر کررکھی ہے‘‘(تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 503-502)

دوسری تشریح ہمہ گیر تقدیر پر بیان دیا ہے۔

’’ 14 یہاں اس حقیقت پر متنبہ فرمایا ہے کہ یہ معاملہ صرف نباتات ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ تمام موجودات کے معاملہ میں عام ہے۔ ہوا، پانی، روشنی، گرمی، سردی، جمادات، نباتات، حیوانات، غرض ہر چیز ہر نوع ہر جنس اور ہر قوت وطاقت کے لئے ایک حد مقرر ہے جس پر وہ ٹھہری ہوئی ہے۔اور ایک مقدار مقرر ہے جس سے نہ وہ گھٹتی ہے نہ بڑھتی ہے۔اسی تقدیر اور کمال درجہ کی حکیمانہ تقدیر ہی کا کرشمہ ہے کہ زمین سے لےکر آسمان تک پورے نظام کائنات میں یہ توازن، یہ اعتدال اور یہ تناسب نظر آرہا ہے۔‘‘(تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 503)

19۔انسانوں کے علاوہ باقی مخلوقات کی تقدیر پر قرآن سے ایک آخری بیان۔

ہم سمجھتے ہیں کہ انسانوں کے علاوہ باقی مخلوق کی تقدیر پر قرآن کریم کی کافی آیات سامنے لائی جاچکی ہیں اور مودودی کو بھی ساتھ ساتھ سامنے رکھا گیا ہے اور آپ نے غالباً نوٹ کیا ہوگا کہ مودودی نے کہیں یہ اشارہ تک نہیں کیا کہ مذکورہ تقدیرات انسانوں کے علاوہ مخلوقات کی تقدیرات ہیں۔ بلکہ اس کے خلاف انہوں نے اپنے الفاظ اور طرز بیان میں یہ کوشش کی ہے کہ اُن تمام تقدیرات کو عام اور سب کے لئے سمجھا جائے۔اب ہم ایک آخری آیت پیش کرتے ہیں اُس کے ترجمے اور تشریح میں اس پہلو کو نوٹ کیجئے کہ مودودی چاہتے ہیں کہ مذکورہ اور آنے والی تقدیرات کو سب کے لئے سمجھا جائے۔ سنئے اللہ نے فرمایا کہ:اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍO(قمر 54/49)

مودودی ترجمہ:’’ہم نے ہر چیز ایک تقدیر کے ساتھ پیدا کی ہے۔‘‘(تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 241)

مودودی کی تشریح:

’’ 25 یعنی دُنیا کی کوئی چیز بھی اَلل ٹپ نہیں پیدا کردی گئی ہے، بلکہ ہر چیز کی ایک تقدیر ہے جس کے مطابق وہ ایک مقررہ وقت پر بنتی ہے۔ایک خاص شکل اختیار کرتی ہے، ایک خاص حد تک نشو ونما پاتی ہے، ایک خاص مدت تک باقی رہتی ہے اور ایک ایک خاص وقت پر ختم ہوجاتی ہے۔اسی عالمگیر ضابطہ کے مطابق خود اس دنیا کی بھی ایک تقدیر ہے جس کے مطابق ایک وقت خاص تک یہ چل رہی ہے اور ایک وقت خاص اسے ختم ہونا ہے۔‘‘(تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 241)

آپ نے دیکھا کہ مودودی نے کہیں انسان کو مستثنیٰ یا الگ نہیں کیا ہے لیکن ہم اب مودودی کے قلم سے انسانی تقدیر کی صورت پیش کریں گے۔اور اُسی کے قلم سے دکھائیں گے کہ انسانوں کی تقدیر مجبور و بےارادہ اور بےعقل مخلوق کی طرح نہیں ہے۔ بلکہ انسانوں کو اپنے تقدیر خود بنانے کا اختیار دیا گیا ہے یہ دکھانے کے بعد ہم مشیت خداوندی پر بات کریں گے اور مودودی کو قریش کے ساتھ برابر کا مجرم ثابت کریں گے۔ چنانچہ اللہ سورہ تغابن کی ابتدا یوں کرتا ہے کہ:

20۔تقدیر کے معاملے میں قرآن سے انسان کی پوزیشن اور مودودی کی تصدیقات۔

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ Oهُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ

فَمِنكُمْ كَافِرٌ وَّمِنكُمْ مُّؤْمِنٌ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌO خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ Oيَعْلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَاتُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ O
(تغابن 4-64/1)

مودودی ترجمہ: ’’اللہ کی تسبیح کر رہی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں میں ہے اور ہر وہ چیز جو زمین میں ہے اُسی کی بادشاہی ہے اور اُسی کے لئے تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا۔ پھر تم میں سے کوئی کافر ہے اور کوئی مومن۔ اور اللہ وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے جو تم کرتے ہو۔ اُس نے زمین اور آسمانوں کو برحق پیدا کیا ہے اور تمہاری صورت بنائی اور بڑی عمدہ بنائی ہے اور اُسی کی طرف آخر کار تمہیں پلٹنا ہے۔ زمین اور آسمانوں کی ہر چیز کا اُسے علم ہے۔ جو کچھ تم چھپاتے اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو سب اُس کو معلوم ہے اور وہ دلوں کا حال جانتا ہے۔‘‘ (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 527 تا 529)

اِن چاروں آیات کی تشریحات میں مودودی نے کافی موادلکھا ہے لہٰذا ہم زیادہ سے زیادہ سامان نقل کرینگے جس میں وہ انسانی تقدیر پر بیان دینگے۔

مودودی کی پہلی تشریح۔

’’بعد کے مضمون پر غور کرنے سے یہ بات خود سمجھ میں آجاتی ہے کہ کلام کا آغاز اس فقرے سے کیوں کیا گیا ہے۔ آگے کائنات اور انسان کی جو حقیقت بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ ہی اُس کا خالق ہے مالک ہے اور فرمانروا ہے۔ اور اُس نے یہ کائنات بے مقصد اور بے حکمت نہیں بنائی ہے۔ اور انسان یہاں غیر ذمہ دار بنا کر نہیں چھوڑ دیا گیا ہے۔ کہ جو کچھ چاہے کرتا پھرے۔ کوئی اُس سے باز پرس کرنے والا نہ ہو۔ اور اس کائنات کا فرمانروا کوئی شہید بے خبر نہیں ہے کہ اُس کی سلطنت میں جو کچھ ہو رہا ہے اُس کا کوئی علم اُس کو نہ ہو۔ اس مضمون کی بہترین تمہید وہی ہو سکتی تھی جو اس مختصر سے فقرے میں ارشاد ہوئی ہے۔ موقع محل کے لحاظ سے اس تمہید کا مطلب یہ ہے کہ زمین سے لے کر آسمانوں کی انتہائی وسعتوں تک جدھر بھی تم نگاہ ڈالو گے، اگر تم عقل کے اندھے نہیں ہو تو تمہیں صاف محسوس ہوگا کہ ایک ذرے سے لے کر عظیم ترین کہکشانوں تک ہر چیز نہ صرف خدا کے وجود پر گواہ ہے بلکہ اس بات کی گواہی بھی دے رہی ہے کہ اس کا خدا ہر عیب اور نقص اور کمزوری اور غلطی سے پاک ہے اُس کی ذات وصفات اور اُس کے افعال واحکام میں کسی عیب وخطا یا کمزوری اور نقص کا ادنیٰ سے ادنیٰ درجے میں بھی کوئی احتمال ہوتا تو یہ کمال درجہ حکیمانہ نظام وجود ہی میں نہ آتا۔ کجا کہ ازل سے ابد تک ایسے اٹل طریقے سے چل سکتا۔

دوسری تشریح اللہ کا کچھ ہستیوں کو تصرف اور ملکیت اور حکمرانی کے اختیارات دینا؟

’’ 2 یعنی یہ پوری کائنات اُسی کی سلطنت ہے۔ وہ صرف اس کو بنا کر اور ایک دفعہ حرکت دے کر نہیں رہ گیا ہے بلکہ وہی عملاً اس پر ہر آن حکومت کر رہا ہے۔ اس حکومت اور فرمانروائی میں کسی دوسرے کا قطعاً کوئی دخل یا حصہ نہیں ہے۔ دوسروں کو اگر عارضی طور پر محدود پیمانے پر اس کائنات میں کسی جگہ تصرف یا ملکیت یا حکمرانی کے اختیارات حاصل ہیں تو وہ اُن کے ذاتی اختیارات نہیں ہیں۔ جو اُنہیں اپنے زور پر حاصل ہوئے ہوں۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے ہیں۔ جب تک اللہ چاہے وہ انہیں حاصل رہتے ہیں اور جب چاہے وہ انہیں سلب کر سکتا ہے۔‘‘ (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 528-527)

تیسری تشریح اللہ کے علاوہ کچھ اور ہستیاں بھی قابل حمد وثنا اور شکریہ کی حقدار ہوسکتی ہیں۔

"3 بالفاظ دیگر وہی اکیلا تعریف کا مستحق ہے۔ دوسری جس ہستی میں بھی کوئی قابل تعریف خوبی پائی جاتی ہے وہ اُسی کی عطا کی ہوئی ہے اور اگر حمد کو شکر کے معنی میں لیا جائے تو شکر کا اصل مستحق وہی ہے کیوں کہ ساری نعمتیں اُسی کی پیدا کی ہوئی ہیں اور ساری مخلوقات کا حقیقی محسن اُسکے سوا کوئی نہیں ہے۔ دوسری کسی ہستی کے کسی احسان کا ہم شکر ادا کرتے ہیں تو اس بنا پر کرتے ہیں کہ اللہ نے اپنی نعمت اُس کے ہاتھوں ہم تک پہنچائی ہے ورنہ وہ خود نہ اُس نعمت کا خالق ہے نہ اللہ کی توفیق کے بغیر وہ اس نعمت کو ہم تک پہنچا سکتا تھا" (ایضاً صفحہ 528)

ایک اور تشریح انسان کے اختیارات وصلاحیتیں۔

"اُسی نے تمہیں اس طرح پیدا کیا ہے کہ تم کفر اختیار کرنا چاہو تو کر سکتے ہو۔ اور ایمان لانا چاہو تو لا سکتے ہو۔ ایمان وکفر میں سے کسی کے اختیار کرنے پر بھی اُس نے تمہیں مجبور نہیں کیا ہے۔ اس لئے اپنے ایمان اور کفر دونوں کے تم خود ذمہ دار ہو اُس نے یہ اختیار دے کر تمہیں امتحان میں ڈالا ہے اور وہ دیکھ رہا ہے کہ تم اپنے اس اختیار کو کس طرح استعمال کرتے ہو (528)۔ اس کائنات میں اللہ نے انسانوں کو بہترین صورت پر پیدا کیا ہے۔ صورت سے مراد محض انسان کا چہرہ نہیں ہے بلکہ اُس سے مراد اُس کی پوری جسمانی ساخت ہے اور وہ قوتیں اور صلاحیتیں بھی اس کے مفہوم میں شامل ہیں جو اس دنیا میں کام کرنے کے لئے آدمی کو عطا کی گئی ہیں۔ ان دونوں حیثیتوں سے انسان کو زمین کی مخلوقات میں سب سے بہتر بنایا گیا ہے اور اسی بنا پر وہ اس قابل ہوا ہے کہ اُن تمام موجودات پر حکمرانی کرے جو زمین اور اُس کے گردو پیش میں پائی جاتی ہیں۔ اس کو کھڑا قد دیا گیا ہے اس کو چلنے کے لئے مناسب ترین پاؤں دیئے گئے ہیں۔ اس کو کام کرنے کے لئے موزوں ترین ہاتھ دیئے گئے ہیں۔ اس کو ایسے حواس اور ایسے آلات علم دیئے گئے ہیں جن کے ذریعے سے وہ ہر طرح کی معلومات حاصل کر لیتا ہے۔ اُس کو سوچنے اور سمجھنے اور معلومات کو جمع کر کے اُن سے نتائج اخذ کرنے کے لئے ایک اعلیٰ درجہ کا ذہن دیا گیا ہے۔ اُس کو ایک اخلاقی حسِ اور قوت تمیز دی گئی ہے۔ جس کی بنا پر وہ بھلائی اور برُائی اور صحیح اور غلط میں فرق کرتا ہے۔ اُس کو ایک قوت فیصلہ دی گئی ہے جس سے کام لے کر وہ اپنی راہ عمل کا خود انتخاب کرتا ہے۔ اور یہ طے کرتا ہے کہ اپنی کوششوں کو کس راستے پر لگائے اور کس پر نہ لگائے۔ اس کو یہاں تک آزادی دے دی گئی ہے کہ چاہے تو اپنے خالق کو مانے اور اُس کی بندگی کرے ورنہ اُس کا انکار کر دے۔ یا جن جن کو چاہے اپنا خدا بنا بیٹھے۔ یا جسے خدا مانتا ہو اُس کے خلاف بھی بغاوت کرنا چاہے تو کر گزرے۔ اِن ساری قوتوں اور ان سارے اختیارات کے ساتھ اُسے خدا نے اپنی پیدا کردہ بے شمار مخلوقات پر تصرف کرنے کا اقتدار دیا ہے اور وہ عملاً اقتدار کو استعمال کر رہا ہے۔ انسان اپنے پورے کارنامہ حیات کے لئے جواب دہ ہے۔ اس لئے اس کی جواب دہی کا صحیح وقت لازماً وہی ہونا چاہئے جب اُس کا کارنامہ حیات مکمل ہو چکا ہو۔ انسان اُن تمام اثرات ونتائج کے لئے بھی ذمہ دار ہے۔ جو اُس کے افعال سے دوسروں کی زندگی پر مُرتب ہوئے ہوں۔ اور وہ اثرات ونتائج اُس کے مرنے کے ساتھ ختم نہیں ہو جاتے بلکہ اُس کے بعد مدتہائے دراز تک چلتے رہتے ہیں۔ لہٰذا صحیح محاسبہ اُسی وقت ہوسکتا ہے جب پوری نوع انسان کا کارنامہ حیات ختم ہو جائے اور تمام اولین وآخرین بیک وقت جوابدہی کے لئے جمع کئے جائیں۔" (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 531-530)

مودودی کی آخری تشریح دنیا میں عدل کے متعلق۔

''انسان کی عقل خود یہ تقاضہ کرتی ہے کہ آدمی کو اُس کے ہر جرم کی سزا ملنا چاہئے۔لیکن آخر یہ بات کون نہیں جانتا کہ دنیا میں اکثر و بیشتر جرائم یا چھپے رہ جاتے ہیں یا اُن کے لئے کافی شہادت بہم نہ پہنچنے کی وجہ سے مجرم چھوٹ جاتا ہے۔یا جرم کھل بھی جاتا ہے تو مجرم اتنا بااثر اور طاقتور ہوتا ہے کہ اُسے سزا نہیں دی جاسکتی (یا خود ہی انصاف کا ٹھیکہ دار ہوتا ہے جیسے خلفاء اور بادشاہ۔احسن) پھر انسان کی عقل یہ بھی چاہتی ہے کہ آدمی کو محض اس بنا پر سزا نہیں ملنا چاہئے کہ اُس کے فعل کی صورت ایک مجرمانہ فعل کی سی تھی۔بلکہ یہ تحقیق ہونا چاہئے کہ جو فعل اُس نے کیا ہے بالا رادہ سوچ سمجھ کر کیا ہے۔اُس کے ارتکاب کے وقت ایک ذمہ دار عامل کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔اُس کی نیت فی الواقع ارتکابِ جرم ہی کی تھی۔اور وہ جانتا تھا کہ جو کچھ وہ کر رہا ہے وہ جرم ہے؟ اسی لئے دنیا کی عدالتیں مقدمات کا فیصلہ کرنے میں اِن اُمور کی تحقیق کرتی ہیں اور ان کی تحقیق کو اصول انصاف کا تقاضا مانا جاتا ہے۔مگر کیا واقعی دنیا میں کوئی ذریعہ ایسا پایا جاتا ہے جس سے اِن کی ٹھیک ٹھیک تحقیق ہو سکے؟ جو ہر شبہ سے بالاتر ہو؟ اِس لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ آیت (64/3) بھی اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے گہرا منطقی ربط رکھتی ہے کہ ''اُس نے زمین اور آسمانوں کو برحق پیدا کیا ہے'' برحق پیدا کرنے کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ ''اس کائنات میں صحیح اور کامل عدل ہو'' یہ عدل لازماً اسی صورت میں قائم ہو سکتا ہے جب کہ عدل کرنے والے کی نگاہ سے انسان جیسی ذمہ دار مخلوق کا نہ صرف یہ کہ کوئی فعل چھپا نہ رہ جائے بلکہ وہ نیت بھی اُس سے مخفی نہ رہے جس کے ساتھ کسی شخص نے کوئی فعل کیا ہو (یہی سبب ہے معصوم قیادت وحکمرانی قائم کرنے کا۔احسن) اور ظاہر ہے کہ خالق کائنات کے سوا کوئی دوسری ہستی ایسی نہیں ہو سکتی جو اس طرح کا عدل کر سکے۔اب اگر کوئی شخص اللہ و آخرت کا انکار کرتا ہے تو وہ گویا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ہم ایک ایسی کائنات میں رہتے ہیں جو فی الحقیقت انصاف سے خالی ہے۔بلکہ جس میں سرے سے انصاف کا کوئی امکان ہی نہیں ہے۔اس احمقانہ تخیل پر جس شخص کی عقل اور جس کا قلب وضمیر مطمئن ہوں وہ بڑا ہی بے شرم ہے اگر وہ اپنے آپ کو ترقی پسند یا عقلیت پسند سمجھتا ہو اور اُن لوگوں کو تاریک خیال یا رجعت پسند سمجھے جو کائنات کے اس انتہائی معقول (Rational) تصور (قیامت) کو قبول کرتے ہیں جسے قرآن پیش کر رہا ہے'' (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 533-532)

یہاں آیات (64/1-4) کی تشریحات مکمل ہوگئیں اور مودودی وقریش کے عقیدہ تقدیر ومشیت کی تردید کے لئے مکمل سامان جمع ہو گیا مگر ہم مودودی کی علمیت کا جوس (Juice) نکال دینا چاہتے ہیں۔اس لئے یہاں بس نہ کریں گے چنانچہ یہ بھی سنئے کہ علامہ صاحب اپنے بیان میں انسانی آزادی، ارادہ اور اختیارات کے ساتھ ہی بالواسطہ مشیت خداوندی کو بھی بیان کر جاتے ہیں۔یعنی:

مودودی کی تشریح انسانی آزادی وغیرہ۔

''24 یعنی اگر صرف یہی بات مطلوب ہوتی کہ تمام انسان کسی نہ کسی طور پر راست رو بن جائیں تو نبیؑ بھیجنے اور کتابیں نازل کرنے اور مومنوں سے کفار کے مقابلہ میں جدوجہد کرانے اور دعوتِ حق کو تدریجی تحریک کی منزلوں سے گزروانے کی حاجت ہی کیا تھی۔یہ کام تو اللہ کے ایک ہی تخلیقی اشارے سے انجام پا سکتا تھا۔لیکن اللہ اس کام کو اس طریقہ پر کرنا نہیں چاہتا (اللہ کی مشیت بیان کرتے ہیں۔احسن) اُس کا منشا تو یہ ہے کہ حق کو دلائل کے ساتھ لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے۔پھر اُن میں سے جو لوگ فکر صحیح سے کام لے کر حق کو پہچان لیں وہ اپنے آزادانہ اختیار سے اُس پر ایمان لائیں۔اپنی سیرتوں کو اُس کے سانچے میں ڈھال کر باطل پرستوں کے مقابلے میں اپنا اخلاقی

تفوّق ثابت کریں۔انسانوں کے مجموعے میں سے صالح عناصر کو اپنے طاقتور استدلال سے، اپنے بلند نصب العین، اپنے بہتر اصول زندگی اور اپنی پاکیزہ سیرت کی کشش سے اپنی طرف کھینچتے چلے جائیں۔اور باطل کے خلاف پیہم جدوجہد کرکے فطری ارتقاء کی راہ سے اقامتِ دین کی منزل تک پہنچیں۔اللہ اس کام میں اُن کی راہنمائی کرے گا اور جس مرحلہ پر جیسی مدد کے پانے کا وہ اپنے آپ کو مستحق بنائیں گے وہ مدد بھی اُنہیں دیتا چلا جائے گا۔لیکن اگر کوئی یہ چاہے کہ اس فطری راستے کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ محض اپنی قدرت قاہرہ کے زور سے افکارِ فاسدہ کو مٹا کر لوگوں میں فکر صالح پھیلا دے اور تمدن فاسد کو نیست و نابود کر کے مدنیت صالحہ تعمیر کردے تو ہرگز ایسا نہ ہوگا۔کیوں کہ یہ اللہ کی اُس حکمت کے خلاف ہے جس کے تحت اُس نے انسان کو اس دُنیا میں ایک ذمہ دار مخلوق کی حیثیت سے پیدا کیا ہے۔اُسے تصرف کے اختیارات دیئے ہیں۔اطاعت و عصیان کی آزادی بخشی ہے۔امتحان کی مہلت عطا کی ہے اور اُس کی سعی کے مطابق جزا اور سزا کے لئے فیصلے کا ایک وقت مقرر کردیا ہے۔" (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 536)

21۔ مشیتِ خداوندی اور رضائے خداوندی کا فرق بیان کرکے مودودی اور بھی پھنس گئے۔

اب مودودی کے قلم سے مشیت خداوندی پر ایک کھلا بیان سنئے:

"20 یعنی وہ اپنے کسی مفاد کی خاطر نہیں بلکہ خود بندوں کے مفاد کی خاطر یہ پسند نہیں کرتا کہ وہ کفر کریں، کیوں کہ کفر خود اُن ہی کے لئے نقصان دہ ہے۔یہاں یہ بات ملحوظ رکھنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور چیز ہے اور رضا دوسری چیز۔دنیا میں کوئی کام بھی اللہ کی مشیت کے خلاف نہیں ہوسکتا مگر اُس کی رضا کے خلاف بہت سے کام ہوسکتے ہیں۔اور رات دن ہوتے رہتے ہیں مثلاً دُنیا میں جباروں اور ظالموں کا حکمران ہونا۔چوروں، ڈاکوؤں کا پایا جانا، قاتلوں اور زانیوں کا موجود ہونا اسی لئے ممکن ہے۔کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بنائے ہوئے نظام قدرت میں اِن برائیوں کے ظہور کی اور ان اشرار کے وجود کی گنجائش رکھی ہے۔پھر اُن کو بدی کے مواقع بھی وہی دیتا ہے اور اسی طرح دیتا ہے جس طرح نیکوں کو نیکی کے مواقع دیتا ہے۔اگر وہ سرے سے اِن کاموں کی گنجائش ہی نہ رکھتا اور ان کے کرنے والوں کو مواقع ہی نہ دیتا تو دنیا میں کبھی کوئی برائی ظاہر نہ ہوتی۔یہ سب کچھ بر بنائے مشیت ہے۔لیکن مشیت کے تحت کسی فعل کا صدور یہ معنی نہیں رکھتا کہ اللہ کی رضا بھی اس کو حاصل ہے۔مثال کے طور پر اس بات کو یوں سمجھئے کہ ایک شخص حرام خوری ہی کے ذریعہ سے اپنا رزق حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اللہ اِسی ذریعے سے اس کو رزق دیتا ہے۔یہ ہے اُس کی مشیت۔مگر مشیت کے تحت چور یا ڈاکو یا رشوت خوار کو رزق دینے کا یہ مطلب نہیں کہ چوری، ڈاکے اور رشوت کو اللہ پسند بھی کرتا ہے۔یہی بات اللہ تعالیٰ یہاں (39/7) میں فرما رہا ہے کہ تم کفر کرنا چاہو تو کرو کیوں کہ یہ تمہارے ہی لئے نقصان دہ ہے ہماری خدائی کا اس سے کچھ بھی نہیں بگڑتا۔" (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 361)

22۔ مشیت کے معنی آزادانہ مختارانہ عطا شدہ سامان اور صلاحیتوں اور قدرتوں کو قوانین خداوندی یا تقدیرات پر استعمال کرنا۔

یہاں تک آیات اور مودودی کے بیانات سے ثابت ہوگیا کہ انسان کو نہ تقدیر مجبور کرتی ہے نہ مشیت۔انسان سو فیصد آزاد ہے اُسے عقل وفہم و ادراک و وجدان و ضمیر و ارادہ دیا گیا ہے اُسے قوت و قدرت و اختیارات دیئے گئے ہیں۔اور تمام مخلوقات کو اُس کے زیر تصرف و اقتدار رکھا گیا ہے۔اور انسان کو قوانین کا یعنی تقدیرات کا اور قوانین کے استعمال کا علم دیا گیا۔لہٰذا وہ اپنے اعمال کا اور اعمال کے نتائج کا ذمہ دار ہے۔اور یہی مشیت خداوندی ہے۔کہ انسان جو کچھ بھی کرے اسے کرنے دیا جائے اللہ کا اُس کے افعال میں دخل نہ ہو۔مشیت یہی ہے کہ انسانوں کو پورا پورا

موقع دیا گیا ہے کہ وہ اپنے علم واختیار وقدرت ووسائل وقوانین خداوندی کو جس طرح چاہیں استعمال کریں اوراپنے اعمال واعمال کے نتائج کے ذمہ داررہیں۔اللہ کی یہ مشیت بھی روزازل سے طے شدہ ہے۔روزروز طے نہیں کی جاتی نہ ہر آدمی کے ہر فعل کے وقت طے کی جاتی ہے۔نہ ہر آدمی کو ہر فعل کے وقت اذن دیا جاتا ہے نہ ہر فعل کے وقت یا فعل کے دوران توفیق دی جاتی ہے۔جو کچھ دیا جانا تھا وہ دیا جاچکا ہے۔وہ تمام سامان ووسائل وقوانین دیئے جاچکے ہیں۔جن سے کوئی فعل انجام پذیر ہوگا۔چوری کا سامان،وسائل پہلے سے حاصل ہیں۔زنا کے لئے سب کچھ ملا ہوا ہے۔اسی طرح اچھے کاموں کے لئے مواقع حاصل ہیں سامان مہیا ہے۔آدمی کا کام ہے کہ وہ خود مواقع کواور سامان ووسائل وذرائع اور قوانین کو استعمال کرے۔صحیح استعمال کرے گا کامیاب ہوگا۔غلط استعمال کرے گا ناکام ہوگا۔اللہ کی پسند اور ناپسند،رضامندی اور نارضامندی کہیں آڑے نہ آئے گی۔اُسے برداشت کرنا پڑے گا یہی اُس کی مشیت ہے۔اُس نے یہی چاہا ہے کہ قاتل قتل کرتا رہے وہ دیکھتا رہے۔زنا ہوتا رہے وہ خاموش رہے۔گھر لٹتے اور جلتے رہیں وہ چپ رہے۔غصہ میں آکر اپنی مشیت کے خلاف کوئی اقدام نہ کرے۔یہی مشیت ہے خدا نے یہی چاہا تھا۔اللہ کے بنائے ہوئے قوانین اور تقدیرات بھی قاتل کا زانی کا اور ڈاکو کا ساتھ دیں گی۔تلوار کاٹے گی،آلات زنا کام کریں گے۔آگ جلائے گی۔مال ڈاکو کے پاس جانے سے انکار نہ کرے گا۔یہ مولانا کا فریب ہے کہ اللہ ہر قاتل اور زانی اور ہر لٹیرے کو پہلے اذن دے تو وہ قتل اور زنا اور وہ ڈاکہ ڈالیں گے اور قتل وزنا اور ڈاکے کے دوران توفیق دیگا۔تو قتل وزنا ولوٹ انجام پائیں گے ورنہ نہ قتل ہوگا نہ زنا ہوگا نہ لوٹ اور آگ کام کرے گی۔یہ سب بکواس ہے۔اس لئے کہ یہ سب کچھ روزازل سے مشیت میں طے کردیا گیا تھا۔توفیق اذن مشیت میں داخل ہے۔اَب آدمی کی اپنی سوجھ بوجھ،علم وقدرت پر منحصر ہے۔قانون کو ٹھیک استعمال کرے گا کامیاب ہوگا ورنہ ناکام ہوجائے گا۔لوگوں کے جاگتے ہوئے چور کی پٹائی ہوگی مجمع عام میں زنا تو زنا ہے مذاق کرنے والے کی خوب ٹھکائی ہوگی ایک آدمی ڈاکہ ڈالے اور ہتھیار نہ ہوں تو گرفتار ہوجائے گا۔لہٰذا قاتل،زانی اور ڈاکو کا اپنا کام ہے کہ توفیق فراہم کرے اور موقع حاصل کرے یعنی اذن لے۔اب اللہ کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔اگر وہ دخل دے تو اسی کو دخل درمعقول کہا جائے گا۔اس لئے کہ تقدیر بھی معقول ہے۔اور مشیت بھی معقول ہے اور دونوں اللہ کے فیصلے ہیں۔اللہ کے فیصلوں میں دخل سے زیادہ دخل درمعقولات اور کیا ہوسکتا ہے؟ مولانا اللہ کو ہر گناہ اور ہر نیکی میں شریک رکھنا چاہتے ہیں وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ فلاں گناہ اللہ کے اذن اور توفیق سے ہوا۔اگر اللہ کا اذن اور توفیق شامل حال نہ ہوتی تو گناہ نہ ہوسکتا تھا۔یہی تو وہ عقیدہ ہے جسے ہم دشمنان خدا ورسولؐ کا عقیدہ کہتے ہیں۔اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ کا اِذن اور توفیق شامل حال نہ ہوتی تو امام حسین علیہ السلام کا قتل وقوع میں نہ آتا۔یعنی ہر گناہ اور ہر نیکی اللہ کے اذن اور توفیق سے وقوع میں آتے ہیں۔خدا جھوٹوں اور فریب سازوں پر لعنت کرے۔آمین۔

یہی وہ ترکیب ہے جس سے اِن لوگوں نے غلط عقیدہ پھیلایا اور لوگوں کو گناہ کی جرأت دلائی ہے۔اور جہاں جہاں انہیں موقع ملا ہے وہاں اپنے غلط ترجموں اور تفسیروں سے قرآن کو اپنے مقاصد پر فٹ کیا ہے۔

23۔فریب سازی کے لئے مودودی کی ایک تشریح بہترین مثال بنتی ہے؟

چنانچہ یہاں سورہ عبس وتولی کی چار آیتوں کا مودودی ترجمہ اوراُن کی تشریح لکھتے ہیں اور دکھاتے ہیں کہ وہ عقیدہ تقدیر کو کس طرح اپنے مقصد پر فٹ کرتے ہیں دیکھئے:

مِنْ اَیِّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ Oمِنْ نُّطْفَةٍ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ Oثُمَّ السَّبِیْلَ یَسَّرَهٗOثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗO(80/18-21)

مودودی ترجمہ: ’’کس چیز سے اللہ نے اُسے پیدا کیا ہے؟ نطفہ کی ایک بوند سے۔ اللہ نے اُسے پیدا کیا پھر اُس کی تقدیر مقرر کی۔ پھر اُس کے لئے زندگی کی راہ آسان کی۔ پھر اُسے موت دی اور قبر میں پہنچایا۔‘‘

مودودی تشریح نے اللہ کے علم کو تقدیر بنا کر آدمی کو تقدیر کے ہاتھ میں مجبور کر کے دکھایا ہے

’’ 12 یعنی یہ ابھی ماں کے پیٹ ہی میں بن رہا تھا کہ اُس کی تقدیر طے کر دی گئی۔ اس کی جنس کیا ہوگی؟ اس کا رنگ کیا ہوگا؟ اِس کی جسامت کیسی اور کس قدر ہوگی؟ اِس کے اعضا کس حد تک صحیح و سالم اور کس حد تک ناقص ہوں گے؟ اس کی شکل و صورت اور آواز کیسی ہوگی؟ اُس کے جسم کی طاقت کتنی ہوگی؟ اُس کے ذہن کی صلاحیتیں کیا ہوں گی؟ کس سرزمین، کس خاندان، کن حالات اور کس ماحول میں پیدا ہوگا؟ پرورش اور تربیت پائے گا اور کیا بن کر اُٹھے گا؟ اُس کی شخصیت کی تعمیر میں موروثی اثرات، ماحول کے اثرات اور اُس کی اپنی خودی کا کیا اور کتنا اثر ہوگا؟ کیا کردار یہ دنیا کی زندگی میں ادا کرے گا؟ اور کتنا وقت اُسے زمین پر کام کرنے کے لئے دیا جائے گا؟ اس تقدیر سے یہ بال برابر بھی ہٹ نہیں سکتا نہ اس میں ذرہ برابر ردوبدل کر سکتا ہے۔ پھر کیسی عجیب ہے اس کی یہ جرأت کہ جس خالق کی بنائی ہوئی تقدیر کے سامنے اتنا بے بس ہے اُس کے مقابلہ میں کفر کرتا ہے۔‘‘ (تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 257-256)

دوسری تشریح جس میں مودودی صاحب اللہ کے اور خود اپنے خلاف لکھتے ہیں۔

’’ 13 یعنی دُنیا میں وہ تمام اسباب و وسائل فراہم کئے جن سے یہ کام لے سکے۔ ورنہ اس کے جسم و ذہن کی ساری قوتیں بے کار ثابت ہوتیں۔ اگر خالق نے اُنکے استعمال کرنے کیلئے زمین پر یہ سروسامان مہیا نہ کر دیا ہوتا۔ اور یہ امکانات پیدا نہ کر دیئے ہوتے۔ مزید برآں خالق نے اُس کو یہ موقع بھی دے دیا کہ اپنے لئے خیر یا شر، شکر یا کفر، طاعت یا عصیان کی جو راہ بھی یہ اختیار کرنا چاہے کر سکے۔ اس نے دونوں راستے اس کے سامنے کھول کر رکھ دیئے اور ہر راہ اُس کے لئے ہموار کر دی کہ جس پر بھی یہ چلنا چاہے چلے۔‘‘ (ایضاً صفحہ 257)

24۔ مودودی نے اس ترجمہ اور تشریح میں انسانوں کو مجبور اور کٹ پتلی ثابت کر دیا ہے۔

مودودی نے جو کچھ لکھا اور جس طرح لکھا ہے اگر وہ صحیح ہو تو اسمیں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ اللہ نے انسانوں کو سو فیصد مجبور و بے بس پیدا کیا ہے اور پیدائش سے لے کر موت تک اُن کے لئے ایک راہ عمل اُن کی تقدیر بنا دی گئی ہے اور بقول مودودی ’’اُس تقدیر سے یہ بال برابر بھی ہٹ نہیں سکتے نہ اس میں ذرہ برابر ردوبدل کر سکتے ہیں۔‘‘

قارئین سوچیں کہ اس سے زیادہ واضح اور مستحکم بیان اور کیا ہو سکتا ہے انسانوں کی بے بسی اور مجبوری اور اللہ کے ہاتھ میں کٹھ پتلی ہونے پر؟ مگر ہم نے اس شیطانی عقیدے کی دھجیاں اُڑانے اور اسے قابل مضحکہ بنانے ہی کے لئے مودودی کا سارا تانا بانا تفصیل سے سامنے رکھ دیا ہے۔ جس میں اُن کا ہر بیان ہر تشریح اور ہر ترجمہ خود بڑھ کر اُن کی مذمت، تردید اور ابطال کرتا چلا آیا ہے۔ اس آخری اور بہت زوردار تشریح میں خود اُن کا قلم اُن کی پول کھولتا ہے۔ اور اسی تقدیر کو باطل کرتا ہے جس سے بقول اُن کے انسان ’’بال برابر بھی نہ ہٹ سکتا تھا اور ذرہ برابر ردوبدل نہ کر سکتا تھا‘‘ وہیں اُسی سانس میں مودودی نے لکھا ہے کہ: ’’پھر کیسی عجیب ہے اُس کی یہ جرأت کہ جس خالق کی بنائی ہوئی تقدیر کے سامنے یہ اتنا بے بس ہے اُس کے مقابلے میں کفر کرتا ہے۔‘‘

قارئین سوچیں کہ مسئلہ تقدیر کی اس سے زیادہ واضح اور مستحکم تردید اور کیا ہوگی؟ پھر دوسری تشریح میں تو مودودی نے اس تقدیر کا خود ہی

مذاق اُڑا دیا ہے۔سوچئے اور غور کیجئے کہ جب اللہ نے انسانوں کے لئے مودودی کا بیان کردہ پروگرام طے کردیا تھا جس سے ہٹنا ناممکن تھا تو اُن کے لئے دنیا میں اسباب ووسائل فراہم کرنا اور اُن پر اپنی آزادی واختیار سے عمل کرنے کا امکان پیدا کرنا حماقت کے سوا اور کیا ہے؟ جب وہ بال برابر ہٹ نہیں سکتا تو اپنے لئے خیر یا شر، شکر یا کفر، طاعت یا عصیان کو کیسے اختیار کر سکتا ہے؟ معلوم ہوا کہ جناب علامہ مودودی اور قریش اور اُن کے عقائد سر سے پیر تک بکواس مبین ہیں۔

25۔ قارئین کے مزید اطمینان کے لئے چند ضروری باتیں فریب سازی کا انکشاف۔

پہلی بات یہ ہے کہ مندرجہ بالا چاروں آیتوں کا ہمارا ترجمہ دیکھیں۔

مِنْ اَیِّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ Oمِنْ نُّطْفَةٍ ''یہ تو دیکھو کہ اُس کی تخلیقی حیثیت کیا ہے'' یہی نا کہ وہ بھی نطفہ ہی سے پیدا کیا گیا ہے۔خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ لٰہذا اُسے تقدیری قدرت دی گئی ہے۔ثُمَّ السَّبِیْلَ یَسَّرَهٗO پھر اُس کے لئے راہ حیات بھی آسان کردی گئی تھی۔ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗO پھر آخر کار اُسے موت سے دوچار کرنا اور قبر کے سپرد ہوجانا طے کردیا تھا۔'' (اس سورت کی تشریحات ہماری تفسیر میں دیکھیں) ۔(80/18-21)

ترجمہ میں مودودی کی فریب سازی۔

مودودی کے بیانات میں ثابت ہو چکا کہ اللہ نے اس پوری کائنات کی اور کائنات کی تمام مخلوقات وموجودات کی تقدیر اُن کے وجود میں لانے سے پہلے طے کردی تھی اور اُس ہمہ گیر تقدیر یا قانون کے مطابق کائنات وموجودات کو وجود بخشا تھا۔لیکن اس ترجمہ میں مودودی کا فریب یہ ہے کہ یہاں وہ انسان کو پیدا پہلے کرتے ہیں اور تقدیر بعد میں مقرر کرواتے ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے کہ:

''اللہ نے اُسے پیدا کیا پھر اُس کی تقدیر مقرر کی'' اور تقدیر مقرر ہوجانے کے بعد مودودی زندگی کی راہ آسان کرنا بتاتے ہیں چنانچہ لکھا ہے کہ: ''پھر اُس کے لئے زندگی کی راہ آسان کی'' یعنی جو تقدیر پہلے مقرر کردی تھی اُس میں زندگی کی راہ نہ تھی یا اس تقدیر کے خلاف زندگی کی راہ مقرر کی تھی۔ترجمہ کا یہ انداز اُن کا خود ساختہ اور قرآنی الفاظ کا مخالف ہے دوسری بات یہ کہ مودودی نے اپنی تشریح میں جو تقدیر اور تقدیر کی تفصیلات لکھی ہیں۔ وہ نہ اِن چاروں آیات میں ہیں اور نہ تقدیر کے متعلق لکھی ہوئی قرآنی آیات میں کہیں اور ہیں۔ اِن میں یہ فریب دیا گیا ہے کہ علم خداوندی کو تقدیر بنا کر تشریح میں لکھ دیا گیا ہے۔جس سے قاری یہ سمجھنے پر مجبور ہوتا ہے کہ مودودی کی لکھی ہوئی تفصیلات اللہ نے انسانوں کی تقدیر بنادی تھی۔لہٰذا تمام انسان مجبور ہوگئے کہ اُن تفصیلات کے خلاف نہ جاسکیں۔اس لئے کہ وہ اللہ نے مقرر کی ہیں۔ بات نہایت سادہ اور آسان تھی کہ اللہ نے انسانوں کو مکمل آزادی اور اختیارات، صلاحیتیں وغیرہ سب کچھ دینے کے ساتھ ہی یہ بھی جان لیا تھا کہ کون کون کہاں کہاں اور کس طرح عطا شدہ آزادی اور اختیارات اور اپنی قدرتوں اور صلاحیتوں کو استعمال کرتا ہوا گزرے گا۔ یہ علم الٰہی تھا تقدیر نہ تھی۔ تقدیر تو قوانین ہیں جن کو استعمال کرنا نہ کرنا آدمی کے اختیار میں ہے۔وہ چاہے استعمال کرے نہ چاہے نہ کرے مگر یہ اس کے اختیار میں نہیں ہے کہ وہ جس قانون کو استعمال کرے اُس کا وہ نتیجہ نہ نکلے جو تقدیر میں اللہ نے مقرر کردیا ہے۔زہر کھائے نہ کھائے مختار ہے۔مگر زہر کھائے اور زہر اثر نہ کرے یہ اُس کے اختیار سے باہر ہے۔اللہ یہ جانتا ہے کہ کون زہر کھائے گا اور کون نہ کھائے گا۔اور اس کے کھانے اور اس کے نہ کھانے کی وجہ اور ضرورت کیا ہوگی؟ اور نتیجہ کیا ہوگا؟ چونکہ اللہ کے علم ونظر میں یہ کائنات اور کائناتی مخلوقات پیدا ہونے سے پہلے بھی موجود تھیں اور اُن کے تمام حالات بھی اُسے معلوم تھے۔ اِس لئے وہ علم کسی کو مجبور نہیں کرتا۔وہ علم تو اُن کے عمل کا علم ہے۔یعنی جس طرح جو کچھ ہوگا اُس کا علم ہے۔اور اُس علم کا جب سے وہ موجود ہے اُس

وقت سے ہے۔اُسے یوں سمجھئے کہ آپ ایک شخص کے ساتھ سفر کرتے ہیں اور وہ تمہارے سفر کی تفصیل لکھتا ہوا چلتا ہے۔کس وقت روانہ ہوئے؟ کس ذریعہ سے روانگی ہوئی، پیدل، ریل، جہاز وغیرہ، کہاں کہاں ٹھہرے؟ کس سے باتیں کیں کیا باتیں ہوئیں۔کہاں کہاں کیا کھایا کیا پیا؟ منزل پر کس وقت پہنچے وہاں کیا کیا کیا؟ اُس سفر میں جو کچھ تم کررہے ہو وہ شخص وہی کچھ لکھتا جارہا تھا۔نہ تمہیں مشورہ دیتا تھا نہ حکم دیتا تھا۔تم سوتے تھے وہ نہ سوتا تھا اور تمہاری سانسیں، کھانسنا، کروٹیں لینا سب نوٹ کررہا تھا۔بلکہ یوں سمجھو کہ تمہیں نظر بھی نہ آتا تھا۔کہ تم اُس کی وجہ سے اپنے عملدر آمد میں جھجکو یا شرم محسوس کرو۔تم نہانے کے لئے ننگے ہوئے وہ دیکھتا رہا۔تم نے کوئی شرمناک جائز یا ناجائز کام کیا وہ دیکھتا رہا تمہیں معلوم محسوس تک نہ ہوا۔تم نے جو کچھ کیا اپنی پوری آزادی واختیار اور ضرورت کے مطابق کیا۔اور وہی کچھ ایک تحریری، چشم دید پروگرام کی صورت میں تیار ہوگیا۔ایسا ہی پروگرام ہوگا جو فرشتے تیار کررہے ہیں اور جو تمہیں جوابدہی کے وقت دیا جائے گا۔فرشتے تو مجبور ہیں کہ ساتھ ساتھ رہیں اور جو دیکھیں وہی کچھ لکھیں۔وہ تمہارا ساتھی بھی مجبور تھا۔مگر اللہ ہر جگہ ہے تمہارے ساتھ بھی ہے اور ہر چیز کے ساتھ بھی ہے۔تمہاری حالت کو تمہارے ساتھی اور فرشتوں سے بھی زیادہ بہتر اور زیادہ تفصیل سے دیکھتا ہے لہٰذا وہ پروگرام اللہ کا علم ہے۔تمہارا اپنا عمل ہے تمہاری اول سے آخر تک سرگزشت ہے وہ سرگزشت بھی اُس میں ہے جو خود تمہیں معلوم نہیں تمہیں جو کچھ معلوم ہے اُس کی ابتدا تو تمہارے ہوش سنبھالنے سے شروع ہوتی ہے وہ ناقص معلومات ہیں۔اُن معلومات میں تمہارے معدہ وجگر اور قلب وذہن کی معلومات نہیں۔تمہارے سونے کے دوران کی معلومات نہیں۔اللہ کے علم میں کوئی نقص نہیں کوئی خامی نہیں ہے یہ تھا وہ فریب جسے مودودی نے عوام الناس کو دیا ہے کہ اُن کو تقدیر ومشیت اور علم خداوندی کو سمجھائے بغیر اُن کے دلوں میں یہ بٹھا دیا کہ تم مجبور ہو تم وہی کچھ کرتے اور کرسکتے ہو جو اللہ نے روز ازل سے طے کررکھا ہے۔

26۔ مودودی کے قلم سے مذکورہ بالا عملی پروگرام کی تصدیق سنئے حالانکہ مودودی کو حقیقت معلوم نہیں۔

ہم اب پھر ایک ایسی آیت لکھتے ہیں جس میں اللہ نے جاندار اور بے جان صاحبانِ عقل اور بے عقل تمام مخلوقات کے اُس عمل درآمد کو سمیٹ کر بیان فرمادیا جو وہ تقدیر یا ہمہ گیر قانون خداوندی کے ماتحت انجام دے رہے ہیں۔مودودی کا ترجمہ اور تشریح بھی لکھیں گے تاکہ تقدیر کے معاملہ میں علامہ کی علمیت کا دیوالہ اس خطبہ کی تشریحات میں ریکارڈ ہوجائے اور ہمارے قارئین کے سامنے حق وباطل واضح ہوکر رہ جائے۔سنئے اللہ نے فرمایا ہے کہ:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ O۔
(سورہ حج 22/18)

<u>مودودی ترجمہ</u> ”کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ کے آگے سر بسجود ہیں وہ سب جو آسمان میں ہیں اور وہ سب جو زمین میں ہیں، سورج اور چاند اور تارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت سے انسان اور بہت سے وہ لوگ بھی جو عذاب کے مستحق ہوچکے ہیں؟ اور جسے اللہ ذلیل وخوار کردے اُسے پھر کوئی عزت دینے والا نہیں ہے۔اللہ کرتا ہے جو کچھ چاہتا ہے۔“ (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 212-211)

<u>مودودی کی پہلی تشریح:</u>

”31 یعنی فرشتے، اَجرام فلکی، اور وہ سب مخلوقات جو زمین کے ماوراء دوسرے جہانوں میں ہیں، خواہ وہ انسان کی طرح ذی عقل وذی

اختیار رہوں، یا حیوانات، جمادات، نباتات اور ہوا اور روشنی کی طرح بے عقل و بے اختیار رہوں۔'' (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 211)

دوسری تشریح:

'' 32 یعنی وہ جو محض مجبوراً ہی نہیں بلکہ بالارادہ اور بطوع و رغبت بھی اُس کو سجدہ کرتے ہیں۔ اِن کے مقابلہ میں دوسرا انسانی گروہ جس کا بعد کے فقرے میں ذکر آ رہا ہے۔ وہ ہے جو اپنے ارادے سے خدا کے آگے جھکنے سے انکار کرتا ہے۔ مگر دوسری بے اختیار مخلوق کی طرح وہ بھی قانونِ فطرت کی گرفت سے آزاد نہیں ہے اور سب کے ساتھ مجبوراً سجدہ کرنے والوں میں شامل ہے اُس کے مستحق عذاب ہونے کی وجہ یہی ہے کہ وہ اپنے دائرۂ اختیار میں بغاوت کی روش اختیار کرتا ہے۔''

تیسری تشریح جس میں بال برابر ہٹنے اور جنبش نہ کر سکنے والے قانون کی بلا سمجھے بات کی گئی ہے۔

'' 33 زمین کے ایک ذرے سے لے کر آسمان کے بڑے بڑے سیاروں تک سب ایک قانون میں جکڑے ہوئے ہیں جس سے بال برابر بھی جنبش کرنے کا کسی کو یارا نہیں ہے مومن تو خیر دل سے اللہ کے آگے سر جھکاتا ہے۔ مگر وہ دہریہ جو اللہ کے وجود تک کا انکار کر رہا ہے اور وہ مشرک جو ایک ایک بے اختیار ہستی کے آگے جھک رہا ہے وہ بھی اللہ کی اطاعت پر اُسی طرح مجبور ہے جس طرح ہوا اور پانی۔'' (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 212-211)

چوتھی اور آخری تشریح جہاں مودودی کی ساری گوٹیں پٹ جاتی ہیں؟؟

'' 34 یہاں ذلت اور عزت سے مراد حق کا انکار اور اُس کی پیروی ہے۔ کیوں کہ اس کا لازمی نتیجہ ذلت اور عزت کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ جو شخص کھلے کھلے اور روشن حقائق کو آنکھیں کھول کر نہ دیکھے اور سمجھانے والے کی بات بھی سن کر نہ دے وہ خود ہی ذلت و خواری کو اپنے اوپر دعوت دیتا ہے اور اللہ وہی چیز اُس کے نصیب میں لکھ دیتا ہے جو اُس نے خود مانگی ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 213-211)

27۔ مودودی سے اِن تشریحات میں جو چیز سمجھنے اور سمجھانے سے رہ گئی ہے۔

مودودی ان تمام مقامات پر صرف اپنی تقدیر کے باطل عقیدے کو سامنے رکھے رہے ہیں اس لئے اُن سے اُن کے بیانات و تشریحات میں کافی غلطیاں ہوئی ہیں۔ چنانچہ ان چار عدد تشریحات میں آخری بات کو پہلے سامنے رکھیں۔ یہاں چوتھی تشریح میں مودودی کے الفاظ یہ ثابت کرتے ہیں کہ اللہ نے روزِ ازل سے تقدیر نہیں لکھی تھی بلکہ ہر بندے کی طلب اور دعوت پر جو وہ مانگتا ہے اُس کی تقدیر میں لکھتا رہتا ہے۔ یہ ایک بہت بڑی غلطی ہے جو ناسمجھی اور فریب کے چکر میں مبتلا رہنے سے سرزد ہوئی ہے۔ درحقیقت یہاں وہ علم خداوندی ثابت ہو رہا ہے جسے ہم نے تفصیل سے لکھا ہے یعنی جو کچھ کوئی اپنے اختیار و ارادہ سے کرتا جاتا ہے یا طلب کرتا ہے وہی کچھ اُس کے لئے علم خداوندی میں داخل ہوتا جاتا ہے اور اُس آدمی کے پروگرام یا اعمال نامے کا جز بنتا جاتا ہے۔ یہ تقدیر کی یا نصیب میں طے شدہ بات نہیں بلکہ علم خداوندی کے اندر اُس شخص کے عمل درآمد کی بات ہے۔ تیسری اور دوسری تشریح میں جو بات مودودی سے رہ گئی ہے وہ یہ ہے کہ منکر خداوندی ہو یا مشرک ہو یا کوئی اللہ کا مخالف ہو اُسے اپنے انکار اور شرک اور مخالفت میں بھی خدا کے قوانین کی اطاعت کرنا پڑتی ہے یعنی وہ انکار بھی تو زبان سے بول کر ہی کرے گا۔ اُسے زمین پر رہ کر سب کچھ کرنا ہوگا۔ اُن ہی ہاتھوں پیروں دماغ کو کام میں لانا ہوگا جو اللہ نے بنائے اُن ہی آلات کو استعمال کرنا ہوگا اُن ہی وسائل و ذرائع اور سامان کو کام میں لانا ہوگا جو اللہ نے فراہم کئے ہیں اور یہی مجبوراً قوانین خداوندی کی اطاعت اور اُس کے آگے سجدہ کرنا ہے۔ نہ وہ اپنی زمین

بنا سکتا ہے کہ اس پر رہ کر مخالفت کرے نہ الگ الگ اعضا تیار کر سکتا ہے کہ حقیقی معنی میں مخالفت کرے نہ اپنا الگ سے سانس لے سکتا ہے جو کچھ بھی کرتا ہے اُس میں خود اللہ کا اور اللہ کے بنائے ہوئے سامان کا محتاج ہے۔ اس لئے بڑا ذلیل و بے شرم شخص ہے۔

27۔ الف۔ وہ تنقید جوروانی اور تقدیر و مشیت کے دباؤ سے چھوٹ گئی پیش کی جاتی ہے۔

ہم قرآنی آیات کے تسلسل کو برقرار رکھنے کے لئے مودودی کے بعض بیانات کو تنقید کے بغیر چھوڑتے چلے آئے ہیں۔ اُن پر دوبارہ نظر ڈالنا ضروری ہے تاکہ اُن کے باطل عقائد و تصورات کو سامنے لایا جاسکے۔ اور انہیں صحیح عقائد و تصورات پر متوجہ کیا جاسکے۔ چنانچہ سورہ تغابن کی آیات (64/1-4) کی پہلی تشریح میں مودودی نے لکھا تھا کہ:

''ایک ذرے سے لے کر عظیم ترین کہکشانوں تک ہر چیز نہ صرف خدا کے وجود پر گواہ ہے بلکہ اس بات کی گواہی بھی دے رہی ہے کہ اُس کا خدا ہر عیب اور نقص اور کمزوری اور غلطی سے پاک ہے۔'' (ہمارا عنوان نمبر 20) (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 528-527)

28۔ محمدؐ اور اجزائے محمدؐ پر اگر ایمان نہیں ہے تو اس قسم کے تمام بیانات و عقائد باطل ہیں۔

یہ بیان اُس وقت تک صحیح ثابت نہیں ہوسکتا جب تک پہلے یہ ثابت نہ ہوجائے کہ'' ذرے سے لے کر عظیم ترین کہکشانوں تک ہر چیز یہ جانتی ہے کہ عیب کسے کہتے ہیں؟ نقص کیا ہوتا ہے اور دونوں میں فرق کیا ہے اور یہ کہ کمزوری کیا چیز ہوتی ہے اور غلطی کی تعریف کیا ہے؟ اور مودودی ان تمام ہی چیزوں کو سابقہ تشریحات میں بے عقل اور بے جان لکھ چکے ہیں لہٰذا اُن کا یہ بیان غلط ہے اور وہ جھوٹے ہیں۔ جب تک وہ ایک ایسا نمائندہ خداوندی نہ مان لیں جو ہر عیب و نقص و کمزوری و غلطی سے پاک ہو۔ اور پھر یہ تسلیم کرے کہ ذرے سے لے کر عظیم کہکشانوں تک ہر چیز اللہ کے اُسی نمائندےؐ کے نور سے پیدا کی گئی ہے اور اُسی کی صفات کی حامل ہے لہٰذا عیب و نقص و کمزوری اور غلطی سے واقف ہے۔

29۔ محمدؐ و اجزائے نور محمدؐ کو اُس کائنات کی ملکیت اور اس کائنات پر تصرف اور کائنات پر حکمرانی کے اختیارات دیئے گئے ہیں۔

اِسی صفحہ پر دوسری تشریح میں مودودی نے لکھا ہے کہ:

''دوسروں کو اگر عارضی طور پر اور محدود پیمانے پر اس کائنات میں کسی جگہ تصرف یا ملکیت یا حکمرانی کے اختیارات حاصل ہیں تو وہ اُن کے ذاتی اختیارات نہیں ہیں۔ جو انہیں اپنے زور پر حاصل ہوئے ہیں۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے ہیں'' (ایضاً تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 528-527)

جہاں سے اور جس طرح مودودی کو ایسی ہستیوں کا علم ہوا ہے جنہیں اللہ نے کائنات پر ملکیت و تصرف اور حکمرانی کے اختیارات دیئے ہیں وہیں اور اُن ہی مقامات پر محمدؐ و آل محمدؐ صلوٰۃ اللہ علیہم کا حق ملکیت و تصرف اور حکمرانی ثابت ہے۔ یہ کتنی بڑی جسارت اور حق تلفی ہے کہ دوسروں کے لئے تو کائنات پر تصرف، ملکیت اور حکمرانی تسلیم کی جائے اور اُن حضراتؑ کو محروم کیا جائے جنؑ کے لئے اور جنؑ سے یہ کائنات پیدا کی گئی ہے۔

لَوْ لَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ.

30۔ محمدؐ اور علیؑ و فاطمہؑ اور آئمہ اہل بیتؑ کی مدح و ثنا کرنا اور اُن کا شکر ادا کرتے رہنا واجب ہے۔

مسلسل اُسی صفحہ (528) پر تیسری تشریح میں مودودی نے لکھا ہے کہ:

''دوسری جس ہستی میں بھی کوئی قابل تعریف خوبی پائی جاتی ہے۔ وہ اللہ ہی نے عطا کی ہوئی ہے اور اگر حمد کو شکر کے معنی میں لیا جائے تو شکر کا بھی اصل مستحق اللہ ہی ہے۔ کیوں کہ ساری نعمتیں اُسی کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ اور ساری مخلوقات کا حقیقی محسن اُس کے سوا کوئی نہیں

ہے۔ دوسری کسی ہستی کے کسی احسان کا ہم شکر ادا کرتے ہیں تو اس بنا پر کرتے ہیں کہ اللہ نے اپنی نعمت اُس کے ہاتھوں تک پہنچائی ہے۔ ورنہ وہ خود نہ اُس نعمت کا خالق ہے نہ اللہ کی توفیق کے بغیر وہ اُس نعمت کو ہم تک پہنچا سکتا تھا۔'' (ایضاً صفحہ 528)

مودودی اور اُس کے ہم مذہب علماوعوام کو چاہئے کہ وہ محمد وآل محمد صلی اللہ علیہ وعلیہم کی ہمیشہ حمد وثنا کیا کریں اور اُٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ہر وقت محمدؐ وآل محمدؐ کا شکریہ ادا کیا کریں کہ وہ تمام خوبیوں اور نعمتوں کی بنیاد ہیں اور اُن ہی کے صدقے میں تمام خوبیاں اور نعمتیں نوع انسان اور تمام مخلوقات کو دی جاتی رہی ہیں۔

31۔ اللہ چاہتا تھا کہ اس کائنات میں عدل وانصاف ہو مگر بقول مودودی اللہ کے سوا کائنات میں عدل کرنے والا کوئی نہیں لہٰذا عدل وانصاف دنیا میں نہیں ہوسکتا۔

اسی سلسلے کی آخری تشریح میں مودودی نے چند ایسی باتیں لکھی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ چاہتا تو یہ تھا کہ اس کائنات میں عدل وانصاف ہو مگر انتظام ایسا کر دیا کہ عدل وانصاف کبھی نہ ہوسکا اور آخر اُسے آخرت میں خود عدل وانصاف کرنا پڑے گا۔ یہ تشریح ہمارے عنوان 20 کی ذیل میں ملاحظہ ہو۔ اُس کے اہم جملے یہ ہیں:

(1) برحق پیدا کرنے کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ اس کائنات میں صحیح اور کامل عدل ہو۔ (2) یہ عدل لازماً اسی صورت میں قائم ہوسکتا ہے جب کہ عدل کرنے والے کی نگاہ سے انسان جیسی ذمہ دار مخلوق کا نہ صرف یہ کہ کوئی فعل چھپا نہ رہے بلکہ وہ نیت بھی اُس سے مخفی نہ رہے جس کے ساتھ کسی شخص نے کوئی فعل کیا ہو۔ (3) اور ظاہر ہے کہ خالق کائنات کے سوا کوئی دوسری ہستی ایسی نہیں ہوسکتی جو اس طرح کا عدل کر سکے۔ (4) پھر انسان کی عقل یہ بھی چاہتی ہے کہ آدمی کو محض اس بنا پر سزا نہیں ملنی چاہئے کہ اُس کے فعل کی صورت ایک مجرمانہ فعل کی سی ہے۔ بلکہ یہ تحقیق ہونی چاہئے کہ جو فعل اُس نے کیا ہے بالارادہ سوچ سمجھ کر کیا ہے۔ اُس کے ارتکاب کے وقت وہ ایک ذمہ دار عامل کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ اُس کی نیت فی الواقع ارتکاب جرم ہی کی تھی۔ اور وہ جانتا تھا کہ جو کچھ وہ کر رہا ہے وہ جرم ہے۔ اسی لئے دُنیا کی عدالتیں مقدمات کا فیصلہ کرنے میں ان اُمور کی تحقیق کرتی ہیں اور ان کی تحقیق کو اصول انصاف کا تقاضا مانا جاتا ہے مگر کیا واقعی دنیا میں کوئی ایسا ذریعہ پایا جاتا ہے جس سے اِن کی ٹھیک ٹھیک تحقیق ہو سکے جو ہر شبہ سے بالاتر ہو؟ (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 532)

قارئین اِن جملوں کو دیکھیں اور مودودی اور تمام علمائے اسلام کے بیانات ومسلّمات کو سامنے رکھیں اور یہ مان لیں کہ اللہ اپنے عدل وانصاف کے مقصد میں حضرت آدمؑ کے زمانہ سے آج تک اور آج سے لے کر قیامت کے دن تک ناکام رہا اور ناکام رہتا چلا جائے گا۔

32۔ اللہ نے کائناتی عدل برقرار رکھنے ہی کے لئے محمدؐ وعلیؑ وآئمہ اہل بیتؑ کو اپنی سو فیصد نمائندگی کے لئے روز اول سے کائناتی حکمرانی ونیابت عطا کی تھی۔

اگر مودودی اور مودودی کے ہم مذہب قریشی راہنما اینڈ کمپنی قبول نہیں کرتی تو نہ کرے مگر قرآن مجید سے بار بار اور طرح طرح ثابت ہے کہ اللہ نے پوری کائنات میں ہر لحہ عدل کو قائم رکھنے کا انتظام کر رکھا ہے اور برابر ہر لحہ عدل ہوتا چلا آ رہا ہے۔ البتہ جن لوگوں کو اللہ نے ابلیس کی طرح کفر وایمان، اطاعت اور بغاوت میں آزادی دی تھی وہ اگر عدل نہ کریں تو اُن کو زبردستی عدل اطاعت پر قائم نہیں رکھا گیا اور یہی اللہ کی مشیت ہے اُن سے مواخذہ ہوتا رہا ہے۔ سزائیں دی جاتی رہی ہیں۔ اور مواخذہ برابر جاری ہے جاری رہیگا یہاں تک کہ اُنہیں عذاب جہنم سے دوچار نہ کر دیا جائے۔

(الف) اگر اللہ نے عدل ہوتے رہنے کا انتظام نہ کیا ہوتا اور عدل پر قادرانہ ذواتِ مقدسہؑ پیدا نہ کی ہوتیں تو عدل کرنے کا حکم نہ دیا ہوتا۔

اللہ تو قرآن میں فرماتا ہے کہ:۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ O وَاَوْفُوْا بِعَھْدِ اللّٰہِ اِذَا عَاھَدْتُّمْ وَلاَ تَنْقُضُوا الْاَیْمَانَ بَعْدَ تَوْکِیْدِھَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰہَ عَلَیْکُمْ کَفِیْلًا اِنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَاتَفْعَلُوْنَ O (16/90-91)

''یقیناً اللہ عدل قائم رکھنے اور احسان کرتے رہنے اور قربیٰ والے کو دیتے رہنے کا حکم دیتا ہے اور بے شرمی اور عالمی ناپسندیدہ کاموں اور بغاوت سے منع کرتا ہے اور تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ شاید تم یاد رکھو اور ذکر بھی کرتے رہو۔ اور یہ حکم بھی دیتا ہے کہ جب اللہ سے کوئی عہد کرلو تو اُسے پورا کیا کرو اور جب تم دونوں دہنے ہاتھوں سے عہد نامہ کرکے اُسے پختہ کرلو تو اُسے توڑ نہ دیا کرو حالانکہ تم لوگوں نے اللہ کو اپنا کفیل بھی بنالیا ہے۔ یقیناً اللہ کو تمہارے کاموں کا علم ہے۔''

ہمارا یہ ترجمہ آیات کے الفاظ کے ساتھ ساتھ چلتا ہے یعنی ذِی الْقُرْبٰی کو واحد رکھا گیا ہے۔ اس لئے لفظ ''ذی'' ''ذَا'' اور ''ذُو'' کے معنی ''والا'' ''صاحب'' ''مالک'' کے ہیں جو واحد یا تنہا کے لئے آتا ہے ان کا تثنیہ ذَوَا اور ذَوَیْ ہوتا ہے اور ان کی جمع ذَوُیْ ہوتی ہے۔ اور ان کے مونث ذَاتٌ، ذَوَاتَـا اور ذَوَاتِـیِ ہوتی ہیں۔ اس کے بعد غور طلب بات یہ ہے کہ اللہ ان دونوں آیات (16/90-91) میں وہ طریقہ بتا رہا ہے جس سے پوری نوع انسان کے اندر عدل قائم رکھا جاسکے۔ اسی لئے یہاں اللہ تمام انسانوں سے مخاطب ہے خود رسولؐ اللہ اس خطاب میں شامل ہیں۔ اور یہاں سات ایسے کام بتائے گئے ہیں جن پر تمام انسانوں نے عمل کرنا ہے اور جن پر تمام انسان عمل کریں تو عدل قائم رہے گا:

اول یہ کہ ہر شخص ہر وقت اس فکر میں رہے کہ دوسروں پر احسان کرے اور جہاں موقع ملے احسان کرتا رہے۔

دوم یہ کہ ہر شخص قربیٰ والے کو یا قربیٰ کے مالک کو یا صاحبِ قربیٰ کو جو کچھ بھی دے سکے دیتا رہے۔

سوم۔ یہ کہ ہر شخص کوئی شرمناک کام نہ کرے۔

چہارم۔ یہ کہ ہر شخص کوئی ایسا کام نہ کرے جو دنیا میں کہیں ناپسند کیا جاتا ہو۔

پنجم۔ یہ کہ ہر شخص کبھی کسی سے بغاوت نہ کرے۔

ششم یہ کہ ہر شخص اللہ کے ہر وعدہ اور عہد کو ہر حال میں پورا کرتا رہے۔

ہفتم۔ یہ کہ ہر شخص آپس کے ہر وعدہ اور معاہدے پر قائم رہے اور پابندی سے عمل کرے قارئیں سوچیں اور غور کریں کہ اگر تمام انسان ان سات واجبات پر عمل پیرا رہیں تو ظلم وستم وجبر وگناہ اور جرائم تو کہاں دُنیا میں کوئی بدتمیزی یا ناگواری ڈھونڈے نہ ملے گی۔ قارئین کو ذِی الْقُرْبٰی کے سمجھنے میں اب بھی دِقت ہو رہی ہوگی مگر یہ بات تو صاف ہے کہ یہ ذِی الْقُرْبٰی ایک شخص ہے اور رسولؐ اللہ سے لے کر تمام انسان مامور ہیں کہ اُس کو دیتے رہیں اور یہی وہ شخص ہے جس سے قریش اور قریش کے ہر لیڈر کو دشمنی ہے اور جس نے اسلام کو قیامت تک عدل فراہم کرنے کی ذمہ داری لی ہے اور جس نے اس خطبہ 130 میں اعلان کیا ہے کہ:

وَوَسِعَھُمْ عَدْلُہٗ۔ (خطبہ 130، جملہ 176) ''اور اُس نے ساری مخلوق پر عدل کو وسعت دے دی ہے۔''

اُس کو سمجھنے کے لئے یہ سمجھئے کہ علمانے لفظ اَقْرَبیٰ اور قربیٰ کے معنی رشتہ دار یا رشتہ داری کئے ہیں۔اس سے بھی ذِی القُربیٰ کے معنی ہوں گے ''وہ ایک شخص جو رشتہ داری والا ہے یا جو رشتہ داری کا مالک ہے'' یا جو صاحب رشتہ داری ہے''

یہاں یہ بھی سمجھ لیں کہ دنیا میں ہر شخص کے رشتہ دار ہوتے ہیں۔مگر اس جگہ تمام لوگوں کو مع اُن کے رشتہ داروں کے یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اُس خاص شخص کو جو تمام رشتہ داریوں کا یا خاص رشتہ داری کا مالک ہے۔دیتے رہیں۔اور یہ نہیں بتایا گیا کہ کیا دیتے رہیں؟ لہٰذا مطلب یہ ہوگا کہ ''جو کچھ تم سے ممکن ہو دیتے رہو'' یا ''جو کچھ اُس کی ضرورت ہو اُسے دیتے رہو'' یا ''جو کچھ وہ مانگے اُسے دیتے رہو'' یا پھر اُسے اس طرح سمجھ لو کہ اللہ نے رسولؐ اللہ سے الگ سے بھی یہ فرمایا ہے کہ:

(ب) ذِی الْقُربٰی کا ایک حق ہے جس کو ادا کرنا خود رسولؐ اللہ پر بھی واجب رکھا گیا ہے۔

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًاO۔(17/26)

پہلی آیت کا ترجمہ ''اے رسولؐ تم مساکین اور راستوں کے محافظین اور تمام ضرورتمندوں کو مستغنی کرنے کیلئے قرابت والے کو اُس کا حق دے دو۔''

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ O۔ (روم 30/38)

دوسری آیت کا ترجمہ: ''چنانچہ اے رسولؐ تم مساکین اور راستوں کے محافظین اور تمام ضرورتمندوں کو غنی کرنے کے لئے قرابت کے مالک کو اُس کا حق دے دو اور اُس حق کی ادائیگی اُن تمام لوگوں کی بہتری کے لئے ضروری اور کافی ہے جنہوں نے اللہ کی توجہات حاصل کرنے کا ارادہ کر رکھا ہے اور وہی لوگ کامیاب و کامران ہیں۔''

یہاں یہ بات سمجھنا مشکل نہیں ہے کہ وہ صاحب قرابت ایسی ہستی ہے کہ جس کی ذمہ داری یہ ہے کہ غربت و مسکینی ومحتاجی کو دُنیا سے رخصت کر کے ہر شخص کو مستغنی وغنی کر دے۔پوری دنیا میں کوئی شخص ضرورتمند نہ رہے۔(تفصیلات ہماری تفسیر اور دیگر خطبات میں)۔

یہاں تک یہ ثابت ہو گیا کہ اللہ عدل قائم کرنا چاہتا ہے اور عدل قائم کرنے کے لئے طریقہ اور احکام بیان کر دیئے ہیں۔

33۔رسولؐ اللہ کو عدل قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور قریشی لیڈروں کے مجتہدانہ تصورات کو رد کرنا واجب کیا گیا ہے۔

اگر اللہ نے عدل قائم کرنے کا انتظام نہ کیا ہوتا اور عدل قائم کرنے پر رسولؐ اللہ اور اُن کے جانشین قدرت نہ رکھتے ہوتے تو رسولؐ کو یہ حکم دینا فضول ہوتا کہ:

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ اللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ O وَالَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ فِي اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌO(16-42/15)

''چونکہ قریش قرآن پر عمل کرنے میں اپنے اجتہاد کو داخل کرنے پر مصر ہیں اِس لئے اے رسولؐ تم اُن کو قرآن کے اُسی مقررہ طریقہ کی دعوت دیتے رہو اور جس طرح تمہیں میں نے حکم دیا ہے اُسی پر تم مضبوطی سے قائم رہو اور قریشی اجتہاد کی پیروی ہرگز نہ کرو اور اُن سے کہہ دو کہ ''میں اللہ کی نازل کردہ ہر کتاب پر ایمان رکھتا ہوں اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل قائم کروں۔اللہ ہی ہمارا بھی

رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لئے ہیں۔ ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی ایسی حجۃ و دلیل نہیں جو ہمیں تمہاری طرف موڑے اللہ خود ایک روز ہمیں اور تمہیں جمع کرلے گا اور اُسی کی طرف سب کو جانا ہے۔ اللہ کے دین کو قبول کر لینے کے بعد بھی جو لوگ اللہ کے عملدرآمد پر خود ساختہ حجتیں پیش کرتے ہیں اُن کی حجت تراشی اُن کے رب کے نزدیک باطل ہے اور اُن پر اُس کا غضب ہے اور اُن کے لئے سخت عذاب ہے" مودودی اس آیت اور عدل کے قیام سے متفق ہیں (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 495 وغیرہ)۔

34۔ اللہ نے اپنی مخلوقات میں خاص طور پر ایک ہی ایسی اُمت پیدا کی تھی جو حق کی طرف راہنمائی کرے اور عدل قائم رکھے۔

اب یہ بھی دیکھئے کہ کائنات میں عدل قائم رکھنے کے لئے اللہ نے تخلیق کے دوران ہی عدل قائم رکھنے پر ایک امت پیدا کردی تھی۔ سنئے:

وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ O وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ O وَاُمْلِيْ لَهُمْ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ O (7/181-183)

مودودی ترجمہ: "ہماری مخلوق میں ایک اُمت ایسی بھی ہے جو ٹھیک حق کے مطابق ہدایت اور حق ہی کے مطابق انصاف (عدل) کرتی ہے۔ رہے وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلا دیا ہے تو انہیں ہم بتدریج ایسے طریقے سے تباہی کی طرف لے جائیں گے کہ اُنہیں خبر تک نہ ہوگی۔ میں اُن کو ڈھیل دے رہا ہوں میری چال کا کوئی توڑ نہیں ہے۔" (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 104)

یہاں آیت میں لفظ اُمَّةٌ تھا مگر مودودی اپنی مصلحت کے ماتحت اُمۃ کی لفظ کو گروہ بنا دیا کرتے ہیں۔ اس لئے ہم نے ترجمہ میں لفظ اُمت کو بحال رکھا ہے۔ اور یہ بھی نوٹ کرلیں کہ آیات کو جھٹلانے والے مودودی کے بزرگ یعنی رسولؐ کی قوم قریش تھے (انعام 6/66)۔

35۔ اسلام میں عدل کی حکمرانی کے قیام کا حکم ملا تھا اور امانتوں کو اہل کو پہنچانا لازم تھا۔

عدل کو قیامت تک قائم رکھنے کے لئے اللہ نے فرمایا تھا کہ:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا O (نساء 4/58)

"یقیناً اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کو سپرد کرنا اور جب لوگوں کے درمیان حکومت قائم کرو تو عدل کے ساتھ حکومت قائم کرو۔ اللہ نے تمہیں نہایت عمدہ نصیحت کردی ہے اور یہ سمجھ لو کہ اللہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔"

ساری دُنیا جانتی ہے کہ قریش نے رسول اللہ کی امانت کو غصب کیا اور حضرت علی علیہ السلام کو یہ امانت واپس نہیں کی اور ایک ایسی حکومت قائم کرلی جو عدل و انصاف کی نہ اہلیت رکھتی تھی اور نہ عدل و انصاف کی قائل تھی۔ اور مودودی اُن ہی کے تحفظ میں عدل کو ناممکن کہتے ہیں۔ بہرحال قرآن سے ثابت ہوا کہ اللہ کے نمائندے سو فیصد عدل قائم کرنے کی وہ تمام صفات و قدرت رکھتے تھے جن کا مودودی نے اللہ کے سوا ہر شخص کے لئے ناممکن ہونا تفصیل سے لکھا ہے اور خود رسولؐ کو اُن صفات و قدرتوں سے خالی قرار دیا ہے یعنی اُن کے لئے بھی عدل کو ناممکن لکھا ہے جنہیں خود اللہ نے عدل کرنے کا حکم دیا ہے۔ بہرحال قرآن کریم سے ثابت ہوگیا کہ رسولؐ اللہ اللہ کی طرح عدل کر سکتے تھے۔ اور یہ کہ ایک اُمت ہر وقت ایسی موجود رہی ہے جس کو خدا نے عدل کرنے کے لئے تمام صفات اور قدرتیں دی تھیں۔ جو اللہ کی طرح ہر شخص کی نیت اور قلبی ارادوں پر مطلع تھی۔ جس سے کوئی

ایسی چیز پوشیدہ نہ رہ سکتی تھی جو قیامِ عدل کے لئے ضروری ہو۔لہٰذا یہ ماننا لازم آتا ہے کہ عدل قائم کرنے سے اور اُسے برقرار رکھنے کے لئے اللہ نے محمدؐ و علیؑ اور آئمہ اہلِ بیت کو یہ قدرت عطا کی تھی کہ: "اُن کی نگاہ سے ہر مخلوق کا ہر عمل و نیت مخفی نہ رہے" اور اُن کے قلبی و ذہنی رجحانات وارادے اُن کو معلوم اور یاد رہیں" اِسی بنا پر اُنہیں امتوں پر چشم دید گواہ یا شہید بنایا گیا ہے۔" (سورہ نساء 4/41، سورہ نحل 16/89)

اور حضرت علی علیہ السلام کو تو اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازلی وابدی و ہمہ گیر رسالت پر اپنے برابر کا شہید فرمایا ہے۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِO (الرعد 13/43)

"اور جو لوگ حق کو چھپا رہے ہیں وہ کہتے ہیں اور کہتے رہیں گے کہ اَے محمدؐ تم اللہ کے بھیجے ہوئے رسولؐ نہیں ہو۔تم اُن سے کہہ دو کہ میری رسالت پر اور میرے رسولؐ ہونے پر تمہارے اور میرے درمیان اللہ اور وہ شخص کافی چشم دید گواہ ہے جو مکمل کتاب کا علم رکھتا ہے۔"

35۔الف۔مسئلہ تقدیر کے ساتھ ساتھ اللہ کی تدبیروں میں اُس کے لطف وکرم اور مشیت پر متوجہ فرمایا ہے۔

علما نے تقدیر کو ایسا ڈراونا اور خوفناک بنا کر پیش کیا ہے جس سے لوگ اللہ کو ایک جابر وظالم و جاہل حکمران کی طرح سمجھنے لگے ہیں۔اس کے برخلاف حضرت علی علیہ السلام تقدیر کو ایسے ہلکے پھلکے انداز میں پیش کرتے چلے جاتے ہیں کہ گرانی تک محسوس نہیں ہوتی۔ ضَمِنَ اَرْزَاقَهُمْ وَقَدَّرَ اَقْوَاتَهُمْ ؛ وہ یہ فرما کر اپنے سامعین کی ہمت افزائی کرتے ہیں کہ اللہ نے تمام مخلوقات کے رزق کی ضمانت لے رکھی ہے پھر یہ کہنا ناگوار وگراں نہیں گزرتا کہ اُس نے مخلوق کی خوراک وغذا کو تقدیر سے وابستہ کر رکھا ہے۔اگر اس جملے سے تقدیر کا کچھ دباؤ پڑا بھی تھا۔وَنَهَجَ سَبِيْلَ الرَّاغِبِيْنَ اِلَيْهِ وَالطَّالِبِيْنَ مَالَدَيْهِ ؛ تو اُسے یہ کہہ کر ہٹا دیا کہ اور جو لوگ یہ رغبت رکھتے ہیں کہ اللہ سے وابستہ ہو جائیں اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ اُس سے لے لیں ایسے لوگوں کے لئے ایک صاف ستھرا راستہ اور طریقہ بنا رکھا ہے۔لہٰذا لوگوں کو اُس راستے اور طریقے کو جاننے کی ضرورت ہوگی۔اور تقدیر دھمکی بن کر سر پر سوار نہ رہے گی۔ قَدَّرَ مَاخَلَقَ فَاَحْكَمَ تَقْدِيْرَهٗ ؛ اس کے بعد جب سامعین یہ سنیں گے کہ اللہ نے جو کچھ بھی پیدا کیا اُس کے باقی رہنے اور ترقی کرنے کی تقدیر مقرر کر کے اُسے مستحکم کر دیا ہے پھر اُس کے کائنات میں رہنے اور اپنی منزل کی طرف بڑھنے کی ضروری تدبیریں کیں۔وَدَبَّرَهٗ فَاَلْطَفَ تَدْبِيْرَهٗ ؛ اور اُن تدبیروں میں بھی اپنے لطف وکرم کو ملحوظ رکھا ہے۔یہ جملہ (خطبہ 130، جملہ 37) کمزور سے کمزور اور تھکے ہوئے شخص میں بھی جرأت وہمت پیدا کر دے گا اور وہ ہر تقدیر و تدبیر میں اللہ کے لطف وکرم اور احسان کی تلاش کرے گا اور اُسے پالیگا۔اور عمل پیرا ہو جائے گا۔اور جب اس کے سامنے یہ جملہ (خطبہ 130، جملہ 40) آئے گا کہ تمام کام اللہ کی پسند ومشیت کے ماتحت ہوتے ہیں تو وہ یقیناً اللہ کی پسند کو پسند کرے گا اس لئے کہ دیکھ چکا کہ اللہ تو اپنے لطف وکرم کو تقدیر و تدبیر میں بھی نظرانداز نہیں کرتا تو مشیت میں کیسے نظرانداز کر سکتا تھا۔ وَكَيْفَ وَاِنَّمَا صَدَرَتِ الْاُمُوْرُ عَنْ مَّشِيَّتِهٖ ؟ (خطبہ 130، جملہ 40) اور اِس طرزِ بیان سے اُس کو یقین ہو جائے گا کہ واقعی شیطان نے جن احکام کی تقلید واجب کی ہے۔ وَمَا كَلَّفَكَ الشَّيْطَانُ عِلْمَهٗ مِمَّا لَيْسَ فِى الْكِتَابِ عَلَيْكَ فَرْضُهٗ وَلَافِىْ سُنَّةِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَائِمَّةِ الْهُدٰى اَثَرُهٗ (خطبہ 130، جملہ 16)۔اس لئے کہ وہ نہ قرآن میں فرض کئے گئے نہ نبیؐ کی سنت میں اور نہ آئمہ معصومین علیہم السلام کے عمل میں کہیں اُن کا پتہ چلتا ہے۔

36۔ہمارے نام نہاد شیعہ علما محمدؐ اور آئمہ معصومینؑ کو راسخون فی العلم سمجھتے رہے ہیں۔

جملہ (خطبہ 130، جملہ 17) سے حضورؑ نے راسخون فی العلم کی پوزیشن بیان کرنا شروع کی ہے اُس کو غور سے پڑھئے اور دیکھئے کہ آیا محمدؐ و علیؑ و دیگر آئمہؑ ویسے ہی تھے جیسے کہ حضورؑ بیان فرما رہے ہیں یعنی۔

(1) راسخون فی العلم بعض چیزوں کی تفسیر سے جاہل ہوتے ہیں اور اپنی اس جہالت کا اقرار بھی کرتے ہیں۔

(2) کچھ چیزیں اُن کے علم کی حدود سے باہر ہیں۔

(3) حقیقت کی تلاش کے لئے گہرائی میں نہ جانے اور غور وفکر کر کے بنیاد کا پتہ نہ لگانے کا نام علم میں رسوخ ہے۔

(4) اُن کے اعتراف جہالت کی اللہ نے تعریف کی ہے۔

36۔الف۔نور مکمل علم کو کہتے ہیں جس سے اشیاء اپنی حقیقی صورت و ماہیت میں ظاہر ہوتی ہیں، علم میں ڈوبے ہوؤں میں اور علم میں فرق ہے۔

عربی زبان میں راسخ کے معنی تہہ تک اُترا ہوا ہوتے ہیں۔ راسخون فی العلم کے معنی علم کی تہہ تک اُترے ہوئے ہوں گے یعنی بہر حال علم اور چیز ہے اور راسخ دوسری چیز ہے یعنی راسخون فی العلم خود علم نہیں ہوتے بلکہ علم کی وجہ سے وہ راسخ کہلاتے ہیں۔یعنی وہ علم کے محتاج ہیں۔ہم آئمہ اہل بیت علیہم السلام کو قرآن اور حدیث کی رُو سے مجسمہ علم خداوندی اور نور خداوندی مانتے ہیں۔اُسی بنا پر وہ حضرات کسی سوال کے جواب میں ''میں نہیں جانتا'' (لَا اَدْرِیْ) نہیں کہتے۔اگر وہ بھی بعض چیزوں سے جاہل ہوتے تو اُن کے لئے یہ نہ کہا گیا ہوتا کہ:

فَسئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَO(16/43)(21/7)

''چنانچہ جو کچھ تمہیں معلوم نہ ہو تم اہل الذکر سے معلوم کرلیا کرو۔''(16/43)(21/7)

لہٰذا محمدؐ و آئمہؑ اَز سرتا پا علم ہی علم ہیں۔اُنہیں روز ازل سے علم عطا کر دیا تھا اور اُن کے سینوں میں قرآن کو آیات بینات کی صورت میں نقش کر دیا تھا۔

بَلْ هُوَ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَمَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ O(29/49)

اور اس حقیقت میں چون و چرا کرنے والوں کو حقیقی اور مکمل ظالم فرمایا گیا ہے۔یہ حضرات تو اللہ کے علوم کی کانیں ہیں اور سارا علم جہاں بھی گیا اور جس کو بھی ملا اُن ہی سے ملا اور وہیں سے گیا۔لہٰذا وہ ہرگز ہرگز راسخون فی العلم نہیں ہیں۔وہ ہرگز یہود کے نیک علما کے برابر نہیں ہو سکتے۔(نساء4/162) اور یہ حضرات علم غیب کے معاملے میں بخیل و کنجوس نہیں ہیں۔وَمَا هُوَ عَلَى الْغَیْبِ بِضَنِیْنٍ(81/24) اور وہ مشیت خداوندی ہیں۔وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ (81/29,76/30) یہ حضرات عیسٰیؑ و موسٰیؑ اور سلیمانؑ اور تمام سابقہ انبیاؑ کو علم و معرفت عطا کرنے والے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ اٰلِ مُحَمَّدٍ۔

37۔فرشتوں کی وہ قسم جو قیامت میں بلندی درجات کی فکر میں جدوجہد اور کوشش میں مصروف دکھائی گئی ہے۔

اس خطبہ نمبر 130 کی خاص بات یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے ملائکہ کی معروف قسم کے علاوہ ایک مخصوص قسم کو بیان فرمایا ہے۔چنانچہ جملہ نمبر (خطبہ 130، جملہ 78) سے اُن کا تفصیلی تذکرہ فرمایا ہے۔اُن کی صفات بیان فرمائی ہیں۔انہیں ہر مصروفیت اور مشغلے سے باز رہ کر اللہ کی عبادت میں مصروف دکھایا ہے۔حالانکہ عام فرشتے مصروفیت اور اشغال سے لاعلم ہوتے ہیں۔2۔ایمانی حقائق کو اُن کے اور اللہ کے درمیان وسیلہ بتایا ہے۔جب کہ عام ملائکہ وسیلے کو جانتے ہی نہیں۔3۔یہ بھی بتایا ہے کہ اُنہیں اللہ کے پاس جو کچھ ہے اُس سے اتنی رغبت ہے کہ جو کچھ

اوروں کے پاس ہے اُس سے اُنہیں کوئی رغبت نہیں (ایضًا جملہ 81)۔ 4۔ انہیں اللہ کی معرفت کا مزا چکھ لینے والے اور اللہ کی محبت کا میٹھا جام پی لینے والے فرمایا (ایضًا جملہ 81)۔ حالانکہ عام ملائکہ مزے اور حلاوت سے نابلد ہوتے ہیں۔ 5۔ انہیں قربِ خداوندی کی عظیم بلندیوں پر بتایا ہے (ایضًا جملہ 83)۔ 6۔ اُن کو صاحبان عزم وعزیمہ اور جدوجہد کرنے والا قرار دیا ہے (ایضًا جملہ 90)۔ اُن کی ہمتوں پر خواہشات کی اثر اندازی کی نفی فرمائی ہے (ایضًا جملہ 91)۔ 8۔ اُن کیلئے فاقہ کا دن یعنی قیامت کو مان کر مالک عرش کو ذخیرہ قرار دیا ہے (ایضًا جملہ 91)۔ 9۔ انہیں اپنی کوششوں میں سستی نہ کرنے والے بتایا ہے (ایضًا جملہ 97)۔ 10۔ دنیاوی لالچ اور طمع کی نفی کر کے بتایا ہے کہ اُن کے اجتہاد پر یہ چیزیں اثر انداز نہیں ہوئیں (ایضًا جملہ 98)۔ 11۔ اُن کو شیطان کے بہکانے سے بچ نکلنے والا فرمایا ہے (ایضًا جملہ 101)۔ 12۔ اختلاف اور تفرقہ نہ ڈالنے والے قرار دیا (ایضًا جملہ 101-102)۔ 13۔ اُن کی مہم جوئی کو مختلف شعبوں اور ریب سے محفوظ دکھایا ہے۔ (ایضًا جملہ 103)۔

یہ بارہ تیرہ ایسی صفات ہیں جو عام ملائکہ کے لئے بیان نہیں فرمائی ہیں۔ اُن میں بہت سی ایسی صفات بیان فرمائی ہیں جو خود آئمہ معصومین علیہم السلام کی صفات ہیں یعنی عقل وارادہ واختیار رکھتے ہوئے غلط کاری سے محفوظ رہنے والی صفات قرار دی ہیں۔ اور کہیں بھی عام ملائکہ کی طرح بے عقل و بے ارادہ اور مجبور مخلوق کی طرح نہیں فرمایا ہے۔ اور اِن میں مسلسل عقل وارادہ واختیار اور ضرورت ثابت کی ہے سوچ سمجھ کر کام کرنے والے کوشش وجدوجہد کرنے والے قرار دیا ہے۔ اور عام ملائکہ اِن تمام صفات وحالات سے خالی وعاری ہوتے ہیں۔

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 90

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 91

خُطبہ ﴿131﴾

خلافتِ قریش کا جنازہ نکل گیا تو قریش سمیت سارے مسلمان مجبور ہوئے کہ وہ خلافت حضورؐ کے حوالے کریں جو اللہ رسولؐ اور قرآن کے خلاف غصب کی تھی۔

1۔علی علیہ السلام خلافت قبول کرنے سے انکار اور انہیں مزید تجربہ کرانے کو تیار تھے۔2۔مجھے میرے حال پر چھوڑ دو اور پہلے کی طرح کسی اور کو اپنا خلیفہ بنالو۔3۔میں حکومت ہاتھ میں لوں گا تو تم میں سے کسی کی رائے اور مشورہ نہ سنوں گا تمہیں اپنے علم سے ڈھکیل کر چلاؤں گا۔4۔حالات اتنے پیچیدہ اور بدترین ہیں کہ بتائے جائیں تو تمہاری عقلیں اور دل ماننے کو تیار نہ ہوں گے گمراہی کا اندھیرا چھایا ہوا ہے حق کا پہچاننا مشکل ہے۔5۔حاکم نہ بناؤ مجھے وزیر رہنے دو۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

دَعُوۡنِیۡ وَالۡتَمِسُوۡا غَیۡرِیۡ ؛	1	تم لوگ مجھے رہنے دو اور میری جگہ میرے علاوہ کسی اور سے خلیفہ بن جانے کے لئے التماس کرو۔
فَاِنَّا مُسۡتَقۡبِلُوۡنَ اَمۡرًا لَہٗ وُجُوۡہٌ وَّاَلۡوَانٌ لَاتَقُوۡمُوۡا لَہُ الۡقُلُوۡبُ وَلَا تَثۡبُتُ عَلَیۡہِ الۡعُقُوۡلُ ؛	2	بلا شبہ ہم سب ایسے پیچیدہ منصوبہ سے دوچار ہونے والے ہیں جس کے بہت سے پہلو اور طرح طرح کے رنگ ہیں۔ جو ابھی سے بتادوں تو نہ تمہارے دل اس کا سامنا کرنے کو تیار ہوں گے اور نہ تمہاری عقلیں اس پر یقین کریں گی۔
وَاِنَّ الۡاٰفَاقَ قَدۡ اَغَامَتۡ وَالۡمَحَجَّۃَ قَدۡ تَنَکَّرَتۡ ؛	3	اور نتیجہ یہ ہے کہ مجھے آفاق پر گمراہی اور بغاوت کے بادل چھائے ہوئے نظر آرہے ہیں اور دلیل و حجت انکار کی طرف مائل ہیں۔
وَاعۡلَمُوۡا اَنِّیۡ اِنۡ اَجَبۡتُکُمۡ رَکِبۡتُ بِکُمۡ مَّا اَعۡلَمُ ؛	4	ساتھ ہی یہ بھی جان لو کہ اگر میں نے تمہارے کہنے سے حکمرانی قبول کرلی تو میں تمہیں طاقت کے ساتھ اس طرزِ حکمرانی پر چلاؤں گا جو میرے علم میں ہے۔
وَلَمۡ اُصۡغِ اِلٰی قَوۡلِ الۡقَائِلِ وَعَتۡبِ الۡعَاتِبِ ؛	5	اور تم میں سے کسی کی نہ کوئی بات قبول کروں گا اور نہ کسی کی ناراضگی اور عتاب کی پرواہ کروں گا۔
وَاِنۡ تَرَکۡتُمُوۡنِیۡ فَاَنَا کَاَحَدِکُمۡ ؛	6	اور اگر تم مجھے اپنا خلیفہ بنانا ترک کردو تو میں تمہاری طرح رعایا میں کا ایک فرد ہوں گا۔

وَلَعَلِّیْ اَسْمَعُکُمْ وَاَطْوَعُکُمْ لِمَنْ وَّلَّیْتُمُوْہُ اَمْرَکُمْ ؛	7	اور شاید رعیت ہوتے ہوئے میں تمہاری باتیں زیادہ دلچسپی سے سنوں اور اس شخص کا بھی زیادہ فرمانبردار رہوں جسے تم اپنی حکومت سونپ کر اپنا حاکم وخلیفہ بنالو۔
وَاَنَالَکُمْ وَزِیْرًا خَیْرٌ لَّکُمْ مِّنِّیْ اَمِیْرًا	8	اور میرا تمہارے لئے وزیر بن کر رہنا خلیفہ بن کر رہنے سے بہتر ہی ہوگا۔

تشریحات:

یہ خطبہ اُس پالیسی کو ذرا وضاحت سے ثابت کرتا ہے جس کے ماتحت آپؑ نے ابوبکر کے خلاف مُسلّح مزاحمت نہ کی تھی حالانکہ حالات کا تقاضا یہ تھا کہ قریش کے ساتھ جنگ کی جائے اور آج بھی حق پرست اور جو شیلے حضرات یہی کہتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کو تلوار اُٹھانا چاہئے تھی تا کہ بعد میں پیش آنے والی خرابیاں اور بے دینیاں مرکررہ جاتیں۔ اور پبلک مغالطات اور گمراہی سے محفوظ ہو جاتی اسلام میں تفرقہ اور انتشار پیدا نہ ہوتا اور یہ سکیڑوں فرقے وجود میں نہ آتے۔ یہ سب باتیں صحیح ہیں اور وہ تمام جوابات جو مجتہد ٹائپ کے علما نے دئے ہیں غلط ہیں۔ چونکہ وہ جوابات غلط تھے اِس لئے مخلص مومنین کا اطمینان نہیں ہوا۔ اور نہ سلسلہ سوال واعتراضات ختم ہوا۔ علما کے جوابات میں بنیادی غلطی یہ ہے کہ وہ حضرت علی علیہ السلام کو بے یارومددگار لکھتے چلے آئے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں اُنہیں مجبور ولاچار اور مظلوم ومقہور ثابت کرتے رہے ہیں اُنہوں نے لکھا ہے کہ (معاذ اللہ) حضرت علیؑ کو گلے میں رسی باندھ کر گھسیٹتے ہوئے ابوبکر کے سامنے لے گئے تھے اور یہ کہ حضورؐ نے قبر رسولؐ پر رو رو کر فریاد کی تھی کہ مجھے قتل کرنے والے ہیں۔ یہ سب کچھ اُنہوں نے ابوبکر وعمر کے خلاف نفرت واشتعال پیدا کرنے کی خاطر لکھا۔ مگر یہ دُنیا کا سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ ابوبکر وعمر وعثمان اور عائشہ وحفصہ اور تمام قریش قرآن کی رُو سے دشمنان خدا اور رسولؐ ثابت ہیں (فرقان 31-25/25) لہٰذا لعنتی اور جہنمی ہیں۔ مگر جھوٹ تو دشمنوں کے حق میں بھی بولنے کی ممانعت ہے۔ پھر یہ جھوٹ تو صورت حال کے خلاف حضرت علی علیہ السلام کی کھلی توہین ہے اور اُن کو اُن تمام فضائل سے واجر وثواب سے محروم کرنے کی پالیسی ہے جو اُنہیں اُن کے آزادانہ قرآنی عمل در آمد سے حاصل ہوتے ہیں۔ ایک مجبور ومظلوم شخص کا صبر کرنا ایک آزاد ومختار وصاحب قوت شخص کے صبر وتحمل کے مقابلے میں کوئی مقام نہیں رکھتا۔ مجبور کے خاموش رہنے اور جو گزرے اُسے سہنے کا نام صبر ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ علما بھی درحقیقت ابوبکر وعمر وغیرہ کے پٹھو یا چمچے تھے۔ اُنہوں نے جو کچھ لکھا وہ ثلاثہ اینڈ کمپنی کی پالیسی کے ماتحت اور تائید میں لکھا ہے اور سراسر محمدؐ وآل محمدؐ کے مشن کے خلاف لکھا ہے۔ ہم پہلے اور تنہا شخص ہیں جس نے قریشی پالیسی اور ان علما کی پول کھولی ہے اور اُن کی تمام خفیہ اسکیموں کو قرآن کے واشگاف الفاظ میں ہزار ہا صفحات کے اندر کھول کر بیان کیا ہے۔ یہی خبیث علما ہیں جو رسولؐ اللہ کی چار بیٹیاں اپنی کتابوں میں لکھتے رہے ہیں۔ یہی ہیں جنہوں نے عمر کو حضرت علیؑ کا داماد بنایا ہے۔ اُن کے بیان کردہ فضائل بھی توہین محمدؐ وآل محمدؐ کرتے ہیں۔ اِن کی کسی بات کا یقین کرنا سب سے بڑی غلطی ہے۔ حضرت علی علیہ السلام تو قریش اور لیڈران قریش اور بہادران قریش کے لئے ایک چلتی پھرتی اور بولتی چالتی مصیبت تھے۔ جس روز سے ہوش سنبھالا تھا اُسی روز سے قریش کے خلاف سختی وتُندی کا حربہ سنبھالا تھا۔ اور اِس سختی وتندی میں کبھی نرمی کو پاس پھٹکنے نہ دیا۔ اس کی ہزاروں مثالیں ریکارڈ میں موجود ہیں۔ اُنہوں نے کبھی قریش کو مومن نہیں سمجھا۔ وہی تھے جنہوں نے عائشہ کے لئے رسولؐ اللہ کو وہ جواب دیا تھا جو قرآن نے پسند کیا اور جس کی وجہ سے عائشہ ہمیشہ ناراض رہی اور نام تک لینا چھوڑ دیا تھا۔ وہی تھے جو یہ کہتے ہوئے پائے گئے کہ ایمان لانے کے بعد میں کافر ہو جاتا۔ یعنی رسولؐ اللہ کے جواب میں جنگ سے بھاگنے والوں کو کافر قرار دے

دینا یہ بتایا کہ مومن کافروں کا بھائی نہیں ہوسکتا۔وہی تھے جن سے قریشی لیڈر اور قریشی سورما و بہادر آنکھ ملاکر بات کرنے کی جرأت و ہمت نہ کرتے تھے رہ گئے ابوبکر وعمر تو وہ اور اُن کے زمانہ کے قریش تو نہایت بزدل اور کمینہ لوگ تھے۔تمام بہادر اور جری وجسور لوگ تو حضرت علی علیہ السلام کی تلوار کا لقمہ بن چکے تھے۔اُس وقت کون تھا جو اِن کے ہاتھ سے پٹا ہوا نہ ہو؟ یہی تو تھے جنھوں نے تن تنہا مکہ میں سورہ برأت سنائی تھی اور سارے قریش کو چیلنج کیا تھا۔قریش کی ساختہ پرداختہ روایات وتاریخ اور حدیث کی کتابوں میں جھوٹ اور افترا ابھرا ہوا ہے اُن میں سے وہی بات قابل قبول ہے جو قریش کے خلاف جاتی ہو۔ہم نے تفصیل سے یہ پوزیشن واضح کردی ہے۔اور وہ وجوہات بھی بیان کردی ہیں جن کی بناپر یہ نام نہاد شیعہ علما اُن روایات کو قبول کرتے اور لکھتے رہے ہیں۔یاد رکھو اور تمہیں یاد ہے اور ساری دنیا جانتی ہے کہ ابوسفیان نے سب سے پہلے ابوبکر وعمر اور مدینہ کے قریش کے مقابلہ میں اپنی نصرت پیش کی تھی اور کہا تھا اور بالکل سچ کہا کہ ''اگر تم اجازت دو تو میں آن کی آن میں مدینہ کے گلی کوچوں کو سواروں اور پیادہ فوج سے بھردوں گا۔''

ہمیں معلوم ہے کہ ابوسفیان نے سچ کہا تھا۔اور پرخلوص مدد و نصرت پیش کی تھی اور وہ سوار اور پیادہ فوج مدینہ کے گردونواح میں موجود تھی۔اگر حضرت علی علیہ السلام رضامندی ظاہر کردیتے تو دوسری سانس میں ابوبکر وعمر قیدی کی طرح سامنے کھڑے نظر آتے اور مدینہ کے قریش کا بچہ بچہ رسن بستہ قیدی بنالیا جاتا۔اور ثلاثہ اینڈ کمپنی کی خلافت وحکومت بھاپ بن کر فضا میں منتشر ہوجاتی۔اور قریش کا نام ونشان تک تاریخ میں نظر نہ آتا۔کوئی اُن خبیث علما سے پوچھتا کہ حضرت علی علیہ السلام بے یار و مددگار کہاں تھے؟ ابوسفیان نے ساری عمر رسولؐ اللہ سے جنگ کی اور ڈٹ کر مقابلہ کیا۔لیکن وہ حضرت علیؑ کے مقابلے میں نہ آنا چاہتا تھا۔یہ کیوں؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ وہ محمدؐ تھے اور یہ علیؑ تھے۔علیؑ نے کسی مجبوری ولاچاری کی بناپر ابوسفیان کی نصرت کو نہ ٹھکرایا تھا۔یعنی عرب کا سب سے بڑا اور صاحب اقتدار شخص اُن کی نصرت پر تیار تھا۔آپ نے اُس کی نصرت قبول نہ کی۔کیوں؟ یہ بعد میں بتائیں گے۔پہلے یہ دکھانا ہے کہ حضورؐ بے یار و مددگار و مجبور و ناچار نہ تھے۔بلکہ اتنے طاقتور تھے کہ سب سے زیادہ طاقتور نصرت کو ٹھکرادیا۔ابوسفیان کے منہ پر یہ بہت بڑا اور شرمناک طمانچہ تھا۔جسے وہ برداشت نہ کرسکا۔یہ نصرت ابوبکر وعمر کی طرف چلی گئی۔اور یہی نصرت تھی جس نے خلافت کو وہاں قائم اور مستحکم کردیا۔ابوسفیان کیوں حضرت علیؑ کی نصرت کرنا چاہتا تھا؟ اس سوال کے دو جواب ہیں۔ایک جواب ہم حضرت علیؑ کے الفاظ میں دیں گے اور بعد کو دیں گے۔لیکن ایک جواب ابھی عرض کرتے ہیں۔ابوبکر وعمر وعثمان اینڈ کمپنی نے ابوسفیان کے ساتھ غداری کی تھی وہ اُن اولین لوگوں میں سے تھے جنہیں ابوسفیان نے رسولؐ اللہ کی نگرانی کے لئے تعینات کیا تھا اور ایمان لاکر اولین وسابقین میں شمار ہوجانے اور ایک قابل اعتماد مقام بنانے کی تاکید کی تھی۔

مطلب یہ تھا کہ اگر ابوسفیان کا تلوار بکف محاذ مغلوب ہوجائے تو ابوبکر وعمر والا مومن محاذ رسولؐ اللہ کے یہاں اس قابل ہوجائے کہ وہ ابوسفیان اور مکے کے قریش کو امان دلاسکے۔اور ابوسفیان کو قریشی مومنین میں بھی سیادت وسرداری حاصل رہے۔ابوبکر وعمر والے محاذ کی یہ بدقسمتی تھی کہ وہ قبل ازوقت محمدؐ کو قتل کرکے ابوسفیان کی اسکیم کے ماتحت اس کی حکومت مسلمانوں پر قائم نہ کرسکے۔اُن کی قتل کی تمام کوششیں ناکام ہوئیں اور ابوسفیان نے ابوبکر وعمر کو ناکام لوگوں میں شمار کیا۔رفتہ رفتہ ابوسفیان کو یقین ہوگیا کہ اُن کا ابوبکر وعمر والا مومن محاذ سازش کررہا ہے اور خود اپنی ذاتی حکومت قائم کرنے کی فکر میں ہے اور اُس نے دیکھ لیا کہ اُنہوں نے ابوسفیان کو علیحدہ رکھا اور اپنی بیعت وخلافت میں لگ گئے۔ابوسفیان جس نے ان لوگوں کا ہر خرچ برداشت کیا۔اُن کے لئے ہر سہولت فراہم کی اور انہیں اس مقام تک پہنچایا جہاں سے اُن پر ذاتی حکومت کی طمع غالب

آ گئی۔ کیسے اس غداری کو برداشت کرسکتا ہے۔ وہ اُنہیں بزورِشمشیر مغلوب کرتا اور کیفر کردار کو پہنچانا چاہتا تھا اس لئے اُس نے حضرت علی علیہ السلام کے سامنے اپنی عاجزانہ نصرت پیش کی تھی۔

2۔ دوسری نصرت جس سے ابوسفیان نمبر لے جانا چاہتا تھا خود حضرت علیؑ کی تین ہزار سالہ خاندانی حکومت جبلہ بن ایہم کی تھی۔

ابوسفیان کو یہ بھی خیال تھا کہ حضرت علی علیہ السلام نے جبلہ بن ایہم کو مدد کرنے کا پیغام بھیج دیا ہوگا جو چند میل کے فاصلہ پر مقام حجر میں اپنے دارالخلافہ میں بادشاہی کر رہا تھا۔ اور چند سال پہلے اپنے قبیلے اوس وخزرج کی مدد کر چکا تھا مکہ کے بناوٹی یہودیوں کو کچل چکا تھا۔ وہ شیعہ نام نہاد علما تو یہ بھی نہیں جانتے کہ اَوس وخزرج رسولؐ اللہ کے نابتی یا نبطی خاندان کے لوگ تھے اور یہ بھی نہیں جانتے کہ محمدؐ وعلیؑ غیروں میں سے یعنی قریش میں سے نکل کر اپنے خاندان میں آئے تھے۔ وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ قریشی نام کی قوم سے محمدؐ وعلیؑ کا کوئی نسبی رشتہ نہ تھا۔ وہ اگر جانتے بھی تھے تو انجان بنے ہوئے تھے کہ حضرت نابت بن اسماعیل بن ابراہیم علیہم السلام کی عظیم الشان حکومت (4/54) تین ہزار سال سے برابر قائم رہتی چلی آ رہی تھی۔ جسے اُمتہ مسلمہ اور ملت ابراہیم کے القاب سے یاد کیا جاتا رہا ہے۔ (4/125، 2/128) اور اب اس کا دارالخلافہ حجر وادی قری میں تھا اور جبلہ بن ایہم نبطی خاندان کا بادشاہ برسرِ حکومت تھا۔ جو خلیفہ دوم کے زمانہ تک بادشاہ رہا۔ بہرحال ابوسفیان چاہتا تھا کہ حجر سے فوجی مدد آنے سے پہلے پہلے وہ حضرتؐ کے سامنے اپنی فوج پیش کر کے احسان کرے اور مدینہ کے قریش اور اُن لیڈروں ابوبکر وعمر وعثمان وحجام کے ساتھ غداروں ایسا سلوک کر سکے۔ اور اگر ممکن ہو تو خلوص اور بہتر کارکردگی سے اپنے بیٹوں یزید اور معاویہ کو اقتدار میں شامل کر کے اُن کا مستقبل سنوارنے کے لئے حضرت علیؑ کو سپرد کر دے۔

آگے بڑھنے سے پہلے یہ نوٹ کرلیں کہ اُس وقت قریش میں ابوسفیان اور اُس کے بیٹے ہی دانشور اور سیاست میں ماہر اور قومی وملکی لیڈر کہلانے کے قابل تھے۔ باقی لوگ جن کو لیڈر اور نابغہ وغیرہ کہا گیا ہے وہ پہلے درجہ میں تو نہایت گھٹیا لوگ تھے اور دوسرے درجہ میں خوشامدی، بزدل، کمینہ اور عیار لوگ تھے۔ رہ گئے ابوبکر وعمر وعثمان وہ اُن سے بھی ادنیٰ درجہ میں تھے۔ انہیں جو کچھ بنایا وہ ابوسفیان اور اُس کے بیٹوں نے بنایا تھا۔ اور صرف اس لئے بنایا تھا کہ حضرت علی علیہ السلام نے اُن کو قبول نہ کیا تھا۔ اور اس لئے کہ رفتہ رفتہ حکومت واقتدار اُن کے خاندان میں آ جائے جو آ گیا تھا۔ ابوبکر وعمر وعثمان کا حال اُن کی اولاد سے جانچیئے جو نہایت تھرڈ کلاس قسم کے افراد تھے۔ جن کو بقول عمر طلاق کا مسئلہ تک معلوم نہ تھا۔ حضرت علیؑ کا ابوسفیان کو جواب صرف مایوس کن ہی نہ تھا بلکہ ابوسفیان کو یقین فراہم کرنے والا بھی تھا کہ حضورؐ ہرگز تلوار نہ اُٹھائیں گے۔

3۔ حضرتؐ کے ناصر ومددگار وہ تمام قبائل اور اقوام تھیں جنہوں نے حضرت علیؑ کے مقابلے میں ابوبکر سے بغاوت کی۔

اور یہ کہ نبطی حکومت سے بھی مسلح مدد نہ لیں گے اس لئے وہ ابوبکر سے جا ملا تھا اُسی کی مدد سے اُن قبائل کو ہموار کیا گیا جو حضرت علیؑ کی حکومت چاہتے تھے۔ اگر کہیں حضرت علیؑ اُن اقوام وقبائل کی پشت پناہی کرتے تو ابوبکر مع ابوسفیان ناکام ہو کر رہ جاتے مگر حضور علیہ السلام تو قرآن کے ساتھی تھے اور حرف بحرف اُس کے ساتھ چلنا چاہتے تھے اور آخری سانس تک قرآن کے ساتھ رہے اور تمام دشمنوں نے مل کر بھی اُن کے کسی فکر وعمل کو قرآن کے خلاف نہیں لکھا ہے۔

4۔ نبوت کی تائید میں حضرت علیؑ نے خود کو خود خاندانی حکومت سے محروم کیا اور رسولؐ اللہ کے دینی اعلان کو برحق ثابت کرنے کی خاطر نصرت ٹھکرادی۔

اعلانِ نبوت پر قریش نے بھی سابقہ اقوام سے بڑھ کر یہ الزام عائد کیا تھا کہ:

''محمدؐ اپنے قبیلے میں بنی ہاشم کا اقتدار چاہتے ہیں ورنہ نہ کوئی فرشتہ آیا ہے نہ وحی اُتری ہے۔''

پھر ابوسفیان نے حالات کو سازگار کرنے اور حضورؐ سے صلح رکھنے کے لئے قوم کے مجمع عام میں تمام عربوں کی دولت، بیٹیاں اور حکومت پیش کر کے چاہا کہ اگر دعوائے نبوت محض بنی ہاشم کے اقتدار کے لئے کیا گیا ہو تو محمدؐ کو حکومت واقتدار سونپ کر اُس سے باز رکھا جائے۔ مگر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ نے بھی اُس وقت ابوسفیان کو مایوس کرنے کے لئے یہ جواب دیا تھا کہ:

''اگر میرے دہنے ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیا جائے تب بھی میں نبوت کو جاری رکھوں گا۔''

اس صورت حال کا تقاضہ تھا کہ علیؑ اپنے بھائی کی تائید میں ثابت کریں کہ ہمیں بنی ہاشم کا اقتدار منظور نہیں تھا اور حکومت درکار نہیں تھی۔ اگر حضرت علیؑ ابوسفیان کی نصرت منظور کر کے قریشی لیڈروں سے قوت کے بل بوتے پر حکومت چھین لیتے تو ثابت ہو جاتا کہ واقعی دعوائے نبوت بنی ہاشم کے اقتدار کی غرض سے کیا گیا تھا۔ مگر حضرت علیؑ سے زیادہ نبوت ورسالت محمدیہ کی تائید کرنے والا اور کون ہو سکتا تھا؟ یہ دوسری وجہ تھی ابوسفیان کی پرُخلوص نصرت کو قبول نہ کرنے کی اور سختی کا مطلب یہ تھا کہ ہو سکتا ہے کہ یہ نصرت بطور آزمائش ہو لہٰذا منہ توڑ جواب دیا گیا تھا۔

یہاں تک یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت علی علیہ السلام بے یار و مددگار و مظلوم و مقہور نہ تھے۔ بلکہ قریش کے علاوہ سارے عرب کے قبائل واقوام حضورؐ کے ناصر و مددگار تھے اور قریش کا سب سے بڑا دانشور اور سردار ابوسفیان مع ایک زبردست فوج کے اُن کا ناصر و مددگار تھا۔ علاوہ ازیں نبطی بادشاہ جبلہ بن ایہم اور اس کی حکومت وافواج اُن کے ایک اشارہ پر قریش کو فی النار والسقر کرنے کو تیار تھیں۔ اور وہاں لام بندی اور تیاری کی جا چکی تھی اور یہ کہ تمام قریش ساز افسانے محض بکواس ہیں۔

5۔ حضرت علیؑ مشیت خداوندی تھے وہ مشیت کی بھی تائید واجرا کے ذمہ دار تھے اُنہوں نے خاندانی حکومت کو نبوت ورسالت پر قربان کر دیا تھا۔

ساری دنیا جانتی اور مانتی ہے اور خود قریش کی حکومتوں کا تیار کردہ ریکارڈ (تاریخ وحدیث وروایات) ثابت کرتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کے بزرگوں کی حکومت تین ہزار سال سے برسر کار تھی اور حکومت ایران ویونان اور رُوم اُن کے اشاروں پر چلتے تھے۔ اُن ہی نے عرب تاجروں کو تمام ممالک میں تجارت کرنے اور آنے جانے کا پرمٹ دلایا تھا اور ہر ملک کے دربار شاہی میں اُن کو کرسیاں ملتی تھیں۔ اُن سے کوئی بھی ٹیکس نہ لیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ خود عرب کے لٹیرے اُن تاجروں پر ہاتھ نہ ڈالتے تھے۔ انہیں اللہ کا پڑوسی (جاراللہ) کہہ کر اُن کا احترام کرتے تھے۔ شہنشاہ روم اُنؑ بزرگان علیؑ سے اپنی بیٹیاں بیاہنے میں اپنی عزت محسوس کرتا تھا۔ اور خود عرب انہیں اپنا دینی ودنیاوی راہنما مانتے تھے اُن کا آخری فرد ابوطالب علیہ السلام تھے۔ جو حضرت عبدالمطلب علیہ السلام کے جانشین تھے۔ حضرت ابوطالبؑ کے انتقال پر اُن کے قانونی جانشین حضرت علی علیہ السلام تھے۔ لہٰذا وہ اُن تمام اختیارات کے حامل تھے جو اُن کے آبا واجداد عبدالمطلبؑ وہاشمؑ وعبدمنافؑ اور قُصّیؑ وغیرہ علیہم السلام کو حاصل تھے۔ یعنی حضرت علیؑ ہی اُس مملکت وحکومت عظیمہ کے حقیقی وخاندانی بادشاہ وحکمران تھے جو تین ہزار سال سے چلی آرہی تھی اور جسے قرآن

میں(4/54)مُلْکًا عَظِیْمًا فرمایا گیا ہے۔اور یہی حق وامانت تھی جسے ماننے اور مذکورہ بالا بزرگوں کی قرابت والے شخص ذی القربیٰ یعنی علیؑ کو واپس دینے کا دوہرا حکم رسولؐ اللہ کو دیا گیا ہے(17/26، 30/38)۔اور تمام انسانوں کو اُسے ادا کرنے پر مامور کیا گیا ہے(نحل 16/90)۔ لہٰذا یہ کہیئے کہ حضرت علی علیہ السلام نے نبوت ورسالت محمدؐیہ کی تائید کر کے خود کو بظاہر اس حکومت سے محروم کرلیا تھا۔اگر نبوت کی تائید میں قریش کے تمام بہادروں اور جنگجو سرداروں کو تہہ تیغ نہ کر دیا ہوتا تو قریش حضرت علیؑ کو سر اور آنکھوں پر بٹھاتے اُن کے اشاروں پر ناچتے۔یوں حضرت علیؑ نے اللہ و رسولؐ کے مشن پر ایک عظیم الشان حکومت و مملکت(4/54)کو قربان کر دیا تھا۔

5(الف)۔مشیت خداوندی میں قریش کی آزمائش کرنا اور یوں اُن پر اتمام حجت لازم تھی اور علیؑ نے جانتے بوجھتے اللہ کی تائید کی۔

علما ذکر کریں یا چھپالیں مختار ہیں۔مگر قرآن میں اللہ نے صاف الفاظ میں اپنی مشیت اور اتمام حجت کا اعلان فرمایا ہے۔دیکھئے۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ O ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ O وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ۔۔۔الخ

مودودی ترجمہ:"لوگو!تم سے پہلی قوموں کو جو اپنے اپنے زمانے میں برسرِ عروج تھیں ہم نے ہلاک کر دیا جب انہوں نے ظلم کی روش اختیار کی اور اُن کے رسولؐ اُن کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے اور انہوں نے ایمان لا کر ہی نہ دیا۔اِس طرح ہم مجرموں کو اُن کے جرائم کا بدلہ دیا کرتے ہیں۔اب اُن کے بعد ہم نے تم کو زمین میں اُن کی جگہ دی ہے تاکہ دیکھیں تم کیسے عمل کرتے ہو۔جب انہیں ہماری صاف صاف باتیں سنائی جاتی ہیں تو وہ لوگ جو ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے تھے کہتے ہیں کہ اس کے بجائے کوئی اور قرآن لاؤ یا اس میں کچھ ترمیم کرو۔"(سورہ یونس 10/13-15)

مودودی کی تشریحات۔

مودودی کا ترجمہ سامنے رکھ کر اُن کی تشریحات بھی پڑھ لیں تاکہ ہماری تنقید ٹھیک ٹھیک موزوں ہو سکے۔سنئے:

پہلی تشریح۔

"16 اصل میں لفظ"قرن"استعمال ہوا ہے جس سے مراد عام طور پر عربی زبان میں ایک"عہد کے لوگ"ہوتے ہیں۔لیکن قرآن مجید میں جس انداز سے مختلف مواقع پر اس لفظ کو استعمال کیا گیا ہے اس سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ"قرن"سے مراد وہ قوم ہے جو اپنے دور میں برسرِ عروج اور کُلّی یا جُزئی طور پر امامتِ عالم پر سرفراز رہی ہو۔ایسی قوم کی ہلاکت لازماً یہی معنی نہیں رکھتی کہ اُس کی نسل کو بالکل غارت ہی کر دیا جائے۔بلکہ اُس کا مقام عروج و امامت سے گرا دیا جانا،اُس کی تہذیب وتمدن کا تباہ ہو جانا،اُس کے تشخص کا مٹ جانا اور اس کے اجزاء کا پارہ پارہ ہو کر دوسری قوموں میں گم ہو جانا،یہ بھی ہلاکت ہی کی ایک صورت ہے(جو آج قریش کو حاصل ہے۔احسنؔ)

دوسری تشریح۔

"17 یہ لفظ ظلم اُن محدود معنوں میں نہیں ہے جو عام طور پر اس سے مراد لئے جاتے ہیں بلکہ یہ اُن تمام گناہوں پر حاوی ہے جو انسان بندگی کی حد سے گزر کر کرتا ہے"

تیسری تشریح قریشی خلافت۔

''18 خیال رہے کہ خطاب اہلِ عرب سے ہو رہا ہے اور اُن سے کہا یہ جا رہا ہے کہ پچھلی قوموں کو اپنے اپنے زمانے میں کام کرنے کا موقع دیا گیا تھا۔ مگر اُنہوں نے آخر کار ظلم و بغاوت کی روش اختیار کی اور جو انبیاؑ اُن کو راہ راست دکھانے کے لئے بھیجے گئے تھے اُن کی بات انہوں نے نہ مانی اس لئے وہ ہمارے امتحان میں ناکام ہوئیں اور میدان سے ہٹا دی گئیں۔ اب اَے اہلِ عرب تمہاری باری آئی ہے تمہیں اُن کی جگہ کام کرنے کا موقع دیا جاتا ہے۔ تم اس امتحان گاہ میں کھڑے ہو جس سے تمہارے پیش رو ناکام ہو کر نکالے جا چکے ہیں۔ اگر تم نہیں چاہتے کہ تمہارا انجام بھی وہی ہو جو اُن کا ہوا تو اس موقع سے جو تمہیں دیا جا رہا ہے صحیح فائدہ اُٹھاؤ، پچھلی قوموں کی تاریخ سے سبق لو اور اُن غلطیوں کا اعادہ نہ کرو جو اُن کی تباہی کی موجب ہوئیں۔'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 271-270)

5 (ب)۔ ہماری تنقید علامہ کی اور تمام علما کی حق پوشی حضرت علیؑ کا حق سے تعاون کرنا۔

قرآن کے الفاظ سے قریش کو بطور آزمائش و اتمام حجت خلافت دیا جانا اور اُن کی آخر کار تباہی ثابت ہوگئی اور مودودی نے بھی کاٹ تراش کرتے ہوئے حقیقت کو دبے ہوئے الفاظ میں مان لیا ہے۔ مگر قریش سے سیکھی ہوئی ٹیکنیک کو برابر استعمال کیا ہے۔ اول یہ کہ ترجمے میں قرآنی الفاظ خَلٰٓئِفَ کا ترجمہ خُلفَاء نہیں کیا ہے۔ حالانکہ یہ شخص اس لفظ کا صحیح ترجمہ جانتا بھی ہے اور پہلے کر بھی چکا ہے۔ آیت دیکھئے:

مودودی غلط ترجمہ کرنے میں فریب کار ہیں۔

وَهُوَ الَّذِىۡ جَعَلَكُمۡ خَلٰٓئِفَ الۡاَرۡضِ وَرَفَعَ بَعۡضَكُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبۡلُوَكُمۡ فِىۡ مَاۤ اٰتٰٮكُمۡ‌ؕ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيۡعُ الۡعِقَابِ وَاِنَّهٗ لَغَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌO (6/165)

مودودی کا صحیح ترجمہ

''وہی ہے جس نے تم کو زمین کا خلیفہ بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض کے مقابلے میں زیادہ بلند درجے دیئے تا کہ جو کچھ تم کو دیا ہے اُس میں تمہاری آزمائش کرے۔ بے شک تمہارا رب سزا دینے میں بھی بہت تیز ہے'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 606)

یہ ہیں علامہ مودودی جیسے بڑے علما جو قرآن میں بھی اللہ کی خیانت کرتے ہیں۔ بہر حال وہاں (10/13) میں اللہ نے قریش کو بطور آزمائش خلافت دے دی تھی اور لفظ خَلٰٓئِفَ فرما کر قریش کے تمام خلفا، ابوبکر سے لے کر بنی عباس کے آخری خلیفہ تک، پیشین گوئی بھی فرما دی تھی۔ یہاں قارئین یہ نوٹ کریں کہ تمام شیعہ لیبل کے اور سُنی نام کے علما میں سے کسی نے بھی آیت (10/13) کو قریشی خلافت کے ثبوت میں استعمال نہیں کیا اور سب یہی کہتے اور لکھتے ہوئے مر گئے کہ قرآن میں رسولؐ کے بعد قائم ہونے والی خلافت کا کہیں ذکر نہیں ہے اور اسی فریب کو برقرار رکھنے کے لئے مودودی نے لفظ خَلٰٓئِفَ کا ترجمہ غلط کیا ہے اور سب کچھ لکھنے کے باوجود مودودی نے آخری تشریح یا تیسری میں یہ جملہ نہیں لکھا کہ ''تم سے پہلے سابقہ اقوام کو امامت دی گئی تھی۔ اور اب تمہیں اقوامِ عالم کی امامت دی جا رہی ہے'' مگر اس جملے کا مفہوم تشریح میں لکھ دیا گیا ہے۔

(ج) آیت میں جمع کا صیغہ لِنَنۡظُرَ كَيۡفَ تَعۡمَلُوۡنَ میں قریش کے اعمال پر نظر رکھنے والوں میں علیؑ شامل ہیں۔

مودودی نے آیت کے اِس جملے کے ترجمے کو بھی گول کر دیا ہے یعنی لکھا ہے کہ: ''تا کہ دیکھیں تم کیسے عمل کرتے ہو؟'' (ایضاً جلد 4 صفحہ 271)

حالانکہ یہ ترجمہ لازم تھا کہ: ''تا کہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو؟'' یہ ترجمہ کرنے سے اعمال کو دیکھنے والا تنہا نہیں بلکہ کئی ایک دیکھنے والے

ثابت ہوتے ہیں۔ایک اللہ اور بہت سے قریش پر تعینات فرشتے اور سب سے زیادہ عملاً سہہ سہہ کر دیکھنے والے حضرت علی علیہ السلام یوں جمع کا صیغہ نَنْظُر پورا اور صحیح ہوتا ہے۔لہٰذا حضرت علیؑ لفظ جَعَلْنٰکُمْ میں بھی شامل ہیں۔اس لئے کہ اُنہوں نے مشیتِ خداوندی کی تائید کی اور نہ مزاحمت کی نہ کوئی محاذ بنایا اور قرآن کے حکم کے مطابق نیکیوں میں تعاون برائیوں سے علیحدگی (مائدہ 5/2) اور صبر کے ہتھیاروں سے باطل کو فنا کرنے کا منصوبہ بنایا اور فرمایا تھا کہ:

(د) گُڑ دیئے جو مَرے اُس کو نہ دے تو زہر دیکھ، صبر کے ہتھیاروں سے قریشی تباہی کا بندوبست کر دیا۔

اللہ نے قریش کو تباہی کا الٹی میٹم بھی اُن ہی آیات (14-13-10/13) میں دے دیا تھا تو مشیت کی بتدریج تائید میں اعلان کیا تھا کہ:

وَطَفِقْتُ اَرْتَائِیْ بَیْنَ اَنْ اُصُوْلَ بِیَدٍ جَذَّاءَ ؛ اَوْاَصبِرَ عَلٰی طَخْیَةٍ عَمْیَآءَ ؛(خطبہ نمبر 3، جملہ 7 تا 8)

''اور میں یہ فیصلہ کرنے میں مصروف ہو گیا کہ آیا میں اپنے کٹے ہوئے ہاتھ سے اُن کی جڑیں نکال دوں یا اُن کی خفیہ اسکیم (کَشْحًا) سے پیدا ہونے والی اُس بھیانک اندھیر گردی کو صبر کے ہتھیاروں سے تباہ کر دوں؟''

یہاں قارئین نوٹ کریں کہ نہ حضورؐ کا کوئی ہاتھ کٹا ہوا تھا نہ کبھی اُن کے کسی ہاتھ پر کوئی ضرب لگی تھی۔ یہاں پر ہاتھ کٹنے سے یہ یاد دلا رہے ہیں کہ نبوت و رسالت کی عملی تائید کر کے وہ ہاتھ کٹا چکا ہوں جس پر قریش خوشی خوشی بیعت کرتے اور چومتے۔

(ہ) حضرت علیؑ قریش کو حکومت کا موقع دینے اور اُن سے تعاون کرنے میں بھی اللہ کے برابر رہے ہیں۔

ہمیں اپنے جوشیلے حق پرستوں کو یہ یاد دلانا ہے کہ سب سے پہلے اللہ نے اپنے دشمن اور سنگین مجرم ابلیس کو نہ صرف ہمہ قسمی گناہ اور جرائم کرنے اور کرانے کا ایک طویل ترین موقع دیا بلکہ اُسے اغوا کر سکنے، بہکانے اور گمراہ کرنے کے تمام وسائل اور قوت و اختیارات بھی دیئے تھے۔اگر اللہ نے یہ نہ کہا ہوتا تو غلط کاری اور گمراہی کا دنیا میں نام و نشان بھی نہ ملتا۔اُدھر تمام انسانوں اور جنوں کو آزادی، قدرت اور اختیارات کے ساتھ ساتھ وہ تمام وسائل اور سامان فراہم کیا جن کو استعمال کر کے وہ گناہ اور جرائم کرتے ہیں۔یہ سب کچھ اس لئے کیا گیا کہ:

لِّیَهْلِکَ مَنْ هَلَکَ عَنْۢ بَیِّنَةٍ وَّیَحْیٰی مَنْ حَیَّ عَنْۢ بَیِّنَةٍ وَّاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِیْعٌ عَلِیْمٌO(انفال 8/42)

''جو کوئی ہلاک اور گمراہ ہو وہ دلیل و برہان کے ساتھ ہلاک و گمراہ ہو، اور جو کوئی زندہ اور ہدایت یافتہ ہو وہ بھی دلیل و برہان کے ساتھ ابدی زندگی اور ہدایت پائے۔''یعنی کوئی مغالطہ کے ماتحت نہ جنت کا حقدار بن سکے اور نہ دھوکے میں جہنم واصل ہو سکے۔''

اس انتظام کے باوجود آج بہت سے ایسے لوگ ہیں جو مغالطوں میں مبتلا ہو کر غلط عقائد کی پیروی کرتے جا رہے ہیں اور اسی طرح بہت سے انسان چند خوش فہمیوں کی وجہ سے آج شیعہ بنے ہوئے ہیں اور کچھ نیک کام (عزاداری وغیرہ) کرتے جا رہے ہیں۔جن کو دوران رجعت اصل حقیقت بتا دی جائے گی۔اِن ہی میں شامل ہیں وہ نام نہاد شیعہ جو آج خمینی ایسے ملعون کو امام اُمت کہہ اور مان رہے ہیں اور بتدریج جہنم میں جانے کا اہتمام کر رہے ہیں ان ہی میں شامل ہیں وہ شیعہ جو خطا کاروں کے مقلد ہیں اور یا خطا کاروں کی تقلید کے قائل ہیں یہ سب گمراہ ہیں۔

5(و)۔حضورؐ نے قریشی لیڈروں کی پیش کردہ خلافت و امارت کو ٹالنے اور تعاون کرنے کی باتیں کی ہیں۔

اگر قریش نے کسی اور کو اپنا حاکم و خلیفہ بنا لیا ہوتا تو حضور علیہ السلام پر وہ ذمہ داریاں عائد نہ ہوتیں جو خلافت قبول کر لینے کے بعد ہو گئی تھیں۔اُن ذمہ داریوں سے بچنے اور تمام حالات کا ذمہ دار قریش کو حسب سابق بنائے رکھنے کیلئے آپؑ نے اِس خطبے (131) میں اتمامِ حجت کر دیا

ہے قریش کو یہ یقین از سرِ نو دلایا ہے کہ آپؑ بدستورِ قدیم کوئی بغاوت نہ کرینگے اور شریف وحق پسند رعایا کی حدود میں رہیں گے اور تمام پُرامن اور نیک اقدامات میں تعاون کرینگے اور یہ بھی بتادیا کہ آپؑ کو وزیر بنانا خلیفہ بنانے سے بہتر ہے اس لئے کہ وزیر کا مشورہ ٹالنا آسان ہے لیکن خلیفہ کے حکم کی تعمیل تو لازم ہوتی ہے۔ چنانچہ واضح کردیا کہ میں خلیفہ بن گیا تو تمہیں جبراً اُن احکام پر چلاؤں گا جو میرے علم کے مطابق ہونگے۔ تمہاری رضا مندی اور نارضا مندی کا کوئی وزن اور مقام میری حکومت میں نہ ہوگا (131/4-5 خطبہ) اور اسی پر حضورؑ نے مرتے دم تک عمل بھی کیا۔

6۔ حضورؑ نے اپنے علم غیب کی طرف کھلا ہوا اشارہ فرمایا ہے جو اُن لیڈروں کی عقل وفہم سے بلند تر تھا۔

حکومت سپرد کرنے والے لیڈروں میں کچھ لوگ تو ایسے تھے جو یہ سمجھتے تھے کہ حضرت علیؑ خلیفہ بنتے ہی اُس قانونی سختی کو چھوڑ دیں گے جو اُن میں عہدِ ابوبکر تک پائی جاتی تھی۔ اور یہ کہ اُن تینوں خلفا کے زمانہ میں جو قانونی تبدیلیاں ہوئی ہیں اور پبلک اُن قوانین کی پابندی کررہی ہے۔ مثلاً سارے عرب میں تنخواہ دار فوجوں سے سینکڑوں چھاؤنیاں بھری پڑی ہیں اُن کے راشن (Ration) اور یونی فارم (Uniform) کی سپلائی جاری ہے۔ قدم قدم پر بینک یا بیت المال اور اُن کا اسٹاف (Staff) برسرِ کار ہیں۔ اِن تمام انتظامات کو بحال رکھنا ہی پڑے گا اور یہ انتظامی اُمور حضرت کو مجبور کردیں گے کہ اپنی قرآنی پالیسی کو خیر باد کہہ کر نظام حکومت کی پابندی کریں گے کچھ ایسے لوگ تھے جو صرف یہ جاننا چاہتے تھے کہ موجودہ حالات میں حضرت علیؑ کیا اقدامات کرتے ہیں۔ تاکہ پھر وہ اُن اقدامات کا توڑ کرسکیں یعنی وہ مستقلاً حضرت علیؑ کو خلیفہ نہ بنانا چاہتے تھے بلکہ ایسے انتظامات کررہے تھے کہ جب چاہیں علیؑ سے حکومت واپس لے لیں۔ کچھ ایسے لوگوں کی ٹولیاں تھیں جو حکومت قبول کرا کے اُن پر حکومت کے لالچ میں قتل عثمان کی سازش کا الزام لگانا چاہتے تھے۔ کچھ ایسے لیڈر بھی تھے جو امت کی اصلاح کا ایک ہی راستہ دیکھتے تھے اور حضرت علیؑ کے سوا کسی کو اس قابل نہ سمجھتے تھے جو موجودہ حالات پر قابو پاسکے۔ کچھ ایسے لوگ تھے جنہوں نے عثمان کے خلاف بغاوت کی تھی اور اس بغاوت کے جرم سے بچنا چاہتے تھے۔ کچھ ایسے لوگ تھے جو عہدے اور اقتدار کے لالچ میں مبتلا تھے۔ اور سمجھتے تھے کہ اُن کی مدد کے بغیر حضرت علیؑ حکومت چلا ہی نہ سکیں گے۔ یہ ہی وہ حالات تھے جن کی طرف حضورؑ نے اشارہ فرمایا ہے اور اُن کے بہت سے پہلوؤں اور چہروں اور رُوپ کی پیش گوئی کی ہے۔ اور بتادیا تھا کہ حضور علیہ السلام تمام پیش آنے والے واقعات کو آفاق اور فضاؤں میں دیکھ رہے (خطبہ 131، جملہ 3) اور یہ ثبوت تھا اس حقیقت کا کہ حضورؑ اُن لوگوں کے قلبی منصوبوں پر مطلع تھے اور اسی اطلاع کی بناپر اُن کو جواب دے رہے تھے۔ اور اُسی آفاقی علم واطلاع کی بناپر قبل از وقت بتادیا تھا کہ حکومت قبول کرلینے کی صورت میں تمہیں اپنی طاقت سے اپنی طرزِ حکمرانی پر چلاؤں گا۔ اور تمہاری فکر وعمل وعادت کی ذرہ برابر پرواہ نہ کروں گا۔ چنانچہ مذکورہ بالا سب قسم کے لوگ مایوس ہوگئے اور آپ نے ابوبکر وعمر وعثمان کا بُنا ہوا سارا تانا بانا توڑ کر بکھیر دیا تنخواہ دار افواج (Standing Army) اور تمام متعلقات کو رخصت کردیا۔ مزاحمت کرنے والوں سے پانچ سال تک دن رات مسلسل جنگ جاری رکھی اور مخالفین کو بار بار ہر قدم پر شرمناک شکستیں دیں اُن سے قرآن کی دُہائی دلوا کر چھوڑی اور ایسی افواج کو لڑایا جو اپنا اسلحہ، راشن، لباس اپنے گھر سے لے کر آتے تھے اور فی سبیل اللہ دشمنانِ اسلام سے جنگ کرتے تھے نہ مالِ غنیمت کا لالچ تھا نہ غلام وکنیز حاصل کرنے کی فکر تھی۔ دنیا حیران رہ گئی۔ علما نے کتابیں لکھیں اور اُس طاقت کو تسلیم کیا جس کے بل بوتے پر آپؑ نے حکومت قبول کی تھی۔ حالات کے اُس دھارے کا رخ موڑ دیا جو ابوبکر وعمر نے بہایا تھا۔ وہ سارا منصوبہ بکھر کر رہ گیا۔ جو قریش نے تیار کیا تھا۔ اس پورے دورِ حکومت میں کہیں اور کسی معاملے میں خلفائے ثلاثہ کے کسی عملدرآمد کی پیروی نہ کی۔ اُنہیں یکسر ٹھکرائے رکھا۔

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 91

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 92

خُطبہ ﴿132﴾

سَلُوۡنِیۡ قَبۡلَ اَنۡ تَفۡقِدُوۡنِیۡ

سَلُونِی کے ماتحت ایسے دعوے جوغیب دانی کی دلیل ہیں

1۔بنی امیہ کی حکومت میں امت کا حال۔2۔فتنوں کی اطلاع اور شناخت۔3۔قیامت تک کی تمام تفصیلات کا علم ثابت ہو گیا۔ 4۔پیروں اور مریدوں کا آپسی سلوک۔5۔آپؑ کے بعد بھی اہلبیتؑ کا فتنوں سے محفوظ رہنا۔6۔وہ دن بھی آنا ہے جب قریش علیؑ کو ایک نظر دیکھنا چاہیں گے اور سب کچھ سونپنا چاہیں گے۔7۔بنی امیہ ایک بوڑھی، کٹ کھنی اونٹنی کے مانند۔ان کے زمانہ میں حق پرست مصیبت میں اور باطل پرست محفوظ رہے گا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَمَّا بَعۡدُ اَيُّهَا النَّاسُ فَاَنَا فَقَاۡتُ عَيۡنَ الۡفِتۡنَةِ ؛	1	حمد وثنائے خداوندی کے بعد اے لوگو سنو کہ میں نے فتنہ کی آنکھوں میں شگاف کر دیا ہے۔
وَلَمۡ يَكُنۡ لِّيَجۡتَرِئَ عَلَيۡهَا اَحَدٌ غَيۡرِیۡ بَعۡدَ اَنۡ مَّاجَ غَيۡهَبُهَا ؛وَاشۡتَدَّ كَلَبُهَا ؛	2	اور میرے علاوہ کوئی بھی اس فتنہ کے مقابلہ کے لئے اس وقت جرات نہ کر سکتا تھا جب کہ اس کی تاریکیاں موجیں مار رہی تھیں اور اس کی شدت فراوانی پر تھی۔
فَاسۡئَلُوۡنِیۡ قَبۡلَ اَنۡ تَفۡقِدُوۡنِیۡ ؛	3	چنانچہ مجھ سے تم جو چاہو پوچھ لو قبل اس کے کہ مجھے اپنے ہاتھوں سے گنوا بیٹھو۔
فَوَالَّذِیۡ نَفۡسِیۡ بِيَدِهٖ لَاتَسۡـاَلُوۡنِیۡ عَنۡ شَیۡءٍ فِيۡمَا بَيۡنَكُمۡ وَبَيۡنَ السَّاعَةِ وَلَاعَنۡ فِئَةٍ تَهۡدِیۡ مِائَةً وَّتُضِلُّ مِائَةً اِلَّا اَنۡبَاۡتُكُمۡ بِنَاعِقِهَا وَقَائِدِهَا وَسَائِقِهَا وَمُنَاخِ رِكَابِهَا وَمَحَطِّ رِحَالِهَا وَمَنۡ يُّقۡتَلُ مِنۡ اَهۡلِهَا قَتۡلاً وَّمَنۡ يَّمُوۡتُ مِنۡهُمۡ مَوۡتًا ؛	4	چنانچہ اس ذات پاک کی قسم جس کے ہاتھوں میں میری موت وحیات ہے تم اس وقت سے لے کر قیامت تک کے درمیانی عرصے کی جو بات مجھ سے دریافت کرو گے وہ میں بتاؤں گا اور اگر کسی ایسے گروہ کی بات یا متعلقہ حالات دریافت کرو جس نے سو آدمیوں کو ہدایت کی ہو اور سو کو گمراہ کیا ہو تو میں تمہیں بتاؤں گا کہ اس دعوت کا دینے والا کون تھا۔اور یہ بھی بتاؤں گا کہ اسے آگے سے کھینچنے والا اور پیچھے سے ہانکنے والا کون تھا اور یہ کہ وہ کہاں سے سوار ہوا اور

		اس کی منزل کہاں ہوئی اور یہ کہ ان میں سے کون قتل ہو کر مرا اور کون فطری موت مرا۔ (یعنی ہر ہر انسان وحیوان کی تفصیلی حالات واعمال کا علم رکھتے تھے)
وَلَوْ قَدْ فَقَدْ تُمُوْنِیْ وَنَزَلَتْ بِكُمْ كَرَائِهُ الْاُمُوْرِ وَحَوَازِبُ الْخُطُوْبِ لَاَطْرَقَ كَثِيْرٌ مِّنَ السَّائِلِيْنَ وَفَشِلَ كَثِيْرٌ مِّنَ الْمَسْئُوْلِيْنَ	5	اور جب تم مجھے کھو بیٹھو گے اور تکلیف دینے والی اور سخت مشکلات کا سامنا ہوگا تو بہت سے سوال کرنے والے سرنگوں ہو جائیں گے اور بتانے والے عاجز اور بے بس ہو جائیں گے۔
وَذٰلِكَ اِذَا قَلَّصَتْ حَرْبُكُمْ ؛	6	اور یہ وہ وقت ہوگا جب تم پر لڑائیاں ٹوٹ پڑیں گی (یہ بنی امیہ کے ابتدائی دور سے لیکر انکے آخری خلیفہ کے زمانہ تک کے حالات کی طرف اشارہ فرمایا ہے)
وَشَمَّرَتْ عَنْ سَاقٍ ؛	7	اور جنگوں کی سختیاں پھیل جائیں گی۔
وَكَانَتِ الدُّنْيَا عَلَيْكُمْ ضِيْقًا تَسْتَطِيْلُوْنَ مَعَهٗ اَيَّامَ الْبَلَاءِ عَلَيْكُمْ ؛	8	اور تمہارے اوپر یہ دنیا ایسی تنگ ہو جائے گی کہ تم خود یہ سمجھنے لگو گے کہ آزمائش اور مصیبت کے یہ دن اب تمہارے لئے طویل ہوتے چلے جائیں گے۔
حَتّٰى يَفْتَحَ اللّٰهُ لِبَقِيَّةِ الْاَبْرَارِ مِنْكُمْ ؛	9	یہاں تک کہ پھر ایسا وقت آئے گا کہ جب اللہ تمہارے نیک لوگوں کے ہاتھوں تمہیں فتح اور کامیابی دے گا۔
اِنَّ الْفِتَنَ اِذَا اَقْبَلَتْ شَبَّهَتْ ؛	10	بات یہ ہے کہ جب فتنے اُٹھتے ہیں تو ہر طرف اور ہر کام میں شبہات پھیل جایا کرتے ہیں۔
وَاِذَا اَدْبَرَتْ نَبَّهَتْ ؛	11	اور جب پیچھے ہٹتے ہیں تب تنبیہ کر دیتے ہیں۔
يُنْكَرْنَ مُقْبِلَاتٍ وَّيُعْرَفْنَ مُدْبِرَاتٍ ؛	12	مطلب یہ کہ آتے ہیں تو پہچانے نہیں جاتے پلٹتے ہیں تو پہچانے جاتے ہیں۔
يَحُمْنَ حَوْمَ الرِّيَاحِ يُصِبْنَ بَلَدًا وَيُخْطِئْنَ بَلَدًا ؛	13	وہ ہوا کی مانند گھومتے اور چکر مارتے رہتے ہیں اور اس لئے کوئی آبادی ان کے جھپیٹے میں آجاتی ہے اور کوئی ان سے رہ جاتی ہے۔
اَلَا وَاِنَّ اَخْوَفَ الْفِتَنِ عِنْدِیْ عَلَيْكُمْ فِتْنَةُ بَنِیْ اُمَيَّةَ فَاِنَّهَا فِتْنَةٌ عَمْيَاءُ مُظْلِمَةٌ عَمَّتْ خُطَّتُهَا	14	خبردار ہو جاؤ کہ بلاشبہ میرے نزدیک تمہارے لئے بنی امیہ کا فتنہ سب فتنوں سے زیادہ خوفناک ہے اس لئے کہ وہ خود اندھا ہے اور اسے نہ خود نظر آتا ہے اور نہ دوسرے دیکھنے والوں کو اُس کے دوران کچھ نظر آتا ہے۔ اور اُس کے اثرات ویسے تو عمومی حیثیت رکھتے ہیں۔
وَخُصَّتْ بَلِيَّتُهَا ؛	15	اور ویسے اس کی بلاؤں میں خصوصیت بھی ہے۔
وَاَصَابَ الْبَلَاءُ مَنْ اَبْصَرَ فِيْهَا ؛	16	اور وہ یہ کہ جو اس فتنے کے دوران بابصیرت لوگ ہوں گے ان پر اس کی مصیبتیں

		خصوصاً اثر انداز ہوں گی۔
وَاخطأَ الْبَلآءُ مَنْ عَمِیَ عَنْهَا ؛	17	اوراس کی بلائیں ان لوگوں تک پہنچنے میں غلطی کر جائیں گی جواس کی طرف سے بے بصیرت ہوں گے۔
وَایْمُ اللّٰهِ لَتجدُنَّ بَنِیْ اُمَیَّةَ لَكُمْ اَرْبَابَ سَوْءٍ بَعْدِیْ كَالنَّابِ الضَّرُوْسِ ؛	18	اورقسم بخدا میرے بعدتم بنی امیہ کواپنے لئے برے حکمران (ارباب) پاؤ گے۔وہ اس بوڑھی اونٹنی کی مانند ہوں گے جوکہ:
تَعْذِمُ بِفِیْهَا وَتَخْبِطُ بِیَدِهَا وَتَزْبِنُ بِرِجْلِهَا وَتَمْنَعُ دَرَّهَا ؛	19	منہ سے کاٹتی ہواور ادھرادھر ٹانگیں، لاتیں مارتی ہواور دودھ نکالنے والے کو ٹانگوں سے ہٹاتی ہواور دودھ دینے سے منع کرتی ہو۔
لَایَزَالُوْنَ بِكُمْ حَتّٰی لَایَتْرُكُوْا مِنْكُمْ اِلَّا نَافِعًا لَهُمْ اَوْ غَیْرَ ضَائِرٍ بِهِمْ ؛	20	وہ برابرتمہارا صفایا کرتے رہینگے یہاں تک کہ صرف انکو چھوڑینگے جوان کیلئے مفید ہونگے اوراسے چھوڑیں گے جوکم ازکم نقصان پہنچانے والا نہ ہو
وَلَایَزَالُ بَلَاؤُهُمْ عَنْكُمْ حَتّٰی لَایَكُوْنَ انْتِصَارُاَحَدِكُمْ مِنْهُمْ اِلَّا كَانْتِصَارِ الْعَبْدِ مِنْ رَبِّهٖ وَالصَّاحِبِ مِنْ مُسْتَصْحِبِهٖ ؛	21	ان کی بلائیں اور مصیبتیں تمہیں برابر گھیرے رہیں گی یہاں تک کہ یہ حالت ہوجائے گی کہ تم ان سے انصاف طلب کرو گے تو وہ تمہاری مدد اسی طرح سے کریں گے جیسے ایک آقا اپنے زرخرید غلام کی مدد کرتا ہے یا ایک پیرو مرشد اپنے مرید اور خدمت گزار کی مدد کیا کرتا ہے۔
تَرِدُ عَلَیْكُمْ فِتْنَتُهُمْ شَوْهَآءَ مَخْشِیَّةً وَقِطَعًا جَاهِلِیَّةً ؛	22	تم پر اُن کا فتنہ اس طرح وارد ہوگا کہ تمہیں اس سے ڈر معلوم ہونے لگے گا اوراس میں عہدرسولؐ سے پہلے کی جاہلیت والانمونہ بھی ہوگا۔
لَیْسَ فِیْهَا مَنَارُ هُدًی وَّلَاعَلَمٌ یُّرٰی ؛	23	نہ اس میں ہدایت کا کوئی مینار نصب ملے گا اور نہ راہنمائی کرنے والا کوئی اورنشان ملے گا۔
نَحْنُ اَهْلُ الْبَیْتِ مِنْهَا بِمَنْجَاةٍ ؛	24	ہم اہلبیتؑ ،قریش کے فتنوں سے محفوظ ونجات یافتہ ہیں۔
وَلَسْنَا فِیْهَا بِدُعَاةٍ ؛	25	اور نہ ہم ان فتنوں کی طرف دعوت کرنے یا تبلیغ کرنے والے ہیں۔
ثُمَّ یُفَرِّجُهَا اللّٰهُ عَنْكُمْ كَتَفْرِیْجِ الْاَدِیْمِ بِمَنْ یَسُوْمُهُمْ خَسْفًا ؛	26	پھر اللہ تمہیں ایک ایسے شخص کے ہاتھوں اُن کے فتنوں سے نجات دے گا اورتمہیں فتنوں سے اُسی طرح جدا کرکے مسرور کرے گا جیسے کھال کو گوشت سے جدا کردیا جاتا ہےاورانہیں عذاب دے گا۔
وَیَسُوْقُهُمْ عُنُفًا ؛وَیَسْقِیْهِمْ بِكَاسٍ مُصَبَّرَةٍ ؛	27	اورانہیں بڑی تندی اورسختی سے ہانکے گا اور بہت کڑوے جام پلائے گا اور صبر آزما تکلیفیں دے گا۔

لَایُعْطِیْھِمْ اِلَّاالسَّیْفَ ؛	28	الغرض انہیں تلوار کی باڑھ پر رکھ لے گا یعنی انکے روبرو تلوار کے سوا اور کچھ پیش نہ کریگا۔
وَلَایُحْلِسُھُمْ اِلَّاالْخَوْفَ ؛	29	اورانہیں خوف ودہشت کے علاوہ اور کسی چیز میں مصروف نہ رکھے گا۔
فَعِنْدَ ذٰلِکَ تَوَدُّ قُرَیْشٌ بِالدُّنْیَا وَمَا فِیْھَا لَوْیَرَوْنَنِیْ مَقَامًا وَاحِدًا وَلَوْ قَدْرَجَزْرِجَزُوْرٍ لِاَقْبَلَ مَا اَطْلُبُ الْیَوْمَ بَعْضَہٗ فَلَا یُعْطُوْنَنِیْ	30	اور وہ وہی وقت ہوگا کہ جب قریش یہ تمنا کریں گے کہ وہ مجھے دیکھنے کے بدلے میں ساری دنیا اور جو کچھ ساری دنیا میں ہے سب کچھ دے دیں تاکہ میں اس چیز کو قبول کرلوں کہ جس میں سے وہ آج مجھے تھوڑا سا بھی دینے کو تیار نہیں ہوتے وہ مجھے صرف اتنی دیر دیکھنے کی تمنا کریں گے جتنی دیر میں ایک اونٹ ذبح کیا جاتا ہے۔

تشریحات:

حضور علیہ السلام کا پہلا جملہ ایک ایسے فتنہ کی خبر دیتا ہے جس کے مقابلے میں حضرت علیؑ کے سوا کسی اور میں نہ ہمت تھی نہ قوت تھی۔ اِس کے فوراً بعد جملہ (3-4) کو بیان کرنا بتاتا ہے کہ حضورؑ کو اُس فتنہ کی اطلاع بھی اُسی علم سے ہوئی تھی جس کے ذریعہ سے آپؑ قیامت تک کی ہر تفصیل بیان کرسکتے تھے۔ اور وہ فتنہ تمام علما کے نزدیک جنگِ جمل وصفین ونہروان ہے۔ لیکن یہ جنگیں تو نتیجہ تھیں قتلِ عثمان اور حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کا۔ اور قتلِ عثمان نتیجہ تھا عثمان کے رویہ اور طرزِ حکومت کا۔ اور عثمان کا رویہ اور طرزِ حکومت نتیجہ تھا ابوبکر وعمر کی سنت پر عمل کرنے کا۔ یعنی حضرت علی علیہ السلام جسے اَلْـفِتْـنَۃُ فرمارہے ہیں وہ نہ جنگ ہائے جمل وصفین ونہروان ہیں، نہ قتلِ عثمان ہے۔ بلکہ وہ سنت وحکومت ہے جسے ابوبکر وعمر نے قائم وبرپا کیا تھا۔ اِسی فتنہ کے لئے فرمایا کہ: اَیُّھَا النَّاسُ شُقُّوْا اَمْوَاجَ الْفِتَنِ بِسُفُنِ النَّجَاۃِ ؛ (خطبہ5، جملہ1)

ترجمہ: ''اَے لوگو فتنوں کے اس موجزن سیلاب کو نجات کی کشتیوں سے چیرتے ہوئے پار نکل جاؤ۔'' (خطبہ5، جملہ1)

قارئین کرام پانچویں خطبے کے اِس پہلے جملے کو زیرِ تشریح خطبہ نمبر 132 کے پہلے جملے کے سامنے رکھ دیں اور دونوں کے مطالب کا ربط ملاحظہ فرمائیں یہاں فرمایا گیا ہے کہ: 'اَے لوگو سنو کہ میں نے اَلْفِتْنَہ کی آنکھوں میں شگاف دے دیا ہے'' (خطبہ132، جملہ1)

اور یہیں اِسی خطبے میں فرمایا ہے کہ: ''ہم اہلِ بیتؑ قریش کے فتنوں سے نجات یافتہ ہیں۔'' (خطبہ132، جملہ24)

''اور نہ ہم اُن فتنوں کی طرف دعوت دینے والے ہیں نہ اُن کی تبلیغ کرنے والے ہیں۔'' (خطبہ132، جملہ25)

2۔ مسلمانوں کے ریکارڈ کی دو مسلمہ حقیقتیں۔

حضرت علی علیہ السلام کے اِن جملوں کے ساتھ یہ بھی شامل کرلیں کہ تمام علمائے اسلام کا اتفاق ہے کہ خطبہ نمبر 5 رسولؐ اللہ کے انتقال کے بعد اس وقت دیا گیا تھا جب ابوسفیان نے اپنی نصرت پیش کی تھی۔ یعنی اُن حالات کو حضورؑ نے فتنوں کے موجزن سیلاب سے تعبیر کیا تھا اور لوگوں کو مشورہ دیا تھا کہ وہ نجات کی کشتیوں میں سوار ہوکر فتنوں کی امواج کو چیرتے ہوئے پار نکل جائیں۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ فتنوں کا سیلاب قریشی خلافت تھی اور اب خطبہ نمبر 132 کا پہلا جملہ بتاتا ہے کہ حضرت علیؑ اُس الفتنہ کو چیر پھاڑ کر فارغ ہوگئے ہیں۔ دوسری تسلیم شدہ بات وہ حدیث ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ:

''میرے اہلِ بیتؑ حضرت نوحؑ کی کشتی کی مانند ہیں اِس میں جو سوار ہو وہ نجات پاگیا اور جو الگ رہا وہ غرق وتباہ ہوگیا۔''

بات یہ ہوئی کہ قریشی خلافت کو حضورؐ نے اَلْفِتْنَۃُ فرمایا تھا۔اور اہل بیتؑ کی کشتی میں سوار ہو کر فتنوں کو چیرنے کا مشورہ دیا تھا یعنی رسولؐ اللہ کے بعد محض علیؑ اور اہل بیتؑ ہی نجات کے ضامن تھے اور باقی مسلمان قریش کے فتنے کی لپیٹ میں تھے۔اور یہ اَلْفِتْنَۃُ خلفائے ثلاثہ کے پورے دور پر صادق آتا ہے۔یہاں تک کہ حضرت علی علیہ السلام نے اُس کے خلاف عمل جراحی شروع کیا جو جنگ نہروان تک جاری رہا تھا۔

3۔ اَلْفِتْنَۃُ الْکُبْریٰ ۔یعنی عثمان اور دورِ عثمانیہ۔

علامہ ڈاکٹر طہٰ حسین مرحوم نے اس خطبہ نمبر 132 ہی کی وجہ سے عہد عثمانی کا نام اَلْفِتْنَۃُ الْکُبْریٰ رکھا اور اسی نام سے عثمان کے حالات پر ایک کتاب لکھی ہے۔اور پرویز نے اُردو میں اُس کا ترجمہ کرا کے ادارہ طلوع اسلام سے شائع کیا ہے۔

4۔فتنوں سے عارضی اور وقتی نجات اور سارے قریش سے پورا انتقام اور کلی نجات۔

اس خطبہ نمبر 132 میں حضورؐ نے بنی اُمیہ کے اندھے فتنہ کو آنے والے فتنوں میں سب سے زیادہ خوفناک قرار دیا ہے۔ (خطبہ 132، جملہ 14) اور ساتھ ہی اِس سے نجات کی اطلاع بھی دی ہے (خطبہ 132، جملہ 9) اور فرمایا ہے کہ تمہارے نیک لوگوں کو بنی اُمیہ پر اللہ فتح دیگا۔چنانچہ آل محمدؐ کے نام سے جو تحریک چل رہی تھی وہ بنی اُمیہ کا تختہ حکومت پلٹنے میں کامیاب ہوگئی اور عباس کی اولاد جو تحریک میں منافقانہ شریک تھی اپنی حکومت بنانے میں کامیاب ہوگئی اور مسلمانوں کو مطمئن کرنے کے لئے بنی اُمیہ سے انتقام لینے میں مصروف ہوگئی۔اس انتقام اور قیامِ حکومت کا حال علامہ اسلم جیراج پوری خارجی کی کتاب تاریخ اُمت سے سنئے:

4 (الف)۔عارضی نجات بنی عباس کی سازش،حکومت اور بنی امیہ سے انتقام۔

"بنی عباس"

عباسیوں نے کسی شرعی استحقاق کی بنا پر نہیں بلکہ محض قرابتِ رسولؐ کے دعوے پر خفیہ سازش اور کوشش سے خلافت حاصل کی۔صورت یہ ہوئی کہ شیعہ جو مخفی طور پر اُمت میں اہل بیتؑ کی امامت کی تلقین کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ بنی اُمیہ کا تختہ اُلٹ دیں۔اُن میں سے ایک فرقہ کیسانیہ تھا جو محمد بن الحنفیہ کو اپنا امام مانتا تھا۔ابن الحنفیہ حضرت علیؑ کے بیٹے تھے جنہوں نے اگرچہ عبدالملک بن مروان (جو اُس وقت خلیفہ تھا) کے ہاتھ پر بیعت کرلی تھی۔مگر اُن کے شیعہ اُن ہی کو خلافت کا حقدار سمجھتے تھے۔اور اُن کے انتقال کے بعد اُن کے بیٹے ابو ہاشم کو۔خلفائے بنی اُمیہ نے حضرت علی بن عبداللہ بن عباس کو ایک گاؤں حمیمہ جاگیر میں دیا تھا جو مدینہ سے دمشق کے راستے میں پڑتا تھا۔علی اُس گاؤں میں سکونت رکھتے تھے۔ اتفاقاً ابو ہاشم کا وہاں سے گزر ہوا اور وہیں بیمار ہو کر وہ انتقال بھی کرگئے۔چونکہ اُنہوں نے کوئی بیٹا نہیں چھوڑا تھا۔اس وجہ سے بنی عباس نے دعویٰ کردیا کہ وہ علی بن عبداللہ کو اپنے حق امامت کی وصیت کر گئے ہیں۔

یہیں سے عباسیوں میں خلافت کا داعیہ پیدا ہوگیا۔اور فرقہ کیسانیہ نے اُن کی حمایت شروع کی۔لیکن علی صرف نام کے وصی تھے۔کام جو کچھ کیا اُن کے بیٹے محمد نے کیا اور وہی اُن کے بعد امام بھی قرار پائے۔محمد نہایت عقیل اور دانشمند تھے۔اُنہوں نے صورت حال پر نظر ڈالی۔علویہ کی ناکامی پر غور کیا اور سوچا کہ خلافت اور سلطنت کو ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں منتقل کرنا صرف فوری جوش سے ممکن نہیں ہے۔تاوقتیکہ کثیر تعداد اور کافی وقت اس مقصد کے لئے تیاری نہ کرلی جائے۔اس وجہ سے اُنہوں نے اپنے شیعہ داعیوں کی جماعت منتخب کی جو لوگوں میں

صرف اہل بیتؑ کی امامت کی تبلیغ کریں اور کسی خاص امام کا نام نہ لیں۔ اس سے ایک فائدہ تو یہ تھا کہ شیعہ امامیہ کی مدد سے اور محنت سے نفع اُٹھائیں جو مدت سے اہل بیتؑ کی امامت کی تبلیغ کرر ہے تھے۔ اور اس کے لئے راستے ہموار کر چکے تھے۔ دوسرا یہ کہ امام کے نام کے تعین سے خطرہ تھا کہ بنی اُمیہ کو خبر ہوگی تو قتل کر دیں گے تبلیغ کے لئے اُنہوں نے مختلف وجوہ سے خراسان کو زیادہ موزوں پایا اور دوسری صدی ہجری کے آغاز سے کام شروع کر دیا۔ مسلسل 29 سال تک مخفی طور پر سوداگروں اور سیاحوں وغیرہ کے بھیس میں اُن کے دعاۃ وہاں تبلیغ کرتے رہے۔ اور جب پورا اثر پیدا کرلیا اس وقت امام موصوف کے خاص معتمد ابو مسلم خراسانی نے پہنچ کر قوت سے کام لینا شروع کیا اور رفتہ رفتہ امرائے بنی اُمیہ کو شکست دیتے ہوئے کوفہ پر پہنچ کر قبضہ کرلیا۔

''اعلان خلافت'' 12 ربیع الاول 132 ھ کو امام محمد کے بھائی سفاح کی خلافت کا اعلان کیا گیا۔ سفاح نے منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ میں حمد وثنا کے بعد اپنی قرابتِ رسولؐ پر فخر کیا پھر بنی اُمیہ کے ظلم وستم کا ذکر کر کے کہا:

''ہم اہل خیر وصلاح ہیں ہم سے ظلم وفساد کا اندیشہ نہیں ہے اللہ کا شکر ہے کہ تم لوگوں کو ہمارا زمانہ مل گیا اور اس دولت کی سعادت حاصل ہوگئی۔''

اُس کے بعد اُس کے چچا داؤد نے کہا:

> ''ہم نے اس خلافت کو زروجواہر جمع کرنے کے لئے نہیں حاصل کیا ہے نہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ عالی شان محلات اور باغات بنائیں اور اُن میں نہریں نکالیں۔ بلکہ ہم نے دیکھا کہ ہمارے حقوق ہضم کئے جارہے تھے۔ ہمارے بنی اعمام (چچاؤں کے بیٹوں) کی تحقیر کی جاتی تھی اُمت کے جان ومال پر دست درازیاں ہوتی تھیں۔ اُن کو ہم برداشت نہیں کر سکے۔ اب اللہ، رسولؐ اور اُن کے عم محترم عباس کا ذمہ ہے کہ ہم تمہارے ساتھ کتاب وسنت کے مطابق برتاؤ کریں۔ اور وہی طریقہ رکھیں جو رسولؐ اللہ کا تھا۔''

لیکن ہوا کیا؟ اس کے چند سال بعد منصور نے انبار کو چھوڑ کر بغداد کو دارالخلافہ بنایا اور باوجود جزرس ہونے کے اپنے اور اپنے بیٹے کے قصور اور باغات کی تعمیر میں تقریباً دو کروڑ دینار خرچ کئے۔ پھر ہارون رشید کے زمانہ میں وہاں امیروں اور رئیسوں کے ایسے عالی شان محلات تعمیر ہوئے جن کو دیکھ کر سیاح حیران ہو جاتے تھے۔ قصر خلافت، وزراء کے مکان بالخصوص برامکہ کی عمارتیں ایسی تھیں کہ اس وقت تمام عالم میں اُن کی نظیر نہ تھی۔ زروجواہر بھی جمع کئے۔ چنانچہ جب منصور نے وفات پائی تو خزانے اس قدر معمور تھے کہ مہدی بے دریغ اُن کو خرچ کرتا تھا۔ اور کبھی یہ خیال نہیں کیا کہ یہ ختم ہو جائیں گے۔ اُن کے دربار، ''دارا'' اور ''کیخسرو'' کے درباروں کا نمونہ تھے۔ غنا وشراب، عیش ونشاط وغیرہ سے دل چسپی ہوئی اور کتاب وسنت سے بس اُتنا لگاؤ تھا کہ وہ مسلمان تھے۔ ورنہ اُن کی سیاست میں نہ کتاب کو دخل تھا نہ سنت کو۔''

''بنی اُمیہ سے انتقام''

''عباسیوں نے بنی اُمیہ سے جو اُن کے ایک جدی بھائی تھے انتقام لینے میں جس قساوت قلبی اور بے رحمی کا اظہار کیا اُس کی مثال (اس خارجی کو) اسلامی تاریخ میں نہیں ملتی۔ داؤد نے مکہ اور مدینہ میں جس قدر بنی اُمیہ تھے سب کو قتل کر ڈالا۔ اُس کے بھائی سلیمان نے بصرہ میں یہی کیا۔ جن کو قتل کرتا اُن کو کھنچوا کر راستے میں ڈال دیتا۔ عبداللہ بن علی نے شام میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر بنی اُمیہ کے ایک ایک فرد کو مار ڈالا۔ یہاں تک کہ جوش انتقام میں اُن کے خلفا امیر معاویہ، یزید اور عبدالملک وغیرہ کی قبریں کھدوا ڈالیں اور اُن کی بوسیدہ ہڈیوں کو نکال

کر پھینک دیا۔مورخوں کا بیان ہے کہ ہشام کی نعش صحیح سالم نکلی صرف ناک گل گئی تھی۔اس کو کوڑوں سے پٹوا کر سولی پر چڑھا دیا پھر آگ میں جلا کر راکھ ہوا میں اُڑا دی۔عراق میں سفاح نے خود بنی اُمیہ کے افراد کو قتل کیا۔'' (تاریخ اُمت جلد 8 صفحہ 90 تا 94)

یہ تھا جو بنی اُمیہ کے ساتھ پیش آیا۔لیکن یہ تو صرف کربلا کے مظالم کا سواں (1/100) حصہ بھی نہیں ہے باقی رجعت میں ہوگا۔

4(ب)۔قریش سے مکمل نجات اور اُن کو بھرپور سزا رجعت میں ملے گی۔

حضرت علی علیہ السلام نے قریش کے اولین و آخرین لوگوں کا مآل کار اپنے جملے (خطبہ 132، جملے 26 تا 30) میں مختصراً واشارتاً بیان فرمایا ہے۔اور یہ سب کچھ اُس وقت ہوگا جب قریش پر اس دنیا کا دروازہ قطعاً بند کر دیا جائے گا یعنی یہ نانجار اور نطفہ ناتحقیق نسل دنیا سے ختم کر دی جائے گی اور یہ سب کچھ حضرت حجۃ محمد بن حسن عسکری قائم قیامت علیہم السلام کے اعلان ظہور کے ساتھ شروع ہوگا۔اس عقیدے کا تذکرہ بھی یہ خارجی یوں کرتا ہے کہ:

''رجعت'' قرآن نے اگرچہ صاف تصریح کر دی ہے۔

اَلَمْ یَرَوْا کَمْ اَھْلَکْنَا قَبْلَھُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّھُمْ اِلَیْھِمْ لَا یَرْجِعُوْنَO وَاِنْ کُلٌّ لَّمَّا جَمِیْعٌ لَّدَیْنَا مُحْضَرُوْنَO۔

خارجی ترجمہ ''کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے کتنی نسلیں ہم نے ہلاک کی ہیں جو ان کی طرف پلٹ کر نہیں آتی ہیں۔اور وہ سب کی سب ہمارے پاس حاضر رکھی گئی ہیں۔'' (یٰس 36/31-32)

مگر شیعہ مذہب میں مہدی کے عقیدے کے ساتھ رجعت کا بھی عقیدہ ہے یعنی ظہور مہدی کے بعد حضرت علیؑ، حسنؑ، حسینؑ وغیرہ جملہ آئمہ دنیا میں دوبارہ واپس آئیں گے اور اُن کے مخالفین ابوبکر و عمر و عثمان و معاویہ و یزید وغیرہ بھی لائے جائیں گے۔اور اُن کو سزائیں دی جائیں گی۔شریف مرتضٰی نے لکھا ہے کہ ابوبکر و عمر کو مہدی کے زمانہ میں ایک درخت پر سولی دی جائے گی۔'' (ایضاً تاریخ اُمت جلد 8 صفحہ 155-154)

یعنی اس خارجی نے گویا آیت لکھ کر شیعوں کے اس عقیدے کو باطل کر دیا ہے۔ہم اس آیت کے متعلق تو بعد میں بات کریں گے پہلے قارئین کو یہ بتائیں کہ آیت لکھنے میں اس خارجی ملعون سے یہ غلطی ہوئی ہے کہ اُس نے آیت کا نمبر (32/36) لکھا ہے۔یعنی سورہ سجدہ کی چھتیسویں آیت اور سورہ سجدہ میں لے دے کے کل تیس (30) آیتیں ہیں۔لہٰذا اُن کے کسی قاری کو یہ آیت ملی ہی نہ ہوگی۔پھر اس خبیث کو پتہ بھی نہ چلا کہ اُس نے ایک نہیں بلکہ دو آیات لکھی ہیں اور یہ سورہ یاسین کی (36/31-32) ہیں۔یعنی اس ملعون نے آیات کا یہ حوالہ کہیں سے نقل کیا اور نقل کرتے ہوئے حوالے کو اُلٹا کھڑا کر دیا ہے۔یعنی 36/32 کے بجائے 32/36 لکھ مارا ہے۔

پھر قارئین کو یہ بتائیں کہ ہم نے عقیدہ رجعت کو بڑی تفصیل اور مُسکت انداز میں اپنی تفسیر احسن التعبیر میں بھی بیان کیا ہے اور خطبہ نمبر 28 میں بھی قرآنی دلائل سے ثابت کیا ہے۔ہم مانتے ہیں کہ نام نہاد شیعہ علما عقیدہ رجعت کے متعلق بالکل یتیم ثابت ہوئے ہیں اور جس نے کچھ لکھا ہے وہ واقعی قابل مضحکہ ہے۔

خارجی اینڈ کمپنی کو اُن کی اختیار کردہ آیت کا جواب۔

ہم بھی مانتے ہیں کہ مرنے والے بطور تفریح یا کسی کی خوشی پوری کرنے کے لئے دنیا میں واپس نہیں آتے لہٰذا ان معنی میں آیات (36/31-32) صحیح ہیں۔مگر رجعت کے مخالفین کو تو ایسی آیت یا آیات پیش کرنا چاہئیں جو یہ بتائیں کہ:

(1) اللہ بھی کسی فرد یا قوم کو دوبارہ زندہ کر کے دنیا میں نہیں لاسکتا۔ یا یہ کہ:

(2) کسی فرد یا قوم کو مواخذہ اور جزاوسزا کے لئے بھی دنیا میں نہیں لایا جاسکتا۔

یہ اس لئے کہ رجعت بعد الموت اور قبل قیامت کا عقیدہ یہ کہتا ہے کہ جو لوگ اس دنیا میں قرآن کی رُو سے کسی دنیاوی جزایا سزا کے حقدار تھے اور مشیت کی بناپر وہ محروم الجزا یا محروم العذاب مر گئے انہیں قرآن کے وعدوں کے مطابق قیامت سے پہلے پہلے زندہ کر کے وہ جزا یا سزادی جائے گی جو انہیں نہ مل سکی اور قیامت میں وہ جزا اور سزا ممکن نہ ہوگی۔ مثلاً بعض زراندوزوں کو اُن کے جمع کئے ہوئے روپے پیسے، درہم و دینار اور اشرفیوں کو آگ پر گرم اور لال کر کے اُن کے جسم کو داغا جانا تھا۔ مگر وہ مر گئے اور یہ سزا اُن کو نہ مل سکی (سورہ توبہ 9/35) اب یہ سزا قیامت میں ناممکن ہے اس لئے کہ وہ سکّے وہاں موجود نہ ہوں گے۔ اور داغا جانا اُن ہی سکّوں سے ہوگا۔ اس لئے کہ آیت میں اُن ہی سکّوں کی شرط ہے۔ الفاظ عَلَيۡهَا اور هٰذَا مَا كَنَزۡتُمۡ آئے ہیں (9/35)۔ قیامت میں زمین چوُر چوُر ہو جائے گی۔ نیا آسمان اور نئی زمین ہوگی۔ وہاں ہاتھ کاٹنے کی، سولی دینے کی، کوڑے لگانے کی، گردن کاٹنے کی سزا ناممکن ہوگی۔ (دیکھو تفسیر اور خطبہ نمبر 28) رہ گیا اس دنیا میں مرجانے کے بعد واپسی تو بنی اسرائیل کے ستر آدمیوں کو اللہ نے موت کے بعد زندہ کر لیا تھا۔ (دیکھو سورہ بقرہ (2/56) فرمایا گیا کہ:

مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا اللہ کے لئے مشکل نہیں ہے۔

ثُمَّ بَعَثۡنٰكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَوۡتِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ O (2/56) پھر ہم نے تمہیں مرجانے کے بعد اُٹھا کر کھڑا کر دیا تھا تا کہ شاید تم شکر گزار بن سکو۔ اور ساتھ ہی قرآن یہ بھی بتاتا ہے کہ (لہٰذا خارجی اینڈ کمپنی نوٹ کرے) کہ صرف قریش ہی کو نہیں بلکہ حضرت آدم علیہ السلام کی اُمت سے لے کر ظہور حضرت حجۃؑ تک جتنے انسان محروم الجزا اور محروم العذاب مر گئے ہوں گے اُن سب کو زندہ کیا جائے گا اور اُن کو اُن کی موعدہ جزا یا سزا اسی دنیا میں دی جائے گی اور یہ جزا یا سزا بھگتنے کے بعد اُنہیں دوبارہ موت آئے گی۔ پھر قیامت میں انہیں بھی اور باقی ماندہ انسانوں کو بھی آخری بار زندہ کیا جائے گا اور اب اُنہیں اُن جرائم کی سزادی جائے گی یا جزادی جائے گی جن کے بدلے میں جہنم اور جنت طے شدہ ہے۔ لہٰذا ایک ایسے گروہ کی بات قرآن سے سنئے جسے مرنے کے بعد پہلی دفعہ رجعت میں زندہ کیا گیا پھر دوبارہ موت سے مارا گیا اور پھر قیامت میں دوبارہ زندہ کیا جا چکا ہے۔ وہ اللہ سے کہہ رہے ہیں کہ۔

قَالُوۡا رَبَّنَاۤ اَمَتَّنَا اثۡنَتَيۡنِ وَاَحۡيَيۡتَنَا اثۡنَتَيۡنِ فَاعۡتَرَفۡنَا بِذُنُوۡبِنَا فَهَلۡ اِلٰى خُرُوۡجٍ مِّنۡ سَبِيۡلٍO ذٰلِكُمۡ بِاَنَّهٗۤ اِذَا دُعِىَ اللّٰهُ وَحۡدَهٗ كَفَرۡتُمۡ‌ وَاِنۡ يُّشۡرَكۡ بِهٖ تُؤۡمِنُوۡا فَالۡحُكۡمُ لِلّٰهِ الۡعَلِىِّ الۡكَبِيۡرِO ۔ (سورۃ مومن 12-40/11)

''اُنہوں نے کہا اے ہمارے پروردگار تو نے ہمیں دو مرتبہ موت دی اور دو دفعہ مارنے کے بعد دو دفعہ زندہ کیا ہے اور ہم نے اپنے گناہوں کا اعتراف بھی کر لیا ہے کیا اب یہاں سے بچ نکلنے کی اور کوئی راہ ہے؟ اُن سے کہا جائے گا اب تو تمہیں اس لئے زندہ کیا گیا ہے کہ تمہیں تمہارے شرک کو ماننے اور توحید خداوندی سے کفر کی سزادی جائے۔'' (12-40/11)۔

جزا اور سزا کے لئے پہلے قریش کو زندہ کیا جائے گا پھر آدمؑ سے حضرت حجۃؑ تک کے لوگ باری باری۔

یہاں اتنا اور سن لیں کہ رجعت پہلے قریش کی ہوگی اور اُن کو فارغ کرنے کے بعد حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت حجۃؑ کے زمانہ تک یعنی قیامت میں ساری نوع انسان کے مارنے والے صور سے پہلے تک کے تمام محروم الجزا انسانوں کو باری باری زندہ کیا جائے گا اور جزاوسزادی جائے

گی ہوسکتا ہے کہ جزا یا سزا کے لئے متعلقہ افراد کو سوسال یا زیادہ عرصے تک زندہ رکھا جائے اور جزا یا سزا پوری ہونے پر دوبارہ موت دی جائے اور قیامت میں دوبارہ زندگی دیئے جانے کا انتظار کرایا جائے۔ یوں باری باری تمام اُمتوں کے محروم الجزا وسزا افراد کو فارغ کیا جائے گا خواہ اس میں کروڑوں سال لگیں۔ مثلاً ہر شہید کو وہ پوری زندگی دی جائے گی جو کسی نے قتل کر کے منقطع کر دی تھی۔ اور وہ تمام سہولتیں اور آسائشیں فراہم کی جائیں گی جن سے اُسے محروم کر دیا گیا تھا۔ یہ صرف ابوبکر وعمر کی بات نہیں ہے اُس قسم کے تمام انسانوں کی بات ہے اور نہ یہ صرف محمد وعلی وحسنین اور آئمہ علیہم السلام کی بات ہے بلکہ اس قسم کے تمام محروم الجزا انسانوں کی بات ہے۔ اور بات ہے اُن چیزوں کے دیئے جانے کی جو قرآن کی رُو سے اُسے دنیا میں ملنا چاہئیں تھی۔ یہ نہیں ہوگا کہ ہر نیکی یا بدی کے بدلے میں جنت یا جہنم مل جائے۔ بلکہ پہلے برائی کے بدلے میں وہی برائی ملے گی (10/27) وَالَّذِينَ كَسَبُوا السَّيِّئَاتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا.. (10/27 سورہ یونس) جس برائی کی جو سزا قرآن نے دینا تھی وہ رجعت میں دی جائے گی۔ دس آدمیوں کے قاتل کو دس مرتبہ قتل کیا جائے گا۔ وغیرہ۔ (تفصیل کے لئے خطبہ نمبر 28 اور تفسیر دیکھیں)

5۔ اس خارجی کو بنی اُمیہ سے انتقام پر دُکھ ہوا مگر مومنین کے قتل عام پر اُسے کوئی ملال نہ ہو۔

اب یہ دیکھیں کہ اس رجعت اور سزا وعذاب میں قریش کو پہلا نمبر کیوں دیا گیا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ قریش نے سب سے پہلے قرآن کریم کو تبدیل ومہجور کیا (25/30) دین کے نام پر بے دینی اور جرائم کو جاری کیا اور قرآن آجانے کے بعد سب سے پہلے قرآن کو جھٹلایا (6/66) اور قرآن کے خلاف اپنی حکومت بنائی تا کہ وہ دنیا سے حق اور حق پرستوں کو مٹا کر باطل کو حق کی جگہ جاری کرسکیں اور جاری کرتے رہے۔ باقی انسان اُن کی پیروی میں گمراہ ہوئے۔ اسی خارجی کو دیکھو کہ اُسے خاندان رسوؐل کا کربلا میں قتل عام اتنا ناگوار نہیں جتنا بنی اُمیہ سے انتقام ناگوار ہے۔ یہ غلط آیت پیش کر کے قریش سے ہمہ گیر انتقام کو چھپانا چاہتا ہے۔

بنی اُمیہ نے حق پرستوں کے ساتھ کیا کچھ کیا اُن کے مظالم پر ایک نظر؟

یہی خارجی لکھتا ہے کہ:

> ''بنی اُمیہ نے ابتدا ہی سے شیعوں پر سختی شروع کی اپنے تمام عمّال (گورنروں) کو حکم بھیجا کہ ''جو شخص حضرت علیؑ اور اُن کے اہل بیتؑ سے تولاّ رکھے یا اُن کے مناقب روایت کرے اُس کا نام وظائف کے دفتر سے کاٹ دو اور اُس کی شہادت ساقط الاعتبار کر دو صرف عثمان کے شیعوں کو اپنے پاس آنے دو اور اُن کے فضائل میں جو روایتیں بیان کی جائیں اُن کو معہ اُن کے راویوں کے ناموں کے مجھے بھیجتے رہو۔''

کوفہ شیعوں کا مرکز تھا جس کا گورنر زیاد تھا وہ شیعوں سے واقف تھا اُس نے جہاں جہاں شیعوں کو پایا قتل کیا۔ اس کے بعد جو کچھ رہ گئے اُن کو زیاد کے بیٹے نے ختم کیا۔ ان دونوں باپ بیٹوں نے اُن کو کھجوروں کے درختوں پر لوگوں کی عبرت کے لئے سولیاں دیں۔ ہاتھ اور پاؤں کاٹے۔ آنکھوں میں (آگ میں لال کر کے) سلائیاں پھیریں اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر مارا۔ حجاج بن یوسف جب عراق کا والی ہوا تو اُس نے بھی وہی کچھ کیا۔ اُس کو کافر یا زندیق سے اتنی نفرت نہ تھی جتنی شیعہ سے تھی۔ جملہ اُموی گورنروں کا یہی حال تھا وہ شیعت کی تہمت پر بھی ہاتھ پاؤں کاٹ لیتے یا قید کر کے مال ومتاع ضبط اور مکان منہدم کر دیتے۔'' (ایضاً جلد 8 صفحہ 157 تا 160)

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 92

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 93

خُطبہ ﴿133﴾

اللہ، انبیاؑ اور محمدؐ

1۔اللہ کی صفات سے اس خطبے کی ابتدا فرمائی ہے۔2۔انبیاء علیھم السلام اوران کا شجرہ اور کارکردگی کا تسلسل۔3۔محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شجرہ اور قبیلہ اسی مقدس شجرے اور قبیلہ سے تھا جس سے سابقہ انبیاءؑ تھے۔4۔آنحضرتؐ کی چند صفات اور کارکردگی کی بنیادی باتیں۔5۔ہمارے اور امت کے لئے نصیحت۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

بہت بابرکت ہے اس اللہ کی ذات کہ جس کو سمجھنے کے لئے بلند ترین ہمتیں رسائی نہیں رکھتیں۔	1	فَتَبَارَکَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَایَبْلُغُ بُعْدَ الْهِمَمِ ؛
اور نہ عقل وفکر کی قوتیں اس تک پہنچ سکتی ہیں۔	2	وَلَا یَنَالُهُ حَدْسُ الْفِطَنِ ؛
وہ ایسی اولین ہستی ہے کہ اس کیلئے کوئی انتہا نہیں کہ وہ اس پر جا کر ختم ہوجائے۔	3	اَلْاَوَّلُ الَّذِیْ لَا غَایَةَ لَهٗ فَیَنْتَهِیْ ؛
اور نہ اس کے لئے آخری حد ہے کہ وہ وہاں پہنچ کر تمام ہوجائے۔	4	وَلَا آخِرَلَهٗ فَیَنْقَضِیْ ؛
اُس نے اسی طرح تمام انبیاؑ کو بھی بہترین تیاری کی جگہ میں تیاری ونشوونما کے لئے سونپا تھا۔	5	فَاسْتَوْدَعَهُمْ فِیْ اَفْضَلِ مُسْتَوْدَعٍ ؛
اور اُنہیں بہترین قرارگاہ میں جسمانی ظہور کیلئے ٹھہرایا تھا۔	6	وَاَقَرَّهُمْ فِیْ خَیْرِ مُسْتَقَرٍّ ؛
یعنی اُن کا نسخہ بہت مفید اور معزز اصلاب میں تیار کر کے جسمانی ظہور کے لئے پاکیزہ ارحام میں رکھا تھا۔	7	تَنَاسَخَتْهُمْ کَرَائِمُ الْاَصْلَابِ اِلٰی مُطَهَّرَاتِ الْاَرْحَامِ ؛
ان کا حال یہ رہا کہ جب ان میں سے کوئی ایک گزرگاہِ دنیا سے گزرا تو اس گزرنے والے کی جگہ ایک بعد والا اللہ کے دین کی ذمہ داری کے ساتھ کھڑا ہوگیا۔	8	کُلَّمَا مَضٰی مِنْهُمْ سَلَفٌ قَامَ مِنْهُمْ بِدِیْنِ اللّٰهِ خَلَفٌ ؛
یہاں تک کہ اللہ کے دین کی تمام ذمہ داریوں کی عزت و بزرگی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کو عطا کی گئی چنانچہ آنحضرتؐ کو تمام انسانوں کے پیدا کرنے والی کانوں میں سے افضل ترین کان سے پیدا کیا جو بہترین پیدا کرنے والی کان تھی۔	9	حَتّٰی اَفْضَتْ کَرَامَةُ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ اِلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ ؛فَاَخْرَجَهٗ مِنْ اَفْضَلِ الْمَعَادِنِ مَنْبِتًا ؛

وَاَعَزِّ الْاُرُوْمَاتِ مَغْرِسًا ؛	10	اور ایسی اصلوں اور بنیادوں سے پیدا کیا جو دنیا میں جانی پہچانی اور باوقار و معزز تھیں۔
مِنَ الشَّجَرَةِ الَّتِیْ صَدَعَ مِنْهَا اَنْبِیَآءَهٗ ؛	11	اسی شجرے سے پیدا کیا جس سے باقی انبیاؑء کو پیدا کیا تھا۔
وَانْتَخَبَ مِنْهَا اُمَنَآءَهٗ ؛	12	اور جس سے اپنے باقی امانت دار وامین پیدا کئے اس میں سے ان کو منتخب کیا۔
عِتْرَتُهٗ خَیْرُ الْعِتَرِ ؛	13	محمدؐ کی عترتؑ تمام عترتوں سے بہتر ہے۔
وَاُسْرَتُهٗ خَیْرُ الْاُسَرِ ؛	14	اور محمدؐ کے اقربا رشتے دار اور قبیلہ سارے اقرباء اور قبیلوں سے بہتر ہیں۔
وَشَجَرَتُهٗ خَیْرُ الشَّجَرِ ؛	15	آنحضرؐت کا شجرہ بہترین شجرہ ہے جو کہ:
نَبَتَتْ فِیْ حَرَمٍ ؛	16	بیت اللہ الحرام میں اُگا تھا۔
وَبَسَقَتْ فِیْ کَرَمٍ ؛	17	اور بزرگی کے سایہ میں پروان چڑھا تھا۔
لَهَا فُرُوْعٌ طِوَالٌ ؛	18	جس شجرہ کی شاخیں دراز ہیں۔
وَثَمَرَةٌ لَّا تُنَالُ ؛	19	اور اُس شجرے کے پھل انسانی دسترس سے باہر ہیں۔
فَهُوَ اِمَامُ مَنِ اتَّقٰی ؛	20	وہ شجرہ متقی لوگوں کا امامؑ ہے۔
وَبَصِیْرَةُ مَنِ اهْتَدٰی ؛	21	متلاشیان ہدایت کے لئے بصیرت ہے۔
سِرَاجٌ لَّمَعَ ضَوْءُهٗ ؛	22	وہ شجرہ ایسا چراغ ہے جس کی ضو لو دیتی ہے۔
وَشِهَابٌ سَطَعَ نُوْرُهٗ ؛	23	ضیا پاشی کرنے والا ستارہ ہے۔
وَزَنْدٌ بَرَقَ لَمْعُهٗ ؛	24	ایسا چقماق جو بجلیوں کا حامل ہے۔
سِیْرَتُهُ الْقَصْدُ ؛	25	آنحضرؐت کی سیرت مکمل راستی ہے۔
وَسُنَّتُهُ الرُّشْدُ ؛	26	اور ان کی سنت مکمل ہدایت ہے۔
وَکَلَامُهُ الْفَصْلُ ؛	27	ان کا کلام مکمل فیصلہ ہے۔
وَحُکْمُهُ الْعَدْلُ ؛	28	ان کا حکم مکمل عدل ہے۔
اَرْسَلَهٗ حِیْنَ فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ ؛	29	اللہ نے انہیںؐ اس وقت بھیجا جب رسولوں کا سلسلہ رکا ہوا تھا۔
وَهَفْوَةٍ عَنِ الْعَمَلِ ؛	30	اور بدعملی پھیلی ہوئی تھی۔
وَغَبَاوَةٍ مِّنَ الْاُمَمِ ؛	31	امتیں غفلت میں مبتلا تھیں۔
اِعْمَلُوْا رَحِمَکُمُ اللّٰهُ عَلٰی اَعْلَامٍ بَیِّنَةٍ ؛	32	اللہ تم پر رحم کرے واضح نشانوں کے مطابق عمل کرو۔
فَالطَّرِیْقُ نَهْجٌ یَدْعُوْ اِلٰی دَارِ السَّلَامِ ؛	33	چنانچہ راستہ خود سے واضح ہے اور تمہیں سلامتی کے مقام کی دعوت دیتا ہے۔

		(امامؑ اور جنت دونوں دارالسلام ہیں)
وَاَنْتُمْ فِیْ دَارِ مُسْتَعْتِبٍ عَلٰی مَهَلٍ وَّفَرَاغٍ ؛	34	اور تم لوگ مہلت اور فراغت اور منت وسماجت کے مقام پر ہو۔لہٰذا اپنی اصلاح کر سکتے ہو۔
وَالصُّحُفُ مَنْشُوْرَةٌ ؛	35	کتابیں نشر ہوئی پڑی ہیں۔
وَالْاَقْلَامُ جَارِيَةٌ ؛	36	قلم ابھی لکھ رہے ہیں۔(یعنی نیکی بدی جو کرو لکھوا لو)
وَالْاَبْدَانُ صَحِيْحَةٌ ؛	37	اور تندرستی حاصل ہے۔
وَالْاَلْسُنُ مُطْلَقَةٌ ؛	38	زبانیں آزاد ہیں۔
وَالتَّوْبَةُ مَسْمُوْعَةٌ ؛	39	اور توبہ سنی جارہی ہے۔
وَالْاَعْمَالُ مَقْبُوْلَةٌ ؛	40	اور اعمال قبول کئے جارہے ہیں۔

تشریحات:

اِس خطبے میں اللہ تعالیٰ کی جو صفات بیان کی گئی ہیں وہ پہلے خطبات میں بھی بیان ہوتی رہی ہیں۔مگر یہاں اُن صفات کو اس لئے دوہرایا ہے کہ اللہ کے تیار کردہ حیران کن شجرے کو سن کر عقل سرکشی کی بجائے غور وفکر وعقلی وسائل سے کام لے اور حقیقت تک یا حقیقت کے قریب تک پہنچنے کی جدوجہد کرے۔اِس خطبے میں حضورؐ نے وہ تمام بنیادی باتیں بیان فرمادی ہیں جن کو حضورؐ کے شجرے اور خاندانی افراد کو سمجھنے اور بیان کرنے میں مدنظر رکھنا ضروری ہے۔اور جن کو نظر انداز کردینے سے اللہ کا مقصد اُلٹ جاتا ہے۔قارئین کو سب سے پہلے اس حقیقت کو برابر سامنے رکھنا ہے کہ اس شجرے کی بنیاد وہ نور محمدؐ ہے جسے اللہ نے اپنے انتہائی کمال کے اظہار کی غرض سے پیدا کیا تھا اور لاکھوں اربوں سال تک اپنی صفات سے متاثر کرنے کے لئے اپنی قربت خاصہ میں تربیت کیا تھا اور پھر اُسے ساری کائنات کی تخلیق میں استعمال کیا تھا اور تخلیق کے مختلف وموزوں مراحل میں انبیاؑ اور ملائکہ کی بنیاد رکھی تھی۔الغرض تکوینی مراحل کے دوران اعلیٰ وادنیٰ مخلوقات عالم وجود میں آتی چلی گئیں۔اس بنیادی حقیقت کے ساتھ حضورؐ کے بیان کردہ شجرے کے جملوں کو دیکھیں اور جو مطلب اخذ کریں وہ اس حقیقت کی تائید کرتا چلے۔چنانچہ پانچواں جملہ اس صورت حال کی طرف اشارہ کرتا ہے جس میں انبیا علیہم السلام کی جسمانی تخلیق اور نشوونما کی بنیاد رکھی گئی تھی اور وہ اوّلین مقام حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی تھا جہاں سے نمبروار تدریج کے ساتھ جسمانی ومادی تخلیق کی بنیاد فراہم ہونا تھی۔اور حضرت حوا علیہا السلام کا رحم مبارک تھا جہاں سے اوّلین انبیاؑ نے جسمانی ظہور اختیار کرنا تھا۔یہ بات نوٹ رکھنے کی ہے کہ تمام انبیا علیہم السلام مقاصد خداوندی کے عالم تھے اور اُن مقاصد کے متعلق اپنے اپنے حصہ کے فرائض انجام دینے کے ذمہ دار بھی تھے اور ہر نبیؑ نے اس سلسلے میں اپنی اپنی ذمہ داری کو رضائے خداوندی کے معیار پر انجام بھی دیا تھا اور کوئی ایسا اقدام نہ کیا تھا جس سے مقاصد خداوندی مجروح ہوتے۔اِسی لئے حضورؐ نے تمام انبیاؑ اور اُن کی ازواج کو بہترین قرارگاہ (خَيْرِ مُسْتَقَرٍّ) فرمایا ہے (جملہ 6)۔اور اُن کے اصلاب وارحام کو مفید، معزز اور پاکیزہ قرار دیا ہے (جملہ 7)۔مفید اس لئے کہ مقصد خداوندی کو پورا کرنے کا تمام جسمانی سامان سونپنے والے اور معزز اس لئے کہ وہ تمام عزت واکرام حاصل کرنے میں سہولت فراہم کرنے والے جو انبیاؑ کو اللہ کی طرف سے ملنے

والی تھی ۔اور پاکیزہ اس لئے کہ زندگی بھر خدا کی فراہم کردہ پسندیدہ خوراک وغذا سے وابستہ رہنے والے میاں بیوی تھے ۔اس کے بعد یہ واضح کیا ہے کہ انبیاؑ کے بعد دیگرے مقاصد خداوندی کو پورا کرتے ہوئے چلے اور اُن مقاصد میں کہیں کوئی خلا یا جھول نہیں پڑنے دیا اُنہیں معلوم تھا کہ سابقہ نبیؑ نے کیا کچھ کیا اور انہیں کہاں سے اپنا کام شروع کرنا چاہئے؟ (جملہ 8) اس کے بعد حضورؑ نے جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کا ذکر شروع فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ تمام سابقہ نبیؑ اور اُن کی ازواجؑ بتدریج ہر نبیؑ کو ارتقائی ترقی دیتے ہوئے جب اعلیٰ ترین مقام پر نبوت ورسالت کو لے آئے تو حضوؐر کی پیدائش وتخلیق کا مادی نمبر آیا اور یہ مقام اللہ کے انتہائی پسندیدہ اور چنیدہ افراد کے ذریعہ سے بہم پہنچا تھا (جملہ 9) پھر اُن ہستیوںؑ کا ذکر فرمایا ہے جو اپنے زمانہ تک دنیا بھر میں اپنی کارکردگی اور نسلی عزت وافتخار، شکل وصورت وشمائل میں مشہور ومعروف تھیں (جملہ 10) اور اُسی سلسلے اور شجرے سے چلی آرہی تھیں جس سے انبیا علیہم السلام ظہور کرتے رہے تھے (جملہ 11)۔اور اُسی شجرے سے امانتدارانِ خداوندی کو پیدا کیا گیا (جملہ 12)۔یعنی یہ وہ زمانہ تھا کہ اب اُس شجرے سے امانتداروں کا ایک سلسلہ پیدا ہوا جو نبیؑ نہ تھا۔ یہ وہ مقام آگیا جہاں سے خالص امانت وامامت چلتی ہے اور اس سلسلے میں حضرت نابت علیہ السلام اور اُن کی اولاد کے آئمہ جناب ابوطالب علیہم السلام تک مراد ہیں اور اُن ہی میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کو پھر نبوت ورسالت کے لئے منتخب کرنے کا ذکر فرمایا ہے (12) اور یہاں سے حضرت علی علیہ السلام نے اُس مبارک شجرےؑ اور عترتِ محمدؐیہ اور اُن کے رشتہ داروں اور قبیلے کی الگ سے مدح وثنا شروع کی ہے۔اور انہیں تمام سابقہ شجروں سے تمام سابقہ رشتہ داروں سے اور تمام سابقہ عترتوں سے بہتر وبرتر قرار دیا ہے (جملے 13، 14، 15) اور یہ بتایا ہے کہ یہ شجرہ حرمِ خداوندی میں پیدا ہوا تھا۔اور اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ تمام انبیا علیہم السلام ہمیشہ کعبہ سے ملحق ومتصل رہتے چلے گئے اور پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو باقاعدہ کعبہ میں آباد کیا گیا اور رسولؐ اللہ کو تیار کرنے اور جنم دینے والا آئمہ علیہم السلام کا سلسلہ بھی کعبہ سے ملحق ومتصل رہتا چلا آیا تھا۔جس کے آخری افراد جناب قصی، ہاشم اور عبدالمطلب وابوطالب علیہم السلام تھے۔اور یہی وہ حضراتؑ تھے جن کی شہرت ومعرفت ساری دنیا میں گھر گھر پھیلی ہوئی تھی (جملے 9، 10، 11، 12) اور اُن ہی حضرات کو بزرگی ووفادیت کی بنیاد قرار دیا ہے (جملے 17) اور یہاں سے اُس پورے شجرے کی خصوصیات بیان فرمانا شروع کی ہیں اور پہلی خصوصیت یہ بتائی ہے کہ اس شجر کی شاخیں بہت طویل ہیں۔یعنی یہ شجرہ پھیلتے پھیلتے لامتناہی ولامحدود ہوگیا ہے۔ظاہر ہے کہ اس کی شاخیں تمام مخلوقات وموجودات کو محیط ہیں اور پوری کائنات کو اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہیں۔اور اسی لئے فرمایا کہ اس شجرے کے پھلوں تک نوع انسانی کی رسائی نہیں ہے (جملے 18۔19) اور اسی سے ثابت ہے کہ اُس شجرے کی شاخیں لامحدود ولمبائی رکھتی ہیں اس لئے شاخوں پر ہی تو پھل لگا کرتے ہیں لہٰذا کسی انسان کا ہاتھ لامحدود ولمبا نہیں ہوسکتا ہے۔دوسرے الفاظ میں یہ کہئے کہ کسی انسان کو اس شجرے میں داخلے کی اجازت نہیں ہوسکتی اور کوئی انسان اس شجرے کا کفو یا ہم پلہ نہیں ہوسکتا ہے۔اور چونکہ یہ شجرہ بہترین انسانوں یعنی تمام متقی انسانوں کا امام ہے (جملہ 20) لہٰذا اُسے کسی کی اتباع واطاعت سے مبرا رکھا گیا ہے۔لہذا اس شجرہ کی خواتین کسی انسان کی مطیع وفرماں بردار یعنی زوجہ نہیں ہوسکتیں۔اس لئے بھی کہ تمام انسان اس شجرے سے ہدایت وروشنی واکتسابِ نور وضیا کرنے کے محتاج ہیں (جملے 21۔23) اور سب کو حرارتِ زندگی برقرار رکھنے کے لئے اس چقماق کی احتیاج ہے۔اور اُن کے کلام وحکم وسیرت وسنت سے اپنی راہِ زندگی کا تعین کرنا ہے (جملے 24 تا 28) یہاں حضورؑ نے اس مقدس شجرے کی خصوصیات مکمل کردی ہیں اور اس کے بعد حضورؑ نے اس زمانہ کا ذکر فرمایا ہے جب اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کو انسانی راہنمائی کے لئے ارسال فرمایا تھا (جملہ 29) اور اُس زمانہ کے لوگوں کو غفلت وبدکرداری میں مبتلا دکھایا ہے (جملے 30۔31) یہاں یہ سوچنے کی بات ہے کہ حضوؐر

آنحضرتؐ کی پیدائش کا تذکرہ نہیں کرتے بلکہ قرآن کی طرح اُن کے بھیجنے کی بات کرتے ہیں۔ تا کہ قریش کے گھڑے ہوئے قصوں اور افسانوں کو کسی قسم کی تائید نہ ملے۔ چونکہ قریش کی مصلحت اور پالیسی یہ ہے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے جیسا اور اپنی قوم کا ایک فرد بنا کر پیش کریں اور اُن تمام بزرگیوں اور فضائل اور خصوصیات کو شرک وکفر وجہالت کے پردوں میں لپیٹ دیں جو اللہ نے روزِ ازل سے انہیں عنایت فرمائی تھیں۔ اور پھر جسمانی ظہور کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا علیہم السلام کی کروڑوں اور اربوں سال کی محنتوں کو مصروف رکھا تھا اور اس مقام پر پہنچایا تھا جہاں انہیں اپنے درود وسلام کا درجہ عطا فرمایا تھا۔ اس لئے قریش ساز تمام افسانے باطل قرار پاتے ہیں۔ وہ تو انہیں کافروں اور مشرکوں میں پیدا ہونے والا ایک عام بچہ قرار دے کر انہیں ایک مشرک عورت کا وہ دودھ پلاتے ہیں جو حرام غذاؤں سے تیار ہوتا تھا اور وہ سب کچھ کھا کر جوان ہونا دکھاتے ہیں جو حرام ونا پاک تھا یعنی اُن کا خون اور ہڈیوں کا گودا بھی نا پاک تھا اور اُن کا گوشت پوست اور کھال وجسم بھی نا پاک تھا اور بتاتے ہیں کہ نبی بنانے کے وقت اُن کا دل نکال کر پاک کیا گیا۔ لیکن پاک کر کے پھر نا پاک سینے ہی میں رکھ دیا گیا اور وہی نا پاک خون اُس دل کی مدد سے پورے نا پاک بدن میں دورہ کرنے لگا یعنی پاک کرنے کے بعد اُن کا دل پھر نا پاک ہو گیا اور نا پاک رہتا چلا گیا۔ وہ دکھاتے ہیں کہ اُنہوں نے اپنی دو بڑی بیٹیوں کی شادی اپنے مشرک عزیزوں میں کی تھی۔ ایسی حالت میں وہ انہیں نبی مانتے ہیں اور تئیس سال میں بتدریج انہیں قرآن کا علم حاصل کرنا دکھاتے ہیں یعنی از اول تا آخر، محمدؐ اُن کے برابر بلکہ کچھ کم ہی رہے۔ خدا جھوٹوں پر لعنت جاری رکھے۔ آمین ثم آمین۔

اس کے بعد حضور علیہ السلام اپنے زمانے کے مسلمانوں کو راست روی کی نصیحت کرتے ہوئے اُنہیں واضح نشانات کی پیروی کرنے کی تاکید کرتے ہیں (جملہ 32) اور اس راستہ کو اختیار کرنے پر متوجہ فرماتے ہیں جو واضح اور دارالسلام کی طرف لے جاتا ہے (جملہ 33) اور اُنہیں اُن کی موجودہ حالت پر مطلع فرماتے ہیں اور وہ اسباب یاد دلاتے ہیں جن کی وجہ سے نیک چلنی اور راست روی اُن پر واجب ہوتی ہے۔ مثلاً یہی کہ مہلت کے موقع سے فائدہ اُٹھاؤ۔ تمہیں تندرستی حاصل ہے۔ تمہاری زبانیں آزاد ہیں۔ توبہ کرنے اور قبول ہونے کا ابھی موقع ہے۔ اعمال لکھے جا رہے ہیں۔ اور قبول کئے جانے پر کوئی پابندی عائد نہیں ہے۔ اس نصیحت پر حضور علیہ السلام خطبہ مکمل فرما دیتے ہیں۔ اسی طرح ہم اپنے احباب کو نصیحت کرتے ہیں کہ محمدؐ مصطفیٰ اور اُن کی عترت علیہم السلام کے متعلق اپنے تصورات وعقائد کی اصلاح پر توجہ دیں اور اس خطبے کی روشنی میں ہر اس خامی کو دُور کر لیں جو نظام اجتہاد نے داخل کی ہو۔ ہم اُن کو ایسے حضرات سمجھتے ہیں جو ہمارے افکار واعمال سے ہر لحظہ مطلع ہیں۔ جو ہمیں ہر حالت میں دیکھ رہے ہیں۔ اس لئے ہمیں اُن تمام اعمال وافکار سے علیحدگی اختیار کرنا ضروری ہے جو انہیں ناپسند ہوں اور انہیں ہم سے ایسے اعمال واقدامات کی توقع نہ ہو۔

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 93

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 94

خُطبہ ﴿134﴾

اعلان نبوت سے پہلے قریش نظام اجتہاد پر عمل پیرا تھے۔

1۔عوام الناس حیرت وگمراہی میں مبتلا تھے۔2۔مہربانیوں،عنایتوں کے حصول کے لئے فتنوں میں مبتلا تھے۔3۔انہیں ان کے اجتہاد نے مجبور کررکھا تھا۔4۔کبریائی اور بالادستی نے انہیں ظالم و جابر بنا دیا تھا۔5۔علی علیہ السلام نے ان سب کو حکمت و نصیحت کی دعوت دی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بَعَثَهُ وَالنَّاسُ ضَلَالٌ فِیۡ حَیۡرَةٍ ؛	1	اللہ نے آنحضرتؐ کو مبعوث کیا تو پوری نوع انسان گمراہی اور حیرانی میں مبتلا تھی۔
وَخابِطُوۡنَ فِیۡ فِتۡنَةٍ ؛	2	اور طرح طرح کی آزمائشیں کرکے نتیجے میں اللہ کی مہربانیوں اور عنایتوں کے امیدوار تھے۔
قَدِاسۡتَهۡوَتۡهُمُ الۡاَهۡوَآءُ ؛	3	اجتہاد اور مصلحت بینی نے انہیں جکڑ رکھا تھا۔
وَاسۡتَزَ لَّتۡهُمُ الۡكِبۡرِيَآءُ ؛	4	بالادستی اور کبریائی نے انہیں ظالم وخطاکار بنا دیا تھا۔
وَاسۡتَخَفَّتۡهُمُ الۡجاهِلِيَّةُ الۡجُهۡلَآءُ ؛	5	مجتہدانہ جہالت نے ان کو بے حقیقت اور بے عزت کردیا تھا۔
حَیارٰیُ فِیۡ زَلۡزَالٍ مِنَ الۡاَمۡرِ ؛	6	اور دین کے معاملے میں حیرانی سے کوشاں اور ڈانواں ڈول تھے۔
وَبَلَآءٍ مِنَ الۡجَهۡلِ ؛	7	اور مخصوص جہالت یعنی اجتہاد کے امتحان میں سرگرداں تھے۔
فَبَالَغَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَآلِهٖ فِی النَّصِيۡحَةِ ؛	8	چنانچہ رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو سمجھانے میں کوشش کی۔
وَمَضٰی عَلَی الطَّرِيۡقَةِ ؛	9	اور راہ راست پر گزر گئے۔
وَدَعَا اِلَی الۡحِكۡمَةِ وَالۡمَوۡعِظَةِ الۡحَسَنَةِ	10	اور انہیں عمدہ عمدہ واعظوں اور حکمت کی دعوت دی۔

تشریحات:

اس خطبے میں حضورؐ نے عربوں کا نہایت ہی مختصر مگر جامع ذکر فرمایا ہے۔اُن کی گمراہی اور دین کے سلسلے میں حیرانی کی تصدیق فرمائی ہے۔اُن کے قدیم مجتہدانہ تصورات اور مصلحت پروری پر مہر کردی ہے۔اُن کے احساس برتری کے نتیجہ میں ظالم اور ذلیل ہوکر رہ جانے کا ذکر فرمایا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغ وہدایت کا بہت ہی سرسری ذکر فرمایا ہے اور یہ نہیں بتایا ہے کہ عربوں نے اُس تبلیغ وہدایت سے استفادہ کیا تھا یا نہیں؟ لیکن قرآن کریم اس پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتا ہے کہ۔

وَاَنِ احۡكُمۡ بَيۡنَهُمۡ بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَهُمۡ وَاحۡذَرۡهُمۡ اَنۡ يَّفۡتِنُوۡكَ عَنۡۢ بَعۡضِ مَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ اِلَيۡكَ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاعۡلَمۡ اَنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ اَنۡ يُّصِيۡبَهُمۡ بِبَعۡضِ ذُنُوۡبِهِمۡ وَاِنَّ كَثِيۡرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوۡنَ O اَفَحُكۡمَ الۡجَاهِلِيَّةِ يَبۡغُوۡنَ وَمَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكۡمًا لِّقَوۡمٍ يُّوۡقِنُوۡنَ O (مائدہ 5/49-50)

’’اے نبیؐ تم تو اللہ کے نازل کردہ احکام کے ساتھ اُن پر احکام جاری کرتے رہو اور دیکھو اُن کے اجتہادات کی ہرگز پیروی نہ کرنا اور اُن سے بہت ہوشیاری سے بچتے رہنا کہیں یہ لوگ تم کو بھی فتنہ کا چکر دے کر اللہ کے نازل کردہ احکام میں سے بعض سے اِدھر اُدھر نہ ہٹا دیں۔ چنانچہ اگر یہ اپنی ولایت پر جمے رہیں تو جان لو کہ اللہ نے یہ ارادہ کرلیا ہے کہ اُنہیں اُن کے گناہوں کی لپیٹ میں پھنس جانے دے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسانوں کی کثرت لاقانونیت پر عمل کرنے والی ہے۔ کیا یہ لوگ اعلان رسالت کے بعد بھی ایام جاہلیت کے مجتہدانہ احکام پسند کرتے ہیں۔ اور صاحبان یقین کے نزدیک تو اللہ سے اچھے احکام کوئی اور نہیں دے سکتا۔‘‘

قارئین غور کریں کہ اِن دونوں آیات نے وہ سب کچھ سمیٹ کر بیان کر دیا ہے جو حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ سب سے اہم بات وہی ہے کہ قریش اور عربوں کی کثرت زمانہ قبلِ قرآن میں اپنے اجتہادات پر عمل کرتی تھی اور قرآنی احکام کے بعد بھی اُسی طرز زندگی پر قائم رہنا چاہتے تھے اور اُن ہی طریقوں پر ایک مرکزی حکومت قائم کرنے کی فکر میں مصروف تھے اور چاہتے تھے کہ خود رسولؐ کو بھی چکر دے کر بعض قرآنی ہدایات واحکامات سے ہٹالے جائیں اور اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کو جائز قرار دِلا دیں۔ یہی قریش کی کوششوں کا مقصد تھا اور سارا قرآن اور حضرت علی علیہ السلام برابر بتاتے رہے ہیں کہ قریش نے اپنی اس کوشش میں ذرہ برابر کمی یا تبدیلی نہیں کی اور رسولؐ نے قبول نہ کیا تو ان کے لیڈروں نے قرآن کی معنوی ردوبدل اور جوڑ توڑ سے قرآنی تعلیمات کو اپنے نظام پر فٹ کیا (25/30-31 اور 6/66) اور اپنی قوم کو اپنا تبدیل شدہ قرآن پڑھایا۔ کئی مرتبہ رسولؐ کو قتل کرنے کی اور راہ سے ہٹانے کی کوشش بھی کی تاکہ اپنی حکومت قائم کرلیں۔ بالآخر رسولؐ کو دوا کے بہانے زہر سے شہید کیا اور اپنی قوم اور فاسقوں کی کثرت کے زور سے قومی حکومت بنائی اور اسلام کو مجتہدانہ انداز سے جاری کیا جو جاری ہے۔

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 94

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 95

خُطبہ ﴿135﴾

1۔صفات خداوندی سے خطبہ شروع فرمایا ہے۔2۔آنحضرتؐ کی چند صفات اور حضورؐ کے خاندان کی عظمت بیان فرمائی ہے۔
3۔اللہ نے نیک لوگوں کو رسولؐ سے وابستہ کیا، فتنوں کو دبایا، مسلمانوں میں الفت پیدا کی کفار کو منتشر کیا، اسلام کو عزت بخشی کفر کو ذلیل کیا۔4۔رسولؐ کے بولنے اور چپ رہنے کا مقام۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الۡاَوَّلِ فَلَا شَیۡءَ قَبۡلَهٗ ؛	1	تمام حمد وثنا اللہ کے لئے ہے وہ ایسا اوّل ہے کہ اس سے پہلے اور کچھ نہیں تھا۔
وَ آخِرِ فَلَا شَیۡءَ بَعۡدَهٗ ؛	2	اور ایسا آخر ہے کہ اس کے بعد کوئی چیز نہیں۔
وَ الظَّاهِرِ فَلَاشَیۡءَ فَوۡقَهٗ ؛	3	وہ ایسا ظاہر ہے کہ کچھ بھی اس سے بالاتر نہیں ہے۔
وَ الۡبَاطِنِ فَلَاشَیۡءَ دُوۡنَهٗ ؛	4	اور ایسا پوشیدہ ہے کہ کوئی چیز اس سے دور و نزدیک نہیں ہے۔
مُسۡتَقَرُّهٗ خَيۡرُ مُسۡتَقَرٍّ ؛	5	آنحضرتؐ کے نشوونما کے لئے ٹھہرنے کا مقام بہترین مقام تھا۔
وَمَنۡبَتُهٗ اَشۡرَفُ مَنۡبَتٍ ؛فِیۡ مَعَادِنِ الۡکَرَامَةِ وَمَمَاهِدِ السَّلَامَةِ ؛	6	ان کے جسمانی وجود کو اختیار کرنے کی جگہ اشرف ترین جگہ تھی۔ وہ عزت و بزرگی کی کانوں میں رکھے گئے اور سلامتی کے گھوارے میں پلے۔
قَدۡ صُرِفَتۡ نَحۡوَهٗ اَفۡئِدَةُ الۡاَبۡرَارِ ؛	7	نیک لوگوں کے قلوب ان کی بزرگی کے سامنے جھکا دیئے گئے۔
وَثُنِيَتۡ اِلَيۡهِ اَزِمَّةُ الۡاَبۡصَارِ ؛	8	اور ان کی جانب آنکھوں کے رخ موڑ دیئے گئے۔
دَفَنَ اللّٰهُ بِهٖ ضَغَائِنَ ؛	9	اللہ نے آنحضرتؐ کے ذریعہ سے کینوں کو دفن کرا دیا۔
وَاَطۡغَآءَ بِهِ النَّوَائِرَ ؛	10	عداوتوں کی آگ بجھا دی۔
اَلَّفَ بِهٖ اِخۡوَانًا ؛	11	بھائیوں میں الفت پیدا کی۔
وَفَرَّقَ بِهٖ اَقۡرَانًا ؛	12	کفر کے اجتماع میں تفرقہ ڈالا۔
اَعَزَّبِهِ الذِّلَّةَ ؛	13	پستی اور ذلت میں رکھے ہوئے لوگوں کو معزز کر دیا۔
وَاَذَلَّ بِهِ الۡعِزَّةَ ؛	14	مصنوعی عزتوں کو ذلیل کر دیا۔
کَلَامُهٗ بَيَانٌ ؛	15	آنحضرتؐ کا کلام حقائق کا بیان تھا۔
وَصُمۡتُهٗ لِسَانٌ ؛	16	ان کی خاموشی بھی بولنے والی زبان تھی۔

تشریحات:

چونکہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کے ظہور تک فلسفۂ تناسخ وتثلیث جڑیں پکڑ چکا تھا اور آواگون کا عقیدہ ہندوستان سے نکل کر مہاتما بدھ کے پیرووں کے ساتھ تقریباً ساری دنیا میں پھیل چکا تھا۔ یعنی لوگ قیامت کا انکار کرنے لگے تھے۔ اور روحوں کے بار بار مختلف صورتوں میں پیدا ہوتے رہنے کو ماننے لگے تھے۔ اُس کے ساتھ ہی ساتھ یہ عقیدہ بھی جاری ہو گیا تھا کہ اس دنیا میں تین بنیادی چیزیں ہمیشہ سے موجود ہیں ہندوؤں کی زبان میں پرماتما (خدا) آتما (روح) اور پر کرتی (مادہ) یعنی خدا وہ ہے جو رُوح کو مادہ کے ساتھ وابستہ کرتا ہے اور اُسے مختلف صورتوں میں ڈھالتا ہے۔ خدا تنہا کچھ نہیں کر سکتا اس کے لئے ضروری ہے کہ مادہ اور رُوح موجود ہوں تاکہ وہ اپنا کام کر سکے۔ یعنی قدیم ترین شرک کی صورت یہی تھی۔ یعنی کائنات کی تخلیق وبقا میں روح اور مادہ خدا کے ایسے شریک ہیں جن کے بغیر خدا کا وجود بے کار و بے معنی ہے۔ اسی عقیدہ کو عیسائیوں میں اللہ عیسیٰؑ اور مریم کی صورت میں تبدیل کر کے اختیار کیا گیا۔ یعنی دوسرے الفاظ میں اللہ پرم آتما ہے۔ اور عیسیٰؑ روح ہے اور مریمؑ مادہ ہے۔ یہ تینوں کائنات کی بنیاد اور بانی مبانی ہیں۔ آواگون یعنی آنا جانا۔ مثلاً آدمی مرا تو اُس کی روح کو، اگر وہ نیک آدمی تھا پھر آدمی کی صورت میں پیدا کر دیا۔ گناہ گار تھا تو گناہوں کے تناسب سے گدھا، گھوڑا، کتا، سؤر، کیڑے مکوڑے وغیرہ کی صورت میں دوبارہ دنیا میں بھیج دیا تاکہ اپنے گناہوں کی یا اچھائیوں کی جزا بھگتے۔

تناسخ یا آواگون اور تثلیث پر بہت سی بحثیں ہوتی رہی ہیں بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن حضرت علی علیہ السلام کے خطبات نے اُن فلسفیوں اور عقائد کا دیوالا نکال دیا ہے مگر کہیں کہیں اور کبھی کبھی یہ بحثیں پھر بھی سر اُٹھاتی رہتی ہیں۔ ابھی چند روز کی بات ہے کہ ایک شادی کی رسومات میں لڑکیاں اپنے نیگ وصول کرتے ہوئے دعائیہ گانے گا رہی تھیں اور ہر بزرگ کے سامنے بیٹھ کر ایسے جملے گاتی تھیں کہ:

''دُولہا کے دادا جم جم جیویں، جگ جگ جیویں۔'' ''دُولھن کے ماموں جم جم جیویں، جگ جگ جیویں۔''

اور جب تک کچھ رقم وصول نہ کر لیتی تھیں گائے چلی جاتی تھیں۔ میں نے اُن سے پوچھا کہ بیٹیو یہ بتاؤ کہ ''جم جم جیویں'' اور جگ جگ جیویں'' کا مطلب و معنی کیا ہیں؟ وہ تو بچیاں تھیں وہاں تو بڑے بڑے مردوں اور عورتوں کو بھی معلوم نہ تھا کہ ''جم جم'' کا مطلب ہے ''جنم جنم'' آدمی کی صورت میں جینے کی دعا اور جگ جگ کا مطلب ہے زندگی کے ہر دور میں جینے کی دعا۔ یعنی ہندو فلسفے میں ایک سَت جگ اچھا دور اور کل جگ بُرا دور ہوتے ہیں۔ یہ اَدوارِ زندگی بار بار آتے جاتے رہتے ہیں اور ایک خاص زمانے کے بعد یعنی کئی ایک ایسے ادوار گزرنے کے بعد پرلے (قیامت کی طرح زندگی کا خاتمہ ہو جاتا ہے) اور پرماتما پھر زندگی شروع کرتا ہے۔ مگر حساب کتاب حشر ونشر نہیں ہوتا۔ لہٰذا جگ جگ جیویں کا مطلب ہے ہر دورِ حیات میں انسان کی زندگی ملنے کی دعا۔

یہ سب کچھ ہم نے اس لئے لکھا ہے حضرت علی علیہ السلام کے خطبات میں وہ جملے ٹھیک سے سمجھ میں آ جائیں جنہیں اکثر دُہراتے رہتے ہیں۔ اللہ کو اوّل فرمانا۔ اُس سے پہلے کسی کا نہ ہونا۔ اُسے آخری ہستی کہنا اور اُس کے بعد کسی کا نہ رہنا۔ اُسے تنہا و یگانہ فرمانا اور اُس کے ساتھ کسی کا نہ ہونا وغیرہ دنیا کے مذکورہ فلسفوں کی تردید کے لئے فرمایا جاتا ہے۔ عربوں میں ساری دنیا کے مختلف فلسفوں کا نچوڑ پایا جاتا تھا۔ وہ سب کچھ تھے۔ لیکن با مذہب نہ تھے۔ وہ مذہب کو حصول اقتدار کا ذریعہ سمجھتے تھے اور کسی بھی مذہب کو اس مقصد کے لئے اختیار کر لیتے تھے۔ وہ سختی کے ساتھ دنیا دار و دُنیا پرست تھے۔ وہ مذاہب پر بڑی دُور رس نظر رکھتے تھے اور ہر عقیدے اور ہر فلسفے کو اقتدار و دولت کے لئے بہترین تدبر سے اختیار کرتے تھے۔ اِس

میں اُنہیں کمال حاصل تھا۔ وہ دن رات یہی سوچتے رہتے تھے کہ نبیؑ یا انبیاؑ کی کون سی بات کس طرح استعمال کی جائے کہ اُس سے زیادہ سے زیادہ دُنیاوی استفادہ کیا جاسکے۔ چنانچہ اُنہوں نے (Divide & Rule) لوگوں میں اختلاف اور دشمنی پیدا کر کے اُن پر قابو حاصل کر رکھا تھا۔ کوئی طبقہ انتہائی ذلیل کر کے قابو میں کیا ہوا تھا۔ بغض وکینہ وہ ہتھیار تھے جنہیں وہ بے دریغ استعمال کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ نے بغض وکینہ مٹادیا تو عربوں کو نقصان پہنچا۔ اُنہوں نے دشمنی کی آگ بجھادی تو عربوں کے لیڈر بے دست و پا ہوگئے۔

عرب دنیا میں ایسے مقام پر تھے کہ اُنہیں ہر اچھی بات اور ہر مفید اسکیم نقصان پہنچاتی تھی۔ وہ پہلے سے جانتے تھے کہ ایک نبیؑ انہیں کیسے نقصان پہنچاسکتا ہے؟ وہ نبیؑ کا توڑ بہت پہلے سے تیار کرتے تھے۔ پھر وہ یہ بھی جانتے تھے کہ نبیؑ کے مقابلے میں انہیں اپنا دفاع اور بچاؤ کیسے کرنا ہے۔ وہ جانتے تھے کہ نبیؑ کی دُکھتی رگیں کون کون سی اور کہاں کہاں ہوتی ہیں۔ اُن کا نبیؑ کے خلاف سب سے بڑا اور فطری اور قابل فہم حربہ یہ ہوتا تھا کہ نبیؑ ہمارے ہی جیسا ایک آدمی ہوتا ہے۔ 2۔ ہماری ہی طرح پیدا ہوتا اور پلتا بڑھتا ہے۔ 3۔ وہی کچھ کھاتا پیتا ہے جو ہم کھاتے پیتے ہیں۔ 4۔ لہٰذا اُس میں وہی کچھ ہوتا ہے جو ہم میں ہے۔ 5۔ وہی اچھے اور بُرے جذبات واحساسات۔ وہی میلانات وخواہشات، وہی خطا، بھول اور لغزش وکوتاہی وغلط کاری کی صفات۔ 6۔ وہ تنہا ہمارے ہر فرد سے کسی طرح بڑھ کر وبالاتر نہیں ہوسکتا۔ 7۔ خود اُس کے ماں باپ اور بزرگ اور قومی دانشور ولیڈر اُس سے بڑھ کر وبالاتر ہوتے ہیں۔ 8۔ وہ اُن ہی سے سیکھتا ہے جو کچھ بھی سیکھتا ہے وہ نہ زبان دانی میں پوری قوم سے بڑھ کر ہوسکتا ہے نہ تجربہ میں زیادہ ہوتا ہے۔ 9۔ نہ عقل وفہم وفراست وفطانت میں زیادہ ہوتا ہے۔ 10۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ اللہ نے اُس پر وحی بھیجنا شروع کی ہے تو یہ کیسے مانا جائے کہ وہ اس وحی کو باقی ساری قوم سے بہتر سمجھتا ہے۔ 11۔ وحی عربی میں ہے تو اُس سے بہتر عربی دان قوم میں موجود ہیں۔ جن سے خود اُس نے بولنا اور زبان سیکھی ہے۔ 12۔ اور جو اور بھی کئی ایک زبانیں جانتے ہیں۔

اِن کے علاوہ اور کئی ایک حربے قریشی لیڈر استعمال کرتے تھے۔ اور یقین رکھتے تھے کہ اُن کے حربوں سے بچ کر نکل جانا اور تو اور خود نبیؑ کے بس کی بھی بات نہیں ہے۔ اسی بنا پر اللہ نے رسولؐ اللہ کو چوکنا رکھنے کے لئے اُن سے ہوشیار اور بچ کر رہنے کی تاکید کی ہے۔

......وَاحۡذَرۡهُمۡ اَنۡ يَّفۡتِنُوۡكَ عَنۡۢ بَعۡضِ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ اِلَيۡكَ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاعۡلَمۡ اَنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ اَنۡ يُّصِيۡبَهُمۡ بِبَعۡضِ ذُنُوۡبِهِمۡ وَاِنَّ كَثِيۡرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوۡنَO(5/49)

''ہوشیار رہو اور اُن سے بچتے رہو کہیں یہ لوگ تم کو فتنہ میں ڈال کر اُس سامان سے منحرف نہ کردیں جو اللہ نے تمہاری طرف نازل کر کے بھیجا ہے۔''(5/49)

نوٹ کریں کہ لفظ فتنہ کے بنیادی معنی ''کسنے'' کے ہیں۔ یعنی ایسے حالات پیدا کرنا جن سے کھرا کھوٹا الگ الگ ہوجائے۔ جیسے سونے کو گرم کر کے اُس کا میل الگ کرنا۔ یعنی ایک سخت ترین آزمائش میں سے گزارنا۔ یہی معنی ہیں ہر اُس جگہ جہاں جہاں لفظ فتنہ، الفتنۃ، فتن بولے گئے یا بولے جاتے ہیں۔ چونکہ یہ قوم کے بڑے بڑے اور ماہر و دانشور تیار کرتے ہیں۔ اس لئے فتنہ میں عوام تو سو فیصد ناکام ونامراد رہ جاتے ہیں۔ اس لئے لفظ فتنہ بُرے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے۔ بہرحال اس قسم کی آزمائش کو موقع ومحل اور حالات کے ساتھ اس حسن سے ترتیب دیا جاتا ہے کہ لیڈروں کا مقصد حل ہوجاتا ہے۔ اور مذہبی پابندی کو لیڈر لوگ اپنے اجتہاد سے اس طرح ڈھیلا کردیتے ہیں کہ خلاف ورزی معلوم نہیں ہوتی۔ بلکہ دین کے مقاصد حاصل کرنے کے لئے وہ دین کی خلاف ورزی ضروری اور نیک کام معلوم ہونے لگے گی۔ چنانچہ قریش نے دین کی مکمل خلاف ورزیاں کی

تھیں مگروہ سب مجتہدانہ طرزِعمل سے نیکیاں معلوم ہوتی رہیں۔اورآج تک جاری ہیں۔مثلاً 1۔سال بھرمیں ایک مقررہ مہینے کی مقررہ تاریخوں میں زکوٰۃ وصول کرنا۔2۔اورمرکزی حیثیت سے وصول کرنااور۔3۔مرکزی خزانے یابیت المال میں جمع کرلینااور۔4۔ضرورتمندوں یازکوٰۃ کے حقداروں کی فہرستیں بنواکرمرکزمیں جمع کرنااور۔5۔مرکز سے زکوٰۃ حقداروں کوتقسیم کرنا۔یہ پانچ عدددین کی خلاف ورزیاں ہیں لیکن کسی کواُن میں سے کوئی بھی خلاف ورزی معلوم نہیں ہوتی۔بلکہ تمام ضروری معلوم ہوتی ہیں۔اِن پانچوں کوالگ الگ دین کی خلاف ورزی ثابت کرنے میں ہمارا کافی وقت لگےگااس لئے دوایسی باتیں بتاناکافی ہوگاجن سےاس پورےنظام کادین کےخلاف ہوناخودبخودسمجھ میں آجائےگا۔اول یہ کہ انسانوں کی ضرورتیں سال کی پابندی نہیں کرتیں یعنی بیماری،موت وزیست وسال گرہ وبرسی اورمقدمہ اورنقصان سال بھرکے پابندنہیں۔لہٰذاسیکڑوں ضرورتیں اورضرورتمندبروقت مددسےمحروم رہیں گےجواسلامی عقائدکےخلاف ہے۔اوردوسری بات عملاً دیکھ لوکہ یہ طریقہ کبھی بھی غرباکواغنیانہ بناسکاہےاورنہ بناسکےگا۔پھراللہ نےتوہرنمازکےساتھ زکوٰۃ دینےکاحکم دیاہے۔یعنی بتّیس(32)مرتبہ قرآن میں یہ حکم موجودہےلہٰذایہ نظام کھل کربتّیس(32)احکام کامخالف ہے۔یہ ہےقریش کاوہ اجتہادیاالفتنۃ جس سےپورےدین اسلام کوبےدینی میں تبدیل کردیاگیااورکسی کوبےدینی معلوم نہیں ہوتا۔ساتھ ہی یہ بھی سن لیں کہ زکوٰۃ کویہ مرکزی پوزیشن دینےمیں ہزارہانیک نمازی مسلمانوں کوتہ تیغ کیاگیا،لوٹاگیا۔غلام وکنیزیں بنایاگیاتھایعنی ہربےدینی جاری اورقائم کرنےمیں بےتحاشاقتل وغارت اورلوٹ مارکی گئی تھی۔لہٰذابات یہ ہورہی تھی کہ رسولؐ اللہ کواگرقبل ازوقت ہوشیارنہ کردیاہوتاتوقریشی اجتہادانہیں ضرورقرآن سےہٹالےجاتا۔قرآن سےسنئے۔

وَاِنۡ كَادُوۡا لَيَفۡتِنُوۡنَكَ عَنِ الَّذِىۡۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ لِتَفۡتَرِىَ عَلَيۡنَا غَيۡرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوۡكَ خَلِيۡلًا ۝ وَلَوۡلَاۤ اَنۡ ثَبَّتۡنٰكَ لَقَدۡ كِدۡتَّ تَرۡكَنُ اِلَيۡهِمۡ شَيۡـًٔـا قَلِيۡلًا ۝ اِذًا لَّاَذَقۡنٰكَ ضِعۡفَ الۡحَيٰوةِ وَضِعۡفَ الۡمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيۡنَا نَصِيۡرًا ۝(17/73-75)

مودودی کاترجمہ زیب دیتاہے۔سنئے۔

’’اےمحمدؐاُن لوگوں نےاس کوشش میں کوئی کسراُٹھانہیں رکھی کہ تمہیں فتنےمیں ڈال کراُس وحی سےپھیردیں جوہم نےتمہاری طرف بھیجی ہے۔تاکہ تم ہمارےنام پراپنی طرف سےکوئی بات گھڑو۔اگرتم ایساکرتےتووہ ضرورتمہیں اپنادوست بنالیتے۔اوربعیدنہ تھاکہ اگرہم تمہیں مضبوط نہ رکھتےتوتم اُن کی طرف کچھ نہ کچھ جھک جاتے۔لیکن اگرتم ایساکرتےتوہم تمہیں دنیامیں بھی دوہرےعذاب کامزاچکھاتےاورآخرت میں بھی دوہرےعذاب کا۔پھرہمارےمقابلےمیں تم کوئی مددگارنہ پاتے۔‘‘(تفہیم القرآن جلد2 صفحہ 633-632)

مودودی کی تشریح میں رسولؐ اللہ کامقام۔

اس ترجمہ پربعدمیں بات ہوگی پہلےمولانامودودی کےیعنی ایک قریش پرست اورقریشی عالم کےوہ احساسات وجذبات نوٹ کرلیں جووہ رسولؐ اللہ کےمتعلق رکھتےہیں وہ لکھتےہیں کہ:

’’87 یہ اُن حالات کی طرف اشارہ ہےجوپچھلےدس بارہ سال سےنبی صلی اللہ علیہ وسلم کومکہ میں پیش آرہےتھے۔کفارِمکہ اس بات کےدرپےتھےکہ جس طرح بھی ہوآپؐ کوتوحیدکی اُس دعوت سےہٹادیں جسےآپؐ پیش کررہےتھے۔اورکسی نہ کسی طرح آپؐ کومجبورکردیں کہ آپ اُن کےشرک اوررسوم جاہلیت سےکچھ نہ کچھ مصالحت کرلیں۔اس غرض کےلئےاُنہوں نےآپ کوفتنےمیں ڈالنےکی ہرکوشش کی۔فریب بھی دیئے۔لالچ بھی دیئے۔دھمکیاں بھی دیں۔جھوٹےپروپیگنڈےکاطوفان بھی اُٹھایا۔ظلم وستم بھی کیا۔معاشی دباؤبھی ڈالا۔معاشرتی مقاطعہ

بھی کیا۔اوروہ سب کچھ کرڈالا جو کسی انسان کے عزم کو شکست دینے کے لئے کیا جا سکتا تھا۔‘‘(ایضاً جلد 2 صفحہ 632-633)

دوسری تشریح:

’’88۔ اللہ تعالیٰ اس ساری رُوداد پر تبصرہ کرتے ہوئے دو باتیں ارشاد فرماتا ہے ایک یہ کہ اگر تم حق کو حق جان کر اس کے بعد باطل سے کوئی سمجھوتہ کر لیتے تو یہ بگڑی ہوئی قوم تو ضرور تم سے خوش ہو جاتی۔ مگر خدا کا غضب تم پر بھڑک اُٹھتا اور تمہیں دنیا و آخرت دونوں میں دُہری سزا دی جاتی۔ دوسرے یہ کہ انسان خواہ پیغمبر ہی کیوں نہ ہو خود اپنے بل بوتے پر باطل کے اِن طوفانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا جب تک اللہ کی مدد اور اُس کی توفیق شامل حال نہ ہو۔ یہ سراسر اللہ کا بخشا ہوا صبر وثبات تھا جس کی بدولت نبی صلی اللہ علیہ وسلم حق وصداقت کے موقف پر پہاڑ کی طرح جمے رہے کوئی سیلابِ بلا آپ کو بال برابر بھی اپنی جگہ سے نہ ہٹا سکا۔‘‘(ایضاً صفحہ 633)

مودودی کو کیوں انتخاب کیا گیا؟ اس لئے کہ وہ بھی وہی عقائد رکھتا ہے جو ابو بکر و عمر و قریش کے عقائد تھے اور آج دنیا میں محمدؐ و آل محمدؐ کا سب سے بڑا دشمن ہے اور ایسے مواقع کی تلاش میں رہتا ہے جہاں اُسے نبوت اور نبیؐ کی خامی دکھانے کا موقع ملے۔ چنانچہ ان آیات میں اُسے یہ موقع مل گیا کہ اگر اللہ نے رسولؐ کو محفوظ رکھنے کا انتظام نہ کیا ہوتا تو وہ قرآن کے خلاف قریش کے فتنے میں پھنس جاتے۔ اور اللہ کی مخالفت پر قریش سے سمجھوتہ کر لیتے۔ خود ہم نے بھی یہ آیات اس لئے پیش کی تھیں کہ قریش کی سوجھ بوجھ اور فتنہ سازی کا وزن دکھائیں۔ چنانچہ اللہ نے یہ وزن دکھا دیا۔ کہ اگر رسولؐ اللہ کو اللہ نے ثبات عطا نہ کر رکھا ہوتا تو قریش کا فتنہ غالب آ جاتا۔ یہ تو تھی قریش کے فتنوں اور آزمائشوں کی عظمت۔ اور وہ تھی رسولؐ اللہ کی عظمت کہ اُن کو خدا نے ایسا تیار کیا تھا کہ قریش ایسی عظیم مکار و عیار قوم بھی اُن کے سامنے چِت کر رہ جاتی تھی۔ اور ہم اس سلسلے میں ابھی بہت کچھ لکھنے والے ہیں لیکن مودودی کی بے دینی اور مکر پہلے واضح کر دیں تا کہ اُس کی دشمنی سامنے آ جائے۔ اُن آیات (17/73-75) میں کہیں بھی ’’دوہرا عذاب‘‘ دیئے جانے کی بات ہے نہ لفظ عذاب ہے۔ وہاں تو اَذَقْنٰکَ ضِعْفَ الْحَیٰوۃِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ’’**تجھے دوہری زندگی اور دوہری موت چکھاتے**‘‘ یعنی مودودی اینڈ کمپنی نے اپنی دشمنی کی جیب سے لفظ عذاب لے کر اپنے ترجمہ میں شامل کر دیا ہے۔

یہاں یہ نوٹ کر لیں کہ شیعوں کے بہت مستند مترجم جن کے ترجمے والے قرآن جہیز میں دینے کا دستور شیعوں میں جاری ہے۔ یعنی مولوی حافظ فرمان علی اور مقبول احمد بھی علامہ مودودی کی کمپنی میں شامل ہیں۔ اپنے اپنے گھر کے قرآن میں ان آیات (17/73-75) کا ترجمہ دیکھ لیں۔ اور سوچیں کہ ان مترجمین کو شیعہ سمجھنے والے کس مذہب کے لوگ ہیں؟

2۔ جس طرح شرک کی نفی کیلئے حضورؐ اپنے خطبات میں اللہ کی صفات کو دُہراتے ہیں اُسی طرح قریشی حربوں کی نفی کرتے ہیں۔

اب یہ بتانے کا صحیح موقع آ گیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام قریش کے مذکورہ بالا حربوں اور دیگر عقائد کی نفی کرنے کے لئے بار بار شجرۂ رسولؐ، صفاتِ رسولؐ اور مقام اہل بیتؑ بیان فرمایا کرتے ہیں۔ چنانچہ اس خطبے میں بھی چند جملے آنحضرتؐ کی جسمانی تخلیق پر فرمائے ہیں۔

مُسْتَقَرُّہٗ خَیْرُ مُسْتَقَرٍّ؛ وَمَنْبَتُہٗ اَشْرَفُ مَنْبَتٍ؛ فِیْ مَعَادِنِ الْکَرَامَۃِ وَمَمَاھِدِ السَّلَامَۃِ؛ (خطبہ 135، جملے 5 تا 6)

’’آنحضرتؐ کی نشوونما کے لئے ٹھہرانے کا مقام نشوونما کا بہترین مقام تھا۔ اُن کے جسمانی وجود کو اختیار کرنے کی جگہ جسمانی وجود کے لئے اشرف ترین جگہ تھی۔ انہیں عزت اور بزرگی کی کانوں میں رکھا گیا اور سلامتی کے گہوارے میں پالا گیا۔‘‘

یہ دو جملے نفی کرتے ہیں اُس تصور کی کہ آنحضرتؐ بھی عام انسانوں کی طرح نشوونما پا کر اور عام انسانوں کی طرح جسمانی ساخت کے ساتھ

پیدا ہوئے تھے۔ یہاں تو اُنہیں تمام قرارگاہوں یا ٹھہرنے کی جگہوں سے بہترین قرارگاہوں میں ٹھہرانے کا ذکر فرمایا ہے۔ سوچنا یہ ہوگا کہ وہ کون سی قرارگاہ ہوسکتی ہے جو تمام قرارگاہوں سے بہتر ہو؟ یعنی وہ نہ ایسا صلب ہوسکتا ہے جیسا کہ انسانی صلب ہوتا ہے نہ وہاں وہ سامان موجود ہوسکتا ہے جو انسانی اصلاب میں ہوا کرتا ہے۔ وہ صلب یا اصلاب جن میں رسولؐ اللہ نے نشوونما پائی اللہ کی حیران کن قدرت وقوت سے تیار کئے گئے ہوں اور وہاں نشوونما کا وہ انتظام کیا تھا جو انسانی عقل وفہم کے دائرے سے ماوریٰ تھا وہاں کیا کیا ملا تھا؟ یہ کسی زبان میں ادا کرنے کی گنجائش نہیں ہوسکتی۔ پھر اُن کے لئے اُسی معیار پر جسمانی وجود فراہم کرنے کا انتظام درکار ہے۔ یعنی وہ انتظام جو نور کو مکدر نہ کرے، نور پر گراں نہ گزرے، جو کرامۃ کی بنیادوں میں ودیعت ہو یعنی مطلق افادیت کا سرچشمہ ہو۔ جو جب چاہیں جس صورت وشمائل میں چاہیں تبدیل ہوتا رہے۔ قد وقامت وجسامت مستقل پابندی نہ بن جائے۔ ہر رنگ ہر روپ اختیار کرلے اور تبدیلی کا اثر تک باقی نہ رہے۔ ہر لحہ معطر وعطر بار رہے۔ جب چاہیں انگلیوں سے پانی یا دودھ کی دھاریں بہنے لگیں۔ پسینہ جمع کیا جائے تو تمام دنیاوی خوشبوؤں کو ماند کردے۔ جسے سلامتی پرورش کرے سلامتی سلام کرے جہاں زوال وموت وتنزل اور خستگی کا گزر نہ ہوسکے۔ درماندگی اور بے چارگی پاس نہ پھٹکنے پائے توانائی، قدرت واختیار کے دھارے بہتے ہوں۔ ساری قوت سارا علم وحکمت، ساری بصیرت وتمام انوار وہاں مجتمع ہوجائیں۔ دوسرے مختصر اور جامع الفاظ میں اُنہیں ظہور خداوندی کا مرقع ومجسمہ بنادیا جائے اور اللہ کے ساتھ ایک ضمیر کے ساتھ اور اللہ کی جگہ پکارا جائے۔ فرمایا گیا تھا:

ے اِدھر مخلوق میں شامل اُدھر اللہ سے واصل
خواص اُس برزخ کبریٰ میں ہے حرفِ مُشدّد کا

3۔ خطبہ کے آخری جملوں میں نیک لوگوں اور قریشی لیڈروں کا ذکر ہے۔

یہاں یہ فرمایا ہے کہ تمام نیک لوگوں کے قلوب واذہان اور توجہات رسولؐ سے وابستہ ہوگئی تھیں اور آنحضرتؐ نے قریش کے ڈالے ہوئے تمام کینوں اور دشمنی کی بھڑکائی ہوئی آگ کو دفن اور ٹھنڈا کردیا تھا اور جن لوگوں میں اصلاح کی گنجائش تھی اُن کی تالیف قلب کرکے صرف اُن کو بھائی بھائی بنادیا تھا۔ اور پہلے سے جن لوگوں نے گٹھ جوڑ اور جتھہ بندیاں کررکھی تھیں اُن میں تفرقہ وانتشار پھیلا دیا تھا اور انہیں ذلیل وخوار کردیا تھا اور جن کو انہوں نے ذلیل کررکھا تھا انہیں معزز بنادیا تھا اور آخری بات یہ کہ حضورؐ کا کلام ایک مکمل بیان ہوا کرتا تھا۔ اسی اصول پر اللہ نے قرآن کو رسولؐ کریم کی ایک بات فرمایا ہے (الحاقۃ 69/40) (تکویر 81/19) اور آپؐ کی خاموشی کو عِلمُ الِلّسان فرمایا ہے (خطبہ 135، جملہ 16)۔

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر: 97

علی نقی طہرانی: خطبہ نمبر:98

خُطبہ ﴿136﴾

دنیا میں رہنے کا کامیاب و پسندیدہ طریقہ؟

1۔گزشتہ حالات اور آئندہ کے حالات کے لئے اللہ سے کیا مانگنا یا کہنا چاہئے؟ 2۔دنیا انسانوں کے ساتھ کیا سلوک کرتی ہے؟اور انسانوں کو دنیا کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہئے؟3۔اہل دنیا مسافر ہوتے ہوئے خود کو منزل پر مقیم سمجھتے ہیں۔4۔دنیاوی نعمتوں عزتوں اور دیگر سامان کا حال؟5۔باپ دادا کا حال سبق آموزی کے لئے کافی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ عَلٰی مَا کَانَ ؛	1	جو کچھ ہو چکا ہے ہم اس پر اللہ کی حمد وثنا کرتے ہیں۔
وَنَسۡتَعِیۡنُہٗ مِنۡ اَمۡرِنَا عَلٰی مَایَکُوۡنُ ؛	2	اور جو کچھ ہونے والا ہے اس میں ہم اپنے معاملات میں اللہ سے مدد چاہتے ہیں۔
وَنَسۡأَلُہُ الۡمُعَافَاۃَ فِی الۡاَدۡیَانِ کَمَا نَسۡأَلُہُ الۡمُعَافَاۃَ فِی الۡاَبۡدَانِ ؛	3	اور ہم تمام ادیان کی نگہداشت اور سلامتی کی اللہ سے اسی طرح دعا کرتے ہیں جس طرح تمام بدنوں اور اجسام کی صحت وسلامتی کی دعا کرتے ہیں۔
عِبَادَاللّٰہِ اُوۡصِیۡکُمۡ بِالرَّفۡضِ لِھٰذِہِ الدُّنۡیَا التَّارِکَۃُ لَکُمۡ وَاِنۡ لَّمۡ تُحِبُّوۡا تَرۡکَھَا ؛	4	خدا کے بندو میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ تم اس دنیا کے رافضی بن جاؤ اس کی ذاتی قدر و قیمت کا انکار کر دو کیوں کہ یہ دنیا تمہیں بے یارو مددگار چھوڑ دینے والی ہے گو تمہیں اس کا چھوڑنا پسند نہ ہو۔
وَالۡمُبۡتَلِیَۃِ لِاَجۡسَامِکُمۡ وَاِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ تَجۡدِیۡدَھَا ؛	5	اور یہ دنیا تمہارے جسموں کو گھول گھول کر پرانا اور بوسیدہ کرتی جاتی ہے گو تمہاری کوشش اور پسند یہ ہے کہ وہ تازہ اور نئے بنے رہیں۔
فَاِنَّمَا مَثَلُکُمۡ وَمَثَلُھَا کَسَفۡرٍ سَلَکُوۡا سَبِیۡلًا فَکَاَنَّھُمۡ ؛قَدۡقَطَعُوۡہُ ؛ وَ اَمُّوۡا عَلَمًا فَکَاَنَّھُمۡ قَدۡ بَلَغُوۡہُ ؛	6	چنانچہ تمہاری اور اس دنیا کی مثال تو یوں ہے کہ جیسے کچھ لوگ مل کر سفر کریں اور ابھی راستہ ہی میں ہوں اور سمجھ لیں گویا انہوں نے راستہ اور سفر طے کر لیا ہے اور کسی میل یا دور کے نشان پر نگاہ رکھیں اور سمجھ لیں گویا وہ وہاں پہنچ چکے ہیں۔
وَکَمۡ عَسَی الۡمُجۡرِیُ اِلَی الۡغَایَۃِ اَنۡ یُّجۡرِیَ اِلَیۡھَا حَتّٰی یَبۡلُغَھَا ؛	7	یہ کتنا تکلیف دینے والا وہم ہے اس شخص کے لئے جسے صحیح معنی میں سفر طے کر کے اور دوڑ لگا کے اپنی منزل تک پہنچنا ہو؟ (اور کیسے نقصان میں ہیں وہ لوگ جو سفر ہی کو منزل سمجھ کر مطمئن ہو جائیں)۔

وَمَا عَسَى اَنْ يَّكُوْنَ بَقَآءُ مَنْ لَهُ يَوْمٌ لَّايَعْدُوْهُ ،وَطَالِبٌ حَثِيْثٌ تَحْدُوْهُ فِي الدُّنْيَا حَتّٰى يُفَارِقَهَا ؛	8	اور اس شخص کے لئے بقا کیسے ممکن ہے کہ جس کے لئے ایک ایسا دن ہو کہ جس کے آگے وہ بڑھ نہیں سکتا ہے اور ایک بہت تیز رفتار ہستی اسے نغمہ موت سنا کر ہانک رہی ہو یہاں تک کہ اس دنیا سے جدا ہو جائے۔
فَلَاتَنَا فَسُوْا فِيْ عِزِّ الدُّنْيَا وَفَخْرِهَا ؛	9	اس دنیا کی عزت حاصل کر کے فخر کرنے میں مقابلہ بازی نہ کرو۔
وَلَا تَعْجَبُوْا بِزِيْنَتِهَا وَنَعِيْمِهَا ؛	10	اور دنیا کی زیبائشوں اور نعمتوں پر حیران اور مسرور نہ ہوا کرو۔
وَلَا تَجْزَعُوْا مِنْ ضَرَّآئِهَاوَبُؤْسِهَا ؛	11	اور دنیا کی تنگیوں اور سختیوں پر واویلا اور فریاد نہ کیا کرو۔
فَاِنَّ عِزَّهَا وَفَخْرَهَا اِلَى انْقِطَاعٍ ؛	12	اس لئے کہ دنیاوی عزت اور یہاں کا فخر دونوں منقطع ہو جانے والے ہیں۔
وَاِنَّ زِيْنَتَهَا وَنَعِيْمَهَا اِلٰى زَوَالٍ ؛	13	اور یقیناً اس کی زیبائش و آرائش اور نعمتیں زوال سے دوچار رہتی ہیں۔
وَضَرَّآئَهَاوَبُؤْسَهَا اِلٰى نَفَاذٍ ؛	14	اور اس کی تنگی اور سختیاں ختم ہو جاتی ہیں۔
وَكُلُّ مُدَّةٍ فِيْهَا اِلَى انْتِهَآءٍ ؛	15	اور دنیا کی ہر مدت کا ایک انتہا پر خاتمہ ہو جاتا ہے۔
وَكُلُّ حَيٍّ فِيْهَا اِلٰى فَنَآءٍ ؛	16	دنیا میں ہر زندہ ہستی کے لئے فنا کے گھاٹ اترنا مانا ہوا ہے۔
اَوَلَيْسَ لَكُمْ فِيْ آثَارِ الْاَوَّلِيْنَ مُزْدَجَرٌ ؟	17	یا یہ کہ کیا تمہارے لئے قدیم الایام کے لوگوں کے حالات اور نشانات اور آثار میں تنبیہ اور ڈرانے والی کوئی چیز نہیں ہے؟
وَفِيْ اٰبَائِكُمُ الْمَاضِيْنَ تَبْصِرَةٌ وَمُعْتَبَرٌ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ؟	18	اور کیا تمہارے گزرے ہوئے باپ دادوں میں تمہارے لئے سوچنے سمجھنے کے بعد بھی کوئی عبرت اور سبق نہیں ہے؟
اَوَلَمْ تَرَوْا اِلَى الْمَاضِيْنَ مِنْكُمْ لَايَرْجِعُوْنَ ؟	19	کیا تم نے اپنے میں سے گزر جانے اور مر جانے والوں کو نہیں دیکھا کہ ان میں سے کوئی بھی واپس نہیں آتا؟
وَاِلَى الْخَلَفِ الْبَاقِيْنَ لَايَبْقُوْنَ ؟	20	اور باقی اور پیچھے رہ جانے والوں کو بھی نہیں دیکھتے کہ وہ بھی باقی رہنے والے نہیں ہیں؟
اَوَلَسْتُمْ تَرَوْنَ اَهْلَ الدُّنْيَايُمْسُوْنَ وَيُصْبِحُوْنَ عَلٰى اَحْوَالٍ الشَّتّٰى ؛	21	اور کیا تم دنیا کے اندر ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جن پر روزانہ نئے نئے اور مختلف حالات گزرتے رہتے ہیں صبح کسی حال میں ہیں تو شام کو کوئی اور حالت ہے۔
فَمَيِّتٌ تُبْكٰى وَالْاٰخَرُيُعَزّٰى ؛	22	کہیں کوئی جنازہ ہے جس پر لوگ رو پیٹ رہے ہیں اور کہیں کسی کی ماتم پرسی ہو رہی ہے۔
وَصَرِيْعٌ مُبْتَلٰى ،وَعَائِدٌ يَعُوْدُ ؛	23	کوئی بے بس اور بیماری میں مبتلا ہے اور کوئی عیادت کرنے والا حالات معلوم کر رہا ہے
وَآخَرُ بِنَفْسِهٖ يَجُوْدُ ؛	24	اور کوئی دوسرا دم توڑ رہا ہے۔
وَالطَّالِبُ لِلدُّنْيَا وَالْمَوْتُ يَطْلُبُهٗ ؛	25	کوئی دنیا کی تلاش میں ہے اور موت اس کی طلب میں ہے۔

وَغَافِلٌ وَّلَيْسَ بِمَغْفُوْلٍ عَنْهُ ؛	26	کوئی بالکل غفلت کی حالت میں ہے لیکن موت اس سے غافل نہیں۔
وَعَلٰى اَثَرِ الْمَاضِىْ مَايَمْضِى الْبَاقِىْ ؟؟	27	جولوگ گزر اور مر گئے ہیں انہی کے قدم بقدم باقی زندہ لوگ چلے جارہے ہیں۔
اَلَافَاذْكُرُوْاهَادِمَ اللَّذَّاتِ ؛وَمُنَغِّصَ الشَّهَوَاتِ وَقَاطِعَ الْاُمْنِيَّاتِ عِنْدَ الْمُسَاوَرَةِ لِلْاَعْمَالِ الْقَبِيْحَةِ ؛	28	خبردار کبھی کبھی موت کو بھی یاد کرلیا کرو۔ جو تمام خواہشوں کو اور لذتوں کو ویران کر دیتی ہے۔ اور تمام تمناؤں کا قلع قمع کر ڈالتی ہے۔ لہٰذا گھناؤنے اعمال کے وقت موت کو یاد کرنا تمہارے لئے حفاظت کا کام کرے گا۔
وَاسْتَعِيْنُوا اللّٰهَ عَلٰى اَدَآءِ وَاجِبِ حَقِّهٖ ، وَمَا لَا يُحْصٰى مِنْ اَعْدَادِ نِعَمِهٖ وَاِحْسَانِهٖ ؛	29	اور اللہ سے مدد طلب کیا کروتا کہ تم اس کے واجب حقوق کو ادا کرسکو اور اس کی ان نعمتوں اور احسانات کا شکر ادا کرسکو جن کی تعداد کو کسی طرح شمار نہیں کیا جاسکتا ہے۔

تشریحات:

گو اس خطبے کی تشریحات خود ترجمے کے اندر موجود ہیں اور الگ سے تشریحات کی احتیاج باقی نہیں ہے لیکن نوجوانوں اور اسلامی تعلیمات سے کم واقفیت رکھنے والوں کے لئے بعض جملوں اور اہم پہلوؤں پر چند تصریحات پیش کرنا ازبس ضروری ہے۔ مثلاً پہلے جملے سے واضح ہوتا ہے کہ مومنین کو اُن تمام اچھے اور بُرے حالات کے لئے اللہ کی حمد وثنا کرنا چاہئے جو گزر چکے ہیں۔ اور یہیں سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ہمیں ہر طرح کے حالات پر مشیت خداوندی کی رعایت کی وجہ سے صبر وشکر بجالانا چاہئے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ بُرے حالات کو بُرا نہ سمجھا جائے۔ ضرور بُرا سمجھئے مگر اُن کے اسباب کی کھوج لگا کر اُن کا تدارک کیجئے اور اُن کے پیدا ہونے اور برقرار رہنے کا قانونِ خداوندی سے سدّباب کیجئے۔ حمد وثنائے خداوندی اس لئے بھی ضروری ہے کہ اللہ کی طرف سے ہر فکر وعمل کا وہی نتیجہ برآمد ہو رہا ہے جو اُن کا مقررہ اور لازمی نتیجہ تھا۔ خواہ مخواہ کوئی ناجائز نتیجہ برآمد نہیں ہو رہا ہے جو گرانی طبع کا باعث ہو۔ جو کچھ کیا گیا وہی کچھ سامنے آتا ہے کوئی زیادتی یا ظلم نہیں کیا جاتا ہے۔ خطا یا غلطی خواہ ہماری ہو یا کسی اور کی ہو۔ انفرادی غلطی ہو یا اجتماعی ہو نتیجہ بہر حال عدل کی میزان میں تُلا ہوا سامنے آتا ہے۔ لہٰذا حمد وثنا اور محتاط زندگی جینا واجب ہوتا چلا جاتا ہے۔ حالات پسندیدہ ہوں یا ناپسندیدہ ہوں ہمیں قانونی زندگی جینے کا تقاضا کرتے ہوئے آتے ہیں اور گزرتے چلے جاتے ہیں۔ مگر حقیقی مومنین اُنہیں روک کر یا خود رُک کر یہ پتہ لگاتے ہیں کہ وہ کیوں آئے؟ اُن کے آنے کی وجہ اور سبب کیا ہے؟ کیا کیا جاتا کہ وہ نہ آتے؟ اور اب کیا کیا جائے کہ وہ آئندہ نہ آئیں۔ اور اچھے حالات ہیں تو بار بار آئیں۔ اور یہ پتہ لگانے میں بھی حمد وثنائے خداوندی مدد ومعاون ہوگی۔

2۔ آنے والے حالات وواقعات میں اللہ سے مدد طلب کرنے کا مطلب تو ظاہر ہے یعنی یہ کہ اللہ سے دعا کرنا۔ لیکن دعا کرنے کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ مدنظر رکھنا ہوگا کہ ہم نے کیسا عمل کیا ہے؟ اور کیا یہ سمجھ کر عمل کیا ہے کہ اُس کا نتیجہ برآمد ہوگا اور ہمیں اُس نتیجے کو بھگتنا پڑے گا؟ لہٰذا عملی کوتاہی اگر ہوئی ہے تو دعا میں اُس کوتاہی کو سامنے رکھنا ہوگا اور اللہ سے اس کوتاہی کو اچھائی میں تبدیل کرنے کی التجا کرنا ہوگی۔ اور اپیل کرنا ہوگی کہ خدایا تو نے نیکوکار مومنین سے وعدہ فرمایا ہے کہ ہم اُن کی کوتاہیوں اور غلطیوں کو چھپالیں گے اور اُن کو اُن کے اعمال سے بہتر جزا دیں گے۔''

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِىْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝(29/7 سورہ عنکبوت)

لہٰذا ہم سے لاعلمی اور غفلت میں فلاں فلاں کوتاہی سرزد ہوگئی ہے۔ بحق محمدؐ وآل محمدؐ اُس کوتاہی کے بُرے نتیجے سے بچا کر ہمیں اپنے فضل وکرم سے بہترین حالات ونتائج سے سرفراز فرما۔

3۔ محمدؐ وعلیؑ وآئمہؑ طاہرین اور اُن کے پیرو تمام ادیانِ عالم کی خیر وصلاح چاہتے ہیں۔

حضور علیہ السلام کا تیسرا جملہ ساری نوع انسان کی صحت مندی اور تمام ادیان عالم کی خیر وصلاح اور بہبود طلب کرنے کا تقاضا کرتا ہے۔ لہٰذا ہمیں اُن سے کوئی پرخاش یا تعصب نہ رکھنا چاہئے۔ اور اللہ سے اپنی دعاؤں اور التجاؤں میں اُن کی خیر وصلاح اور بہبود کی طرف متوجہ رہنا چاہئے۔ عملاً اُن کے ساتھ احترام اور محبت کا سلوک اور نیکیوں میں تعاون جاری رکھنا چاہئے۔ یہ نوٹ کرلیں کہ حضورؐ نے ادیان فرمایا ہے مذاہب یا فرقے نہیں کہا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کے مختلف خودساختہ فرقوں کو اس میں شامل نہ سمجھیں بلکہ یہود ونصاریٰ ومجوس وہنود وپارسی وغیرہ ادیان مطلوب ہیں۔ بدھ مذہب دین نہیں ہے۔ کمیونسٹ وسوشلسٹ دین ہیں نہ مذاہب ہیں۔ نہ کسی دین کے فرقے ہیں۔ یہ انسان ساز قواعد وقوانین پر عمل کرنے والے اور دشمنان دین ومذاہب ہیں اُن کے ساتھ اور اسلامی فرقوں کے ساتھ ہمارا سلوک قانونِ خداوندی کے مطابق ہوگا۔ پُرخلوص اور اغوا شدہ لوگوں سے ہماری ہمدردیاں وابستہ رہیں گی اُن کے مغالطات کو دُور کرنا ہمارا فریضہ ہوگا مگر جب وہ خود مطالبہ کریں۔ تبلیغ ہم کسی کو نہیں کریں گے جب تک حضور حضرت حجۃ قائم قیامت محمد بن امام حسن عسکری علیہم السلام کی کھلی اجازت نہ ہوگی۔ سائل اگر ہم تک پہنچ کر سوال کرے گا تو اُسے اطمینان بخش جواب دینا لازم ہوگا۔ ہم کسی کی ہدایت یا گمراہی کے نہ ذمہ دار ہیں نہ اس کی پرواہ کرتے ہیں۔

4۔ چوتھے جملے کی رُو سے لفظ رافضی کے معنی متعین کردیئے ہیں کسی چیز کی ذاتی قدر وقیمت کا انکار کرکے اُسے چھوڑ دینا رِفض ہے۔

چونکہ پیروانِ علیؑ نے ابوبکر وعمر وعثمان وعائشہ وحفصہ ابوعبیدہ نائی یا جراح اور اُن کے تمام طرفداروں اور قریش کی ہر ذاتی قدر وقیمت کا صفاچٹ انکار کرکے انہیں دین سے خارج سمجھ لیا تھا۔ اس لئے انہیں دشمنانِ محمدؐ وآل محمدؐ نے رافضیوں کا لقب دیا تھا۔ جسے اُنہوں نے منظور کرلیا تھا اور بعض جوشیلے شیعہ تو اس لقب رافضی کو اپنے نام کے ساتھ مستقلاً بولتے اور لکھتے رہے ہیں اور پیروانِ خلفائے ثلاثہ عام شیعوں کو رافضی کہتے رہے ہیں۔ زمانہ کے گزرنے کے ساتھ ساتھ دونوں فریق اصل معنی ومطلب سے ناواقف رہ گئے۔ مگر یہ لقب رافضی استعمال ہوتا ہوا ہمارے زمانہ چودہویں صدی کے اختتام تک چلا آیا اور رفتہ رفتہ شیعوں نے رافضی کو بطور گالی محسوس کرنا اور بُرا ماننا شروع کردیا اور متعصب سُنیوں نے بھی اسے گالی کی طرح استعمال کرنا شروع کردیا مگر نوٹ کریں کہ یہ لفظ رافضی ہماری صحیح کیفیت وعقائد کا ترجمان ہے۔ رافضی کہلانے پر اصرار کریں اور لوگوں کو بتائیں کہ یہ لقب ہمارے آئمہؑ نے بھی پسند کیا ہے۔ لہٰذا میں رافضی ہوں میرا باپ رافضی تھا میرا سارا خاندان رافضی ہے۔ میری قوم ومذہب سے ہر وہ شخص خارج ہے جو دل سے رافضی نہ ہو۔ یہ ایک تبرّا ہے اگر اہل سنت اس تبرّے کو اختیار کرتے ہیں تو انہیں نہ روکو بُرا نہ مانو بلکہ خوشیاں مناؤ کہ وہ خود اپنے منہ سے ہمیں ابوبکر وعمر وعثمان وغیرہ کا منکر کہتے ہیں۔

5۔ خطبے کے باقی جملے اختتام تک بتاتے ہیں کہ ایک شخص جو علیؑ کا پیرو ہونے کا دعویٰ کرتا ہے وہ ہرگز غافل نہیں ہوتا۔

خطبے کا باقی حصہ حقیقی مومنین پر تقاضا کرتا ہے کہ وہ ایک لمحہ کے لئے بھی موت سے غافل نہ رہیں اسے ہر وقت یاد رکھیں اور اُس کے لئے قبل از وقت تیار رہیں۔ دنیا کی نعمتوں اور زیبائشوں سے مسافر کی طرح فائدہ اٹھائیں۔ سفر آخرت کے لئے تیار رہیں واجبات دینی ادا کرتے رہیں دوسروں کو بھی چوکنا رکھیں۔ تمام حالات پر نظر رکھیں۔ ہمدردی اور غمگساری میں مصروف رہیں اور ہر ملنے والی نعمت پر اللہ کی شکرگزاری جاری

رکھیں۔اور سمجھ لیں کہ یہ وجود بھی اللہ کی نعمت ہے یہ صحت، یہ حسین و مضبوط اعضا۔ یہ رنگ و رعنائی یہ فہم و فراست یہ دانائی۔ یہ قلب و ذہن اور یہ حافظہ اور یہ بولنے کا مادہ تمام ہی خدا کی نعمتیں ہیں۔جسم پر اتنے بال نہیں جتنی نعمتیں اللہ نے چاروں طرف پھیلا رکھی ہیں لہٰذا چلتے پھرتے اُٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے شکر خداوندی بھی بجالاتے رہیں اور شکر محمد و آل محمد علیہم السلام بھی بجالاتے رہیں اس لئے کہ اگر وہ نہ ہوتے تو نہ کوئی نعمت ہوتی اور نہ ہم نعمتوں سے سرفراز ہوتے یہ سب اُن حضرات علیہم السلام کا صدقہ ہے کہ ہم آج صحیح و سالم ہی نہیں ہیں بلکہ اُن کی وجہ سے ہدایت یافتہ بھی ہیں۔ اُن ہی کے صدقہ میں اللہ کی معرفت حاصل ہوئی ہے اور یہ روزانہ بڑھتے جانے، بالادستی دلانے والا علم ملا ہے۔نعمتیں ہم پر برس رہی ہیں۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّی عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ آلِ مُحَمَّدٍ .

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر: 98

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 99

خُطبہ ﴿137﴾

اللہ، محمدؐ اور آلِ محمدؐ۔ اُن کی صفات اور مقام

1۔اللہ کا دامنِ فضل پھیلا ہوا اور دستِ کرم بڑھا ہوا ہے۔2۔محمد صلی اللہ علیہ وآلہ نے کیا کیا؟3۔حقِ مطلق کا اپنے بعد پرچم چھوڑا، یعنی کون؟4۔ ہر لحہ موجود رہنے والے راہنمؑا چھوڑے۔5۔جس کا انتظار تھا وہ دکھا دیا۔6۔اہلبیتؑ رسولؐ تا قیامت راہنمائی کریں گے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ النَّاشِرِ فِى الۡخَلۡقِ فَضۡلَهٗ ؛	1	تمام ستائش اللہ کیلئے ہے جس نے ساری مخلوقات میں اپنا دامن فضل پھیلا رکھا ہے
وَالۡبَاسِطِ فِيۡهِمۡ بِالۡجُوۡدِ يَدَهٗ ؛	2	اور جس نے اپنی سخاوت اور لطف وکرم کا ہاتھ دراز کر رکھا ہے۔
نَحۡمَدُهٗ فِىۡ جَمِيۡعِ اُمُوۡرِهٖ ؛	3	ہم اس کے تمام کاموں میں اس کی حمد وثنا کرتے ہیں۔
وَنَسۡتَعِيۡنُهٗ عَلٰى رِعَايَةِ حُقُوۡقِهٖ ؛	4	اور اس کے حقوق کی ادائیگی کو ہر صورت میں بحال رکھنے کے لئے اسی کی مدد اور اعانت چاہتے ہیں۔
وَنَشۡهَدُ اَنۡ لَّاۤ اِلٰهَ غَيۡرُهٗ ؛	5	اور ہم شہادت دیتے ہیں کہ اس کے سوا اور کوئی بھی معبود نہیں ہے۔
وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبۡدُهٗ وَرَسُوۡلُهٗ ؛	6	اور یہ گواہی بھی دیتے ہیں کہ محمدؐ اس کے بندے اور رسولؐ ہیں جن کو،
اَرۡسَلَهٗ بِاَمۡرِهٖ صَادِعًا وَبِذِكۡرِهٖ نَاطِقًا ؛	7	اس نے اپنا دین پھیلانے اور اپنا تذکرہ جاری کرنے کے لئے بولتا ہوا بھیجا۔
فَاَدّٰى اَمِيۡنًا وَمَضٰى رَشِيۡدًا ؛	8	آپؐ نے دینِ خداوندی کو امانت کے ساتھ ادا کیا اور رشد وہدایت پر برقرار رہتے ہوئے دنیا سے گزر گئے۔
وَخَلَّفَ فِيۡنَا رَايَةَ الۡحَقِّ :	9	اور ہمارے درمیان حقِ مطلق مجسّم کا پرچم بطور خلیفہ قائم کیا۔
مَنۡ تَقَدَّمَهَا مَرَقَ ؛	10	جو اس مجسّم حق سے آگے بڑھے گا وہ دین سے نکل جائے گا۔
وَمَنۡ تَخَلَّفَ عَنۡهَا زَهَقَ وَمَنۡ لَزِمَهَا لَحِقَّ ؛	11	اور جو پیچھے رہ جائے گا وہ مٹ جائے گا اور جو اس سے وابستہ رہنا لازم کرلے گا وہ حق سے ملحق رہے گا۔
دَلِيۡلُهَا مَكِيۡثُ الۡكَلَامِ بَطِىۡءُ الۡقِيَامِ سَرِيۡعٌ اِذَا قَامَ ؛	12	اُس خلیفہ اور پرچم حق کی دلیل وثبوت وہی شخص ہے جو بولنے میں عجلت نہیں کرتا اور اور اقدامات میں سوچ وبچار ضروری سمجھتا ہے اور جب اقدام کرتا ہے تو تیزی سے

		عمل کرتا ہے۔
فَاِذَا اَنْتُمْ اَلَنْتُمْ لَهٗ رِقَابَكُمْ ؛	13	جب تم اس کے روبرو اپنی گردنیں جھکا دو گے اور اس کی پوزیشن بتانے کے لئے،
وَاَشَرْتُمْ اِلَيْهِ بِاَصَابِعِكُمْ ؛	14	تم اس کی طرف انگلیوں سے اشارے کرنے لگو گے۔ تب
جَآءَهُ الْمَوْتُ فَذَهَبَ بِهٖ ؛	15	اسے موت آ جائے گی اور اسے اپنے ساتھ لے جائے گی۔
فَلَبِثْتُمْ بَعْدَهٗ مَا شَاءَ اللّٰهُ حَتّٰى يُطْلِعَ اللّٰهُ لَكُمْ مَّنْ يَجْمَعُكُمْ وَيَضُمُّ نَشْرَكُمْ ؛	16	اس کے بعد جب تک اللہ چاہے تم لوگ انتظار میں رہو گے یہاں تک کہ اللہ تمہارے لئے ایک ایسے شخصؑ کو طلوع کرے گا جو تمہاری شیرازہ بندی کر کے تمہیں جمع کرے گا (جس امامؑ کو حکم ملے)۔
فَلَا تَطْمَعُوْا فِيْ غَيْرِ مُقْبِلٍ ؛	17	چنانچہ تم لوگ اس چیز کا لالچ اور طمع نہ کرو جو سامنے آنے والا نہیں ہے۔ (نظام غیبت)
وَلَا تَيْاَسُوْا مِنْ مُّدْبِرٍ ؛	18	اور نہ ہی تم پلٹنےؑ والے کے انتظام سے مایوس ہو جانا۔ اس لئے کہ:
فَاِنَّ الْمُدْبِرَ عَسٰى اَنْ تَزِلَّ بِهٖ اِحْدٰى قَائِمَتَيْهِ وَتَثْبُتَ الْاُخْرٰى وَتَرْجِعَا حَتّٰى تَثْبُتَا جَمِيْعًا ؛	19	ممکن ہے کہ پلٹنے والےؑ کے نظام کے دونوں قائم شدہ پیروں میں سے ایک پیر کے قیام میں مصلحت نہ ہو اور دوسرا پیر برقرار رہے یہاں تک کہ دونوں پیر قائم ہو کر جم جائیں۔
اَلَا اِنَّ مَثَلَ آلِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ كَمَثَلِ نُجُوْمِ السَّمَآءِ :	20	خبردار کہ آلِ محمدؐ کی مثال بالکل آسمانی راہنما ستاروں کی مانند ہے۔ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)
اِذَا خَوٰى نَجْمٌ طَلَعَ نَجْمٌ ؛	21	جب ان میں سے کوئی ستارہؑ اوجھل ہوتا ہے تو دوسرا ستارہؑ طلوع ہو جاتا ہے۔
فَكَاَنَّكُمْ قَدْ تَكَامَلَتْ مِنَ اللّٰهِ فِيْكُمُ الصَّنَائِعُ وَاَرَاكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَاْمُلُوْنَ ؛	22	چنانچہ یہ سمجھ لو کہ آلِ محمدؐ کی بنا پر تم پر اللہ کی نعمتیں مکمل ہو گئی ہیں اور تمہیں جس چیز کی آرزو تھی وہ تمہیں دکھایا جا چکا ہے۔

تشریحات:

اِس خطبے میں حضرت علی علیہ السلام، اللہ کے فضل وکرم اور سخاوت کا مخصوص انداز میں ذکر فرماتے ہیں۔ خصوصیت یہ ہے کہ فضل وکرم اور سخاوت کو عمومی حیثیت دی ہے یعنی اللہ کا یہ فضل وکرم وسخاوت یہ نہیں دیکھتی کہ کون فضل وکرم کا حقدار ہے؟ اور کون حقدار نہیں ہے؟ اُس نے اپنے مذکورہ فضل وکرم کو پوری کائنات کی وسعتوں میں پھیلا دیا ہے اور اس سلسلے میں اپنی سخاوت کے ہاتھ کو مستقلاً دراز کر کے پھیلا رکھا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہئے کہ یہ وہ فضل وکرم ہے اور یہ وہ سخاوت کا ہاتھ ہے جو کسی قانون وقاعدے کا پابند نہیں ہے یعنی جو قوانین رزق کی تقسیم کے لئے قرآن میں مذکور ہوئے ہیں وہ اس سخاوت وفضل پر اثر انداز نہیں ہوتے۔ مثلاً اللہ نے قرآن میں یہ بتایا ہے کہ:

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِى الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ O(13/26)

مودودی ترجمہ: ''اللہ جس کو چاہتا ہے رزق کی فراخی بخشتا ہے اور جسے چاہتا ہے نپا تلا رزق دیتا ہے یہ لوگ دُنیوی زندگی میں مگن ہیں، حالانکہ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں ایک متاعِ قلیل کے سوا کچھ بھی نہیں۔'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 458-457)

یہ ترجمہ کر کے مودودی نے اس آیت کی تشریح میں کچھ غلط باتیں لکھی ہیں اُن کو چھوڑ کر اس آیت سے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ سنئے:

مودودی تشریح: ''42۔ رزق کی کمی بیشی کا معاملہ اللہ کے ایک دوسرے ہی قانون سے تعلق رکھتا ہے جس میں بے شمار دوسری مصلحتوں کے لحاظ سے کسی کو زیادہ دیا جاتا ہے اور کسی کو کم۔'' (ایضاً جلد 2 صفحہ 458)

اِنَّ رَبَّکَ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَیَقۡدِرُ اِنَّہٗ کَانَ بِعِبَادِہٖ خَبِیۡرًا بَصِیۡرًا O۔ (بنی اسرائیل 17/30)

قرآن کا ایک دوسرا مقام: پھر مودودی ترجمہ:

''تیرا رب جس کے لئے چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ وہ اپنے بندوں کے حال سے باخبر ہے اور اُنہیں دیکھ رہا ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 612-611)

اس ترجمہ کے بعد مودودی نے پھر تشریح کی ہے اس دفعہ پوری تشریح دیکھئے:

مودودی تشریح: ''30۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے درمیان رزق کی بخشش میں کم و بیش کا جو فرق رکھا ہے اِنسان اُس کی مصلحتوں کو نہیں سمجھ سکتا۔ لہٰذا تقسیمِ رزق کے فطری نظام میں انسان کو اپنی مصنوعی تدبیروں سے دخل انداز نہ ہونا چاہئے۔ فطری مساوات کو مصنوعی مساوات میں تبدیل کرنا یا اس نامساوات کو فطرت کے حدود سے بڑھا کر بے انصافی کی حد تک پہنچا دینا دونوں ہی یکساں غلط ہیں۔ ایک صحیح معاشی نظام وہی ہے جو خدا کے مقرر کئے ہوئے طریقِ تقسیم رزق سے قریب تر ہو۔ اس فقرے میں قانونِ فطرت کے جس قاعدے کی طرف راہنمائی کی گئی ہے اُس کی وجہ سے مدینے کے اصلاحی پروگرام میں یہ تخیل سرے سے کوئی راہ نہ پا سکا کہ رزق اور وسائلِ رزق میں تفاوت اور تفاضل بجائے خود کوئی برائی ہے جسے مٹا دینا اور ایک بے طبقات سوسائٹی پیدا کرنا کسی درجے میں بھی مطلوب ہو۔ اس کے برعکس مدینہ طیبہ میں انسانی تمدن کو صالح بنیادوں پر قائم کرنے کے لئے جو راہِ عمل اختیار کی گئی وہ یہ تھی کہ فطرتُ اللہ نے انسانوں کے درمیان جو فرق رکھے ہیں اُن کو اصل فطری حالت پر برقرار رکھا جائے اور اوپر کی دی ہوئی ہدایات کے مطابق سوسائٹی کے اخلاق و اطوار اور قوانینِ عمل کی اس طرح اصلاح کر دی جائے کہ معاش کا فرق و تفاوت کسی ظلم و بے انصافی کا موجب بننے کے بجائے اُن بے شمار اخلاقی، روحانی اور تمدنی فوائد و برکات کا ذریعہ بن جائے جن کی خاطر ہی دراصل خالقِ کائنات نے اپنے بندوں کے درمیان یہ فرق و تفاوت رکھا ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 613-612)

قارئین کرام یہ نوٹ کریں کہ مندرجہ بالا دونوں آیات (17/30، 13/26) میں بھی اور مودودی کے تراجم اور تشریحات میں بھی لفظ ''رزق'' پر بات ہوتی رہی ہے چونکہ لفظ کو قریشی پالیسی کے ماتحت کھانے پینے کی چیزوں کے معنی میں مخصوص کر دیا گیا تھا اور اس لفظ رزق کی وسعت و ہمہ گیری کو ضائع کرنے کی پوری کوشش کی گئی تھی اس کے توڑ میں ہم مودودی کا بیان پیش کر کے پھر اس سلسلے میں خطبے کی تشریح پر روشنی ڈالیں گے۔ مودودی کو پہلے سنئے:

مودودی کی تشریح، رزق کی ہمہ گیری جو کچھ انسان کو درکار ہے وہ سب رزق ہے۔

''60۔ اُردو زبان میں رزق کا اِطلاق صرف کھانے پینے کی چیزوں پر ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے لوگ خیال کرتے ہیں کہ یہاں گرفت اُس قانون سازی پر کی گئی ہے جو دستر خوان کی چھوٹی سی دنیا میں مذہبی اوہام یا رسوم ورواج کی بنا پر لوگوں نے کر ڈالی ہے۔ اس غلط فہمی میں جہلا اور عوام ہی نہیں علما تک مبتلا ہیں۔ حالانکہ عربی زبان میں رزق محض خوراک کے معنی تک محدود نہیں ہے بلکہ عطا اور بخشش اور نصیب کے معنی میں عام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی دنیا میں انسان کو دیا ہے وہ سب اُس کا رزق ہے۔ حتیٰ کہ اولاد تک رزق ہے۔ اسماء الرجال کی کتابوں میں بکثرت راویوں کے نام رزق اور رُزیق اور رزق اللہ ملتے ہیں۔ جس کے معنی تقریباً وہی ہیں جو اُردو میں ''اللہ دیئے کے معنی ہیں۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر حاملہ کے پیٹ میں ایک فرشتہ بھیجتا ہے اور وہ پیدا ہونے والے کا رزق اور اس کی مدت عمر اور اس کا کام لکھ دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں رزق سے مراد صرف وہ خوراک ہی نہیں ہے جو اُس کے بچے کو آئندہ ملنے والی ہے۔ بلکہ وہ سب کچھ ہے جو اُسے دنیا میں دیا جائے گا۔ خود قرآن میں ہے۔ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنفِقُونَ (2/3 سورہ بقرہ) جو کچھ ہم نے اُن کو دیا ہے اُس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ پس رزق کو محض دستر خوان کی سرحدوں تک محدود سمجھنا اور یہ خیال کرنا کہ اللہ تعالیٰ کو صرف اُن پابندیوں اور آزادیوں پر اعتراض ہے جو کھانے پینے کی چیزوں کے معاملے میں لوگوں نے بطور خود اختیار کر لی ہیں۔ سخت غلطی ہے اور یہ کوئی معمولی غلطی نہیں ہے۔ اس کی بدولت خدا کے دین کی ایک بہت بڑی اصولی تعلیم لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہوگئی ہے۔ یہ اسی غلطی کا تو نتیجہ ہے کہ کھانے پینے کی چیزوں میں حلت وحرمت اور جواز وعدم جواز کا معاملہ تو ایک دینی معاملہ سمجھا جاتا ہے۔ لیکن تمدن کے وسیع تر معاملات میں اگر یہ اصول طے کر لیا جائے کہ انسان خود اپنے لئے حدود مقرر کرنے کا حق رکھتا ہے۔ اور اسی بنا پر خدا اور اُس کی کتاب سے بے نیاز ہو کر قانون سازی کی جانے لگے تو عامی تو درکنار، علمائے دین اور مفتیانِ شرع متین اور مفسرین قرآن وشیوخ حدیث تک کو یہ احساس نہیں ہوتا کہ یہ چیز بھی دین سے اُسی طرح ٹکراتی ہے جس طرح ماکولات ومشروبات میں شریعت الٰہی سے بے نیاز ہو کر جائز وناجائز کے حدود بطور خود مقرر کر لینا۔'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 293)

2۔ خطبہ نمبر 137، جملے 1 تا 2 کی مزید تشریح اللہ کا وہ فضل وسخاوت جو کسی قانون کی پابندی سے بالاتر ہے۔

قرآن کی آیات اور مودودی کے ترجمے اور بیانات پڑھنے کی زحمت اس لئے دی گئی تھی کہ قارئین کو یہ علم ویقین فراہم ہو جائے کہ اللہ نے انسانوں کو جو کچھ دیا ہے وہ قانون کے ماتحت دیا ہے اور قوانین ہی کی رُو سے اُس میں تنگی وفراخی، کمی اور زیادتی ہوتی رہتی ہے لیکن خطبے کے پہلے دو جملوں میں حضرت علی علیہ السلام جس فضل وسخاوت کا ذکر فرماتے ہیں وہ کسی قانون اور کسی پابندی سے ہمیشہ بالاتر رہتا ہے اس میں کمی یا تنگی کا گزر نہیں ہوتا۔ وہاں صرف اور صرف وسعتوں اور فراخیوں اور فراوانیوں ہی کا دور دورہ رہتا ہے۔ اب سوچنے، سمجھنے اور پوچھنے کی یہ بات ہے کہ اللہ کا وہ فضل اور وہ سخاوت کون سی ہے جو ساری مخلوقات میں پھیلی ہوئی ہے اور اُسے جب چاہیں اور جتنا چاہیں تمام مخلوقات حاصل کر سکتی ہے۔ حضورؐ کے دونوں جملوں کو دوبارہ سامنے لا کر اُس فضل وسخاوت کی ہمہ گیری اور عمومیت کو پھر سامنے رکھیں فرمایا ہے کہ:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ النَّاشِرِ فِی الْخَلْقِ فَضْلَهُ ؛ وَالْبَاسِطِ فِيهِمْ بِالْجُوْدِ يَدَهُ ؛۔

(1) تمام ستائش اللہ کے لئے ہے جس نے ساری مخلوقات میں اپنا دامنِ فضل پھیلا رکھا ہے۔

(2) اور جس نے اپنی سخاوت اور لطف وکرم کا ہاتھ اُن میں دراز کر رکھا ہے۔

غور کرنے اور سمجھنے کی راہ تمام مخلوقات میں سے ہوکر گزرتی ہے یعنی جس فضل وکرم اور سخاوت کی بات ہو رہی ہے وہ کسی ایک مخلوق سے تعلق نہیں رکھتے بلکہ عمومی حیثیت سے تمام مخلوقات وموجودات سے متعلق ہیں یعنی ذی حیات میں ملائکہ وارواح سے لے کر حشرات الارض تک سب سے متعلق ہیں۔اور غیر ذی حیات میں عرش وکرسی ولوح وقلم وفضائی کُرّے اور سماوات وہوائیں جمادات ونباتات و پانی اور تمام سیال چیزوں سے متعلق ہیں۔ جواُن سب کے لئے ضروری ہیں۔اور سب کے لئے فراوانی کے ساتھ بخشی جارہی ہیں۔ یہاں یہ طے کرنا ہوگا کہ وہ چیزیں کیا ہیں جن کی تمام مخلوق کو احتیاج وضرورت ہے۔ بات یوں شروع کی جاسکتی ہے کہ ملائکہ اور ارواح کی ضروریات میں کوئی مادی چیز نہیں ہوسکتی لہٰذا اللہ کی سخاوت کا وہ پھیلا ہوا ہاتھ نورانی مخلوقات کو نورانی سامان فراوانی سے فراہم کرتا رہے اور مادی اشیا کو مادی سامان فراہم کرے جنہیں زندگی کی ضرورت ہو زندگی عطا کرتا رہے۔عقل وفہم وفراست وروشنی اور نورانیت عطا کرتا رہے۔صحت وعافیت وسکون وچین وراحت وقوت وصبر عطا کرتا رہے۔وہ ایسا ہاتھ ہونا چاہئے جس کے اندر سب کچھ ہو اور ایسا ہاتھ وہی ہوسکتا ہے جس سے ساری کائنات اور تمام کائناتی مخلوقات پیدا کی گئی ہو اور جس نے بوقت تخلیق ہر مخلوق کو اُس کا نورانی یا مادی سامان دیا ہو۔اور ظاہر ہے کہ وہ ہاتھ محمدؐ کا وہ نور ہے جو اس کائنات کی عِلل اربع ہے اور اسی بنا پر اُسے یداللہ کہلانے کا حق ہے جو پوری کائنات کو سنبھالنے اور برسرترقی رکھنے کا ذمہ دار ہے۔اگر اُس کی راہ میں تنگی وکمی آجائے تو ساری کائنات اور کائناتی مخلوقات زیروزبر وتباہ ہوجائے۔ یہ سبب ہے کہ اللہ نے اپنے فضل وکرم وسخاوت کو ہر پابندی سے بالاتر رکھا ہے۔اور یہی سبب ہے کہ اللہ کے تمام احکام وقوانین وطرزِعمل کی حمد وثنا کی جانا چاہئے (137/3 خطبہ) اور اُسی سے اُس کے حقوق اور فرائض کو بجالانے اور ادا کرنے میں مدد طلب کرنا چاہئے (4) پھر حضرت علی علیہ السلام وہ گواہی دیتے ہیں جو اُن کے سوا کوئی اور نہیں دے سکتا۔محمد علیؑ اور اجزائے نور محمدیؐ کے علاوہ کسی کو عین الیقین کے ساتھ یہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ اس ساری کائنات میں اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہے یا نہیں یہ گواہی دینے کے لئے لازم ہے کہ روزِ ازل سے پوری کائنات اور کائنات کا ہر ہر ذرہ ومخلوقات نظر کے سامنے رہیں۔ پھر اُن ہی کو یہ کہنے کا حق پہنچتا ہے کہ محمدؐ اللہ کے بندے اور رسولؐ ہیں۔

یہاں یہ نوٹ کریں کہ قرآن کریم میں کہیں بھی اور کسی طرح بھی محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مادی اور ظاہری پیدائش کو نہ شمار کیا گیا ہے نہ اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ بلکہ اُن کے بھیجنے کا، مبعوث کرنے کا اور نازل کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔اور یہ اس لئے کہ وہ تمام افسانے جھٹلائے جاسکیں جو قریش نے اپنے عہدِ حکومت میں گھڑنا تھے اور جو گھڑے گئے اور آج تک تاریخ سمجھ کر پڑھے اور مانے جاتے ہیں۔لہٰذا اس خطبے میں بھی حضرت علی علیہ السلام آنحضرتؐ کے بھیجے جانے ہی کی بات کرتے ہیں اور اُنہیں ناطقِ حالت میں بھیجنے کا پتہ دیتے ہیں۔یعنی آنحضرتؐ بولتے چالتے رسوؐل کی حیثیت سے تشریف لائے تھے۔اُن پر ایسا زمانہ نہیں گزرا جب وہ بول نہ سکتے ہوں (7) پھر حضورؐ نے بتایا ہے کہ رسولؐ اللہ نے دنیا سے گزرنے سے پہلے ہمارے اندر ایک ایسی ہستی کو خلیفہ بنا کر چھوڑا تھا جو مکمل مجسم حق کا بلند وبالا لہراتا ہوا پرچم تھا۔اور اس خلیفہ کے لئے یہ مقام بیان فرمایا ہے کہ اُس سے آگے بڑھنے والے یا اس پر سبقت لے جانے والے دین دار لوگ دین سے خارج (9-10) اور اُس کو چھوڑ کر پیچھے رہ جانے یا ہٹ جانے والے لوگوں کی دنیا ودین دونوں تباہ ہوئے اور اس سے وابستہ رہنے اور پیروی کرنے والے لوگ حق پر قائم اور کامیاب رہنے والے ہیں (11) لہٰذا ساری دنیا جانتی ہے کہ رسولؐ اللہ نے تبلیغ کے پہلے دن بھی حضرت علی علیہ السلام کو اپنا وزیر اور وصی اور خلیفہ بنایا تھا اور خم غدیر کے اجتماع میں بھی اپنا خلیفہ اور جانشین بنایا تھا اور تمام مسلمانوں سے بیعت کرائی اور مبارکباد دلوائی تھی۔اور اس صورت حال کو آپؐ نے بھرے مجمع میں

خطبہ کی حیثیت سے سنا دیا تھا۔اور اپنی شناخت بھی بتا دی تھی(12) جس سے سارے مسلمان واقف اور عملاً اُن صفات کو حضورؐ کے اندر دیکھتے چلے آرہے تھے۔اور اس خلیفہ کی موت کی پیشگوئی کر کے یہ بتا دیا کہ میں نے مجسم و مکمل حق کا پرچم کسی جھنڈے کو نہیں کہا تھا۔بلکہ وہ بولتا چالتا حق تھا۔اور اس خلیفہ کی یا اپنی موت کا وقت بتانے میں مسلمانوں کی جو حالت بتائی ہے اُس سے آپؑ ہی وہ خلیفہ ثابت ہوتے ہیں(13 تا 15)۔

3۔حضرت حجۃ قائم قیامۃ محمدؑ بن حسنؑ عسکری کو سامنے رکھ کر عمل درآمد کرنے کی ہدایات صبر کی تلقین۔

اِس کے بعد حضرت علی علیہ السلام حقیقی مومنین کو امام آخر الزمان علیہ السلام کی طرف متوجہ رہنے اور صبر و انتظار کرنے کی تاکید فرماتے ہیں اور سولہویں جملے سے اشاروں میں بات شروع فرماتے ہیں اور ایک طویل انتظار کی مدت سامنے رکھتے ہیں۔اور ایک ایسی ہستی کے ظہور کی اطلاع دیتے ہیں جو تمام دوستداران محمدؐ و آل محمدؐ کی شیرازہ بندی کرے گا اور سب کو آپس میں پیوست اور ہم آہنگ و یک جان کر دے گا اور تمام حالات کو اُن کے حق میں سنوار دے گا(16) ساتھ ہی انہیں حکومت و اقبال مندی کے لالچ اور طمع کرنے سے روکا ہے اور امامؑ وقت کے ساتھ ساتھ چلنے پر متوجہ کیا ہے(17) اور یہ بھی بتایا ہے کہ دیر ہونے کی صورت میں اُس ہستیؑ کی طرف سے مایوس نہ ہو جانا۔ہوسکتا ہے کہ اُس کا ظاہری اور باطنی نظام مصلحتاً سامنے نہ آئے مگر جیسے ہی حالات موزوں ہوں گے اس نظام نے برپا ہونا ہے(18۔19)۔

4۔یہ واضح کر دیا کہ نظام امامت برابر اور مسلسل جاری رہے گا ایک کے بعد دوسرا امامؑ موجود ہوگا۔

اس کے ساتھ ہی یہ تاکید کر دی ہے کہ اگر ایک امامؑ تمہاری نظروں سے اوجھل ہو جائے تو یہ نہ سمجھنا کہ امامت کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔لہٰذا تلاش میں لگے رہنا اور یہ دیکھنا کہ دوسرا امامؑ کہاں طلوع ہوا ہے۔تلاش کرنے والوں کو رابطہ کی راہ مل جائے گی۔نوٹ کریں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ کی مسلّمہ پیشگوئی حدیث کی صورت میں موجود ہے کہ قیامت سے پہلے پہلے بارہ امام مسلسل یکے بعد دیگرے گزرنا ہیں۔چونکہ گیارہویں امام حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے امامت کے نظام کو تبدیل کرنا تھا اور ایسا مستحکم انتظام کرنا تھا کہ تبدیل شدہ جدید نظام امامت سے صرف اُن لوگوں کو مربوط کیا جائے جو درحقیقت امامت معصومین علیہم السلام کے طالب ہوں اور رسمی حیثیت سے وابستہ رہنے والے نہ ہوں۔لہٰذا گیارہویں امام نے ایسا بندوبست کر دیا تھا کہ رسمی و رواجی شیعوں کو بارہویں امام علیہ السلام کی پیدائش کا بھی علم نہ ہونے پائے اور ایک ایسا وصیت نامہ لکھ کر حکومت کے ذمہ دار مجسٹریٹ کو سپرد کر دیا تھا جس سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ حضورؑ کی کوئی نرینہ اولاد نہیں ہے اور ایک دوسرے شخص کو وارث بنا دیا تھا۔مگر مخصوص لوگوں کو حقیقت حال اور مصلحت بتا دی تھی۔لہٰذا اُن حقیقی شیعوں کے علاوہ باقی سب لوگوں کو حتیٰ کہ خاندان کے لوگوں کی کثرت کو یہ یقین ہو گیا کہ امامت ختم ہوگئی بارہواں امامؑ پیدا ہی نہیں ہوا۔یہاں سے غیبت کبریٰ شروع ہوتی ہے لیکن غیبت کبریٰ کا اعلان نہیں کیا گیا تھا۔حالات کو لوگوں کی تلاش اور چھان بین کے حوالے کر دیا تھا چنانچہ وہ لوگ جن کو یقین واثق تھا کہ رسولؐ اللہ کی حدیث کسی صورت میں غلط نہیں ہوسکتی اُن مومنین نے تو امام حسن عسکری علیہ السلام کی اُس پُریقین صورت حال پر بھی یقین نہ کیا جو اُنہوں نے بڑے اہتمام سے پیدا کی تھی۔اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ امامؑ رسولؐ اللہ کے خلاف کوئی بیان نہیں دے سکتا لہٰذا وہ اس صورت حال پر یقین کرنے کے بجائے خود اُن سے دریافت کرتے اور اُن کے الفاظ سننا چاہتے تھے۔اور وہ جواب میں ایسا کوئی لفظ نہ بولتے تھے جو دلیل بن جائے بلکہ اس کے خلاف ایسی باتیں کرتے تھے جن کا مطلب بات کو ٹالنا ہوتا ہے۔لہٰذا وہ کھوج میں لگے رہے۔

5۔ بہائی مذہب کے علمانے اور لقمان نے اِسی مشکوک اور پیچیدہ صورتحال کو اپنے مذہب کی بنیاد بنا کر بارہویں امامؑ کا انکار کر دیا۔

اور یہی جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی وہ فطری ترکیب تھی جس سے وہ حقیقی مومنین کو باقی رسمی اور مطلب پرست مومنین سے الگ متعین کر رہے تھے جو اُن انتظامات کو پھلانگ کر اُن سے آگے بڑھیں اور حقیقت کی تلاش میں لگے رہیں اور بنیادی عقائد کو پیش نظر رکھیں اور مغالطہ دینے والے حالات اور افواہوں پر یقین نہ کریں۔ چنانچہ ایسے حضرات کو امامؑ نے ولادت امام عصر علیہ السلام پر زبانی بھی اور تحریراً بھی مطلع فرمایا اور بلا کر حضور قائم آل محمدؑ کی زیارت کا بھی اور ملاقاتیں کرنا اور ہدایت حاصل کرنا بھی جائز قرار دیا۔ یوں نظام جدید، غیبت کے پس پردہ قائم اور جاری ہوگیا۔ ایسے ہی مومنین سے امام حسنؑ عسکری نے حضرت حجۃؑ کا عقیقہ بھی انجام دلوایا اور اُنہیں اس ولادت اور عقیقہ پر خوشیاں منانے کا حکم بھی دیا تھا۔ بہرحال امام حسن عسکری علیہ السلام کا یہ انتظام انتہائی طور پر کامیاب رہا اور وہ تمام نام نہاد شیعہ اور محبان اہل بیتؑ نظام امامت سے کاٹ کر اور چھانٹ کر الگ کر دیئے گئے جو ماضی میں مطلب پرست ثابت ہو چکے تھے۔ اور جن سے مستقبل میں بھی کسی مفید قربانی اور نظام کی خدمت کی اُمید نہ تھی۔ یہاں تک کہ امامؑ کے برادر حقیقی جعفر بھی اس شدت سے مغالطے میں مبتلا ہوئے کہ انہوں نے خاندان کی روایات اور دلائل و براہین کے خلاف اپنی امامت کا دعویٰ کر دیا اُن ہی کو جعفر کذاب کا لقب دیا گیا جو آج تک ملتِ شیعہ میں کذاب مشہور ہیں۔ اور بہت سے خود غرض شیعوں نے نئے فرقے بنانے کی کوشش کی بہت سے لوگوں نے نائب امام بن جانے اور شیعوں سے زکوٰۃ و خمس اور دینی واجبات وصول کرنے کی کوشش کی اور بہت لوگوں نے یقین کر لیا کہ امامت حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام پر ختم ہوگئی۔ اور بارہویں امامؑ کی پیدائش اور اُن کے وجود کے منکر ہو گئے اور شیعوں کے سابقہ عقائد کو باطل قرار دینے میں مصروف ہو گئے۔ اور انکار کا یہ سلسلہ برابر جاری رہا اِسی انکار سے استفادہ کے لئے شیعہ لیبل کے نام نہاد علمانے چار عدد نائبانِ امام گھڑ لئے، اُن کو شہرت دی اور چاہا کہ امام عصر علیہ السلام کے نام پر شیعوں میں اپنے مجتہدانہ مسائل اور قوانین جاری کریں اور حکومت سے قاضی اور مفتیانِ شیعہ کی حیثیت سے استفادہ کرتے رہیں۔

لیکن حضرت حجۃ علیہ السلام نے اُن شیعہ مجتہدین کو اور اُن کے پیرو شیعوں کو اپنے نام کی آڑ میں استفادہ کرنے سے محروم کرنے کے لئے اپنی غیبت کبریٰ کا اعلان فرما دیا تاکہ ساری دنیا جان لے کہ بارہویں امام علیہ السلام نے تمام شیعوں سے تاحکم ثانی ہر قسم کا تعلق اور رابطہ منقطع کر دیا ہے۔ قارئین نوٹ کریں کہ اس مکمل انقطاع یا غیبت کبریٰ کے لئے باقی تمام اسباب وعِلل خود ساختہ اور باطل ہیں۔ (دیکھو ہماری کتاب ''اسلام میں نظام ہدایت وتقلید'') یوں مصنوعی اور خود غرض قسم کے تمام شیعوں کو تحریک تشیع سے خارج کر دیا گیا تھا۔ اور اس طرح حقیقی مذہب سے خارج ہونے والے علما اور عوام نے شیعیت اور اسلام میں طرح طرح کے فتنے جاری رکھے یہاں تک کہ نبی اور رسولؐ بھی بن گئے۔

6۔ سید علی محمد اور حسین علی نے شیعوں میں سے اُٹھ کر نبوت اور رسالت وکتاب کا دعویٰ بھی کیا اور باب و بہاء اللہ کے لقب اختیار کئے اور لقمان نقیب بن گیا۔

آگے بڑھنے سے پہلے یہ نوٹ کر لیں کہ آج تک مسلمانوں کے تمام فرقے اور دیگر مذاہب غیبت کبریٰ کو مانتے چلے آرہے ہیں اور یہی اس حقیقت کا سب سے بڑا ثبوت ہے کہ اُنہوں نے غیبت کبریٰ کو تسلیم کر لیا تھا۔ یعنی حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے جو انتظام فرمایا تھا اور بارہویں امام علیہ السلام کو جس طرح ناہنجار شیعوں سے الگ پرورش، تربیت اور تیار کرنا شروع کیا تھا وہ انتظام غیبت صغریٰ کے نام سے جاری و مشہور ہو چکا تھا۔ یعنی پبلک کو یہ یقین فراہم ہو چکا تھا کہ ''بارہواں امامؑ پیدا ہوا ہے مگر اُسے علیحدگی میں پرورش کیا جارہا ہے اور اُسے دیکھنے اور ملنے کی

اجازت نہیں ہے۔''اور گیارہویں امام علیہ السلام کے انتقال کے بعد رفتہ رفتہ یہ یقین بھی پیدا ہو گیا تھا کہ وہ تمام انتظامی اور دینی اُمور جو امام علیہ السلام کے حکم سے انجام پاتے تھے وہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے انتقال کے بعد بھی بدستور انجام دیئے جا رہے ہیں۔ یوں اُس یقین کی بنیاد پڑی کہ یقیناً بارہویں امام علیہ السلام موجود اور برسرِ کار ہیں۔ حضورؑ کے وجود کا حتمی یقین پیدا کرنے والے کام اور پورا نظام ہم نے بڑی تفصیل سے کتاب نظام ہدایت وتقلید میں لکھ دیا ہے۔ اُن میں سے ایک کام یہ تھا کہ جن شیعوں نے امامت کے ختم ہو جانے اور بارہویں امامؑ کے پیدا نہ ہونے کا باقاعدہ عقیدہ اختیار کر لیا تھا اُن کے وہ تمام وظائف بند کر دیئے گئے جو مرکزی حیثیت سے جاری تھے۔ اور باقی لوگوں کے وظائف جاری رہے۔ اُن میں خاندان رسولؐ یعنی بنی ہاشم کے لوگ خاص طور پر متاثر ہوئے اور چونکہ وہ لوگ آپس میں عزیز ورشتہ دار تھے اس لئے یہ بات معلوم ہونا مشکل نہ تھا کہ کس کا وظیفہ مل رہا ہے اور کس کا بند ہو چکا ہے۔ پھر کثرت ایسے لوگوں کی تھی کہ جنہوں نے نہ بارہویں امام کے انکار کا اعلان کیا تھا نہ اُنہیں اس اعلان کی ضرورت تھی۔ یہ قلبی معاملہ تھا اس کا علم حقیقی امامؑ کے سوا کسی اور کو نہیں ہو سکتا تھا۔ لہٰذا حضور علیہ السلام کے موجود ہونے اور قلبی پوشیدہ حالات پر مطلع ہونے کا یقین کامل پیدا نہ ہوا اور جن لوگوں نے اپنے مغالطہ پر ندامت اور توبہ اختیار کی اور کسی سے ذکر تک نہ کیا اُن کے بھی اور ذکر کرنے والوں کے بھی دوبارہ وظائف جاری ہو گئے۔ اس قسم کے سینکڑوں حالات وواقعات پیش آتے رہے اور بارہویں امام علیہ السلام کے وجود کا یقین پھیلتا گیا۔ یہ بھی نوٹ کریں کہ حضورؑ کی پیدائش 255ھ میں ہوئی اور غیبت کبریٰ کا اعلان 329ھ میں ہوا یعنی حضور علیہ السلام نے چوہترویں (74) سال کی عمر میں شیعہ علما وعوام کا بائیکاٹ کیا تھا اور یہ بھی نوٹ کر لیں کہ گیارہویں امام جناب حسن عسکری علیہ السلام کا انتقال 260ھ میں ہوا تھا اُس روز سے اعلان غیبتِ کبریٰ تک حضرت حجۃ علیہ السلام اُنہتر (69) سال تک عہدہ امامت کے تمام فرائض اور ذمہ داریاں پوری کرتے رہے اور تمام حقیقی مومنین کو چن چن کر اور جانچ جانچ کر اپنے اور اپنے نظام سے مربوط کرتے رہے اور کسی کو کانوں کان بھی یہ خبر نہ ہونے پاتی تھی کہ فلاں شخص امام علیہ السلام سے وابستہ ہے چونکہ نظام غیبت کسی دیوار کے پیچھے نہ تھا اس لئے حضورؑ خود بھی اور اُن سے وابستہ شیعہ بھی تمام ضروری مقامات پر جاتے تھے اور تمام لوگوں سے ملتے تھے اور صورت سے کوئی نہ جان سکتا تھا کہ یہ امام علیہ السلام ہیں اور یہ اُن سے وابستہ مومن ہیں اور یہی چاہتے تھے امام حسن عسکری علیہ السلام کہ بارہویں امامؑ کو صرف وہی لوگ پہچانیں جو نظام کو مطلوب ہیں ورنہ خود اُن کے اپنے اعزا واقربا تک اُنہیں نہ پہچان سکیں۔ اس غرض کے لئے حضورؑ نے امامؑ کو دیکھنے پر اور اُن سے ملنے پر پابندی رکھی تھی۔ کہ وہ سرکارؑ ہر جگہ جائیں ہر کسی سے ملیں باتیں کریں مگر کوئی یہ نہ جان سکے کہ مجھ سے امام زمانہ علیہ السلام ملے ہیں یا میں اُن حضرت سے باتیں کرتا رہتا ہوں۔ اس میں اُس حقیقت کا بھی اضافہ کر لیں کہ چہاردہ معصومین علیہم السلام ابدان واجسام وقد وقامت وصورت وشمائل اور خدوخال کے قیدی نہ تھے ضرورت کے وقت سب کچھ بدل جاتا تھا۔ ارادہ کر کے کوئی عمل بجالانے کی ضرورت واحتیاج نہ تھی۔ جسم کی تمام چیزیں انفرادی اور اجتماعی طور پر اُن حضرات علیہم السلام کی ضرورت میں تعاون کرتی تھیں۔ لہٰذا حضور علیہ السلام کے لئے آسان تھا کہ وہ اپنے سے مربوط ووابستہ لوگوں سے ملیں اور وہ اُنہیں پہچان نہ سکیں۔ اس لئے نظام سے متعلق لوگوں کے عملی حالات کا عملاً جانچنا بھی سہل تھا۔ اور ہر وقت علم غیب کی احتیاج نہ تھی۔ مادی طریقوں سے بھی جانچ پڑتال فرماتے رہتے تھے اور یہی نظام تھا جس کی طرف حضرت علی علیہ السلام اس خطبے میں اپنے مخصوص مومنین کو متوجہ فرما رہے ہیں (خطبہ 137، جملے 20 تا 22) مخصوص مومنین اس لئے عرض کئے گئے کہ اُن سے یہ فرمایا گیا ہے کہ: ''تمہیں جس چیز کی آرزو تھی وہ چیز تمہیں دکھائی جا چکی ہے (خطبہ 137، جملہ 22)''۔

ظاہر ہے کہ نہ تو اس خطبے کے تمام سامعین نے وہ چیز دیکھی ہوئی تھی جس کا ذکر فرمایا ہے اور نہ فی الحال مجھے اور آپ کو معلوم ہے کہ وہ کیا چیز تھی جو دکھائی جا چکی تھی اور جس کے دیکھنے کے بعد اس خطبے کے جملے نمبر 16 تا 19 پر یقین فراہم ہو جائے۔ اور وہ شخصؑ معلوم ہو جائے جو شیرازہ بندی کرے گا۔ پراگندگی اور انتشار کو ختم کردے گا۔ اور جس کے سلسلے میں لالچ اور اقتدار کی طمع سے منع کیا گیا اور جس کی طرف سے مایوس ہو جانے کی ممانعت کی گئی ہے۔ بس یہ نہیں کہا گیا کہ وہ شخصؑ اور اُس کا نظام 260ھ میں برسرِ کار آئے گا اور نہ یہ بتایا گیا کہ اُس کی بنیاد رسولؐ کے انتقال پر رکھ دی گئی تھی۔ جو برابر حقیقی مومنین کی تزمیل اور ترتیب میں مصروف رہتا اور باطل کی جڑیں مشیت کے ساتھ مل کر اُکھیڑتا چلا جائے گا اور اُس عظیم شخصیتؑ اور اُس کے نظام کے معیار تک بلند ہونے کی سعیٔ مسلسل کرتا رہے گا۔

7۔ نظامِ غیبت نیا نہیں ہے۔ اس کی قدامت نورِ محمدؐ پر اور انتہا ظہورِ محمدؐ پر وسیع ہے۔ بظاہر ابتداء انتقالِ محمدؐ سے ہوتی ہے۔

یہاں اپنے قارئین کی حیرانی دُور کرنے کے لئے چند الفاظ لکھنا ضروری ہیں۔ اللہ ہمیشہ سے پردہ غیبت میں ہے۔ نورِ محمدیؐ کروڑوں اربوں سال پردہ غیبت میں رہا۔ چند گنتی کے سال ظاہری پیدائش سے وفات تک ظہور میں آیا اِسی دوران علیؑ فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ کا تعارفی ظہور ہوا اور واقعہ کربلا کے بعد مکمل نظامِ غیبت پھر سامنے آیا جزوی غیبت وفاتِ رسولؐ ہی سے شروع ہو گئی تھی اور یہ سب کچھ یہ بتانے کے لئے کافی ہے کہ دینِ خداوندی یا تعلیماتِ اسلام کا حقیقی ظہور کبھی بھی نہیں ہوا۔ حقیقی اور پورا پورا ظہور، ظہورِ محمدؐ قائم قیامت کے ظہور پر ہو گا اور قرآن میں یہی وعدہ تین مرتبہ قرآن میں کیا گیا ہے (9/32-33، 48/28-29، 61/8-9) اور یہ ظہور غیبت کے زمانہ کے تمام نقصانات کو پورا کر کے نوعِ انسان کو وہ سب کچھ عطا کرے گا جس کی اُسے ضرورت رہی اور جس کا اُس سے وعدہ کیا جاتا رہا ہے۔

7 (الف)۔ رسول اللہؐ کے انتقال پر نظامِ غیبت کا بروئے کار آنا نوٹ نہیں کیا جا سکا۔

اب یہ نوٹ کریں کہ نظامِ غیبت ایسے حسن و تدبر سے قائم کیا جاتا رہا ہے کہ جب تک ناظم نہ بتائے یا اشارہ نہ کرے کسی کو پتہ نہیں چلتا۔ کہ کوئی انڈر گراؤنڈ اسکیم برسرِ کار آرہی ہے یا آگئی ہے اور اُس کے اغراض و مقاصد اور طریق کار کیا ہیں؟ اُس کا مرکز کہاں ہے اُس کا ناظم کون ہے۔ اور اُس کا ممبر کون کون ہے؟ چنانچہ وہ سب لوگ اس معاملے میں جاہل ہیں جنہوں نے تاریخیں لکھی ہیں یا پڑھی ہیں۔ سنئے ایک بات کہنے سے پردہ اُٹھ جائے گا۔

7 (ب)۔ چار سو اصحاب صُفّہ کہاں غائب ہو گئے؟

علامہ شبلی سے سنئے: "**صُفّہ اور اصحاب صُفّہ**"

"اصحاب صُفّہ اسلامی لغت کا ایک مُتدَاوِل لفظ ہے۔ گو اس کی حقیقت سے لوگ اچھی طرح واقف نہیں۔ صُفّہ سائبان کو کہتے ہیں (غلط لکھا ہے آگے کی سطروں میں صحیح لکھیں گے) یہ ایک سائبان تھا جو مسجد نبوی کے ایک کنارہ پر مسجد سے ملا کر تیار کیا گیا تھا۔ صحابہ میں سے اکثر تو مشاغل دینی کے ساتھ ہر قسم کے کاروبار یعنی تجارت یا زراعت وغیرہ بھی کرتے تھے۔ لیکن چند لوگوں نے اپنی زندگی صرف عبادت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت پذیری پر نذر کر دی تھی۔ اِن لوگوں کے بال بچے نہ تھے اور جب شادی کر لیتے تھے تو اس حلقے سے نکل آتے تھے۔ اِن میں سے ایک ٹولی دن کو جنگل سے لکڑیاں چن کر لاتی اور بیچ کر اپنے (صفہ والے) بھائیوں کے لئے کچھ کھانا مہیا کرتی۔ یہ لوگ دن کو بارگاہ نبوت میں حاضر رہتے اور حدیثیں سنتے اور رات کو اُسی چبوترے (صفہ) پر پڑ رہتے۔ حضرت ابو ہریرہؓ اِن ہی

لوگوں میں سے تھے۔ان میں سے کسی کے پاس چادر اور تہد دونوں چیزیں کبھی ساتھ مہیا نہ ہوسکیں۔(حالانکہ مسلمانوں میں غنی اور دولتمند موجود رہے) چادر کو گلے سے اس طرح باندھ لیتے کہ رانوں تک لٹک آتی۔اکثر انصار کھجور کی پھلی ہوئی شاخیں توڑ کر لاتے اور چھت میں لگا دیتے۔کھجوریں جو ٹپک ٹپک کر گرتیں یہ اُٹھا کر کھا لیتے۔دو دو دن کھانے کو نہیں ملتا تھا۔اکثر ایسا ہوتا کہ رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لاتے اور نماز پڑھاتے۔یہ لوگ آکر شریک نماز ہوتے لیکن بھوک اور ضعف سے عین نماز کی حالت میں گر پڑتے۔باہر کے لوگ آتے اور اُن کو دیکھتے تو سمجھتے کہ دیوانے ہیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کہیں سے صدقہ کا کھانا آتا تو پورا کا پورا اُن کے پاس بھیج دیتے اور جب دعوت کا کھانا آتا تو اُن کو بلا لیتے اور اُن کے ساتھ بیٹھ کر کھاتے۔اکثر ایسا ہوتا کہ راتوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو مہاجرین اور انصار پر تقسیم کر دیتے یعنی اپنے مقدور کے موافق ہر شخص ایک ایک دو دو کو اپنے ساتھ لے جائے اور اُن کو کھانا کھلائے۔حضرت سعد بن عبادہ نہایت فیاض اور دولت مند تھے وہ کبھی کبھی اَسی اَسی (80,80) مہمانوں کو اپنے ساتھ لے کر جاتے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو بہت عزیز رکھتے تھے۔راتوں کو عموماً یہ لوگ عبادت کرتے اور قرآن مجید پڑھا کرتے۔اُن کے لئے ایک معلّم مقرر تھا۔اُس کے پاس جا کر پڑھتے۔اِسی بنا پر اُن میں سے اکثر قاری کہلاتے تھے۔دعوت اسلام کے لئے کہیں بھیجنا ہوتا تو یہ لوگ بھیجے جاتے تھے۔غزوہ معونہ میں اِن ہی میں سے ستر آدمی اسلام سکھانے کے لئے بھیجے گئے تھے۔اِن کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔کل مجموعی تعداد چارسو (400) تک پہنچی تھی۔لیکن کبھی ایک زمانہ میں اس قدر تعداد نہیں ہوئی۔نہ صُفّہ میں اس قدر گنجائش تھی۔اِن لوگوں کا مفصل حال ابن الاعرابی احمد بن محمد البصری المتوفی 304ھ (جو ابن مندہ کے استاد تھے) نے ایک الگ تصنیف میں لکھا ہے۔سلمٰی نے بھی اِن کے حالات میں ایک الگ کتاب لکھی ہے۔''(سیرۃ النبی صفحہ 292 تا 294)

لیکن شبلی نے نہ اُن کتابوں کا نام لکھا نہ اَتا پتا لکھا۔بہر حال شبلی کو یقین کے ساتھ لفظ صُفّہ کا معنی و مطلب بھی معلوم نہ تھا۔قارئین یاد رکھیں کہ یہ چار سو اصحاب صُفّہ حقیقی اور دن رات تعلیم و تربیت پاتے رہے اِن کے تمام اخراجات اور سہولت کا سامان فراہم کرنا علیؑ، محمدؐ اور فاطمہؑ کی ذمہ داری تھی اور یہ وفات رسولؐ کے بعد، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ سب نظام غیبت میں چلے گئے تھے۔اور یوں قریشی تاریخ کی دسترس سے باہر ہو گئے تھے۔اِن کے متعلق جس نے جو کچھ لکھا وہ افسانہ، قیاس آرائی کی تُک بندی ہے۔اُن کے صحیح حالات و کارکردگی بھی اسلام کے باقی ریکارڈ کی طرح نظام کی لائبریری میں محفوظ ہیں۔نظام غیبت کے قیام کی مثال کے لئے اتنا لکھ دینا کافی ہے۔مخصوص مشن کے لئے ابوہریرہؓ کو نظام سے باہر رکھا گیا تھا جنہوں نے وہ باتیں سُنّی ریکارڈ میں چھوڑی ہیں جن سے نظام غیبت پر بڑی تیز روشنی پڑتی ہے مگر وہ اندھوں کو نظر نہیں آتی ہے۔

8۔منکرین حضرت حجۃ محمدؐ بن امام حسنؑ عسکری کے سلسلے کی ایک کتاب ''ظہور قائم آل محمدؐ'' پر ہلکی سی تنقید۔

ہم نظام غیبت بیان کرتے ہوئے برابر آگے بڑھتے رہے اور اُس دوران دو ایسے عنوان بھی لکھ آئے یعنی چھٹا اور پانچواں عنوان جن سے قارئین کو چونکانا مطلوب تھا۔یہاں بتاتے ہیں کہ ایران میں ایک شخص شیخ احمد احسائی گزرا ہے۔جس نے شیعہ مجتہدین کے خلاف ایک محاذ بنایا تھا اور ایک دفعہ علمائے شیعہ کو ناک چنے چبوا دئے تھے۔چونکہ شیعہ مجتہدین نے محمد و آل محمد علیہم السلام کے فضائل میں کاٹ تراش کر کے اُنہیں عام انسانی سطح پر اتار لیا تھا اور اُن تمام فضائل کو شرک اور بدعت قرار دے دیا تھا جو شیعوں کی معتبر ترین کتابوں میں لکھے ہوئے آج تک موجود ہیں۔مثلاً مجتہدین کے نزدیک آج بھی حضرت علی علیہ السلام کو عین اللہ، لسان اللہ، ید اللہ، مشیۃ اللہ اور ارادۃ اللہ کہنا شرک ہے۔اور پبلک اعلیٰ درجے کے اور

حقیقی فضائل سننے کی عادی تھی لہٰذا شیخ احمد احسائی نے اپنی تقریروں میں وہی فضائل بیان کرنا شروع کر دیئے جو پبلک سنتی چلی آئی تھی اور جن سے شیعہ مجتہدین مشرک بن جاتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تمام شیعہ پبلک احمد احسائی کے جلسوں میں اُمنڈ کر آنے لگی یہاں تک کہ مجتہدین کے تعلیمی اداروں سے اُن کے طلبا بھی شیخ کی تقریریں سننے کے لئے چلے جاتے اور مجتہدین اپنے اپنے اداروں میں تنہا بیٹھے رہ جاتے تھے۔ اس خوفناک حالت نے اُدھر احمد احسائی کی منزلت بڑھانا شروع کر دی اور اِدھر شیعہ مجتہدین تنہا رہ گئے اور اُن کی بے قدری ہونے لگی۔ اُدھر شیخ نے اپنے یہاں درس کا انتظام بھی کر دیا کاظم علی رُشتی جو شیخ احمد کی تائید کے لئے اُن کے مرید ہو گئے تھے درسی کام سنبھال لینے پر تعینات کر دیئے گئے۔ لہٰذا شیعہ مجتہدین کے درسی ادارے بھی رفتہ رفتہ خالی اور سنسان ہو کر رہ گئے۔ اس دباؤ نے مجتہدین کو مجبور کیا کہ وہ احمد احسائی کے خلاف محاذ بنائیں۔ محاذ بنایا گیا۔ شیخ اور سید کاظم علی رُشتی کو کافر قرار دیا گیا فریقین میں مباحثہ بھی ہوا لیکن مجتہدین کی سازش سے شیخ اور سید دونوں مجبور ہو گئے۔ یہ طویل قصہ ہے یہاں اس کا ذکر طول کا باعث ہوگا۔ اتنا بتا کر بات آگے بڑھاتے ہیں کہ حقیقت میں یہ دونوں فریق باطل پرست اور ہمارے نزدیک لعنتی تھے اور لعنتی ہیں۔ یہ بات البتہ ماننا پڑتی ہے اور ہمارے عنوان کے لئے ضروری ہے کہ شیخ احمد نے حضرت حجۃ امام زمانہ علیہ السلام کے وجود اور فضائل پر ایسی امید افزا تقریریں کیں کہ شیعہ پبلک حضور علیہ السلام کی زیارت کے لئے بے قرار ہو گئی لوگوں نے جنگلوں میں، گھروں میں اور عبادت گاہوں میں ہر طرف حضورؑ کو تلاش کرنا شروع کر دیا چاروں طرف سے یا صاحب العصرؑ والزمان ادرکنی کی صدائیں آ رہی تھیں۔ حضورؑ کی زیارت کے لئے بے قرار لوگ جنگلوں میں دوڑتے پھرتے تھے اور شیخ صاحب اس آگ پر اور تیل چھڑکتے رہتے تھے۔ اپنی قیاسی اور اختراعی ترکیبیں بتاتے تھے۔ اور لوگ حضورؑ کی زیارت کے شوق میں اُن ترکیبوں پر عمل کرتے تھے۔ مطلب یہ کہ سارا ایران اس سیلاب میں بہہ نکلا۔ لوگ غوطے کھاتے، بہتے اور ہاتھ پاؤں مارتے چلے جا رہے تھے اور ڈوبنے سے بچنے کے لئے تنکے کا سہارا ڈھونڈ رہے تھے۔ کہ ابلیس نے ٹھیک وقت پر وہ سہارا بھی فراہم کر دیا۔ یعنی سید کاظم رُشتی کی طرح کا ایک اور مجتہد سید علی محمد بھی اس ہنگامہ سے متاثر ہوا اور شیخ احمد احسائی کے دربار میں آیا۔ اُن کے بیانات سنے۔ گہرے تاثرات کا اظہار کیا کافی دنوں تک صحبت میں رہا اور اپنا منصوبہ تیار کر کے واپس آیا اور اپنے قریبی لوگوں میں یہ تاثر پھیلایا کہ میں حضور علیہ السلام سے ملاقات کر چکا ہوں۔ اُنہوں نے مجھے وہ دروازہ یعنی باب بنایا ہے جس کے وسیلے سے زیارت کے مشتاق لوگوں کو حضورؑ کی زیارت ہوا کرے گی۔ یہ خبر آگ کی طرح چاروں طرف پھیل گئی اور یوں اُن لوگوں کا رخ جناب سید علی محمد باب کی طرف مڑ گیا۔ باب صاحب نے جو کچھ کیا وہ بھی طول طویل قصہ ہے۔ اور بڑا دردانگیز اور سبق آموز اور ماہرانہ اسکیم ہے۔ مگر ہم اپنے عنوان تک پہنچنے کے لئے صرف اتنا بتا کر آگے بڑھ جائیں کہ حضرت باب کی تائید میں ایک نہایت عاقلہ بالغہ عورت جو ایک مجتہد کی بیٹی اور خود درجہ اجتہاد پر فائز تھی کھڑی ہو گئی جس کا نام طاہرہ تھا اور جو اپنے حسن و جمال میں یکتا تھی پردہ اُتار کر باب کی حقانیت پر لیکچر دینے اور گرد و نواح کے دورے کرنے میں مصروف ہو گئی۔ لوگوں کا ہجوم ساتھ ساتھ ایک نظر چہرہ دیکھنے کے لئے ایک دوسرے پر گرا پڑتا تھا۔ طاہرہ کو حضرت باب نے قرۃ العین کا صحیح لقب دیا تھا۔ جسے دیکھ کر باب ایسے انسان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی ہوں۔ اُس کا عوام پر کیا کچھ اثر نہ ہوگا۔ لوگ اُس کے اشاروں پر ناچتے تھے۔ جان قربان کرنے کو تیار ہو جاتے تھے۔ اسی ہنگامہ رُست و خیز میں حضرتِ باب نے اپنی نبوت و رسالت کی اطلاع دی چاروں طرف سے لبیک لبیک کی صدائیں بلند ہوئیں۔ حکومت ایران اس اطلاع سے گھبرا اُٹھی روک تھام شروع، جوش اور بڑھا، سختیاں ہوئیں تو لوگ شہید ہونے لگے بابی مذہب کے لوگوں میں ولولہ جنون کی حد تک پہنچا تو علمائے مجتہدین اور حکومت نے باب کو شکست دینے کے لئے باب کو دربار میں بلایا مباحثہ میں مجتہدین بُری طرح ہار گئے جو خود باطل پرست ہوا سے طاقتور باطل

کے سامنے ہارنا ہی پڑتا ہے۔لہٰذا اُنہوں نے اسلام خطرے میں ہے،رسوؐل کی توہین کی جارہی ہے، کے نعرے مار کر باب کو خاموش کر دیا اور باب کو جیل بھیج دیا گیا۔اس سے ایران میں قتل وغارت کا بازار گرم ہوگیا۔بابیوں نے خاص طور پر مجتہدین کو نشانہ بنایا۔یہی وقت تھا جب ملک کے وزیر کا بیٹا حسین علی طاہرہ کے لکچروں کا گرویدہ ہوکر بابیوں میں شریک ہوا تھا اور بابی مذہب اختیار کیا۔اب طاہرہ اور حسین علی نے باب کو مشورہ دیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کی نبوت ورسالت اور قرآن کی منسوخی کا اعلان کر دیں۔باب نے اس سے انکار کر دیا تو طاہرہ اور حسین نے خود ہی اس منسوخی کا اعلان کر دیا۔یوں قتل وغارت اور گرفتاریوں میں ترقی ہوئی۔فوج کو میدان میں اُترنا پڑا اس دارو گیر میں باب کے لئے سولی دینے کا حکم نافذ ہوگیا۔باب کے قتل کی داستان خود ایک معجزہ بن کر رہ گئی۔یعنی سولی دینے والی ٹولی سے ایک شخص نے التجا کی کہ مجھے بھی علی محمد باب کے ساتھ سولی دیا جائے۔ان دونوں کو سولی پر چڑھایا گیا فوجی دستہ نے گولی کی باڑھ داغی جب دھواں ہٹا تو مرید مردہ تھا اور باب صاحب سولی سے غائب تھے۔لوگوں کا مجمع حیران تھا۔ذرا دیر کی تلاش میں باب صاحب ایک غسل خانے یا پیخانے سے برآمد کر کے دوبارہ سولی پر چڑھادئے گئے۔اور فوجی دستے نے اس دفعہ گولی مار کر علی محمد باب کا خاتمہ کر دیا۔اُدھر فوج نے قیدخانوں کو بابی مذہب کے لوگوں سے بھر دیا اور تحریک کمزور پڑ گئی۔طاہرہ کو بھی قتل کر دیا گیا۔اب صرف حسین علی رہ گئے۔جنہوں نے گرفتاری سے بچنے کے لئے تقیہ کا برقع پہن لیا اور اندر ہی اندر خود کو رسول اور باب کی طرف سے نمائندہ ظاہر کرنے کی اسکیم سنبھالی اور رہے سہے بابیوں کو اپنے گرد جمع کرنا شروع کیا۔

حکومت ایران تجربہ کر چکی تھی اور تھک چکی تھی اس نئی نبوت ورسالت کو ابتدا ہی میں کچل دینے کی طرف متوجہ تھی کہ روسی سفیر نے یہ تجویز پیش کی کہ حسین علی کو مع اس کے خاندان اور متعلقین کے جلاوطن کر دیا جائے۔چنانچہ یہ نبوت ورسالت اس سفیر کی مدد سے ترکی میں جلاوطن ہوکر وہاں اپنی تبلیغ میں سرگرم ہوگئی۔طرح طرح کے قصے مشہور ہوئے۔اور اُن کی تائید وتردید ہوتی رہی ہے۔حسین علی نے اپنا لقب بہاء اللہ مشہور کیا اور اپنے مذہب کا نام بہائی مذہب قرار دیا۔انہوں نے بھی محمدؐ اور قرآن کو برحق مانا ہے اور اپنے مذہب کے ثبوت میں استعمال بھی کیا ہے مگر یہ کہہ کر اُسے منسوخ قرار دیا ہے کہ ایک ہزار سال کے بعد نیا نبی اور رسول آجاتا ہے اور پچھلے نبی کی نبوت اور کتاب منسوخ ہوجاتی ہے۔حالانکہ اُنہوں نے باب کو صحیح وسچا نبی مانا اور اُن کی کتاب ''البیان'' کو بھی منجانب اللہ قرار دیا ہے جو دوسال بعد منسوخ ہوگئی لہٰذا ہزار سال والی بات ایک مصلحت سے زیادہ کچھ نہیں۔حضرات علی محمد باب اور حسین علی بہاء اللہ نے بھی بارہویں اماؑم کی ولادت کا انکار کیا ہے بلکہ جناب باب تو خود قائم قیامت ہونے کا دعویٰ کرتے رہے اور بہاء اللہ نے ان کو قائم قیامت اور رسول مانا ہے۔اب ہم یہ بتاتے ہیں کہ باقی مذاہب کی طرح بہائی مذہب کے پیرو بھی اپنے مذہب کی حقانیت ثابت کرنے میں وہ سب کچھ کرتے رہے ہیں جو اور لوگ کرتے رہے۔چنانچہ بہائی مذہب کی تائید اور مسلمانوں اور شیعوں کی تردید میں اور کئی کتابوں کی طرح یہ کتاب ''ظہور قائم آل محمدؐ'' لکھی گئی ہے جس پر ہم نے سرسری سی تنقید کا عنوان قائم کیا تھا۔تنقید شروع ہونے سے پہلے یہ نوٹ کر لیں کہ اسلام نے ہر مذہب ومسلک کو پھلنے پھولنے اور اپنے کردار سے پھیلنے کا پورا موقع دیا ہے اور سب کے ساتھ نیکی میں تعاون کی تاکید کی ہے۔لہٰذا یہ طریقہ ہی باطل ہے کہ کسی مذہب یا مذہب کے مدعی سے ہنگامہ آرائی شروع کی جائے۔یہ وہی لوگ کرتے ہیں جنہیں خود اپنے مذہب اور مذہبی تعلیمات پر یقین نہیں ہوتا۔اُن کو یہ خطرہ ہوجاتا ہے کہ اگر انہوں نے ہنگامہ آرائی نہ کی تو اُن کا مذہب پٹ جائے گا اور دوسرا مذہب کامیاب ہوجائے گا۔لہٰذا ہم اس سلسلے میں بھی سابقہ علما سے مختلف طرز عمل رکھتے ہیں اور اس معاملے میں بھی سختی اور صبر کے ساتھ محمدؐ وآل محمدؐ وآئمہ طاہرین علیہم السلام کی طرز زندگی پر کاربند رہنا چاہتے ہیں۔لہٰذا علی محمد باب اور حسین علی بہاء اللہ اور اُن کے پیرووٴں کو بھی پھلنے پھولنے کا موقع

دیئے جانے کے قائل ہیں اور اُن تمام غلط باتوں کو غلط کہتے ہیں جو دونوں فریق نے غلط کی تھیں۔اور ہم دونوں کے عملدرآمد کو باطل قرار دیتے ہیں جہاں جہاں وہ باطل ہیں۔اور دونوں کی اچھی باتوں کو اچھی کہتے ہیں جہاں جہاں وہ اچھی ہیں۔ یہ اس لئے کہ باطل خالص باطل کبھی نہیں ہوتا ورنہ وہ دو قدم بھی نہیں چل سکتا۔ چنانچہ مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام نے اسی نہج البلاغہ میں فرمایا ہے کہ:

''باطل پرست لوگ حق اور باطل کو ایک موزوں مقدار میں مکسچر کے طور پر استعمال کرتے ہیں اگر وہ خالص باطل کو استعمال کرتے تو کوئی فریب نہ کھاتا۔اور اگر خالص حق ہوتا تو لوگ حق پر رہتے۔''

ہم یہ سمجھے کہ اُس مکسچر کی مکمل تردید وابطال سے اس میں ملائے ہوئے حق کی بھی تردید وابطال ہوجائے گی جو غلط ہے۔لہٰذا ہمیں مکمل تردید کا بیڑا کبھی نہ اُٹھانا چاہئے۔صرف اُن باتوں کی تردید کردینا کافی ہے جو حق سے ٹکراتی ہوں۔لہٰذا ہم کو اس کتاب ظہور قائم آل محمدؐ کی بھی مکمل تردید وجواب لکھنے کی زحمت نہ اُٹھانا چاہئے صرف اُس میں مذکور غلط باتوں کو واضح کردینا کافی سمجھنا چاہئے۔اس لئے سرسری تنقید کا عنوان قائم کیا گیا ہے۔

9۔ کتاب ''ظہور قائم آل محمدؐ'' سے تعارف۔

اس کتاب کو جناب سید ابوالعباس رضوی جارچوی نے لکھا ہے۔اور بڑی متانت اور مہذب انداز میں لکھا ہے۔اور بہائی پبلشنگ ٹرسٹ (شاخ) پاکستان نے شائع کیا ہے۔اور یہ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن ہے جس پر ہم نظر ڈال رہے ہیں۔ جسے مصنف نے اصلاح اور اضافہ کے ساتھ پیش کیا ہے۔اس کتاب پر نہ تاریخ طباعت ہے۔نہ قیمت درج ہے۔نہ تعداد کتاب لکھی گئی ہے۔البتہ مصنف نے لکھا ہے کہ:

''رسالہ ظہور قائم آل محمدؐ کا جدید ایڈیشن حسب ضرورت ترمیم واضافہ کے ساتھ حاضر خدمت ہے۔جس پر ہم معقول اور منصفانہ تنقید سننے کیلئے ہر وقت آمادہ ہیں اور درخواست کرتے ہیں کہ شیعہ صاحبان علم اور ارباب قلم اپنے قیمتی خیالات سے مستفید فرمائیں گے۔'' (پیش لفظ کا صفحہ۔ق)

یہاں یہ عرض کردیں کہ رضوی صاحب کی یہ کتاب عرصہ دراز سے ہماری لائبریری میں موجود تھی اور ہم بہائی مذہب سے کماحقہ واقف بھی ہیں اور اُن کے سب سے بڑے علما سے ہماری ملاقاتیں بھی ہوچکی ہیں۔مثلاً جناب طراز اللہ سمندری سے جو حضرت بہاء اللہ کے اور جناب عبدالبہا کے سب سے بڑے صحابی ہیں اور بہائیوں میں اُن سے زیادہ عمر رسیدہ کوئی شخص موجود نہیں ہے۔اور اُن سے جو اصولی گفتگو ہوئی تھی اور وہ لاجواب ہوگئے تھے اُس پر بھی ہم نے کوئی مضمون نہیں لکھا۔ہم نے مذہبی معاملات میں اُسی اصول کو ہمیشہ سامنے رکھا ہے جو پچھلے صفحات میں لکھ آئے ہیں۔اور اسی اصول کے ماتحت اور اپنی عظیم مصروفیات کی بنا پر ہم نے رضوی صاحب کی کتاب پر بھی کچھ لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی اور اب بھی اس زیر تشریح خطبے کی ضرورت سے زیادہ کچھ نہ لکھیں گے اور جو کچھ لکھیں گے اُس میں متانت، تہذیب واحترام کو سامنے رکھیں گے انشاء اللہ والامام علیہ السلام۔

10۔ سید ظفر الحسن مجتہد، پرنسپل کالج بنارس کی کتاب ''انتظار قائم آلِ محمدؐ'' اور بدتمیزی۔

اِس ترمیم شدہ ایڈیشن میں رضوی صاحب نے مجتہد مذکور کی بدتمیزی وبداخلاقی کی شکایت بھی لکھی ہے اور اُس کا نمونہ بھی لکھا ہے (پیش لفظ صفحہ۔ط) اس پر ہمیں نہ تعجب ہوا اور نہ افسوس ہوا اس لئے کہ مجتہد اور نظام اجتہا دسر سے پیر تک مجسمہ بدتمیزی وبداخلاقی وکجروی ہوا کرتا ہے۔اُن کا کاروبار ہی نفرت انگیزی اور فتنہ پروری ہوتا ہے بہر حال ہماری لائبریری میں اُس مجتہد کی یہ کتاب انتظار قائم آل محمدؐ نہیں ہے۔اس لئے کہ ہم مجتہدین سے اُمید نہیں رکھتے کہ وہ دین کی کوئی خدمت کریں گے۔اُن کی تصنیفات صرف ایسی مجبوری میں پڑھا کرتے ہیں جب ہمیں اُن کو اُن ہی

کی زبان میں جواب دینا پڑتا ہے۔ بہرحال ہم اپنے ایک رفیق کار جناب اسد انور سے کہہ چکے ہیں کہ اگر بسہولت یہ کتاب مل جائے تو لے آئیں۔ ہم رضوی صاحب کی شکایت کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔

رضوی صاحب نے مجتہد مذکور کو اور اُن کی کتاب کو شروع سے آخر تک پڑھا ہے اور اُن کی علمی قابلیت، طریق استدلال اور دیانت و امانت کو بنظر غائر دیکھا ہے۔ ہمیں یقین ہوگیا ہے کہ رضوی صاحب اپنے دین اور دینی راہنماؤں سے پوری پوری عقیدت و محبت رکھتے ہیں۔ لیکن وہ بہائی مذہب کے علما کی لائن میں نہیں آتے۔ اُن کا علم اور دینی معلومات بالکل سطحی ہیں، البتہ جن بہائی علما کی ہم سے گفتگو ہوئی ہے رضوی صاحب اُن سے علم میں پیچھے اور عقیدت میں آگے ہیں۔ اُنہوں نے اس کتاب میں بہت ادنیٰ درجہ کی باتوں کو بڑی اہمیت دی ہے جس سے کتاب کی اپنی اہمیت مجروح ہوئی ہے اور استدلال پر مضر اثر پڑا ہے۔ رضوی صاحب اپنی متانت اور تہذیب و احتیاط میں قابل مبارکباد ہیں۔

11۔ رضوی صاحب محمدؐ و آل محمدؑ کی قرآنی پوزیشن سے ناواقف رہے ہیں۔

رضوی صاحب نے قرآن کریم کا مطالعہ قریشی تراجم کے ذریعہ سے کیا ہے ذاتی عربی علم سے نہیں کیا ہے۔ اس لئے اکثر و بیشتر وہ غلط نتائج پر پہنچے ہیں۔ مزید برآں یہ ثابت ہوگیا ہے کہ انہیں قرآن کے خلاف قریش کی اُس سازش کا قطعاً علم نہیں ہے جسے خود قرآن میں بیان کر دیا گیا ہے (سورہ فرقان 31-25/30)۔ اسی بنا پر رضوی صاحب قریش کی تیار کردہ لغات پر پورا اعتماد کرتے ہیں اور عربی کے مسلّمہ قواعد کے خلاف اُن کے معنی قبول کرتے اور اُن کی اتباع میں مشغول رہتے چلے جاتے ہیں۔

11 (الف)۔ قرآن کی رُو سے آنحضرتؐ ہرگز مشرک و کافر گھرانے میں پیدا نہیں ہوئے وہ مومنین میں مومن پیدا ہوئے تھے۔

قریش کی تیار کردہ تاریخ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے برابر رکھنے کے لئے مشرکوں میں پیدا ہونے والا، حرام خوراک کھاتے ہوئے جوان ہونے والا اور مشرک ماں باپ کا بیٹا دکھایا گیا ہے۔ مگر قرآن اُن کا مخالف ہے اور کہتا ہے کہ:

لَقَدۡ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اِذۡ بَعَثَ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡ اَنۡفُسِهِمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيۡهِمۡ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَاِنۡ كَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ O (آل عمران 3/164)

ہم اس آیت کا ضمیروں کے ترجمہ کے ساتھ اور مضارع کے دونوں معنی کے ساتھ ترجمہ کرتے ہیں۔ سنئے:

''یقیناً اللہ نے مومنین پر اُس وقت منّتی احسان کیا تھا جب مومنین میں مومنین ہی میں سے ایک مومن رسولؐ مبعوث کیا تھا۔ وہ اُن مومنین پر اللہ کی آیات تلاوت کرتا ہے اور کرتا رہے گا۔ اور وہ رسولؐ اُن مومنین کا تزکیہ نفس کرتا ہے اور کرتا رہے گا۔ اور وہ رسولؐ اُن مومنین کو الکتٰب کی اور الحکمۃ کی تعلیم دیتا ہے اور دیتا رہے گا۔ اور خواہ وہ مومنین اس تلاوتِ آیات اور تزکیہ نفس اور تعلیم کتاب و حکمت سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی ہی میں کیوں نہ رہے ہوں۔'' (آل عمران 3/164)

11 (ب)۔ منّتی احسان اس لئے فرمایا گیا کہ حضرت ابراہیمؑ کی تمنا پوری کی گئی تھی۔

قارئین نوٹ کریں کہ لفظ ''احسان'' بھی عربی زبان کا لفظ ہے۔ اور قرآن میں بار بار استعمال بھی ہوا ہے (2/229)۔

مگر یہاں منّتی احسان اس لئے فرمایا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام تمنا فرما رہے ہیں کہ:

رَبَّنَا وَاجۡعَلۡنَا مُسۡلِمَيۡنِ لَكَ وَمِنۡ ذُرِّيَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسۡلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبۡ عَلَيۡنَا ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ التَّوَّابُ

الرَّحِيمُ O رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ ايٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ O (بقرہ 2/128-129)

الفاظِ قرآن اور مسلماتِ قرآن کے ماتحت ہمارا ترجمہ:

''اے ہم دونوں کے پروردگار، تو ہمیں نبوت و رسالۃ کے بعد اپنے خاص مسلمان بھی بنالے اور ہماری ذریت میں سے ویسی ہی مسلم اُمت بھی بنادے اور ہمیں ہمارے قوانین بھی دکھادے اور ہم پر راہنمائی کے لئے متوجہ رہ۔ بے شک تو تو ہے بھی راہنمائی کے لئے بار بار پلٹ کر متوجہ رہنے والا۔ ہم دونوں کے پروردگار ہماری ذریت میں سے بننے والی مسلم اُمت میں، تو اُسی مسلم امت میں سے ایک رسوؐل مبعوث کرنا جو اُس مسلم امت پر تیری آیتوں کی تلاوت کیا کرے اور اس مسلم اُمت کو الکتاب اور الحکمۃ کی تعلیم دیا کرے اور اُس مسلم اُمت کا تزکیہ نفس کیا کرے۔ بلاشبہ تو تو ہر حالت میں مکمل غالب حکیم ہے۔'' (بقرہ 2/128-129)

11 (ج)۔ تین ہزار سال پہلے آنحضرؐت کی پیدائش اور بعثت کی دعا اور تمنا اور پیش گوئی کی گئی اور وہ اُمۃِ مسلمہ میں پیدا و مبعوث ہوئے۔

ہم رضوی صاحب اور اُن کے ہم مسلک بہائی حضرات کی توجہ چاہتے ہیں کہ وہ ان آیات کو ملاحظہ فرمائیں۔ اور پہلی بات یہ نوٹ کریں کہ تین ہزار سال سے اللہ اور ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی تیار کردہ ایک مسلم اُمت مسلسل موجود چلی آرہی تھی اور اُسی مسلم امت میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ پیدا ہوئے اور اُسی مسلم اُمت میں مبعوث بھی ہوئے اور اللہ نے اُسی مسلم اُمت پر منتی احسان بھی کیا تھا۔ لہٰذا ان آیات کی رُو سے بھی وہ لوگ دشمنانِ محمدؐ ہیں جو اُنہیں اور اُن کے ماں باپ اور باقی اعزا کو مشرک قرار دیتے ہیں (25/30-31 اور 6/66) اور وہی لوگ ہیں جنہوں نے قرآن کو جھٹلایا ہے اور مہجور کیا ہے (6/66، 25/30-31) اور دوسری بات یہ نوٹ کریں کہ قرآن میں کسی آنے والے نبیؑ کے لئے پیشن گوئی کا ایسا واضح بیان ہوتا ہے جیسا یہاں آپ نے دیکھا ہے (2/128-129)۔ اور یہ بھی نوٹ کرلیں کہ ان آیات کے علاوہ قرآن میں کہیں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری پیدائش کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ جہاں بھی تذکرہ ہوا ہے وہاں ارسال کرنے، مبعوث کرنے اور نازل کرنے کی بات کی گئی ہے اور بس۔

11 (د)۔ ہمیں یقین نہیں آتا کہ رضوی صاحب بھی مشرک قریش کی طرح آنحضرؐت کو مشرک گھرانے میں پیدا ہونے والا مانتے ہوں۔

یہاں ہم قارئین کے سمجھنے اور فیصلے کے لئے جناب رضوی صاحب کا ایک الزامی جواب نقل کرتے ہیں جو اُنہوں نے مجتہد مذکور کے اعتراض کے جواب میں قائم کیا ہے۔ اور جس کا جواب واقعی تمام مجتہدین کے پاس بھی نہیں تھا۔ رضوی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''حضرت بہاء اللہ ''ازلی'' کبھی نہیں ہوئے اور نہ مرزا یحیٰی ازل مدّعی شریعت تھے۔ اگر ایسا ہے تو ثبوت پیش فرمائیں، وہ شیعہ بھی نہ تھے اُن کا کوئی تحریری اقرار شیعہ ہونے کا آپ کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ اور اگر شیعہ گھرانے میں پیدا ہونا اُن کے شیعہ ہونے کی دلیل ہے تو پھر حضرت سرورِ عالم کے متعلق اگر کوئی یہ اعتراض کردے تو ہمارے اور آپ کے دونوں کے لئے ایک نئی مصیبت کھڑی ہوجائے گی۔''

(کتاب ظہور قائم آلِ محمدؐ صفحہ۔ ن۔ و۔ س)

مطلب واضح ہے کہ اگر حضرت بہاء اللہ کو شیعہ گھرانے میں پیدا ہونے کی بنا پر شیعہ قرار دینا صحیح ہے تو محمدؐ کو مشرک و کافر گھرانے میں پیدا ہونے کی بنا پر مشرک و کافر قرار دینا بھی صحیح ہے۔ اور اگر یہ اعتراض پیدا کردیا جائے تو رضوی صاحب اور مجتہد صاحب کیلئے ایک نئی مصیبت

کھڑی ہو جائے گی۔ مصیبت کھڑی ہو یا نہ ہو، کوئی اعتراض کرے یا نہ کرے۔ مگر رضوی صاحب یہ مانتے ہیں کہ اُن کے سرور عالم مشرک و کافر گھرانے کی پیداوار تھے۔ اِنا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہاں دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ اول یہ کہ رضوی صاحب بھی شیعہ مجتہدین کی طرح (معاذ اللہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشرکوں اور کافروں میں پیدا ہونے والا، حرام چیزوں سے بنا ہوا دودھ پینے والا، اور حرام غذائیں کھاتے ہوئے جوان ہونے والا حرام و ناپاک خوراک سے بنا ہوا خون و گوشت اور ہڈیوں کا گودا اور کھال وقلب وذہن لئے پھرنے والا شخص مانتے ہیں اور دوسری بات یہ کہ رضوی صاحب نے بھی مجتہدین کی طرح اگر قرآن کو پڑھا ہے تو قرآن کو مجبور کرنے والی قریشی قوم کی آنکھوں سے پڑھا ہے ورنہ یہ مردود و ناہنجار عقیدہ پاس نہ پھٹکتا۔ اور یہیں یہ بات بتانے کی ضرورت ہے کہ ہم نے دلیل و برہان اور ہر قسم کے ثبوت سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ قریش کہلانے والی قوم کا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یا اُن کے خاندان اور نسل سے کسی قسم کا نسبی رشتہ یا تعلق نہ تھا۔ یہ ایک سازش ہے جس سے بعض لوگ رسولؐ اللہ کے رشتہ دار وہم قبیلہ بن بیٹھے۔ البتہ مدینہ کے قبائل اَوس وخزرج رسولؐ کے رشتے دار بھی اور ہم نسب بھی تھے۔

12۔ اگر رضوی صاحب کے تضادات اور گھٹیا درجہ کی غلطیوں اور استدلال کو سامنے رکھ کر تنقید کی جائے تو سیکڑوں صفحات درکار ہوں گے۔

اگر ہم تحریر میں وہی رویہ اختیار کر لیں جس پر رضوی صاحب گزرے ہیں تو ہمارا کافی وقت ضائع ہوگا اس لئے ہم نے عرض کیا ہے کہ چند بنیادی پہلوؤں میں تنقید کر کے قارئین کو مطمئن کر دینا مقصود ہے۔ مگر اُن کے تضادات اور گھٹیا درجے کی غلطیوں کا نمونہ دکھانا ضروری ہے جن سے یہ کتاب بھری پڑی ہے۔ لہٰذا صبر وسکون سے رضوی صاحب کا بیان سنئے:

12 (الف)۔ تضادات و بے وزن غلطیوں کا نمونہ دیکھیں۔

(1) ''حضرت پیغمبرؐ اسلام کو خدا حکم دیتا ہے: **فاتبع ملة ابراهيم حنيفا** ''اے رسولؐ دین ابراہیمؑ کی اطاعت کرو اور آپؐ نے اطاعت کی اور اس کے باوجود نئے دین کے بانی قرار پائے'' (صفحہ۔ع)

(2) جناب موصوف ایک اور اہم سوال کرتے ہیں۔ **ومن يبتغ غير الاسلام دينًا فلن يقبل منه** (3/85)۔ یعنی جو شخص دین اسلام کے علاوہ کوئی اور دین چاہے گا تو اُس کا دین قبول نہ کیا جائے گا۔ اس آیت کی موجودگی میں کیا آپ دائرہ اسلام میں رہ سکتے ہیں؟

(3) جی ہاں رہ سکتے ہیں کیوں کہ ''اسلام کے'' لغوی معنی ہیں'' گردن نہادن بطاعت'' اور اصطلاح شرع میں اس کے معنی ہیں'' احکام خداوندی کی اطاعت کرنا''، اصلی دین اور حقیقی اسلام یہی ہے اور یہی دین ہے جو آدمؑ سے لے کر تا خاتمؐ سب پیغمبروں پر نازل ہوا تھا۔

حالانکہ تمام پیغمبروںؑ کی شریعتیں الگ الگ تھیں۔ احکام سب کتابوں کے جدا جدا تھے۔ ایک شریعت کی حلال چیزیں دوسری شریعت میں حرام تھیں۔ اس کے باوجود ہر پیغمبرؑ کا دین اسلام تھا اور اس کے ماننے والے مسلمان تھے۔ اور وہ سب دائرہ اسلام میں داخل تھے۔ چنانچہ قرآن میں ارشاد ہے کہ **هو سمّاكم المسلمين من قبل و فى هذا** (22/78) ہم نے پہلے بھی تمہارا نام مسلم رکھا تھا اور اب بھی۔ یعنی اطاعتِ احکام خداوندی کرنے والے اختلاف احکام کے باوجود مسلم تھے۔ حالانکہ انہوں نے اپنے آپ کو مسلمان کبھی نہیں کہا نہ وہ مسلمان کہلائے۔ نہ آج تک یہودی اور عیسائی وغیرہ خود کو مسلمان کہتے ہیں لیکن خدا اُن کو مسلمان کہتا ہے کیوں کہ وہ اُس زمانہ میں خدائی احکام کی اطاعت کر رہے تھے۔ اس لئے دین بہائی چونکہ خدا کا دین ہے اور خدا نے اس کو حضرت بہاء اللہ پر نازل فرمایا ہے۔ اس لئے

دین بہائی وہ دین قدیم ہے جو ہمیشہ اسلام تھا اور رہے گا اور اس کے ماننے والے مسلم ہیں کیوں کہ آج خدائی احکام یہی ہیں جو شریعت بہائی کے ذریعہ ہمیں ملے ہیں۔ البتہ مسلمانوں کی اصطلاح کے مطابق اہل بہاء خود کو مسلمان نہیں کہتے۔ جس طرح سے کہ مسلمانوں سے پہلے کی اقوام نے خود کو مسلمان کبھی نہیں کہا۔'' (یہ تمام بیانات صفحہ ع۔ف پر ہیں)

(4) ''اس دین کے بانی حضرت بہاء اللہ ہیں تمام کتب مقدسہ کے موعود پیغمبر آپ ہی ہیں۔ آپ کا ظہور تمام مقدس پیشن گوئیوں کے مطابق ہے۔'' (صفحہ 8۔9)

12 (ب)۔ ان چاروں بیانات پر سنجیدگی سے نظر ڈالئے اور ہماری تصدیق یا تردید کیجئے۔

تمام اردو جاننے والے اور بولنے والے لفظ ''بانی'' کے معنی بنانے والا، بنیاد رکھنے والا اور موجد کرتے ہیں اور رضوی صاحب نہ صرف محمدؐ کو اسلام کا بانی لکھتے ہیں (بیان نمبر 1) بلکہ حضرت بہاء اللہ کو بھی اسلام کا بانی قرار دیتے ہیں (بیان نمبر 4)۔ یعنی اسلام کو بنانے والے یا اسلام کی بنیاد رکھنے والے یا اسلام کی ایجاد کرنے والے محمدؐ اور بہاء اللہ ہیں اور ساتھ ہی وہ اُسی سانس میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ:

''یہی دین ہے جو آدمؑ سے لے کر تا خاتمؐ سب پیغمبروںؑ پر نازل ہوا تھا۔'' (بیان نمبر 3)

یعنی نہ محمدؐ نے اسلام کو ایجاد کیا تھا نہ حضرت بہاء اللہ نے اُسے بنایا تھا بلکہ اسلام اللہ کی طرف سے اُن پر بھی اور باقی پیغمبروںؑ پر بھی اللہ نے نازل کیا تھا۔ ناطقہ سر بہ گریباں کہ اسے تضاد نہ کہئے تو اور کیا کہئے؟ ایسے تضادات سے یہ کتاب ظہور قائم آلِ محمدؐ اٹی پڑی ہے۔

12 (ج)۔ رضوی صاحب کی کتاب ظہور قائم آل محمدؐ چھوٹی چھوٹی غلطیوں سے لبریز ہے یعنی وہ غلطیوں کے عادی اور پابند ہیں۔

رضوی صاحب لفظ ملّت کو دین فرماتے ہیں جو خود اُن ہی کی تحریر کی رُو سے غلط ہے۔ وہ لفظ اتباع کے معنی اطاعت کرنے میں کوئی تکلف نہیں کرتے حالانکہ دونوں کے دو مختلف مصادر ہیں۔ وہ لفظ اسلام کے معنی بھی اطاعت کر لیتے ہیں۔ حالانکہ یہ بھی مختلف مصدر سے ہے۔ جس کا اطاعت سے کوئی تعلق نہیں۔ ساتھ ہی وہ قریش ساز اصطلاح گردن نہادن کو بھی اسلام کے معنی میں قبول کر لیتے ہیں۔ وہ اُدھر لفظ مسلمان کو مسلمانوں کی اصطلاح قرار دیتے ہیں اور یہ بھی لکھتے ہیں کہ ''لیکن خدا اُن کو مسلمان کہتا ہے'' (بیان نمبر 3 اور نمبر 4)۔ رضوی صاحب اسلام کو خدا کا نازل کردہ دین بھی کہتے ہیں اور محمدؐ کے سر چپکا کر اُسے نیا دین بھی لکھتے ہیں (بیان نمبر 1)۔ وہ اسلام کو اختلافات سے لبریز دین بھی لکھتے ہیں اور خدا کو حرام کو حلال کرنے والا اور حلال کو حرام کرنے والا بھی کہتے ہیں (بیان نمبر 3)۔ وہ اس کی فکر نہیں کرتے کہ آیات کو قرآن کی مکتوبی صورت میں لکھیں یا آیت پر اعراب دیں یا آیت کا نمبر و حوالہ دیں۔ وہ لفظ ''ھُوَ'' کے معنی ''ہم نے'' کر لیتے ہیں (بیان نمبر 3)۔

الغرض تضادات و اغلاط نے اس کتاب کو اس قابل نہیں چھوڑا کہ اس پر سنجیدہ اہل علم توجہ دیں۔ جناب رضوی صاحب تیز گامی اور سہل خرامی میں خود اپنی تردید و تغلیط کرتے چلے گئے ہیں۔ نوٹ کریں کہ صرف نمونہ دکھانے کے لئے ہمارے چار قلمی صفحات اور قیمتی وقت آپ کے سامنے ضائع ہو گئے ہیں۔

13۔ رضوی صاحب کے سامنے شیعہ مجتہدین اور اُن کے عقائد و نظام اجتہاد رہا ہے اُن کی ملاقات حقیقی شیعہ سے کبھی نہیں ہوئی۔

ہم نے رضوی صاحب کی کتاب ظہور قائم آل محمدؐ کے چند صفحات پڑھ کر یہ سمجھ لیا تھا کہ وہ خود اجتہاد پرست شیعوں کو چھوڑ کر بہائی مذہب میں داخل ہوئے ہیں اور اُنہوں نے مجتہدین کے عقائد ہی کو شیعہ مذہب سمجھا ہے اور وہ اُن کو اُن ہی کے دلائل سے لاجواب کر کے تبلیغ کرنے کی

کوشش میں مصروف ہیں۔ وہ شیعہ مجتہدین کے معیار پر بات کر کے مطمئن ہوجاتے ہیں کہ بس اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اُنہیں ہمارا خیال کیسے آتا؟ ہم خانہ نشین، گوشہ گیر اور اپنے امام عصر علیہ السلام کی طرح شیعوں اور مسلمانوں سے قطعی منقطع رہتے چلے آئے ہیں نہ اُنہوں نے ہمارا نام سنا نہ ہمیں علمائے شیعہ کی صف میں دیکھا نہ ہماری تقریر سنی نہ کوئی تحریر و تصنیف دیکھی۔ انہیں ہمارے معیار تحقیق و تفتیش کا علم کیسے ہوتا؟ یہ تو ایک اتفاق ہے کہ ہم خطبہ نمبر 137 کی تشریحات میں حضرت حجۃ قائم آل محمدؑ محمد بن حسن عسکری علیہم السلام کی غیبت و وجود کی ذیل میں منکرین پیدائش و وجود ذی جود کے دلائل کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کتاب ظہور قائم آل محمدؑ کو اپنے سامنے رکھ لیا اور اس کی بنیادوں پر تنقید ضروری سمجھی ورنہ کہاں ہم اور کہاں رضوی صاحب قبلہ؟

13 (الف)۔ وہ آیت جس پر رضوی صاحب کی کتاب اور اُن کے دین کا دارومدار ہے اُسے ہمارے ساتھ ساتھ پڑھیے۔

جناب رضوی صاحب اپنی کتاب کے صفحہ 158 پر رقم طراز ہیں کہ ''قیامت کبریٰ کے متعلق جو عقیدہ مشہور ہوگیا ہے۔ یعنی ''صور اول پر دُنیا کا خاتمہ اور صور ثانی پر کائنات کا احیائے ثانی'' اس کو قرآن مجید سے کوئی تعلق نہیں۔ قرآن مجید میں نہ فنائے کائنات کا کہیں ذکر ہے نہ کائنات کے دوبارہ وجود میں آنے کا اس عقیدے کے صحیح نہ ہونے پر محکم دلیل یہ ہے کہ خدا سورۃ آل عمران میں فرماتا ہے کہ:

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ O (آل عمران 3/7)

رضوی صاحب کا ترجمہ:

''یعنی اُس نے تم پر کتاب نازل کی جس میں دو قسم کی آیات ہیں (1) محکمات اور اصل کتاب یہی آیات ہیں۔ (2) متشابہات۔ جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ آیات متشابہات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں اور اُس سے غرض اُن کی یہ ہوتی ہے کہ فتنہ پیدا کریں اور اُن کا حقیقی مطلب معلوم کریں حالانکہ اُن کی تاویل سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا اور جو راسخ فی العلم ہیں وہ بھی صرف اتنا کہتے ہیں کہ ہم اِن پر ایمان لائے تمام آیات خدا ہی کی طرف سے ہیں اور عقلمند لوگ ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔'' (ظہور قائم آل محمدؑ صفحہ 158)

13 (ب)۔ ماروں گھٹنا پھوٹے آنکھ۔ یعنی گھٹنے پر مارنے سے آنکھ پھوٹ جائے۔ یا پھر بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ، کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی، سوائے رضوی۔

رضوی صاحب کا مندرجہ بالا جملہ دوبارہ پڑھیں کہ: ''اِس عقیدے کے صحیح نہ ہونے پر محکم دلیل یہ ہے کہ خدا سورہ آل عمران میں فرماتا ہے کہ:'' رضوی صاحب کا یہ جملہ بار بار پڑھیے اور اس آیت میں رضوی صاحب کے ترجمہ میں بار بار تلاش کیجئے اور دیکھئے کہ نہ اس ترجمہ میں اور نہ اس آیت میں کائنات کے فنا نہ ہونے کا ذکر ہے نہ دوبارہ وجود میں آنے کا ذکر ہے۔ نہ اللہ نے اس عقیدے کا تذکرہ کیا ہے۔ یعنی رضوی صاحب نے یہ آیت لکھ کر اپنا اور اپنی محکم دلیل کا مذاق اُڑا دیا ہے۔ محکم دلیل تو اُس صورت میں ہوتی جب کہ اللہ نے اس آیت میں یہ کہا ہوتا کہ:

''قیامت کبریٰ سے پہلے صور پر دنیا کا ختم ہوجانا اور دوسرے صور پر دوبارہ وجود میں آجانا ایک غلط اور خود ساختہ عقیدہ ہے'' اور یہ کہ اس باطل عقیدے کا قرآن سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''

13(ج)۔رضوی صاحب خود مانتے ہیں کہ اِس آیت میں اُن کی مذکورہ محکم دلیل نہیں ہے۔

رضوی صاحب آیت اور ترجمہ لکھ کر جو کچھ آیت میں اللہ نے فرمایا ہے بتاتے ہیں کہ:

''اس بیان میں فرمایا گیا ہے کہ قرآن مجید میں دوقسم کی آیات ہیں۔''

رضوی صاحب کے پہلے جملے اور خدا کے اس جملے کو ساتھ ساتھ لکھ کر سمجھیں:

''اس عقیدے کے صحیح نہ ہونے پر محکم دلیل یہ ہے کہ خدا فرماتا ہے کہ قرآن مجید میں دوقسم کی آیات ہیں۔''

سوچئے کہ رضوی صاحب کے بیان میں اور اللہ کے جواب میں کوئی تعلق ہے؟ میں کیا گا رہا ہوں اور میرا طنبورہ کیا بجا رہا ہے؟ بہرحال ہم دکھائیں گے کہ رضوی صاحب اپنے بیان میں بھی اور آیت کے انتخاب میں بھی اور آیت کا مقصد بتانے میں بھی اور آیت کے ترجمے میں بھی چوپٹ غلط ہیں۔اور سب سے بڑی اور سنگین غلطی یہ ہے کہ اُنہیں اپنی غلط کاری کا احساس تک بھی نہیں ہونے پایا ہے۔

13(د)سب سے پہلے آخری غلطی یعنی ترجمے کی غلطیاں سامنے لانا ضروری ہیں۔

قارئین نوٹ کریں کہ جو کچھ رضوی صاحب نے لکھا ہے اگر اُسے ترجمہ کہا جائے تو یہ کہا جائے گا کہ آج تک جتنے سازشی یا قریشی علمانے قرآن کو غلط استعمال کرنے کے لئے اس آیت کے ترجمے کئے ہیں رضوی صاحب کا یہ ترجمہ اُن کی نقل میں سب سے بدترین ترجمہ ہے۔اور اسی قسم کی صورت حال دیکھ کر ہم نے رضوی صاحب کی قرآن دانی کو مہذب الفاظ میں ''سطحی'' قرار دیا ہے۔بہرحال ہم اپنے ایک ایک لفظ کے لئے ذمہ دار ہیں۔ہم آپ کو شیعہ مترجمین کے اور اہل سنت مترجمین کے تراجم بھی دکھائیں گے اور یہ بھی بتائیں گے کہ اُن سب ترجموں میں سازش کیا ہے اور کیوں ہے؟ مگر پہلے رضوی صاحب کے ترجمہ پر ایک ہلکی سی نظر ڈال کر اُن کی موٹی موٹی مگر بنیادی غلطیاں نوٹ کرلیں۔

اول۔آیت میں کتاب نہیں بلکہ الکتاب فرمایا گیا ہے۔

دوم۔آیت میں ''دوقسم کی آیات'' کے لئے کوئی جملہ نہیں ہے۔یہ خود فہمیدہ بات ہے جو قرآن کے ذمہ لگادی گئی ہے۔

سوم۔آیت میں محکمات کو کہیں ''اصل کتاب'' نہیں کہا گیا ہے۔

چہارم۔''متشابہات کے پیچھے پڑجاتے ہیں'' کی عربی موجود نہیں ہے۔

پنجم۔آیت میں ''اِس سے غرض اُن کی یہ ہوتی ہے'' کی عربی بھی نہیں ہے۔

13(ہ)۔ترجمہ کو ناکافی سمجھ کر رضوی صاحب نے وضاحت کی ہے۔

رضوی صاحب نے ترجمہ کے بعد ایک اور بیان لکھا ہے تاکہ قرآن سے غلط فائدہ اُٹھانے کی راہ ہموار ہوسکے اُس بیان میں بتایا ہے کہ:

''آیات محکمات وہ ہیں جن کا مفہوم معلوم ومعیّن ہے اور آیات متشابہات وہ ہیں جن کا مفہوم معلوم ومتعیّن نہیں ہے۔''(صفحہ 158)

یہاں قارئین رضوی صاحب کے ترجمہ کو دیکھ کر یہ سمجھ لیں کہ: ''آیات محکمات اصل کتاب ہیں جن کا مفہوم معلوم ومعیّن ہے اور آیات متشابہات اصل کتاب سے خارج ہیں اس لئے کہ اُن کا مفہوم نہ معلوم ہے نہ معیّن ہے۔''

رضوی صاحب نے ترجمہ میں لکھا تھا کہ:

(1) ''جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ آیات متشابہات کے پیچھے پڑجاتے ہیں اور اس سے غرض اُن کی یہ ہوتی ہے کہ فتنہ پیدا کریں اور

اُن کا حقیقی مطلب معلوم کریں۔''

اوروضاحت یوں کی ہے کہ:

(2)''وہ لوگ جن کے دل میں بددیانتی ہوتی ہے وہ اُن ہی (متشابہات) آیات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اوراُن کی کوشش یہ رہتی ہے کہ اُن کا اصل اور حقیقی مطلب معلوم کرلیں یا اپنی طرف سے مطلب بناکر فتنہ پیدا کریں۔''(صفحہ 158)

13(و)۔ رضوی صاحب نے متشابہات کے بل بوتے پر اپنا دین ثابت کیا ہے۔

ہمارے قارئین خاص طور پر اور رضوی صاحب اور بہائی حضرات عام طور پر نوٹ کرلیں کہ رضوی صاحب کی یہ کتاب ظہور قائم آل محمدؐ صفحہ 159 سے آخر تک محض متشابہات کے خودساختہ مطالب ومفاہیم پر منحصر ہے اوراُن کا سارا تانابانا آیات متشابہات کے چاروں طرف گھومتا ہے اور وہ اپنے ترجمہ کی رُو سے اُن لوگوں میں شامل وشریک ثابت ہوجاتے ہیں۔ جن کے دلوں میں کجی ہوتی ہے اور جو بددیانت ہوتے ہیں اوراُن کا منشا وغرض فتنہ جوئی ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ سب کچھ اُن کی کتاب سے صفحہ وار دکھائیں اور ثابت کرینگے، فی الحال پلٹ کر مذکورہ آیت (3/7) پر پھرنظر ڈالیں۔

14۔ شیعہ سنی ترجمے بھی سامنے رکھ لیں اور غور کریں پھر ہم اپنا ترجمہ ہجے کرکے بچوں کی طرح پیش کریں گے۔

چونکہ ہم نے اِس آیت (3/7) سے غلط فائدہ اُٹھانے والوں کی اپنی تفسیر میں بھی اور دیگر تمام تصنیفات میں بھی راہیں بند کی ہیں اور یہاں بھی تکلف نہ کریں گے اور پوری ڈھیل دے کر پھر رسی کھینچیں گے لہٰذا پہلے شیعہ ترجمے سنئے:

فرمان علی کا ترجمہ۔

''(اَے رسولؐ) وہی وہ (خدا) ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی اس میں کی بعض آیتیں تو محکم (بہت صریح) ہیں وہی (عمل کرنے کے لئے) اصل (وبنیاد) کتاب ہیں اور کچھ (آیتیں) متشابہ (گول گول جس کے معنی میں سے پہلو نکل سکتے ہیں) پس جن لوگوں کے دل میں کجی ہے وہ اِن ہی آیتوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں جو متشابہ ہیں تاکہ فساد برپا کریں اور اس خیال سے کہ انہیں اپنے مطلب پر ڈھال لیں۔ حالانکہ خدا اوراُن لوگوں کے سوا جو علم میں بڑے پایہ پر فائز ہیں اُن کا اصلی مطلب کوئی نہیں جانتا۔ وہ لوگ (یہ بھی) کہتے ہیں کہ ہم اُس پر ایمان لائے (یہ) سب (محکم ہو یا متشابہ) ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے اور عقل والے ہی سمجھتے ہیں۔''(ترجمہ صفحہ 78)

(2) مقبول احمد کا ترجمہ۔

''وہ تو وہی ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی جس کی کچھ آیتیں تو صاف (صاف) ہیں اور وہی کتاب کی اصل ہیں اور کچھ گول گول ہیں اب جن لوگوں کے دلوں میں کھوٹ ہے وہ فتنہ پھیلانے کی نیت سے اور اپنا مطلب نکالنے کی غرض سے اُن گول (گول) آیتوں کی پیروی کرتے ہیں حالانکہ اُن کا اصل مطلب سوائے خدا اوراُن لوگوں کے جو علم میں مضبوط ہیں (اور) کوئی نہیں جانتا۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے ہر ایک (محکم ومتشابہ) ہمارے رب کی طرف سے اور سوائے صاحبان عقل کے (اس سے) اور کوئی نصیحت نہیں حاصل کرتا۔''(ترجمہ صفحہ 78)

یہ وہ تراجم ہیں جن پر ہمارے علاوہ تمام شیعہ فخر کرتے ہیں اور لڑکیوں کے جہیز میں دیتے ہیں اب سنی تراجم دیکھیں:

(3) رفیع الدین کا ترجمہ۔

''وہی ہے جس نے اتاری اوپر تیرے کتاب بعضی اس کی آیتیں محکم ہیں یعنی ظاہر معنوں کی وہ جڑ ہیں کتاب کی اور اور ہیں متشابہ معنی کئی

طرف ملتے۔ پس وہ لوگ کہ بیچ دلوں اُن کے کے کجی ہے۔ پس پیروی کرتے اُس چیز کی کہ شبہ ڈالتی ہے اس میں سے واسطے چاہنے گمراہی کے اور واسطے چاہنے حقیقت اس کی کے اور نہیں جانتا حقیقت اس کی کو مگر اللہ اور مضبوط لوگ بیچ علم کے کہتے ہیں ایمان لائے ہم ساتھ اُس کے ہر ایک نزدیک رب ہمارے کے سے ہے اور نہیں نصیحت پکڑتے مگر صاحب عقل کے۔'' (ترجمہ صفحہ 55-54)

(4) علامہ مودودی کا ترجمہ۔

''وہی خدا ہے جس نے یہ کتاب تم پر نازل کی ہے اس کتاب میں دو طرح کی آیات ہیں ایک محکمات جو کتاب کی اصل بنیاد ہیں اور دوسری متشابہات جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ ہے وہ فتنے کی تلاش میں ہمیشہ متشابہات ہی کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور اُن کو معنی پہنانے کی کوشش کیا کرتے ہیں۔ حالانکہ اُن کا حقیقی مفہوم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا برخلاف اس کے جو لوگ علم میں پختہ کار ہیں وہ کہتے ہیں کہ ''ہمارا اُن پر ایمان ہے یہ سب ہمارے رب ہی کی طرف سے ہیں'' اور سچ یہ ہے کہ کسی چیز سے صحیح سبق صرف دانشمند لوگ ہی حاصل کرتے ہیں۔'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 233 تا 235)

علامہ مودودی کی تشریح۔

''5 محکم پکی اور پختہ چیز کو کہتے ہیں ''آیات محکمات'' سے مراد وہ آیات ہیں جن کی زبان بالکل مختلف ہے جن کا مفہوم متعیّن کرنے میں کسی اشتباہ کی گنجائش نہیں ہے۔ جن کے الفاظ معنی و مدعا پر صاف اور صریح دلالت کرتے ہیں۔ جنہیں تاویلات کا تختہ مشق بنانے کا موقع مشکل ہی سے کسی کو مل سکتا ہے یہ آیات ''کتاب کی اصل بنیاد ہیں'' یعنی قرآن جس غرض کے لئے نازل ہوا ہے اُس غرض کو یہی آیتیں پورا کرتی ہیں۔ اُن ہی میں اسلام کی طرف دعوت دنیا کو دی گئی ہے۔ اُن ہی میں عبرت اور نصیحت کی باتیں فرمائی گئی ہیں۔ اُن ہی میں گمراہیوں کی تردید اور راہ راست کی توضیح کی گئی ہے۔ اُن ہی میں دین کے بنیادی اصول بیان کئے گئے ہیں۔ اُن ہی میں عقائد، عبادات، اخلاق، فرائض اور اَمر و نہی کے احکام ارشاد ہوئے ہیں۔ پس جو طالبِ حق ہو اور یہ جاننے کے لئے قرآن کی طرف رجوع کرنا چاہتا ہے کہ وہ کس راہ پر چلے اور کس راہ پر نہ چلے اُس کی پیاس بجھانے کے لئے آیات محکمات ہی اصل مرجع ہیں اور فطرتاً اُن ہی پر اس کی توجہ مرکوز ہوگی اور وہ زیادہ تر اُن ہی سے فائدہ اُٹھانے میں مشغول رہے گا۔'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 234)

دوسری تشریح

''6 متشابہات یعنی وہ آیات جن کے مفہوم میں اشتباہ کی گنجائش ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ انسان کے لئے زندگی کا کوئی راستہ تجویز نہیں کیا جاسکتا جب تک کائنات کی حقیقت اور اُس کے آغاز و انجام اور اُس میں انسان کی حیثیت اور ایسے ہی دوسرے بنیادی امور کے متعلق کم سے کم ضروری معلومات انسان کو نہ دی جائیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جو چیزیں انسان کے حواس سے ماوریٰ ہیں جو انسانی علم کی گرفت میں نہ کبھی آئی ہیں نہ آسکتی ہیں۔ جن کو اُس نے نہ کبھی دیکھا نہ چھوا نہ چکھا۔ اُن کے لئے انسانی زبان میں نہ ایسے الفاظ مل سکتے ہیں جو اُن ہی کے لئے وضع کئے گئے ہوں۔ اور نہ ایسے معروف اسالیب بیان مل سکتے ہیں جن سے ہر سامع کے ذہن میں اُن کی صحیح تصویر کھنچ جائے لامحالہ یہ ناگزیر ہے کہ اس نوعیت کے مضامین کو بیان کرنے کے لئے الفاظ اور اسالیبِ بیان وہ استعمال کئے جائیں جو اصل حقیقت سے قریب تر مشابہت رکھنے والی محسوس چیزوں کے لئے انسانی زبان میں پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ مابعد الطبیعی مسائل کے بیان میں قرآن

کے اندر ایسی ہی زبان استعمال کی گئی ہے اور متشابہات سے مراد وہ آیات ہیں جن میں یہ زبان استعمال ہوئی ہے۔ لیکن اس زبان کا زیادہ سے زیادہ فائدہ بس اُتنا ہی ہوسکتا ہے کہ آدمی کو حقیقت کے قریب تک پہنچادے یا اس کا ایک دھندلا سا تصور پیدا کردے۔ ایسی آیات کے مفہوم کو متعیّن کرنے کی جتنی زیادہ کوشش کی جائے گی اتنے ہی زیادہ اشتباہات واحتمالات سے سابقہ پیش آئے گا حتیٰ کہ انسان حقیقت سے قریب تر ہونے کے بجائے اور زیادہ دُور ہوتا چلا جائے گا۔ پس جو لوگ طالب حق ہیں اور ذوقِ فضول نہیں رکھتے وہ تو متشابہات سے حقیقت کے اُس دھندلے تصور پر قناعت کرلیتے جو کام چلانے کے لئے کافی ہے اور اپنی تمام تر توجہ محکمات پر صرف کرتے ہیں۔ مگر جو لوگ بُو الفضول یا فتنہ جُو ہوتے ہیں اُن کا تمام تر مشغلہ متشابہات ہی کی بحث وتنقیب ہوتا ہے۔'' (ایضًا جلد اول صفحہ 234۔235)

تیسری تشریح

''7۔ یہاں کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ جب وہ لوگ متشابہات کا صحیح مفہوم جانتے ہی نہیں تو اُن پر ایمان کیسے لے آئے؟ حقیقت یہ ہے کہ ایک معقول آدمی کو قرآن کے کلام اللہ ہونے کا یقین محکمات کے مطالعہ سے حاصل ہوتا ہے نہ کہ متشابہات کی تاویلوں سے۔ اور جب آیات محکمات میں غوروفکر کرنے سے اس کو یہ اطمینان حاصل ہوجاتا ہے کہ یہ کتاب واقعی اللہ ہی کی کتاب ہے تو پھر متشابہات اُس کے دل میں کوئی خلجان پیدا نہیں کرتے جہاں تک اُن کا سیدھا سادہ مفہوم اس کی سمجھ میں آجاتا ہے اُس کو وہ لے لیتا ہے اور جہاں پیچیدگی رونما ہوتی ہے وہاں کھوج لگانے اور موشگافیاں کرنے کی بجائے وہ اللہ کے کلام پر مجمل ایمان لاکر اپنی توجہ کام کی باتوں کی طرف پھیر دیتا ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 235)

15۔ آیاتِ متشابہات (معاذ اللہ) فتنہ وفساد اور گمراہی پھیلاتے چلے جانے کا ذریعہ بنتی چلی آئی ہیں۔

یہاں ہم مسلمان اور بہائی مترجمین کے ترجموں سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اگر اللہ نے قرآن میں آیات متشابہات نازل نہ کی ہوتیں تو لوگوں کو فتنہ وفساد اور گمراہی پھیلانے کا قرآن سے موقع نہ ملا ہوتا۔ لہٰذا نزول قرآن کے بعد یہ مترجمین اللہ پر یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ اُس نے قرآن میں آیات متشابہات نازل کرکے لوگوں کو فتنہ وفساد وگمراہی پھیلانے کا پورا پورا موقع دیا ہے۔ اس الزام کے عائد کرنے والوں کی اُن کے اپنے الفاظ کے ساتھ فہرست دیکھیں:

(1) جناب رضوی صاحب ''آیات متشابہات سے فتنہ پیدا کرنے کے لئے اُن کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔''

(2) مودودی صاحب ''وہ فتنے کی تلاش میں ہمیشہ متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور اُن کو معنی پہنانے کی کوشش کرتے ہیں۔''

(3) فرمان علی شیعہ ''وہ اُن ہی آیتوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں جو متشابہ ہیں تاکہ فساد برپا کریں۔''

(4) مقبول احمد شیعہ ''فتنہ پھیلانے کی نیت سے اور اپنا مطلب نکالنے کی غرض سے اُن گول گول آیتوں کی پیروی کرتے ہیں۔''

(5) محمد احمد رضا خان بریلوی ''وہ اشتباہ والی کے پیچھے پڑے رہتے ہیں گمراہی چاہنے اور اس کا پہلو ڈھونڈنے کو۔''

(6) شاہ ولی اللہ دہلوی ''پیروی میکنند آں را کہ مانند یک دگر شد از آں کتاب برائے طلب فتنہ۔''

(7) شاہ عبدالقادر ''وہ لگتے ہیں اُن کی ڈھب والیوں سے تلاش کرتے ہیں گمراہی۔''

(8) شاہ رفیع الدین ''پیروی کرتے ہیں اس چیز کی کہ شبہ میں ڈالتی ہے اس میں واسطے چاہنے گمراہی کے۔''

قارئین نوٹ کریں کہ یہ آٹھوں مترجمین بھی اور جن کو ہم نے شمار نہیں کیا وہ بھی سب آیت (3/7) کے جملے فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ کے معنی متشابہات کی پیروی کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ سب اللہ پر مذکورہ الزام عائد کرتے ہیں اور قرآن میں ایسی آیات کا موجود ہونا مانتے ہیں جن کی پیروی سے فتنہ وفساد وگمراہی پھیل سکتی ہے۔

16۔ اب ان سب کو اُلٹا کھڑا کر دیجئے اور ساتھ ہی اِن ہی کے ہاتھوں انہیں مجرم وغلط گو اور جھوٹا ثابت کیجئے۔

جھوٹوں پر اور اللہ وقرآن پر تہمت لگانے والوں پر لعنت کے بعد انہیں یہ آیت سنایئے:

كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا قَالُوا هٰذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَأُتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا ۔۔۔(2/25)

رفیع الدین ''جب دیئے جاویں گے اُس میں سے میووں سے رزق کہیں گے یہ وہ چیز ہے جو دیئے گئے تھے پہلے اس سے اور لائے جاویں گے مشابہ ایک دوسرے کے ساتھ۔''

16 (الف)۔ مُتَشَابِهًا۔ کے معنی نوٹ کرلیں یہ قرآن کا ایک کلیدی لفظ ہے۔

اس آیت (2/25) میں جنت کے پھلوں کو دُنیا کے پھلوں سے مُتَشَابِهًا فرمایا گیا ہے یعنی شکل وصورت اور ذائقہ میں مشابہ فرمایا ہے اور تمام ہی مترجمین نے یہاں اس لفظ مُتَشَابِهًا کے صحیح معنی کئے ہیں۔ مثلاً علامہ مودودی نے لکھا ہے کہ:

''دُنیا کے پھلوں سے ملتے جلتے ہوں گے۔'' اور جنتیوں کا قول لکھا ہے کہ:

''ایسے ہی پھل اس سے پہلے دُنیا میں ہم کو دیئے جاتے تھے'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 58) اور وضاحت میں بھی صحیح بیان دیا ہے۔

مودودی تشریح

''26 یعنی نرالے اور اجنبی پھل نہ ہوں گے جن سے وہ نامانوس ہوں۔ شکل میں اُن ہی پھلوں سے ملتے جلتے ہوں گے جس سے وہ دنیا میں آشنا تھے۔ البتہ لذت میں وہ اُن سے بدرجہا زیادہ بڑھے ہوئے ہوں گے۔ دیکھنے میں مثلاً آم اور انار اور سنترے ہی ہوں گے۔ اہل جنت ہر پھل کو دیکھ کر پہچان لیں گے۔ کہ یہ آم ہے اور یہ انار ہے اور یہ سنترا ہے۔ مگر مزے میں دنیا کے آموں اور اناروں اور سنتروں کو اُن سے کوئی نسبت نہ ہوگی۔'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 59-58)

مطلب یہ ہوا کہ ''مُتَشَابِهًا'' کے معنی لذت کو چھوڑ کر کسی چیز کے ہم شکل وہم صورت ہونا ہیں۔ یعنی جو نظروں میں یا مشاہدہ میں ''ویسا ہی ہو'' یکساں ہو ایک جیسا ہو۔ یہ بھی نوٹ فرمالیں کہ لفظ ''مُتَشَابِهٌ'' اور ''مُتَشَابِهًا'' اسم فاعل واحد مذکر ہے اِن پر دو پیش یا دو زبر یا دو زیر آجانے سے معنی میں کوئی فرق نہیں ہوجاتا بلکہ ان صورتوں کو بالترتیب مرفوع۔ منصوب اور مجرور (یعنی پیشوں والے۔ زبروں والے یا زیروں والے) کہتے ہیں۔

16 (ب)۔ مُتَشَابِهًا کے معنی کی دوسری مثال میں بھی ترجمہ صحیح کیا ہے۔

وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ۔(6/142)

رفیع الدین: ''اور زیتون اور انار یکساں اور غیر یکساں۔''

مودودی ترجمہ: ''زیتون اور انار کے درخت پیدا کئے جن کے پھل صورت میں مشابہ اور مزے میں مختلف ہوتے ہیں۔''

(تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 589) (علامہ کے یہاں یہ آیت 6/141 ہوگی)

16(ج)۔ تیسری مثال مُتَشَابِھًا اور مُشتَبِھًا کے معنی بھی سب نے صحیح کئے۔

وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ۔

مودودی ترجمہ: ''زیتون اور انار کے باغ لگائے ہیں جن کے پھل ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں اور پھر ہر ایک کی خصوصیات جدا جدا بھی ہیں۔ (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 567 علامہ کی آیت کا نمبر 6/100 کے بجائے 6/99)

16(د)۔ چوتھی مثال میں بھی صحیح معنی سب نے کئے ہیں اور رسولؐ کی قوم کا سابقہ مجرموں کی مانند ہونا بھی۔

اب اسی مصدر سے ایک فعل کا ترجمہ بھی دیکھ لیں جہاں یہ معلوم ہو جائے گا کہ اسلام کے اصولوں کو اُلٹ پلٹ کر نیا دین گھڑنے والوں کی ذہنیت بالکل یکساں ہوتی ہے۔ بلکہ ایک ہی ذہنیت کام کرتی رہتی ہے۔ آیت پڑھئے:

كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ۔(2/118)

مودودی ترجمہ:

''ایسی ہی باتیں ان سے پہلے لوگ بھی کیا کرتے تھے۔ اِن سب اگلے پچھلے گمراہوں کی ذہنیتیں ایک جیسی ہیں۔'' (ایضًا جلد اول صفحہ 106)

نوٹ کیجئے کہ لفظ ''تَشَابَهَتْ'' کے معنی مودودی نے ''ایک جیسی'' کئے ہیں۔ لہٰذا اِن چاروں مثالوں کے بعد اب اُن تمام مترجمین سے یہ سوال کیا جانا چاہئے کہ تمہیں کیا ہو گیا تھا کہ آیت نمبر (3/7) میں تم سب نے لفظ مُتَشٰبِهٰتٌ کے معنی۔ 1۔ ایک جیسی۔ 2۔ ملتی جلتی۔ 3۔ یکساں۔ 4۔ مشابہ۔ 5۔ ایسے ہی۔ ویسی ہی۔ کیوں نہ کئے؟

16(ہ)۔ تمام مترجمین پر لازم ہو گیا کہ وہ آیت آل عمران (3/7) میں بھی وہی معنی کرتے جو چاروں مثالوں میں کئے ہیں۔

تمام علما کو آیت (3/7) کے جملے ''وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ'' کے وہی معنی کرنا چاہئیں تھے جو مُتَشَابِھًا کے معنی ہیں۔ مُتَشَابِهَاتٌ اور مُتَشَابِھًا میں صرف مذکر اور مونث ہی کا تو فرق ہے۔ لہٰذا معنی یہ ہوتے تھے کہ: وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۔ دوسری محکمات کے مشابہ ہیں یا دوسری محکمات سے ملتی جلتی ہیں۔ یا دوسری محکمات ہی جیسی ہیں یا متشابہات اور محکمات یکساں ہیں۔

قارئین نوٹ کریں کہ صحیح معنی کرنے سے وہ گنجائش ختم ہو جاتی جو مودودی صاحب نے اپنی تشریحات میں پیدا کی ہے یا جو جناب رضوی صاحب کو مطلوب ہے اور اُن کی کتاب کے دوسو سینتالیس (247) صفحات میں پھیلی پڑی ہے۔

17۔ ہمارا ترجمہ اور عربی قواعد توجڑیں کاٹ دیں گے پہلے قرآن کی سادگی اور ظاہری صورت سے تو فارغ ہو جائیں؟

قرآن کریم نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ قرآن میں باطل نہ سامنے سے داخل ہو سکتا ہے نہ پیچھے سے (حٰم سجدہ 41/42) آ سکتا ہے۔ اِس لئے اب ہم ایک ایسی آیت پیش کرتے ہیں کہ مع جناب رضوی صاحب کے غلط فائدہ اُٹھانے والے ہاتھ ملتے رہ جائیں۔ اُس کے بعد ہم اپنا قانونی ترجمہ آپ کو دکھائیں گے۔ لہٰذا باطل کو فنا کرنے والی آیت ملاحظہ فرمائیں اللہ نے ارشاد فرمایا کہ:

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ O (زمر 39/23)

مودودی ترجمہ: ''اللہ نے بہترین کلام اُتارا ہے، ایک ایسی کتاب جس کے تمام اجزا ہمرنگ 43 ہیں اور جس میں بار بار مضامین دُہرائے

گئے ہیں۔ اُسے سن کراُن لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرنے والے ہیں۔ اور پھراُن کے جسم اوراُن کے دل نرم ہوکراللہ کے ذکر کی طرف راغب ہوجاتے ہیں۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے جس سے وہ راہ راست پر لے آتا ہے جسے چاہتا ہے۔ اور جسے اللہ ہی ہدایت نہ دے اس کے لئے پھر کوئی ہادی نہیں ہے۔''

اس ترجمے کے بعد مودودی نے لفظ مُتَشَابِھًا اور ہمرنگ کی تشریح کی ہے۔

مودودی تشریح جو لفظ مُتَشَابِھَاتٌ آیت (3/7) کے ترجمہ کو مسمار کرتی ہے

''43 یعنی اُن میں کوئی تضاد اور اختلاف نہیں ہے پوری کتاب اول سے لے کر آخر تک ایک ہی مدعا، ایک ہی عقیدہ اور ایک ہی نظام فکر وعمل پیش کرتی ہے۔ اِس کا ہر جز دوسرے جز کی اور ہر مضمون دوسرے مضمون کی تصدیق وتائید اور توضیح وتشریح کرتا ہے۔ اور معنی وبیان دونوں کے لحاظ سے اس میں کامل یکسانی (Consistency) پائی جاتی ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 369-368)

پہلے قارئین یہ نوٹ کرلیں کہ سارا قرآن **مُتَشَـابِھَاتٌ** کا مجموعہ ہے۔ یعنی نہ صرف قریشی، شیعہ سنی، مترجمین کے مقاصد اور ہیرا پھیری کا موقع تباہ ہوگیا بلکہ اس آیت سے جناب رضوی صاحب کی وہ تمام ہی تاویلات بے نتیجہ اور بے معنی ہوکر رہ گئیں جو اُنہوں نے اُن آیات پر چسپاں کی تھیں جنہیں متشابہات فرض کرکے اپنی نبوت ورسالت اور بہائی مذہب کی بنیاد رکھی تھی (ظہور قائم آل محمد صفحہ 168 تا 416) اور پھر قریشی علما کے باقی تراجم دیکھیں اور خود اُن کے ہاتھ سے ایک مرتبہ پھر لفظ متشابہات کی تردیدی عبارتیں پڑھیں۔ مودودی صاحب کو تو فارغ کردیا گیا ہے۔ لہٰذا باقی مترجمین کہتے ہیں کہ:

(2) رفیع الدین کا ترجمہ: ''اللہ نے اُتاری ہے بہتر بات کتاب ہے یکساں دُہرائی جانے والی۔''

(3) فرمان علی شیعہ: ''خدا نے بہت ہی اچھا کلام یعنی کتاب نازل فرمائی جس کی آیتیں ایک دوسری سے ملتی جلتی ہیں۔''

(4) مقبول احمد شیعہ: ''اللہ وہی تو ہے جس نے اچھی سے اچھی بات نازل فرمائی یعنی ایک کتاب جس کی آیتیں ایک دوسری سے ملتی جلتی ہیں۔''

(5) شاہ عبدالقادر: ''اللہ نے اُتاری بہتر بات کتاب آپس میں ملتی دہرائی ہوئی۔ خوبی میں کوئی آیت کم نہیں۔''

(6) ولی اللہ دہلوی: ''خدا نازل ساخت بہترین سخن کتابے کہ بعضِ اُو مانند دیگر است۔''

(7) محمد احمد خان بریلوی: ''اللہ نے اُتاری سب سے اچھی کتاب کہ اول سے آخر تک ایک ہی سی ہے۔''

قارئین نوٹ کریں یہ وہی معنی ہیں جو ان سب نے مذکورہ بالا چاروں مثالوں میں کئے تھے لہٰذا ثابت ہوگیا کہ اِن تمام علما نے سورہ آل عمران (3/7) کا ترجمہ قریشی سازش کے ماتحت کیا تھا اور مودودی نے تو اس سازش کو مکمل کرنے اور قرآن کو باعثِ فتنہ وفساد وگمراہی ثابت کرنے کے لئے مذکورہ تین عدد تشریحات بھی لکھی تھیں۔ اور اللہ پر یہ اعتراض قائم کردیا تھا کہ اگر وہ آیات متشابہات نازل نہ کرتا تو لوگ فتنہ وفساد وگمراہی پھیلانے کا قرآن سے موقع نہ پاتے۔ بہرحال اب آپ (3/7) کا ہمارا ترجمہ دیکھیں۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ ۔ ''وہی ہستی ہے جس نے تم پر مخصوص کتاب یا ساری کتابیں نازل کردی ہیں۔''

مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ ۔ ''اُس مذکر الکتاب میں محکم آیات ہیں وہ مونث آیتیں اُس مخصوص کتاب کی یا ساری کتابوں کی مائیں یا بنیاد ہیں۔''

وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۔ '' **اور دوسری مونث آیات محکم آیات سے ملتی جلتی ہیں۔''**

فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ ۔ ’’چنانچہ جن لوگوں کے دلوں میں ’’زیغ‘‘ ہے۔

ہم لفظ زیغ کے معنی واضح کرنے کے لئے قرآن اور مودودی کا بیان الگ سے پیش کریں گے یہاں آپ مترجمین کے معنی اختیار کرلیں۔

فَیَتَّبِعُوْنَ مَاتَشَابَهَ مِنْهُ ۔ ’’چنانچہ وہ لوگ پیروی کرتے ہیں اُس مفہوم کی جو اُن کے مذکر زیغ سے مشابہ ہوتا ہے۔‘‘

ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ۔ ’’ایک مخصوص مونث فتنہ یا تمام فتنے پیدا کرنے کے لئے اور اپنے مذکر زیغ کو موزوں کرنے کے لئے۔‘‘

وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ۔ ’’اور اللہ کے سوا اُس مذکر زیغ کی موزونیت کو کوئی اور نہیں جانتا۔‘‘ (آل عمرانؑ 7 /3)

اس سے آگے آیت کے جملے اور معنی پر کسی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔

ہمارے اس ترجمہ میں کہیں کہیں الفاظ مونث اور کہیں مذکر بھی لکھ دیے گئے ہیں تاکہ مجتہدین کی وہ سازش اور بچگانہ غلطی واضح ہوجائے جس سے اُنہوں نے آیات متشابہات کو خطرناک اور باعث فتنہ بنانے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ اس آیت کے الفاظ میں زیرنظر رکھے جانے والے الفاظ پر دوبارہ نگاہ ڈالیں۔

مترجمین کی سازش میں ایک بچگانہ غلطی مددگار بنی ہے یعنی اُنہوں نے مونث ومذکر تک کو نہ سمجھا۔

تمام عربی دانوں سے ہماری تصدیق یا تکذیب چاہیں اور خود اپنی نقد قابلیت سے بھی ہمیں جانچیں۔ بہرحال ہم نے لفظ الکتاب کو مذکر لکھا ہے۔اور الکتاب کی ضمیر مِـنْـهُ بھی مذکر ہے۔ پھر الفاظ آیات اور محکمات دونوں مونث الفاظ ہیں اور اُن کی ضمیر هُنَّ بھی مونث ہے۔ پھر لفظ مُتَشَابِهَاتٌ بھی مونث ہے۔اس کے بعد لفظ زیغ مذکر ہے جس کے لئے مذکر کی ضمیر مِـنْـهُ آئی ہے اور بتاتی ہے کہ وہ فتنہ جو لوگ جس چیز کی پیروی کرتے ہیں وہ مذکر ہے مونث نہیں ہے۔ تاکہ یہ بات نوٹ کرلی جائے کہ اگر وہ کسی مونث یعنی مُتشابہات کی پیروی کرتے تو ضمیر مذکر مِنْهُ کی جگہ ضمیر مونث مِنْهُنَّ یا مِنْهَا آنا چاہئے تھی یعنی یہ جملہ ہونا چاہئے تھا کہ فَیَتَّبِـعُـوْنَ مَاتَشَابَهَ مِنْهُنَّ لہٰذا یہ جملہ ثابت کرتا ہے کہ جس چیز کی پیروی فتنہ جو لوگ کرتے تھے وہ ہرگز آیات متشابہات نہ ہوتی تھیں بلکہ کوئی مذکر (مِـنْـهُ) ہوتا تھا۔اور وہ صرف زیغ تھا۔جس کی پیروی سے انہیں فتنہ سازی کی راہ ملتی تھی اور ملتی ہے۔آخری بات اس آیت (3/7) کا یہ جملہ ہے کہ مَـا یَـعْـلَـمُ تَـاْوِیْـلَـهٗۤ اِلَّا اللّٰـهُ۔’’اور نہیں جانتا اُس مذکر کی تاویل سوائے اللہ کے۔‘‘

مطلب صاف اور واضح ہے کہ جس چیز کی تاویل معلوم کرنے کی وہ فتنہ جو کوشش کرتے ہیں وہ چیز مذکر ہے مونث نہیں یعنی متشابہات نہیں۔اور اس آیت میں محکمات اور متشابہات اور اُن دونوں کی ضمیروں کے علاوہ اور کوئی لفظ مونث ہے ہی نہیں۔ لہٰذا ہر طرح کی چھان بین کے بعد یہ ماننا ہی پڑے گا کہ فتنہ جو حضرات اپنے قلبی زیغ کی اتباع یا پیروی کرتے ہیں۔

لفظِ زیغ کی عملی مثال ملاحظہ ہو پھر زیغ کے معنی قرآن سے دکھائیں گے۔

عہد رسولؐ میں بھی زیغ پر عمل کیا جاتا تھا اور ہمارے اِس دور میں تو ہر وہ شخص جو محقق کہلاتا ہے ہر لحہ زیغ میں مبتلا رہتا ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ اسلام کا کوئی عملدر آمد ناگوار گزرا اس لئے کہ اُس کے نتائج سے اُمت کو نقصان پہنچتا چلا آرہا تھا۔مثلاً مودودی اور دیگر علما کا یہ عقیدہ ناپسند آیا کہ غربت اور فراوانیٔ دولت اللہ نے لکھ دی ہے۔ لہٰذا غریب کو اللہ نے غریب بنایا ہے۔اور امیر کو بھی اللہ نے امیر بنایا ہے۔اُسے غریب ہی رہنا اور رکھنا چاہئے اور امیر کو امیر ہی رہنا اور رکھنا چاہئے۔اور مولانا اینڈ کمپنی نے اس نظریے یا عقیدے پر قرآن کی یہ آیت اور اسی قسم کی اور آیات فٹ

کردیں کہ: اَللّٰہُ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَشَآءُ وَیَقۡدِرُ ..الخ(13/26,17/30)

موودودی ترجمہ۔ ''تیرارب جس کیلئے چاہتاہے رزق کشادہ کردیتاہےاورجس کیلئے چاہتاہے تنگ کردیتاہے۔''(تفہیم القرآن جلد2 صفحہ 612-611)

ایک محقق کو یہ نظریہ ناپسند آیا اور دیکھا کہ یہ عقیدہ اُمت کو نقصان پہنچا رہا ہے اور یہ کہ اللہ ایسا نہیں کرسکتا یہ تو سراسر عدل وعقل وانصاف کے خلاف ہے۔اور یقیناً سرمایہ داروں کے تحفظ میں یہ نظریہ اور عقیدہ گھڑا گیا ہے۔اس کے بعد وہ شخص اپنے قلب وذہن میں اُس تصور کو لے کر قرآن کی ورق گردانی کرتا ہے ہر آیت کو پڑھتے ہوئے وہ اس فکر میں رہتا ہے کہ آیا اُس سے اُس کے پسندیدہ تصور کی تائید ہوتی ہے یا نہیں؟ لہٰذا جس آیت میں اُسے یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس آیت کا فلاں لفظ یا پوری آیت اُس پسندیدہ ومطلوبہ تصور سے مشابہ ہے۔وہ اُسی آیت کو اختیار کرلیتا ہے۔اور اُسی قسم کے الفاظ یا آیات کی مزید تلاش میں لگا رہتا ہے اور انہیں ایک جگہ جمع کرتا ہے اُس کی خامیاں دُور کرتا ہے اور مطالب ومفاہیم کو اپنے مطلوبہ پسندیدہ تصور یا عقیدے کے قریب لاتا ہے اور اُن الفاظ وآیات کو مثلاً مودودی صاحب کے عقیدے کے خلاف پیش کرکے اُن کا رد کرتا ہے۔ایسے لوگوں کو اللہ نے فتنہ جُو فرمایا ہے جو اس طرح کی تحقیق کرتے ہیں اور اُن کے قلب وذہن میں جو کچھ ہوتا ہے اُسے زیغ قرار دیتا ہے۔اور اسی کا بیان کیا گیا ہے سورہ آل عمران (3/7) میں۔مطلب یہ ہے کہ ایسے محققین کے پاس نہ تو قرآن کی بنیاد ہوتی ہے، نہ حدیث معصومؑ کا بیان ہوتا ہے وہ خود رَو عقیدوں کی تائید کے لئے قرآن کو فٹ کرتے رہتے ہیں۔اب اگر دو ہزار محققین یہ کام کررہے ہوں تو ہر ایک کے قلب وذہن میں الگ اور مختلف تصورات یا زیغ ہوں گے اُن سب کو واقعی اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا ہے۔یعنی نہ رسولؐ جانتا ہے نہ حضرات آئمہ معصومینؑ جانتے ہیں۔رہ گئے وہ لوگ جن کو راسخون فی العلم کہا جاتا ہے۔وہ تو علم کا ایک ایسا درجہ ہے جو یہودی علما کو بھی حاصل ہوجاتا ہے۔حالانکہ وہ قرآن پر ایمان نہ بھی رکھتے ہوں (نساء 4/162) اور ہم قریش ساز علما کی طرح یا دوسرے الفاظ میں شیعہ مجتہدین کی طرح حضرات آئمہ طاہرین علیہم السلام کو ہرگز راسخون فی العلم نہیں مانتے اس لئے کہ راسخون فی العلم خود علم نہیں ہوتے بلکہ علم میں پختہ کار ہوتے ہیں۔اور محمد مصطفیٰؐ اور آئمہ صلوٰۃ اللہ علیہم کو ہم مجسم علم اور مجسم نور مانتے ہیں اور خطبہ نمبر 130 کی تشریح میں اس موضوع پر بات ہوچکی ہے لہٰذا نہ معلوم کون کون کس کس وقت کیا کیا تصور لے کر قرآن کی ورق گردانی کرتا ہے اُس کا علم بلاکسی محنت وذریعہ کے اللہ کو ہر حال میں ہوتا ہے۔لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ اہلبیت علیہم السلام اگر چاہیں تو اللہ کے انتظام کی مدد سے اُن لوگوں کے قلبی تصورات یا زیغ کو جان سکتے ہیں جانتے نہیں۔رہ گئی آیات محکمات یا آیات متشابہات وہ تو ازاوّل تا آخر سب کی سب اُن حضرات علیہم السلام کے سینوں میں حرف بحرف آیات بینات کی صورت میں موجود ہیں۔

بَلۡ ھُوَ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ فِیۡ صُدُوۡرِ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ وَمَا یَجۡحَدُ بِاٰیٰتِنَاۤ اِلَّا الظّٰلِمُوۡنَ O۔(29/49 عنکبوت)

عہد رسولؐ میں اُن کے علاوہ کوئی اور اس کا نہ مدعی تھا نہ ہوسکتا تھا۔اور آیات متشابہات ہوں یا محکمات ہوں وہ قرآن کی ہر بات ہر آیت اور ہر لفظ کے روزِ ازل سے عالم ومعلم تھے اور کوئی تاویل وتشریح وتفسیر اُن کے علم سے باہر نہ تھی۔وہ سب کچھ جانتے تھے۔جس چیز کی نفی (3/7) میں مذکور ہے وہ تو وہ زیغ ہے جو مختلف لوگوں کے دلوں میں مختلف ومتضاد ہوسکتے ہیں۔

18۔زیغ کے معنی قرآن کی روشنی میں اور صاحبانِ زیغ رسولؐ کی قوم کے منصوبہ ساز دل کے مریض لیڈر تھے۔

لفظ ''زیغ'' مصدر ہے اِس کے دو مادے ہیں۔ز۔و۔غ۔اور۔ز۔ی۔غ۔اور بنیادی معنی ہیں ''صحیح طریقے سے یا صحیح راہ سے ہٹ کر چلنا یا چلانا۔''(To Deviate) اور (To Mislead any one) جان بوجھ کر گمراہی اختیار کرنا یا کسی کو گمراہ کرنا۔یا عدل وانصاف سے

ہٹ کر رہنا یا کسی کو اعتدال سے ہٹانا۔

سوال یہ ہے کہ یہ علما ڈکشنری یا لغت دیکھنے میں کیوں شرماتے ہیں؟ کیوں محنت نہیں کرتے؟ کیوں اُس قانون کو سامنے نہیں رکھتے کہ عربی زبان کا ہر ہرلفظ ایک ایک مستقل معنی رکھتا ہے۔کسی مصدر سے کوئی ایسے معنی نہیں نکلتے جو دوسرے مصدر کے معنی ہوں۔

18 (الف)۔علامہ مودودی جس لفظ کے جو معنی چاہتے ہیں رگڑ دیتے ہیں۔

علامہ نے آل عمران کی (3/7) کا ترجمہ کرتے ہوئے لفظ ''زیغ'' کے معنی ''ٹیڑھ'' کئے تھے۔لیکن جب اُن کے سامنے لفظ ''عوج'' آیا تو اُس کے معنی بھی ''ٹیڑھ'' کرڈالتے ہیں۔سنئے کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ: قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ ۔(سورہ زمر 39/28)

مودودی یہ ترجمہ کرتے ہیں کہ: ''ایسا قرآن جو عربی میں ہے جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں ہے۔'' (تفہیم جلد 4 صفحہ 369) اور دیکھئے:

(2) اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا۔(18/1 سورہ کھف)

مودودی ترجمہ: ''اپنے بندے پر یہ کتاب نازل کی اور اس میں کوئی ٹیڑھ نہیں رکھی۔'' (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 9)

ہمیں علامہ مودودی سے یہ دریافت کرنے کا حق ہے کہ تم نے کس قاعدے سے لفظ ''زیغ'' اور ''عِوج'' کو ایک ہی معنی میں استعمال کیا ہے؟ کیا اِن دونوں الفاظ کے مادے اور مصادر الگ الگ اور مختلف نہیں ہیں؟ یہ کیا آوارہ مزاجی ہے کہ دو بالکل جداگانہ الفاظ کے ایک ہی معنی کر دیئے جاتے ہیں؟ مودودی سے یہ بھی دریافت کرنا ہے کہ بقول تمہارے اللہ نے فرمایا ہے کہ قرآن میں کوئی ٹیڑھ نہیں ہے اور تم زور شور سے اللہ کے خلاف یہ لکھ چکے ہو کہ قرآن میں ایسی متشابہات موجود ہیں جن کے معنی کا تعین کرنے والا ٹیڑھے راستے پر چل کر حق وحقیقت سے دُور تر ہوتا چلا جاتا ہے۔اور تم قرآن میں کامل یکسانی کا ڈھنڈورا بھی پیٹتے جاتے ہو یہ کیا تماشہ ہے؟ تمہیں ایسا کرنے کا حکم کس آیت یا حدیث نے دیا ہے؟ یا تمہیں رسوؐل کی مجرم اور دشمن قوم (25/30-31) کی وصیت سینہ بہ سینہ پہنچی ہے؟

18 (ب)۔زیغ کے معنی میں مودودی اینڈ کمپنی یعنی شیعہ سنی علما، کی بددیانتیاں اور مضحکہ خیزیاں؟

قرآن کو قرآن ہی کی غلط تفہیم کر کر کے قریش نے جھٹلایا تھا (6/66،25/30-31)۔اور یہ سلسلہ قریش ساز علما میں برابر چلا آرہا ہے اور وہ تمام لوگ اُن ہی کے نقش قدم پر چلتے آرہے ہیں اور چونکہ اُن کے پیش کردہ افکار ودلائل میں قرآن کی چاشنی ضرور ہوتی ہے۔اس لئے یہ نام نہاد شیعہ مجتہدین وحجۃ اللہ وآیۃ اللہ اور خمینی ٹائپ کے امام اُن کی تغلیط وتردید میں بے بس ہو کر رہ جاتے ہیں۔اور رفتہ رفتہ اُن کی تائید میں لگ جاتے ہیں۔جیسا کہ آج کل خمینی اور اس کے چمچے یا مبلغین پاکستان میں اپنا نام نہاد انقلاب امپورٹ کرنے کے لئے یہ نعرہ مار رہے ہیں کہ شیعہ سنی میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔اور اگر کوئی اختلاف بتانے میں کوشاں ہو تو وہ نہ شیعہ ہے نہ سنی ہے۔ہم اُسے منافقت اور تھکی ہوئی ناکام ذہنیت کہتے ہیں۔درحقیقت یہ لوگ مذہب حقہ شیعہ سے کسی قسم کا تعلق نہیں رکھتے اُنہوں نے فتنہ وفساد پھیلانے کے لئے اپنے اپنے قلب ودماغ میں زیغ پال رکھا ہے سارا دن اُسی کے اشاروں پر کام کرتے ہیں بہرحال ہم مودودی کو اُن سب کا نمائندہ مان کر اُن کے قلم سے لفظ ''زیغ'' کے معنی پیش کرتے ہیں جو اُس نے یہاں (3/7) سے لے کر سارے قرآن میں کہیں بھی لکھے ہوں۔ایسا کرنے میں اختصار کی غرض سے کہیں کہیں پوری پوری آیات نہ لکھیں گے آیات کا حوالہ ضرور دیں گے۔

تاکہ قارئین جہاں چاہیں پوری آیات کو قرآن میں خود دیکھ سکیں۔لہٰذا جس آیت پر گفتگو ہوتی رہی ہے اور جس میں اللہ نے وہ طریقہ بتایا ہے

جوقرآن سے غلط فائدہ اُٹھانے کے لئے فتنہ جُو حضرات استعمال کرتے ہیں اُس سے اگلی آیت (3/8) میں مومنین نے اللہ سے یہ دعا کی ہے کہ:

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُO(3/8)

مودودی ترجمہ: ''وہ دعا کرتے ہیں کہ ''پروردگار جب تو ہمیں سیدھے راستے پر لگا چکا ہے تو پھر کہیں ہمارے دلوں کو کجی میں مبتلا نہ کر دیجیو۔ ہمیں اپنے خزانۂ فیض سے رحمت عطا کر کہ تو ہی فیاض حقیقی ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 235)

قارئین یہاں خود مودودی کا یہ غلط ترجمہ بھی بتاتا ہے کہ لوگوں نے جس سے بچنے کی دعا کی ہے وہ کجی نہیں گمراہی ہے۔ مگر دعا کرنے والوں نے یہ چاہا ہے اور بتایا ہے کہ راہ راست اور ہدایت پر ہوتے ہوئے جو چیز گمراہی کی طرف لے جانے کا ذریعہ بنے گی وہ زیغ ہے لہٰذا یہ عرض کرنا کافی سمجھا گیا کہ یا اللہ ہمارے دلوں میں زیغ پیدا نہ ہو جائے۔ لہٰذا زیغ راہ راست سے ہٹانے والا طرز فکر ہے۔ کجی وجی نہیں ہے۔ کجی تو ایسی چیز ہے کہ خود نماز میں کئی دفعہ کمر میں خم یا کجی پیدا کی جاتی ہے۔ زیغ تو وہ فکر ہے جو حق سے ہٹنے یا ہٹانے کے لئے سامنے آتا ہے۔ اور سیدھا سامنے آتا ہے خم کھا کر نہیں یا جھک کر نہیں آتا۔ حقیقت یہ ہے کہ مودودی کو یہ کہتے ہوئے شرم بھی آتی ہے اور پارٹی کے راز کھلنے کا ڈر بھی لگتا ہے۔

یعنی اگر وہ یہ کہہ دیں کہ ''اپنے دل کی پسندیدہ بات پر قرآن کو فٹ کر لینا زیغ ہے'' تو ایسے کہتے ہی یہ چودہ سو سال سے کھلا چلا آنے والا راستہ بند ہو جائے گا۔ یہی تو وہ طریقہ ہے جس سے عہد رسولؐ سے لے کر آج تک لوگ قرآن کے مطالب ومفاہیم کو اپنے مقصد ومطلب کی طرف جھکاتے چلے آ رہے ہیں اور راہ راست سے ہٹتے چلے جا رہے ہیں لیکن زیغ کے معنی کجی کر لینے سے تو کچھ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ اہل زیغ کرتے کیا ہیں؟ آیئے اہل زیغ کا طریق کار قرآن نے بتایا ہے۔

(2) زیغ کے معنی شیطان لعین کی مدد سے سمجھئے۔ وہ کیا کرتا ہے؟

وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُO(41/36)

مودودی۔ ''اگر تم شیطان کی طرف سے کوئی اُکساہٹ محسوس کرو۔ تو اللہ کی پناہ مانگ لو وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے'' (ایضًا جلد 4 صفحہ 460-459)

یہاں مودودی کی کجی اور ٹیڑھا پن بے کار ہو گیا اس لئے کہ ذکر اُن کے لیڈروں کے پیرومرشد کا آ گیا۔ لہٰذا اب ''شیطان کی طرف سے اکساہٹ'' کی بات کر رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ دلوں کے اندر جب شیطان اکسانے والا جذبہ پیدا کر دیتا ہے تو اُس ہی ''اکساہٹ'' کا نام ''زیغ'' ہوا کرتا ہے۔ یعنی زیغ وہ اسکیم ہے جس کو قرآن کی مدد سے رُوبکار لایا جاتا ہے اور اُسی کا طریقہ آیت (3/7) میں بیان کیا گیا ہے۔

قارئین یہ بھی نوٹ کریں کہ اس آیت (41/36) میں لفظ ''زیغ'' دو مختلف صورتوں میں آیا ہے۔ ایک یَنْزَغَنَّكَ دوسرے نَزْغٌ کی صورت میں اور مودودی صاحب نے صرف ایک صورت کا ترجمہ کیا اور دوسری کو غیر ضروری سمجھ لیا ہے۔

(3) رفیع الدین کا ترجمہ حقیقی مقصد کی طرف ایک قدم اور بڑھاتا ہے۔

علامہ رفیع الدین چونکہ قرآن کے ہر لفظ کا تحت لفظ ترجمہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اُن کا ترجمہ دیکھئے تو مودودی کی چوری معلوم ہوگی:

''اور اگر چُوک دے تجھ کو شیطان کی طرف سے کوئی چوک دینے والا پس پناہ پکڑ ساتھ اللہ کے۔'' (حم سجدہ 41/36)

چونکہ علامہ کی اُردو دوسو سال پرانی ہے۔ اس لئے اُنہوں نے لفظ ''چُوک'' استعمال کیا ہے۔ کسی بات یا کام میں چُوک جانا۔ نشانے کا چُوک جانا۔ مطلب یہ ہے کہ کسی اور کی یا اپنی کوشش سے بہک جانا۔ غلطی کر جانا۔ ہندی میں کہتے ہیں نچل جانا۔ (Miss) کر دینا۔ اُن کا مطلب یہ ہے کہ۔

''اگر کوئی تجھے شیطان کی طرف سے بہکانے والا بہکادے۔'' بہرحال رفیع الدین صاحب نے دونوں الفاظ کے معنی کردئے ہیں۔

(4) ڈپٹی نذیر احمد لفظ زیغ کا عربی اُردو دوہرا ترجمہ کرکے مطلب تک پہنچاتے ہیں۔

نذیر احمد کا ترجمہ دیکھئے: ''اور اگر تم کو کسی طرح شیطانی وسوسہ گدگدائے تو خدا سے پناہ مانگ لیا کرو۔'' (صفحہ 578)

بہرحال مودودی کی کجی اور ٹیڑھ نکل گئی ہے اور ثابت ہوگیا ہے کہ مودودی حقائق کو سمیٹ کر چھپانے کے لئے لفظ زیغ کا ترجمہ کجی اور ٹیڑھ کرتے رہے ہیں۔

(5) مودودی کی اُلٹی قلابازی یعنی مولانا پھر ٹیڑھے ہوگئے ہیں۔

ایک آیت کا جملہ دیکھئے: فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۔(صف 61/5)

مودودی ترجمہ: ''اُنہوں نے ٹیڑھ اختیار کی تو اللہ نے اُن کے دل ٹیڑھے کردئے۔'' (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 457)

(6) اب زیغ سے مودودی کی نظر کمزور ہوجاتی ہے۔

وَقَالُوْا مَالَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ Oاَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ O(38/62-63)

مودودی: ''اور وہ آپس میں کہیں گے'' کیا بات ہے ہم اُن لوگوں کو کہیں نہیں دیکھتے جنہیں ہم دنیا میں بُرا سمجھتے تھے؟ ہم نے یوں ہی اُن کا مذاق بنالیا تھا یا وہ کہیں نظروں سے اوجھل ہیں۔'' (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 346)

یعنی یہاں مودودی زیغ کے معنی نظروں سے اُوجھل ہونا یا نظر نہ آنا کرتے ہیں۔ یہاں آیت میں جملہ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ تھا ایسا ہی ایک اور جملہ دیکھئے جو رسولؐ کے صحابہ کے لئے آیا ہے۔

(7) اب زیغ کے معنی ''آنکھوں کا پتھرا جانا'' کیئے جاتے ہیں۔

اللہ نے فرمایا کہ:

وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا Oاِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا Oهُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا O ۔(احزاب 33/9-11)

مودودی ترجمہ:

''اور اللہ وہ سب کچھ دیکھ رہا تھا جو تم لوگ اُس وقت کررہے تھے جب وہ اُوپر سے اور نیچے سے تم پر چڑھ آئے۔ جب خوف کے مارے تمہاری آنکھیں پتھرا گئیں کلیجے منہ کو آگئے اور تم لوگ اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے اُس وقت ایمان لانے والے خوب آزمائے گئے اور بُری طرح ہلا مارے گئے۔'' (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 76-75)

مودودی کی ایک دامن بچانے والی تشریح۔

''21ے یہاں ایمان والوں سے مراد وہ سب لوگ ہیں جنہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسولؐ مان کر اپنے آپ کو حضورؐ کے پیروؤں میں شامل کیا تھا۔ جن میں سچے اہل ایمان بھی شامل تھے اور منافقین بھی۔'' (ایضاً صفحہ 77-76)

یہاں مودودی نے لفظ زَاغَتِ الْاَبْصَار کے جو معنی بھی کیئے ہوں یہ نوٹ کرلیں کہ زیغ پر عمل کرنے والے اور اللہ و محمدؐ و اسلام کے متعلق طرح طرح

کے گمان کرنے والے اِن ہی مومنین میں شریک رہتے تھے۔ یہاں مودودی اور وہ خبیث مومنین رنگے ہاتھوں (Red Handed) پکڑے کھڑے ہیں۔

(8) زیغ سے ابھی نجات نہ ملے گی جب تک مودودی پٹاری بالکل خالی نہ ہوجائے۔

قرآن کریم سے ایک اور مقام: مَا زَاغَ الۡبَصَرُ وَمَاطَغٰی ۔(نجم 53/17) معراج کے دوران گزرنے والے حالات سناتے ہوئے اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ وبصیرت کی مدح کی ہے۔ مودودی کا ترجمہ پڑھئے:

''نگاہ نہ چوندھیائی نہ حد سے متجاوز ہوئی۔'' (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 201)

اب مودودی سے پوچھو کہ زیغ کے معنی کیا ہوئے؟ ابھی ابھی پچھلی آیت (33/10) میں زَاغَتِ الۡاَبۡصَارُ کا جملہ آیا تھا اور یہاں (53/17) زَاغَ الۡبَصَرُ آیا ہے وہاں آنکھوں کے زیغ کی بات تھی یہاں بصارت یا نظر کے زیغ کی بات ہے۔ وہاں اسی لفظ کے معنی پتھرا جانا کئے ہیں تو یہاں پر چندھیانا لکھتے ہیں۔ اگر یہ ایک ہی لفظ ہے تو تم بار بار اس کے معنی میں ہیرا پھیری کیوں کر رہے ہو؟

(9) ہم مودودی کے قلم سے وہ سب کچھ دکھادیں گے جس سے اُن کا باطل ہونا ثابت ہوجائے گا۔

ایک ایسا مقام دیکھئے جہاں مودودی بے بس ہوکر زیغ کے قریب ترین معنی کرتے ہیں۔ اللہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے سلسلے میں فرماتا ہے کہ:

وَمِنَ الۡجِنِّ مَن یَّعۡمَلُ بَیۡنَ یَدَیۡهِ بِاِذۡنِ رَبِّهٖ وَمَنۡ یَّزِغۡ مِنۡهُمۡ عَنۡ اَمۡرِنَا نُذِقۡهُ مِنۡ عَذَابِ السَّعِیۡرِO (سبا 34/12)

مودودی: ''اور ایسے جن اُس کے تابع کردیئے جو اپنے رب کے حکم سے اُس کے آگے کام کرتے تھے۔

اُن میں سے جو ہمارے حکم سے سرتابی کرتا اُس کو ہم بھڑکتی ہوئی آگ کا مزا چکھاتے۔'' (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 179)

اب زیغ کے معنی ''حکم سے سرتابی'' ہوگئے ہیں۔ حالانکہ حکم سے سرتابی تو اس لفظ میں بہرحال شروع سے داخل چلے آرہے ہیں۔ مگر قریشی علما تو آیات متشابہات کو فتنہ وفساد کی جڑ قرار دیتے چلے آرہے ہیں۔ سنئے حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف سے قرآن کہتا ہے کہ:

(10) ہم مودودی کے ہاتھ سے زیغ کے معنی اب فساد کراتے ہیں۔

اَنۡ نَّزَغَ الشَّیۡطٰنُ بَیۡنِیۡ وَبَیۡنَ اِخۡوَتِیۡ اِنَّ رَبِّیۡ لَطِیۡفٌ لِّمَا یَشَآءُ...الخ۔ (یوسف 12/100)

مودودی: ''حالانکہ شیطان میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈال چکا تھا واقعہ یہ ہے کہ میرا رب غیر محسوس تدبیروں سے اپنی مشیت پوری کرتا ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 433)

اب تو یہ معنی کرنا ہی پڑیں گے کہ: ''جن لوگوں کے دلوں میں فساد ہوتا ہے وہ اُس چیز کی پیروی کرتے ہیں جو فساد سے مشابہ ہو۔'' (3/7)

(11) مودودی قرآن کے ایک ہی لفظ اور ایک ہی جملے کے معنی بھی ضرور بدل کر لکھیں گے۔

آخر میں قارئین کو یہ دکھا کر عنوان بدلتے ہیں کہ مودودی پر شیطان وقریش نے واجب کردیا ہے کہ وہ ایک ہی لفظ اور ایک ہی قرآنی جملے میں اختلاف وانتشار ضرور پیدا کریں۔ قارئین قرآن کے یہ دو جملے بغور دیکھیں پھر ترجمہ چشمہ لگا کر پڑھیں۔

(1) وَاِمَّا یَنۡزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیۡطٰنِ نَزۡغٌ فَاسۡتَعِذۡ ۔(41/36)

(2) وَاِمَّا یَنۡزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیۡطٰنِ نَزۡغٌ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰهِ۔۔۔(7/200)

(1) اور اگر تم شیطان کی طرف سے کوئی اُکساہٹ محسوس کرو تو اللہ کی پناہ مانگ لو۔'' (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 458)

(2) اگر کبھی شیطان تمہیں اُکسائے تو اللہ کی پناہ مانگو۔'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 110، 7/200)

یہ تھے قریش ساز علما جو ہم سے پہلے قرآن کریم اور اسلام کو تماشہ بناتے آرہے تھے۔ ہم نے اُن کی جڑیں اکھیڑ کر رکھ دی ہیں۔

19۔ رضوی صاحب کو متشابہات اور زیغ کے معنی اب کون بتائے اور سارے قرآن کا متشابہ ہونا کون سمجھائے؟

بہر حال اُن کے مفروضات سنئے۔

جناب رضوی صاحب نے آیات متشابہات کو اپنے مقصد کے مطابق تیار کر کے جو کچھ کرنا چاہا ہے وہ سن لیں فرماتے ہیں کہ:

''اب دیکھنا یہ ہے کہ قرآن کا کون سا حصہ ایسا ہے جو متشابہات کہلا سکتا ہے۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ قرآن مجید میں تین قسم کے مضامین ہیں۔ 1۔ احکام شریعت۔ 2۔ قصص وحکایات۔ 3۔ قیامت یا آئندہ کی پیش گوئیاں۔ احکام شریعت اور قصص وحکایات کا شمار آیات محکمات میں ہے اور ہونا بھی چاہئے کیوں کہ احکام شریعت وقصص والی آیات اگر محکمات نہیں ہوں گی اور اُن کا مطلب ومفہوم معلوم ومعیّن نہ ہوگا تو قوم سخت مشکلات میں گرفتار ہو جائے گی۔ اُس کو نہ احکام معلوم ہو سکیں گے اور نہ وہ قصص وحکایات سے عبرت حاصل کر سکے گی۔ اس لئے یہ چیزیں صاف صاف ہونی چاہئیں۔ تیسرا حصہ یعنی آئندہ کی پیشنگوئیاں مثلاً قیامت ورجعت۔ یہ ایسا ہو سکتا ہے جس کو متشابہات کہا جائے کیوں کہ پیشنگوئیاں ایسی ہی زبان میں اور ایسے طرز میں کی جاتی ہیں اور اُن کا مطلب اُسی وقت کھلتا ہے جس اُن کا وقت آجاتا ہے اور اسی حصہ کو متشابہات کہہ کر خدا نے فرمایا ہے کہ ''اِن آیات کا حقیقی مطلب کوئی نہیں جانتا۔ اس کی تاویل سے صرف خدا ہی واقف ہے۔'' پس آیاتِ قیامت آیات متشابہات ہیں۔ جن کے اصلی وحقیقی مطلب سے خدا کے سوا اور کوئی واقف نہیں اور خدا نے ممانعت فرمادی تھی کہ ان آیات کی تفسیر کوئی شخص نہ کرے اور نہ اُن کا مطلب معلوم کرنے کی کوشش کرے۔'' (ظہور قائم آلِ محمدؐ صفحہ 159-158)

20۔ کچھ رضوی صاحب کے سمجھنے کی اور کچھ ہمیں سمجھانے کی باتیں رہ گئیں؟

گو رضوی صاحب کے اس بیان کا آیت نمبر (3/7) سے کوئی اور کسی قسم کا تعلق نہیں رہ گیا ہے۔ لیکن ہم فرض کئے لیتے ہیں کہ رضوی صاحب نے جو کچھ لکھا وہ سب آیت (3/7) ہی سے ماخوذ ہوتا ہے۔ اس کے بعد بھی یہ چیز حل طلب ہے کہ اگر آیات متشابہات وہی اور ویسی ہی ہیں جیسی کہ فرض کر لی گئی ہیں تو ایسی آیات کا قرآن میں نازل کرنا جن کو خود صاحبِ کتاب یعنی رسولؐ بھی نہ سمجھ سکتا ہو کیا فائدہ ہو سکتا ہے؟ اور وہ فائدہ قرآن کی کون سی آیات میں مذکور ہے؟ دوسری بات یہ ہے کہ جو تعریف وتشخیص رضوی صاحب نے آیاتِ متشابہات کی کی ہے وہ تعریف بھی قرآن کریم کی محکم آیات سے دکھانا لازم تھا۔ یعنی یہ کہ پیشینگوئیاں آیات متشابہات میں کی گئی ہیں اور یہ کہ متشابہات میں مذکور پیشینگوئیاں اُسی وقت اپنا مطلب ومنشا ظاہر کریں گی جب پیشینگوئیوں کے پورا ہونے کا وقت آجائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ جو کچھ قرآن کے ذمہ لگایا جائے وہ قرآن کی آیات میں موجود ہونا لازم ہے۔ اور جب ایسی آیات دکھائی جائیں گی تو اُن کا منکر، منکر قرآن کہلائے گا۔ اور رضوی صاحب نے تو یہ ثابت کر دیا کہ وہ کچھ آیات کو خود ہی متشابہات فرض کرتے ہیں اور فتنہ جُو لوگوں کی طرح، بقول خود، اُن سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں اور یہ اُن کی اپنی (3/7) ترجمانی کے خلاف ایک جرم ہے۔

21۔ انبیاؑ ورسلؑ کے سلسلے کی پیشینگوئیاں تو خصوصاً واضح الفاظ اور محکمات میں ہونا لازم ہیں۔

ہم دکھا چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کی نسل، بعثت اور کارِ رسالت کی پیشگوئی نہایت واضح الفاظ میں تین ہزار سال پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبانی قرآن میں موجود ہے پھر قرآن ہی میں حضوؐر کی پیش گوئی یوں کی گئی ہے کہ:

وَاِذۡ قَالَ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰہِ اِلَیۡکُمۡ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوۡرٰۃِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوۡلٍ یَّاۡتِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِی اسۡمُہٗۤ اَحۡمَدُ۔۔۔(الصّف 61/6)

''اور جب عیسیٰؑ ابن مریمؑ نے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسولؑ ہوں اور ساتھ ہی میں توریت کی تصدیق کرنے والا ہوں جو مجھ سے پہلے کی آئی ہوئی موجود ہے اور ایک ایسے رسوؐل کی بشارت دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمدؐ ہوگا۔''

اگر آئندہ آنے والے نبیؐ کی پیشگوئی واضح الفاظ میں نہ کی جائے اور وہ بقول رضوی مبہم الفاظ میں کتاب کے اندر موجود ہوں اور لوگ اُن کو نہ سمجھیں یا غلط سمجھ جائیں اور نبی کو نہ پہچانیں اور انکار کردیں تو اس سب کا مظلمہ اور جرم وگناہ اُمت پر رکھنا بے انصافی ہے۔ البتہ اگر واقعی بقول رضوی آیات متشابہات کے پڑھنے کی ممانعت کردی گئی تھی تو مظلمہ اور جرم وگناہ اُن لوگوں پر عائد ہوگا جنہوں نے اللہ کے حکم کے خلاف آیات متشابہات کو پڑھا اور خدا کی مخالفت کی۔ لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ قرآن میں کہیں بھی آیات متشابہات کا تعین وتشخص بھی نہیں ہے اور کیوں ہوتا جب کہ سارا قرآن متشابہ اور بہترین کتاب ثابت ہے۔ (زمر 39/23) اور چار آیات کے بعد اعلان کیا گیا ہے کہ:

قُرۡاٰنًا عَرَبِیًّا غَیۡرَ ذِیۡ عِوَجٍ لَّعَلَّہُمۡ یَتَّقُوۡنَ O(39/28)

''قرآن عربی زبان میں ہے اُس میں کسی قسم کی بھی کھوٹ اور گمراہی نہیں ہے شاید یہ قریش غلط کاموں سے پرہیز کرنے لگیں۔''

یہی نہیں بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ:

''یہ یقیناً غالب رہنے والی کتاب ہے قابل حمد وثنا حکیم کی طرف سے نازل کی ہوئی ہے اِس میں باطل کا گزر نہ آگے سے ہوسکتا ہے نہ پیچھے سے ممکن ہے۔'' (حم سجدہ 42-41/41)

لہٰذا یہ کہنا کہ پیشن گوئیاں مبہم الفاظ میں ہوا کرتی ہیں نہ صرف قرآن وعقل اور واقعات کے خلاف ہے بلکہ مُضر بھی ہے۔

22۔ بطور مثال واضح اور عام فہم الفاظ میں ایک اور پیشگوئی بھی۔

پہلے قرآن سنئے فرمایا گیا ہے کہ:

الٓمّٓ O غُلِبَتِ الرُّوۡمُ O فِیۡۤ اَدۡنَی الۡاَرۡضِ وَہُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ غَلَبِہِمۡ سَیَغۡلِبُوۡنَ O فِیۡ بِضۡعِ سِنِیۡنَ لِلّٰہِ الۡاَمۡرُ مِنۡ قَبۡلُ وَمِنۡۢ بَعۡدُ وَیَوۡمَئِذٍ یَّفۡرَحُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ O بِنَصۡرِ اللّٰہِ یَنۡصُرُ مَنۡ یَّشَآءُ وَہُوَ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ O وَعۡدَ اللّٰہِ لَا یُخۡلِفُ اللّٰہُ وَعۡدَہٗ وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ O(30/1-6)

مودودی ترجمہ سن لیں:

''ا۔ل۔م۔ رومی قریب کی سرزمین میں مغلوب ہوگئے ہیں اور اپنی اس مغلوبیت کے بعد چند سال کے اندر وہ غالب ہوجائیں گے۔ اللہ

ہی کا اختیار ہے پہلے بھی اور بعد میں بھی۔ اور وہ دن وہ ہوگا جب اللہ کی بخشی ہوئی فتح پر مومنین خوشیاں منائیں گے۔ اللہ نصرت عطا فرماتا ہے جسے چاہتا ہے اور وہ زبردست اور رحیم ہے۔ یہ وعدہ اللہ نے کیا ہے۔ اللہ کبھی بھی اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ مگر اکثر لوگ جانتے نہیں۔'' (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 731-730)

یہاں رضوی صاحب کا دعویٰ باطل ہوگیا۔ ذرا دیر بعد پیشگوئیوں کی بات پھر شروع ہونا ہے پہلے یہاں سورہ روم کے متعلق مودودی کی مزید تصریحات اور تشریحات دکھانا ضروری ہیں تا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن کے برادرزادوں یعنی بنی اسرائیل کے دینی و دنیاوی تعلق پر قریشی عالم کے قلم سے روشنی پڑے اور ہمارے قارئین کی معلومات میں مفید اضافہ ہو۔ سنئے۔ مودودی لکھتے ہیں کہ:

''تاریخی پس منظر''

''جو پیشگوئی اس سورے کی ابتدائی آیات میں کی گئی ہے وہ کلام مجید کے کلام الٰہی ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسولؐ برحق ہونے کی نمایاں ترین شہادتوں میں سے ایک ہے اُسے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اُن تاریخی واقعات پر ایک تفصیلی نگاہ ڈالی جائے جو اِن آیات سے تعلق رکھتے ہیں۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے آٹھ سال پہلے کا واقعہ ہے کہ قیصر روم ماریس (Mauric) کے خلاف بغاوت ہوئی اور ایک شخص فوکاس (Phocas) تخت سلطنت پر قابض ہوگیا۔ اُس شخص نے پہلے تو قیصر کی آنکھوں کے سامنے اُس کے پانچ بیٹوں کو قتل کیا پھر خود قیصر کو قتل کرا کے باپ بیٹوں کے سر قسطنطنیہ میں برسر عام لٹکوا دیئے اور اس کے چند روز بعد قیصر کی بیوی اور تین لڑکیوں کو بھی مروا ڈالا۔ اس واقعہ سے ایران کے بادشاہ خسرو پرویز کو روم پر حملہ آور ہونے کے لئے بہترین اخلاقی بہانہ مل گیا۔ قیصر ماریس خسرو پرویز کا محسن بھی تھا۔ اُس ہی کی مدد سے پرویز کو ایران کا تخت نصیب ہوا تھا۔ اسے وہ اپنا باپ کہا کرتا تھا۔ اس بنا پر اس نے اعلان کیا کہ میں غاصب فوکاس سے اس ظلم کا بدلہ لوں گا جو اس نے میرے مجازی باپ اور اس کی اولاد پر ڈھایا ہے۔ 603ء میں اُس نے سلطنت روم کے خلاف جنگ کا آغاز کیا اور چند سال کے اندر وہ فوکاس کی فوجوں کو پے در پے شکستیں دیتا ہوا ایک طرف ایشیائے کوچک میں ایڈیسیا (موجودہ اورفا) تک اور دُوسری طرف شام میں حلب تک اور انطاکیہ تک پہنچ گیا۔ روم کے اعیان سلطنت یہ دیکھ کر کہ فوکاس ملک کو نہیں بچا سکتا افریقہ کے گورنر سے مدد کے طالب ہوئے اُس نے اپنے بیٹے ہرقل (Heraclius) کو ایک طاقتور بیڑے کے ساتھ قسطنطنیہ بھیج دیا۔ اس کے پہنچتے ہی فوکاس معزول کر دیا گیا۔ اُس کی جگہ ہرقل قیصر بنایا گیا۔ اور اُس نے برسر اقتدار آ کر فوکاس کے ساتھ وہی کچھ کیا جو اُس نے ماریس کے ساتھ کیا تھا۔ یہ 610ء کا واقعہ ہے اور یہ وہی سال ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے منصب نبوت پر سرفراز ہوئے۔''

''خسرو پرویز نے جس اخلاقی بہانے کو بنیاد بنا کر جنگ چھیڑی تھی، فوکاس کے عزل اور قتل کے بعد وہ ختم ہو چکا تھا۔ اگر واقعی اُس کی جنگ کا مقصد غاصب فوکاس سے اُس کے ظلم کا بدلہ لینا ہوتا تو اُس کے مارے جانے پر اُسے نئے قیصر سے صلح کر لینی چاہئے تھی۔ مگر اُس نے پھر بھی جنگ جاری رکھی اور اب اس جنگ کو اُس نے مجوسیت اور مسیحیت کی مذہبی جنگ کا رنگ دے دیا۔ عیسائیوں کے جن فرقوں کو رومی کلیسا نے ملحد قرار دے کر سالہا سال سے تختۂ مشق ستم بنا رکھا تھا (یعنی نسطوری اور یعقوبی وغیرہ) اُن کی ساری ہمدردیاں بھی مجوسی حملہ

آوروں کے ساتھ ہوگئیں اور یہودیوں نے بھی مجوسیوں کا ساتھ دیا حتّٰی کہ خسرو پرویز کی فوج میں بھرتی ہونے والے یہودیوں کی تعداد چھبیس ہزار تک پہنچ گئی۔‘‘

’’ہرقل آکر اس سیلاب کو نہ روک سکا۔ تخت نشین ہوتے ہی پہلی اطلاع جو اُسے مشرق وسطی سے ملی وہ انطا کیہ پر ایرانی قبضے کی تھی۔ اِس کے بعد 613ء میں دمشق فتح ہوا۔ پھر 614ء میں بیت المقدس پر قبضہ کر کے ایرانیوں نے مسیحی دنیا پر قیامت ڈھادی نوے (90) ہزار عیسائی اس شہر میں قتل کیئے گئے۔ اُن کا سب سے زیادہ مقدس کلیسا کینسۃ القیامۃ (Holy Sepulchure) برباد کر دیا گیا۔ اصلی صلیب جس کے متعلق عیسائیوں کا عقیدہ تھا کہ اِسی پر مسیح نے جان دی تھی۔ مجوسیوں نے چھین کر مدائن پہنچادی۔ لاٹ پادری زکریا کو بھی وہ پکڑ کر لے گئے۔ اور شہر کے تمام بڑے بڑے گرجوں کو انہوں نے مسمار کر دیا۔ اس فتح کا نشہ جس بُری طرح خسرو پرویز پر چڑھا تھا اُس کا اندازہ اُس خط سے ہوتا ہے جو اس نے بیت المقدس سے ہرقل کو لکھا تھا۔ اس میں وہ کہتا ہے کہ:

’’سب خداؤں سے بڑے خدا روئے زمین کے مالک خسرو پرویز کی طرف سے اس کمینہ اور بے شعور بندے ہرقل کے نام،

تو کہتا ہے کہ تجھے اپنے رب پر بھروسہ ہے۔ کیوں نہ تیرے رب نے یروشلم کو میرے ہاتھ سے بچالیا؟‘‘

اس فتح کے بعد ایک سال کے اندر اندر ایرانی فوجیں اُردن، فلسطین اور جزیرہ نمائے سینا کے پورے علاقے پر قابض ہو کر حدود مصر تک پہنچ گئیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مکہ معظّمہ میں ایک اور اُس سے بدر جہا زیادہ تاریخی اہمیت رکھنے والی جنگ برپا تھی۔ یہاں توحید کے علمبردار سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں اور شرک کے پیرو کار سرداران قریش کی راہنمائی میں ایک دوسرے سے برسر جنگ تھے۔ اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ 615ء میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کو اپنا گھر بار چھوڑ کر حبش کی عیسائی سلطنت میں (جو روم کی حلیف تھی) پناہ لینی پڑی۔ (ہجرت سے پہلے مشرکین اور رسولؐ میں کوئی جنگ نہیں ہوئی یہ مودودی نے عبارت کو گرم کرنے کے لئے جھوٹ لکھا ہے) اُس وقت سلطنت روم پر ایران کے غلبے کا چرچا ہر زبان پر تھا۔ مکے کے مشرکین اس پر بغلیں بجا رہے تھے۔ اور مسلمانوں سے کہتے تھے کہ دیکھو ایران کے آتش پرست فتح پا رہے ہیں اور وحی و رسالت کے ماننے والے عیسائی شکست پر شکست کھاتے جا رہے ہیں۔ اسی طرح ہم عرب کے بت پرست بھی تمہیں اور تمہارے دین کو مٹا کر چھوڑیں گے۔ ان حالات میں قرآن مجید کی یہ سورت نازل ہوئی اور اس میں یہ پیشنگوئی کی گئی ہے کہ ’’قریب کی سرزمین میں رومی مغلوب ہو گئے ہیں۔ مگر اس مغلوبیت کے بعد چند سال کے اندر ہی وہ غالب آجائیں گے اور وہ دن وہ ہوگا کہ جب کہ اللہ کی دی ہوئی فتح سے اہل ایمان خوش ہو رہے ہوں گے۔‘‘

اس میں ایک کے بجائے دو پیشنگوئیاں تھیں ایک یہ کہ رومیوں کو غلبہ نصیب ہوگا اور دوسری یہ کہ مسلمانوں کو بھی اسی زمانے میں فتح ہوگی۔ بظاہر دُور دُور تک اس کے آثار موجود نہ تھے۔ کہ ان میں سے کوئی ایک پیشن گوئی چند سال کے اندر پوری ہو جائے گی۔ ایک طرف مٹھی بھر مسلمان تھے جو مکے میں مارے اور کھدیڑے جا رہے تھے اور اس پیشنگوئی کے بعد بھی آٹھ سال تک اُن کے لئے غلبہ و فتح کا کوئی امکان کسی کو نظر نہ آتا تھا۔ دوسری طرف روم کی مغلوبیت روز بروز بڑھتی چلی گئی 619ء تک پورا مصر ایران کے قبضے میں چلا گیا۔ اور مجوسی فوجوں نے طرابلس کے قریب پہنچ کر اپنے جھنڈے گاڑ دئے۔ ایشیائے کوچک میں ایرانی فوجیں رومیوں کو مارتی دباتی باسفورس کے کنارے تک پہنچ گئیں۔ اور 617ء میں اُنہوں نے عین قسطنطنیہ کے سامنے خلقدون (Chalcedon موجودہ قاضی کوئی) پر قبضہ کر لیا۔ قیصر نے خسرو

کے پاس ایلچی بھیج کر نہایت عاجزی کے ساتھ درخواست کی کہ میں ہر قیمت پر صلح کرنے کو تیار ہوں۔ مگر اُس نے جواب دیا کہ اب میں قیصر کو اس وقت تک امان نہ دوں گا جب تک وہ پابہ زنجیر میرے سامنے حاضر نہ ہو اور اپنے خدائے مصلوب کو چھوڑ کر خداوند آتش کی بندگی نہ اختیار کرلے''۔ آخر کار قیصر اس قدر شکست خوردہ ہوگیا کہ اُس نے قسطنطنیہ چھوڑ کر قرطاجنہ (Charthage موجودہ تیونس) منتقل ہوجانے کا ارادہ کرلیا۔ غرض انگریز مورخ گبن کے بقول، قرآن مجید کی اس پیشگوئی کے بعد بھی سات آٹھ برس تک حالات ایسے تھے کہ کوئی شخص یہ تصور تک نہ کرسکتا تھا کہ رومی سلطنت ایران پر غالب آجائے گی۔ بلکہ غلبہ تو درکنار اسی وقت تو کسی کو یہ امید بھی نہ تھی کہ اب یہ سلطنت زندہ رہ جائے گی۔ قرآن کی یہ آیات جب نازل ہوئیں تو کفارِ مکہ نے اُن کا خوب مذاق اُڑایا اور اُبی بن خلف نے حضرت ابوبکر سے شرط لگائی کہ اگر تین سال کے اندر رومی غالب آگئے تو دس اونٹ میں دوں گا ورنہ دس اونٹ تم کو دینے ہوں گے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو آپؐ نے فرمایا کہ قرآن میں فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ کے الفاظ آئے ہیں اور عربی زبان میں بضع کا اطلاق دس سے کم پر ہوتا ہے۔ اس لئے دس سال کے اندر کی شرط لگاؤ۔ اور اونٹوں کی تعداد بڑھا کر سو کردو۔ چنانچہ حضرت ابوبکر نے اُبی سے پھر بات کی اور نئے سرے سے یہ شرط طے ہوئی کہ دس سال کے اندر فریقین میں سے جس کی بات غلط ثابت ہوگی وہ سو اونٹ دے گا۔ 622ء میں ادھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے مدینہ تشریف لے گئے اور اُدھر قیصر ہرقل خاموشی کے ساتھ قسطنطنیہ سے بحر اسود کے راستے طرابزون کی طرف روانہ ہوا جہاں اُس نے ایران پر پشت کی طرف سے حملہ کرنے کی تیاری کی اس جوابی حملے کی تیاری کے لئے قیصر نے کلیسا سے روپیہ مانگا اور مسیحی کلیسا کے اسقف اعظم سرجیس (Sergius) نے مسیحیت کو مجوسیت سے بچانے کے لئے گرجاؤں کے نذرانوں کی جمع شدہ رقم سود پر قرض دی۔ ہرقل نے اپنا حملہ 623ء میں آرمینیہ سے شروع کیا اور دوسرے سال 624ء میں اُس نے آذربائیجان میں گھس کر زرتشت کے مقام پیدائش ارمیاہ (Clorumia) کو تباہ کردیا اور ایرانیوں کے سب سے بڑے آتش کدے کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ خدا کی قدرت کا کرشمہ دیکھئے کہ یہی وہ سال تھا جس میں مسلمانوں کو بدر کے مقام پر پہلی مرتبہ مشرکین کے مقابلے میں فیصلہ کن فتح نصیب ہوئی۔ اس طرح وہ دونوں پیشن گوئیاں جو سورہ روم میں کی گئی تھیں دس سال کی مدت ختم ہونے سے پہلے بیک وقت پوری ہوگئیں۔ پھر روم کی فوجیں ایرانیوں کو مسلسل دباتی چلی گئیں نینویٰ کی فیصلہ کن جنگ 627ء میں انہوں نے سلطنت ایران کی کمر توڑ دی۔ اس کے بعد شاہان ایران کی قیام گاہ دستگرد کو تباہ کردیا گیا۔ اور آگے بڑھ کر ہرقل کے لشکر عین طیسفون (ctesiphon) کے سامنے پہنچ گئے۔ جو اس وقت ایران کا دارالسلطنت تھا۔ 628ء میں خسرو پرویز کے خلاف گھر میں بغاوت رونما ہوئی اور وہ قید کرلیا گیا۔ اُس کی آنکھوں کے سامنے اُس کے اٹھارہ بیٹے قتل کردئے گئے۔ اور چند روز بعد وہ خود بھی قید کی سختیوں سے ہلاک ہوگیا۔ یہی سال تھا جس میں صلح حدیبیہ واقع ہوئی جسے قرآن فتح عظیم کے نام سے پکارتا ہے اور یہی سال جس میں خسرو کے بیٹے قباد ثانی نے تمام رومی مقبوضات سے دست بردار ہوکر اور اصلی صلیب واپس کرکے روم سے صلح کرلی۔ 629ء میں قیصر مقدس صلیب کو اس کی جگہ رکھنے کے لئے خود بیت المقدس گیا اور اسی سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم عمرۃ القضا ادا کرنے کے لئے ہجرت کے بعد پہلی مرتبہ مکہ معظّمہ میں داخل ہوئے۔'' (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 724 تا 728)

مودودی نے یہ بیان سورہ کے دیباچہ میں لکھا ہے اب ساتھ ہی اُن کے قلم سے اِن آیات پر تشریح سننا بھی ضروری ہے۔

مودودی کی تشریح

''1۔ ابن عباس اور دوسرے صحابہ وتابعین کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ روم وایران کی اس لڑائی میں مسلمانوں کی ہمدردیاں روم کے ساتھ اور کفار مکہ کی ہمدردیاں ایران کے ساتھ تھیں۔ اس کے کئی وجوہ تھے۔ ایک یہ کہ ایرانیوں نے اس لڑائی کو مجوسیت اور مسیحیت کی جنگ بنا دیا تھا اور وہ ملک گیری کے مقصد سے تجاوز کر کے اُسے مجوسیت پھیلانے کا ذریعہ بنا رہے تھے۔ اصولی اعتبار سے مجوسیوں کا مذہب مشرکین کے مذہب سے ملتا جلتا تھا۔ کیوں کہ وہ بھی توحید کے منکر تھے، دوخداؤں کو مانتے تھے۔ آگ کی پرستش کرتے تھے۔ اس لئے مشرکین کی ہمدردیاں اُن کے ساتھ تھیں۔ اِن کے مقابلے میں مسیحی خواہ کتنے ہی مبتلائے شرک ہوگئے ہوں مگر وہ خدا کی توحید کو اصل دین مانتے تھے۔ آخرت کے قائل تھے۔ اور وحی ورسالت کو سرچشمہ ہدایت تسلیم کرتے تھے۔ اس بنا پر اُن کا دین اپنی اصل کے اعتبار سے مسلمانوں کے دین سے مشابہت رکھتا تھا۔ اور اسی لئے مسلمان قدرتی طور پر اُن سے ہمدردی رکھتے تھے۔ اور اُن پر مشرک قوم کا غلبہ انہیں ناگوار تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ ایک نبی کی آمد سے پہلے جولوگ سابق نبیؑ کو مانتے ہوں وہ اصولاً مسلمان ہی کی تعریف میں آتے ہیں۔ اور جب تک بعد کے آنے والے نبیؑ کی دعوت انہیں نہ پہنچے اور وہ اس کا انکار نہ کریں اُن کا شمار مسلمانوں ہی میں رہتا ہے۔ اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر صرف پانچ چھ برس ہی گزرے تھے۔ اور حضورؐ کی دعوت ابھی تک باہر نہ پہنچی تھی۔ اس لئے مسلمان عیسائیوں کا شمار کافروں میں نہیں کرتے تھے۔ آغاز اسلام میں عیسائیوں کی طرف سے مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی ہی کا برتاؤ ہوا تھا جیسا کہ سورہ قصص آیات 52 تا55 اور سورہ مائدہ آیات 82 تا85 میں ہوا ہے۔ بلکہ اُن میں سے بہت لوگ کھلے دل سے دعوت حق کو قبول کر رہے تھے۔ پھر ہجرت حبشہ کے موقعہ پر جس طرح حبش کے عیسائی بادشاہ نے مسلمانوں کو پناہ دی اور اُن کی واپسی کے لئے کفار مکہ کے مطالبے کو ٹھکرا دیا اس کا بھی یہ تقاضا تھا کہ مسلمان مجوسیوں کے مقابلے میں عیسائیوں کے خیر خواہ ہوں'' (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 731-730)

ہمیں صرف اس قدر کہنا ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کے زمانہ سے اُن کی اولاد ہمیشہ اپنے بڑے بھائی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کے تابع رہی (دیکھو مرکز انسانیت)

23۔ یہاں تک یہ ثابت ہوگیا کہ پیشگوئیاں ہرگز مبہم الفاظ یا زبان میں نہیں ہوتیں۔ رضوی صاحب سراسر ناکام ہوئے ہیں ثبوت سے عاری رہے ہیں۔

ہم نے رضوی صاحب کی کتاب ظہور قائم آل محمدؐ میں دیکھا ہے کہ رضوی صاحب نے تنکوں کے سہارے لئے ہیں انہیں ہرگز کہیں قرآن سے کوئی پیشگوئی نہ ملی نہ مل سکتی تھی وہ غلط جگہ باطل کی تلاش کرتے رہے ہیں از اول تا آخر غلط ترجمے کرنے کے بعد بھی انہیں خود اپنے معیار کا ثبوت نہ مل سکا۔

23 (الف)۔ حضرت عیسیٰؑ کا احمدؐ نام لے کر پیشگوئی کرنا اور بشارت دینا اس انجیل میں سے نہیں لیا گیا یہ سازش ہے۔

ہمارے قارئین میں اکثر ایسے حضرات ہوں گے جنہوں نے قرآن میں مذکور حضرت عیسیٰ علیہ السلام والی پیشگوئی نہ دیکھی ہوگی۔ اس سلسلے میں ہم چاہتے ہیں کہ مودودی صاحب کو آگے بڑھائیں تاکہ اُن کے قلم سے وہ باتیں بیان الامامت میں ریکارڈ ہو جائیں جنہیں وہ عموماً لکھنا پسند نہیں کرتے ہیں نہ اُن پر عقیدہ رکھتے ہیں اور ساتھ ہی رضوی صاحب کے لئے پیشگوئیوں کا ریکارڈ اور اُن کی واضح زبان بھی سامنے آجائے۔

چنانچہ مودودی صاحب سورہ صف (61/6) کی ذیل میں دو عدد تشریحات لکھتے ہیں ہم یہاں دونوں کو لفظ بلفظ لکھتے ہیں۔

پہلی تشریح توریت کے متعلق حضرت موسیٰ نے آنحضرتؐ کی آمد کی پیشگوئی کی تھی۔

''7۔ اس فقرے کے تین معنی ہیں اور تینوں صحیح ہیں۔ایک یہ کہ میں کوئی الگ اور نرالا دین نہیں لایا ہوں بلکہ وہی دین لایا ہوں جو موسیٰ علیہ السلام لائے تھے۔میں توریت کی تردید کرتا ہوا نہیں آیا ہوں بلکہ اُس کی تصدیق کر رہا ہوں۔جس طرح سے ہمیشہ خدا کے رسولؑ اپنے سے پہلے آئے ہوئے رسولوںؑ کی تصدیق کرتے رہے ہیں۔لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ تم میری رسالت تسلیم نہ کرو۔دوسرے معنی یہ ہیں کہ میں اُن بشارتوں کا مصداق ہوں جو میری آمد کے متعلق توریت میں موجود ہیں لہٰذا بجائے اس کے کہ تم میری مخالفت کرو تمہیں تو اس بات کا خیر مقدم کرنا چاہئے کہ جس کے آنے کی خبر پچھلے انبیاؑ نے دی تھی وہ آ گیا اور اس فقرے کو بعد والے فقرے کے ساتھ ملا کر پڑھنے سے تیسرے معنی یہ نکلتے ہیں کہ میں اللہ کے رسولؐ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آمد کے متعلق توریت کی دی ہوئی بشارت کی تصدیق کرتا ہوں اور خود بھی اُن کے آنے کی بشارت دیتا ہوں۔اس تیسرے معنی کے لحاظ سے حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام کے اس قول کا اشارہ اس بشارت کی طرف ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو خطاب کرتے ہوئے دی تھی اُس میں وہ فرماتے ہیں کہ:

پیشگوئی کی زبان کا نمونہ توریت کے اندر دیکھیں۔

''خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبیؑ برپا کرے گا۔تم اُس کی سننا۔یہ تیری اُس درخواست کے مطابق ہوگا جو تو نے خداوند اپنے خدا سے مجمع کے دن حورب میں کی تھی۔کہ مجھ کو نہ تو خداوند اپنے خدا کی آواز پھر سننی پڑے اور نہ ایسی بڑی آگ ہی کا نظارہ ہو تاکہ میں مر نہ جاؤں۔اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں سو ٹھیک کہتے ہیں۔میں اُن کے لئے اُن ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبیؑ برپا کروں گا اور اپنا کلام اُس کے منہ میں ڈالوں گا۔اور جو کچھ میں اس کو حکم دوں گا وہی وہ اُن سے کہے گا۔اور جو کوئی میری اُن باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سنے گا تو میں اُن کا حساب اس سے لوں گا۔'' (کتاب استثناء باب نمبر 18 آیات 15 تا 19) (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 459) مسلسل لکھتے ہیں کہ:

''یہ توریت کی صریح پیشن گوئی ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور پر چسپاں نہیں ہوسکتی (رضوی صاحب اینڈ کمپنی پیشن گوئی کی زبان نوٹ کریں) اس میں حضرت موسیٰؑ اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سنا رہے ہیں کہ میں تیرے لئے تیرے بھائیوں میں سے ایک نبیؑ برپا کروں گا۔ظاہر ہے کہ ایک قوم کے ''بھائیوں'' سے مراد خود اُسی قوم کا کوئی قبیلہ یا خاندان نہیں ہوسکتا بلکہ کوئی دوسری ایسی قوم ہی ہوسکتی ہے جس کے ساتھ اس کا قریبی نسلی رشتہ ہو۔اگر مراد خود بنی اسرائیل میں سے کسی نبی کی آمد ہوتی تو الفاظ یہ ہوتے کہ ''میں تمہارے لئے خود تم ہی میں سے ایک نبی برپا کروں گا۔'' لہٰذا بنی اسرائیل کے بھائیوں سے مراد لامحالہ بنی اسماعیل ہی ہوسکتے ہیں جو حضرت ابراہیمؑ کی اولاد ہونے کی بنا پر اُن کے نسبی رشتہ دار ہیں۔مزید برآں اس پیشگوئی کا مصداق بنی اسرائیل کا کوئی نبی اس وجہ سے بھی نہیں ہوسکتا کہ حضرت موسیٰؑ کے بعد بنی اسرائیل میں کوئی ایک نبیؑ نہیں آیا بہت سارے نبیؑ آئے جن کے ذکر سے بائبل بھری پڑی ہے۔'' (ایضاً صفحہ 460)

''دوسری بات اس بشارت میں یہ فرمائی گئی ہے کہ جو نبیؑ برپا کرے گا وہ حضرت موسیٰ کے مانند ہوگا۔اِس سے مراد ظاہر ہے کہ شکل وصورت یا حالات زندگی میں مشابہ ہونا تو نہیں ہے کیوں کہ اس لحاظ سے کوئی فرد بھی کسی دوسرے فرد کی مانند نہیں ہوا کرتا۔اور اس سے مراد محض وصف

نبوت میں مماثلت بھی نہیں ہے۔ کیوں کہ یہ وصف اُن تمام انبیاؑ میں مشترک ہے جو حضرت موسیٰؑ کے بعد آئے ہیں۔ اس لئے کسی ایک نبیؑ کی یہ خصوصیت نہیں ہوسکتی کہ وہ اس وصف میں اُن کے مانند ہو۔ پس ان دونوں پہلوؤں سے مشابہت کے خارج از بحث ہوجانے کے بعد کوئی اور وجہِ مماثلت، جس کی بنا پر آنے والے ایک نبیؑ کی تخصیص قابل فہم ہو، اس کے سوا نہیں ہوسکتی کہ وہ نبیؑ ایک مستقل شریعت لانے کے اعتبار سے حضرت موسیٰؑ کی مانند ہو۔ اور یہ خصوصیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی میں نہیں پائی جاتی کیوں کہ آپؐ سے پہلے بنی اسرائیل میں جو نبیؑ آئے تھے وہ شریعت موسیٰؑ کے پیرو تھے۔ ان میں کوئی بھی ایک مستقل شریعت لے کر نہ آیا تھا۔ اس تعبیر کو مزید تقویت پیشن گوئی کے ان الفاظ سے ملتی ہے کہ ''یہ تیری (یعنی بنی اسرائیل کی) اس درخواست کے مطابق ہوگا جو تو نے خداوند اپنے خدا سے مجمع کے دن حورب میں کی تھی کہ مجھ کو نہ تو خداوند اپنے خدا کی آواز پھر سننا پڑے اور نہ ایسی بڑی آگ ہی کا نظارہ ہو تاکہ میں مر نہ جاؤں اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں ٹھیک کہتے ہیں۔ میں اُن کے لئے اُن ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبیؐ برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔'' اس عبارت میں حورب سے مراد وہ پہاڑ ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہلی مرتبہ احکام شریعت دئے گئے تھے۔ اور بنی اسرائیل کی جس درخواست کا اس میں ذکر کیا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ آئندہ اگر کوئی شریعت ہم کو دی جائے تو اُن خوفناک حالات میں نہ دی جائے جو حورب کے پہاڑ کے دامن میں شریعت دیتے وقت پیدا کئے گئے تھے۔ اُن حالات کا ذکر قرآن میں بھی موجود ہے۔ اور بائبل میں بھی (ملاحظہ ہو البقرہ آیات 55,56,63۔ الاعراف آیات 155۔ 171 بائبل کتاب خروج 19:17۔18) اس کے جواب میں حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کو بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری یہ درخواست قبول کرلی ہے۔ اس کا ارشاد ہے کہ میں اُن کے لئے ایک ایسا نبیؐ برپا کروں گا جس کے منہ میں مَیں اپنا کلام ڈالوں گا۔ یعنی آئندہ شریعت کے دینے کے وقت وہ خوفناک حالات پیدا نہ کئے جائیں گے جو حورب کے پہاڑ کے دامن میں پیدا کئے گئے تھے۔ بلکہ اب جو نبیؐ اس منصب پر مامور کیا جائے گا اُس کے منہ میں بس اللہ کا کلام ڈال دیا جائے گا۔ اور وہ اُسے خلق خدا کو سُنا دے گا۔ اس تصریح پر غور کرنے کے بعد کیا اس امر میں کسی شبہ کی گنجائش ہوسکتی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اس کا مصداق کوئی اور نہیں ہے؟ حضرت موسیٰؑ کے بعد مستقل شریعت صرف آپؐ ہی کو دی گئی۔ اُس کے عطا کرنے کے وقت کوئی ایسا مجمع نہیں ہوا جیسا کہ حورب کے پہاڑ کے دامن میں بنی اسرائیل کا ہوا تھا اور کسی وقت بھی احکام شریعت دینے کے موقع پر وہ حالات پیدا نہیں کئے گئے جو وہاں پیدا کئے گئے تھے۔'' (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 459 تا 461)

مودودی کی خیانت پر متوجہ کرنا ضروری ہے۔

یہ حقیقت بار بار سامنے آتی اور ثابت ہوتی رہی ہے کہ قریش اور قریشی علما کوئی ایسا ذکر چھیڑنا پسند نہیں کرتے جس سے حضرت علی علیہ السلام کی حقیقی پوزیشن پبلک کے سامنے آجائے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس پیشنگوئی میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کو مثیل موسیٰؑ ثابت کرنے کے لئے مودودی کو بہت ہاتھ پیر مارنا پڑے ہیں اور پھر بھی وہ حضورؐ کو مانند موسیٰ علیہ السلام ثابت کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ انہوں نے سب سے پہلے زیادہ زور مستقل شریعت پر دیا ہے حالانکہ آنحضرتؐ سے پہلے کسی رسولؐ کو مستقل شریعت یا دین دِیا ہی نہیں گیا تھا۔ تمام شریعتیں اور ادیان عارضی اور وقتی اور شاخیں تھیں اُس مکمل دین کی، جسے حضورؐ پر مکمل کیا گیا حتیٰ کہ اُس کا نام بھی پہلے نہیں بتایا گیا تھا۔ اور رہ گیا کلام کا منہ میں ڈالنا اور کوئی ہنگامہ کھڑا نہ کرنا یہ بھی نئی بات نہ تھی۔ بنی اسرائیل کی ذہنیت نے وہ ہنگامہ کرایا تھا اور بائبل کا جو حوالہ مودودی نے دیا ہے وہ

ناکافی ہے۔وہاں سارا باب نمبر 19 پڑھنا چاہئے۔

بہرحال وہ تمام باتیں جن کی بناپر آپؐ مثیل موسیٰؑ ہیں مودودی نے سب کو نظرانداز کر کے چھپالیا ہے۔لہٰذا سنئے:

محمدؐ کا مثیل موسیٰؑ ہونا صرف علیؑ کی وجہ سے ثابت ہے۔

(1)محمدؐ وعلیؑ ،موسیٰؑ وہارونؑ کے مانند بھائی تھے۔

(2)موسیٰؑ نے ہارونؑ کو کارِ رسالت میں شریک کرنے کی دعا کی تھی اُسی طرح آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو شریکِ رسالت کیا تھا۔

(3)حضرت علیؑ کو آنحضرتؐ نے اپنا وزیر بنایا تھا اور خلیفہ مقرر کیا تھا۔(طٰہٰ 25 تا 26/20)۔

(4)حضورؐ کو موسیٰؑ کی مانند اللہ نے اپنے لئے ایجاد کیا تھا۔(20/41)

(5)ہارونؑ کی طرح حضرت علیؑ کو محمدؐ کے ساتھ کتاب میں شریک کیا۔(37/117)

(6)اور ہارونؑ کی طرح حضرت علیؑ کو بہترین قوتِ لسانی وجسمانی عطا کر کے حضورؐ سے وابستہ کیا(34-35/28)اور خود حضورؐ نے فرمایا کہ انت مِنّی بِمَنزلة هارونَ مِن موسیٰ تمہاری منزلت میرے ساتھ وہی ہے جو ہارونؑ کی مؤسیٰؑ کے ساتھ تھی۔''(تمام سنی شیعہ ریکارڈ متفق ہیں)

دوسری تشریح احمدؐ نبی کے متعلق۔

مودودی نے آیت (61/6) کا دوسرا حاشیہ یوں لکھا ہے:

''8 یہ قرآن مجید کی ایک بڑی اہم آیت (61/6) ہے۔جس پر مخالفین اسلام کی طرف سے بڑی لے دے بھی کی گئی ہے اور بدترین خیانتِ مجرمانہ سے بھی کام لیا گیا ہے۔کیوں کہ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صاف صاف نام لے کر آپ کی آمد کی بشارت دی ہے۔اس لئے ضروری ہے کہ اس پر تفصیل کے ساتھ بحث کی جائے۔

1۔اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی احمدؐ بتایا ہے۔احمدؐ کے دو معنی ہیں،ایک وہ شخص،جو اللہ کی سب سے زیادہ تعریف کرنے والا ہو دوسرے،وہ شخص جس کی سب سے زیادہ تعریف کی گئی ہو یا جو بندوں میں سب سے زیادہ قابل تعریف ہو۔احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ یہ بھی حضورؐ کا ایک نام تھا۔مسلم اور ابوداؤد طیالسی میں حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ: **انا محمدؐ وانا احمد والحاشر** ۔میں محمدؐ ہوں اور میں احمدؐ ہوں اور میں حاشر ہوں۔اسی مضمون کی روایات حضرت **جبیر بن مطعم** سے امام مالک،بخاری،مسلم، دارمی،ترمذی اور نسائی نے نقل کی ہیں۔حضورؐ کا یہ اسم گرامی صحابہ میں معروف تھا۔چنانچہ حسان بن ثابت کا شعر ہے۔

صلی الالہ ومن یحف بعرشه والطیبون علی المبارک احمد

اللہ نے اور اُس کے عرش کے گرد جمگھٹا لگائے ہوئے فرشتوں نے اور سب پاکیزہ ہستیوں نے بابرکت احمدؐ پر درود بھیجا۔

تاریخ سے بھی ثابت ہے کہ حضورؐ کا نام مبارک صرف محمدؐ ہی نہ تھا بلکہ احمدؐ بھی تھا۔عرب کا پورا لٹریچر اس بات سے خالی ہے کہ حضورؐ سے پہلے کسی کا نام احمد رکھا گیا ہو۔اور حضورؐ کے بعد احمد اور غلام احمد اتنے لوگوں کے نام رکھے گئے ہیں۔جن کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔اس سے بڑھ کر اس بات کا کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ زمانہ نبوت سے لے کر آج تک تمام اُمت میں آپ کا یہ اسم گرامی معلوم ومعروف رہا ہے۔اگر حضورؐ کا یہ اسم گرامی نہ

ہوتا تو اپنے بچوں کے نام غلام احمد رکھنے والوں نے آخر کس احمدؐ کا غلام اُن کو قرار دیا تھا؟

2۔انجیل یوحنا اس بات پر گواہ ہے کہ مسیح کی آمد کے زمانے میں بنی اسرائیل تین شخصیتوں کے منتظر تھے۔ایک مسیح دوسرے ایلیاہ (یعنی حضرت الیاس کی آمد ثانی) اور تیسرے ''وہ نبی''انجیل کے الفاظ یہ ہیں:''اور یوحنا (حضرت یحیٰؑ علیہ السلام) کی گواہی یہ ہے کہ جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لاوی یہ پوچھنے کو اُس کے پاس بھیجے کہ تو کون ہے؟ تو اُس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں۔ اُنہوں نے اس سے پوچھا پھر کون ہے؟ کیا تو ایلیا ہے؟ اُس نے کہا میں نہیں ہوں۔کیا تو وہ نبی ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ نہیں۔پس انہوں نے اس سے کہا پھر تو ہے کون؟ اس نے کہا میں بیابان میں ایک پکارنے والے کی آواز ہوں کہ تم خداوند کی راہ سیدھی کرو........ اُنہوں نے اس سے یہ سوال کیا کہ اگر تو نہ مسیح ہے نہ ایلیا نہ وہ نبی تو پھر بپتسمہ کیوں دیتا ہے؟(باب نمبر 1 آیات 19 تا 25)

یہ الفاظ اس بات پر صریح دلالت کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل حضرت مسیح اور حضرت الیاس کے علاوہ ایک اور نبیؐ کے بھی منتظر تھے۔اور وہ حضرت یحیٰؑ نہ تھے۔اس نبیؐ کی آمد کا عقیدہ بنی اسرائیل کے ہاں اس قدر مشہور و معروف تھا کہ ''وہ نبی'' کہہ دینا گویا اُس کی طرف اشارہ کرنے کے لئے بالکل کافی تھا۔یہ کہنے کی ضرورت بھی نہ تھی کہ ''جس کی خبر توریت میں دی گئی ہے'' مزید برآں اُس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس نبی کی طرف وہ اشارہ کر رہے تھے اُس کا نام قطعی طور پر ثابت تھا۔کیوں کہ جب حضرت یحیٰؑ سے یہ سوالات کئے گئے تو انہوں نے یہ نہیں کہا کہ کوئی اور نبی آنے والا نہیں ہے۔تم کس نبی کے متعلق پوچھ رہے ہو؟

3۔اب وہ پیشن گوئیاں دیکھئے جو انجیل یوحنا میں مسلسل باب نمبر 14 سے باب نمبر 16 تک منقول ہوئی ہیں۔

(الف) ''اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے یعنی روح حق جسے دنیا حاصل نہیں کر سکتی کیوں کہ نہ اُسے دیکھتی ہے نہ جانتی ہے۔تم اُسے جانتے ہو کیوں کہ وہ تمہارے ساتھ رہتا ہے۔اور تمہارے اندر ہے۔''

(باب نمبر 14 آیات نمبر 16۔17)

(ب) ''میں نے یہ باتیں تمہارے ساتھ رہ کر تم سے کہیں۔لیکن مددگار یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا۔وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا۔اور جو کچھ میں نے تم سے کہا وہ سب تمہیں یاد دلائے گا۔''(ب نمبر 14۔آیات 25۔26)

(ج) ''اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیوں کہ دُنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اُس کا کچھ نہیں۔''(باب نمبر 14 آیت نمبر 30)

(د) ''لیکن وہ مددگار آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی سچائی کا روح جو باپ سے صادر ہوتا ہے۔تو وہ میری گواہی دے گا۔''(باب نمبر 15 آیت نمبر 26)

(ہ) ''لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے۔کیوں کہ اگر میں نہ جاؤں گا تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا۔ لیکن اگر میں جاؤں گا تو اُسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔''(باب نمبر 16 آیت نمبر 7)

(و) ''مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہیں مگر اب تم اُن کی برداشت نہیں کر سکتے۔لیکن جب وہ یعنی سچائی کا روح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔وہ میرا اجلال ظاہر کرے گا اس لئے کہ مجھ ہی سے حاصل کر کے تمہیں خبریں دے گا۔جو کچھ باپ کا ہے وہ سب میرا ہے۔اس لئے میں نے کہا کہ وہ مجھ ہی سے حاصل

کرتا ہے اور تمہیں خبریں دے گا۔'' (باب نمبر 16 آیت نمبر 12 تا 15)

4۔اِن عبارتوں کے معنی متعین کرنے کے لئے سب سے پہلے تو یہ جاننا ضروری ہے کہ مسیح علیہ السلام اور اُن کے ہم عصر اہل فلسطین کی عام زبان آرامی زبان کی وہ بولی تھی جسے سریانی (Syriac) کہا جاتا ہے۔مسیح کی پیدائش سے دواڑھائی سو برس پہلے ہی سلوقی (Seleucide) اِقتدار کے زمانہ میں اس علاقے سے عبرانی رخصت ہو چکی تھی اور سریانی نے اس کی جگہ لے لی تھی۔اگرچہ سلوقی اور پھر رومی سلطنتوں کے اثر سے یونانی زبان بھی اس علاقے میں پہنچ گئی تھی۔مگر وہ صرف اُس طبقے تک محدود رہی جو سرکاری دربار میں رسائی پا کر، پارسائی حاصل کرنے کی خاطر یونانیت زدہ ہو گیا تھا۔فلسطین کے عام لوگ سریانی کی ایک خاص بولی (Dialect) استعمال کرتے تھے۔جس کے لہجے اور تلفظات اور محاورات دمشق کے علاقے میں بولی جانے والی سریانی سے مختلف تھے۔اور اس ملک کے عوام یونانی سے اس قدر ناواقف تھے کہ جب 70ء میں یروشلم پر قبضہ کرنے کے بعد رومی جنرل ٹیٹس (Titus) نے اہل یروشلم کو یونانی میں خطاب کیا تو اس کا ترجمہ سریانی زبان میں کرنا پڑا۔اس سے یہ بات خود بخود ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت مسیح نے اپنے شاگردوں سے جو کچھ کہا تھا وہ لامحالہ سریانی زبان ہی میں ہوگا۔دوسری بات یہ جاننی ضروری ہے کہ بائبل کی چاروں انجیلیں اُن یونانی بولنے والے عیسائیوں کی لکھی ہوئی ہیں جو حضرت عیسیٰؑ کے بعد اس مذہب میں داخل ہوئے تھے۔اُن تک حضرت عیسیٰؑ کے اقوال واعمال کی تفصیلات سریانی بولنے والے عیسائیوں کے ذریعے سے کسی تحریر کی صورت میں نہیں بلکہ زبانی روایات کی شکل میں پہنچی تھیں۔اور ان سریانی روایات کو اُنہوں نے اپنی زبان میں ترجمہ کر کے درج کیا تھا۔اِن میں سے کوئی انجیل بھی 70ء سے پہلے کی لکھی ہوئی نہیں ہے۔اور انجیل یوحنا تو حضرت عیسیٰؑ کے ایک صدی بعد غالباً ایشیائے کوچک کے شہر اِفُسس میں لکھی گئی ہے۔مزید یہ کہ ان انجیلوں کا بھی کوئی اصل نسخہ اُس یونانی زبان میں محفوظ نہیں ہے۔جس میں ابتداءً یہ لکھی گئی تھیں۔مطبع کی ایجاد سے پہلے کے جتنے یونانی مسودات جگہ جگہ سے تلاش کر کے جمع کئے گئے ہیں اُن میں سے کوئی بھی چوتھی صدی سے پہلے کا نہیں ہے۔اس لئے یہ کہنا مشکل ہے کہ تین صدیوں کے دوران میں اِن کے اندر کیا کچھ ردوبدل ہوئے ہوں گے۔اس معاملے کو جو چیز خاص طور پر مشتبہ بنا دیتی ہے وہ یہ ہے یہ عیسائی اپنی انجیلوں میں اپنی پسند کے مطابق دانستہ تغیر وتبدل کرنے کو جائز سمجھتے رہے ہیں۔انسائکلو پیڈیا برٹانیکا (ایڈیشن 1946ء) کے مضمون ''بائبل'' کا مصنف لکھتا ہے:

''اناجیل میں ایسے نمایاں تغیرات دانستہ کئے گئے ہیں جیسے مثلاً بعض پوری پوری عبارتوں کو کسی دوسرے ماخذ سے لے کر کتاب میں شامل کر دینا۔یہ تغیرات صریحاً کچھ ایسے لوگوں نے بالقصد کئے ہیں جنہیں اصل کتاب کے اندر شامل کرنے کے لئے کہیں سے کوئی مواد مل گیا۔اور وہ اپنے آپ کو اس کا مجاز سمجھتے رہے۔کہ کتاب کو بہتر یا زیادہ مفید بنانے کے لئے اُس کے اندر اپنی طرف سے اس مواد کا اضافہ کر دیں۔بہت سے اضافے دوسری صدی ہی میں ہو گئے تھے۔اور کچھ نہیں معلوم کہ اُن کا ماخذ کیا تھا۔''

اس صورت حال میں قطعی طور پر یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ انجیلوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جو اقوال ہمیں ملتے ہیں وہ بالکل ٹھیک ٹھیک نقل ہوئے ہیں اور اُن کے اندر کوئی ردوبدل نہیں ہوا ہے۔تیسری اور نہایت اہم بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی فتح کے بعد بھی تقریباً تین صدیوں تک فلسطین کے عیسائی باشندوں کی زبان سریانی رہی اور کہیں نویں صدی عیسوی میں جا کر عربی زبان نے اُس کی جگہ لی۔اُن سریانی بولنے والے اہل فلسطین کے ذریعہ سے عیسائی روایات کے متعلق جو معلومات ابتدائی تین صدیوں کے مسلمان علما کو حاصل ہوئیں وہ اُن لوگوں کی معلومات کی بہ

نسبت زیادہ معتبر ہونی چاہئیں جنہیں سریانی سے یونانی اور پھر یونانی سے لاطینی زبانوں میں ترجمہ در ترجمہ ہو کر یہ معلومات پہنچیں کیوں کہ مسیح کی زبان سے نکلے ہوئے اصل سریانی الفاظ اُن کے ہاں محفوظ رہنے کے زیادہ امکانات تھے۔

5۔ اِن نا قابل انکار تاریخی حقائق کو نگاہ میں رکھ کر دیکھئے کہ انجیل یوحنا کی مذکورہ بالا عبارات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے بعد ایک آنے والے کی خبر دے رہے ہیں۔ جس کے متعلق وہ یہ کہتے ہیں کہ وہ ''**دنیا کا سردار**'' (سرورِ عالم) ہوگا ''**ابد تک رہے گا**'' ''**سچائی کی تمام راہیں دکھائے گا**'' اور **خود اُن کی** (یعنی حضرت عیسیٰ کی) **گواہی دے گا**'' یوحنا کی ان عبارتوں میں ''**روح القدس**'' اور ''**سچائی کی روح**'' وغیرہ الفاظ شامل کر کے مدعا کو خبط کرنے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ مگر اس کے باوجود اگر ان سب عبارتوں کو غور سے پڑھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس آنے والے کی خبر دی گئی ہے وہ کوئی روح نہیں بلکہ کوئی انسان اور خاص شخص ہے۔ **جس کی تعلیم عالمگیر، ہمہ گیر اور قیامت تک باقی رہنے والی ہوگی**۔ اُس شخص خاص کے لئے اُردو ترجمے میں ''**مددگار**'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اور یوحنا کی اصل انجیل میں یونانی زبان کا جو لفظ استعمال کیا گیا تھا۔ اس کے بارے میں عیسائیوں کو اصرار ہے کہ وہ (Paracletus) تھا مگر اس کے معنی متعین کرنے میں خود عیسائی علما کو سخت زحمت پیش آئی ہے۔ اصل یونانی زبان میں (Paraclete) کے کئی معنی ہیں **کسی جگہ کی طرف بلانا**۔ **مدد کے لئے پکارنا**، **انذار و تنبیہ کرنا**، **ترغیب**، **اکسانا**، **التجا کرنا**، **دعا مانگنا**، پھر یہ لفظ ہیلینی مفہوم میں یہ معنی دیتا ہے:

تسلی دینا، **تسکین بخشنا**، **ہمت افزائی کرنا**، بائبل میں اس لفظ کو جہاں جہاں استعمال کیا گیا ہے اُن سب مقامات پر اس کے کوئی معنی بھی ٹھیک نہیں بیٹھتے اور اوریجن (origen) نے کہیں اس کا ترجمہ (consolator) کیا ہے اور کہیں (Deprecator)۔ مگر دوسرے مفسرین نے اُن دونوں ترجموں کو رد کر دیا کیوں کہ اول تو یہ یونانی گرامر کے لحاظ سے صحیح نہیں ہیں دوسرے تمام عبارتوں میں جہاں یہ لفظ آیا ہے یہ معنی نہیں چلتے۔ بعض اور مترجمین نے اس کا ترجمہ (Teacher) کیا ہے۔ مگر یونانی زبان کے استعمالات سے یہ معنی بھی اخذ نہیں کئے جا سکتے۔ ترتولیان اور آگسٹائن نے لفظ (Advocate) کو ترجیح دی ہے اور بعض لوگوں نے Assistant اور Comforter اور Consoler وغیرہ الفاظ اختیار کئے ہیں۔ (ملاحظہ ہو انسائیکلوپیڈیا آف ببلیکل لٹریچر لفظ پیریکلٹس)

اب دلچسپ بات یہ ہے کہ یونانی زبان ہی میں ایک دوسرا لفظ (Periclytos) موجود ہے جس کے معنی ہیں۔ ''تعریف کیا ہوا'' یہ لفظ بالکل ''محمد'' کا ہم معنی ہے۔ اور تلفظ میں اس کے اور (Paracletus) کے درمیان بڑی مشابہت پائی جاتی ہے۔ کیا بعید ہے کہ جو مسیحی حضرات اپنی مذہبی کتابوں میں اپنی مرضی اور پسند کے مطابق ردوبدل کر لینے کے خوگر رہے ہیں انہوں نے یوحنا کی نقل کردہ پیشگوئی کے اس لفظ کو اپنے عقیدے کے خلاف پڑتا دیکھ کر اس کے اِملا میں یہ ذرا سا تغیر کر دیا ہو۔ اس کی پڑتال کرنے کے لئے یوحنا کی لکھی ہوئی ابتدائی یونانی انجیل بھی کہیں موجود نہیں ہے۔ جس سے یہ تحقیق کیا جا سکے کہ وہاں ان دونوں الفاظ میں سے دراصل کون سا لفظ استعمال کیا گیا تھا۔

7۔ لیکن فیصلہ اس پر بھی موقوف نہیں ہے کہ یوحنا نے یونانی زبان میں دراصل کون سا لفظ لکھا تھا۔ کیوں کہ بہرحال وہ بھی ترجمہ ہی تھا۔ اور حضرت مسیح کی زبان، جیسا کہ اوپر ہم بیان کر چکے ہیں، فلسطین کی سریانی تھی۔ اس لئے انہوں نے اپنی بشارت میں جو لفظ استعمال کیا ہوگا وہ لامحالہ کوئی سریانی لفظ ہی ہونا چاہئے۔ خوش قسمتی سے وہ اصل سریانی لفظ ہمیں ابن ہشام کی سیرۃ (محمدیہ) میں مِل جاتا ہے۔ اور ساتھ ساتھ یہ بھی اُسی کتاب سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کا ہم معنی یونانی لفظ کیا ہے؟ محمد بن اسحاق کے حوالے سے ابن ہشام یُحَنِّس (یوحنا) کی انجیل کے

باب نمبر 15 آیات 23 تا 27۔ اور باب نمبر 16 آیت نمبر 1 کا پورا ترجمہ نقل کیا ہے۔ اور اس میں یونانی ''فارقلیط'' کے بجائے سریانی زبان کا لفظ مُنْحَمَنَّا استعمال کیا گیا ہے۔ پھر ابن اسحاق یا ابن ہشام نے اس کی تشریح یہ کی ہے کہ ''مُنْحَمَنَّا'' کے معنی سریانی میں محمدؐ اور یونانی میں برقلیطس ہیں''۔ (ابن ہشام جلد اول صفحہ 248)

اب دیکھئے کہ تاریخی طور پر فلسطین کے عام عیسائی باشندوں کی زبان نویں صدی عیسوی تک سریانی تھی۔ یہ علاقہ ساتویں صدی کے نصف اول سے اسلامی مقبوضات میں شامل تھا۔ ابن اسحاق نے 768ء میں اور ابن ہشام نے 828ء میں وفات پائی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اِن دونوں کے زمانے میں فلسطینی عیسائی سریانی بولتے تھے۔ اور ان دونوں کے لئے اپنے ملک کی عیسائی رعایا سے ربط پیدا کرنا کچھ بھی مشکل نہ تھا۔ نیز اس زمانے میں یونانی بولنے والے عیسائی بھی لاکھوں کی تعداد میں اسلامی مقبوضات کے اندر رہتے تھے۔ اس لئے اُن کے لئے یہ معلوم کرنا بھی مشکل نہ تھا کہ سریانی کے کس لفظ کا ہم معنی یونانی زبان کا کون سا لفظ ہے۔ اب اگر ابن اسحاق کے نقل کردہ ترجمے میں سریانی لفظ مُنْحَمَنَّا استعمال ہوا ہے اور ابن اسحاق یا ابن ہشام نے اس کی تشریح یہ کی ہے کہ عربی میں اس کا ہم معنی لفظ محمد اور یونانی میں برقلیطس ہے تو اس امر میں کسی شک کی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ حضرت عیسیٰؑ نے حضورؐ کا نام مبارک لے کر آپؐ ہی کے آنے کی بشارت دی تھی۔ اور ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ یوحنا کی یونانی انجیل میں دراصل لفظ (Periclytos) استعمال ہوا تھا۔ جسے عیسائی حضرات بعد میں کسی وقت Paraceltus سے بدل دیا تھا۔ اس سے بھی قدیم تر تاریخی شہادت حضرت عبداللہ بن مسعود کی یہ روایت ہے کہ مہاجر بن حبشہ کو جب نجاشی نے اپنے دربار میں بلایا اور حضرت جعفرؓ بن ابی طالبؓ رضی اللہ عنہ سے رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سنیں تو اُس نے کہا مَرْحَبًا بِكُمْ وبِمَنْ جِئْتُمْ مِنْ عِنْدِهِ اَشْهَدُ اَنَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَاَنَّهُ الَّذِیْ نَجِدُ فِی الْاِنْجِیْلِ وَاَنَّهُ الَّذِیْ بَشَّرَ بِهٖ عِیْسٰی ابْنَ مَرْیَمَ (مسند احمد) یعنی مرحبا تم کو اور اُس ہستی کو جس کے ہاں سے تم آئے ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسولؐ ہیں اور وہی ہیں جن کا ذکر ہم انجیل میں پاتے ہیں اور وہی ہیں جن کی بشارت عیسیٰؑ ابن مریم نے دی تھی''

یہ قصہ احادیث میں خود حضرات جعفرؓ اور حضرت اُم سلمہ سے بھی منقول ہوا ہے۔ اس سے نہ صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ ساتویں صدی کے آغاز میں نجاشی کو یہ معلوم تھا کہ حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام ایک نبیؐ کی پیشنگوئی کر گئے ہیں۔ بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس نبیؐ کی ایسی صاف نشاندہی انجیل میں موجود تھی جس کی وجہ سے نجاشی کو یہ رائے قائم کرنے میں تامل نہ ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ نبیؐ ہیں البتہ اس روایت سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت عیسیٰؑ کی اس بشارت کے متعلق نجاشی کا ذریعہ معلومات یہی انجیل یوحنا تھی یا کوئی اور ذریعہ بھی اس کو جاننے کا اس وقت موجود تھا۔

9۔ حقیقت یہ ہے کہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے بارے میں حضرت عیسیٰؑ کی پیشنگوئیوں کو نہیں، خود حضرت عیسیٰؑ کے اپنے صحیح حالات اور آپؑ کی اصلی تعلیمات کو جاننے کا بھی معتبر ذریعہ وہ چار انجیلیں نہیں ہیں جن کو مسیحی کلیسا نے معتبر و مسلّم اناجیل (Canonical Gospels) قرار دے رکھا ہے۔ بلکہ اس کا زیادہ قابل اعتماد ذریعہ وہ انجیل برناباس ہے جسے کلیسا غیر قانونی اور مشکوک الصحت (Apocryphal) کہتا ہے۔ عیسائیوں نے اُسے چُھپانے کا بڑا اہتمام کیا ہے۔ صدیوں تک یہ دنیا سے ناپید رہی۔ سولھویں صدی میں اس کے اطالوی ترجمے کا ایک نسخہ پوپ سکسٹس (Sixtus) کے کتب خانے میں پایا جاتا تھا۔ اور کسی کو اُس کے پڑھنے کی اجازت نہ تھی۔ اٹھارہویں صدی کے آغاز میں وہ ایک شخص جان ٹولینڈ کے ہاتھ لگا۔ پھر مختلف ہاتھوں میں گشت کرتا ہوا 1738ء میں ویانا کی امپریل

لائبریری میں پہنچ گیا۔ 1907ء میں اسی نسخہ کا انگریزی ترجمہ آکسفورڈ کے کلیرنڈن پریس سے شائع ہوگیا تھا۔مگر غالباً اس کی اشاعت کے بعد فوراً ہی عیسائی دنیا میں یہ احساس پیدا ہوگیا کہ یہ کتاب تو اُس مذہب کی جڑ ہی کاٹے دے رہی ہے جسے حضرت عیسیٰؑ کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے۔اس لئے اُس کے مطبوعہ نسخے کسی خاص تدبیر سے غائب کردیئے گئے۔اور پھر کبھی اس کی اشاعت کی نوبت نہ آسکی۔دوسرا ایک نسخہ اُسی اطالوی ترجمے سے اسپینی زبان میں منتقل کیا ہوا اٹھارویں صدی میں پایا جاتا تھا۔جس کا ذکر جارج سیل نے اپنے انگریزی ترجمہ قرآن کے مقدمہ میں کیا ہے۔مگر وہ بھی کہیں غائب کردیا گیا اور آج اس کا بھی کہیں پتہ نشان نہیں ملتا۔مجھے آکسفورڈ سے شائع شدہ انگریزی ترجمہ کی ایک فوٹو اسٹیٹ کاپی دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے اور میں نے اُسے لفظ بلفظ پڑھا ہے۔میرا احساس یہ ہے کہ یہ ایک بڑی نعمت ہے جس سے عیسائیوں نے محض تعصب اور ضد کی بنا پر اپنے آپ کو محروم رکھا ہے۔مسیحی لٹریچر میں اس انجیل کا جہاں کہیں ذکر آتا ہے اُسے یہ کہہ کر رَد کردیا جاتا ہے کہ یہ ایک جعلی انجیل ہے۔جسے شاید کسی مسلمان نے تصنیف کرکے برناباس کی طرف منسوب کردیا ہے۔لیکن یہ ایک بہت بڑا جھوٹ ہے۔جو صرف اس بنا پر بول دیا گیا کہ اس میں جگہ جگہ بصراحت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیش گوئیاں ملتی ہیں۔اول تو اس انجیل کو پڑھنے ہی سے صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ کتاب کسی مسلمان کی تصنیف کردہ نہیں ہوسکتی۔دوسرے اگر یہ کسی مسلمان نے لکھی ہوتی تو مسلمانوں میں یہ کثرت سے پھیلی ہوتی۔اور علمائے اسلام کی تصنیفات میں بکثرت اس کا ذکر پایا جاتا۔مگر یہاں صورت حال یہ ہے کہ جارج سیل کے ترجمۂ انگریزی قرآن کے مقدمۂ قرآن سے پہلے مسلمانوں کو سرے سے اس کے وجود کا علم نہ تھا۔طبری، یعقوبی، مسعودی، البیرونی، ابن حزم اور دوسرے مصنفین جو مسلمانوں میں مسیحی لٹریچر پر وسیع اطلاع رکھنے والے تھے۔اُن میں سے کسی کے یہاں بھی مسیحی مذہب پر بحث کرتے ہوئے انجیل برنباس کی طرف اشارہ تک نہیں ملتا۔دنیائے اسلام کے کتب خانوں میں جو کتابیں پائی جاتی ہیں اُن کی بہترین فہرستیں ابن ندیم کی فہرست اور حاجی خلیفہ کی کشف الظنون ہیں۔اور وہ بھی اس کے ذکر سے خالی ہیں۔انیسویں صدی سے پہلے کسی مسلمان عالم نے انجیل برنباس کا نام تک نہیں لیا ہے۔تیسری اور سب سے بڑی دلیل اس بات کے جھوٹ ہونے کی یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے بھی پچھتر (75) سال پہلے پوپ گلاسِیَس اوّل (Gelasius) کے زمانے میں بدعقیدہ اور گمراہ کن (Heritical) کتابوں کی جو فہرست مرتب کی گئی تھی، اور ایک پاپائی فتوے کے ذریعہ سے جن کا پڑھنا ممنوع کردیا گیا تھا اُن میں انجیل برناباس (Evangelimu Barnabe) بھی شامل تھی۔

سوال یہ ہے کہ اس وقت کون سا مسلمان تھا جس نے یہ جعلی انجیل تیار کی تھی؟ یہ بات تو خود عیسائی علمانے تسلیم کی ہے۔کہ شام اسپین، مصر وغیرہ ممالک کے ابتدائی مسیحی کلیسا میں ایک مدت تک برناباس کی انجیل رائج رہی ہے اور چھٹی صدی میں اُسے ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

10۔قبل اس کے کہ اس انجیل سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام کی بشارتیں نقل کی جائیں، اس کا مختصر تعارف کرادینا ضروری ہے۔تاکہ اُس کی اہمیت معلوم ہوجائے اور یہ بھی سمجھ میں آجائے کہ عیسائی حضرات اس سے اتنے ناراض کیوں ہیں؟ بائبل میں جو چار انجیلیں قانونی اور معتبر قرار دے کر شامل کی گئی ہیں۔اُن میں سے کسی کا لکھنے والا بھی حضرت عیسیٰؑ کا صحابی نہ تھا۔اور اُن میں سے کسی نے یہ دعویٰ بھی نہیں کیا ہے کہ اُس نے آنحضرت کے صحابیوں سے حاصل کردہ معلومات اپنی انجیل میں درج کی ہیں۔

جن ذرائع سے اِن لوگوں نے معلومات حاصل کی ہیں اُن کا کوئی حوالہ انہوں نے نہیں دیا ہے۔جس سے یہ پتہ چل سکے کہ راوی نے آیا خود

واقعات دیکھے اور وہ اقوال سنے جنہیں وہ بیان کر رہا ہے یا ایک یا چند واسطوں سے یہ باتیں اُسے پہنچی ہیں۔ بخلاف اس کے انجیل برناباس کا مصنف کہتا ہے کہ میں مسیح کے اولین بارہ حواریوں میں سے ایک ہوں، شروع سے آخر وقت تک مسیح کے ساتھ رہا ہوں اور اپنی آنکھوں دیکھے واقعات اور کانوں سنے اقوال اس کتاب میں درج کر رہا ہوں۔ یہی نہیں بلکہ کتاب کے آخر میں وہ کہتا ہے کہ دنیا سے رخصت ہوتے وقت حضرت مسیح نے مجھ سے فرمایا تھا کہ میرے متعلق جو غلط فہمیاں لوگوں میں پھیل گئی ہیں اُن کو صاف کرنا اور صحیح حالات دنیا کے سامنے لانا تیری ذمہ داری ہے۔ یہ برناباس کون تھا؟ بائبل کی کتاب اعمال میں بڑی کثرت سے اس نام کے ایک شخص کا ذکر آتا ہے جو قبرص کے ایک یہودی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ مسیحیت کی تبلیغ اور پیروان مسیح کی مدد واعانت کے سلسلے میں اس کی خدمات کی بڑی تعریف کی گئی ہے۔ مگر کہیں یہ نہیں بتایا گیا ہے کہ وہ کب دین مسیح میں داخل ہوا اور ابتدائی بارہ حواریوں کی جو فہرست تین انجیلوں میں دی گئی ہے اس میں کہیں اس کا نام درج نہیں ہے۔ اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس انجیل کا مصنف وہی برناباس ہے یا کوئی اور؟ متی اور مرقس نے حواریوں (Apostles) کی جو فہرست دی ہے برناباس کی دی ہوئی فہرست اس سے صرف دو ناموں میں مختلف ہے۔ ایک تُوما، جس کے بجائے برناباس خود اپنا نام دے رہا ہے دوسرا شمعون قنانی، جس کی جگہ وہ یہوداہ بن یعقوب کا نام لیتا ہے۔ لوقا کی انجیل میں یہ دوسرا نام بھی موجود ہے۔ اس لئے یہ قیاس کرنا صحیح ہوگا کہ بعد میں کسی وقت صرف برناباس کو حواریوں سے خارج کرنے کے لئے تُوما کا نام داخل کیا گیا ہے تاکہ اُس کی انجیل سے پیچھا چھڑایا جا سکے۔ اور اس طرح کے تغیرات اپنی مذہبی کتابوں میں کر لینا اِن حضرات کے یہاں کوئی ناجائز کام نہیں رہا ہے۔

اس انجیل کو اگر کوئی شخص تعصب کے بغیر کھلی آنکھوں سے پڑھے اور نئے عہد نامے کی چاروں انجیلوں سے اس کا مقابلہ کرے تو وہ یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ اُن چاروں سے بدرجہا برتر ہے اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ اور اس طرح بیان ہوئے ہیں جیسے کوئی شخص فی الواقع وہاں سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اور ان واقعات میں خود شریک تھا۔ چاروں انجیلوں کی بے ربط داستانوں کے مقابلے میں یہ تاریخی بیان زیادہ مربوط ہے اور اس سے سلسلہ واقعات بھی زیادہ اچھی طرح سمجھ میں آتا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات اس میں چاروں انجیلوں کی بہ نسبت زیادہ واضح اور مفصل اور موثر طریقے سے بیان ہوئی ہیں۔ توحید کی تعلیم، شرک کی تردید، صفاتِ باری تعالیٰ، عبادت کی روح، اور اخلاق فاضلہ کے مضامین اس میں بڑے ہی پُر زور اور مدلّل اور مفصل ہیں۔ جن سبق آموز تمثیلات کے پیرائے میں مسیحؑ نے یہ مضامین بیان کئے ہیں اُن کا عُشرِ عَشیر بھی چاروں انجیلوں میں نہیں پایا جاتا۔ اس سے یہ بھی زیادہ تفصیل کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ آنجنابؑ اپنے شاگردوں کی تعلیم و تربیت کس حکیمانہ طریقے سے فرماتے تھے۔ حضرت عیسیٰؑ کی زبان، طرز بیان اور طبیعت اور مزاج سے کوئی شخص اگر کچھ بھی آشنا ہے تو وہ اس انجیل کو پڑھ کر یہ ماننے پر مجبور ہوگا کہ یہ کوئی جعلی داستان نہیں ہے جو بعد میں کسی نے گھڑ لی ہو۔ بلکہ اس میں حضرت مسیحؑ اناجیل اربعہ کی بہ نسبت اپنی اصلی شان میں بہت زیادہ نمایاں ہو کر ہمارے سامنے آتے ہیں۔ اور اس میں اُن تضادات کا نام و نشان بھی نہیں ہے جو اناجیل اربعہ میں اُن کے مختلف اقوال کے درمیان پایا جاتا ہے۔ اس انجیل میں حضرت عیسیٰؑ کی زندگی اور آپ کی تعلیمات ٹھیک ٹھیک ایک نبیؑ کی زندگی اور تعلیمات کے مطابق نظر آتی ہیں۔ وہ اپنے آپ کو ایک نبیؑ کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔ تمام پچھلے انبیاؑ اور کتابوں کی تصدیق کرتے ہیں۔ صاف کہتے ہیں کہ انبیا علیہم السلام کی تعلیمات کے سوا معرفت حق کا کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہے۔ اور جو انبیاؑ کو چھوڑتا ہے وہ دراصل خدا کو چھوڑتا ہے۔ توحید، رسالت اور

آخرت کے ٹھیک وہی عقائد پیش کرتے ہیں جن کی تعلیم تمام انبیاؑ نے دی ہے۔ نماز، روزے اور زکوٰۃ کی تلقین کرتے ہیں۔ اُن کی نمازوں کا جو ذکر بکثرت مقامات پر برنا باس نے کیا ہے اُس سے پتہ چلتا ہے کہ یہی فجر، ظہر، عصر، مغرب عشا اور تہجد کے اوقات تھے۔ جن میں وہ نماز پڑھتے تھے۔ اور ہمیشہ نماز سے پہلے وضو فرماتے تھے۔ انبیاؑ میں سے وہ حضرت داؤدؑ و سلیمانؑ کو نبیؑ قرار دیتے تھے۔ حالانکہ یہودیوں اور عیسائیوں نے اُن کو انبیاؑ کی فہرست سے خارج رکھا ہے۔ حضرت اسماعیلؑ کو وہ ذبیح قرار دیتے ہیں اور ایک یہودی عالم سے اقرار کراتے ہیں کہ فی الواقع ذبیح حضرت اسماعیلؑ ہی تھے اور بنی اسرائیل نے زبردستی کھینچ تان کر حضرت اسحاقؑ کو ذبیح بنا رکھا ہے۔ آخرت اور قیامت اور جنت و دوزخ کے متعلق اُن کی تعلیمات قریب قریب وہی ہیں جو قرآن میں بیان ہوئی ہیں۔

11۔ عیسائی جس وجہ سے انجیل برنا باس کے مخالف ہیں۔ وہ دراصل یہ نہیں ہے کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جگہ جگہ صاف اور واضح بشارتیں ہیں۔ کیوں کہ وہ تو حضورؐ کی پیدائش سے بھی بہت پہلے اس انجیل کو رد کر چکے تھے۔ اُن کی ناراضی کی اصلی وجہ کو سمجھنے کے لئے تھوڑی سی تفصیلی بحث کی ضرورت ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ابتدائی پیرو آپؑ کو صرف نبیؑ مانتے تھے۔ موسوی شریعت کا اتباع کرتے تھے۔ عقائد و احکام اور عبادات کے معاملے میں اپنے آپ کو دوسرے بنی اسرائیل سے قطعاً الگ نہ سمجھتے تھے۔ اور یہودیوں سے اُن کا اختلاف صرف اس امر میں تھا کہ حضرت عیسیٰؑ کو مسیح تسلیم کر کے اُن پر ایمان لائے تھے۔ اور وہ اُن کو مسیح ماننے سے انکار کرتے تھے۔ بعد میں جب سینٹ پال اس جماعت میں داخل ہوا تو اُس نے رومیوں، یونانیوں اور دوسرے غیر یہودی اور غیر اسرائیلی لوگوں میں بھی اس دین کی تبلیغ و اشاعت شروع کر دی۔ اور اس غرض کے لئے ایک نیا دین بنا ڈالا۔ جس کے عقائد اور اصول اور احکام اس دین سے بالکل مختلف تھے۔ جسے حضرت عیسیٰؑ نے پیش کیا تھا۔ اس شخص نے حضرت عیسیٰؑ کی کوئی صحبت نہ پائی تھی۔ بلکہ اُن کے زمانے میں وہ اُن کا سخت مخالف تھا۔ اور اُن کے بعد بھی کئی سال تک اُن کے پیروؤں کا دشمن بنا رہا۔ پھر جب اس جماعت میں داخل ہو کر اُس نے ایک نیا دین بنانا شروع کیا۔ اس وقت بھی اُس نے حضرت عیسیٰؑ کے کسی قول کی سند نہیں پیش کی بلکہ اپنے کشف و الہام کو بنیاد بنایا۔ اس نئے دین کی تشکیل میں اس کے پیش نظر بس یہ مقصد تھا کہ دین ایسا ہو جسے عام غیر یہودی دنیا قبول کر لے۔ اُس نے اعلان کر دیا کہ ایک عیسائی، شریعت یہود کی تمام پابندیوں سے آزاد ہے۔ اُس نے کھانے پینے میں حرام و حلال کی ساری قیود ختم کر دیں۔ اُس نے ختنہ کے حکم کو منسوخ کر دیا۔ جو غیر یہودی دنیا کو خاص طور پر ناگوار تھا۔ حتیٰ کہ اُس نے مسیح کی اُلوہیت اور اُن کے ابن خدا ہونے اور صلیب پر جان دے کر اولادِ آدمؑ کے پیدائشی گناہ کا کفارہ بن جانے کا عقیدہ بھی تصنیف کر ڈالا۔ کیوں کہ عام مشرکین کے مزاج سے یہ بھی مناسبت رکھتا تھا۔ مسیح کے ابتدائی پیروؤں نے اِن بدعات کی مزاحمت کی، مگر سینٹ پال نے جو دروازہ کھولا تھا، اس سے غیر یہودی عیسائیوں کا ایک ایسا زبردست سیلاب اس مذہب میں داخل ہو گیا جس کے مقابلے میں وہ مٹھی بھر لوگ کسی طرح نہ ٹھہر سکے۔ تاہم تیسری صدی عیسوی کے اختتام تک بکثرت لوگ ایسے موجود تھے جو مسیح کی اُلوہیت کے عقیدے سے انکار کرتے تھے۔ مگر چوتھی صدی کے آغاز (325ء) میں نیقیہ (Nicaea) کی کونسل نے پولوسی عقائد کو قطعی طور پر مسیحیت کا مسلّم مذہب قرار دے دیا۔ پھر رومی سلطنت خود عیسائی ہو گئی اور قیصر تھیوڈوسیس کے زمانے میں یہی مذہب سلطنت کا سرکاری مذہب بن گیا۔ اس کے بعد قدرتی بات تھی کہ وہ تمام کتابیں جو اس عقیدے کے خلاف ہوں مردود قرار دے دی جائیں۔ اور صرف وہی کتابیں معتبر ٹھہرائی جائیں جو اس عقیدے سے مطابقت رکھتی ہوں۔

367ء میں پہلی مرتبہ اتھاناسیُوس (Athanasius) کے ایک خط کے ذریعہ معتبر و مسلّم کتابوں کے ایک مجموعہ کا اعلان کیا گیا۔ پھر اس کی توثیق 382ء میں پوپ ڈیمیسِیَس (Damasius) کے زیر صدارت ایک مجلس نے کی، اور پانچویں صدی کے آخر میں پوپ گلاسِیَس (Gelasius) نے اس مجموعہ کو مسلّم قرار دینے کے ساتھ ساتھ اُن کتابوں کی ایک فہرست مرتب کر دی جو غیر مسلّم تھیں۔ حالانکہ جن پولوسی عقائد کو بنیاد بنا کر مذہبی کتابوں کے معتبر اور غیر معتبر ہونے کا یہ فیصلہ کیا گیا تھا، اُن کے متعلق کبھی کوئی عیسائی عالم یہ دعویٰ نہیں کر سکا ہے کہ اُن میں سے کسی عقیدے کی تعلیم خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی۔ بلکہ معتبر کتابوں کے مجموعہ میں جو انجیلیں شامل ہیں خود اُن میں بھی حضرت عیسیٰؑ کے اپنے کسی قول سے اُن عقائد کا ثبوت نہیں ملتا۔

انجیل برناباس اِن غیر مسلّم کتابوں میں اس لئے شامل کی گئی کہ وہ مسیحیت کے اس سرکاری عقیدے کے بالکل خلاف تھی۔ اس کا مصنف کتاب کے آغاز ہی میں اپنا مقصدِ تصنیف یہ بیان کرتا ہے کہ ''اُن لوگوں کے خیالات کی اصلاح کی جائے جو شیطان کے دھوکے میں آ کر یسوع کو ابن اللہ قرار دیتے ہیں، ختنہ کو غیر ضروری ٹھیراتے ہیں اور حرام کھانوں کو حلال کر دیتے ہیں۔ جن میں سے ایک دھوکا کھانے والا پولوس بھی ہے۔''

وہ بتاتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ دنیا میں موجود تھے اس زمانہ میں اُن کے معجزات کو دیکھ کر سب سے پہلے مشرک رومی سپاہی لوگوں نے اُن کو خدا اور بعض نے خدا کا بیٹا کہنا شروع کیا۔ پھر یہ چُھوت بنی اسرائیل کے عوام کو بھی لگ گئی۔ اس پر حضرت عیسیٰؑ سخت پریشان ہوئے۔ انہوں نے بار بار نہایت شدت سے اپنے متعلق اس غلط عقیدے کی تردید کی اور اُن لوگوں پر لعنت بھیجی جو اُن کے متعلق ایسی باتیں کہتے تھے۔ پھر انہوں نے اپنے شاگردوں کو پورے یہودیہ میں اس عقیدے کی تردید کے لئے بھیجا اور اُن کی دعا سے شاگردوں کے ہاتھوں بھی وہی معجزے صادر کرائے گئے جو خود حضرت عیسیٰؑ سے صادر ہوتے تھے۔ تاکہ لوگ اس غلط خیال سے باز آ جائیں کہ جس شخص سے یہ معجزے صادر ہو رہے ہیں وہ خدا کا بیٹا ہے۔ اس سلسلے میں وہ حضرت عیسیٰؑ کی مفصل تقریریں نقل کرتا ہے جن میں اُنہوں نے بڑی سختی کے ساتھ اس غلط عقیدے کی تردید کی تھی اور جگہ جگہ یہ بتایا ہے کہ آنجنابؑ اس گمراہی کے پھیلنے پر کس قدر پریشان تھے۔ مزید برآں وہ اس پولوسی عقیدے کی بھی صاف صاف تردید کرتا ہے۔ کہ مسیح علیہ السلام نے صلیب پر جان دی تھی۔ وہ اپنے چشم دید حالات یہ بیان کرتا ہے۔ کہ ''جب یہودا اسکر یوتی یہودیوں کے سردار کاہن سے رشوت لے کر آیا تو اللہ کے حکم سے چار فرشتے آنجنابؑ کو اُٹھا لے گئے اور یہودا اسکر یوتی کی شکل اور آواز بالکل وہی کر دی گئی جو حضرت عیسیٰؑ کی تھی۔ صلیب پر وہی چڑھایا گیا تھا نہ کہ حضرت عیسیٰؑ اس طرح یہ انجیل پولوسی مسیحیت کی جڑ کاٹ دیتی ہے اور قرآن کے بیان کی پوری توثیق کرتی ہے۔''

حالانکہ نزول قرآن سے ایک سو پندرہ (115) سال پہلے اُس کے اِن بیانات ہی کی بنا پر مسیحی پادری اُسے رد کر چکے تھے۔

12۔ اس بحث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ انجیل برناباس درحقیقت اناجیل اربعہ سے زیادہ معتبر انجیل ہے۔ مسیح علیہ السلام کی تعلیمات اور سیرت اور اقوال کی صحیح ترجمانی کرتی ہے۔ اور یہ عیسائیوں کی اپنی بدقسمتی ہے کہ اس انجیل کے ذریعہ سے اپنے عقائد کی تصحیح اور حضرت مسیح کی اصل تعلیمات کو جاننے کا جو موقع اُن کو ملا تھا اُسے محض ضد کی بنا پر انہوں نے کھو دیا۔ اس کے بعد ہم پورے اطمینان کے ساتھ وہ بشارتیں نقل کر سکتے ہیں۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں برناباس نے حضرت عیسیٰؑ سے روایت کی ہیں۔ ان بشارتوں میں کہیں حضرت عیسیٰؑ حضورؐ کا نام لیتے ہیں۔ کہیں ''رسولؐ اللہ'' کہتے ہیں۔ کہیں آپؐ کے لئے مسیح کا لفظ بولتے ہیں۔ کہیں قابل تعریف (Admirable) کہتے

ہیں اور کہیں صاف صاف ایسے فقرے ارشاد فرماتے ہیں جو بالکل لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہ کے ہم معنی ہیں۔ ہمارے لئے اُن ساری بشارتوں کو نقل کرنا مشکل ہے کیوں کہ وہ اتنی زیادہ ہیں اور جگہ جگہ مختلف پیرایوں اور سیاق وسباق میں آئی ہوئی ہیں کہ اُن سے ایک اچھا خاصہ رسالہ مرتب ہوسکتا ہے یہاں ہم بطور نمونہ اُن میں سے چند نقل کرتے ہیں:

(نوٹ کرلیں کہ اس شخص کو نہ وہ بشارتیں پیاری ہیں نہ عوام الناس کو مطلع کرنا پیارا ہے۔صرف اپنا وقت پیارا ہے۔ اگر ہمیں وقت اور اجازت ملی تو پوری انجیل برنا باس پیش کردیں گے۔ انشاءاللہ والا امام علیہ السلام) (بقول شخصے "موذی ملے تیل پلّے ہی میں میل" بشارتیں سنئے:)

(1) "تمام انبیاؑ جن کو خدا نے دنیا میں بھیجا جن کی تعداد ایک لاکھ چوالیس ہزار تھی، انہوں نے اِبہام کے ساتھ بات کی مگر میرے بعد تمام انبیاؑ اور مقدس ہستیوں کا نور آئے گا جو انبیاؑ کی کہی ہوئی باتوں کے اندھیرے پر روشنی ڈالے گا کیوں کہ وہ خدا کا رسولؐ ہے" (باب نمبر 17)

(2) فریسیوں اور لاویوں نے کہا کہ اگر تُو نہ مسیح ہے، نہ الیاس نہ کوئی اور نبی تو کیوں تُو نئی تعلیم دیتا ہے اور اپنے آپ کو مسیح سے بھی زیادہ بنا کر پیش کرتا ہے؟ یسوع نے جواب دیا جو معجزے خدا میرے ہاتھ سے دکھاتا ہے وہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ میں وہی کچھ کہتا ہوں جو خدا چاہتا ہے ورنہ درحقیقت میں اپنے آپ کو اس (مسیح) سے بڑا شمار کئے جانے کے قابل نہیں قرار دیتا جس کا تم ذکر کررہے ہو۔ میں تو اُس خدا کے رسولؐ کے موزے کے بند، یا اُس کی جوتی کے تسمے کھولنے کے لائق بھی نہیں ہوں جس کو تم مسیح کہتے ہو جو مجھ سے پہلے بنایا گیا تھا اور میرے بعد آئے گا۔ اور صداقت کی باتیں لے کر آئے گا تا کہ اُس کے دین کی کوئی انتہا نہ ہو۔" (باب نمبر 42)

(3) "بالیقین میں تم سے کہتا ہوں کہ ہر نبیؑ جو آیا ہے وہ صرف ایک قوم کے لئے خدا کی رحمت کا نشان بن کر پیدا ہوا ہے۔ اس وجہ سے اُن انبیاؑ کی باتیں اُن لوگوں کے سوا کہیں اور نہیں پھیلیں جن کی طرف وہ بھیجے گئے تھے۔ مگر خدا کا رسولؐ جب آئے گا۔ خدا گویا اُس کو اپنے ہاتھ کی مہر دے دے گا یہاں تک کہ وہ دنیا کی تمام قوموں کو جو اس کی تعلیم پائیں گے نجات اور رحمت پہنچادے گا۔ وہ بے خدا لوگوں پر اقتدار لے کر آئے گا اور بت پرستی کا ایسا قلع قمع کرے گا کہ شیطان پریشان ہوجائے گا۔" اِس کے آگے شاگردوں کے ساتھ ایک طویل مکالمے میں حضرت عیسیٰؑ تصریح کرتے ہیں کہ وہ بنی اسماعیلؑ میں سے ہوگا۔ (باب نمبر 43)

(4) "اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کا رسولؐ وہ رونق ہے جس سے خدا کی پیدا کی ہوئی قریب قریب تمام چیزوں کو خوشی نصیب ہوگی۔ کیوں کہ وہ فہم اور نصیحت، حکمت اور طاقت، خشیت اور محبت، حزم اور ورع کی روح سے آراستہ ہے۔ وہ فیاضی اور رحمت، عدل اور تقویٰ، شرافت اور صبر کی روح سے مزین ہے۔ جو اُس نے خدا سے اُن تمام چیزوں کی بہ نسبت تین گنی پائی ہے جنہیں خدا نے اپنی مخلوق میں سے یہ روح بخشی ہے۔ کیسا مبارک وقت ہوگا جب وہ دنیا میں آئے گا یقین جانو میں نے اُس کو دیکھا ہے اور اس کی تعظیم کی ہے جس طرح ہر نبیؑ نے اُس کو دیکھا ہے۔ اُس کی روح کو دیکھنے ہی سے خدا نے اُن کو نبوت دی ہے۔ اور جب میں نے اُس کو دیکھا تو میری روح سکنیت سے بھر گئی۔ یہ کہتے ہوئے کہ اَے محمدؐ خدا تمہارے ساتھ ہو اور وہ مجھے تمہاری جوتی کے تسمے باندھنے کے قابل بنادے۔ کیوں کہ یہ مرتبہ بھی پالوں تو میں ایک بڑا نبیؑ اور خدا کی ایک مقدس ہستی ہوجاؤں۔" (باب نمبر 44)

(5) "(میرے جانے سے) تمہارا دل پریشان نہ ہو، نہ تم خوف کرو، کیوں کہ میں نے تم کو پیدا نہیں کیا ہے۔ بلکہ خدا ہمارا خالق ہے جس نے تمہیں پیدا کیا ہے وہی تمہاری حفاظت کرے گا۔ رہا میں، تو اس وقت میں دنیا میں اس رسولؐ خدا کے لئے راستہ تیار کرنے آیا ہوں جو دنیا کے

لئے نجات لے کر آئے گا۔ اَندریاس نے کہا، اوستاد ہمیں اُس کی نشانی بتادے تا کہ ہم اُسے پہچان لیں۔ یسوع نے جواب دیا وہ تمہارے زمانے میں نہیں آئے گا۔ بلکہ تمہارے کچھ سال بعد آئے گا۔ جب کہ میری انجیل ایسی مسخ ہو چکی ہو گی کہ مشکل سے کوئی تیس (30) آدمی مومن باقی رہ جائیں گے۔ اس وقت اللہ دنیا پر رحم فرمائے گا اور اپنے رسولؐ کو بھیجے گا۔ جس کے سر پر سفید بادل کا سایہ ہوگا۔ جس سے وہ خدا کا برگزیدہ جانا جائے گا۔ اور اس کے ذریعہ سے خدا کی معرفت دنیا کو حاصل ہوگی۔ وہ بے خدا لوگوں کے خلاف بڑی طاقت کے ساتھ آئے گا۔ اور زمین پر بت پرستی کو مٹا دے گا۔ اور مجھے اس کی بڑی خوشی ہے کیوں کہ اس کے ذریعہ سے ہمارا خدا پہچانا جائے گا۔ اور اُس کی تقدیس ہوگی۔ اور میری صداقت دنیا کو معلوم ہوگی اور وہ اُن لوگوں سے انتقام لے گا جو مجھے انسان سے بڑھ کر کچھ قرار دیں۔ وہ ایک ایسی صداقت کے ساتھ آئے گا جو تمام انبیاؑ کی لائی ہوئی صداقت سے زیادہ واضح ہوگی۔'' (باب نمبر 72)

(6) خدا کا عہد یروشلم میں، معبد سلیمان کے اندر کیا گیا تھا نہ کہیں اور، مگر میری بات کا یقین کرو کہ ایک وقت آئے گا جب خدا اپنی رحمت ایک اور شہر پر نازل کرے گا۔ پھر ہر جگہ اس کی صحیح عبادت ہو سکے گی اور اللہ اپنی رحمت سے ہر جگہ سچی نماز کو قبول فرمائے گا۔ میں دراصل اسرائیل کے گھرانے کی طرف نجات کا نبیؑ بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ مگر میرے بعد مسیح آئے گا۔ خدا کا بھیجا ہوا تمام دنیا کی طرف جس کے لئے خدا نے یہ ساری دنیا بنائی ہے۔ اس وقت ساری دنیا میں اللہ کی عبادت ہوگی اور اُس کی رحمت نازل ہوگی۔'' (باب نمبر 83)

(7) ''(یسوع نے سردار کاہن سے کہا) زندہ خدا کی قسم جس کے حضور میری جان حاضر ہے۔ میں وہ مسیح نہیں ہوں جس کی آمد کا تمام دنیا کی قومیں انتظار کر رہی ہیں۔ جس کا وعدہ خدا نے ہمارے باپ ابراہیمؑ سے یہ کہہ کر کیا تھا کہ ''تیری نسل کے وسیلے سے زمین کی سب قومیں برکت پائیں گی۔'' (پیدائش 18:22) مگر جب خدا مجھے دنیا سے لے جائے گا تو شیطان پھر یہ بغاوت برپا کرے گا کہ ناپرہیزگار لوگ مجھے خدا اور خدا کا بیٹا مانیں۔ اس کی وجہ سے میری باتوں اور میری تعلیمات کو مسخ کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ بمشکل تیس (30) صاحبانِ ایمان باقی رہ جائیں گے۔ اُس وقت خدا دنیا پر رحم فرمائے گا اور اپنا رسولؐ بھیجے گا۔

جس کے لئے اُس نے دنیا کی یہ ساری چیزیں بنائی ہیں جو قوت کے ساتھ جنوب سے آئے گا۔ اور بتوں کو بت پرستوں کے ساتھ برباد کر دے گا۔ جو شیطان سے وہ اقتدار چھین لے گا جو اُس نے انسانوں پر حاصل کر لیا ہے۔ وہ خدا کی رحمت اُن لوگوں کی نجات کے لئے اپنے ساتھ لائے گا جو اس پر ایمان لائیں گے اور مبارک ہے وہ جو اس کی باتوں کو مانے۔'' (باب نمبر 96)

(8) ختم نبوت ''سردار کاہن نے پوچھا کیا خدا کے اس رسولؐ کے بعد دوسرے نبیؑ بھی آئیں گے؟ یسوع نے جواب دیا کہ اُس کے بعد خدا کے بھیجے ہوئے سچے نبیؑ نہیں آئیں گے مگر بہت سے جھوٹے نبیؑ آجائیں گے جن کا مجھے بڑا غم ہے۔ کیوں کہ شیطان خدا کے عادلانہ فیصلے کی وجہ سے اُن کو اٹھائے گا اور وہ میری انجیل کے پردے میں اپنے آپ کو چھپائیں گے۔'' (باب نمبر 97)

(9) ''سردار کاہن نے پوچھا کہ وہ مسیح کس نام سے پکارا جائے گا؟ اور کیا نشانیاں اُس کی آمد کو ظاہر کریں گی؟ یسوع نے جواب دیا اُس مسیح کا نام ''قابل تعریف'' ہے کیوں کہ خدا نے جب اُس کی روح پیدا کی تھی اس وقت اس کا یہ نام خود رکھا تھا۔ اور وہاں اُسے ایک ملکوتی شان میں رکھا گیا تھا۔ خدا نے کہا اے محمدؐ انتظار کر کیوں کہ تیری ہی خاطر میں جنت، دنیا اور بہت سی مخلوق پیدا کروں گا۔ اور اس کو تجھے تحفہ کے طور پر دوں گا۔ یہاں تک کہ جو تیری تبریک کرے گا اُسے برکت دی جائے گی۔ اور جو تجھ پر لعنت کرے گا اس پر لعنت کی جائے گی۔ جب میں تجھے دُنیا کی

طرف بھیجوں گا تو میں تجھ کو اپنے پیامبرنجات کی حیثیت سے بھیجوں گا۔ تیری بات سچی ہوگی یہاں تک کہ زمین وآسمان ٹل جائیں گے مگر تیرا دین نہیں ٹلے گا۔ سو اُس کا مبارک نام محمدؐ ہے۔'' (باب نمبر 97)

برناباس لکھتا ہے کہ ایک موقع پر شاگردوں کے سامنے حضرت عیسیٰؑ نے بتایا کہ میرے ہی شاگردوں میں ایک (جو بعد میں یہوداہ اسکریوتی نکلا) مجھے 30 سکوں کے عوض دشمنوں کے ہاتھ بیچ ڈالے گا پھر فرمایا:

(10) ''اس کے بعد مجھے یقین ہے کہ جو مجھے بیچے گا وہی میرے نام سے مارا جائے گا۔ کیوں کہ خدا مجھے زمین سے اُوپر اُٹھالیگا۔ اور اس غدار کی صورت ایسی بدل دے گا کہ ہر شخص یہ سمجھے گا کہ وہ میں ہی ہوں۔ تاہم جب وہ ایک بُری موت مرے گا تو ایک مدت تک میری ہی تذلیل ہوتی رہے گی۔ مگر جب محمدؐ خدا کا مقدس رسولؐ آئے گا تو میری وہ بدنامی دُور کردی جائے گی اور خدا یہ اس لئے کرے گا کہ میں نے اس مسیح کی صداقت کا اقرار کیا ہے۔ وہ مجھے اس کا یہ انعام دے گا کہ لوگ یہ جان لیں گے کہ میں زندہ ہوں اور اُس ذلت کی موت سے میرا کوئی واسطہ نہیں ہے۔'' (باب نمبر 113)

(11) (شاگردوں سے حضرت عیسیٰؑ نے کہا) بے شک میں تم سے کہتا ہوں کہ اگر موسیٰؑ کی کتاب سے صداقت مسخ نہ کردی گئی ہوتی تو خدا ہمارے باپ داؤدؑ کو ایک دوسری کتاب نہ دیتا۔ اور اگر داؤدؑ کی کتاب میں تحریف نہ کی گئی ہوتی تو خدا مجھے انجیل نہ دیتا۔ کیوں کہ خداوند ہمارا خدا بدلنے والا نہیں ہے اور اُس نے سب انسانوں کو ایک ہی پیغام دیا ہے لہٰذا جب اللہ کا رسولؐ آئے گا تو وہ اس لئے آئے گا کہ ان ساری چیزوں کو صاف کردے جن سے بے خدا لوگوں نے میری کتاب کو آلودہ کردیا ہے۔'' (باب نمبر 124) (پوری تشریح نمبر 8 صفحہ 461 تا 474 تفہیم القرآن جلد نمبر 5)

23 (ب)۔ یوحنا کی انجیل میں چھ عدد پیشنگوئیوں (الف، ب، ج، د، ہ، و) میں استعمال شدہ الفاظ پر مزید تحقیق۔

قارئین نے گزشتہ صفحات پر مودودی کی نقل کردہ چھ عدد پیشنگوئیاں یوحنا کی انجیل سے دیکھی تھیں۔ چونکہ مودودی نے انجیل کے اردو ترجمے سے پیشنگوئیاں نقل کی ہیں۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کی شان میں آنے والے الفاظ بھی اردو ترجمہ کے مطابق لکھے گئے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ اُن ہی مذکورہ پیشنگوئیوں کو عربی انجیل سے نقل کریں اور عربی کے ترجمے میں آئے ہوئے الفاظ بھی قارئین کے سامنے رکھ دیں تا کہ صورتحال پر زیادہ روشنی پڑ جائے لہٰذا نوٹ کریں پہلی پیشنگوئی (الف) سے ابتدا کریں اور مسلسل اردو الفاظ کے ساتھ عربی الفاظ بھی دیکھتے چلیں:

(الف) اردو میں لفظ ''مددگار'' جو ابد تک ساتھ رہے گا ''روح القدس'' عربی میں الفاظ: اَنَا اَسْاَلُ الْاَب فَیُعْطِیْکُمْ مُعَزِّیًا آخَرَ لِیُقِیْمَ مَعَکُمْ اِلَی الْاَبَدِ رُوْحَ الْحَقِ۔ (باب نمبر 14 آیت نمبر 17-16)

(ب) اردو میں لفظ ''مددگار'' ''روح القدس'' وَاَمَّا الْمُعَزِّی الرُّوْحُ الْقُدُسُ سَیُرْسِلُهُ الْاَبُ۔ (باب نمبر 14 آیت نمبر 26-25)

(ج) اردو میں لفظ ''دنیا کا سردار'' عربی میں۔ لِاَنَّ رَئِیْس هٰذَا الْعَالَمِ یَاْتِیْ (باب نمبر 14 آیت نمبر 30)

(د) اردو میں: ''مددگار'' ''سچائی کی روح'' ''باپ سے صادر'' عربی میں وَمَتٰی جَآءَ الْمُعَزِّی الَّذِی اَرْسِلُهُ اِلَیْکُمْ مِنْ عِنْدِ الْاَبِ رُوْحُ الْحَقِّ.. (باب نمبر 15 آیت نمبر 26)

(ہ) اُردو میں ''مددگار'' عربی میں اِنْ لَمْ اَنْطَلِقْ لَمْ یَاْتِکُمُ الْمُعَزِّی (باب نمبر 16 آیت نمبر 7)

(و) اُردو میں ''سچائی کا روح'' عربی میں مَتٰی جَآءَ ذَاکَ رُوۡحُ الۡحَقِّ۔

نوٹ: انجیل مقدس 1893ء سے 1904ء تک تصحیح کر کے دسویں بار 1906ء میں شائع ہونے والے اردو ترجمہ کی کتاب انجیل یوحنا کے چودہویں باب کی آیت نمبر 17، 26 اور باب نمبر 15 کی آیت نمبر 26 اور باب نمبر 16 کی آیت نمبر 7 پر تیسرے نوٹ کے ماتحت لفظ مددگار کی وضاحت میں لکھا ہے۔

3. مددگار یعنی وکیل یا شفیع، مددگار یعنی وکیل یا شفیع۔ صفحہ نمبر 191

3. مددگار یعنی وکیل یا شفیع۔ صفحہ نمبر 193

23 (ج)۔ آنحضرتؐ کو انجیل یوحنا میں الفاظ معزیٌ و وکیلٌ وشفیعٌ سے یاد کیا ہے ۔

لفظ وکیل اور شفیع کے معنی سے تو ہمارے قارئین واقف ہیں لیکن لفظ معزیٌ سے بظاہر نظر شاید ناواقف ہوں۔ مگر آپ روزانہ یہ الفاظ بولتے رہتے ہیں۔ مثلاً تعزیت، تعزیہ، عزاداری، صاحب عزا، یہ اور اسی قسم کے الفاظ عام طور پر ماتم پُرسی کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ روزمرہ مجلس حسین علیہ السلام میں لوگ کہتے ہیں کہ عزادار، و، عزادارانِ حسینؑ۔ یہ دونوں الفاظ سوگواروں اور سوگوارانِ حسینؑ کی جگہ بولے جاتے ہیں مطلب یہ ہوتا ہے حسین علیہ السلام کا غم یا سوگ منانے والے لوگ۔ لیکن درحقیقت ان الفاظ کا مادہ۔ ع۔ ز۔ ی۔ ہے اور مصدر عزیًا یا عزاءً اور بنیادی یا اوّلین معنی ہیں ''کسی غم رسیدہ یا مصیبت دیدہ کا غم و مصیبت ہلکا کرنا، بہلانا خوش کرنا، تسلی دینا''۔ یہی معنی ہیں اوپر مذکور تمام الفاظ کے۔ عزادار حسینؑ وہ شخص ہے جو دلوں میں سے غم حسینؑ کو ہلکا کرنے کا انتظام کرتا ہو۔ لہٰذا لفظ معزیٌ کے معنی صاف ہو گئے وہ شخص جو ہمہ قسم کے غم والم و مصائب میں لوگوں کے کام آئے اور اُن کے غم والم و مصیبت کو اُن کی راہ سے ہٹا دے۔ لہٰذا پیشنگوئیوں میں ایسے شخص کی بات کی گئی ہے جو لفظ احمدؐ و محمدؐ کے قالب میں ظہور فرمائیں گے۔ اور ساری دنیا کے ایمان لانے والوں کی نجات، بخشش آسودگی اور خوشحالی کی ضمانت لے لیں گے۔ اور یہ ضمانت عارضی نہ ہو گی بلکہ تا ابد ضمانت ہو گی۔ یعنی اُن کی ظاہری موت پر ختم نہ ہو جائے گی۔ بلکہ بقول حضرت علی علیہ السلام جب اُن میں کا کوئی سا ستارا نظر سے اوجھل ہوتا ہے تو اُس کی جگہ دوسرا ستارہ طلوع ہوتا رہتا ہے (خطبہ نمبر 21-137/20)۔ یہ ذکر ہو چکا ہے کہ گیارہویں امام حضرت حسن عسکری علیہ السلام 260ھ میں نظر سے اوجھل ہو گئے تھے لہٰذا لازم ہوا کہ بارھواں یعنی آخری ستارہ پہلے طلوع ہو چکا ہو (255ھ) اور تا ابد مندرجہ بالا ذمہ داری پوری کرنے کے لئے کائنات میں موجود رہے۔ لہٰذا انجیل کے مختلف الفاظ کوئی فرق پیدا نہیں کرتے ساری کائنات کا مددگار ہونا۔ شفیع اور وکیل ہونا۔ سب کی سہولت، آسودگی، ترقی اور خوشحالی فراہم کرنا اُن کی ازلی وابدی ذمہ داری ہے۔

24۔ مودودی نے تسلیم کر کے اپنا فائدہ کیا ہے ورنہ مقام محمدؐ و اجزائے نور محمدؐ مستقل مقام ہے ۔

نوٹ کرنے کی بات یہ ہے کہ قریش اور قریشی علما محمد و آل محمد صلی اللہ علیہ وعلیہم اجمعین کے جس مقامِ بلند کو کبھی نہیں مانتے اور نہایت زور وشور کے ساتھ انہیں اپنے ایسے خاطی وفانی بشر مانتے ہیں۔ وہ مجبور ہوئے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی اُن کے حقیقی مرتبوں اور فضائل کو من وعن تسلیم کریں اور اپنے قلم سے لکھیں کہ:

1۔ محمدؐ تمام انبیاؑ اور مقدس ہستیوں کا نور ہیں۔

2۔ اُن کی ہر بات واضح اور عام فہم ہو گی۔

3۔رسولؐ اللہ حضرت عیسیٰؑ سے پہلے پیدا کئے گئے تھے۔

4۔حضرت عیسیٰؑ آنحضرتؐ کی جوتی کے تسمے کھولنے اور باندھنے کے لائق بھی نہ تھے۔

5۔آنحضرتؐ اللہ کی طرف سے نجات اور رحمت بخشنے میں مختار ہوں گی۔

6۔آنحضرتؐ کو عالم انوار واجسام میں حضرت عیسیٰؑ اور تمام انبیاؑ نے دیکھا تھا اور اُن کی تعظیم وتوقیر کی تھی۔

7۔آنحضرتؐ کی روح کو دیکھنے کے صدقے میں تمام انبیاؑ کو نبوت ملی تھی۔

8۔عیسیٰ علیہ السلام کی تمنا کہ اللہ انہیں یہ مقام عطا کردے کہ محمدؐ کی جوتی کے تسمے باندھا کریں۔

9۔پوری کائنات محمدؐ کے لئے پیدا کی گئی تھی۔رجعت کی ہمہ گیری۔(6)

10۔قوت کے ذریعہ پورا غلبہ شیطان بھی معطل۔رجعت کی بات۔(7)

11۔نبوت کا اختتام جھوٹے نبیوں کا کھڑے ہونا۔(8)

25۔ کتاب ظہور قائم آل محمدؐ کی تمام بنیادی بخشیں اور اصول علیٰ وجہ البصیرت باطل ہو چکے۔اب بہائی شریعت وکتاب الاقدس پر بات ہوگی۔

سابقہ عنوانات اور بیانات میں جناب رضوی صاحب کی قائم کردہ بنیادیں اور اصول جڑ سے اُکھڑ کر باطل وبے معنی ہو چکے ہیں۔ اورانہوں نے لفظ قیامت کی آڑ میں جتنے تنکوں کے پل بنائے تھے وہ سب گر چکے ہیں۔اب ہمیں اُن سے ایک بنیادی سوال کرنا ہے اور وہ یہ ہے کہ اُنہوں نے اور اُن کے موجودہ بہائی علما اور راہنماؤں نے حضرت بہاء اللہ کی کتاب الاقدس کبھی اور کہیں نہیں دیکھی ہے تو وہ اس کتاب پر اور صاحب کتاب پر کیسے ایمان لے آئے ہیں؟ ہم نے سرسری ساذکر کیا ہے جناب طراز اللہ سمندری سے ملاقات کا۔اور اس ملاقات کی غرض ہی یہ تھی کہ میں اُن سے کتاب الاقدس کے وجود کے متعلق سوال کروں۔چنانچہ آنجناب نے واضح اور صاف الفاظ میں فرمادیا تھا کہ انہوں نے کتاب الاقدس کبھی نہیں دیکھی۔اور جس روز مجھے ملاقات کے لئے بلایا گیا تھا اس روز پہلے مجھے پیریسین بیکری میں پارٹی دی گئی تھی۔وہاں کاؤنٹر پر ایسے بہائی بزرگ موجود تھے جن کی عمر ستر سال سے کم نہ تھی۔جب اُن سے یہی سوال کیا گیا تو بڑی بے تکلفی سے انہوں نے اور بھی دیگر حاضرین نے بھی اقرار کیا کہ ہم نے ہرگز کتاب الاقدس کبھی نہیں دیکھی۔بہرحال جناب سمندری صاحب بہائی پبلک میں سب سے زیادہ عمر رسیدہ وجہاں دیدہ صاحب ہیں۔وہ میرے اس سوال پر بہت پریشان تھے۔اور اس کا کوئی جواب نہ دے سکے کہ اصل کتاب کو دیکھے بغیر وہ کتاب پر کیسے اور کیوں ایمان لے آئے؟

25(الف)۔بہاء اللہ کے جانشین عبدالبہا عباس آفندی نے تحریری طور پر کتاب الاقدس کی اشاعت منع کر رکھی ہے۔

ہم نے جناب طراز اللہ سمندری کو تنگ نہیں پکڑا تھا۔یعنی اُن سے کتاب الاقدس پر مزید بحث ضروری نہیں سمجھی تھی۔اُن کا انکار سن کر واپس چلے آئے اور انہوں نے مجھے لوح سورۃ الملوک بطور ہدیہ دی تھی۔میں چاہتا تو اُن سے پوچھ سکتا تھا کہ سورہ الملوک کی عبارت کہاں سے آئی ہے؟۔

قارئین نوٹ کریں کہ کتاب الاقدس میں کل 409 جملے یا آیات ہیں۔اور جولوحیں بہائیوں میں پھیلائی جاتی رہی ہیں اُن کا کتاب

الاقدس کی آیات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔یعنی کتاب الاقدس کواس لئے صیغہ راز میں رکھا گیا ہے کہ جو دل چاہے کتاب الاقدس کے نام سے شائع کیا جاتا رہے اور بہائی حضرات یہ سمجھتے رہیں کہ یہ سب کچھ حضرت بہاءاللہ پر بذریعہ الہام ہی نازل ہوا ہوگا۔چنانچہ سوسال سے ہر پھبتی اور سجتی اور موزوں بات لوحوں کی صورت میں شائع ہوتی چلی آرہی ہے۔لیکن جب تک بہائی مرکز کی طرف سے کتاب الاقدس شائع نہیں کی جائے گی اُن کی شائع کردہ تمام لوحیں جعلی اورانسان سازلٹریچر شمار ہوں گی۔لہٰذا بہائی مذہب کے لئے اولین ضرورت یہ ہے کہ وہ بہاءاللہ کی کتاب شائع کریں اور یہ ثبوت دیں کہ اُن پراللہ کی طرف سے کیانازل ہواتھا؟ ہمیں تو جناب عبدالبہا عباس آفندی کی یہ تحریر ملتی ہے کہ:

”کتاب اقدس اگر طبع شوذ فنشر خواھد شد. دردستِ اراذال متعصبین خواھد افتاد لھٰذا جائز نہ بلے بعضے از ملحدین مثل میرزا مھدی بیگ از متزلزلین بدست آوردندونشر دادند ولے ایں دررسائل ملحدین مندرج چوں بغض و عداوتِ شان مسلّم درنزد عموم قول و روایتِ شاں مجھول و مبھم است ولے اگر بھائیان نشر دھند حکمے دیگر دارد“۔(رسالہ جواب نامہ جمعیت لاھائی صفحہ 37 مطبوعہ مصر 1338 ہجری)

ترجمہ:”کتاب اقدس اگر چھپ گئی تو پھیل جائے گی اور کمینے متعصب لوگوں کے ہاتھوں میں چلی جائے گی۔اس لئے اس کا چھپوانا جائز نہیں ہے۔بعضے بے دین اور متزلزل لوگوں مثلاً میرزا مہدی بیگ کے ہاتھوں میں اقدس کا نسخہ آ گیا تھا۔اوراُنہوں نے اُسے شائع کردیا تھا۔مگر چونکہ اس صورت میں ”اقدس“ ملحدین کے رسالہ جات میں شائع ہوئی ہے اورعوام کواُن کی عداوت ودشمنی معلوم ہے اس لئے اُن کی روایت اور بیان مجہول اورمبہم ثابت ہوگا۔لیکن اگر بہائی لوگ خود ہی کتاب اقدس کوشائع کرلیں تو اس کا اور حکم ہوگا۔“

مطلب یہ ہے کہ بہائیوں کے علاوہ اگرکوئی اورشائع کرے گا تو بہائی یہ کہہ کر بات ختم کردیں گے کہ یہ تو دشمنوں نے شائع کی ہے جس کا کچھ اعتبار نہیں۔لیکن شائع نہ کرنے سے تو خود بہاءاللہ کا اپنا اعتبار ختم ہوگیا ہے۔اورخود احمدی جماعت نے چیلنج کے ساتھ اُس کتاب اقدس کو بمبئی سے شائع کردیا تھا۔جس پر بہائی جماعت نے چپ سادھے رکھی ہے۔اورہم خوداس پوزیشن میں ہیں کہ اُسے جب چاہیں شائع کردیں وہ تو قرآن کی ایک سورت سے بھی کم عبارت میں ہے اورنہایت گھٹیادرجے کی فارسی نماعربی ہے۔

25(ب)۔حضرت بہاءاللہ نے جسے پال پوس کے تربیت کرکے جوان کیا اور دن رات خوشامد کی،راز دانی کی وجہ سے اُن پر ایمان نہ لایا

ہم کتاب اقدس سے بہاءاللہ کا ایک بیان دکھاتے ہیں جس میں وہ اپنے لختِ جگر کی خوشامد کررہے ہیں۔روروکراُسے منارہے ہیں۔اپنے پالنے اور تربیت کرنے کی اپیل کررہے ہیں۔مگروہ حقیقت سے واقف تھا اُن پر ایمان نہ لایا سنئے۔اورکتاب اقدس کی فارسی نماعربی بھی دیکھئے:

قل یا مطلّع الاعراض دع الاغماض ثمّ انطق بالحق بین الخلق، تاللّٰہ قدجرت دموعی علٰی خدودی بِما اراک مقبلا الٰی ھواک ومعرضا عمن خلقک و سوّاک اذکر فضل مولاک اذ ربیناک فی اللیالی والایام لخدمۃ الامر اتّق اللّٰہ وکُن من التائبین ھیننی اشتبہ علٰی الناس امرک ھل یشتبھہ علٰی نفسک؟خف عن اللّٰہ ثم اذکر اذ کنت قائما لدی العرش و کتبت ماالعیناکَ مِن آیات المھیمن المقتدر القدیرہ ایاکَ اَن تمنعک الحمیۃ عن شطر الاحدیۃ توجہ الیہ ولا تخف مِن اعمالک انہ یغفر من یشاء بفضل من عندہ لا اِلٰہ الا ھو الغفور الکریم انما ننصحک لوجہ اللّٰہ ان اقبلت فلنفسک وان اعرضت ان ربک غنی عَنک و عن الذین اتبعوک بوھم

مبین .قد اخذ اللّٰہ من اغواک فَارجع الیه خاضعا خاشعا متذللاانه یکفر عنک سیئاتک انَّ ربک لهو التواب العزیز الرحیم .هذا نصح اللّٰہ لوانت من السامعین. هذا فضل اللّٰہ لوانت من المقبلین هذا ذکر اللّٰہ لوانت من الشاعرین هذا کنزا للّٰہ لوانت من العارفین (کتاب اقدس آیات 401-396)

ترجمہ:''کہہ دے اَے اعراض کے مطلع اغماض کو چھوڑ دے اور مخلوق کے درمیان سچ بیان کر۔اللہ کی قسم میرے رخساروں پر میرے آنسو بہنے لگے کیوں کہ میں نے تجھے اپنی خواہش کی طرف متوجہ دیکھا۔اور جس نے تجھے پیدا کیا اور ٹھیک ٹھاک کیا اس سے اعراض کرنے والا پایا۔تو اپنے رب کے فضل کو یاد کر جب کہ ہم نے خدمتِ امر کے لئے دن رات تیری تربیت کی اللہ سے ڈر اور توبہ کرنے والوں میں سے ہو جا۔فرض کر کہ لوگوں پر تیرا معاملہ مشتبہ ہو گیا لیکن کیا تجھ پر بھی مشتبہ ہو سکتا ہے؟ اللہ سے ڈر پھر یاد کر جب تو عرش کے پاس کھڑا تھا اور خدائے مہیمن ومقتدر کی آیات جو ہم نے تجھ پر القا کیں تو نے لکھی تھیں حمیت اور جوش تجھے احدیت کی طرف سے نہ روکے۔اس کی طرف توجہ کر اور اپنے اعمال سے مت ڈر وہ جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے بخش دیتا ہے۔اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے وہ غفور اور کریم ہے۔ہم صرف اللہ کی خاطر تجھے نصیحت کرتے ہیں۔اگر تو نے اُس طرف توجہ کی تو تیری جان کے لئے ہے اور اگر تو نے اعراض کیا یقیناً تیرا رب تجھ سے اور اُن لوگوں سے جنہوں نے کھلے وہم کے ماتحت تیری پیروی کی ہے بے نیاز ہے۔اللہ نے اس پر گرفت کر لی ہے جس نے تجھے گمراہ کیا تھا تو خشوع اور خضوع اور تذلل کی حالت میں اس کی طرف رجوع کر وہ تیرے گناہوں کو ڈھانپ دے گا تیرا رب توبہ قبول کرنے والا عزیز اور رحیم ہے۔یہ اللہ کی نصیحت ہے کاش تو سننے والوں میں سے ہو۔یہ اللہ کا فضل ہے کاش تو توجہ کرنے والوں میں سے ہو۔یہ اللہ کا ذکر ہے کاش تو شعور رکھنے والوں میں سے ہو۔یہ اللہ کا خزانہ ہے کاش تو معرفت رکھنے والوں میں سے ہو۔''

قارئین کرام کتاب اقدس میں حضرت بہاء اللہ کا یہ شکوہ غور سے پڑھیں اور اس کرب وتکلیف کا اندازہ کریں جس میں وہ مبتلا رہے ہیں۔یہ کتنی دردانگیز صورت حال ہے۔کہ جسے لاڈ پیار سے پالا اور تربیت دی وہی مخالفت پر تل گیا اور تنہا مخالفت نہیں بلکہ بہت سے لوگوں کو یقین دلا دیا کہ بہاء اللہ غلط دعویٰ کر رہے ہیں۔اور نبیوںؑ کی تاریخ میں یہ پہلا حادثہ ہے اور ثابت کرتا ہے کہ بہاء اللہ اپنے گھر میں بھی ناکام ہوئے چنانچہ بہاء اللہ کے بیٹوں کے متعلق یہ گھریلو بیان بھی نوٹ کیجئے۔

''درمیان سائر ملل چنیں شهرت داد ند که پدر ما داعیه بالاستقلال اظهار نفرموده و تشریع شریعتے ننموده بلکه یکے از اولیاء و اقطاب بوده و متابعتِ شرع اسلام نموده امّا برادر ما عباس آفندی فَنّے تازه پیش گرفته و شرعے جدید تاسیس نموده''(الکواکب الدریہ فارسی جلد نمبر 2 صفحہ 31)

ترجمہ:''فرزندان بہاء اللہ نے تمام مذاہب کے اندر مشہور کر دیا ہے کہ ہمارے والد نے مستقل مدعی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا تھا اور نہ ہی اُنہوں نے نئی شریعت بنائی تھی۔بلکہ وہ تو محض ولی اللہ اور قطب تھے۔وہ ہمیشہ اسلامی شریعت کی پیروی کرتے رہے۔البتہ ہمارے بھائی عباس آفندی نے نیا ڈھونگ رچا دیا ہے اور جدید شریعت کی بنیاد رکھ دی ہے''

25(ج)۔ حضرت بہاء اللہ کی کتاب اقدس ہی نہیں بلکہ اُن کی خاندانی مرکزیت بھی جمہوریت کی بھینٹ چڑھ گئی۔

بہاء اللہ چاہتے تھے کہ اُن کی خلافت اُن کے فرماں بردار بیٹے سنبھالیں۔چنانچہ انہوں نے فیصلہ کر دیا تھا کہ اُن کے بعد اُن کا بیٹا عبدالبہا

عباس آفندی جانشین ہوگا۔ جو واقعی ہوئے بھی۔ لیکن عبدالبہا نے اپنے بعد جناب مرزا علی محمد آفندی کو یعنی بہاء اللہ کے دوسرے بیٹے اور اپنے بھائی کو اپنا قائم مقام بنانے کے بجائے اپنے نواسے جناب شوقی آفندی کو نامزد کر دیا تھا۔ لیکن اب تو مرکزیت بالکل بکھری ہوئی ہے۔ ایک جمہوری ادارہ الگ کام کر رہا ہے اور وصیت کے ماتحت ایک اور جانشین الگ سے ریہرسل (Rehearsal) کر رہا ہے جس نے اپنے بعد کے لئے پانچ جانشینوں کے نام تجویز کر دیئے ہیں۔ جن میں چوتھے نمبر پر جناب کرنل نوازش علی خانصاحب ہیں جن سے 1964ء میں ہماری خط و کتابت ہوتی رہی ہے۔ اور اُن کے حقیقی بھائی موضع ڈونگی سے ملاقات کے لئے ہمارے پاس ایئر فورس سرگودھا میں آتے رہتے تھے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

وہیں سرگودھے میں بائیس خاندانوں نے بہائیت سے توبہ کی تھی اور جناب طراز اللہ سمندری اُن ہی خاندانوں کی اصلاح کی خاطر سٹیلائیٹ ٹاؤن سرگودھا تشریف لے گئے تھے۔ بہر حال ہم بہائی تحریک سے کماحقہ واقف ہیں۔ اُن کا لٹریچر ہماری لائبریری میں موجود ہے۔ اور ہم حضرت حجت علیہ السلام کے مشن کی پالیسی کے ماتحت اُن کی بھی اصلاح اور بہبود کے طلب گار ہیں۔

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 99

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 100

خُطبہ ﴿138﴾

اللہ کی بنیادی صفات، حضرت علیؑ کی مخالفت اور نافرمانی جرم ہے

علیؑ کی دی ہوئی ہر خبر رسوؐل اللہ کی دی ہوئی خبر تھی۔ کوفہ کی تباہی۔

1۔ معاویہ کی شام سے للکار۔ اموی پرچم کوفہ کے میدانوں میں۔

2۔ دنیا بھر میں اموی پامالیاں اور فتنہ وفساد کی فراوانیاں۔

3۔ جنگ کا سمندر موجیں مارنے لگا۔

4۔ خطبوں کے دوران قریشی صحابہ کی بے چینیاں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡم

اَلۡاَوَّلُ قَبۡلَ كُلِّ اَوَّلٍ ؛	1	وہ اللہ ہی ہے جو ہر اوّل سے پہلے اوّل ہے۔
وَالۡاٰخِرُ بَعۡدَ كُلِّ آخِرٍ ؛	2	اور ایسا آخری ہے جو ہر آخری کے بعد آخر ہے۔
بِاَوَّلِيَّتِهٖ وَجَبَ اَنۡ لَّا اَوَّلَ لَهٗ ؛	3	اس کی اولیت کو ماننے میں یہ ماننا بھی واجب ہے کہ اس سے پہلے کچھ نہ تھا۔
وَبِآخِرِيَّتِهٖ وَجَبَ اَنۡ لَّا آخِرَلَهٗ ؛	4	اور اس کو آخری ماننے سے یہ لازم آتا ہے کہ اسکے بعد کسی اور کا باقی رہنا ممکن نہ ہو۔
وَاَشۡهَدُ اَنۡ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ شَهَادَةً يُوَافِقُ فِيۡهَا السِّرُّ الۡاِعۡلَانَ وَالۡقَلۡبُ اللِّسَانَ ؛	5	میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی اور معبود نہیں ہے۔ یہ وہ گواہی ہے جس کا اعلان اللہ کی حقیقی پوزیشن کے راز سے ہم آہنگ ہے اور اس میں دل اور زبان دونوں مشاہدہ کی طرح متفق ہیں۔
اَيُّهَا النَّاسُ لَا يَجۡرِمَنَّكُمۡ شِقَاقِيۡ وَلَا يَسۡتَهۡوِ يَنَّكُمۡ عِصۡيَانِيۡ ؛	6	اے لوگو تم مجھ سے دینی اختلاف وجدائی کا جرم نہ کرو اور میری نافرمانیاں کرکر کے خود کو حیرانی اور سرگردانی میں مبتلا نہ رکھو۔
وَلَا تَتَرَامَوۡا بِالۡاَبۡصَارِعِنۡدَمَاتَسۡمَعُوۡنَهٗ مِنِّيۡ ؛	7	اور میرے بیانات سنتے وقت آپس میں ناگواری کے لئے آنکھوں سے ایک دوسرے کو اشارے نہ کیا کرو۔
فَوَالَّذِيۡ فَلَقَ الۡحَبَّةَ وَبَرَاَ النَّسَمَةَ اِنَّ الَّذِيۡ اُنَبِّئُكُمۡ بِهٖ عَنِ النَّبِيِّ الۡاُمِّيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَآلِهٖ ؛	8	مجھے اسی ذات پاک کی قسم جس نے زیرزمین دانہ کو اگنے کے لئے پھاڑا اور انسانوں کی تخلیق جاری کی جو کچھ غیبی خبریں میں تمہیں دیتا ہوں وہ اسی ام القریٰ (مکہ معظّمہ) کے باشندے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ کی طرف سے ہیں۔ لہٰذا

مَا كَذَبَ الْمُبَلِّغُ وَلَاجَهِلَ السَّامِعُ ؛	9	نہ تو خبریں پہنچانے والے نے جھوٹ بولا ہے اور نہ سننے والے نے جہالت سے غلط سمجھا ہے۔
لَكَأَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى ضِلِّيْلٍ قَدْ نَعَقَ بِالشَّامِ ؛	10	اسی طرح کی غیبی خبر یہ ہے کہ میں یہاں سے ملک شام میں دیکھ رہا ہوں کہ ایک گمراہ شخص کھڑا ہوا چیلنج کررہا ہے۔
وَفَحَصَ بِرَايَاتِهٖ فِيْ ضَوَاحِيْ كُوْفَانَ؛	11	اوراپنے پرچموں کو کوفہ کے گردونواح میں گاڑ رہا ہے۔
فَاِذَا فَغَرَتْ فَاغِرَتُهٗ وَاشْتَدَّتْ شَكِيْمَتُهٗ ؛	12	چنانچہ جب اس کا منہ کھل گیا اوراس کی لگام کا دھانہ مضبوط ہوگیا
وَثَقُلَتْ فِي الْاَرْضِ وَطْأَتُهٗ عَضَّتِ الْفِتْنَةُ اَبْنَاءَ هَا بِاَنْيَابِهَا ؛	13	اور زمین پراسکی طرف سے اسکی پامالیاں بڑھتے بڑھتے شدت اختیار کرگئیں تو فتنوں نے اپنے دانتوں سے زمین کے بیٹوں یعنی انسانوں کو کاٹنا شروع کردیا۔
وَمَاجَتِ الْحَرْبُ بِاَمْوَاجِهَا ؛	14	اور قتل وغارت اور جنگ کا سمندر موجیں مارنے لگا۔
وَبَدَامِنَ الْاَيَّامِ كُلُوْحُهَا؛ وَمِنَ اللَّيَالِيْ كُدُوْحُهَا؛	15	اور دنوں کی سختیاں ادھر حملہ آور ہوگئیں اور راتوں کی کٹھنائیاں اُدھر واقع ہونے لگیں۔
فَاِذَا اَيْنَعَ زَرْعُهٗ وَقَامَ عَلٰى يَنْعِهٖ ؛	16	چنانچہ اُس کے منصوبے کی کھیتی پک گئی اور جڑوں پر جم کر کھڑی ہوگئی تب
وَهَدَرَتْ شَقَاشِقُهٗ وَبَرَقَتْ بَوَارِقُهٗ ؛	17	اس گمراہ شخص نے بڑبڑانا شروع کردیا (یعنی غلط احکام دیتا جا رہا تھا) اور تلواریں بجلیوں کی طرح چمک رہی تھیں۔
عُقِدَتْ رَايَاتُ الْفِتَنِ الْمُعْضِلَةِ وَاَقْبَلْنَ كَاللَّيْلِ الْمُظْلِمِ وَالْبَحْرِ الْمُلْتَطِمِ ؛	18	فتنہ سامانی کے جھنڈے بے پناہ ہوکر قائم ہوگئے جیسے اندھیری رات پھیلتی ہے اور سمندری طوفان آتا ہے۔
هٰذَا وَكَمْ يَخْرِقُ الْكُوْفَةَ مِنْ قَاصِفٍ وَّيَمُرُّ عَلَيْهَا مِنْ عَاصِفٍ ؛	19	یہ اوراس کے علاوہ کئی ایک اور جھکڑ کوفہ کو ٹکڑے ٹکڑے کریں گے اوراس کے اوپر سے مصیبت کی آندھیاں گزر جائیں گی۔
وَعَنْ قَلِيْلٍ تَلْتَفُّ الْقُرُوْنُ بِالْقُرُوْنِ ؛	20	اور قریبی زمانے ہی میں قومیں قوموں سے بھڑ جائیں گی۔
وَيُحْصَدُ الْقَائِمِ وَيُحْطَمُ الْمَحْصُوْدُ ؛	21	اور کھڑی کھیتیاں کاٹ ڈالی جائیں گی اور کٹے ہوئے سامان کو چکنا چور کردیا جائے گا۔

تشریحات:

جب حضرت علی علیہ السلام نے قریش اور معاویہ کو میدان جنگ سے مار مار کر بھگا دیا اوراُن کی فوجی وجنگی طاقت کو میدان میں آکر لڑنے کے قابل نہ چھوڑا تو اُنہوں نے چوروں اور ڈاکوؤں کی طرح خالی ہاتھ پبلک پر چھاپے مارنے اورلوٹ کھسوٹ کرنے کا آغاز کردیا تھا۔آپؑ

نے اس خطبے میں اسی صورت حال پر متنبہ کیا ہے۔اور ہم نے کہیں کافی پہلے سابقہ خطبات خطبہ نمبر 24 میں معاویہ کی اس غارتگری کا تفصیلی تذکرہ کر دیا ہے۔یہاں تو جس پہلو پر گفتگو کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ قریشی صحابہ حضورؐ کے خطبے اور غیبی خبریں سن سن کر حیران ہوتے رہتے تھے۔اور آپؐ قبل از وقت معاویہ اور قریش کی پالیسیاں اور منصوبے واضح کرتے رہتے تھے۔اور کوفہ میں بیٹھے ہوئے وہ سب کچھ بتاتے رہتے تھے جو ملک شام اور دربار معاویہ میں واقع ہوتا رہتا تھا۔اسی سلسلے میں حضورؐ نے اُس تباہی کا تذکرہ بھی فرمادیا ہے جو معاویہ کی طرف سے آپؐ کی وفات کے بعد کوفہ پر آنے والی تھی جو لفظ بلفظ پوری ہو کر رہی اور اُن نام نہاد شیعوں کے سروں پر گزری جو عہد مرتضویؐ میں خدمات سے جان چراتے تھے۔ اور جن کو حضورؐ نے رد کر دیا تھا اور جن کیلئے فرمایا کرتے تھے کہ خدا تمہیں بُرا حاکم دے اور مجھے تم سے اچھی رعایا عطا کرے یہ سب کچھ لفظ بلفظ پورا ہو کر رہا۔یہ نوٹ کر لینا چاہئے کہ حقیقی شیعہ تو حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد نظام غیبت میں یا تحریک تشیّع میں چلے گئے تھے اور اُسی طرح انڈر گراؤنڈ محاذ میں بھی تحریک کی کامیابی کیلئے جانیں قربان کرتے اور کامیابیاں حاصل کرتے رہے جس طرح حضورؐ کے ہم رکاب رہ کر کرتے تھے۔مگر یہ نام نہاد شیعہ یا نام سے مشہور شیعہ ہی تھے جن پر دشمنوں کی طرف سے مصائب وارد ہوتے تھے یہ ہر امامؑ کے زمانہ میں سہولت پسندی کی بنا پر اور مشہور ہونے کی وجہ سے برابر پٹتے رہتے تھے۔خود کو تقیہ کی آڑ میں چھپانے اور مخالف حکومتوں کی خوشامد کرنے میں لگے رہتے تھے۔اُنہوں نے کبھی دین کی خدمت نہیں کی۔یہ خود آئمہ علیہم السلام کیلئے بھی مصیبت بنے رہتے تھے۔گورنمنٹ اور پبلک ان کو جانتی اور پہچانتی تھی اور یہ لوگ حضرت آئمہ علیہم السلام سے بھی ملتے رہتے تھے اس لئے گورنمنٹ اُن کی وجہ سے آئمہؑ پر بھی نظر رکھتی تھی۔اور اُن ہی کی وجہ سے اُن حضراتؑ پر بھی سختیاں ہوتی رہتی تھیں۔اگر یہ نہ ہوتے تو آئمہؑ پر کسی قسم کی سختی یا نگرانی نہ ہوتی اس لئے کہ وہ حضرات تو خانہ نشینی کی نہایت پُرامن زندگی بسر کرتے تھے اور حقیقی شیعہ اس طرح کام کرتے تھے کہ گورنمنٹ کو اُن کا پتہ ہی نہ چلتا تھا۔وہ انہیں مخالف تحریکوں کے ممبر سمجھتی تھی اور چونکہ وہ کھلم کھلا آئمہؑ سے نہ ملتے تھے اُن پر شیعہ ہونے کا شبہ بھی نہ ہوتا تھا۔لہٰذا انڈر گراؤنڈ محاذ کے شیعوں کی وجہ سے کبھی آئمہؑ کو تکلیف نہ پہنچتی تھی۔جو تکلیف پہنچتی تھی اِن ہی ناکارہ شیعوں کی وجہ سے پہنچتی تھی۔یہ نام نہاد شیعہ نماز ضرور پڑھتے تھے خواہ ہاتھ باندھ کر یا کھول کر۔یہ موقع پرست لوگ تھے بالکل ایسے ہی جیسے آپ آج کل کے شیعوں کو دیکھتے ہیں۔شیعہ تھے محض دماغی عیاشی کیلئے۔عقائد کی غپ شپ مارنے کیلئے۔چھپ چھپا کر نذر و نیاز کر لینے کیلئے۔غم حسین علیہ السلام میں آنسو بہا کر گناہ بخشوانے کیلئے مگر اپنی جان و مال کو جوکھوں میں نہ ڈالتے تھے۔یہ درحقیقت ہمیشہ آئمہؑ کیلئے مصیبت بنے رہے ہیں۔آپ اِن کے ہاتھوں تاریخ میں کوئی نمایاں کام یا دینی خدمت ہوتے ہوئے نہیں دیکھتے۔جہاں کہیں ان کا ذکر ملے گا وہاں اِن کو پٹتے مار کھاتے ہی دیکھیں گے۔اُن میں سے کوئی تلوار سونت کر دشمن کے مقابلے میں کھڑا ہوتا نظر نہ آئے گا۔اُس زمانہ میں بھی یہ لوگ آج کی طرح تقلیدی مسائل کی پیروی کرتے مل جائیں گے۔معزز شیعہ کہلانے والوں میں وہ لوگ بھی ملیں گے تو آئمہ علیہم السلام کو فریب دے کر اجتہاد کی اجازت مانگتے ہوئے ملیں گے۔عمر بن حنظلہ ملعون اُن ہی خبیثوں میں سے ایک تھا۔یہ لوگ آئمہ علیہم السلام سے نماز روزہ کے مسائل سے آگے بڑھ کر کچھ اور پوچھتے ہوئے نظر نہ آئیں گے۔اُن کو معلوم ہی نہ تھا کہ دورِ امامت کا مقصد کیا ہے؟ اس دور میں کیا کیا فرائض ہیں؟ ہاتھوں کو کھولنے کے علاوہ اُن میں اور سُنیّوں میں کوئی فرق نہ تھا۔یہی شیعہ تھے جو 329ھ میں شیعوں کے مجتہدین کے پیچھے چل کھڑے ہوئے تھے اور یہی تھے جن کو الگ رکھنے کیلئے غیبتِ صغریٰ وغیبت کبریٰ اختیار کی گئی تھی۔یہ ہمیشہ کے مردود لوگ ہیں۔اُن پر ہر امامؑ نے نفرین اور ملامت کی ہے۔یہ بڑی پرانی مصیبت ہے عہد مرتضویؑ اتنی قدیم مصیبت۔ہمارے مذہب کو بدنام کرنے اور فروخت کر ڈالنے والی مصیبت۔ہمارے آئمہ علیہم السلام نے اِن کے ہاتھوں بڑے دکھ اُٹھائے

ہیں۔خود ہمارے سینے میں اُنکے اعمال وافکار سے آبلے پڑے ہوئے ہیں۔ہم اِن کی تباہی کیلئے دعائیں مانگتے چلے آرہے ہیں۔اُنہوں نے ہمیشہ معصومینؑ کی جگہ اپنے الگ راہنما، حجۃ اللہ، آیات اللہ اور امام بنا رکھے ہیں۔

2۔ خدا کی وحدانیت اور معبودیت پر وہ گواہی جس پر قلب ونظر دونوں متفق ہوں۔

حضرت علی علیہ السلام **اَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ** فرما کر خاموش نہیں ہوتے بلکہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ:

''یہ وہ گواہی ہے جس کا اعلان اللہ کی حقیقی پوزیشن کے راز سے ہم آہنگ ہے اور اس میں دل اور زبان دونوں مشاہدہ کی طرح متفق ہیں۔''

(خطبہ نمبر 138/5)

قارئین غور فرمائیں یہی جملہ تو ہے جس کی وجہ سے میں موذّن کو جھوٹا کہا کرتا ہوں وہ رسمی حیثیت سے محض زبان سے کلمہ شہادت ادا کرتا ہے اُس کا دل اُس کی زبان سے متفق نہیں ہوتا۔اور کیسے متفق ہوسکتا ہے؟ اگر اُسے خود کو اور اُن لوگوں کو یہ قلبی یقین ہوتا کہ اللہ موجود ہے۔واحد ویگانہ ہے اور صرف وہی اکیلا معبود ہے تو وہ اور اس کی اذان سننے والے اور نماز کو آنے والے ہرگز ہرگز کوئی گناہ نہ کرسکتے تھے۔جس طرح وہ دیکھنے والی آنکھوں کے روبرو کوئی گناہ نہیں کرتے۔وہ اپنی والدہ کے سامنے کوئی بدتمیزی اور شرم کی بات بھی نہیں کرتے۔وہ کیسے جرم وگناہ کرسکتے تھے؟ انہیں یقین کامل ہے کہ انہیں کوئی نہیں دیکھ رہا ہے تب ہی تو وہ جرم وگناہ کرتے ہیں۔وہ کاروباری کلمہ پڑھتے ہیں کاروباری اذان دیتے ہیں۔ کاروباری نماز پڑھتے ہیں۔وہ کاروبار کو چالو رکھنے کیلئے ایمان لائے ہیں۔وہ کاروباری مسلمان اور مومن ہیں وہ کاروبار میں کامیابی کیلئے اور کاروبار ہی سمجھ کر قریش کی طرح اسلامی عقائد کا اعلان کرتے ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام کی شہادت پر پھر غور فرمائیں اور سوچیں کہ آپؑ نے کتنی بڑی بات کہہ دی ہے بلکہ قریشی زبان میں کیسی مشرکانہ غپ ماردی ہے؟ یعنی قلب ونظر سے اللہ کو اس کی حقیقی یا ذاتی پوزیشن میں دیکھے ہوئے ہیں؟ اُن کی زبان اللہ کے متعلق جو کچھ کہتی ہے اُن کا دل اُن کے قول سے متفق ہوتا ہے۔**الامان والحفیظ**۔

یہ وہ مقام ہے جہاں کسی کو دم مارنے کی گنجائش نہیں ہے۔فی الحال ہم حضورؑ ہی کا ایک جملہ لکھے دیتے ہیں۔جو آپؑ نے ذِعلبؓ یمانی کے جواب میں فرمایا تھا کہ:

اَفَاَعْبُدُ مَالَا اَرٰی؟ ''کیا میں اُس کی عبادت کرتا ہوں جسے میں نے دیکھا نہ ہو؟

اس جواب پر ذِعلبؓ نے حیران ہوکر دریافت کیا تھا کہ:

وَکَیْفَ تَرَاہُ؟ آپؑ نے اللہ کو کیسے دیکھ لیا تھا؟

اس دوسرے سوال کے جواب میں حضور علیہ السلام نے کیا فرمایا؟ یہ ایک پورا خطبہ ہے۔جو آپ حضرات خطبہ نمبر 241 کی حیثیت سے پڑھیں گے اور وہ آخری خطبہ ہے۔مگر اُس جواب کو وہیں کے لئے چھوڑ کر یہاں تو حضورؑ کا پہلا اور حقیقی جواب یہ ہے آپ نے کسی ایسے اللہ کی یا کسی ایسے پروردگار کی یا کسی ایسے معبود کی ہرگز عبادت نہیں کی جسے آپؑ نے دیکھا بھالا اور سمجھا بوجھا ہوا نہ تھا۔

تشریح کے جس مقام پر آکر ہم رُکے ہیں وہ ایسا مقام ہے کہ اُس سے آگے بڑھنے میں ہماری عقل وبصیرت سوائے اِس کے اور کچھ نہیں کہتی کہ محمد وعلی اور آئمہ طاہرین سلام اللہ علیہم کو اپنی محدود عقل وبصیرت کی ترازو میں تول کر دیکھنا اور جانچنا اُن کے حقیقی مقام ومنزلت تک نہیں لے

جا سکتا۔لہٰذا ہمیں قرآن واحادیث معصومینؑ سے مدد لے کر کسی نتیجہ پر پہنچنا چاہئے۔اوراُن میں سے پہلی اور بنیادی بات یہ ہے کہ جو کچھ قرآن اور فرمانِ معصومینؑ سے سادہ الفاظ میں ہماری سمجھ میں آجائے اُسے مِنّ وعَن مان لیا جائے خواہ وہ ہماری عقل کے دائرے میں آتا ہو یا نہ آتا ہو۔اور یہ اِس لئے کہ ہماری عقل وبصیرت اوراُس کے وسائل ترقی پذیر ہیں۔ممکن ہے کہ ہماری آئندہ کی ترقی یافتہ عقل اُسے علمی حیثیت سے سمجھنے کے قابل ہو جائے۔

دوسری حقیقت یہ ثابت ہے کہ خدائی اور کائناتی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے محمدؐ واجزائے محمد صلی اللہ علیہ وعلیہم اجمعین کو اللہ نے مخصوص صورت وہیئت وخصوصیات وحالات عطا کئے ہیں مثلاً فرمایا گیا ہے کہ: **عَنْ اَبِی الحسن الرضا علیه السّلامَ قَالَ لَنَا اَعْیُنٌ لا تَشْبَهُ اَعْیُنَ النَّاسِ وَفِیْهَا نُوْرٌ وَلَیْسَ لِلشَّیْطَانِ فِیْهِ شِرْکٌ**۔(بصائرالدرجات)

ترجمہ:''امام رضا علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ہمارے لئے ایسی آنکھیں بنائی گئی ہیں جو کہ تمام انسانوں کی آنکھوں سے مشابہت تک بھی نہیں رکھتی ہیں اوراُنکے اندر نور ہے اورابلیس کو بھی اُن آنکھوں میں شرکت حاصل نہیں ہے۔''

یہاں سوچنے اور سمجھنے کی یہ بات ہے کہ کیا اِن مخصوص اور جداگانہ اورنوری آنکھوں پر بھی اس آیت کا اطلاق یا پابندی عائد ہوتی ہے جہاں فرمایا گیا ہے کہ: اللہ تک آنکھیں نہیں پہنچتیں وہ آنکھوں تک پہنچتا ہے۔**لَّا تُدْرِکُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ یُدْرِکُ الْأَبْصَارَ** (انعام 6/103) ظاہر ہے کہ قرآن کا یہ فیصلہ عام انسانی وحیوانی آنکھوں کیلئے ہے اوراسی آیت میں اُن آنکھوں کی اللہ تک رسائی نہ ہوسکنے کا سبب یہ بیان ہوا ہے کہ **وَهُوَ اللَّطِیفُ الْخَبِیرُ** (انعام 6/103) اوراللہ لطیف وخبیر ہے۔لطیف کے معنی وہ چیز سمجھ لیں جس پر نظر نہ رکتی ہو۔جس میں مادی کثافت نہ ہو۔ مثلاً اگر ایک سو فیصد صاف وشفاف شیشے کا دروازہ یا کھڑکی سامنے آجائے تو ہر شخص اُس کو کھلا راستہ سمجھ کر گزرنا چاہے گا اور ٹکرا کر رُک جائے گا نظریں پار گزر رہی تھیں۔شیشے پر ٹھہر کر واپس نہ پلٹتی تھیں۔اور یہ اطلاع نہ دیتی تھیں کہ راستہ بند ہے۔لیکن جن نوری آنکھوں کا حدیث میں ذکر ہوا ہے وہ تو خودنوری ہونے کی وجہ سے لطیف ہیں اوراسی لئے نوری ولطیف بنائی گئی ہیں کہ ذاتِ خداوندی سے بُعد نہ رہے۔لہٰذا اُن آنکھوں سے معصومینؑ حضرات کا اپنے معبود کو دیکھ سکنا بعید نہیں ہے۔پھر اُن حضرات علیہم السلام کو نفس اللہ فرمایا گیا۔انہیں لسان اللہ بتایا گیا ہے اورعین اللہ قرار دیا گیا ہے۔یہ بہت ہی عجیب بات ہوگی کہ خود اللہ کی آنکھیں اُسے نہ دیکھ سکیں اورنفس اللہ اللہ سے اجنبی رہیں۔بہرحال میں اپنی طرف سے کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں میں تو اُن ہی حضراتؑ کے بیانات کا طواف کرنے میں مشغول رہتا ہوں اور اُنؑ ہی سے اُن کو سمجھنے میں مدد چاہتا ہوں اور جو کچھ سمجھا ہوں اُس پر اُنؑ کا اوراُنؑ کے خالق کا شکر گزار ہوں۔

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 100

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 101

خُطبہ ﴿139﴾

1۔قیامت میں اہل محشر کا حال۔2۔فتنوں کے آنے کا نظارہ۔3۔فوجوں کے حملوں کا تذکرہ؟4۔بصرہ اور بصرے والوں پر اظہارِ افسوس کیا ہے۔5۔ذلیل وکمزور ٹھہرائی ہوئی قوم کا جہاد فی سبیل اللہ۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَذٰلِکَ یَوۡمٌ یَجۡمَعُ اللّٰهُ فِیۡهِ الۡاَوَّلِیۡنَ وَالۡاٰخِرِیۡنَ لِنِقَاشِ الۡحِسَابِ وَجَزَآءِ الۡاَعۡمَالِ ؛	1	وہ ایک ایسا دن ہوگا جس دن اللہ مواخذہ اور حساب کی چھان بین کے لئے اور اعمال کی جزا دینے کے لئے مخلوقات کو روز اول سے لے کر روز آخر تک جمع کرے گا۔
خُضُوۡعًا قِیَامًا ؛قَدۡ اَلۡجَمَهُمُ الۡعَرَقُ ؛	2	عاجزی اور بے بسی کے عالم میں سب اس کے سامنے کھڑے ہوں گے اور پسینہ منہ میں بھر کر ان کے منہ کی لگام بن جائے گا۔
وَرَجَفَتۡ بِهِمُ الۡاَرۡضُ ؛	3	ان کے ساتھ ہی یہ زمین بھی تھرّا رہی ہوگی۔
فَاَحۡسَنُهُمۡ حَالًا مَّنۡ وَّجَدَ لِقَدَمَیۡهِ مَوۡضِعًا وَلِنَفۡسِهٖ مُتَّسَعًا ؛	4	چنانچہ اس روز وہ لوگ اچھے حال میں ہوں گے جنہیں اپنے دونوں پیر ٹکانے کی جگہ اور سہولت سے سانس لینے کا موقع مل سکے گا۔
فِتَنٌ کَقِطَعِ اللَّیۡلِ الۡمُظۡلِمِ ؛	5	وہ ایسے فتنے ہوں گے جیسے اندھیری رات کے ٹکڑے ہوں (یعنی نکلنے کا راستہ نہ ملے گا)
لَاتَقُوۡمُ لَهَا قَائِمَةٌ	6	ان کے مقابلے میں کسی کے پیر نہ جمیں گے۔
وَلَا تُرَدُّلَهَا رَایَةٌ ؛	7	اور نہ انکے بڑھتے ہوئے پرچم پلٹائے جاسکیں گے۔
تَاۡتِیۡکُمۡ مَّزۡمُوۡمَةً مَّرۡحُوۡلَةً ؛	8	وہ تم پر اس طرح حملہ کرینگے کہ وہ لگامیں کھینچے ہوئے اور پالانیں کسے ہوئے ہوں گے۔
یَحۡفِزُهَا قَائِدُهَا، وَیَجۡهَدُهَا رَاکِبُهَا ؛اَهۡلُهَا قَوۡمٌ شَدِیۡدٌ کَلَبُهُمۡ قَلِیۡلٌ سَلَبُهُمۡ ؛	9	ان کا لیڈر انہیں زور سے آگے بڑھائے گا۔اور ان کا سرگروہ ان سے کوشش کرائے گا۔وہ لوگ ایسی قوم کے ہوں گے جن کے حملے سخت ہوتے ہیں اور جو لوٹ کھسوٹ زیادہ نہیں کرتے۔

يُجَاهِدُهُمْ فِي اللّٰهِ قَوْمٌ اَذِلَّةٌ عِنْدَ الْمُتَكَبِّرِيْنَ فِي الْاَرْضِ مَجْهُوْلُوْنَ ؛وَفِي السَّمَآءِ مَعْرُوْفُوْنَ ؛	10	ان سے ایک ایسی قوم فی سبیل اللہ جہاد کرے گی جو مغرور لوگوں کے نزدیک حقیر وذلیل ٹھہرائی ہوئی ہوگی اور اُس زمانہ میں دنیا والوں کے لئے نا قابل شمار ہوگی مگر آسمانی مخلوقات میں پسندیدہ اور مشہور و معروف ہوگی۔
فَوَيْلٌ لَكِ يَابَصْرَةُ عِنْدَ ذٰلِكَ مِنْ جَيْشٍ مِّنْ نِّقَمِ اللّٰهِ لَارَهَجَ لَهٗ وَلَاحِسَّ وَسَيُبْتَلٰى اَهْلُكِ بِالْمَوْتِ الْاَحْمَرِ وَالْجُوْعِ الْاَغْبَرِ؛	11	اے بصرہ والو تم پر افسوس ہے جب کہ تم پر اللہ کے عذاب والے لشکر حملہ آور ہوں گے نہ ان فوجوں سے گرد وغبار اڑے گا۔ اور نہ کوئی شور پیدا ہوگا۔ اور بصرہ کے باشندے لال موت یعنی قتل وخون میں اور سخت بھوک میں مبتلا ہوں گے۔

تشریحات:

پہلی بات یہ نوٹ کریں کہ جناب رضی صاحب رضی اللہ عنہ نے نہج البلاغہ کو جمع کرتے وقت یہ سوچا تھا اور مقدمہ میں لکھ بھی دیا تھا کہ میں خطبات کے انتخاب کے دوران اپنے مسودے میں خالی صفحات چھوڑتا جاؤں گا کہ اگر بعد میں کوئی مضمون کسی سابقہ خطبے سے متعلق ملے تو اُسے سابقہ خطبوں میں شامل کرسکوں۔ مگر چند نامعلوم وجوہات کی بنا پر ایسا کرنے سے قاصر رہے اور اکثر خطبے دو دو چار چار جملوں پر ختم ہوگئے اور بعض جگہ دو مختلف ومتضاد مضامین ایک ہی خطبے میں جمع ہوگئے چنانچہ یہ خطبہ نمبر 139 اسی کی مثال ہے۔ اس میں خطبہ قیامت کے ذکر سے شروع ہوا اور اچانک فتنوں اور جنگوں کی بات شروع ہوگئی جن کا آپس میں کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہاں دوسری اور نہایت اہم بات یہ نوٹ کریں کہ جہاں جہاں حضور علیہ السلام نے ایسی جنگوں کی خبر دی ہے جن کا سراغ تاریخ سے نہیں ملتا وہاں ہر جگہ جناب نے اپنے انڈر گراؤنڈ (Under Ground) محاذ کی یعنی تحریک تشیع کی طرف سے ہونے والے حملوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو پوری نام نہاد مملکت اسلامیہ پر دن رات ہوتے رہتے تھے۔ اور چاروں طرف سے اس مملکت کو نرغہ میں لئے رکھتے تھے۔ چنانچہ اس خطبے میں اس کی واضح مثال موجود ہے جن لوگوں کو حضور نے مغرور لوگ قرار دیا ہے وہ قریشی حکومت کے کارکن اور سپہ سالار لوگ تھے جو شیعہ تحریک کو کمزور وحقیر تحریک سمجھتے تھے اور یہی تحریک جو پوشیدہ اور زیر زمین ہونے کی وجہ سے مجہول اور غیر معروف تھی۔ نہ حکومت کو اُن کے مرکز کا پتہ چلتا تھا نہ قائد ورا ہنما ظاہر ہوتا تھا اور وہ مطمئن رہتے تھے کہ امام وقت علیہ السلام کی راہنمائی انہیں حاصل نہیں ہے اس لئے وہ ایسی تحریکوں کو عارضی اور بلا لیڈر کی تحریک سمجھ کر اُسے کچھ اہمیت اور وزن نہ دیتے تھے۔ لیکن آپ نے ہماری کتاب مذہب شیعہ ایک ہمہ گیر تحریک اور لامحدود وقوت میں پڑھا ہے کہ اسی تحریک نے قریشی خلافت کو چاروں طرف سے گھیر لیا تھا انہوں نے آہستہ آہستہ اور رفتہ رفتہ قریشی حکومت کے چاروں طرف اپنی شیعہ حکومتیں قائم کر لی تھیں اور اُن پر چاروں طرف سے زمین اور علاقہ تنگ کرتے چلے آرہے تھے۔ مصر وعراق وایران وافریقہ کو اس حکومت سے چھین کر اپنی آزاد وخود مختار حکومتیں برسر کار لے آئے تھے اور آخر عضد الدولہ ومعز الدولہ کے القاب خود ہی دے کر اور منت سماجت کر کے خلفائے عباسیہ نے اپنی مملکت کے اختیارات شیعہ دانشوروں کو سونپ دیئے تھے۔ جنہوں نے اپنی وزارت کے دوران نام نہاد شیعوں کو آزادی اور مذہبی سہولتیں بخشیں۔ بغداد میں کھل کر عزاداری ہونے لگی۔ عاشور محرم کو جلوس نکلنے لگے۔ بازار بند رہنے لگے شیعوں کی دو مسجدیں بن گئیں۔ جن میں سے ایک مسجد میں جناب رضی رضی اللہ عنہ نماز پڑھاتے تھے اور اس مسجد میں اذان

کے دوران علیؑ ولی اللہ پکارا جاتا تھا۔ دوسری مسجد میں سید مرتضیٰ اور جاہلوں کے بقول علم الھدیٰ نماز پڑھاتے تھے اور وہی سنی اذان دی جاتی تھی۔ اُن ہی کی وزارت کے زمانہ میں بغداد کے اندر شیعہ نام کے علمانے قدم جمائے، حدیث پر کتابیں لکھیں۔ یہ سب کچھ تحریک تشیع کی جدوجہد سے ہوا اور آخر کار ہلاکو خان کے ہاتھوں قریشی حکومت کا صفایا ہو گیا۔ علامہ رضیؒ نظام غیبت کے ممبر تو نہ تھے مگر امام زمانہ علیہ السلام انہیں اُن کے اچھے عقائد اور پارسائی کی بنا پر پسند فرماتے تھے۔ اُنکے بڑے بھائی اور والد صاحب اور استاد جناب شیخ مفید صاحب مجتہد تھے اور شیعوں کے امام بنے ہوئے تھے۔ اسلئے کبھی نظام غیبت نے انہیں پسند نہ کیا بلکہ ملامت کی۔ اُن کی بدعقیدگی اور اجتہاد اُن کی عاقبت خراب کر گیا۔ سید مرتضیٰ کروڑوں پتی سرمایہ دار تھے یہ سب مجتہدین گورنمنٹ کے تنخواہ دار و جاگیر دار و طرف دار بھی تھے۔ مرتضیٰ نے حکومت سے درخواست کی تھی کہ شیعوں کو بھی حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی کے ساتھ اجماع میں شامل کر لیا جائے ساتھ ہی اس شمولیت کی خاطر ایک لاکھ دینار کی رقم بھی دینے کو تیار ہو گئے تھے مگر عباسی خلیفہ وقت نے دو لاکھ دینار رشوت طلب کی تھی مگر سید مرتضیٰ دو لاکھ فراہم نہ کر سکے اور یوں سنی اجماع میں شیعوں کی شرکت نہ ہو سکی۔ ورنہ آج ماشاءاللہ یہ نام نہاد شیعہ، سُنیوں ہی کا ایک مسلّمہ فرقہ ہوتے اور انہیں آئندہ نفرت کی نظر سے دیکھنا اور قتل و غارت کرنا بند کر دیا جاتا۔ اور اُنکے خلاف یہ مار دھاڑ بند ہو جاتی جو کل تک ہوتی رہی ہے۔ یعنی سات اکتوبر 1984ء بروز عاشور شیعوں کے دو امام باڑوں اور ایک مسجد کو جلا دیا گیا جلوس تتر بتر ہو گیا فوج نے انتظام سنبھالا، کرفیو آج تک جاری ہے اور کشیدگی بدستور قائم ہے حکومت کے ہاتھوں بکے ہوئے علمائے شیعہ اور سنی لیڈر امن و امان کی اپیلیں کر رہے ہیں۔ نصیر اجتہادی خاص طور پر پیش پیش ہیں ہو سکتا ہے کہ ان خبیثوں کے ساتھ حقیقی شیعہ بھی لپیٹ میں آ جائیں چونکہ سنی عوام و خواص تو اُس فرق کو نہیں جانتے جو ان کاروباری شیعوں اور حقیقی شیعوں میں ہے۔ کاش کوئی ان خبیثوں کو سید مرتضیٰ والا مشورہ دیتا تا کہ یہ نفرت و اشتعال ختم ہو جاتا اور سنیوں کی عظیم کثرت اِن نام نہاد شیعوں کو بھی اپنے باقی چاروں فرقوں، حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلیوں کی طرح سینے سے لگا سکتی۔ اب تو فرق کچھ بھی نہیں رہا ہے۔ خمینی نے امام امت ہونے کا اعلان کر دیا ہے۔ خلافت بلافصل ختم ہو چکی ہے۔ نصیر اجتہادی نے فتویٰ دے دیا ہے کہ جو کوئی خلفائے ثلاثہ کو نہیں مانتا وہ مسلمان نہیں ہے۔ علمائے شیعہ جماعتِ شوریٰ میں شریک ہو چکے ہیں ماتم خمینی کے فتوے سے حرام ہو چکا ہے۔ وہ گلی بازاروں میں جلوس عزاداری اور ماتم کا مخالف ہے۔ اور کیا باقی رہ گیا ہے؟ رہ گئی محمدؐ و آل محمدؐ سے زبانی عقیدت تو وہ سنیوں کو بھی ہے۔ بہر حال جیسے ہی ضیا صاحب اپنی پسند کا الیکشن کرا کے اسلامی حکومت بنائیں گے تو میں تجویز کروں گا کہ سید مرتضیٰ علم الھدیٰ والا انضمام کر لیا جائے یوں حقیقی شیعوں کی ان خبیثوں سے جان چھوٹے گی اور حق و باطل جدا جدا ہو جائیں گے۔ ممکن ہے کہ اس کے بعد ہم تبلیغ کے لئے باہر نکل آئیں۔

2۔ حضرت علیؑ نے خطبہ کی ابتدا ساری نوع انسان کے جمع ہونے کے دن سے کی ہے اور جزا کا تذکرہ بھی کیا ہے۔

حضورؐ کا پہلا جملہ یہ تاثر دیتا ہے کہ حضورؐ یوم آخر کا ذکر فرما رہے ہیں جسے قریشی مسلمانوں کی زبان میں قیامت کہا جاتا ہے۔ یہ لفظ قیامت اتنا غلط استعمال ہوا ہے کہ رفتہ رفتہ اپنے حقیقی معنی و مفہوم کو قطعاً چھوڑ گیا ہے۔ قریش نے تو اس لفظ سے یہ سمجھایا تھا کہ اس دنیا میں ایک دن ایسا آئے گا جب تمام موجودہ آدمی مر جائیں گے۔ اس کے بعد ایک صور پھونکا جائے گا جس سے آدم علیہ السلام سے لے کر آخری آدمی تک تمام نوع انسان کو زندہ کر دیا جائے گا اور اُن سب سے اُن کی زندگی بھر کا حساب لیا جائے گا اور جنت کے حقدار جنت میں اور دوزخ کے حقدار دوزخ میں بھیج دیئے جائیں گے جہاں وہ ہمیشہ کی زندگی جئیں گے۔ اور اپنی جزا و سزا میں مبتلا رہیں گے۔

قریش کا یہ نظریہ دلوں میں بیٹھ گیا اور آج تک تمام مسلمان لفظ قیامت سے یہی مطلب سمجھتے ہیں اور قرآن میں استعمال شدہ اس سلسلے

کے تمام الفاظ کو لفظ قیامت میں سمو کر ایک ہی آخری دن بنا دیا ہے۔یعنی یوم الدین بھی قیامت ہے یوم الحساب بھی قیامت ہے۔ الســـاعة بھی قیامت یوم الآخر بھی قیامت ہے یوم الجزا بھی قیامت ہی ہے۔حالانکہ یہ سب الگ الگ الفاظ ہیں اور نہ صرف الفاظ الگ الگ ہیں بلکہ یہ سب الگ الگ ادوار بھی ہیں۔جیسا کہ خطبہ نمبر 137 میں ذکر ہوا بہاء اللہ اور باب نے لفظ قیامت سے نبیؐ کی بعثت یا ظہور مراد لیا ہے سچ مچ کے مرنے اور زندہ ہونے کو بدل کر ہدایت پانے کو زندہ ہونا قرار دیا اور گمراہ ہونے کو موت یا مرنا بتایا ہے۔یعنی اِن دونوں نے اپنی نبوت و رسالت کے ڈھونگ کو لفظ قیامت میں لپیٹ کر غلط ترجموں کے ساتھ پیش کیا ہے۔اور قیامت کو چوں چوں کا مربہ بنا کر رکھ دیا ہے۔

3۔ قیامت کے لفظی معنی و مراد اور قرآن کے مطابق عملی صورت حال۔

لفظ قیام کے معنی ''کھڑے ہونے'' کے ہیں اور قیام کا مونث ''قیــامة'' ہے۔اور اس کے معنی بھی قیام کی طرح کھڑا ہونا ہی ہیں فرق یہ ہے کہ یہ کسی قوم کا کھڑا ہونا ہے۔اور چونکہ ساری قوم کبھی بھی ساری کی ساری بیک وقت کھڑی نہیں ہوتی۔اس لئے خود بخود اس کا مفہوم کسی قوم کو بیک وقت کھڑا کر لینا ہو گئے۔یعنی ایک ایسا زمانہ آئے گا جب قوموں کو کھڑا کیا جائے گا۔یعنی اُنہیں اُن کی فطری اور بھیڑ چال پر نہیں رہنے دیا جائے گا۔جیسا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام سے اس وقت تک رہتی چلی جارہی ہیں۔ بلکہ اُن کو لفظ (قوم) کے معنی سکھائے جائیں گے یا لفظ قوم کے مطابق تیار کیا جائے گا۔یہاں رک جایئے اور دیکھئے کہ لفظ قوم کا مادہ۔ق۔و۔م۔ ہے اور مصدر قــومًا ہے۔اور اسی مادہ اور مصدر سے بنتے ہیں الفاظ قَامَ یعنی کھڑا ہوا۔یَقُوْمُ ''یعنی کھڑا ہوتا ہے'' یا ''کھڑا ہوگا''۔ قِیَامٌ کھڑا ہونا۔قِیَامَۃٌ کھڑی ہونا۔ مَقَامٌ کھڑے ہونے کی جگہ یا مقام، مُقِیْمٌ قَامَۃٌ۔قِیْمَۃٌ۔مُسْتَقِیْمٌ۔اِسْتِقَامَۃٌ۔قِوَامٌ۔قَیُّوْمٌ۔ قَائِمٌ۔اسی طرح پچاسیوں الفاظ بنتے چلے جاتے ہیں اور اُن سب کی بنیاد یا مادہ۔ق۔و۔م ہے۔اس لئے عرض کیا گیا کہ قوموں کو قوم بننے کی تعلیم دی جائے گی۔انہیں سکھایا جائے گا کہ تمہیں قوم کیوں کہا جاتا تھا؟ اور تم قوم کے بجائے کیا بنے رہے؟ اس تعلیمی زمانہ کو قرآن میں لفظ قیــامة یا قیامت سے یاد کیا گیا ہے۔اور یہ تعلیم شروع ہوتے ہی قیامت شروع ہو جائے گی اور اس تعلیم کے ختم ہوتے ہی قیامت ختم ہو جائے گی۔جو ہستی یہ تعلیم شروع کرے گی اُسے اسلام میں قائم کہا گیا ہے یعنی قائم آل محمدؐ علیہ السلام۔اور اُن کے اعلانِ ظہور کے دن سے قیامت شروع ہو جائے گی۔یہ بہت طویل زمانہ ہوگا۔قیامت کے اسی طویل زمانہ کے مختلف ادوار کے نام ہیں۔یوم الدین وغیرہ جو اوپر مذکور ہوئے ہیں۔

4۔ حضرتؑ کے پہلے جملے کو متعین کرنے کے لئے لفظ نِقَاش کو متعین کرنا ازبس ضروری ہے۔

گو پہلے جملہ میں الفاظ اَلْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِــرِیْنَ آئے ہیں اور اولین و آخرین کو جمع کرنے کی بات بھی فرمائی گئی ہے اس لئے نہج البلاغہ کے مترجمین اور شارحین قیامت کے تمام مذکورہ ادوار کو پھلانگ کر یوم الاخر یا قیامت کا آخری دور سمجھے ہیں اور اُس لفظ کو قطعاً نظر انداز کر دیا ہے جو اس جملے میں کلید یا کنجی کا کام دیتا ہے۔اور وہ قیامت کی اصل غرض و غایت و مقصد کو بیان کرنے کے لئے بولا گیا ہے۔چنانچہ پہلا جملہ دوبارہ سامنے لائیں۔فرمایا ہے کہ: وَذٰلِکَ یَوْمٌ یَجْمَعُ اللّٰہُ فِیْہِ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ لِنِقَاشِ الْحِسَابِ وَجَزَآءِ الْاَعْمَالِ ؛

ترجمہ ''اور وہ وہ دن ہوگا جس دن اللہ مواخذہ اور حساب کی چھان بین کیلئے اور اعمال کی جزا دینے کیلئے روزِ اول سے لے کر روزِ آخر تک کی تمام مخلوقات کو جمع کرے گا۔''

یہاں ہم نے ''لِنِقَاشِ'' کے معنی ''چھان بین'' کر کے کام چلانا چاہا ہے۔مگر اس لفظ کو پوری طرح واضح کرنے کے لئے پہلا قدم یہ ہے کہ اس لفظ

کا مادہ یا بنیاد۔ ن۔ق۔ش۔ ہے۔اسی مادہ سے روزمرہ بولے جانے والا لفظ نقشہ بنتا ہے۔ پہلا سیدھا سادا مطلب یہ ہے کہ:

''مواخذہ، حساب اور جزا کا نقشہ بنانے کا دن، جس میں پوری نوع انسان ہی نہیں بلکہ ساری مخلوقات کے جمع کرنے کی ضرورت ہوگی۔''

5۔ لفظ نقاش کے معنی اُردو عربی ڈکشنری سے دیکھ کر جملہ کا مطلب سمجھئے۔

یہاں میں کراچی کے عربی کالج کی بنیاد رکھنے والے اور مہتمم کی تیار کی ہوئی لغت کی سیر تجویز کرتا ہوں بسم اللہ کیجئے:

(نَقَشَ، نَقْشًا) مختلف رنگوں سے نقش ونگار کرنا اور مزین کرنا، طرح طرح کے رنگوں سے رنگنا۔2۔ بیل بوٹے ڈالنا۔کشیدہ کاری کرنا۔ پچی کاری کرنا۔3۔کھجور کے خوشے کو پکانے کے لئے کانٹوں سے مارنا۔4۔ پیر سے کانٹا نکالنا۔کسی کے پیر سے کانٹا کھینچ نکالنا۔5۔بکری کے باڑے وغیرہ کو کنکر کانٹے وغیرہ سے پاک صاف کرنا۔6۔نہایت وضاحت کرنا۔7۔انگوٹھی کے نگینہ پر نقش کرنا۔8۔بال کو موچنے سے اُکھیڑنا۔

(نَقَّشَ) مختلف رنگوں سے نقش ونگار کرنا۔

(نَاقَشَ) ہُ الْحِسَاب، حساب کی تفصیل سختی سے لینا۔2۔جھگڑا کرنا۔3۔ایک ایک چیز کا اور ذرا ذرا سی بات کا حساب لینا۔

(اِنْتَقَشَ) مقروض سے پورا وصول کر لینا۔

(تَنَقَّشَ) سارا وصول کر لینا کچھ نہ چھوڑنا۔

(**المعجم الاعظم جلد 5 صفحہ 2986-2985**) مرتبہ جناب محمد حسن الاعظمی۔

اِس لغت کو دیکھنے کے بعد اُس نقشے کی تفصیل سامنے پھر جانا چاہئے جو مطلوب ہے۔یعنی کوئی چھومنتر نہ کیا جائے گا بلکہ ہر چھوٹا بڑا عمل اپنی پوری عملی تصویر کے ساتھ سامنے لایا جائے گا اور ہر عمل کی قرآن میں مذکور جزا دی جائے گی۔جس کیلئے کروڑوں سال کا عرصہ درکار ہوگا۔دوسری طرف نوع انسان کو وہ ترقی کرائی جائے گی جس سے وہ دُور رہتا چلا آیا۔تفصیل کے لئے خطبہ نمبر 28 ملاحظہ ہو۔

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر: 101

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 102

خُطبه «140»

1۔ دنیا اور اس کا سامان، 2۔ اللہ کے رحم کا حق دار، 3۔ عالم کو مرتبہ شناس ہونا چاہیے۔ 4۔ جاہل اپنی قدر و منزلت نہیں پہچانتا۔ 5۔ وہ مومنین جو ہدایت کے چراغ ہیں۔ 6۔ وہ زمانہ جب اسلام کو اوندھا کر دیا جائے گا۔ 7۔ اللہ ظلم نہیں کرتا اللہ آزمائش میں ضرور ڈالتا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اُنۡظُرُوۡا اِلَى الدُّنۡيَا نَظَرَ الزَّاهِدِيۡنَ فِيۡهَا ؛ اَلصَّادِفِيۡنَ عَنۡهَا ؛	1	تم اس دنیا کو سمجھنے کے لئے ان لوگوں کی نظر سے دیکھو جنھوں نے اس دنیا سے دوری اور بے توجہی اختیار کر رکھی ہے۔
فَاِنَّهَا وَاللّٰهِ عَمَّا قَلِيۡلٍ تُزِيۡلُ الثَّاوِىَ السَّاكِنَ ؛	2	قسم بخدا کہ بہت جلد یہ دنیا اپنے باشندوں کو بڑی بے دردی سے اپنے سے الگ کر دے گی۔
وَتُفۡجِعُ الۡمُتۡرَفَ الۡاٰمِنَ ؛	3	اور امن و چین میں رہنے والے خوش حال لوگوں کو پریشانی اور غم و اندوہ میں مبتلا کرے گی۔
لَا يَرۡجِعُ مَاتَوَلّٰى مِنۡهَا فَاَدۡبَرَ ؛	4	جس چیز پر قابو اور تسلط ہو وہ اس دنیا سے پیٹھ پھیرنے کے بعد واپس نہیں آتی ہے۔
وَلَايُدۡرىٰ مَاهُوَ اٰتٍ مِنۡهَا فَيُنۡتَظَرُ ؛	5	اور آنے والی چیز پر درایتی یعنی مادی ثبوت نہیں ہوتا جو اس کا یقین کے ساتھ انتظار کیا جا سکے۔
سُرُوۡرُهَا مَشُوۡبٌ بِالۡحُزۡنِ ؛	6	یہاں کی تمام مسرتیں حزن و ملال میں گھول کر ملتی ہیں۔
وَجَلَدُ الرِّجَالِ فِيۡهَا اِلَى الضَّعۡفِ وَالۡوَهۡنِ ؛	7	دنیا میں لوگوں کی قوت و ہمت روزانہ کمزوری اور ناتوانی کی طرف بڑھتی جاتی ہے۔
فَلَا تَغُرَّنَّكُمۡ كَثۡرَةُ مَايُعۡجِبُكُمۡ فِيۡهَا لِقِلَّةِ مَايَصۡحَبُكُمۡ فِيۡهَا ؛	8	تمھیں تمہاری پسندیدہ چیزوں کا کثرت سے موجود ہونا فریب میں مبتلا نہ کرنے پائے۔ ان میں سے جو چیزیں تمہارے ساتھ رہیں گی وہ بہت قلت میں ہیں۔
رَحِمَ اللّٰهُ امۡرَاً تَفَكَّرَ فَاعۡتَبَرَ، وَاعۡتَبَرَ فَاَبۡصَرَ ؛	9	اللہ اس شخص پر رحم کرے جو غور و فکر کر کے خبردار رہنے کا سبق لیتا ہے اور اس سبق سے بصیرت حاصل کرتا ہے۔

فَكَاَنَّ مَاهُوَ كَائِنٌ مِّنَ الدُّنْيَا عَنْ قَلِيْلٍ لَّمْ يَكُنْ ؛	10	دنیا کی مخصوص چیزیں تمام ہی جلد مفقود اور نابود ہو جائیں گی گویا وہ سب یہاں موجود تھی ہی نہیں۔
وَكَاَنَّ مَاهُوَ كَائِنٌ مِنَ الْاٰخِرَةِ عَمَّا قَلِيْلٍ لَمْ يَزَلْ ؛	11	اور یہاں کی آخرت میں کام آنے والی تمام چیزیں جلدی ہی سامنے آجائیں گی گویا وہ ہمیشہ سے موجود تھیں۔
وَكُلُّ مَعْدُوْدٍ مُنْقَضٍ ؛	12	وہ تمام چیزیں جو شمار میں آتی ہیں ختم ہونے والی ہیں۔
وَكُلُّ مُتَوَقَّعٍ اٰتٍ ؛	13	اور جس چیز کی یقین کے ساتھ آمد متوقع ہو اسے آیا ہی سمجھو۔
اَلْعَالِمُ مَنْ عَرَفَ قَدْرَهٗ ؛	14	عالم وہ ہے جسے اپنی قدر (مقدر) کی معرفت حاصل ہو۔
وَكَفٰى بِالْمَرْءِ جَهْلًا اَنْ لَّا يَعْرِفَ قَدْرَهٗ ؛	15	اور کسی آدمی کے جاہل ہونے کیلئے اس قدر ہی کافی ہے کہ اپنی قدر (مقدر) کا تعارف نہ ہو۔
وَاِنَّ مِنْ اَبْغَضِ الرِّجَالِ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى لَعَبْدًا وَكَلَهُ اللّٰهُ اِلٰى نَفْسِهٖ ؛	16	حقیقتاً دنیا میں تمام انسانوں سے زیادہ اللہ کو وہ شخص ناپسند ہے جسے اللہ نے آزاد کر کے اُس کی ذات کو اُس کے حوالہ کر دیا ہو (یعنی روکنے ٹوکنے والا کوئی نہ ہو)
جَائِرًا عَنْ قَصْدِ السَّبِيْلِ سَائِرًا بِغَيْرِ دَلِيْلٍ	17	اور وہ سیدھے راستے سے ہٹا ہوا ور بلا دلیل جو چاہے کر لیتا ہو اور
اِنْ دُعِيَ اِلٰى حَرْثِ الدُّنْيَا عَمِلَ ؛	18	اگر اسے دنیا کمانے کے دعوت دی جائے تو خوشی سے عمل کرتا ہے۔
وَاِنْ دُعِيَ حَرْثِ الْاٰخِرَةِ كَسِلَ ؛	19	اور اگر آخرت کمانے کی دعوت دی جائے تو سُستی کرتا ہے۔
كَاَنَّ مَاعَمِلَ لَهٗ وَاجِبٌ عَلَيْهِ وَكَاَنَّ مَاوَنٰى فِيْهِ سَاقِطٌ عَنْهُ ؛	20	گویا دنیا کمانے کا عمل کرنا اس پر اللہ کی طرف سے واجب تھا۔ اور جس پر عمل کرنے میں سستی کی ہے وہ اللہ نے اس کے ذمہ سے ساقط کر رکھا ہے۔
وَذٰلِكَ زَمَانٌ لَا يَنْجُوْفِيْهِ اِلَّا كُلُّ مُؤْمِنٍ نُّوَمَةٍ ؛اِنْ شَهِدَ لَمْ يُعْرَفْ، وَاِنْ غَابَ لَمْ يُفْتَقَدْ ؛	21	اور وہ زمانہ ایسا ہوگا کہ اس میں صرف وہ مومن محفوظ رہے گا جو اس زمانہ سے ہٹ کر سوتا رہے گا اور سامنے آئے تو کوئی پہچان نہ سکے اور غائب ہو تو کوئی تلاش کرتا نہ پھرے۔
اُولٰئِكَ مَصَابِيْحُ الْهُدٰى، وَاَعْلَامُ السُّرٰى	22	وہی مومنین ہدایت کے روشن چراغ ہیں اور رات کے اندھیروں میں راہروؤں کے لئے دور سے نظر آنے والے جگمگاتے سنگِ میل یا نشان۔
لَيْسُوْا بِالْمَسَايِيْحِ ؛ وَلَا الْمَذَايِيْعِ الْبُذُرِ	23	وہ لوگوں کے درمیان فتنہ وفساد پھیلانے کے لئے لوگوں کے عیب اور برائیاں پھیلاتے نہیں پھرتے ہیں۔
اُولٰئِكَ يَفْتَحُ اللّٰهُ لَهُمْ اَبْوَابَ رَحْمَتِهٖ	24	وہی وہ مومن ہیں جن کیلئے اللہ اپنی رحمت کے دروازے کھولتا (مضارع حال

وَيَكْشِفُ عَنْهُمْ ضَرَّاءَ نِقْمَتِهِ ؛		اور مستقبل دونوں معنی دیتا ہے) ہے اوران سے اپنے مواخذے کی سختیاں اور تکلیفیں دور کرتا ہے اور کرے گا۔
اَيُّهَا النَّاسُ سَيَأْتِي عَلَيْكُمْ زَمَانٌ يُكْفَأُ فِيهِ الْإِسْلَامُ كَمَا يُكْفَأُ الْاِنَاءُ بِمَا فِيهِ ؛	25	اے لوگو جلد ہی تمہارے اوپر وہ زمانہ آئے گا جب اسلام کو اوندھا کر دیا جائے گا جیسے کسی برتن کو جلد خالی کرنے کیلئے الٹ کر اوندھا کر دیا جاتا ہے۔
اَيُّهَا النَّاسُ، اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَعَاذَكُمْ مِنْ اَنْ يَّجُوْرَ عَلَيْكُمْ ؛	26	اے لوگو یقیناً اللہ نے تمہیں اس بات سے بچایا ہوا ہے کہ وہ تم پر جور وستم کرے (یعنی ظلم وزیادتی نہیں کرتا ہے)
وَلَمْ يُعِذْكُمْ مِنْ اَنْ يَّبْتَلِيَكُمْ ؛	27	اور تمہیں آزمائشوں میں مبتلا کرنے سے محفوظ نہیں کیا گیا ہے۔
وَقَدْ قَالَ جَلَّ مِنْ قَائِلٍ : اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ (23/30)	28	لہٰذا اس بزرگ ہستی نے قرآن میں کہا ہے کہ :۔’’یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں اور اگر چہ ہم آزمائشیں تو کرتے ہی رہتے ہیں‘‘

تشریحات:

خطبہ اپنے ترجمہ کے الفاظ سے ہی عام فہم اور واضح ہے۔اور پورے خطبے میں کوئی ایسا پہلو نہیں ہے جسے پڑھ کر ذہن میں کوئی اُلجھن یا پیچیدگی پیدا ہوتی ہو۔سارا خطبہ ایک نصیحت کی صورت میں رواں دواں چلتا ہے۔ یہ بات دوہرے معنی رکھتی ہے کہ اِس دنیا کو سمجھنے اوراس سے تعلق رکھنے کے لئے اُسے اُن لوگوں کی نظر سے دیکھو جو دنیا میں رہتے ہوئے بھی اس سے کنارہ کش رہتے ہوں اوراس کی طرف سے بے توجہی برتتے ہوں۔اسلئے کہ وہ لوگ تمہیں اپنی بصیرت اور تجربے سے ایسی باتیں بتانے کی پوزیشن میں ہیں جو تمہیں بہت تجربوں اور ٹھوکریں کھانے اور نقصان اُٹھانے کے بعد معلوم ہوں گی۔اور ممکن ہے کہ تم پہلے ہی جھٹکے میں کوئی ایسی چوٹ کھا بیٹھو کہ پھر مزید تجربے کی گنجائش اور موقع ہی باقی نہ رہے۔

پھر اِس دنیا کا بے دردی سے الگ کر دینا روزمرہ دیکھنے میں آتا رہتا ہے۔دُنیا اس کی فکر نہیں کرتی کہ کڑیل جوان موت کے منہ میں جارہا ہے اور بڈھے ماں باپ پیچھے چھوڑے جارہے ہیں۔منتوں مرادوں سے پالا ہوا بچہ گود میں دم توڑ رہا ہے اور ماں آنسو بہارہی ہے۔یہاں دیوالے نکلتے رہتے ہیں۔فالج گرتے رہتے ہیں۔جسے صبح مسکرا کر رخصت کیا تھا شام کو اُس کی چکنا چور لاش مردہ خانہ سے بمشکل ملتی ہے۔ابھی بس میں سفر کررہے تھے ابھی لاشیں ٹرک میں بھری جارہی ہیں۔بڑی بے رحم ہے دُنیا۔اُس سے رحم وکرم کی اُمید کرنا بڑی غلط اُمید ہے۔

یہاں کی مسرت وراحت کو ٹٹول کر دیکھو گے تو اُسی میں لپٹی ہوئی تکلیفیں اور چھپے ہوئے رنج وغم مل جائیں گے۔یہاں صرف اُن سہولتوں،مسرتوں اور خوشیوں کو لیا کرو جن میں اس طرح کی تکلیف ورنج وتشویش پوشیدہ نہ ہو۔جو چندروزہ نہ ہو۔جو کسی غلط چیز کے سہارے پر قائم نہ ہو۔کہ سہارا ہٹتے ہی گر پڑے اور تم ہکا بکا رہ جاؤ۔

یہ حقیقت اندھوں کو بھی نظر آتی ہے کہ جوانی ڈھلتی ہے۔بڑھاپا حملہ آور ہوتا ہے۔طاقت کمزوری سے بدلتی ہے۔ناتوانی غالب آجاتی ہے۔لہٰذا سوچنے اور جاننے کی بات یہ ہے کہ کیسے بڑھاپے،کمزوری وناتوانی کو روک دیا جائے؟ اگر یہ ایک بات حاصل ہو جائے تو اس پر دنیا کی تمام نعمتیں قربان کی جاسکتی ہیں۔مگر نہ آپ نہ میں نہ کوئی اور اس پہلو پر سوچتا ہے۔یقین کرلیا ہے کہ بڑھاپا،کمزوری اور ناتوانی ناگزیر ہیں۔ضرور

آ کر رہیں گے۔مگر کیوں؟اس لئے کہ چاروں طرف اُنہیں آتا ہوا دیکھا جارہا ہے۔ یہ تو اس لئے کہ چاروں طرف آپ ہی کے ہم خیال وہم یقین لوگ رہتے ہیں۔کوئی ادھر نہیں سوچتا ہے۔ ہر چیز کا ایک سبب ہوتا ہے ایک علت ہوتی ہے۔ یہاں کوئی کام بلاسبب اور بلا علت نہیں ہوتا۔ بڑھاپے، کمزوری اور ناتوانی کا بھی ضرور کوئی سبب کوئی وجہ کوئی علت لازم ہے تم ہمیشہ سے نہ بڈھے تھے نہ کمزور وناتواں تھے۔کیوں؟ سوچو اور مل کر سوچو اور سوچتے رہو۔ اسلام تو اس ضابطے کا نام ہے۔ جو سلامتی کا ضامن ہے۔تمہاری جوانی کیوں سلامت نہیں رہتی۔تم فنا کی طرف یعنی کمزوری اور ناتوانی کی طرف کیوں بڑھتے ہو، یقیناً تم اسلام یا ضابطۂ سلامتی کی خلاف ورزی کرتے ہو۔سوچو اور سوچتے رہو۔سربراہ اسلام علیہ السلام سے پوچھو۔

اُن چیزوں کی فہرست بناؤ جو ہمیشہ اور ہر حال میں تمہارے ساتھ رہیں گی یا رہ سکتی ہیں یا رکھی جاسکتی ہیں۔کرنے کا کام یہ ہے کہ جو چیزیں ہمارے ساتھ نہ رہ سکتی ہوں اُن کو ایسی چیزوں سے بدل لو جو ضرور ساتھ رہیں گی۔مثلاً دولت ہمارے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ساتھ نہیں جاسکتی۔ لہٰذا دولت کو ضرورتمندوں پر خرچ کردو اب وہ دولت ایسی صورت میں تبدیل ہو جائے گی کہ دس گنا زیادہ ہو کر تمہارے ساتھ رہے گی۔ساتھ چلے گی۔مطلب یہ ہے کہ اپنا اکاؤنٹ اور حساب آسمان کے خزانوں میں جمع کرو۔

سب سے بُرے اور ناپسندیدہ لوگ وہ بتائے ہیں جن کو اللہ نے آزاد چھوڑ دیا ہے۔یعنی اُن کی اصلاح وہدایت سے ہاتھ کھینچ لیا ہے۔ اُن کو اُن کے اعمال میں غلطی اور خرابی نظر نہیں آنے دیتا اور اُن کے اعمال کو اُن کی نظر میں سجا کر دکھاتا ہے۔تاکہ وہ اپنی گمراہی اور تباہی میں ترقی کرتے چلے جائیں۔ لہٰذا اگر آپ کو اپنے اعمال میں کوئی نقص،کوئی خرابی اور خامی نظر نہیں آتی تو چونکئے۔توبہ کیجئے۔اللہ سے دعا کیجئے تاکہ تم آزادی اور آوارگی کی فہرست سے نکل آؤ اور تمہاری اصلاح میں تمہیں مدد دی جانے لگے۔اور ناپسندیدہ فہرست سے تمہارا نام خارج کردیا جائے۔ ناپسندیدہ فہرست سے بچتے رہنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہر کام کرنے سے پہلے یہ دیکھا جائے کہ آیا اس کام کے کرنے کی تمہیں اجازت ہے یا نہیں؟ صرف وہ کام کرو جس کا حکم دیا گیا ہو۔اپنے خیال وقیاس وگمان کے مطابق عمل کرنا قطعاً بند کردو یعنی مجتہدانہ زندگی سے باز آجاؤ۔ ہمارا مسلک یہ ہونا چاہئے کہ وہی کہیں جو محمدؐ وآل محمد علیہم السلام نے کہا ہو اور وہی کریں جو انہوںؑ نے کرنے کا حکم دیا ہو۔اسی لئے اس شخص پر اللہ کی رحمت بتائی گئی ہے جو غور وفکر کرتا ہو ہمیشہ اپنا مقام یاد رکھو راہنما کی پوزیشن کبھی اختیار نہ کرو۔راہنما معصومؑ ہوتا ہے۔اور ہم سے قدم قدم پر غلطیاں ممکن ہیں۔

2۔ زمانہ غیبت میں حقیقی مومن کا رہن سہن اور راہنماؑ سے رابطہ۔

حضورؐ کے جملہ اکیس 21 تا چوبیس 24 میں وہ پروگرام سامنے رکھا گیا ہے جس پر زمانہ غیبت میں عمل کرنا لازم ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ حقیقی مومنین کو دنیا میں رہتے ہوئے اور تمام کاروبار زندگی بجالاتے ہوئے بھی اس طرح رہنا ہے کہ اُن کا دامن لوگوں کے ساتھ بندھ کر نہ رہ جائے۔وہ سامنے آئے تو تنہا سامنے آئے یعنی اُس کی حقیقی قابلیت، بصیرت، تجربہ، علم وہنر اور اُس کے لواحقین سامنے نہ آئیں۔ بالکل اُسی طرح جیسے ایک مسافر سرراہ دوسرے مسافروں کے سامنے آتا ہے بغیر بتائے کوئی یہ نہیں جان سکتا کہ وہ کہاں سے آیا ہے کہاں جائے گا؟ کیوں جارہا ہے؟ اس کے ماں باپ، بہن بھائی اور بچے کہاں ہیں؟ ہیں بھی کہ نہیں؟ وہ کتنا پڑھا لکھا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔اسی لئے فرمایا ہے کہ وہ سامنے آئے تو کوئی اُس سے متعارف نہ ہو اور نظروں سے اوجھل ہو جائے تو لوگ اُسے تلاش کرتے نہ پھریں۔یعنی اُس کا دامن یا ذمہ داریاں دوسروں کے دامن یا ذمہ داریوں سے بندھی ہوئی نہ ہوں۔کسی کو اُس کی ضرورت نہ پڑے۔مطلب یہ ہوا کہ اس کی اپنی ضرورتیں، ذمہ داریاں اپنے نظام غیبت سے

وابستہ ہوں۔ وہ اس مجمع میں اپنے نظام کی ضرورت اور ذمہ داری کے لئے آتا جاتا ہو۔ جیسے آپ اپنی ضرورت کے لئے مارکیٹ یا بازار یا دکاندار یا اہل ہنر کے پاس آتے جاتے ہیں۔ اور اپنے کام سے کام رکھتے ہیں۔ آپ کو کسی کے عیب و ہنر سے دلچسپی نہیں ہوتی صرف نظام کے سپردہ کام سے دل چسپی ہوتی ہے۔ ہر اچھے اور ہر بُرے سے ہمیں اپنا کام لینا ہے اور کامیابی سے لینا ہے اور بس۔ ناکامی کے تمام راستوں کو بند رکھنا ہے۔ اس پروگرام میں مومنانہ غور و فکر و تدبر سے اصلاح و اضافہ کرتے رہنا ہے۔ ایسے مومنین کو ہدایت کے چراغ فرمایا گیا ہے۔ اُن کیلئے اللہ و امام علیہم السلام کے رحم و کرم و نوازشات کے دروازے کھلے رہتے ہیں۔ اور خاص بات یہ ہے کہ کہیں بھی ہوں کوئی بھی منصب ہو کوئی بھی ڈیوٹی انجام دے رہے ہوں آپس میں نظام سے متعلق لوگوں سے مربوط رہنے کا انتظام کرنا اُن کی ذمہ داری ہے نظام کا جو آدمی انہیں دیکھے پوری طرح تعارف حاصل کر سکے اور میلوں سے میلوں کی طرح اپنی پوری حیثیت (Capacity) میں نمایاں رہتے ہوں۔ یہ بات ہر حقیقی مومن جانتا ہے کہ اسلام کو کب اُلٹا کیا گیا تھا۔ اسلام کو اُلٹا کرنے کی پیشنگوئی چونکہ حضورؐ نے کی ہے۔ یعنی وہ زمانہ ظاہر ہے کہ حضورؐ کے بعد آنا تھا۔ یعنی قریشی خلافت قائم کر لینے سے اسلام اُلٹا نہ ہوا تھا۔ قریشی خلافتیں یکے بعد دیگرے چلتی رہیں یہ اسلام کا اُلٹا ہونا نہیں کہلاتا یا تو بے دینی تھی۔ چلتی رہی۔ اسلام کو اُلٹا اُنہوں نے کیا جو اسلام پر باقی تھے اور صحیح پوزیشن کو مان رہے تھے۔ حاکم اعلیٰ امام معصومؑ کو مانتے تھے۔ جب اُنہوں نے امامؑ کی جگہ سنبھال لی خود راہنما بن بیٹھے۔ امام اور حجت اللہ کہلانے لگے۔ حالانکہ خاطی اور گنہگار تھے۔ تو اسلام اُلٹا ہو گیا خطا کاروں کے احکام معصومؑ اور اللہ کے احکام بنادئے گئے۔ غلط احکام پر ثواب ملنے کا عقیدہ چل نکلا۔ یعنی نظام معصوم کی جگہ نظام اجتہاد نے لے لی اور معصومؑ نظام نے غیبت اختیار کر لی۔ جس کیلئے حضرت علی علیہ السلام برابر تیاری کراتے چلے آ رہے تھے اور جس کی تعلیم ابھی ابھی سامنے سے گزر رہی تھی (خطبہ 140/21-24)۔

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر: 103

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 104

خُطبہ ﴿141﴾

1۔ نبیؐ کی بزرگی صفات اور کارکردگی۔2۔قریش کو دنیا کی لذتیں اور سہولتیں کب ملیں؟3۔ بعثت رسولؐ سے قبل دنیا اور قریش کا حال؟ بنی امیہ کا اقتدار؟4۔قریش کا اقتدار غالب اور راہنمایانؑ دین مغلوب اور تلواروں کی زد پر۔5۔آلِ محمدؐ کا انتقام لینے والا؟6۔بنی امیہ کے اقتدار کی منتقلی؟7۔سب آنکھوں سے اچھی آنکھ؟8۔واعظ باعمل چراغ ہدایت لئے ہوئے۔9۔ہلاکتوں کا پلندہ اُٹھائے پھرنے والا۔10۔قریش احکام خداوندی کے خلاف قوانین جاری کرانا چاہتے تھے۔11۔امامؑ کے فرائض کیا ہیں؟12۔حصول علم کا تقاضہ اور علم سے محروم رہ جانے کی فطری صورت۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حَتّٰی بَعَثَ اللّٰهُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَآله شَهِيۡدًا وَّبَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا ؛	1	دنیا چلتے چلتے یہاں تک آ گئی کہ اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کو مبعوث فرما دیا۔ انہیں عینی گواہ اور خوشخبریاں اور تنبیہات پہنچانے والا بنایا تھا۔
خَيۡرُ الۡبَرِيَّةِ طِفۡلًا وَّاَنۡجَبَهَا كَهۡلًا ؛وَاَطۡهَرَ الۡمُطَّهَّرِيۡنَ شِيۡمَةً؛	2	وہ پوری نوع انسان سے بہتر بچپن اور ساری کائنات سے افضل جوانی اور بڑھاپا دے کر بھیجے گئے اور تمام پاکیزہ لوگوں سے زیادہ پاک اور پاکیزہ خصائل کے ساتھ مبعوث کئے گے۔
وَاَجۡوَدَالۡمُسۡتَمۡطَرِيۡنَ دِيۡمَةً ؛	3	اور سخاوت وعطیات کی بارش کرنیوالوں میں سب سے زیادہ برسنے والے تھے
فَمَا اَحۡلَوۡلَتۡ لَكُمُ الدُّنۡيَا فِيۡ لَذَّتِهَا وَلَا تَمَكَّنۡتُمۡ مِّنۡ رَّضَاعِ اَخۡلَافِهَا اِلَّامِنۡ بَعۡدِمَا صَادَفۡتُمُوۡهَا جَائِلًا خِطَامُهَا ؛ قَلِقًا وَّضِيۡنُهَا ؛	4	تم لوگ دنیا کی لذتوں اور آسائشوں سے اس وقت تک لطف اندوز نہ ہو سکے اور تمہیں اُس کے تھنوں سے دودھ پینے پر اس وقت تک قدرت نہ ہوئی جب تک یہ نہ دیکھ لیا کہ دنیا اُس اونٹنی کی طرح تمہارے سامنے حاضر ہے جس کی مہار جھول رہی ہے اور اسکا پالان ڈھیلا ڈھالا رکھا ہوا ہے (مطلب یہ ہے کہ تمہیں دودھ دینے والی اونٹنی بلامحنت اور بے دام مل گئی اور کوئی روک ٹوک نہ تھی)
قَدۡصَارَ حَرَامُهَا عِنۡدَ اَقۡوَامٍ بِمَنۡزِلَةِ السِّدۡرِ الۡمَخۡضُوۡدِ ؛	5	مذکورہ دنیا کی حرام چیزیں کچھ قوموں کیلئے اس بیری کی طرح ہوگئیں جس میں کانٹے نہ ہوں اور پھولی پھلی شاخیں جھکی ہوئی ہوں۔ (یعنی آسانی سے کھائیں)

وَحَلا لَهَا بَعِيدًا غَيْرَ مَوْجُودٍ ؛ وَصَادَ فُتُمُوهَا ؛	6	اور اس کی حلال چیزیں تو بہت دور اور موجود ہی نہ ہوں چنانچہ تم نے حرام سے خوب فائدہ اٹھایا۔
وَاللهِ ظِلًّا مَمْدُودًا اِلٰی اَجَلٍ مَعْدُودًا ؛	7	خدا کی قسم یہ دنیا ایک لمبے سایہ کی طرح ایک گنتی کے وقت تک موجود رہنے والی ہے۔
فَالْاَرْضُ لَكُمْ شَاغِرَةٌ وَاَيْدِيكُمْ فِيهَا مَبْسُوطَةٌ ؛	8	اور یہ زمین اپنے محافظ کے بغیر تمہارے قابو میں ہے اور تمہارے ہاتھ اس کے استعمال کے لئے کھلے ہوئے ہیں۔
وَاَيْدِى الْقَادَةِ عَنْكُمْ مَكْفُوفَةٌ ؛	9	اور حقیقی راہنماؤں اور محافظوں کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔
وَسُيُوفُكُمْ عَلَيْهِمْ مُسَلَّطٌ ؛	10	اور تمہاری تلواریں اُن راہنماؤں پر پوری طرح مسلط ہیں۔
وَسُيُوفُهُمْ عَنْكُمْ مَقْبُوضَةٌ ؛	11	اور اُن راہنماؤں کی تلواریں قبضے میں لے لی گئی ہیں۔
اَلا اِنَّ لِكُلِّ دَمٍ ثَائِرًا وَّلِكُلِّ حَقٍّ طَالِبًا ؛	12	خبردار رہو کہ ہر خون کا کوئی نہ کوئی بدلہ لینے والا ہوتا ہے۔اور ہر حق کو دبانے والے سے کوئی نہ کوئی حق کو طلب کرنے والا ہوتا ہے۔
اِنَّ الثَّائِرَ فِىْ دِمَائِنَا كَالْحَاكِمِ فِىْ حَقِّ نَفْسِهٖ ؛	13	اور ہمارے خون کا بدلہ لینے والا ایسے حاکم کی مانند ہے جو اپنے ہی حق کے بارے میں فیصلہ صادر کرتا ہو۔
وَهُوَ اللّٰهُ الَّذِىْ لَايُعْجِزُهٗ مَنْ طَلَبَ، وَلَا يَفُوْتُهٗ مَنْ هَرَبَ ؛	14	اور وہ اللہ ہے جو ہمارا بدلہ لے گا اور جسے وہ بدلے کے لئے بلائے گا وہ اللہ کو بے بس نہیں کرسکتا اور اللہ سے بھاگنے والا بھی بچ نہیں سکتا ہے۔
فَاُقْسِمُ بِاللّٰهِ يَابَنِىْ اُمَيَّةَ عَمَّا قَلِيْلٍ لِتَعْرِفُنَّهَا فِىْ اَيْدِىْ غَيْرِكُمْ وَفِىْ دَارِ عَدُوِّكُمْ	15	اے بنی اُمیہ میں اللہ کی قسم کھا کر بتاتا ہوں کہ جلد ہی تم لوگ اپنی دولت واقتدار کو اپنے دشمنوں کے ہاتھوں میں اور ان کے گھروں میں دیکھوگے۔
اَلا اِنَّ اَبْصَرَ الْاَبْصَارِ مَانَفَذَفِى الْخَيْرِ طَرْفُهٗ ؛	16	سب آنکھوں سے زیادہ دیکھنے والی وہ آنکھ ہوتی ہے جو نیکیوں اور اصلاح میں اترتی چلی جائے۔
اَلا اِنَّ اَسْمَعَ الْاَسْمَاعِ مَاوَعَى التَّذْكِيْرَ وَقَبِلَهٗ ؛	17	اور سب کانوں سے زیادہ اور اچھا سننے والا کان وہ ہوتا ہے جو نصیحتوں کو محفوظ کر کے انہیں عمل کے لئے قبول کرتا رہے۔
اَيُّهَا النَّاسُ اسْتَصْبِحُوْا مِنْ شُعْلَةِ مِصْبَاحِ وَاعِظٍ مُتَّعِظٍ ؛	18	اے لوگو اس واعظ کے چراغ سے شعلہ لے کر اپنے چراغ روشن رکھو جو اپنے وعظ کے مطابق اپنی زندگی گزارتا جارہا ہے۔
وَامْتَاحُوْا مِنْ صَفْوِ عَيْنٍ قَدْرُوِّقَتْ مِنَ الْكَدَرِ ؛	19	اور تم اس صاف وشفاف چشمے سے پانی کا ذخیرہ کرلو جو یقیناً ہر ملاوٹ سے محفوظ ہے۔

عِبَادَاللّٰهِ لَا تَرْ كَنُوْا جَهَالَتِكُمْ ؛	20	اے اللہ کے بندو اپنے ایام جاہلیت کے دین کی طرف نہ جھکو۔
وَلَا تَنْقَادُوْا اِلٰى اَهْوَائِكُمْ ؛	21	اور دینی احکام کو اپنی مصلحتوں اور اجتہاد سے نہ پرکھا (جانچا) کرو۔
فَاِنَّ النَّازِلَ بِهٰذَا الْمَنْزِلِ نَازِلٌ بِشَفَا جُرُفٍ هَارٍ ؛	22	چنانچہ جو مصلحتوں سے جانچنے اور اجتہاد کی منزل میں اترتا ہے وہ سیلاب زدہ دیوار کے پاس اترتا ہے جو گرا چاہتی ہے۔
يَنْقُلُ الرَّدٰى عَلٰى ظَهْرِهٖ مِنْ مَّوْضِعٍ اِلٰى مَوْضِعٍ لِّرَأْيٍ يُحْدِثُهٗ بَعْدَ رَاْيٍ ؛	23	وہ اپنے گمراہ کن اجتہاد کا پلندہ کمر پر اُٹھائے پھرتا ہے اور اس ضلالت کی گٹھڑی کو اسی طرح اِس کاندھے سے اُس کاندھے پر بدلتا جاتا ہے جس طرح اپنی رائے کو بار بار بدل کر اجتہاد کرتا ہے۔
يُرِيْدُ اَنْ يُّلْصِقَ مَا لَا يَلْتَصِقُ ؛	24	رائے بدلنے میں اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اپنی رائے پر کوئی دلیل چسپاں کردے جو کہ چپکتی نہیں ہے۔
وَيُقَرِّبُ مَالَا يَتَقَارَبُ ؛	25	اور اس طرح اپنے اجتہاد کو ذہنوں کے قریب اور قابل قبول بنانا چاہتا ہے جو قابل قبول بنتی نہیں ہے۔
فَاللّٰهَ اللّٰهَ اَنْ تَشْكُوْا اِلٰى مَنْ لَّايُشْكِىْ شَجْوَكُمْ ؛	26	چنانچہ تم اللہ سے ڈرو اور ایسے شخص کے سامنے مجتہدانہ شکوے لے کر نہ بیٹھو جو نہ ان کا تدارک کرے گا،
وَيَنْقُضُ بِرَأْيِهٖ مَاقَدْ اُبْرِمَ لَكُمْ ؛	27	اور نہ ہی وہ اپنی رائے سے اللہ کے احکام کو توڑ کر تمہارے اجتہاد پر چلے گا۔
اِنَّهٗ لَيْسَ عَلَى الْاِمَامِ اِلَّامَاحُمِّلَ مِنْ اَمْرِرَبِّهٖ ؛	28	امامؑ کا ذمہ تو یہ ہے کہ وہ حکمِ خداوندی کے مطابق فیصلے کرے اور جو کچھ اس کے پروردگار نے اسے سپرد کیا ہے اس کو پہنچائے (مثلاً)
اَلْاِبْلَاغُ فِى الْمَوْعِظَةِ .	29	نصیحت کر کے احکام خداوندی سمجھا کے پہنچادے اور ہر وہ
وَالْاِجْتِهَادُ فِى النَّصِيْحَةِ ؛	30	جدو جہد اور کوشش کرتا رہے جس سے نصیحت اثر انگیز ہو سکے۔
وَالْاِحْيَاءُ لِلسُّنَّةِ ؛	31	اور سنت رسولؐ کو زندہ رکھے۔
وَاِقَامَةُ الْحُدُوْدِ عَلٰى مُسْتَحِقِّيْهَا ؛	32	اور مستحقین پر شریعت کے تعزیری احکام نافذ کرتا رہے۔
وَاِصْدَارُ السُّهْمَانِ عَلٰى اَهْلِهَا ؛	33	اور لوگوں کے حصے کا مال و سامان ان کے حقداروں تک پہنچائے۔
فَبَادِرُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِ تَصْوِيْحِ نَبْتِهٖ ؛	34	تم کو چاہئے کہ علم حاصل کرنے میں لگ جاؤ قبل اسکے کہ اسکا سبزہ خشک ہو جائے۔
وَمِنْ قَبْلِ اَنْ تُشْغَلُوْا بِاَنْفُسِكُمْ عَنْ مُّسْتَثَارِ الْعِلْمِ مِنْ عِنْدِ اَهْلِهٖ ؛	35	اور قبل اس کے کہ اہل علم سے علم حاصل کرنے میں اپنی ہی ذاتی مصروفیات مشغول کرلیں جلدی جلدی علم حاصل کرلو۔

وَانْهَوْا غَيْرَكُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتَنَا هَوْاعَنْهُ ؛	36	دوسروں کو بھی عالمی ناپسندیدہ چیزوں پر عمل کرنے سے روکو اور خود بھی ان سے باز رہو۔
فَاِنَّمَا اُمِرْتُمْ بِالنَّهْيِ بَعْدَ التَّنَاهِيْ ؛	37	یہ اس لئے کہ برائیوں سے رکنے کا حکم تمہیں پہلے دیا گیا ہے اور دوسروں کو برائیوں سے روکنے کا حکم بعد میں دیا گیا ہے۔

تشریحات:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُن کی بعثت کے پہلے دن سے آخری دن تک یعنی تصریح کے ساتھ بچپن، جوانی اور بڑھاپے کے دوران شہید وبشیر ونذیر بتایا ہے۔اور تمام پاک ہستیوں سے زیادہ پاک قرار دیا ہے اور ساری مخلوقات سے بہتر وبرتر فرمایا ہے۔نوٹ کرنے کی بات یہ ہے کہ جس طرح پاکیزگی حضورؐ کی جسمانی اور داخلی چیز تھی اُسی طرح شہادت وبشارت ونذارت آپؐ کے جسم کا حصہ تھی کوئی خارجی یا بیرونی چیزیں نہ تھیں کہ کبھی موجود نہ ہوں اور پھر کبھی عطا کر دی گئی ہوں۔جن جن چیزوں یا صفات کا ذکر فرمایا ہے وہ سب اُن کے آلات واعضائے جسمانی کی طرح تخلیق سے اُن کے ساتھ تھیں۔یعنی بعثت اسی صورت میں ہوئی تھی جس صورت میں تخلیق ہوئی تھی اور اس کا تقاضا تھا کہ انہیں ہر اس نجاست سے پاک اور منزہ رکھا جائے جو قریشی افسانوں میں بیان ہوئی ہے۔مثلاً مشرکہ اور ناپاک عورت کا دودھ پینا یا ناپاک وحرام چیزوں کو استعمال کرنا۔یا ناپاک گود و بستر میں سونا یا ناپاک سانسوں کا چہرہ مبارک کو چھونا۔

2۔اہل عرب اور قریش کو رسولؐ اللہ کی بعثت کے بعد بلامحنت وکوشش نعمتیں ملنے لگیں مردار سے نجات ملی۔

قریش اور عرب کی ہر تاریخ سے یہ معلوم ہوگا کہ بعثتِ رسولؐ سے پہلے یہ لوگ چھپکلیاں، چوہے اور حشرات الارض مُردار جانور، اُبلا ہوا چمڑا کھا کر خوش ہوا کرتے تھے اور اِن چیزوں کو نعمت سمجھتے تھے۔اُن کی اس حالت کی طرف حضور علیہ السلام نے اشارہ فرمایا ہے۔دوسرے الفاظ میں اپنے خاندان کی توجہات اور احسانات کو یاد دلایا ہے۔جنہوں نے اِن ملاعین کو پستی سے اُٹھا کر متمدن اقوام کی صف میں کھڑا کیا۔شاہی درباروں میں اِن احسان فراموشوں اور محسن کُشوں کو کرسیاں ملنے لگیں۔قیصر روم اُن کے استقبال کو آنے لگا۔ملک کے اندر اور باہر اُن کی عزت کو چار چاند لگائے۔یہ سب کچھ حضرت عبدالمطلب علیہ السلام کے زمانہ تک ہو چکا تھا۔بعثت کے بعد اُن کی زندگی نعمت کی فراوانیوں سے بدل گئی۔تاکہ انہیں حرام خوری کا بہانہ نہ مل سکے۔اُن پر طیب وطاہر خوراک کھانے اور حرام کو چھوڑ دینے کا جائز تقاضہ شروع ہوا۔پاک وصاف کپڑے پہن کر محفلوں اور نمازوں میں شرکت کا حکم ملا۔تنگی وتنگ دستی پہلے دور کر دی گئی تو چوری اور چھین جھپٹ کو منع کیا گیا۔جائز صورتیں پہلے پیدا کی گئیں تو حرام اور زنا کی ممانعت کی گئی۔غم وتشویش والجھنوں کو راہ سے ہٹایا گیا تب شراب نوشی کو مذموم قرار دیا گیا۔مکانات دیئے گئے تو دروازوں میں سے داخلہ کا حکم ملا۔اونچے اخلاق کو عام کیا گیا تو بے حیائی اور بے شرمی سے روکا گیا۔چغل خوری، غیبت، طعن وطنز سے باز رہنے کو کہا گیا۔لوگوں کو غنی بنا دیا گیا تو سود خوری اور غریبوں کے خون چوسنے کو ناجائز قرار دیا گیا۔یہ سب کچھ عہد رسولؐ میں کر دیا گیا تھا۔لیکن اس کے باوجود حضرت علی علیہ السلام اُن سے فرما رہے تھے کہ تم حرام پر اس طرح ٹوٹ کر گرتے ہو جیسا کہ حلال کہیں موجود ہی نہ ہو یا کہیں بہت دور ہو۔حرام تمہارے لئے بے کانٹوں کی بیری کی مانند ہو گیا ہے جو بیروں سے لدی کھڑی ہو(خطبہ 141، جملہ 5 تا 6)اور ساری موجودہ اقوام پر حرام خوری کا جرم عائد فرما رہے ہیں۔کتنا

جلد قریش نے حرام کو اختیار کرلیا تھا حالانکہ اُن کے قابو میں حکومت واقتدار بھی تھا۔ تمام وسائل آمدنی اُن کے ہاتھ میں تھے اُن کو یاد دلایا جارہا ہے۔ اپیل کی جارہی ہے کہ یہ دنیا اور یہ عمر چندروزہ ہے ڈھلتے ہوئے سائے کی طرح ہے۔ اُنہیں طعنہ دیا جارہا ہے کہ یہ زمین تو اللہ کی ہے تم اسے بلا محافظ مال کی طرح دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہے ہو (خطبہ 141، جملے 7 تا 8)۔ صرف اسلئے کہ تمہارے راہنما اور حقیقی لیڈر کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ یہ بڑی بزدلانہ شرمناک صورتحال ہے کہ تمہاری تلواریں آزاد اور قتل عام میں مصروف ہیں اور دوسرے فریق کی تلواریں میان کے اندر بند ہیں۔ اور تم اُن خالی ہاتھ لوگوں پر تیغ آزمائی میں مصروف ہو؟ (خطبہ 141، جملے 9 تا 11)۔

3۔ قریش کو قتل وغارت کے انتقام سے خبردار فرمایا ہے اپنے انتقام لینے والے کو ایسا حاکم فرمایا ہے جو ذاتی انتقام لے گا۔

یہاں حضورؑ نے رجعت کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور بدلہ لینے والے کو ایک ایسا خودمختار حاکم فرمایا ہے جو خود اپنا بدلہ لے گا اور جس سے بچ کر نکل جانا ممکن نہ ہوگا۔ بات کو صیغہ راز میں رکھنے کے لئے صورت حال کو اللہ کے پردے کے پیچھے کردیا ہے (14-141/12 خطبہ)۔
اس کے بعد بنی اُمیہ کو خبر دی ہے کہ بہت جلد اُن کا اقتدار وحکومت اُن کے دشمنوں کے قبضے میں آجائے گا (141/15 خطبہ)۔

4۔ مجتہدانہ طرزفکروعمل سے باز رکھنے پر بیان دیا ہے مجتہدانہ رویہ کی مثالیں دی ہیں اور اُسے ایام جاہلیت کا مذہب ومسلک فرمایا ہے ۔

پہلے یہ نوٹ کرلیں کہ قرآن کریم میں دین خداوندی سے ہٹ کر فیصلے کرنے والوں کیلئے چند الفاظ کو مذموم قرار دیا گیا ہے۔ اُن میں سے بدترین اور خالص مذموم لفظ '' اَھْوَاءٌ '' ہے۔ پھر لفظ '' خَرَصٌ '' ہے '' ظَنٌّ '' ہے '' رَائے '' ہے۔ وفاتِ رسولؐ کے بعد تو قریش نے صاف اعلان کردیا کہ علم کا دروازہ بند ہوگیا۔ اب اللہ کی طرف سے ہدایت قطعاً بند ہے۔ قرآن میں تمام ضروری احکام موجود نہیں ہیں۔ حدیث بھی ضروریات انسانی پر احاطہ نہیں کرتی۔ لہٰذا اب قرآن وحدیث کو سامنے رکھ کر اپنے اجتہاد ورائے اور قیاس وظن سے اللہ کے حکم کا پتہ لگایا جائے گا۔ اور جس فیصلے پر دانشوران قوم کی کثرت متفق ہوجائے گی اُسی فیصلے کو اللہ ورسولؐ کا فیصلہ سمجھ کر اُمت پر نافذ کردیا جائے گا۔ جس کی تعمیل تمام مسلمانوں پر واجب ہوگی۔ لہٰذا قریش کے یہاں ذاتی رائے۔ قیاس وظن وخرص اور اھواء کی گرم بازاری ہوگئی اور ہزاروں ایسے احکام ومسائل تیار کرلئے گئے جو نہ قرآن میں تھے نہ حدیث میں اُن کا پتہ تھا۔ چونکہ اُن مسائل واحکام پر سب متفق نہ تھے اسلئے اختلاف پیدا ہوا اور کئی ایک فرقے وجود میں آگئے اور چھنٹتے چھنٹاتے اِن چار فرقوں پر اجماع ہوگیا یعنی حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی۔ اور یہ طے ہوا کہ حق اِن چاروں فرقوں میں ہے کوئی اکیلا فرقہ حق پر نہیں ہے۔ ورنہ باقی تین فرقوں کو باطل پر کہنا پڑے گا۔ یہ تو وہ کہانی ہے جو ابوبکر وعمر وعثمان کی خلافتوں کو برحق ماننے والوں نے بہت مدت کے بعد سوچ سمجھ کر گھڑی تھی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ قریش اور قریشی لیڈر عہد رسولؐ ہی میں مذکورہ بالا چاروں الفاظ کو برابر استعمال کرکے رسولؐ سے الگ اپنی قوم کو سمجھانے کیلئے مسائل اور احکام بناتے رہتے تھے۔ اور اللہ نے قرآن میں جگہ جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبردار کیا ہے کہ قریش کے اَھْواء ظن وخرص سے بچ کر اور ہوشیار رہیں اور یہاں تک کہہ دیا کہ یہ لوگ تمہیں ضروریات کا چکر دے کر اپنے طریقے پر چلا لینے کی اسکیم بنائے ہوئے ہیں مثلاً فرمایا کہ:

وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِیْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِیَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا O وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيْلًا O (بنی اسرائیل 74-17/73)

ترجمہ '' اور اے نبیؐ قریش نے تم سے ہماری بھیجی ہوئی وحی کے خلاف احکام جاری کرانے کی کوشش میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے

اور تمہیں طرح طرح کے چکر دیئے ہیں تا کہ تم ہماری وحی کے خلاف کچھ نہ کچھ ضرور کہہ گزرو۔ اگر تم اُن کی مرضی کے مطابق چل کھڑے ہوتے تو وہ ضرور تم کو اپنا دوست بنالیتے اور وہ تمہیں ایسے موڑ پر لے آئے تھے کہ تم کو اگر ہم نے مضبوط نہ بنایا ہوتا تو تم ضرور کچھ نہ کچھ اُن کی طرف جھک جاتے۔''

معلوم ہوا کہ قریشی راہنما خود رسولؐ کو قرآن کی ایسی تعبیرات پر لگانا چاہتے تھے جو منشائے خداوندی کے خلاف جاتی تھیں۔ لیکن بظاہر کوئی مخالفت نظر نہ آتی تھی۔ مگر اللہ یہ چاہتا تھا کہ خود سے قرآن کی تعبیرات اختیار نہ کی جائیں بلکہ قرآن کے الفاظ میں براہ راست احکام دیئے جائیں تا کہ تعبیر کے غلط نکل جانے کا اندیشہ ہی نہ رہے۔ اس لئے مسلسل تین مرتبہ یہ حکم دیا گیا کہ:

وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ۔۔۔ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔۔۔ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ O (مائدہ 5/44-45,47)

ترجمہ ''جو کوئی قرآن میں نازل شدہ الفاظ کے ساتھ حکم نہ دے وہ کافر ہے.... وہ ظالم ہے.... وہ فاسق ہے''۔

لہٰذا اللہ نے غور و خوص اور تعبیر و تفسیر اور قیاس اور رائے اور ظن و خرص اور مصلحت اندیشی یعنی اہواء کا راستہ بند کر دیا اور تقاضہ کر دیا کہ ہر حکم قرآن میں نازل شدہ الفاظ کے اندر دیا جائے گا اور کسی اور طریقے سے احکام دیں گے وہ اسلامی نہیں بلکہ کافرانہ، ظالمانہ اور فاسقانہ احکام ہوں گے۔ اِسی لئے رسولؐ اللہ سے فرمایا گیا کہ:۔

وَاِنْ تُطِعْ اَکْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ یُضِلُّوْکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ ھُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ O (انعام 6/116)

ترجمہ: ''اے نبیؐ اگر آپ دنیا کے تمام باشندوں کی کثرت کی اطاعت کرنے لگیں تو وہ انسانی کثرت تمہیں اللہ کی راہ سے گمراہ کر دے گی اِس لئے کہ وہ دانشوروں کی کثرت تو صرف ظن اور خرص کی پیروی کیا کرتے ہیں۔''

ظن اور خرص کے معنی پرویزی لغات القرآن سے ۔

اِن دونوں کے معنی پرویز کی لغات القرآن سے دیکھیں جو مذہب شیعہ کے سب سے بڑے متعصب مخالف اور دشمن ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

''اَلْخَرْصُ۔ اندازہ کرنا۔ تخمینہ لگانا۔ یعنی غیر یقینی چیزوں میں محض ظن و گمان سے کچھ کہنا۔ اِس اعتبار سے ہر ظنی و تخمینی بات، بلکہ جھوٹی بات، کو اَلْخَرْصُ کہتے ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے۔ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ ھُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ O (انعام 6/116) ''یہ لوگ صرف ظن کا اتباع کرتے ہیں اور محض اٹکل پچّو باتیں کرتے ہیں۔ سورہ ذاریات میں ہے قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ (51/10) ''محض ظن و قیاس کی اتباع کرنے والے تباہ و برباد ہو جائیں گے۔'' حقائق کی بنیاد یقین پر ہوتی ہے۔ اس لئے دین کا سارا مدار یقین پر ہے۔ کوئی ظنی اور قیاسی بات دین نہیں بن سکتی۔ قرآن کریم کا ایک ایک لفظ اپنی اصلی شکل میں ہمارے پاس محفوظ ہے۔ اس لئے یہ یقینی طور پر دین ہے۔ اور حق و باطل کے پرکھنے کا حقیقی معیار ہے۔ راغب اصفہانی نے کہا ہے کہ ظن و تخمین سے کوئی بات کہنا، خواہ حق کے مطابق ہی کیوں نہ ہو، کذب (جھوٹ) ہے۔ اس اعتبار سے خَرّٰاص کے معنی کَذّٰاب (بہت بڑا جھوٹا) ہوتے ہیں۔ قرآن کریم کا دعویٰ ہے کہ ظن و تخمین کا اتباع کرنے والے تباہ ہوں گے۔ لہٰذا دین میں ظنّیات کا اتباع کرنے والے قرآن کریم کے دعویٰ کی رُو سے کبھی کامیاب و کامران نہیں ہو سکتے خود ہماری اپنی حالت اِس کی زندہ شہادت ہے۔'' (جلد دوم صفحہ 588-587)

یہاں قارئین کو سمجھ کر یہ فیصلہ کر لینا چاہئے کہ پرویز اور اُس کے ہم مذہب لوگ جو قریش اور ابوبکر و عمر و عثمان و عائشہ وغیرہ کے راستے پر چلے وہ آج

ناکام ونامراداور گمراہ ہیں اور اسلئے ناکام ونامرادو گمراہ ہیں کہ اُنہوں نے ظن وتخمین وخرص واَھواء اور قیاس اور رائے کو اپنا راہنما بنا کر قرآن کے معنی ومطالب ومفاہیم کا تعین کیا اور معنی ومطالب ومفاہیم کے متعین کرنے کی اس کوشش کا اصطلاحی نام اُنہوں نے اجتہاد رکھا اور اس اجتہادی کوشش سے اُنہوں نے اپنے لئے احکام وعقائد اخذ کئے اور آج تک کر رہے ہیں اور ماشاء اللہ گمراہ وناکام ونامراد رہے ہیں۔ یہاں یہ نوٹ کرلیں کہ لفظ اجتہاد کا مادہ۔ ج۔ ھ۔ د۔ ہے۔اور بالکل صحیح معنی جدوجہد یا کوشش کرنے کے ہیں۔لیکن قریش نے لفظ اجتہاد کو شرعی اصطلاح بنایا اور اس کے معنی وہ کوشش یا جدوجہد کرلئے جس میں عقل کے تمام آلات کو یعنی وہم وخیال وگمان وقیاس وتخمین وخرص واھواء اور رائے کو مختلف حیثیتوں سے استعمال کر کے کسی نتیجے پر پہنچا جائے۔لہٰذا اُن کے اجتہاد میں استعمال ہونے والے اِن تمام (آٹھ) الفاظ کو ہم بحیثیت مجموعی بھی اجتہاد کہیں گے اور اِن میں ہر تنہا لفظ کو بھی اجتہاد ہی قرار دیں گے۔اب آپ حضرت علی علیہ السلام کے اُن جملوں کو دوبارہ پڑھیں جن میں حضورؐ قریش کو حرام پر ٹوٹ کر گرنے پر مطعون کرتے آئے ہیں (15-141/4 خطبہ)۔ پھر آپؑ نے اچھی آنکھوں اور کانوں کی شناخت بیان کی ہے (17-141/16 خطبہ)۔ اور پھر اپنی پیروی کرنے اور راہ راست کا ذخیرہ کرنے کی طرف متوجہ کیا ہے (19-141/18)۔اِس کے بعد آپ نے قریش کو ایام جاہلیت کے دین کی پیروی سے روکنے کی بات کرتے ہوئے (20)۔اجتہاد سے باز رکھنے میں مدد دیتے ہیں اور لفظ اَھـــو آء سے روکتے ہیں (21)۔اور وہی بات فرماتے ہیں جو ابھی ابھی ہم پرویز کے قلم سے لکھ چکے ہیں کہ اَھـــو آء کی منزل میں اُترنے والے لوگ ایسی دیوار کے سائے میں بیٹھتے ہیں جسے سیلاب نے ایسا کر دیا ہے کہ جو اچانک اُن کے اوپر آ گرے گی اور سب کو موت کے یعنی تباہی وبربادی کے گھاٹ اُتار دے گی۔ چنانچہ قریش نے اُس اجتہادی دیوار کو اپنی منزل بنائے رکھا اور نتیجہ پرویز کے قلم سے بھی وہی نکلا جو حضور علیہ السلام نے چودہ سو سال پہلے بتا دیا تھا۔اور ثابت ہوگیا کہ قریش دین اسلام پر نہیں تھے اپنے دین جہالت پر قائم تھے (22-20)۔

5۔ مجتہد کے عمل درآمد کا صحیح خاکہ اور اجتہاد کی قدم بقدم تصویر پیش کردی۔

اِس کے بعد حضرت علی علیہ السلام نے قریشی لیڈروں کی اور یہود ونصاریٰ کے مجتہدین کی وہ ظاہری وباطنی تصویر پیش کی ہے جو آپؑ خود اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور محسوس کرتے چلے آرہے تھے اس تصویر یا نظارہ سے پوری طرح لطف اندوز ہونے کیلئے قرآن کریم کی ایک آیت دیکھ لیں جو قریش کے سب سے بڑے لیڈر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کے مدِ مقابل مجتہد کیلئے چند بنیادی باتیں کہتی ہے۔

وَلَا تُطِعۡ مَنۡ اَغۡفَلۡنَا قَلۡبَهٗ عَنۡ ذِكۡرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰهُ وَكَانَ اَمۡرُهٗ فُرُطًا O وَقُلِ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّكُمۡ فَمَنۡ شَآءَ فَلۡيُؤۡمِنۡ وَّمَنۡ شَآءَ فَلۡيَكۡفُرۡ اِنَّاۤ اَعۡتَدۡنَا لِلظّٰلِمِيۡنَ نَارًا .... الخ (18/28-29 الکہف)

ترجمہ: ''اے رسوؐل آپ اُس شخص کی اطاعت نہ کریں جس کا دینی کاروبار سارا کا سارا حق سے ہٹنے میں حد سے بڑھا ہوا ہے اور اُس نے اپنے اجتہاد کی پیروی اختیار کرلی ہے اور ہم نے اُس کے دل کو قرآن ورسوؐل کی طرف سے غافل کر دیا ہے۔اور یہ اعلان کردو کہ حق سارا کا سارا تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے چنانچہ جو چاہے مان لے اور جو چاہے حق کو چھپالے۔یقیناً ہم نے ظالموں کے لئے آگ تیار کر رکھی ہے''۔

اب اُسی شخص کا حال حضرت علی علیہ السلام یوں بیان کرتے ہیں کہ وہ مجتہد اپنے قوانینِ اجتہاد کی گٹھڑی اُٹھائے اُٹھائے پھرتا ہے اور پیش آمدہ حالات وواقعات کو اُس گٹھڑی میں لپٹے ہوئے قوانین پر فٹ کرنے میں مصروف رہتا ہے، تھک جاتا ہے تو ترتیب بدل بدل کر موزونیت کی تلاش

کرتا ہے۔ جگہ جگہ رائے کو بدل بدل کر دیکھتا ہے اور ہر دفعہ نئی سے نئی دلیل سوچتا ہے اور لوگوں کیلئے اپنے تراشیدہ احکام کو پسندیدہ اور مفید بنانے کیلئے عمدہ پہلو اختیار کرنے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ اور دل ہی دل میں محسوس کرتا ہے کہ کوئی دلیل نہ موزوں بیٹھ رہی ہے نہ راس آ رہی ہے اِسی اُدھیڑ بن میں دماغی آوارگی میں وقت گزارتا ہے(25-23)۔

6۔ مجتہدین اور اجتہاد زدہ لوگوں کو مایوس کر کے انہیں حقیقی امامؑ کی ذمہ داری اور طریقہ بتایا ہے۔

اس کے بعد حضورؑ نے قریشی صحابہ کو اپنی پوزیشن بتائی ہے اور کہہ دیا ہے کہ جو جو شکوے اور عذرات تم گھڑ کر لاتے ہو اُن کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے اور میں ایسی مجتہدانہ چیزوں کو کوئی مقام نہیں دیتا ہوں (26) میرا کام اپنی ذاتی رائے کو استعمال کرنا ہے ہی نہیں، میں اجتہاد اور اُس کے متعلقات سے کوئی تعلق نہیں رکھتا (27) اور پھر انہیں علم حاصل کرنے اور دین کو سمجھنے پر متوجہ کیا ہے تا کہ وہ اُن فرائض کو دلیل کے ساتھ سمجھ سکیں جو سربراہِ اسلام کی ذمہ داری ہے(33-28) اور اصلاح حال کی بنیاد بتا کر خطبہ مکمل کر دیا ہے(37-36)۔

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر: 104

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 105

خُطبہ ﴿142﴾

اسلام، رسوؐلِ اسلام اور مسلم صحابہ کا ایسا حال،

جس کی رُو سے آج تمام دعویداران اسلام بے دین، کافر و منافق اور دشمنانِ اسلام ہیں۔

1۔اسلام کے قوانین آسان، اس کے ارکان غالب و سر بلند ہیں۔2۔وابستگانِ اسلام مامون و معزز و محترم اور صاحبان عظمت، اور سب پر غالب۔3۔ستاروں میں جا بسنے والے قیامت میں مواخذہ کیلئے حاضر ہوں گے۔4۔رسوؐل کے درجوں میں ترقی جاری ہے۔5۔عہدِ مرتضویؑ کے مسلمانوں کا حال۔6۔اسلام، رسوؐل اور مسلمانوں کی تفصیلات بہترین انداز میں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ شَرَعَ الۡاِسۡلَامَ ؛	1	تمام حمد و ثنا اللہ کے لئے ہے جس نے اسلام کو شریعت بنایا ہے۔
فَسَهَّلَ شَرَائِعَهٗ لِمَنۡ وَّرَدَهٗ ؛	2	جو کوئی اسلام پر وارد ہوتا ہے اس کے لئے اسلامی قوانین کو آسان بنا دیا ہے۔
وَاَعَزَّ اَرۡكَانَهٗ عَلٰى مَنۡ غَالَبَهٗ	3	اور اسلام کے ارکان اور بنیادوں کو غلبہ دیا ہے ہر اس شخص پر جو اسلام پر غالب ہونا چاہے۔
فَجَعَلَهٗ اَمۡنًا لِّمَنۡ عَلِقَهٗ ؛	4	اسلام ہر اس شخص کو امن و چین فراہم کرتا ہے جو اس سے تعلق رکھے۔
وَسِلۡمًا لِّمَنۡ دَخَلَهٗ ؛	5	اور ہر اس شخص کو سلامتی عطا کرتا ہے جو اسلام میں داخل ہو جائے۔
وَبُرۡهَانًا لِّمَنۡ تَكَلَّمَ بِهٖ ؛	6	اور ہر اس شخص کو دلیل اور ثبوت فراہم کرتا ہے جو اسلام کی رو سے بات کرے۔
وَشَاهِدًا لِّمَنۡ خَاصَمَ بِهٖ ؛	7	اور جو کوئی اسلام کی رو سے مقابلہ کرے اس کے لئے گواہ بنتا ہے۔
وَنُوۡرًا لِّمَنِ اسۡتَضَآءَ بِهٖ ؛	8	جو اسلام کی روشنی چاہے اس کے لئے نور بن جاتا ہے۔
وَفَهۡمًا لِّمَنۡ عَقَلَ ؛	9	جو اسلام سے عقل کا کام لے اس کے لئے سوجھ بوجھ بن جاتا ہے۔
وَلُبًّا لِّمَنۡ تَدَبَّرَ ؛	10	اور تدبر کرنیوالے یعنی کامیاب عملی طریقہ سوچنے والے کیلئے حقیقت تک رسائی بن جاتا ہے۔
وَاٰيَةً لِّمَنۡ تَوَسَّمَ ؛	11	جو کسی نامعلوم چیز یا بات کی نشاندہی کرنا چاہے اس کے لئے معجزہ بن جاتا ہے۔
وَتَبۡصِرَةً لِّمَنۡ عَزَمَ ؛	12	اور ارادہ کرنے والے کے لئے بینائی بنتا ہے۔

وَعِبۡرَةً لِّمَنْ اتَّعظَ ؛	13	نصیحت قبول کرنے والے کے لئے سبق اور عبرت بن جاتا ہے۔
وَنَجاةً لِّمَنْ صَدَّقَ ؛	14	اور جو اس کی تصدیق کرے اس کی نجات بنتا ہے۔
وَثِقَةً لِمَنْ تَوَكَّلَ ؛	15	توکل کرنے والے کو اطمینان فراہم کرتا ہے۔
وَرَاحَةً لِّمَنْ فَوَّضَ ؛	16	جو خود کو سونپ دے اس کے لئے راحت ہے۔
وَجُنَّةً لِّمَنْ صَبَرَ ؛	17	صبر کرنے والے کے لئے سپر اور ڈھال ہے۔
فَهُوَ ابۡلَجُ الۡمَنَاهِجِ ؛	18	وہ تمام راہوں میں سیدھی اور روشن راہ ہے۔
وَاَوۡضَحُ الۡوَلائِجِ ؛	19	اور عقائد میں صحیح اور واضح تر ہے۔
مُشۡرِفُ الۡمَنَارِ ؛	20	اس کے راہنما مینارے، بلند ہیں۔
مُشۡرِقُ الۡجَوادِّ ؛	21	اس کی تمام راہیں روشن ہیں۔
مُضِئُ الۡمَصَابِيۡحِ ؛	22	اس کے چراغ روشنی پھیلانے والے ہیں۔
كَرِيۡمُ الۡمِضۡمَارِ ؛	23	مقابلے کے میدان میں سبقت کرنے والا ہے۔
رَفِيۡعُ الۡغَايَةِ ؛	24	اس کا انتہائی آخری مقصد بلند و بالا ہے۔
جَامِعُ الۡحَلۡبَةِ ؛	25	گھڑ دوڑ کے لئے بہتر گھوڑے پیش کرنے والا ہے۔
مُتَنَافَسُ السُّبۡقَةِ ؛	26	اس کی طرف سبقت کرنا پسندیدہ اور مقصود ہے۔
شَرِيۡفُ الۡفُرۡسَانِ ؛	27	اس کے مقابلے کے لئے نکلنے والے گھوڑے شریف نسل کے نامور گھوڑے ہیں۔
اَلتَّصۡدِيۡقُ مِنۡهَاجُهُ ؛	28	اس کے راستے اللہ اور رسولؐ کی تصدیق کرنے والے ہیں۔
وَالصَّالِحَاتُ مَنَارُهُ ؛	29	اس کے مینار صالح اعمال ہیں۔
وَالۡمَوۡتُ غَايَتُهُ ؛	30	اس کی حد وانتہا موت ہے۔
وَالدُّنۡيَا مِضۡمَارُهُ ؛	31	دنیا اس کی درسگاہ اور تربیت کی جگہ ہے۔
وَالۡقِيَامَةُ حَلۡبَتُهُ ؛	32	اور قیامت اسلام کے گھوڑوں کی جولان گاہ ہے۔
وَالۡجَنَّةُ سُبۡقَتُهُ ؛	33	اور جنت اسلام کا جائزہ اور نتیجہ ہے۔
حَتّٰى اَوۡرَىٰ قَبَسًا لِقَابِسٍ ؛	34	یہاں تک کہ رسولؐ اللہ نے ہدایت کے متلاشیوں کے لئے شعلۂ آتش بھڑکایا۔
وَاَنَارَ عَلَمًا لِحَابِسٍ ؛	35	اور نشانِ راہ ہدایت کو روشن کیا کہ گم گشتۂ راہ کو راستہ ملے۔
فَهُوَا اَمِيۡنُكَ الۡمَامُوۡنُ ؛	36	اے اللہ محمدؐ تیرا امانت دار امین ہے۔

وَشَهِيْدُکَ يَوْمَ الدِّيْنِ ؛	37	اور جس دن تجھے نتائج مرتب کرنا ہیں اس دن وہ ساری مخلوقات پر تیری طرف سے چشم دید گواہ ہوگا۔
وَبَعِيْثُکَ نِعْمَةً وَرَسُوْلُکَ بِالْحَقِّ رَحْمَةً ؛	38	اور تیرا بہت پیارا مبعوث کیا ہوا فضل و نعمت ہے۔ اور وہ رحمت کی صورت میں تیری طرف سے حق لے کر آنے والا رسوؐل ہے۔
اَللّٰهُمَّ اقْسِمْ لَهٗ مَقْسَمًا مِّنْ عَدْلِکَ ؛	39	تو انہیں اپنے عدل کے ساتھ ان کا حصہ تقسیم کردے۔
وَاجْزِهٖ مُضَاعَفَاتِ الْخَيْرِ مِنْ فَضْلِکَ ؛	40	اور اپنے فضل و کرم سے انہیں ان کے کردار کی جزا میں دہرے بڑھتے ہوئے بہترین حسنات عطا کر۔
اَللّٰهُمَّ اَعْلِ عَلٰى بِنَآءِ الْبَانِيْنَ بِنَآئَهٗ ؛	41	اے اللہ تو ان کی عمارت کو تمام عمارتوں پر اور عمارت بنانیوالوں پر بلندی عطا کر۔
وَاَکْرِمْ لَدَيْکَ نُزُلَهٗ ؛	42	اور اپنے پاس ان کی نہایت احترام اور اکرام سے مہمان نوازی کر۔
وَشَرِّفْ عِنْدَکَ مَنْزِلَتَهٗ ؛	43	اور اپنے یہاں اُن کے درجہ کو شرف و عزت بخشنا۔
وَاٰتِهِ الْوَسِيْلَةَ ؛	44	اور انہیں پورا اور مکمل وسیلہ عطا کرنا۔
وَاَعْطِهِ السَّنَآءَ وَالْفَضِيْلَةَ ؛	45	اور انہیں درجات کی بلندی اور ساری فضیلتیں عطا فرما۔
وَاحْشُرْ نَافِيْ زُمْرَتِهٖ غَيْرَ خَزَايَا ؛ وَلَانَادِمِيْنَ وَلَانَاکِبِيْنَ وَلَا نَاکِثِيْنَ وَلَا ضَالِّيْنَ وَلَا مُضِلِّيْنَ وَلَامَفْتُوْنِيْنَ ؛	46	اور ہمیں ان کے زمرے میں اس طرح اکٹھا کرنا کہ نہ ذلت و رسوائی سے ہمارا تعلق ہو نہ ہمیں ندامت سے سابقہ پڑے اور نہ ہمیں حق سے انحراف و روگردانی ہو۔ اور نہ عہد شکنی ہم پر عاید ہو سکے۔ اور نہ ہم گمراہوں میں شمار ہوں نہ گمراہ کرنے والوں کے ساتھی ہوں اور نہ فتنہ پردازی سے سروکار ہو۔
وَقَدْ بَلَغْتُمْ مِّنْ کَرَامَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى لَکُمْ مَنْزِلَةً تُکْرَمُ بِهَا اِمَاؤُکُمْ ؛	47	اے صحابہ رسوؐل تم اللہ تعالی کے فضل و کرم سے ایسے مرتبے پر پہنچ گئے ہو کہ آج تمہارے ان مرتبوں کی بنا پر تمہاری کنیزوں کا بھی احترام کیا جا رہا ہے۔
وَتُوْصَلُ بِهَا جِيْرَانُکُمْ ؛	48	اور اسی مرتبے کی وجہ سے تمہارے پڑوسیوں سے بھی اچھا سلوک ہونے لگا ہے۔
وَيُعَظِّمُکُمْ مَّنْ لَا فَضْلَ لَکُمْ عَلَيْهِ ؛ وَلَا يَدَ لَکُمْ عِنْدَهٗ ؛	49	اور وہ لوگ بھی تمہاری عظمت کے قائل ہو گئے ہیں جن پر تمہیں کوئی بھی بزرگی حاصل نہیں ہے اور جن پر تمہارا کوئی دباؤ بھی نہیں ہے۔
وَيُهَابُکُمْ مَّنْ لَّا يَخَافُ لَکُمْ سَطْوَةً ؛	50	اور اُن کے دلوں میں بھی تمہارا ڈر بیٹھا ہوا ہے جو لوگ تمہاری برتری سے نہیں ڈرتے تھے۔
وَلَا لَکُمْ عَلَيْهِ اِمْرَةٌ ؛	51	اور نہ وہ تمہاری رعیت اور محکوم ہی تھے۔

وَقَدْتَرَوْنَ عُهُوْدَ اللّٰهِ مَنْقُوْضَةً فَلَا تَغْضَبُوْنَ ؛	52	اور تم دیکھ رہے ہو کہ آج اللہ سے کئے ہوئے معاہدے توڑے جا رہے ہیں مگر تمہیں معاہدے توڑنے والوں پر غصہ بھی نہیں آتا۔
وَاَنْتُمْ لِنَقْضِ ذِمَمِ اٰبَائِكُمْ تَاْنَفُوْنَ ؛	53	اور اگر تمہارے باپ دادا کی قائم کی ہوئی رسموں کو توڑا جاتا ہے تو تمہیں توڑنے والوں پر غصہ آجاتا ہے۔
وَكَانَتْ اُمُوْرُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ تَرِدُوَعَنْكُمْ تَصْدُرُ وَ اِلَيْكُمْ تَرْجِعُ ؛	54	حالانکہ اللہ کے تمام معاملات تمہارے ساتھ تعلق رکھتے رہے اور تمہارے ہی ہاتھوں انکے فیصلے صادر ہوتے رہے اور تم ہی سے ان پر وضاحت چاہی جاتی رہی ہے۔
فَمَكَّنْتُمُ الظَّلَمَةَ مِنْ مَنْزِلَتِكُمْ ؛	55	مگر تم نے اپنا مقام ظالموں کے حوالے کر دیا ہے۔
وَاَلْقَيْتُمْ اِلَيْهِمْ اَزِمَّتَكُمْ ؛	56	اور اپنی لگام اور اختیارات ان کے ہاتھوں میں پکڑا دی ہے۔
وَاَسْلَمْتُمْ اُمُوْرُ اللّٰهِ فِيْ اَيْدِيْهِمْ ؛	57	اور اللہ کے دین کے تمام کام اور ذمہ داریاں ان کے قبضے میں دے دیں۔
يَعْمَلُوْنَ بِالشُّبُهَاتِ وَيَسِيْرُوْنَ فِي الشَّهَوَاتِ ؛	58	اور وہ لوگ اپنے شبہات کے مطابق فیصلے کر رہے ہیں اور اپنی ذاتی یا قومی مصلحتوں اور ضرورتوں کے پورا کرنے کو دین سمجھتے ہیں۔
وَايْمُ اللّٰـهِ لَوْ فَرَّقُوْكُمْ تَحْتَ كُلِّ كَوْكَبٍ لَجَمَعَكُمُ اللّٰهُ لِشَرِّ يَوْمٍ لَّهُمْ ؛	59	اور سنو کہ اگر وہ لوگ تمہیں تمام ستاروں میں جدا جدا آباد کر دیں تو بھی اللہ تمہیں اس روز جمع کرلے گا اور وہ دن ان کے لئے بہت برا دن ہوگا۔

تشریحات:

پہلے اِس خطبے کی سب سے بُری اور دردانگیز صورت حال دیکھیں۔

یہ خطبہ نہایت شاندار مضامین پر مشتمل ہے۔ مگر آخر میں جا کر بہت عبرت انگیز اور سبق آموز ہو گیا ہے اور چاہتے ہیں کہ پہلے وہ تکلیف سنا کر اپنا دل ہلکا کرلیں اور حضورؐ کی جناب میں تعزیت کر کے ثواب کے مستحق ہو جائیں۔ چنانچہ خطبہ کا جملہ نمبر (142/47) سامنے لاتے ہیں حضورؐ اپنے مخاطبین سے فرمارہے ہیں کہ: وَقَدْ بَلَغْتُمْ مِّنْ كَرَامَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى لَكُمْ مَنْزِلَةً تُكْرَمُ بِهَا اِمَاؤُكُمْ ؛(142/47)

''اور یقیناً تم اللہ تعالیٰ کے کرم سے اِس منزلت (درجہ) تک پہنچ گئے کہ تمہاری کنیزوں کا بھی اکرام واحترام کیا جانے لگا۔''

ہم نے اس جملے کے ترجمہ میں اپنی طرف سے بطور مفہوم ''اے صحابہ رسولؐ'' کا اضافہ کر کے ترجمہ لکھا ہے۔ جسے پڑھتے ہوئے قاری کے دل میں ایک احترام قائم ہو جائے گا اور اسکے بعد مسلسل ایسے جملے فرمائے گئے ہیں جن سے یہ لوگ رسولؐ اللہ کے حقیقی صحابہ معلوم ہونے لگتے ہیں۔ کیسے معزز لوگ ہونا چاہئے اُن کو جن کے پڑوسی بھی اُن کی وجہ سے احترام کے قابل بن جائیں؟ اور اُن کے پڑوسی ہونے کی وجہ سے اُن کے ساتھ عمدہ سلوک کیا جانے لگے؟ (48) یہاں تک اُن صحابہ کی پوزیشن بنی رہتی ہے مگر اگلا جملہ (49) حقیقت کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور بتاتا

ہے کہ اُن سے زیادہ صاحبانِ عزت لوگ موجود ہیں مگر کچھ ایسے حالات پیدا ہوگئے کہ اُن سے زیادہ عظمت کے مالک لوگ بھی اُن کی عظمت ماننے پر مجبور ہوگئے تھے۔ حالانکہ اُن پر کوئی مادی دباؤ بھی نہ تھا۔ یعنی محض رُعب دَاب تھا جس کا اثر لیا جارہا تھا۔ اور اسی رُعب وداب سے وہ لوگ بھی ان سے ڈرنے لگے تھے جو نہ اُن کی رعیت تھے نہ اُن پر ان صحابہ کی حکومت ہی تھی۔ (جملہ نمبر 51-50) اس کے بعد آتی ہے اُن کی صحیح پوزیشن یعنی یہ وہی قریشی صحابہ تھے جو قریشی سازش کے ماتحت کوفے میں حضرت علی علیہ السلام کے چاروں طرف جمع رہتے چلے آرہے تھے اور برابر قریش اور معاویہ کے اشاروں پر مرتضوی حکومت کے خلاف اقدامات کرتے رہتے تھے اور موقع بہ موقع حضورؑ اِن کا شکوہ کرتے رہتے تھے۔ اُن سے طنزیہ اپیل فرمارہے ہیں کہ تم تھرڈ کلاس اور کمینہ لوگ تھے رسولؐ اللہ نے اپنے فداکاروں کی محنت اور قربانیوں سے اسلام کی عظمت کو دنیا کی بڑی حکومتوں پر ثابت کیا اور بہترین اخلاق سے مومنین کی عزت اور بزرگی قائم کی اور تم بھی مومنین میں رہنے کی وجہ سے اسلامی عزت وعظمت میں حصہ دار بن گئے اور دوسری قومیں اور قبائل مسلمان نام کے ہر شخص کا احترام کرنے لگے اور یوں تم بدترین و بزدل و ناہنجار لوگ ہوتے ہوئے صاحبانِ عزت لوگ بن گئے۔ تم ہی نہیں تمہاری کنیزیں بھی احترام کی نظر سے دیکھی جانے لگیں۔ تم نے اسلام کے نام پر یہ خوشحالی، عزت وعظمت تو حاصل کرلی مگر اسلام کی خدمت کا موقع جب آتا ہے تو تم لوگ منہ موڑ لیتے ہو۔ روزانہ اللہ سے کئے ہوئے عہد توڑے جاتے ہیں اور تم خاموشی سے تماشہ دیکھتے رہتے ہو۔ تمہیں نہ غصہ آتا ہے نہ برُا لگتا ہے۔ لیکن اگر تمہارے کافر باپ دادا کی رسوم ورواج کو توڑا جاتا ہے تو تمہارے ناک چڑھ جاتے ہیں، غصہ آتا ہے اور تم تدارک کے لئے اُٹھ کھڑے ہوتے ہو یعنی تم ایسے مومن ہو کہ تمہارے نزدیک اسلام اور اللہ سے بڑھ کر کافر اور کافروں کے رسم ورواج زیادہ قابلِ قدر ہوتے ہیں۔ آخر میں یہ بتایا ہے کہ ایک وقت ایسا تھا جب تم اللہ کے تمام کاموں میں حصہ لیتے تھے۔ تمہارے تعاون سے تمام فیصلے ہوتے تھے اور ہر ذمہ داری تمہیں بھی اُٹھانا پڑتی تھی اور ہر جوابدہی میں تمہیں بھی ماخوذ کیا جاتا تھا۔ یہ کیا ہوگیا کہ آج کل تم نے تمام اختیارات اور ذمہ داریاں بے دینوں کے حوالے کردی ہیں؟ حضورؑ کے اِن ہی جملوں میں اِن سوالات کے جوابات بھی ہیں اور وہ یہ کہ صحابہ کہلانے والے یہ لوگ اپنی اصلی پوزیشن میں آگئے ہیں۔ اسلام کا نقاب اُتار دیا ہے اور اپنا پورا تعاون قریش کی بے دین حکومت کو سونپ دیا ہے۔ تاکہ حضرت علی علیہ السلام کی حکومت اور اقتدار کمزور اور رفتہ رفتہ ختم ہوجائے۔

2۔ ستاروں اور فضاؤں میں آباد ہونے کی اطلاع اور محشر میں حاضری۔

یہ پیشگوئی چودہ سو سال قبل کردی گئی تھی کہ انسان کو اکب اور ستاروں تک جا پہنچیں گے اور یہ شرپسند قریشی قسم کے مسلمان بھی وہاں جا بسیں گے اور بخیالِ خود قیامت کے محاسبہ اور سزا سے محفوظ ہو جائیں گے اُس گروہ کو جناب مرتضٰی علیہ السلام نے مطلع کیا ہے کہ تم خواہ زمین پر ہو یا فضا میں چلے جاؤ تمہیں وہاں سے گھسیٹ کر ماخوذ کیا جائے گا۔ اور تمہیں تمہاری بے دینی، شرانگیزی اور قتل وغارت کی پوری پوری سزا دی جائے گی۔ یہ اطلاع یا پیش گوئی اپنی قسم کی پہلی اور خاص اطلاع ہے اور حضورؑ کے کائناتی علم وواقفیت پر زندہ ثبوت ہے۔

3۔ جوارِ محمدؐ وآل محمدؐ میں رہنے کی تمنا ہم کرتے ہیں اور جنت میں جانے کی تمنا قریشی مسلمان کرتے ہیں۔

یہاں تک وہ غم انگیز حالات مکمل ہوگئے اب چند خوش نصیبی کی باتیں سامنے آتی ہیں۔ حضرت علی علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں اللہ سے دعا کرتے کرتے اپنےؑ اور اہل بیتؑ کے اور حقیقی مومنین کیلئے اللہ سے گزارش فرماتے ہیں کہ ہمیں محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ کے زمرہ میں محشور کرنا۔ یعنی جو روزِ ازل سے محمدؐ کے ساتھ رکھے جانے والے ہیں اُن کے ساتھ ہمیں بھی شمار کرنا اور ایسی حالت میں شمار کرنا کہ

ہم سے رسوائی ندامت، سرکشی، انحراف، عہد شکنیاں وعدہ خلافیاں اور گمراہی دُور دُور رہیں۔(46) اور یہ اس لئے کہ آنحضرتؐ کی صحبت میں ایسے لوگوں کا رہنا اُن کی عزت وحرمت وعظمت کے خلاف ہے جو کسی قسم کے گناہ سے ملوث ہوئے ہوں۔اس دعا کے معنی دوسرے الفاظ میں یہ ہیں کہ محمدؐ وآل محمدؐ کے ساتھ وہ لوگ رکھے جائیں گے جن کی تمام برائیاں، تمام لغزشیں اور گناہ بدل کر نیکیاں بنادئے جائیں گے جیسا کہ وعدہ فرمایا گیا ہے کہ:

اِلَّا مَنۡ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِہِمۡ حَسَنٰتٍ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًاO(فرقان 25/70)

''جو لوگ اصلاح کیلئے متوجہ ہوں گے اور ایمان لاکر نیک عمل کرنے لگیں گے وہی لوگ ہوں گے جن کی برائیوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ تو اُن ہی لوگوں کے لئے غفور اور رحیم ہے۔''

آیت میں اُن لوگوں کی بات کی گئی ہے جو محمدؐ وآل محمدؐ کے دامن سے وابستہ ہونے سے پہلے پہلے غلط عقائد واعمال کے مرتکب ہوتے رہے تھے۔اُن کے غلط عقائد واعمال نیکیوں سے بدل کر انہیں حضرت علی علیہ السلام کی دعا کے مطابق جوارِ محمدؐ وآل محمدؐ میں رکھا جائے گا۔یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ہمارے لئے دوہرا ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے۔ایک تو عام ایمان ہے اور دوسرا خاص طور پر اُس مجسم حق پر ایمان لانا ہے جو رسولؐ پر خاص طور سے نازل کیا گیا تھا چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ:

وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوۡا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّھُوَ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّہِمۡ کَفَّرَ عَنۡہُمۡ سَیِّاٰتِہِمۡ وَاَصۡلَحَ بَالَہُمۡ O(محمدؐ 47/2)

''اور وہ لوگ جو ایمان لائیں اور نیک اعمال بجالائیں اور اُس مجسم حق پر بھی ایمان لائیں جو خاص طور پر محمدؐ پر نازل ہوا ہے۔اُن کی تمام برائیاں چھپادی جائیں گی اور اُنکے تمام بگڑے ہوئے حالات کو سنوار دیا جائے گا۔''

لہٰذا ہم اپنے قارئین سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ جب بھی خیال آجائے تو قرآن میں مذکور یہ دعا ضرور کیا کریں۔

رَبَّنَا فَاغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَکَفِّرۡ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الۡاَبۡرَارِ O(آل عمران 3/193)

''اے ہمارے پالنے والے تو ہماری حفاظت کا انتظام کردے تاکہ ہم متعلقات میں نہ اُلجھیں اور ہماری برائیوں کو چھپادے اور مخصوص نیک ہستیوں کے ساتھ وفات میں شامل کرلینا۔'' (آل عمران 3/193)

یہ اس لئے ضروری ہے کہ جوار آل محمدؐ میں جانے کیلئے ہمارا دامن ہر ناپسندیدہ چیز سے پاک وصاف ہونا ضروری ہے تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کو اللہ کے سامنے شرمندگی اور رسوائی کا سامنا نہ کرنا پڑے چنانچہ حقیقی مومنین کو دربار محمدؐ وآل محمدؐ میں رسائی دینے کیلئے پیشگی وعدہ فرمایا گیا ہے کہ:۔

عَسٰی رَبُّکُمۡ اَنۡ یُّکَفِّرَ عَنۡکُمۡ سَیِّاٰتِکُمۡ وَیُدۡخِلَکُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ یَوۡمَ لَا یُخۡزِی اللّٰہُ النَّبِیَّ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَہٗ نُوۡرُھُمۡ یَسۡعٰی بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِمۡ وَبِاَیۡمَانِہِمۡ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اَتۡمِمۡ لَنَا نُوۡرَنَا وَاغۡفِرۡلَنَا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌO(تحریم 66/8)

''قریب ہے کہ تمہارا پروردگار تمہاری تمام برائیوں کو چھپادے اور تمہیں اُس روز جنتوں میں داخل کردے جہاں نہریں بہتی ہوں گی جس روز اللہ اپنے نبیؐ کو رُسوا نہ ہونے دیگا اور نہ اُن لوگوں کو رسوائی کا سامنا کرنے دیگا جو ہمیشہ نبیؐ کے ساتھ ساتھ ایمان لاتے چلے آئے ہیں اور وہ برابر یہی کہتے جائیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے لئے ہمارے نور کو پورا کرتا رہ اور ہمیں تحفظ عطا فرماتا رہ بے شک تو تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔'' (تحریم 66/8)

لہٰذا ہمیں دن رات یہ کوشش کرتے رہنا چاہیئے کہ ہم سے ایسے اعمال وافکار دُور رہیں جو ہمارے راہنما حضرات علیہم السلام کو ناپسند ہوں۔ ہماری یہ کوشش ہی اللہ کو رضا مند کرے گی اور وہ خوش ہو کر ہماری برائیوں کو چھپا دے گا یا ہمارے گناہوں کو نیکیوں سے بدل کر ہمیں اس قابل بنا دے گا کہ ہم محمدؐ وآلِ محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کے حضور میں سرخروئی سے جاسکیں۔ بہر حال حضرت علی علیہ السلام کی اُس دعا کو نہ صرف یاد رکھئے بلکہ اُس معیار تک بلند ہونے کی فکر بھی رکھئے۔

4۔ حضورؑ پہلے اللہ کو خوش کرنے کے لئے نبیؐ کی مدح وثنا کرتے ہیں پھر آپؐ کے لئے اللہ سے دعا مانگتے ہیں۔

سورہ فاتحہ میں دعا کرنے کا طریقہ یہ بتایا ہے کہ پہلے اللہ کی وہ صفات بیان کی جائیں جن سے وہ ہم پر اپنا فضل وکرم اور نوازشات کرتا ہے اس کے بعد اللہ سے دعا کر کے جو کچھ ضروری ہو مانگا جائے۔ اسی اصول پر حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ نے حق کو تلاش کرنے والوں کے لئے راہنمائی کے لئے ہدایات کا شعلہ روشن کر دیا تاکہ حق سے بھٹکے ہوئے بھی وہاں تک رسائی پالیں (35-34)۔ پھر بتایا کہ تیرا رسولؐ بڑا امانت دار ہے (36)۔ جس روز تمام اچھے اور بُرے نتائج جمع کئے جائیں گے اُس دن وہ رسولؐ ساری کائنات پر چشم دید گواہی دے گا تاکہ ہر نتیجہ ٹھیک مرتب ہوسکے (37)۔ اُسے نعمت بنا کر تو نے بڑے پیار سے مبعوث کیا تھا اور حق اور رحمت فراہم کرنے والا رسولؐ بنایا تھا (38)۔ اِن حالات میں اَے اللہ تو اپنے عدل کے صدقے میں محمدؐ کا جو حصہ بنتا ہوا سے بہترین صورت میں اُن کو پہنچا دے (39)۔ یہ دعا (45-40) اپنے اندر ایک خاص جملہ رکھتی ہے جسے عام طور پر سمجھا نہیں گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ: وَاٰتِهِ الْوَسِيْلَةَ ؛ ''اور اُنہیں مخصوص وسیلہ یا سارے وسائل عطا فرمادے''۔ گو یہ لفظ عام ہے اور دن میں بار بار بولا جاتا ہے اور قرآن میں بھی اللہ نے اس لفظ کو بولا ہے۔ سنئے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْۤا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِىْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ O (مائدہ 5/35)

''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو تم اللہ کے سامنے ذمہ دارانہ کام کیا کرو اور اللہ تک رسائی کے لئے وسیلہ اختیار کرو اور اللہ کے دین کو قائم کرنے کے لئے جدوجہد کرتے رہو۔ شاید تم اس طرح کامیاب ہو جاؤ''۔

آیت میں کامیابی کے لئے تین حکم دیئے گئے ہیں۔ اول۔ ذمہ داری اور پرہیزگاری۔ دوم۔ وسیلہ اختیار کرنا۔ سوم۔ قیامِ دین میں جدوجہد کرنا۔

یہاں خاص طور پر نوٹ کرنے کی بات یہ ہے کہ اس آیت میں نہ نماز کا ذکر ہے نہ زکوٰۃ کی بات ہے نہ حج کا حکم ہے بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو قرآن میں لازم وواجب کی گئی ہیں۔ اُن میں سے صرف تین چیزوں کو لیا گیا ہے۔ جن میں تقویٰ اور جہاد قرآن میں جگہ جگہ اور بار بار بیان کیا گیا ہے۔ لیکن اللہ کی طرف وسیلہ کا حکم اور کہیں نہیں دیا گیا ہے۔ البتہ صرف ایک جگہ یہ بتایا گیا ہے کہ جو لوگ مشرکین کے نزدیک معبودیت کا درجہ رکھتے ہیں وہ تو خود ہی اللہ کی طرف قربت حاصل کرنے کیلئے وسیلہ کی تلاش میں ہیں۔ یعنی فرمایا ہے کہ:

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا O۔(17/57)

مودودی ترجمہ: ''جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ خود اپنے رب کے حضور رسائی حاصل کرنے کا وسیلہ تلاش کر رہے ہیں کہ کون اُس سے قریب تر ہو جائے اور وہ اُس کی رحمت کے امیدوار اور اُس کے عذاب سے خائف ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تیرے رب کا عذاب ہے ہی ڈرانے کے لائق۔'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 626-625)

مودودی کی تشریح:

''65؎ یہ الفاظ خود گواہی دے رہے ہیں کہ مشرکین کے جن معبودوں اور فریاد رسوں کا یہاں ذکر کیا جارہا ہے اُن سے مراد پتھر کے بت نہیں ہیں بلکہ یا تو فرشتے ہیں یا گزرے ہوئے زمانے کے برگزیدہ انسان۔ مطلب صاف صاف یہ ہے کہ انبیاؑ ہوں یا اولیا یا فرشتے کسی کی بھی یہ طاقت نہیں ہے کہ تمہاری دعائیں سنے اور تمہاری مدد کو پہنچے۔ تم حاجت روائی کے لئے اُن کو وسیلہ بنارہے ہو اور اُنکا حال یہ ہے کہ وہ خود اللہ کی رحمت کے امیدوار اور اُس کے عذاب سے خائف ہیں اور اس کا زیادہ سے زیادہ تقرب حاصل کرنے کے وسائل ڈھونڈ رہے ہیں۔''

(ایضاً جلد 2 صفحہ 625)

قارئین نے ان دونوں آیات اور اُن کا اپنا پرایا ترجمہ اور مودودی کی تشریح بھی دیکھ لی۔ معلوم ہوا کہ وسیلہ کا حاصل کرنا اللہ سے تقرب کے لئے ہے۔ یعنی دین کے باقی احکام وعبادات، بخشش اور جنت کے لئے کافی ہیں۔ لیکن اگر کسی کو براہ راست اللہ تک رسائی حاصل کرنا بھی مطلوب ہو تو وہ وسیلے کا محتاج ہے۔ اور وہ وسیلہ حاصل ہو جائے تو اُسے تقویٰ اور دین میں جدوجہد کافی ہے۔ اور دیگر انتظامی احکامات وعبادات کی اُسے ضرورت نہیں ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ سے ازلی اور کُلّی تقرب حاصل ہے۔ انہیں کسی وسیلے کی ضرورت کیا تھی اور وہ وسیلہ کیا ہے جس کو دیئے جانے کی حضرت علیؑ نے دعا کی ہے؟ اور نہ ہی اس کائنات میں اُنؐ سے بزرگ تر اور کوئی ہستی ہے جسے وسیلہ بنا کر اللہ کا تقرب حاصل کریں اور جب تقرب اپنی امکانی حدود تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ کو حاصل ہے تو اور تقرب کیا ہوگا؟

محمدؐ کا وسیلہ حضرت قائم آل محمدؑ، بارہویںؑ امام، بن حسن عسکریؑ ہیں، جو دین اسلام کو غالب اور نور کو مکمل کریں گے۔

یہاں بلا کسی شک وشبہ کے اور بلا ثبوت یہ ماننے میں کوئی تکلف نہیں ہوگا کہ جس نے قرآن میں تین دفعہ کئے ہوئے وعدہ (9/32-33، 48/28، 61/8-9) کو پورا کرنا ہے وہی رسولؐ کا وسیلہ ہے اور اس وسیلے کے دیئے جانے کا مطلب ظہور حضرت حجةؑ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔

5۔ دین اسلام جو کچھ دیتا ہے وہ مسلمانوں کے پاس نہیں ہے اور دین اسلام مسلمانوں کو جیسا بناتا ہے مسلمان ویسے نہیں ہیں۔

حضور علیہ السلام نے خطبے کو اسلام کی صفات سے شروع فرمایا ہے اور اس سلسلے میں تینتیس (33) جملے فرمائے ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ: ''قیامت اسلام کے گھوڑوں کی جولان گاہ ہے'' (142/32 خطبہ)۔ یہ جملہ رجعت کی پوری کارروائی کو اور انصارانؑ حضرت حجةؑ کی کارکردگی کو واضح کرتا ہے (دیکھو خطبہ نمبر 28) جنہیں حضرت آدمؑ کی قوم سے لے کر اعلان ظہور تک کی اقوام تک تمام قوموں کا محاسبہ کرنا اور جزا وسزا کا نظام ترتیب دینا ہوگا۔ رہ گئے باقی جملے اُن کے لئے دیکھ لو کہ آج جو مسلمان موجود ہیں۔ اُن میں سے کسی کو وہ چیزیں حاصل نہیں جو اسلام دیتا ہے۔ جتنا غور کیا جائے گا یہ یقین ترقی کرتا جائے کہ یہ مسلمان اسلام سے کوئی تعلق نہیں رکھتے بلکہ یہ دشمنان خدا اور رسولؐ ہیں۔ یہ سب یہود ونصاریٰ ہنود ومجوس وغیرہم سے بھی بدتر ہیں اُن سے بے دین وخدا کے منکر لوگ بہتر ہیں۔ اقبال خود ان ہی میں کا ایک فرد تھا وہ کہہ گیا ہے کہ:

؎ یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 106

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 107

خُطبہ 《143》

اللہ کی صفات مخلوقات کے وجود سے بھی ابھرتی ہیں۔رسولؐ کی تبلیغی کاوشیں اوراہل عرب ایک نئے انداز میں

1۔مخلوقات کے وجود سے مخلوقات کے سامنے عیاں۔2۔حجت و برہان فراہم کرکے دلوں کے اندر نمایاں۔3۔ایک ایسا طبیب جوتمام ادویات اورآلاتِ جراحی ساتھ لئے مریضوں کی تلاش کرتا اور صحت عطا کرتا پھرتا ہے۔4۔مریضوں کی کثرت خودکوصحت مند سمجھ کر معالجہ سے کتراتی ہے۔5۔حواس خمسہ پر غلط مذاہب نے پابندی لگادی تھی۔6۔مرکز ضلالت کا پرچم پھیلتا اور بے دینی پھیلاتا جارہا ہے۔7۔دین سے خارج اِسلامی مرکز بھی موجود تھا۔8۔لاقانونیت اور گناہوں پر اتحاد اور دین و پارسائی میں اختلاف۔9۔پبلک بھیڑیوں کی طرح اور حکمران درندوں کی طرح۔10۔اوسط درجہ کا طبقہ بدمست، غربا مردہ اور بے جان۔ 11۔سچائی دبی ہوئی اور جھوٹ وافترا اُبھرا ہوا۔12۔زنا سے جاری ہونے والانسب پسندیدہ، پاکدامنی مکروہ۔13۔اسلام کا لبادہ الٹا کرکے اوڑھنے کازمانہ۔14۔حقیقی سربراہؑ اسلام نے دین کوواضح کردیا تھا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الۡمُتَجَلِّیۡ لِخَلۡقِهٖ بِخَلۡقِهٖ ؛	1	تمام حمد وثنا اللہ کے شایان شان ہے جومخلوقات کو پیدا کرکے مخلوقات کے وجود کی دلیل سے مخلوقات پر نمایاں ہوا ہے۔
وَالظَّاهِرِ لِقُلُوۡبِهِمۡ بِحُجَّتِهٖ ؛	2	اور جو اپنی اٹل دلیلوں اور حجتوں کی وجہ سے مخلوقات کے قلوب کی گہرائی میں غالب وظاہر ہے
خَلَقَ الۡخَلۡقَ مِنۡ غَيۡرِ رَوِيَّةٍ ؛	3	جس نے بلا کسی غوروخوض وسوچ بچار کے مخلوقات کو پیدا کیا ہے۔
اِذۡكَانَتِ الرَّوِيَّاتُ لَاتَلِيۡقُ اِلَّابِذَوِی الضَّمَائِرِ ؛	4	اس لئے کہ سوچ بچار کرنا اورغوروخوض کے بعد کام کرنا تو ان ہستیوں کے لئے لازم ہوتا ہے جوقلب وذہن اور ضمیر رکھتے ہوں۔
وَلَيۡسَ بِذِیۡ ضَمِيۡرٍ فِیۡ نَفۡسِهٖ؛	5	اور اللہ اپنی ذات میں قلب وذہن وضمیر جیسے متعلقات سے مُبرّا ہے۔
خَرَقَ عِلۡمُهٗ بَاطِنَ غَيۡبِ السُّتُرَاتِ ؛	6	اللہ کا تو علم ہی ایسا ہے جس کے سامنے پوشیدہ چیزوں پر پڑے ہوئے پردے بھی پھٹے ہوئے ہیں۔
وَاَحَاطَ بِغُمُوۡضِ عَقَائِدِ السَّرِيۡرَاتِ ؛	7	اور تمام عقائدو سربند چیزوں کی گہرائی اس کے علم نے اپنے احاطہ میں لے رکھی ہے۔

اِخْتَارَهُ مِنْ شَجَرَةِ الْاَنْبِيَآءِ ؛وَمِشْكَاةِ الضِّيَآءِ وَذُؤَابَةِ ؛الْعَلْيَآءِ ؛وَسُرَّةِ الْبَطْحَآءِ وَمَصَابِيْحِ الظُّلَمِ ؛وَيَنَابِيْعِ الْحِكْمَةِ ؛	8	آنحضرتؐ کوانبیاؑ کے شجرے میں سے برگزیدہ اور منتخب کیا،اور روشنی کے مرکزی مقام سے چن لیا،اور بلندیوں کی پیشانی سے لیا۔بطحا کے علاقہ کی بھی ناف سے حاصل کیا۔اوراندھیرے کوروشنی میں تبدیل کردینے والے چراغوں سے متعین کیا۔اورحکمت کے چشموں میں سے ان کومنتخب کیا۔
طَبِيْبٌ دَوَّارٌ بِطِبِّهِ ؛	9	جوایسے طبیب تھے کہ اپنے علم طب کو لئے ہوئے مریضوں کی تلاش کیلئے دورے میں رہتے تھے۔
قَدْ اَحْكَمَ مَرَاهِمَهُ ؛	10	یقیناًانہوں نے زخموں کے مرہموں کا پکا بندوبست کررکھا تھا۔
وَاَحْمٰى مَوَاسِمَهُ ؛	11	اورجراحی کے آلات کوگرم کرکے جراثیم سے پاک کردیا تھا۔
يَضَعُ مِنْ ذٰلِكَ حَيْثُ الْحَاجَةُ اِلَيْهِ مِنْ قُلُوْبٍ عُمْيٍ وَّاٰذَانٍ صُمٍّ ؛وَّاَلْسِنَةٍ بُكْمٍ ؛	12	ان میں سے جس دواجس مرہم اورجن آلات کی جہاں ضرورت ہوتی تھی وہاں استعمال کرتے تھے۔اندھے دل والوں پر بہرے کانوں والوں پراور گونگی زبانوں والوں پر بہرحال۔
مُتَتَبِّعٌ بِدَوَائِهٖ مَوَاضِعَ الْغَفْلَةِ وَمَوَاطِنَ الْحَيْرَةِ ؛	13	وہ برابردوائیں لئے ہوئے غفلت زدہ لوگوں کے مقامات پرجاتااورحیرت زدہ لوگوں کے ٹھکانوں تک پہنچتا تھا۔
وَلَمْ يَقْدَحُوْا بِزِنَادِ الْعُلُوْمِ الثَّاقِبَةِ ؛	14	اورنہ تو اُن غفلت زدہ وحیرت زدہ لوگوں نے جگمگاتے علومِ حکمت سے فائدہ اٹھایااورنہ ہی علوم آفرین چقماق کورگڑ کرنورانی شعلے پیدا کئے۔
فَهُمْ ذٰلِكَ كَالْاَنْعَامِ السَّآئِمَةِ وَالصُّخُوْرِ الْقَاسِيَةِ ؛	15	وہ اس طبیب کی اُس مہم کے معاملے میں چرنے والے حیوانوں اورسخت پتھروں کی طرح ثابت ہوئے۔
قَدْ انْجَابَتِ السَّرَائِرُ لِاَهْلِ الْبَصَائِرِ ؛	16	مگرجولوگ بصیرت رکھتے تھےان پر پوشیدہ چیزیں بھی ظاہر ہوگئیں۔
وَوَضَحَتْ مَحَجَّةُ الْحَقِّ لِخَابِطِهَا ؛	17	اورجولوگ تلاش حق میں بھٹک رہے تھےان پرراہِ حق واضح ہوگئی۔
وَاَسْفَرَتِ السَّاعَةُ عَنْ وَّجْهِهَا ؛	18	اورمواخذہ کی گھڑی نے اپنے چہرے سے اپنی نقاب الٹ دی۔
وَظَهَرَتِ الْعَلَامَةُ لِمُتَوَسِّمِهَا ؛	19	اورجولوگ نشاندہی چاہتے تھےان پردین کی علامتیں واضح اورظاہر ہوگئیں۔
مَالِيْ اَرَاكُمْ اَشْبَاحًا بِلَا اَرْوَاحٍ ؛	20	مجھے کیا ہوا کہ میں تم لوگوں کوایسے جسموں کی حالت میں دیکھ رہا ہوں جن میں روح نہ ہو۔
وَاَرْوَاحًا بِلَا اَشْبَاحٍ ؛	21	اورایسی روحیں جن کا پیکرنہ ہو۔

وَنُسَّا كًابِلا صَلاحٍ ؛	22	اور ایسے عابد وزاہد جن میں پرہیزگاری نہیں ہے۔
وَتُجَّارًا بِلا اَرْبَاحٍ ؛	23	اور ایسے تاجر جو منافع سے محروم ہیں۔
وَاِيْقَاظًا نُوَّمًا ؛	24	ایسے بیدار جو سو رہے ہیں۔
وَشُهُوْدًا اغُيَّبًا ؛	25	ایسے حاضر جو غائب ہیں۔
وَنَاظِرَةً عَمْيَآ ؛	26	دیکھنے والے اندھے۔
وَسَامِعَةً صَمًّا ؛	27	سننے والے بہرے۔
وَنَاطِقَةً بُكْمًا ؛	28	بولنے والے گونگے۔
رَأَيْتُ ضَلالَةٍ قَدْ قَامَتْ عَلٰى قُطْبِهَا ؛ وَتفرَّقَتْ بِشُعَبِهَا ؛	29	گمراہی کے پرچم بڑے اہتمام وانتظام سے گاڑ دیئے گئے ہیں اور ان کو کئی شعبوں میں تقسیم کردیا گیا ہے۔
تَكِيْلُكُمْ بِصَاعِهَا ؛	30	تمہاری تباہی کے لئے اپنے پیمانوں سے تمہیں تولا جارہا ہے۔
وَتَخبِطُكُمْ بِبَاعِهَا ؛	31	اور تمہیں ادھر اُدھر بھٹکانے کے لئے اپنی قوت استعمال کررہا ہے۔
قَائِدُهَا خَارِجٌ مِنَ الْمِلَّةِ ؛	32	اس کا قائد وراہنما ملت اسلامیہ سے خارج ہے۔
قَائِمٌ عَلَى الضَّلالَةِ ؛	33	اور وہ گمراہی پر جما کھڑا ہے۔
فَلا يَبْقٰى يَوْمَئِذٍ مِنكُمْ اِلَّاثُفَالَةٌ كَثُفَالَةِ الْقِدْرِ ؛	34	اس روز تم میں کوئی نہ بچے گا سوائے گرے پڑے لوگوں کے اسی طرح جس طرح دیگ کی کھرچن کے جھاڑنے سے کچھ ذرّے گرجاتے ہیں۔
اَوْ نُفَاضَةٌ كَنُفَاضَةِ الْعِكْمِ ؛	35	یا جس طرح کسی تھیلے کو الٹ کر جھاڑنے سے کچھ جھڑتا ہے۔
تَعْرُكُكُمْ عَرْكَ الْاَدِيْمِ ؛	36	گمراہی تمہیں اس طرح مسل ڈالے گی جس طرح صاف کرنے کے لئے چمڑے کو مسلا جاتا ہے۔
وَتَدُوْسُكُمْ دَوْسَ الْحَصِيْدِ ؛	37	اور جس طرح اناج الگ کرنے کے لئے کٹی ہوئی فصل کو گاھا جاتا ہے۔
وَتَسْتَخْلِصُ الْمُؤْمِنَ مِنْ بَيْنِكُمْ اسْتِخْلاصَ الطَّيْرِ الْحَبَّةَ الْبَطِيْنَةَ مِنْ بَيْنَ هَزِيْلِ الْحَبِّ ؛	38	اور تمہارے اندر جو مومن ہوں گے ان کو وہ گمراہی اس طرح الگ کرلے گی جس طرح ایک پرندہ ملے جلے دانوں میں سے موٹے موٹے دانوں کو الگ کرلیا کرتا ہے۔
اَيْنَ تَذْهَبُ بِكُمُ الْمَذَاهِبُ ؟	39	تمہیں تمہارے یہ خودساختہ مذاہب کہاں لئے جارہے ہیں؟
وَتَتِيْهُ بِكُمُ الْغَيَاهِبُ ؛	40	اور یہ تاریکیاں تمہیں بھٹکا رہی ہیں۔

وَتَخْدَعُكُمُ الْكَوَاذِبُ ؛	41	اور یہ جھوٹی تاویلیں تمہیں فریب دے رہی ہیں۔
وَمِنْ اَيْنَ تُؤْتَوْنَ وَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ؟	42	اور تمہاری راہنمائی کہاں سے کی جارہی ہے اور تمہیں کہاں سے (اِفک) جھوٹے قصوں میں الجھایا جارہا ہے؟
فَلِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ؛	43	ہر مدت اور گھڑی کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔
وَلِكُلِّ غَيْبَةٍ اِيَابٌ ؛	44	اور ہر غائب چیز کو پہنچ کر رہنا ہے۔
فَاسْتَمِعُوْا مِنْ رَّبَّانِيِّكُمْ ؛	45	اپنے عالم ربانی کی ہدایات سنو۔
وَاَحْضِرُوْهُ قُلُوْبَكُمْ ؛	46	اوران کی ہدایات کے لئے اپنے دلوں کو حاضر رکھو۔
وَاسْتَيْقِظُوْا اِنْ هَتَفَ بِكُمْ ؛	47	اگر تمہیں پکارے تو جاگ اُٹھو۔
وَلْيَصْدُقْ رَائِدٌ اَهْلَهُ ؛	48	اور ایک راہبر اور نمائندے کے لئے ضروری ہے کہ وہ سچی بات کرے۔
وَالْيَجْمَعْ شَمْلَهُ ؛	49	اور اس کو یک سوئی حاصل کرنا چاہیئے۔
وَلْيُحْضِرْ ذِهْنَهُ ؛	50	اور اپنے قلب وذہن کو حاضر رکھنا چاہیئے۔
فَلَقَدْ فَلَقَ لَكُمُ الْاَمْرَ فَلْقَ الْخَرَزَةِ ؛	51	چنانچہ تمہارے راہبرؑ نے حقیقت الامر کو اس طرح کھول کر شگافتہ کر دیا ہے جس طرح دھاگے میں پرونے کے لئے مہروں کو شگافتہ کیا جاتا ہے۔
وَقَرَفَهُ قَرْفَ الصَّمْغَةِ ؛	52	اور اسے اسی طرح چھیل دیا ہے جیسے درخت سے گوند چھیل کر نکالا جاتا ہے۔
فَعِنْدَ ذٰلِكَ اَخَذَ الْبَاطِلُ مَاٰخِذَهُ ؛	53	اسی حالت کی موجودگی میں باطل نے بھی اپنے ماخذ ومرکز سے وابستگی اختیار کرلی ہے
وَرَكِبَ الْجَهْلُ مَرَاكِبَهُ ؛	54	اور جہالت نے بھی اپنی سواریاں ہانک دی ہیں۔
وَعَظُمَتِ الطَّاغِيَةُ ؛	55	اور طاغوتی نظام کی عظمت بھی بڑھ گئی ہے۔
وَقَلَّتِ الدَّاعِيَةُ ؛	56	اور آوازۂ حق دب گیا ہے۔
وَصَالَ الدَّهْرُ صِيَالَ السَّبُعِ الْعَقُوْرِ	57	اور زمانے نے بھیڑئے کی طرح پھاڑ کھانے کے لئے حملہ کر دیا ہے۔
وَهَدَرَ فَنِيْقُ الْبَاطِلِ بَعْدَ كُظُوْمٍ ؛	58	باطل کا اونٹ چپ رہنے کے بعد پھر بلبلانے لگا ہے۔
وَتَوَاخَى النَّاسُ عَلَى الْفُجُوْرِ ؛	59	لوگوں نے لاقانونیت پر اتحاد قائم کرلیا ہے۔
وَتَهَاجَرُوْا عَلَى الدِّيْنِ	60	اور دین سے ہجرت اختیار کرلی ہے۔
وَتَحَابُّوْا عَلَى الْكِذْبِ ؛	61	اور جھوٹ پر آپس میں محبت کرتے ہیں۔
وَتَبَاغَضُوْا عَلَى الصِّدْقِ ؛	62	سچ بولنے والوں سے بغض رکھا جاتا ہے۔

فَاِذَا کَانَ ذٰلِکَ کَانَ الْوَلَدُ غَیْضًا ؛	63	جب ویسا حال ہوگا تو بیٹا غیظ وغضب کا باعث ہوجائے گا۔
وَالْمَطَرُ قَیْضًا ؛	64	اور بارش برسنا موجبِ حرارت اور گرمی ہوجائے گی۔
وَتَفِیْضُ اللِّئَامُ فَیْضًا ؛	65	کمینہ لوگوں کو فیضیاب کیا جائے گا اور وہ بڑھتے جائیں گے۔
وَّتَغِیْضُ الْکِرَامُ غَیْضًا ؛	66	اور صاحبانِ عزت گھٹتے ہی چلے جائیں گے۔
وَکَانَ اَهْلُ ذٰلِکَ الزَّمَانِ ذِئَابًا ؛	67	اور اس زمانے کے لوگ بھیڑئے ہوں گے اور اس زمانہ کے
وَسَلاَطِیْنُهُ سِبَاعًا ؛	68	حکمران درندہ صفت ہوں گے۔
وَاَوْسَاطُهُ اُکَّالًا ؛	69	اور اوسط درجہ کے لوگ کھا پی کر مست رہیں گے۔
وَفُقَرَاؤُهُ اَمْوَاتًا ؛	70	اس زمانے کے فقیر مردہ ہوں گے۔
وَغَارَ الصِّدْقُ ؛	71	سچائی دب کر غار میں پہنچ جائے گی۔
وَفَاضَ الْکِذْبُ ؛	72	اور جھوٹ پھلے پھولے گا۔
وَاسْتُعْمِلَتِ الْمَوَدَّةُ بِاللِّسَانِ ؛	73	محبت ومودۃ صرف زبانی رہ جائے گی۔
وَتَشَاجَرَ النَّاسُ بِالْقُلُوْبِ وَصَارَ الْفُسُوْقُ نَسَبًا ؛	74	اور انسانوں کے قلوب میں مذمت بھری ہوگی اور نسب کا معیار زنا
وَالْعَفَافُ عَجَبًا ؛		پر قائم ہوگا اور پاکدامنی قابل تعجب اور مذموم ہوگی۔
وَلُبِسَ الْاِسْلَامُ لُبْسَ الْفَرْوِ مَقْلُوْبًا ؛	75	اور اسلام کا لبادہ پوستین کی طرح آرام دہ بنا کر اُلٹا پہنا جائے گا۔

تشریحات:

خطبہ کو عام فہم دلیل سے شروع فرمایا ہے یعنی مخلوقات چاروں طرف موجود ہے اور انسان ذاتی طور پر جانتا ہے کہ نہ اُس نے خود کو پیدا کیا ہے نہ دوسری مخلوقات کی پیدائش میں اُس کا ہاتھ ہے، اور وہ اور دیگر لاتعداد مخلوقات موجود ہے لہٰذا اُس کا کوئی بڑا زبردست اور ہمہ گیر خالق ہونا چاہئے۔ یہ سادہ سی دلیل مزید غور وخوض کی دعوت دیتی ہے اور سادہ اور سیدھے دماغ سوچنے اور غور کرنے سے مزید یقین کی گہرائی میں اُترتے اور مزید دلائل قائم کرتے چلے جاتے ہیں۔ وہ اپنے اور ہر مخلوق کے لئے رزق کی ہمہ گیری کو دیکھتے ہیں اور اُس کی فراہمی پر غور کرتے ہیں تو عجیب عجیب صورت حال سامنے آتی ہے۔ پیدا ہونے سے پہلے ہی مناسب رزق کا انتظام وہ نہیں کرتا۔ بچہ کے لئے ماؤں کے سینے میں پہلے سے دودھ کی فراہمی اللہ کے علم وقدرت وبصیرت وحکمت کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ زمین سے مختلف قسم کے درختوں کو ایک ہی قسم کی غذا دے کر ہزاروں مختلف قسم کے رنگ وروپ خوشبو اور ذائقے ملنا، حیرانی میں مبتلا کرتا ہے۔ اور یوں آدمی دوسرے جملے کے دلائل تک پہنچ جاتا ہے۔ اگر غور وخوض کی عادت اور سوچتے رہنے اور دریافت کرنے کا شوق بھی پیدا ہوجائے اور کوئی راہنما بھی مل جائے تو آدمی وحدانیت خداوندی ہی سے نہیں بلکہ معرفتِ الٰہی سے فیض یاب ہوسکتا ہے۔ اور یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ جسم وجان اور اعضا وجوارح رکھنے والی تمام مخلوقات کمزور ہوتے ہوتے موت سے دوچار ہوتی جارہی ہیں لہٰذا خالق کائنات کی ذات کو کمزور ہونے اور ختم ہوجانے والے جسم ومتعلقات سے مبرا منزہ ہونا چاہئے ورنہ وہ بھی مرگیا

ہوتا۔ یہ ہے حضرت علی علیہ السلام کا وہ طریقہ جو مستقیم المزاج لوگوں میں معرفت خداوندی کی کاشت کر دیتا تھا۔ اور غور و فکر و تدبر کے زینے سے وہ اسلام کی تعلیم کے مغز کی طرف بڑھتے جاتے تھے اور یوں علم عرب اور عجم میں پھیلتا گیا۔ رہ گئے وہ لوگ جو استنجا اور طہارت کے لوٹے اور مصلے کے کناروں تک محدود رہے انہیں موقع پا کر شیطان نے بلا سمجھی نماز اور عبادت میں اُلجھا دیا وہ اس زمانہ میں علم دین اور معرفت خداوندی سے محروم رہے۔ اور برابر سینہ بسینہ عبادت کی جہالت سے سرفراز ہوتے چلے آئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا کی دیگر اقوام میں عملی انقلابات آئے۔ اُنہوں نے قرآن و نہج البلاغہ اور احادیث معصومین علیہم السلام سے استفادہ کی غرض سے اِن جہلا کی درسگاہوں میں آ کر عربی زبان سیکھی اور انگلش، جرمنی اور فرانسیسی زبانوں میں حقیقی علم کو تبدیل کیا۔ اُدھر حضرت علی علیہ السلام نے اپنے مبلغین کو ممالک غیر میں بھیجا۔ رسولؐ نے علم کو عام کرنے اور علمی ذخیرہ کرتے رہنے کیلئے فرمادیا کہ علم حاصل کرو خواہ وہ چین میں ہو۔ لہٰذا دیکھ لو کہ دنیا کی تمام اقوام آج علم کا گہوارہ اور مخزن بنی ہوئی ہیں اور یہ عبادت کے دِلدادہ ساری دنیا میں سب سے پیچھے اور جہالت کے غار میں اذانیں دے رہے ہیں نظام اسلام قائم کرنے میں کوشاں ہیں۔ خیریت یہ ہے کہ انہوں نے بھی اب حصول علم کو نمبر دے دیا ہے۔ مگر ان کو اِن کے فرسودہ اور قریش جیسی دشمن خدا اور رسولؐ قوم (25/30-31) کے گھڑے ہوئے عقائد علم کی صف سے ہمیشہ دُور رکھیں گے۔ جو لوگ خود اپنے راہنما کو جاہل اور خاطی ماننے پر اصرار کرتے ہوں وہ عالم کبھی نہیں ہو سکتے۔

2۔ محمدؐ مصطفیٰ، علیؑ مرتضیٰ کی نظر میں۔

حضرت علی علیہ السلام اللہ کی سادہ سادہ صفات بیان کرتے کرتے اچانک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ اللہ نے حضوؐر کو انبیاؑ کے شجرے کے ذریعہ سے مادی قالب میں ڈھالا تھا اور اُنہیں روشنی کے مرکز سے ضیاء پاشی کیلئے تجویز فرمایا۔ بلندیوں کی جہاں انتہا ہوتی ہے اس کی بھی پیشانی کو اُن کیلئے مخصوص کیا۔ بطحا ویسے بھی عزت کا مقام رکھتا تھا مگر حضوؐر کو بطحا کی ناف پر سرفراز کیا اور اندھیروں کو روشنی میں تبدیل کرنے اور علم وحکمت کے چشمے بہادینے کا ذریعہ بنایا (143/8 خطبہ)۔

3۔ قریش اینڈ کمپنی کو حضوؐر نے قرآن کے الفاظ میں حیوانات اور پتھروں سے تعبیر کیا ہے۔

حضوؐر نے یہ جو کچھ فرمایا وہ قرآن اور حدیث کا نچوڑ ہے مگر قریش نے اس کا ذکر کرنا اپنے مشن کے خلاف سمجھا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ کی جو تصویر لوگوں کے سامنے رکھی ہے اُس میں اُنہیں اپنے برابر رکھنے کی کوشش کی ہے اور اسی لئے حضرت علی علیہ السلام نے اُن کو فیوض خداوندی سے محروم رہنے والے جانور اور پتھر قرار دیا ہے۔ اور علوم محمدیؐ کو قطعاً نظر انداز کرنے کا مجرم بتایا ہے (143/14-15 خطبہ)۔

4۔ حضوؐر نے محمدؐ کو ایک عجیب وغریب حکیم وطبیب وجراح کی صورت میں پیش کیا ہے جو گھر گھر جا کر ہر بیماری کا علاج کرتے تھے۔

آپؑ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس انداز سے پیش کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی نظروں میں پھر جاتی ہے اور اُن سے کہیں زیادہ صداقت، ہمدردی، ترس، اور شفقت سامنے آ کھڑی ہوتی ہے۔ بیماروں اور گمراہوں کے معالجے کیلئے تمام متعلقہ سامان لے کر گھر گھر اور ہر ضرورت مند تک پہنچنا۔ دوائیں اور پاکیزہ آلات جراحی ساتھ ساتھ اُٹھائے پھرنا حضوؐر کی عملی اور عام طبیبانہ زندگی کا نقشہ کھینچ دیتا ہے۔ جس میں معجزانہ قوت کی چاشنی صورت حال کو دُھندلا نہیں کرتی ہے (143/9-12 خطبہ) ساتھ ہی بہروں، گونگوں اور اندھوں کی ڈاریں نظر آنے لگتی ہیں اور شعور خود بخود وہ نظارے پیش کرتا چلا جاتا ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کے اندر سے بدروح کو نکالتے ہیں، اندھوں کو بینائی عطا کرتے ہیں، مُردوں کو زندگی دیتے ہیں، کوڑھیوں کو تندرست کرتے ہیں (143/13 خطبہ) اور بابصیرت لوگوں کا استفادہ کرنا، ایمان لانا،

مشن میں آ کر شامل ہو جانا دکھائی دینے لگتا ہے (خطبہ 143، جملے 16 تا 17) اور عاقبت اور دین کا واضح ہو جانا (خطبہ 143، جملے 18 تا 19)

5۔ حضورؐ اپنے سامنے کے لوگوں پر یعنی صحابہ رسولؐ پر اُن کی حالت دکھا کر تنقید فرماتے ہیں ۔

اور قریشی تصورات رکھنے والے جانوروں اور پتھروں پر تہذیب کی مار دے کر تنقید فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ:

نہ معلوم مجھے غلط نظر آ رہا ہے یا تم سچ مچ ایسے ہو گئے ہو کہ تم بلا روح کے مجسمے ہو یا بلا کسی مادی پیکر کے تم خیالی روحیں ہو؟ (خطبہ 143، جملے 20 تا 21) دن رات عبادت کرنے کے باوجود پارسائی کہیں نظر نہیں آتی ہے (خطبہ 143، جملہ 22) ایسی دینی تجارت کر رہے ہو جس میں تمہیں گھاٹا ہی گھاٹا ہے (خطبہ 143، جملہ 23) تم جاگتے ہوئے بھی سونے والوں کی مانند نظر آتے ہو (خطبہ 143، جملہ 24) حاضر ہو مگر نہ ہونے کے برابر (خطبہ 143، جملہ 25) آنکھیں کھلی ہوئی اور دیکھتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں مگر اندھوں سے بدتر ہو (خطبہ 143، جملہ 26)۔ تم تو سنتے ہو مگر پھر بھی نصیحت کے معاملے میں بہرے ہو اور بولتے چالتے گونگے ہو (خطبہ 143، جملے 27 تا 28)۔

6۔ تنقید کے ساتھ اُن قریشی شیعہ نما صحابہ کو مخالف حکومت کی پالیسی سے خبردار کیا ہے۔

اسکے بعد مخالف اُموی حکومت کی تیاریوں اور اقدامات پر تنبیہ فرماتے ہوئے کہا کہ گمراہ حکومت نے گمراہی کے پرچموں کو کئی شعبوں میں تقسیم کر کے تمہاری جانچ پڑتال کا بندوبست کر دیا ہے۔ تمہارا جائزہ لیا جا رہا ہے۔ اور تمہیں مرکز سے جدا کرنے کیلئے مالی اور سیاسی طاقت استعمال کی جا رہی ہے۔ چونکہ وہ حکمران دین اسلام سے خارج ہے اس لئے گمراہی پر جما ہوا ثابت قدم ہے۔ جس دن اُس کا حملہ ہوگا تو تم سب ختم کر دیئے جاؤ گے۔ تم مسل مسل کر اور رگڑے مار مار کر فنا کر دیئے جاؤ گے (تمہارے اندر جو حقیقی مومن ہوں گے انہیں خود گمراہی تم سے الگ کر دے گی اور یہ تمام حالات اور ان کی مدت ہمارے تحریری ریکارڈ میں درج ہے اور وہ مومنین غیبت سے وابستہ ہو جائیں گے (خطبہ 143، جملے 38، 43، 44) تمہیں تمہارے یہ خود ساختہ مذاہب گمراہی کی تاریکی میں بھٹکائی ہوئی جھوٹی تعبیروں کے سہارے دھوکا دے کر تباہ کر دیں گے (خطبہ 143، جملے 29، 37، 39، 42)۔

7۔ اس کے بعد حضورؐ اپنی اور اپنی راہنمائی کی طرف متوجہ فرماتے ہیں اور گمراہ محاذ کی اور مخاطبین کی کہانی کا مدوجزر سناتے ہیں ۔

اور خود کو عالم ربانی کی حیثیت سے پیش فرماتے ہیں۔ ہدایات کو قلبی توجہ سے سننے اور عمل کرنے کا تقاضہ کرتے ہیں۔ پکار سن کر جاگنے اور لبیک کہنے کی نصیحت فرماتے ہیں۔ پھر عالم ربانی کی صفات بیان کی ہیں اور بتایا ہے کہ تمہارے راہبرؐ نے دین کے ہر ہر مسئلے اور عقدے کو واضح کر دیا ہے۔ دین کی ہر بات اس طرح تیار کر دی گئی ہے کہ انہیں ایک ہار کی یا تسبیح کی طرح دھاگے میں پرویا جا سکتا ہے۔ دین و سیاست کو اس طرح واضح دیکھ کر ہی مخالف گروہ نے اپنا مرکز بنایا ہے اور اُسے مضبوط کر لیا ہے۔ اور عظیم الشان تیاریوں کے ساتھ گمراہ محاذ کو مقابلے کے لئے آگے بڑھایا ہے۔ اور پبلک کو اپنا لقمہ بنانے کے لئے خاموشی کے بعد حملہ کی تیاری کر رکھی ہے اور اِدھر حق پرست لوگ دب کر بیٹھتے جا رہے ہیں لاقانونیت پر اتحاد کیا جا رہا ہے۔ دین سے رخصت لی جا رہی ہے۔ جھوٹ پر دوستی کا دارومدار ہو گیا ہے۔ سچوں کو کچلنے کا انتظام جاری ہے اور جب یہ حالات پر قابو پالیں گے تو حالات اُلٹ جائیں گے۔ کمینہ لوگ طاقتور اور شرفا کمزور ہو جائیں گے۔ اُس زمانے کے لوگ عموماً بزدل بھیڑئے کی طرح ہو جائیں گے اور حکمران لوگ درندوں کی مانند ہوں گے۔ اوسط درجہ کا طبقہ بے فکر و بے حس ہو جائے گا غربا اور فقرا میں جان نہ رہے گی۔ سچائی دب جائے گی۔ جھوٹ کا بول بالا ہو جائے گا۔ محبت زبانی اور دلوں میں دشمنی ہوگی۔ اسلام کو اُلٹا کر کے پوستین کی طرح پہن لیا جائے گا اور خاندانی بزرگی زنا پر قائم

ہو جائے گی اور پاکدامنی قابل تعجب رہ جائے گی (خطبہ 143، جملے 45 تا 75)۔

8۔اپنے زمانے کے چشم دید موڈرن حالات۔

قارئین نے جو کچھ اس خطبے میں پڑھا ہے اُسے مسلمانوں پر ہر زمانے میں ٹھیک ٹھیک قرآن اور تاریخ کی رُو سے فٹ اور مطابق پایا جائے گا۔ چونکہ یہ حالات عام طور پر مشہور ومعلوم ہیں اسلئے ہم نے قرآن اور تاریخ سے مثالیں دینا فضول سمجھا ہے۔ البتہ یہ آخری عنوان جملہ نمبر 74 پر قائم کیا گیا ہے۔ اور اس پر توجہ ضروری ہے اور توجہ اس لئے ضروری ہے کہ مسلمان علما اپنی تقریروں اور محافل میں یہ کہتے ہوئے پائے جاتے ہیں کہ: ''ہمارے معاشرے نے انگریزوں سے ناچ رنگ، بے حیائی اور فسق وفجور تو لے لیا ہے مگر اُن کی اچھی باتیں اختیار نہیں کی ہیں۔''

مطلب یہ ہوا کہ مسلمانوں میں بے حیائی اور فسق وفجور پہلے نہ تھا۔ یہ انگریزوں کے یہاں سے آیا ہے۔ لیکن حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

''وَتَشَاجَرَ النَّاسُ بِالْقُلُوْبِ وَصَارَ الْفُسُوْقُ نَسَبًا ؛ وَالْعَفَافُ عَجَبًا ؛'' (جملہ 74)

(1) ''نسب کا معیار زنا ہو گا عفت و پاکدامنی نرالی چیز سمجھی جائے گی۔'' (مفتی جعفر حسین جلد اول صفحہ 306)

(2) ''فسق وفجور (زِنا میان ایشان افتخار و) باعثِ نسب شود وعفت و پاکدامنی موجب شگفت۔'' (علی نقی طہرانی فیض الاسلام جلد 1 صفحہ 317)

(3) ''فسق وفجور نسب بن جائے گا پاکیزگی وعفت عجیب سی چیز بن جائے گی۔'' (رئیس احمد جعفری صفحہ 779)

یہ تین مشہور ترجمے ہیں اور ہم سے پہلے کئے گئے ہیں اور بتاتے ہیں کہ فسق وفجور اور زنا مسلمانوں میں اس حد تک پسندیدہ تھا کہ نسبی شرافت اور بزرگی کا دارومدار ہی زنا پر تھا۔ یہ تو سادہ سی اور بعد کی بات ہے قرآن سے پوچھا جائے تو شرم بھی منہ چھپالے گی۔ ہمیں اس معاملے میں کوئی لمبی چوڑی گفتگو فی الحال نہیں کرنا ہے۔ صرف یہ کہنا ہے کہ سب سے پہلا شخص افلاطون دنیا کا سب سے بڑا یونانی فلاسفر دنیا میں طبقات سے پاک معاشرہ بنانے کیلئے یہ تحریر کر گیا تھا کہ:

''اعلیٰ درجے کے طبقے میں جنسیات مخلوط رکھی جائیں۔ یعنی ہر مرد ہر عورت کا شوہر ہو اور ہر عورت ہر مرد کی زوجہ ہو اور ہر بچہ پورے طبقہ کا بچہ ہو۔''

اُس کا یہ قول آگے بڑھا اور ترقی کرتا ہوا مارکس اور اینجل تک آیا اور انہوں نے انسانی ترقی کے لئے کمیونزم کا منشور و نظام پیش کیا اور اُنہوں نے لکھا ہے کہ: ''انسانی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹیں مذہب، ملکیت اور مناکحت ہے۔'' یعنی اُنہوں نے کسی عورت اور مرد کا مستقلاً شوہر وزوجہ رہنا قطعاً منع کر دیا اور وہی افلاطونی اصول وسیع ہو کر تمام نوع انسان میں ہر مرد کو ہر عورت کا شوہر اور ہر عورت کو ہر مرد کی زوجہ اور ہر بچہ کو ساری نوع انسان کا بچہ قرار دیتا ہے۔

آگے چل کر ہم نے دیکھا کہ اعلیٰ درجے کے طبقہ میں جنسی پابندی اور گرفت ڈھیلی ہو جاتی ہے۔ لوگوں کی ازواج خود اُنکے سامنے دوسرے لوگوں کیساتھ ناچ اور بوس وکنار کرتی ہیں۔ مہمان رہتی ہیں۔ بیوی کے ساتھ غیر لوگ جنہیں بوائے فرینڈ کہا جاتا ہے دوسرے کمرے میں لطف اندوز ہوتے ہیں اور شوہر اپنے کمرے میں رہتا ہے۔ ہماری ائیر فورس میں ایک شادی محکمے کیلئے اور ایک گھر میں رہنے کیلئے کی جاتی ہے۔ تاکہ وہ گھر میں رہے اور دوسری محافل اور ڈانسز (Dances) میں شرکت کر سکے اور پائلٹ یا افسر صاحب موڈرن لوگوں میں شمار ہوں اور ترقی کے راہ سے تمام رکاوٹیں ہٹ جائیں۔

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 107

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 108

خُطبہ ﴿144﴾

اللہ کی صفات عملی صورت میں بیان فرمائی ہیں۔انسانوں کا حال دکھایا ہے

1)ہر مخلوق کی عاجزی اور بے بسی (2) ہر چیز کو قائم رکھنے والا ہر چیز کا سہارا (3) مدح وثنا کرنے والوں سے پہلے موجود تھا (4) سرکشوں اور نافرمانوں پر حاوی اور غالب (5) کائناتی عظمت (6) سب کی منزل ومنتہا (7) علم وقدرت (8) ملائکہ کی باتیں (9) حقیقت پر اطلاع کے بعد کی حالت (10) جنت اور جنت کی طرف بلانے والے (11) دعوت کا ردّعمل (12) دنیا کی چیزوں سے محبت کا نتیجہ (13) انسان اور دنیا (14) مرنے کا حال (15) حالت نزع (16) قیامت (17) جہنم (18) اہلبیتؑ کی عظمت۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

كُلُّ شَيْءٍ خَاضِعٌ لَّهُ ؛	1	ہر چیز اللہ کے سامنے عاجز ہے۔
وَكُلُّ شَيْءٍ قَائِمٌ بِهِ ؛	2	اور ہر چیز اللہ کے سہارے قائم ہے۔
غِنٰى كُلِّ فَقِيْرٍ ؛	3	وہ ہر فقیر کا سرمایہ ہے۔
وَعِزُّ كُلِّ ذَلِيْلٍ ؛	4	وہ ہر ذلیل کی عزت ہے۔
وَقُوَّةُ كُلِّ ضَعِيْفٍ ؛	5	وہ ہر کمزور کی قوت ہے۔
وَمَفْزَعُ كُلِّ مَلْهُوْفٍ ؛	6	اور ہر مظلوم کی پناہ ہے۔
مَنْ تَكَلَّمَ سَمِعَ نُطْقَهُ ؛	7	جو بولے اس کی بات سنتا ہے۔
وَمَنْ سَكَتَ عَلِمَ سِرَّهُ ؛	8	اور جو خاموش رہے اس کے رازوں کا عالم ہے۔
وَمَنْ عَاشَ فَعَلَيْهِ رِزْقُهُ ؛	9	اور جو زندہ ہیں ان کا رازق ہے۔
وَمَنْ مَّاتَ فَإِلَيْهِ مُنْقَلَبُهُ ؛	10	جو مرجائے اس کے پلٹنے کی جگہ ہے۔
لَمْ تَرَكَ الْعُيُوْنُ فَتُخْبِرَ عَنْكَ ؛	11	آنکھوں نے تجھے نہیں دیکھا تو وہ تیری خبر بھی نہیں دے سکتیں۔
بَلْ كُنْتَ قَبْلَ الْوَاصِفِيْنَ مِنْ خَلْقِكَ ؛	12	تو اپنی حمد وثنا اور وصف بیان کرنے والی مخلوق سے بھی پہلے سے موجود تھا۔

لَمْ تَخْلُقِ الْخَلْقَ لِوَحْشَةٍ ؛	13	تو نے گھبرا کر مخلوقات کو پیدا نہیں کیا۔
وَلَا اسْتَعْمَلْتَهُمْ لِمَنْفَعَةٍ ؛	14	اور نہ ہی تو نے اپنی پیدا کی ہوئی مخلوقات کو اپنے کسی فائدے کے لئے استعمال کیا۔
وَلَا يَسْبِقُكَ مَنْ طَلَبْتَ ؛	15	اور جسے تو بازپُرس کیلئے طلب کرے وہ تجھ پر سبقت کر کے تیرے مقصد کو ٹال نہیں سکتا۔
وَلَا يُفْلِتُكَ مَنْ اَخَذْتَ ؛	16	اور جسے تو اپنی گرفت میں لے لے وہ بچ کر نکل نہیں سکتا۔
وَلَا يَنْقُصُ سُلْطَانَكَ مَنْ عَصَاكَ ؛	17	تیری نافرمانی کرنے والی ہستیاں تیری قدرت اور حکومت میں خامی پیدا نہیں کر سکتیں۔
وَلَا يَزِيْدُ فِيْ مُلْكِكَ مَنْ اَطَاعَكَ ؛	18	اور تیری اطاعت وفرمانبرداری کرنے والے تیری حکومت اور بادشاہی میں کوئی اضافہ یا مدد نہیں کر سکتے۔
وَلَا يَرُدُّ اَمْرَكَ مَنْ سَخِطَ قَضَاءَكَ ؛	19	اور تجھ پر غصہ ہونے والے لوگ بھی تیرے فیصلوں کو رد نہیں کر سکتے۔
وَلَا يَسْتَغْنِيْ عَنْكَ مَنْ تَوَلّٰى عَنْ اَمْرِكَ ؛	20	جو لوگ اپنی ولایت یا حکومت بنالیں اور تیرے احکام کی خلاف ورزی شروع کر دیں وہ تجھ سے مستغنی اور خود کفیل نہیں ہو سکتے۔ یعنی وہ برابر محتاج رہیں گے۔
كُلُّ سِرٍّ عِنْدَكَ عَلَانِيَةٌ ؛	21	تیرے سامنے تمام راز کھلے ہوئے ہیں۔
وَكُلُّ غَيْبٍ عِنْدَكَ شَهَادَةٌ ؛	22	اور تمام پوشیدہ حالات تیرے روبرو حاضر ہیں۔
اَنْتَ الْاَبَدُ فَلَا اَمَدَ لَكَ ؛	23	تو ہی ہمیشہ سے اور ہمیشگی ہے لہٰذا تیرے لئے کوئی انتہا نہیں ہے۔
وَاَنْتَ الْمُنْتَهٰى فَلَا مَحِيْصَ عَنْكَ ؛	24	اور تو ہی خود منتہٰی اور انتہا ہے اور تیری ہی طرف سب کی انتہا ہے لہٰذا تجھ سے بچ کر جانے کی کوئی جگہ نہیں ہے۔
وَاَنْتَ الْمَوْعِدُ فَلَا مَنْجٰى مِنْكَ اِلَّا اِلَيْكَ ؛	25	اور تو ہی پلٹنے کی جگہ ہے لہٰذا تیرے سوا کہیں پناہ نہ ملے گی مگر تیرے اور تیری مہربانی کے حضور میں۔
بِيَدِكَ نَاصِيَةُ كُلِّ دَابَّةٍ ؛	26	ہر حرکت کر سکنے والی مخلوق کی پیشانی تیری گرفت میں ہے لہٰذا کوئی بچ کر نہیں نکل سکتا۔
وَاِلَيْكَ مَصِيْرُ كُلِّ نَسَمَةٍ ؛	27	اور تمام انسانوں اور باہوش مخلوق کو تیرے حضور میں حاضر ہونا ہے۔
سُبْحَانَكَ مَا اَعْظَمَ مَا نَرٰى مِنْ خَلْقِكَ ؛	28	خدایا تو ہر عیب ونقص سے پاک ہے۔ کتنی عظیم الشان ہے تیری وہ تخلیق جو ہمیں نظر آرہی ہے۔
وَمَا اَصْغَرَ عِظَمَهُ فِيْ جَنْبِ قُدْرَتِكَ ؛	29	اور کتنی چھوٹی ہے یہ تخلیق تیری اپنی بزرگی اور عظمت کے سامنے جسے ہم دیکھ رہے ہیں تیری قدرت اس سے عظیم الشان ہے۔

وَمَا اَهْوَلَ مَانَرٰى مِنْ مَّلَكُوْتِكَ ؛	30	اور کتنی ہولناک ہے تیری یہ حکومت وحاکمیت جسے ہم دیکھ سکتے ہیں۔
وَمَا اَحْقَرَ ذٰلِكَ فِيْمَا غَابَ عَنَّا مِنْ سُلْطَانِكَ ؛	31	اور کتنا حقیر ہے یہ جو کچھ ہمیں نظر آتا ہے اس کے مقابلے میں جو تیری سلطنت میں سے ہم سے غائب ہے؟ (یعنی جو کچھ ہمیں نظر نہیں آتا وہ عظیم تر ہے)
وَمَا اَصْبَغَ نِعَمَكَ فِي الدُّنْيَا ؛	32	اور دنیا میں تیری پھیلائی ہوئی نعمتیں کتنی زیادہ اور وسیع ہیں۔
وَمَا اَصْغَرَهَا فِيْ نِعَمِ الْاٰخِرَةِ ؛	33	اور دنیاوی نعمتیں کتنی پست درجہ کی اور کتنی کم ہیں آخرت کی نعمتوں کے مقابلے میں۔
مِنْ مَّلٰئِكَةٍ اَسْكَنْتَهُمْ سَمٰوٰاتِكَ ؛	34	ملائکہ کو تو نے اپنے آسمانوں میں بھی آباد کیا ہے۔
وَرَفَعْتَهُمْ عَنْ اَرْضِكَ ؛	35	اور آسمانوں میں جن ملائکہ کو بسایا ہے انہیں اپنی زمین سے بلند تر رکھا ہے۔
هُمْ اَعْلَمُ خَلْقِكَ بِكَ ؛	36	آسمان میں آباد ملائکہ تیری باقی مخلوق سے تیرے متعلق زیادہ علم رکھتے ہیں۔
وَاَخْوَفُهُمْ لَكَ ؛	37	اور وہ تجھ سے ساری مخلوق سے زیادہ ڈرتے ہیں۔
وَاَقْرَبُهُمْ مِّنْكَ ؛	38	اور وہ تجھ سے زیادہ قربت رکھتے ہیں۔
لَمْ يَسْكُنُوا الْاَصْلَابَ ؛	39	وہ باپوں کی پشت میں نہیں ٹھیرتے۔
وَلَمْ يُضَمَّنُوا الْاَرْحَامَ ؛	40	اور ان کا ماؤں کے ارحام سے بھی کوئی تعلق نہیں رہا ہے۔
وَلَمْ يُخْلَقُوْا مِنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ؛	41	اور نہ ان کی تخلیق حقیر پانی سے یعنی نطفے سے ہوئی ہے۔
وَلَمْ يَتَشَعَّبْهُمْ رَيْبُ الْمَنُوْنِ ؛	42	اور نہ ہی انہیں زندگی کے مختلف شعبوں اور الجھنوں سے گزرنا پڑا ہے۔ (لہٰذا شک وشبھات وشش وپنج سے خالی ہیں)۔
وَاِنَّهُمْ عَلٰى مَكَانِهِمْ مِّنْكَ ؛	43	اور وہ تجھ سے تیرے مقرر کردہ مقام پر محدود ہیں۔
وَمَنْزِلَتِهِمْ عِنْدَكَ ؛	44	اور ان کے لئے تیری طرف سے مقرر کی ہوئی ایک مستقل منزلت یا درجہ ہے۔
وَاسْتِجْمَاعِ اَهْوَائِهِمْ فِيْكَ ؛	45	اور ان کی تمام ذاتی خواہشات صرف تیرے اندر جمع ہو کر رہ گئی ہیں۔
وَكَثْرَةِ طَاعَتِهِمْ لَكَ ؛	46	اور ان کی اطاعت کی کثرت تجھ سے مخصوص ہے۔
وَقِلَّةِ غَفْلَتِهِمْ عَنْ اَمْرِكَ ؛	47	اور تیرے احکام کی تعمیل میں ان سے قلیل سی غفلت بھی نہ ہونا تیری ہی وجہ سے ہے۔
لَوْ عَايَنُوْا كُنْهَ مَا خَفِيَ عَلَيْهِمْ مِنْكَ لَحَقَّرُوْا اَعْمَالَهُمْ ؛	48	اگر ان پر تیری حقیقت جو اُن سے مخفی ہے آنکھوں دیکھی ہو جائے تو اپنے اعمال و اطاعت کو حقیر سمجھیں۔
وَلَزَرَوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ ؛	49	اور خود کو ملامت اور تنبیہ کریں۔
وَلَعَرَفُوْا اَنَّهُمْ لَمْ يَعْبُدُوْكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ	50	اور یہ سمجھ لیں کہ وہ تیری ویسی عبادت نہ کر سکے جیسی عبادت تیرے شایان شان ہے۔

وَلَمۡ یُطِیۡعُوۡکَ حَقَّ طَاعَتِکَ ؛	51	اور یہ کہ وہ تیرے حق کے مطابق تیری اطاعت بھی نہ کرتے تھے۔
سُبۡحَانَکَ خَالِقًا وَّمَعۡبُوۡدًا ؛	52	اے اللہ میں تجھے ہر عیب ونقص سے پاک سمجھتا ہوں اور تجھے اپنا اور کائنات کا خالق اور معبود مانتا ہوں۔
بِحُسۡنِ بَلَائِكَ عِنۡدَ خَلۡقِکَ خَلَقۡتَ دَارًا ؛	53	میں تیری تسبیح اور حمد وثنا کرتا ہوں تیرے اس حسن سلوک کی بنا پر جو تو نے اپنی مخلوق کے ساتھ کرنے کے لئے ایسا مقام بنایا ہے۔
وَجَعَلۡتَ فِیۡهَا مَاۡدُبَةً ؛	54	اور اس مقام پر ان کی مہمانی کا انتظام کیا۔اور ان کے
مَشۡرَبًا وَّمَطۡعَمًا وَّ اَزۡوَاجًا وَّخَدَمًا وَّقُصُوۡرًاوَّ اَنۡهَارًا وَّزُرُوۡعًا وَّثِمَارًا ؛	55	کھانے پینے کا اور ازواج اور خادموں کا اور محلوں کا اور نہروں کا اور زراعت کا اور پھلوں کا با قاعدہ انتظام کیا۔
ثُمَّ اَرۡسَلۡتَ دَاعِیًا یَّدۡعُوۡا اِلَیۡهَا فَلَا الدَّاعِیَ اَجَابُوۡا ؛	56	پھر تو نے اپنے تیار کئے ہوئے مہمان خانے کی طرف بلانے والے ارسال کئے جو برابر دعوت دیتے رہے مگر کسی نے دعوت دینے والوں کی بات نہ مانی۔
وَلَا فِیۡمَا رَغَّبۡتَ اِلَیۡهِ رَغِبُوۡا ؛	57	اور اس مقام کی طرف رغبت نہ کی جس کی تو نے ترغیب دی تھی۔
وَلَااِلٰی مَاشَوَّقۡتَ اِلَیۡهِ اشۡتَاقُوۡا؛	58	اور کسی کو اس کا اشتیاق نہ ہوا جس کا تو نے شوق دلایا تھا۔
اَقۡبَلُوۡا عَلٰی جِیۡفَةٍ قَدِ افۡتَضَحُوۡا بِاَکۡلِهَا ؛	59	مردار وحرام کھانے پر پل پڑے اور مردار کھا کھا کر رُسوا ہوتے رہے۔
وَاصۡطَلَحُوۡا عَلٰی حُبِّهَا ؛	60	اور اُس مُردہ خوری پر اور اُسکی محنت کو جائز رکھنے پر اصطلاحات بنا کر اتفاق کرلیا۔
وَمَنۡ عَشِقَ شَیۡئًا اَعۡشٰی بَصَرَهٗ ؛ وَاَمۡرَضَ قَلۡبَهٗ ؛	61	جو یہاں کی کسی چیز پر عاشق ہوتا ہے وہ اپنی بصارت اور بصیرت ضائع کر دیتا ہے اور اس کا دل بیمار ہو جاتا ہے۔
فَهُوَ یَنۡظُرُ بِعَیۡنٍ غَیۡرِ صَحِیۡحَةٍ ؛	62	چنانچہ وہ غلط نظری شروع کر دیتا ہے۔
وَیَسۡمَعُ بِاُذُنٍ غَیۡرِ سَمِیۡعَةٍ ؛	63	اور وہ بہرے کانوں سے سننے لگتا ہے۔
قَدۡ خَرَقَتِ الشَّهَوَاتُ عَقۡلَهٗ ؛	64	یقیناً دنیاوی خواہشات وضروریات نے اس کی عقل کو پھاڑ ڈالا ہے۔
وَاَمَاتَتِ الدُّنۡیَا قَلۡبَهٗ ؛	65	دنیا نے اس کے قلب کو مردہ کر دیا ہے۔
وَوَلَّهَتۡ عَلَیۡهَا نَفۡسَهٗ ؛	66	اور اس کی ذات کو اپنا والہ وشیدا بنالیا ہے۔
فَهُوَ عَبۡدٌ لَّهَا وَلِمَنۡ فِیۡ یَدِهٖ شَیۡءٌ مِنۡهَا ؛	67	چنانچہ اب وہ دنیا کا اور دنیا کی جو چیزیں اسکے قابو میں ہیں ان کا غلام و بندہ ہے۔
حَیۡثُمَا زَالَتۡ زَالَ اِلَیۡهَا ؛	68	جدھر دنیا جھکتی ہے وہ بھی اس کے ساتھ ادھر ہی جھکتا ہے۔
وَحَیۡثُمَا اَقۡبَلَتۡ اَقۡبَلَ عَلَیۡهَا ؛	69	اور جدھر دنیا رخ کرتی اور بڑھتی ہے وہ ادھر ہی رخ کرتا اور بڑھتا ہے۔

لَایَنْزَ جِرُ مِنَ اللّٰهِ بِزَاجِرٍ	70	اب اسے کوئی ڈرانے دھمکانے والا اللہ سے نہیں ڈرا سکتا۔
وَلَا يَتَّعِظُ مِنْهُ بِوَاعِظٍ ؛	71	اور وہ کسی واعظ کے وعظ کرنے سے نصیحت حاصل نہیں کرتا۔
وَهُوَ يَرَى الْمَاخُوذِيْنَ عَلَى الْغِرَّةِ ؛ حَيْثُ لَا اِقَالَةَ لَهُمْ وَلَا رَجْعَةَ ؛	72	حالانکہ وہ ان لوگوں کو دیکھتا رہا ہے جنہیں اس جیسی غفلت اور دھوکے کی حالت میں اس طرح ماخوذ کیا گیا ہے کہ اب نہ ان کیلئے مواخذہ واپس لیا جا سکتا ہے اور نہ وہ دنیا میں واپس آسکتے ہیں۔
كَيْفَ نَزَلَ بِهِمْ مَا كَانُوْا يَجْهَلُوْنَ ؛	73	ان پر وہ تمام آفات کس بری طرح ٹوٹ پڑیں جن سے وہ انجان بنے رہتے تھے۔
وَجَاءَهُمْ مِّنْ فِرَاقِ الدُّنْيَا مَا كَانُوْا يَاْمَنُوْنَ ؛	74	اور آخر انہیں دنیا سے جدا ہو کر اس کے فراق میں مبتلا کر دیا گیا جس کی طرف سے وہ خود کو محفوظ و مامون سمجھے بیٹھے تھے۔
وَقَدِمُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ عَلٰى مَا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ؛	75	اور آخر آخرت کی ان چیزوں سے دوچار ہونا پڑا جن کا ان سے برابر وعدہ کیا اور ڈرایا جاتا رہا تھا۔
فَغَيْرُ مَوْصُوْفٍ مَّا نَزَلَ بِهِمْ ؛	76	چنانچہ جو حالات اب ان پر گزر رہے ہیں وہ نا قابل بیان ہیں۔
اِجْتَمَعَتْ عَلَيْهِمْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ وَحَسْرَةُ الْفَوْتِ ؛	77	آخر ان پر موت کی سختیاں اور دنیا چھوڑنے کی حسرتیں مل کر حملہ آور ہو جاتی ہیں۔
فَفَتَرَتْ لَهَا اَطْرَافُهُمْ ؛	78	چنانچہ اُنکے ہاتھ پیر اور پہلو ڈھیلے پڑتے اور آپس کا رابطہ چھوڑتے چلے جاتے ہیں۔
وَتَغَيَّرَتْ لَهَا اَلْوَانُهُمْ ؛	79	اور جسم و روح میں جدائی کے دباؤ سے انکے رنگ اور صورتیں بدلتی چلی جاتی ہیں۔
ثُمَّ ازْدَادَ الْمَوْتُ فِيْهِمْ وُلُوْجًا فَحِيْلَ بَيْنَ اَحَدِهِمْ وَبَيْنَ مَنْطِقِهٖ ؛	80	پھر انکے باقی اعضاء میں بھی موت کی مداخلت بڑھتی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ موت اسکی قوت گویائی پر قابو پا لیتی ہے اور اسکا بولنا اور باتوں کا جواب دینا بند ہو جاتا ہے۔
وَاِنَّهٗ لَبَيْنَ اَهْلِهٖ يَنْظُرُ بِبَصَرِهٖ ؛	81	اور زبان بندی کے عالم میں وہ اپنے اہل و عیال و احباب کے درمیان بے بسی کے عالم میں آنکھوں سے دیکھتا ہے۔
وَيَسْمَعُ بِاُذُنِهٖ ؛	82	اور کانوں سے سنتا ہے۔
عَلٰى صِحَّةٍ مِّنْ عَقْلِهٖ وَبَقَاءٍ مِّنْ لُّبِّهٖ ؛	83	اس کی عقل و فہم اور محسوسات اپنا کام کرتے رہتے ہیں۔ (وہ اس غم و الم کو دیکھتا، سنتا اور محسوس کرتا ہے جو اُس کے پیاروں پر گزرتا ہے)
يُفَكِّرُ فِيْمَ اَفْنٰى عُمُرَهٗ ؛	84	وہ خاموشی سے ان چیزوں پر غور کرتا ہے جن میں اس نے اپنی عمر کو فنا کیا ہوتا ہے۔
وَفِيْمَ اَذْهَبَ دَهْرَهٗ ؛	85	اور زمانہ گزارا ہوتا ہے۔

وَيَتَذَكَّرُ اَمْوَالًا جَمَعَهَا ؛	86	اوراپنے کمائے ہوئے مال وسامان کو یاد کرتا ہے کہ
اَغْمَضَ فِيْ مَطَالِبِهَا ؛	87	جس کو حاصل کرنے میں وہ حق اور ناحق کی طرف سے چشم پوشی کرتا رہا تھا۔
وَاَخَذَهَا مِنْ مُّصَرِّحَاتِهَا وَمُشْتَبِهَاتِهَا ؛	88	اور جسے واضح اور جائز طریقے سے اور مشکوک وغلط طریقوں سے بلاتکلف حاصل کرتا چلا گیا تھا۔
قَدْ لَزِمَتْهُ تَبِعَاتُ جَمْعِهَا ؛	89	حقیقت یہ ہے کہ اب اُن اموال کے جمع کرتے رہنے کا نقصان اُس کے سامنے آ کھڑا ہوا ہے۔
وَاَشْرَفَ عَلٰى فِرَاقِهَا ؛	90	اور اُسے اُن اموال سے جدائی ہو جانے کا یقین ہو چکا ہے۔
تَبْقٰى لِمَنْ وَرَآءَهُ يَنْعَمُوْنَ فِيْهَا ؛	91	اور اب وہ اموال اُس کے بعد کے لوگوں کے پاس رہ جائیں گے اور وہ اس مال سے عیاشی کریں گے۔
وَيَتَمَتَّعُوْنَ بِهَا ؛	92	اور خوب کُھل کر اس سے فائدہ اُٹھائیں گے۔
فَيَكُوْنُ الْمَهْنَا لِغَيْرِهٖ ؛	93	چنانچہ اُس کے ناجائز طریقوں اور محنت ومشقت سے جمع کئے ہوئے اموال دوسروں کے ہاتھ بلا محنت آ گئے۔
وَالْعِبْءُ عَلٰى ظَهْرِهٖ ؛	94	اور اُس کا گناہ اور ذمہ داری وجواب دہی اُس کے کاندھوں پر رہ گئی۔
وَالْمَرْءُ قَدْ غَلِقَتْ رُهُوْنُهُ بِهَا ؛	95	اور وہ بدنصیب شخص اُس مال کی وجہ سے ایسا رہن قیدی ہو کر رہ گیا کہ اب چھوٹ نہیں سکتا
فَهُوَ يَعَضُّ يَدَهُ نَدَامَةً عَلٰى مَا اَصْحَرَلَهُ عِنْدَ الْمَوْتِ مِنْ اَمْرِهٖ ؛	96	چنانچہ اب وہ موت کے وقت ندامت اور پشیمانی کے عالم میں اس مصیبت پر اپنے ہاتھوں کو چباتا ہے جو اس کے سامنے کھڑی ہے۔اور حکمِ موت جاری ہے۔
وَيَزْهَدُ فِيْمَا كَانَ يَرْغَبُ فِيْهِ اَيَّامَ عُمُرِهٖ ؛	97	اور ساری عمر جن چیزوں اور جن کاموں میں دلچسپی لیتا رہا اب ان سے چھٹکارا چاہتا ہے۔
وَيَتَمَنّٰى اَنَّ الَّذِيْ كَانَ يَغْبِطُهُ بِهَا وَيَحْسُدُهُ عَلَيْهَا قَدْ حَازَهَا دُوْنَهُ ؛	98	اور اب یہ تمنا کرتا ہے کہ جو لوگ اس مال ودولت کی وجہ سے اُس کے مدّ مقابل رہ کر رشک وحسد کرتے رہے کاش وہی لوگ اِن اموال کے مالک ہوتے اور اس کی جگہ اُن ہی پر یہ آفت طاری ہوتی۔
فَلَمْ يَزَلِ الْمَوْتُ يُبَالِغُ فِيْ جَسَدِهٖ حَتّٰى خَالَطَ لِسَانُهُ سَمْعَهُ ؛	99	بہرحال موت کا عمل برابر اُس کے جسم پر جاری رہتا ہے یہاں تک کہ زبان کے ساتھ ساتھ اس کے کانوں کو بھی موت نے اپنی لپیٹ میں شامل کرلیا۔

فَصارَ بَیۡنَ اَھۡلِهٖ لَایَنۡطِقُ بِلِسَانِهٖ ؛	100	چنانچہ وہ اپنے عزیز واقرباء کے سامنے بدستور اس حالت میں پڑا رہتا ہے کہ نہ زبان سے بات کر کے انہیں کچھ بتا سکتا ہے۔
وَلَایَسۡمَعُ بِسَمۡعِهٖ ؛	101	اور نہ ان کی تکلیف بھری باتیں ہی سن سکتا ہے۔صرف۔
یُرَدِّدُ طَرۡفَهٗ بِالنَّظۡرِ فِیۡ وُجُوۡهِهِمۡ ؛	102	آنکھیں ادھر اُدھر گھماتا ہے۔اور حسرت ویاس سے ان کے چہروں کو دیکھتا ہے۔
یَرٰیٰ حَرَکَاتَ اَلۡسِنَتِهِمۡ وَلَا یَسۡمَعُ رَجۡعَ کَلَامِهِمۡ ؛	103	وہ اپنے آس پاس کے لوگوں کی زبان کا حرکت کرنا تو دیکھتا ہے مگر زبان سے نکلنے والے کلام کو سن نہیں سکتا ہے۔
ثُمَّ ازۡدَادَ الۡمَوۡتُ الۡتِیَاطًا بِهٖ ؛	104	پھر موت نے اس پر بھر پور حملہ کر دیا اور،
فَقَبَضَ بَصَرَهٗ کَمَا قَبَضَ سَمۡعَهٗ ؛	105	اور اسکی آنکھوں پر بھی اسی طرح قبضہ کر لیا جسطرح کانوں پر قبضہ کیا تھا۔
وَخَـرَجَـتِ الرُّوۡحُ مِـنۡ جَسَـدِهٖ فَصَارَ جِیۡفَةً بَیۡنَ اَهۡلِهٖ ؛	106	اور روح اس کے جسم سے نکل گئی اور اس کی مردار لاش اس کے اہل وعیال میں پڑی رہ گئی۔
قَـدۡ اَوۡحَشُـوۡا مِـنۡ جَانِبِهٖ وَتَبَاعَدُوۡا مِنۡ قُرۡبِهٖ ؛	107	اب اہل وعیال کو اس سے وحشت اور گھبراہٹ ہونے لگی اور وہ اس کے قرب سے دور رہنے میں کوشاں ہو گئے۔
لَا یُسۡعِدُ بَاکِیًا وَّلَا یُجِیۡبُ دَاعِیًا ؛	108	وہ اب نہ رونے والوں کی مدد کر سکتا ہے اور نہ ان کی پکار وفریاد کا جواب ہی دے سکتا ہے
ثُـمَّ حَـمَلُوۡهُ اِلٰی مَخَطٍّ فِی الۡاَرۡضِ فَاَسۡلَمُوۡهُ فِیۡهِ اِلٰی عَمَلِهٖ ؛	109	پھر اُسے اُٹھا کر وہاں لے جاتے ہیں جہاں زمین میں اس کی قبر بنانا ہوتی ہے اور اسے اپنے آئندہ اعمال سے دوچار رہنے کے لئے قبر کے سپرد کر دیتے ہیں۔
وَانۡقَطَعُوۡا عَنۡ زُوۡرَتِهٖ ؛	110	اور اس کی ملاقات سے منقطع ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ:
حَتّٰی اِذَا بَـلَـغَ الۡکِتَابُ اَجَلَهٗ وَالۡاَمۡرُ مُقَادِیۡرَهٗ وَاُلۡحِقَ اٰخِرُ الۡخَلۡقِ بِاَوَّلِهٖ ؛	111	جب کتاب کے بیانات اپنی حد پر پہنچ جائیں گے اور اللہ کے احکامات اپنے نتائج اور تقدیرات کو مرتب کر چکیں گے اور اولین مخلوقات سے آخر والے ملحق ہو جائیں گے،
وَجَآءَ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰهِ مَایُرِیۡدُهٗ ؛	112	اور اللہ نے جو ارادہ اور مقصد ملحوظ رکھ کر کائناتی تخلیق کی تھی وہ مقصد سامنے آجائیگا۔
مِنۡ تَجۡدِیۡدِ خَلۡقِهٖ ؛	113	جیسا کہ تخلیق کو جدید طرح سے جاری کرنا۔
اَمَادَالسَّمَآءَ وَفَطَرَهَا ؛	114	آسمانوں کو حرکت میں لا کر شگافتہ کرنا۔
وَاَرَجَّ الۡاَرۡضَ وَاَرۡجَفَهَا ؛	115	اور زمین کو ہلا ہلا کر اس کی صورت کو بدلنا۔
وَقَلَعَ جِبَالَهَا وَنَسَفَهَا ؛	116	اور پہاڑوں کو اکھاڑ کر بکھیرنا اور چورا کر ڈالنا۔
وَدَکَّ بَعۡضُهَا بَعۡضًا مِنۡ هَیۡبَةِ جَلَالَتِهٖ	117	اور اپنے جلال کی ہیبت وخوف سے پہاڑوں کو آپس میں ٹکرانا۔

وَمَخُوْفِ سَطْوَتِهٖ ؛		
وَاَخْرَجَ مَنْ فِيْهَا فَجَدَّدَهُمْ بَعْدَ اَخْلَاقِهِمْ ؛ وَجَمَعَهُمْ بَعْدَ تَفْرِيْقِهِمْ ؛	118	اور اللہ زمین کے اندر دفن تمام انسانوں کو باہر نکالے گا اور انہیں سڑ گل جانے اور ریزہ ریزہ ہو جانے کے بعد نئے سرے سے تیار کر دے گا۔
ثُمَّ مَيَّزَهُمْ لِمَا يُرِيْدُ مِنْ مَّسْأَلَتِهِمْ عَنْ خَفَايَا	119	اور پراگندہ اجزا کو مجتمع کر کے اُن کی اپنی اپنی صورتوں میں اُٹھائے گا۔
الْاَعْمَالِ وَخَبَايَا الْاَفْعَالِ ؛	120	تا کہ ان میں تمیز و شناخت کی جا سکے اور ان کے پوشیدہ اعمال اور خفیہ حرکتوں پر ان سے باز پرس کی جا سکے۔
وَجَعَلَهُمْ فَرِيْقَيْنِ :	121	اور انہیں دو گروہوں میں بانٹ دے گا تا کہ:
اَنْعَمَ عَلٰى هٰؤُلَآءِ ؛	122	ایک گروہ کو انعام عطا کرے۔
وَانْتَقَمَ مِنْ هٰؤُلَآءِ ؛	123	اور دوسرے گروہ سے انتقام لے۔
فَـاَمَّا اَهْلُ الطَّاعَةِ فَاَثَابَهُمْ بِجِوَارِهٖ وَخَلَّدَهُمْ فِيْ دَارِهٖ ؛	124	چنانچہ اطاعت شعار لوگوں کو اپنے قریب رحمت والے گھر میں ٹھہرائے گا اور ہمیشہ ہمیشہ وہاں رکھے گا۔
حَيْثُ لَايَظْعَنُ النُّزَّالُ ؛	125	اس گھر میں منزل کرنے والے پھر کوچ نہیں کرتے۔
وَلَايَتَغَيَّرُ لَهُمُ الْحَالُ ؛	126	اور وہاں ان کے حالات بدلتے نہ رہیں گے۔
وَلَاتَنُوْبُهُمُ الْاَفْزَاعُ ؛	127	اور نہ انہیں خوف و دہشت کا سامنا ہوگا۔
وَلَاتَنَالُهُمُ الْاَسْقَامُ ؛	128	اور نہ اس جگہ ان کے اندر خامیاں پیدا ہوں گی نہ بیماریاں آئیں گی۔
وَلَا تَعْرِضُ لَهُمُ الْاَخْطَارُ ؛	129	اور نہ وہاں خطرات وآفات کا سامنا ہوگا۔
وَلَا تُشْخِصُهُمُ الْاَسْفَارُ ؛	130	اور نہ انہیں سفر اور منزلیں طے کرنا پڑیں گی۔
وَاَمَّا اَهْلُ الْمَعْصِيَةِ فَاَنْزَلَهُمْ شَرَّدَارٍ ؛	131	اور سرکشی و نافرمانی کرنے والوں کو بدترین مقام میں ٹھہرایا جائے گا۔
وَغَلَّ اَيْدِيَ اِلَى الْاَعْنَاقِ ؛	132	اور ان کے ہاتھوں کو گردن سے باندھا جائے گا۔
وَقَرَنَ النَّوَاصِيَ بِالْاَقْدَامِ ؛	133	اور ان کی پیشانیوں کو ان کے پیروں کے قریب رکھنے کا انتظام کیا جائیگا۔
وَاَلْبَسَهُمْ سَرَابِيْلَ الْقَطِرَانِ ؛	134	اور ان لوگوں کو تارکول سے بنی ہوئی شلواریں پہنائی جائیں گی۔
وَمُقَطَّعَاتِ النِّيْرَانِ ؛	135	اور انہیں آتشیں کرتے پہنائے جائیں گے۔
فِيْ عَذَابٍ قَدِاشْتَدَّ حَرُّهٗ ؛	136	اور ایسے عذاب میں رکھا جائے گا جس کی گرمی شدت اختیار کرتی جائے گی۔

وَبَابٍ قَد اُطْبِقَ عَلٰى اَهْلِهٖ ؛فِيْ نَارٍ لَّهَا كَلَبٌ وّ لَجَبٌ وَّلَهَبٌ سَاطِعٌ وَّقَصِيْفٌ هَائِلٌ ؛	137	اور اس جگہ کے دروازے ان پر بند کردئے جائیں گے وہ ایسی آگ میں جل رہے ہونگے جس کے شرارے بلند ہونگے۔آگ بھڑکنے کی آوازیں بلند ہونگی، شعلے لپیٹیں مار رہے ہونگے ، ہولناک چیخیں بلند ہونگی۔
لَايَظْعَنُ مُقِيْمُهَا وَلَا يُفَادىٰ اَسِيْرُهَا ؛ تُفْصَمُ كُبُوْلُهَا ؛	138	اس عذاب میں قیام کرنے والا نکل نہ سکے گا اور اس کا قیدی بدلہ دے کر چھوٹ نہ سکے گا اور نہ اس کی بیڑیاں ٹوٹ سکیں گی۔
لَامُدَّةَ لِلدَّارِ فَتَفْنىٰ وَلَا اَجَلَ لِلْقَوْمِ فَيُقْضٰى ؛	139	اس گھر کی کوئی عمر مقرر نہیں کہ اس کے بعد مٹ جائے۔اس قوم کی عمر مقرر نہیں ہے جو ختم ہو جائے۔(یعنی جنت اور جہنم دائمی ہیں)
فِيْ ذِكْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰه عليه وَآلِهٖ .		**نبی صلی اللہ علیہ وآلہ کا ذکر۔**
قَدْ حَقَّرَ الدُّنْيَا وَصَغَّرَهَا ؛وَاَهْوَنَهَا وَهَوَّنَهَا ؛	140	یقیناً رسوؐل اللہ نے دنیا کو حقیر جانا اور اسے کم تر شمار کیا اور اس کی توہین کی اور قابل بے عزتی ٹھہرایا۔
وَعَلِمَ اَنَّ اللّٰهَ زَوَاهَا عَنْهُ اخْتِيَارًا ؛	141	اور یہ سمجھا کہ اللہ نے انہیں جو بزرگی دی ہے اس کے حساب سے اللہ نے دنیا کو ان کے لئے شایانِ شان نہیں سمجھا ہے۔
وَبَسَطَهَا لِغَيْرِهٖ احْتِقَارًا ؛	142	اور اس کی تحقیر و توہین کرنے کیلئے دوسروں کی نظر میں دنیا کو پسندیدہ کردیا۔
فَاَعْرَضَ عَنِ الدُّنْيَا بِقَلْبِهٖ ؛	143	چنانچہ آنحضرؐت نے دل کی گہرائی کے ساتھ دنیا سے منہ موڑے رکھا۔
وَاَمَاتَ ذِكْرَهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ؛	144	اور اپنی ذات کے اندر دنیا کے ذکر کو موت کی نیند سلا دیا۔
وَاَحَبَّ اَنْ تَغِيْبَ زِيْنَتُهَا عَنْ عَيْنِهٖ لِكَيْلَا يَتَّخِذَ مِنْهَا رِيَاشًا ؛	145	اور ہمیشہ یہ پسند کرتے تھے کہ دنیا کی زینتیں اور آرائشیں ان کے سامنے نہ آنے پائیں تاکہ وہ اس سے کسی طرح کا تعلق قائم نہ کریں۔
اَوْيَرْجُوَ فِيْهَا مَقَامًا؛	146	اور نہ اس میں رہنے کی تمنا کریں۔
بَلَّغَ عَنْ رَّبِّهٖ مُعْذِرًا ؛	147	انؐ کے پاس انؐ کے رب کی طرف سے عذرات اور بہانہ بازی کو ختم کرنے کا سامان پہنچ گیا تھا۔
وَنَصَحَ لِاُمَّتِهٖ مُنْذِرًا ؛	148	اور انہوں نے اپنی امت کو ڈرانے والے کی پوزیشن میں نصیحت کی تھی۔
وَدَعَا اِلَى الْجَنَّةِ مُبَشِّرًا ؛	149	اور خوشخبری سنانے والے کی پوزیشن میں جنت کی طرف دعوت دی تھی۔
نَحْنُ شَجَرَةُ النُّبُوَّةِ ؛	150	ہم ساری نبوتوںؑ کا شجرہ ہیں۔
وَمَحَطُّ الرِّسَالَةِ ؛	151	اور ساری رسالتوںؑ کی منزل ہیں۔

وَمُخْتَلَفُ الْمَلَائِكَةِ ؛	152	اور ہم پر مسلسل ملائکہ آتے اور جاتے رہتے ہیں۔
وَمَعَادِنُ الْعِلْمِ ؛	153	اور علوم خداوندی کی کانیں وخزانے ہیں۔
وَيَنَابِيعُ الْحِكَمِ ؛	154	اور اللہ کی حکمتوں کے چشمے ہیں۔
نَاصِرُنَا وَمُحِبُّنَا يَنْتَظِرُ الرَّحْمَةَ ؛	155	ہمارا مددگار اور ہمارا چاہنے والا ہر وقت رحمت نازل ہونے کا منتظر رہتا ہے۔
وَعَدُوُّنَا وَمُبْغِضُنَا يَنْتَظِرُ السَّطْوَةَ ؛	156	اور ہمارا دشمن اور ہم سے بغض رکھنے والا ہر وقت اللہ کے عذاب و دبدبہ کا منتظر رہتا ہے۔

تشریحات:

خطبہ اللہ کی صفات سے شروع فرمایا ہے اور پہلی بات یہ کہی ہے کہ ہر مخلوق اللہ کے مقابلے میں عاجز اور کمزور و مغلوب اور بے بس ہے۔ یہ ایک اصولی اور حقیقی پوزیشن ہے۔مگر عملی حیثیت سے ہر چیز اور ہر مخلوق کو اللہ نے اُس کی بقا و ترقی اور عملدرآمد کے لئے ضروری قدرت وقوت وخصوصیات عطا کردی ہیں اور تمام مخلوقات اپنے دائرہ قدرت وقوت وخصوصیات کے اندر اپنا کام بے روک ٹوک کرتی ہیں۔اور کہیں عاجز وکمزور ومغلوب محسوس نہیں ہوتیں۔ بلکہ اگر آپ نوع انسان کی حالت سامنے رکھ لیں تو ایسا محسوس ہوگا کہ خود اللہ اُن کے سامنے عاجز وکمزور ومغلوب ہے۔ وہ کھل کر اللہ کے احکام کی مخالفت کرتے ہوئے پائے جاتے ہیں اور اللہ اُنہیں روکتا ہوا نظر نہیں آتا۔ بلکہ مغلوب اور عاجز معلوم ہوتا ہے۔وہ اہل حق کو چیلنج کرتے ہیں اور بسا اوقات کامیاب نظر آتے ہیں۔اور اہل حق مع اللہ کے وعدوں کے مغلوب و ناکام دکھائی دیتے ہیں۔مگر آپ جانتے ہیں کہ انسان حق پر ہو یا باطل پر ہو دونوں کے پاس اپنی ذاتی اور مستقل کوئی چیز نہیں ہے وہ دونوں اللہ کے عطا کردہ سامان، وسائل اور قوانین کو استعمال کرتے ہیں۔طریقہ استعمال میں فرق ہوتا ہے۔اہل حق ہر وقت اور ہر معاملے میں صحیح اور غلط کو مدنظر رکھتے ہیں اور دوسرا فریق صحیح اور غلط کو نہیں بلکہ موقع ومحل، مفید ومضر، مقصد وغرض سے سروکار رکھتے ہیں اور اللہ دونوں کو آزاد رکھتا ہے۔اور یہ آزاد رکھنا ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ اللہ اپنی قدرت اور انتظام پر بےفکر ومطمئن ہے۔اُسے یقین ہے کہ اہل حق ہوں یا اہل باطل ہوں وہ اُس کی گرفت سے نکل کر کہیں نہیں جاسکتے (27-26)۔اِسی طرح اہل حق کو یقین کامل ہے کہ اُنہیں اور اُن کے مخالف گروہ کو اللہ کے حضور جانا ہے اور وہاں پورا پورا انصاف ہونا ہے (27-26)۔اِسی یقین کی بنا پر وہ صحیح اور غلط کو قطعاً نظرانداز نہیں کرتے خواہ انہیں نقصان و ناکامی کا سامنا ہی کیوں نہ کرنا پڑے (27-26)۔اور یہی صورت حال یقین دلاتی ہے کہ اہل باطل کو نہ اللہ پر یقین واعتبار ہے نہ رسولؐ پر اور نہ وہ قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔اللہ کے اسی انتظام کو واضح کرتا ہے یہ جملہ کہ:

''لوگوں کی نافرمانیاں اللہ کی حکومت کو نقصان نہیں پہنچاتیں (17) اور لوگوں کی اطاعت وفرمانبرداری مملکت خداوندی میں مددگار نہیں (18)''

اور اسی سے ثابت ہے کہ اللہ نے مخلوق کو اپنے کسی فائدے کے لئے پیدا نہیں کیا تھا (14)۔

2۔اسلامی عقائد وایمان صرف قانونی نہیں ہیں بلکہ اُن کی بنیاد انسانی جذبات پر قائم ہے۔

حضرت علی علیہ السلام صفاتِ خداوندی بیان فرماتے ہوئے انسانی جذبات کا اُسی طرح خیال رکھتے ہیں جس طرح قوانین خداوندی کو ملحوظ رکھتے ہیں۔اُن کا یہ فرمانا کہ:

(1) اللہ ہر فقیر محتاج کی دولت وآسودگی ہے۔ غِنٰی کُلِّ فَقِیْرٍ ؛(3)

(2) ذلت میں مبتلا لوگوں کی عزت ہے۔ وَعِزُّ کُلِّ ذَلِیْلٍ ؛(4)

(3) کمزوروں کی طاقت ہے۔ وَقُوَّۃُ کُلِّ ضَعِیْفٍ ؛(5)

(4) فریادیوں کی پناہ ہے۔وَمَفْزَعُ کُلِّ مَلْھُوْفٍ ؛(6)

یہاں حضرتؑ کا اولین منشا قانونی نہیں ہے یعنی وہ فقیروں، کمزوروں، ذلیل گردانے ہوئے لوگوں اور مظلوموں کو یہ تاثر نہیں دے رہے ہیں کہ تم نے کچھ قوانین خداوندی کی خلاف ورزیاں کی ہیں جن کے نتیجے میں تمہیں محتاجی، فقیری، ذلت وکمزوری اور مصائب نے آگھیرا ہے لہٰذا اب تم ازسرنو اُن قوانین کا پتہ لگا کر اُن پر عمل کروگے تو اللہ تمہاری غربت وذلت وکمزوری اور دکھوں کو دُور کردے گا۔ اگر حضورؑ نے یہی کچھ کہا ہے اور حضورؑ کا یہی منشا ہے تو نہ اُن لوگوں کو کوئی تسلی ملے گی نہ تدارک ہوگا اس لئے کہ ہوسکتا ہے اور جیسا کہ دیکھنے میں آتا ہے کہ چاروں قسم کے لوگ کئی پشتوں سے پیدائشی مفلس وذلیل وکمزور اور دکھوں کے مارے چلے آرہے ہوں۔ اور اگر ایسا ہے اور ایسا ہی ہوتا ہے تو اب اُن کا اُن قوانین کو جاننا مشکل ہوگا جن کی خلاف ورزی اُن کے سابقہ بزرگوں نے کی تھی۔ اور اگر وہ کسی طرح اور اُن قوانین پر اطلاع حاصل کرلیں تو کئی پشتوں کے بعد اُن کی اطاعت اور پابندی کے نتائج برآمد ہوں گے۔ یعنی وہ نہیں بلکہ اُن کی اولاد میں خوشحالی اور عزت اور قوت وآسودگی آئے گی۔ اس اُمید کو اس وقت جگہ ملتی ہے۔ جب یہ یقین ہو کہ اُن کی اولاد بھی برابر مذکورہ قوانین کی پابندی کرتی رہے گی۔ اور یہ کہ اُنہیں اور اُن کی اولاد کو اُن قوانین پر عمل کرنے سے کوئی نہ روکے گا۔ لہٰذا یہ جملے اس قانونی صورت میں ذرہ برابر تسلی واطمینان فراہم نہیں کرتے۔ لہٰذا حضرت علی علیہ السلام کا اولین مفہوم قانونی نہیں بلکہ جذباتی ہے۔ وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ:

''اللہ تمہارے قریب ہے اور دعاؤں کو سنتا اور قبول کرتا ہے لہٰذا اُس سے دعا مانگو سب کچھ مل جائے گا (2/186)''۔

یہ جملہ ہماری اُردو میں حضورؑ کا وہ مفہوم ہے جس سے دکھی انسانوں کو فوراً قوت سہارا اور آسودگی اور عزت ملے گی اور یہی کچھ اللہ نے قرآن میں رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ سے فرمایا ہے سنئے: وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّھُمْ یَرْشُدُوْنَO(2/186)

ہمارا ترجمہ: ''اور اے رسولؐ جب میرے بندے میری ضرورت محسوس کریں تو انہیں بتادو کہ میں اُن سے قریب ہی ہوں اور دعا کرنے والا جب بھی مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں اُسکی دعا کو قبول کرتا ہوں۔ لہٰذا لوگوں کو چاہئے کہ وہ میری بات بھی قبول کرلیں اور مجھ پر ایمان لے آئیں شاید وہ لوگ یوں راست روی اختیار کرلیں''۔

لہٰذا ایک حقیقی راہنما لوگوں کو لمبی چوڑی باتوں میں نہیں اُلجھاتا اور اُنہیں قانون کے ایسے طول طویل چکر نہیں دیتا بلکہ اس آیت میں مذکور بات بتا کر اتنا کہنا کہ ''بھائیو اللہ کو اپنا خالق ومالک ومعبود مان لو میں ذمہ لیتا ہوں کہ تمہاری تکلیفیں دُور کردے گا''۔ اِس کے بعد اُن کو دعا سکھائے گا اور اُن کی دعا پر آمین کہے گا اور آناً فاناً مصائب دُور کردے گا۔ اب ایمان دل کی گہرائی میں اور ٹخنے تک پہنچ جائے گا اور کوئی طاقت ایمان کو متزلزل نہ کرسکے گی خواہ سرگردن سے جدا کردیا جائے خواہ آرے سے چیر دیا جائے۔ ایسے تھے ہمارے راہنما محمدؐ وعلیؑ وفاطمہؑ وحسنین علیہم السلام اور ایسے ہی تھے اُن پر ایمان لانے والے اور یہ طریقہ تھا قرآن میں اللہ سے تعارف ومعرفت کا۔ لیکن جب قریش اور اُن کے حلیفوں نے اسلامی حکومت پر قبضہ کرلیا حقیقی

راہنماؤںؑ سے جدائی اختیار کر لی اور رسولؑ کی جگہ خود راہنما بن بیٹھے تو اللہ نے بھی انہیں چھوڑ دیا۔اب نہ اُن کی نمازوں اور عبادتوں میں جان رہی نہ اُن کی دعاؤں میں مقبولیت رہی۔لہٰذا انہیں عوام کو جگہ جگہ فریب دینا پڑے اور اُنہوں نے خدا کی جگہ قانون کو دے دی اور بقول پرویز معاشرہ کو اللہ بنالیا (نظام ربوبیت صفحہ 172) یعنی رسولؑ اللہ کے بعد کے قریشی مسلمانوں کے پاس نہ زندہ اور سمیع وبصیر خدا رہا نہ خدا سے دعائیں قبول کرانے والا رسولؑ رہا۔اسلام اور قرآن کے تمام وعدے قانون کے چکروں اور فریب کاریوں میں اُلجھا دئے گئے لہٰذا مندرجہ بالا آیات کے ساتھ جو کچھ ہوا اُسے پرویز اور مودودی کے ترجمہ سے سمجھئے:

مودودی لفظ دعا اور دعا کی مقبولیت کو غائب کر لیتے ہیں۔

''اور اے نبی میرے بندے اگر تم سے میرے متعلق پوچھیں تو انہیں بتادو کہ میں ان سے قریب ہی ہوں۔پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے میں اُس کی پکار سنتا ہوں اور جواب دیتا ہوں۔لہٰذا اُنہیں چاہئے کہ میری دعوت پر لبیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں شاید کہ وہ راہ راست پالیں۔'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 144)

دُنیا جانتی ہے اور قریشی مسلمان مانتے ہیں کہ اللہ نے آج تک کبھی بھی کسی مسلمان کو اس کے پکارنے کا جواب نہیں دیا لہٰذا ترجمہ اور مترجم بفضل شیطان دونوں جھوٹے ثابت ہوتے چلے جائیں گے۔اُن کی حالت بتاتی ہے کہ اُن کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں ہے یعنی اِن مسلمانوں کا اللہ سے اتنا تعلق بھی نہیں ہے جتنا ہندوؤں، یہودیوں، عیسائیوں اور دیگر مذاہب والوں یا بے دینوں کمیونسٹوں کا تعلق ہے۔

پرویز صاحب کا قانونی اور فریب کارانہ ترجمہ دیکھئے جہاں اللہ قانون بن گیا ہے۔

''(اے رسول) جب میرے بندے تم سے میرے متعلق دریافت کریں تو اُن سے کہہ دو کہ میں ہر وقت اُن کے قریب ہوں وہ اس طرح کہ جب بھی کوئی شخص اپنی راہنمائی کے لئے مجھے پکارتا ہے تو میرا قانون ہدایت جو قرآن کے اندر محفوظ ہے اُس کی پکار کا جواب دیتا ہے۔ اور اُبھر کر اُس کے سامنے آجاتا ہے۔لہٰذا اُن سے کہہ دو کہ قرب خداوندی کا طریقہ یہ ہے کہ یہ لوگ میرے قانون کی صداقت پر یقین محکم رکھتے ہوئے اُس کی پوری پوری اطاعت کریں (7/56، 8/24، 32/15-16، 40/60، 42/26)۔یہ ہے وہ طریقہ جس سے یہ زندگی کے صحیح راستے پر پختگی سے چلتے رہیں گے۔یہ سب کچھ ان کے اپنے اعمال سے ہوگا (3/194)''۔
(کتاب مفہوم القرآن جلد اول صفحہ 69-68)

یہ تھا وہ راستہ جو قریش نے اختیار کیا تھا اور پرویز نے مسلمانوں کو صحیح مسلمان بنانے کے لئے طلوع اسلام کی راہ سے دوبارہ پیش کیا ہے۔اور اپنے سے پہلے تمام مسلمانوں کو گمراہ ثابت کیا ہے۔قرآن کے تمام ترجموں اور تفاسیر کو غلط لکھا ہے۔تمام حدیث کی کتابوں کو سازش قرار دیا ہے۔
اب ہم یہ دکھائیں گے کہ پرویز سابقہ علما کو گمراہ اور بے دین کیوں کہتے ہیں؟ اسی مندرجہ بالا آیت (2/186) کے ترجموں سے معلوم ہوجائے گا۔ جو پرویز اور مودودی کے ترجموں سے جتنا دُور ہے اُتنا ہی زیادہ گمراہ ہے۔

دوسو (200) سال قدیم شاہ ولی اللہ کا فارسی ترجمہ۔

''وچُوں استفسار کُنند تُرا بندگانِ مَن از حالِ مَن پس ہر آئینہ مَن نزدیک ام قبول میکنم دُعائے دعا کُنند، وقتیکہ دُعا کند مرا پس باید کہ فرماں برداری کُنند برائے مَن و باید کہ بگِرِ وند بمن تا باشد کہ راہ یابند۔'' (ترجمہ صفحہ 38)

ولی اللہ کے فارسی ترجمے کا ہمارا اُردو ترجمہ۔

ولی اللہ کے ترجمہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اُنہوں نے اس آیت (2/186) کا لفظ بلفظ ترجمہ کیا ہے اور دعا کے قبول کرنے پر کوئی پابندی یا شرط اپنی طرف سے نہیں لگائی ہے۔جیسا کہ آئندہ ترجموں سے دیکھا جائے گا۔

''جیسے ہی تجھ سے میرے بندے میرے متعلق سوال کریں تو میں ہر وقت اُن سے قریب ہوں جب بھی کوئی دعا کرنے والا مجھ سے دعا مانگتا ہے تو میں دعا مانگنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں۔انہیں چاہئے کہ وہ میری فرمانبرداری کریں اور چاہئے کہ وہ خود کو مجھے سپرد کردیں تا کہ راہ راست پالیں۔''

ڈپٹی نذیر احمد صاحب کا ترجمہ۔

''اور(اَے پیغمبر) جب ہمارے بندے تم سے ہمارے بارے میں دریافت کریں تو (اُن کو سمجھا دو کہ) ہم (اُن کے) پاس ہیں جب کبھی کوئی ہم سے دعا کرے تو ہم (ہر ایک) دعا کرنے والے کی دعا کو (سنتے اور مناسب ہوتا ہے تو) قبول (بھی) کر لیتے ہیں تو اُن کو چاہئے کہ ہمارا حکم (بھی) مانیں اور ہم پر ایمان لائیں تا کہ وہ سیدھے رستے لگ لیں۔''(ترجمہ صفحہ 36)

یہ ہے فرق ولی اللہ کے ترجمہ میں اور باقی سنیوں کے ترجموں میں۔

مودودی کے حکیم اُمت اشرف علی کا ترجمہ۔

''اور جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق دریافت کریں تو (آپ میری طرف سے فرما دیجئے) میں قریب ہی ہوں۔(اور باستثنائے نامناسب درخواست کے) منظور کر لیتا ہوں (ہر) عرضی درخواست کرنے والے کی جب کہ وہ میرے حضور میں درخواست دے۔سواُن کو چاہئے کہ میرے احکام کو قبول کیا کریں اور مجھ پر یقین رکھیں۔''(ترجمہ صفحہ 25)

بریلوی جماعت کے بانی محمد احمد خان کا ترجمہ۔

''اور اَے محبوب جب تم سے میرے بندے مجھے پوچھیں تو میں نزدیک ہوں دعا قبول کرتا ہوں پکارنے والے کی جب مجھے پکارے تو اُنہیں چاہئے کہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں۔کہ کہیں راہ پائیں۔''(ترجمہ صفحہ 43)

محمد احمد صاحب نے ترجمہ کر چکنے کے بعد محسوس کیا کہ اس ترجمہ کی رُو سے تو ہر دعا کا قبول کیا جانا ماننا پڑے گا اس لئے کچھ طفل تسلیاں حاشیہ میں لکھ دی ہیں وہ بھی سنتے چلیں۔

محمد احمد خان کی طفل تسلیاں اور عذرات جو اللہ نے قرآن میں کہیں نہیں کئے۔

''334 دعا عرض حاجت ہے اور اجابت یہ ہے کہ پروردگار اپنے بندے کی دعا پر لبیک عبدی فرماتا ہے۔1۔مراد کا عطا فرمانا دوسری چیز ہے وہ بھی کبھی اُس کے کرم سے۔2۔فی الفور ہوتی ہے۔3۔کبھی بمقتضائے حکمت کسی تاخیر سے کبھی بندے کی حاجت دنیا میں روا فرمائی جاتی ہے۔4۔کبھی آخرت میں۔5۔کبھی بندے کا نفع دوسری چیز میں ہوتا ہے وہ عطا کی جاتی ہے۔6۔کبھی بندہ محبوب ہوتا ہے اُس کی حاجت روائی میں اس لئے دیر کی جاتی ہے کہ وہ عرصہ تک دعا میں مشغول رہے۔7۔کبھی دعا کرنے والے میں صدق واخلاص وغیرہ شرائط قبول نہیں ہوتے۔اس لئے اللہ کے نیک اور مقبول بندوں سے دعا کرائی جاتی ہے۔ مسئلہ ناجائز امر کی دعا کرنا جائز نہیں ہے۔دعا کے

آداب میں سے ہے کہ حضورِ قلب کے ساتھ قبول کا یقین رکھتے ہوئے دعا کرے اور شکایت نہ کرے کہ میری دعا قبول نہ ہوئی۔ ترمذی کی حدیث میں ہے کہ نماز کے بعد حمد و ثنا اور درود شریف پڑھے پھر دعا کرے۔'' (ایضاً حاشیہ صفحہ 43)

ترجموں کے اور نمونے دکھانا اب فضول ہیں صرف ایک ترجمہ اور دکھاتے ہیں تا کہ اُن لوگوں کا ترجمہ بھی سامنے آ کر بیان الامامت میں ریکارڈ ہو جائے جنہیں آج کل ہمارے علاوہ سارے مسلمان کافر کہتے ہیں۔ ہم صرف گمراہ کہتے ہیں ترجمہ جناب مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفہ دوم کا ہے۔ دیکھئے:

قادیانی یا احمدی ترجمہ۔

''اور (اے رسول) جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق پوچھیں تو (تو جواب دے کہ) میں (اُن کے) پاس (ہی) ہوں۔ جب دعا کرنے والا مجھے پکارے تو میں اُس کی دعا قبول کرتا ہوں سو چاہئے کہ وہ (دعا کرنے والے بھی) میرے حکم کو قبول کریں اور مجھ پر ایمان لائیں تا کہ وہ ہدایت پائیں۔'' (ترجمہ صفحہ 40)

خلیفہ صاحب نے بھی کوئی شرط نہیں لگائی ہے۔ یعنی خلیفہ صاحب کم از کم شاہ ولی اللہ کے برابر ہیں۔ بہر حال حضرت علی علیہ السلام اللہ کو ایک قانونی خدا بنا کر پیش نہیں کرتے ہیں بلکہ ایک جیتا جاگتا ہمدردی و محبت سے بھرپور خدا کا تصور دیتے ہیں۔ جو نوع انسان کی تکالیف سے متاثر ہوتا ہے۔ اُن کے مصائب و آلام کو ناپسند کرتا ہے اور انہیں سہولت و آسودگی فراہم کرنے کی تاک میں رہتا ہے۔ رہ گیا قانونی خدا، بے حس اور اعلیٰ جذبات سے خالی خدا؟ تو ایسا خدا تو تمام بے دین و لا مذہب اور فلاسفر سب ہی مانتے ہیں۔ مشرکین عرب بھی ایسے خدا کے منکر نہ تھے۔ اللہ کے متعلق تمام جذباتی تصورات حضرت علی علیہ السلام کی طرف سے مسلمانوں میں پھیلے ہیں۔ یہاں تک کہ ابھی آپ نے دیکھا کہ بریلوی ترجمے میں بلا کسی بریکٹ کے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ کو ''اے محبوب'' لکھا گیا ہے۔ قانونی خدا کو محبت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ مگر اسلام میں اللہ اور محمدؐ کو حبیب اور محبوب کے رشتے میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ حضرت علی علیہ السلام کا خدائی تصور ہے جو صالح مسلمانوں میں پھیلا ہے اور خصوصاً صوفیائے کرام رضی اللہ عنہم نے تو محبت کے اعلیٰ ترین جذبات کو قوالیوں کے ذریعے سے مسلمانوں کے دل کی گہرائی میں اُتار کر جما دیا ہے۔ صوفیاء کے شعرا نے تو اس سلسلے میں کمال کر دیا ہے۔ چنانچہ علامہ خسرو علیہ الرحمہ کی نعتیں آپ کو حال اور وجد میں لانے کے لئے کافی ہیں۔ جنہوں نے قریشی وہابیت کی بنیادیں ہلا کر رکھ دی تھیں اور خود شیعہ لیبل کے مجتہد حیدر علی غفر انمآب بھی ساری عمر ہاتھ ملتے اور کوستے رہے ہیں اور صوفیائے کرام کے خلاف ایک ناکام محاذ بنانے میں الجھ کر جہنم واصل ہو کر رہے۔ لیکن اللہ و محمدؐ کا اور اُن کے چاہنے والے صوفیائے کرام کا مقام بدستور برقرار ہے۔

پھر یہ بھی نہ بھولئے کہ حبیب محبوبؐ کا یہ مقام من گھڑت نہیں ہے۔ حضرت علی علیہ السلام کی کوئی بات بلا قرآنی بنیاد اور دلیل کے نہیں ہوتی اللہ ہی نے تو فرمایا ہے کہ: فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌO (آل عمران 3/31)

''اِن سے کہہ دو کہ اگر تم واقعی اللہ سے محبت کرتے ہو اور یہ بھی چاہتے ہو کہ اللہ بھی تم کو محبوب رکھے تو تم میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمہیں غلط متعلقات سے تحفظ بھی عطا کرے گا۔ اور اللہ تو تحفظ فراہم کرنے والا رحیم ہے بھی۔'' (آل عمران 3/31)

نوٹ کرنے کی بات یہ ہے کہ محبت کرنے والے لوگ یقیناً مومن ہیں اُن کو پیروی کی تاکید سے عام پیروی مقصود نہیں ہے وہ تو مومنین کرتے ہی ہیں یہاں پیروی سے محبت کے طریقے اور عملدرآمد کی پیروی مطلوب ہے۔ واضح ہوا کہ اسلام ایک محبت کا فلسفہ ہے۔ یہی نہیں اللہ نے

تو قرآن میں جگہ جگہ بتایا ہے کہ اللہ انصاف پرور لوگوں سے محبت کرتا ہے۔(60/8) اللہ جم کر جنگ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے(61/4) اللہ شیخی مارنے والوں سے محبت نہیں کرتا (57/23) اللہ عادل اور منصف لوگوں سے محبت کرتا ہے (49/9) اللہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا(42/40) اللہ تکبر کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا(31/18) اللہ کافروں سے محبت نہیں کرتا(30/45) اللہ اِترانے والوں سے محبت نہیں کرتا(28/76) اللہ فسادیوں سے محبت نہیں کرتا(28/77) اللہ دغابازوں سے محبت نہیں کرتا(8/58) اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا(7/55) اللہ فضول خرچوں سے محبت نہیں کرتا(7/31)(6/141) اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے(5/13) اللہ خیانت کار گناہ گاروں سے محبت نہیں کرتا(4/107) اللہ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے(3/159) اللہ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے (3/146) اللہ محسنین سے محبت کرتا ہے(3/148)(3/134) اللہ پرہیزگاروں سے محبت کرتا ہے(3/76) اللہ گناہگاروں اور حق چھپانے والوں سے محبت نہیں کرتا(2/276) اللہ توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اور پاک رہنے والوں سے محبت کرتا ہے(2/222)۔ یہاں یہ نوٹ کرلیں کہ واجب عبادت کرنے والوں کا اللہ کی محبت سے کوئی تعلق نہیں واجبات کی ادائیگی انتظام سے متعلق فرائض ہیں۔ان حوالوں سے محبت کا فلسفہ ثابت ہوگیا۔لہٰذا قانون کو خدا کہنے والے لوگ بے دین یا وہابی ہوتے ہیں۔اور قوانین خداوندی کو بھی حضرت علی علیہ السلام سے زیادہ کسی نے نہیں بتایا ہے اور اللہ کو قوانین کے بنانے والا بتایا ہے مگر قوانین کے شکنجے میں پھنسا ہوا مجبور نہیں دکھایا ہے قانون کا بنانا اور مٹانا دونوں اس کے ہاتھ میں ہیں وہ قوانین کے ہاتھ میں نہیں ہے۔جس قانون کو جب چاہے مٹا سکتا ہے ’’یَمۡحُوۡا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَیُثۡبِتُ وَعِنۡدَہٗۤ اُمُّ الۡکِتٰبِ ‘‘ (رعد 13/39) ’’اللہ جس قانون کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو قانون چاہے جاری کر دیتا ہے تمام قوانین کی بنیادیں اُسی کے قبضے میں ہیں۔‘‘

لہٰذا جن قوانین کی خلاف ورزی سے افلاس و ناتوانی اور مصائب اور ذلت نے آ گھیرا تھا اللہ اُنہیں ہٹا کر اُن کے لئے دوسرے قوانین نافذ کرسکتا ہے لہٰذا ماننا ہوگا کہ اللہ واقعی فقیروں کی آسودہ حالی ہے۔ذلیل کئے ہوئے لوگوں کی عزت ہے۔مصائب زدہ لوگوں کی پناہ گاہ ہے۔اور ناتوانوں کی قوت ہے۔دعا کرتے ہی آناً فاناً حالت بدل سکتا ہے شرط وہی ہے کہ حقیقی راہنما متوجہ ہو جائے۔اور آمین کہہ دے۔چنانچہ اہل یقین کی دُعا سنئے:

زمانہ برسرِ جنگ است یا علیؑ مدد دی	(زمانہ میرے ساتھ جنگ پر کمر بستہ ہے یا علیؑ مدد کریں)
کمک زغیر تو ننگ است یا علیؑ مدد دی	(تیرے سوا کسی اور کی مدد لینا باعثِ بےعزتی ہے یا علیؑ مدد کریں)
کشودِ کار جہاں بیک اِشارہ تست	(سارے جہانوں کا کام تیرے ایک اشارہ سے ہوسکتا ہے)
در کارِ من چہ درنگ اَست یا علیؑ مدد دی	(میرا کام سنورانے میں کیا رکاوٹ ہے یا علیؑ مدد کریں)

ابھی ہوتی ہیں مشکلیں آسان علیؑ علیؑ کہہ علیؑ علیؑ کہہ۔

3۔ نظر آنے والی کائنات اور دکھائی نہ دینے والی کائنات دونوں عظیم الشان ہیں۔

آج سے چودہ سو سال پہلے حضرت علی علیہ السلام نے عربوں کے مجمع میں اس کائنات کی وسعتوں اور عظمت کا جو ذکر کیا تھا وہ چار جملوں میں (28 تا 31) آپ کے سامنے موجود ہے۔یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ خطبات تو آپ خاص حالات میں ہی دیتے تھے۔لیکن آپ ہمیشہ مصروف گفتگو رہتے تھے۔آپ کے علم کی شہرت آگ کی طرح پھیلتی ہوئی عرب سے نکل کر ایران و روم و یونان اور دیگر متعلقہ ممالک میں سے گزرتی چلی جارہی تھی۔اور متلاشیان علم وحق کو متوجہ کررہی تھی۔معلومات حاصل کرنے کے لئے حکومتوں کے بھیجے ہوئے نمائندے حکومت کے خرچ پر آتے

رہتے تھے اور خوشحال محققین (اسکالرز) کی لائن لگی رہتی تھی۔غریب متلاشیانِ حق پاپیادہ سیر کرتے ہوئے پہنچتے تھے۔مہمان رہتے تھے اور موقعہ بموقع استفادہ کرتے تھے۔الغرض ملکیوں اور غیر ملکیوں کی بھیڑ جمع رہتی تھی۔اور آپؑ لوگوں کو اُن کے سوالات کے جوابات دیتے تھے اور بعض سوالات کے جوابات خطبہ کی صورت میں دیتے تھے۔بہت سے لوگ جوابات کو اپنے پاس لکھ دیتے تھے۔یوں علوم مرتضویؑ عرب سے نکل کر تمام ممالک میں پھیلتے چلے گئے جن پر تحقیقات وتجربات شروع ہوئے اور بعد کے آئمہ اہلبیت علیہم السلام نے مزید تحقیق وتصدیق واصلاح کا نظام جاری رکھا۔عربوں نے چونکہ علی واولادِ علی علیہم السلام کو اپنے مشن کا مخالف یقین کرلیا تھا لہٰذا اُن کا بائیکاٹ کیا۔اور عربی حکومتوں نے اُن کے خلاف باقاعدہ محاذ بنایا۔اُن کے خلاف عربوں میں نفرت پھیلائی مساجد میں لعنت بھجوائی اور سوسال تک جمعہ کے دن ہر محراب ومنبر سے لعنت ہوتی رہی۔اُن کا اور اُن کے پیروؤں اور طرفداروں کا قتل عام جاری رکھا اور چھ سات سوسال تک عرب عوام کی کثرت کو اُن کی اور اُن کے علوم کی طرف متوجہ نہ ہونے دیا۔مگر حضرت علی علیہ السلام کے خطبات وجوابات پر بیرونی اقوام میں تحقیقات جاری رہی اُسے کوئی نہ روک سکا۔لہٰذا قریشی حکومت رفتہ رفتہ ناکام وتباہ ہوئی اور اُن کے عوام میں جہالت نے اپنا ڈیرہ ڈال دیا جو آج تک استقلال سے قائم ہے۔اُدھر باقی دنیا نے مسلسل ترقی شروع کی اور روز افزوں ترقی کرتے چلے آرہے ہیں اور ترقی کے ایسے بلند مقام پر ہیں کہ جسے سمجھنے کے لئے آج کی دنیا کی آبادی میں دس لاکھ میں سے بمشکل سو آدمی ملیں گے اور مسلمانوں کی ساٹھ کروڑ کی آبادی میں بمشکل ایک ہزار ایسے علما ممکن ہیں جو آج کی ترقی کو پڑھ کر سمجھ سکیں۔مثال میں ایک نہایت ادنیٰ چیز ریڈیو کو سامنے رکھئے اور سوال کیجئے کہ ریڈیو کے اُس نظام کو ہمیں سمجھایئے جو ریڈیو کی سوئی کو کسی نمبر کے اوپر لاتے ہی ہمیں BBC یا کسی اور ریڈیو اسٹیشن سے وابستہ کردیتا ہے اور پوری فضا میں پھیلی ہوئی آوازوں کو ہم سے جدا رکھتا ہے؟ یعنی ہمارے منتخب کردہ نمبر کا فضا سے کیا تعلق ہے؟ اور فضا BBC سے کس طرح ملحق ہے؟ یہ سوال خود سے پوچھئے۔ریڈیو کی مرمت کرنے والوں سے پوچھئے اور پتہ لگایئے کہ کتنے فیصد آدمی اس سوال کو ٹھیک سے سمجھ کر کتنے آدمی بیان کرسکتے ہیں؟ اور یقین کیجئے کہ اُس سوال کو آج دنیا کا کوئی نام نہاد حجۃ اللہ یا آیۃ اللہ یا امام امۃ خمینی وغیرہ بالکل نہیں سمجھتے۔وہ تو جاہل مطلق ہوتے ہیں صرف استنجے اور غسل کو جانتے ہیں۔

دنیا کی مختلف چیزوں میں انسانی ترقی کو چھوڑ کر ہم صرف کائناتی وسعت پر ایک مختصر سا مصدقہ بیان آپ کے سامنے رکھتے ہیں تاکہ آپ حضور علیہ السلام کے چاروں جملوں (28 تا 31) کا وزن محسوس کرسکیں اور اللہ ورسولؐ اور کائنات کے راہنماؤں علیہم السلام کی عظمت کو سمجھ سکیں۔

4۔اللہ کی ربوبیت اور رسولؐ کی رحمت کی حدود لامحدود ہیں وہ رب العالمین ہے تو رسولؐ رحمت للعالمین غور سے اندازہ کیجئے۔

بات اس طرح شروع کریں کہ اللہ نے خود کو رب العالمین فرمایا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پوری کائنات کے لئے رحمت بنایا ہے (21/107) اور تمام عالمین کے لئے نذیر مقرر فرمایا ہے (25/10)۔لہٰذا یہ تو ماننا ہی پڑے گا کہ جہاں تک اللہ کی ربوبیت پہنچتی ہے بالکل وہیں تک آنحضرتؐ کی رحمت ونذارت محیط ہے۔ساتھ ہی یہ بھی نوٹ کریں کہ اللہ نے اس کائنات میں ملائکہ اور ارواح کی پرواز کا ذکر کرتے ہوئے ایک ایسے دن کا ذکر کیا ہے جو پچاس ہزار سال کے برابر ہوتا ہے (70/4)۔اور ملائکہ مسلسل اڑتے رہتے ہیں اور کائنات کی وسعت ختم نہیں ہوتی ہے۔اسی آیت کی ذیل میں ہم یہ عرض کریں کہ جن لوگوں نے حضرت علی علیہ السلام کی اطلاعات پر کائنات کی وسعت پر تحقیق وتجربہ شروع کیا تھا۔اُنہوں نے بھی بات کو سمجھانے اور تجربے کی کسوٹی پر پرکھنے کے لئے ایک ایسے سال کی ایجاد کی جس کو نوری سال کہا جاتا ہے۔یہ کیا اور کیسا ہوتا ہے؟ اسے یوں سمجھئے کہ اُنہوں نے پہلے یہ تجربہ کیا کہ روشنی ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل (186000) کا سفر طے کرتی

ہے۔یعنی روشنی کی رفتار ایک سیکنڈ میں 186000 میل ہے۔اب اگر اس کو ساٹھ سے (186000x60) ضرب دے دیں تو یہ معلوم ہو جائے گا کہ روشنی ایک منٹ میں کتنا فاصلہ طے کرے گی؟ پھر اس کے نتیجے کو ساٹھ سے ضرب دے کر ایک گھنٹہ کا فاصلہ معلوم ہو جائے گا۔ پھر نتیجہ کو چوبیس سے ضرب دے کر ایک دن میں طے کردہ فاصلہ معلوم ہو جائے گا اور اُس کو تین سو پینسٹھ (365) سے ضرب دے کر یہ معلوم ہوگا کہ روشنی کے ایک سال میں یا ایک نوری سال میں روشنی کتنے میل کا فاصلہ طے کرے گی۔اس نوری سال کو یاد رکھئے اور سنئے کہ ہماری یہ زمین جس نظام شمسی کا حصہ ہے اس نظام کی عظمت کا یہ حال ہے کہ اُس نظام کا مرکز یعنی سورج اس زمین سے تین لاکھ گنا بڑا ہے اور اُس کے ماتحت گردش کرنے والا سب سے دُور کا ستارہ اگر نیپچون کو مان لیا جائے تو سورج سے اس کا فاصلہ کم از کم دو ارب اُناسی کروڑ تیس لاکھ میل ہے اور اگر پلوٹو کو بعید ترین ستارا مانا جائے تو وہ سورج سے چار ارب ساٹھ کروڑ میل دُور سے سورج کے چاروں طرف گھومتا ہے اور ہماری زمین سمیت کئی اور ستارے ساتھ ساتھ گھومتے ہیں۔ یعنی یہ نظام شمسی اور اس کا کنبہ چار ارب ساٹھ کروڑ میل کے اندر پھیلا ہوا آباد ہے۔اس عظمت کے باوجود ہمارا یہ نظام شمسی ایک بہت بڑی کہکشاں کا محض ایک بہت ہی چھوٹا سا کنبہ ہے۔یعنی جس کہکشاں (Galaxy) میں ہمارا یہ نظام شمسی شامل ہے۔اس میں تقریباً اسی قسم کے تین ہزار ملین یعنی تین ارب نظام یا سورج موجود ہیں اور اُن میں کا سب سے قریب ترین آفتاب یا نظام ہماری اس زمین سے اتنی دور ہے کہ اس کی روشنی یہاں تک پہنچنے میں چار نوری سال لگتے ہیں۔

اب آپ اندازہ لگائیے کہ آپ کے سورج کا نظام چار ارب ساٹھ کروڑ میل کے دائرہ میں پھیلا ہوا تھا تو تین ارب ایسے ہی نظام کتنے میل میں پھیلے ہوئے ہوں گے؟ یہ بھی نوٹ کریں کہ جس کہکشاں (Galaxy) میں یہ تین ارب شمسی نظام آباد ہیں ایسے ہی کہکشاں بیس لاکھ اور بھی موجود ہیں جنہیں لولبی سحابیے (Spiral Nebulas) کہا جاتا ہے۔اور اُن بیس لاکھ کہکشاؤں میں سے سب سے نزدیک والی کہکشاں ہم سے اتنے فاصلے پر ہے کہ روشنی دس لاکھ سال میں ہماری زمین تک پہنچتی ہے۔اور بعید ترین اجرام فلکی جو ہمارے موجودہ آلات سے نظر آرہے ہیں اُن کی روشنی کو زمین تک پہنچنے میں دس کروڑ سال لگ جاتے ہیں۔یعنی اُن کا فاصلہ ہماری زمین سے دس کروڑ نوری سال کا ہے۔یہ تو آج تک کی وسعت ہے۔مشاہدے کے اور ترقی یافتہ ذرائع فراہم ہو جانے کے بعد کائنات کی وسعت کہاں پہنچے گی؟ جواب یہ ہے کہ:

وَمَا اَحْقَرَ ذٰلِکَ فِیْمَا غَابَ عَنَّامِنْ سُلْطَانِکَ ؛۔(144/31 خطبہ)

''اور کتنا حقیر ہے یہ جو کچھ ہمیں نظر آتا ہے؟ اُس کے مقابلے میں جو تیری مملکت میں سے ہماری نظر سے غائب ہے؟''

یہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت ونذارت کی وسعت کی ایک جھلک اور یہ ہیں حضرت علی علیہ السلام کی نگاہیں جو اس عظمت کو محیط ہیں۔الامان اور الحفیظ۔

5۔ کائنات کی تفصیلات اور وسعتوں کی خبریں دینے والا اللہ کے نزدیک کیا درجہ ومقام رکھتا تھا؟

بلاتمہید ایک آیت سنئے اور مقام مرتضوی دیکھئے۔

الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِیْرًا O(25/59)

مودودی ترجمہ: ''وہ جس نے چھ دنوں میں زمین اور آسمانوں کو اور اُن ساری چیزوں کو بنا کر رکھ دیا جو آسمان اور زمین کے درمیان ہیں پھر آپ ہی کائنات کے تخت سلطنت پر جلوہ فرما ہوا رحمٰن اُس کی شان بس کسی جاننے والے سے پوچھو۔'' (تفہیم جلد 3 صفحہ 460)

اس ترجمہ سے یہ تو ماننا ہی پڑے گا کہ اللہ نے رسولؐ اللہ سے یہ کہا ہے کہ ''تم کسی جاننے والے سے پوچھو'' یعنی نزول قرآن کے دوران رسولؐ اللہ سے زیادہ جاننے والا کوئی موجود تھا۔ کون؟ مودودی کسی صحابی کا نام تو لے نہیں سکتے۔ ممکن ہے کہ کسی یہودی یا عیسائی عالم کا نام لے دیں۔ اور یہی ہمارے لئے کافی ہے۔ کائنات کی تفصیلی اطلاعات دینے والاؑ قارئین کے سامنے ہے۔ جس سے کائنات کا غائب حصہ بھی غائب نہیں ہے بلکہ نظر آنے والی کائنات سے زیادہ عظیم ہے۔

مودودی نے اس ترجمہ میں دو عدد خیانتیں کی ہیں پہلی یہ کہ یہ جملہ اپنی طرف سے بڑھایا کہ ''اُس کی شان بس'' اس جملے کے لئے آیت میں عربی کا جملہ موجود نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ ترجمہ میں لفظ رحمٰن کو شروع یا آخر میں شامل کرنا مثلاً یوں کہ:

(1) رحمٰن وہ ہستی ہے جس نے.......

(2) جلوہ فرما ہوا وہی رحمٰن ہے......

پھر آیت میں جاننے والے سے پوچھو کا جملہ نہیں ہے۔ وہاں تو یہ فرمایا گیا ہے کہ:

''خبریں رکھنے والے سے دریافت کرلیا کرو'' یا ''جو خبریں دیتا رہتا ہے اُس سے پوچھ لیا کرو۔''

اور ساتھ ہی اس آیت (25/59) کو بھی شامل کرنا ہوگا یعنی:

''ارض وسماوات کے متعلق یا جو کچھ زمین وآسمان کے درمیان ہے اُس کے متعلق جو جاننا چاہا کرو وہ خبیر سے پوچھ لیا کرو۔''

اور یہی کچھ اللہ نے اہلؑ الذکر کے متعلق قرآن میں ساری نوع انسان سے دو مرتبہ فرمایا ہے۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِیۡۤ اِلَیۡہِمۡ فَسۡـَٔلُوۡۤا اَہۡلَ الذِّکۡرِ اِنۡ کُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ O (نحل 16/43۔ انبیاؑ 21/7)

''اے نبی آپ سے پہلے بھی ہم نے مردوں کے علاوہ کسی اور کو رسول بنا کر نہیں بھیجا ہے۔ جن کو ہم وحی بھیجا کرتے تھے۔ لہٰذا اگر تمہیں علم نہ ہو اور تم جاننا چاہتے ہو تو اہلؑ ذکر سے معلوم کرلیا کرو۔''

مطلب یہ ہے کہ قیامت تک ایسے حضراتؑ کے ہر وقت موجود رہنے کا انتظام کر دیا گیا ہے۔ جن سے جو معلوم کرنا ہو معلوم کیا جا سکتا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی نوٹ کریں کہ لفظ ''اَهۡلَ الذِّکۡرِ'' جمع ہے لہٰذا ایسے اشخاص جو ہر سوال کا قرآن کے معیار پر صحیح جواب دے سکتے ہوں اور ہر زمانہ کی پوری نوع انسان کی جہالت اور لاعلمی کو علم سے بدل سکتے ہوں کم از کم تین ہونا ضروری ہیں۔ پھر یہ بھی نوٹ کریں کہ اُن کے ملنے اور اُن سے پوچھنے پر کوئی پابندی مذکور نہیں ہوئی ہے کہ فلاں جگہ جا کر معلوم کرو یا فلاں وقت معلوم کرو یا فلاں طریقے سے معلوم کرو۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ اللہ نے ایسا انتظام فرمایا ہے کہ وہ حضراتؑ ہر پوچھنے والے کے آس پاس ہی موجود ہوں گے دماغ میں سوال پیدا ہوتے ہی معلوم کیا جا سکے۔ اب اگر یہ انتظام سمجھ میں نہ آئے تو خطا سمجھ کی ہے۔ اور یہ بات سائل کی ضرورت سے زیادہ ہے کہ یہ انتظام اور ہر انتظام اس کی سمجھ میں پہلے آجائے تب وہ سوال کرے گا۔ بات تو اتنی سی ہے کہ تمہیں ایک چیز معلوم نہیں ہے اور معلوم کرنے کی ضرورت ہے لہٰذا معلوم کرلو۔ اگر تمہیں آدمی آس پاس نظر نہیں آتا نہ آئے تم جس طرح کبھی تنہا ہی باتیں اور سوال کرلیا کرتے ہو اسی طرح سوال کرلو۔ تمہیں صحیح جواب سے مطلب ہے وہ مل جائے تو کام ہوگیا اور بس۔

جو لوگ ہر بات کو اُس وقت مانتے ہیں جب پہلے اُن کی عقل مان لے تو وہ اپنی عقل پر ایمان رکھتے ہیں اُن کا ایمان اللہ ورسولؐ پر نہیں ہوتا ہے۔ اور اُن کے لئے مندرجہ بالا انتظام نہیں ہوتا اُنہیں اُن کی عقل کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ اُن کی نیکیاں اور اعمال ضائع کرنے کا انتظام

برسرکار آجاتا ہے۔لہٰذا جسے اپنی دُنیا اور آخرت کامیاب بنانا ہو وہ بلاچون وچرا اللہ کے بیانات اور انتظامات پر مِن وعَن ایمان لائے ورنہ نہ لائے۔ جو ایمان لاتا ہے وہ اللہ کا کوئی فائدہ نہیں کرتا اور جو نہ مانے وہ اللہ کا نقصان نہیں کرتا (18-17) لیکن وہ فائدہ کرتا ہے مگر صرف اپنا اور یہ نقصان کرتا ہے مگر صرف اپنا۔

6۔ اللہ کا نظام، رسولؑ اور قرآن اور صاحبانِ قرآن سب کو اللہ کے معیار پر مان کر ہی نجات ہے ورنہ نہیں۔

چونکہ مندرجہ بالا آیات (21/7 اور 16/43) میں اَہل الذکر علیہم السلام کا ذکر ہوا ہے اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ آپ اہل الذکر کے فوراً بعد آنے والی آیت میں یہ دیکھ لیں کہ اللہ نے لفظ ''الذکر'' سے قرآن کو مراد لیا ہے۔یعنی پہلی آیت (16/43) میں اَھْلَ الذِّکْرِ قرآن والوں کو کہا گیا ہے جو ہر سائل کا جواب دینے کے لئے ہر جگہ تا قیامت موجود رکھے جائیں گے یعنی اللہ، اللہ کا رسولؐ، الذکر، اور اہلؑ الذکر وہ نظام ہے جو نجات کا ذمہ دار ہے۔آیت سنئے:

بِالْبَیِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَیْھِمْ وَلَعَلَّھُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ O(16/44)

مودودی کا ترجمہ: ''پچھلے رسولوںؑ کو بھی ہم نے روشن نشانیاں اور کتابیں دے کر بھیجا تھا اور اب یہ ذکر تم پر نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کے سامنے اُس تعلیم کی تشریح وتوضیح کرتے جاؤ جو اُن کے لئے اُتاری گئی ہے اور تاکہ لوگ خود بھی غور وفکر کریں۔'' (تفہیم جلد 2 صفحہ 544-543)

7۔ مودودی کی تشریح: نظام کو پورا کا پورا نہ ماننے والوں پر تنقید وتنبیہہ اور ملامت۔

اس آیت (16/44) کی تشریح میں پرویز کو اور تمام منکرین حدیث کو ماخوذ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''تشریح وتوضیح صرف زبان ہی سے نہیں بلکہ اپنے عمل سے بھی، اور اپنی راہنمائی میں ایک پوری مسلم سوسائٹی کی تشکیل کرکے بھی اور ''ذکر الٰہی'' کی منشا کے مطابق اُس کے نظام کو چلا کر بھی۔اس طرح اللہ نے وہ حکمت بیان کردی ہے جس کا تقاضا یہ تھا کہ لازماً ایک انسان ہی کو پیغمبرؐ بنا کر بھیجا جائے۔''ذکر'' فرشتوں کے ذریعہ سے بھی بھیجا جاسکتا تھا۔ براہ راست چھاپ کر ایک ایک انسان تک بھی پہنچایا جاسکتا تھا۔مگر محض بھیج دینے سے وہ مقصد پورا نہیں ہوسکتا تھا جس کے لئے اللہ تعالیٰ کی حکمت اور رحمت وربوبیت اس کی تنزیل کی متقاضی تھی۔ اُس مقصد کی تکمیل کے لئے ضروری تھا کہ اس ''ذکر'' کو ایک قابل ترین انسان لے کر آئے۔وہ اِس کو تھوڑا تھوڑا کرکے لوگوں کے سامنے پیش کرے۔جن کی سمجھ میں کوئی بات نہ آئے اُس کا مطلب سمجھائے۔جنہیں کچھ شک ہو اُن کا شک رفع کرے۔جنہیں کوئی اعتراض ہو اُن کے اعتراض کا جواب دے۔جو نہ مانیں اور مخالفت اور مزاحمت کریں اُن کے مقابلے میں وہ اس طرح کا رویہ برت کر دکھائے جو اس ''ذکر'' کے حاملین کی شان کے شایان ہو۔جو مان لیں اُنہیں زندگی کے ہر گوشے اور ہر پہلو کے متعلق ہدایات دے۔اُن کے سامنے خود اپنی زندگی کو نمونہ بنا کر پیش کرے۔اور اُن کو انفرادی واجتماعی تربیت دے کر ساری دنیا کے سامنے ایک ایسی سوسائٹی کو بطور مثال رکھ دے جس کا پورا اجتماعی نظام ''ذکر'' کی منشا کی شرح ہو۔یہ آیت جس طرح اُن منکرین نبوت کی محبت کے لئے قاطع تھی جو خدا کا ''ذکر'' بشر کے ذریعہ سے آنے کو نہیں مانتے تھے اُس طرح آج یہ اُن منکرین حدیث کے لئے بھی قاطع ہے۔جو نبیؐ کی تشریح وتوضیح کے بغیر صرف ''ذکر'' کو لے لینا چاہتے ہیں۔وہ خواہ اس بات کے قائل ہوں کہ نبیؐ نے تشریح وتوضیح کچھ بھی نہیں کی تھی۔صرف ذکر پیش کردیا تھا۔یا اس کے قائل ہوں کہ ماننے کے لائق صرف ذکر ہے۔نہ کہ نبیؐ کی تشریح۔یا اس کے قائل ہوں کہ اب ہمارے لئے صرف ذکر کافی ہے نبیؐ کی

تشریح کی کوئی ضرورت نہیں۔ یا اس بات کے قائل ہوں کہ اب صرف ذکر ہی قابل اعتماد حالت میں باقی رہ گیا ہے۔ نبیؐ کی تشریح باقی نہیں رہی ہے یا باقی ہے بھی تو بھروسے کے لائق نہیں ہے۔غرض ان چاروں باتوں میں سے جس بات کے بھی وہ قائل ہوں اُن کا مسلک بہرحال قرآن کی اس آیت (16/44) سے ٹکراتا ہے۔اگر وہ پہلی بات کے قائل ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ نبیؐ نے اُس منشا ہی کو فوت کر دیا جس کی خاطر ذکر کو فرشتوں کے ہاتھ بھیجنے یا براہ راست لوگوں تک پہنچا دینے کے بجائے نبیؐ کو واسطۂ تبلیغ بنایا گیا تھا۔اور اگر وہ دوسری بات کے یا تیسری بات کے قائل ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ میاں نے (معاذ اللہ) یہ فضول حرکت کی کہ ''اپنا ذکر'' ایک نبیؐ کے ذریعہ سے بھیجا کیوں کہ نبیؐ کی آمد کا حاصل بھی وہی ہے جو نبیؐ کے بغیر صرف ذکر کے مطبوعہ شکل میں نازل ہو جانے کا ہو سکتا تھا۔اور اگر وہ چوتھی بات کے قائل ہیں تو دراصل یہ قرآن اور نبوت محمدیؐ دونوں کے نسخ کا اعلان ہے۔جس کے بعد اگر کوئی مسلک معقول باقی رہ جاتا ہے تو وہ صرف اُن لوگوں کا مسلک ہے جو ایک نئی نبوت اور نئی وحی کے قائل ہیں۔اس لئے کہ اس آیت (16/44) میں اللہ تعالیٰ خود قرآن مجید کے مقصد نزول کی تکمیل کے لئے نبی کی تشریح کو ناگزیر ٹھہرا رہا ہے۔اور نبیؐ کی ضرورت ہی اس طرح ثابت کر رہا ہے کہ وہ ذکر کے منشا کی توضیح کرے۔اب اگر منکرین حدیث کا یہ قول صحیح ہے کہ ''نبیؐ کی توضیح وتشریح دنیا میں باقی نہیں رہی ہے'' تو اس کے نتیجے کھلے ہوئے ہیں۔ پہلا نتیجہ یہ ہے کہ نمونہ اتباع کی حیثیت سے نبوت محمدیؐ ختم ہوگئی اور ہمارا تعلق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف اسی طرح کا رہ گیا جیسا کہ ہود اور صالح اور شعیب علیہم السلام کے ساتھ ہے ہم اُن کی تصدیق کرتے ہیں ان پر ایمان لاتے ہیں مگر اُن کا کوئی اسوہ ہمارے پاس نہیں ہے۔جس کا ہم اتباع کریں۔یہ چیز نئی نبوت کی ضرورت آپ سے آپ ثابت کر دیتی ہے۔صرف ایک بے وقوف ہی اس کے بعد ختم نبوت پر اصرار کر سکتا ہے۔دوسرا نتیجہ یہ ہے کہ اکیلا قرآن نبیؐ کی تشریح وتبیین کے بغیر خود اپنے بھیجنے والے کے قول کے مطابق ہدایت کے لئے ناکافی ہے۔اس لئے قرآن کے ماننے والے خواہ کتنے ہی زور سے چیخ چیخ کر اُسے بجائے خود کافی قرار دیں، مدعی سست کی حمایت میں گواہان چست کی بات ہرگز نہیں چل سکتی اور ایک نئی کتاب کے نزول کی ضرورت آپ سے آپ خود قرآن کی رُو سے ثابت ہو جاتی ہے۔قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اس طرح یہ لوگ حقیقت میں انکار حدیث کے ذریعے سے دین کی جڑ کھود رہے ہیں۔''

(تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 545-543)

<u>یہ تفصیل پڑھنے کی تکلیف کیوں دی گئی۔</u>

تا کہ یہ ثابت ہو جائے کہ علامہ مودودی ایسے مسلمہ علامہ کے نزدیک بھی صرف حدیث رسولؐ کا انکار دین کی جڑ کھودنا ہے۔تو قرآن کی تمام حقیقتوں کا انکار اور اہل قرآن یا اہل الذکر علیہم السلام کا انکار کیا کہلائے گا؟

ہمارا مقصد تو صرف اتنا سا تھا کہ اللہ نے قرآن کو اس آیت (16/44) میں ''الذکر'' فرمایا ہے لہٰذا ''اَهْلُ الذِّكر'' خود بخود وہ حضرات ہوتے ہیں جو ''قرآن والے'' ہیں اور اللہ نے اِسی قرآن (65/10) میں رسول اللہؐ کو بھی ذکر فرمایا ہے۔

قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ۝ (طلاق 11-65/10)

ترجمہ: ''یقیناً اللہ نے تمہاری طرف ایک ایسا رسولؐ نازل کر دیا ہے جو مجسم ذکر ہے اور تمہارے اوپر اللہ کی بولنے والی آیتوں کی تلاوت کرتا ہے تا کہ ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو تاریکیوں سے نکال کر نورؐ کی طرف لے آئے۔ اور جو کوئی اللہ پر ایمان لا کر نیک اعمال کرے اُسے ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ اُن جنتوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ نے ایسے لوگوں کے لئے بہترین سامان فراہم کر رکھا ہے۔''

اس آیت سے معلوم وثابت ہو گیا کہ ''اہل قرآن اور اہل رسولؐ کو مختصر الفاظ میں اَھْلُ الذکر فرمایا گیا ہے جو ازل سے ابد تک علوم خداوندی سے دنیا کو مالا مال کرنے والے ہیں اور یہ علیؑ و فاطمہؑ اور حسنینؑ اور آئمہ اہل بیت علیہم السلام ہیں۔ جو ہر سوال کا جواب دینے پر قدرت رکھتے ہیں اور قیامت تک نوع انسان کے ساتھ ساتھ ہر جگہ موجود رہنے والے ہیں۔ جن سے تمام انبیاؑ و رسلؑ پیدا ہوئے (144/150 خطبہ)۔ جہاں تمام رسالتوںؑ نے منزل کی (144/151 خطبہ)۔ جن کے گرد تمام ملائکہ چکر لگاتے تھے (144/152 خطبہ)۔ جو علم کے خزانے اور حکمت کے چشمے تھے (153۔144/154 خطبہ) اور جنہیں کائنات کی ہر تفصیل پر خبیر مقرر فرمایا گیا تھا (سورہ فرقان 25/59) جن کے سینوں میں آیات بینات کی صورت میں روزِ ازل سے قرآن لکھا ہوا تھا۔ (29/49 سورہ العنکبوت)

8۔ علیؑ کے بیانات ہی وہ بیانات ہیں جن کی وجہ سے اللہ و رسولؐ و آلِ رسولؐ اور نبوت کی عظمت سامنے آئی ہے۔

اگر حضرت علی علیہ السلام کو اور اُن کے بیانات کو الگ کر دیا جائے تو دین کے تمام حقائق بے جان ہو کر رہ جاتے ہیں۔ وہ علیؑ ہی ہیں جن کے بیانات سے اللہ کی عظمت وجلال کے سامنے سر جھکتے ہیں۔ دل میں اللہ کی عبادت کا ولولہ پیدا ہوتا ہے۔ رسالت ونبوت کا مقام ارفع واعلیٰ سامنے آتا ہے اور کافروں اور ملحدوں کے دلوں میں بھی ایمان کی رغبت پیدا ہوتی ہے۔ کائنات اور موجودات کی وسعتوں سے دل میں ہیبتِ خداوندی جم کر رہ جاتی ہے۔ اُن کے سیدھے سادے جملے دلوں میں گدگدی پیدا کرتے ہیں۔ حیرانی سے منہ کھلے رہ جاتے ہیں۔ کروڑوں سال کا قدیم زمانہ اور حالات سامنے آ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آپؑ کا ہر بیان حیرانی میں ڈال دیتا ہے۔ اور اُن تمام مقامات کی تصدیق ہوتی چلی جاتی ہے جو حدیث میں آپؑ کے لئے بتائے گئے ہیں۔ وہ جنت وجہنم کو تقسیم کرنے والے ثابت ہو جاتے ہیں۔ اور ہر مرنے والے کے پاس آنے اور بیٹھنے والے پائے جاتے ہیں۔ تخلیق کائنات کے ہر مرحلے میں موجود ملتے ہیں۔ رزق کی تقسیم کے نگراں پائے جاتے ہیں۔ مقاصد تخلیق کے راز داں معلوم ہوتے ہیں۔ پردہ ہائے غیب اُٹھے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یعنی۔ ''اگر تمام مادی حجابات ہٹا دیئے جائیں تو اُن کے علم میں کوئی بھی اضافہ نہ ہو گا۔'' ایسا خبیر ایسا علیم یعنی حقیقی عین اللہ۔

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 108

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر:109

خُطبہ ﴾145﴿

پورا دین نماز ہے

’’ اِقَامُ الصَّلٰوۃِ فَاِنَّھَا الْمِلَّۃُ ‘‘ نماز کا قائم کرنا پورے دین اسلام کا قائم کرنا ہے؟

(تعلیم القرآن کی تاکید)

1۔اللہ اور انسانوں کے درمیان عملی وسیلہ کیا ہے؟

2۔ارکان دین یا دین کی بنیادیں کیا ہیں؟ اور سب کا الگ الگ مقصد کیا ہے۔

3۔جہاد اسلام کی سربلند چوٹی ہے،کلمہ فطرت ہے، زکوٰۃ فریضہ ہے، حج وعمرہ نئی زندگی ہے، روزہ سپر و ڈھال ہے۔وغیرہ وغیرہ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِنَّ اَفۡضَلَ مَاتَوَسَّلَ بِهِ الۡمُتَوَسِّلُوۡنَ اِلَی اللّٰهِ سُبۡحَانَهٗ وَتَعَالٰی الۡاِيۡمَانُ بِهٖ وَبِرَسُوۡلِهٖ ؛	1	اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی غرض سے وسیلہ ڈھونڈنے والوں کے لئے بہترین وسیلہ اللہ پر اور اللہ کے رسولؐ پر ایمان لانا ہے۔
وَالۡجِهَادُ فِیۡ سَبِيۡلِهٖ فَاِنَّهٗ ذِرۡوَۃُ الۡاِسۡلَامِ ؛	2	اور اللہ کے مقاصد کو عملاً نافذ کرنے کے لئے اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے اور جہاد اسلام کی بلندترین چوٹی کا نام ہے۔
وَكَلِمَةُ الۡاِخۡلَاصِ فَاِنَّهَا الۡفِطۡرَةُ ؛	3	اور اس کلمہ پر یقین رکھنا جس میں اللہ کو تنہا و یگانہ معبود کہا جاتا ہے فطری و حقیقی صورت حال ہے۔
وَاِقَامُ الصَّلٰوۃِ فَاِنَّهَا الۡمِلَّةُ ؛	4	اور نماز کو معصومینؑ کی منشاء اور احکام کے مطابق قائم کردینا مکمل دین اسلام کو قائم کرلینا ہے۔
وَاِيۡتَآءُ الزَّكٰوةِ فَاِنَّهَا فَرِيۡضَةٌ وَّاجِبَةٌ ؛	5	اور زکوٰۃ کا ہر حال میں ادا کرتے رہنا اللہ کے واضح اور مسلسل احکام سے فرض ہے اور تمام انبیاؑ کے عمل سے واجب ہے۔
وَصَوۡمُ شَهۡرِ رَمَضَانَ فَاِنَّهٗ جُنَّةٌ مِّنَ الۡعِقَابِ ؛	6	اور ماہِ رمضان میں روزے رکھنا باز پرس اور اللہ کی پکڑ سے بچانے اور محفوظ رکھنے والی سپر،ڈھال یا خود ہے۔
وَحَجُّ الۡبَيۡتِ وَاعۡتِمَارُهٗ فَاِنَّهُمَا يَنۡفِيَانِ الۡفَقۡرَ	7	اور تمام مقدس گھروں کا حج اور عمرہ کرنا محتاجی کی نفی، رزق کی فراوانی، غلط

وَيُرْحِضَانِ الذَّنْبَ ؛		متعلقات میں الجھنے سے بچاؤ کا ذریعہ بنتے ہیں۔
وَصِلَةُ الرَّحِمِ فَاِنَّهَا مَثْرَاةٌ فِي الْمَالِ وَمَنْسَاةٌ فِي الْاَجَلِ ؛	8	اور غیر مشروط حسنِ سلوک اور رحیمانہ عمل درآمد مال و سامانِ دنیا میں فراوانی عطا کرتا ہے اور عمر کی درازی کی ذمہ داری لیتا ہے۔
وَصَدَقَةُ السِّرِّ فَاِنَّهَا تُكَفِّرُ الْخَطِيْئَةَ ؛	9	پوشیدہ طور پر اسلامی عقائد کی تصدیق میں کوشاں رہنا غلطیوں اور خطاؤں کو چھپا دینے اور ضائع کرنے کا ذمہ دار ہے۔
وَصَدَقَةُ الْعَلَانِيَةِ فَاِنَّهَا تَدْفَعُ مِيْتَةَ السُّوْءِ ؛	10	اسلامی عقائد کو اعلانیہ طور پر سچا و صحیح ثابت کرنے میں کوشاں رہنا ان تمام حالات کو دفع کر دیتا ہے جن سے بُری اور تکلیف دہ موت واقع ہوتی ہے۔
وَصَنَائِعُ الْمَعْرُوْفِ فَاِنَّهَا تَقِيْ مَصَارِعَ الْهَوَانِ ؛	11	اور عالمی پسند اور افادہ والی صنعتوں میں مشغول رہنا ہر قسم کی ذلت و توہین کی پٹخنیوں اور زد سے محفوظ کر دیتا ہے۔
اَفِيْضُوْا فِيْ ذِكْرِ اللّٰهِ فَاِنَّهُ اَحْسَنُ الذِّكْرِ ؛	12	اللہ کے ذکر کو بڑھاتے اور پھیلاتے چلے جاؤ اسلئے کہ اللہ کا ذکر تمام اذکار سے اچھا ہے۔
وَارْغَبُوْا فِيْمَا وَعَدَ الْمُتَّقِيْنَ فَاِنَّ وَعْدَهُ اَصْدَقُ الْوَعْدِ ؛	13	اور ان چیزوں میں اپنی رغبت اور دلچسپی کو مستقل کر دو جن چیزوں کا اللہ نے متقی لوگوں سے وعدہ فرمایا ہے اسلئے کہ اللہ کا وعدہ تمام وعدوں سے زیادہ سچا ہے۔
وَقْتَدُوْا بِهَدْيِ نَبِيِّكُمْ فَاِنَّهُ اَفْضَلُ الْهَدْيِ	14	نبیؐ کی ہدایات پر قدم بقدم چلو اس لئے کہ تمہارے نبیؐ کی ہدایات مکمل ہدایات سے بھی افضل ہیں۔
وَاسْتَنُّوْا بِسُنَّتِهٖ فَاِنَّهَا اَهْدَى السُّنَنِ ؛	15	اور نبیؐ کی سنت کو اپنی راہِ عمل بنالو اس لئے کہ ان کی سنت تمام سنتوں سے زیادہ ہدایت کار ہے۔
وَتَعَلَّمُوا الْقُرْاٰنَ فَاِنَّهٗ اَحْسَنُ الْحَدِيْثِ ؛	16	مکمل قرآن کی تعلیم حاصل کرو اس لئے کہ وہ بہترین حدیث ہے۔ (قَوْلَ۔بات، حاقہ 69/40، تکویر 81/19)
وَتَفَقَّهُوْا فِيْهِ فَاِنَّهٗ رَبِيْعُ الْقُلُوْبِ ؛	17	اور القرآن کو اپنی فقہ بناؤ اس لئے کہ وہ دلوں کو زرخیزی دیتا ہے۔
وَاسْتَشْفُوْا بِنُوْرِهٖ فَاِنَّهٗ شِفَآءُ الصُّدُوْرِ ؛	18	اور قرآن کے نور سے تندرستی اور صحت و شفا مانگو اس لئے کہ قرآن سینوں کے لئے شفا ہے۔
وَاَحْسِنُوْا تِلَاوَتَهٗ فَاِنَّهٗ اَنْفَعُ الْقَصَصِ ؛	19	اور قرآن کی تلاوت کو حسین بناؤ اسلئے کہ وہ تمام قصوں سے زیادہ نفع بخش ہے۔
فَاِنَّ الْعَالِمَ الْعَامِلَ بِغَيْرِ عِلْمِهٖ كَالْجَاهِلِ الْحَائِرِ الَّذِيْ لَا يَسْتَفِيْقُ مِنْ جَهْلِهٖ ؛	20	یقیناً ایسا عالم جو القرآن کے علم کے بغیر ہی عمل کرتا ہے اور عالم کہلاتا ہے اس حیرت زدہ اور گمراہ جاہل کی طرح ہے جو اپنی جہالت سے ہوشیار نہیں ہے۔

بَلِ الْحُجَّةُ عَلَيْهِ اَعْظَمُ ؛	21	بلکہ اُس پر اللہ کی حجت اس سے بھی بڑھ چڑھ کر قائم ہے۔
وَالْحَسْرَةُ لَهُ اَلْزَمُ ؛	22	اور اُس کے لئے اللہ کی طرف سے حسرت و مایوسی لازم تر ہے۔
وَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ اَلْوَمُ ؛	23	اور اللہ کے نزدیک وہ عالم سب سے زیادہ ملامت کا حقدار ہے۔''

تشریحات:

سب سے پہلے یہ نوٹ کرلیں کہ اس خطبے کے جملہ نمبر چار (4) کے متعلق خطبہ (125) میں کافی کچھ لکھا جاچکا ہے۔ جہاں قریش کی عبادتوں اور نمازوں پر تنقید کی گئی ہے۔ اور حقیقی نظام صلوٰۃ سامنے لایا گیا ہے۔

2۔ وہی عبادتیں اور بنیادی اعمال جنہیں قریش نے اپنے مارشلزم اور نظام مشاورت کی بنیاد بنایا۔

حضرت علی علیہ السلام نے خطبہ کو اُس بنیاد سے شروع فرمایا ہے جس کے بغیر اللہ سے رشتہ قائم ہی نہیں ہوسکتا۔ اور بتایا ہے کہ مسلم کی حیثیت سے شمار کیا جانا اللہ و رسولؐ کی پوزیشن کو مان لینے پر منحصر ہے۔ چنانچہ اچھے اعمال کو دنیا کے بعد والی زندگی میں بھی نتیجہ خیز بنانے کے لئے جو مومن ہونے کی شرط لگائی گئی ہے۔ قرآن کا فیصلہ سنئے:

مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰى اِلَّا مِثْلَهَا وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ O (مومن 40/40)

ترجمہ ''جو کوئی بُرے کام کرے گا اُسے اُس کے بُرے کاموں کے بدلے میں ویسے ہی بُرے کاموں کو بھگتنا پڑے گا۔ اور جو کوئی اچھے اعمال کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو بشرطیکہ وہ مومن ہو انہیں جنت میں داخل کیا جائے گا اور بے حساب رزق دیا جائے گا۔''

یہاں سے یہ اصول بن گیا کہ آخرت کی زندگی میں نیک اعمال اُسی صورت میں شمار ہوں گے جب کہ اُس نے مومن ہوتے ہوئے وہ نیک اعمال کئے ہوں۔ یہ بھی نوٹ کرنے کی بات ہے کہ ایمان وہی قبول ہوتا ہے جو اللہ و رسولؐ اور کتاب خداوندی کے مطابق ہو۔ خودساختہ یا خودتراشیدہ قریشی قسم کا ایمان نہ ہو۔ جو قبول نہیں ہوگا۔

3۔ جہاد جنگ و جدل و مسلح تصادم کو نہیں کہا گیا ہے بلندترین مقام تک پہنچنے کے لئے جدوجہد کرنا مقصود ہے۔

ایمان کے بعد حضور علیہ السلام دوسرا نمبر جہاد کو دیتے ہیں۔ دوسرے نمبر پر جہاد کو رکھنے سے بھی وہ تمام تصورات ہٹانا پڑیں گے جو قریش نے لفظ جہاد کے ساتھ چپکا دیئے ہیں اس لئے کہ اللہ و رسولؐ اور قرآن کو مان لینے کے فوراً بعد تلوار نکال کر جنگ کرنا قطعاً فطری بات نہیں ہے۔ لہٰذا جہاد میں وہ تمام کام داخل ہوں گے جو ایمان لانے کے بعد انسان کو فطری طور پر کرنا لازم ہیں۔ مثلاً اسلام کے متعلق مزید معلومات اور متعلقہ علوم و ہدایات حاصل کرنا اور اُن میں ترقی کرتے چلے جانا۔ رسولؐ اللہ سے تعلق میں ترقی کرنا زیادہ سے زیادہ قربت حاصل کرنا۔ کھانے پینے کے آداب و شرائط پر عمل کرنا۔ گھر والوں سے تعلق و اخلاق کی تعلیم لینا۔ نماز میں شرکت کی تیاری کرنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدم بقدم پیروی کرنا اُن کے خاندان اور پسندیدہ افراد سے قربت حاصل کرنا اور اُن کے پسندیدہ بن جانے کی وجوہات معلوم کر کے اسی راہ پر چلنا وغیرہ وغیرہ یہاں تک کہ اللہ و رسولؐ اور قرآن کے بلندترین مقام پر فائز ہوجانا۔ یہ سب کچھ اور اس کے متعلقات سب جہاد میں شامل و داخل ہیں۔ اور اس میں سب سے اہم

اور بنیادی بات یہ ہے کہ ہر تصور اور ہر فکر و عمل اللہ و رسولؐ کی پسند اور سند کے ساتھ وقوع میں آئے کہیں خودرو طریقے پر کوئی بات نہ ہونے پائے۔تب یہ اللہ و رسولؐ کی راہ میں جہاد ہوگا ورنہ نہیں۔تمہاری جدوجہد ذاتی یا خاندانی یا جماعتی یا قومی یا ملکی عنوانات کے ماتحت چلی جائے گی اور اللہ و رسولؐ کے یہاں تمہارا ایمان بھی قبول نہ ہوگا چہ جائے کہ ایمان میں مزید ترقی؟ یہ اس لئے کہ جدوجہد تو دنیا کا ہر آدمی اپنے اپنے طریقے پر کرتا ہی ہے مگر وہ جدوجہد اللہ و رسولؐ کے یہاں جہاد نہیں ہوتا۔جہاد کی شرط یہ ہے کہ وہ صرف اللہ کے لئے اور رسولؐ کی تعلیم کے عین ماتحت ہو۔

4۔جہاد کے متعلق ایک حکم، دین کے متعلق چند ہدایات مجتبیٰ لوگوں کی باتیں، رسولؐ کی پوزیشن اور اچھا مولیٰ۔

چنانچہ جہاد کے سلسلے کی ایک بنیادی آیت دیکھ کر اپنا مقام طے کر لیجئے۔اللہ نے فرمایا ہے کہ:

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ هُوَ مَوْلٰكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُO (حج 22/78)

ترجمہ: ”اے ابراہیمؑ کی اولاد تم اللہ کے اندر جہاد کرو ایسا جہاد جو جہاد میں اللہ کا حق ادا کر دے۔اس لئے کہ اللہ نے تمہیں مجتبیٰ بنایا ہے۔ اور دین کے معاملے میں تمہارے لئے کوئی حرج نہیں رکھا ہے۔یہ دین تمہارے باپ ابراہیمؑ ہی کی ملت ہے ابراہیمؑ نے پہلے بھی تمہارا نام مسلمین رکھا تھا (بقرہ 128-2/127)۔اور قرآن میں بھی مسلمین ہی قائم ہے۔اور یہ نام مسلمین اس لئے رکھا گیا ہے کہ یہ خاص رسولؐ تم پر ہمیشہ چشم دید گواہ رہتا چلا جائے اور تم باقی پوری انسانیت پر چشم دید گواہ رہتے چلے جاؤ۔لہٰذا تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور اللہ سے عصمت حاصل کرتے رہو۔اللہ ہی تمہارا مولیٰ ہے اور وہ بہت اچھا مولیٰ اور بہت اچھا مددگار ہے۔“

اس آیت کے متعلق ہم بعد میں بات کریں گے پہلے علامہ مودودی کی تشریح سے مدد و تصدیق حاصل کر لیں۔

5۔مودودی کی تشریح اور جہاد کی معنوی تصدیق۔

”128۔ جہاد سے مراد محض ”قتال“ (جنگ) نہیں ہے۔بلکہ یہ لفظ جدوجہد اور کشمکش اور انتہائی سعی و کوشش کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔پھر جہاد اور مجاہد میں یہ مفہوم بھی شامل ہے کہ مزاحمت کرنے والی کچھ طاقتیں ہیں جن کے مقابلے میں یہ جدوجہد مطلوب ہے۔اور اس کے ساتھ فی اللہ کی قید یہ متعین کر دیتی ہے کہ مزاحمت کرنے والی طاقتیں وہ ہیں جو اللہ کی بندگی اور اُس کی رضا جوئی میں، اور اُس کی راہ پر چلنے میں مانع ہیں اور جدوجہد کا مقصود یہ ہے کہ اُن کی مزاحمت کو شکست دے کر آدمی خود بھی اللہ کی ٹھیک ٹھیک بندگی کرے اور دنیا میں بھی اُس کا کلمہ بلند اور کفر و الحاد کے کلمے پست کر دینے کے لئے جان لڑا دے۔اس مجاہدے کا اولین ہدف آدمی کا اپنا نفس امارہ ہے۔جو ہر وقت خدا سے بغاوت کرنے کے لئے زور لگاتا رہتا ہے۔اور آدمی کو ایمان و اطاعت کی راہ سے ہٹانے کی کوشش کرتا ہے۔جب تک اس کو مسخر نہ کر لیا جائے باہر کسی مجاہدے کا امکان نہیں ہے۔اسی لئے ایک جنگ سے واپسی کے بعد غازیوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا”**قدمتم خیر مقدم مِنَ الجهاد الاصغر الیٰ جهاد الاکبر**“ تم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف واپس آ گئے ہو‘ عرض کیا گیا کہ وہ بڑا جہاد کیا ہے؟ فرمایا ”**مجاهدة العبد هَوَاهُ**“ ”آدمی کی خود اپنی خواہش نفس کے خلاف جدوجہد“ اس کے بعد جہاد کا وسیع تر میدان پوری دُنیا ہے۔جس میں کام کرنے والی تمام بغاوت کیش اور بغاوت آموز اور بغاوت انگیز طاقتوں کے خلاف دل اور دماغ اور جسم و مال کی ساری قوتوں کے ساتھ سعی

وجہد کرنا وہ حق جہاد ہے جسے ادا کرنے کا یہاں مطالبہ کیا جا رہا ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 254-253)

6۔ جہاد پر مرتضوی ؑ موقف اور ثلاثہ اینڈ کمپنی کے موقف کا فرق مودودی کی تشریح میں جھلکتا ہے۔

مودودی کی یہ تشریح صرف اس حد تک صحیح ہے کہ جہاد سے جنگ وقتال مراد نہیں ہے بلکہ ہمہ گیر جدوجہد مطلوب ہے۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ سب سے بڑا جہاد اپنے نفس اپنی جان اور اپنی ذاتی خواہشات کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنا ہے اور بس۔

باقی جو کچھ لکھا ہے اُس میں مودودی نے اُس پالیسی کو جائز قرار دینے کے لئے لکھا ہے جو ابوبکر وعمر وعثمان اور اُن کے بعد والے خلفا نے اختیار کی تھی اور جہاد کا نعرہ مار کر ساری دنیا کو جنگ کا اکھاڑا بنا دیا تھا۔ پوری دنیا کو فساد سے لبریز کر دیا تھا اور قتل وغارت اور لوٹ مار سے نوع انسان میں تباہی مچا دی تھی جس کی خبر قرآن کریم میں مِن وعَن دے دی گئی تھی (2/204-205)۔

یہ نوٹ کر لیں کہ اگر آپ امن پسند ہیں یعنی مسلمان ہیں تو اس دنیا کی کوئی قوم آپ کو نہ اللہ کی بندگی اور اُس کی رضا جوئی سے روکے گی، نہ کبھی روکا تھا اور نہ اللہ کی راہ پر چلنے سے کوئی مانع ہوا تھا اور نہ مانع ہوگا۔ اس سلسلے میں قریشی تاریخ وروایات میں خود ساختہ افسانے لکھے گئے ہیں اُن کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ ہم تو یہاں تک کہتے ہیں کہ رسولؐ اللہ کے اسلامی رویے نے قریش کو مذہب کے نام پر جھگڑا کرنے کا موقع نہیں دیا۔ جھگڑے اور جنگیں اس لئے ہوئیں کہ قریش بنی ہاشم کے دشمن تھے اور نبیؐ بنی ہاشم کا ایک فرد تھا۔ لہٰذا قریش نے بنی ہاشم کے اقتدار کو روکنے کے لئے کیا جو کچھ بھی کیا۔ یعنی قریش نے مذہبی نہیں بلکہ اقتداری جنگیں لڑیں۔ صلح وامن کی تمام صورتوں کو ٹھکرایا اور تب تک سرِ تسلیم خم نہ کیا جب تک مجبور ومقہور نہ ہو گئے۔ جہاد کا اقتدار سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ امن وامان میں بنی نوع انسان کی خوشحالی اور صلح وپیار مدنظر رہتا ہے۔ لہٰذا جھگڑے اور فساد اور جنگ اقتدار کے لئے ہوتی ہے مذہب کے لئے نہ کبھی ہوئی ہے نہ ہوگی۔ یہ ابھی ابھی کراچی میں شیعہ سنی فساد مار دھاڑ اور آتش زنی ہوئی۔ یہ اقتدار کے لئے تھی نہ کہ مذہب کے لئے۔ شیعہ عزاداری کا جلوس نکالتے چلے آرہے ہیں۔ اس جلوس سے کوئی ایسی عبادت متاثر نہیں ہوتی۔ جس کا قرآن وحدیث میں سنیوں کو حکم دیا گیا ہے۔ شیعہ ماتم کرتے ہیں اس سے سنیوں کو کوئی جسمانی تکلیف نہیں پہنچتی کوئی عبادت نہیں رُکتی۔ وہ لوگ واقعات کربلا بیان کرتے ہیں۔ اس سے کوئی مذہبی نقصان نہیں ہوتا۔ لہٰذا شیعوں کی عزاداری سنیوں کے کسی دینی معاملے میں مداخلت نہیں کرتی۔ مگر سنی اقتدار میں ہیں۔ اُن کی حکومت ہے وہ حکومت پر دباؤ ڈالتے ہیں کہ عزاداری کے جلوسوں کو روک دیا جائے تاکہ شیعہ اُن کا حکم مانیں۔ اور وہ کام چھوڑ دیں جو اُن کے خلیفہ یزید کے اقتدار کے خلاف ہے۔ اُس کی توہین ہوتی ہے۔ اُدھر شیعہ بھی اپنے مذہب کے خلاف از خود اور خود تراشیدہ ایسے بیانات دیتے ہیں جو اُن کے اقتدار کو چیلنج کرتے ہیں۔ اور اشتعال کا باعث ہوتے ہیں۔ مختصر یہ کہ یہ فساد اور جھگڑے مذہبی نہیں ہیں۔ اقتدار سے تعلق رکھتے ہیں۔ قرآن وحدیث کی پابندی کرنے پر جھگڑے کی کوئی مثال ملتی ہی نہیں ہے۔ لہٰذا جہاد تو ہر وقت اللہ ورسولؐ کے احکامات کو مدنظر رکھ کر اسلامی سربلندی کی کوشش میں مصروف رہنے کا نام ہے۔ اور اسلامی سربلندی کسی ایک گروہ یا جماعت یا قوم کی سربلندی کو نہیں کہتے ہیں۔ بلکہ ساری نوع انسان کی سربلندی کا نام اسلامی سربلندی ہے۔ تمام مذاہب کی سربلندی اسلامی سربلندی ہے۔ رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے کبھی کسی مذہب کی راہ میں نہ رکاوٹ ڈالی نہ رکاوٹ ڈالنے کی بات کہی نہ رکاوٹ ڈالنا اسلامی بات ہے تمام مذاہب اللہ کے نام پر قائم ہیں مجتہدین نے ہر مذہب میں اپنے خود ساختہ عقائد واحکام جاری کر رکھے ہیں لیکن اگر آپ صبر وضبط سے عمل کریں اور تمام مذاہب کو اُن کے مذہب کے مطابق آزادی دے دیں تو رفتہ رفتہ تمام مذاہب بلا کسی جبر وزیادتی کے آپ کے مذہب میں داخل ہو جائیں گے۔ بہرحال اللہ کسی مذہب کا مخالف نہیں

ہے وہ تو تمام عبادت گاہوں کی حفاظت کرتا چلا آ رہا ہے اور بتاتا ہے کہ ہر عبادت گاہ میں اللہ کی عبادت کی جاتی ہے۔ سنئے۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ O(22/40)

ترجمہ: ''اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ہاتھوں دفع نہ کرتا تو خانقاہیں اور گرجا اور یہودی عبادت خانے اور مسجدیں مسمار ہو کر رہ جاتیں حالانکہ اُن میں کثرت سے اللہ کا نام لیا جاتا ہے اللہ ضرور ہی اُن لوگوں کی مدد کرے گا جو عبادت خانوں کو برقرار رکھنے میں اللہ کی مدد کریں گے اللہ بڑا قوی اور غالب ہے۔''

قرآن کریم کی رُو سے نہ صرف تمام مذاہب سے نیکیوں میں تعاون کرنا ثابت ہے بلکہ اُن سب کو محفوظ رکھنا بھی ہماری ذمہ داری ہے اور تمام خطرات میں اُن کی مدد کرنا اللہ کی مدد ہے اور ہماری اخلاقی مدد اور عمدہ سلوک اُن کے عوام وخواص کو ہمارے مذہب کی حقانیت اور برتری کی طرف متوجہ رکھے گا اور رفتہ رفتہ اپنے مذہب کی تنگ دامنی کو محسوس کریں گے اور اسلام کی وسعت میں داخل ہوتے چلے جائیں گے۔

7۔ جارحانہ تبلیغ انفرادی اور اجتماعی دونوں طریقے پر اللہ کو پسند نہیں عجلت کی ضرورت نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ نہ اللہ نے اپنی طاقت اور قدرت سے لوگوں کو مومن بنایا اور نہ جبراً اور زبردستی رسولؐ اللہ کو مومن بنانے کی اجازت دی قرآن دیکھئے فرمایا گیا کہ:

وَلَوْشَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَO(10/99)

ترجمہ: ''اگر تیرا پروردگار یہ چاہتا تو ساری دنیا کے تمام باشندے ایمان لے آتے لہٰذا کیا تم اپنے پروردگار کی منشا کے خلاف لوگوں پر اُس وقت تک جبروزبردستی کرتے رہو گے جب تک وہ مومن نہ ہو جائیں؟''

8۔ پیار واخلاق اور دلائل سے ایمان پیش کریں اور ایمان لانے کی تمنا بھی کریں مگر اپنے عمدہ سلوک میں کوتاہی نہ کریں۔

قرآن نے اللہ کے رویے کی جو مثالیں دی ہیں اُن میں سے ایک آخری مثال نوٹ فرمالیں فرمایا گیا ہے کہ:

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِO وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَايَعْمَلُوْنَO(مائدہ 66-5/65)

ترجمہ: ''اور اگر یہ اہل کتاب ایمان لے آتے اور تقویٰ بھی اختیار کر لیتے تو ہم ضرور اُن کی برائیوں کو چھپا دیتے اور ضرور ہی اُن کو نعمتوں سے بھرپور جنتوں میں داخل کر دیتے۔ اور اگر وہ اپنے یہاں توریت اور انجیل ہی کو اور جو کچھ اُن کے رب کی طرف سے اُن پر نازل ہو چکا ہے اُسے قائم کر لیتے تو اُن کے کھانے کے لئے اُوپر سے بھی نعمتیں نازل کی جاتیں اور اُن کے پیروں کے نیچے سے بھی اُبلتیں۔ اُن میں ایک ایسی امت بھی موجود ہے جو راہ راست پر قائم ہے لیکن اُن کی کثرت بدترین اعمال کرتی ہے۔''(مائدہ 66-5/65)

قارئین کرام غور فرمائیں کہ قرآن کریم کی رُو سے ہمیں ہر مذہب کے ساتھ پُرامن رہنا، اچھا سلوک کرنا لازم ہے اور انہیں مسلمان کرنے کے لئے بھی زبردستی اور جبر کا رویہ اختیار نہیں کرنا ہے۔ قرآن کے اسی رویہ اور احکامات کا نچوڑ حضرت علی علیہ السلام نے یہ فرما کر پیش کیا ہے کہ:

''ہم تمام ادیان اور تمام ابدان کی خیر وصلاح اور بہبود وترقی چاہتے ہیں۔(خطبہ نمبر 136/3)
یہ ہے وہ مقام جسے جہاد کے نتیجہ میں اعلیٰ ترین وارفع ترین قرار دیا گیا ہے۔(145/2) اور جہاں تک پہنچنے اور پہنچانے میں نوع انسان کے ساتھ دین ومذہب کے نام پر کوئی تصادم پیش نہ آنے دینا جہاد کے حق کا ادا کردینا قرار دیا گیا ہے۔ یہ بھی فرمادیا گیا ہے کہ اللہ کو تنہا اور یگانہ قابل عبادت ہستی تسلیم کرنا فطری تقاضوں میں سے ایک تقاضہ ہونا چاہئے مطلب یہ کہ انسانوں کے لئے ایسا فطری ماحول فراہم کرنا چاہئے کہ اُن کے دلوں کی گہرائی سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ اُبھر کر زبان تک آئے۔

9۔ نظام صلوٰۃ صرف انتظامی اور فرض عبادت نہیں ہے بلکہ پورا دین وملۃ اور زندگی کا محور ہے۔

اور جب تک ایک مسلمان کو نماز تک لایا جائے تو وہ عملاً دیکھے کہ دین کے تمام تقاضے اور زندگی کی تمام ضروریات پوری ہوگئی ہیں۔ اور اُس کے سامنے وہ تمام وعدے آکر کھڑے ہوگئے ہیں۔جن کی اُسے ضرورت تھی اور جنہیں وہ قرآن میں پڑھتا رہا تھا۔وہ دیکھے کہ اُسے دُور دُور تک کہیں کوئی ناگوار صورت حال اور بے حیائی نظر نہیں آتی معراج اور حاصل معراج اُس کے سامنے ہے وہ قوت وقدرت پر فائز ہے۔ (خطبہ 145، جملے 3 تا 4) زکوٰۃ فریضے اور واجب کی حیثیت سے ادا ہورہی ہے (جملہ 5)۔اُسے کسی عقاب وتعاقب اور دارو گیر کا خطرہ نہیں رہا ہے (جملہ 6)۔فقر وفاقہ، عسرت وتنگدستی، غلط اُلجھاؤ کا کہیں وہم وگمان تک نہیں ہے (جملہ 7)۔عزیزوں میں خوشحالی، صحت وتندرستی اور درازی عمر اُس کے حسنِ سلوک کا ثبوت ہے (جملہ 8)۔

10۔ صدقہ ایک مقدس لفظ اور طریق کار ہے، سچائی کا ثبوت ہے نہ کہ وار پھیر، کہ بی بی وارے باندی کھائے گھر کی بلا گھر میں جائے۔

ہم سفر پر جاتے ہیں تو ماں یا بہن یا زوجہ ایک پلیٹ میں آٹا لے کر دروازے کے پاس کھڑی ہوجاتی ہے ہم آٹے یا پیسوں پر اس نیت سے ہاتھ رکھ دیتے ہیں کہ: ''صدقہ دیتا ہوں واسطے ردِ بلا کے سنت قربۃً الی اللہ''۔ہم روانہ ہوجاتے ہیں تو وہ آٹا یا پیسے کسی فقیر کو دے دئے جاتے ہیں۔دُولہا دُولہن رخصت ہوتے ہیں تو اُن کے سروں پر سے پیسے نچھاور کئے جاتے ہیں اور ہم نے دیکھا ہے کہ بچے اور بڑے اُن پیسوں کو اُٹھانے اور دبوچنے کے لئے ٹوٹ پڑتے ہیں اور کئی ترکیبیں کرتے ہیں۔عقیقے میں لوگ بکرے کو بچہ کے گرد پھرا کر ذبح کرتے ہیں۔

صدقہ اولادِ رسولؐ پر حرام ہے اُن کیلئے صدقہ کا مال ناپاک ہے قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ:

خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَتُزَكِّيۡهِمۡ بِهَا وَصَلِّ عَلَيۡهِمۡ اِنَّ صَلٰوتَکَ سَكَنٌ لَّهُمۡ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ O (توبہ 9/103)

ترجمہ: ''اُن کے اموال میں سے صدقہ کا مال لے کر اُنہیں اُس سے پاک وپاکیزہ کردو اور اُن پر صلوٰت بھیج دو یقیناً تمہاری صلوٰت اُن کیلئے سکون کا باعث ہے اور اللہ سننے والا علیم ہے۔'' (توبہ 9/103)

یہاں تمام علمانے یہ سمجھا ہے اور ٹھیک سمجھا ہے کہ جو مال لے کر اُن کو پاک کیا گیا ہے وہ وہی ناپاکی ہے جسے اُن سے الگ کرنے سے پاک کیا گیا ہے۔لہٰذا صدقہ کا یہ مال ناپاکی ہے جو باقی تمام مسلمان تو کھا سکتے ہیں مگر متفقہ طور پر یہ مال رسولؐ اور آل رسولؐ پر حرام ہے۔اور یہیں سے خود بخود یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ ناپاکی کے کھانے والے مسلمان ہرگز آل رسولؐ کے ہمسر، یا کفو نہیں ہوسکتے۔یعنی رسولؐ زادیاں ہرگز مسلمانوں کے نکاح میں نہیں دی جاسکتیں اس لئے کہ وہ ناپاک اور یہ پاک ہیں۔لہٰذا یاد رکھئے کہ سید زادیاں ہر حال میں غیر سید پر حرام ہیں۔(9/103،33/53)
(دیکھو اسلام میں جنسی تعلقات)

11۔ صنعت وحرفت اور ایجادات کی اہمیت بھی علیؑ نے قائم کی تھی۔

دنیا میں حصول علم کا شوق اور علوم کائنات کی فراہمی کے ساتھ ساتھ چودہ سو سال پہلے اِن ایجادات میں مشغول ہوجانے کا تقاضہ بھی حضرت علی علیہ السلام نے پیدا کیا تھا جن سے آج یہ دنیا چھلک رہی ہے اور کائنات مسخر ہوکر نوع انسان کی خدمت میں لگی ہوئی ہے(11)۔اور قریشی مسلمان جن کو کافروبے دین کہتے ہیں اُن کے صدقے میں اُن کی ایجادات سے مستفیض ہورہے ہیں اس خطبے میں حضورؐ نے قرآن کی تعلیم پر اور اُس سے استفادہ پر کافی زور دیا ہے(23-16)۔اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کی ہدایات اور سنت کی اہمیت اجاگر کی ہے(15-14)۔اللہ کے ذکر کو جاری رکھنے اور پھیلانے کی تاکید فرمائی ہے اور اُن چیزوں سے رغبت رکھنے کا تقاضا کیا ہے جن کا اللہ نے متقین سے وعدہ فرمایا ہے۔اور قرآن دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اچھی اچھی تمام ہی چیزوں کا وعدہ متقین سے کرلیا گیا ہے۔اور گننے سے تیس(30) سے زیادہ ہیں اور آخر میں اُن علما کو برہنہ کردیا ہے جو قرآن کے علم کو حاصل کئے بغیر ہی عمل کرتے رہتے ہیں(23-20)۔

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر: 109

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 110

خُطبہ ﴿146﴾

دنیا سے متنفر کر کے خبردار رہنے کا ہر پہلو سے اہتمام کیا ہے اس کی نعمتوں اور آسائشوں کا راز کھولا ہے؟؟

1۔ آخرت کے مقابلے میں دنیا کیسے اور کیوں محبوب ہوتی ہے؟ 2۔ دنیا ایسی محبوبہ ہے کہ اس کی زیب و زینت، بناؤ سنگھار اور دلکش ادائیں اور تمام وعدے فریب اندر فریب ہوتے ہیں۔ 3۔ دنیا دوستی کے پردوں کے پیچھے دشمنی اور تباہ کاری کا نظام رکھتی ہے۔ 4۔ یہاں عیش و آرام رنج والم سے بندھا ہوا ہے۔ 5۔ دنیا پر بھروسہ اور اعتماد کرنے والوں کو رسوائی اور ذلت و ناکامی و ندامت و افسوس اور تباہی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ 6۔ دنیا سے گزر جانے والوں کے حالات عبرت کے لئے کافی ہیں۔ مُردوں پر اور موت پر ایک بھرپور نظر ڈالی گئی ہے۔ 7۔ یہاں کی حکومت بھی عارضی ہے ریاست بھی فانی اور آنی جانی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَمَّا بَعۡدُ فَاِنِّیۡ اُحَذِّرُکُمُ الدُّنۡيَا فَاِنَّهَا حُلۡوَةٌ خَضِرَةٌ ؛	1	حمد و ثنائے خداوندی کے بعد میں دنیا کا ہو کر رہ جانے سے خبردار اور منع کرتا ہوں یقیناً وہ شیریں و شاداب و خوش نما ہے۔
حُفَّتۡ بِالشَّهَوَاتِ ؛	2	جسمانی خواہشات میں گھری ہوئی ہے۔
وَتَحَبَّبَتۡ بِالۡعَاجِلَةِ ؛	3	جلدی سے حاصل ہونے والی نعمتوں کی وجہ سے جلد محبوب بن جاتی ہے۔
وَرَاقَتۡ بِالۡقَلِيۡلِ ؛	4	تھوڑی سی توجہ سے بھی دل موہ لیتی ہے یعنی اس کا تھوڑا سا سامان بھی کشش رکھتا ہے۔
وَتَحَلَّتۡ بِالۡاٰمَالِ ؛	5	وہ امیدوں کی پوشاک سے سجی ہوئی ہے۔
وَتَزَيَّنَتۡ بِالۡغُرُوۡرِ ؛	6	اور پسندیدہ فریب سے آراستہ و مُزیّن ہے۔
لَاتَدُوۡمُ حَبۡرَتُهَا ؛	7	اُس کی آسودگیوں کو دوام حاصل نہیں یعنی اُس کی ہر مسرت عارضی ہے۔
وَلَاتُؤۡمَنُ فَجۡعَتُهَا ؛	8	اور اُس سے متعلق مصیبتوں سے مطمئن نہیں رہا جا سکتا ہے۔
غَرَّارَةٌ ضَرَّارَةٌ ؛	9	وہ فریب ساز اور تکلیف دینے والی ہے۔
حَائِلَةٌ زَائِلَةٌ ؛	10	بدلتے رہنے والی اور ہاتھوں سے نکل جانے والی ہے۔
نَافِدَةٌ بَائِدَةٌ ؛	11	ختم ہو جانے والی اور فنا ہونے والی ہے۔

اَكَّالَةٌ غَوَّالَةٌ ؛	12	کھا کر ہلاک کرڈالنے والی ہے۔
لَاتَعْدُوْ اِذَا تَنَاهَتْ اِلٰى اُمْنِيَّةِ اَهْلِ الرَّغْبَةِ فِيْهَا وَالرِّضَآءِ بِهَا اَنْ تَكُوْنَ كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى ؛	13	جب دنیا اپنے چاہنے والوں اور فدا کاروں کو ان کی تمناؤں تک پہنچا دیتی ہے اور وہ خود کو کامیاب سمجھنے لگتے ہیں تو یہ دنیا ان کے ساتھ وہی کچھ کرتی ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے کہ:
" كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيَاحُ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا (كهف 18/45)" لَمْ يَكُنِ امْرُؤٌ مِّنْهَا فِيْ حَبْرَةٍ اِلَّا اَعْقَبَتْهُ بَعْدَهَا عَبْرَةً ؛	14	"اس دنیا کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ہم نے آسمان سے پانی نازل کیا اور زمینی نباتات اس پانی سے خلط ملط (مل جل) ہوگئیں اور پھر تنکا تنکا اور چُور چُور ہوگئیں جسے ہوائیں اِدھر سے اُدھر اُڑائے اُڑائے پھرتی ہیں اور اللہ کا اقتدار تو ہر چیز پر قابو رکھتا ہے (کھف 18/45) لہٰذا بات یہ ہے کہ اس دنیا میں جو کوئی شخص سامان دنیا سے مسرور اور شادمان اور آسودہ حال ہوتا ہے اس کو بعد میں عبرت کے طور پر رنج وغم کا سامنا بھی کرنا ہی پڑتا ہے۔
وَلَمْ يَلْقَ مِنْ سَرَّآئِهَا بَطْنًا اِلَّا مَنَحَتْهُ مِنْ ضَرَّآئِهَا ظَهْرًا ؛	15	اور جو شخص دنیاوی مسرتوں سے لاعلمی میں استفادہ کرتا ہے اسے یہ دنیا اپنے نقصانات اور تکلیفوں سے بھی کُھل کر دوچار کرتی ہے۔
وَلَمْ تَطُلَّهُ فِيْهَا دِيْمَةُ رَخَآءٍ اِلَّا هَتَنَتْ عَلَيْهِ مُزْنَةُ بَلَآءٍ ؛	16	اور دنیا کسی شخص پر بھی راحت وسہولت کی ہلکی سی بارش نہیں کرتی سوائے اس کے کہ اس پر مصائب اور آفات اور بلاؤں کی موسلا دھار بارش نہ کرے۔
وَّحَرِيٌّ اِذَا اَصْبَحَتْ لَهٗ مُنْتَصِرَةً اَنْ تُمْسِيَ لَهٗ مُتَنَكِّرَةً ؛	17	اور یہ بات بھی دنیا کیلئے بالکل موزوں ہے کہ پہلے لوگوں کی مددگار دوست بن کر اسکی ہر طرح کی نصرت کرتی رہے اور شام ہوتے ہی اُن کی دشمن بن جائے۔
وَاِنْ جَانِبٌ مِنْهَا اعْذَوْذَبَ وَاحْلَوْلٰى اَمَرَّ مِنْهَا جَانِبٌ فَاَوْبٰى ؛	18	اور یہ بھی اسی کی صفت ہے کہ اگر اس کا ایک رخ لذیذ اور شیریں ہوتا ہے تو دوسرا رخ لازم ہے کہ بدمزہ، کڑوا اور بلاؤں سے بھرا ہوا ہوتا ہے۔
لَايَنَالُ امْرُؤٌ مِّنْ غَضَارَتِهَا رَغَبًا اِلَّا اَرْهَقَتْهُ مِنْ نَوَائِبِهَا تَعَبًا ؛	19	کوئی شخص اس دنیا کی خوشحالیوں اور شادمانیوں اور تروتازگی سے بامراد نہیں ہوتا سوائے اسکے کہ دنیا اس کے اوپر مصیبتوں اور مشقتوں کو بھی لاد دیتی ہے۔
وَلَا يُمْسِيْ مِنْهَا فِيْ جَنَاحِ اَمْنٍ اِلَّا اَصْبَحَ عَلٰى قَوَادِمِ خَوْفٍ ؛	20	اور جو شخص امن وسلامتی میں پرواز کرتے ہوئے شام کرتا ہے اسے خوف و دہشت کے پروں سے اُڑتے ہوئے صبح کرنا پڑتی ہے۔
غَرَّارَةٌ غُرُوْرٌ مَّافِيْهَا ؛	21	وہ خود بھی فریب ساز ہے اور اس میں کی ہر چیز بھی دھوکا ہی دھوکا ہے۔
فَانِيَةٌ فَانٍ مَّنْ عَلَيْهَا ؛	22	خود بھی دنیا فنا ہونے والی ہے اور جو کوئی دنیا میں ہے اس پر بھی فنا ہوجانا طے شدہ ہے۔

لَاخَیْرَ فِیْ شَیْءٍ مِّنْ اَزْوَادِھَا اِلَّاالتَّقْوٰی ؛	23	دنیا کے کسی سامان میں بھی خیر نہیں ہے۔سوائے تقویٰ اور پرہیزگاری کے سامان کے۔
مَنْ اَقَلَّ مِنْھَا اسْتَکْثَرَ مِمَّا یُؤْمِنُهٗ ؛	24	لہٰذا جو شخص دنیاوی سامان کو کم سے کم حاصل کرتا ہے اس کے پاس اس سامان کی کثرت جمع ہو جاتی ہے۔جو اسے آخرت میں محفوظ رکھے گا۔
وَمَنِ اسْتَکْثَرَ مِنْھَا اسْتَکْثَرَ مِمَّا یُوْبِقُهٗ ؛	25	اور جو دنیاوی سامان کو کثرت سے حاصل کرتا ہے اس کے پاس اس سامان کی کثرت ہو جاتی ہے جو اسے تباہ کرے گا۔
وَزَالَ عَمَّا قَلِیْلٍ عَنْهُ ؛	26	اور اسے بہر حال جلدی ہی اس سامان سے محروم ہونا پڑے گا۔
کَمْ مِّنْ وَاثِقٍ بِھَا قَدْ فَجَعَتْهُ ؛	27	کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جنھوں نے دنیا پر بھروسہ کیا اور اس نے انہیں مصیبت میں ڈال دیا۔
وَذِیْ طُمَاْنِیْنَةٍ قَدْ صَرَعَتْهُ ؛	28	اور بہت سے لوگ دنیا پر اطمینان کئے ہوئے زندگی گزار رہے تھے۔جنہیں اس نے اُٹھا کر پٹخ دیا۔
وَذِیْ اُبَّھَةٍ قَدْ جَعَلَتْهُ حَقِیْرًا ؛	29	کتنے ہی لوگ شان وشوکت والے تھے مگر دنیا نے انہیں حقیر کر دیا۔
وَذِیْ نَخْوَةٍ قَدْ رَدَّتْهُ ذَلِیْلاً ؛	30	اور بہت سے لوگ ناز ونخرے کرتے تھے جنہیں اس نے ذلت میں ڈھکیل دیا۔
سُلْطَانُھَا دُوَلٌ ؛	31	دنیا کی بادشاہی بدلتے رہنے اور گھومنے والی ہے۔
وَعَیْشُھَا رَنِقٌ ؛	32	دنیاوی زندگی تاریک ہے۔
وَعَذْبُھَا اُجَاجٌ ؛	33	اس کا صاف پانی دراصل نمکین اور گدلا ہے۔
وَحُلْوُھَا صَبِرٌ ؛	34	اس کی مٹھاس کڑوا ایلوا ہے۔
وَغِذَاؤُھَا سِمَامٌ ؛	35	دنیاوی غذائیں زہریلی ہیں۔
وَاَسْبَابُھَا رِمَامٌ ؛	36	اس کے وسائل کمزور اور بودے ہیں۔
حَیُّھَا بِعَرَضِ مَوْتٍ ؛	37	دنیا میں زندہ شخص موت کے قابو میں ہے۔
وَصَحِیْحُھَا بِعَرَضِ سُقْمٍ ؛	38	یہاں کا تندرست شخص بیماری اور خرابی کی زد پر ہے۔
مُلْکُھَا مَسْلُوْبٌ ؛	39	اس کی حکومت چھن جانے والی ہے۔
وَعَزِیْزُھَا مَغْلُوْبٌ ؛	40	یہاں کے غالب لوگ مغلوب ہیں۔
وَمَوْفُوْرُھَا مَنْکُوْبٌ ؛	41	مالی فراوانیوں والے لوگ بدبختیوں سے دوچار ہونے والے ہیں۔

وَجَارُهَا مَحْرُوْبٌ ؛	42	اور دنیا کا ہمسایہ (پڑوسی) بھی اپنے مال و دولت سے لٹا ہوا ہے۔
أَلَسْتُمْ فِيْ مَسَاكِنِ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ اَطْوَلَ اَعْمَارًا ؟ وَاَبْقَى آثَارًا ؛	43	کیا تم ان ہی لوگوں کے مسکنوں اور مکانوں میں آباد نہیں ہو جو تم سے پہلے لمبی لمبی عمریں گزار گئے اور مستحکم آثار و نشانات چھوڑ گئے ہیں؟
وَاَبْعَدَ اٰمَالًا ؛وَاَعَدَّعَدِيْدًا ؛	44	اور جنہوں نے بڑی دور تک کی امیدیں باندھی تھیں؟ اور جو بڑی تعداد میں تھے۔
وَاَكْثَفَ جُنُوْدًا ؛	45	اور بڑی بے شمار فوجوں والے تھے۔
تَعَبَّدُوْا لِلدُّنْيَا اَىَّ تَعَبُّدٍ؛	46	وہ دنیا کی کیسی کیسی پوجا کرتے رہے۔
وَاٰثَرُوْهَا اَىَّ اِيْثَارٍ ؛	47	اور دنیا کے لئے کیسی کیسی قربانیاں دیتے رہے۔
ثُمَّ ظَعَنُوْا عَنْهَا بِغَيْرِ زَادٍ مُبَلِّغٍ ؛	48	پھر بھی انہیں دنیا سے اسطرح جدا ہونا پڑا کہ انہیں منزل تک کام آنیوالا زادِ سفر نہ ملا۔
وَلَا ظَهْرٍ قَاطِعٍ ؟	49	اور نہ ہی سواری کے لئے کوئی سواری ملی کہ راستہ آسانی سے طے کر لیتے۔
فَهَلْ بَلَغَكُمْ اَنَّ الدُّنْيَا سَخَتْ لَهُمْ نَفْسًا بِفِدْيَةٍ ؟	50	چنانچہ کیا تمہیں ان کے متعلق کوئی ایسی خبر پہنچی ہے کہ اس دنیا نے ان کو روکے رکھنے کے لئے کوئی بدلہ پیش کیا ہو؟
اَوْاَعَانَتْهُمْ بِمَعُوْنَةٍ ؟	51	یا ان کی تکلیف میں کوئی مدد کی ہو؟
اَوْ اَحْسَنَتْ لَهُمْ صُحْبَةً؟	52	یا بہتر طریقہ پر ان کی دقتوں میں ان کے ساتھ رہی ہو؟
بَلْ اَرْهَقَتْهُمْ بِالْقَوَادِحِ ؛	53	بلکہ دنیا نے تو ان پر مصیبتیں نازل کیں۔
وَاَوْهَنَتْهُمْ بِالْقَوَارِعِ ؛	54	اور آفات میں مبتلا کر کے ان کی ذلت و توہین کا سامان کیا۔
وَضَعْضَعَتْهُمْ بِالنَّوَائِبِ ؛	55	اور مسلسل آنے والی زحمتوں سے دوچار رکھا۔
وَعَفَّرَتْهُمْ لِلْمَنَاخِرِ ؛	56	اور ناک کے بل گرا کر خاک آلود کر دیا۔
وَطِئَتْهُمْ بِالْمَنَاسِمِ ؛	57	اور اپنے کُھروں سے انہیں کچل کر رکھ دیا۔
وَاَعَانَتْ عَلَيْهِمْ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ؛	58	اور دنیا کی مدد یہی تھی کہ اس نے انہیں زمانہ کی تمام تکلیف دینے والی الجھنوں میں پھنسا دیا۔
فَقَدْ رَاَيْتُمْ تَنَكُّرَهَا لِمَنْ دَانَ لَهَا ؛	59	چنانچہ تم نے دیکھا کہ جنہوں نے دنیا کو اپنا سب کچھ بنا لیا تھا وہ ان سے اجنبی بن گئی۔
وَاٰثَرَهَا وَاَخْلَدَاِلَيْهَا حَتّٰى ظَعَنُوْا عَنْهَا لِفِرَاقِ الْاَبَدِ ؛	60	اور جنہوں نے دنیا کے لئے قربانیاں دیں اور اس سے وابستہ ہو کر رہ گئے تھے یہاں تک کہ اس سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جدا ہو کر چل دئے۔
وَهَلْ زَوَّدَتْهُمْ اِلَّا السَّغَبَ ؛	61	اور کیا یوں جدائی کی وقت دنیا نے انہیں رنج و غم بھری بھوک کے علاوہ کچھ اور

		زادِ سفر دیا تھا؟
اَوْ اَحَلَّتْهُمْ اِلَّا الضَّنْکَ ؟	62	اور کیا ان کے لئے تنگ وتاریک قبر کے علاوہ کچھ اور جگہ دی تھی؟
اَوْ نَوَّرَتْ لَهُمْ اِلَّا الظُّلْمَةَ ؛	63	یا اس نے قبر کی تاریکی میں روشنی کا انتظام کیا تھا؟
اَوْ اَعْقَبَتْهُمْ اِلَّا النَّدَامَةَ ؟	64	یا ان کو ندامت کے علاوہ کسی اور انجام سے نوازا تھا؟
اَفَهٰذِهٖ تُؤْثِرُوْنَ ؟	65	کیا تم ایسی اور اسی دنیا کے لئے سب کچھ قربان کر رہے ہو؟
اَمْ اِلَيْهَا تَطْمَئِنُّوْنَ ؟	66	اور ایسی دشمن جگہ پر اطمینان سے رہتے ہو؟
اَمْ عَلَيْهَا تَحْرِصُوْنَ ؟	67	اور کیا اسی بے وفا کی حرص میں مبتلا رہنا چاہتے ہو؟
فَبِئْسَتِ الدَّارُ لِمَنْ لَمْ يَتَّهِمْهَا وَلَمْ يَكُنْ فِيْهَا عَلٰى وَجَلٍ مِّنْهَا ؛	68	یہ ان لوگوں کے لئے بدترین مقام ہے جو اس دنیا سے بدگمانی نہ رکھے اور جو یہاں بے خوف وخطر اور اطمینان سے رہتا ہے۔
فَاعْلَمُوْا وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ بِاَنَّكُمْ تَارِكُوْهَا وَ وَظَاعِنُوْنَ عَنْهَا ؛	69	یہ جان لو اور تم تو اچھے بھلے جانتے ہی ہو کہ تمہیں ایک روز اس دنیا کو چھوڑنا پڑے گا اور تمہیں اس سے جدائی اختیار کرنا ہوگی۔
وَاتَّعِظُوْا فِيْهَا بِالَّذِيْنَ قَالُوْا: "مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً (سجدہ 41/15) حُمِلُوْا اِلٰى قُبُوْرِهِمْ فَلَا يُدْعَوْنَ رُكْبَانًا ؛	70	اور تمہیں تو ان لوگوں سے سبق لینا چاہئے جنہوں نے دنیا میں یہ کہا تھا کہ "ہم سے زیادہ قوت والا کون ہے۔" (سجدہ 41/15) آخر انہیں اُٹھا کر ان کی قبروں کے سپرد کر دیا گیا۔ چنانچہ اُٹھائے جانے کے باوجود بھی انہیں سواروں میں شمار نہیں کیا جاتا ہے۔
وَاُنْزِلُوْا الْاَجْدَاثَ فَلَا يُدْعَوْنَ ضِيْفَانًا ؛	71	اور ان کو ان کی قبروں میں اتار دیا گیا مگر انہیں مہمان نہیں کہا جاتا ہے۔
وَجُعِلَ لَهُمْ مِّنَ الصَّفِيْحِ اَجْنَانٌ ؛	72	اور پتھروں سے ان کی قبریں تیار کی گئیں۔
وَمِنَ التُّرَابِ اَكْفَانٌ ؛	73	اور مٹی کا کفن پہنا دیا گیا۔
وَمِنَ لرُّفَاتِ جِيْرَانٌ ؛	74	اور انہیں گلی سڑی ہڈیوں کا پڑوسی بنا دیا گیا۔
فَهُمْ جِيْرَةٌ لَّا يُجِيْبُوْنَ دَاعِيًا ؛	75	وہ ایسے پڑوسی ہیں کہ پکارنے والے کو جواب نہیں دے سکتے۔
وَلَا يَمْنَعُوْنَ ضَيْمًا ؛	76	اور کسی تکلیف کو دور نہیں کر سکتے۔
وَلَا يُبَالُوْنَ مُنْدَبَةً ؛	77	اور نوحہ وفریاد کرنے والوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔
اِنْ جِيْدُوْا لَمْ يَفْرَحُوْا ؛	78	اگر ان پر بارشیں ہوں تو وہ خوش نہیں ہو سکتے۔
وَاِنْ قُحِطُوْا لَمْ يَقْنَطُوْا ؛	79	اور اگر ان پر قحط سالی واقع ہو تو ان کا مایوسی سے کوئی تعلق نہیں۔

جَمِيعٌ وَّهُمْ اٰحَادٌ؛	80	وہ کثرت میں تنہا تنہا ہیں۔
وَجِيرَةٌ وَّهُمْ اَبْعَادٌ ؛	81	وہ ہمسائے رکھتے ہوئے بھی دُور دُور ہیں۔
مُتَدَانُوْنَ وَلَايَتَزَاوَرُوْنَ ؛	82	آس پاس رہتے ہوئے بھی وہ ایک دوسرے کی زیارت سے محروم ہیں۔
وَقَرِيبُوْنَ لَايَتَقَارَبُوْنَ ؛	83	قریب ہوتے ہوئے بھی اظہار قربت نہیں کر سکتے۔
حُلَمَآءُ قَدْ ذَهَبَتْ اَضْغَانُهُمْ ؛	84	اب بُردبار ہو گئے کہ کینہ بھی ساتھ ہی مر گیا ہے۔
وَجُهَلَآءُ قَدْمَاتَتْ اَحْقَادُهُمْ ؛	85	جاہل ہیں اور ان کی نفرت وحسد بھی مر گیا ہے۔
لَايُخْشٰى فَجْعُهُمْ ؛	86	کوئی ان کے درد اور غم سے اب نہیں ڈرتا۔
وَلَايُرْجٰى دَفْعُهُمْ؛	87	ان سے مدد اور رفاقت کی درخواست نہیں کی جا سکتی۔
اِسْتَبْدَلُوْا بِظَهْرِ الْاَرْضِ بَطْنًا ؛	88	انہوں نے زمین کے اوپر والا حصہ نیچے والے حصہ سے بدل لیا ہے۔
وَبِالسَّعَةِ ضِيْقًا ؛	89	زمین کی کشادگی کو تنگی سے بدل لیا۔
وَبِالْاَهْلِ غُرْبَةً ؛	90	اہل وعیال سے تنہائی بدل لی ہے۔
وَبِالنُّوْرِ ظُلْمَةً ؛	91	اور نور سے تاریکی بدل لی۔
فَجَاؤُهَا كَمَا فَارَقُوْهَا ؛حُفَاةً عُرَاةً ؛	92	جس طرح سے دنیا کو چھوڑا اسی طرح آئے بھی تھے، برھنہ اور ننگے پیروں سے۔
قَدْ ظَعَنُوْا عَنْهَا بِاَعْمَالِهِمْ اِلَى الْحَيَاةِ الدَّائِمَةِ ؛	93	اور ہمیشہ برقرار رہنے والی زندگی کی طرف اپنے اعمال لئے ہوئے چلے گئے۔
وَدَارِ الْبَاقِيَةِ ؛	94	اور ہمیشہ باقی رہنے والے مقام پر جا پہنچے۔
كَمَا قَالَ سُبْحَانَهُ :''كَمَا بَدَأْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهُ وَعْدًا عَلَيْنَا اِنَّا كُنَّا فَاعِلِيْنَ '' (انبیا 21/104)	95	اُسی طرح جس طرح اللہ نے فرمایا تھا کہ:''جس طرح ہم نے تخلیق کو پہلی مرتبہ وجود بخشا تھا اسی طرح ہم پھر اس کو دہرائیں گے وعدہ کا پورا کرنا ہمارے ذمہ ہے اور ہم یقیناً ایسا کرنے والے ہیں۔'' (سورہ انبیاء 21/104)

تشریحات:

حضور علیہ السلام نے پچانوے جملوں کا یہ خطبہ سارا کا سارا دنیا کی حالت اور مذمت میں دیا ہے۔ اور وہ تمام پہلو بیان فرمادیئے ہیں جن میں انسانوں کی اکثریت اُلجھی رہتی ہے۔ آپؑ عموماً دنیا کو ایک فریب ساز حسین ودلنواز عورت کی شکل میں پیش کرتے ہیں اور آپؑ نے خود بھی دُنیا کو تین طلاقیں دے دینے کا ذکر فرمایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ''شرعی حیثیت سے تجھ سے استفادہ کرنا مجھ پر حرام ہو چکا ہے اب تو کسی اور کی تلاش کر۔'' یہاں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ دُنیا کی مذمت دُنیا کی اُن چیزوں اور اُن حالات سے متنفر کرنے کے لئے کی گئی ہے جو اللہ کے دین کی راہ میں رکاوٹ بنتے

ہیں۔ ورنہ دُنیا کو مزرعہ آخرت بھی فرمایا ہے یعنی دُنیا وہ کھیت ہے جس میں آخرت میں کام آنے والی کھیتی بوئی جاتی ہے۔ اگر دنیا نہ ہوتی تو آخرت میں کام آنے والی کوئی چیز حاصل کرنے کی اور کوئی جگہ موجود نہیں ہے۔

2۔ حضورؐ نے دُنیا کی پوزیشن پر خطبہ میں قرآن کی دو آیات کی طرف توجہ دلائی ہے

آپؐ نے جملہ نمبر 14 میں جس آیت (18/45) کو مثال میں پیش کیا ہے اُسی موضوع پر ایک اور آیت سنئے فرمایا ہے۔

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ اَتٰهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَO (یونس 10/24)

ترجمہ مودودی ''دُنیا کی یہ زندگی جس کے نشے میں مست ہو کر تم ہماری نشانیوں سے غفلت برت رہے ہو اس کی مثال ایسی ہے جیسے آسمان سے ہم نے پانی برسایا تو زمین کی پیداوار، جسے آدمی اور جانور سب کھاتے ہیں۔ خوب گھنی ہوگئی، پھر عین اُس وقت جب کہ زمین بہار پر تھی اور کھیتیاں بنی سنوری کھڑی تھیں۔ اور اُن کے مالک سمجھ رہے تھے کہ اب ہم اُن سے فائدہ اُٹھانے پر قادر ہیں۔ یکا یک رات کو یا دن کو ہمارا حکم آگیا اور ہم نے اُسے ایسا غارت کر کے رکھ دیا کہ گویا کل وہاں کچھ تھا ہی نہیں۔ اسی طرح ہم نشانیاں کھول کھول کر پیش کرتے ہیں اُن لوگوں کے لئے جو سوچنے سمجھنے والے ہیں'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 280-279)

3۔ دنیا کی زندگی قرآن کریم کے بیانات میں۔

صاحب قرآن علیہ السلام نے دنیا کے متعلق جو بیان دیا ہے وہ آپ کے سامنے ہے اب قرآن سے اُس کی حالت سنئے۔

ہم یہاں متن کو اختصار کی غرض سے چھوڑ کر صرف اردو ترجمہ اور آیات کے نمبر لکھیں گے تا کہ عربی کی اصل عبارت دیکھنے میں سہولت رہے۔ اللہ نے فرمایا کہ:

1۔ ''تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت کی زندگی دنیا سے بہتر اور ہمیشہ برقرار رہنے والی ہے۔'' (86/16-17)

مطلب یہ ہے کہ تم لوگوں کو ساری کوشش دنیا کی راحت اور آسائش اور لذتوں کے لئے ہوتی ہے اور تم اسی کو کامیابی سمجھتے ہو۔

2۔ ''جس نے سرکشی کی تھی اور دنیا کو ترجیح دی تھی دوزخ اسی کا ٹھکانا ہوگی۔'' (79/36-37)

3۔ ''یہ سمجھ لو کہ یہ دنیا کی زندگی کھیل اور تفریحات کی طرح ختم ہو جانے والی ہے۔ تمہاری آپس کی زینت و آرائش اور آپس میں ایک دوسرے پر برتری کا فخر جتانا اور اموال و اولاد میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے میں مقابلہ رکھنا یہ ہی کچھ دنیا میں ہوتا ہے اور اس کی مثال ایسی ہی ہے۔ جیسے بارش ہو جانے کے بعد نباتات اور کھیتی کو دیکھ دیکھ کر کاشتکار خوش ہو جاتے ہیں۔ پھر وہی کھیتی پک کر پیلی پڑ جاتی ہے۔ پھر وہ بھس بن کر رہ جاتی ہے۔ لہٰذا دنیا کی زندگی دھوکے کے سامان سے زیادہ کچھ نہیں ہوتی۔'' (57/20)

4۔ ''اے نبیؐ آپ اُس شخص کی طرف سے توجہ ہٹالیں جو ہمارے ذکر کے مقابلہ میں اپنی ولایت قائم کر رہا ہے اور جو دنیا کی زندگی کے علاوہ اور کوئی ارادہ رکھتا ہی نہیں۔'' (53/29)

5۔ ''اِس کے سوا اور کچھ نہیں کہ دنیا کی یہ زندگی کھیل تماشے کی طرح کی ہے۔ اور اگر تم ایمان لے آؤ اور تقویٰ اختیار کر لو تو اللہ تمہیں تمہاری جزا دے گا

اور تم سے تمہاری دولت طلب نہ کرے گا۔'' (47/36)
مطلب یہ ہے کہ ہدایت کاری کی اُجرت تم سے نہ لی جائے گی۔
6۔''تمہارا وہ انجام اس لئے ہوا ہے کہ تم نے آیات خداوندی کو مذاق بنائے رکھا اور تمہیں دُنیا کی زندگی نے دھوکے میں مبتلا کئے رکھا۔ چنانچہ آج نہ تم اس عذاب سے باہر نکالے جاؤ گے اور نہ ہی تمہاری معافی سنی جائے گی۔'' (45/35)
7۔''کیا یہ لوگ اللہ کی رحمت لوگوں میں تقسیم کر رہے ہیں۔ دُنیا کی زندگی میں بھی ہم ہی نے اُن کی معیشت اُن کے درمیان تقسیم کی ہے۔ اور اُن میں سے بعض کو بعض پر بلند درجات دیئے ہیں تا کہ یہ اس طرح دوسروں پر قابو پا سکیں۔ اور انہیں بتا دو کہ جو کچھ وہ جمع کر رہے ہیں اللہ کی رحمت اُس سے بڑھ کر ہے۔'' (43/31)
8۔''جو کچھ بھی تم لوگوں کو دیا گیا ہے وہ تو محض دنیا کی زندگی بسر کرنے کا سامان ہے۔ اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ اس سے بہتر بھی ہے اور پائیدار بھی ہے اور ایمان لانے اور توکل کرنے والوں کے لئے ہے'' (42/36)
9۔''اس دُنیا کی زندگی میں بھی ہم ہی تمہارے اولیا یا حکمران ہیں اور آخرت میں بھی ہم ہی حکمران ہیں اور وہاں تو جس چیز کی تمہیں خواہش ہوگی ملے گی'' (41/32)
10۔''یقین رکھو کہ ہم اس دُنیا کی زندگی میں بھی اپنے رسولوںؑ اور مومنین کی مدد کرتے ہیں اور گواہوں کے قائم ہونے پر بھی کریں گے'' (40/51)
11۔''اے میری قوم کے لوگو اس دنیا کی زندگی تو آخرت کی دولت جمع کرنے کیلئے ہے اور آخرت کی زندگی ہمیشہ ٹھہرنے کی جگہ ہے'' (40/39)
12۔''اُن پر جھٹلانے کی وجہ سے عذاب ایسے انداز میں آ گیا جس کا اُنہیں خیال بھی نہ تھا لہٰذا اللہ نے اُنہیں دنیا کی زندگی ہی میں رُسوائی کا مزہ چکھا دیا۔'' (39/25-26)
13۔''اے لوگو اللہ کا وعدہ برحق ہے لہٰذا دُنیا کی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے اور نہ وہ بڑا دھوکے باز شیطان تمہیں اللہ کے معاملے میں دھوکا دینے پائے۔ شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اُسے اپنا دشمن سمجھا کرو۔'' (35/5-6)
14۔''اے نبیؐ تم اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم دُنیا اور دنیا کی سجاوٹ چاہتی ہو تو آؤ میں مال و دولت دے کر شریفانہ طریقے سے تمہیں رخصت کر دوں۔ اور اگر تم اللہ کی اور اُس کے رسولؐ کی اور آخرت کی زندگی چاہتی ہو تو سمجھ لو کہ تم میں سے جو نیک کام کریں گی اُن کے لئے اللہ نے عظیم الشان اَجر تیار کر رکھا ہے۔'' (33/28-29)
15۔''اے لوگو اپنے پروردگار کے غضب سے بچ کر رہو اور اُس دن سے ڈرو جس روز نہ باپ بیٹے کو بدلا دے کر چھڑا سکے گا نہ بیٹا باپ کا بدلا دے سکے گا اللہ کا وعدہ بالکل سچا ہے۔ لہٰذا تمہیں دنیا کی یہ زندگی فریب میں مبتلا نہ کر دے اور نہ شیطان تمہیں دھوکا دینے پائے۔'' (31/33)
16۔''دُنیا کی یہ زندگی کھیل اور تفریحات کی طرح گزرنے والی ہے دائمی زندگی تو آخرت کا گھر ہے کاش یہ لوگ اس بات کو نوٹ کرتے۔'' (29/64)
17۔''اور اُس نے کہا کہ دُنیا کی زندگی میں تو تم نے اللہ کے علاوہ اپنے لیڈروں کو آپس میں مودۃ اور احترام کا ذریعہ بنا لیا ہے۔ مگر قیامت کے دن تم سب آپس کے تعلقات کا انکار کرو گے اور ایک دوسرے پر لعنت کرو گے اور آگ تمہارا ٹھکانا ہوگی اور تمہارا مددگار کوئی نہ ہوگا۔'' (29/25)

18۔ ''تمہیں جو کچھ دیا گیا ہے وہ تو محض دنیا کی زندگی کا سامان اور یہاں کی سجاوٹ ہی ہے۔اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ اس سے بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے اور نہیں سوچتے کہ ایک تو ایسا شخص ہے جس سے ہم نے اچھے اچھے وعدے کر رکھے ہیں اور اُسے وعدوں کے مطابق وہ چیزیں ملنے والی ہیں کیا یہ شخص اُس آدمی کے برابر ہوسکتا ہے؟ جسے ہم نے دنیا کا عارضی سامان دے رکھا ہواور پھر اُسے قیامت میں سزا کے لئے پیش کیا جانے والا بھی ہو؟۔''(28/60-61)

19۔ ''اور جو لوگ نکاح کر سکنے کی مقدرت نہ رکھتے ہوں انہیں چاہئے کہ نیک چلنی سے زندگی گزاریں جب تک اللہ انہیں نکاح کرنے کے قابل دولت نہ دے دے۔اور جو تمہارے دودہنے ہاتھوں کے معاہدے والے لوگ ہیں اگر وہ تم سے کوئی تحریری معاہدہ کرنا چاہیں تو انہیں تحریر دے دو اگر وہ بہتر صورت کی تحریر ہو۔اور انہیں رخصت کرتے وقت اس مال میں سے حصہ بھی دو جو ہم نے تمہیں دے رکھا ہے۔اور اپنی نوخیز لڑکیوں کو دنیا کی دولت بٹورنے کے لئے زنا کا پیشہ نہ کراؤ خصوصاً جب کہ وہ خود پاک دامن رہنا چاہتی ہوں۔اور جو کوئی انہیں زبردستی زنا کرنے پر مجبور کرے گا وہی ماخوذ ہوگا اور اُن کو اللہ رحم کے ساتھ بخش دے گا۔''(24/33)

20۔ ''اُس کی قوم کے اُن ملاؤں نے کہا جن کو ہم آسودہ حالی دے رکھی تھی اور جو حق کو چھپاتے اور آخرت کی باز پرس کو جھٹلاتے رہتے تھے کہ یہ نبیؑ تو کچھ بھی نہیں تمہارے جیسا ایک بشر ہے اور وہی کچھ کھاتا پیتا ہے جو تم کھاتے پیتے ہو اگر تم نے اپنے جیسے ایک بشر کی اطاعت شروع کر دی تو تم ہمیشہ گھاٹے میں رہتے چلے جاؤ گے۔''(23/33-34)

21۔ ''اَے نبیؐ تم اس شان وشوکت کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھو جو ہم نے ان لوگوں کو دے رکھی ہے۔وہ تو ہم نے انہیں آزمانے کے لئے دے رکھی ہے۔اور تیرے پروردگار کا دیا ہوا اچھا رزق ہی برقرار رہنے والا ہے۔''(20/131)

22۔ ''جادوگروں نے فرعون کی دھمکی کے جواب میں کہا کہ قسم ہے اُس ذات کی جس نے ہمیں پیدا کیا ہے۔ہم سے یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ ہم روشن اور واضح ثبوت کے سامنے آجانے کے بعد بھی اُن کو قبول نہ کریں لہٰذا تجھ سے جو کچھ ہوسکتا ہے ہمارے ساتھ کرلے تو بہت سے بہت ہمیں اِس دُنیا سے ختم کرسکتا ہے۔''(20/72)

23۔ ''اَے نبیؐ اُن سے پوچھو کہ کیا ہم تمہیں یہ بتائیں کہ اس دُنیا کی زندگی میں سب سے زیادہ ناکام ونامراد لوگ کون ہیں؟ یہ وہی لوگ ہیں جن کی ساری جدوجہد راہ راست سے بھٹکی رہی اور وہ یہ سمجھتے رہے کہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں وہی ٹھیک ہے۔یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی آیات کو چھپایا اور محاسبے کا انکار کیا۔اس لئے اُن کے تمام نیک اعمال بھی ضائع ہوگئے اُن کے اعمال کو قیامت کے دن کوئی وزن نہ دیا جائے گا۔'' (18/103-105)

24۔ ''یہ اموال اور بیٹے دنیاوی زندگی کا چمکتا ہوا سامان ہے۔جن چیزوں سے اُمیدیں وابستہ کی جانا چاہئیں اور جو باقی رہیں گی وہ تو تیرے پروردگار کے یہاں صرف نیکیاں ہیں۔''(18/46)

25۔ ''اور خود کو اُن مومنین کی معیت پر مطمئن رکھو جو اپنے رب کی رضامندیوں کے طلب گار ہیں۔اور جو صبح شام اپنے پروردگار کو پکارتے رہتے ہیں۔اور دل سے اس کی توجہات حاصل کرنے کا ارادہ کئے ہوئے ہیں۔اُن سے تم ہرگز نگاہ نہ پھیرنا۔کیا تم دنیا کی سج دھج کو پسند کرسکتے ہو؟ اور کسی ایسے شخص کی اطاعت نہ کرنا جس کے دل کو ہم نے اپنے ذِکر کی طرف سے غافل کر رکھا ہے اور جو اپنے اجتہاد کی پیروی کرتا ہے اور جس کا دین ہی حد

سے تجاوز کرنا ہے۔'' (18/28)

26۔''وہ اس لئے ہوا کہ اُنہوں نے آخرت کے مقابلے میں دُنیا کی زندگی کو محبوب رکھا تھا اور اللہ اُن لوگوں کو راہ راست پر نہیں لایا کرتا جو پوری پوری قوم کی حیثیت سے حق کو چھپانے والے ہوتے ہیں۔'' (16/107)

27۔''جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جانے والا ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔ اور ہم صبر کرنے والوں کو اُن کی جزا اُن کے بہترین اعمال کے حساب سے دیں گے۔ اور جو کوئی نیک عمل کرے گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو مگر مومن ہو، اُسے ہم دنیا میں پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور ایسے لوگوں کو بھی اُن کی جزا اُن کے بہترین اعمال کے حساب سے دیں گے۔'' (16/96-97)

28۔''ایمان لانے والوں کو اللہ دنیا اور آخرت میں صحیح باتوں پر ثابت قدم رکھتا ہے۔ اور غلط کار لوگوں کو بھٹکتا چھوڑ دیتا ہے۔'' (14/27)

29۔''جو لوگ دنیا کی زندگی کو آخرت کے مقابلے میں محبوب رکھتے ہیں اور جو لوگوں کو اللہ کے راستے سے روک رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ کا راستہ ہی ٹیڑھا ہو جائے وہ گمراہی میں بہت دُور نکل چکے ہیں۔'' (14/3)

30۔''اُن لوگوں کیلئے دُنیا کی زندگی میں بھی عذاب ہے اور آخرت کا عذاب اس سے بھی سخت ہے اور کوئی ایسا نہیں ہے جو انہیں اللہ سے بچا سکے۔'' (13/34)

31۔''اللہ جس کو چاہتا ہے رزق میں وسعت دیتا اور جسے چاہتا مقدر کا پابند کر دیتا ہے۔ یہ لوگ اس دُنیا کی زندگی پر خوش ہیں۔ حالانکہ دنیا کی زندگی تو آخرت کے مقابلے میں قلیل سا نفع ہے۔'' (13/26)

32۔''جن لوگوں نے اسی دُنیا کی زندگی اور یہاں کی خوشحالی اور نمائش کو اپنا آخری مقصد مقرر کر رکھا ہے ہم اُن کے اعمال کا پورا پورا بدلا یہاں ہی دے دیتے ہیں اور اس میں کوئی کنجوسی نہیں کرتے یہ وہی لوگ ہیں جن کے لئے آخرت کی زندگی میں صرف آگ باقی رہ جاتی ہے لہٰذا اُن کا کِیا دَھرا سب باطل ہو جاتا ہے۔'' (11/15-16)

33۔''یونسؑ کی قوم کے سوا ایسی اور کوئی قوم نہیں گزری جو عذاب کو سامنے دیکھ کر ایمان لائی ہو اور اُسے اس کے ایمان نے فائدہ دیا ہو۔ جب یونسؑ کی قوم نے ایمان اختیار کر لیا تو ہم نے اس دنیا کی زندگی میں اس کو عذاب سے بچا کر ایک مقررہ مدت تک اس زندگی سے بہرہ ور ہونے کا موقع دے دیا تھا۔'' (10/98)

34۔''موسیٰؑ نے کہا کہ اَے ہمارے پروردگار یقیناً تو نے فرعون کو اور اُس کے مُلاؤں کو اس دنیا کی زندگی میں مال و دولت اور زیب وزینت عطا کر رکھی ہے۔ پروردگارا کیا یہ سب کچھ تو نے اُنہیں اس لئے دیا ہے کہ وہ لوگوں کو تیری راہ سے گمراہ کرتے رہیں؟ اَے پروردگار اُن کے اموال کو غارت کر دے اور اُن کے دلوں کو ایسا سخت کر دے کہ دردناک عذاب کے آنے تک ایمان نہ لائیں۔ اللہ نے فرمایا کہ میں نے تیری اور ہارونؑ کی دعا قبول کر لی ہے لہٰذا تم دونوں اپنی دعا پر قائم رہو اور اُن لوگوں کی پیروی نہ کرنا جو علم نہیں رکھتے۔'' (10/88-89)

35۔''جو ایمان لائے اور پرہیزگاری اختیار کی اُن کے لئے اس دُنیا میں بھی خوش خبریاں ہیں اور آخرت میں بھی اللہ کے فیصلے تبدیل نہیں ہوتے یہی بڑی کامیابی ہے'' (10/63-64)

36۔''حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ ہمارے محاسبے کی اُمید نہیں رکھتے اور دُنیا کی زندگی ہی پر راضی ہو گئے ہیں اور اطمینان سے بسر کر رہے ہیں اور جو لوگ ہماری آیات سے غافل ہیں اُن کا ٹھکانا آگ میں ہوگا اس لئے کہ اُن کے کرتوت ہی ایسے تھے۔'' (10/7-8)

37۔ ’’اے مومنین تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب بھی تمہیں اللہ کی راہ میں نکلنے کے لئے کہا جاتا ہے تو تمہارے پیر بھاری ہو کر زمین سے چپک جاتے ہیں کیا تم نے آخرت کے مقابلے میں دُنیا کی زندگی پر راضی رہنا طے کر لیا ہے؟ لیکن آخرت کے مقابلے میں تو دُنیا کی دولت بہت ہی کم ہے؟ اگر تم اب بھی راہ خدا میں نہ نکلے تو تمہیں دردناک عذاب دیا جائے گا۔ اور تمہارے بدلے میں دوسری قوم لے آئی جائے گی اور تم اُس قوم کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔‘‘ (9/38-39)

38۔ ’’تو ہی ہمارا ولی اور حاکم ہے لہٰذا ہمیں تحفظ عطا فرما دے اور ہم پر رحم کردے اور تو تو تمام تحفظ دینے والوں سے بہتر تحفظ دینے والا ہے اور ہمارے لئے اس دُنیا میں بھی اچھائیاں لکھ دے اور آخرت میں بھی اچھائیاں لکھ دے یقیناً ہم نے تیری طرف رجوع کر لیا ہے۔‘‘ (7/155-156)

39۔ ’’جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تفریح کا سامان بنالیا ہے اور جنہیں دُنیا کی زندگی نے فریب میں مبتلا کر رکھا ہے لہٰذا آج ہم بھی اُنہیں اسی طرح بھلا دیں گے جس طرح وہ اس دن کے محاسبے کو بھولے رہے اور ہماری آیتوں کا انکار کرتے رہے۔‘‘ (7/51)

40۔ ’’اے نبیؐ اِن کو بتاؤ کہ کس نے اللہ کی اُس زینت و آرائش کو حرام قرار دیا ہے جسے اللہ نے اپنے بندوں کے لئے بنایا تھا؟ اور کس نے خدا کی بخشی ہوئی پاک چیزوں کو منع کر دیا ہے؟ بتادو کہ یہ دُنیا کی ساری چیزیں ایمان لانے والوں کے لئے دُنیا میں بھی حلال ہیں اور قیامت کے روز تو خالصتاً اُن ہی کے لئے ہوں گی۔‘‘ (7/32)

41۔ ’’آج دُنیا کی زندگی نے اُنہیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے مگر وہ گواہی دیں گے کہ وہ حق کو چھپانے والے تھے۔‘‘ (6/130)

42۔ ’’اُن لوگوں کو چھوڑ دو جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تفریح بنالیا ہے اور جنہیں دنیا کی زندگی نے فریب میں اُلجھا لیا ہے۔ البتہ انہیں قرآن کے ذریعہ نصیحت کرتے رہو۔‘‘ (6/70)

43۔ ’’دُنیا کی زندگی اس کے سوا اور کیا ہے کہ کھیل تماشے کی طرح گزر جائے گی اور آخرت کا گھر ہی اُن لوگوں کے لئے بہتر ہے جو پرہیز گار ہیں کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟‘‘ (6/62)

44۔ ’’ہاں تم نے مجرموں کی طرفداری میں دنیا میں تو کافی وکالت کر لی مگر قیامت میں اُن کی وکالت کون کرے گا۔ وہاں کون اُن کا وکیل ہوگا۔‘‘ (4/109)

45۔ ’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب تم اللہ کی راہ میں جنگ کرنے کو نکلا کرو تو تحقیق کر لیا کرو جو کوئی تمہاری طرف سلام پیش کرے تو فوراً نہ کہہ دیا کرو کہ تو مومن نہیں ہے اگر تمہیں دنیاوی مال و دولت کی ہوس ہے تو اللہ کے قبضے میں تمہارے لئے بہت سے اموال غنیمت ہیں۔‘‘ (4/94)

46۔ ’’اللہ کی راہ میں اُن لوگوں سے جنگ کرنا چاہئے جو آخرت کے بدلے دُنیا کو خریدتے ہیں لہٰذا جو اللہ کی راہ میں جنگ کرتا ہے اور مارا جاتا ہے یا غالب رہتا ہے اُسے ہم ضرور اجر عظیم دیں گے۔‘‘ (4/74)

47۔ ’’کامیاب وہ ہے جو آخرت میں جہنم سے بچ جائے اور جنت میں داخل ہو جائے اور رہ گئی یہ دُنیا کی زندگی یہ تو دھوکے کا سامان ہے۔‘‘ (3/185)

48۔ ’’جو کچھ وہ لوگ اس دُنیا کی زندگی میں خرچ کر رہے ہیں اُس کی مثال اس ہوا کی سی ہے جس میں برف کی آمیزش ہو اور اُن لوگوں کی کھیتی پر سے گزرے جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہو اور اُسے برباد کر دے۔‘‘ (3/117)

49۔ ’’دُنیا میں لوگوں کی محبوب چیزیں عورتیں ہیں، اولاد ہے، سونے چاندی کے ڈھیر ہیں اور عمدہ عمدہ گھوڑے ہیں، مویشی ہیں اور کاشت کے قابل زمینیں ہیں۔ مگر یہ سب اس دنیا میں چندروزہ سامان ہے۔ حقیقت میں جو بہتر مقام ہے وہ تو اللہ کے پاس ہے۔‘‘ (3/14)

50۔ ’’اِن لوگوں میں وہ بھی تو ایک تیرا صحابی ہے جس کی اسکیمیں اس دُنیا کے متعلق تجھے بہت پسند آتی ہیں اور وہ صحابی اپنی نیک نیتی پر بار بار خدا کو گواہ ٹھہراتا ہے مگر حقیقت میں وہ تیرا مد مقابل اور بدترین دشمن ہے۔ جب اُسے اقتدار حکومت حاصل ہو جائے گا تو اُس کی ساری جدوجہد دُنیا بھر میں فساد پھیلانے، کھیتیوں کو برباد کرنے اور نسل انسانی کا قتل عام کرنے پر خرچ ہوگی۔‘‘(2/204-205)۔

یہ آخری مقام قریش کے سب سے بڑے منصوبہ ساز کے متعلق ہے جو قرآن اور تاریخ میں مشہور و معروف ہے۔ جس نے دنیا میں مذہب کے نام پر قتل و غارت اور لوٹ مار کا طوفان جاری رکھا تھا اور جس کی دوستی کی بنا پر اُس کے یارِ غار نے رسوؐل کی حکومت پر قبضہ کیا تھا(25/27-29) اور یہ دونوں اشخاص ابوبکر و عمر ہیں۔

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر:110

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 111

خُطبہ 《147》

1۔ملک الموت کو نہ سمجھ سکنے والے ملک الموت کے خالق کو کیسے سمجھیں گے؟ 2۔ملک الموت کے متعلق چند سوالات۔

3۔کیا اس کا آنا، روح قبض کرنا کسی کو محسوس ہوتا ہے؟ 4۔شکم مادر میں کس طرح داخل ہوتا اور بچہ کی روح قبض کرتا ہے؟

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

هَلۡ تُحِسُّ بِهٖ اِذَا دَخَلَ مَنۡزِلاً؟	1	جب ملک الموت کسی گھر میں داخل ہوتا ہے تو کیا تم اس کے داخلے کو محسوس کرتے ہو؟
اَمۡ هَلۡ تَرَاهُ اِذَا تَوَفّٰی اَحَدًا؟	2	اور کیا تم نے اسے کسی کو وفات دیتے ہوئے دیکھا ہے؟
بَلۡ كَيۡفَ يَتَوَفَّى الۡجَنِيۡنَ فِيۡ بَطۡنِ اُمِّهٖ ؛	3	بلکہ یہ بھی غور طلب ہے کہ وہ ماں کے پیٹ میں بچے کو کس طرح وفات دیتا ہے۔
اَيَلِجُ عَلَيۡهِ مِنۡ بَعۡضِ جَوَارِحِهَا ؟ اَمِ الرُّوۡحُ اَجَابَتۡهُ بِاِذۡنِ رَبِّهَا ؟	4	کیا وہ ماں کے جسم کے کسی عضو میں سے ہو کر بچہ تک پہنچتا ہے یا خود روح اپنے پروردگار کی اجازت سے اس کے پاس چلی آتی ہے؟
اَمۡ هُوَ سَاكِنٌ مَعَهٗ فِيۡ اَحۡشَآئِهَا ؟	5	یا ملک الموت بچہ کے ساتھ شکم مادر کے اندر رہتا ہے؟
كَيۡفَ يَصِفُ اِلٰهَهٗ مَنۡ يَّعۡجِزُ عَنۡ صِفَةِ مَخۡلُوۡقٍ مِّثۡلِهٖ ؛	6	جو ملک الموت ایسی خدا کی مخلوق کے بارے میں بھی حقیقی صورتِ حال سے عاجز رہے وہ اپنے معبود کے لئے کیا بتا سکتا ہے؟''

تشریحات:

میں بھی اُن ہی لوگوں میں سے ایک ہوں جو اللہ کی بہت سی مخلوقات سے قطعی طور پر جاہل ہیں۔لہٰذا اپنے ذاتی علم سے تشریح کرنے سے بھی عاجز ہوں۔لہٰذا قول معصومؑ علیہ السلام کو اپنی مدد پر بلاتا ہوں۔

2۔ملک الموت سے محمدؐ کی ملاقات کے دورانِ معراج۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کی زبانی فرمایا کہ:

''مجھے آسمانوں پر لے جایا گیا تو میں نے ملائکہ میں سے ایک فرشتہ کو دیکھا جس کے ہاتھ میں ایک نورانی تختی تھی اور وہ ایک اُداسی کے عالم میں اُس تختی کو پڑھ رہا تھا اور دہنے بائیں اور آگے پیچھے التفات نہ کرتا تھا۔میں نے جبرائیلؑ سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ اُس نے بتایا کہ یہ ملک الموت ہے جو روحوں کے قبض کرنے میں مشغول ہے۔میں نے جبرائیلؑ سے کہا کہ میں اُس سے باتیں کرنا چاہتا ہوں لہٰذا مجھے اُس کے پاس لے چلو۔چنانچہ مجھے اُس کے قریب لایا گیا تو میں نے اُس سے پوچھا کہ اے ملک الموت جو مر گئے یا بعد میں مرنے والے ہیں کیا اُن سب کی روحیں تمہارے ہی قبضہ میں ہیں؟ اُس نے کہا کہ ہاں۔میں نے پوچھا کہ کیا تم بذات خود قبض روح کیلئے اُن کے پاس

جاتے ہو؟ اس نے کہا کہ ہاں یہ ساری دُنیا اللہ نے میرے قابو میں دے دی ہے۔ اور مجھے اس پر اس طرح تسلط دیا ہے جیسے کسی کی مٹھی میں ایک درہم ہو اور وہ اُسے جس طرح چاہے اُلٹ پلٹ کر سکتا ہے۔'' (بحار الانوار)

3۔ حدیث سے کیا کچھ سمجھا جاسکتا ہے؟

پہلی بات تو جبرائیل کے جواب سے یہ سمجھ میں آتی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے ملک الموت کو دیکھا تو اُس وقت بھی وہ روحیں قبض کرنے میں مشغول تھا۔ ''فقال ھذا مَلَکُ الموت مشغول فی قبض الارواح'' مطلب یہ ہوا کہ وہ رسول اللہؐ سے باتیں کرنے کے دوران بھی برابر روحیں قبض کرنے میں مشغول رہا تھا اس لئے کہ اتنی دیر میں تو ہزاروں اَموات واقع ہو جاتی ہیں۔ چونکہ یہ تشریح ہمارے علم میں نہیں کہ ملک الموت صرف انسانوں ہی کی روحیں قبض کرتا ہے لفظ ملک الموت موت کا فرشتہ خود ایسا لفظ ہے جس کے معنی موت کا ذمہ دار فرشتہ ہوتے ہیں اور موت ہر ذی حیات کو آتی ہے۔ اور ذی حیات میں تمام چرند و پرند و درند و حشرات الارض داخل ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ملک الموت کو ہر مرنے والے کے پاس بذات خود جاتا ہے۔ لیکن وہ تو آسمان پر تھا اور روحیں قبض کر رہا تھا۔ جس کے معنی یہ ہوں گے کہ ملک الموت بیک وقت لاتعداد مقامات پر بذاتِ خود موجود رہنے کی قدرت دی گئی ہے۔ یہ بات اِس سے بھی ثابت ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ نے نہ تو جبرائیل کے بیان پر اعتراض کیا نہ خود ملک الموت سے یہ کہا کہ ''جب تم ہر مرنے والے کے پاس بذات خود جاتے ہو تو اس وقت یہاں آسمان پر کیسے موجود ہو؟ یعنی حضورؐ نے مان لیا کہ ملک الموت مخلوق ہوتے ہوئے خود اُنؐ ہی کی طرح ایک ہمہ گیر پوزیشن رکھتا ہے۔ تیسری بات بتاتی ہے کہ ساری دُنیا ہماری ایک چونی کی طرح ملک الموت کے قابو میں ہے لہٰذا وہ دُنیا کو اور دُنیا کے اُن تمام مقامات کو اپنے حضور میں حاضر کر سکتا ہے جہاں اُس کے جانے اور کسی کی روح کو قبض کرنے کی ضرورت ہو لہٰذا یہ بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ پوری مخلوق اُس نورانی تختی کے ذریعہ سے ملک الموت کے سامنے حاضر ہے اور جانے آنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی ہے۔ لہٰذا جس طرح ہم قرآن کے مختلف بیانات اور معصومین علیہم السلام کے مختلف فرمانات کی مدد سے محمدؐ و علیؑ و آئمہ معصومینؑ کی ہمہ گیر پوزیشن کو سمجھے اور اُن پر ایمان لائے اُسی طرح ہم ملک الموت کی پوزیشن کو سمجھ کر اُس پر ایمان لاتے ہیں۔ یعنی ہمارے راہنماؤں کی پوزیشن ہی ہمیں اللہ و ملک الموت کے سمجھنے میں مدد و معاون ہوتی ہے۔ حدیث سے یہ شبہ نہ ہونے پائے کہ اللہ نے صرف اس دنیا کو ملک الموت کے لئے مسخر کیا ہے اس لئے کہ حدیث میں لفظ ''الدنیا'' آیا ہے۔ جس سے کوئی خاص دُنیا بھی مراد لیا جاسکتا ہے اور ساری دُنیائیں بھی مراد لیا جاسکتا ہے۔ اور اللہ نے بھی قرآن میں دُنیا کو اس طرح استعمال کیا ہے کہ سرسری نظر میں صرف یہ سامنے والی دُنیا ہی معلوم ہوتی ہے اور قرآن کے مترجمین نے اپنی ضرورت کے لئے اسی دُنیا کو مراد لیا ہے۔ لیکن اللہ نے غلط ضرورت مندوں کا راستہ یہ فرما کر بند کر رکھا ہے کہ:

اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَھُنَّ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَھُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَّاَنَّ اللّٰہَ قَدْ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا○(65/12)

مودودی ترجمہ تاکہ کفر ٹوٹے: ''اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور زمین کی قسم سے بھی اُن ہی کی مانند۔ اُنکے درمیان حکم نازل ہوتا رہتا ہے یہ بات تمہیں اسلئے بتائی جارہی ہے تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور یہ کہ اللہ کا علم ہر چیز پر محیط ہے'' (تفہیم جلد 5 صفحہ 582-581)

مودودی کی تشریح صحابہ رسولؐ کا حال ''اُن ہی کی مانند'' کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جتنے آسمان بنائے اُتنی ہی زمینیں بھی بنائیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جیسے متعدد آسمان اُس نے بنائے ہیں ویسی ہی متعدد زمینیں بھی بنائی ہیں اور ''زمین کی قسم سے'' کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح یہ زمین جس پر انسان

رہتے ہیں، اپنی موجودات کے لئے فرش اور گھوارہ بنی ہوئی ہے اُسی طرح اللہ تعالیٰ نے کائنات میں اور زمینیں بھی تیار کر رکھی ہیں جو اپنی اپنی آبادیوں کے لئے فرش اور گھوارہ ہیں۔ بلکہ بعض مقامات پر تو قرآن میں یہ اشارہ بھی کر دیا گیا ہے کہ جاندار مخلوقات صرف زمین پر ہی نہیں ہیں عالم بالا میں بھی پائی جاتی ہیں۔(مثال کے طور پر ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد چہارم۔الشوریٰ آیت نمبر 29 حاشیہ نمبر 50)

بالفاظ دیگر آسمان میں یہ جو بے شمار تارے اور سیارے نظر آتے ہیں یہ سب ڈھنڈار پڑے ہوئے نہیں بلکہ زمین کی طرح اُن میں بکثرت ایسے ہیں جن میں دُنیائیں آباد ہیں۔قدیم مفسرین میں سے صرف ابن عباس ایک ایسے مفسر ہیں جنہوں نے اُس دَور میں اس حقیقت کو بیان کیا تھا جب آدمی اس کا تصور تک کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔کہ کائنات میں اس زمین کے سوا کہیں اور بھی ذی عقل مخلوق بستی ہے۔آج اس زمانہ کے سائنسدانوں تک کو اس کے امر واقعہ ہونے میں شک ہے کجا کی ۱۴سو برس پہلے کے لوگ اسے بآسانی باور کر سکتے۔اسی لئے ابن عباس رضی اللہ عنہ عام لوگوں کے سامنے یہ بات کہتے ہوئے ڈرتے تھے۔کہ کہیں اس سے لوگوں کے ایمان متزلزل نہ ہو جائیں۔چنانچہ مجاہد کہتے ہیں کہ اُن سے جب اس آیت (65/12) کا مطلب پوچھا گیا تو اُنہوں نے فرمایا ''اگر میں اس کی تفسیر تم لوگوں سے بیان کروں تو تم کافر ہو جاؤ گے اور تمہارا کفر یہ ہوگا کہ تم اُسے جھٹلاؤ گے'' قریب قریب یہی بات سعید بن جبیر سے بھی منقول ہوئی ہے۔کہ ابن عباس نے فرمایا کہ ''کیا بھروسہ کیا جاسکتا ہے کہ اگر میں تمہیں اس کا مطلب بتاؤں تو تم کافر نہ ہو جاؤ گے'' (ابن جریر عبد بن حمید) تاہم ابن جریر، ابن ابی حاتم اور حاکم اور شعب الایمان اور کتاب الاسماوالصفات میں بیہقی نے ابوالضحیٰ کے واسطے سے باختلاف الفاظ ابن عباس کی یہ تفسیر نقل کی ہے کہ:

فِيْ كُلِّ اَرْضٍ نَبِيٌّ كَنَبِيِّكُمْ وَآدَمٌ كَاٰدَمَ وَنُوْحٌ كَنُوْحٍ وَاِبراهِيْمُ كَاِبْرَاهِيْمَ وعِيْسٰىٌ كَعِيْسٰى۔

''اُن میں سے ہر زمین میں نبی ہے تمہارے نبیؐ جیسا اور آدمؑ ہے تمہارے آدمؑ جیسا اور نوحؑ ہے تمہارے نوحؑ جیسا اور ابراہیمؑ ہے تمہارے ابراہیمؑ جیسا اور عیسیٰؑ تمہارے عیسیٰؑ جیسا۔''

اس روایت کو ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اور ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں بھی نقل کیا ہے۔اور امام ذہبی نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔البتہ میرے علم میں ابوالضحیٰ کے سوا کسی نے اسے روایت نہیں کیا ہے اس لئے یہ بالکل شاذ روایت ہے۔بعض دوسرے علما نے اسے کذب اور موضوع قرار دیا ہے۔اور ملا علی قاری نے اس کو موضوعات کبیر (صفحہ 19) میں موضوع کہتے ہوئے لکھا ہے کہ ''اگر یہ ابن عباس ہی کی روایت ہے کہ تب بھی اسرائیلیات میں سے ہے'' لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسے رد کرنے کی اصل وجہ لوگوں کا اُسے بعید از عقل و فہم سمجھنا ہے۔ورنہ بجائے خود اس میں کوئی بات بھی خلاف عقل نہیں ہے۔چنانچہ علامہ آلوسی اپنی تفسیر میں اس پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''اس کو صحیح ماننے میں نہ عقلاً کوئی چیز مانع ہے نہ شرعاً۔مراد یہ ہے کہ ہر زمین میں ایک مخلوق ہے جو ایک اصل کی طرف اُسی طرح راجع ہوتی ہے جس طرح بنی آدم ہماری زمین میں آدم علیہ السلام کی طرف راجع ہوتے ہیں۔اور ہر زمین میں ایسے افراد پائے جاتے ہیں جو اپنے یہاں دوسروں کی بہ نسبت اُسی طرح ممتاز ہیں جس طرح ہمارے یہاں نوح وابراہیم علیہما السلام ممتاز ہیں'' آگے چل کر علامہ موصوف کہتے ہیں ''ممکن ہے کہ زمینیں سات سے زیادہ ہوں اور اسی طرح آسمان بھی صرف سات ہی نہ ہوں۔سات کے عدد پر جو عدد تام ہے۔اکتفاء کرنا اس بات کو مستلزم نہیں کہ اس سے زائد کی نفی ہو۔''

پھر بعض احادیث میں ایک ایک آسمان کی درمیانی مسافت جو پانچ پانچ سو (500) برس بیان کی گئی ہے۔اس کے متعلق علامہ موصوف کہتے ہیں کہ ''**هُوَ مِن باب التقريب للاستفهام**'' یعنی اس سے مراد ٹھیک ٹھیک مسافت کی پیمائش بیان کرنا نہیں ہے۔بلکہ مقصود بات کو اس طرح بیان کرنا

ہے کہ وہ لوگوں کی سمجھ سے قریب تر ہو جائے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ حال میں امریکہ کے رانڈ کارپوریشن (Rand Corporation) نے فلکی مشاہدات سے اندازہ لگایا ہے کہ زمین جس کہکشاں (Galaxy) میں واقع ہے صرف اُسی کے اندر تقریباً ساٹھ کروڑ ایسے سیارے پائے جاتے ہیں جن کے طبعی حالات ہماری زمین سے بہت کچھ ملتے جلتے ہیں۔ اور امکان ہے کہ اُن کے اندر بھی جاندار مخلوق آباد ہو (اکانومسٹ لنڈن۔ مورخہ 26 جولائی 1969ء)'' (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 581 تا 583)

4۔ مودودی کے بیان پر ہمارے عقائد اور مسلمات کی روشنی میں ایک نظر؟

سب سے پہلی بات تو یہی نوٹ کر لیں کہ اللہ نے قرآن میں صرف اسی زمین کا ذکر نہیں کیا ہے جس پر ہم اور ہمارے قارئین رہتے ہیں۔ لہٰذا ملک الموت کا دائرہ عمل بھی محدود نہیں ہے۔ دوسری بات یہ نوٹ کریں کہ جس آیت میں زمینوں کی تعداد کو بھی آسمانوں کی تعداد کی طرح زیادہ بتایا گیا ہے (65/12) اُس میں یہ جملہ بھی آیا ہے کہ۔

لِتَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰہَ قَدۡ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عِلۡمًا ۝ (65/12)

''تاکہ تم معلوم کرو کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور یہ کہ اللہ نے ہر چیز کو اپنے علم کے احاطے میں لے رکھا ہے۔''

یعنی قرآن کے مخاطبین کو ساتوں آسمانوں اور اُن ہی کی مانند ساتوں یا متعدد زمینوں کا علم حاصل کرنے (لِتَعۡلَمُوۡا) کی دعوت دی گئی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ علم اُنہیں محمدؐ و علیؑ و آئمہ صَلوٰۃ اللہ علیہم کے علاوہ اور کوئی نہ دے سکتا تھا۔ اور قارئین دیکھتے اور پڑھتے چلے آرہے ہیں کہ یہ تعلیم کون دیتا رہا؟

بہرحال قارئین نے رسولؐ کے صحابہ کا اور اُن کے بعد کے قریشی عوام و علما کی ذہنیت مودودی کے قلم سے بھی دیکھ لی کہ جو آیت یا حدیث اُن کی پالیسی کے خلاف ہوتی ہے وہ اُس کا انکار کرتے چلے آئے ہیں۔ یہ بھی سمجھنے کی بات ہے کہ ابوبکر و عمر و عثمان اینڈ کمپنی اس آیت (65/12) کی ذیل میں نہ کچھ بولے اور نہ اسے سمجھے۔ مگر عبداللہ ابن عباس کیوں بولے اور کیوں سمجھے؟ قریشی تاریخ نے عبداللہ کو حضرت علی علیہ السلام کا شاگرد بنا کر پیش کیا ہے اور ہمارے سوا سب ہی نے اس بات کو مانا ہے۔ البتہ ہم اتنا ضرور مانتے ہیں کہ عبداللہ اپنے مشن میں کامیابی کے لئے حضرت علیؑ سے رابطہ رکھا کرتے تھے لہٰذا اُن سے اُنہوں نے آیت کا مطلب سنا تھا۔ اور غالباً کسی خطبے میں ہی سنا ہوگا۔ سنی علما میں سے بعض کا اس مطلب کو جھوٹ، غلط یا اسرائیلیات کہنا بتاتا ہے کہ علما بھانپ گئے کہ یہ تفسیر علیؑ ہی کی بیان کردہ ہے۔ یہاں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ قیامت تک آخری نبیؐ و آخری رسولؐ ہیں لہٰذا دوسری دنیاؤں میں وہی نبیؐ و رسولؐ ہیں خواہ آدم علیہ السلام وہاں الگ الگ ہی کیوں نہ رہے ہوں۔ لہٰذا رحمۃ للعالمین و نذیر للعالمین ایک ہی ہستی کو ماننا لازم ہے اور ایک ہی سلسلہ امامتؐ عالمگیر حیثیت رکھتا ہے۔ لہٰذا وہاں کے عیساؤںؑ کے بعد بھی محمدؐ رسولؐ اللہ و علی خلیفۃ اللہ و امام اول ہیں۔ اور جس طرح علیؑ و محمدؐ اس زمین پر تمام رسولوںؑ کے نگران اور ہدایت کار و تصدیق کنندہ رہے ہیں اُسی طرح تمام باقی دنیاؤں کے انبیاؑ و رسلؑ پر نگراں و ہدایت کار و مصدق ہیں اور اسی لئے اُن کو ہمہ گیر پوزیشن عطا کی گئی تھی۔ اور آخر میں وہ آیت دیکھئے جس کا حوالہ تشریح میں مودودی نے دیا ہے (42/29)۔

5۔ تمام ستاروں کی مخلوقات کو مواخذہ اور بازپرس و جزا و سزا کے لئے جمع کیا جانا کس آیت سے ثابت ہے؟

آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے قریش کو دھمکی دی تھی کہ اگر تمہیں تمام ستاروں میں (تحت کلّ کوکبٍ) بھی بکھیر

دیا جائے گا تب بھی تمہیں مواخذہ کے لئے گھسیٹ لیا جائے گا۔ متعلقہ آیت پڑھئے جس کا حوالہ مودودی نے بھی دیا ہے۔

وَمِنْ اٰیٰتِہٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِیْھِمَا مِنْ دَآبَّۃٍ وَھُوَ عَلٰی جَمْعِھِمْ اِذَا یَشَآءُ قَدِیْرٌO (شوریٰ 42/29)

مودودی ترجمہ: ''اُس کی نشانیوں میں سے ہے یہ زمین اور آسمانوں کی پیدائش اور یہ جاندار مخلوقات جو اُس نے دونوں جگہ پھیلا رکھی ہے۔ وہ جب چاہے اُنہیں اکٹھا کرسکتا ہے'' (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 504)

6۔ ملک الموت قرآن کی روشنی میں تمام مخلوقات پر اللہ کی طرف سے وکیل ہے۔

یہ ایک معقول اعتراض تھا کہ جب انسان مرنے کے بعد ہزاروں لاکھوں سال تک مٹی میں مل کر مٹی ہو چکا ہوگا تو اُسے حساب کے لئے اُسی صورت وشکل میں کس طرح زندہ کر کے اُٹھایا جائے گا جس صورت وشکل وعمر میں وہ مرا تھا؟ اس اعتراض کے قرآن کریم میں طرح طرح کے جوابات دئے گئے ہیں لیکن وہ ایک منکر کے لئے معقول جوابات نہیں ہیں۔ اُن جوابات میں سے ایک جواب سنئے اور مودودی کے ترجمے سے سنئے:

قُلْ یَتَوَفّٰکُمْ مَّلَکُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُکِّلَ بِکُمْ ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمْ تُرْجَعُوْنَ (32/11)۔

مودودی ترجمہ:۔ ''اِن سے کہو ''موت کا وہ فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے تم کو پورا پورا اپنے قبضے میں لے لے گا اور پھر تم اپنے پروردگار کی طرف پلٹا لائے جاؤ گے۔'' (سجدہ 32/11 تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 41)

مودودی اُن الفاظ کا ترجمہ مادے اور مصدر کے خلاف کردیا کرتے ہیں جن سے قریشی پالیسی پر چوٹ پڑتی ہو۔

یہاں مودودی نے لفظ ''وُکِّلَ'' کا ترجمہ ''مقرر کیا گیا ہے'' غلط کیا ہے۔ اس لفظ کا مادہ۔ و۔ ک۔ ل۔ ہے اور مصدر (وُکُلًا) ہے۔ یہی مادہ اور مصدر ہیں جن سے لفظ وکیل اور توکل اور وکالت نکلتے ہیں۔ مودودی سے صحیح معنی سن لیں۔

مودودی کے قلم سے صحیح معنی دیکھئے۔

''وکیل اُس شخص کو کہتے ہیں جس پر اعتماد کر کے کوئی شخص اپنا معاملہ اُس کے سپرد کردے۔ قریب قریب اسی معنی میں ہم اُردو زبان میں وکیل کا لفظ اُس شخص کے لئے استعمال کرتے ہیں جس کے حوالے اپنا مقدمہ کر کے ایک آدمی مطمئن ہو جاتا ہے۔ کہ اُس کی طرف سے وہ اچھی طرح مقدمہ لڑے گا اور اُسے خود اپنا مقدمہ لڑنے کی حاجت نہ رہے گی۔'' (تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 129)

ایک اور مقام:

''وکیل یعنی اعتماد اور بھروسے کا مدار، جس پر توکل کیا جائے، جس کے سپرد اپنے معاملات کردئے جائیں۔ جس کی طرف ہدایت اور مدد کے لئے رجوع کیا جائے۔'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 591 حاشیہ نمبر 3)

ترجمہ کا تیسرا مقام جہاں قریش راہ میں آگئے۔

اب وہ بنیاد بھی دیکھ لیں جس کی خاطر غلط ترجمہ کرنا مذہباً واجب ہو جاتا ہے۔ اللہ نے رسولؐ کو بتایا تھا کہ تیری قوم قریش نے اس قرآن کو غلط مفاہیم اخذ کر کے جھٹلا دیا ہے۔ وَکَذَّبَ بِہٖ قَوْمُکَ وَھُوَ الْحَقُّ قُلْ لَّسْتُ عَلَیْکُمْ بِوَکِیْلٍ O(6/66)

مودودی ترجمہ: ''تمہاری قوم اُس کا انکار کر رہی ہے حالانکہ وہ حقیقت ہے۔ اُن سے کہہ دو کہ میں تم پر حوالہ دار نہیں بنایا گیا ہوں۔'' (انعام 6/66، تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 548)

ساری دُنیا جانتی ہے کہ ''کَذَّب'' کے معنی انکار کرنا نہیں بلکہ جھٹلانا ہوتے ہیں اور لفظ وکیل کے معنی حوالدار نہیں ہوتے۔ یعنی الفاظ کے غلط معنی کر کے خود مودودی بھی قرآن کو جھٹلا رہے ہیں۔ بہر حال اللہ نے زیرِ بحث آیت (32/11) میں ملک الموت کو موت پر وکیل بنایا ہے۔ اور معاملہ اعتماد کے ساتھ اُسے سپرد کر دیا ہے۔ اور یہ معنی مودودی کی آنے والی تشریح سے بھی ثابت ہوتے ہیں۔ اُن کی تشریح سنئے اور ملک الموت کا کام دیکھئے:

6 (الف)۔ مودودی کی تشریح۔ ملک الموت کی پوزیشن آیت (32/11)۔

''یعنی تمہارا وہ ''ہم'' مٹی میں رَل مِل نہ جائے گا۔ بلکہ اُس کی مہلتِ عمل ختم ہوتے ہی خدا کا فرشتہ موت آئے گا اور اُسے جسم سے نکال کر سموچا اپنے قبضے میں لے لے گا۔ اُس کا کوئی ادنیٰ سا جز بھی جسم کے ساتھ مٹی میں نہ جا سکے گا۔ وہ پورا کا پورا احراست (Custody) میں لے لیا جائے گا۔ اور اپنے رب کے حضور پیش کر دیا جائے گا۔ اس مختصر سی آیت (32/11) میں بہت سے حقائق پر روشنی ڈالی گئی ہے جن پر سے سرسری طور پر نہ گزر جائیے۔

(1) اس میں تصریح ہے کہ موت کچھ یوں ہی نہیں آ جاتی کہ ایک گھڑی چل رہی تھی، کوک ختم ہوئی اور وہ چلتے چلتے یکا یک بند ہو گئی۔ بلکہ دراصل اس کام کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک خاص فرشتہ مقرر کر رکھا ہے جو آ کر باقاعدہ روح کو ٹھیک اُسی طرح وصول کرتا ہے جس طرح ایک سرکاری اَمین (Official Receiver) کسی چیز کو اپنے قبضے میں لیتا ہے۔ قرآن کے دوسرے مقامات پر اس کی مزید تفصیلات جو بیان کی گئی ہیں۔ اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس افسر موت کے ماتحت فرشتوں کا ایک پورا عملہ ہے جو موت وارد کرنے اور روح کو جسم سے نکالنے اور اُس کو قبضے میں لینے کی بہت سی مختلف النوع خدمات انجام دیتا ہے۔ نیز یہ کہ اس عملے کا برتاؤ مجرم روح کے ساتھ کچھ اور ہوتا ہے اور مومن صالح روح کے ساتھ کچھ اور (اُن تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو سورہ نساء آیت نمبر 97۔ انعام 93، نحل 28، واقعہ 94-83)

(2) ''اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ موت سے انسان معدوم نہیں ہوتا ہے بلکہ اُس کی روح جسم سے نکل کر باقی رہتی ہے۔ قرآن کے الفاظ ''موت کا فرشتہ تم کو پورا پورا اپنے قبضے میں لے لے گا'' اسی حقیقت پر دلالت کرتے ہیں۔ کیوں کہ کوئی معدوم چیز قبضے میں نہیں لی جاتی۔ قبضے میں لینے کا تو مطلب ہی یہ ہے کہ مقبوضہ چیز قابض کے پاس رہے۔''

(3) اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ موت کے وقت جو چیز قبضے میں لی جاتی ہے وہ آدمی کی حیوانی زندگی (Biological Life) نہیں بلکہ اس کی وہ خودی، اُس کا وہ اَنا (Ego) ہے جو ''میں'' اور ''ہم'' اور ''تم'' کے الفاظ سے تعبیر کی جاتی ہے۔ یہ اَنا دُنیا میں کام کر کے جیسی کچھ شخصیت بھی بنتی ہے وہ پوری کی پوری جوں کی توں (Intact) نکال لی جاتی ہے۔ بغیر اس کے کہ اُس کے اوصاف میں کوئی کمی بیشی ہو۔ اور یہی چیز موت کے بعد اپنے رب کی طرف پلٹائی جاتی ہے۔ اسی کو آخرت میں نیا جنم اور نیا جسم دیا جائے گا۔ اُسی پر مقدمہ قائم کیا جائے گا۔ اُسی سے حساب لیا جائے گا اور اُسی کو جزا و سزا دیکھنی ہوگی۔'' (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 44-43)

ہمیں مودودی کے ان تصورات پر بہت کچھ کہنا ہے۔ مگر ہمارا عنوان بدل جائے گا اس لئے اپنی تنقید کسی اور وقت کے واسطے محفوظ رکھ کر یہ عرض کر دیں کہ ملک الموت کی قاہرانہ اور ہمہ گیر پوزیشن ثابت ہو گئی ہے۔ اور جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ اگر علیؑ محمدؐ کی پوزیشن پر ایمان نہ ہو تو ملک الموت کو سمجھنا بھی ناممکن ہے۔

6(ب)۔ ملک الموت کا ذکر کئے بغیر ملائکہ کے روح قبض کرنے کا بھی ذکر ہے ۔

قرآن کریم میں ملک الموت کے علاوہ کچھ فرشتوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے جو روحوں کو قبض کرتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا گیا ہے کہ:

(1) اِنَّ الَّذِیۡنَ تَوَفّٰىهُمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ ۔۔۔الخ (4/97)

''جو لوگ خود پر ظلم کر رہے تھے تو جب ملائکہ نے اُن کی رُوحیں قبض کر لیں.......''

(2) وَالۡمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوۡۤا اَیۡدِیۡهِمۡ اَخۡرِجُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ ۔۔۔الخ (6/93)

''اور ملائکہ روح قبض کرنے کے لئے اپنے ہاتھ بڑھا رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ تم اپنی جان ہمارے حوالے کرو........''

یہاں اُس اسٹاف کا ذکر ہو گیا ہے جو اللہ نے ملک الموت کے ساتھ تعینات کر رکھا ہے۔

7۔ جس طرح ہمہ گیر پوزیشن رکھنے والے محمدؐ و علیؑ کے کاموں کو ہمیشہ اللہ اپنے کام کہتا ہے۔ اُسی طرح ملک الموت کے کام کو بھی اپنی طرف منسوب کرتا ہے۔

اَب قارئین یہ دیکھ لیں کہ قبض روح اور موت دینے کو اللہ نے اپنا کام فرمایا ہے۔

اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الۡاَنۡفُسَ حِیۡنَ مَوۡتِهَا ۔۔۔(زمر 39/42)

''وہ اللہ ہی ہے جو موت کے وقت روحیں قبض کرتا ہے''

7(الف)۔ محمدؐ و علیؑ اللہ کے ساتھ جمع کے صیغے میں شامل ہیں۔

یہاں یہ ثابت ہو گیا کہ جمع کے صیغے میں ادارہ نبوت کے افراد شامل رکھے جاتے ہیں۔

اِنَّا نَحۡنُ نُحۡیٖ وَنُمِیۡتُ وَاِلَیۡنَا الۡمَصِیۡرُ O (50/43)

''یقیناً ہم سب کے سب زندہ کرتے ہیں اور مارتے بھی ہیں اور ہم سب کی طرف پلٹ کر آنا ہی ہے۔''

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر: 111

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 112

خُطبہ《148》

1۔دنیا کی پوزیشن علی علیہ السلام کی نظر میں۔ 2۔دنیا میں رہنے کیلئے بنیادی کام۔

3۔دنیا میں دینداروں کا حال۔ 4۔مسلمانوں کی خامیاں اور طرزِ عمل پر روشنی ڈالی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡم

وَاُحَذِّرُكُمُ الدُّنۡيَا فَاِنَّهَا مَنۡزِلُ قُلۡعَةٍ ؛	1	میں تمہیں اس دنیا سے خبردار کرنا چاہتا ہوں کہ یہ دنیا یقیناً پائیدار منزل نہیں ہے۔
وَلَيۡسَتۡ بِدَارِ نُجۡعَةٍ ؛	2	اور نہ ہی یہ ایسا مقام ہے جہاں پائیداری تلاش کی جاسکے۔
وَقَدۡ تَزَيَّنَتۡ بِغُرُوۡرِهَا وَغَرَّتۡ بِزِيۡنَتِهَا ؛	3	اور اس نے فریب کارانہ میک اپ (Makeup) کر رکھا ہے اور لوگوں کو اپنے بناؤ سنگھار سے دھوکہ دیتی ہے۔
دَارٌ هَانَتۡ عَلٰى رَبِّهَا ؛	4	یہ ایسا مقام ہے جو اس کے پروردگار کے نزدیک بھی قابل توہین ہے۔
فَخَلَطَ حَلَالَهَا بِحَرَامِهَا ؛	5	دنیا نے اپنی حلال چیزوں میں حرام چیزوں کو گڈمڈ کر رکھا ہے۔
وَخَيۡرَهَا بِشَرِّهَا ؛	6	اور خوبیوں کو برائیوں میں ملا رکھا ہے۔
وَحَيَاتَهَا بِمَوۡتِهَا ؛	7	اس نے زندگیوں کو موت کے ساتھ ملایا ہوا ہے۔
وَحُلۡوَهَا بِمُرِّهَا ؛	8	شیرینیوں میں تلخیاں شامل کر دی ہیں۔
لَمۡ يُصۡفِهَا اللّٰهُ تَعَالٰى لِاَوۡلِيَائِهٖ ؛	9	اللہ نے دنیا کو اپنے اولیا کے لئے پسندیدہ اور مقبول نہیں ٹھہرایا ہے۔
وَلَمۡ يَضِنَّ بِهَا عَلٰى اَعۡدَائِهٖ ؛	10	اور اپنے دشمنوں کو دنیا کے دینے میں کنجوسی نہیں کی ہے۔
خَيۡرُهَا زَهِيۡدٌ ؛	11	دنیا میں خیر اور بھلائی کم ہے۔
وَشَرُّهَا عَتِيۡدٌ ؛	12	اور دنیا میں شر و فساد ہر جگہ موجود ہے۔
وَجَمۡعُهَا يَنۡفَدُ ؛	13	یہاں کی جمع پونجی اور سرمایہ ناپید اور ختم ہونے والا ہے۔
وَمُلۡكُهَا يُسۡلَبُ ؛	14	اور یہاں کی حکومت و مملکت چھن جانے والی ہے۔
وَعَامِرُهَا يَخۡرَبُ ؛	15	یہاں کی تعمیرات اور تعمیر کرنے والا ویران ہونے والے ہیں۔

فَمَا خَيْرُ دَارٍ تُنْقَضُ نَقْضَ الْبِنَاءِ ؟	16	چنانچہ اس مقام میں کیا خوبی ہو سکتی ہے جو جڑ بنیاد سے اکھڑ کر گر جائے۔
وَعُمُرٍ يَّفْنٰى فِيْهَا فَنَآءَ الزَّادِ ؛؟	17	اور اسی عمر میں اسی طرح فنا ہو جائے جسطرح مسافر کا کھانا و سامان ختم ہو جاتا ہے
وَمُدَّةٍ تَنْقَطِعُ انْقِطَاعَ السَّيْرِ ؟	18	اور اتنی ہی مدت میں کٹ کر رہ جائے جتنی مدت میں چلنا پھرنا منقطع ہو جاتا ہے
اِجْعَلُوْا مَاافْتَرَضَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ مِّنْ طَلِبَتِكُمْ ؛	19	جن چیزوں کی تمہیں ضرورت اور تلاش رہتی ہے ان میں ان چیزوں کو بھی شامل کر لو جو اللہ نے تم پر فرض کر رکھی ہیں۔
وَاسْاَلُوْهُ مِنْ اَدَآءِ حَقِّهٖ مَاسَاَلَكُمْ ؛	20	اور جو کچھ اللہ نے مانگا ہے اس کے حقوق کو ادا کرنے میں بھی اللہ سے مدد مانگو۔
وَاَسْمِعُوْا دَعْوَةَ الْمَوْتِ آذَانَكُمْ قَبْلَ اَنْ يُّدْعٰى بِكُمْ ؛	21	اور موت کی پکار کو اس سے قبل ہی ملحوظ رکھو کہ وہ خود تم کو پکار لے۔ اور پھر تمہارے پاس اصلاح کا وقت ہی نہ رہے۔
اِنَّ الزَّاهِدِيْنَ فِي الدُّنْيَا تَبْكِيْ قُلُوْبُهُمْ وَاِنْ ضَحِكُوْا ؛	22	دنیا میں پارسا لوگوں کے دل روتے رہتے ہیں یہ دوسری بات ہے کہ وہ بظاہر ہنستے ہوئے نظر آتے رہیں۔
وَيَشْتَدُّ حُزْنُهُمْ وَاِنْ فَرِحُوْا ؛	23	انکا حزن و ملال شدت اختیار کرتا جاتا ہے خواہ وہ خوش اور راحت میں نظر آئیں۔
وَيَكْثُرُ مَقْتُهُمْ اَنْفُسَهُمْ وَاِنِ اغْتُبِطُوْا بِمَا رُزِقُوْا ؛	24	اور پارسا لوگوں کو اپنے اوپر زیادہ تر غصہ ہی آتا رہتا ہے تاکہ اپنی مزید اصلاح کریں اگرچہ اس سامان کی وجہ سے لوگ ان پر رشک کرتے ہیں جو اللہ نے ان کو دیا ہوا ہے۔
قَدْغَابَ عَنْ قُلُوْبِكُمْ ذِكْرُالْاٰجَالِ ؛	25	بات یہ ہے کہ تمہارے دلوں میں سے موت کو اور مدت کے خاتمہ کو یاد کرتے رہنا غائب ہو چکا ہے۔
وَحَضَرَتْكُمْ كَوَاذِبُ الْاٰمَالِ ؛	26	اور مرنے کی جگہ تمہارے دلوں میں جھوٹی آرزوئیں اور امیدیں جم گئی ہیں۔
فَصَارَتِ الدُّنْيَا اَمْلَكَ بِكُمْ مِنَ الْاٰخِرَةِ ؛	27	چنانچہ آخرت کے مقابلے میں تمہارے اوپر اس دنیا کا تسلط زیادہ ہو گیا ہے۔
وَالْعَاجِلَةُ اَذْهَبَ بِكُمْ مِنَ الْاٰجِلَةِ ؛	28	اور دنیا کے جلد حاصل ہو جانے والے فوائد اور سامان نے تمہیں آخرت کے دیر طلب سامان سے ہٹا کر اپنے سے وابستہ کر لیا ہے۔
وَاِنَّمَا اَنْتُمْ اِخْوَانٌ عَلٰى دِيْنِ اللّٰهِ ؛	29	اور حقیقی صورت حال تو یہ ہے کہ تم سب کے سب اسلام کی وجہ سے دینی بھائی بھائی ہو۔
مَافَرَّقَ بَيْنَكُمْ اِلَّاخُبْثُ السَّرَائِرِ ؛وَسُوْءُ الضَّمَائِرِ ؛	30	مگر تمہارے اندر جس چیز نے بھائی چارہ میں فرق ڈال دیا ہے وہ تمہاری بدباطنی اور بدگمانی ہے۔

فَلا لا تَـوَازَرُوْنَ وَالَا تَـنَـاصَـحُـوْنَ وَلاتَباذَلُوْنَ وَلَا تَوادُّوْنَ ؛	31	چنانچہ تم نے آپس میں ملنا جلنا چھوڑ دیا ہے۔ایک دوسرے کونصیحت کرنا نیک مشورہ دینا بند کر رکھا ہے اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ مالی مدد کرنا ترک کر رکھی ہے اور آپس میں احترام ومحبت سے پیش آنا ختم کر دیا ہے۔
مَـابَـالُكُمْ تفْرَحُوْنَ بِالْيَسِيْرِ مِنَ الدُّنيَا تُدْرِكُوْنَهٗ ؛	32	یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ دنیا کی ذراسی سہولت سے مل جانے والی چیز پر تو خوشیاں مناتے ہو؟
وَلَا يَـحْزُ نُـكُـمُ الْـكَثِيْـرُ مِنَ الْاٰخِرَةِ تُحْرَمُوْنَهٗ ؛	33	اور آخرت میں کثرت سے ملنے والی نعمتوں سے محروم رہ جانے پر کسی قسم کا رنج و ملال نہیں کرتے؟
وَيُـقْـلِقُكُمُ الْيَسِيْرُ مِنَ الدُّنْيَا يَفُوْتُكُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ ذٰلِكَ فِيْ وُجُوْهِكُمْ وَقِلَّةِ صَبْرِ عَمَّازُوِىَ مِنْهَا عَنْكُمْ ؛	34	اور اس دنیا کی تھوڑی سی اور آسانی سے حاصل کی ہوئی چیز کا ہاتھ سے جاتا رہنا تمہیں ایسے قلق اور بے چینی میں مبتلا کر دیتا ہے کہ وہ تمہارے چہروں سے دیکھی جا سکتی ہے اور تمہاری بے صبری بھی اسکے ہاتھ سے نکل جانے کا راز کھول دیتی ہے۔
كَاَنَّهَا دَارُ مَقَامِكُمْ ؛	35	یہ تو ایسا ہے گویا یہ دنیا ہی تمہارا مستقل مقام ہے۔
وَكَاَنَّ مَتاعَهَا بَاقٍ عَلَيْكُمْ ؛	36	اور گویا دنیا کا تمام مال ومتاع ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔
وَمَـا يَـمْـنَعُ اَحَدَكُمْ اَنْ يَسْتَقْبِلَ اَخَاهُ بِمَـايَـخَـافُ مِنْ عَيْبِهِ اِلَّامَخَـافَةُ اَنْ يَّسْتَقْبِلَهٗ بِمِثْلِهٖ ؛	37	اور تم میں سے ہر ایک شخص اپنے کسی دینی بھائی کے استقبال کے وقت جس ڈر سے اس کی عیب جوئی نہیں کرتا وہ اللہ کا ڈر نہیں ہے بلکہ تم اس لئے ڈرتے ہو کہ کہیں وہ بھی تمہارے سامنے ویسی ہی عیب جوئی اور مذمت نہ کر بیٹھے۔
قَدْتَصَافَيْتُمْ عَلٰى رَفْضِ الْآجِلِ وَحُبِّ الْعَاجِلِ ؛	38	حقیقت یہ ہے کہ تم نے دیر سے آنے والی آخرت کے رافضی بن کر جلدی جلدی سامان بہم پہنچانے والی دنیا کی چاہت ومحبت اختیار کر لی ہے۔
وَصَارَدِيْنُ اَحَدِكُمْ لُعْقَةً عَلٰى لِسَانِهٖ ؛	39	اور اب تو تمہارا دین تم سب کے لئے ایک چمچہ بھر زبان کا چٹخارہ بن گیا ہے۔
صَنِيْعُ مَنْ قَدْ فَرَغَ مِنْ عَمَلِهٖ ؛	40	اور تم سب اس شخص کی مانند ہو گئے ہو جو اپنے تمام کاموں اور ذمہ داریوں سے فارغ ہو چکا ہو۔
وَاَحْرَزَ رِضَا سَيِّدِهٖ ؛	41	اور اپنے مالک وآقا کی تمام خوشنودیاں حاصل کر چکا ہو۔

تشریحات:

حضرت علی علیہ السلام کے دُنیا میں اُلجھے ہوئے صحابہ کو دُنیا سے نکالنے کیلئے یہ خطبات پڑھتے ہوئے خود ہمارے قارئین کو یہ یقین ہو چکا ہوگا کہ رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اسلامی تعلیمات اور عملی زندگی نے عربوں کو کچھ بھی فائدہ نہ پہنچایا تھا۔لہٰذا عربوں کی تیار کی ہوئی تاریخ کے

وہ تمام افسانے بکواس سے زیادہ کچھ نہیں جن میں مسلمانوں کی کثرت کورضی اللہ عنہم بنا کر دکھایا گیا ہے۔ مسلمانوں کی کثرت کیسی تھی؟ اس کا عملی یقین اُس تعداد سے ہوسکتا ہے جو جنگ جمل اور صفین میں حضرت علی علیہ السلام کے مقابلے میں تیغ بکف آئی تھی اور جو ایک سال تک عرب کے مسلمانوں کے قتل عام میں مصروف رہی اور جو عرب کے باہر کے ممالک پر لوٹ مار اور قتل وغارت میں برابر بیس سال تک لگی رہی اور بے قصور دُنیا کو لوٹ لوٹ کر قریش کو کروڑوں پتی بناتی رہی۔ اور جنہیں قریشی زبان میں غازیان اسلام اور مجاہد کہا جاتا رہا ہے۔ یہ کرشمہ تھا قریشی لیڈروں کی تبلیغ کا جس نے رسولؐ اللہ کی محنت کو ضائع کر دیا۔ اور کفر کو اسلام بنا کر اُس پر تمام مسلمانوں کو بکٹٹ دوڑا دیا۔ حقیقی اسلام میں سے جو کچھ باقی ملتا ہے وہ سب علی اور اولادِ علی علیہم السلام کی محنت و تبلیغ کا نتیجہ ہے۔ ورنہ ایک دفعہ سارا عرب مرتد و بے دین ہوگیا تھا۔ صحابہ کہلانے والے ہی تو تھے جو حضرت علیؑ کے مقابلے پر آئے تھے۔ طلحہ، زبیر اور عائشہ کی صحابیت کی پیمائش کے لئے قریشی مسلمانوں کے یہاں تو کوئی پیمانہ نہ ملے گا۔ ان سب کو قریشی علما نے جنت کی بشارت دے رکھی ہے۔ مگر یہ سب جہنمی ہیں۔ جہنمیوں کو جنتی بنانے ہی کیلئے تو قرآن میں معنوی ردوبدل کی گئی (25/30-31) اُس کے مطالب ومفاہیم کو جھٹلایا گیا تھا (6/39) قرآن اُن کے جہنمی اور دشمن خدا اور رسولؐ ہونے سے بھرا پڑا ہے۔ اور ہم نے آیات کا ڈھیر پیش کیا ہے۔

2۔ عہدِ رسولؐ میں بھی صحابہ مالِ دُنیا سے محبت کرتے تھے تو بعد میں اُن کا کیا حال ہوا ہوگا۔

مودودی کا ترجمہ سنیئے: ''اور جوں ہی کہ وہ چیز اللہ نے تمہیں دکھائی جس کی محبت میں تم گرفتار تھے یعنی مالِ غنیمت تم اپنے سردار کے حکم کی خلاف ورزی کر بیٹھے۔ اس لئے کہ تم میں سے کچھ لوگ دُنیا کے طالب تھے۔'' (آل عمران 3/152 تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 294)

(2) صحابہ کا حال ''جس طرح اُس وقت یہ صحابہ خطرے کا سامنا کرنے سے گھبرا رہے تھے حالانکہ حق کا مطالبہ اُس وقت بھی یہی تھا کہ خطرے کے منہ میں چلے جائیں۔ اسی طرح آج اُنہیں مالِ غنیمت ہاتھ سے چھوڑنا ناگوار ہو رہا ہے۔ حالانکہ حق کا مطالبہ یہی ہے کہ وہ اُسے چھوڑ دیں۔ اور حکم کا انتظار کریں۔'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 131)

(3) صحابہ کا حال ''مسلمانوں کو یہ بتانے کے لئے کہ وہ بھی اُن کا دینی بھائی ہے 'السلام علیکم' یا لا الہ الا اللہ پکارتا تھا۔ مگر مسلمانوں کو اُس پر یہ شُبہ ہوتا تھا کہ یہ کوئی کافر ہے۔ جو محض جان بچانے کے لئے حیلہ کر رہا ہے اس لئے بسا اوقات وہ اُسے قتل کر بیٹھتے تھے اور اُس کی چیزیں غنیمت کے طور پر لوٹ لیتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہر موقع پر نہایت سختی کے ساتھ سرزنش فرمائی'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 384)

(4) صحابہ کا حال كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ O وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ O (قیامۃ 75/20-21)

مودودی ترجمہ: ''ہرگز نہیں اصل بات یہ ہے کہ تم جلدی حاصل ہونے والی چیز یعنی دُنیا سے محبت رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑ دیتے ہو۔''
(تفہیم القرآن جلد 6 صفحہ 171-167)

صحابہ کی دُنیا پرستی اور حُبِ مال وجاہ کی یہ چند مثالیں کافی ہیں اسی حالت پر حضور اپنے خطبہ نمبر 148 جملہ نمبر 32 تا 36 میں افسوس فرما رہے ہیں کہ دُنیا کی معمولی سے معمولی چیز کے ضائع ہو جانے پر تو تمہیں رنج وغم اور قلق ہوتا ہے مگر آخرت کے بڑے سے بڑے نقصان کا ذرہ برابر ملال نہیں کرتے ہو۔

3۔ میں تجھے حاجی کہوں تو مجھے مُلا کہا کرنا۔

حضور علیہ السلام صحابہ کی ایک خاص صفت سے پردہ ہٹاتے ہیں۔ جس سے وہ صفت اُن سب کی مذمت بن جاتی ہے۔ اور معلوم ہو جاتا

ہے کہ اُن کا پورا معاشرہ عیبوں اور خرابیوں سے چھلک رہا تھا۔ اُن کی صفت یہ تھی کہ وہ کسی سے ملاقات پر یا کسی کے استقبال پر کسی میں کوئی عیب نہ نکالتے تھے۔ یعنی جس طرح آج کل دَورے کرنے والے حکمران ایک دوسرے کی محض مدح وثنا کرتے ہیں اور بری بات کو بھی اچھی بنا کر کہتے ہیں مگر وجہ یہ بتائی ہے کہ وہ اللہ سے ڈر کر ایسا نہیں کرتے بلکہ انہیں یہ خوف ہوتا ہے کہ اگر میں نے بری باتیں ظاہر کیں تو وہ بھی میری عیب جوئی کریں گے (148/37 خطبہ)۔

4۔ صحابہ کیسے دینی بھائی ہوتے تھے؟

عہدِ رسولؐ اور عہدِ مرتضویؑ میں بھی مسلمانوں نے اللہ ورسولؐ کا قائم کیا ہوا بھائی چارے کا رشتہ تسلیم نہ کیا تھا۔ اور اس کا سبب حضورؑ نے اُن کی بدگمانیوں اور بدباطنیوں کو قرار دیا ہے (148/30 خطبہ)۔

5۔ دینی بھائیوں کے لئے ضروری اخلاق۔

آپس میں رابطہ رکھنا۔ ایک دوسرے کی زیارت کرتے رہنا۔ نصیحت جاری رکھنا۔ مالی مدد کرتے رہنا اور محبت واحترام کرنا۔ الغرض حضورؑ کے مخاطب یہ لوگ آج کل کے مسلمانوں سے بھی بدتر اور ناہنجار تھے (148/31 خطبہ)۔

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر: 112

علی نقی طہرانی: خطبہ نمبر: 113

خُطبہ ﴿149﴾

1۔ اللہ پر ایمان کی کئی صورتیں۔ 2۔ حمدِ خداوندی اور نعمت کا رشتہ۔ نعمتِ خداوندی اور شکر کا رشتہ۔

3۔ تقویٰ و پرہیز گاری کا نتیجہ۔ 4۔ زمانہ کس طرح چیزوں کو فنا کی طرف بڑھاتا ہے۔؟

5۔ انسانوں پر قابل رحم اور قابل فخر حالات کا طاری ہوتے رہنا۔

6۔ رزق اور دنیا کا سامان پلٹ کر آسکتا ہے انسان کی عمر اور وقت نہیں پلٹتا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡم

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الۡوَاصِلِ الۡحَمۡدَ بِالنِّعَمِ وَالنِّعَمَ بِالشُّكۡرِ ؛	1	تمام حمد وثنا اللہ کے لئے ہے جس نے اپنی حمد وثنا کو اپنی نعمتوں سے وابستہ کیا ہے۔
	2	اور اپنی نعمتوں کو شکر ادا کرنے سے وابستہ کر دیا ہے۔
نَحۡمَدُهُ عَلٰى آلَائِهِ كَمَا نَحۡمَدُهُ عَلٰى بَلَائِهِ ؛	3	ہم اللہ کی نوازشوں کی بھی اسی طرح حمد کرتے ہیں جس طرح اس کی آزمائشوں پر حمد کرتے ہیں۔
وَنَسۡتَعِيۡنُهُ عَلٰى هٰذِهِ النُّفُوۡسِ الۡبِطَآءِ عَمَّا اُمِرَتۡ بِهِ السِّرَاعِ اِلٰى مَانُهِيَتۡ عَنۡهُ ؛	4	اور ہم اللہ سے ان نفسوں کے سلسلے میں بھی مدد چاہتے ہیں جو پسندیدہ احکام کی تعمیل میں سست رفتار ہیں اور ناپسندیدہ کاموں کی طرف بڑھنے میں تیز رفتار ہیں (یعنی نیکیوں میں سست ہیں اور برائیوں میں چست ہیں)
وَنَسۡتَغۡفِرُهُ مِمَّا اَحَاطَ بِهِ عِلۡمُهُ ؛ وَاَحۡصَاهُ كِتَابُهُ ؛	5	اور ان تمام خطرناک چیزوں سے اللہ کا تحفظ طلب کرتے ہیں جن کو اللہ کے علم نے احاطے میں لیا ہوا ہے۔ اور جن کو اللہ کی کتاب میں شمار کر کے ان کو گھیر رکھا ہے۔
عِلۡمٌ غَيۡرُ قَاصِرٍ وَّ كِتَابٌ غَيۡرُ مُغَادِرٍ ؛	6	احاطہ کرنے والے اللہ کا وہ علم جس میں قصور اور کمی نہیں ہے اور گھیرنے والی وہ کتاب جو کسی چیز کو بیان کئے بغیر نہیں چھوڑتی ہے۔
وَنُؤۡمِنُ بِهٖ اِيۡمَانَ مَنۡ عَايَنَ الۡغُيُوۡبَ وَوَقَفَ عَلَى الۡمَوۡعُوۡدِ	7	اور ہمارا ایمان اللہ پر اس شخص کی مانند ہے جس نے تمام غیب کی چیزوں کو آنکھوں سے دیکھا ہو اور ساری وعدہ کی ہوئی چیزوں کو دیکھنے کے لئے کھڑا رہا ہو۔
اِيۡمَانًا نَفٰى اِخۡلَاصُهُ الشِّرۡكَ ؛ وَيَقِيۡنُهُ الشَّكَّ ؛	8	ایسا ایمان رکھتے ہیں جس کے خلوص نے نظام شرک کو اور جس کے یقین نے شکوک کو دور پھینک دیا ہو۔

وَنَشْهَدُ اَنْ لَااِلٰـهَ اِلَّااللّٰـهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ	9	اور ہم شہادت دیتے ہیں کہ اللہ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے جو تنہا و یگانہ ہے اور اس کی قدرت و اختیار میں کوئی اور شریک نہیں ہے اور یہ بھی گواہی دیتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ اللہ کے بندے اور رسولؐ ہیں۔
شَهَادَتَيْنِ تُصْعِدَانِ الْقَوْلَ وَتَرْفَعَانِ الْعَمَلَ ؛	10	یہ دونوں گواہیاں ہماری باتوں کو عرش کی طرف چڑھاتی ہیں اور اعمال کو بلندی عطا کرتی ہیں۔
لَايَخِفُّ مِيْزَانٌ تُوْضَعَانِ فِيْهِ ؛	11	وہ میزان یا ترازو کبھی ہلکی نہ رہیگی جس میں یہ دونوں شہادتیں رکھ دی جائیں گی۔
وَلَا يَثْقُلُ مِيْزَانٌ تُرْفَعَانِ مِنْهُ ؛	12	اور جس میزان یا ترازو سے ان دونوں گواہیوں کو اُٹھا لیا جائے وہ کبھی وزن دار و اہمیت کی حامل نہ رہے گی۔
اُوْصِيْكُمْ عِبَادَاللّٰهِ بِتَقْوَى اللّٰهِ الَّتِيْ هِيَ الزَّادُ وَبِهَا الْمَعَادُ زَادٌ مُّبَلِّغٌ وَمَعَادٌ مُنْجِحٌ ؛	13	اے اللہ کے بندو میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ تم اللہ کے سامنے دین کے لئے ذمہ دار بنو اس لئے کہ یہ ذمہ داری ہی سامان سفر ہے اور اسی سے قیامت میں پہنچنا ہے اور یہی قیامت میں پہنچانے والا ہے اور اسی پر نجات کا دارومدار ہے۔
دَعَا اِلَيْهَا اَسْمَعُ دَاعٍ وَوَعَاهَا خَيْرُ وَاعٍ ؛	14	اسی ذمہ داری کی طرف سب سے بہتر سننےؐ والے نے دعوت دی تھی اور اس دعوت کو سب سے بہتر محفوظ رکھنے والےؑ نے سن کر محفوظ رکھا تھا۔
فَاَسْمَعَ دَاعِيْهَا ؛وَفَازَوَاعِيْهَا ؛	15	چنانچہ دعوت دینے والےؐ نے دعوت دے کر سب کو سنا دیا اور سننے والاؑ کامیابی پر فائز ہو گیا۔
عِبَادَاللّٰـهِ اِنَّ تَقْوَى اللّٰهِ حَمَتْ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ مَحَارِمَهٗ ؛	16	خدا کے بندو یقیناً اسی ذمہ داری (تقویٰ) نے اولیاءؑ اللہ کو اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے بچایا ہے۔
وَاَلْزَمَتْ قُلُوْبَهُمْ مَخَافَتَهٗ حَتّٰى اَسْهَرَتْ لَيَالِيَهُمْ ؛	17	اور انکے دلوں میں ایسا خوف بٹھا دیا کہ ان کی راتیں بیدار رہنے میں گزرتی رہیں
وَاَظْمَاَتْ هَوَاجِرَهُمْ ؛	18	اور دوپہر کی شدید گرمیاں پیاس میں کٹتی رہیں۔
فَاَخَذُوْا الرَّاحَةَ بِالنَّصَبِ ؛وَالرِّىَ بِالظَّمَآءِ ؛	19	چنانچہ انہوں نے شب بیداریوں کی تکلیفوں کو راحت سے گرمی کی پیاس کو دائمی سیرابی سے بدل لیا۔
وَاسْتَقْرَبُوْا الْاَجَلَ ؛	20	اور انہوں نے موت کو قریب سمجھا۔
فَبَادَرُوْا الْعَمَلَ ؛	21	چنانچہ جلدی جلدی نیک عمل کئے۔

وَكَذَّبُو الْاَمَلَ ؛	22	امیدوں اورآرزوؤں کو جھٹلایا۔
فَلاحَظُو الْاَجَلَ ؛	23	یوں موت کوملحوظ رکھا۔
ثُمَّ اِنَّ الدُّنْيَا دَارُ فَنَآءٍ وَّعَنَآءٍ وَّغِيَرٍ ؛	24	پھر بات ہے بھی ٹھیک کہ یہ دنیا تو ہے بھی فانی اور مشقت اور بدلنے اورعبرت حاصل کرنے کی جگہ۔
وَّعِبَرٍ؛ فَمِنَ الْفَنَآءِ اَنَّ الدَّهْرَ مُوَتِّرٌ قَوْسَهُ لا تُخْطِئُ سِهَامُهُ ؛	25	فنا کے لئے اس دہرِ ناپائیدار نے اپنی کمان میں تیر کونشانہ پر مارنے کے لئے چلہ میں تان رکھا ہےاوراس کا کوئی تیر خطانہیں کرتا ہے۔
وَلا تُؤْسٰى جِرْحُهُ ؛	26	اوراس کے تیر کا زخم بھرتا نہیں ہے۔
يَرْمِي الْحَيَّ بِالْمَوْتِ ؛	27	زندوں پرموت کے تیر چلاتا ہے۔
وَالصَّحِيحَ بِالسَّقَمِ ؛	28	تندرستوں پر بیماری کے تیر پھینکتا ہے۔
وَالنَّاجِيَ بِالْعَطَبِ ؛	29	اورمحفوظ لوگوں پر ہلاکت اورتباہی کے تیر چلاتا ہے۔
اٰكِلٌ لا يَشْبَعُ ؛	30	یہ زمانہ ایسا کھانیوالا ہے کہ سیر نہیں ہوتا۔
وَشَارِبٌ لايَنْقَعُ ؛	31	اورایسا پینے والا کہ سیراب نہیں ہوتا۔
وَمِنَ الْعَنَآءِ اَنَّ الْمَرْءَ يَجْمَعُ مَالايَاْكُلُ ؛	32	زمانہ کے رنج وغم فراہم کرنے کے بندوبست میں سے ایک بندوبست یہ ہے کہ وہ لوگوں کو ایسے سامان جمع کرنے میں لگا دیتا ہے جسے وہ کھانہیں سکتے نہ استعمال کرسکتے ہیں۔
وَيَبْنِى مَالا يَسْكُنُ ؛	33	اورایسی تعمیرات کرانے میں لگا دیتا ہے جن میں آبادنہیں ہوسکتا ہے۔
ثُمَّ يَخْرُجُ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى لامَالا حَمَلَ وَلابِنَآءً نَقَلَ ؛	34	پھرانسان خدا کے حضور پہنچنے کیلئے روانہ ہوتے وقت نہ اپنا جمع کیا ہوامال ساتھ لے سکتا ہےاورنہ اپنے بنائے ہوئے مکانات اوردیگر سامان لے جاتا ہے۔
وَمِنْ غِيَرِهَا اَنَّكَ تَرَى الْمَرْحُومَ مَغْبُوطًا ؛	35	زمانہ کے تغیرات میں سے حالات کا الٹ پلٹ کرنا بھی ہےتم دیکھتے رہتے ہو کہ ایک قابل رحم اورمحتاج شخص یہاں مالدار اور قابل رشک بن جاتا ہے۔
وَالْمَغْبُوطَ مَرْحُومًا لَيْسَ ذٰلِكَ اِلَّانَعِيمًا زَلَّ وَبُؤْسًا نَزَلَ ؛	36	اورقابل رشک مالدارمحتاج اورقابل رحم بنتا رہتا ہے۔اس کی تبدیلی کی صورت یہی تو ہے کہ انکے ہاتھوں سے مال ونعمت نکل گئی اورغربت وافلاس نے آکر پکڑلیا ہے۔
وَمِنْ عِبَرِهَا اَنَّ الْمَرْءَ يُشْرِفُ عَلٰى اَمَلِهِ ؛فَيَقْتَطِعُهُ حُضُورُ اَجَلِهِ ؛فَلا	37	زمانے کے عبرت انگیز کاموں میں سے یہ ہے کہ جب آدمی اپنی امیدوں اورمحنت کے نتائج تک پہنچنے کے قریب پہنچتا ہےتو موت حاضر ہوکرسارا منصوبہ منقطع کردیتی

اَمَلٌ یُدْرَکُ ؛وَلَامُؤَ مَّلٌ یُتْرَکُ ؛		ہے۔اب نہ امیدیں برآتی ہیں اور نہ امیدیں باندھنے اور محنت کرنے والا چھوڑا جاتا ہے(یعنی موت سب کوسمیٹ لیتی ہے)
فَسُبْحَانَ اللّٰهِ مَا اَغَرَّ سُرُوْرَهَا ؛وَاَظْمَاَ رِيَّهَا ؛وَاَضْحٰى فَيْئَهَا لَا جَآءٍ يُرَدُّ وَلَا مَاضٍ يَرْتَدُّ	38	چنانچہ صرف اللہ کی ذات ہی ناکامی سے پاک ہے کیا ہی ناقابل اعتبار ہیں اس دنیا کی فریب انگیز مسرتیں اور سیراب کرنے والے مشروبات اور دھوپ سے بچانے والے سائے۔نہ تو یہاں آنے والی موت کو واپس کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی گزشتہ زمانہ کو اور نہ مرنے والے کو واپس لایا جاسکتا ہے۔
فَسُبْحَانَ اللّٰهِ مَا اَقْرَبَ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ لِلَحَاقِهِ بِهِ ؛وَاَبْعَدَ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ لِاِنْقِطَاعِهِ عَنْهُ ؛	39	چنانچہ ذاتِ خداوندی ہی باقی رہنے والی پاک ہستی ہے۔کتنا قریب ہیں یہ زندہ لوگ مردوں میں شامل ہونے کے لئے؟اور مرجانے والے لوگ زندوں سے تمام رشتے ٹوٹ جانے میں کتنی دور ہوگئے ہیں کہ اب زندوں کی مردوں تک رسائی نزدیک ہے اور مردوں کے تعلقات کتنی دور ہوگئے ہیں۔
اِنَّهُ لَيْسَ شَيْءٌ بِشَرٍّ مِنَ الشَّرِّ اِلَّا عِقَابُهُ ؛	40	یہ ایک حقیقت ہے کہ شر وفساد سے بدتر کوئی چیز نہیں ہے سوائے شر وفساد کی سزا اور عذاب کے۔
وَلَيْسَ شَيْءٌ بِخَيْرٍ مِنَ الْخَيْرِ اِلَّا ثَوَابُهُ ؛	41	اور نیکی اور خیر سے نیک اور اچھی اور کوئی چیز نہیں ہے سوائے نیکی اور خیر کے ثواب کے۔
وَكُلُّ شَيْءٍ مِّنَ الدُّنْيَا سَمَاعُهُ اَعْظَمُ مِنْ عِيَانِهِ ؛	42	دنیا میں موجود تمام چیزوں کا سننا ان کے دیکھنے سے بڑھ کر ہے۔ (پانی کی ایک بوند کیڑوں کا گچھا ہوتی ہے۔احسن)
وَكُلُّ شَيْءٍ مِّنَ الْاٰخِرَةِ عِيَانُهُ اَعْظَمُ مِنْ سَمَاعِهِ ؛	43	اور آخرت کی تمام چیزوں کا دیکھنا ان کے سننے سے بڑھ کر ہے۔ (یعنی دنیاوی چیزوں کی حقیقی صورت اچھی نہیں ہوتی اور آخرت کی چیزوں کی حقیقی صورت بھی پسندیدہ ہوتی ہے)
فَلْيَكْفِكُمْ مِّنَ الْعِيَانِ السَّمَاعُ وَمِنَ الْغَيْبِ الْخَبَرُ ؛	44	یہ حقیقت سمجھ لینے کے بعد تمہارے لئے کچھ سن لینا دیکھنے کے مقابلے میں کافی ہوجانا چاہئے اور غیب کو دیکھنے کی جگہ صرف اطلاعات کافی ہونا چاہئیں۔ (نبیؐ یا امامؑ سے سن لینے کی بات ہورہی ہے)
وَاعْلَمُوْا اَنَّ مَانَقَصَ مِنَ الدُّنْيَا وَ زَادَ فِي الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ مِّمَّا نَقَصَ مِنَ الْاٰ خِرَةِ	45	اور یہ بھی سمجھ لو کہ دنیا کے سامان میں کمی ہوجانا آخرت کے سامان میں اضافہ ہوجانا، آخرت کی کمی اور دنیا کے اضافہ سے بہت بہتر ہوتا ہے۔

وَزَادَفِی الدُّنْیَا ؛		
فَکَمْ مِّنْ مَّنْقُوْصٍ رَّابِحٍ وَّمَزِیْدٍ خَاسِرٍ ؛	46	اور اکثر یہ بھی ہوتا ہے کہ چیزوں میں کمی ہونا مفید ثابت ہوجاتا ہے اور اضافہ نقصان پہنچا دیتا ہے۔
اِنَّ الَّذِیْ اُمِرْتُمْ بِہٖ اَوْسَعُ مِنَ الَّذِیْ نُہِیْتُمْ عَنْہُ ؛	47	حقیقت یہ ہے کہ جن چیزوں کا تمہیں حکم دیا ہے وہ ان سے زیادہ اور وسیع تر ہیں جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے۔
وَمَا اُحِلَّ لَکُمْ اَکْثَرُ مِمَّا حُرِّمَ عَلَیْکُمْ ؛	48	اور جتنا تمہارے لئے حلال ٹھہرایا گیا ہے وہ اس سے بہت زیادہ ہے جو تم پر حرام کیا گیا ہے۔
فَذَرُوْا مَاقَلَّ لِمَا کَثُرَ وَمَا ضَاقَ لِمَا اتَّسَعَ ؛	49	چنانچہ زیادہ کے مقابلے میں تم تھوڑے کو چھوڑ دو (جو آسان ہے) اور وسعت والی چیزوں کے مقابلے میں تنگ اور دشوار چیزوں سے کنارہ کش ہوجاؤ۔
قَدْ تُکُفِّلَ لَکُمْ بِالرِّزْقِ ؛وَاُمِرْتُمْ بِالْعَمَلِ ؛	50	اللہ نے تمہارے رزق اور سامان بقاو ترقی کا ذمہ خود لیا ہے اور تمہیں چند اعمال کا حکم دیا ہے۔
فَلَایَکُوْنَنَّ الْمَضْمُوْنُ لَکُمْ طَلَبُہٗ اَوْلٰی بِکُمْ مِّنَ الْمَفْرُوْضِ عَلَیْکُمْ عَمَلُہٗ ؛	51	لٰہذا جس کا ذمہ لے لیا گیا ہے اس کو حاصل کرنا اس سے بڑھ کر نہیں ہوسکتا کہ جس کا کرنا تم پر فرض کیا گیا ہے۔
مَعَ اَنَّہٗ وَاللّٰہُ لَقَدِ اعْتَرَضَ الشَّکُّ وَدَخَلَ الْیَقِیْنُ حَتّٰی کَاَنَّ الَّذِیْ ضُمِنَ لَکُمْ قَدْفُرِضَ عَلَیْکُمْ؛	52	اس سب کے ساتھ ساتھ خدا کی قسم تمہارا حال یہ ہے کہ دیکھنے والے کو شک ہونے لگتا ہے کہ تمہارا دین کے معاملے میں یقین یہ ہوگیا ہے کہ تمہارے لئے جس چیز (رزق) کی ذمہ داری لے لی گئی تھی اس کا حاصل کرنا اور اس کے لئے دوڑ دھوپ کرنا تم پر فرض کیا گیا ہے۔
وَکَاَنَّ الَّذِیْ فُرِضَ عَلَیْکُمْ قَدْوُضِعَ عَنْکُمْ ؛	53	اور اعمال حسنہ بجالانا جو تم پر فرض کیا گیا تھا وہ تم سے ساقط کر دیا گیا ہے۔ (یعنی صورت حال کو الٹا کر لیا ہے)
فَبَادِرُوْا الْعَمَلَ ؛وَخَافُوْا بَغْتَۃَ الْاَجَلِ ؛	54	بہر حال تم لوگ اس غلط رویہ کو چھوڑ کر اعمال حسنہ بجا لانے میں لگ جاؤ اور موت کے اچانک آجانے سے ڈرو۔ ورنہ یاد رکھو کہ
فَاِنَّہٗ لَایُرْجٰی مِنْ رَّجْعَۃِ الْعُمْرِ مَایُرْجٰی مِنْ رَّجْعَۃِ الرِّزْقِ ؛	55	عمر کے پلٹ کر آنے کی امید و درخواست نہیں کی جاسکتی بلکہ رزق کے پلٹ آنے کی امید اور درخواست کی جاسکتی ہے۔
مَافَاتَ الْیَوْمَ مِنَ الرِّزْقِ رُجِیَ غَدًا	56	جو رزق آج ہاتھ سے جاتا ہے کل اس سے زیادہ ہو کر ملنے کی درخواست کی جا

زِيَادَتُهُ ؛		سکتی ہے اور وہ مل سکتا ہے۔
وَمَا فَاتَ اَمْسِ مِنَ الْعُمُرِلَمْ يُرْجَ الْيَوْمَ رَجْعَتُهُ ؛	57	اور جو کچھ عمر میں سے کل جاتا رہاتھا اس کی واپسی کی آج امید نہیں کی جاسکتی ہے۔
اَلرَّجَآءُ مَعَ الْجَآئِی ؛	58	امیداسی چیز کی کی جاتی ہے جو آنے والی ہو اور
وَالْيَاسُ مَعَ الْمَاضِیْ	59	جوگزر جائے اس کے آنے کی امید نہیں کی جاسکتی۔
"اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَاتَمُوْتُنَّ اِلَّاوَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (3/102)"	60	اللہ کا ایسا تقویٰ اختیار کرو جو تقویٰ کا حق ہے اور تم مرنا نہیں جب تک تم سچ مچ کے مسلم نہ بن جاؤ۔" (آل عمران 3/102)

تشریحات:

خطبے کی ابتدائی بات ہی ذُو معنی فرمائی ہے۔یعنی اللہ نے اپنی حمد وثنا کو اپنی نعمتوں سے وابستہ فرمایا ہے۔جس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ نعمت کو حمد وثنا کی وجہ یا سبب بنایا ہے دوسرے معنی یہ ہیں کہ نعمت پانے والے کی شکرگزاری بھی حمد وثنا میں شمار ہوگی۔اور یہ دو معنی اپنے مقام پر صحیح ہیں۔ اس کے صحیح ہونے پر دوسرا جملہ دلیل ہے جہاں فرمایا ہے کہ: "نعمتوں کو شکر سے وابستہ کردیا ہے" (2)

لہٰذا یقین پیدا ہوجاتا ہے کہ شکر کرنے والوں کو نعمتیں زیادہ دی جاتی ہیں۔یہ بات بھی قابل غور ہے کہ محمدؐ وآل محمد صلی اللہ علیہ وعلیہم دنیا میں سب سے زیادہ شکر بجالانے والے ہیں جو تیسرے جملے کی رُو سے نہ صرف اللہ کی نعمتوں ہی پر شکر ادا کرتے ہیں بلکہ بلاؤں، مصیبتوں اور تکلیفوں پر بھی شکرگزار ہوتے ہیں (3) اور اُن کے ہاتھوں میں دولت ومال دُنیا کم سے کم نظر آتا ہے اور اس بات کا عملی ثبوت ہے کہ وہ فانی چیزوں کو اللہ سے نہیں مانگتے اور بلاطلب جو کچھ اللہ دے دیتا ہے اس کو جلد سے جلد ضرورتمندوں کو دے کر آخرت میں دائمی دولت جمع کرالیتے ہیں۔

2۔ محمدؐ وآل محمدؐ کا شکرگزار ہونا ہر اُس شخص پر اور مجھ پر بھی واجب ہے جو پسندیدہ احکام میں سست ہوں۔

چوتھا جملہ مجھے اور میرے جیسے تمام لوگوں کی ہمت بندھاتا ہے اس لئے کہ حضرت علی علیہ السلام اور اُن کے بزرگؑ اور خوردؑ ہمارے لئے اللہ سے مدد طلب فرماتے ہیں۔تاکہ ہم پسندیدہ احکام کی تعمیل میں تیزگام ہوجائیں اور رفتہ رفتہ ناپسندیدہ احکام سے باز آجائیں کیسے رحم دل اور مہربان تھے حقیقی مومنین پر کہ وہؑ انہیں اچھا اور پسندیدہ مومن بنانے اور اپنے قرب میں جگہ دلانے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔

3۔ اللہ کے علم اور اللہ کی کتاب میں مذکور خطرناک چیزوں سے تحفظ طلب کرنا بھی ہماری بخشش کے لئے تھا۔

حضرت علی علیہ السلام ہمیں اُن لوگوں میں نہیں دیکھنا چاہتے جو دُنیا میں اللہ کی کتاب پر اور اللہ کے علم پر ایمان نہیں لائے۔ایمان نہیں لائے تو وہ اُن خطرناک چیزوں سے بچ کر بھی نہ رہے اور قیامت میں پچھتاتے ہوئے جو بیان دیتے ہیں وہ قرآن سے سنئے اور ایمان لایئے اور عمل کیجئے۔

وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّافِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا وَوَجَدُوْا مَاعَمِلُوْا حَاضِرًا وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًاO (18/49) ۔

"اور کتاب کو کھول کر سب کے سامنے رکھ دیا گیا تو آپؐ نے دیکھا کہ مجرم کتاب میں جو جرائم تھے اُن سے ڈر کر لرزتے ہوئے کہہ رہے

تھے کہ ہائے ہماری حالت پر اس کتاب کو کیا ہو گیا ہے کہ نہ یہ کسی چھوٹے جرم کو چھپانے میں غداری کرتی ہے نہ کسی بڑے جرم کو لکھنے میں کمی کرتی ہے۔ سب کچھ اس نے ریکارڈ کر رکھا ہے۔ اور وہ تمام جرائم کو جو انہوں نے کئے تھے وہاں حاضر پائیں گے اور تیرا پروردگار اُن پر کسی قسم کی زیادتی نہ کرے گا۔'' (سورہ کہف 18/49)

یہی فرمایا تھا حضرت علی علیہ السلام نے اور یہی ہے اللہ کی وہ کتاب جو کسی بھی عمل کو ریکارڈ کئے بغیر نہیں چھوڑتی ہے یہی ہیں وہ اچھے بُرے تمام اعمال جن پر چہاردہ معصومینؑ چشم دید گواہ بنائے گئے ہیں۔ (16/89،4/41،22/78) (جملہ نمبر 6-5)

4۔ ہمارے عقائد کی اور علیؑ و محمدؐ و آئمہ اہل بیتؑ کی حقیقی و ازلی پوزیشن دیکھیں اور تصدیق کریں ۔

ساتویں اور آٹھویں جملے پر پورا غور کریں اور اگر نجات کی ضرورت ہو تو پورا پورا ایمان بھی لے آئیں۔ اور وہ حقیقت یہ ہے کہ محمدؐ اور علیؑ اور باقی آئمہ اہل بیت علیہم السلام سے کوئی چیز غائب نہیں ہے۔ اور جن جن چیزوں کا اللہ نے کسی بھی مخلوق سے وعدہ فرمایا ہے اُن تمام چیزوں کو بھی پاس کھڑے رہ کر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے یعنی وہ پوری کائنات کی مخلوقات پر چشم دید ایمان رکھتے ہیں اور اسی پوزیشن کی بنا پر اُن حضرات علیہم السلام کو ساری کائنات پر اور اعمال پر شہید بنایا گیا تھا۔ اور اُن ہی حضراتؑ کا ایمان وہ ایمان ہے جو پورے نظامِ شرک کی اور اللہ کی ذات میں ہر قسم کے شک وشبہ کی نفی کرتا ہے (149/7-8 خطبہ)۔

5۔ چہاردہ (14) معصومین علیہم السلام کی گواہی کی وجہ سے کلمات اور اعمال بارہ گاہ الٰہی تک بلند ہوتے ہیں ۔

حضرت علی علیہ السلام کی شہادت یا کلمہ کا وزن اور اہمیت سمجھنے کے لئے پہلے قرآن سن لین فرمایا گیا ہے کہ:

مَنۡ کَانَ یُرِیۡدُ الۡعِزَّۃَ فَلِلّٰہِ الۡعِزَّۃُ جَمِیۡعًا اِلَیۡہِ یَصۡعَدُ الۡکَلِمُ الطَّیِّبُ وَ الۡعَمَلُ الصَّالِحُ یَرۡفَعُہٗ وَ الَّذِیۡنَ یَمۡکُرُوۡنَ السَّیِّاٰتِ لَہُمۡ عَذَابٌ شَدِیۡدٌ وَ مَکۡرُ اُولٰٓئِکَ ہُوَ یَبُوۡرُ O (35/10)

''اور تم میں سے جو کوئی عزت حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہو وہ جان لے کہ عزت ساری کی ساری اللہ کے ہاتھ میں ہے اور اللہ کی طرف بلند ہونے والی چیزوں میں سے پاکیزہ کلمات بھی ہیں۔ اور اُن پاکیزہ کلمات کو تمام اعمال سے صالح ترین عمل اللہ کی طرف بلند کرتا ہے۔ (یعنی معراج بلا اُس صالح ترین عمل کے نہیں ہو سکتی ہے) اور جو لوگ اُن پاکیزہ کلمات اور صالح ترین عمل کو ناکام کرنے کے لئے بدترین مکر اور حیلے کر رہے ہیں اُن کے لئے سخت عذاب طے شدہ ہے۔ اُن کو اُن کے مکر سمیت برباد کر دیا جائے گا۔'' (فاطر 35/10)

6۔ روزِ حساب ترازو کے جس پلے میں شہادت مرتضویؑ رکھی جائے گی وہی پلہ بھاری رہے گا وہی عزت پائیں گے ۔

اب حضرت علی علیہ السلام کا بیان سمجھ میں آئے گا فرمایا ہے کہ:

''ہماری یہ دونوں گواہیاں تمام باتوں کو (اَلۡکَلِمُ) عرش کی طرف چڑھاتی ہیں اور تمام اعمال کو بلندی عطا کرتی ہیں۔ وہ میزان یا ترازو کبھی ہلکی یا گھٹیا نہ رہے گی جس میں یہ دونوں شہادتیں رکھ دی جائیں گی اور جس میزان یا ترازو میں سے اِن دونوں شہادتوں کو اُٹھا لیا جائے گا وہ کبھی وزن دار اور اہمیت کی حامل نہ رہیں گی۔'' (10 تا 12)

7۔ قیامت میں میزان یا ترازو قائم کی جائے گی اور جن کے اعمال میں وزن نہ ہوگا وہ نقصان میں رہیں گے ۔

اب یہ دیکھئے کہ وہ تمام لوگ ناکام ونامراد ہوں گے جن کے اعمال کے ساتھ محمدؐ و آلِ محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کی شہادت نہ ہوگی لہٰذا قرآن کریم

سے ترازو اور وزن کے متعلق بیان سنیں اور ترجمہ مودودی کا دیکھیں تا کہ اس کے بعد اس کو آسانی سے پکڑا جا سکے۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ:

فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ O وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ O وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ O (6 تا 9/7 سورہ الاعراف)

7(الف)۔ مودودی ترجمہ حق سے متفق چلتا ہے۔

”پس یہ ضرور ہو کر رہنا ہے کہ ہم اُن لوگوں سے باز پرس کریں گے جن کی طرف ہم نے پیغمبر بھیجے تھے اور پیغمبروںؑ سے بھی پوچھیں گے پھر ہم پورے علم کے ساتھ ساری سرگزشت اُن کے آگے پیش کر دیں گے آخر ہم کہیں غائب تو نہ تھے۔ اور وزن اُس روز عین حق ہوگا جس کے پلڑے بھاری ہوں گے وہی فلاح پائیں گے۔ اور جن کے پلڑے ہلکے رہیں گے وہی اپنے آپ کو خسارے میں مبتلا کرنے والے ہوں گے۔ کیوں کہ وہ ہماری آیات کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کرتے رہے تھے۔“ (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 8 تا 10) مودودی کی تشریح سنئے:

7(ب)۔ مودودی کی تشریحات ترازو اور اعمال کے وزن تولنے کا اقرار کرتی ہیں۔

”8 اس کا مطلب یہ ہے کہ اُس روز خدا کی میزان عدل میں وزن اور حق دونوں ایک دوسرے کے ہم معنی ہوں گے۔ حق سوا وہاں کوئی چیز وزنی نہ ہوگی۔ اور وزن کے سوا کوئی چیز حق نہ ہوگی۔ جس کے ساتھ جتنا حق ہوگا اُتنا ہی وہ باوزن ہوگا۔ اور فیصلہ جو کچھ بھی ہوگا وزن کے لحاظ سے ہوگا۔ کسی دوسری چیز کا ذرہ برابر خیال نہ کیا جائے گا۔ باطل کی پوری زندگی خواہ دُنیا میں کتنی ہی طویل اور عریض رہی ہو اور کتنے ہی بظاہر شاندار کارنامے اُس کی پشت پر ہوں۔ اُس ترازو میں سراسر بے وزن قرار پائے گی۔ باطل پرست جب اس میزان میں تولے جائیں گے تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ دنیا میں جو کچھ وہ کرتے رہے وہ سب ایک پرکاہ کے برابر بھی وزن نہیں رکھتا۔ یہی بات سورہ کہف آیات 103، 105 میں فرمائی گئی ہے کہ جو لوگ دُنیا کی زندگی میں سب کچھ دُنیا ہی کے لئے کرتے رہے اور اللہ کی آیات سے انکار کر کے جن لوگوں نے یہ سمجھتے ہوئے کام کیا کہ انجام کار کوئی آخرت نہیں ہے اور کسی کو حساب دینا نہیں ہے اُن کے کارنامۂ زندگی کو ہم آخرت میں کوئی وزن نہ دیں گے۔“ (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 9)

7(ج)۔ دوسری تشریح مثبت ومنفی پہلوؤں کی مثال دی گئی ہے۔

”9 اس مضمون کو یوں سمجھئے کہ انسان کا کارنامۂ زندگی دو پہلوؤں میں تقسیم ہوگا ایک مثبت پہلو اور دوسرا منفی پہلو۔ مثبت پہلو میں صرف حق کو جاننا اور ماننا اور حق کی پیروی میں حق ہی کی خاطر کام کرنا شمار ہوگا اور آخرت میں اگر کوئی چیز وزنی اور قیمتی ہوگی تو وہ بس یہی ہوگی۔ بخلاف اسکے حق سے غافل ہو کر یا حق سے منحرف ہو کر انسان جو کچھ اپنی خواہش نفس یا دوسرے انسانوں اور شیطانوں کی پیروی کرتے ہوئے غیر حق کی راہ میں کرتا ہے وہ سب منفی پہلو میں جگہ پائے گا۔ اور صرف یہی نہیں کہ یہ منفی پہلو بجائے خود بے قدر ہوگا بلکہ یہ آدمی کے مثبت پہلوؤں کی قدر بھی گھٹا دیگا۔ پس آخرت میں انسان کی فلاح کا تمام تر انحصار اس پر ہے کہ اُسکے کارنامۂ زندگی کا مثبت پہلو اُسکے منفی پہلو پر غالب ہو اور نقصانات میں بہت کچھ دے دلا کر بھی اُس کے حساب میں کچھ نہ کچھ بچا رہ جائے۔ رہا وہ شخص جس کی زندگی کا منفی پہلو اُس کے تمام مثبت پہلوؤں کو دبا لے تو اُس کا حال بالکل اُس دیوالئے تاجر کا سا ہوگا جس کی ساری پونجی خساروں کا بھگتان بھگتنے اور مطالبات ادا کرنے ہی میں کھپ جائے اور پھر بھی کچھ نہ کچھ مطالبات اس کے ذمہ باقی رہ جائیں۔“ (ایضاً جلد 2 صفحہ 10-9)

7(د)۔ حضرت علیؑ کا بیان قرآن اور مودودی کے ترجمے اور تشریحات سے ثابت ہوگیا۔

ہمیں تو یہ دکھانا تھا کہ قیامت میں حضرت علی علیہ السلام کی دونوں گواہیوں کے وزن کو نجات کے لئے حق مانا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن میں اُن کی تصدیق کی اور مودودی نے ترجمہ اور تشریح میں مان لیا ہے۔ اب ہم یہ دکھاتے ہیں کہ جس میزان کا قرآن نے ذکر کیا ہے وہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ پر نازل کر دیا گیا تھا تا کہ قیامت میں مواخذہ، حساب کتاب اور نجات ونا کامی کا اختیار مادی طریقے سے بھی حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں میں پہنچ جائے۔ چنانچہ قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ:

اَللّٰہُ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ وَ الۡمِیۡزَانَ وَمَا یُدۡرِیۡکَ لَعَلَّ السَّاعَۃَ قَرِیۡبٌO۔ (شوریٰ 42/17)

مودودی ترجمہ: ''وہ اللہ ہی ہے جس نے حق کے ساتھ ایک کتاب اور میزان نازل کی ہے اور تمہیں کیا خبر شاید کہ فیصلے کی گھڑی قریب ہی آ لگی ہو۔'' (سورہ شوریٰ 42/17) (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 497)

قارئین یاد فرمائیں کہ آپ نے قیامت میں ایک ایسی کتاب کے قائم کرنے کا ذکر پڑھ لیا ہے جو بڑی سختی سے ہر چیز کو ریکارڈ کرتی ہے جسے دیکھ کر تمام مجرم لوگ گھبرا جائیں گے (18/49) پھر آپ نے قیامت میں اعمال کے تولے جانے اور اعمال کے وزن پر بھی آیات (9 تا 7/7) دیکھی تھیں۔ لہٰذا یہ وہی میزان اور وہی کتاب ہے جو محمدؐ وعلیؑ پر نازل کی گئی ہیں۔ اور خود اس آیت (42/17) کے آخری الفاظ قیامت کے قریب ہونے کی بات کر رہے ہیں۔ اِس کتاب اور اس میزان کا مقصد مودودی کی تشریح کے آخری الفاظ میں یہ ہے کہ:

''یہاں یہ بتا دیا گیا کہ اِس کتاب پاک کے ساتھ وہ میزان آ گئی ہے جس کے ذریعہ سے یہ انصاف قائم کیا جائے گا۔'' (تفہیم جلد 4 صفحہ 497)

آپ نے یہاں تک یہ دیکھ لیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کی مذکورہ دونوں گواہیاں (جملہ نمبر 9) تمام اچھی باتوں کو اور اچھے اعمال کو بارگاہ الٰہی تک بلند کریں گی (35/10) اور جملہ نمبر 10) اور لوگوں کے اعمال میں وزن یعنی حق پیدا کر کے نجات کا سبب بنیں گی اور لوگوں کے اعمال میں بے وزنی یعنی باطل کا درجہ پیدا کر کے انہیں ناکام کر دیں گی (10 تا 12) اور یہی وہ فلسفہ نجات ہے جس پر ہم ایمان لائے اور نجات کی اُمید رکھتے ہیں۔

8۔ بعض چیزوں کی حقیقت واقعی دیکھ لینا مفید نہیں ہے اور بعض چیزوں کا علم مضر ثابت ہوتا ہے۔

دنیا اور آخرت کی ذیل میں حضور علیہ السلام نے بڑے سادہ انداز میں ایک بہت اہم اور بہت معنی خیز بات فرما دی ہے۔ یعنی یہ کہ دُنیا کی چیزوں کا سننا بہتر ہے اُن کو دیکھنے سے (خطبہ 149، جملہ 42) اور آخرت کی چیزوں کا دیکھنا بہتر ہے اُن کے سننے سے (جملہ 43) یہ دونوں جملے صورت حال کو اُلٹ دیتے ہیں یعنی دُنیا کی چیزوں کو ہم روزانہ دیکھتے ہیں جن کا نہ دیکھنا بہتر فرمایا ہے اور آخرت کی چیزیں ہم صرف سنتے ہیں جن کا دیکھنا بہتر فرمایا ہے۔ اس سے اگلہ جملہ کہتا ہے کہ:

آنکھوں سے دیکھنے کے بجائے تمہیں کچھ سن لینا ہی کافی ہو جانا چاہئے اور غیب کا علم ہو جانے کے بجائے اطلاع اور خبر کافی ہو جانا چاہئے (جملہ 44)۔ اس جملے سے پتہ لگتا ہے کہ جو چیزیں دنیا میں ہم آنکھوں سے دیکھتے ہیں وہ بھی دراصل ہم سے غائب ہیں اور جو کچھ ہم دیکھتے ہیں وہ حقیقت کو دیکھنا نہیں ہے۔ اور یہی حقیقی صورت حال ہے۔ یعنی ہماری آنکھیں جو کچھ دیکھتی ہیں وہ اُتنا ہی دیکھتی ہیں جتنا کسی چیز کے متعلق ہمیں خبر دی گئی تھی یا بتایا گیا تھا۔ یعنی دُنیا کی چیزوں کو ہمارا دیکھنا دراصل سننا ہے اور بات یہاں پہنچتی ہے کہ ہماری نظر کیا دیکھتی ہے اور کیا اُس سے رہ جاتا

ہے؟ چنانچہ انسانی نظر کی جب جانچ کی گئی تو معلوم ہوا کہ وہ ایک محدود ماحول تک دیکھتی ہے۔ نہ اُسے اُس محدود ماحول سے آگے نظر آتا ہے نہ اُس سے پیچھے دکھائی دیتا ہے۔

دوسرے الفاظ میں یہ کہ انسانی آنکھ کو نہ حد سے قریب کی چیز نظر آتی ہے نہ حد سے دُور کی چیز کو وہ دیکھ سکتی ہے۔ اور ایسی آنکھ کا دیا جانا یقیناً انسان کے لئے مفید اور ضروری تھا۔ مثلاً اگر ہم پانی کے گلاس میں سے پانی کی ایک بوند کو مائکرواسکوپ (Microscope) سے دیکھیں تو اُس میں کہیں ڈھونڈے سے بھی پانی کا نشان نہ ملے گا بلکہ ننھے ننھے کیڑوں کا ایک گچھا دکھائی دے گا جس میں کیڑے ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے کلبلاتے ملیں گے۔ اور گلاس کیڑوں سے لبریز نظر آئے گا۔ اگر ہماری آنکھ اس حقیقت کو دیکھنے کے قابل ہوتی تو ہم پیاس کے مارے مرجاتے اور ہرگز پانی نہ پیتے۔ لہٰذا ہم نے سنا تھا کہ پانی ایک بہنے والی چیز ہے (سیال) ہے۔ اس کا ذائقہ کھاری یا میٹھا ہوتا ہے۔ یہی کچھ ہماری آنکھ دیکھتی رہی اور ہم پانی پیتے اور اُس سے نہاتے دھوتے رہے۔ یہی حال علم غیب کا ہے وہ بھی اس لئے نہیں دیا گیا کہ ہماری زندگی اللہ کو بھی پیاری تھی اور ہم سے کام لینا تھا۔ وہ حضرات ؑ جن کے سامنے سے مادے کے ڈالے ہوئے پردے اُٹھادئے گئے تھے انہیں اللہ نے اپنی مخصوص قدرت سے بنایا تھا۔ اُنہیں اپنے ایسا بشر سمجھنا قریشی سمجھ کی بات ہے اور محض خبر ہے۔ حقیقت واقعی نہیں ہے۔ میں نے جو کچھ پانی کے متعلق لکھا ہے وہ بھی اُس وقت تک محض خبر ہے جب تک آپ خود مائکرواسکوپ سے پانی کو نہ دیکھ لیں۔ لہٰذا ہمیں سن لینا واقعی دیکھ لینے سے بہتر ہے۔ مشاہدہ جو کچھ دکھاتا ہے۔ اُس کا حقیقت واقعی سے کم سے کم تعلق ہوتا ہے۔ اہل علم نے لکھا اور بجا لکھا ہے کہ حواس خمسہ میں سب سے زیادہ غلطیاں مشاہدے سے ہوتی ہیں۔

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر: 113

علی نقی طہرانی :خطبہ نمبر: 114

خُطبہ ﴿150﴾

قحط سالی میں اللہ سے بارش طلب کرنے کا کامیاب طریقہ

1۔خشک زمین اور پہاڑوں کی طرف متوجہ فرمایا۔2۔مویشیوں کی بے تابی اور بلبلانے کا واسطہ دیا گیا۔

3۔بادلوں اور گھٹاؤں کی طرف سے مایوسی مگر اللہ سے مایوسی نہیں۔4۔گناہوں کا اقرار کر کے رحم کی درخواست۔

5۔موسلا دھار بارشوں، سبزہ زاروں کی صورت میں دامانِ رحمت پھیلانے کی التجا۔

6۔اور نئے سرے سے زندگی اور زندگانی کا سامان مانگا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَللّٰهُمَّ قَدِ انْصَاحَتْ جِبَالُنَا وَاغْبَرَّتْ اَرْضُنَا ؛	1	اے اللہ ہمارے پہاڑوں میں تپش اور خشکی سے دراڑیں پڑ گئی ہیں، اور ہماری زمین پر گردو غبار اور دھول اُڑ رہی ہے۔
وَهَامَتْ دَوَابُّنَا ؛وَتَحَيَّرَتْ فِيْ مَرَابِضِهَا ؛	2	اور ہمارے مویشی انتہائی پیاسے ہیں اور اپنے رہنے کی جگہ میں حیران و بے چین ہیں۔
وَعَجَّتْ عَجِيْجَ الثَّكَالٰى عَلٰى اَوْلَادِهَا ؛	3	اور پسر مردہ ماؤں کی طرح نالہ وفریاد میں اسی طرح بلبلا رہے ہیں جیسے مائیں اپنی اولاد کی میت پر فریاد کرتی ہیں۔
وَمَلَّتِ التَّرَدُّدَفِيْ مَرَاتِعِهَا ؛وَالْحَنِيْنَ اِلٰى مَوَارِدِهَا ؛	4	پانی کی تلاش میں اپنی چراگاہوں میں اور پانی پینے کی جگہوں میں بار بار آتے جاتے نالہ وفریاد کرتے کرتے خستہ حال وملول ہو چکے ہیں۔
اَللّٰهُمَّ فَارْحَمْ اَنِيْنَ الْاٰنَّةِ وَحَنِيْنَ الْحَانَّةِ ؛	5	اے اللہ ان پانی کے اشتیاق میں مارے مارے پھرنے والوں پر اور فریاد وفغان کرنے والوں پر رحم فرمادے۔
اَللّٰهُمَّ فَارْحَمْ حَيْرَتَهَا فِيْ مَذَاهِبِهَا وَاَنِيْنَهَا فِيْ مَوَالِجِهَا	6	اے اللہ تو ان کے راستوں میں بھٹکنے اور پانی نہ ملنے کی حیرانی پر اور اپنی آرام گاہوں میں نالہ اور فریاد کرنے پر رحم فرمادے۔
اَللّٰهُمَّ خَرَجْنَا اِلَيْکَ حِيْنَ اعْتَكَرَتْ عَلَيْنَا حَدَابِيْرُ ا؛لسِّنِيْنَ ؛	7	اے اللہ ہم بھی تیرے حضور میں فریاد کرنے کے لئے گھروں سے نکل آئے ہیں اس لئے کہ بھوک اور پیاس کے مارے ہوئے یہ سوکھے دبلے اور نڈھال اونٹ ہم سے فریاد کر رہے ہیں اور ہمیں اپنا سہارا سمجھ رہے ہیں۔

وَاَخْلَفَتْنَا مَخَايِلُ الْجُوْدِ ؛	8	اور برسنے والی گھٹائیں بغیر برسے آ آ کر واپس جا چکی ہیں مگر ہم تیرے حضور حاضر ہو گئے ہیں اس لئے کہ:
فَكُنْتَ الرَّجَآءَ لِلْمُبْتَئِسِ ؛	9	تو دکھ درد اور مصیبتوں میں پھنسے ہوئے لوگوں کا آخری سہارا ہے۔
وَالْبَلَاغَ لِلْمُلْتَمِسِ ؛	10	اور تو ہی التجا کرنے والوں کا استقبال کرنے والا ٹھکانہ ہے چنانچہ۔
نَدْعُوْكَ حِيْنَ قَنِطَ الْاَنَامُ وَمُنِعَ الْغَمَامُ وَهَلَكَ السَّوَامُ ؛	11	ہم تجھ سے ایسے حالات میں مدد اور رحم چاہتے ہیں جب کہ تمام جاندار سب طرف سے مایوس ہو چکے، بادلوں نے انکار کر دیا اور مویشی بے حال و ہلاک ہو گئے لہٰذا ہم عرض کرتے ہیں۔
اَنْ لَّاتُؤَاخِذَنَا بِاَعْمَالِنَا ؛وَلَا تَاْخُذَنَا بِذُنُوْبِنَا ؛	12	کہ تو ہمیں ہماری بداعمالیوں اور ہمارے گناہوں پر ماخوذ کرنے کے بجائے ہم پر رحم کر دے۔
وَانْشُرْ عَلَيْنَا رَحْمَتَكَ بِالسَّحَابِ الْمُنْبَعِقِ ؛	13	اور اے اللہ تو ہم پر اپنی رحمت کو اس طرح پھیلا دے کہ موسلا دھار برسنے والے بادل آ جائیں۔
وَالرَّبِيْعِ الْمُغْدِقِ ؛	14	اور ٹوٹ ٹوٹ کر برسنے والی گھٹائیں برسنے لگیں۔
وَالنَّبَاتِ الْمُوْنِقِ ؛سَحًّا وَّابِلًا تُحْيِيْ بِهٖ مَاقَدْمَاتَ وَتَرُدُّ بِهٖ مَاقَدْ فَاتَ ؛	15	اور نظروں کو ٹھنڈک فراہم کرنے والا سبزہ اور کھیتیاں لہلہانے لگیں۔ وہ اس طرح جم کر برسیں کہ اس سے جو کچھ مر گیا ہے وہ زندہ ہو جائے اور جو کچھ ضائع ہو گیا ہے وہ واپس پلٹ آئے۔
اَللّٰهُمَّ سُقْيًا مِنْكَ مُحْيِيَةً مُرْوِيَةً ؛تَآمَّةً؛ عَآمَّةً طَيِّبَةً ، مُبَارَكَةً ؛هَنِيْئَةً ؛مَرِيْئَةً ؛ مَرِيْعَةً؛ زَاكِيًا نَبْتُهَا ؛ثَامِرًا فَرْعُهَا ؛ نَاضِرًا ؛وَّرَقُهَا ؛	16	اے اللہ یوں سیرابی کو ہمہ گیر بنا دے کہ مردہ زمینوں میں جان پڑ جائے جو پیاس بجھانے والی ہو، سیر کر دینے والی ہو مکمل طور پر عمومی حیثیت سے پھیل جانے والی ہو، پاکیزہ اور برکتوں والی ہو، دل کو بہلانے اور لبھانے والی ہو۔ فصلوں اور نباتات کی فراوانی کرنے والی ہو، جس سے حسین شاخیں اور پھلوں پھولوں سے لدی ہوئی ٹہنیاں اور چمکتے ہوئے پتے نکل آئیں۔
تَنْعَشُ بِهَا الضَّعِيْفُ مِنْ عِبَادِكَ ؛ وَتَحْيِيْ بِهَا الْمَيِّتَ مِنْ بِلَادِكَ ؛	17	تیرے کمزور و ضعیف بندوں کو اس خشک سالی سے رہائی ملے اور تیری بستیوں کی مردہ چیزوں میں تیری اس رحمت سے زندگی دوڑ جائے۔
اَللّٰهُمَّ سُقْيًا مِّنْكَ ؛	18	اے اللہ تجھ سے سیرابی کی التجا کرتے ہیں تا کہ ہماری
تَعْشِبُ بِهَا نِجَادُنَا ؛	19	اونچی زمین بھی گھاس سے سرسبز ہو جائے۔

وَتَجرِیُ بِهَا وِهَادُنَا ؛	20	اور نشیبی زمینوں میں پانی جاری ہوجائے۔
وَیُخصِبُ بِهَاجَنَا بُنَا ؛	21	اور نشیب وفراز کی زمینوں کے دہنے بائیں جانب سرسبزی پھیل جائے۔
وَتُقبِلُ بِهَا ثِمَارُنَا ؛	22	اور سیرابی سے پھلوں کی افراط ہوجائے۔
وَتَعِیشُ بِهَا مَوَاشِیُنَا ؛	23	اور ہمارے مویشی خوشحال ہوسکیں۔
وَتَندیٰ بِهَا اَقَاصِیُنَا ؛	24	اور جس سے دوروالی زمینیں بھی تر ہوجائیں۔
وَتَستَعِینُ بِهَا ضَوَاحِیُنَا ؛	25	اور جس سے کھلے میدان بھی مدد پاسکیں۔
مِنُ بَرَکَاتِکَ الُوَاسِعَةِ ؛	26	اور اپنی ان برکتوں کے صدقے میں جو وسیع ترین ہیں۔
وَعَطَایَاکَ الُجَزِیلَةِ عَلٰی بَرِیَّتِکَ الُمُرمِلَةِ	27	اوران عطیات کے واسطے سے جو تیری مخلوق کی تباہ حالی دور کرتے ہیں۔
وَوَحُشِکَ الُمُهمَلَةِ ؛	28	اور بلانگران وحشی جانوروں کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔
وَانُزِلُ عَلَینَا سَمَآءً مُخضِلَةً ؛مِدُرَا رًهَا طِلَةً	29	ہم پر ایسی بارشیں برسادے جو پانی کی رو بہادیں اور لگا تار برس کر جھڑی لگادیں۔
یُدَ افِعُ الُوَدُقُ مِنهَا الُوَدُقَ ؛	30	جس میں بارشیں بارشوں سے اور بادل بادلوں سے ٹکراتے اور برستے رہیں۔
وَیَحفِزُ الُقَطرُ مِنهَا الُقَطرَ ؛	31	اور بارش کی بوندیں بوندوں کو دھکیلیں۔
غَیرَ خُلَّبٍ بَرُقُهَا ؛وَلَا جَهَامٍ عَارِضُهَا ؛	32	جس میں چمکنے والی بجلی دھوکہ نہ دے اور نہ جس کی گھٹائیں پانی سے خالی ہوں
وَلَا قَزَعٍ رَبَابُهَا ؛وَلَا شَفَّانٍ ذِهَا بُهَا ؛	33	اور نہ اس میں بادل پھٹے ہوئے اور بکھرے ہوئے ہوں۔ اور نہ تھوڑی سی بارش ہو کہ جس سے ہوا ٹھنڈی ہوجائے۔
حَتّٰی یُخصِبَ لِامُرعِهَا الُمُجدِبُوُنَ ؛	34	ایسی بارشیں کر کہ قحط زدہ لوگ خوشحال ہوجائیں۔
وَیَحیَا بِبَرَکَتِهَا الُمُسنِتُوُنَ ؛	35	اور بارش کی برکت سے خشک سالی کے مارے ہوؤں کو زندگی مل جائے۔
فَاِنَّکَ تُنزِلُ الُغَیثَ مِنُ بَعدِ مَا قَنَطُوُا ؛	36	وہ تیری ہی ذات ہے جو لوگوں کے مایوس ہوجانے کے بعد بھی بارشیں کرتا ہے
وَتَنشُرُ رَحمَتَکَ وَاَنتَ الُوَلِیُّ الُحَمِیدُ ؛	37	اور اپنی رحمت کو سب پر پھیلا دیتا ہے بلاشبہ تو ہی قابل حمد وثنا ولی اور حاکم ہے۔

تشریحات:

اس خطبے کی زبان اور انداز بیان کا تقاضا تھا کہ ہم نے ترجمہ کرنے میں استعمال شدہ الفاظ کی معنوی وسعت کو استعمال کیا ہے تا کہ خطیب علیہ السلام کا منشا اُردو بولنے والے حضرات تک من وعن پہنچ جائے۔

خطبے میں اللہ کو جس طرح مخاطب فرمایا ہے وہ صرف حضرت علی علیہ السلام ہی کا حق ہے۔ مسلمان نام کے علمانے بارش کی دعائیں اور بھی کئی ایک بزرگوں کی طرف سے نقل کی ہیں مگر چہ نسبت خاک را با عالم پاک؟

بیان کیا گیا ہے کہ جیسے ہی حضور علیہ السلام خطبے کے اُٹھائیسویں (28) جملے پر پہنچے تو چاروں طرف سے بادل گھر کر آ گئے اور ہلکی ہلکی بارش ہونے لگی شاید اس لئے کہ سامعین اپنے گھروں اور ٹھکانوں پر سہولت سے جا سکیں لیکن سارا مجمع اپنی جگہ جما بیٹھا اور دعا سنتا رہا پھر جو بارش ہوئی ہے تو طوفان نوحؑ کا سماں بندھ گیا۔ لوگ شرابور ہو گئے اور غالباً طے کر لیا کہ جب تک دعا ختم نہ ہو گی اپنی جگہ سے جنبش نہ کریں گے۔ بہر حال حضور علیہ السلام نے دعا مکمل کی بہتے ہوئے پانی میں سجدہ شکر ادا کیا سارا مجمع خوشی اور احساس عقیدت کے آنسو بہاتا ہوا ساتھ چلا اور یہ بارش اُس وقت تک نہ رُکی جب تک حضورؑ نے اپنے اطمینان کے اظہار کے لئے دوبارہ دعا نہ کی۔ (مدینہ کا یہودی عالم ریکارڈ نمبر 34)

2۔ حضرت نوحؑ نے اپنی قوم سے وعدہ فرمایا تھا حضرت علیؑ نے حضرت نوحؑ کو سچا کر کے دکھا دیا۔

حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی اقوام کو راہ راست اختیار کرنے کے نتیجے میں بارشوں اور فصلوں کی فراوانی کا وعدے کرتے رہے چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کا وعدہ قرآن کریم نے ریکارڈ کیا ہے وہ سنئے:

ثُمَّ اِنِّیۡ دَعَوۡتُهُمۡ جِهَارًا ۝ ثُمَّ اِنِّیۡۤ اَعۡلَنۡتُ لَهُمۡ وَ اَسۡرَرۡتُ لَهُمۡ اِسۡرَارًا ۝ فَقُلۡتُ اسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّكُمۡ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ یُّرۡسِلِ السَّمَآءَ عَلَیۡكُمۡ مِّدۡرَارًا ۝ وَّ یُمۡدِدۡكُمۡ بِاَمۡوَالٍ وَّ بَنِیۡنَ وَ یَجۡعَلۡ لَّكُمۡ جَنّٰتٍ وَّ یَجۡعَلۡ لَّكُمۡ اَنۡهٰرًا ۝ مَا لَكُمۡ لَا تَرۡجُوۡنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۝ (نوح 8 تا 13/71)

''پھر میں نے اُنہیں اعلانیہ طور پر بھی سمجھایا اور نہایت رازدارانہ طریقے پر بھی طرح طرح نصیحت کی میں نے اُن سے یہ بھی کہا کہ تم اپنے پروردگار سے اپنے تحفظ کا سامان مانگو یقیناً وہ بڑا ہی محفوظ رکھنے والا ہے۔ وہ تم پر آسمان سے لگاتار برسنے والے بادل بھیجے گا اور تمہیں تمہارے اموال اور بیٹوں کی افزائش میں مدد دے گا۔ اور تمہارے لئے باغات کا انتظام کرے گا اور تمہارے لئے نہریں تیار کر دے گا۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کے وقار و عظمت کے امیدوار نہیں ہو۔''

اس کے باوجود حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے حضرت نوحؑ کی ذرہ برابر پرواہ نہ کی۔ پرواہ تو قریش اور عربوں نے بھی نہیں کی تھی مگر حضرت علی علیہ السلام اُن پر اتمام حجت کرتے رہے تا کہ انہیں یقین ہو جائے کہ اللہ اُن کی دعا اور بددعا پر فوراً عمل کرتا ہے۔ یہاں حضور علیہ السلام نے اپنی دعا میں نوح علیہ السلام کے اس وعدہ کو لفظ ''مِّدۡرَارًا'' سے یاد دلایا ہے (جملہ نمبر 29) اور اپنے آخری جملے (36) میں تو قرآن کی مندرجہ ذیل آیت کو اپنے انداز میں بطور شکر یہ دُہرایا ہے کہ:

وَهُوَ الَّذِیۡ یُنَزِّلُ الۡغَیۡثَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا قَنَطُوۡا وَ یَنۡشُرُ رَحۡمَتَهٗ ؕ وَ هُوَ الۡوَلِیُّ الۡحَمِیۡدُ ۝ (شوریٰ 42/28)

''اللہ وہی تو ہے جو لوگوں کے مایوس ہو جانے کے بعد بھی اپنی رحمت کو پھیلانے کیلئے بادلوں کو اُتار دیتا ہے اور وہی حقیقی حمد و ثنا کے لائق ولی اور حاکم ہے۔''

بہر حال حضرت علی علیہ السلام کو عہد رسولؐ سے لے کر آج تک کے مومنین مشکل کشا اور حاجت روا کے نام سے خواہ مخواہ نہیں پکارتے رہے ہیں۔ اور یہ عقیدہ ہندوؤں اور عیسائیوں تک میں بطور تجربہ پھیلتا چلا گیا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ قریش کے پیرو علما نے حضرت علی علیہ السلام کو اس مقام سے ہٹانے کے لئے خاص اہتمام کیا اور یہ عقیدہ پھیلانے میں مصروف رہے کہ اللہ کے سوا کسی اور سے مدد مانگنا شرک ہے۔ مگر اس کے باوجود علیؑ آج بھی مشکل کشا پکارے جا رہے ہیں۔

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر: 114

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر:115

خُطبہ ﴿151﴾

1۔آنحضرتؐ کی کارکردگی اور رسالت وامامت سے خطبہ شروع کیا ہے۔2۔پردہ غیب میں لپٹی ہوئی تمام چیزوں اور حقیقتوں کے علم کا دعویٰ۔3۔اپنے زمانہ کے مسلمانوں کی بے دینی اور ان سے جدائی کی تمنا کی ہے۔4۔حقیقی مسلمانوں کا ذکر وصفات بیان فرمائی ہیں۔5۔حجاج ابن یوسف ثقفی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَرۡسَلَهُ دَاعِيًا اِلَى الۡحَقِّ ؛	1	اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کو مکمل حق کیطرف دعوت دینے کیلئے بھیجا تھا۔
وَشَاهِدًا عَلَى الۡخَلۡقِ ؛	2	اور تمام مخلوقات پر گواہ بننے کے لئے ارسال فرمایا تھا۔
فَبَلَّغَ رِسَالَاتِ رَبِّهٖ غَيۡرَ وَانٍ وَلَا مُقَصِّرٍ ؛	3	چنانچہ آنحضرتؐ نے اپنے پروردگار کے تمام پیغامات بلاکسی سستی اور کمی کے پہنچادیئے۔
وَجَاهَدَ فِي اللّٰهِ اَعۡدَاءَهٗ غَيۡرَ وَاهِنٍ وَّلَامُعَذِّرٍ ؛	4	اور اللہ کے دشمنوں سے بلاکسی بہانہ بازی اور کمزوری کے جہاد کیا۔
اِمَامُ مَنِ اتَّقٰى وَبَصَرُ مَنِ اهۡتَدٰى ؛	5	وہ متقین کے امامؑ اور ہدایت یافتہ لوگوں کیلئے بینائی اور بصیرت تھے۔
وَلَوۡ تَعۡلَمُوۡنَ مَا اَعۡلَمُ مِمَّا طُوِيَ عَنۡكُمۡ غَيۡبُهٗ اِذًا لَّخَرَجۡتُمۡ اِلَى الصُّعُدَاتِ ؛	6	جو چیزیں تم سے الگ کر کے غیب کے پردوں میں لپیٹی ہوئی ہیں اگر تمہیں بھی ان کا اسی طرح علم ہوتا جس طرح مجھے ان کا علم ہے تو تم لوگ بیابانوں میں نکل جاتے۔
تَبۡكُوۡنَ عَلٰى اَعۡمَالِكُمۡ ؛	7	اور اپنے برے اعمال پر روتے ہوئے۔
وَتَلۡتَدِمُوۡنَ عَلٰى اَنۡفُسِكُمۡ ؛	8	اور اپنی جان کا ماتم کرتے ہوئے۔
وَلَتَرَكۡتُمۡ اَمۡوَالَكُمۡ لَاحَارِسَ لَهَا وَلَا خَالِفَ عَلَيۡهَا ؛	9	اور تم اپنے اموال کو بلاکسی محافظ کو حفاظت کیلئے مقرر کئے ہوئے اور بلاکسی نگہداشت کرنے والے کے چھوڑ جاتے اور سرگردان پھرتے رہتے۔
وَلَهَمَّتۡ كُلَّ امۡرِئٍ مِّنۡكُمۡ نَفۡسُهٗ، لَا يَلۡتَفِتُ اِلٰى غَيۡرِهَا ؛	10	اور تم میں سے ہر ایک کو صرف اپنی جان کی فکر ہوتی اور کسی دوسرے کے حال کی طرف توجہ نہ کرتے۔
وَلٰكِنَّكُمۡ نَسِيۡتُمۡ مَّا ذُكِّرۡتُمۡ ؛	11	ولیکن تم نے تو اسے بھی فراموش کر دیا ہے جو کچھ تم کو یاد رکھنے اور عمل کرنے کے لئے بتایا گیا تھا۔

وَاٰمِنْتُمْ مَّا حُذِّرْتُمْ ؛	12	اور تم ان چیزوں کی طرف سے بے خوف ہو گئے جن سے باز رہنے کو کہا گیا تھا۔
فَتَاهَ عَنْكُمْ رَاْيُكُمْ ؛	13	تمہیں تمہاری رائے اور اجتہاد نے گمراہ کر دیا ہے۔
وَتَشَتَّتُ عَلَيْكُمْ اَمْرُكُمْ ؛	14	اور تمہارے دین میں اختلاف پھیل گیا ہے۔
وَلَوَدِدْتُ اَنَّ اللّٰهَ فَرَّقَ بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ ؛	15	مجھے ہر حال میں یہ پسند ہے کہ اللہ تمہارے اور میرے درمیان جدائی ڈال دے۔
وَاَلْحَقَنِىْ بِمَنْ هُوَ اَحَقُّ بِىْ مِنْكُمْ ؛	16	اور مجھے ان لوگوں سے ملا دے جو تمہارے مقابلے میں میرے ساتھ رہنے کے زیادہ حقدار ہیں۔
قَوْمٌ وَاللّٰهِ مَيَامِيْنُ الرَّاْىِ ؛مَرَاجِيْحُ الْحِلْمِ ؛مَقَاوِيْلُ بِالْحَقِّ مَتَارِيْكُ لِلْبَغْىِ ؛	17	بخدا وہ ایک ایسی قوم ہے جس کی رائے قابل مبارکباد ہے اور عقلیں پختہ اور کھل کر حق بات کہنے والے ہیں اور ہر قسم کی سرکشی اور باغیانہ تصورات کو چھوڑے ہوئے ہیں۔
مَضَوْا قُدُمًا عَلَى الطَّرِيْقَةِ ؛	18	وہ سبقت کر کے صحیح طریقہ پر کاربند ہو گئے ہیں۔
وَاَوْجَفُوْا عَلَى الْمَحَجَّةِ ؛	19	اور دلیل و حجت والی روشن راہ پر بلا خطر چلے گئے۔
فَظَفِرُوْا بِالْعُقْبَى الدَّائِمَةِ ؛وَالْكَرَامَةِ الْبَارِدَةِ ؛	20	چنانچہ انہوں نے دائمی عاقبت و آخرت حاصل کر کے عمدہ اور خوشگوار زندگی کی نعمتیں پالیں۔
اَمَا وَاللّٰهِ لَيُسَلَّطَنَّ عَلَيْكُمْ غُلَامُ ثَقِيْفٍ الذَّيَّالُ الْمَيَّالُ ؛	21	اور بخدا یہ سن لو کہ تم پر قبیلہ ثقیف کا ایک نوجوان مسلط ہو کر رہے گا وہ جوان لمبے قد کا ہوگا اور جھوم جھوم کر چلا کرے گا۔
يَاْكُلُ خَضِرَتَكُمْ ؛	22	وہ تمہارے تمام سبزہ زاروں کو قبضے میں لے لے گا۔
وَيُذِيْبُ شَحْمَتَكُمْ	23	اور وہ تمہاری چربی پگھلا کر چھوڑے گا۔
اِيْهٍ اَبَاوَذَحَةَ ؛	24	ہاں اے ابو وذحہ کچھ اور بھی کر دکھاؤ تو بات ہے۔

تشریحات:

خطبہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل سے شروع ہوتا ہے اور اس میں حضرت علی علیہ السلام نے آنحضرتؐ کو شَاهِدًا عَلَى الْخَلْقِ فرما کر اُن کی عالمی پوزیشن کی طرف توجہ دلائی ہے۔ جو قرآن کریم کی تصدیق کرتی ہے۔ جہاں رسولؐ اللہ کو تمام عالمین کے لئے رحمت اور نذیر فرمایا گیا ہے اور الفاظ خلق اور عالمین سے دونوں پوری کائنات اور کائنات کی ساری موجودات کو ظاہر کرتے ہیں۔ جسے ہم نے عالمی پوزیشن لکھا ہے۔ اور عالمی پوزیشن کا تقاضہ ہے کہ وہ اُس وقت سے ہو جب سے کائنات کو وجود بخشا گیا تھا۔ اور یہ بات اُنؐ کے اولین مخلوق ہونے سے ثابت ہو جاتی ہے۔ اور معلوم ہو جاتا ہے کہ اُن کی ذاتِ گرامی عالمین کی تخلیق سے قبل موجود تھی اور یہ کہ عالمین پیدا ہوتے ہی آنحضرت صلی

اللہ علیہ وآلہ کے دامنِ رحمت میں آ گئے تھے اور جب تک موجود رہیں گے اُن پر حضوؐر کا سایہ رحمت برقرار رہے گا (1 تا 4)۔

2۔ رسالتؐ ونبوتؐ وامامت بھی عالمین سے قبل کے عہدے ثابت ہیں۔

پھر حضرت علی علیہ السلام نے بتایا ہے کہ رسولؐ اللہ تمام متقین اور ہدایت یافتہ مخلوق کے امام اور بینائی ہیں۔لہٰذا جس کے معنی یہ ہوئے کہ عہدہ رسالت ونبوّت وامامت بھی روزِ ازل سے چلے آ رہے ہیں۔یعنی تمام انبیاء ورسلؑ اور آئمہؑ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ سے متعلق اور ماتحت رہتے آئے ہیں یعنی حضرت علی علیہ السلام نے آنحضرتؐ کو شَاهِدًا عَلَى الْخَلْقِ فرما کر سارے قرآن اور تمام احادیث کو دو الفاظ میں سمو دیا ہے۔

3۔ علم غیب پر فائز ہونے کی اطلاع کے ساتھ ساتھ قریشی صحابہ کی پوزیشن بیان فرمائی ہے۔

پھر حضورؐ نے واضح الفاظ میں اپنی غیب دانی اور علم غیب کو بیان کیا اور بتایا ہے کہ اگر قریشی مسلمانوں کو اُس علم غیب پر اطلاع ہو جائے تو وہ اپنے اعمال وکردار کے گھنونے پن کو دیکھ کر ہوش وحواس کھو بیٹھیں اور جنگلوں میں دیوانہ وار مارے مارے پھرنے لگیں اور اپنے گناہوں پر ندامت اور پشیمانی کے سوا اور کوئی کام ہی نہ رہے، وہ اپنی اولاد وازواج ومال ومتاع سے بھی متنفر ہو جائیں (6 تا 10)۔

4۔ قریشی مسلمانوں کی بداعمالیوں میں سے اُن کے اجتہاد اور دین میں اختلاف کو شمار کیا ہے۔

پھر قریش کے نظامِ اجتہاد کو اُن کے تباہ کن اعمال میں شمار کیا اور نتیجہ یہ بتایا ہے کہ اجتہاد کی بنا پر انہوں نے اسلام میں فرقہ واریت کو جنم دیا ہے اور دین میں اختلافات پیدا کئے ہیں (11 تا 14)۔اس کی تفصیل ہماری کتاب فاروقی شریعت میں دیکھئے جہاں عمر اینڈ کمپنی کی ایجاد کردہ پوری شریعت دکھائی گئی ہے۔اور اُن ملاعین کی اُن ہی ایجادات کی وجہ سے حضرت علیؑ اُن سے جدائی کی آرزو رکھتے تھے (15)۔

5۔ حضرت علیؑ اپنے عہد کے مسلمانوں سے جدائی اور ایک خاص قوم سے وابستگی کی تمنا کرتے رہے۔

اور ایک خاص قوم سے وابستگی چاہتے تھے اور قوم کا نام لئے بغیر اُس کی عقل اور رائے اور حق گوئی اور اطاعت شعاری، دلیل وحجت پر عملدرآمد اور عاقبت کی کامیابی کی مدح وثنا کی ہے (16 تا 20)۔ہم اُس قوم کے تفصیلی حالات سابقہ خطبوں میں بیان کر چکے ہیں۔یہ قوم قرآن کی زبان میں امۃ مسلمہ (2/128) تھی۔اُسی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کے مبعوث ہونے کی اطلاع دی گئی ہے (2/129)۔جو ملتِ ابراہیمؑ بھی کہلائی ہے اور جس کی حکومت کو مُلْكًا عَظِيمًا فرمایا گیا ہے (4/54)۔اور جو تین ہزار سال سے برسرِ حکومت چلی آ رہی تھی اور جس کا آخری بادشاہ جبلہ بن ایہم حجر کے دارالخلافہ میں برسرِ حکومت تھا۔اور خاندان رسولؐ ابوطالب وعبدالمطلب وہاشم علیہم السلام کے ماتحت تھا۔

6۔ آخر میں حجاج ثقفی کے تسلط کی اطلاع پر خطبہ کو ختم کر دیا ہے۔

حجاج بنی اُمیہ کا مشہور گورنر تھا اور علیؑ ومحمدؐ اور اُن کے پیروؤں کا شدید ترین دشمن تھا۔جس نے ہزارہا شیعوں کے ہاتھ پیر کٹوائے ہزاروں کو موت کے گھاٹ اُتارا۔اُس کے تسلط کی طرف اشارہ فرما کر یہ بتایا ہے کہ میری جدائی کے بعد تم پر کیا گزرے گی؟ اور ایک لفظ سے یہ نشانی بیان فرما دی ہے جس سے حجاج کو متعین کیا جا سکتا ہے اور وہ لفظ ہے۔" اَبَا وَذَحَة "یہ کنیت ہے اُس بھونڈ کی جس کے کاٹنے سے حجاج مرا تھا۔بیان کیا گیا ہے کہ حجاج مصلے پر تھا اور یہ بھونڈ اُس پر حملہ کر رہا تھا اور وہ ہاتھ سے ہٹا رہا تھا اسی کشمکش میں ایک دفعہ بھونڈ اس کے ہاتھ میں آ گیا اور اُسے کاٹ کھایا یعنی ڈنک مار دیا اور ذرا دیر میں ہاتھ سوجنا شروع ہوا اور اسی سے حجاج کی موت واقع ہو گئی۔

7۔اَبُووَذَحَۃ کی تشریح علامہ شیخ محمد عبدہ کی شرح نہج البلاغہ سے۔

ہم نے اپنے ابتدائیہ میں علامہ شیخ محمد عبدہ اعلی اللہ مقامہ کی مدح وثنا کی ہے گو وہ سُنی المذہب تھے اورانہیں نہج البلاغہ کے مبلغین میں شمار کیا ہے۔ اُنہوں نے اَبُووَزَحَۃ کی تشریح میں لکھا ہے کہ:

قالوا ان الحجاج رای خنفساء اتدب الی مصلاہ فطردھا فعادت ثم طردھا فعادت فاخذھا بیدہ فلسعتہ فورمت یدہ واخذتہ حمی من اللسعۃ فاھلکتہ تقلہ اللہ باضعف مخلوقاتہ واھونھا۔"(صفحہ 230 حاشیہ نمبر 8)

"اُنہوں نے کہا ہے کہ حجاج بن یوسف ثقفی مصلے پر تھا اُس نے دیکھا کہ ایک بھونڈ بھنبھناتا ہوا اس کی طرف آرہا ہے۔اُس نے بھونڈ کو ہاتھ سے ہٹادیا تو وہ پھر پلٹا۔پھر ہٹایا تو وہ پھر لوٹ آیا اس دفعہ حجاج نے اُسے ہاتھ میں پکڑ لیا۔چنانچہ بھونڈ نے ڈنک مارا تو اُس کے ہاتھ پر ورم آنا شروع ہوگیا اور ڈنک مارنے کی وجہ سے شدید بخار بھی ہوگیا۔جس نے اُسے ہلاک کردیا۔اللہ نے حجاج کو اپنی ضعیف ترین مخلوق سے قتل وذلیل کرادیا۔"(شرح نہج البلاغہ صفحہ 230)

قارئین خطبہ کے آخری جملے (24) کو دوبارہ پڑھیں اور نوٹ کریں کہ حضرت علی علیہ السلام خطبہ دیتے ہوئے حجاج اور اُس بھونڈ کو دیکھ رہے ہیں اور بھونڈ کو شاباش دے رہے ہیں۔یہ اطلاع خود حضوؐر کے علم غیب کو ثابت کرتی ہے۔کہ آپ پچپن سال بعد واقع ہونے والے قتل اور قاتل کو دیکھ رہے تھے۔اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیۡہِ وآلہٖ۔

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر:118

علی نقی طہرانی: خطبہ نمبر: 119

خُطبہ ﴿152﴾

دینِ خداوندی کا مکمل علم حضرت علیؑ اور اہل بیتؑ کے پاس تھا

1۔ایک دین میں کئی فرقوں کا باطل کی ملاوٹ ہونے کا ثبوت ہے۔2۔جس نے علیؑ اور اہلبیتؑ سے دین نہیں لیا ان کیلئے غور کا مقام۔ 3۔قیامت کے لئے تیاری کا حکم۔4۔جسے اپنی عقل فائدہ نہ دے دوسروں کی عقل فائدہ نہیں دے سکتی ہے۔5۔وارثوں کی پوزیشن۔ 6۔جہنم کا ذکر فرمایا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

تَا للّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُ تَبْلِيْغَ الرِّسَالَاتِ ؛	1	خدا کی قسم حقیقت یہ ہے کہ میں نے وہ پورا علم حاصل کیا ہے جس میں اللہ کے تمام پیغامات کا پہنچانا بھی ہے۔
وَاِتْمَامَ الْعِدَاتِ ؛	2	اللہ کے کئے ہوئے تمام وعدوں کو پورا کر دکھانا بھی ہے۔
وَتَمَامَ الْكَلِمَاتِ ؛	3	اور اللہ کے تمام کلمات کو پورا اور مکمل کرنا بھی ہے۔
وَعِنْدَنَا اَهْلَ الْبَيْتِ اَبْوَابُ الْحِكَمِ وَضِيَاءُ الْاَمْرِ ؛	4	اور ہم اہلبیتؑ کے پاس حکمت خداوندی کے تمام دروازے اور دین کی پوری روشنی ہے۔
اَلَا وَاِنَّ شَرَائِعَ الدِّيْنِ وَاحِدَةٌ ؛وَّسُبُلَهُ قَاصِدَةٌ ؛	5	خبردار ہو جاؤ کہ تمام شریعتیں اور قوانین ایک ہیں اور دین کی تمام راہیں مستحکم اور ہم آہنگ ہیں۔
مَنْ اَخَذَبِهَا لَحِقَ وَغَنِمَ ؛وَمَنْ وَّقَفَ عَنْهَا ضَلَّ وَنَدِمَ ؛	6	جس نے اس دین سے تعلق رکھا وہ دین سے وابستہ ہوا اور دین سے مستفید ہوا اور جو اس کے خلاف ٹھہرا وہ گمراہ اور ندامت سے دوچار رہا۔
اِعْمَلُوْا لِيَوْمٍ تُذْخَرُ لَهُ الذَّخَائِرُ ؛	7	اس دن کیلئے اعمال خیر بجالاؤ جس روز کے لئے ذخیرہ جمع کیا جاتا ہے۔
وَتُبْلَى فِيْهِ السَّرَائِرُ ؛	8	اور جس روز تمام خفیہ باتیں بھی آزمائی جائیں گی۔
وَمَنْ لَّا يَنْفَعُهُ حَاضِرُ لُبِّهٖ فَعَازِبُهُ عَنْهُ اَعْجَزُ وَغَائِبُهُ اَعْوَزُ ؛	9	جسے اپنی ذاتی عقل اور موجود عقل فائدہ نہ دے سکے اس کو دوسروں کی عقلیں جو اس سے دور اور قابو سے باہر ہیں اسے فائدہ پہنچانے سے عاجز اور ناکام رہیں گی۔

وَاتَّقُوْا نَارًا حَرُّهَا شَدِيْدٌ وَّقَعْرُهَا بَعِيْدٌ وَّحِلْيَتُهَا حَدِيْدٌ ؛ وَشَرَابُهَا صَدِيْدٌ ؛	10	تم اس آگ سے بچنے کی کوشش کرو جس کی گرمی بہت سخت ہے۔اور اس کی تہہ بہت نیچی ہے اور اس کی پوشاک لوہے کی چادروں سے بنی ہے اور وہاں پینے کا سامان پیپ اور لہو ہے۔
اَلَا وَاِنَّ اللِّسَانَ الصَّالِحَ يَجْعَلُهُ اللّٰهُ تَعَالٰى لِلْمَرْءِ فِى النَّاسِ خَيْرٌ لَّهٗ مِنَ الْمَالِ يُوْرِثُهُ مَنْ لَّا يَحْمَدُهٗ ؛	11	خبردار ہو کر سنو کہ اللہ کی قائم کی ہوئی وہ زبانیں جو کسی آدمی کو ذکر خیر سے یاد کریں اس مال سے بہت بہتر ہیں جو وراثت میں ایسے لوگوں کے لئے چھوڑا جائے جو اس کا ذکر اور حمد و ثنا نہ کریں۔

تشریحات:

یہاں حضرت علی علیہ السلام پہلے اپنے اور اہل بیت محمد صلی اللہ علیہ وعلیہم اجمعین کے علم کا ایک رخ بیان فرماتے ہیں۔ایک رُخ اس لئے کہا کہ اس میں علم الغیب اور علم السماوات اور بہت سے دیگر علوم کا ذکر نہیں فرمایا ہے۔چونکہ اس خطبے میں آپ صرف اسلامی شریعت کی یگانگت بیان کر کے قریشی اختلافات پر متوجہ فرماتے ہیں۔اس لئے دین کے علم کا صرف ایک رُخ بیان کر دینا کافی سمجھا ہے۔اور اس ایک رُخ میں بھی اُس تمام سامان کا علم بیان کر دیا ہے جو تمام رسولوںؑ کی کتابوں میں نازل ہوا اور جو ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء و رسل علیہم السلام تک پہنچا تھا جن میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ بھی شامل ہیں۔اور اس میں اُن وعدوں کا علم بھی ہے جو اللہ نے تمام انبیاؑ و رسلؑ کے ذریعہ سے انسانوں سے کئے تھے۔

پھر اُسی رخ میں حضور نے تمام حکمتوں کے علم کو بھی شامل فرمایا ہے۔

2۔علم کے صرف ایک رخ میں اللہ کے تمام کلمات کے پورا ہونے کو بھی شامل کر لیا ہے۔

اور ساتھ ہی ساتھ اللہ کے تمام کلمات کے پورا ہونے کا علم بھی شریک کیا ہے۔جس کو سمجھنے کے لئے یا جس کا اندازہ کرنے کے لئے قرآن سے مدد لینا پڑے گی وہاں فرمایا گیا ہے کہ:

1) وَلَوْ اَنَّمَا فِى الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌO(لقمان 31/27)

2) قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّىْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّىْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًاO(18/109)

مودودی ترجمے۔

1) ''زمین میں جتنے درخت ہیں اگر وہ سب کے سب قلم بن جائیں اور سمندر دوات بن جائے جسے سات مزید سمندر روشنائی مہیا کریں تب بھی اللہ کی باتیں لکھنے سے ختم نہ ہوں گی۔بے شک اللہ زبردست اور حکیم ہے۔''(لقمان 31/27)

2)''اے محمدؐ کہو کہ اگر سمندر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لئے روشنائی بن جائے تو وہ ختم ہو جائے مگر میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی بلکہ اگر اتنی ہی رشنائی ہم اور لے آئیں تو وہ بھی کفایت نہ کرے۔''(جلد نمبر 4 صفحہ 23-22،اور جلد نمبر 3 صفحہ 50 بالترتیب)

مودودی تشریح:

”48۔ اللہ کی باتوں سے مراد اُس کے تخلیقی کام اور اُس کی قدرت وحکمت کے کرشمے ہیں۔ یہ مضمون اس سے ذرا مختلف الفاظ میں سورہ کہف آیت نمبر 109 میں بھی بیان ہوا ہے۔ بظاہر ایک شخص یہ گمان کرے گا کہ شاید اس قول میں مبالغہ کیا گیا ہے۔ لیکن اگر آدمی تھوڑا سا غور کرے تو اُسے محسوس ہوگا کہ درحقیقت اس میں ذرہ برابر مبالغہ نہیں ہے۔ جتنے قلم اس زمین کے درختوں سے بن سکتے ہیں اور جتنی روشنائی زمین کے موجودہ سمندر اور ویسے ہی سات مزید سمندر فراہم کرسکتے ہیں اُن سے اللہ کی قدرت وحکمت اور اُس کی تخلیق کے سارے کرشمے تو درکنار شاید موجودات عالم کی فہرست بھی مکمل نہیں لکھی جاسکتی۔ تنہا اس زمین پر جتنی موجودات پائی جاتی ہیں اُسی کا شمار مشکل ہے کجا کہ اس اَتھاہ کائنات کی ساری موجودات ضبط تحریر میں لائی جاسکیں۔ اس بیان سے دراصل یہ تصور دلانا مقصود ہے کہ جو خدا اتنی بڑی کائنات کو وجود میں لایا ہے اور ازل سے ابد تک اس کا سارا نظم ونسق چلا رہا ہے.......“(تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 23)

3۔ ہمارا مقصد تو صرف اُس علم کا قرآن سے تصور دلانا ہے جو حضرت علیؑ کے ایک رُخ میں داخل ہے۔

یہاں یہ بھی سمجھ لیں کہ جن کلمات کی بات ہوئی ہے وہ وہی کلمات ہیں جن کے صدقے میں اللہ نے از سر نو حضرت آدم علیہ السلام کی طرف توجہ فرمائی تھی (2/37) اور جن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آزمایا اور امام بنایا تھا (2/124) اور جن کی تصدیق حضرت مریم علیہا السلام نے کی تھی اور اللہ نے اُن میں اپنی روح داخل کی تھی (66/12)۔ اب سوچئے کہ جتنے علم کا حضور علیہ السلام نے ذکر فرمایا ہے (جملے نمبر 1 تا 4) وہ کیسا لامحدود اور عظیم الشان ہے؟ اور پھر یہ دیکھئے کہ بقول مودودی اس اَتھاہ کائنات پر پھیلی ہوئی رحمت کی شان کیا ہوگی؟ اور اس پوری کائنات کے شہیدوں اور خبیروں کے لئے کیا الفاظ استعمال کرنا پڑیں گے اور کیا اُن کے جانشین ابوبکر وعمر ایسے لوگ بن سکیں گے؟ جنہوں نے ایک ہی دین میں طرح طرح کا اختلاف وانتشار پیدا کرکے سیکڑوں فرقوں میں اُس ایک دین اور ایک شریعت کو بکھیر دیا؟ (5) اور کیا وہ لوگ ندامت سے بچ سکیں گے؟ (6) اور وہی لوگ تو ہیں جو ایرانیوں اور یونانیوں کی عقل سے استفادہ میں مشغول رہے اور اُن خود ساختہ قوانین کو اختیار کرکے اسلام میں داخل کرتے رہے۔ (الفاروق شبلی) (9-8) کیا وہ اس جہنم سے بچ سکیں گے جس کا ہلکا سا ذکر کیا گیا ہے (10)؟

وہ لوگ جو حضرت علی علیہ السلام کے بیان کئے ہوئے دین (5) سے واقعی ملحق رہے وہ قریشی تاریخ کی رُو سے بھی گنتی کے چند لوگ تھے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ قریشی عقائد کی رو سے اسی ایک اسلام یا دین میں ہر اُمت کو مختلف شریعتیں دیا جانا مانا گیا ہے (تفہیم القرآن جلد 4 صفحہ 491 پورا حاشیہ نمبر 20 بھی دیکھیں) اور ایک آیت سے دھوکا دیا ہے یا دھوکہ کھایا ہے (5/47) اور خود مودودی نے مندرجہ حوالہ میں لکھا ہے کہ لوگوں نے اس آیت (5/48) کے غلط معنی اختیار کئے (جلد 4 صفحہ 490) تھے۔

بہر حال حضرت علی علیہ السلام اور قرآن یہ نہیں مانتے کہ ہر اُمت کو مختلف ومتضاد شریعتیں دی گئی تھیں۔ وہ تو ان تمام سابقہ شریعتوں کو آج بھی قابل عمل مانتے ہیں اور یہی حق ہے۔

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 126

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 128

خُطبہ ﴿153﴾

غیبی اطلاعات پر خطبہ

ایک ایسا لشکر جو گرد و غُبار نہیں اُڑاتا۔ نہ شور و غوغا کرتا ہے۔ نہ لگاموں کی کھڑکھڑاہٹ ہوتی ہے۔ نہ گھوڑوں کی ہنہناہٹ کی آوازیں بلند ہوتی ہیں۔ فوجیوں کے پیر شتر مرغ کی طرح بے آواز، ان کے ہاتھوں قتل ہونے والوں پر رونا اور بَین نہیں۔ گم شدگان کو ڈھونڈا نہیں جاتا۔ ان فوجیوں کے چہرے چمڑا چڑھائی ہوئی ڈھالوں جیسے۔ علم غیب کیا ہے؟ نبیؐ کی دی ہوئی خبریں علم غیب میں شمار نہیں ہوتیں۔ حضرت علیؑ دنیا کو اوندھے منہ گرانے والے تھے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡم

يَا اَحۡنَفُ كَاَنِّىۡ بِهٖ وَقَدۡ سَارَ بِالۡجَيۡشِ الَّذِىۡ لَايَكُوۡنُ لَهٗ غُبَارٌ وَّلَا لَجَبٌ ؛	1	اے احنف یہ ایسا معاملہ ہے کہ میں اس شخص کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ وہ ایک ایسی فوج کو لئے چلا آ رہا ہے جس کے بڑھنے میں گرد و غبار بلند نہیں ہوتا ہے اور شور اور ڈھاوا اور چیخ و پکار نہیں ہوتی۔
وَلَا قَعۡقَعَةُ لُجُمٍ ؛	2	اور نہ ہی لگاموں کی کھڑکھڑاہٹ پیدا ہوتی ہے۔
وَلَا حَمۡحَمَةُ خَيۡلٍ ؛	3	اور نہ ہی گھوڑوں کی ہنہناہٹ بلند ہوتی ہے۔
يُثِيۡرُوۡنَ الۡاَرۡضَ بِاَقۡدَامِهِمۡ كَاَنَّهَا اَقۡدَامُ النَّعَامِ ؛	4	اور نہ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز نکلتی ہے اس لئے کہ ان کے پیر گویا شتر مرغ کی طرح ہیں۔
وَيۡلٌ لِّسِكَكِكُمُ الۡعَامِرَةِ ؛	5	افسوس ہے تمہاری ان آباد گلی کوچوں اور بازاروں پر۔
وَالدُّوۡرِ الۡمُزَخۡرَفَةِ الَّتِىۡ لَهَا اَجۡنِحَةٌ كَاَجۡنِحَةِ النُّسُوۡرِ ؛	6	اور تمہارے سجائے ہوئے آراستہ مکانوں پر جن کے چھجے مُردار خور گدھوں کے پروں کی طرح کے ہیں۔
وَخَرَاطِيۡمُ كَخَرَاطِيۡمِ الۡفِيَلَةِ ؛	7	اور جن کے سہارے ہاتھیوں کی سونڈوں کی طرح چھجوں کو سنبھالے ہوئے ہیں۔ یہ سب ان لوگوں کے ہاتھوں برباد ہوں گے۔
مِنۡ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ لَا يُنۡدَبُ قَتِيۡلُهُمۡ ؛	8	جن لوگوں کے مقتولوں پر نالہ و فریاد نہیں کیا جاتا۔
وَلَا يُفۡتَقَدُ غَائِبُهُمۡ ؛	9	اور جن کے گمشدگان کو ڈھونڈا نہیں جاتا۔

اَنَا كَآبُّ الدُّنُيَا لِوَجُهِهَا ؛	10	میں وہ شخص ہوں جو پوری دنیا کو منہ کے بل گرا سکتا ہوں۔
وَقَادِرُهَا بِقَدُرِهَا ؛	11	اور دنیا کی تمام اقدار پر قادر ہوں۔
وَنَاظِرُهَا بِعَيُنِهَا ؛	12	اور اس کے حالات کو اسی کی آنکھوں سے دیکھنے والا ہوں۔
كَـاَنِّـىُ اَرَاهُـمُ قَـوُمًـا كَـاَنَّ وَجُوهَهُمُ الُمَجَآنُّ الُمُطَرَّقَةُ ؛	13	اور یہ بھی اسی صورت حال کی مانند ہے کہ میں اپنی آنکھوں سے ایک ایسی قوم کو دیکھ رہا ہوں جن کے چہرے کھال چڑھائی ہوئی ڈھالوں کی طرح کے ہیں
يَلُبَسُوُنَ السَّرَقَ وَالدِّيُبَاجَ ؛	14	جو ریشم اور دیبا کے لباسوں میں آراستہ رہتے ہیں۔
وَيَعُتَقِبُوُنَ الُخَيُلَ الُعِتَاقَ ؛	15	اور صحیح نسل کے اصیل گھوڑوں پر سواری کرتے ہیں۔
وَيَـكُـوُنُ هُـنَـاكَ اسُـتِـحُرَارُ قَتُلٍ حَتّٰى يَمُشِىَ الُمَجُرُوُحُ عَلَى الُمَقُتُوُلِ ؛	16	وہاں اس قدر خون ریزی اور قتل و غارت اور لاشوں کے ڈھیر ہوں گے کہ زخمی ہو جانے والوں کو مقتولوں کی لاشوں پر سے گزرنا پڑے گا۔
وَيَكُوُنَ الُمَفُلِتُ اَقَلَّ مِنَ الُمَاسُوُرِ ؛	17	اور قتل سے بچ نکلنے والے لوگ گرفتار ہو جانیوالوں سے تعداد میں بہت کم ہونگے۔
فَـقَـالَ لَهُ بَعُضُ اَصُحَابِهِ : لَقَدُ اُعُطِيُتَ يَااَمِيُرَ الُمُؤُمِنِيُنَ عِلُمَ الُغَيُبِ ؛	18	اس کے بعد آپؑ کے صحابہ میں سے بعض نے کہا کہ یا امیرؑ المومنین آپ کو تو علم غیب عطا کر دیا گیا ہے؟
فَـضَـحِـكَ عَلَيُهِ السَّلَامَ وَقَالَ لِلرَّجُلِ وَكَانَ كَلِبِيًا ؛	19	علی علیہ السلام ہنسے اور اس شخص کو بتایا کہ اے:۔
يَـا اَخَا كَلُبٍ لَّيُسَ هُوَ بِعِلُمِ غَيُبٍ وَّاِنَّمَا هُوَ تَعَلُّمٌ مِنُ ذِیُ عِلُمٍ ؛	20	قبیلہ کلب کے بھائی جو کچھ میں نے بتایا ہے وہ علم غیب نہیں ہے۔ بلکہ وہ سب کچھ مجھے ایک صاحبؑ علم کی طرف سے تعلیم دیا گیا تھا۔
وَاِنَّمَا عِلُمُ الُغَيُبِ عِلُمُ السَّاعَةِ ؛	21	اور علم غیب کے متعلق اتنا سمجھ لو کہ علم غیب تو عِلُمُ السَّاعَةِ (مخصوص گھڑیوں کا علم)
وَمَا عَدَّدَهُ اللّٰهُ سُبُحَانَهُ بِقَوُلِهِ ؛	22	اور ان چیزوں کا علم علمِ غیب ہے جن کو اللہ نے خود گن کر بتایا اور فرمایا ہے کہ
"اِنَّ اللّٰهَ عِنُدَهُ عِلُمُ السَّاعَةِ" (43/85)	23	یقیناً خاص گھڑیوں کا علم اللہ کے پاس ہے (زخرف 43/85)
فَيَـعُـلَـمُ سُبُحَانَهُ مَافِي الُاَرُحَامِ مِنُ ذَكَرٍ اَوُ اُنُثٰى ؛وَقَبِيُحٍ اَوُ جَـمِـيُـلٍ وَسَخِيٍّ اَوُ بَخِيُلٍ وَشَقِيٍّ اَوُ سَعِيُدٍ ؛	24	چنانچہ وہی پاکیزہ ہستی جانتی ہے کہ عورتوں کے ارحام میں نر ہیں یا مادہ ہیں۔ بدشکل ہیں یا خوبصورت ہیں۔ سخی ہیں یا کنجوس ہیں۔ لوگوں کو بدحالی میں مبتلا کرنے والے ہیں یا سعادت مند اور خوشحالی پھیلانے والے ہیں۔
وَمَنُ يَّكُوُنُ فِى النَّارِ حَطَبًا اَوُفِى الُجِنَانِ لِلنَّبِيِّيُنَ مُرَافِقًا ؛	25	اور یہ کہ کون جہنمی ہے اور کون جنت میں جا کر نبیوںؑ کا ساتھی بنے گا۔

فَهٰذَا عِلْمُ الْغَيْبِ الَّذِىْ لَا يَعْلَمُهُ اَحَدٌ اِلَّا اللّٰهُ ؛	26	بہرحال یہ ہے علم غیب جسے کوئی بھی خود بخود جان نہیں سکتا اور جسے صرف اللہ ہی ذاتی طور پر جانتا ہے۔
وَمَا سِوٰى ذٰلِكَ فَعِلْمٌ عَلَّمَهُ اللّٰهُ نَبِيَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ آلِهٖ فَعَلَّمَنِيْهِ وَدَعَا لِىْ بِاَنْ يَّعِيَهٗ صَدْرِىْ ؛	27	اور مذکورہ چیزوں کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ سب کچھ اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ کو تعلیم کر دیا تھا اور انہوں نے وہ سب کچھ مجھے تعلیم کیا تھا۔ اور دعا کی تھی کہ میرا سینہ ان تمام علوم کو محفوظ رکھے۔
وَتَضْطَمَّ عَلَيْهِ جَوَانِحِىْ ؛	28	اور میری پسلیاں انہیں سمیٹ کر قابو میں رکھیں"۔

تشریحات:

سب سے پہلی بات تو یہ نوٹ کرنے کی ہے کہ علامہ علی نقی طہرانی فیض الاسلام نے بھی اور مفتی جعفر حسین نے بھی اس خطبہ نمبر ۱۵۳ کی ذیل میں دواڑھائی صفحات بطور شرح لکھے ہیں۔ اور ہم چاہتے ہیں کہ مفتی جعفر حسین کا بیان من وعن نقل کر دیں تاکہ مفتی بھی بیان الامامت میں جگہ پالے۔ چنانچہ مفتی صاحب جملہ نمبر (12) تک کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:

"علی ابن محمد رَے کے مضافات میں ورزنین نامی ایک گاؤں میں پیدا ہوا۔ خوارج کے فرقہ ازارقہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اور خود کو محمد ابن احمد مختفی ابن عیسیٰ ابن زید ابن علیؑ (زین العابدین) کا فرزند کہہ کر سیادت کا مدعی بنتا تھا۔ مگر اہل انساب وسیر نے اس کے دعویٰ سیادت کو تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے اور اُس کے باپ کا نام محمد ابن احمد مکتفی کے بجائے محمد ابن ابراہیم تحریر کیا ہے۔ جو قبیلہ عبدالقیس سے تھا اور ایک سندھی کنیز سے متولد ہوا تھا۔ علی ابن محمد نے 255ھ میں مہتدی باللہ (خلیفہ) کے دور میں خروج کیا اور اطراف بصرہ میں بسنے والے غلاموں کو مال ودولت اور آزادی کا لالچ دے کر اپنے ساتھ ملا لیا اور ۷ اشوال 257ھ میں مار دھاڑ کرتا ہوا بصرہ کے اندر داخل ہوا اور صرف دو دن میں تیس ہزار افراد کو جن میں بچے، بوڑھے اور عورتیں سب ہی تھے۔ موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ اور ظلم وسفا کی کی اور وحشت وخونخواری کی انتہا کر دی۔ مکانوں کو مسمار کر دیا اور مسجدوں میں آگ لگا دی اور لگا تار چودہ برس تک قتل وغارتگری کے بعد موفق (خلیفہ) کے دور میں صفر 270ھ میں قتل ہوا اور لوگوں کو اُس کی تباہ کاریوں سے نجات ملی۔ امیر المومنینؑ کی یہ پیشینگوئی اُن پیشین گوئیوں میں سے ہے جو آپؑ کے علم امامت پر روشنی ڈالتی ہیں۔ چنانچہ اُس کے لشکر کی جو کیفیت بیان فرمائی ہے کہ نہ اُس میں گھوڑوں کی ہنہناہٹ کی آواز ہوگی اور نہ ہتھیاروں کے کھڑکھڑانے کی صدا ہوگی ایک تاریخی حیثیت رکھتی ہے جیسا کہ مورخ طبری نے لکھا ہے کہ جب یہ خروج کے ارادے سے مقام کرخ کے قریب پہنچا تو وہاں کے لوگوں نے اس کا خیر مقدم کیا اور ایک شخص نے ایک گھوڑا بطور تحفہ اُسے پیش کیا۔ مگر تلاش کے باوجود اُس کے لئے لگام نہ مل سکی۔ آخر ایک رسی کی لگام دے کر اُس پر سوار ہوا اور یوں ہی اُس کے لشکر میں اس وقت صرف تین تلواریں تھیں ایک خود اُس کے پاس اور ایک علی ابن ابان مہلبی اور ایک محمد ابن مسلم کے پاس اور بعد میں لوٹ مار سے کچھ اور اسلحہ اُن کے ہاتھ لگ گئے۔" (ترجمہ نہج البلاغہ جلد 2 صفحہ 27-26)

اس کے بعد مُلاجی جملہ (13) سے جملہ (17) تک کی ذیل میں لکھتے ہیں کہ:

''امیرالمومنینؑ کی یہ پیشین گوئی تا تاریوں کے حملے کے متعلق ہے۔ جو ترکستان کے شمال مشرق کی جانب صحرائے منگولیا کے رہنے والے تھے۔ ان نیم وحشی قبیلوں کی زندگی لوٹ مار اور قتل و غارت میں گزرتی تھی۔ اور آپس میں لڑتے بھڑتے اور گردونواح پر حملے کرتے رہتے تھے۔ ہر قبیلے کا سردار الگ الگ ہوتا تھا۔ جو اُن کی حفاظت کا ذمہ دار سمجھا جاتا تھا۔ چنگیز خان جو اُن ہی تا تاری قبائل کے حکمران خاندان کا ایک فرد اور بڑا باہمت و جرأت مند تھا۔ اِن تمام منتشر و پراگندہ قبیلوں کو منظّم کرنے کے لئے اُٹھا اور اُن کے مزاحم ہونے کے باوجود اپنی قوت اور حسنِ تدبیر سے اُن پر قابو پانے میں کامیاب ہو گیا اور ایک کثیر تعداد اپنے پرچم کے نیچے جمع کر کے 606ھ میں سیلاب کی طرح اُمنڈا اور شہروں کو غرق اور آبادیوں کو ویران کرتا ہوا شمالی چین تک علاقہ فتح کر لیا۔ جب اُس کا اقتدار قائم ہو گیا تو اُس نے اپنے ہمسایہ ملک ترکستان کے فرمانروا علاؤ الدین خوارزم شاہ کی طرف دستِ مصالحت بڑھایا اور ایک وفد بھیج کر اُس سے عہد لیا کہ تا تاری تاجر اُس کے علاقے میں خرید و فروخت کے لئے آتے جاتے رہیں گے اُن کے جان و مال کو کسی قسم کا گزند نہ پہنچایا جائے گا۔ چنانچہ کچھ عرصے تک وہ بے کھٹکے آتے جاتے رہے۔ مگر ایک موقعہ پر اُس نے تا تاری تاجروں پر جاسوسی کا الزام لگا کر اُن کا مال لوٹ لیا اور انہیں والیٔ اترار کے ذریعہ قتل کروا دیا۔ چنگیز خان کو جب معاہدہ کی خلاف ورزی اور تا تاری تاجروں کے مارے جانے کا علم ہوا تو اُس کی آنکھوں سے شرارے برسنے لگے۔ غصہ میں پیچ و تاب کھانے لگا۔ اور علاؤ الدین کو پیغام بھیجا کہ وہ تا تاری تاجروں کا مال واپس کرے اور والیٔ اترار کو اُس کے حوالے کرے۔ مگر علاؤ الدین اپنی قوت و طاقت کے نشہ میں مدہوش تھا اُس نے کوئی پرواہ نہ کی اور ناعاقبت اندیشی سے کام لیتے ہوئے چنگیز کے ایلچی کو بھی مروا دیا۔ اب چنگیز خان میں تاب ضبط نہ رہی اُس کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ شمشیر بکف اُٹھ کھڑا ہوا اور تا تاری جنگجو بادرفتار گھوڑے دوڑاتے ہوئے بخارا پر چڑھ دوڑے۔ علاؤ الدین بھی چار لاکھ نبرد آزماؤں کے ساتھ مقابلے کو نکلا مگر تا تاریوں کے تابڑ توڑ حملوں کو نہ روک سکے اور چند ہی حملوں میں سپر انداختہ ہو کر جیحون کے راستے سے نیشا پور کی طرف بھاگ نکلا۔

تا تاریوں نے بخارا کی اینٹ سے اینٹ بجادی مسجدوں اور مدرسوں کو مسمار کر دیا گھروں کو پھونک کر راکھ کا ڈھیر کر دیا۔ اور بلا امتیاز زن و مرد سب کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ اور اگلے سال سمرقند پر یورش کی اور اُسے بھی تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔ علاؤ الدین کے نکل بھاگنے کے بعد اس کے بیٹے جلال الدین خوارزم شاہ نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی تھی۔ تا تاریوں نے اس کا بھی پیچھا کیا۔ مگر وہ دس برس تک اِدھر سے اُدھر بھاگتا پھرا اور اُن کے ہاتھ نہ لگا۔ اور آخر دریا کو عبور کر کے اپنے حدودِ سلطنت سے نکل گیا۔ اسی اثنا میں تا تاریوں نے آباد زمینوں کو ویران اور نسل انسانی کو تباہ کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ نہ کوئی شہر اُن کی غارت گریوں سے بچ سکا اور نہ کوئی آبادی اُن کی پامالیوں سے محفوظ رہ سکی۔ جدھر کا رُخ کیا مملکتوں کو تہہ و بالا کر دیا۔ حکومتوں کا تختہ اُلٹ دیا۔ اور تھوڑے ہی عرصے میں ایشیا کے بالائی حصے پر اپنا اقتدار قائم کر لیا۔

جب 622ھ میں چنگیز خان کا انتقال ہوا تو اُس کی جگہ اُس کا بیٹا اوکتائی خان تخت نشین ہوا۔ جس نے 628ھ میں جلال الدین کو ڈھونڈ نکالا اور اُسے قتل کر دیا۔ اس کے بعد چنگیز خان کے دوسرے لڑکے تولی خان کا بیٹا منکو خان تخت پر بیٹھا۔ منکو خان کے بعد قوبیلائی خان مملکت کے ایک حصے کا وارث ہوا۔ اور وسط ایشیا اُس کے بھائی ہلاکو خان کے حصے میں آیا۔ جب سلطنت چنگیز خان کے پوتوں میں بٹ گئی

تو ہلاکو خان اسلامی ممالک کو تسخیر کرنے کی فکر میں تھا ہی کہ خراسان کے حنفیوں نے شافعیوں کی ضد میں آ کر اُسے خراسان پر حملہ کرنے کی دعوت دی چنانچہ اُس نے خراسان پر چڑھائی کر دی۔اور حنفیوں نے اپنے کو تاتاری تلواروں سے محفوظ سمجھتے ہوئے شہر کے دروازے کھول دئے۔مگر تاتاریوں نے حنفیوں اور شافعیوں میں کوئی امتیاز نہ کیا اور جو سامنے آیا اُسے تہہ تیغ کر دیا۔اور وہاں کی بیش تر آبادی کو قتل کرنے کے بعد اُسے اپنے مقبوضات میں داخل کرلیا۔اور اُن ہی شافعیوں اور حنفیوں کے جھگڑوں نے اُس کے لئے عراق تک فتوحات کا دروازہ کھول دیا۔ چنانچہ خراسان کو فتح کرنے کے بعد اس کی ہمت بڑھ گئی اور 656ھ میں دو لاکھ تاتاریوں کے ساتھ بغداد کی جانب لشکر کشی کی۔ مستعصم باللہ (خلیفہ) کی فوج اور اہل بغداد نے مل کر مقابلہ کیا۔مگر اس سیلاب بلا کو روکنا اُن کے بس میں نہ تھا۔ چنانچہ تاتاری مار دھاڑ کرتے ہوئے عاشور کے دن بغداد میں داخل ہوگئے۔اور چالیس دن تک اپنی خون آشام تلواروں کی پیاس بجھاتے رہے۔گلی کوچوں میں خون کی ندیاں بہادیں۔راستے لاشوں سے پاٹ دئے۔لاکھوں آدمیوں کو تہہ تیغ کر دیا۔اور مستعصم باللہ (خلیفہ) کو پیروں کے نیچے روند کر مار ڈالا۔اور صرف وہی لوگ بچ سکے جو کنوؤں اور تہہ خانوں میں چھپ کر اُن کی آنکھوں سے اوجھل رہ سکے۔یہ تھی بغداد کی وہ تباہی کہ جس سے عباسی سلطنت بنیاد سے ہل گئی اور اُس کا پرچم پھر لہرا نہ سکا۔بعض مورخین نے اس تباہی و بربادی کی ذمہ داری ابن علقمی پر عائد کی ہے کہ اُس نے شیعوں کے قتل عام اور محلّہ کرخ کی تباہی سے متاثر ہو کر نصیر الدین طوسی وزیر ہلاکو خان کی وساطت سے اُسے بغداد پر حملہ آور ہونے کی دعوت دی۔اگر ایسا ہو بھی تو اس تاریخی حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ اس سے پہلے اسلامی ممالک پر حملہ کرنے کی تحریک خلیفہ عباسی الناصر الدین اللہ کر چکا تھا۔چنانچہ خوارزمیوں نے مرکز خلافت کے اقتدار کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تو اُس نے چنگیز خان کو خوارزم پر حملہ کرنے کے لئے کہلوایا تھا۔جس سے تاتاریوں کو یہ اندازہ ہو گیا کہ مسلمانوں میں یک جہتی و اتحاد نہیں ہے۔ اور پھر حنفیوں نے شافعیوں کی سرکوبی کے لئے ہلاکو خان کو بلاوا بھیجا تھا۔کہ جس کے نتیجے میں خراسان پر اُن کا اقتدار قائم ہو گیا اور بغداد کی طرف پیش قدمی کرنے کے لئے انہیں راستہ مل گیا۔اِن حالات میں بغداد کی تباہی کا ذمہ دار صرف ابن علقمی کو ٹھیرانا اور الناصر الدین اللہ کی تحریک اور حنفی و شافعی نزاع کو نظر انداز کر دینا حقیقت پر پردہ ڈالنا ہے۔جب کہ بغداد کی تباہی کا پیش خیمہ یہی خراسان کی فتح تھی۔کہ جس کا سبب وہاں کے حنفی باشندے تھے۔ چنانچہ اسی فتح کی وجہ سے اُس کا اتنا حوصلہ ہوا کہ وہ مسلمانوں کے مرکز پر حملہ آور ہو۔ورنہ محض ایک شخص کے پیغام کا نتیجہ یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ بغداد ایسے قدیم مرکز پر یلغار کرتا ہوا پہنچ جاتا۔کہ جس کی سطوت و ہیبت کی دھاک ایک دُنیا کے دلوں پر بیٹھی ہوئی تھی۔'' (ایضاً صفحہ 26 تا 29)

2۔علما کی یہ تشریح تاریخی قیاسات کا نتیجہ ہے۔

ان تشریحات کے ساتھ ساتھ اگر آپ حضورؑ کے بیان کو غور سے پڑھیں گے تو دیکھیں گے کہ علما نے گھوڑوں اور اسلحہ کے نہ ہونے پر قیاس کیا ہے پیدل اور ننگے پیروں والی فوج کو موزوں کر دیا ہے۔مگر یہ سب کچھ عقل اور عملی صورت حال کے خلاف ہے۔کوئی عقل مند شخص ایسی فوج سے نہ حملہ آور ہوگا اور نہ دو روز میں تیس ہزار (30,000) آدمیوں کو قتل کر سکتا ہے۔اُدھر تاتاریوں کو وحشی قوم کہہ کر یہ کیسے اُمید کی گئی ہے کہ اُن کی افواج اور عوام قومی حیثیت سے ریشم و دیبا کا لباس پہنتے ہوں گے اور سب کے چہرے چمڑا چڑھائے ہوئے ڈھالوں کی طرح ہوں گے۔ بہر حال علما کی یہ تشریحات غلط ہوں اور محض قیاسات ہوں مگر یہ تو غلط یا قیاسات نہیں ہیں کہ تمام علما نے یہ مان لیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے چھ سات

صدیاں آگے کی پیشین گوئی کر سکتے تھے۔ہم اِن دونوں پیشین گوئیوں کو زمانہ رجعت اور ظہورِ حضرت حجۃ صلوٰۃ اللّٰہ علیہ وعلیٰ آبائہٖ وامھاتہٖ کے وقت کی سمجھتے ہیں۔

3۔اِن تشریحات میں بہت سی اہم باتوں کو نظر انداز کر کے بیان کیا ہے ۔

مورخین قریش کی رعایت کی وجہ سے اکثر واقعات کو چھپا لیا کرتے ہیں۔لہٰذا آپ تاتاریوں کے حملوں کی تفصیلات کے لئے ہماری کتاب مذہب شیعہ کا مطالعہ کریں۔

ہلاکو خان رحمۃ اللہ علیہ کا ایک خط مسلمانوں کے نام ۔

''معلوم ہو کہ ہم اللہ کے لشکر ہیں وہ ہمارے ہی ذریعہ سے گنہگاروں، ظالموں اور متکبروں سے انتقام لیتا ہے۔ہم جو کرتے ہیں وہ اللہ ہی کے حکم سے کرتے ہیں۔اگر ہمیں کبھی غصہ آجاتا ہے۔تو ہم لوگوں کی حالتیں دگرگوں کر دیتے ہیں۔اگر ہم سے کوئی سیدھی طرح پیش آتا ہے تو اُس کو اُسی حالت پر برقرار رکھتے ہیں۔ہم نے شہروں کو ہلاک اور خدا کے بندوں کو قتل وغارت کر دیا ہے۔ہم نے عورتوں اور بچوں پر بھی رحم نہیں کھایا ہے۔اَے باقی ماندہ لوگو تمہارے ساتھ بھی یہی ہونے والا ہے۔اور اَے غافلو تم بھی اِسی راستے پر چلنے والے ہو۔ہمارا لشکر برباد کرنے والا ہے۔رحم کرنے والا نہیں ہے۔ہمارا مقصود انتقام ہے۔ملک گیری نہیں ہے۔ہمارے مہمان پر ظلم نہیں کیا جا سکتا ہمارا عدل وانصاف ہمارے ملکوں میں مشہور ہے۔ہماری تلوار کے سامنے کوئی بھاگ نہیں سکتا۔شعر۔ہم سے کوئی بھاگ کر کہاں جائے گا؟ کیوں کہ بحروبر پر ہماری ہی سلطنت ہے۔ہماری ہیبت سے دُنیا کانپ اُٹھی ہے۔ہمارے قبضے میں اُمراء اور خلفاء آگئے۔اب ہم تمہاری طرف بڑھے چلے آرہے ہیں۔تم بھاگو ہم تمہارا تعاقب کریں گے۔شعر۔میری رات عنقریب یہ معلوم کر لے گی کہ کیسی صبح کے ساتھ واسطہ پڑتا ہے۔اور کون سا قرض خواہ اپنے قرض کا مطالبہ کرتا ہے۔ہم نے شہروں کو برباد، بچوں کو یتیم اور بڑوں کو قتل کر دیا ہے۔اور انہیں عذاب کا مزا چکھایا ہے۔ہم نے اُن کے زعما کو ذلیل اور امیروں کو قید کر دیا ہے۔تمہیں یہ خیال ہے کہ ہم سے بچ کر بھاگ نکلو گے یا چھوٹ جاؤ گے۔اور تھوڑی ہی مدت میں یہ سب کچھ جان لوگے۔جو خوف تم پر طاری رہا ہے جلد تم پر ظاہر ہو جائے گا۔''

(تاریخ الخلفا علامہ سیوطی صفحہ 473-472 اور مذہب شیعہ قلمی صفحہ 527-526) اِس کے بعد اس خط کا ہم نے تجزیہ کیا ہے جو پڑھنا ضروری ہے۔

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 127

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 129

خُطبہ ﴿154﴾

1۔عہد مرتضویؑ تک غربت وافلاس اور سرمایہ داری کا دور دورہ تھا۔2۔فساد کا بول بالا رکھنے والے بھی جنت کے امیدوار تھے۔دھوکہ دے کر اللہ سے جنت حاصل کرنے والے اس وقت کے لوگوں پر لعنت کی ہے۔3۔شیطانی پرچار ہورہا ہے۔ 4۔صالح،کریم النفس،عالی حوصلہ،پاک و پاکیزہ لوگ،ایمانداری سے کاروبار کرنے والوں کو تلاش کرنا مشکل ۔ 5۔رذیلوں،کمینوں اور بے ایمانوں کی بھیڑ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عِبَادَ اللّٰـهِ اِنَّكُمْ وَمَا تَاْمُلُوْنَ مِنْ هٰذِهِ الدُّنْيَا اَثْوِيَآءُ مُؤَجَّلُوْنَ ؛	1	اے بندگان خدا تم بھی اور تمہاری باندھی ہوئی تمام امیدیں اور آسرے بھی ایک ایک گھڑی سے بندھے ہوئے ہیں۔
وَمَدِيْنُوْنَ مُقْتَضَوْنَ اَجَلٌ مَنْقُوْصٌ وَعَمَلٌ مَّحْفُوْظٌ ؛	2	اور تم ایسے قرض دار ہو کہ جن پر قرض کوادا کرنے کا تقاضہ کیا جارہا ہے ساتھ ہی تمہاری عمریں گھٹتی جارہی ہیں اور اعمال کو محفوظ کیا جارہا ہے۔
فَرُبَّ دَآئِبٍ مُّضَيِّعٌ وَرُبَّ كَادِحٍ خَاسِرٌ ؛	3	چنانچہ بہت سے جدوجہد اور دوڑ دھوپ کرنے والے گھاٹے میں جا رہے ہیں اور اپنا وقت گنوا رہے ہیں
وَقَدْ اَصْبَحْتُمْ فِىْ زَمَنٍ لَايَزْدَادُ الْخَيْرُ فِيْهِ اِلَّا اِدْبَارًا ؛	4	تم لوگ ایسے زمانے میں صبح وشام کر رہے ہو جس میں بھلائیاں پیچھے ہٹتی جارہی ہیں۔
وَالشَّرُّ فِيْهِ اِلَّا اِقْبَالًا ؛	5	اور اس زمانہ میں برائیاں آگے بڑھتی آرہی ہیں۔
وَالشَّيْطَانُ فِىْ هَلَاكِ النَّاسِ اِلَّا طَمَعًا ؛	6	اور لوگوں کو ہلاک کرنے میں شیطان کی حرص وطمع بڑھتی ہی جارہی ہے۔
فَهٰذَا اَوَانٌ قَوِيَتْ عُدَّتُهٗ ؛	7	چنانچہ یہ وہ وقت آگیا ہے جب شیطان کا سامان مضبوط ہوگیا ہے۔
وَعَمَّتْ مَكِيْدَتُهٗ ؛	8	اور اس کی چالیں عام طور پر پھیل گئی ہیں۔
وَاَمْكَنَتْ فَرِيْسَتُهٗ ؛	9	اور اس کے لئے شکار پھانسنا سہل ہوگیا ہے۔
اَضْرِبْ بِطَرْفِكَ حَيْثُ شِئْتَ مِنَ النَّاسِ ؛	10	تم جدھر بھی چاہو چاروں طرف کے انسانوں پر نظر ڈال کر دیکھو۔
فَهَلْ تُبْصِرُ اِلَّا فَقِيْرًا يُكَابِدُ فَقْرًا ؛	11	چنانچہ کیا تم اس کے علاوہ کچھ اور دیکھ سکتے ہو کہ فقیر اپنی فاقہ مستی کی

		تکلیف سہہ رہا ہے۔
اَوْغَنِيًّابَدَّلَ نِعْمَةَ اللّٰهِ كُفْرًا ؛	12	اور رئیس وسرمایہ دار دولتمند اللہ کی نعمتوں کو چھپا رہا ہے۔
اَوْبَخِيْلاً اتَّخَذَ الْبُخْلَ بِحَقِّ اللّٰهِ وَفْرًا ؛	13	اور کنجوس وبخیل لوگ اللہ کے حقوق ادا کرنے کی جگہ الٹا اپنی دولت کو بڑھانے میں لگا ہوئے ہیں۔
اَوْمُتَمَرِّدًا كَاَنَّ بِاُذُنِهٖ عَنْ سَمْعِ الْمَوَاعِظِ وَقْرًا؟	14	اور کوئی ہٹ دھرمی سے نصیحت کو ضائع کرنے کے لئے کان بند کئے ہوئے ہے۔
اَيْنَ خِيَارُكُمْ وَصُلَحَاؤُكُمْ ؛ وَاحْرَارُكُمْ وَسُمَحَاؤُكُمْ ؟	15	کہاں ہیں تمہارے نیک اور صالح افراد اور کہاں گئے تمہارے حوصلہ مند آزاد اور نیک نفس لوگ؟
وَاَيْنَ الْمُتَوَرِّعُوْنَ فِىْ مَكَاسِبِهِمْ وَالْمُتَنَزِّهُوْنَ فِىْ مَذَاهِبِهِمْ ؟	16	اور کہاں ہیں تمہارے پارسا لوگ اور وہ لوگ جو اپنے کاروبار میں اپنی پارسائی برقرار رکھتے تھے اور اپنے مذہب میں بری چیزوں سے دور رہتے تھے؟
اَلَيْسَ قَدْ ظَعَنُوْا جَمِيْعًا عَنْ هٰذِهِ الدُّنْيَا الدَّنِيَّةِ ؛	17	کیا وہ سب کے سب اس گھٹیا اور کمینہ اور جلد باز دنیا سے رخصت ہو کر چلے گئے ہیں؟
وَالْعَاجِلَةِ الْمُنَغِّصَةِ ؟	18	کیا انہوں نے اس جلدی سے محروم کرنیوالی دنیا کو چھوڑ دیا ہے؟
وَهَلْ خُلِّفْتُمْ اِلَّا فِىْ حُثَالَةٍ لَّاتَلْتَقِىْ بِذَمِّهِمُ الشَّفَتَانِ اسْتِصْغَارًا لِّقَدْرِهِمْ ؛	19	اور کیا انہوں نے تمہیں اپنے بعد نہایت حقیر اور ایسے گھٹیا لوگوں میں نہیں چھوڑ دیا ہے کہ جن کی حقارت وذلت کا تقاضہ ہے کہ ہونٹ ان کی مذمت میں بھی ملوث و ناپاک نہ ہوں۔
وَذَهَابًاعَنْ ذِكْرِهِمْ ؛	20	اور تاکہ ان کا ذکر بھی جاری نہ رہے۔
فَاِنَّ لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ؛	21	چنانچہ ہم سب اللہ ہی کے لئے ہیں اور ہمیں اسی کے حضور پلٹنا ہے۔
ظَهَرَ الْفَسَادُ فَلَا مُنْكِرٌ مُّغَيِّرٌ وَّلَا زَاجِرٌ مُّزْدَجِرٌ ؛	22	فتنہ وفساد چاروں طرف کھل کر پھیل گیا ہے اور ناپسندیدہ اعمال اس طرح چھا گئے ہیں کہ نہ تو انقلاب کے آثار ہیں اور نہ ہی کوئی خود باز رہتے ہوئے اوروں کی روک تھام کرنے والا ہے۔
اَفَبِهٰذَا تُرِيْدُوْنَ اَنْ تُجَاوِرُوا اللّٰهَ فِىْ دَارِ قُدْسِهٖ ؛	23	کیا تم لوگ ان ہی اعمال پر یہ ارادہ کرتے ہو کہ تم اللہ کے پاکیزہ گھر میں اس کے پڑوسی بن جاؤ گے؟
وَتَكُوْنُوْا اَعَزَّ اَوْلِيَائِهٖ عِنْدَهٗ ؟	24	اور تم اس کے پاس اس کے اولیاء کی طرح عزت ماب بن کر رہو گے؟

هَيْهَاتَ لَايُخْدَعُ اللّٰهُ عَنْ عَنْ جَنَّتِهٖ ؛	25	تم پر ہزار افسوس ہے تم اللہ کو دھوکہ دے کر اس سے جنت لینے کی تاک میں ہو۔
وَلَا تُنَالُ مَرْضَاتُهٗ اِلَّا بِطَاعَتِهٖ ؛	26	اور سن لو کہ اللہ کی خوشنودی اور رضامندیاں اس کی اطاعت کئے بغیر ہرگز حاصل نہیں ہوسکتیں۔
لَعَنَ اللّٰهُ الْاٰمِرِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ التَّارِكِيْنَ لَهٗ وَالنَّاهِيْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ الْعَامِلِيْنَ بِهٖ ؛	27	اللہ لعنت کرے ان لوگوں پر جو دوسروں کو بھلائی کے احکام دیں اور خود بھلائی کو چھوڑ دیں اور جو دوسروں کو بری باتوں سے روکیں اور خود برائیوں پر عمل کرتے رہیں۔

تشریحات:

جب تک حضرت علی علیہ السلام کو ریکارڈ سے غائب نہ کر دیا جائے قریش کی تیار کی ہوئی تاریخ قابل اعتماد نہیں بن سکتی۔ قریش نے علی اور اولادِ علی علیہم السلام کو اسی لئے دنیا سے مٹانے کی کوشش کی تھی کہ اُن کے تیار کردہ افسانے اور خود ساختہ مذہب حق بن جائے۔ پبلک کے دماغوں میں عہد فاروقی کی جو عظمت قائم کی گئی ہے وہ اس خطبے کے الفاظ سے اُسی طرح اُڑ جاتی ہے جس طرح آندھی کے سامنے خاک دُھول اُڑ جایا کرتی ہے۔ بتایا یہ گیا ہے کہ عمر نے سارے عرب کو خوشحال اور فارغ البال کر دیا تھا لیکن حضرت علی علیہ السلام فقیروں کی موجودگی اور فاقوں میں مبتلا لوگوں کا وجود بتاتے ہیں (11) اور ساتھ ہی اغنیاء اور سرمایہ پرستوں اور بخیلوں کا عمل درآمد دکھاتے ہیں (13-12) یعنی عمر نے اپنے ہم مسلکوں کو خوشحال اور فارغ البال اور سرمایہ دار بنایا تھا اور پبلک کی کثرت کو محتاج وفقیر ونادار بنا کر ان کے ماتحت رہنے پر مجبور کیا تھا۔ اور وہ جو تاریخ میں کہا گیا ہے کہ لوگوں کے وظائف مقرر کئے گئے تھے وہ صرف قریشی قوم تک محدود ثابت ہو جاتے ہیں ورنہ کوئی فقیر ومحتاج عرب میں نہ ملتا۔ پھر قریشی تاریخ وروایات یہ بتاتی ہے کہ عمر نے سارے عرب کو دیندار و پرہیزگار بنا دیا تھا لیکن عرب میں حضرت علی علیہ السلام کے بیان کے مطابق دینداروں اور ایمانداروں اور پرہیزگاروں کا کہیں ڈھونڈے سے بھی نشان نہ ملتا تھا (18-15) چاروں طرف مسلمان تھے مگر بددیانت، بے ایمان ،خیانت کار، مفسد وفتنہ جو مسلمان تھے۔ ایسے لوگ جن کی مذمت سے بھی زبان ناپاک ہو جائے (26-19) سارا عرب لعنتی مسلمانوں سے چھلک رہا تھا (27) سب بدکار ونہجار تھے اور دین کے حکمران بنے ہوئے تھے (27) یقیناً جن لوگوں پر لعنت کی درخواست کی گئی ہے (27) وہ قریش کے تمام حکمران لوگ ہیں۔ یعنی ابوبکر وعمر وعثمان اور معاویہ اور ان کے تمام گورنر، قاضی اور اساتذہ جو اَمر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا عہدہ سنبھالے ہوئے تھے (27)۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ جس قوم کے خلفاء اور حکمران لعنتی ہوں ان کے عوام کا کیا مقام رہا ہوگا؟

2۔ ملاعین کے معنی وہ لوگ ہیں جو کہ مکمل طور پر ہر عنوان سے محروم کر دئے گئے ہوں۔

مجتہدین اور ان کے مقلدین نے خلفائے ثلاثہ اور دیگر دشمنان محمدؐ وآل محمدؐ کا ایک ہزار سال سے اس شدّ ومدّ سے ذکر جاری رکھا ہے کہ شیعوں کے مخالف محاذ نے ابوبکر وعمر وعثمان ومعاویہ ویزید وشمر وعمر کے ایام وفات وپیدائش منانا شروع کر دیئے۔ ورنہ سُنیوں کو خلفائے ثلاثہ تو کجا

خودرسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کا یوم پیدائش ووفات معلوم نہ تھا۔انہوں نے شیعہ مجتہدین ومقلدین کی ضد میں ثلاثہ اینڈ کمپنی کے ایّامِ ہائے وفات و پیدائش کا کھوج لگایا اور یوم عمروعثمان ومعاویہ اور یوم یزید وغیرہ منانا شروع کر دیا۔وہ تقریر سے پہلے خطبہ نہ دیتے تھے۔شیعوں سے یہ بھی سیکھ لیا اور اندازِ تقریر کی پوری پوری نقل کرا کے تبلیغ کو موثر بنالیا۔یعنی شیعوں نے اُن کو پوری طرح مسلحہ کر دیا اور خود کمزور ہو گئے۔جملہ نمبر 20-19 کا تقاضہ تھا اُن کے ذکر کو فنا کرنے کے لئے ان کی مذمت بھی نہ کی جائے مگر شیعہ عوام اور علما نے دن رات ان کی مذمت کی آڑ میں ان کا ذکر جاری رکھا۔اور مرتضویؐ احکام کی مخالفت کرتے چلے آئے ہیں۔

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 128

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 130

خُطبہ ﴿155﴾

حضرت ابوذرؓ زندگی بھر کیلئے جلاء وطن کردیئے گئے۔قریشی قوم کا دین اور طرزِ حکومت قیامت تک بے نقاب ہوگئے

1۔نام نہاد خلافتِ راشدہ ابوذرؓ سے خطرہ محسوس کرتی تھی۔اور۔2۔قریش اور قریشی حکومت کا پڑوس دین کے لئے خطرناک تھا۔ 3۔ابوذرؓ جاگیر لے لیتے تو اُنہیں خطرناک نہ سمجھا جاتا۔4۔ابوذرؓ نے عثمان اور معاویہ کے سامنے حق بیان کیا۔5۔قریش اور عثمان آخرت میں ہر نعمت سے محروم ہوگئے۔6۔قریش اور عثمان کو حق سے کوئی لگاؤ نہ تھا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

يَـا اَبَـا ذَرٍّ اِنَّکَ غَـضِبۡتَ لِلّٰهِ فَارۡجُ مَنۡ غَضِبۡتَ لَهٗ ؛	1	اے ابوذرؓ تم اللہ کے احکام کی خلاف ورزی روکنے کیلئے عثمان پر غصہ ہوئے ہو لہٰذا تم اللہ ہی سے وابستہ رہو جس کیلئے تم ناراض ہوئے ہو۔
اِنَّ الۡقَوۡمَ خَافُوۡکَ عَلٰی دُنۡيَاهُمۡ ؛	2	عثمان اور اسکی قوم کو تم سے اپنی حکومت اور دنیاوی ساز وسامان کے متعلق خوف ہے
وَخِفۡتَهُمۡ عَلٰی دِيۡنِکَ ؛	3	اور تم عثمان اور اس کی قوم سے اپنے دین کو خطرے میں سمجھ کر خوفزدہ ہو۔
فَـاتۡـرُکۡ فِـیۡ اَيۡـدِيۡهِمۡ مَّاخَافُوۡکَ عَلَيۡهِ ؛	4	چنانچہ تم وہ سب کچھ انکے قابو میں رہنے دو جس کیلئے وہ تمہیں خطرہ سمجھ کر ڈرتے ہیں۔
	5	اور اسے بچا کر چل دو جس کو تم ان کی طرف سے خطرہ میں محسوس کرتے اور ڈرتے ہو
وَاهۡرُبۡ مِنۡهُمۡ بِمَا خِفۡتَهُمۡ عَلَيۡهِ ؛	6	چنانچہ جس چیز (دین) سے تم نے انہیں محروم کیا ہے ساری دنیا سے زیادہ وہی اس (دین) کے محتاج ہیں۔
فَمَا اَحۡوَجَهُمۡ اِلٰی مَامَنَعۡتَهُمۡ ؛		
وَمَا اَغۡنٰکَ عَمَّا مَنَعُوۡکَ ؛	7	اور جس چیز (دنیا) سے وہ تمہیں محروم کر رہے ہیں تم اس سے غنی ومستغنی اور لاپرواہ ہو۔
وَسَتَـعۡـلَمُ مَنِ الرَّابِحُ غَدًا؛ وَالۡاَکۡثَرُ حُسَّدًا ؛	8	اور تم بہت جلد معلوم کرلو گے کہ اس معاملے میں کل کون شخص فائدے میں رہتا ہے اور کس پر حسد کرنے والے اکثریت میں ہیں۔
وَلَوۡ اَنَّ السَّمٰوٰاتِ وَالۡاَرَضِيۡنَ کَانَتَا عَلٰی عَبۡدٍ رَتۡقًا ثُمَّ اتَّقَی اللّٰهَ لَجَعَلَ اللّٰهُ لَهٗ مِنۡهُمَا مَخۡرَجًا ؛	9	اور اگر تمام آسمانوں سے اور تمام زمینوں سے کسی بندے پر رزق کے دروازے بند پڑے ہوئے ہوں اور پھر وہ بندہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرلے تو اللہ اس کے لئے رزق کی تمام راہیں کھول دے گا۔
لَا يُؤۡنِسَنَّکَ اِلَّا الۡحَقُّ ؛	10	تمہاری ذمہ داری یہ ہے کہ تم مکمل حق کے سوا کسی اور سے انس اور تعلق نہ رکھو۔

وَلَا يُوحِشَنَّكَ إِلَّا الْبَاطِلُ ؛	11	اور تمہیں مکمل باطل کے علاوہ کسی اور سے دوری و وحشت نہ ہونا چاہئے۔
فَلَوْقَبِلْتَ دُنْيَاهُمْ لَأَحَبُّوكَ ؛	12	اگر تم نے ان کی دنیا اور دنیا کی رشوت قبول کرلی ہوتی تو وہ ضرور تم سے محبت کرتے۔
وَلَوْ قَرَضْتَ مِنْهَا لَأَمِنُوكَ ؛	13	اور اگر تم ان کی دنیا اور حکومت میں سے اپنا کوئی وظیفہ، حصہ یا جاگیر مقرر کرا لیتے تو وہ خود کو امن میں سمجھتے''

تشریحات:

اِس خطبے سے یہ ثابت ہوگیا کہ قریشی حکومت اور عثمان کو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی طرف سے خطرہ تھا اور انہوں نے اپنی حکومت کو بچانے کے لئے حضرت ابوذرؓ کے سامنے رشوت میں وظیفہ اور جاگیر پیش کی تھی۔ مگر حضرتؓ ابوذر اُن کے ساتھ سمجھوتہ کرنے میں اپنے دین کو خطرہ میں سمجھتے تھے۔ اور سمجھوتہ نہ کرنے کی بنا پر جلاوطن کئے جارہے تھے۔ اور یہ جلاوطنی ایسے علاقے میں کی جارہی تھی جہاں رزق کے تمام دروازے بند تھے۔ اور یہ کہ حضرت علی علیہ السلام حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے متفق تھے اور اُن کے لئے رزق کی تمام راہیں کھلی رہنے کا وعدہ فرما رہے تھے۔ اور انہیں حقیقی معنی میں دیندار اور متقی اور قریش اور عثمان کو بے دین سمجھتے تھے۔ یہ ہے اس خطبے کا نچوڑ (1-13)

2۔ قریشی حکومت اور عثمان نے حضرت ابوذرؓ کو کس بنا پر جلاوطن کیا تھا؟

اب ہم مختصراً یہ دکھاتے ہیں کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو عثمان نے کیوں جلاوطن کیا تھا؟ یہ واقعہ تاریخ اسلام جلد سوم میں تاریخ الخمیس اور تاریخ اعثم کوفی سے خلاصہ لے کر مختصر ترین صورت میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ:

''ابوذرؓ حضرت عمر کے زمانے تک ملک شام میں لڑائی پر گئے تھے اور حضرت عمر کی وفات کے بعد شام ہی کی سکونت اختیار کرلی تھی۔ چونکہ معاویہ بقول طبری وغیرہ مردِ دُنیا دوست تھا اور تجملاتِ دنیاوی میں گرویدہ رہتا تھا۔ ابوذرؓ اُسے سمجھاتے اور سرزنش کرتے رہتے تھے ابن قتیبہ نے لکھا ہے (الامامة والسیاسة) کہ ابوذرؓ شام میں قاضی تھے جب اُن کو عمار یاسرؓ کے پیٹے جانے کی خبر شام میں ملی تو عثمان سے ناراض ہوئے اور احداثات عثمانی کے شکایات کرنی شروع کردیں۔ اور کہتے تھے کہ تیرے اعمال سنت نبویؐ اور سیرت شیخین کے خلاف ہیں۔ ایک دن معاویہ اور ابوذرؓ میں آیہ کریمہ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ (توبہ 9/34) کے معنوں میں مخالفت واقع ہوئی اور نیز مجلس خاص میں لفظ بیت المال کو بیت مال اللہ سے تعبیر کیا۔ ابوذرؓ نے کہا کہ تو نے یہ نام اس سبب سے رکھا ہے کہ اُس میں خود تصرف کرے اور مسلمانوں کو نہ دے۔ یہ بھی تھا کہ ابوذر غفاری طریق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے ہرگز درگزر نہ کرتے اور باز نہ آتے تھے۔ اور کلمہ حق کے پہنچانے میں بالکل خوف نہ کرتے تھے۔ بس اِدھر تو معاویہ کی عیب چینی کرتے تھے اور اُدھر یہ سن کر کہ عثمان نے عمار یاسرؓ کو بلاوجہ سخت زدوکوب کیا ہے اور بہت سے امور خلافِ سنت رسولؐ کئے ہیں۔ حضرت عثمان کے حق میں طعن آمیز کلام کہنے شروع کردئے (اعثم کوفی) معاویہ نے رنجیدہ ہوکر عثمان کو لکھا کہ اگر آپ کو ولایت شام کی احتیاج ہے تو ابوذرؓ کو کسی اور ولایت میں بھیج دیجئے۔ کیوں کہ ابوذرؓ آپ کی طرف سے لوگوں کے عقیدے کو متزلزل کرتا ہے۔ حضرت عثمان نے حکم بھیجا کہ ابوذرؓ کو اس حکم کے پہنچتے ہی ایک بدرفتار ننگی پیٹھ والے اونٹ پر سوار کرکے کسی درشت مزاج رہبر کو اُس کے ساتھ کرکے جو رات دن اونٹ کو بھگاتا لائے اور کسی جگہ نہ ٹھیرے کہ ابوذر پر نیند ایسا غلبہ کرے جس سے وہ میرا اور تیرا دونوں کا ذکر نا بھول جائے مدینہ بھیج دے۔ معاویہ نے ایسا ہی کیا۔ ابوذرؓ

بلند و بالا لاغر اندام شخص تھے اور اس قدر ضعیف العمر ہو چکے تھے کہ تمام سر اور داڑھی کے بال سفید ہو گئے تھے۔ نہایت کمزور و نحیف تھے۔ اونٹ کی پشت پر نہ کپڑا تھا نہ ساز تھا۔ پھر رہبر بڑی بُری طرح سختی سے ہنکاتا ہوا لایا۔ اِن تکلیفوں اور صدموں سے ابوذرؓ کی رانوں کا گوشت چھل چھل کر جدا ہو گیا۔ اور سخت تکلیف و تکان لاحق ہو گئی۔ آخر بایں حال تباہ۔ حضرت عثمان کے سامنے حاضر ہوئے حضرت عثمان نے نظر اُٹھا کر دیکھا اور کہا کہ اَے جندب (ابوذرؓ کا نام تھا) تجھے دیکھ کر کوئی آنکھ روشن نہ ہو۔ تیرا یہ گمان ہے کہ میں کہتا ہوں کہ خدا فقیر ہے اور ہم دولت مند ہیں؟ ابوذرؓ نے جواب دیا کہ میں نے کبھی ایسا نہیں کہا۔ مگر اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا ہے کہ جب ابوالعاص کی تیس اولادیں ہو جائیں گی تو وہ خدا کے مال کو اپنی دولت واقبال کا ذریعہ ٹھہرائیں گے۔ خدا کے بندوں کو اپنے خدمت گار اور نوکر قرار دیں گے۔ خدا کے دین میں خیانت کریں گے۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو اُن سے آزادی بخشے گا۔ حضرت عثمان نے حاضر الوقت لوگوں سے پوچھا کہ تم نے رسولؐ اللہ سے یہ حدیث سنی ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہم نے نہیں سنی حضرت عثمان نے حضرت علیؑ کو بلایا اور اُن سے پوچھا۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ میں نے حضرت رسوؐل کی زبانی یہ حدیث تو نہیں سنی مگر ابوذرؓ جھوٹ نہیں کہتا ہے۔ کیوں کہ حضرت رسولؐ نے فرمایا ہے کہ نیلے آسمان کے نیچے اور تاریک زمین کے اوپر کوئی شخص ابوذرؓ سے زیادہ راست گو پیدا نہیں ہوگا۔ اُسی وقت حاضرین مجلس بول اُٹھے کہ یقیناً ابوذرؓ سچ کہتا ہے۔ ابوذرؓ نے کہا کہ مجھے گمان بھی نہ تھا کہ تم مجھے جھوٹ سے متہم کرو گے۔ عثمان نے کہا تو جھوٹ بولتا ہے اور فساد کرانا چاہتا ہے۔ ابوذرؓ نے کہا کہ تو ابوبکر و عمر کی سیرت پر قائم رہ پھر تیرے قول وفعل پر کوئی معترض نہ ہوگا۔ عثمان نے کہا کہ مجھے اِن باتوں سے کیا واسطہ؟ ابوذرؓ نے کہا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کوئی گناہ بھی نہیں ہے۔ اب عثمان کو بہت غصہ آیا اور کہا کہ بتاؤ اس بوڑھے دروغ گو کا کیا حال کروں؟ وہ فتنہ برپا کرنا اور مسلمانوں میں تفرقہ پھیلانا چاہتا ہے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا تم اسے تکلیف نہ دو اگر وہ اس روایت میں جھوٹا ہے تو اس کا وبال خود اسی پر پڑے گا۔ اور اگر سچا ہے تو جیسا بیان کرتا ہے ویسا ظہور میں آ ہی جائے گا۔ عثمان نے خفا ہو کر کہا اَے علیؑ تیرے منہ میں خاک۔ علیؑ نے کہا کہ تیرے منہ میں خاک ہو؟ تو یہ کہتا ہے اور کیسی بے انصافی کرتا ہے۔ معاویہ کی نامعلوم باتوں کے لکھنے سے رسولؐ خدا کے دوست ابوذرؓ کے حق میں یہ کیا باتیں کہتا ہے؟ کیا تجھے معاویہ کی دشمنی ظلم اور فتنہ وفساد کا حال معلوم نہیں ہے۔ عثمان خاموش ہو گیا علیؑ سے تو کچھ نہ کہا مگر ابوؓذر کو ربذہ میں جلاوطن کر دیا جو مدینہ سے تین منزل پر جنگل میں ایک مقام ہے اور حکم دیا کہ ربذہ سے کہیں جانے نہ پائے۔ اور مروان بن حکم سے کہا کہ ایک اونٹ پر بٹھا کر مدینہ سے باہر نکال آ۔ اور کسی کو اُس کے ساتھ رخصت کرنے کے لئے مدینہ سے باہر نہ جانے دینا۔ ابوذرؓ نے بوقت روانگی عثمان سے کہا کہ مجھے تیری ہمسائیگی سے کتوں اور بھیڑیوں کی ہمسائیگی زیادہ پسند ہے۔ مگر خوب سمجھ لے کہ جہاں جاؤں گا اگر شمشیر بھی میری گردن پر چل جائے گی تو بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے اور اس بات کے پہنچانے سے جو میں نے رسوؐل اللہ سے سنی ہے۔ باز نہیں آؤں گا۔ اور جہاں کہیں ہوں گا کلمہ حق پہنچاتا رہوں گا۔ اصحاب رسوؐل میں سے چند لوگ اس امر سے بہت رنجیدہ ہوئے اور ابوؓذر کو رخصت کرنے آئے۔ یہ لوگ علیؑ، حسنؑ، حسینؑ۔ عبداللہ بن عباس۔ عمار یاؓسر اور مقدادؓ بن اسود وغیرہ تھے۔ ابوذرؓ کے پاس پہنچ کر تسلی دینے لگے۔ اور صبر کی ہدایت کی۔ مروان نے اعتراض کیا کہ تم لوگ عثمان کے حکم کے خلاف ابوؓذر کو رخصت کرنے کیوں آئے ہو؟ حضرت علیؑ کو بُرا معلوم ہوا اور مروان کے اونٹ کے دونوں کانوں کے بیچ میں کوڑا رسید کیا اور کہا کہ دُور ہو اے پسر زرقا تو ہمارے فعل پر اعتراض کرنے والا کون ہوتا ہے؟ مروان نے حضرت عثمان سے آ کر شکایت کی حضرت عثمان نے حضرت علیؑ کو بلایا اور کہا کہ میرے حکم کے خلاف ابوؓذر کی مشایعت کو کیوں گئے؟ اور دیگر صحابہ کو بھی ساتھ لے گئے اور پھر مروان کے اونٹ کو کوڑا مارا مروان سے معافی مانگو۔ حضرت علیؑ نے

فرمایا کہ تمہارا حکم کوئی خدا اور رسولؐ کا حکم نہیں ہے کہ اُسے ضرور ہی عمل میں لایا جائے۔ رہا مروان کے اُونٹ کو مارنا۔ اور اُس کو بُرا کہنا سو مروان بھی میرے اونٹ کو ایک کوڑا مار لے۔ مگر یہ مجال نہیں کہ مجھے گالی دے۔ اگر وہ ملعون مجھے گالی دے گا تو قسم بخدا اُسے تلوار سے جواب دوں گا۔ اور تجھ کو گالی دوں گا۔ کیوں کہ وہ میرا ہم سر نہیں ہے۔ خوب یقین کر لے کہ میں نے سچ کہا ہے۔ عثمان نے کہا کہ جب تو نے گالی دی ہے تو وہ تجھے گالی کیوں نہ دے؟ کیوں کہ قسم بخدا تو میرے نزدیک مروان سے افضل نہیں ہے۔ پس حضرت علیؑ نے غضبناک ہو کر کہا کہ تو یہ کیا سمجھ کر کہتا ہے اور کس وجہ سے مروان کو میرے برابر بناتا ہے؟ اور میں تو تجھ سے بھی افضل ہوں اور میرا باپ تیرے باپ سے افضل ہے اور میری ماں تیری ماں سے افضل ہے۔ اور یہ لے میں نے تو اپنا تیر ترکش سے نکال لیا ہے اب تو بھی اپنا تیر نکال۔ پس عثمان غصے کے مارے سرخ ہو گئے اور کھڑے ہوئے اور گھر میں گھس گئے۔ اور علیؑ غصے میں بھرے ہوئے واپس چلے آئے۔ جب دوسرا دن ہوا اور عثمان کے پاس لوگ جمع ہوئے تو حضرت عثمان نے حضرت علیؑ کی شکایت کی اور کہا کہ وہ میری عیب جوئی کرتے ہیں اور اُن لوگوں کی مدد کرتے ہیں جو میری عیب جوئی کرتے ہیں یعنی ابوذرؓ اور عمار یاسرؓ کی پس لوگ بیچ میں پڑے اور حضرت علیؑ نے کہا کہ میں نے اللہ کے واسطے ابوذرؓ کی مشایعت کی تھی۔ (مروج الذہب مسعودی، اعثم کوفی، روض الصفا، تاریخ الخمیس)

''خلاصہ یہ کہ ابوذرؓ 32ھ تک ربذہ میں رہے۔ آنے جانے والے حاجی اُن کے پاس پہنچتے دلداری کرتے، تحفے بھیجتے۔ مگر وہ کسی کی چیز قبول نہ کرتے تھے۔ جب وقت وفات قریب آیا بیوی سرہانے بیٹھی رو رہی تھی۔ کہ اس غربت و بیکسی میں تجہیز و تکفین کیوں کر کروں گی۔ ابوذرؓ نے تسلی دے کر کہا کہ میں نے رسولؐ اللہ سے سنا ہے کہ میں پردیس میں وفات پاؤں گا۔ اور اُس وقت کچھ نیک آدمی آکر مجھے دفن کریں گے۔ جب میں مر جاؤں تو ایک بکرے کو ذبح کر کے پکا کر رکھ چھوڑنا۔ اور سر راہ منتظر رہنا کچھ مسلمان گزریں گے اُن سے میری وفات کا حال کہہ کر کفن و دفن کی درخواست کرنا۔ جب وہ میرے کفن و دفن سے فارغ ہوں (جیسا کہ رسولؐ اللہ کی پیشنگوئی کے موافق ہوگا) تو اُن کو کھانا کھلانا۔ جب وہ چلے جائیں تو کچھ دنوں تم ربذہ ہی میں رہنا پھر مدینے چلی جانا۔ اور اپنے زمانہ وفات تک وہیں رہنا۔ غرض ابوذرؓ کا انتقال ہو گیا۔ اور تھوڑی دیر بعد کچھ لوگ بقول بعض مورخین زیارت مکہ سے واپس آتے ہوئے اور بقول بعض کوفہ سے مکہ جاتے ہوئے نظر پڑے۔ یہ اشخاص احنف بن قیس تمیمی، صعصعہ بن صوحان عبدی، خارجہ بن صلت تمیمی عبداللہ بن مسلمہ تمیمی، ہلال بن مالک نزلی، جریر بن عبداللہ بجلی مالک اشتر بن حارث نخعی وغیرہ تھے اور بعض مورخین نے عبداللہ بن مسعود کا نام بھی لکھا ہے جب یہ قریب پہنچے تو اُم ذر زوجہ ابوذر نے کھڑے ہو کر کہا اَے مسلمانوں رسولؐ خدا کا مصاحب ابوذر دنیا سے سفر کر گیا ہے۔ میں اس کی بیوہ غریب و بیکس ہوں مجھ میں اُس کے کفنانے اور دفنانے کی طاقت نہیں ہے۔ اگر تم اس کام میں امداد کرو گے تو اللہ تم سے راضی ہوگا۔ یہ سنتے ہی سب رونے لگے اور اللہ تعالیٰ سے ابوذرؓ کی بخشش کی دعا مانگنے لگے ہر شخص نے اپنے کپڑے کا کفن دینے کی خواہش کی آخر یہ صلاح ٹھہری کہ ہر شخص سے تھوڑا تھوڑا کپڑا لے کر سی کر کفن دیا جائے چنانچہ یہی کیا گیا۔ ایک شخص کے اسباب میں کافور بھی نکل آیا۔ اس سے حنوط اور غسل و کفن کر کے نماز جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا۔ دفن سے فارغ ہو کر اشتر نخعی نے اس کی قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر خدائے تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد کہا کہ اَے خدا ابوذرؓ غفاری تیرے رسولؐ کے مصاحب تھے وہ تیرے پیغمبروںؑ اور کتابوں پر ایمان رکھتے تھے۔ اُنہوں نے تیری راہ میں جہاد کئے ہیں۔ شریعت اسلام پر ثابت قدم رہے ہیں۔ اور شرعی طریقوں میں اُنہوں نے تغیر و تبدل کو راہ نہیں دی۔ اُس نے سنت کے خلاف کچھ امور دیکھ کر اُن سے انحراف اختیار کیا۔ جس کے سبب سے لوگوں نے اُسے ستایا اور ذلیل سمجھا تیرے حبیب کے ہمسائے سے اُسے محروم کیا مدینہ سے نکال کر بربادی میں چھوڑ دیا یہاں تک کہ وہ پردیس میں وفات پا گئے۔ اَے خدا تو نے مومنوں سے جن جن بہشتی نعمتوں کا وعدہ فرمایا ہے اُن کا لطف

ابوذرؓ کیلئے زیادہ کر اور اُس شخص کو جس نے اُسے مدینہ سے نکالا اور تباہ کیا ضروری سزا دے۔ اشتر نے یہ دعا مانگی اور سب مسلمانوں نے آمین کہی۔ یہ لوگ رات کو دفن سے فارغ ہوئے اور دوسرے دن صبح کو رخصت ہوئے۔ ابن مسعود نے مدینہ آ کر ابوذرؓ کی وفات کی خبر دی۔ اس وقت عمارؓ یاسر بھی دربار خلافت میں موجود تھے۔ عمارؓ یاسر بولے ابوذرؓ پر اللہ کی رحمت ہو اَے اللہ میں یہ دعا اُس کے حق میں جان و دل سے مانگتا ہوں اُسے بخش دیجئیو۔ عثمان نے کہا کہ اَے نالائق تیرا بھی یہی حال ہوگا۔ میں ابوذرؓ کو جلاوطن کرنے سے پشیمان نہیں ہوا ہوں۔ عمارؓ نے کہا خدا کی قسم میرا یہ حال نہیں ہوگا۔ عثمان نے کہا کہ اسے دھکے دے کر شہر سے نکال دو اسے بھی ربذہ بھیج دو۔ میری زندگی میں مدینہ واپس نہ آئے۔ عمارؓ نے کہا واللہ بھیڑیوں اور کتوں کی ہمسائیگی تیرے پاس رہنے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ یہ کہہ کر عثمان کے پاس سے چلے آئے۔ بنی مخزوم یہ سن کر کہ عثمان کا ارادہ عمارؓ کو بھی جلاوطن کرنے کا ہے۔ حضرت علیؑ کے پاس آئے اور کہا کہ اَے ابوالحسنؑ عثمان ایک دفعہ عمارؓ کو مار کر اذیت دے چکا ہے اب وہ اُسے جلاوطن کرنا چاہتا ہے۔ اب اگر وہ ایسا کرے گا تو ہمارے ہاتھوں سے ایسا کچھ ظہور میں آئے گا۔ کہ پچھتائے گا۔ عثمان کو جا کر سمجھائیے کہ عمار کے پیچھے نہ پڑے حضرت علیؑ یہ فرما کر کہ اس معاملے میں مجھ پر سعی کرنا واجب ہے حضرت عثمان کے پاس آئے اور کہا کہ اَے عثمان دیکھو اس سے پہلے بے چارے ابوذرؓ کو تم جلاوطن کر چکے ہو۔ کہ وہ غریب پردیس ہی میں مر گیا۔ مسلمان اس امر کے سبب سے تم سے اور بھی زیادہ برگشتہ ہو گئے ہیں اب سنتا ہوں کہ تم عمارؓ کو بھی جلاوطن کرنا چاہتے ہو۔ تم دوستوں اور نصیحت کرنے والوں کی بات نہیں مانتے خدا سے ڈرو صحابہ رسولؐ کو رنج نہ دو۔ عثمان بولے کہ عمارؓ اور غیر عمارؓ کو تو ہی برباد کر رہا ہے پہلے تجھ ہی کو نکال دینا چاہئے۔ علیؑ بولے تیری کیا مجال ہے جو ایسا خیال بھی کر سکے اور اگر چاہے گا تو بھی اس پر قادر نہ ہو سکے گا۔ اگر شک ہو تو آزما کر دیکھ لے۔ حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ اور تیرا یہ کہنا کہ عمارؓ و غیر عمارؓ کو تو ہی خراب کر رہا ہے۔ خدا کی قسم اُن کا فساد صرف تیری ہی طرف سے ہے۔ میں اُن کی کوئی خطا نہیں دیکھتا۔ تو شریعت محمدیؐ کے خلاف کام کر رہا ہے۔ لوگ اس کی برداشت نہیں کر سکتے۔ تو ہر ایک پر غصہ ہوتا ہے۔ پھر انہیں ستاتا ہے۔ یہ امر بزرگوں کے طریقہ سے بہت بعید ہے۔ حضرت علیؑ یہ نرم گرم باتیں کہہ کر چلے آئے اور بنی مخزوم و صحابہ رسولؐ سے کل حال بیان کر دیا۔ وہ بولے جی ہاں اب تو عثمان غصہ میں آ کر آپ کی نسبت بھی ایسے کلمات کہے گا اور جس پر ناراض ہوگا اُسے شہر بدر کر دے گا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہم سب اپنے اہل و عیال سے جدا ہو کر پردیس ہی میں مریں گے۔ حضرت علیؑ اُن سے مایوسی کا یہ کلام سن کر روئے اور کہا کہ عمار یاسرؓ سے کہہ دو کہ اپنے گھر میں رہے باہر نہ نکلے۔ خدا اُسے عثمان اور دیگر اشخاص کی شرارت سے محفوظ رکھے گا۔ بنی مخزوم نے کہا کہ اَے ابوالحسنؑ اگر آپ ہمارے مددگار ہوں گے تو پھر عثمان ہمیں کوئی ضرر نہ پہنچا سکے گا۔ عثمان کو بھی یہ حال معلوم ہو گیا۔ عمارؓ کا پیچھا چھوڑ دیا اور اپنے کہے پر افسوس کیا (اعثم کوفی)۔'' (تاریخ اسلام مولفہ ایس ذاکر حسین جعفر مطبوعہ 1131ھ 1913ء صفحہ 131 تا 135)

3۔ ثلاثہ اینڈ کمپنی کی حکومتوں کے تشدد اور حق کو مٹانے کے حالات سابقہ خطبوں میں تفصیل سے آ چکے۔

یہاں تو صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ اگر عثمان کی دیگر بداعمالیوں کا ذکر نہ بھی کیا جائے تو اُس پر جہنم واجب ہونے کے لئے یہ سلوک کافی ہے۔ جو اُس نے حضرت ابوذرؓ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا تھا۔ اس تاریخی بیان میں یہ ثابت ہو گیا کہ حدیث رسولؐ کی آخری تصدیق کیلئے حضرت علی علیہ السلام کو آخری سند سمجھا جاتا تھا۔ پھر یہ بھی غور طلب ہے کہ حضرت علیؑ کا عثمان کو چیلنج کرنا یقیناً اپنی قوت قدسیہ کے استعمال کی دھمکی تھی اور اگر عثمان نے حضورؑ کو جلاوطن کرنے پر کوئی اقدام کیا ہوتا تو وہ قوت جسے محفوظ رکھتے آ رہے تھے بر سر کار آ جاتی اور قبل از وقت قریش تباہ ہو کر رہ جاتے۔ قریش کو بھی یقین تھا کہ حضرت علی علیہ السلام کو ایسا موقع نہ دیا جائے جس میں اتمام حجت ہو جائے اور وہ اپنی خدائی طاقت کو استعمال کر سکیں۔

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر:130

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 132

خُطبہ ﴿156﴾

1۔اللہ کی حمد وثنا ہر حال میں ۔2۔اللہ کی چند صفات ۔3۔دلوں اور زبانوں کی ہم آہنگی کے ساتھ کلمہ ۔4۔گذشتہ لوگوں سے عبرت وسبق ۔5۔جنازہ کو باری باری کاندھا دینا۔6۔موت مسلمہ حقیقت ہے۔7۔دنیا آخرت کے لئے سامانِ سفر حاصل کرنے کے لئے بنائی گئی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡم

نَحۡمَدُهُ عَلٰى مَاۤاَخَذَ وَاَعۡطٰى ؛	1	ہم اس پر بھی اللہ کی حمد وثنا کرتے ہیں جو اس نے ہمیں عطا کیا ہے اور اس پر بھی حمد وثنا بجالاتے ہیں جو اس نے دے کر ہم سے لے لیا ہے۔
وَعَلٰى مَا اَبۡلٰى وَابۡتَلٰى ؛	2	اور اس کے احسانات اور آزمائشوں پر بھی اس کی حمد وثنا کرتے ہیں۔
اَلۡبَاطِنُ لِكُلِّ خَفِيَّةٍ ؛	3	وہ ہر پوشیدہ چیز کا باطن ہے۔
وَالۡحَاضِرُ لِكُلِّ سَرِيۡرَةٍ ؛	4	اور ہر راز پر حاضر ہے۔
اَلۡعَالِمُ بِمَا تُكِنُّ الصُّدُوۡرُ ؛	5	ہر اس تصور وخیال کا عالم ہے جسے سینوں نے چھپا رکھا ہے۔
وَ مَاتَخُوۡنُ الۡعُيُوۡنُ ؛	6	اور آنکھوں کی غلط نگاہی وخیانت کا بھی عالم ہے۔
وَنَشۡهَدُ اَنۡ لَّآاِلٰـهَ غَيۡرُهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَآلِهٖ نَجِيۡبُهُ وَبَعِيۡثُهُ ؛	7	اور ہم شہادت دیتے ہیں کہ اللہ کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں اور یہ کہ بلاشبہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ اللہ کے دو طرفہ منتخب کئے ہوئے اور بھیجے ہوئے رسوؐل ہیں۔
شَهَادَةً يُّوَافِقُ فِيۡهَا سِرُّ الۡاِعۡلَانِ وَالۡقَلۡبُ اللِّسَانِ ؛	8	یہ ایسی شہادت ہیں کہ جس میں اعلان کا راز اور زبان کا قلب بھی متفق ہیں۔
فَاِنَّهُ وَاللّٰـهِ الۡجِدُّ لَاالۡلَّعِبُ ؛وَالۡحَقُّ لَاالۡكَذِبُ ؛وَمَاهُوَ اِلَّاالۡمَوۡتُ ؛	9	خدا کی قسم وہ چیز جو سراسر متفقہ اور آزمودہ حقیقت ہے اور کھیل تماشہ نہیں ہے اور حق مطلق ہے جھوٹ نہیں ہے۔ وہ موت کے سوا کچھ اور نہیں ہوسکتی ہے۔
قَدۡ اَسۡمَعَ دَاعِيۡهِ ؛وَاَعۡجَلَ حَادِيۡهِ ؛	10	یقیناً موت کی طرف سے پکارنے والے نے اپنی آواز سنوادی ہے۔ اور موت کا نغمہ سنانے والے نے ''جلدی کرو'' کا اعلان کردیا ہے۔
فَلَا يَغُرَّنَّكَ سَوَادُ النَّاسِ مِنۡ نَّفۡسِكَ	11	زندہ لوگوں کی یہ اندھیرا پھیلانے والی کثرت تمہیں اندر ہی اندر مغالطہ میں نہ

		ڈالنے پائے۔
فَقَدْ رَاَیْتَ مَنْ کَانَ قَبْلَکَ مِمَّنْ جَمَعَ الْمَالَ وَحَذِرَ الْاِقْلَالَ ؛	12	یقیناً تم نے ان لوگوں کو اور ان کے حالات کو دیکھا ہے جو بڑی کوششوں سے اموال جمع کیا کرتے تھے اور مال و دولت کی کمی سے بچ کر رہتے تھے۔
وَاَمِنَ الْعَوَاقِبَ طُوْلَ اَمَلٍ وَاسْتِبْعَادَ اَجَلٍ ؛	13	اور موت کو دور کی بات سمجھ کر لمبی لمبی اسکیمیں اور منصوبے جاری کرتے تھے اور بُرے انجام سے بے خوف ہو گئے تھے۔
کَیْفَ نَزَلَ بِهِ الْمَوْتُ فَاَزْعَجَهُ عَنْ وَّطَنِهٖ وَاَخَذَهُ مِنْ مَّاْمَنِهٖ ؛	14	کیسے اچانک ان پر موت نازل ہوئی انہیں ان کی پر امن رہائش گاہوں سے مجبور کر کے پکڑا اور دنیا سے جلاوطن کر کے چھوڑا۔
مَحْمُوْلًا عَلٰی اَعْوَادِ الْمَنَایَا ؛	15	اس طرح سے کہ وہ مردہ حالت میں تابوت کے تختہ پر لاد کر لے جائے گئے۔
یَتَعَاطٰی بِهِ الرِّجَالُ الرِّجَالَ ؛ حَمْلًا عَلَی الْمَنَاکِبِ ؛ وَاِمْسَاکًا بِالْاَنَامِلِ ؛	16	لوگوں کا مجمع اسے کاندھوں پر اُٹھائے ہوئے باری باری کاندھا دیتا اور انگلیوں کے پوروں سے سہارا دیتا ہوا چلا جا رہا تھا۔
اَمَا رَاَیْتُمُ الَّذِیْنَ یَاْمُلُوْنَ بَعِیْدًا وَیَبْنُوْنَ مَشِیْدًا ؛وَّیَجْمَعُوْنَ کَثِیْرًا ؛	17	کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے دور رس امیدیں لگائیں ،مضبوط و مستحکم مکانات بنائے انہیں آراستہ کیا اور دن رات محنت کر کے کثرت سے مال و دولت جمع کرتے رہے۔
کَیْفَ اَصْبَحَتْ بُیُوْتُهُمْ قُبُوْرًا ؛ وَمَا جَمَعُوْا بُوْرًا ؛	18	یہ کیسے ہوا کہ ایک صبح کو ان کی بلڈنگیں قبروں میں بدل گئیں اور جو کچھ جمع کیا تھا وہ تباہ ہو گیا۔
وَصَارَتْ اَمْوَالُهُمْ لِلْوَارِثِیْنَ وَاَزْوَاجُهُمْ لِقَوْمٍ آخَرِیْنَ ؛	19	ان کی تمام جمع پونجی وارثوں میں تقسیم ہو گئی اور ان کی بیویاں دوسری قوم کے پاس چلی گئیں۔
لَا فِیْ حَسَنَةٍ یَزِیْدُوْنَ وَلَا مِنْ سَیِّئَةٍ یَّسْتَعْتِبُوْنَ ؛	20	اب نہ وہ اپنی نیکیوں میں اضافہ کر سکتے ہیں اور نہ ہی وہ اپنی برائیوں سے رہائی اور معافی حاصل کر سکتے ہیں۔
فَمَنْ اَشْعَرَ التَّقْوٰی قَلْبَهٗ بَرَّزَ مَهَلُهٗ وَفَازَ عَمَلُهٗ ؛	21	جس نے بھی اپنے قلب کو تقویٰ کا شعار بنا لیا وہ اپنی مہلت سے مستفید ہو گیا اور اس کے اعمال فائز المرام و کامیاب ہو گئے۔
فَاهْتَبِلُوْا هَبَلَهَا وَاعْمَلُوْا لِلْجَنَّةِ عَمَلَهَا ؛	22	تقویٰ اور پرہیز گاری اختیار کرنے کو غنیمت سمجھ کر جنت کے لئے کام کرلو۔
فَاِنَّ الدُّنْیَا لَمْ تُخْلَقْ دَارَ مُقَامٍ ؛	23	چنانچہ یہ دنیا ہمیشہ رہنے کا مقام بنا کر پیدا نہیں کی گئی ہے۔
بَلْ خُلِقَتْ لَکُمْ مَجَازًا لِتَزَوَّدُوْا مِنْهَا	24	بلکہ یہ تو تمہارے لئے ایک ایسی عارضی جگہ ہے جہاں تمہیں اپنی مستقل رہنے کی جگہ

اَلْاَعْمَالَ اِلٰی دَارِ الْقَرَارِ ؛ فَكُوْنُوْ مِنْهَا عَلٰی اَوْفَازٍ وَقَرِّبُوْا الظُّهُوْرَ لِلزِّيَالِ ؛	25	کے لئے سامان اوراعمال خیر جمع کرنے کا موقع دیا گیا ہے۔ چنانچہ یہاں سے کوچ کرنے کے لئے بالکل تیار رہو اور اپنی سواریوں کو اپنے بالکل قریب رکھا کرو“

تشریحات:

یہاں (خطبہ 156 میں) حضور علیہ السلام اِس دُنیا کو دائمی زندگی کے لئے سامان جمع کرنے کا مقام بتارہے ہیں (جملہ 24) اور اُس کو عارضی اور ختم ہوجانے کی جگہ بتاچکے ہیں (جملہ 23)۔اور یہ تقاضہ کرچکے ہیں کہ اپنے قلب وذہن کو تقویٰ شعار بنا کر جنت کے لئے کام کرلو (جملہ 22-21) اور یہاں کے قیام کے دوران اپنے لئے سواریاں فراہم کرو تاکہ سفر میں آسانی ہو اور یہ کہ اپنی سواریوں کو تیار اور اپنے سے قریب ہی رکھا کرو (جملہ 25)۔مطلب یہ ہے کہ یہاں سے سفر کرنے کو ہر حال میں سامنے رکھا کرو تاکہ جیسے ہی سفر کا اعلان ہو فوراً سوار ہو جاؤ۔سواری نہ ہوگی یا دُور ہوگی تو سفر میں دیر لگ جائے گی جو نقصان کی بات ہے (جملہ 11-10)۔

2۔ قرآن کریم کا وہ مقام حضورؑ کے سامنے رہا ہے۔

یہ سب کچھ حضور نے قرآن کو عملی صورت دے کر بیان فرمایا ہے۔اب ہم وہ مقام دکھاتے ہیں جو حضورؑ کے ذہن میں رہا ہے۔

اللہ نے بھی دُنیا کو دھوکے کی ٹٹی فرمایا ہے اور کہا یہ ہے کہ دُنیا میں رہتے ہوئے اللہ کا تحفظ حاصل کرنے میں سبقت لے جاؤ اور اللہ کی جنت کے لئے کوشش کرو اور یہ کہ دُنیا میں رہتے ہوئے اُس جنت اور مغفرت کو حاصل کرلینا اللہ کے بہت بڑے فضل وکرم پر فائز ہوجانا ہے۔سنئے۔

وَمَاالْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ Oسَابِقُوْآ اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ O(57/20-21)

مودودی ترجمہ ”دُنیا کی زندگی دھوکے کی ٹٹی کے سوا کچھ نہیں۔دوڑو اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔اپنے رب کی مغفرت اور اُس جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان وزمین جیسی ہے، جو مہیا کی گئی ہے اُن لوگوں کے لئے جو اللہ اور اُس کے رسولوںؑ پر ایمان لائے ہوں۔یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔“

3۔ ایک جنت ہی پوری کائنات کے برابر ہے؟

مودودی اپنی تشریح میں لکھتے ہیں کہ:

”38؎ اصل الفاظ ہیں كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ بعض مفسرین نے عرض کو چوڑائی کے معنی میں لیا ہے۔لیکن دراصل یہاں یہ لفظ وسعت اور پہنائی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔عربی زبان میں لفظ عرض صرف چوڑائی ہی کے لئے نہیں بولا جاتا جو طول کا مدمقابل ہے۔بلکہ اُسے مجرد وسعت کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔جیسا کہ ایک دوسری جگہ قرآن میں ارشاد ہوا ہے۔

فَذُو دُعَاءٍ عَرِيضٍ ''انسان پھر لمبی چوڑی دعائیں کرنے لگتا ہے''(حم سجدہ۔41/51)

اس کے ساتھ یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ ارشاد سے مقصود جنت کا رقبہ بتانا نہیں ہے۔ بلکہ اُس کی وسعت کا تصور دلانا ہے۔ یہاں اُس کی وسعت آسمان وزمین جیسی بتائی گئی ہے۔اور سورہ آل عمران میں فرمایا گیا ہے۔

وَسَارِعُوْا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ O(3/133)

''دوڑو اپنے رب کی مغفرت اور اُس جنت کی طرف جس کی وسعت ساری کائنات ہے۔ جو مہیا کی گئی ہے متقی لوگوں کے لئے۔''

اِن دونوں آیات کو ملا کر پڑھنے سے کچھ ایسا تصور ذہن میں آتا ہے کہ جنت میں ایک انسان کو جو باغ اور محلات ملیں گے وہ تو صرف اس کے قیام کے لئے ہوں گے۔ مگر درحقیقت پوری کائنات اس کی سیر گاہ ہوگی۔ کہیں وہ بند نہ ہوگا۔ وہاں اُس کا حال اس دنیا کی طرح نہ ہوگا کہ چاند جیسے قریب ترین سیارے تک پہنچنے کے لئے بھی وہ برسوں پاپڑ بیلتا رہا اور اس ذرا سے سفر کی مشکلات کو رفع کرنے میں اُسے بے تحاشہ وسائل صرف کرنا پڑے وہاں ساری کائنات اُس کے لئے کھلی ہوگی جو کچھ چاہے گا اپنی جگہ سے بیٹھے بیٹھے دیکھ لے گا اور جہاں بھی چاہے گا بے تکلف جاسکے گا۔''(تفہیم القرآن جلد5 صفحہ 319-318)

4۔ حضورؐ کے ذہن میں انسانوں کو لامحدود ترقی کی راہوں پر ڈالنا اور لامحدود ترقی و تحفظ دینا تھا۔

حضرت علیؑ علیہ السلام اللہ اور رسوؐل کی طرف سے پوری نوع انسان کی ترقی کے ذمہ دار بنائے گئے اور یہ ذمہ داری اُن کی اپنی مادی وفات پر ختم ہونے والی نہ تھی بلکہ قیامت تک اور بعد قیامت بھی اس ذمہ داری نے جاری رہنا تھا اس لئے ایک محمدؐ یا ایک علیؑ پر بات ختم نہیں کی گئی بلکہ اللہ نے کم ازکم بارہ محمدؐ یا بارہ علیؑ تیار کرکے نوع انسان کو اُن کے سپرد کیا تھا۔اور نوع انسان کی ترقی کی حد یہ بتادی تھی کہ انسان کو ایسا بنادیا جائے کہ وہ لفظ ''کن'' کہے اور جو کچھ اُس کے تصور میں ہو وہ فوراً (فَيَكُوْن) وجود میں آجائے۔ یہ تھی وہ حد جہاں تک اطاعت شعار وپرہیزگار انسانوں کو لے جانا تھا۔ اس لئے اُنہیں تین چیزوں پر زیادہ متوجہ کیا گیا ایک دُنیا کو درستی سے استعمال کرنا اور موت پر یقین رکھنا اور جنت کے حصول میں کوشاں رہنا۔(21 تا 25) تاکہ انہیں کم ازکم وہ مقام تو حاصل ہوجائے جو مودودی ایسا شخص مانتا ہے۔

5۔ مودودی ہر مومن شخص کے لئے ساری کائنات کو مسخر اور سیرگاہ مانتا ہے مگر محمدؐ کو عام مسلمان کا مقام بھی نہیں دیتا ہے۔

قارئین نے دیکھ لیا کہ آیات (57/21،3/133) کی رُو سے ہر وہ شخص جو محض زبان سے اللہ اور اللہ کے رسولوںؑ کو مان لے اُسے تو اس قابل سمجھتے ہیں کہ وہ ایک ہی جگہ بیٹھے بیٹھے جو کچھ چاہے گا دیکھ سکے گا اور جہاں بھی چاہے گا بے تکلف جاسکے گا۔ مگر مودودی صاحب اور اُن کے تمام ہم مذہب لوگ ابوبکر وعمر سے لے کر آج تک محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کے لئے یہ قدرت نہیں مانتے۔ حالانکہ انہیں رحمت للعالمین مانتے ہیں تمام عالمین کا نذیر تسلیم کرتے ہیں۔ اب قارئین سوچیں کہ ہمارے عقائد میں خامی یا غلطی ہے یا ثلاثہ اینڈ کمپنی کے عقائد غلط ہیں؟

6۔اگر صرف ایک جنت پوری کائنات ایسی وسیع وعریض وطویل ہے تو قرآن میں صرف ایک جنت کا ذکر نہیں وہاں تو جنّات فرمایا گیا ہے۔

اور اللہ کی ربوبیت اور محمدؐ کی رحمت ونذارت اور نبوت ورسالت کی وسعت کہاں تک پہنچے گی؟ یعنی اس کائنات کی وسعت کو کم ازکم تین گنا وسیع تو ماننا ہی ہوگا کیوں کہ جمع تین سے کم ہوتی ہی نہیں ہے۔اب یہ سوچئے کہ کیا ابوبکر وعمر اللہ اور محمدؐ کے نمائندے اور جانشین بنائے جاسکتے ہیں؟ یادرکھو یہ عقائد اور مذاہب قرآن کو مہجور کرنے کے بعد ہی قائم ہوسکتے تھے۔اور دوقدم بھی نہیں چل سکتے تھے اگر شیعہ مجتہدین اُن کا ساتھ نہ دیتے۔وہ نائبانِ محمدؐ اور آئمہ علیہم السلام بن جانے کے لئے ثلاثہ اینڈ کمپنی کے محتاج تھے اس لئے انہوں نے الفاظ بدل کر وہی فلسفہ مذہب اختیار کرلیا جو اہل سنت نے اختیار کیا تھا۔

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر: 131

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 133

خُطبہ ﴿157﴾

قریش نے دین سے رُوگردانی کر لی تھی

1۔دنیا وآخرت اور آسمان وزمین کے سجدے اور اطاعت۔2۔کتاب خداوندی کی پوزیشن۔3۔رسولؐ کی پوزیشن 4۔دنیا بے بصیرت اور بابصیرت کے نزدیک۔5۔رسولؐ کے بعد مسلمانوں کی حالت۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَانۡقَادَتۡ لَهُ الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةُ بِاَزِمَّتِهَا ؛	1	دنیا اور آخرت اپنی باگ (زمام) اللہ کو سونپ کر اس کی قیادت میں چل رہے ہیں۔
وَقَذَفَتۡ اِلَيۡهِ السَّمٰوٰتُ وَالۡاَرَضُوۡنَ مَقَالِيۡدَهَا ؛	2	اور تمام زمینوں اور تمام آسمانوں نے اپنی کنجیاں اللہ کے حضور ڈال دی ہیں۔
وَسَجَدَتۡ لَهُ بِالۡغُدُوِّ وَالۡاٰصَالِ الۡاَشۡجَارُ النَّاضِرَةُ؛	3	اور سرسبز و شاداب درخت روزانہ صبح شام اللہ کے لئے سجدے کرتے ہیں۔
وَقَدَحَتۡ لَهُ مِنۡ قُضۡبَانِهَا النِّيۡرَانَ الۡمُضِيۡئَةَ ؛	4	اور اپنے تنوں اور شاخوں سے اللہ کے لئے چمکتی ہوئی آگ پیدا کرتے ہیں۔
وَاٰتَتۡ اُكُلَهَا بِكَلِمَاتِهِ الثِّمَارَ الۡيَانِعَةَ ؛	5	اور اللہ ہی کے کلماتؑ کی معرفت اپنے پھل پھول پختہ حالت میں پیش کرتے ہیں۔
وَكِتَابُ اللّٰهِ بَيۡنَ اَظۡهُرِكُمۡ نَاطِقٌ لَايَعۡيٰى لِسَانُهُ ؛	6	اور اللہ کی کتاب تمہارے سامنے ہیں اور وہ اس طرح سے بولتی ہے کہ اس کی زبان لکنت نہیں کرتی ہے۔
وَبَيۡتٌ لَّاتُهۡدَمُ اَرۡكَانُهُ ؛	7	اور کتاب اللہ جس گھر میں ہے اس کی بنیادیں مسمار نہیں ہوسکتیں۔
وَعِزٌّ لَّاتُهۡزَمُ اَعۡوَانُهُ ؛	8	اور وہ ایسا غلبہ ہے کہ اس کا مددگار شکست نہیں کھاتا ہے۔
اَرۡسَلَهُ عَلٰى حِيۡنِ فَتۡرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ ؛	9	اللہ نے آنحضرتؐ کو رسولوں کے سلسلے کے ٹوٹ جانے پر بھیجا۔
وَتَنَازُعٍ مِنَ الۡاَلۡسُنِ ؛	10	اور جب دین میں زبانی جھگڑا اور اختلاف پھیل رہا تھا۔
فَقَفّٰى بِهِ الرُّسُلَ ؛	11	چنانچہ آپؐ کو رسولوں کے سلسلے کا آخری نبیؐ بنا کر بھیجا۔
وَخَتَمَ بِهِ الۡوَحۡيَ ؛	12	اور ان پر وحی کا خاتمہ کر دیا۔

فَجَاهَدَ فِی اللّٰہِ الْمُدْبِرِیْنَ عَنْهُ وَالْعَادِلِیْنَ بِہٖ ؛	13	چنانچہ انہوں نے اللہ کی صحیح پوزیشن کو سمجھانے کیلئے دین سے روگردانی کرنے والوں سے اوران سے جنہوں نے عدل کا معیار بدل دیا تھا خوب جہاد کیا۔
وَاِنَّمَا الدُّنْیَا مُنْتَهٰی بَصَرِ الْاَعْمٰی ؛	14	اور ایک اندھے بے بصیرت شخص کیلئے دنیا ہی سب کچھ اور انتہائی چیز ہے۔
لَایُبْصِرُ مِمَّا وَرَاءَ هَا شَیْئًا ؛	15	لہٰذا بے بصیرت آدمی دنیا کی چیزوں سے آگے کچھ نہیں دیکھتا۔
وَالْبَصِیْرُ یَنْفُذُهَا بَصَرُهُ ؛	16	اور ایک بابصیرت شخص کی نگاہیں اس دنیا کے پار نکل جاتی ہیں
وَیَعْلَمُ اَنَّ الدَّارَ وَرَائَهَا ؛	17	اور اسے معلوم ہوجاتا ہے کہ دنیا کے ادھر بھی ایک مقام ہونا چاہئے۔
فَالْبَصِیْرُ مِنْهَا شَاخِصٌ وَالْاَعْمٰی اِلَیْهَا شَاخِصٌ ؛	18	بابصیرت شخص دنیا سے نکلنا چاہتا ہے اور بے بصیرت دنیا میں رہنا چاہتا ہے۔
وَالْبَصِیْرُ مِنْهَا مُتَزَوِّدٌ ؛وَالْاَعْمٰی لَهَا مُتَزَوِّدٌ ؛	19	اور بابصیرت شخص دنیا سے آخرت کا سامان جمع کر لیتا ہے۔ اور بے بصیرت دنیا ہی کے لئے سامان جمع کرتا اور چھوڑ جاتا ہے۔
وَاعْلَمُوْا اَنَّهُ لَیْسَ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا وَیَكَادُ صَاحِبُهُ اَنْ یَشْبَعَ مِنْهُ وَیَمَلُّهُ اِلَّا الْحَیَاةَ ؛	20	اور یہ سمجھ لو کہ آدمی زندگی کے علاوہ ہر چیز سے اکتا جاتا ہے مگر وہ مرنا پسند نہیں کرتا۔ اور اسے زندگی کے علاوہ ہر چیز بری لگنے لگتی ہے۔
فَاِنَّهُ لَایَجِدُ لَهُ فِی الْمَوْتِ رَاحَةً ؛	21	چنانچہ موت میں اسے کوئی راحت وچین نہیں ملتا ہے۔
وَاِنَّمَا ذٰلِكَ بِمَنْزِلَةِ الْحِكْمَةِ الَّتِیْ هِیَ حَیَاةٌ لِّلْقَلْبِ الْمَیِّتِ ؛وَبَصَرٌ لِلْعَیْنِ الْعَمْیَاءِ	22	یہ صورت حال ویسی ہی ہے جیسے کہ مردہ قلب کے لئے حیاۃ، اور اندھوں کے لئے بینائی ،
وَسَمْعٌ لِّلْاُذُنِ الصَّمَّاءِ وَرِیٌّ لِلظَّمْاٰنِ ؛	23	اور بہروں کیلئے قوتِ سماعت اور پیاسوں کیلئے پیاس بجھانے اور سیراب کرنے کی قوت ہے۔
وَفِیْهَا الْغِنٰی كُلُّهُ وَالسَّلَامَةُ ؛	24	اور اس میں ہر چیز اور ہر ضرورت سے مستغنی اور سلامتی کا سارا ہی سامان موجود ہے۔
كِتَابُ اللّٰهِ تُبْصِرُوْنَ بِهٖ وَتَنْطِقُوْنَ بِهٖ وَتَسْمَعُوْنَ بِهٖ ؛	25	یہ اللہ کی کتاب ہے جس سے تم بصیرت بصارت حاصل کرتے ہو اور جس سے قوت گویائی پاتے ہو اور جس سے سماعت ملتی ہے۔
وَیَنْطِقُ بَعْضُهُ بِبَعْضٍ وَیَشْهَدُ بَعْضُهُ عَلٰی بَعْضٍ ؛	26	اور اس کی بعض آیات بعض دوسری آیات کے متعلق بولتی ہیں اور اس کی بعض آیات بعض دوسری آیات پر گواہی دیتی ہیں۔

وَلَایَختَلِفُ فِی اللّٰہِ وَلَا یُخَالِفُ بِصَاحِبِہٖ عَنِ اللّٰہِ ؛	27	اور یہ اللہ کے دین میں اختلاف نہیں کرتی ہے اور اپنے مالکؑ کی اللہ کے سامنے شکایت ومخالفت نہیں کرتی ہے۔
قَدِ اصْطَلَحتُمْ عَلَی الْغِلِّ فِیمَا بَینَکُمْ ؛	28	مگر تم نے دل کی خرابیوں اور آپس کی مصلحتوں سے اصطلاحات گھڑ لی ہیں۔
وَنَبَتَ الْمَرعٰی عَلٰی دِمَنِکُمْ ؛	29	اور گندگی سے اگنے والے سامان کو حاصل کرنے پر اجماع کرلیا ہے۔
وَتَصَافَیتُمْ عَلٰی حُبِّ الْاٰمَالِ وَتَعَادَیتُمْ فِیْ کَسْبِ الْاَمْوَالِ ؛	30	آرزوؤں اور امیدوں پر تم آپس میں دوست ہو اور مال کمانے اور کاروبار میں ایک دوسرے کے دشمن ہو۔
لَقَدِ اسْتَهَامَ بِکُمُ الْخَبِیثُ وَتَاهَ بِکُمُ الْغُرُورُ ؛	31	یقیناً تمہیں ایک مخصوص خبیث نے اغوا کیا تھا اور اسی کی وجہ سے تم مغالطوں میں مبتلا اور گمراہ ہو۔
وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی نَفْسِیْ وَاَنْفُسِکُمْ ؛	32	اور تمہاری سرکشی اور مخالفت سے بچانے کیلئے اللہ ہی میری مدد کرنے والا ہے

تشریحات:

یہاں حضور علیہ السلام نے دُنیا اور آخرت کو اللہ کی قیادت میں چلنے والا بتایا ہے۔ اور قیادت کے لئے ضروری ہے کہ قائد یعنی راہنما محسوس ومشہود ہو۔ لہٰذا یہ قیادت دراصل محسوس ومشہود ہستی کی ہے۔ اللہ کی نہیں۔ پھر اُس قائد کو دنیا وآخرت کے وجود پذیر ہونے سے قبل موجود ہونا چاہئے اور ایسا محسوس ومشہود قائد جس کی پیروی یا قیادت اللہ سے منسوب کی جاسکے اور جس کی قیادت میں کسی خامی کا امکان نہ ہو وہ صرف محمدؐ اور اجزائے نور محمد صلی اللہ علیہ وعلیہم ہی ہوسکتے ہیں۔ وہیؑ اولین مخلوق ہیں اور وہی ساری کائنات کے نذیرؑ ہیں (پہلا جملہ) اور اُن ہی کو سماوات اور زمینوں کی کنجیاں سونپی جاسکتی تھیں (2) اور اُن کو تمام درختوں کا سجدہ کرنا انسانوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے (بحیرا راہب) (3) پھر درختوں سے آگ کا پیدا ہونا دونوں طرح ثابت ہے۔ ہرے اور سبز درختوں میں بھی رگڑ سے چنگاریاں پیدا ہوتی ہیں (چنار کا درخت) اور سوکھنے کے بعد تو لکڑی صدیوں سے ایندھن کا کام دیتی چلی آرہی ہے۔

2۔ درختوں میں پھل پھول اُنؑ ہی کی وجہ سے لگتے ہیں۔

درختوں کا پھل پھول دینا بھی محمدؐ وعلیؑ اور اُن کے اجزائے نورانیہ کے صدقے میں ہوتا ہے۔ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ:

قَالَ ابو عبداللّٰہ علیہ السلام اِنّ اللّٰہ خَلَقَنَا فَاَحسن خلقنا و صورنا فَاحسن صورنا وجَعَلَنا عَینَهُ فِی عِبَادہ ولِسَانہ النَّاطِق فی خلقہ وَیَدَہ والمبسوطة عَلٰی عبادہ بالرَّافة والرّحمة ووجهه الَّذِی یُوْتی منہ وَبَابہ الذی یدلّ علیہ وخزّانہ فی سَمَائِہ وَارضہ بِنَا اَثمَرَت الْاَشجار وَاینعت الثمار وجرت الانہار وبِنَا ینزل غیث سماءِ وینبت عشب الارض بِعِبَادتنا عبداللّٰہ و لَولَا نَحنُ مَا عبداللّٰہ .(کافی)۔

ترجمہ ”حضرت امام جعفر علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ یقیناً اللہ نے ہمیں پیدا کیا اور بہترین پیدائش عطا کی اور ہماری صورتیں بنائیں اور بہترین صورتگری کی۔ ہمیں اپنے بندوں کے درمیان اپنی آنکھیں بنایا۔ اور اپنی مخلوقات کے ساتھ باتیں کرنے کے لئے اپنی زبان بنایا۔ اور ہمیں اپنے بندوں پر اپنا وہ ہاتھ بنایا جو بندوں پر رحمت و کرم کے لئے پھیلا رہے۔ اور ہمیں اپنا وہ چہرہ بنایا جس کے ذریعہ سے بندوں کو اُن کی ضروریات دی جاتی ہیں۔ اور ہمیں اپنا وہ دروازہ بنایا جو بندوں کی راہنمائی کرتا رہے اور ہمیں آسمانوں اور زمینوں میں اپنا خزانہ دار بنایا۔ ہماری ہی وجہ سے درختوں میں پھل لگتے ہیں اور پکتے ہیں۔ ہماری ہی برکت سے نہریں جاری رہتی ہیں اور ہماری ہی وجہ سے آسمان سے بارشیں ہوتی ہیں اور نباتات اور سبزہ اور کھیتیاں اُگتی ہیں۔ اور ہماری عبادت سے اللہ کی عبادت شروع ہوئی ہے۔ اگر ہم نہ ہوتے تو اللہ کی عبادت بھی نہ ہوتی۔“ (کافی کتاب الحجت باب النوادر حدیث نمبر 5 جلد اول)

قارئین نے نہ صرف یہ دیکھا کہ درختوں پر پھل پھول محمدؐ و علیؑ اور آئمہ علیہم السلام کی وجہ سے اور برکت سے لگتے ہیں۔ بلکہ یہ بھی دیکھا کہ وہ حضراتؑ اللہ کی آنکھیں ہیں۔ اللہ کی زبان ہیں۔ اللہ کی طرف سے اللہ کے رحم و کرم کا پھیلا ہوا ہاتھ ہیں۔ وہ اللہ کی وہ وجہ ہیں جس سے تمام مخلوقات کو اُن کی ضرورت کی چیزیں ملتی ہیں۔ وہ دروازہ بنایا ہے جہاں سے راہنمائی اور ہدایت جاری ہوتی ہیں۔ اور زمینوں اور آسمانوں میں اللہ کے جتنے اور جس قسم کے خزانے ہیں اُن پر اُن حضراتؑ کو خزانچی بنایا ہے۔ اُن ہی کی وجہ سے نہریں جاری ہوتی ہیں بارشیں ہوتی ہیں کھیتیاں، سبزیاں اور نباتات پیدا ہوتے ہیں۔ بتائیے کہ کیا باقی رہا؟ یہ ایک پہلو ہے جس کی وجہ سے دُنیا اور آخرت کو اُن کی اقتدا کرنا چاہئے (1)۔ اور اُنہیں اپنی باگ ڈور سپرد کرنا چاہئے۔ اور آسمانوں اور زمینوں کی کنجیاں اُن کے پاس ہونا چاہئیں (2)۔ اس لئے کہ وہ تمام خزانوں کے خزینہ دار ہیں۔ اور تمام درختوں ہی کو نہیں بلکہ تمام نباتات اور زمین سے اُگنے والی ہر چیز کو اُنہیں سجدہ کرنا چاہئے (3)۔ اُس لئے کہ وہ ہی بارشوں اور نہروں کو جاری رکھنے والے ہیں۔ ان ہی کی وجہ سے درختوں کو آگ کا کام دینا چاہئے (4)۔ اس لئے کہ آگ مخلوقات کے لئے زندگی اور سہولت کا باعث ہوتی ہے اور وہ مخلوقات کے سہولت فراہم کرنے والا اللہ کا ہاتھ اور ذمہ دار ہیں۔ لہٰذا جو کچھ مخلوقات کو ملتا ہے وہ سب اُن ہی کے مذکورہ ہاتھ سے ملتا ہے اور اللہ کا رحم و کرم کہلاتا ہے۔ درختوں کے پھل پھول اور نباتات کے فوائد کی بات ہو چکی ہے (5)۔

3۔ بولنے والی کتاب قرآن نہیں ہے یہ خود علیؑ ہیں اور کتاب الناطق مشہور ہیں۔

کتاب الناطق قرآن کو متعین کر کے نہ کہا گیا ہے نہ کہا جا سکتا ہے۔ قرآن نے کبھی کسی سے نہ بات کی ہے نہ وہ بول سکتا ہے۔ بیان کرنے والی کتاب یعنی کتاب المبین بھی قرآن نہیں جس کسی نے لفظ کتاب المبین سے قرآن کو مراد لیا اور اُس پر عملاً یقین بھی کیا وہ نامراد رہا اور وہ قرآن سے فائدہ نہ اُٹھا سکا بولنے والی یا بیان کرنے والی کتاب (6)۔ تو ایک ایسی کتاب بتائی گئی ہے جس کا صرف ایک گھر ہے (7)۔ جس کی بنیادیں مسمار نہیں کی جا سکتیں (7)۔ قرآن کا کوئی ایک گھر مقرر و متعین نہیں تھا ہر شخص کے گھر میں قرآن رہا ہے۔ وہ کتاب خود حضرت علیؑ ہیں جو اُن تمام صفات پر پورے اُترتے ہیں جو قرآن کی مدد و معیت کے بغیر پورے پورے قرآن ہیں۔ اور یہ خود قرآن نے بتایا ہے۔

بَلْ هُوَ اٰيٰتٌ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ O (29/49)

”کہ قرآن تو آیاتِ بینات کی صورت میں اُن لوگوں کے سینوں میں موجود ہے جن کو روز ازل سے مکمل علم دیا جا چکا ہے۔“

4۔رسولؐ اللہ کی بعثت، وحی کا بند ہونا، مجتہدانہ تنازعہ اور اللہ سے روگردانی کرنے والوں سے جہاد۔

یہ بات معلوم اور مشہور ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد رسولوںؑ کی آمد کا سلسلہ برابر بند رہا اور چھ سات صدیاں گزر جانے کے بعد محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کو خاتم النبین کی حیثیت میں مبعوث کیا گیا تھا اور اُن پر وحی کا سلسلہ بند کر دیا گیا تھا۔ اُس زمانہ کو قرآن میں بھی فترت کا زمانہ فرمایا گیا ہے کہ۔

يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ قَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمۡ عَلٰى فَتۡرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا مَا جَآءَنَا مِنۡۢ بَشِيۡرٍ وَّلَا نَذِيۡرٍ فَقَدۡ جَآءَكُمۡ بَشِيۡرٌ وَّنَذِيۡرٌ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ O (مائدہ 5/19)

''اے اہل کتاب یقیناً تمہارے پاس ہمارا رسولؐ آ گیا ہے جو کہ رسولوںؑ کا سلسلہ ٹوٹا رہنے کے بعد اپنے بیانات دے رہا ہے تاکہ تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس تو کوئی نہ بشارتیں دینے والا آیا نہ کوئی بُرے نتائج سے خبردار کرنے والا آیا۔ لہٰذا تمہارے پاس ایک بشیر ونذیر آ گیا ہے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔''

اسی بعثت کو حضورؐ نے یاد دلایا ہے (9)۔ اور یہ جو فرمایا کہ زبانیں تنازعوں اور اختلافات میں مصروف تھیں (9) اس کے لئے مندرجہ بالا آیت (5/19) سے پہلے والی آیات میں بتایا گیا ہے کہ:

5۔سابقہ مذاہب کے مجتہدین نے اپنے اجتہادی تنازعات سے دین کو بدل دیا تھا۔

(1) حضرت عیسیٰؑ خود ہی اللہ ہیں اور یہودی مجتہدین نے (2) یہ فیصلہ کر دیا تھا کہ ہم سب اللہ کے بیٹے ہیں اور بیٹے بھی ایسے جن کو اللہ محبوب رکھتا ہے۔ مطلب یہ تھا کہ اگر تم عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا کہتے ہو تو کیا ہوا ہم سب کے سب اللہ کے بیٹے ہیں اور عیسیٰؑ کو تو اللہ نے سولی چڑھوا دیا۔ مگر ہم اُس کے محبوب بیٹے ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ دونوں مذاہب میں تنازعہ جاری تھا تو اللہ نے رسولؐ اللہ کو مبعوث کیا تاکہ اُن دونوں کو جھوٹا اور باطل ثابت کریں۔ (آیات 18-5/17)

6۔حضرت یوسفؑ کو خاتم النبین سمجھ لیا گیا تھا؟؟

ختم نبوت کا ذکر اس لئے فرمایا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات کے بعد اُنہیں خاتم النبین بنانے کی کوشش کی جا چکی تھی۔

وَلَقَدۡ جَآءَكُمۡ يُوۡسُفُ مِنۡ قَبۡلُ بِالۡبَيِّنٰتِ فَمَا زِلۡتُمۡ فِىۡ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمۡ بِهٖ ؕ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلۡتُمۡ لَنۡ يَّبۡعَثَ اللّٰهُ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ رَسُوۡلًا ۔۔۔ الخ (40/34)

''اِس سے پہلے یوسفؑ تمہارے پاس بینات لے کر آئے تھے مگر تم نے اُن کی لائی ہوئی تعلیم کی طرف سے برابر شک جاری رکھا۔ پھر جب اُن کا انتقال ہو گیا تو تم نے فیصلہ کر دیا کہ اب اُن کے بعد اللہ ہرگز کوئی رسولؐ نہ بھیجے گا۔''

اُن کا مطلب یہ تھا کہ اب جو بھی رسولؐ آئے اُسے جھٹلانے کے لئے حضرت یوسفؑ کو آڑ بنا لیا جائے۔ بہر حال حضرت علی علیہ السلام اگر ختم نبوت کی تصدیق نہ کر دیتے تو ہم قریش پر باقی جرائم کے ساتھ ساتھ ختم نبوت کا عقیدہ گھڑنے کا الزام بھی عائد کرتے۔ لہٰذا ان جملوں (9 تا 13) سے یقین ہو گیا کہ یہ آخری رسالت تھی ورنہ قرآن کی آیت کی وہ تاویل چل جاتی جو علی محمد باب اور بہاء اللہ اور غلام احمد کرتے رہے ہیں اور لوگ اُن کے فریب میں آ گئے اور اُن کو نبی مان لیا ہے اُن ملاعین کے نام پر بابی و بہائی اور احمدی اُمتیں جاری ہو گئیں۔ اللہ نے فرمایا تھا کہ:

7۔اگرحضرت علیؑ ختم نبوت پر تصدیقی بیان نہ دیتے تو تین جھوٹے نبی برحق کہلاتے۔

مَّا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۔۔۔الخ(33/40)

قادیانی نبی کے دوسرے خلیفہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

''نہ محمدتم میں سے کسی مرد کے باپ تھے نہ ہیں نہ ہوں گے۔لیکن اللہ کے رسولؐ ہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر نبیوںؑ کی مہر ہیں اوراللہ ہرایک چیز سے خوب آگاہ ہے۔''(ترجمہ قرآن صفحہ 551-550)

خلیفہ صاحب کی تشریح۔

''یعنی آپؐ کی تصدیق کے بغیراورآپؐ کی تعلیم کی شہادت کے بغیرکوئی شخص نبوت یاولایت کے مقام تک نہیں پہنچ سکتا۔لوگوں نے نبیوں کی مہرکی جگہ آخری نبی کے معنی لئے ہیں۔''(ایضاً صفحہ 551)

یعنی حضرت علی علیہ السلام کے ان جملوں(9 تا13) سے تین جھوٹے نبیوں کی پول کھل گئی ہے اور ہمارے نزدیک وہ لعنتی قرار پاگئے ہیں۔

8۔قرآن وحدیث رسولؐ میں کوئی اختلاف نہیں ہوسکتاہے؟

آپؑ نے جملہ(25 تا27) میں قرآن کی بات کی ہے اور فیصلہ کردیا ہے کہ اللہ ورسولؐ میں اوراحادیث رسولؐ اورقرآن میں کوئی اختلاف نہیں ہوسکتا یعنی اگرکوئی اختلاف مانتا ہے وہ جھوٹا ہے۔اوراسی سلسلے میں قریش اور خلفائے ثلاثہ اوراُن کے ہم مذہب علما کی بدباطنی اور غلط سلط تصورات کی تصدیق کرانے کے لئے اُن کا خودساختہ مذہب اوراصطلاحات گھڑنا بھی دکھادیاہےاوراُن کی نیت اورمقصدکا بطلان بھی کردیا ہے (جملے28۔30) اوروہیں اُس مخصوص مجتھد کا پتہ بھی دے دیا ہے جس نے سارے قریش کو گمراہ کیا (جملہ 31) اورجو آیات (27 تا25/29) میں مذکور ہے۔اوراگلی آیات (30۔31/25) میں پوری قریشی قوم کوقرآن کے مہجورکرنے کا مجرم اوراللہ ورسولؐ کا دشمن ثابت کیا گیا ہے۔

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 132

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 134

خُطبہ ﴿158﴾

قریش کا خودساختہ خلیفہ اور خلیفہ خداوندی سلام اللہ علیہ

1۔عمر اللہ کے وعدوں پر یقین نہ رکھتا تھا۔2۔عمر خدا کا حساس ومختار وقادر وجود نہ مانتا تھا۔صرف مادی سازوسامان اور کوششوں پر یقین رکھتا تھا۔3۔عمر جنگی تجربہ نہ رکھتا تھا۔نہ وہ دلیر و بہادر اور میدان جنگ میں ثابت قدم رہنے والا تھا۔4۔عمر کی قوم بھی اللہ کی جگہ عمر ہی کو اپنا مرجع و پناہ سمجھتی تھی۔5۔عمر جانتا تھا کہ عہد رسولؐ میں اللہ نے مدد کے وعدوں کے مطابق مسلمانوں کی مدد کی تھی۔مگر عمر یہ بھی جانتا تھا کہ مسلمان اب وہ مسلمان نہیں جن کی مدد اللہ پر لازم ہو۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَقَدۡ تَوَكَّلَ اللّٰهُ لِاَهۡلِ هٰذَا الدِّیۡنِ بِاِعۡزَازِ الۡحَوۡزَةِ ؛وَسَتۡرِ الۡعَوۡرَةِ ؛	1	اللہ نے دین والوں کی ضمانت وذمہ داری لی ہے کہ وہ ان کی سرحدوں کو غالب رکھے گا۔اور ان کی بے پردگی نہ ہونے دے گا۔
وَالَّذِیۡ نَصَرَهُمۡ وَهُمۡ قَلِیۡلٌ لَّا یَنۡتَصِرُوۡنَ ؛	2	وہ وہی اللہ ہے جس نے ان کی اس وقت بھی نصرت کی تھی جب وہ بہت قلیل تھے اور ایسے تھے کہ ظلم وستم کرنے والوں سے اپنا بدلہ بھی نہ لے سکتے تھے۔
وَمَنَعَهُمۡ وَهُمۡ قَلِیۡلٌ لَّا یَمۡتَنِعُوۡنَ ؛	3	اور انہیں مغلوب بھی نہ ہونے دیا جب کہ وہ بہت قلت میں تھے اور دفاعی قوت بھی نہ رکھتے تھے۔
حَیٌّ لَّا یَمُوۡتُ ؛	4	وہ اللہ اب بھی زندہ ہے اور ہرگز نہ مرے گا۔
اِنَّکَ مَتٰی تَسِرۡ اِلٰی هٰذَا الۡعَدُوِّ بِنَفۡسِکَ فَتَلۡقَهُمۡ بِشَخۡصِکَ فَتُنۡکَبۡ لَاتَکُنۡ لِلۡمُسۡلِمِیۡنَ کَانِفَةٌ دُوۡنَ اَقۡصٰی بِلَادِهِمۡ ؛	5	اگر تو بذاتِ خود اس دشمن کی طرف گیا اور ان سے مقابلے کے دوران تو میدانِ جنگ سے ہٹ گیا تو بھاگتے ہوئے مسلمانوں کے لئے دور دراز آبادیوں کے علاوہ اور کہیں پناہ نہ ہوگی۔
لَیۡسَ بَعۡدَکَ مَرۡجِعٌ یَرۡجِعُوۡنَ اِلَیۡهِ ؛	6	تیرے میدان جنگ سے فرار کے بعد تو بھاگتی ہوئی فوج کے لئے پلٹنے کی منزل ہی نہ ہوگی جہاں پلٹ کر آجائیں۔

فَابۡعَثۡ اِلَیۡهِمۡ رَجُلاً مِحۡرَبًا وَاحۡفِزۡ مَعَهُ اَهۡلَ الۡبَلَآءِ وَالنَّصِیۡحَةِ ؛	7	چنانچہ خود جانے کے بجائے ایسے شخص کو کمانڈر بنا کر بھیج جس نے لڑائیاں دیکھی ہوں اور میدان میں جم کر لڑے اور اس کے ساتھ ایسے لوگوں کو روانہ کر جو بلاؤں کا مقابلہ کرسکیں اور ہدایت پر عمل پیرا ہوں۔
فَاِنۡ اَظۡهَرَ اللّٰهُ فَذَاکَ مَاتُحِبُّ ؛	8	اگر اللہ نے ان کو غلبہ دیا تو تو بھی یہی چاہتا ہے۔
وَاِنۡ تَکُنِ الۡاُخۡرٰی کُنۡتَ رِدۡءً لِلنَّاسِ وَمَثَابَةً لِلۡمُسۡلِمِیۡنَ ؛	9	اور اگر شکست ہو جائے تو تو لوگوں کیلئے سہارا اور بدلہ پانے کی جگہ ہوگا۔

تشریحات:

یہ خطبہ قریش کی تیار کردہ تاریخ کے ایک واقعہ کو سامنے لاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ قریش کے دوسرے خلیفہ عمر رومیوں سے جنگ کرنے کے لئے خود فوج کے سردار کی حیثیت سے جانے کے لئے حضرت علی علیہ السلام سے مشورہ لینے آئے تھے۔ چنانچہ اس خطبے میں عمر کو مشورہ دیا گیا ہے اور جو کچھ اُس سے کہا گیا ہے اُس میں پہلی بات یہ ہے کہ اللہ اسلام کے حقیقی پیروں کو غالب رکھے گا اور اُن کی سرحدوں کی بے پردگی نہ ہونے دیگا۔ چنانچہ قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ:

2۔ <u>اللہ نے دینِ اسلام کے پیروؤں کو غالب رکھنے کی ذمہ داری لے رکھی ہے۔</u>

وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ رُسُلًا اِلٰی قَوۡمِهِمۡ فَجَآءُوۡهُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ فَانۡتَقَمۡنَا مِنَ الَّذِیۡنَ اَجۡرَمُوۡا وَکَانَ حَقًّا عَلَیۡنَا نَصۡرُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَO (روم 30/47)

''اور یقیناً ہم نے آپؐ سے پہلے بھی رسولوںؑ کو اُن کی قوموں کی طرف بھیجا تھا اور وہ رسولؑ اپنی اپنی قوم کے پاس بولتی ہوئی دلیلوں کے ساتھ آئے تھے۔ چنانچہ ہم نے اُن لوگوں سے انتقام لیا تھا جنھوں نے جرم کئے اور ہمارے اُوپر یہ حق تھا کہ ہم مومنین کی نصرت کریں۔''

قرآن میں طرح طرح ایسے وعدے کئے گئے ہیں۔ عمر کو یہ وعدہ یاد دلانے کا سبب یہ ہوسکتا ہے کہ اُسے یہ وعدے یاد نہ ہوں یا معلوم نہ ہوں یا یہ کہ اُسے یہ یقین ہو کہ وہ اور اُس کے ساتھ جانے والے لوگ اُن وعدوں کے حقدار نہیں یعنی وہ مومن نہیں ہیں اور اللہ پر توکل بھی نہیں کرتے ہیں۔

چنانچہ حضرت علیؑ عمر کو یہ بھی یاد دلاتے ہیں کہ وہ اللہ ابھی زندہ ہے اور کبھی نہ مرے گا (4) جس نے مومنین کی مدد ایسی حالت میں بھی کی تھی جب کہ وہ قلت میں تھے اور کسی کے ظلم وستم کا بدلا لینے کے قابل بھی نہ تھے (3-2)۔ اور یہ بات بھی قرآن میں ریکارڈ کردی گئی ہے۔

وَاذۡکُرُوۡۤا اِذۡ اَنۡتُمۡ قَلِیۡلٌ مُّسۡتَضۡعَفُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ تَخَافُوۡنَ اَنۡ یَّتَخَطَّفَکُمُ النَّاسُ فَاٰوٰکُمۡ وَاَیَّدَکُمۡ بِنَصۡرِهٖ وَرَزَقَکُمۡ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ Oیٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَخُوۡنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ وَتَخُوۡنُوۡۤا اَمٰنٰتِکُمۡ وَاَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ Oوَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَاۤ اَمۡوَالُکُمۡ وَاَوۡلَادُکُمۡ فِتۡنَةٌ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنۡدَهٗۤ اَجۡرٌ عَظِیۡمٌO (انفال 28-8/26)

<u>مودودی ترجمہ:</u> ''یاد کرو وہ وقت جب کہ تم تھوڑے تھے۔ زمین میں تم کو بے زور سمجھا جاتا تھا۔ تم ڈرتے رہتے تھے۔ کہ کہیں لوگ تمہیں مٹا نہ دیں۔ پھر اللہ نے تمہیں جائے پناہ مہیا کردی اور اپنی مدد سے تمہارے ہاتھ مضبوط کئے اور تمہیں اچھا رزق پہنچایا شاید کہ تم شکر گزار

بنو۔اَے ایمان لانے والو جانتے بوجھتے اللہ اور اُس کے رسولؐ کے ساتھ خیانت نہ کرو۔اپنی امانتوں میں غداری کے مرتکب نہ ہو اور جان رکھو کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولا دحقیقت میں سامانِ آزمائش فتنہ ہے اور اللہ کے پاس اجر دینے کے لئے بہت کچھ ہے۔اَے ایمان لانے والو اگر تم خدا ترسی اختیار کرو گے تو اللہ تمہارے لئے کسوٹی بہم پہنچادے گا۔اور تمہاری برائیوں کو تم سے دُور کردے گا۔اور تمہارے قصور معاف کردے گا۔اللہ بڑا فضل فرمانے والا ہے''(26 تا 29/8)(تفہیم جلد 2 صفحہ 138 تا 140)

اِن آیات کو یاد دلانے سے حضرت علی علیہ السلام کی بات (2 تا 4) تو قرآن سے بھی ثابت ہوگئی مگر عمر کو یقین آنے اور اللہ پر بھروسہ کرنے کے بجائے اپنے اور اپنی قوم کے وہ اعمال یاد آگئے جو ایمان کے مخالف تھے۔انہیں اپنی خیانت کاریاں بھی یاد آگئیں اور سپردہ امانتوں میں غداریاں بھی سامنے پھر گئیں۔اپنے اموال واولاد کے لئے جو جرائم کئے تھے انہوں نے بھی یاد آنا تھا۔الغرض اپنی تمام برائیاں اور قصور سامنے آکر کھڑے ہوگئے۔اس سلسلے میں مودودی کے تشریحات مزید روشنی ڈالتی ہیں۔اُنہوں نے لکھا ہے کہ:

3۔ مودودی عمر اور قریش کے لئے چندر یمارکس دیتے ہیں ناشکری، اخلاص وایمان کی نفی، توکّل کا فقدان۔

''21ے یہاں شکر گزاری کا لفظ غور کے قابل ہے۔اوپر کے سلسلہ تقریر (آیات 26 تا 29/8) کو نظر میں رکھا جائے تو صاف ظاہر ہوجاتا ہے کہ اس موقع پر شکر گزاری کا مفہوم صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ لوگ اللہ کے اس احسان کو مانیں کہ اُس نے اُس کمزوری کی حالت سے اُنہیں نکالا اور مکہ کی پرُخطر زندگی سے بچا کر امن کی جگہ لے آیا جہاں طیبات رزق میسر ہورہے ہیں۔بلکہ اس کے ساتھ یہ بات بھی اُسی شکر گزاری کے مفہوم میں داخل ہے کہ مسلمان اُس خدا کی اور اُس کے رسولؐ کی اطاعت کریں جس نے یہ احسانات اُن پر کئے ہیں اور رسولؐ کے مشن میں اخلاص وجاں نثاری کے ساتھ کام کریں۔اور اس کام میں جو خطرات ومہالک اور مصائب پیش آئیں اُن کا مردانہ وار مقابلہ اُسی خدا کے بھروسہ پر کرتے چلے جائیں جس نے اس سے پہلے اُن کو خطرات سے باعافیت نکالا ہے اور یقین رکھیں کہ جب وہ خدا کا کام اخلاص سے کریں گے تو خدا ضرور اُن کا وکیل وکفیل ہوگا۔پس شکر گزاری محض اعترافی نوعیت ہی کی نہیں بلکہ عملی نوعیت کی مطلوب ہے۔احسان کا اعتراف کرنے کے باوجود محسن کی رضاجوئی کیلئے سعی نہ کرنا اور اُس کی خدمت میں مخلص نہ ہونا اور اُس کے بارے میں یہ شک رکھنا کہ نہ معلوم آئندہ بھی وہ احسان کرے گا یا نہیں ہرگز شکر گزاری نہیں ہے بلکہ اُلٹی ناشکری ہے۔''(تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 139)

4۔ عمر اور قریش کو عملاً معلوم تھا کہ نام نہاد مسلمانوں کی جنگی طاقت برابر کمزور ہوتی چلی آرہی ہے۔

معاملہ چونکہ دشمن سے جنگ کا تھا اور عمر کو معلوم تھا کہ اُن کی ناشکری اور احسان فراموشی کی بنا پر مدت پہلے سے اُن کی فوجی طاقت پانچ گنا کم کردی گئی ہے۔اور اللہ یہ اعلان کرچکا ہے کہ:۔

یٰـاَیُّھَـا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَی الْقِتَالِ اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ وَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ مِّائَۃٌ یَّغْلِبُوْآ اَلْفًا مِّنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاَنَّھُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَھُوْنَOاَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰہُ عَنْکُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِیْکُمْ ضَعْفًا فَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ مِّائَۃٌ صَابِرَۃٌ یَّغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ وَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ اَلْفٌ یَّغْلِبُوْآ اَلْفَیْنِ بِاِذْنِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَO۔(انفال 66-8/65)

مودودی ترجمہ ''اَے نبیؐ مومنوں کو جنگ پر اُبھارو۔اگر تم میں سے بیس (20) آدمی صابر ہوں تو وہ دوسو (200) پر غالب آئیں گے۔ اور اگر سو (100) آدمی ایسے ہوں تو منکرینِ حق میں سے ہزار (1000) آدمیوں پر غالب آئیں گے۔کیوں کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ

نہیں رکھتے۔اچھا اب اللہ نے تمہارے جنگی معیار میں کمی (تخفیف) کردی ہے۔اس لئے کہ اللہ کو معلوم ہو گیا ہے کہ تمہارے ایمان وصبر میں ضعف (کمزوری) آ گیا ہے۔لہذا اگر تم میں سے سو آدمی جم کر لڑنے والے ہوں گے تو وہ صرف دوسو پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے ایک ہزار آدمی ہوں گے تو وہ صرف دو ہزار آدمیوں پر غالب آسکیں گے اور یہ نتیجہ بھی اللہ کی اجازت سے نکلے گا ورنہ نہیں۔اور اللہ کی معیت تو صرف صبر کرنے والے حقیقی مومنین کو حاصل ہوتی ہے"(انفال 66-8/65)

قارئین نوٹ کریں کہ ہم نے آیت نمبر (8/66) کا ترجمہ خود کیا ہے اس لئے کہ مودودی نے حسب عادت ترجمہ میں قریش کی طرفداری کو کھل کر داخل کردیا ہے۔یعنی" خَفَّفَ اللّٰهُ عَنكُمْ " کا ترجمہ کیا ہے کہ"اب اللہ نے تمہارا بوجھ ہلکا کردیا ہے" یہ ترجمہ محض ایجاد بندہ ہے۔قریش عموماً اور عمر وابوبکر خصوصاً ہر جنگ سے بلاتکلف فرار کرتے رہے ہیں قرآن اور قریشی تاریخ اس فرار پر گواہ ہیں۔اور خود یہ خطبہ عمر کو میدان جنگ سے بھاگ جانے کی عادت یاد دلا رہا ہے(جملہ 5)اور کہتا ہے کہ لَيْسَ بَعْدَكَ مَرْجِعٌ يَرْجِعُوْنَ اِلَيْهِ ؛(جملہ 6) تیرے بھاگ جانے کے بعد بھاگتی ہوئی مسلمان فوج کے لئے پلٹنے کی کوئی ایسی منزل ہی نہ ہوگی جہاں پلٹ کر آجائیں۔اور یہی بات آخری جملے (جملہ 9) میں فرمائی ہے کہ تو اگر مرکز میں موجود ہوگا تو وہ بھاگنے والے تیرے پاس آکر ٹھکانہ پاسکیں گے۔اور یہی بات جملہ (جملہ 7) میں فرمائی ہے کہ کسی ایسے کو کمانڈر بنا کر بھیج جو تیری طرح بھاگنے والا نہ ہو بلکہ جم کر جنگ کرے اور جس نے میدان جنگ میں کارنامے دکھائے ہوں۔

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر:133

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 135

خُطبہ ﴿159﴾

قریش کے تیسرے خلیفہ کی طرف داری میں بولنے والے مغیرہ ابن اخنس کو حضرت علیؑ کا عثمان کے اور قریشی قوم کے سامنے جواب۔ایک ایسا شجرہ جس کی نہ جڑ تھیں نہ شاخیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یَا ابۡنَ اللَّعِیۡنِ الۡاَبۡتَرِ ؛	1	اے ملعون کے بیٹے جس کی نسل نہ چلے۔
وَالشَّجَرَةِ الَّتِیۡ لَا اَصۡلَ لَهَا وَلَا فَرۡعَ ؛	2	اے ایسے شجرے سے تعلق رکھنے والے کہ جس کی نہ جڑ ہے نہ شاخیں۔
اَنۡتَ تَکۡفِیۡنِیۡ فَوَاللّٰہِ مَا اَعَزَّ اللّٰہُ مَنۡ اَنۡتَ نَاصِرُهٗ ؛	3	کیا تو مجھ سے نبٹ سکتا ہے؟ جس شخص کا مددگار تُو ہوگا اسے اللہ ہرگز عزت نہ دے گا۔
وَلَا قَامَ مَنۡ اَنۡتَ مُنۡهِضُهٗ ؛	4	اور جسے تُو ابھارے وہ کبھی اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہوسکتا ہے۔
اُخۡرُجۡ عَنَّا اَبۡعَدَ اللّٰہُ نَوَاکَ ؛	5	ہمارے پاس سے نکل جا اللہ تجھے دور سے دور دفع کرے اور تیری منزل دور ہی رہے
ثُمَّ ابۡلُغۡ جُهۡدَکَ فَلَا اَبۡقَی اللّٰہُ عَلَیۡکَ اِنۡ اَبۡقَیۡتَ ؛	6	اور پھر جو کچھ تو کر سکے ضرور کر گزرنا اور مجھ پر بالکل رحم نہ کرنا خدا تجھ پر رحم نہ کرے''

تشریحات:

یہ مغیرہ بن اَخۡنَس بن شریق قریش کا عموماً اور عثمان کا خصوصاً دوست اور ہمدرد تھا۔اس کا باپ اخنس بن شریق فتح مکہ کے وقت ویسا ہی مسلمان ہو گیا تھا جیسے ابوسفیان اور اس کا خاندان اور دیگر مکہ والے لوگ مسلمان ہوگئے تھے۔اسلامی جنگوں میں جہاں بڑے بڑے نامی گرامی بہادر اور جنگجو حضرت علی علیہ السلام کی تلوار سے واصل جہنم ہوئے وہیں مغیرہ بن اخنس کا بھائی ابوالحکم بن اخنس بھی مارا گیا تھا۔لہٰذا مغیرہ کے دل میں حضرت علی علیہ السلام کی طرف سے یہ کینہ اور عناد چھپا ہوا تھا۔اس لئے ایک دن اس نے عثمان کی طرفداری میں کُھل کر حضرت علیؑ کو للکار دیا اور وہ کچھ سن لیا جو خطبہ میں آپ نے پڑھا۔وہ حضرت علیؑ کے سامنے تو موت کے خوف سے کچھ نہ بولا۔مگر ان کے خلاف برابر پروپیگنڈا کرتا رہا۔اور آخر وقت تک عثمان کی حمایت میں مصروف رہا۔اور جب عثمان پر حملہ ہوا تو یہ دفاع کرتا ہوا مارا گیا تھا۔(طبری،خلافت راشدہ ،حصہ سوم،ترجمہ صفحہ 500-502)شجرہ تو سارے قریش کا ایسا ہی تھا جس میں حرام وحلال کا اور جڑ اور بنیاد کا پتہ نہ چلتا تھا۔

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر: 134

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 136

خُطبہ ﴿160﴾

1۔ قریشی لیڈروں نے حضرت علیؑ کی بیعت کو بھی فِلْتَةً یعنی اچانک قرار دینے کی کوشش کی تھی۔

2۔ حضرت علیؑ کا چیلنج کہ میں ظالم کی ناک میں نکیل ڈال کر سرچشمہ حق تک لے جاؤں گا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

لَمْ تَكُنْ بَيْعَتُكُمْ إِيَّايَ فَلْتَةً وَلَيْسَ أَمْرِيْ وَأَمْرُكُمْ وَاحِدًا ؛	1	تمہارا میری بیعت کرنا ابوبکر کی طرح فلتۃً نہیں کہلا سکتا ہے اور نہ ہی میرا اور تمہارا عمل درآمد یکساں اور ہم مقصد ہے۔
إِنِّيْ أُرِيْدُكُمْ لِلّٰهِ؛ وَأَنْتُمْ تُرِيْدُوْنَنِيْ لِأَنْفُسِكُمْ ؛	2	میں نے تمہاری حکومت اللہ کی رضا حاصل کرنے کو قبول کی ہے اور تم نے اپنی ذاتی اغراض کے لئے میری حکومت قبول کی ہے۔
أَيُّهَا النَّاسُ أَعِيْنُوْنِيْ عَلٰى أَنْفُسِكُمْ ؛	3	اے لوگو خود اپنی مصلحتوں اور خواہشوں پر چلنے کے بجائے میری اعانت کرو۔
وَايْمُ اللّٰهِ لَأُنْصِفَنَّ الْمَظْلُوْمَ مِنْ ظَالِمِهٖ ؛	4	خدا نے چاہا تو میں ہر مظلوم کا ظلم کرنے والوں سے انصاف کرا کے چھوڑوں گا یعنی بدلہ لوں گا۔
وَلَأَقُوْدَنَّ الظَّالِمَ بِخِزَامَتِهٖ حَتّٰى أُوْرِدَهٗ مَنْهَلَ الْحَقِّ وَإِنْ كَانَ كَارِهًا ؛	5	اور ضرور بالضرور ظالم کی ناک میں نکیل ڈال کر اسے کھینچتا ہوا سرچشمہ حق پر لاؤں گا۔ خواہ اسے یہ سب کچھ ناگوار ہی کیوں نہ گزرے۔

تشریحات:

قریش نے اپنے افسانوں اور تاریخ میں لوگوں کو یہ تاثر دیا ہے کہ وفات رسولؐ کے بعد انصار نے خلافت کا تنازعہ کھڑا کیا تو ابوبکر وعمر نے وہاں جا کر اُس جھگڑے کو ختم کرنے کی کوشش کی اور اچانک ابوبکر کو خلافت کی بیعت لینا پڑ گئی تھی۔ یعنی اُنہوں نے یا قریش نے پہلے سے خلافت حاصل کرنے کا منصوبہ نہ بنا رکھا تھا حالانکہ خود عمر نے عبداللہ بن عباس کو بتایا تھا کہ قریش نے پہلے سے یہ فیصلہ کر رکھا تھا کہ خلافت کو رسولؐ کے خاندان میں ہرگز نہ رہنے دیں گے۔

علامہ شبلی نے الفاروق حصہ اول (صفحہ 104-103) میں اور طبری نے (حصہ سوم صفحہ 279 تا 283) میں باقاعدہ یہ مکالمہ لکھا ہے اور پتہ چلتا ہے کہ دعوت ذی العشیرہ کے بعد بہت جلد قریش نے یہ اسکیم بنائی تھی۔ البتہ یہ مانا جاسکتا ہے کہ اسکیم میں ابوبکر کو پہلے نمبر پر رکھنا اچانک پیش آ گیا ہوگا (فرقان 27 تا 25/29) یعنی عمر نے ابوبکر کو نشانہ بنانے اور اُسے آلہ کار کی حیثیت سے استعمال کرنا پہلے سے طے نہ کیا ہو اور یہ خیال انہیں سقیفہ ہی میں اچانک آ گیا ہو۔

2۔ حضرت علیؑ سے بیعت فلتۃً نہیں سوچ سمجھ کر اور منت سماجت سے کی گئی تھی۔

لیکن حضرت علیؑ کی بیعت کو اچانک کہنا کوئی بھی تسلیم نہ کرے گا اُنہیں تو خود قریشی بیانات میں بھی خلافت کے لئے موزوں اور حقدار سمجھا جاتا رہا ہے۔اور یہ بات خود علامہ مودودی سے سنئے وہ لکھتے ہیں کہ:

''یہ فطری امر تھا کہ لوگ خلافت کے لئے اُن ہی کی طرف رجوع کرتے صرف مدینہ ہی میں نہیں پوری دنیائے اسلام میں دوسرا کوئی شخص ایسا نہ تھا جس کی طرف اس غرض کے لئے مسلمانوں کی نگاہیں اُٹھتیں۔حتیٰ کہ آج کے رائج طریقوں کے مطابق بھی کوئی انتخاب کرایا جاتا تو لازماً عظیم اکثریت کے ووٹ اُن ہی کو حاصل ہوتے چنانچہ تمام معتبر روایتوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اور دوسرے اہل مدینہ اُن کے پاس گئے اور اُن سے کہا کہ یہ نظام کسی امیر کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔لوگوں کے لئے ایک امام کا وجود ناگزیر ہے اور آج آپ کے سوا ہم کوئی ایسا شخص نہیں پاتے جو اس منصب کے لئے آپ سے زیادہ مستحق ہو نہ سابق خدمات کے اعتبار سے اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرب کے اعتبار سے'' اُنہوں نے انکار کیا اور لوگ اصرار کرتے رہے آخر کار انہوں نے کہا ''میری بیعت گھر بیٹھے خفیہ طریقے سے نہیں ہوسکتی۔عام مسلمانوں کی رضا کے بغیر ایسا ہونا ممکن نہیں ہے'' پھر مسجد نبویؐ میں اجتماع عام ہوا اور تمام مہاجرین وانصار نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کی۔'' (کتاب خلافت وملوکیت صفحہ 122-121)

اس عملی اور مسلمہ صورت حال میں حضرت علی علیہ السلام کی بیعت کو فلتۃً یا اچانک کہنا قریش کی وہ سازش تھی جس سے وہ آئندہ حضرت علی علیہ السلام کی قائم شدہ حکومت کو گرانے اور کمزور کرنے کے لئے اقدام کرسکیں۔لہذا عائشہ،طلحہ اور زبیر اور معاویہ سے جنگیں اسی سازش کے لئے برسرِ کار آئی تھیں۔

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 136

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 138

خُطبہ ﴿161﴾

حضرت قائمِ قیامتؑ اعلانِ حکومت کرتے ہی نظام اجتہادومشاورت کا ستیاناس کردیں گے

1۔تمام حکمرانوں سے مواخذہ۔2۔زمین کی کنجیاں اورخزانے و ذخیرے حاضر۔3۔حق وعدالت کا صحیح دور دورہ۔ 4۔ایک اورزبردست وقاہر شخص کے حملوں کی بات بھی کی ہے جوسروں کا فرش بچھائے گا۔5۔عربوں کی عقلوں کو واپس لا کرٹھکانے لگادیا جائے گا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡم

یَعْطِفُ الْهَوٰی عَلَی الْهُدٰی اِذَاعَطَفُوا الْهُدٰی عَلَی الْهَوٰی ؛	1	مجتہدانہ رویہ کو ھادیانہ رویہ پر واپس کردے گا جب کہ انہوں نے ھادیانہ عمل درآمد کواجتہاد سے بدلا ہوا ہوگا۔
وَیَعْطِفُ الرَّأْیَ عَلَی الْقُرْاٰنِ اِذَاعَطَفُوا الْقُرْاٰنَ عَلَی الرَّأْیِ ؛	2	اورذاتی وقومی رائے کوقرآن کے ماتحت کردے گا جب کہ انہوں نے قرآن کو ذاتی وقومی واجماعی رائے کے ماتحت کررکھا ہوگا۔
حَتّٰی تَقُوْمَ الْحَرْبُ بِکُمْ عَلٰی سَاقٍ بَادِیًا نَوَاجِذُھَا؛	3	یہاں تک نوبت آجائے گی کہ جنگ اپنی پنڈلیوں پرجم کراس طرح کھڑی ہو جائے گی کہ وہ اپنے دانت پوری طرح نکالے ہوئے ہوگی۔
مَمْلُوْئَۃً اَخْلَافُھَا ؛حُلْوًا رَضَاعُھَا ؛عَلْقَمًا عَاقِبَتُھَا ؛	4	اور پوسی ہوئی ہوگی یعنی اپنے تھن دودھ سے بھرے ہوئے ہوگی۔دودھ پینے میں میٹھا اورمزے دار ہوگا لیکن پی چکنے والوں کے لئے انجام کار برا ہوگا۔
اَ لَا وَفِیْ غَدٍ .وَّسَیَاتِیْ غَدٌ بِمَالَا تَعْرِفُوْنَ .یَاْخُذُ الْوَالِیْ مِنْ غَیْرِھَا عُمَّالَھَا عَلٰی مَسَاوِیْ اَعْمَالِھَا ؛	5	ہاں کل سے خبردار رہواوروہ خاص ''کل'' جلد ہی آنے والی ہے جسے تم پہچانتے نہیں ہو۔ایک والی وحاکم جوعام حاکموں اور والیوں میں سے نہ ہوگا وہ تمام حاکموں سے ان کی بدکرداری کی وجہ سے بازپرس اور مواخذہ کرے گا۔
وَتُخْرِجُ لَهُ الْاَرْضُ اَفَالِیْذَ کَبِدِھَا ؛	6	اورزمین اپنے تمام خزانے نکال کراس کے سامنے رکھ دے گی۔
وَتُلْقِیْ اِلَیْهِ سِلْمًا مَّقَالِیْدَھَا ؛	7	اوراطاعت شعاری کیساتھ اپنی تمام کنجیاں اور راز اسکے سامنے رکھ دے گی۔
فَیُرِیْکُمْ کَیْفَ عَدْلُ السِّیْرَۃِ ؛	8	اوروہی تمہیں دکھائے گا کہ حق وعدل کی روش کسے کہتے ہیں؟
وَیُحْیِیْ مَیِّتَ الْکِتَابِ وَالسُّنَّۃِ ؛	9	اوروہی موت کے گھاٹ اتاری ہوئی سنت اور کتاب کواز سرنو زندگی دے گا۔

كَانِّىْ بِهِ قَدْ نَعَقَ بِالشَّامِ ؛	10	اور گویا میں ایک باطل حملہ آور کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ شام میں کائیں کر رہا ہے۔
فَحصَ بِرَايَاتِهِ فِىْ ضَوَاحِىْ كُوْفَانَ ؛	11	اور کوفہ کے گرد ونواح میں اپنے پرچموں کو جگہ جگہ قائم کر رہا ہے۔
فَعَطَفَ اِلَيْهَا عَطْفَ الضَّرُوْسِ ؛	12	اور کٹ کھنی اونٹنی کی طرح کاٹ کھانے کے لئے کوفہ پر جھکا ہوا ہے۔
وَفَرَشَ الْاَرْضَ بِالرُّؤُسِ ؛	13	اور لوگوں کے سر کاٹ کر زمین پر سروں کا فرش بچھا دیا ہے۔
قَدْ فَغَرَتْ فَاغِرَتُهُ ؛	14	یقیناً اس کا جبڑا کھلنے کی حد تک پورا کھل چکا ہے۔
وَثَقُلَتْ فِى الْاَرْضِ وَطْاَتُهُ ؛ بَعِيْدَ الْجَوْلَةِ ، عَظِيْمَ الصَّوْلَةِ ؛	15	زمین پر اس کی پامالی سخت ہو چکی ہے دور دراز تک اس کے حملوں کی جولانیاں پھیل چکی ہیں اس کا عظیم الشان دبدبہ پھیل چکا ہے۔
وَاللّٰهِ لَيُشَرِّدَنَّكُمْ فِىْ اَطْرَافِ الْاَرْضِ حَتّٰى لَايَبْقٰى مِنْكُمْ اِلَّاقَلِيْلٌ كَالْكُحْلِ فِى الْعَيْنِ ؛	16	بخدا وہ تمہیں ساری دنیا کے طول وعرض میں مار مار کر بکھیر دے گا یہاں تک کہ تم میں سے اتنے کم تعداد میں لوگ رہ جائیں گے جیسے آنکھوں میں سرمہ ہوتا ہے۔
فَلَاتَزَالُوْنَ كَذٰلِكَ حَتّٰى تَؤُوْبَ اِلَى الْعَرَبِ عَوَازِبُ اَحْلَامِهَا ؛	17	تم اسی حیرانی وتباہی کے عالم میں رہتے چلے جاؤ گے یہاں تک کہ عربوں کی عقلیں مار کھاتے کھاتے ٹھیک جگہ واپس آجائیں۔
فَالْزَمُوا السُّنَنَ الْقَائِمَةَ ؛	18	تم قائم رہنے والی سنتوں کو اپنی زندگی میں لازمی قرار دے لو۔
وَالْاٰثَارَ الْبَيِّنَةَ ؛	19	اور منہ بولتے دینی آثار اور ریکارڈ کے مطابق روش اختیار کرلو۔
وَالْعَهْدَ الْقَرِيْبَ الَّذِىْ عَلَيْهِ بَاقِى النُّبُوَّةِ ؛	20	جو ماضی قریب میں تم سے عہد لیا گیا تھا کہ جس پر نبوت باقی ہے اس پر قائم ہو جاؤ۔
وَاعْلَمُوْا اَنَّ الشَّيْطَانَ اِنَّمَا يُسَنِّىْ لَكُمْ طُرُقَهُ لِتَتَّبِعُوْا عَقِبَهُ ؛	21	اور یہ نوٹ کرلو کہ ایک خاص شیطان تمہارے لئے نت نئے قوانین اور سنتیں ایجاد کر کے اتباع کرانے اور اپنے پیچھے چلانے کی مہم چلا رہا ہے۔''

تشریحات:

اِس خطبہ کی تشریح میں ہم سب سے پہلے علامہ رئیس احمد نے جو کچھ لکھا ہے وہ دکھاتے ہیں۔ پہلی بات یہ کہ اُن کے ترجمہ میں اِس خطبے کا نمبر 161 ہے اور نام انہوں نے ''امام منتظر'' رکھا ہے۔ جب کہ شیعہ مترجمین نے بھی یہ نام نہیں رکھا۔ پھر اُنہوں نے خطبے کے تعارف میں لکھا ہے کہ ''اِس خطبے میں بتایا ہے کہ وہ کون سے حالات ہوں گے جب امام منتظر کا ظہور ہوگا اور وہ ظاہر ہو کر کس طرح کے کارنمایاں انجام دیں گے''

(جلد اول صفحہ 968-967)

پھر اُنہوں نے اسی خطبے کے آخری حصے کو الگ خطبہ سمجھ کر اُسے 162 نمبر دیا ہے اور اُس کا نام ''آنے والا فتنہ'' رکھا ہے اور اُس کے آخر میں یہ نوٹ دیا ہے:

نوٹ۔''اس خطبے کے بارے میں اکثر شراح کا یہ خیال ہے کہ اس میں عبدالملک ابن مروان کے عہد فتن وخون ریزی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ یہی شخص ہے کہ جب منصبِ خلافت پر قابض ہوا تو شام سے لشکر لے کر کوفہ کی طرف چلا تا کہ مصعب ابن زبیر سے جنگ کرے جنہوں نے مختار ابن عبیدہ ثقفی کو قتل کر دیا تھا۔اس جنگ میں مصعب ہلاک ہوئے اور کوفے کے لوگوں نے عبدالملک کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ پھر اُس نے حجاج بن یوسف ثقفی کو عبداللہ ابن زبیر سے جنگ کرنے کے لئے مکہ روانہ کیا۔حجاج نے مکہ میں عبداللہ ابن زبیر کو بے دردی کے ساتھ قابو پا کر قتل کر دیا اور منجنیق سے پتھر برسا کر خانہ کعبہ تک کی بے حرمتی سے دریغ نہیں کیا۔اس جنگ میں اس نے بہت سے مسلمانوں کو ہلاک کیا اور مسلمانان حجاز پر تسلط حاصل کرنے کے بعد اُس کے ظلم کی چکی تیزی کے ساتھ چلنے لگی۔اُس نے صحابہ کرام تک کے ساتھ گستاخیاں کیں۔اُن کی توہین کی ان پر ظلم کئے اُنہیں اپنے جبر وجور کے شکنجے میں کس دیا۔حجاج کی ستمگری تاریخ کا ایسا معروف و مسلم واقعہ ہے کہ جس پر تفصیل سے گفتگو کی ضرورت نہیں۔ اس خطبے میں امیر المومنینؑ نے اس عہد فتن کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور مسلمانوں کو خبردار کیا ہے کہ وہ راہ حق سے روگرداں نہ ہوں کتاب وسنت پر استوار رہیں جانشین رسولؐ کی صدق دل سے پیروی اور اطاعت کریں تا کہ اُن کی دُنیا بھی سدھر جائے اور عاقبت بھی خراب نہ ہو۔اور کوئی شبہ نہیں کہ اس خطبے میں آپؑ نے جن حوادث اور فتن کی طرف اشارہ کیا ہے وہ بعد میں اُسی طرح واقع ہوئے جس طرح آپ نے خبر دی تھی۔''(جلد اول صفحہ 974-973)

<u>اس کے بعد ہم نے وہیں اپنا نوٹ لکھا ہے کہ:</u>

''یہ دن نصیب نہ ہوتے اگر حضرت علی علیہ السلام کی اطاعت ونصرت کر کے اُن کے مقاصد کو پورا کرتے۔مگر اہل مکہ ومدینہ نے بڑی جرأت سے اُن کی بات ٹھکرا دی تھی۔ چنانچہ اسی کی سزا تھی جو ملی اور ملتی چلی جا رہی ہے''۔

رئیس احمد جعفری ہی کی نقل مفتی جعفر نے کی ہے۔اور علامہ علی نقی طہرانی فیض الاسلام نے بھی باقر مجلسی کے حوالے سے وہ کچھ لکھا ہے۔

<u>2۔حضرت حجۃؑ قائم قیامت پر سب نے اتفاق کیا ہے حضرت علیؑ کی زبان سے بار بار نظام اجتہاد کی مذمت ہوتی رہی ہے۔</u>

یہ خطبہ صاف اور سادہ الفاظ میں بتاتا ہے کہ قریشی خلفا نے قرآن کو اپنی ذاتی قومی اور ملکی مصلحتوں کے ماتحت کر لیا تھا اور اپنی رائے کو قرآن کی آیات پر ترجیح دیتے تھے(جملے 2-1)۔یہاں یہ بھی واضح ہو گیا کہ حضرت حجۃ علیہ السلام کے ظہور تک مسلمان برابر نظام اجتہاد ومشاورت پر کاربند رہیں گے اور حضورؑ اس نظام کو تبدیل کریں گے اور از سرنو کتاب وسنت اور عدل پر کارِ جہان کو قائم کریں گے۔اور تمام حکمرانوں سے باز پرس کریں گے اور انہیں اُن کی بدکرداری پر سزا دیں گے۔ چونکہ امام آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد ہی میں رجعت واقع ہو گی اور آپؑ تمام محروم الجزا لوگوں کو جزا دیں گے اور تمام سزا سے بچ نکلنے والوں کو عذاب وسزا میں مبتلا کریں گے۔لہٰذا تمام حکمران اپنی اپنی سزا بھگتیں گے۔اور ساتھ ہی حضورؑ کے زمانے میں نوع انسان انتہائی ترقی کرے گی اور اُن کے لئے وہ تمام خزانے اور دفینے درکار ہوں گے جو زمین کے سینے میں مدفون ہیں۔ وہ سب نکال کر انسانوں کی ضرورت کیلئے استعمال کئے جائیں گے(جملے 5 تا 9) قرآن کریم بھی اس کی تصدیق کرتا ہے کہ زمین اپنے تمام اثقال باہر نکال دے گی(99/2)۔

3۔ ظہور حضرت قائمؑ قیامت اور رجعت کی تفاصیل خطبہ نمبر 28 کی شرح میں دیکھیں

ظہور حضرت حجۃ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تفصیلات اور رجعت کا ثبوت اور حالات ہماری تفسیر اور خطبہ نمبر 28 میں ملاحظہ فرمائیں۔ بہر حال ہم عبدالملک بن مروان کو وہ شخص نہیں سمجھتے چونکہ علی علیہ السلام نے اس سلسلے میں پوری دُنیا کا ذکر کیا ہے اور ساری دُنیا میں عربوں کو بکھیر دینے کی بات کی ہے اور پوری دُنیا پر اُس کے دبدبے کا قائم ہو جانا فرمایا ہے (16-13) اور عربوں کی عقلوں کا واپس آنا تو یقیناً رجعت ہی میں ہو سکتا ہے۔ اس سے پہلے ان کی عقلیں ٹھکانے پر نہیں آسکتیں۔

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر:137

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 139

خُطبہ ﴿162﴾

خلافت حاصل کرنے کے لئے کچھ صحابہ گمراہ لوگوں کے امام بن کر تیغ بکف میدان میں آئیں گے اور اللہ کے تمام عہد و پیمان کو توڑ ڈالیں گے۔ سب سے پہلے اسلام کی دعوت دینے والا، بھائی چارہ قائم کرنے والا، احسان و سخاوت سے پیش آنے والا نائبِ خداوندی بھی ہوسکتا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

لَمۡ يُسۡرِعۡ اَحَدٌ قَبۡلِىۡ اِلٰى دَعۡوَةِ حَقٍّ ؛ وَصِلَةِ رَحِمٍ ؛ وَعَائِدَةِ كَرَمٍ ؛فَاسۡمَعُوۡا قَوۡلِىۡ وَعُوۡا مَنۡطِقِىۡ ؛	1	مجھ سے پہلے کسی نے دعوت حق میں عجلت نہیں کی۔ نہ کسی نے رحم کے ماتحت اعزاو اقرباء اور حقداروں سے اچھا سلوک جاری کیا اور نہ عمومی حیثیت سے احسان اور سخاوت کو اپنا شعار بنایا۔ لہٰذا تم لوگ میری بات سنو اور میری گفتگو کو محفوظ رکھو۔
عَسٰى اَنۡ تَـرَوۡا هٰـذَا الۡاَمۡـرَمِنۡ بَعۡدِ هٰذَاالۡيَوۡمِ تُنۡتَضٰى فِيۡهِ السُّيُوۡفُ ؛	2	تم جلد ہی یہ دیکھنے والے ہو کہ آج کے بعد ہی سے خلافت حاصل کرنے کے لئے لوگ تلواریں سونت کر نکل پڑیں گے۔
وَتُخَانُ فِيۡهِ الۡعُهُوۡدُ؛	3	اور اللہ کے عہد و پیمان کو توڑ ڈالیں گے۔
حَتّٰى يَكُـوۡنَ بَـعۡـضُـكُمۡ اَئِمَّةً لِاَهۡلِ الضَّلَالَةِ وَشِيۡعَةً لِاَهۡلِ الۡجَهَالَةِ ؛	4	بات یہاں تک جائے گی کہ تم میں سے بعض لوگ گمراہوں کے امام و لیڈر بن جائیں گے اور بعض لوگ جاہلوں کی بزرگی پھیلانے اور اشاعت کرنے لگیں گے۔

تشریحات: مترجمین وشارحین کا خیال ہے کہ یہ خطبہ شوریٰ کی کارروائی کے بعد دیا گیا تھا۔ لیکن خطبہ کے الفاظ اور جملے اُن کے خیال کی تائید نہیں کرتے۔ آپ کا یہ فرمانا کہ:

''تم جلد ہی یہ دیکھنے والے ہو کہ آج کے بعد ہی خلافت حاصل کرنے کے لئے لوگ تلواریں سونت کر نکل پڑیں گے'' (2) ''اور اللہ کے عہد و پیمان سب توڑ ڈالیں گے'' (3) یہ سب کچھ وقوع میں نہیں آیا اور عثمان سے کوئی خلافت چھین لینے کے لئے تلوار سونت کر نہیں نکلا، یہ سب کچھ تو حضرت علی علیہ السلام کی بیعت کے بعد واقع ہوا کہ پانچ سال تک مسلسل لوگ اُن کے مقابلے پر تیغ بکف رہے۔ حضورؐ کا مطلب یہ تھا کہ قریشی لیڈروں نے عوام سے ڈر کر آپؑ کی حکومت قبول کی ہے اُن میں آج ہی بغاوت کی کھچڑی پکنے لگے گی اور موقع ملتے ہی وہ لیڈر تیغ بکف میدان جنگ میں نکل آئیں گے۔ چنانچہ طلحہ و زبیر جاہلوں اور گمراہوں کے امام بن گئے (4) اور عائشہ زوجہ رسولؐ کو قیادت سونپ کر جنگ جمل چھیڑ دی۔ پھر معاویہ بن ابوسفیان میدان میں آ گئے۔

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر: 138

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 140

خُطبہ ﴿163﴾

1۔ گناہوں، خطاؤں اور بُھول چُوک سے محفوظ و معصوم حضرات پر لازم ہے کہ وہ گناہگاروں اور خطا کاروں پر رحم کرتے رہیں۔ 2۔ لوگوں کے گناہوں کو اُچھالنے کی دلنشین اور پسندیدہ انداز میں ممانعت فرمائی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَاِنَّمَا يَنۡبَغِىۡ لِاَهۡلِ الۡعِصۡمَةِ وَالۡمَصۡنُوۡعِ اِلَيۡهِمۡ فِى السَّلَامَةِ اَنۡ يَّرۡحَمُوۡا اَهۡلَ الذُّنُوۡبِ وَالۡمَعۡصِيَةِ ؛	1	اور جن لوگوں کیلئے پوری سلامتی پیدا کی گئی ہے اور جو اسی کاریگری کی بنا پر ہر غلط خیال و عمل سے مبرا و منزہ ہیں چاہیئے کہ وہ ان لوگوں پر رحم کیا کریں جو سلامتی و عصمت کی ضمانت نہ ہونے کی وجہ سے گناہ اور نافرمانی کرتے رہتے ہیں۔
وَيَكُوۡنَ الشُّكۡرُ هُوَ الۡغَالِبَ عَلَيۡهِمۡ ؛	2	اور اہل عصمت و سلامتی پر اپنی مخصوص تخلیق کیلئے اللہ کا شکر کرتے رہنا غالب رہنا چاہیئے۔ (یعنی گناہگاروں پر رحم کرتے رہنا خدا کا شکر کرتے رہنا ہے)
وَالۡحَاجِزَ لَهُمۡ عَنۡهُمۡ ؛	3	اور رحم کے علاوہ انہیں دوسروں کے گناہ بیان کرنے سے بھی باز رہنا چاہیئے۔
فَكَيۡفَ بِالۡغَائِبِ الَّذِىۡ غَابَ اَخَاهُ ؛ وَعَيَّرَهُ بِبَلۡوَاهُ ؟	4	چنانچہ یہ کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ کوئی شخص اپنے بھائی کی عدم موجودگی میں اس کے کیئے ہوئے بُرے کام کی مذمت کر کے اُسے رسوا کرے۔
اَمَا ذَكَرَ مَوۡضِعَ سَتۡرِ اللّٰهِ عَلَيۡهِ مِنۡ ذُنُوۡبِهٖ مِمَّا هُوَ اَعۡظَمُ مِنَ الذَّنۡبِ الَّذِىۡ غَابَهُ بِهٖ ؛	5	ایسا غیبت کرنے والا شخص اللہ کی پردہ پوشی کو کیوں یاد نہیں کرتا جو اس کے گناہوں کے متعلق اللہ کرتا ہے جو کہ اس گناہ سے بڑے تھے جن کی وہ غیبت اور مذمت کر رہا ہے۔
وَكَيۡفَ يَذُمُّهُ بِذَنۡبٍ قَدۡ رَكِبَ مِثۡلَهُ ؛	6	اور وہ کس دل سے ایسے گناہوں کی مذمت کرتا ہے جن کے مانند گناہ وہ خود کرتا رہا ہے۔
فَاِنۡ لَّمۡ يَكُنۡ رَّكِبَ ذٰلِكَ الذَّنۡبَ بِعَيۡنِهٖ فَقَدۡ عَصَى اللّٰهَ فِيۡمَا سِوَاهُ مِمَّا هُوَ اَعۡظَمُ مِنۡهُ ؛	7	اور مذمت و غیبت کرنے والے شخص نے اگر ویسا گناہ نہ بھی کیا ہو تب بھی اس نے اللہ کی نافرمانیاں یقیناً کی ہیں جو کہ مذمت کیئے جانے والے گناہ سے کہیں بڑی تھیں۔
وَاَيۡمُ اللّٰهِ لَئِنۡ لَّمۡ يَكُنۡ عَصَاهُ فِى الۡكَبِيۡرِ	8	اور اگر اس نے بڑی نافرمانیوں میں سے کوئی نافرمانی بھی نہیں کی ہے اور صرف

وَعَصَاهُ فِی الصَّغِیْرِ لَجُرْاَتُهُ عَلٰی عَیْبِ النَّاسِ اَکْبَرُ ؛		چھوٹی چھوٹی نافرمانیاں کی ہیں تو بھی خدا کی قسم اُس کا لوگوں کے عیب بیان کرنے کی جرات کرنا بہت ہی بڑا گناہ ہے۔
یَاعَبْدَ اللّٰهِ لَاتَعْجَلْ فِیْ عَیْبِ اَحَدٍ بِذَنْبِهٖ فَلَعَلَّهٗ مَغْفُوْرٌ لَهٗ ؛	9	اے بندۂ خدا کسی پر گناہ کا عیب لگانے میں جلدی نہ کیا کر یہ ممکن ہے کہ اللہ نے اُس کے اس گناہ کو بخش رکھا ہو۔
وَلَاتَأْمَنْ عَلٰی نَفْسِکَ صَغِیْرَ مَعْصِیَةٍ فَلَعَلَّکَ مُعَذَّبٌ عَلَیْهِ ؛	10	اور اپنی چھوٹی چھوٹی نافرمانیوں کو چھوٹی سمجھ کر بے خوف نہ ہو جانا اسلئے کہ یہ ممکن ہے کہ تمہیں ان ہی چھوٹی نافرمانیوں کی سزا میں عذاب دیا جائے۔
فَلْیَکْفُفْ مَنْ عَلِمَ مِنْکُمْ عَیْبَ غَیْرِهٖ لِمَایَعْلَمُ مِنْ عَیْبِ نَفْسِهٖ ؛	11	لہٰذا تمہیں چاہئے کہ اپنے اپنے گناہوں سے واقفیت کی بنا پر دوسروں کے اُن گناہوں کی پردہ پوشی کیا کرو جو تمہیں کسی طرح معلوم ہو گئے ہیں۔
وَلْیَکُنِ الشُّکْرُ شَاغِلًا لَّهُ عَلٰی مُعَافَاتِهٖ مِمَّا ابْتُلِیَ بِهٖ غَیْرُهٗ ؛	12	اور ہونا یہ چاہئے کہ جن برائیوں اور گناہوں میں دوسرے لوگ مبتلا ہیں ان سے اپنے بچے رہنے کا شکر اُس شخص کو دوسروں کے گناہ بیان کرنے سے روکے رکھے''

تشریحات:

اِس خطبے میں حضورؑ نے دوسروں کی مذمت نہ کرنے اور گناہ بیان نہ کرنے پر اتنا زور دیا ہے کہ قارئین کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ آیا ابوبکر وعمر اینڈ کمپنی کی مذمت اور اُنکے گناہ بیان کئے جائیں یا نہیں؟ یہاں یہ اصول یاد رکھنا چاہئے کہ جو لوگ مسلمہ طور پر خدا اور رسولؐ کے دشمن تھے اُن کی مذمت اور گناہوں کے بیان کرنے سے نہیں روکا گیا ہے۔ہم اُن کے ذاتی گناہ بیان نہیں کرتے ہم تو اُن کی اُس بغاوت اور سرکشی اور گناہوں کو بیان کرتے ہیں جو اُنہوں نے اللہ محمدؐ و آئمہ معصومین علیہم السلام کے خلاف کئے ہیں۔اُن کو بیان کرنے سے مخلوقاتِ خدا کو گناہوں سے روکنا مقصود ہوتا ہے ورنہ لوگ انہیں بزرگ سمجھ کر اُن کی پیروی میں دن رات گناہ کریں گے اور ہر وہ شخص بھی اُن کے ساتھ ماخوذ ہوگا جس نے اُنہیں حقیقتِ حال نہ بتائی اور وہ مغالطے میں مبتلا رہے۔اُن کی مذمت کرنا واجب ہے تاکہ دوسروں کو محفوظ رکھا جائے اُن کی مذمت خود اللہ نے قرآن میں کی ہے (25/27-31)۔اُن کے تمام اعمال ضائع ہو جانے کی اطلاع دی گئی ہے البتہ اُن کی مذمت دل آزاری کے لئے نہ کرنا چاہئے ہدایت کے لئے کرنا چاہئے۔تمام قریش اور تمام قریشی لیڈر حق کو چھپاتے اور جھٹلاتے رہے (25/30-31، 6/66) اسلئے اُن پر لعنت کرنا واجب ہے۔اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ کُفَّارٌ اُولٰٓئِکَ عَلَیْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِکَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَO(2/161)

مودودی ترجمہ: ''جن لوگوں نے کفر کا رویہ اختیار کیا اور کفر کی ہی حالت میں جان دی اُن پر اللہ اور ملائکہ اور تمام انسانوں کی لعنت ہے'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 129) یہیں علامہ نے کفر کے اصلی معنی ''چھپانا'' کئے ہیں (صفحہ 129 حاشیہ نمبر 161)

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر: 139

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 141

خُطبہ ﴿164﴾

1۔ دینداروں کے خلاف افواہوں کا اثر نہ لینا۔ 2۔ سچ اور جھوٹ میں صرف چار اُنگل کا فاصلہ ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَیُّھَا النَّاسُ مَنۡ عَرَفَ مِنۡ اَخِیۡهِ وَثِیۡقَةَ دِیۡنٍ وَسَدَادَ طَرِیۡقٍ فَلَا یَسۡمَعَنَّ فِیۡهِ اَقَاوِیۡلَ الرِّجَالِ ؛	1	اے لوگو جو اپنے کسی دینی بھائی کے دین کی پختگی اور طریقہ کار کی خوبی واستواری پر مطلع ہے اسے لوگوں کی اس بکواس پر کان نہ دھرنا چاہئے جو وہ اس کے متعلق کرتے ہوں۔
اَمَا اِنَّهُ قَدۡ یَرۡمِی الرَّامِیۡ وَتُخۡطِئُ السِّهَامُ وَیُحِیۡکُ الۡکَلَامُ ؛وَبَاطِلُ ذٰلِکَ یَبُوۡرُ ؛ وَاللّٰهُ سَمِیۡعٌ وَّشَهِیۡدٌ ؛	2	کیا ایسا نہیں ہو جاتا کہ ایک تیر چلانے والا شخص ٹھیک نشانہ باندھ کر تیر مارتا ہے پھر بھی اس کا تیر خطا کر جاتا ہے اور اسی طرح منہ سے بات نکلنے میں غلطی سے ادھر ادھر ہوسکتی ہے حالانکہ ارادہ صحیح کیا گیا تھا اور جو کچھ اس میں باطل ہوتا ہے وہ خود بخود سمجھنے والوں کے لئے باطل ہو کر رہ جاتا ہے اور اللہ تو صحیح سننے والا اور حق وباطل پر چشم دید گواہ ہوتا ہے۔
اَمَا اِنَّهُ لَیۡسَ بَیۡنَ الۡحَقِّ وَالۡبَاطِلِ اِلَّا اَرۡبَعُ اَصَابِعَ ؛	3	یہ بھی سمجھ لو کہ حق اور باطل کے درمیان صرف چار اُنگل فاصلہ ہوا کرتا ہے۔
فَسُئِلَ عَلَیۡهِ السَّلَامُ عَنۡ مَعۡنٰی قَوۡلِهٖ هٰذَا ؛	4	علی علیہ السلام سے چار اُنگل والی بات کے معنی پوچھے گئے تو۔
فَجَمَعَ اَصَابِعَهُ وَ وَضَعَهَا بَیۡنَ اُذُنِهٖ وَعَیۡنِهٖ ؛	5	آپ نے اپنی انگلیوں کو جمع کر کے اپنے کان اور آنکھ کے درمیان رکھ دیا جو ٹھیک چار اُنگل تھا۔
ثُمَّ قَالَ :اَلۡبَاطِلُ اَنۡ تَقُوۡلَ " سَمِعۡتُ " وَالۡحَقُّ اَنۡ تَقُوۡلَ " رَاَیۡتُ "	6	پھر فرمایا کہ باطل اس میں ہوتا ہے جب تم یہ کہتے ہو کہ ''میں نے سنا'' اور حق اس میں ہوتا ہے جب تم یہ کہتے ہو کہ ''میں نے دیکھا''

تشریحات: اِس خطبے میں بھی مومنین کی طرف داری کی گئی ہے پچھلے خطبے میں عام مومنین کی پردہ پوشی پر زور دیا گیا تھا اور اب مومنین کے خلاف افواہوں کو بے اثر کرنے پر تقاضا فرمایا ہے اور دونوں خطبوں کے منشا اور الفاظ کو قارئین سو فیصد سمجھتے ہیں۔ اُن میں کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جس میں اُلجھن ہو اور مزید تشریح کی ضرورت ہو۔ پڑھیں اور عمل فرمائیں۔

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر: 140

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 142

خُطبہ ﴿165﴾

1۔اموال غیر مستحق پر خرچ کرنے کی خرابی اور نتیجہ۔2۔وہ مقامات جہاں مال و دولت خرچ کرنا چاہیئے۔

3۔کون سی زحمتیں اور تکلیفیں برداشت کرنا دنیا و آخرت میں مفید ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَلَيۡسَ لِوَاضِعِ الۡمَعۡرُوۡفِ فِيۡ غَيۡرِ حَقِّهٖ وَعِنۡدَ غَيۡرِ اَهۡلِهٖ مِنَ الۡحَظِّ فِيۡمَا اَتٰى اِلَّا مَحۡمَدَةَ اللِّئَامِ ؛وَثَنَاءُ الۡاَشۡرَارِ ؛وَمَقَالَةُ الۡجُهَّالِ مَادَامَ ؛مُنۡعِمًا عَلَيۡهِمۡ ؛	1	اور جو کوئی عالی پسندیدہ سلوک ایسے لوگوں کے ساتھ کرتا ہے جو اس سلوک کے حقدار نہ ہوں اور جو نااہل ہوں اسے اللہ کی طرف سے تو کوئی اجر نہیں ملتا البتہ وہ نااہل اور غیر مستحق لوگ اس شخص کی حمد وثنا کرتے رہتے ہیں اور ان کمینہ اور شر پسند اور جاہل لوگوں کی یہ مدح وثنا اسی وقت تک جاری رہتی ہے جب تک وہ دیتا رہتا ہے۔
مَا اَجۡوَدَ يَدَهٗ وَهُوَ عَنۡ ذَاتِ اللّٰهِ بَخِيۡلٌ ؛	2	کمینوں ،شریروں اور جاہلوں کے نزدیک اس کا ہاتھ کتنا ہی سخی کہلائے مگر وہ اللہ کے معاملے میں برابر بخیل ہے۔
فَمَنۡ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَلۡيَصِلۡ بِهِ الۡقَرَابَةَ ؛	3	چنانچہ جس کسی کو اللہ نے مال دیا ہو وہ اس مال سے مخصوص قربت رکھنے والوں کو فائدہ پہنچائے اور اس سے
وَلۡيُحۡسِنۡ مِنۡهُ الضِّيَافَةَ وَلۡيُفَكَّ بِهِ الۡاَسِيۡرَ وَالۡعَانِيۡ ؛	4	مہمان نوازی کرے اور قیدیوں کو قید سے اور خستہ حالوں کو تنگدستی سے رہائی دلائے۔
وَلۡيُعۡطِ مِنۡهُ الۡفَقِيۡرَ وَالۡغَارِمَ ؛	5	اور اس مال میں سے فقیروں اور قرض داروں کی مدد کرے۔
وَلۡيَصۡبِرۡ نَفۡسَهٗ عَلَى الۡحُقُوۡقِ وَالنَّوَائِبِ ابۡتِغَاءَ الثَّوَابِ ؛	6	اور اللہ سے ثواب حاصل کرنے کی خواہش میں اللہ کے عائد کردہ حقوق کی ادائیگی میں اپنی ذات پر مختلف دقتیں اور زحمتیں بھی برداشت کرتا رہے۔
فَاِنَّ فَوۡزًا بِهٰذِهِ الۡخِصَالِ شَرَفُ مَكَارِمِ الدُّنۡيَا ؛	7	چنانچہ اگر ان خصلتوں اور اعمال پر فائز ہوگیا تو دنیا کی بزرگیوں سے بھی فیضیاب ہوجائے گا۔
وَدَرۡكُ فَضَائِلِ الۡاٰخِرَةِ اِنۡشَاءَ اللّٰهُ ؛	8	اور آخرت کی فضیلتیں بھی انشاءاللہ حاصل ہوں گی۔

تشریحات:

اِس خطبے میں حضور علیہ السلام نے مصرف خیر کا ذکر فرمایا ہے۔اور بہت محتاط الفاظ میں اپنے مخاطبین کو متوجہ کیا ہے۔آپؑ نے حقداروں میں مقروض کو، فقیر کو، قیدی کو، خستہ حالوں کو، مہمان نوازی کو اور قرابتداروں کو شمار فرمایا ہے۔چونکہ آپؑ نے مسلم اور غیر مسلم کی شرط نہیں لگائی ہے۔ لہٰذا مصرفِ خیر کا دائرہ تمام مذاہب تک بلکہ پوری نوع انسان تک وسیع ہوجاتا ہے۔قرابتداروں سے عموماً اپنے عزیز واقربا سمجھا جاتا ہے۔اگر یہی سمجھ یہاں بھی استعمال کی جائے تو پھر مسلمانوں کے اقربا تو یقیناً مسلمان ہوں گے۔لیکن قرآن کریم کی رُو سے قرابتدار بھی ایک وسیع لفظ ہے۔یعنی آپ کی ازواج میں یہودی وعیسائی عورتیں بھی ہوسکتی ہیں (مائدہ 5/5) لہٰذا قرابت مسلمانوں سے نکل کر باہر آجاتی ہے اور دائرہ وسیع ہوجاتا ہے۔ لہٰذا آپ قرابت کے لفظ میں نہ اُلجھیں اور مصرفِ خیر کے دائرے کو پوری نوع انسان تک وسیع رکھتے ہوئے بات کریں۔ذرا سوچئے کہ صرف کراچی میں لاکھوں فقیر ہوں گے۔اگر ہم ہر فقیر کو ایک ایک پیسہ دے دیں تو ایک بڑا بینک بیلنس خرچ ہوجائے گا اور ایک پیسہ لینے والے فقیر کی کسی معاملے میں مدد نہ ہوگی۔لہٰذا اُس وسعت کو پہلا نمبر نہ دیجئے اسلئے کہ آپ کا پورا مال یا سرمایہ اُس وسعت کا سامنا نہیں کرسکتا۔لہٰذا پیچھے ہٹ جائیے اور اپنے مال کو پہلا نمبر دیجئے۔اور اُس کی وسعت کو ملحوظ رکھئے اور سوچئے کہ اُس سے کیا کچھ کیا جاسکتا ہے؟ پھر استقلال کو سامنے رکھئے یعنی آپ جس کی مدد کریں اُس میں استقلال کا خیال ضرور رکھیں۔چلتے پھرتے اچانک کسی کو کچھ دے دینا مرکزی اور تعمیری مدد نہیں کہلاتی ہے۔اور آپ نے جو کچھ بھی کرنا ہے وہ تعمیری ہونا چاہئے۔بات سمٹ کر یہاں آجاتی ہے کہ آپ اپنے مال یا سرمایہ پر کتنا مستقل بوجھ برداشت کرسکتے ہیں؟ مثلاً آپ ایک عورت کا جو کہ بیوہ ہے خرچ برداشت کرسکتے ہیں اُس بیوہ کیلئے رزق حلال کمانے کیلئے ایک کپڑا سینے کی مشین خرید کر دے سکتے ہیں؟ ایک ایسا آدمی تلاش کرسکتے ہیں جو آپ کے ساتھ مدد میں شامل ہوجائے اور جو اخراجات آپ سے زیادہ ہوں اُن کو وہ اپنے حصے میں لے لے۔یہ یقین کرلینا کہ آپ تنہا یا دو شخص مل کر ایک بیوہ اور اُسکے بچوں کو فارغ البال کردینے تک کی ذمہ داری لے سکتے ہیں تو یہ ایک تعمیری اور آئمہ اہلبیت علیہم السلام کے اسکیم کے مطابق کام ہوگا۔اس معاملے کو مرکزی حیثیت دیجئے۔یعنی مصرف خیر سے اتفاق رکھنے والوں کا ایک مرکز بنایئے اور جتنے ضرورتمندوں کو سنبھالا جاسکے سنبھالئے۔دائرہ وسیع کیجئے بڑھتے جایئے۔امانت ودیانت وغیرت وتقویٰ کو ملحوظ رکھئے۔بہت سے ایسے ادارے ہیں جو اسی طرح کام کررہے ہیں۔مسلمانوں میں نہ ہوں تو تعجب نہ کیجئے۔وہ ایک مختلف نظام رکھتے ہیں۔وہاں غربا کی نہیں علما اور مجتہدین کی پرورش کی جاتی ہے۔اُن سے تعارض نہ کرو انہیں اُن کی راہ چلنے دو۔جو آپ کے ساتھ شامل ہو خوشی سے آنے دو۔ہر مذہب کے افراد کو بتاؤ اور سب کو شامل کرو خدا تمہاری مدد کرے گا۔انشاءاللہ والامامؑ۔

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر: 141

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 143

خُطبہ ﴿166﴾

1۔ زمین و آسمان انسانوں پر اپنی برکتیں کیوں نازل کرتے ہیں؟ 2۔ زمین و آسمان کے ثمرات کس صورت میں بند ہو جاتے ہیں؟ 3۔ توبہ و استغفار کی پوزیشن اور رزق وروزی سے ان کا تعلق؟ 4۔ قحط سالی اور خشک سالی میں فراوانی اور بارش کی دعائیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلا وَاِنَّ الۡاَرۡضَ الَّتِیۡ تَحۡمِلُکُمۡ وَالسَّمَآءَ الَّتِیۡ تُظِلُّکُمۡ مُطِیۡعَتَانِ لِرَبِّکُمۡ ؛	1	خبردار رہو اور سمجھو کہ یہ زمین جو تمہیں اُٹھائے ہوئے ہے اور یہ آسمان جو تم پر سایہ کئے رہتا ہے۔ دونوں اپنے پروردگار کی اطاعت کرتے ہیں۔
وَمَا اَصۡبَحَتَا تَجُوۡدَانِ لَکُمۡ بِبَرَکَتِهِمَا تَوَجُّعًا لَکُمۡ ؛	2	یہ دونوں تم پر اپنی برکتیں اور فوائد اس لئے نہیں اتارتے کہ انہیں تمہاری تکلیف سے کچھ دکھ ہوتا ہو اور وہ اس تکلیف کو دور کرتے رہیں۔
وَلَا زُلۡفَةً اِلَیۡکُمۡ ؛	3	اور نہ اس لئے فائدہ پہنچاتے ہیں کہ وہ تمہاری توجہ اور قربت کے محتاج ہیں۔
وَلَا لِخَیۡرٍ تَرۡجُوَانِهٖ مِنۡکُمۡ وَلٰکِنۡ اُمِرَتَا بِمَنَافِعِکُمۡ فَاَطَاعَتَا ؛	4	اور نہ اس لئے کہ وہ تم سے کوئی بھلائی اور مفاد چاہتے ہیں ولیکن وہ یہ سب کچھ اس لئے کرتے ہیں کہ اللہ نے ان دونوں کو تمہیں نفع پہنچانے کا حکم دیا ہوا ہے اور وہ حکم کی تعمیل کر رہے ہیں۔
وَاُقِیۡمَتَا عَلٰی حُدُوۡدِ مَصَالِحِکُمۡ فَاَقَامَتَا ؛	5	اور انہیں تم لوگوں کی مصلحتوں کی حدود پر قائم کیا گیا ہے چنانچہ وہ ان حدود پر قائم ہیں۔
اِنَّ اللّٰهَ یَبۡتَلِیۡ عِبَادَهٗ ؛عِنۡدَ الۡاَعۡمَالِ السَّیِّئَةِ بِنَقۡصِ الثَّمَرَاتِ وَحَبۡسِ الۡبَرَکَاتِ ؛ وَاِغۡلَاقِ خَزَائِنِ الۡخَیۡرَاتِ ؛	6	یقیناً اللہ اپنے بندوں کو آزمائش میں ڈال دیتا ہے ان کے برے اعمال کی وجہ سے لہٰذا کبھی وہ پھلوں میں کمی کر دیتا ہے کبھی اپنی برکتیں روک لیتا ہے اور کبھی اپنے نیک سلوک کے خزانوں کے دروازے بند کر دیتا ہے۔
لِیَتُوۡبَ تَائِبٌ وَیُقۡلِعَ مُقۡلِعٌ ؛وَیَتَذَکَّرَ مُتَذَکِّرٌ ؛وَیَزۡدَجِرَ مُزۡدَجِرٌ ؛	7	تاکہ اصلاح کیلئے پلٹنے والا پلٹ آئے اور سرکش لوگ اپنی سرکشی کو چھوڑ سکیں۔ اور غور و خوض کرنے والے اچھے اعمال اور صحیح طریقے کو یاد کر لیں اور تعلیماتِ خداوندی میں آئی ہوئی دھمکیوں اور ڈانٹ ڈپٹ سے لوگ ڈر کر نیک بن جائیں۔

وَقَدْ جَعَلَ اللّٰہُ الْاِسْتِغْفَارَ سَبَبًا لِدُرُوْرِ الرِّزْقِ وَرَحْمَۃِ الْخَلْقِ فَقَالَ سُبْحَانَہٗ ؛اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ اِنَّہٗ کَانَ غَفَّارًا یُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْکُمْ مِدْرَارًا وَّیُمْدِدْکُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِیْنَ (سورہ نوح71/10-12)	8	اور اللہ نے مغفرت طلب کرنے کو رزق میں بہتات کرنے کا اور مخلوقات پر رحمت بھیجنے کا سبب فرمایا ہے چنانچہ اس ذات پاک نے فرمایا ہے کہ :''تم اپنے پروردگار سے مغفرت طلب کیا کرو یقیناً وہ بخشش عطا کرنیوالا ہے وہ تمہارے اوپر آسمان سے موسلا دھار بارشیں بھیجے گا اور مال و دولت اور بیٹے دے کر تمہاری مدد کرے گا(سورہ نوح71/10-12)
فَرَحِمَ اللّٰہُ امْرَاً اسْتَقْبَلَ تَوْبَتَہٗ ؛ وَاسْتَقَالَ خَطِیْئَتَہٗ وَبَادَرَ مَنِیَّتَہٗ ؛	9	خدا اس آدمی پر رحم کیا کرتا ہے جو توبہ اور اصلاح کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور گناہوں سے دستکش ہو جاتا ہے اور مایوسی کی گھڑی یعنی موت کے آنے سے پہلے ہی نیک اعمال بجالانے میں مصروف ہو جاتا ہے۔
اَللّٰھُمَّ اِنَّا خَرَجْنَا اِلَیْکَ مِنْ تَحْتِ الْاَسْتَارِ وَالْاَکْنَانِ ؛	10	اے اللہ ہم سرکشی والی شرم کو بالائے طاق رکھ کر ان پردوں اور مکانوں کے کونوں سے باہر نکل کر تیرے سامنے آئے ہیں تا کہ گڑگڑا کر تجھ سے کھل کر عرض کریں کہ؛
وَبَعْدَ عَجِیْجِ الْبَھَائِمِ وَالْوِلْدَانِ ؛	11	ہم مویشیوں کے بلبلانے اور بچوں کی فریادیں سنتے رہنے کے بعد آئے ہیں۔
رَاغِبِیْنَ فِیْ رَحْمَتِکَ وَرَاجِیْنَ فَضْلَ نِعْمَتِکَ ؛	12	تا کہ تجھ سے تیرا رحم و رحمت طلب کریں اور تیرے فضل سے تیری نعمتوں کی فراوانی مانگیں۔ساتھ ہی،
وَخَائِفِیْنَ مِنْ عَذَابِکَ وَنِقْمَتِکَ ؛	13	ہم تیرے عذاب سے خوفزدہ اور تیرے غصے اور غضب سے بھی ڈر رہے ہیں۔اور تجھ سے معافی چاہتے ہیں۔
اَللّٰھُمَّ فَاسْقِنَا غَیْثَکَ وَلَاتَجْعَلْنَا مِنَ الْقَانِطِیْنَ ؛	14	اے اللہ ہمیں اپنی بارشوں سے سیراب کر دے اور ہمیں مایوس ہو کر پلٹنے والوں میں سے نہ بنا دینا۔
وَلَا تُھْلِکْنَا بِالسِّنِیْنَ وَلَا تُؤَاخِذْنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَھَاءُ مِنَّا ؛یَااَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ ؛	15	اور ہمیں خشک سالی اور قحط سے ہلاک نہ کر دینا اور ہمیں ان خطاؤں اور افعال پر نہ پکڑنا جو ہم میں سے چند بے وقوفوں نے کئے ہیں ہم پر رحم فرما دے اس لئے کہ تو تمام رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔
اَللّٰھُمَّ اِنَّا خَرَجْنَا اِلَیْکَ نَشْکُوْ اِلَیْکَ مَالَا یَخْفٰی عَلَیْکَ ؛	16	اے اللہ ہم تیرے حضور میں حاضر ہو کر اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لئے تجھ سے کچھ ایسے شکوے کرنا چاہتے ہیں جو تجھ سے پوشیدہ نہیں ہیں۔

حِینَ الْجَأَتْنَا الْمَضَایِقُ الْوَعْرَۃُ ؛	17	ہم پر اب وہ وقت آیا ہوا ہے جب کہ ہمیں شدید تنگیوں نے بے بس اور مضطرب کر رکھا ہے۔
وَاَجَاءَ تْنَا الْمَقَاحِطُ الْمُجْدِبَۃُ ؛	18	اور ہم خشک سالی اور قحط کی مشقتوں سے بے چارہ اور مجبور ہو کر رہ گئے ہیں۔
وَاَعْیَتْنَا الْمَطَالِبُ الْمُتَعَسِّرَۃُ ؛	19	ہم ایسی ضرورتوں اور مطالب سے ناتوان و مضمحل ہو چکے ہیں جو ہماری قوت و قدرت ورسائی سے باہر ہیں۔
وَتَلَاحَمَتْ عَلَیْنَا الْفِتَنُ الْمُسْتَصْعَبَۃُ ؛	20	اور ہم پر طرح طرح کے مصیبت خیز فتنے اور بلائیں پے در پے وارد ہوتے رہے ہیں۔
اَللّٰھُمَّ اِنَّانَسْأَ لُکَ اَنْ لَّاتَرُدَّنَا خَائِبِیْنَ ؛	21	اے اللہ ہماری گذارش ہے کہ تو ہمیں ناکام ونامراد نہ لوٹانا۔
وَلَاتَقْلِبْنَا وَاجِمِیْنَ ؛	22	اور نہ ہمیں پچھتاتے ہوئے غم وغصہ میں تبدیل کرنا۔
وَلَا تُخَاطِبْنَا بِذُنُوْبِنَا ؛	23	اور نہ ہمارے ساتھ ہمارے گناہوں کے مطابق سلوک کرنا۔
وَلَاتُقَایِسْنَا بِاَعْمَالِنَا ؛	24	اور نہ ہمارے اعمال کو مدنظر رکھ کر سلوک کرنا۔
اَللّٰھُمَّ انْشُرْ عَلَیْنَا غَیْثَکَ وَبَرَکَتَکَ وَرِزْقَکَ وَرَحْمَتَکَ ؛	25	اے اللہ تو ہم پر اپنی بارشوں کی اور اپنی برکتوں اور اپنے رزق کی اور اپنی رحمتوں کی بھرمار اور ریل پیل کر دے۔
وَاسْقِنَا سُقْیًا نَافِعَۃً مُّرْوِیَۃً مُعْشِبَۃً تُنْبِتُ بِھَا مَاقَدْفَاتَ وَتُحْیِیْ بِھَا مَاقَدْمَاتَ نَافِعَۃَ الْحَیَا کَثِیْرَۃَ الْمُجْتَنیٰ ؛	26	ہمیں ایسی سیرابی عطا کر جو ہر طرح مفید ہی مفید ہو۔ جو پیاس بجھا کر سیر کرنے والی ہو جس سے جڑی بوٹیاں گھاس اور اناج پیدا ہوں اور وہ تمام فصلیں پیدا ہو جائیں جو ضائع ہو گئیں اور وہ سب کچھ ازسرنو زندہ ہو جائے جو مر گیا۔ جس سے زمین کی خشکی مٹ جائے پھلوں کی افراط ہو جائے۔
تُرْوِیْ بِھَا الْقِیْعَانَ وَتَسِیْلُ الْبُطْنَانَ وَتَسْتَوْرِقُ الْاَشْجَارَ ؛وَتُرْخِصُ الْاَسْعَارَ اِنَّکَ عَلٰی مَاتَشَآءُ قَدِیْرٌ ؛	27	اتنی بارشیں ہوں کہ ہموار زمینیں بھی سیراب ہو جائیں اور نشیبی زمین میں ندی نالے بہنے لگیں اور درختوں کے جنگل لہلہانے لگیں۔ بیشک تو جو چاہتا ہے اس پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

تشریحات:

یہ خطبہ بتاتا ہے کہ حضور علیہ السلام سے کسی موقع پر خشک سالی اور قحط کو رفع کرانے کے لئے اللہ سے دعا کی درخواست کی گئی تھی چنانچہ اس مرتبہ آپ نے پہلے اُس نظام کا ذکر فرمایا جو آسمان وزمین اور رزق وروزی اور انسانوں سے متعلق ہے اور جس پر انسانی کردار کا اثر مرتب ہوتا ہے۔ یعنی حضرت علی علیہ السلام پہلے لوگوں کو اُن کی بداعمالی اور بدکرداری پر متوجہ فرماتے ہیں اور اللہ کی طرف سے قحط سالی اور خشک سالی پر عذر کرتے ہیں

اور چاہتے ہیں کہ تمام حاضرین اپنے اپنے گریبان میں منہ ڈال کر اپنے گناہوں پر غور کریں، نادم ہوں اور اللہ سے معافی طلب کریں۔ یوں حضور علیہ السلام نے پہلے حاضرین کے قلوب کو اللہ سے وابستہ کیا پھر اللہ سے دعا شروع کی (1 تا 7) اور اس دفعہ وہ آیت سنائی جو حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو سنائی تھی اور اللہ کی طرف سے بارشوں، فصلوں اور پھلوں، رزق کی فراوانی اور مال و دولت اور اولاد کی کثرت کا وعدہ کیا تھا (سورہ نوح 10 تا 12/71) یعنی پبلک کو استغفار کے فوائد بتائے اور ساتھ ہی اُس آیت کو اللہ کے سامنے بطور دلیل پیش کیا۔ اور اپنی دعا میں وہ تمام پہلو بلند آواز سے اللہ کے سامنے رکھ دئے جن سے دعا قبول ہونے کی گارنٹی لی جاسکتی ہے۔ گناہوں کا اعتراف کیا مگر خود کو اُن گناہوں سے الگ کرلیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کے الفاظ میں اللہ کو مخاطب کر کے تمام انبیا علیہم السلام کی عصمت بھی ثابت فرما دی (15)۔ حضرت موسیٰ کی دعا یہ تھی کہ:

قَالَ رَبِّ لَوْشِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّایَ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا اِنْ هِیَ اِلَّا فِتْنَتُكَ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِیْ مَنْ تَشَآءُ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ O (اعراف 7/155)

''اے میرے پروردگار اگر تو چاہتا تو ان کی تجھے دیکھنے کی سرکشی سے پہلے ہی مجھے اور ان سب کو ہلاک کرسکتا تھا۔ کیا تو ہمارے چند بے وقوفوں کی بدکرداری کے بدلے میں ہم سب کو مار ڈالے گا؟ یہ زیرِ نظر معاملہ تو تیرے امتحان کے سوا اور کچھ نہ تھا ایسے ہی امتحانوں سے تو جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جسے تو چاہتا ہے ہدایت کر دیتا ہے۔ تو تو ہمارا والی وحکمران ہے لہٰذا ہمیں بخش دے اور ہمارے اوپر رحم فرمادے اور تو تو تمام بخشنے والوں سے زیادہ بخشنے والا ہے''

حضرت موسیٰ کی اس دعا کے ذکر سے آپؑ نے ثابت کر دیا کہ انبیا علیہم السلام بدکرداری کرنے والے بے وقوفوں میں سے نہیں ہوا کرتے۔ یہ ماحول پیدا کر کے حضورؑ نے اللہ سے بھرپور الفاظ میں دعا فرمائی ہے دعا کے بہت سے پہلو وہی ہیں جن کی اُس وقت پبلک کو ضرورت تھی اور جو سابقہ دعا میں بھی مذکور ہوئے ہیں۔ اور دعا کے دوران بھی آپ نے خوفِ خداوندی کا مسلسل اظہار فرمایا ہے (جملے 13، 15) اپنی عاجزی، بے بسی، مجبوری اور اضطراب کو کھل کر بیان فرمایا ہے (جملے 17 تا 19) آپؑ نے اللہ کے علم کی رعایت اور اقبال کے بعد بڑے مؤدبانہ انداز میں شکوہ فرمایا ہے (جملے 16 تا 20)۔

ہم قارئین سے کہیں گے کہ حضرت علی علیہ السلام کی دعاؤں کے مفاہیم اور دعا کے انداز و ترتیب کو اپنے پاس لکھ کر رکھنا چاہئے اور اپنی دعاؤں کو اُن کی مدد سے درجہ قبولیت تک پہنچانے میں اُن کی پیروی کرنا چاہئے۔ ہمیں اُمید ہے کہ جب آپ کی دعا اُن کے قدموں سے بڑھ رہی ہوگی اور دلوں میں اُنؑ کا خیال بھی ہوگا اور زبان پر اُن کا واسطہ ہوگا تو اللہ تمہیں بامراد کرے گا۔

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر:142

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر:144

خُطبہ ﴿167﴾

1۔امامتؑ اور آئمہ صلوٰۃ اللہ علیھم اِس اُمت میں بنی ہاشمؑ میں مقرر و متعین ہیں۔2۔قریش پر امامت وخلافت حرام کی گئی تھی۔انہیں راہنمائی سے خارج اور پست کیا گیا تھا۔3۔اہلبیتؑ کے سوا راسخون فی العلم کا ہر مدعی جھوٹا ہے۔

4۔ایک قریشی لیڈر جو قرآن کے الفاظ میں احکام دینے کا قائل نہ تھا۔(سورہ مائدہ آیت نمبر 47+45+5/44)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بَعَثَ رُسُلَهُ بِمَا خَصَّهُمْ بِهِ مِنْ وَحْيِهِ ؛	1	اللہ نے اپنے رسولؑوں کو وحی کی خصوصیت سے مخصوص کر کے مبعوث کیا تھا۔
وَجَعَلَهُمْ حُجَّةً لَّهُ عَلٰى خَلْقِهٖ ؛	2	اور رسولوںؑ کو اپنے لئے تمام مخلوق پر اپنی حجت قرار دیا تھا۔
لِئَلَّا تَجِبَ الْحُجَّةُ لَهُمْ بِتَرْكِ الْاِعْذَارِ اِلَيْهِمْ ؛	3	تا کہ مخلوقات یہ بہانہ نہ کر سکیں کہ اللہ کی طرف سے ان پر دلیل و حجت قائم کرنے کا کوئی انتظام نہ کیا گیا تھا۔
فَدَعَاهُمْ بِلِسَانِ الصِّدْقِ اِلٰى سَبِيْلِ الْحَقِّ ؛	4	چنانچہ رسوؑل بھیج بھیج کر اللہ نے انہیں ایک خاص سچی زبان(لسان الصدق) سے راہِ حق کی دعوت دلوائی تھی۔
اَلَا اِنَّ اللّٰهَ قَدْ كَشَفَ الْخَلْقَ كَشْفَةً لَّا اَنَّهٗ جَهِلَ مَا اَخْفَوْهُ مِنْ مَصُوْنِ اَسْرَارِهِمْ وَمَكْنُوْنِ ضَمَائِرِهِمْ ؛	5	خبردار ہو کر نوٹ کرو کہ اللہ مخلوقات کے تمام احوال پر مطلع رہا ہے۔ایسا نہیں کہ وہ ان کے دلوں کے اندر دفن شدہ خیالات اور تصورات اور ان کے چھپائے ہوئے رازوں سے جاہل تھا۔
وَلٰكِنْ لِيَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؛	6	ولیکن اللہ نے چاہا کہ ان کو اس طرح آزمائش میں ڈالے کہ ان کے پوشیدہ راز وتصورات اور ارادے سب کے سامنے آجائیں۔اور سب کو معلوم ہو جائے کہ ان میں سے عمل کے لحاظ سے کون سب سے اچھا ہے؟
فَيَكُوْنُ الثَّوَابُ جَزَآءً وَّالْعِقَابُ بَوَآءً ؛	7	تا کہ اچھے اعمال کی جزا دی جائے۔اور برے اعمال پر عذاب کیا جائے۔
اَيْنَ الَّذِيْنَ زَعَمُوْا اَنَّهُمُ الرَّاسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ دُوْنَنَا ؟	8	وہ لوگ کہاں ہیں سامنے آئیں؟ جو ہمارے علاوہ خود کو علم میں راسخ کہنے کے دعویدار ہیں؟
كَذِبًا وَّبَغْيًا عَلَيْنَا ؛اَنْ رَّفَعَنَا اللّٰهُ وَضَعَهُمْ	9	یہ جھوٹا اور ہم سے باغیانہ دعویٰ انہوں نے اس لئے کیا ہے کہ اللہ نے ہمیں

وَاَعۡطَانَا وَحَرَمَهُمۡ ؛وَاَدۡخَلَنَا وَاَخۡرَجَهُمۡ ؛		بلندی عطا کی ہے۔انہیں پستی میں رکھا ہے۔اور ہمیں امامت و نیابت عطا کی ہے۔اور ان پر حرام کی ہے اور ہمیں اپنے قرب میں داخل کیا ہے اور انہیں خارج کر دیا ہے۔
بِنَا يُسۡتَعۡطَى الۡهُدٰى ؛وَيُسۡتَجۡلَى الۡعَمٰى ؛	10	ہم ہی سے ہدایت عطا کرنے کی درخواست کی جا سکتی ہے۔اور ہم ہی سے بینائی اور اندھیرا دور کرنے کے لئے روشنی مل سکتی ہے۔
اِنَّ الۡاَئِـمَّةَ مِنۡ هَاشِمٍ لَاتَصۡلُحُ عَلٰى سِوَاهُمۡ وَلَاتَصۡلُحُ الۡوُلَاةُ مِنۡ غَيۡرِهِمۡ ؛	11	بلاشبہ مخصوص امامؑ ہاشمؑ کی نسل میں سے مقرر ہیں۔امامت ان کے سوا اور کسی کو زیبا نہیں ہے۔اور اسلامی حکمرانی ان کے غیر کو راست نہیں ہے۔
اٰثَـرُوۡا عَـاجِلاً وَّاَخَّرُوۡا اٰجِلًا ؛وَتَرَكُوۡا صَافِيًا وَشَرِبُوۡا اٰجِنًا ؛	12	ان لوگوں نے دنیا کو اختیار کر لیا ہے اور آخرت کو پس پشت ڈال دیا ہے اور صاف پانی کو چھوڑ دیا ہے اور سڑا ہوا پانی پی لیا ہے۔
كَـاَنِّىۡ اَنۡظُرُ اِلٰى فَـاسِـقِهِمۡ وَقَدۡ صَحِبَ الۡـمُـنۡـكَـرَ فَـاَلِـفَهٗ وَبَسِىءَ بِهٖ وَ وَافَقَهٗ حَتّٰى شَابَتۡ عَلَيۡهِ مَفَارِقُهٗ وَصُبِغَتۡ بِهٖ خَلَائِقُهٗ ؛	13	میں خود ان لوگوں کے قانون شکن کو دیکھ رہا ہوں یقیناً اس فاسق نے عالمی برائیوں کی صحبت میں زندگی گزاری اور اسے ان ہی سے الفت ہو گئی۔اور اسی حالت سے مانوس رہا تو اسی سے متفق رہتا چلا گیا یہاں تک کہ اسکے سر کے بال بھی سفید ہو گئے۔اور برائیوں ہی کے رنگ میں اسکی طبیعت رنگی گئی۔
ثُـمَّ اَقۡبَـلَ مُـزۡبِـدًا كَـالتَّـيَّـارِ لَا يُبَـالِىۡ مَاغَرَّقَ اَوۡكَوَقۡعِ النَّارِ فِى الۡهَشِيۡمِ لَايَحۡفِلُ مَاحَرَّقَ ؛	14	پھر وہ کف بردھن طوفانی دریا کی طرح بڑھتا اور پھیلتا چلا گیا۔اس کی پرواہ کئے بغیر کہ وہ کیا کیا غرق کر رہا ہے۔یا بھُس میں لگی ہوئی آگ کی طرح پھیلتا گیا یہ سوچے بغیر کہ وہ کیا کیا پھونکتا جا رہا ہے۔
اَيۡنَ الۡعُقُوۡلُ الۡمُسۡتَصۡبِحَةُ بِمَصَابِيۡحِ الۡهُدٰى ؟	15	وہ عقلیں کہاں ہیں جو کہ ہدایت کے چراغوں سے روشنی حاصل کرتی ہیں؟
وَالۡاَبۡصَارُ اللَّامِحَةُ اِلٰى مَنَارِ التَّقۡوٰى ؟	16	اور وہ آنکھیں کہاں ہیں جو پرہیزگاری کے میناروں کی روشنی پر متوجہ رہا کرتی ہیں؟
اَيۡنَ الۡـقُـلُـوۡبُ الَّتِىۡ وُهِبَتۡ لِلّٰهِ وَعُوۡقِدَتۡ عَلٰى طَاعَةِ اللّٰهِ ؟	17	وہ دل کہاں ہیں جو اللہ کے لئے وقف رہا کرتے ہیں؟اور اللہ کی اطاعت کرتے رہنے کا معاہدہ جاری رکھا کرتے ہیں؟
اِزۡدَحَمُوۡا عَلَى الۡحُطَامِ ؛	18	وہ لوگ تو مال دنیا پر بھیڑ لگائے ہوئے ہیں۔
وَتَشَاحُّوۡا عَلَى الۡحَرَامِ ؛	19	اور مال حرام حاصل کرنے کے لئے جھگڑا کر رہے ہیں۔
وَرُفِعَ لَهُمۡ عَلَمُ الۡجَنَّةِ وَالنَّارِ فَصَرَفُوۡا عَنِ	20	ان کے روبرو جنت اور جہنم کے پرچم بلند کر دئے ہیں۔پھر بھی انہوں نے

الْجَنَّةِ وُجُوهَهُمْ وَاَقْبَلُوْا اِلَى النَّارِ بِاَعْمَالِهِمْ ؛	20	جنت کے پرچم کی طرف سے رخ موڑ لیا ہے اور اپنے کردار کی بنا پر عملاً جہنم کی طرف اپنا رخ کرلیا ہے۔
وَدَعَاهُمْ رَبُّهُمْ فَنَفَرُوْا وَوَلَّوْا ؛	21	انہیں ان کے پروردگار نے بلایا تو وہ نفرت سے اپنی ولایت پر جم گئے۔
وَدَعَاهُمُ الشَّيْطَانُ فَاسْتَجَابُوْا وَاَقْبَلُوْا ؛	22	اور ایک مخصوص شیطان نے بلایا تو بڑھ کر اس کی دعوت قبول کرلی۔

تشریحات:

خطبہ میں سب سے پہلا تنازعہ راسخون فی العلم کی صورت میں سامنے آتا ہے اور حضرت علی علیہ السلام یہ نہیں چاہتے کہ اُن کے اور اُن کے اہل بیتؑ کے سوا کوئی اور اس لقب کا دعویدار بن سکے یہ لقب قرآن میں مذکور ہوا ہے۔ پہلے سورہ آل عمران (3/7) میں اور پھر سورہ نسا (4/162) پہلے مقام والے راسخون فی العلم مسلمانوں میں ہیں اور دوسروں کو قرآن نے خود ہی یہود یا اہل کتاب میں شمار کیا ہے۔ اور دونوں مقامات پر اُن کی علمی بزرگی کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ البتہ اُن کی مدح میں صحیح بات کو مان لینا اور کوئی ہیرا پھیری نہ کرنا مذکور ہوا ہے اور بس۔

چونکہ قریش کسی صحیح بات کو بھی نہ مانتے تھے اور بات بات میں ہیرا پھیری اور چار سو بیس (420) اُن کی عادت تھی۔ اس لئے حضرت علی علیہ السلام قریش کو اس لقب سے محروم فرماتے تھے۔ قریش سے صرفِ نظر کرنے کے بعد بھی ہم نے کبھی اور کہیں محمدؐ و علیؑ و آئمہ معصومین علیہم السلام کو خوشی سے راسخون فی العلم تسلیم نہیں کیا اور نہ وہ حضراتؑ راسخون فی العلم تھے۔ اِس کے معنی مترجمین نے ''پختہ علم رکھنے والے'' یا ''علم میں پختہ کار'' کئے ہیں اور بہت دوڑ دھوپ کے بعد اس کے معنی ''علم میں ڈوبے ہوئے'' یا علم میں غوطہ دیئے ہوئے'' کئے گئے ہیں۔ لیکن ہمیں قرآن اور حدیث سے اُن حضراتؑ کا خود ''مجسمۂ علم'' ہونا معلوم و ثابت ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ علم میں ڈبوئے یا غوطہ دینے سے بھی علم ایک الگ حقیقت رہتا ہے۔ اور راسخون فی العلم الگ رہتے ہیں یعنی وہ علم نہیں بن جاتے مثلاً علم میں پختہ کار ہو جاتے ہیں اور بس۔ ہم اُن حضرات کو علوم خداوندی کا ٹوٹل مانتے ہیں۔ وہ علم غیب کے عالم ہیں اور غیبی علوم بتانے میں کنجوس نہیں۔ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ O (81/24)

2۔ ہم حضرت علی علیہ السلام کو اللہ و رسولؐ پر تہمت لگانے میں شریک نہ کریں گے خواہ تمام شیعہ اور سنی ناراض ہو جائیں۔

اس عنوان میں اللہ و رسولؐ کو خوش کرنے کی غرض سے ہم ایک جرأت ضروری سمجھتے ہیں جو شیعہ و سنی علما کی مسلمہ تاریخ کے خلاف ہے۔ چوں کہ اُس تاریخی مسئلے میں قریش نے اپنی سازش کے ماتحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن کے خلاف لا کر کھڑا کر دیا ہے اور علما نے غور کئے بغیر قریش کی ساختہ پرداختہ روایت کو تسلیم کرلیا۔ لیکن ہمیں تسلیم نہیں ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ اللہ کے خلاف بیان دیں گے اور ایک سراسر غلط قاعدہ جاری کر دیں گے۔ لہٰذا جس آیت کی مخالفت کی گئی ہے وہی آیت پڑھ لیں۔

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ O (بقرہ 2/124)

<u>مودودی ترجمہ</u>: ''یاد کرو جب ابراہیمؑ کو اُس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور وہ اُن سب میں پورا اُتر گیا تو اُس نے کہا میں تجھے سب لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔ ابراہیمؑ نے عرض کیا۔ اور کیا میری اولاد سے بھی یہی وعدہ ہے؟ اُس نے جواب دیا ''میرا وعدہ ظالموں سے متعلق نہیں ہے۔'' (بقرہ 2/124)

مودودی تشریح:

''125ء یعنی یہ وعدہ تمہاری اولاد کے صرف اُس حصے سے تعلق رکھتا ہے جو صالح ہو۔ اُن میں سے جو ظالم ہوں گے اُن کے لئے یہ وعدہ نہیں ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 110)

اس ترجمہ وتشریح پر نظر رکھئے اور مودودی کی کتاب خلافت وملوکیت میں اُولی الامر کی صفات کی ذیل میں یہ بیان بھی پڑھ لیں

''(ب) یہ کہ وہ ظالم، فاسق وفاجر، خدا سے غافل اور حد سے گزر جانے والے نہ ہوں۔ بلکہ ایمان دار، خدا ترس اور نیکوکار ہوں۔ کوئی ظالم یا فاسق اگر امارت یا امامت کے منصب پر قابض ہو جائے تو اُس کی امارت اسلام کی نگاہ میں باطل ہے۔'' (صفحہ 38)

اس کے بعد علامہ نے مندرجہ بالا آیت (2/124) لکھی ہے اور اُس کا یہ ترجمہ کیا ہے لہٰذا سابقہ ترجمہ سے مقابلہ کر کے دیکھئے:

''اور یاد کرو جب ابراہیمؑ کو اُس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور اُس نے وہ پوری کر دیں تو رب نے فرمایا میں تجھے لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔ ابراہیمؑ نے کہا اور میری اولاد میں سے بھی؟ فرمایا میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا۔'' (صفحہ 39-38)

مودودی کی مزید تشریح:

''5ء مشہور حنفی فقیہ ابوبکر الجصاص (متوفی 370ھ یعنی 980ء) اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''اگرچہ لغت میں امام سے مراد ہر وہ شخص ہے جس کی پیروی کی جائے خواہ حق میں ہو یا باطل میں۔ لیکن اس آیت (2/124) میں امام سے مراد صرف وہ شخص ہے۔ جو اتباع کا مستحق ہو اور جس کی پیروی لازم ہو۔ لہٰذا اس اعتبار سے امامت کے اعلیٰ مرتبہ پر انبیاؑ ہیں۔ پھر راست رو خلفا ہیں۔ پھر صالح علما اور قاضی اس کے بعد وہ لکھتے ہیں ''پس کوئی ظالم نہ تو نبیؑ ہو سکتا ہے اور نہ یہ جائز ہے کہ وہ نبیؑ کا خلیفہ یا قاضی یا ایسا عہدیدار ہو جس کی بات کا ماننا امور دین میں لازم ہو۔ اس آیت (2/124) کی دلالت سے ثابت ہوتا ہے کہ فاسق کی امامت باطل ہے اور وہ خلیفہ نہیں ہو سکتا اور اگر وہ اپنے آپ کو اس منصب پر مسلط کر دے تو لوگوں پر اُس کا اتباع اور اُس کی اطاعت لازم نہیں ہے۔'' (احکام القرآن جلد اول صفحہ 79۔80 المطبعۃ البُهیہ مصر 1347ء اور خلافت وملوکیت صفحہ 39)

قارئین نے دیکھا کہ قرآن اور سنی علما کے نزدیک بھی امامت وخلافت کسی ظالم وفاسق کے لئے جائز نہیں ہے یعنی صرف معصومین علیہم السلام ہی امامت وخلافت کے حقدار ہوتے ہیں جن سے کوئی غلط تصور یا غلط عمل ممکن نہیں ہوتا۔ اب آپ پرویز کا بیان سنئے جو قریشی خلافت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

3۔ اصل موضوع تک پہنچنے کے لئے پرویز کا بیان ہماری مدد کرتا ہے۔

''لیکن تاریخ یہیں تک نہیں رہتی۔ وہ ایک قدم آگے بڑھتی ہے اور بتاتی ہے کہ جب معاملہ زیادہ نزاکت اختیار کر گیا تو حضرت ابوبکر اُٹھے اور آپ نے فرمایا کہ اس باب میں انصار کا دعویٰ یکسر بے بنیاد ہے رسولؐ اللہ نے فیصلہ کر دیا ہوا ہے کہ:۔

اَلْاَئِمَّۃُ مِنَ الْقُرَیْش:

'' اَلْاُئِمَّۃُ مِنَ الْقُرَیْش ۔ خلافت قریش میں رہے گی۔ اس پر انصار خاموش ہو گئے اور حضرت ابوبکر خلیفہ منتخب کر لئے گئے۔ یہ حدیث متفقہ طور پر صحیح مانی جاتی ہے۔ لیکن آپ ذرا اس کی گہرائی میں جائیے کہ یہ کبھی رسولؐ اللہ کا ارشاد ہو سکتا ہے؟ قرآن کریم نسل اور خون کے

امتیازات مٹا کر مساوات انسانیہ اور تکریم آدمیت کی تعلیم دیتا رہا، حضورؐ کی ساری زندگی اس بلند و برتر تعلیم کا نمونہ رہی۔ کیا آپ اس امر کا تصور بھی کر سکتے ہیں کہ اس تعلیم کا حامل رسولؐ یہ فیصلہ کرے گا کہ حکومت میرے قبیلے کے اندر رہے گی یہ ایک روایت قرآن کی بنیادی تعلیم اور نبیؐ اکرم کے اسوہ حسنہ کو مجروح کر دینے کے لئے کافی ہے لیکن ہماری تاریخ اس روایت کو رسولؐ اللہ کی طرف منسوب کرتی ہے اور کہتی ہے کہ حضرت ابو بکر نے انصار اور مہاجرین کے بھرے مجمع میں اسے حق خلافت کیلئے بطور دلیل پیش کیا اور اسے سب نے تسلیم کر لیا۔ یعنی ہماری تاریخ ایک ہی واقعہ میں خدا کے رسولؐ اور رسولؐ کے صحابہ کبار کے متعلق نسل پرستی کا ایسا تصور پیدا کر جاتی ہے جسے مٹانے کے لئے قرآن آیا تھا۔'' (شاہکار رسالت صفحہ 37۔38)

پرویز کے بیان سے ثابت ہوا کہ وہ اس نام نہاد حدیث کو غلط اور قرآن اور رسولؐ اور صحابہ پر تہمت سمجھتے ہیں۔ پرویز اس بیان میں قرآن کی آیات پیش نہیں کرتے قرآن کا صرف نام لیتے ہیں مگر دلیل اپنے خود ساختہ تصور یعنی ''مساوات انسانی'' کو بناتے ہیں۔ لیکن ہم نے اور مودودی نے تو آیت پیش کی ہے (2/124) جس میں ایک فطری اور ثابت شدہ حقیقت ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ تمام ذریت معصوم نہیں ہو سکتی مگر قریش نے خود اپنے مفاد میں ایک جملہ گھڑا اور رسولؐ سے منسوب کر دیا۔ اور قرآن کے خلاف سارے قریش کو امامت و خلافت کے لئے معصوم بنا دیا۔ کوئی استثنا یا شرط یا پابندی نہیں لگائی۔ یعنی قریش میں پیدا ہونے والا ہر شخص معصوم ہوگا اُن سے ظلم و گناہ اور فسق و فجور، سرکشی اور بغاوت ہمیشہ ہر حالت میں دُور رہیں گے۔ حالانکہ قرآن کی رُو سے قریش میں ہر پیدا ہونے والا ظالم و باغی اور دشمن خدا اور رسولؐ ہوگا۔ (25/30-31)

4۔ یہی باطل تصور خود نہج البلاغہ میں داخل کر دیا گیا تھا۔ ہم نے اس شیطانی اسکیم کو خارج کر دیا ہے۔

اِس خطبہ نمبر 167 کے جملے (نمبر 11) میں بھی قریشی ہاتھ نے ''اَلْاَئِمَّةُ مِنَ الْقُرَيْش'' لکھ دیا تھا اور برابر نقل ہوتا چلا آ رہا تھا۔ ہم نے اس کو خارج کر دیا ہے۔ نہ صرف قرآن کی آیت (2/124) کی رُو سے بلکہ خود حضرت علی علیہ السلام کے اُس موقف کی رُو سے جو آپؑ نے اپنے خطبات میں مستقلاً برقرار رکھا ہے اور خود اس خطبے میں آپؑ نے قریش پر راسخون فی العلم بن بیٹھنے کا جرم عائد کیا اور اُن کے ایک رجسٹرڈ فاسق کا حال سنایا ہے (13) اور قرآن کی آیات (2/204-205) کو اُس فاسق سے وابستہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ وہی فاسق ساری دنیا میں فساد پھیلانے اور قتل و غارت اور لوٹ مار کی آگ لگانے اور سیلاب ثابت ہو جانے میں کوشاں ہوا ہے (14)۔ پھر اپیل کی ہے اور اُن عقلوں، آنکھوں اور قلوب کو متوجہ کیا ہے جو اُن کے بیان کردہ اس فاسق کو اور آیات (2/204-205) اور عمر و ابوبکر کی جنگی مہموں کو تصدیق کر سکتے ہیں (15-17) اور خطبے کے آخری جملوں میں قریش کی شیطان سے وابستگی دکھائی ہے جنت کو ٹھکرا کے جہنم کو اپنانے کا عمل دکھایا ہے۔ اور آخری جملے میں عمر کو قرآن و ابوبکر کی رُو سے (25/27-29) مخصوص شیطان قرار دیا ہے اور قریش کو دکھایا ہے کہ وہ عمر کی دعوت پر دوڑتے چلے آ رہے ہیں (18 تا 22) اور جہنم میں داخل ہونے میں کوشاں ہیں۔ لہٰذا جس قوم کی قرآن میں اِدھر سے اُدھر تک پھیلی ہوئی مذمت موجود ہو۔ جس کی مذمت حضورؐ کے ہر خطبے میں موجود ہو جس کا ظالم و فاسق ہونا تاریخ میں بھرا ہو وہ امام نہیں ہو سکتے۔

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر:143

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر:145

خُطبہ ﴿168﴾

1۔ یہ دنیا موت کی تیراندازی کا میدان ہے۔

2۔ دنیا میں نعمت اور دوسری چیزیں ملنے کی صورت؟

3۔ دنیا کے قدیم طریقے ہی بہتر ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡم

اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا اَنۡتُمۡ فِیۡ هٰذِهِ الدُّنۡیَا غَرَضٌ تَنۡتَضِلُ فِیۡهِ الۡمَنَایَا ؛	1	اے لوگو تم اس دنیا میں صرف ایسے حالات سے گزر رہے ہو کہ جہاں تم پر موت طرح طرح سے تیراندازی کر رہی ہے۔
مَعَ کُلِّ جُرۡعَةٍ شَرَقٌ ؛	2	اور تمہیں ہر گلاس پینے میں گلے کا پھندا درپیش ہے۔
وَفِیۡ کُلِّ اَکۡلَةٍ غَصَصٌ	3	اور ہر لقمہ کھانے میں نگلنا مشکل سا ہوتا ہے۔
لَاتَنَالُوۡنَ مِنۡهَا نِعۡمَةً اِلَّا بِفِرَاقِ اُخۡرٰی ؛	4	یہاں تمہیں ہر نعمت حاصل کرنے میں کم از کم ایک نعمت بدلے میں دینا پڑتی ہے۔
وَلَایُعَمَّرُ مُعَمَّرٌ مِنۡکُمۡ یَوۡمًا مِّنۡ عُمۡرِهٖ اِلَّابِهَدۡمِ اٰخَرَ مِنۡ اَجَلِهٖ ؛	5	اور تم میں سے کسی آدمی کی عمر میں ایک دن کا اضافہ نہیں ہوتا جب تک کہ اس کی عمر میں سے ایک دن کم نہ ہو جائے۔
وَلَاتُجَدَّدُ لَهٗ زِیَادَةٌ فِیۡ اُکُلَةٍ اِلَّا بِنَفَادِ مَاقَبۡلَهَامِنۡ رِزۡقِهٖ ؛	6	اور اُس کی خوراک میں زیادتی اُسی صورت میں ہوتی ہے کہ اس کے سابقہ موجود رزق میں سے اتنا ہی ختم نہ ہو جائے۔
وَلَا یَحۡیٰی لَهٗ اَثَرٌ اِلَّامَاتَ لَهٗ اَثَرٌ ؛	7	اور اسکے ریکارڈ میں کوئی نیا اثر پیدا نہیں ہوتا جب تک کوئی پہلا اثر مٹ نہ جائے۔
وَلَایَتَجَدَّدُ لَهٗ جَدِیۡدٌ اِلَّا بَعۡدَ اَنۡ یَّخۡلُقَ لَهٗ جَدِیۡدٌ ؛	8	اور جب تک آدمی کے لئے کوئی نئی چیز نہیں ہوتی جب تک اس کی جدید چیز پرانی نہ ہو جائے۔
وَلَا تَقُوۡمُ لَهٗ نَابِتَةٌ اِلَّا وَتَسۡقُطُ مِنۡهُ مَحۡصُوۡدَةٌ ؛	9	اور نہ اُس کے لئے نئی فصل اُگتی ہے جب تک پہلی فصل کٹ نہ جائے۔
وَقَدۡ مَضَتۡ اُصُوۡلٌ نَحۡنُ فُرُوۡعُهَا فَمَا بَقَآءُ فَرۡعٍ بَعۡدَ ذَهَابِ اَصۡلِهٖ ؟	10	ہماری جڑیں، آباواجداد، گزر گئے ہیں اور ہم اُن ہی کی شاخیں، اولادیں ہیں، جڑوں کے ختم ہو جانے کے بعد شاخیں کیسے قائم رہ سکتی ہیں؟

وَمَا اُحْدِثَتْ بِدْعَةٌ اِلَّا تُرِكَ بِهَا سُنَّةٌ ؛	11	کوئی بدعت جاری نہیں ہوسکتی جب تک اس کیلئے ایک سنت کو نہ چھوڑ دیا جائے۔
فَاتَّقُوْاالْبِدَعَ ؛	12	چنانچہ نئی ایجادات اور مسائل سے بچ کر رہو۔
وَالْزَمُوْا الْمَهْيَعَ ؛	13	اور روشن ومعروف طریقہ پر قائم رہو۔
اِنَّ عَوَازِمَ الْاُمُوْرِ اَفْضَلُهَا ؛	14	یقیناً پرانے دستور ہی افضل ہوا کرتے ہیں۔
وَاِنَّ مُحْدَثَاتِهَا شِرَارُهَا ؛	15	اور یقیناً نئی ایجاد کردہ شریعت ہی شر اور فساد ہے۔

تشریحات:

حضرت علی علیہ السلام کی زندگی کا بڑا حصہ اور اُن کے خطبات کی کثرت قریشی طرزِ زندگی پر روشنی ڈالنے میں گزرے ہیں۔

چنانچہ خطبے میں دنیاوی حالات کو یعنی قریش کی پیدا کردہ الجھنوں کو سلجھانے میں صرف کیا ہے اور پہلے ہی جملے میں یہ بتایا ہے کہ اِس دنیا کو موت کی چاندماری سمجھ کر یہاں وقت گزارو۔ موت کی چاندماری کا مطلب واضح ہے کہ موت انسانوں کو واپس لوٹانے میں کوشاں ہے۔ جو یہاں ہو رہا ہے وہ موت کے کسی نہ کسی تیر کے نتیجے میں ہو رہا ہے۔ بھوک کیوں لگی ہے؟ جواب موت کا کوئی تیر ہے۔ بیمار کیوں ہوئے؟ موت کا کوئی تیر لگا ہے۔ تھکن کیوں ہوئی؟ موت نے کوئی تیر مارا ہے۔ ہنسی کیوں آئی؟ ٹھوکر کیوں لگی؟ غصہ کیوں آیا؟ نیند کیوں آئی؟ مطلب یہ ہے کہ اُس تصور کو دل میں جما کر وقت گزارو کہ چاروں طرف سے ہر آن تیروں کی بارش ہو رہی ہے۔ جو تیر تکلیف کا باعث ہوتا ہے وہ بھی موت کا پھینکا ہوا تیر ہوتا ہے۔ اور یہاں خوشیاں بھی اُسی کے تیروں میں لپٹی ہوئی آتی ہیں۔ کچھ تیروں سے تم چونک جاتے ہو اور حالات پر غور کرنے لگتے ہو اور کچھ تیر ایسے مارے جاتے ہیں جن سے تمہیں غافل کرنا مقصود ہوتا ہے۔ تمہارے ہوش وحواس کی تیزی کو سست کرنے کا ارادہ کیا جاتا ہے۔ کچھ تیر تمہیں مایوس کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔ تاکہ جلدی سے تدارک چاہنے کے لئے غلط راہوں میں نکل جاؤ اور موت اور تباہی کی طرف تیزی سے بڑھنے لگو۔ تم سالگرہ کی مبارکبادوں اور خوشیوں میں مصروف ہو کر یہ بھول جاتے ہو کہ تمہاری عمر کے ٹوٹل میں سے پورا ایک سال کم ہو گیا ہے تم ظاہری اضافوں پر نظر رکھتے ہو۔ یہ نہیں سوچتے کہ ہر اضافہ تمہیں یہ خبر دے رہا ہے کہ تمہاری کچھ چیزیں کم ہو جانے کے بعد یہ اضافہ ہوا ہے یہاں تم جو کچھ حاصل کرتے ہو اُس کے حصول میں پہلے کئی ایک چیزیں خرچ کر دیتے ہو۔ کبھی اِدھر توجہ دیا کرو کہ تم کھانے پینے میں بھی اپنی طاقت وصحت خرچ کرتے ہو۔ اگر یہ خرچہ نہ ہوا ہوتا تو تم بوڑھے کیوں ہوتے؟ ضعیفی چپکے سے تم پر قبضہ کرتی جاتی ہے اور تم محسوس نہیں کرتے ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اِس دنیا میں ایک حقیقت شناس اور حساس آدمی کی طرح وقت گزارو اور وہ سب کام پہلے سے کر رکھو جو بعد میں مشکل ہو جایا کرتے ہیں ضعیفوں اور بیماروں کی صرف مدد ہی نہ کرو بلکہ یہ دیکھا کرو کہ اب وہ کیا کرنا چاہتے ہیں اور کیا کیا نہیں کر سکتے؟ اُن کی زندگی سے سبق حاصل کرو۔

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 144

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 146

خُطبہ ﴿169﴾

قریش کا دوسرا خلیفہ — اللہ کا اولین خلیفہؑ

1۔ عمر اپنے اسلامی عقائد کی بنا پر جنگ میں کامیابی کا انحصار افرادی قوت اور اسلحہ کی کثرت پر سمجھتا تھا۔

2۔ عمر کو میدان جنگ میں دیکھ کر عربوں اور عجمیوں کا اِس پر ٹوٹ پڑنا اور قتل کر دینے کی حرص کرنا۔

3۔ مرکز میں جم کر رہنا مناسب تھا میدان جنگ میں جا کر نا کام ہونا لازم تھا۔4۔ عمر عربوں کی جڑ تھا۔

5۔ عمر کو وعدہ خداوندی پر یقین نہ تھا۔ وعدہ اُس اور اس کی قوم سے نہ کیا گیا تھا۔

6۔ ہم سے اللہ نے وعدہ کر رکھا ہے جو وہ پورا کرے گا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡم

اِنَّ هٰـذَا الۡاَمۡـرَ لَـمۡ يَـكُـنۡ نَـصۡـرُهٗ وَلَا خِذۡلَانُهٗ بِكَثۡرَةٍ وَلَا بِقِلَّةٍ ؛	1	اس دین کو کامیاب کرنا یا ناکام کرنا کبھی بھی افرادی کثرت یا قلت پر منحصر نہیں رہا ہے۔
وَهُوَدِيۡنُ اللّٰهِ الَّذِیۡ اَظۡهَرَهٗ	2	اور یہ سمجھ لو کہ یہ تو اللہ کا وہ دین ہے جسے اس نے ظاہر اور غالب کیا ہے۔
وَجُنۡدُهُ الَّذِیۡ اَعَدَّهٗ وَاَمَدَّهٗ ؛	3	اور اس کی افواج ہیں جن کو اس نے مہیا کیا اور اس کی مدد کی ہے۔
حَتّٰى بَلَغَ مَابَلَغَ وَطَلَعَ حَيۡثُمَا طَلَعَ ؛	4	یہاں تک کہ اس حد تک پہنچایا جہاں تک پہنچنا چاہئے تھا اور سب پر نمایاں ہو گیا جیسا کہ نمایاں ہونا چاہئے تھا۔
وَنَحۡنُ عَلٰى مَوۡعُوۡدٍ مِّنَ اللّٰهِ؛	5	ہم تو خدا کی طرف سے کئے وعدے کے منتظر ہیں۔
وَاللّٰهُ مُنۡجِزٌ وَعۡدِهٖ ؛	6	اور اللہ اپنے وعدے کے مطابق جزا دے گا۔
وَنَاصِرُ جُنۡدِهٖ ؛	7	اپنی افواج کی مدد و نصرت کرے گا۔
وَمَكَـانُ الۡـقَيِّمِ بِالۡاَمۡرِ مَكَانُ النِّظَامِ مِنَ الۡخَرَزِ ؛	8	دین کے حکمران کا مقام اس ڈوری کی طرح ہوتا ہے جس میں مہرے یا دانے پروئے جاتے ہیں۔ اور
يَجۡمَعُهٗ وَيَضُمُّهٗ ؛	9	وہ ڈوری ان مہروں اور دانوں کو سنبھال کر رکھتی ہے۔

فَاِذَا انْقَطَعَ النِّظَامُ تَفَرَّقَ الْخَرَزُ وَذَهَبَ ثُمَّ لَمْ يَجْتَمِعْ بِحَذَافِيْرِهِ اَبَدًا ؛	10	اگر ڈوری ٹوٹ یا کٹ جائے تو مہرے یا دانے بکھر جایا کرتے ہیں۔اور پھر بلا ڈوری کے کبھی بھی پہلے کی طرح منظم نہیں ہو سکتے۔
وَالْعَرَبُ الْيَوْمَ وَاِنْ كَانُوْا قَلِيْلًا فَهُمْ كَثِيْرُوْنَ بِالْاِسْلَامِ ؛	11	اور گو آج عربوں کی تعداد کم ہے تو ہوا کرے اس لئے کہ اسلام کی وجہ سے وہ کثرت میں شمار ہوتے ہیں۔
عَزِيْزُوْنَ بِالْاِجْتِمَاعِ فَكُنْ قُطْبًا ؛	12	اور ہم آہنگی کی بنا پر انہیں غلبہ حاصل ہے۔لہٰذا تو چکی کی کیل کی طرح مرکز میں قیام کر۔
وَاسْتَدِرِ الرَّحٰى بِالْعَرَبِ ؛	13	جنگ کی چکی عربوں کی طاقت سے گھماتا رہ۔
وَاَصْلِهِمْ دُوْنَكَ نَارَ الْحَرْبِ ؛	14	اور خود کو بچا کر عربوں کو جنگ کی آگ میں جھونکتا چلا جا۔
فَاِنَّكَ اِنْ شَخَصْتَ مِنْ هٰذِهِ الْاَرْضِ انْتَقَضَتْ عَلَيْكَ الْعَرَبُ مِنْ اَطْرَافِهَا وَاَقْطَارِهَا حَتّٰى يَكُوْنَ مَاتَدَعُ وَرَائَكَ مِنَ الْعَوْرَاتِ اَهَمَّ اِلَيْكَ مِمَّا بَيْنَ يَدَيْكَ ؛	15	چنانچہ اگر تو اس سرزمین سے باہر چلا گیا تو گردونواح سے سارے عرب تجھ سے کئے ہوئے معاہدہ کو توڑ کر تجھ پر ٹوٹ پڑیں گے۔اور ایسی تباہ کاری مچائیں گے کہ صورت حال یہ ہو جائے گی کہ تمہیں وہاں میدان جنگ کے حالات کے مقابلے میں ان مقامات کی فکر زیادہ ہو جائے گی جنہیں تم اپنے پیچھے غیر محفوظ کر کے چلے گئے ہو۔
اِنَّ الْاَعَاجِمَ اِنْ يَّنْظُرُوْا اِلَيْكَ غَدًا يَقُوْلُوْا :	16	یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اگر عجمیوں نے کل تمہیں میدان جنگ میں دیکھ لیا تو وہ یہ کہیں گے کہ:۔
هٰذَا اَصْلُ الْعَرَبِ فَاِذَا قَطَعْتُمُوْهُ اسْتَرَحْتُمْ ؛	17	یہی شخص تو ہے جو عربوں کی جڑ ہے اگر تم لوگ اس جڑ کو کاٹ ڈالو تو چین سے ہو جاؤ گے۔
فَيَكُوْنُ ذٰلِكَ اَشَدَّ لِكَلَبِهِمْ عَلَيْكَ وَطَمَعِهِمْ فِيْكَ ؛	18	چنانچہ تمہیں دیکھنے سے عجمیوں کو سخت ترین حملہ کرنے کا اور تجھے ختم کر دینے کا لالچ بڑھ جائے گا۔اور وہ تجھے مار ڈالیں گے۔
فَاَمَّا مَاذَكَرْتَ مِنْ مَّسِيْرِ الْقَوْمِ اِلٰى قِتَالِ الْمُسْلِمِيْنَ فَاِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ هُوَ اَكْرَهُ لِمَسِيْرِهِمْ مِنْكَ ؛	19	اور تم نے یہ جو کہا کہ عجمی لوگ مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہو کر روانہ ہو چکے ہیں۔تو اللہ پاک ان کی تیاری اور جنگ کے لئے سفر کو تجھ سے کہیں زیادہ ناپسند کرتا ہے۔
وَهُوَ اَقْدَرُ عَلٰى تَغْيِيْرِ مَايَكْرَهُ ؛	20	اور وہ جس بات کو ناپسند کرتا ہے اسے بدل ڈالنے پر بھی بہت قدرت رکھتا ہے

وَاَمَّا مَاذَکَرْتَ مِنْ عَدَدِهِمْ فَاِنَّا لَمْ نَکُنْ نُقَاتِلُ فِیمَا مَضٰی بِالْکَثْرَةِ ؛	21	اور تم نے جوان کی تعداد کی کثرت کا ذکر کیا ہے تو سنو کہ ہم نے ماضی میں کبھی کثرت کے بل پر جنگ نہیں کی۔
وَاِنَّمَا کُنَّا نُقَاتِلُ بِالنَّصْرِ وَالْمَعُوْنَةِ ؛	22	اور ہماری جنگیں تو اللہ کی تائید اور نصرت کے بھروسہ پر ہوا کرتی تھیں۔

تشریحات:

چند خطبات (نمبر 158) پہلے بھی خلیفہ دوم نے جنگ پر جانے یا نہ جانے کا مشورہ لیا اور حضور علیہ السلام نے منع فرما دیا تھا۔ اس دفعہ تو بہت سے صحابہ نے عمر کو جنگ پر جانے کیلئے کہا تھا اور عمر فطری طور پر جنگ سے گریز کیا کرتے تھے لہٰذا یہ سوچ کر حضرت علی علیہ السلام سے مشورہ لیا جا رہا ہے کہ وہ میری حالت سے واقف ہیں ضرور منع فرمائیں گے اور میری جان بچ جائے گی اور میں صحابہ کو کہہ سکوں گا کہ علیؑ مرتضیٰ کے مشورے کے خلاف عمل کرنا غلط ہے اسلئے میدان جنگ میں نہیں جا رہا ہوں۔ ورنہ میں ضرور جاتا۔ رہے حضرت علیؑ تو وہ عمر کا جانا مفید نہ سمجھتے تھے اور خود خطبے میں اس کا اظہار فرما دیا ہے۔

2۔ اسلامی جنگوں اور طرز عمل پر پورا پورا زور دیا ہے۔ اور قریشی عقائد واضح کیے ہیں۔

آپؑ نے یہ واضح کر دیا ہے کہ قریشی فوج کشیاں عہد رسولؐ سے مختلف انداز میں ہوتی تھیں۔ پہلے ہی جملے میں کثرت وقلت کے اصول کو توڑ دیا ہے۔ اور یہ بتا دیا ہے کہ اگر اللہ کے دین کی تائید میں جنگ کی جائے گی تو اللہ خود ذمہ دار ہے اُس نے مومنین کے لئے وعدے کر رکھے ہیں وہ اپنے افواج کی دیکھ بھال، مدد اور کامیابی خود کرے گا۔ جس طرح اُس نے عہد رسولؐ میں اسلام کو غالب رکھا فتوحات دیں اُسی طرح ہمیشہ فتح دے گا (جملے 4-1)۔ حضرت علیؑ نے یہ یاد دلایا ہے کہ وہ بہت سے وعدوں کے پورا ہونے کا انتظار فرما رہے ہیں (جملہ 5)۔ یعنی تم کہاں کہاں شکست کھاؤ گے کہاں اور کیسے کامیاب ہو گے۔ لہٰذا اللہ ہی پر اپنی افواج کو چھوڑ دو وہ جیسا چاہے گا کرے گا (جملے 7-6)۔ اسی طرح آخری جملوں میں بھی اللہ پر بھروسہ اور تعداد و تیاری کی فکر نہ کرنے پر زور دیا ہے اور اپنی جنگوں کی یاد دلائی ہے (جملے 19 تا 22)۔ جو عمر اینڈ کمپنی کی پالیسی اور عقائد کے خلاف تھیں عمر کی دل چسپی کی باتیں وہی تھیں جہاں اُسے مرکز میں رہنے کی تاکید کی گئی ہے (جملے 8 تا 15) اور اُن خرابیوں کا ذکر کیا گیا ہے جو اُس کے فوج کے ساتھ جانے سے پیدا ہونا لازم تھیں۔ حالانکہ عمر یہ کہہ سکتا تھا کہ مرکز میں آپ کو جانشین بنا کر جاؤں گا تو کوئی خرابی پیدا نہ ہوگی اور اگر عجمی فوجیں مجھ پر حملہ آور ہوں گی تو میں اُن کو کاٹ کاٹ کر ڈھیر لگا دوں گا۔ مگر عمر خود کو جانتا تھا۔ وہ عجمیوں کے حملے سے ڈر گیا اور فوراً بلا کسی عذر کے مان لیا کہ واقعی اُس کا جانا خطرہ سے خالی نہیں ہے (جملے 16 تا 18) لہٰذا حضرت علی علیہ السلام کے مشورہ کو غنیمت سمجھا اور جان بچی لاکھوں پائے۔ خیر سے بدھو گھر کو آئے۔ کہہ کر گھر میں ٹھہرا رہا اور عربوں کو جھونکتا رہا۔

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر: 145

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 147

خُطبہ ﴿170﴾

قریشی تاریخ و تفسیر تیار ہونے کا زمانہ؟

1۔اللہ، رسوؐل اور قرآن کی چند باتیں۔2۔علیؑ کے بعد قرآن کی پوزیشن کیا رہ جائے گی۔؟3۔نیکی اور بدی کی صورت کس طرح بدل جائے گی؟4۔قرآن کے ساتھ صاحبانِ قرآن بے یارو مددگار ہو جائیں گے انہیں کہیں پناہ نہ ملے گی۔اُمت کے ساتھ ساتھ ہوں گے مگر الگ تھلگ۔5۔عہد مرتضویؑ ہی میں حکمران اور حکمران قوم قرآن کی امام بن چکی تھی۔اور تعلیمات قرآن میں سے صرف الفاظِ قرآن باقی رہ گئے تھے۔6۔قرآن سے استفادہ کی شرط کیا ہے؟

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

فَبَعَثَ اللّٰهُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَآلِهٖ بِالۡحَقِّ لِيُخۡرِجَ عِبَادَهُ مِنۡ عِبَادَةِ الۡاَوۡثَانِ اِلٰى عِبَادَتِهٖ	1	چنانچہ اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ حضرتؐ اللہ کے بندوں کو لیڈروں کی طے کردہ عبادت سے نکال کر اللہ کی عبادت پر قائم کردیں
وَمِنۡ طَاعَةِ الشَّيۡطَانِ اِلٰى طَاعَتِهٖ ؛	2	اور شیطانی اطاعت چھڑا کر اللہ کا مطیع بنادے۔
بِقُرۡاٰنٍ قَدۡ بَيَّنَهُ وَاَحۡكَمَهُ لِيَعۡلَمَ الۡعِبَادُ رَبَّهُمۡ اِذۡ جَهِلُوۡهُ وَلِيُقِرُّوۡا بِهٖ بَعۡدَ اِذۡ جَحَدُوۡهُ ؛ وَلِيُثۡبِتُوۡهُ بَعۡدَ اِذۡ اَنۡكَرُوۡهُ ؛	3	قرآن کے ذریعے سے اللہ نے ایسے یقینی اور محکم بیانات پہنچائے تاکہ بندے اپنے پروردگار سے جاہل رہنے کے بعد اس کا علم حاصل کرسکیں۔اور ہٹ دھرمیاں کرتے رہنے کے بعد اس کا اقرار کرلیں۔اور انکار کرتے رہنے کے بعد اس کا موجود ہونا مان لیں۔
فَتَجَلّٰى لَهُمۡ سُبۡحَانَهُ فِيۡ كِتَابِهٖ مِنۡ غَيۡرِ اَنۡ يَكُوۡنُوۡا رَاَوۡهُ بِمَا اَرَاهُمۡ مِّنۡ قُدۡرَتِهٖ ؛	4	چنانچہ اللہ پاک نے اپنی کتاب کے ذریعہ سے خود اپنا جلوہ دکھا دیا بلا اس کے کہ اسے آنکھوں سے دیکھتے اور انہیں اپنی قدرت سے ایسا دکھا دیا گویا خود اس کو دیکھا ہوا ہے۔
وَخَوَّفَهُمۡ مِنۡ سَطۡوَتِهٖ ؛	5	اور اپنے رعب اور دبدبہ سے انہیں ویسا ہی ڈرا دیا جیسے کہ وہ دیکھ کر ڈرتے۔
وَكَيۡفَ مَحَقَ مَنۡ مَّحَقَ بِالۡمَثُلَاتِ وَاحۡتَصَدَ مَنِ احۡتَصَدَ بِالنَّقِمَاتِ ؛	6	اور غور طلب یہ بات ہے کہ جسے اس نے مٹانا تھا اسے کس طرح عذابوں سے مٹا کر رکھ دیا اور جسے نابود و ناپید کرنا تھا اسے کس طرح اپنے غضب اور غصہ کے

عربی	نمبر	اردو
		انتقام سے نابود و ناپید کر دیا۔
وَاِنَّهُ سَيَاتِيْ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِيْ زَمَانٌ لَيْسَ فِيْهِ شَيْءٌ اَخْفٰى مِنَ الْحَقِّ ؛	7	اور یہ حقیقت ہے کہ میرے بعد تم پر ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ جس میں حق سے زیادہ کوئی اور چیز مخفی اور چھپی ہوئی نہ ہوگی۔
وَلَا اَظْهَرَ مِنَ الْبَاطِلِ وَلَا اَكْثَرَ مِنَ الْكَذِبِ عَلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؛	8	اور باطل سے زیادہ کوئی اور چیز غالب و ظاہر نہ ہوگی۔ اور اللہ اور اللہ کے رسوؐل پر جھوٹ بولنے سے زیادہ اور کسی بات پر جھوٹ نہ بولا جائے گا۔
وَلَيْسَ عِنْدَ اَهْلِ ذٰلِكَ الزَّمَانِ سِلْعَةٌ اَبْوَرَ مِنَ الْكِتَابِ اِذْ تُلِيَ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؛	9	اور اس زمانہ کے لوگوں کے نزدیک قرآن سے زیادہ اور کوئی چیز حقیر اور بے قیمت نہ ہوگی جب کہ اس کی تلاوت و تفہیم حقیقی صورت میں کی جائے۔
وَلَا اَنْفَقَ مِنْهُ اِذَا حُرِّفَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ؛	10	اور ان کے نزدیک قرآن سے زیادہ اور کوئی چیز قیمتی نہ ہوگی جب کہ اسے اس کے حقیقی مقام سے ہٹا کر غلط مواقع پر فٹ کیا جائے۔
وَلَا فِي الْبِلَادِ شَيْءٌ اَنْكَرَ مِنَ الْمَعْرُوْفِ وَلَا اَعْرَفَ مِنَ الْمُنْكَرِ ؛	11	اور تمام بستیوں میں نیکیوں اور اچھائیوں سے بری اور کوئی چیز نہ سمجھی جائے گی۔ اور برائیوں سے اور کوئی چیز اچھی نہ کہلائے گی۔
فَقَدْ نَبَذَ الْكِتَابَ حَمَلَتُهٗ ؛ وَتَنَاسَاهُ حَفَظَتُهٗ ؛	12	چنانچہ قرآن کے ذمہ دار کہلانے والے لوگ قرآن کو راہ سے ہٹا دیں گے اور حافظانِ قرآن اس کی ذمہ داری کو بھلا دیں گے۔
فَالْكِتَابُ يَوْمَئِذٍ وَّاَهْلُهٗ طَرِيْدَانِ مَنْفِيَّانِ ؛ وَصَاحِبَانِ مُصْطَحِبَانِ فِيْ طَرِيْقٍ وَّاحِدٍ لَا يُؤْوِيْهِمَا مُؤْوٍ ؛	13	چنانچہ قرآن اور صاحبانِ قرآن اس زمانہ میں ٹھکرا دئے جائیں گے، دونوں کی نفی کر دی جائے گی اور وہ دونوں ایک ہی طریقہ پر ساتھ رہیں گے۔ ان دونوں کو پناہ دینے والا کوئی نہ ہوگا۔
فَالْكِتَابُ وَاَهْلُهٗ فِيْ ذٰلِكَ الزَّمَانِ فِي النَّاسِ وَلَيْسَا فِيْهِمْ وَمَعَهُمْ وَلَيْسَا مَعَهُمْ ؛ لِاَنَّ الضَّلَالَةَ لَا تُوَافِقُ الْهُدٰى وَاِنِ اجْتَمَعَا ؛	14	چنانچہ قرآن اور صاحبان قرآن اس زمانہ میں لوگوں کے درمیان ہوں گے مگر ایسے کہ ان کے اندر موجود نہیں ہیں۔ اور ان کے ساتھ ساتھ ہوں گے مگر ایسے کہ ان کے ساتھ نہیں ہیں۔ یہ اس لئے کہ گمراہی سے ہدایت کبھی اتفاق نہیں کرتی خواہ وہ دونوں ایک جگہ جمع ہی کیوں نہ ہو جائیں۔
فَاجْتَمَعَ الْقَوْمُ عَلَى الْفُرْقَةِ وَافْتَرَقُوْا عَنِ الْجَمَاعَةِ ؛	15	قوم نے فرقہ سازی پر اجماع کر لیا ہے۔ اور اسی غرض سے ہماری جماعت سے الگ ہو گئے ہیں۔
كَاَنَّهُمْ اَئِمَّةُ الْكِتَابِ وَلَيْسَ الْكِتَابُ اِمَامَهُمْ ؛	16	یہ اسلئے ہوا گویا وہ قرآن کے امام ہیں اور اب قرآن ان کا امام نہیں رہا ہے۔

فَلَمْ يَبْقَ عِنْدَهُمْ مِنْهُ اِلَّا اسْمُهُ وَلَا يَعْرِفُوْنَ اِلَّا خَطَّهُ وَزَبْرَهُ ؛	17	لٰہذا اب وہ قرآن کو ایسا بنا دیں گے کہ قرآنی تعلیمات میں سے اپنے پاس نام کے سوا کچھ باقی نہ چھوڑیں گے۔ اور لوگ قرآن کے الفاظ، رسم الخط اور زیر وزبر کے علاوہ کچھ نہ پہچانیں گے۔
وَمِنْ قَبْلُ مَامَثَّلُوْا بِالصَّالِحِيْنَ كُلَّ مُثْلَةٍ ؛	18	آنے والے زمانہ سے پہلے وہ اپنا ہم مذہب بنانے کے لئے نیک لوگوں کو ہر قسم کی اذیت پہنچا چکیں گے۔
وَسَمُّوْا صِدْقَهُمْ عَلَى اللّٰهِ فِرْيَةً ؛	19	اور نیک لوگوں کی سچی باتوں کا نام بھی یہ قوم من گھڑت اور اللہ پر تہمت رکھ دے گی
وَجَعَلُوْا فِي الْحَسَنَةِ عَقُوْبَةَ السَّيِّئَةِ ؛	20	اور نیک لوگوں کو ان کی نیکیوں کے بدلے میں بری اور سخت سزائیں دے گی۔
وَاِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِطُوْلِ اٰمَالِهِمْ ؛	21	اور اس کے سوا کچھ نہیں کہ تم سے پہلے جو لوگ تباہ ہوئے اپنی لمبی چوڑی امیدوں اور آسروں کی وجہ سے ہلاک ہوئے تھے۔
وَتَغَيُّبِ اٰجَالِهِمْ حَتّٰى نَزَلَ بِهِمُ الْمَوْعُوْدُ الَّذِىْ تُرَدُّ عَنْهُ الْمَعْذِرَةُ وَتُرْفَعُ عَنْهُ التَّوْبَةُ وَتَحُلُّ مَعَهُ الْقَارِعَةُ وَالنَّقِمَةُ ؛	22	اور اپنی موت ہی کو سامنے سے غائب کر بیٹھے تھے یہاں تک کہ جب وعدہ شدہ موت ان پر آگری تو ان کے عذرات اور بہانے رد کر دئے گئے، اور ان کی توبہ کو اُٹھا کر الگ رکھ دیا گیا اور ساتھ ہی ان پر بلائیں اور غضب نازل ہو گیا۔
اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّهُ مَنِ اسْتَنْصَحَ اللّٰهَ وُفِّقَ ؛	23	اے لوگو جو اللہ کی طرف سے نصیحت اور ہدایت کا طلب گار رہتا ہے اسی کو اصلاح کی توفیق ملا کرتی ہے۔
وَمَنِ اتَّخَذَ قَوْلَهُ دَلِيْلاً هُدِىَ لِلَّتِىْ هِىَ اَقْوَمُ ؛	24	اور جو کوئی اللہ کی بات کو اپنا راہنما اور دلیل بناتا ہے وہی ایسی راہنمائی پاتا ہے جو بہت پائیدار ہوا کرتی ہے۔
فَاِنَّ جَارَ اللّٰهِ اٰمِنٌ وَعَدُوَّهُ خَائِفٌ ؛	25	چنانچہ اللہ کے ہمسایوں میں رہنے والا بے خوف اور امن میں ہوتا ہے۔ اور اللہ کا دشمن ہمیشہ خوف زدہ رہتا ہے۔
وَاِنَّهُ لَايَنْبَغِىْ لِمَنْ عَرَفَ عَظَمَةَ اللّٰهِ اَنْ يَّتَعَظَّمَ ؛	26	اور یہ لازم ہے کہ جو کوئی اللہ کی عظمت کو پہچانتا ہے وہ اپنی عظمت کی نمائش نہیں کرتا ہے۔
فَاِنَّ رِفْعَةَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ مَاعَظَمَتُهُ اَنْ يَّتَوَاضَعُوْالَهُ ؛	27	چنانچہ جو لوگ اللہ کی عظمت کا علم رکھتے ہیں ان کی اپنی عظمت اور بلندی اس میں ہے کہ وہ عاجزی اختیار کریں۔
وَسَلَامَةَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ مَاقُدْرَتُهُ اَنْ يَّسْتَسْلِمُوْا لَهُ ؛	28	اور ان لوگوں کی سلامتی اسی میں ہے کہ جو اللہ کی قدرت کے علم کے بعد خود کو اللہ کے سپرد کر دیں۔

فَلَا تَنۡفِرُوۡا مِنَ الۡحَقِّ نِفَارَ الصَّحِيۡحِ مِنَ الۡاَجۡرَبِ ؛وَالۡبَارِئَ مِنۡ ذِی السَّقَمِ ؛	29	چنانچہ تم لوگ حق سے اس طرح کی نفرت نہ کرو جیسے ایک تندرست شخص خارش والے شخص سے گھن کھاتا ہے۔ یا جیسے تندرست آدمی بیمار اور بیماری سے گھبراتا ہے۔
وَاعۡلَمُوۡا اَنَّكُمۡ لَنۡ تَعۡرِفُوا الرُّشۡدَ حَتّٰى تَعۡرِفُوا الَّذِیۡ تَرَكَهٗ ؛	30	اور جان رکھو کہ تم لوگ رشد و ہدایت سے ہرگز متعارف نہیں ہو سکتے جب تک ان لوگوں سے متعارف نہ ہو جاؤ جنہوں نے رشد و ہدایت کو ترک کیا ہے۔
وَلَنۡ تَاۡخُذُوۡا بِمِيۡثَاقِ الۡكِتَابِ حَتّٰى تَعۡرِفُوا الَّذِیۡ نَقَضَهٗ ؛	31	اور ہرگز قرآن کے معاہدوں پر عمل نہ کر سکو گے جب تک قرآن کے معاہدوں کو توڑنے والوں سے متعارف نہ ہو جاؤ۔
وَلَنۡ تَمَسَّكُوۡا بِهٖ حَتّٰى تَعۡرِفُوا الَّذِیۡ نَبَذَهٗ ؛	32	اور ہرگز قرآن سے وابستہ نہیں رہ سکتے جب تک قرآن کو دور پھینکنے والوں سے متعارف نہ ہو جاؤ۔
فَالۡتَمِسُوۡا ذٰلِكَ مِنۡ عِنۡدِ اَهۡلِهٖ ؛	33	وہ تمام تعارف اور ہدایات اہل قرآن سے طلب کرو۔
فَاِنَّهُمۡ عَيۡشُ الۡعِلۡمِ وَمَوۡتُ الۡجَهۡلِ ؛	34	یقیناً وہی علم کی زندگی ہیں اور جہالت کی موت ہیں۔
هُمُ الَّذِيۡنَ يُخۡبِرُكُمۡ حُكۡمُهُمۡ عَنۡ عِلۡمِهِمۡ ؛	35	وہی وہ حضرات ہیں کہ ان کا دیا ہوا ہر حکم ان کے علم کا ثبوت ہوتا ہے۔
وَصَمۡتُهُمۡ عَنۡ مَنۡطِقِهِمۡ ؛	36	ان کی خاموشی ان کے بولنے کا پتہ دیتی ہے۔
وَظَاهِرُ هُمۡ عَنۡ بَاطِنِهِمۡ ؛	37	اور ان کا ظاہر بالکل ان کے باطن کو بتاتا ہے۔
لَا يُخَالِفُوۡنَ الدِّيۡنَ وَلَا يَخۡتَلِفُوۡنَ فِيۡهِ فَهُوَ بَيۡنَهُمۡ شَاهِدٌ صَادِقٌ وَصَامِتٌ نَاطِقٌ ؛	38	وہ دینِ خداوندی کی مخالفت نہیں کرتے اور دین میں اختلاف بھی نہیں کرتے چنانچہ دین ان کے روبرو سچا گواہ ہے۔اور خاموش ہوتے ہوئے ان کے ساتھ بول رہا ہے۔

تشریحات:

خطبہ(170) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے ایک مقصد سے شروع کیا گیا ہے۔اور پہلی بات یہ بتائی گئی ہے کہ عرب میں اللہ کی جگہ لیڈروں کی عبادت کی جارہی تھی اور اللہ کی اطاعت کے بجائے شیطان کی اطاعت ہوتی تھی۔لہٰذا حضوؐر کی بعثت کا مقصد یہ بتایا ہے کہ عبادت اور اطاعت اللہ کی کرائی جائے (جملہ 2-1)۔لوگوں کو جہالت سے نکال کر اللہ سے واقف کرایا جائے۔اُس کے وجود کا یقین دلایا جائے اور ہٹ دھرمی چھڑادی جائے (جملہ 3)۔چنانچہ آنحضرتؐ نے قرآن کے ذریعہ سے لوگوں کو اللہ سے متعارف کرایا۔بُرے اعمال کے بُرے نتائج سے ڈرایا۔اللہ کا دبدبہ دلوں میں قائم کیا۔گویا خدا کو سامنے لاکر کھڑا کر دیا تھا (جملے 4۔5)۔یہاں سے حضور علیہ السلام کچھ چیزوں اور لوگوں کے مٹانے اور نابود ونا پید کرنے کا ذکر فرما کر (جملہ 6) ایک بدترین زمانے کے آنے کا ذکر فرماتے ہیں (جملہ 7) اور خطبے کا بڑا حصہ اُسی زمانے کے

لوگوں کے حالات پر صرف کرتے ہیں۔اوراُن حالات میں سب سے دردناک حالات خودقرآن اور صاحبانِ قرآن علیہم السلام کے ہیں۔یعنی مسلمانوں نے قرآن اوراہلِ قرآن کا بائیکاٹ کیا۔اُنہیں بے گھر اور بے دررکھا۔قرآن کی تعلیمات کوسر سے پیر تک تبدیل کر کے رکھ دیا۔اور ہر وہ کام کیا جو سابقہ اُمتیں بھی نہ کرسکی تھیں۔

2۔دین کو بے دینی میں تبدیل کرنے کے لئے قرآن میں معنوی تبدیلیاں کی تھیں(25/30)۔

خطبے کے پہلے ہی جملہ میں لفظ اَوْثَـانِ استعمال کیا گیا ہے اور اَوْثَـانِ کی عبادت چھڑانا اوراللہ کی عبادت جاری کرانے کے سلسلے میں استعمال کیا گیا ہے۔یہ لفظ قرآن میں بھی تین مقامات (22/30، 29/17، 29/25) پرآیا ہے اور علما نے اس کا ترجمہ ''بُت'' کیا ہے۔حالانکہ اس لفظ کا مادہ ''و۔ث۔ن'' ہے اور مصدر وُثُوْنًا ہے اور معنی ہیں ''دولت بٹورنا'' ''مال جمع رکھنا'' اس سلسلے میں ایک آیت سنئے اللہ نے فرمایا ہے کہ:

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ O (22/30)

مودودی ترجمہ:۔ ''پس بتوں کی گندگی سے بچو،جھوٹی باتوں سے پرہیز کرو۔''(تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 222)

ہماراترجمہ ''چنانچہ سرمایہ داری واجارہ داری کی ناپاکی سے بچ کر رہواور جبر واستحصال کے فرمانات سے بھی پرہیز کرو۔''

ہم نے اپنی تفسیر میں اس آیت کی تشریح میں لکھا ہے کہ:

''(5) آیت (22/30) میں خواہ مخواہ بتوں کواور جھوٹ کو گھسیٹ کر لایا گیا ہے۔

اِس آیہ مبارکہ (22/30) میں لفظ اَوْثَـان اور زُور استعمال ہوئے ہیں اوراللہ نے اُن دونوں سے اجتناب (الگ رہنے) کا حکم دیا ہے۔اور یہ حکم مومنین کو دیا گیا ہے۔اور یہ معلوم ہے کہ کسی شخص کا اسلام قبول ہی جب کیا جاتا ہے جب کلمہ توحید پڑھ کر عملاً بتوں سے الگ ہوجائے۔اوراُس کے کسی قول وفعل سے یہ ظاہر نہ ہوتا ہو کہ اس کے دل میں بت پرستی سے لگاؤ باقی ہے۔لہٰذا اسلام لانے کے بعد مسلمانوں کو یہ کہنا کہ تم بتوں سے اجتناب کروتحصیل حاصل ہے اور چونکہ تمام مسلمان بتوں سے مجتنب رہے ہیں۔لہٰذا ایسا کہنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔لیکن چونکہ مسلمانوں میں ذاتی ملکیت میں کروڑوں اورار بوں روپے مولوی صاحب کے نزدیک ہمیشہ جائز ہیں۔لہٰذالفظ اوثان کے معنی سرمایہ داری اوراجارہ داری کے بجائے بت اور بت پرستی ہوجانا چاہئیں۔تاکہ مسلمانوں میں سرمایہ داری اوراجارہ داری جاری رہ سکے۔مسلمانوں میں فاسق وفاجر قسم کے لوگ ہی نہیں بلکہ ہمارے علما میں سید مرتضیٰ علم الھدیٰ (سید رضیؒ کے بھائی) جیسے کروڑوں پتی علما گزرے ہیں۔جنہیں دولت ودین دونوں کی اجارہ داری حاصل تھی۔لہٰذاوہ دولت کے زور سے حرام کو حلال کرلیتے تھے اور فتویٰ دے کرلوگوں کو کافر بھی بنادیا کرتے تھے۔یہی حال لفظ ''زُور'' کا ہے یہ لفظ اُسی مادہ اور مصدر سے نکلتا ہے جس سے زیارت۔زوار۔مزار۔اورزائر نکلتے ہیں۔مگر قرآن میں معنوی تبدیلیاں کرنے والی قریشی حکومتوں نے اس کے معنی جھوٹ اور بکواس کے بنادئے ہیں۔حالانکہ اس لفظ زُور سے اِن معنی کا کوئی تعلق نہیں ہے ہم نے اس کے معنی جبر یہ استحصال کئے ہیں۔یعنی لوگوں کو اپنی زیارت اور چڑھاواچڑھانے پر مجبور کردینا۔''(احسن التعبیر)

یہ وہ عملی طریقہ تھا جسے رسولؐ کی قوم قریش نے عہدِ رسولؐ ہی میں اختیار کرلیا تھا اور سارے قرآن کے کلیدی الفاظ کے معنی ومفاہیم بدل کر عوام تک میں مشہور کردیئے تھے۔تاکہ رسولؐ کے بعد اپنے سابقہ دین کو اسلام کا رنگ دینے میں دِقت نہ ہو۔اس معنوی تبدیلی کی رسولؐ اللہ نے اللہ

سے شکایت کی اور وہاں سے اس قوم کو دشمن رسولؐ ہونے کا مجرم قرار دیا گیا اور یہ سارا قصہ اور پالیسی قرآن میں ریکارڈ کردی گئی (6/66،25/30-31) چنانچہ قریش پر حضرت علی علیہ السلام کا فرمودہ زمانہ جلد آ گیا تھا۔ چنانچہ قرآن کو غلط استعمال کرنے پر خلفا انعام دیا کرتے تھے (جملہ 10) اور جو کوئی قرآن کے حقیقی معنی ومفہوم پر اصرار کرتا تھا اُسے سزا بھگتنا پڑتی تھی (جملہ 9) اسی زمانہ میں کھل کر جھوٹی روایات تیار کی گئی تھیں اور اللہ ورسولؐ پر تہمتیں لگانا اور جھوٹ بولنا عام ہو گیا تھا (جملہ 8)۔ برائیوں کو اچھائیاں بنا کر استعمال کیا جاتا تھا (جملہ 11) قرآن کے حافظ اور ذمہ دار بن بیٹھنے والوں ہی نے تعلیمات قرآن کو اُلٹ کر رکھ دیا تھا (جملہ 12) خلفاء اُمراء اور عہدیداران حکومت باقاعدہ ایک باطل مذہب کو اسلام کے نام پر رائج کر رہے تھے۔ اُسی زمانہ میں قرآن کو اپنے احکامات کے ماتحت کر لیا گیا تھا یعنی وہ قرآن کے امام بن گئے تھے قرآن اُن پر حکمران نہیں تھا (جملہ 16) یوں قرآن اور صاحبان قرآن علیہم السلام کی نفی کر دی گئی تھی (جملہ 13)۔

3۔ آئمہؑ ہی کی نہیں خود رسولؐ کی بھی نفی کر دی گئی تھی۔

عہد رسولؐ میں قریشی قوم کو یہ حکم دے دیا گیا تھا کہ قرآن کے جو معنی ومطالب قریشی مرکز کی طرف سے جاری ہوتے ہیں اگر وہی معنی ومطالب رسولؐ اللہ بتائیں تو اختیار کر لیا کرو اگر وہاں سے قریشی تفہیم کے خلاف معنی جاری کئے جائیں تو ایسے احکامات کی تعمیل سے بچ نکلنے کی راہ اختیار کر لینا چاہئے۔ قریش کی یہ پالیسی بھی قرآن میں ریکارڈ کردی گئی تھی سنئے:

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا..(مائدہ 5/41)

مودودی ترجمہ: ''کتاب اللہ کے الفاظ کو اُن کا صحیح محل متعین ہونے کے باوجود اصل معنی سے پھیرتے ہیں اور لوگوں سے کہتے ہیں کہ اگر تمہیں یہ حکم دیا جائے تو مانو نہیں تو نہ مانو۔'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 470)

مودودی کی تشریح: ''66 یعنی جاہل عوام سے کہتے ہیں کہ جو حکم ہم بتا رہے ہیں اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہی حکم تمہیں بتائیں تو اُسے قبول کرنا ورنہ رد کر دینا۔'' (ایضاً صفحہ 470)

چونکہ مودودی کے راہنماؤں کی بات ہو رہی ہے اس لئے مودودی نے ترجمہ میں لفظ '' فَاحْذَرُوْا '' کے معنی غلط کئے ہیں۔ حذر کرنے کے معنی یہ مولوی خود بھی بچنا کرتا ہے۔ (دیکھو صفحہ 503 آیت 5/92)

خود بھی سوچئے کہ مسلمان رسولؐ کے حکم سے انکار کرے یا نہ مانے تو رسولؐ کی نافرمانی کی بنا پر وہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ لہٰذا ایسا مشورہ کوئی نہ مانے گا۔ جس سے وہ کافروں یا منافقوں میں شمار ہو جائے۔ پھر مودودی نے اپنی تشریح میں یہی لکھ دیا کہ ''ورنہ رد کر دینا'' بہر حال قارئین خود ہی سمجھ سکتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کے مقابلے میں قریشی مرکز اپنی قوم کو اُن کی تعلیمات کے خلاف تیار کر رہا ہے اور قرآن کی اُن تمام آیات کا مفہوم بدلنا چاہتا ہے جو اُن کے سابقہ مذہب کے خلاف پائی جاتی ہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی چاہتا ہے کہ عملدرآمد رسولؐ سے پوشیدہ رہے۔ لہٰذا وہ قریشی مرکز کبھی اپنے عوام کو یہ مشورہ نہ دے گا کہ حکم ماننے سے انکار کر دینا یا حکم کو رد کر دینا۔ وہ تو وہی کچھ کہے گا جو قرآن میں اُسی کی زبانی بتایا گیا ہے یعنی فَاحْذَرُوْا بچ کر نکل جایا کرو۔ مودودی صاحب بھی اُسی مرکز کی تائید کرنے والے عالم ہیں لہٰذا ترجمہ اور تشریحات سے اُسی مرکز کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

4۔ شیعوں پر مظالم، حضرت علیؑ پر مظالم اور تبرا ثلاثہ کی شان میں جھوٹی روایات تیار کرانا۔

حضرت علیؑ کے خلاف مہم۔ شیعوں کو مجبور کر کے مذہب بدلنے پر آمادہ کرنا۔ فضائل محمدؐ وآل محمدؐ کی بندش خلفا کے فضائل تیار کرانا (جملہ 14 تا 32) ابوالحسن علی بن محمد ابی سیف المدائنی نے کتاب الاحداث میں روایت کی ہے کہ معاویہ نے ایک ہی مضمون کے حکم نامے امام حسنؑ سے صلح کے سال اپنے تمام گورنروں کو بھیجے جن میں اس نے لکھا تھا کہ ''میں بری الذمہ ہوں اُس شخص سے جو فضائل علیؑ واولا دعلیؑ بیان کرے گا۔ (یعنی ایسے شخص کو مارڈالنے پر باز پرس نہ کروں گا) لہٰذا ہر طبقے اور سرزمین میں ہر منبر پر لکچرار کھڑے ہوگئے جو حضرت علیؑ پر لعنت کرتے تھے اُن سے بیزاری چاہتے تھے اور اُن کی اور اُن کی اولاد کی مذمت کرتے تھے۔ اس مصیبت میں سب سے زیادہ اہل کوفہ گرفتار تھے۔ کیوں کہ وہاں شیعان علیؑ بہت تھے۔ لہٰذا معاویہ نے کوفہ پر زیاد بن سمیہ کو حاکم مقرر کردیا اور بصرہ بھی اس کے ماتحت کردیا۔ وہ شیعوں کو جہاں بھی وہ ہوتے تھے ڈھونڈ کر نکال لیتا تھا۔ لہٰذا ہر ایک پتھر اور کنکر کے نیچے سے شیعوں کو تلاش کر کے نکالا اور قتل کیا۔ دھمکیاں دیں، اُن کے ہاتھ پیر کاٹے، درختوں کی شاخوں میں سولی دے کر لٹکایا اور بہتوں کو عراق سے جلاء وطن کردیا نتیجہ یہ ہوا کہ عراق میں کوئی ایسا شیعہ باقی نہ رہا جس سے زیاد واقف تھا۔ معاویہ نے کل اطراف میں اپنے گورنروں کو لکھا کہ کسی شیعہ علیؑ کی گواہی کو جائز نہ رکھو اور لکھا کہ عثمان کے پیروؤں اور دوستداروں اور اہل وِلا پر مہربانی کرو۔ جو عثمان کے فضائل ومراتب بیان کرتے ہیں۔ اُن کی جائے نشست اپنے نزدیک قرار دو اور اُن لوگوں کو اپنا مقرب بناؤ اُن کی بزرگی کرو۔ اُن کی بیان کردہ احادیث اور روایات مجھے لکھو اور بیان کرنے والے کا نام اور اُس کے باپ اور قبیلے کا نام لکھو۔ پس گورنروں نے ایسا ہی کیا۔ یہاں تک کہ عثمان کے فضائل اور مناقب کی اُن لوگوں نے کثرت کردی کیوں کہ معاویہ اُن لوگوں کو صِلہ بھیجتا تھا۔ باغات واراضیات وملبوسات دیتا تھا۔ اور اُن احادیث کو عرب میں شائع کرتا تھا۔ پھر ہر شہر میں اس کی کثرت ہوئی اور لوگ دُنیا اور وجاہت دُنیا کی طرف مائل ہوگئے۔ معاویہ کے گورنروں میں کوئی ایسا نہ تھا جو جھوٹی احادیث نہ بھیجتا ہو۔ بلکہ تمام جھوٹی احادیث بھیجنے والوں کے نام معاویہ کو بھیجتا تھا اور معاویہ اُن کو مقرب بنالیتا تھا۔ اور اُن کی سفارش قبول کرتا تھا۔ پس اس طرح ایک زمانہ گزرگیا۔ پھر معاویہ نے گورنروں کو لکھا کہ عثمان کی فضیلت میں حدیثوں کی کثرت ہوگئی ہے اور ہر شہر اور ہر طرف اور ہر گوشے میں پھیل گئی ہیں۔ لہٰذا جس وقت تمہیں میرا یہ خط ملے تو تم لوگوں کو صحابہ وخلفائے ثلاثہ کے فضائل بیان کرنے پر مائل کرو۔ اور اگر تم کوئی حدیث ابوتراب کے حق میں سنو تو ویسی ہی اور اس کی مثیل ونظیر دوسری حدیث صحابہ کے حق میں بنا کر مجھے بھیجو۔ پس یہ امر مجھے بہت محبوب تر ہے۔ اور میری آنکھوں کو خنک کرنے والا ہے اور ابوتراب اور اُس کے شیعوں کی دلیل کو بہت توڑنے والا ہے اور اُن لوگوں کو فضائل عثمان سخت تر معلوم ہوں گے۔ معاویہ کے یہ خطوط لوگوں کو پڑھ کر سنائے گئے۔ پس تعریف صحابہ میں بہت سی جھوٹی احادیث بنائی ہوئی بیان کی گئی ہیں۔ جن کی کوئی حقیقت نہ تھی اور لوگوں نے اس قسم کی خبروں کے بیان کرنے میں کوشش کی یہاں تک کہ یہ سب موضوعہ (گھڑی ہوئی) احادیث منبروں پر بیان اور مشتہر کی گئیں اور وہ موضوعہ احادیث استادوں کو مکتبوں میں دی گئیں اور انہوں نے اپنے شاگردوں اور طالب علموں اور لڑکوں کو سکھایا اور تعلیم کیا جیسا کہ قرآن سکھتے ہیں تا اینکہ معلموں نے اپنی بیٹیوں اور عورتوں اور نوکروں کو سکھایا اور تعلیم کیا پس اس ہی حال سے ان لوگوں نے بسر کی۔ معاویہ نے اپنے گورنروں کو یہ بھی لکھا کہ تم لوگ جس شخص کی نسبت گواہی سے ثابت ہو کہ وہ بہ تحقیق علیؑ اور اولا دعلیؑ کو دوست رکھتا ہے پس اس کا نام دفتر سے مٹا دو اور اُس کا رزق بند کردو اور جو اس کو ملتا ہے وہ روک دو اور اس حکم کی تائید کے لئے پروانہ ثانی میں لکھا کہ جس شخص کے اوپر محبت علیؑ اور اہل بیتؑ علیؑ کا اتہام تمہارے نزدیک ثابت ہوجائے تو اُس کو اور اُس کے گھر کو گرادو اور اس قوم سے محبت کرنے والوں کے ساتھ بھی یہی سلوک

کرو۔زیادہ تر یہ بلاعراق میں خصوصاً کوفہ میں تھی۔تا اینکہ اگر کوئی شخص شیعہ علیؑ اُس شخص کے پاس آتا تھا جس پر وہ بھروسہ کرتا تھا تو وہ داخل خانہ ہوتا اور اپنا راز اُس سے کہتا تھا اور اُس کے خادم اور غلام سے ڈرتا تھا اور اُس سے بھی کچھ بات نہیں کرتا تھا جب کہ غلیظ اور سخت قسمیں اُس سے راز پوشیدہ رکھنے کیلئے نہیں لیتا تھا۔پس بہت سی گھڑی ہوئی موضوع احادیث حق صحابہ میں ظاہر ہوئیں اور بہت سی بہتان پھیلانے والی احادیث برخلاف حضرت علیؑ شائع ہوئیں۔اور اس روش پر سب فقہا اور قاضی و حکام چلے۔سب سے زیادہ اس روش پر چلنے والے قاریان وریا کنندگان اور مستضعفین تھے جو اظہار خشوع وخضوع اور عبادت کرتے تھے۔پھر وہ جھوٹی احادیث بناتے تھے تاکہ اُن کے سبب سے اپنے والیان ملک کے نزدیک بہرہ مند ہوں اور پاس بیٹھنے سے قرب حاصل کریں۔اور بسبب تقرب کے مال و جائیداد و مکانات اُن کو حاصل ہوں۔یہاں تک کہ یہ خبریں اور احادیث اُن دینداروں کے ہاتھ میں منتقل ہوئیں جو جھوٹ کو حلال نہیں جانتے تھے۔اور سچا گمان کر کے قبول کرتے تھے۔اور اگر وہ جانتے کہ یہ احادیث جھوٹی ہیں تو اُن کو روایت نہ کرتے اور نہ اُس راہ پر چلتے۔پس یہ امر اسی طرح رہا تا اینکہ امام حسنؑ بن علیؑ نے وفات پائی پھر یہ فساد اور بلا زیادہ ہوئے یہاں تک کہ کوئی شخص اس قسم کا باقی نہ رہا مگر یہ کہ ڈرتا تھا اپنے قتل سے یا جلاوطن ہونے سے اس کے بعد فاضل مورخ لکھتا ہے کہ یہ بلا امام حسینؑ کے قتل کے بعد زمانہ عبدالملک و حجاج ابن یوسف میں اور زیادہ ہوگئی۔اور تحقیق روایت کی ہے اپنی تاریخ میں ابن عرفہ نفطو یہ نے جو بہت بڑے محدثین میں سے تھے وہ خبر جو اسی خبر کی تصدیق کرتی ہے کہا ابن عرفہ نے کہ بہت احادیث موضوعہ فضائل صحابہ اور خلفائے ثلاثہ میں بنائی گئی ہیں زمانہ بنواُمیہ میں تاکہ اُن کے ذریعہ سے نزدیکی و قرب حاصل کیا جائے کیوں کہ بنی اُمیہ گمان کرتے تھے کہ وہ اُن احادیث موضوعہ کے ذریعہ سے بنو ہاشم کی ناک مروڑ رہے ہیں'' (ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ جلد 3 صفحہ 15-16 البلاغ جلد 2 صفحہ 268 تا 272)

بہرحال قریشی راز اور پالیسیاں خود اُن کی تاریخ میں خود اُن کے علما کے ہاتھوں پبلک تک پہنچ گئیں۔اور حضرت علی علیہ السلام کے بیانات کا ہر ہر لفظ ثابت ہو کر رہا۔کاش لوگ غور کرتے۔

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 147

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 149

خُطبہ 《171》

وقتِ وداع ہدایات جاری فرمائی ہیں۔

1۔موت پر آخری باتیں،موت سے فرار موت کی طرف جلد جانا ہے۔2۔دو چراغ جنہیں روشن رکھنا ہے۔3۔میں کل تمہارا ساتھی تھا،آج عبرت و نصیحت ہوں اور کل جدا ہو جاؤں گا۔4۔پھر تم مجھے یاد کرو گے،میری قدرت و منزلت پہچانو گے۔5۔اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَo ہم سب اللہ کے لئے ہیں اور ہمیں اسی کی طرف پلٹنا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَیُّھَا النَّاسُ کُلُّ امۡرِئٍ لَاقٍ مَایَفِرُّمِنۡہُ فِیۡ فِرَارِہٖ وَالۡاَجَلُ مَسَاقُ النَّفۡسِ ؛وَالۡھَرۡبُ مِنۡہُ مُوَافَاتُہٗ	1	اے لوگو ہر شخص کو بھاگتے رہنے کے باوجود اسی چیز کا سامنا کرنا پڑیگا جس سے وہ بھاگتا اور بچتا رہا ہے اور مدتِ زندگانی دراصل اپنے نفس کو موت کی طرف ہانکنے میں صرف ہوتی ہے اور موت سے بھاگنا حقیقتاً موت کی طرف بڑھنا ہے۔
کَمۡ اَطۡرَدۡتُ الۡاَیَّامَ اَبۡحَثُھَا عَنۡ مَّکۡنُوۡنِ ھٰذَا الۡاَمۡرِ فَاَبَی اللّٰہُ اِلَّا اِخۡفَآءَہٗ ؛ ھَیۡھَاتَ ؛ عِلۡمٌ مَّخۡزُوۡنٌ	2	میں نے خود موت کے پوشیدہ رازوں اور مصلحتوں کو سمجھنے میں بہت کافی دن صرف کئے ہیں مگر اللہ نے ان رازوں کو پوشیدہ رکھنے کے سوا اور کچھ نہ چاہا افسوس ہے کہ یہ خزانہ میں پوشیدہ علم ہے۔
اَمَّا وَصِیَّتِیۡ فَاللّٰہُ لَاتُشۡرِکُوۡابِہٖ شَیۡئًا ؛ وَمُحَمَّدٌ .صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ .فَلَا تُضَیِّعُوۡا سُنَّتَہٗ ؛	3	تمہیں میری وصیت یہ ہے کہ تم اللہ کے ساتھ کسی بھی چیز کو شامل و شریک نہ کرنا اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کی سنت کو ضائع نہ کر ڈالنا۔چنانچہ تمہیں چاہیئے کہ تم:
اَقِیۡمُوۡا ھٰذَیۡنِ الۡعَمُوۡدَیۡنِ وَاَوۡقِدُوۡا ھٰذَیۡنِ الۡمِصۡبَاحَیۡنِ ؛	4	ان دونوں ستونوں کو برقرار اور قائم رکھو اور ان دونوں چراغوں کو روشن کئے رہو (یعنی پورا دین اللہ اور سنت رسولؐ میں ہے)
وَخَلَاکُمۡ ذَمٌّ مَّالَمۡ تَشۡرُدُوۡا ؛	5	اور تم پر کوئی الزام اور برائی اس وقت تک عائد نہیں ہوتی جب تک تم لوگ ان دونوں ستونوں سے الگ اور منتشر نہیں ہو جاتے ہو۔
حَمَّلَ کُلَّ امۡرِئٍ مِّنۡکُمۡ مَجۡھُوۡدَہٗ ؛	6	تمہیں تمہاری جدوجہد اور قوت و وسعت کے مطابق ذمہ داریاں دی گئی ہیں۔
وَخَفَّفَ عَنِ الۡجَھَلَۃِ ؛رَبٌّ رَحِیۡمٌ وَّدِیۡنٌ	7	اور نادانی اور لاعلمی کو ملحوظ رکھ کر کم سے کم بوجھ ڈالا گیا ہے۔اسلئے کہ تمہارا پروردگار

قَوِيُمٌ وَاِمَامٌ عَلِيُمٌ ؛	7	رحیم ہے۔ دین برقرار رہنے والا اور امامؑ ذاتی علم رکھتا ہے۔
وَاَنَا بِالْاَمُسِ صَاحِبُكُمُ ؛	8	اور میں کل تک تمہارا ساتھی اور حاکم تھا۔
وَاَنَا الْيَوُمَ عِبُرَةٌ لَكُمُ وَغَدًا مُفَارِقُكُمُ ؛	9	اور آج تمہارے لئے عبرت اور سبق آموزی کا ذریعہ ہوں اور کل تم سے جدا ہو جاؤں گا۔
غَفَرَ اللّٰهُ لِيُ وَلَكُمُ ؛	10	اور اللہ مجھے اور تمہیں بخش دے۔
اِنُ ثَبَتَتِ الْوَطْأَةُ فِيُ هٰذِهِ الْمَزَلَّةِ فَذَاكَ ؛	11	اگر اس لرزش میں مبتلا دنیا میں جما کر پیر رکھنے کی جگہ مل جائے تو یہی مقصد و مدعا ہے۔
وَاِنُ تَدُحَضِ الْقَدَمُ فَاِنَّا كُنَّا فِيُ اَفُيَآءِ اَغُصَانٍ؛وَّمَهَبِّ رِيَاحٍ ؛وَّتَحُتَ ظِلِّ غَمَامٍ ؛	12	اور اگر قدم نہ ٹھہریں اور ڈگمگا جائیں تو یہ تو ہو ہی سکا کہ ہم اس دنیا میں درختوں کی چھاؤں میں اور ہوا کی گزرگاہوں میں اور گھنے بادلوں کی چھاؤں میں رہتے رہے۔
اَضُمَحَلَّ فِي الْجَوِّ مُتَلَفِّقُهَا وَعَفَا فِي الْاَرُضِ مَخَطُّهَا ؛	13	لیکن رفتہ رفتہ وہ بادل فضا میں منتشر ہو گئے اور وہ ہوائیں بھی چل چلا کر نابود ہو گئیں (یعنی ہم موت کی آغوش میں پہنچ گئے)
وَاِنَّمَا كُنُتُ جَارًا جَاوَرَكُمُ بَدَنِيُ اَيَّامًا ؛	14	یوں سمجھو کہ میں تمہارا ایک پڑوسی تھا لہذا میرا یہ بدن چند روز تمہارے پڑوس میں رہتا رہا۔
وَسَتُعُقَبُوُنَ مِنِّيُ جُثَّةً خَلَآءً سَاكِنَةً بَعُدَ حَرَاكٍ وَصَامِتَةً بَعُدَ نُطُوُقٍ ؛	15	اور انجام یہ ہوا کہ اب تم مجھے ایک بے روح اور بے جان جسم پاؤ گے جو حرکت کرتے کرتے رک گیا اور بولتے بولتے چپ ہو گیا ہے۔
لِيَعِظَكُمُ هُدُوِّيُ وَخُفُوُتُ اِطُرَاقِيُ وَسُكُوُنُ اَطُرَافِيُ ؛	16	تاکہ میرا یہ بے حس و حرکت ہو جانا اور آنکھوں کا بند ہو جانا اور اعضاء کا جواب دے دینا تمہیں وعظ اور اثر انگیز نصیحت کر دے۔
فَاِنَّهُ اَوُعَظُ لِلْمُعُتَبِرِيُنَ مِنَ الْمَنُطِقِ الْبَلِيُغِ وَالْقَوُلِ الْمَسُمُوُعِ ؛	17	چنانچہ عبرت حاصل کرنے والوں اور سبق لینے والوں کیلئے یہ صورت حال دل میں اتر جانے والی گفتگو اور سنی سنائی باتوں سے زیادہ اثر ڈالنے والی ہوگی۔
وَدَاعِيُ لَكُمُ وَدَاعُ امُرِئٍ مُّرُصِدٍ لِّلتَّلَاقِيُ ؛	18	میں تم سے اسی حالت میں وداع ہو رہا ہوں جیسے وہ شخص جدا ہوتا ہے جو کسی سے جا کر ملنے کے لئے بے چین ہو۔
غَدًا تَرَوُنَ اَيَّامِيُ ؛	19	کل تم میرے دور کے دنوں کو یاد کرو گے۔
وَيُكُشَفُ لَكُمُ عَنُ سَرَائِرِيُ ؛	20	میری قلبی حالت اور پوشیدہ اسکیمیں کھل کر تمہارے سامنے آجائیں گی۔

وَتَعۡرِفُوۡنَنِیۡ بَعۡدَ خُلُوِّ مَکَانِیۡ ؛	21	جب میں اپنا یہ مکان خالی کردوں گا تو تم مجھے پہچانو گے۔
وَقِیَامِ غَیۡرِیۡ مَقَامِیۡ ؛	22	اور خصوصاً جب کوئی اور میری جگہ لے لے گا۔

تشریحات:

یہ حسنِ اتفاق ہے کہ مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کی وفات سے متعلق یہ خطبہ نمبر 171 اور اس کی تشریحات سوگ کے زمانے میں لکھی جارہی ہیں۔سب سے پہلے یہ دیکھئے اور سوچئے کہ حضرت علی علیہ السلام ابن ملجم کی ضرب کھائے ہوئے ہیں سر کے دوٹکڑے الگ الگ ہیں جن کو حضورؐ نے مسجد ہی میں ملا کر عمامے سے باندھ دیا تھا۔یہ حادثہ صبح کی اذان سے کافی پہلے پیش آچکا تھا۔اُس وقت سے آپ برابر مختلف ہدایات دیتے رہے ہیں۔مگر خطبے کے الفاظ میں کوئی گھبراہٹ، ہچکچاہٹ اور خامی نہیں پائی جاتی ہے۔وہی سنجیدگی، تقدس اور ہدایت کا موڈ برقرار ہے۔پختہ یقین ہے کہ کل وہ اللہ ومحمدؐ وفاطمہؑ اور دیگر بزرگوں سے جاملیں گے۔اور خطبہ میں فرما بھی دیا ہے کہ میں تم سے اُسی طرح وداع ہورہا ہوں جس طرح کوئی شخص کسی محبوب سے ملاقات کیلئے جاتے ہوئے لوگوں سے رخصت ہوتا ہے(18) واقعی حضورؐ کیلئے جن حضرات کے آغوش منتظر ہیں اُن سے زیادہ عزیز کائنات کی کوئی چیز حضرت علی علیہ السلام کی نظر میں نہ تھی۔اور جن سے جدا ہورہے تھے اُن کی پوزیشن بھی ناقابل شمار تھی۔یعنی ملاقات کا اشتیاق زیادہ تھا جدائی کا ملال اتنا نہ تھا۔بیٹوں اور بیٹیوں سے جدا ہورہے تھے تو والد، والدہ، دادی اور دادا، رسولؐ اللہ اور رسولؐ زادی سلام اللہ علیہم اجمعین سے ملنے کا شوق تھا۔البتہ نگاہ کربلا کی طرف اُٹھ جاتی ہوگی تو یقیناً دل تڑپ اُٹھتا ہوگا۔بہرحال اپنے چاہنے والوں کے لئے تو وہ ہر حال میں حاضر وناظر وناصر ومددگار رہیں۔ہمارا اُن پر سلام ہو۔

سلام ہو اُن پر جو حضور علیہ السلام کے چہرہ مبارک پر نظریں جمائے ہوئے گفتگو سن رہے ہیں اور اپنے یتیم ہوجانے کی گھڑیاں شمار کررہے ہیں۔جن کے سامنے وہ تمام حالات وواقعات ایک ایک کرکے گزر رہے ہیں جو رسولؐ اللہ نے قرآن نے اور خود حضرت علی علیہ السلام نے سنائے تھے۔

2۔ دین قویم کے اماموںؑ کو علیم ومعصوم ہونا لازم ہے۔

اس خطبہ کی خاص بات یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے دین اسلام کی راہنمائی کرنے والے امام کو علیم فرمایا ہے۔یہی وہ مقام علم ہے جہاں علم کی حدود ختم ہوجاتی ہیں۔یاد رکھیں کہ عالم وہ ہے جو علم کا اکتساب کرتا ہے اور علیم وہ ہے جس کی ذات علم سے بنی ہے یعنی وہ مجسمہ علم ہے، علم کا سرچشمہ ہے۔خدا نے اُسے علمی مخلوق بنایا ہے یعنی وہ نوری تخلیق ہے اُس کے جسم وجان کا ہر ذرہ علم سے بنا ہے۔یہی سبب ہے کہ ہم آئمہ علیہم السلام کو راسخون فی العلم نہیں مانتے اس لئے کہ راسخون فی العلم کی ذات میں علم داخل نہیں ہوتا ہے وہ علم میں پختہ تو ہوتے ہیں مگر خود علم نہیں ہوتے۔خود نوری مخلوق نہیں ہوتے۔اور یہ اسلامی مسلمات میں سے ہے کہ محمدؐ نوری مخلوق تھے۔حدیث قدسی ہے کہ:

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوۡرِیۡ۔ ’’اللہ نے جو چیز سب سے پہلے پیدا کی وہ میرا نور تھا‘‘

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 148

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 150

خُطبہ ﴿172﴾

1۔رسولؐ اللہ کے اٹھتے ہی ایک گروہ اپنے سابقہ دین کی طرف پلٹ گیا تھا (قرآن، بخاری)، 2۔اسلام کے خلاف مذاہب بنالئے۔ 3۔جلدی مچا کر حاصل کرنا اور مل جانے پر پچھتانا غلط ہے۔ 4۔غیبت سے باہر ایک قوم کو تیار کرنا، قرآن وحکمت کی تعلیم دینا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

وَاَخَذُوۡا یَمِیۡنًا وَّشِمَالاً طَعۡنًا فِیۡ مَسَالِکَ الۡغَیِّ وَتَرۡکًا لِّمَذَاھِبِ الرُّشۡدِ ؛	1	اور انہوں نے دہنے بائیں چاروں طرف سے وہ تمام طریقے اور مسالک جمع کیۓ جن کا نشانہ اور زد حقیقی مذہب کو چھوڑنا اور ہدایت اور رشد کی جگہ ایسا مذہب پھیلانا تھا جو لوگوں کو اغوا کرتا اور گمراہی پھیلاتا چلا جائے۔
فَلَا تَسۡتَعۡجِلُوۡا مَاھُوَ کَائِنٌ مُّرۡصَدٌ ؛	2	چنانچہ جو نتیجہ نکلنا ہی ہے اور جس کا انتظار کیا جارہا ہے اس کے جلد واقع ہو جانے کی جلدی نہ کرو۔
وَلَاتَسۡتَبۡطِئُوۡا مَایَجِیۡءُ بِہِ الۡغَدُ ؛	3	اور آنے والا کل جس نتیجے کو اپنے ساتھ لے کر آرہا ہے اسے بہت دور سمجھ کر اپنی ناگواریاں نہ دکھاؤ۔
فَکَمۡ مِّنۡ مُسۡتَعۡجِلٍ بِمَا اِنۡ اَدۡرَکَہٗ وَدَّ اَنَّہٗ لَمۡ یُدۡرِکۡہُ ؛	4	بہت سے جلد بازی کرنے والے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں کوئی چیز جلدی ملی تو وہ یہ چاہنے لگے کہ وہ چیز انہیں جلد نہ ملی ہوتی تو اچھا ہوتا۔
وَمَا اَقۡرَبَ الۡیَوۡمَ مِنۡ تَبَاشِیۡرِغَدٍ ؛	5	آج کا دن کل کے آنے والے دن کی روشنی کی خبر دینے میں بہت قریب ہے۔
یَاقَوۡمِ ھٰذَا اِبَّانُ وُرُوۡدِ کُلِّ مَوۡعُوۡدٍ ؛	6	اے میری نام نہاد قوم یہی تو وعدہ شدہ چیزوں اور فتنوں کے ورود (آنے) کا زمانہ ہے۔
وَدُنُوِّ مِنۡ طَلۡعَةِ مَالَا تَعۡرِفُوۡنَ ؛	7	اور جن حالات کا تمہیں تعارف نہیں ہے ان کا طلوع ہونا قریب آ لگا ہے۔
اَلَا وَاِنَّ مَنۡ اَدۡرَکَھَا مِنَّا یَسۡرِیۡ فِیۡھَا بِسِرَاجٍ مُنِیۡرٍ وَیَحۡذُوۡ فِیۡھَا عَلٰی مِثَالِ الصَّالِحِیۡنَ؛	8	خبردار رہو کہ ہم اہل بیتؑ میں سے جو شخص اس زمانہ کو پائے گا وہ ایک روشنی پھیلانے والا چراغ لیکر چلا پھرا کرے گا۔ اور اس دور میں صالح لوگوں کی روش جاری کرے گا۔

لِيَحُلَّ فِيهَا رِبْقًا ؛وَيُعْتِقُ فِيهَا رِقًّا ؛وَيَصْدَعَ شَعْبًا ؛وَيَشْعَبَ صَدْعًا ؛	9	تا کہ اس زمانہ تک کی الجھنوں کو کھول کر سلجھا دے اور تقلید میں بندھی ہوئی گردنوں کو آزاد کرادے ۔اور جہاں جہاں ضرورت ہو وہاں بندھی ہوئی چیزوں کو کھولتا اور کھلی ہوئی چیزوں کو باندھتا چلا جائے۔
فِيْ سُتْرَةٍ عَنِ النَّاسِ لَايُبْصِرُ الْقَائِفُ اَثَرَهُ وَلَوْ تَابَعَ نَظَرَهُ ؛	10	وہ ہستی عام لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رہ کر کام کریگی اس کا کھوج لگانے اور اسے تلاش کرنے اور ڈھونڈ نکالنے کی فکر میں رہنے والے لوگ اسکا نشان قدم تک نہ دیکھ سکیں گے خواہ ان کی دوربین نگاہیں تعاقب میں لگی رہیں۔
ثُمَّ لَيُشْحَذَنَّ فِيهَا قَوْمٌ شَحْذَ الْقَيْنِ النَّصْلَ؛	11	وہ ایک قوم کو لوہار کی طرح سان پر تلوار کی طرح تیز کر کے کاٹ ڈالنے والی تلوار بنادے گا۔
تُجْلٰى بِالتَّنْزِيْلِ اَبْصَارُهُمْ وَيُرْمٰى بِالتَّفْسِيْرِ فِيْ مَسَامِعِهِمْ وَيُغْبَقُوْنَ كَاسَ الْحِكْمَةِ بَعْدَ الصَّبُوْحِ ؛	12	قرآن کی تنزیل سنا اور دکھا کر ان کی آنکھوں اور بصیرت میں جلا پیدا کی جائے گی اور ان کے کانوں میں قرآن کی تفسیر سے قوت پیدا ہوگی اور حکمت کی تعلیم کے لبریز پیالے انہیں ہر صبح کو پلائے جاتے رہیں گے۔
وَطَالَ الْاَمَدُ بِهِمْ لِيَسْتَكْمِلُوا الْخِزْيَ وَيَسْتَوْجِبُوا الْغِيَرَ ؛	13	اور ادھر دوسری قوم کی بے راہ روی طویل ہوتی چلی گئی تا کہ وہ اپنی رسوائی کی تکمیل کرلیں اور اپنے او پر سختیوں کا استحقاق پیدا کرلیں۔
حَتّٰى اِذَا اخْلَوْلَقَ الْاَجَلُ وَاسْتَرَاحَ قَوْمٌ اِلَى الْفِتَنِ ؛ وَاشْتَالُوْا عَنْ لِقَاحِ حَرْبِهِمْ ؛	14	یہاں تک کہ جب مقررہ مدت خاتمہ کے قریب پہنچی اور اس قوم نے فتنہ انگیزی میں راحت وچین محسوس کی اور وہ جنگ کرنے کے لئے تیار ہو کر اُٹھ کھڑی ہوئی تب بھی۔
لَمْ يَمُنُّوْا عَلَى اللّٰهِ بِالصَّبْرِ ؛وَلَمْ يَسْتَعْظِمُوْا بَذْلَ اَنْفُسِهِمْ فِي الْحَقِّ؛	15	اس قوم سے جنگ کرنے میں صبر کا مظاہرہ کر کے اہل ایمان اللہ پر احسان نہ جتاتے تھے اور راہ حق میں اپنی جانیں نچھاور کرنے کو بڑی بات نہ سمجھتے تھے۔
حَتّٰى اِذَا وَافَقَ وَارِدُ الْقَضَآءِ انْقِطَاعَ مُدَّةِ الْبَلَآءِ ؛	16	یہاں تک کہ جب بلاؤں اور مصیبتوں کے خاتمہ کا وقت آ گیا اور اللہ کا فیصلہ صادر ہو چکا۔
حَمَلُوْا بَصَائِرَ هُمْ عَلٰى اَسْيَافِهِمْ وِدَانُوْا لِرَبِّهِمْ بِاَمْرِ وَاعِظِهِمْ ؛	17	اور مومنین نے اپنی نظریں اور بصیرت تلوار بلند کرنے پر لگا دیں اور اپنے پروردگار کے دین کو نافذ کرنے کے لئے اپنے ہادیؑ کی ہدایات پر کاربند ہوگئے (تو مخالف قوت گم ہو کر رہ گئی)
حَتّٰى اِذَا قَبَضَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ	18	یہاں تک کہ وہ وقت آ گیا جب اللہ نے اپنے رسولؐ کو اپنی تحویل میں لے لیا

وَ آلِهِ ؛رَجَعَ قَوْمٌ عَلَى الْاَعْقَابِ وَغَالَتْهُمُ السُّبُلُ ؛وَاتَّكَلُوْا عَلَى الْوَلَائِجِ ؛وَصَلُوْا غَيْرَ الرَّحِمِ ؛وَهَجَرُوْا السَّبَبَ الَّذِیْ اُمِرُوْا بِمَوَدَّتِهِ ؛وَنَقَلُوْا الْبِنَآءَ عَنْ رَّصِّ اَسَاسِهٖ فَبَنُوْهُ فِي غَيْرِ مَوْضِعِهٖ ؛	18	صلی اللہ علیہ وآلہٰ ۔تو قریشی قوم پھر اپنے سابقہ دین کی طرف واپس چلی گئی اور انہیں ان کے اختیار کردہ راستوں نے حد سے بڑھا دیا اور اپنے غلط رویہ پر توکل کرنے لگے اور اپنے اور اپنے رحموں کی مخالفت میں لگ گئے اور دین کے اس سبب و وسیلے سے ہجرت کر گئے جس کی مودت ان پر واجب کی گئی تھی اور پھر انہوں نے یہ بھی کیا کہ انہوں نے حکومت الہیہ کو اس کی مستحکم بنیادوں سے ہٹا دیا تھا۔اور پھر خلافت کو بھی ایسے لوگوں میں قائم کر دیا جو قرآن کے خلاف عمل کرتے تھے۔(مائدہ 5/13،5/41۔فرقان 25/30،انعام 6/66)
مَعَادِنُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ وَ اَبْوَابُ كُلِّ ضَارِبٍ فِيْ غَمْرَتِهٖ ؛	19	جو عمداً کی جانے والی اجتہادی خطاؤں کا ذخیرہ اور کانیں تھے اور ایسے دروازے تھے جن کو گمراہی حاصل کرنے والے کھڑکاتے اور گمراہی پاتے تھے۔
قَدْ مَارُوْا فِي الْحَيْرَةِ وَذَهَلُوْا فِي السَّكْرَةِ عَلٰى سُنَّةٍ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ مِنْ مُّنْقَطِعٍ اِلَى الدُّنْيَا رَاكِنٍ ؛ اَوْمُفَارِقٍ لِلدِّيْنِ مُبَايِنٍ ؛	20	یقیناً ان کی آمد و رفت حیرانی اور سرگردانی پھیلانے میں ہوتی ہے۔اور وہ آل فرعون کی طرح اقتدار کے نشے میں بدمستی اور غفلت کے ساتھ ان ہی کی سنت پر عمل کرتے تھے ان میں اسے ایک گروہ آخرت کو چھوڑ کر دنیا میں لگ گیا تھا اور ایک گروہ دین سے بالکل دست کش ہو کر اس کے خلاف چلنے لگا تھا''

تشریحات:

اِس خطبے میں حضرت علی علیہ السلام نے ابتدا ہی قریش کی بے دینی سے کی ہے۔اور قریش کا وہ مذہب دکھایا ہے جو انہوں نے اسلام کے مقابلے میں تیار کیا تھا اور مقصد اُن کا یہ تھا کہ جن لوگوں نے اللہ و رسولؐ سے حقیقی دین سیکھ لیا ہے وہ بھی رفتہ رفتہ اغوا ہو کر قریش کے تیار کئے ہوئے دین کو اختیار کرلیں اور کچھ مدت گذرنے پر یہ پتہ ہی نہ چل سکے کہ خدا کا بھیجا ہوا دین کیا تھا اور قریش کا ساختہ پرداختہ دین کون سا تھا؟ حضرت علی علیہ السلام نے وہ ذخیرہ نہیں بتایا جہاں سے قریش اپنے لئے دین کا سامان جمع کریں گے بلکہ یہ بھی فرما دیا ہے کہ'' کچھ دہنے سے لیں گے اور کچھ بائیں سے حاصل کریں گے''(1) یعنی کچھ مخالف سمت سے لیں گے اور کچھ موافق جانب سے لیں گے۔مطلب یہ ہوا کہ اپنے لئے دین تیار کرنے میں وہ قرآن وحدیث کو بھی شامل رکھیں گے۔سب کچھ باہر ہی سے نہ لائیں گے۔قریشی ریکارڈ سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ اُن کا اولین ذخیرہ تو زمانہ جاہلیت کے وہ قوانین وقواعد تھے جو قریش کے اباواجداد نے تیار کر رکھے تھے۔اس میں عرب کے سابقہ مذاہب بھی شامل تھے۔دوسرا ذخیرہ بیرونی حکومتوں کے تیار کردہ قوانین وضوابط اور رسوم ورواج تھے۔پھر وہ یہود ونصاریٰ کے مکتبوں اور مذہبی واجتہادی اداروں سے بھی استفادہ کر سکتے تھے۔پھر آخری ذخیرہ قرآن وحدیث تھا۔جسے وہ روزاول سے اپنی مصلحتوں کے مطابق ڈھالتے چلے آرہے تھے اور اس کا تذکرہ سابقہ خطبے میں قرآن سے بھی ہوا ہے(مائدہ 5/41)۔

2۔ نیا دین گھڑنا عمر بن الخطاب کی ذمہ داری تھی عہد رسولؐ سے بعد تک عمر کی راہنمائی میں دین تیار ہوا۔

اللہ و رسولؐ کے مقابلے پر ایک نیا دین تیار کرنے والا عمر بن الخطاب کو مانا گیا ہے چنانچہ علامہ شبلی اور شاہ ولی اللہ کے بیانات پر نظر ڈالنا ضروری ہے۔ سنئے۔

''عبداللہ بن مسعود اور ابوموسیٰ اشعری حضرت عمر کے خاص شاگردوں میں سے تھے۔ ابوموسیٰ اشعری کو حضرت عمر اکثر تحریر کے ذریعہ سے حدیث و فقہ کے مسائل تعلیم کرتے رہتے تھے۔ زید بن ثابت بھی دراصل حضرت عمر کے مقلد تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں ''و زید بن ثابت نیز در اکثر متبع اوست'' ان واقعات سے معلوم ہوگا کہ صحابہ میں جن لوگوں کی فقہ کا رواج ہوا وہ سب حضرت عمر کے تربیت یافتہ تھے۔ حضرت عمر نے مسائل فقیہہ میں جس قدر فکر و خوض کیا تھا صحابہ میں سے کسی نے نہیں کیا تھا۔ انہوں نے آغاز اسلام ہی سے فقہ کو مطمع نظر بنا لیا تھا۔ قرآن مجید میں جو مسائل فقہ مذکور ہیں اُن میں جہاں ابہام ہوتا تھا۔ وہ خود رسولؐ اللہ سے دریافت کر لیتے تھے۔ اور جب تک پوری تسلی نہ ہو جاتی تھی بس نہیں کرتے تھے۔ یہ بات اور صحابہ کو حاصل نہ تھی۔ کیوں کہ اُن کے برابر کوئی اور شخص رسولؐ اللہ کی خدمت میں کہنے سننے کی جرأت نہ رکھتا تھا۔ یہ تفصیل کا محل نہیں فقہ کے جس قدر مسائل حضرت عمر سے بروایت صحیحہ منقول ہیں اُن کی تعداد کئی ہزار تک پہنچتی ہے۔ اُن میں سے تقریباً ہزار مسئلے ایسے ہیں جو فقہ کے مقدم اور اہم مسائل ہیں اور اُن تمام مسائل میں آئمہ اربعہ نے اُن کی تقلید کی ہے۔'' (الفاروق حصہ دوم صفحہ 111-110)

قارئین نے دیکھ لیا کہ اہل سنت علما عمر بن الخطاب سے بڑا دین ساز اور کسی کو نہیں مانتے لہٰذا اب ہم دین سازی میں صرف عمر کو قریش کا لیڈر لکھیں گے۔ باقی قریشی لیڈر اُن کے ماتحت آئیں گے۔ قرآن و حدیث اور تاریخ کا اصلی مخاطب عمر ہی کو سمجھا جانا چاہئے۔ جہاں اللہ یا رسولؐ سے قانون اور فقہ میں اختلاف کیا جائے گا وہاں عمر کو مخاطب رکھا جائے گا۔

3۔ یہود و نصاریٰ سے اپنی دین سازی میں عمر اینڈ کمپنی برابر مدد لے رہی تھی۔

خدا اور رسولؐ کے مقابلے پر ایک نیا دین تیار کرنے کی تفاصیل تو ہماری کتاب فاروقی شریعت میں دیکھئے یہاں تو اس خطبے کی تشریح میں وہ ذخائر دکھانا مقصود ہیں جہاں سے عمر اینڈ کمپنی نے اپنا دین جمع کیا تھا۔ ہم اختصار کی غرض سے علامہ مودودی کا ترجمہ لکھتے ہیں اصل عبارت قرآن میں دیکھتے چلیں۔ سنئے:

''اَے لوگو جو ایمان لائے ہو اگر تم نے اہل کتاب میں سے ایک گروہ کی بات مانی (اطاعت کی) تو یہ تمہیں ایمان سے پھر کفر کی طرف پھیر لے جائیں گے۔ تمہارے لئے کفر کی طرف جانے کا اب کیا موقع باقی ہے جب کہ تم کو اللہ کی آیات سنائی جارہی ہیں اور تمہارے درمیان اُس کا رسولؐ موجود ہے؟ جو اللہ کا دامن مضبوطی کے ساتھ تھامے گا وہ ضرور راہ راست پالے گا۔ اَے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو جیسا کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے۔ تم کو موت نہ آئے گی مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہوں۔ سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔'' (آل عمران 3/100 تا 3/103 تفہیم جلد اول صفحہ 276)

یہ تھا عمر اور اس کی کمپنی جو یہود و نصاریٰ سے اپنے لئے دین کے مسائل جمع کر رہی تھی اور آیات اور رسوؐل کی تعلیمات کے خلاف جمع کر رہی تھی۔ اور مسلمانوں میں تفرقہ اندازی سے نہ ڈرتی تھی۔ اور نہ اللہ کا دامن تھامتی تھی۔ نہ اللہ کی رسی کو متحد ہو کر پکڑنے پر آمادہ تھی۔ اور سنئے۔

3(الف)۔اپنے سابقہ دین میں سے بھی مسائل اختیار کرنے میں مصروف تھے۔

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو اگر تم اُن لوگوں کے اشاروں پر چلو گے (یعنی اُن کی اطاعت کرو گے) جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے تو وہ تم کو اُلٹا پھیر لے جائیں گے اور تم نامراد ہو جاؤ گے۔اُن کی باتیں غلط ہیں حقیقت یہ ہے کہ اللہ تمہارا حامی و مددگار ہے اور وہ بہترین مددکرنے والا ہے۔'' (آل عمران 150-3/149، تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 294-293)

یہاں بھی دیکھ لیں کہ عمر اینڈ کمپنی کافروں کی بھی اطاعت کر رہی ہے اور اُن کے ذخیرے میں سے بھی دین کے سامان کی تلاش کر رہی ہے۔

4۔عمر اینڈ کمپنی خود رسولؐ اللہ کو وحی کے احکام سے ہٹانا اور ڈگمگانا چاہتی تھی اور سابقہ دین کا قانون جاری کرانے کی فکر میں تھی۔

عمر کی دانش نہایت خطرناک تھی وہ خود رسوؐل کو اپنے راستے پر چلانے کی فکر میں رہا کرتا تھا، سنئے:

''اے محمد تم اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق اُن لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرو اور اُن کی خواہشات کی پیروی نہ کرو ہوشیار رہو کہ یہ لوگ تم کو فتنہ میں ڈال کر اس ہدایت سے ذرہ برابر منحرف نہ کرنے پائیں جو خدا نے تمہاری طرف نازل کی ہے پھر اگر یہ اس سے منہ موڑیں تو جان لو کہ اللہ نے اُن کے بعض گناہوں کی پاداش میں اُن کو مبتلائے مصیبت کرنے کا ارادہ ہی کر لیا ہے۔اور حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں میں سے اکثر فاسق ہیں۔اگر یہ خدا کے قانون سے منہ موڑتے ہیں تو کیا پھر جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں۔حالانکہ جو لوگ اللہ پر یقین رکھتے ہیں اُن کے نزدیک اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں ہے'' (مائدہ 50-5/49، تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 479-478)

یہاں عمر اینڈ کمپنی کی بصیرت اور قانون دانی کا حال یہ ہے کہ وہ عوام تو عوام ہیں خود رسولؐ اللہ سے اپنا دین منوالینا اور وحی کو نظرانداز کرانے کی فکر میں رہتے تھے۔

5۔عمر خود دین سازی کا مرکز یا دین گھڑنے والا قریش کا طاغوت تھا جس سے کفر لازم تھا۔

اور سنئے اللہ فرماتا ہے کہ:

''اے نبی تم نے دیکھا نہیں اُن لوگوں کو جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اُس کتاب پر جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور اُن کتابوں پر جو تم سے پہلے نازل کی گئی تھیں مگر چاہتے یہ ہیں کہ اپنے معاملات کا فیصلہ کرانے کے لئے طاغوت کی طرف رجوع کریں حالانکہ انہیں طاغوت سے کفر کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔شیطان انہیں بھٹکا کر راہ راست سے دُور لے جانا چاہے۔''

(سورہ نساء 4/60 تفہیم جلد اول صفحہ 367-366)

مودودی کی تشریح طاغوت کے معنی وہ حاکم جو قانون الٰہی سے ہٹ کر فیصلہ کرے۔

''91 یہاں صریح طور پر طاغوت سے مراد وہ حاکم ہے جو قانون الٰہی کے سوا کسی دوسرے قانون کے مطابق فیصلہ کرتا ہو۔''

(تفہیم جلد اول صفحہ 367)

6۔ایماندار بنے رہ کر مومن کہلاتے ہوئے قرآن و رسولؐ اور اللہ اور تمام سابقہ کتابوں کے منکر ہو چکے تھے اور آج بھی ہیں۔

اب عمر اینڈ کمپنی کا قرآن سے وہ آخری حال دیکھیں جس میں اُن کا نام برائے نام مومن رہ گیا تھا اور آج تک اُن کے دین پر چلنے والے برائے نام مومن ہیں۔سنئے:

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو ایمان لاؤ اللہ پر اور اُس کے رسولؐ پر اور اُس کتاب پر جو اللہ نے اپنے رسولؐ پر نازل کی۔ اور ہر اُس کتاب پر جو اس سے پہلے وہ نازل کر چکا ہے جس نے اللہ اور اُس کے ملائکہ اور اُس کی کتابوں اور اُس کے رسولوںؑ اور روز آخرت سے کفر کیا وہ گمراہی میں بھٹک کر بہت دُور نکل گیا۔'' (نساء 4/136 تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 407-406)

یہ تھی قرآن کی رُو سے عمر اور اُس کی قوم جس کا حضرت علیؑ نے اس خطبے (172) میں ذکر فرمایا ہے۔

7۔ عمر قدیم سلطنتوں اور حکمرانوں سے خوشہ چینی کر کے دین میں ہمہ قسمی اضافہ کرتا رہتا تھا۔

یہاں بطور اختصار دین میں اضافہ اور کمی و زیادتی کرنے کے ذخیروں کا حال علامہ شبلی نعمانی سے بھی سن لیں۔

''حضرت عمر کی سیاست کا ایک بڑا اصول یہ تھا کہ قدیم سلطنتوں اور حکمرانوں کے قواعد اور انتظامات سے واقفیت پیدا کرتے تھے اور اُن میں سے جو چیزیں پسند کے قابل ہوتی تھیں اُن کو اختیار کرتے تھے۔ خراج۔ عشور۔ دفتر۔ رسد۔ کاغذات۔ حساب اور ان تمام انتظامات میں انہوں نے ایران و شام کے قدیم قواعد پر عمل کیا۔ البتہ جہاں کوئی نقص پایا اس کی اصلاح کر دی۔'' (الفاروق حصہ دوم صفحہ 88)

اور سنئے:

8۔ کافرانہ دین سازی کا مستقل ادارہ قائم کر رکھا تھا۔

''عمر فاروق فارس کے چند آدمیوں کو صحبت خاص میں رکھتے تھے۔ یہ لوگ اُن بادشاہوں کے آئین پڑھ کر سنایا کرتے تھے خصوصاً شاہان عجم اور اُن میں خاص کر نوشیروان کے اس لئے کہ اُن کو نوشیروان کے آئین بہت پسند تھے اور اُن کی بہت پیروی کرتے تھے۔'' (حصہ 2 صفحہ 88)

9۔ قیامت کے آنے سے پہلے پہلے میری اُمت یہود و نصاریٰ اور فارس و ایران کی پیروی کر چکی ہوگی۔

حدیث کی کتابوں میں بھی ایران و روم اور یہود و نصاریٰ کی پیروی کی اطلاع دی گئی ہے۔'' (بخاری جلد دوم پارہ نمبر 29 صفحہ 1088)

یہ ہیں وہ ذخائر جن کو حضورؐ نے دہنے بائیں سے جمع کرنا بتایا ہے (جملہ 1) اور یہ ہیں وہ جمع کرنے والے جنہوں نے اسلام کی جگہ ایک خود ساختہ دین جمع کر کے اُمت کو دیا تھا۔ ان سے ہوشیار رہو اور لعنت کرتے رہو۔ اُن ہی کا دین مجتہدین اور اُن کے مقلدین کے پاس رہا ہے۔

10۔ حضرت حجتؑ کے نظام کی تفصیلات بڑی وضاحت سے۔

حضور علیہ السلام نے روشنی پھیلانے والے چراغ کا ذکر فرمایا ہے (جملہ 8)۔ صالح معاشرہ قائم مقام بنانے کی بات کی ہے۔ یعنی مدت دراز سے چلتے چلے آنے والے معاشرہ کو راہ سے ہٹا دیا جائے گا۔ تمام سابقہ دین کی پیدا کی ہوئی دِقتیں اور قباحتیں سہولتوں اور آسائشوں میں تبدیل کر دی جائیں گی۔ تمام جبری و مجبوری کی صورتوں کو ختم کر کے آزادی دے دی جائے گی (جملہ 9)۔ پھر یہ بتایا ہے کہ یہ تذکرہ نہ تو ظہور حضرتؑ امام آخرالزمان کا ہوا ہے نہ عام پبلک کا ہوا ہے بلکہ آپؑ کے داخلی نظام کو تیار کرنے کی باتیں ہوئی ہیں یعنی حضورؐ کی پیدائش اور پیدائش کے بعد گیارہویں امام علیہ السلام کے زمانہ میں مخصوص معاشرہ یا نظام کی تیاری و تربیت کی مہم شروع کرنا دکھایا ہے۔ اور اُس زمانے کو سامنے رکھا ہے جب لوگ یہ پتہ لگانے میں مصروف تھے کہ آیا بارہویں امام علیہ السلام پیدا ہو چکے ہیں یا نہیں؟ اور کہاں موجود ہیں؟ چاروں طرف تلاش و تعاقب جاری ہے۔ مگر کسی کو اُن کا سراغ نہیں لگتا۔ اور یہ بات حضرت علی علیہ السلام نے واضح کر دی تھی کہ ڈھونڈنے والوں کو نشان قدم تک نظر نہ آئے گا (جملہ 10)۔ یہیں یہ بتایا ہے کہ وہ حضرتؑ اپنے نظام کے لئے ایک ایسی قوم تیار کریں گے جو تلوار کی طرح کاٹ ڈالنے والی ہوگی (جملہ 11)۔

اور اُنہیں حضور علیہ السلام بذات خود قرآن وحکمت اور تفسیر کی بھر پور تعلیم دیں گے۔اور علم وحکمت میں راسخ بنانے میں کوشاں رہیں گے اور تمام ممکنہ خامیوں سے پاک کر دیں گے (جملہ 12) اس کے بعد مدمقابل مسلمانوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ انہیں برابر وہ کام کرنے میں آزاد رکھا جاتا ہے جن سے وہ اپنی تباہی، ذلت ورسوائی کا پورا پورا حق پیدا کرلیں (جملہ 13) یہی جگہ ہے جہاں سے خطبے کا سلسلہ واپس عہد رسولؐ کی طرف موڑ دیا ہے۔

11۔ نہایت تدریج واحتیاط سے بات کو واپس عہد رسولؐ کی طرف موڑ کر قریش کی کہانی شروع کردی۔

اور قریش کی جدوجہد کو سامنے لے آئے ہیں۔اور اُن مزاحمتوں اور جنگوں کی طرف آ گئے ہیں جو قریش نے ابتدا میں شروع کر رکھی تھیں اور انہیں جنگ وجدل اور تصادم میں راحت محسوس ہو رہی تھی اور جنگی سامان کی کثرت جمع کی جارہی تھی (جملہ 14) اور مومنین اور رسولؐ اُن سے نہایت صبر وضبط سے مقابلے کر رہے تھے۔اور اپنی اپنی جان نثار کرنے میں کوئی تکلف اور فخر نہ سمجھتے تھے (جملہ 15) یہاں تک کہ بھرپور دفاع سے اللہ کے وعدہ کو قریب لے آئے دین کو نافذ اور غالب کردیا اور بلاؤں اور مصیبتوں کا خاتمہ کردیا تو مخالف قوتیں دب کر بیٹھ گئیں (جملے 17-16) تو انہیں نظرانداز کردیا اور یہی وہ وقت تھا جب رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کے حضور میں حاضری دے دی۔تو قریش نے بھی خود کو طاغوت کے حوالے کردیا۔اور اہل بیت علیہم السلام سے رُخ موڑ لیا واجب شدہ مودّت واحترام اور حقوق کو ٹھکرادیا اور ظلم وجبر پر کمر باندھ لی (جملہ 18) اور رسولؐ کی جگہ پر قبضہ کرلیا اور اپنی قومی حکومت قائم کرلی۔اور قرآن کے مخالف محاذ کو تمام اختیارات دے دئے (جملہ 18) گمراہی کا دور دورہ قائم کردیا گیا چاروں طرف سے گمراہی کی تلاش میں لوگ اُن کے ساتھ رہنے لگے (جملہ 19)۔اُن پر اقتدار دولت چھا گئی اور فرعون کی طرح سب طرف سے غافل ہو کر اپنے دین وخود ساختہ سنت پر عمل پیرا ہو گئے (جملہ 20)۔

12۔ عمر اپنی ملکی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے قرآنی احکام کی مخالفت کیا کرتے تھے۔

آخری بات یہ سن لو کہ:

> ”حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس معاملے میں اس قدر مستعد اور اتنے اولوالعزم انسان تھے کہ سیاست ملکی اور رفاہیہ عام کے پیش نظر مخالفتِ نصوصِ قرآن سے بھی دریغ نہ کرتے تھے۔“ (فلسفہ شریعت اسلام مترجمہ مولوی محمد احمد رضوی صفحہ 251) ڈاکٹر صبحی محمصانی کی کتاب تاریخ تشریع اسلامی یکم نومبر 1945ء)

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر:149

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 151

خُطبہ ﴿173﴾

1۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کی نہ برابری ہوسکتی ہے نہ ان کی کمی پوری کی جاسکتی ہے۔2۔مذاہب میں گمراہ کن لیڈروں کا سلسلہ برابر چلتا آیا ہے۔3۔بعثت سے پہلے اورایام جاہلیت کا تذکرہ بھی فرمایا ہے۔4۔فتنوں کی پہچان اور بھرمار۔ 5۔گمراہ لیڈروں اوران کے پیرووٴں میں تفرقہ ۔6۔اسلام کی رسی کے بل کھل جائیں گے صحیح طریقے چھپ جائیں گے۔دین کے مینارگرادیئے جائیں گے۔اسلام سے علیحدگی اختیار کرلی جائے گی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَاَحۡمَدُ اللّٰہَ وَاسۡتَعِیۡنُہٗ عَلٰی مَدَاحِرِ الشَّیۡطَانِ وَمَزَاجِرِہٖ ؛	1	اور میں اللہ کی حمد کرتا ہوں اوران چیزوں میں اللہ کی مدد چاہتا ہوں جو شیطان کو دور رکھتی اوراسے روکتی ہیں۔
وَالۡاِعۡتِصَامِ مِنۡ حَبَائِلِہٖ وَمَخَاتِلِہٖ ؛	2	اورابلیس کے پھندوں اورداوٴپیچ سے حفاظت چاہتا ہوں۔
وَاَشۡھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ وَنَجِیۡبُہٗ وَصَفۡوَتُہٗ ؛ لَا یُوَازیٰ فَضۡلُہٗ وَلَایُجۡبَرُ فَقۡدُہٗ ؛	3	اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ اسکے بندے ہیں اوراس کے رسوؐل ہیں اور اسکے دوطریقے سے دوطرفہ نجیب خاندان سے ہیں اورتخلیق کا بہترین سامان ہیں نہ کوئی ان سے متوازی اور برابر ہوسکتا ہے اورنہ ان کی عدم موجودگی کو پورا کرسکتا ہے
اَضَاءَتۡ بِہِ الۡبِلَادُ بَعۡدَ الضَّلَالَۃِ الۡمُظۡلِمَۃِ وَالۡجَھَالَۃِ الۡغَالِبَۃِ وَالۡجَفۡوَۃِ الۡجَافِیَۃِ ؛	4	اُن کے ذریعہ سے اللہ نے بستیوں کو گمراہی کے بعد ہدایت سے روشن کیا اور اندھیرا مٹادیا۔اور جہالت کے غلبہ کے بعد علم سے سرفراز کیا اور جفا کاریوں کی بھرمار کو رحم وکرم سے بدل دیا۔
وَالنَّاسُ یَسۡتَحِلُّوۡنَ الۡحَرِیۡمَ وَیَسۡتَذِلُّوۡنَ الۡحَکِیۡمَ ؛	5	لوگ تھے کہ حلال کوحرام اور حرام کوحلال کرتے تھے اورحکیم ودانا لوگوں کورذیل و ذلیل خیال کرتے تھے۔
یَحۡیَوۡنَ عَلٰی فَتۡرَۃٍ وَیَمُوۡتُوۡنَ عَلٰی کَفۡرَۃٍ ؛	6	نبیؐ سے خالی زمانے میں زندگیاں بسر کرتے تھے اورناشکری اورحق پوشی کی موت مرتے تھے۔
ثُمَّ اِنَّکُمۡ مَعۡشَرَ الۡعَرَبِ اَغۡرَاضُ بَلَایَا قَدِاقۡتَرَبَتۡ ؛	7	اے عربی معاشرے کے لوگو پھر یہ بھی سن رکھو کہ تم لوگ ایسی بلاوٴں کا نشانہ بننے والے ہوجو بہت قریب آچکی ہیں۔

فَاتَّقُوا سَكَرَاتِ النِّعْمَةِ ؛	8	نعمتوں کے نشہ اور بدمستیوں سے بچتے رہو۔
وَاحْذَرُوا بَوَائِقَ النِّقْمَةِ ؛	9	اور اللہ کے غضب وتباہ کاری سے دامن سمیٹ کر رکھا کرو۔
وَتَثَبَّتُوا فِي قَتَامِ الْعِشْوَةِ وَاعْوِجَاجِ الْفِتْنَةِ ؛	10	فتنہ کی ٹیڑھی چالوں اور مشکوک صورتِ حال میں اقدامات کو روکے رکھو۔
عِنْدَ طُلُوعِ جَنِينِهَا ؛ وَظُهُورِ كَمِينِهَا ؛ وَانْتِصَابِ قُطْبِهَا، وَمَدَارِ رَحَاهَا :	11	جب کہ فتنوں کا طلوع پوشیدہ طور پر اور ظہور کمین گاہوں کے پیچھے سے ہوا کرتا ہے اور فتنہ کی چکی جب اپنی کیلی پر استوار ہو کر گھومنے لگتی ہے۔
تَبْدَأُ فِي مَدَارِجَ خَفِيَّةٍ ؛	12	تو تباہی بتدریج خفیہ طریقے سے آجایا کرتی ہے۔
وَتَؤُولُ إِلَى فَظَاعَةٍ جَلِيَّةٍ ؛	13	اور رفتہ رفتہ اس کی کھلم کھلا برائیوں کا سامنا ہوتا ہے۔ اور رسوائی اور زبوں حالی سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔
شِبَابُهَا كَشِبَابِ الْغُلَامِ ؛ وَآثَارُهَا كَآثَارِ السِّلَامِ ؛	14	اور فتنوں کی نشونما اور بڑھنا ویسا ہی ہے جیسا کہ نوخیز نوجوان کا بڑھنا اور پھلنا پھولنا اور ان کا نشانہ اور مار پتھر کی مار کے مانند ہوتی ہے (کہ جہاں لگے توڑ دے)۔
تَتَوَارَثُهَا الظَّلَمَةُ بِالْعُهُودِ ؛	15	ظالم لوگ آپس میں معاہدوں کے ماتحت فتنوں کو ایک دوسرے سے ورثہ میں پاتے چلے آتے ہیں۔
أَوَّلُهُمْ قَائِدٌ لِآخِرِهِمْ وَآخِرُهُمْ مُقْتَدٍ بِأَوَّلِهِمْ ؛	16	ان کے پہلے لوگ اپنے بعد والوں کے لیڈر ہوتے ہیں اور بعد والے پہلوں کے پیرو ہوتے ہیں۔
يَتَنَافَسُونَ فِي دُنْيَا دَنِيَّةٍ ؛	17	وہ اس گھٹیا درجہ کی دنیا میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے میں مصروف رہتے ہیں۔
وَيَتَكَالَبُونَ عَلَى جِيفَةٍ مُرِيحَةٍ ؛	18	اور کتوں کی طرح اس سڑی ہوئی دنیا کی مردار لاش کو کھاتے رہتے ہیں۔
وَعَنْ قَلِيلٍ يَتَبَرَّأُ التَّابِعُ مِنَ الْمَتْبُوعِ وَالْقَائِدُ مِنَ الْمَقُودِ ؛	19	جلد ہی وہ وقت آجائے گا جب لیڈروں سے ان کے پیروکار اور پیروکاروں سے ان کے لیڈر تبرا کر کے جدا ہو جائیں گے۔
فَيَتَزَايَلُونَ بِالْبَغْضَاءِ ؛ وَ يَتَلَاعَنُونَ عِنْدَ اللِّقَاءِ ؛	20	چنانچہ آپس کی اس دشمنی اور بغض کی بنا پر ان میں انتشار پھیل جائیگا اور جب ایک دوسرے سے ملا کریں گے تو دیکھتے ہی ایک دوسرے پر لعنت بھیجا کرینگے
ثُمَّ يَأْتِي بَعْدَ ذٰلِكَ طَالِعُ الْفِتْنَةِ الرَّجُوفِ ؛ وَالْقَاصِمَةِ الزَّحُوفِ ؛	21	اس کے بعد مجتہدانہ تشکیک وتفتیش سے ڈگمگانے اور عقائد کو ڈانواڈول کرنے والا اور توڑ پھوڑ کر ڈالنے والا فتنہ طلوع ہوگا۔

فَتَزِيْغُ قُلُوْبٌ بَعْدَ اسْتِقَامَةٍ ؛وَتَضِلُّ رِجَالٌ بَعْدَ سَلَامَةٍ ؛	22	چنانچہ مطمئن دلوں کے اندر بھی منصوبے اور اسکیمیں داخل ہو جائیں گی اور لوگ سلامت روی چھوڑ کر گمراہ ہو جائیں گے۔
وَتَخْتَلِفُ الْاَهْوَآءُ عِنْدَ هُجُوْمِهَا ؛. وَتَلْتَبِسُ الْاٰرَآءُ عِنْدَ نُجُوْمِهَا ؛	23	اور اس تازہ فتنہ کے ہجوم کے دوران لوگوں کی خواہشیں اور مصلحتیں مختلف ہو جائیں گی اور اس فتنے کے پیدا ہونے کے ساتھ ہی لوگوں کی رائے طرح طرح کا لباس پہن لیں گی (یعنی Makeup کر لیں گی)
مَنْ اَشْرَفَ لَهَا قَصَمَتْهُ ؛وَمَنْ سَعٰى فِيْهَا حَطَمَتْهُ ؛	24	جو کوئی اس فتنے پر بلندی اور بزرگی چاہے گا اسے توڑ پھوڑ کر چورا کر دیا جائے گا اور جو کوئی اس کے اندر کوشاں ہوگا اسے نابود و تباہ کر دیا جائے گا۔
يَتَكَادَمُوْنَ فِيْهَا تَكَادُمَ الْحُمُرِ فِي الْعَانَةِ ؛	25	خواہشوں اور رائے کے اختلاف کی وجہ سے لوگ آپس میں ایک دوسرے کو اسی طرح کاٹنے لگیں گے جیسے گدھے بھیڑ میں ایک دوسرے کو کاٹا کرتے ہیں۔
قَدِ اضْطَرَبَ مَعْقُوْدُ الْحَبْلِ ؛	26	اسلام کی رسی کے تمام بندھن مضطرب ہو کر ادھڑ جائیں گے۔
وَعَسِيَ وَجْهُ الْاَمْرِ تَغِيْضُ فِيْهَا الْحِكْمَةُ وَتَنْطِقُ فِيْهَا الظَّلَمَةُ ؛	27	دین کا صحیح طریقہ کار چھپا دیا جائے گا اور حکمت و دانائی کی باتیں بے معنی ہو کر رہ جائیں گی اور ظلم و ستم کرنے والے ہی بات کر سکیں گے۔
وَتَدُقُّ اَهْلَ الْبَدْوِ بِمِسْحَلِهَا ؛	28	اور دیہاتیوں اور بادیہ نشینوں کو ہموار کرنے کے لئے وہ فتنہ اپنے رندے (لکڑی چھیلنے کا اوزار) سے چھیل کر رکھ دے گا۔
وَتَرُضُّهُمْ بِكَلْكَلِهَا ؛	29	اور انہیں اپنے دباؤ سے پیس ڈالے گا۔
يَضِيعُ فِيْ غُبَارِهَا الْوُحْدَانُ ؛	30	اور اس فتنے کے اڑائے ہوئے گرد و غبار میں چھوٹی جماعتیں ضائع ہو کر رہ جائیں گی۔
وَيَهْلِكُ فِيْ طَرِيْقِهَا الرُّكْبَانُ؛	31	اس کے قائم کردہ راستوں میں سوار ہو کر چلنے والے ہلاک ہو جائیں گے۔
تَرِدُ بِمُرِّ الْقَضَآءِ ؛	32	وہ مشیت کے مطابق تلخیاں ساتھ لے کر آئے گا۔
وَتَحْلُبُ عَبِيْطَ الدِّمَآءِ ؛	33	اور جسم انسانی سے خون نچوڑے گا۔
وَتَثْلِمُ مَنَارَ الدِّيْنِ ؛	34	اور دین کے میناروں میں رخنہ اندازی کرے گا۔
وَتَنْقُضُ عَقْدَ الْيَقِيْنِ ؛	35	یقین کے تمام بندھنوں کو توڑ ڈالے گا۔
تَهْرُبُ مِنْهَا الْاَكْيَاسُ ؛	36	دور اندیش دانشور اس سے بھاگیں گے۔
وَتُدَبِّرُهَا الْاَرْجَاسُ؛	37	گندہ ذہنیت کے لوگ غور و خوض کے بعد اسے اختیار کر لیں گے۔

مِرْعَادٌ مِبْرَاقٌ ؛	38	وہ گرجنے اور بجلیوں کے چمکانے والا ہوگا۔
كَاشِفَةٌ عَنْ سَاقٍ ؛	39	پنڈلیوں کو کھولنے والا ہوگا۔
تُقْطَعُ فِيْهَا الْاَرْحَامُ ؛	40	اس دور میں رشتے اور رحم کاٹ ڈالے جائیں گے۔
وَيُفَارِقُ عَلَيْهَا الْإِسْلَامِ ؛	41	اور اسلام دوری اختیار کر لے گا۔
بَرِيُّهَا سَقِيْمٌ وَظَاعِنُهَا مُقِيْمٌ ؛	42	اس زمانہ کے تندرست لوگ دراصل بیمار ہوں گے اور اس سے دوری اختیار کرنے والے اس کے اندر مقیم ہوں گے۔
بَيْنَ قَتِيْلٍ مَّطْلُوْلٍ ؛	43	اس زمانہ میں مقتول ہونے والوں کا خون ضائع ہو جائے گا۔
وَخَائِفٍ مُّسْتَجِيْرٍ ؛	44	خوفزدہ لوگ پناہ چاہیں گے۔
يُخْتَلُوْنَ بِعَقْدِ الْاَيْمَانِ وَبِغُرُوْرِ الْاِيْمَانِ ؛	45	انہیں عہد و پیمان اور ایمان کی آڑ میں فریب دیا جائے گا۔
فَلَاتَكُوْنُوْا اَنْصَابَ الْفِتَنِ وَاَعْلَامَ الْبِدَعِ ؛	46	تم لوگ فتنوں کی طرف راہنمائی کرنے والے نشان اور بدعتوں کے لئے سنگ میل نہ بن جانا۔
وَالْزَمُوْا مَاعُقِدَ عَلَيْهِ حَبْلُ الْجَمَاعَةِ وَبُنِيَتْ عَلَيْهِ اَرْكَانُ الطَّاعَةِ ؛	47	اور تم اپنے اوپر مومن جماعت کے وہ تمام اصول لازم کرلو جن سے دینی شیرازہ مجتمع رہتا ہے اور جن پر اطاعتِ خداوندی کا دارومدار ہے۔
وَاقْدَمُوْا عَلَى اللّٰهِ مَظْلُوْمِيْنَ ؛ وَلَا تَقْدَمُوْا عَلَيْهِ ظَالِمِيْنَ ؛	48	اور اللہ کے حضورؐ میں مظلوم کی حیثیت میں جانا بہتر ہے اور ظالم کی حیثیت سے اس کے حضور پہنچنا نہ چاہئے۔
وَاتَّقُوْا مَدَارِجَ الشَّيْطَانِ وَمَهَابِطَ الْعُدْوَانِ ؛	49	اور شیطانی درجہ بندیوں سے اور زیادتی کر گزرنے کی منزلوں سے ہمیشہ بچتے رہا کرو۔
وَلَاتُدْخِلُوْا بُطُوْنَكُمْ لُعَقَ الْحَرَامِ ؛	50	اور اپنے پیٹوں میں حرام چیزوں کی چاس تک داخل نہ ہونے دیں۔
فَاِنَّكُمْ بِعَيْنِ مَنْ حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَعْصِيَةَ ؛	51	یقیناً تم اس کی نظر کے سامنے ہو جس نے تم پر نافرمانیوں کو حرام قرار دیا ہے۔
وَسَهَّلَ لَكُمْ سَبِيْلَ الطَّاعَةِ ؛	52	اور اطاعت شعاری کی راہ تم پر آسان کر دی ہے“

تشریحات:

اس خطبے میں حضور علیہ السلام نے مسلسل فتنوں کا ذکر فرمایا ہے۔ اور کہیں ان لوگوں کا تذکرہ نہیں کیا جو فتنے پیدا کریں گے۔ بہرحال ہم سب سے پہلے اس شخص کا ذکر کرتے ہیں جو تمام فتنوں کی کان یا بنیاد تھا۔ اور جس نے اسلام میں ایسا فتنہ جاری کیا جو برابر بچے دیتا چلا گیا۔

1۔ فتنوں کی بنیاد یا کان یعنی عمر بن الخطاب؟

بخاری میں جناب حذیفہؓ نے بیان کیا ہے کہ ''ہم لوگ عمر بن الخطاب کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ انہوں نے دریافت کیا کہ تم میں سے کس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فتنے والی حدیث یاد ہے؟ حذیفہ نے کہا کہ ایک شخص کا فتنہ اپنے اہل وعیال میں اور اپنے مال میں اور اولاد میں اور پڑوسی کے بارے میں یہ ہے کہ وہ شخص نماز میں صدقہ میں اور امر بالمعروف میں اور نہی عن المنکر میں چوری کرتا ہو۔عمر نے کہا کہ میں نے اس فتنے کے متعلق سوال نہ کیا تھا میں تو اس فتنے کے متعلق جاننا چاہتا تھا جو سمندر کی موجوں کی طرح موجیں مارتا اور پھیلتا چلا جائے گا؟ حذیفہ نے کہا کہ تمہارے لئے اُس فتنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔اس لئے کہ تمہارے اور اس فتنے کے درمیان تو ایک بند دروازہ ہے۔عمر نے سوال کیا کہ کیا وہ دروازہ کھولا جائے گا یا توڑا جائے گا؟ حذیفہ نے بتایا کہ وہ دروازہ توڑا جائے گا۔عمر نے پوچھا کہ کیا اس کے بعد وہ دروازہ کبھی بند نہ ہوگا؟ اس نے کہا کہ تا ابد کبھی بند نہ ہوگا۔ہم نے (شقیق وغیرہ نے) حذیفہؓ سے پوچھا کہ کیا عمر اس دروازے کو جانتا ہے؟ حذیفہ نے کہا کہ ہاں عمر اس دروازے کو جانتا ہے جیسے کہ میں جانتا ہوں اور یہ کہ کل رات آنے والی ہے اور میں نے حدیث کو غلط سلط بیان نہیں کردیا۔ہم نے چاہا کہ حذیفہؓ سے اس دروازے کے متعلق دریافت کریں چنانچہ مسروق نے ہمیں اجازت دے دی اور حذیفہ سے پوچھا کہ وہ دروازہ کون ہے؟ حذیفہ نے بتایا کہ وہ دروزاہ خود عمر ہے'' (بخاری جلد 2 صفحہ 1051 پارہ 29) یہ تھے قریش کے راہنما جنہوں نے ساری زندگی فتنوں کو جمع کیا تا کہ جو شخص ان کو راہ سے ہٹائے تو سب سے پہلے فتنے اس کو گھیر لیں اور سارے ملک اور ساری دنیا میں پھیل جائیں۔

2۔ اللہ نے قرآن میں بھی ان فتنوں سے خبردار کردیا تھا۔

اللہ نے بھی عمر کے فتنوں سے یہ کہہ کر خبردار کیا تھا کہ:

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنكُمْ خَآصَّةً وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ O (8/25 سورہ انفال)

مودودی ترجمہ: ''اور بچو اُس فتنے سے جس کی شامت مخصوص طور پر صرف ان ہی لوگوں تک محدود نہ رہے گی جنہوں نے تم میں گناہ کیا ہو اور جان رکھو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔'' (تفہیم دوم صفحہ 138-137)

مودودی کی تشریح ''20۔ اس سے مراد وہ اجتماعی فتنے ہیں جو وبائے عام کی طرح ایسی شامت لاتے ہیں جس میں صرف گناہ کرنے والے ہی گرفتار نہیں ہوتے بلکہ وہ لوگ بھی مارے جاتے ہیں جو گناہگار سوسائٹی میں رہنا گوارا کرتے رہے ہیں۔مثال کے طور پر اس کو یوں سمجھئے کہ جب تک کسی شہر میں گندگیاں کہیں کہیں انفرادی طور پر چند مقامات پر رہتی ہیں ان کا اثر محدود رہتا ہے اور ان سے وہ مخصوص افراد ہی متاثر ہوتے ہیں جنہوں نے اپنے جسم اور اپنے گھر کو گندگی سے آلودہ کر رکھا ہو۔لیکن جب وہاں گندگی عام ہوجاتی ہے اور کوئی گروہ بھی سارے شہر میں ایسا نہیں ہوتا جو اس خرابی کو روکنے اور صفائی کا انتظام کرنے کی سعی کرے تو پھر ہوا اور زمین اور پانی ہر چیز میں سَمّیت پھیل جاتی ہے اور اس کے نتیجے میں جو وبا آتی ہے اس کی لپیٹ میں گندگی پھیلانے والے اور گندہ رہنے والے اور گندے ماحول میں زندگی بسر کرنے والے سب ہی آجاتے ہیں۔اسی طرح اخلاقی نجاستوں کا حال بھی ہے کہ اگر وہ انفرادی طور پر بعض افراد میں موجود رہیں اور صالح سوسائٹی کے رعب سے دبی رہیں تو اس کے نقصانات محدود ہوتے رہتے ہیں۔لیکن جب سوسائٹی کا اجتماعی ضمیر کمزور ہوجاتا ہے، جب اخلاقی برائیوں کو دبا کر رکھنے کی طاقت اس میں نہیں رہتی، جب اس کے درمیان بُرے اور بے حیا اور بداخلاق لوگ اپنے نفس کی گندگیوں کو اعلانیہ اچھالنے لگتے ہیں اور پھیلانے لگتے ہیں اور جب اچھے لوگ بے

عملی (Passive Attitude) اختیار کر کے اپنی انفرادی اچھائی پر قانع اور اجتماعی برائیوں پر ساکت و صامت ہو جاتے ہیں تو مجموعی طور پر پوری سوسائٹی کی شامت آجاتی ہے اور وہ فتنہ برپا ہوتا ہے جس میں چنے کی ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 138)

3۔ اللہ نے پوری عربی سوسائٹی کو فتنہ قرار دیا ہے اور سب کو ناپاک کہا ہے۔

قریشی اور عربی مومنین فتنے پیدا کرتے تھے۔ فتنوں کے ساتھ شب باش ہوتے فتنہ ہی کماتے تھے اور فتنہ ہی کو جمع کرتے تھے۔ سنئے:

(الف) اموال بھی فتنہ اولاد بھی فتنہ۔ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَاۤ اَمۡوَالُكُمۡ وَاَوۡلَادُكُمۡ فِتۡنَةٌ ...(8/28)

''اس کے سوا اور کچھ معنی نہیں کہ تمہارے اموال اور اولاد فتنہ ہیں۔ یعنی جو کچھ ان سے پیدا ہوتا ہے وہ فتنہ ہوتا ہے۔

(ب) قریشی اموال و اولاد اور ازواج دشمن اور فتنہ تھے۔

''اے مومنین تمہاری اولاد اور ازواج میں تمہارے دشمن ہیں ان سے بچ کر رہا کرو یقیناً تمہارے اموال اور اولاد فتنہ ہیں'' (64/14-15)

4۔ منبر کے پاس فتنے کی نشاندھی کردی گئی تھی۔ ''زہری نے اپنے والد سے اور اس نے رسولؐ اللہ سے روایت کیا کہ:

اَنَّهٗ قَامَ اِلٰی جَنۡبِ الۡمِنۡبَر فَقَالَ الۡفِتۡنَةُ هٰهُنَا الۡفِتۡنَةُ هٰهُنَامِنۡ حَيۡثُ يَطۡلَعُ قَرۡنُ الشَّيۡطَان (ایضاً جلد 2 صفحہ 1050 پارہ نمبر 29)

''رسولؐ منبر کی جانب کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ مخصوص فتنہ یہاں ہے۔ مخصوص فتنہ یہاں ہے۔ جہاں سے شیطان کا سینگ نکلے گا۔''

5۔ فتنوں پر فتنے تہہ در تہہ انبار کی صورت اختیار کرتے چلے جا رہے تھے۔

چنانچہ ابوبکر و عمر نے رسولؐ کا طریقہ و راستہ چھوڑ کر اپنا طریقہ اور راستہ قائم کیا (25/27-29) اور فتنوں کی گٹھڑی کو کھول دیا۔ اس کے بعد کیا کیا ہوا ہم علامہ مودودی کے قلم سے مختصراً لکھتے ہیں:۔

1) ''اس سلسلے میں سب سے بڑا ظلم یہ تھا کہ جو غیر مسلم اسلام قبول کر لیتے تھے ان پر بھی اس بہانے جزیہ لگا دیا جاتا تھا کہ یہ محض جزیے سے بچنے کے لئے ایمان لا رہے ہیں۔ حالانکہ اصل وجہ اس فعل کی یہ تھی کہ اشاعتِ اسلام سے اُن کو بیت المال کی آمدنی کم ہو جانے کا خطرہ تھا۔ ابن اثیر کی روایت ہے کہ حجاج بن یوسف عراق کے وائسرائے کو اس کے عاملوں نے لکھا کہ ذمی کثرت سے مسلمان ہو ہو کر بصرہ و کوفہ میں آباد ہو رہے ہیں اور اس سے جزیہ و خراج کی آمدنی گھٹ رہی ہے۔ اس پر حجاج نے فرمان جاری کیا کہ ان لوگوں کو شہروں سے نکالا جائے اور ان پر حسبِ سابق جزیہ لگایا جائے۔ اس حکم کی تعمیل میں جب یہ نومسلم بصرہ و کوفہ سے نکالے جا رہے تھے تو وہ وامحمداً، یا محمداً پکار پکار کر روتے جاتے تھے اور ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کہاں جا کر اس ظلم پر فریاد کریں؟۔'' (خلافت و ملوکیت صفحہ 162) مسلسل لکھا ہے کہ:۔

2) ''اس صورت حال پر بصرہ و کوفہ کے علما و فقہاء چیخ اُٹھے اور جب یہ نومسلم روتے پیٹتے شہروں سے نکلے تو علما و فقہا بھی ان کے ساتھ روتے جاتے تھے۔'' (ایضاً صفحہ 163-162)

یہ تھا ابوبکر و عمر کے قومی حکومت بنانے اور خلافتِ الٰہیہ کو غصب کرنے کا نتیجہ۔ اور سنئے:۔

3) ''دورِ ملوکیت میں ضمیروں پر قفل چڑھا دئے تھے اور زبانیں بند کر دی گئی تھیں۔ اب قاعدہ یہ ہو گیا کہ منہ کھولو تو تعریف کے لئے کھولو ورنہ چپ رہو۔ اور اگر تمہاری ضمیر ایسی ہی زوردار ہے کہ تم حق گوئی سے باز نہیں رہ سکتے تو قید و قتل اور کوڑوں کی مار کے لئے تیار رہو چنانچہ جو لوگ بھی اس دور میں حق بولنے اور غلط کاریوں پر ٹوکنے سے باز نہ آئے ان کو بدترین سزائیں دی گئیں تا کہ پوری قوم دہشت زدہ ہو جائے۔ اس نئی پالیسی کی ابتدا

حضرت معاویہ کے زمانہ میں حضرت حُجر بن عدی کے قتل 51ھ سے ہوئی جو ایک عابد وزاہد صحابی تھے۔اور صلحائے امت میں ایک اونچے درجے کے شخص تھے۔حضرت معاویہ کے زمانے میں جب منبروں پر خطبوں میں علانیہ حضرت علیؑ پر لعنت اور سبّ وشتم کا سلسلہ شروع ہوا تو تمام مسلمانوں کے دل ہر جگہ ہی اس سے زخمی ہورہے تھے۔مگر لوگ خون کا گھونٹ پی کر خاموش ہوجاتے تھے۔کوفہ میں حجر بن عدی سے صبر نہ ہوسکا اور انہوں نے جواب میں حضرت علیؑ کی تعریف اور حضرت معاویہ کی مذمت شروع کردی۔حضرت مغیرہ جب تک کوفے کے گورنر رہے وہ ان کے ساتھ رعایت برتتے رہے ان کے بعد جب زیاد کی گورنری میں بصرہ کے ساتھ کوفہ بھی شامل ہوگیا تو اس کے اور ان کے درمیان کشمکش برپا ہوگئی۔وہ خطبے میں حضرت علیؑ کو گالیاں دیتا تھا۔اور یہ اُٹھ کر اس کا جواب دینے لگتے تھے۔اسی دوران ایک مرتبہ انہوں نے نماز جمعہ میں تاخیر کرنے پر زیاد کو ٹوکا تھا۔ آخر کار اس نے انہیں اور ان کے بارہ ساتھیوں کو گرفتار کرلیا۔اور ان کے خلاف بہت سے لوگوں کی شہادتیں اس فرد جرم پر لیں کہ ''انہوں نے ایک جتھا بنالیا ہے۔خلیفہ کو اعلانیہ گالیاں دیتے ہیں امیر المومنین کے خلاف لڑنے کی دعوت دیتے ہیں۔ان کا دعویٰ یہ ہے کہ خلافت آل ابی طالبؑ کے سوا کسی کے لئے درست نہیں ہے انہوں نے شہر میں فساد برپا کیا اور امیر المومنین کے عامل کو نکال دیا۔یہ ابوتراب (حضرت علیؑ) کی حمایت کرتے ہیں ان پر رحمت بھیجتے ہیں۔اور ان کے مخالفین سے اظہار برات کرتے ہیں'' ان گواہیوں میں سے ایک گواہ قاضی شُریح کی بھی ثبت کی گئی۔مگر انہوں نے ایک الگ خط میں حضرت معاویہ کو لکھ بھیجا کہ ''میں نے سُنا ہے کہ آپ کے پاس حُجر بن عدی کے خلاف جو شہادتیں بھیجی گئی ہیں ان میں ایک میری شہادت بھی ہے۔میری اصل شہادت حُجر کے متعلق یہ ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں۔دائماً حج وعمرہ کرتے رہتے ہیں۔نیکی کا حکم دیتے ہیں اور بدی سے روکتے ہیں۔ان کا خون اور مال حرام ہے۔آپ چاہیں تو انہیں قتل کریں یا معاف کردیں'' اس طرح یہ ملزم حضرت معاویہ کے پاس بھیجے گئے اور انہوں نے ان کے قتل کا حکم دے دیا۔قتل سے پہلے جلادوں نے ان کے سامنے جو بات پیش کی وہ یہ تھی کہ ''ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ اگر تم علیؑ سے برأت کا اظہار کرو اور ان پر لعنت بھیجو تو تمہیں چھوڑ دیا جائے ورنہ قتل کردیا جائے'' اُن لوگوں نے یہ بات ماننے سے انکار کردیا اور حُجر نے کہا میں زبان سے وہ بات نہیں نکال سکتا جو رَب کو ناراض کرے۔'' آخر کار وہ اور ان کے سات ساتھی قتل کردئے گئے۔ان میں سے ایک صاحب عبدالرحمٰن بن حسّان کو حضرت معاویہ نے زیاد کے پاس واپس بھجوادیا۔اور اس کو لکھا کہ انہیں بدترین طریقے سے قتل کیا جائے چنانچہ اس نے انہیں زندہ دفن کرادیا۔'' (صفحہ 165-164)

4) ولید بن عبدالملک نے ایک دفعہ خطبہ جمعہ کو اتنا طول دیا کہ عصر کا وقت بھی گزرنے لگا۔ایک شخص نے اٹھ کر کہا کہ ''امیر المومنین وقت آپ کا انتظار نہ کرے گا اور نماز میں اتنی تاخیر کردینے پر آپ خدا کے سامنے کوئی عذر پیش نہ کرسکیں گے۔ولید نے جواب دیا ''اے شخص تو نے سچ کہا مگر ایسے راست گفتار آدمی کی وہ جگہ نہیں ہے جہاں تو کھڑا ہے'' چنانچہ اس کو اُسی وقت شاہی گارڈ نے قتل کرکے جنت پہنچانے کا انتظام کردیا'' یہ پالیسی رفتہ رفتہ مسلمانوں کو پست ہمت اور مصلحت پرست بناتی چلی گئی۔خطرہ مول لے کر سچی بات کہنے والے ان کے اندر کم ہوتے چلے گئے۔خوشامد اور ضمیر فروشی کی قیمت مارکیٹ میں چڑھتی چلی گئی۔اور حق پرستی وراست بازی کی قیمت گرتی چلی گئی۔'' (صفحہ 167-166)

یہ چند نمونے ہیں قریشی دین کے قریشی دینداروں کے اور قریشی اسلام اور حکومت کے۔اور قارئین نے نوٹ کیا ہوگا کہ اس ملعون مولوی کو اُن ملاعین کا اتنا پاس ادب واحترام کہ اس جہنمی نے معاویہ کو ایک دفعہ بھی لفظ حضرت کے بغیر نہیں لکھا۔یہ اشخاص کی قیمت ہے اور وہ دین کی۔

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 150

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 152

خُطبہ ﴿174﴾

1۔صفاتِ خداوندی پرتخلیق خداوندی سے دلیل وبرہان۔ 2۔اللہ کن معنی میں اور کیسا واحد اور خالق اور سمیع وبصیر ہے؟ 3۔آئمہؑ تمام مخلوقات پرقوّام ہیں۔ 4۔آئمہؑ کی رضامندی جنت میں داخلہ کی شرط ہے۔ 5۔اسلام ضابطہ سلامتی کا نام ہے۔ 6۔آئمہؑ اور اسلام کی پوزیشن کوالگ الگ کیا ہے؟

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡم

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الدَّالِ عَلٰى وُجُوۡدِهٖ بِخَلۡقِهٖ ؛	1	سپاس وستائش اللہ کے لئے ہے جو اپنی مخلوقات کے موجود ہونے سے اپنے وجود وموجودگی پر دلیل بن گیا ہے۔
وَبِمُحۡدَثِ خَلۡقِهٖ عَلٰى اَزَلِيَّتِهٖ ؛	2	اور اپنی مخلوقات کو وجود میں لانے سے اپنی ہمیشگی اور دوام پر دلیل بن گیا ہے۔
وَبِاشۡتِبَاهِهِمۡ عَلٰى اَنۡ لَّاشِبۡهَ لَهٗ ؛	3	اور مخلوقات کی آپس میں مشابہت سے یہ دلیل قائم کردی ہے کہ اللہ کے مانند و مشابہ کوئی چیز نہیں ہے۔
لَاتَسۡتَلِمُهُ الۡمَشَاعِرُ ؛	4	نہ اللہ کو سارے آلاتِ شعور چھوسکتے ہیں۔
وَلَاتَحۡجُبُهُ السَّوَاتِرُ ؛	5	اور نہ چھپانے والی چیزیں اسے چھپاسکتی ہیں۔
لِاِفۡتِرَاقِ الصَّانِعِ وَالۡمَصۡنُوۡعِ ؛وَالۡحَادِّ وَالۡمَحۡدُوۡدِ ؛وَالرَّبِّ وَالۡمَرۡبُوۡبِ ؛	6	یہ اس لئے کہ بنانے والے اور بنائے جانے والے میں اور حدود کے اندر رکھنے والے اور محدود میں اور پالنے والے میں اور پلنے والے میں فرق ہوتا ہے۔
اَلۡاَحَدِ لَابِتَاوِيۡلِ عَدَدٍ ؛	7	اللہ ایک تو ہے مگر ایسا ایک نہیں ہے جو شمار ہوسکے۔
وَالۡخَالِقُ لَابِمَعۡنٰى حَرَكَتٍ وَّنَصَبٍ ؛	8	وہ خالق اور ہر چیز کو پیدا کرنے والا تو ہے مگر ویسا خالق نہیں جسے حرکت اور محنت کرنا پڑتی ہو۔
وَالسَّمِيۡعِ لَابِاَدَاةٍ ؛	9	وہ سمیع یعنی سننے والا ہے مگر کانوں اور دیگر ذرائع سے نہیں سنتا۔
وَالۡبَصِيۡرِ لَابِتَفۡرِيۡقِ اٰلَةٍ ؛	10	وہ بصیر بھی ہے مگر آنکھوں یا دیگر آلات کے ذریعہ سے نہیں دیکھتا ہے۔
وَالشَّاهِدِ لَابِمُمَاسَّةٍ ؛	11	وہ ہر جگہ حاضر بھی ہے مگر ایسا حاضر نہیں جسے چھوا جاسکے۔
وَالۡبَائِنِ لَابِتَرَخِيۡ مَسَافَةٍ ؛	12	وہ ہر چیز سے جدا اور الگ ہے مگر اس سے کوئی چیز فاصلے پر نہیں۔

وَالظَّاهِرِ لَابِرُؤْيَةٍ ؛	13	وہ ہر جگہ ظاہر ہے مگر دیکھنے اور دیکھے جانے کا محتاج نہیں ہے۔
وَالْبَاطِنِ لَابِلَطَافَةٍ ؛	14	وہ پوشیدہ ہے مگر پتلی ساخت کی وجہ سے نہیں۔
بَانَ مِنَ الْاَشْيَاءِ بِالْقَهْرِ لَهَاوَ الْقُدْرَةِ عَلَيْهَا ؛	15	وہ چیزوں سے اس طرح الگ و جدا ہے کہ وہ ان پر غلبہ رکھتا ہے۔اور اپنی قدرت سے ان پر چھایا ہوا ہے
وَبَانَتِ الْاَشْيَآءُ مِنْهُ بِالْخُضُوْعِ لَهُ وَالرُّجُوْعِ اِلَيْهِ ؛	16	اور تمام چیزیں اللہ سے اس لئے جدا اور الگ ہیں کہ وہ اس کے روبرو عاجز ہیں اور اسی کے حضور پلٹنے والی ہیں۔
مَنْ وَّصَفَهُ فَقَدْ حَدَّهُ ؛وَمَنْ حَدَّهُ فَقَدْ عَدَّهُ وَمَنْ عَدَّهُ فَقَدْ اَبْطَلَ اَزَلَهُ ؛	17	جو کوئی اس کے لئے الگ سے صفات تجویز کرتا ہے وہ اللہ کو محدود کرتا ہے اور جو کوئی اسے محدود کرتا ہے وہ اسے قابل شمار مانتا ہے اور اگر کوئی اسے قابل شمار سمجھتا ہے وہ اللہ کی ازلیت وابدیت کا باطل کرنے والا ہے۔
وَمَنْ قَالَ كَيْفَ؟ فَقَدِ اسْتَوْصَفَهُ ؛	18	اور جس نے یہ کہا کہ اللہ کیسا ہے؟ وہ اس کی الگ سے صفات تلاش کرتا ہے۔
وَمَنْ قَالَ اَيْنَ ؟ فَقَدْ حَيَّزَهُ ؛	19	اور جو یہ کہے کہ اللہ کہاں ہے؟ وہ ایک جگہ اللہ کو پابند کرتا ہے۔
عَالِمٌ اِذْ لَامَعْلُوْمَ ؛	20	وہ اس وقت بھی عالم تھا جب کوئی معلوم موجود نہ تھا۔
وَرَبٌّ اِذْ لَامَرْبُوْبَ ؛	21	وہ جب بھی پالنے والا تھا جب کوئی مخلوق موجود نہ تھی۔
وَقَادِرٌ اِذْ لَامَقْدُوْرَ ؛	22	وہ اس وقت بھی قادر تھا جب قدرت کے ماتحت مخلوق نہ تھی۔
قَدْ طَلَعَ طَالِعٌ وَلَمَعَ لَامِعٌ وَلَاحَ لَائِحٌ وَاعْتَدَلَ مَائِلٌ؛	23	طلوع ہونے والا طلوع ہو گیا اور چمکنے والا چمکنے لگا اور ظاہر ہونے والا ظاہر ہو گیا اور غلط طرف جھکے ہوئے معاملات اعتدال پر آ گئے۔
وَاسْتَبْدَلَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ قَوْمًا ؛وَبِيَوْمٍ يَوْمًا ؛	24	اللہ نے قوم کو ایک اور قوم سے بدل دیا، دنوں سے دن بدل گئے۔
وَانْتَظَرْنَا الْغِيَرَ انْتِظَارَ الْمُجْدِبِ الْمَطَرَ ؛	25	ہم اس انقلاب کا اسی طرح انتظار کر رہے تھے جس طرح قحط اور خشک سالی کے مارے ہوئے لوگ بارش کا انتظار کرتے ہیں۔
وَاِنَّمَا الْاَئِمَّةُ قُوَّامُ اللّٰهِ عَلٰى خَلْقِهٖ ؛	26	اور اس کے سوا اور کوئی حقیقی بات نہیں کہ آئمہؑ اللہ کے مقرر کئے ہوئے اس کی مخلوقات کو قائم رکھنے والے ہیں۔
وَعُرَفَاؤُهُ عَلٰى عِبَادِهٖ ؛	27	اور اس کے بندوں سے اس کا تعارف کرانے والے مقرر ہیں۔
وَلَايَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّامَنْ عَرَفَهُمْ وَعَرَفُوْهُ ؛	28	اور جنت میں کوئی شخص داخل نہیں ہوسکتا جب تک وہ آئمہؑ کی معرفت نہ رکھتا ہو اور آئمہؑ اسے قبول نہ کرتے ہوں۔

وَلَا یَدْخُلُ النَّارَ اِلَّامَنْ اَنْکَرَھُمْ وَاَنْکَرُوْهُ ؛	29	دوزخ میں بھی صرف وہی لوگ داخل ہوں گے جو آئمہؑ کی پوزیشن کے منکر ہوں اور جن کا آئمہؑ بھی انکار کرتے ہوں۔
اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی خَصَّکُمْ بِالْاِسْلَامِ وَاسْتَخْلَصَکُمْ لَہٗ ؛	30	یقیناً اللہ نے تمہیں اسلام کی وجہ سے خصوصیت دی ہے اور تمہیں اسی کے لئے خالص ومخلص بنایا ہے۔
وَذٰلِکَ لِاَنَّہٗ اِسْمُ سَلَامَۃٍ وَجِمَاعُ کَرَامَۃٍ ؛	31	اور اس کی وجہ یہ ہے کہ: اسلام سلامتی کا نام ہے اور اسی میں ساری کرامات جمع کردی ہیں۔
اِصْطَفَی اللّٰہُ تَعَالٰی مَنْھَجَہٗ ؛	32	اللہ نے اسلام کے تمام طریقوں اور راستوں کو مصطفیٰ بنایا ہے۔
وَبَیَّنَ حُجَجَہٗ مِنْ ظَاھِرِ عِلْمٍ وَبَاطِنِ حُکْمٍ ؛	33	اور اس کی حجتوں کو بیان کردیا ہے ظاہری علوم سے بھی اور باطنی احکام سے بھی آراستہ کردیا ہے۔
لَاتَفْنٰی غَرَائِبُہٗ ؛	34	اور اسلام کے عجائبات فنا ہونے اور مٹنے والے نہیں ہیں۔
وَلَا تَنْقَضِیْ عَجَائِبُہٗ؛	35	اور نہ ہی اس کے عجائبات ٹوٹنے والے ہیں۔
فِیْہِ مَرَابِیْعُ النِّعَمِ ؛	36	اس میں نعمتوں کی بارشیں کرنے والے موجود ہیں۔
وَمَصَابِیْحُ الظُّلَمِ ؛	37	اندھیرے کو روشنی سے بدلنے والے چراغ موجود ہیں۔
لَاتُفْتَحُ الْخَیْرَاتُ اِلَّابِمَفَاتِیْحِہٖ . وَلَا تُکْشَفُ الظُّلُمَاتُ اِلَّابِمَصَابِیْحِہٖ ؛	38	اس کے اختیارات اور نیکیوں کے ذخیرے اسی کی کنجیوں سے کھل سکتے ہیں اور اسی کے چراغوں سے اندھیروں کو روشنی سے بدلا جاسکتا ہے۔
قَدْ اَحْمٰی حِمَاہُ وَاَرْعٰی مَرْعَاہُ ؛	39	اللہ نے اسلام کے ممنوعہ مقامات میں داخلہ روک دیا ہے۔اور اس کی کھلی چراگاہوں اور رعایت کی جگہوں میں اپنے مویشیوں کے لئے اور اپنے لئے رعایت حاصل کیا کرو۔
فِیْہِ شِفَآءُ الْمُشْتَفِیْ ؛	40	اس میں طلبگاروں کے لئے شفا اور بہودی ہے۔
وَکِفَایَۃُ الْمُکْتَفِیْ ؛	41	اور بے نیازی چاہنے والوں کے لئے بے نیازی ہے۔
وَھُوَ فِیْ مُھْلَۃٍ مِنَ اللّٰہِ یَھْوٰی مَعَ الْغَافِلِیْنَ ؛	42	اس شخص کو اللہ کی طرف سے مہلت ملی ہوئی ہے اور وہ اس مہلت کے زمانہ میں غافلوں کے ساتھ گر کر مصلحت پرستی میں لگا ہوا ہے۔
وَیَغْدُومَعَ الْمُذْنِبِیْنَ ؛	43	اور گناہگاروں کے ساتھ دن گزراتا ہے۔
بِلَا سَبِیْلٍ قَاصِدٍ ؛	44	جب کہ اس کی راہِ عمل نہ بامقصد ہے اور نہ صحیح ہے۔

وَلَا اِمَامٍ قَائِدٍ ؛	45	اور نہ راہنمائی کے لئے امامؑ اس کے ہمراہ ہے۔
حَتّٰی اِذَا کَشَفَ لَهُمْ عَنْ جَزَاءِ مَعْصِيَتِهِمْ ؛	46	یہاں تک کہ جب ان کی نافرمانیوں کی جزا ان پر کھل جائے گی۔
وَاسْتَخْرَجَهُمْ مِنْ جَلَابِيبِ غَفْلَتِهِمْ ؛	47	اور جب انہیں غفلت کی چادروں سے باہر نکال لیا جائے گا۔
اِسْتَقْبَلُوْا مُدْبِرًا ؛وَاسْتَدْبَرُوْا مُقْبِلاً ؛	48	تب وہ لوگ اسی آخرت کا استقبال کرینگے جس کی طرف پیٹھ کئے رہتے تھے اور دنیا کی طرف سے منہ پھرالیں گے جسے ہمیشہ سامنے رکھا کرتے تھے۔
فَلَمْ يَنْتَفِعُوْا بِمَا اَدْرَكُوْا مِنْ طَلِبَتِهِمْ وَلَا بِمَا قَضَوْا مِنْ وَطَرِهِمْ ؛	49	چنانچہ انہوں نے دنیا میں اپنی مطلوبہ چیزیں پا کر بھی ان سے مستقل فائدہ نہ اُٹھایا اور نہ اپنی ضروریات کو پورا کرنے ہی سے انہیں نفع ہوا۔
وَاِنِّیْ اُحَذِّرُكُمْ وَنَفْسِیْ هٰذِهِ الْمَنْزِلَةَ ؛	50	اور میں تمہیں اور خود اپنی ذات کو خبردار کرتا ہوں دنیا کی اس منزل سے۔
فَلْيَنْتَفِعِ امْرُؤٌ بِنَفْسِهٖ ؛	51	چنانچہ ہر شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی ذات سے فائدہ اُٹھائے۔
فَاِنَّمَا الْبَصِيْرُ مَنْ سَمِعَ فَتَفَكَّرَ ؛ وَنَظَرَ فَاَبْصَرَ وَانْتَفَعَ بِالْعِبَرِ ؛	52	اس لئے کہ صاحب بصیرت تو وہ شخص ہوتا ہے جو کسی بات کو سنے تو اس کے ہر پہلو پر غور کرے۔ اور جب کچھ دیکھے تو اسے ٹھیک سے ملاحظہ کرے۔ اور عبرت ونصیحت سے نفع اندوزی کرے۔
ثُمَّ سَلَكَ جَدَدًا وَّاضِحًا يَتَجَنَّبُ فِيْهِ الصَّرْعَةَ فِی الْمَهَاوِیْ وَالضَّلَالَ فِی الْمَغَاوِیْ ؛	53	غور وخوض اور دیکھ بھال کے بعد وہ ایک واضح راہِ عمل اختیار کرلے اور اس راہ میں چلتے ہوئے بھی فریب کے گڑھوں میں گرنے اور شبہات میں بھٹک جانے سے اجتناب کرتا چلا جائے اور اغوا کرنیوالوں کی گمراہی سے بچتا رہے
وَلَا يُعِيْنُ عَلٰی نَفْسِهِ الْغُوَاةَ بِتَعَسُّفٍ فِیْ حَقٍّ اَوْتَحْرِيْفٍ فِیْ نُطْقٍ اَوْتَخَوُّفٍ مِّنْ صِدْقٍ	54	اور جان بوجھ کر ذاتی طور پر نہ اغوا کرنے والوں کا معین ومددگار بنے نہ حق کو چھوڑے نہ باتیں کرنے میں دھوکا دے اور نہ سچ کے معاملے میں کسی سے خوفزدہ ہو۔
فَاَفِقْ اَيُّهَا السَّامِعُ مِنْ سَكْرَتِكَ ؛	55	چنانچہ اے سننے والو تم ہوش میں آؤ اور جاگ جاؤ اپنی مدہوشی اور نشہ سے اور
وَاسْتَيْقِظْ مِنْ غَفْلَتِكَ ؛	56	اپنی نیند اور غفلت سے۔
وَاخْتَصِرْ مِنْ عَجَلَتِكَ ؛	57	اور اپنی مصروفیات اور جلد بازی کو مختصر کرو۔
وَاَنْعِمِ الْفِكْرَ فِيْمَا جَآئَكَ عَلٰی لِسَانِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ ؛صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ ؛مِمَّا لَابُدَّ مِنْهُ؛ وَلَا مَحِيْصَ عَنْهُ ؛	58	اور اپنی فکر کو ام القریٰ کے رہنے والے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ کی زبانی باتوں سے کشادگی بخشو جن سے چھٹکارہ نہیں نہ کوئی اور پناہ کی جگہ ہے وہ سب پیش آکر رہنا ہیں۔

وَخَالِفُ مَنْ خَالَفَ ذٰلِکَ اِلٰی غَیْرِہٖ ؛	59	اور جو کوئی حضورؐ کی باتوں کی مخالفت کرے تم اس کی مخالفت کرو اور اس کے خلاف راستہ اختیار کرلو۔
وَدَعْهُ وَمَارَضِیَ لِنَفْسِہٖ ؛	60	اور ایسے مخالف شخص کو اور اسکی ان تمام باتوں کو دفع کرو جن سے وہ خوش ہو۔
وَضَعْ فَخْرَکَ ؛	61	اپنے فخریہ رویہ کو چھوڑ دو۔
وَاحْطُطْ کِبْرَکَ ؛	62	اور کبریائی اور بڑائی کو نیچا دکھاؤ۔
وَاذْکُرْ قَبْرَکَ ؛	63	اور اپنی قبر کو یاد رکھا کرو۔
فَاِنَّ عَلَیْہِ مَمَرَّکَ ؛	64	یقیناً تمہیں اسی میں چل کر جانا ہے۔
وَکَمَا تَدِیْنُ تُدَانُ ؛	65	اور تم جیسا کرو گے ویسا ہی پاؤ گے۔
وَکَمَا تَزْرَعُ تَحْصُدُ؛	66	اور جیسا بوؤ گے ویسا کاٹو گے۔
وَمَا قَدَّمْتَ الْیَوْمَ تَقْدَمُ عَلَیْہِ غَدًا ؛	67	اور جو کچھ آج آگے بھیجو گے وہی کچھ کل وہاں پاؤ گے۔
فَامْھَدْ لِقَدَمِکَ ؛	68	اپنے کھڑے ہونے کی جگہ بناؤ۔
وَقَدِّمْ لِیَوْمِکَ ؛	69	اور پیش آنے والے دن کے لئے پہلے سے بھیجو۔
فَالْحَذَرَ الْحَذَرَ اَیُّھَا الْمُسْتَمِعُ؛	70	اے سننے والو ڈرو اور ڈرتے رہو۔
وَالْجِدَّ الْجِدَّ اَیُّھَا الْغَافِلُ ؛	71	اور مسلسل کوشش کرو اے غافلو کوشش کو برابر جاری رکھو۔
وَلَا یُنَبِّئُکَ مِثْلُ خَبِیْرٍ ؛(25/59)	72	اور جتنا کچھ تمہیں ایک خبیرؔ (فرقان 25/59) بتا سکتا ہے دوسرا کوئی نہ بتا سکے گا۔
اِنَّ مِنْ عَزَائِمِ اللّٰہِ فِی الذِّکْرِ الْحَکِیْمِ الَّتِیْ عَلَیْھَا یُثِیْبُ وَیُعَاقِبُ ؛	73	یقیناً قرآن میں اللہ کے وہ احکام جن میں حکمت خداوندی مذکور ہے اور جن پر ثواب اور عذاب دیا جاتا ہے۔
وَلَھَا یَرْضٰی وَیَسْخَطُ ؛	74	اور جن پر اللہ کی رضامندی اور غصہ کا دارومدار ہے ان میں سے بنیادی بات یہ ہے
اِنَّهُ لَا یَنْفَعُ عَبْدًا ؛	75	کہ اللہ کسی ایسے شخص کو نہ بخشے گا اور اسے وہاں کوئی فائدہ نہ ہوگا
وَاِنْ اَجْھَدَ نَفْسَهُ وَاَخْلَصَ فِعْلَهُ ؛	76	اور خواہ اس نے اپنا سارا زور اور محنت دینداری اور مخلصانہ اعمال ہی پر صرف کیا ہو
اَنْ یَّخْرُجَ مِنَ الدُّنْیَا لَاقِیًارَبَّهُ بِخَصْلَةٍ مِّنْ ھٰذِہِ الْخِصَالِ لَمْ یَتُبْ مِنْھَا :	77	اور وہ اپنے پروردگار سے ملاقات کیلئے دنیا سے ایسی حالت میں نکلے کہ اس نے
اَنْ یُّشْرِکَ بِاللّٰہِ فِیْمَا افْتَرَضَ عَلَیْہِ مِنْ عِبَادَتِہٖ ؛	78	اپنے اوپر لازم شدہ عبادت کے فرائض میں اللہ کے ساتھ کسی اور کو بھی شامل کیا تھا۔

اَوْيَشْفِيَ غَيْظَهُ بِهَلاكِ نَفْسٍ ؛	79	یا یہ کہ غصہ میں کسی کو قتل کر کے اپنے غیظ وغضب کو ٹھنڈا کیا ہو۔
اَوْيَعُرَّ بِاَمْرٍ فَعَلَهُ غَيْرُهُ ؛	80	یا اپنے علاوہ کسی اور کے کام پر اس کو بدنام اور ننگا کیا ہو۔
اَوْيَسْتَنْجِحَ حَاجَةً اِلَى النَّاسِ بِاِظْهَارِ بِدْعَةٍ فِيْ دِيْنِهٖ ؛	81	اور اپنی ضرورتوں اور مقصد براری کے لئے دین میں بدعتیں جاری کر کے لوگوں سے استفادہ کیا ہو۔
اَوْيَلْقَى النَّاسَ بِوَجْهَيْنِ ؛	82	یا لوگوں کو منافقانہ طریقے پر دورنگی چال سے چلاتا ہو۔
اَوْيَمْشِيْ فِيْهِمْ بِلِسَانَيْنِ ؛	83	یا لوگوں میں اختلاف اور تنازعہ ڈالنے کے لئے دو زبانوں سے باتیں کرتا ہو۔
اَعْقِلْ ذٰلِكَ فَاِنَّ الْمَثَلَ دَلِيْلٌ عَلٰى شِبْهِهٖ ؛	84	ان باتوں کو عقل سے جانچو اس لئے کہ ایک مثال خود دوسری مثال کے لئے دلیل بن جایا کرتی ہے۔
اِنَّ الْبَهَائِمَ هَمُّهَا بُطُوْنُهَا ؛	85	حقیقت یہ ہے کہ حیوانوں کی زندگی پیٹ بھرنے میں گزرتی ہے۔
وَاِنَّ السِّبَاعَ هَمُّهَا الْعُدْوَانُ عَلٰى غَيْرِهَا ؛	86	اور بھیڑیوں کا کام دوسروں پر حملہ کر کے شکار کرنا ہوتا ہے۔
وَاِنَّ النِّسَآءَ هَمُّهُنَّ زِيْنَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَالْفَسَادُ فِيْهَا ؛	87	اور عورتوں کی ہمت کے اندر دنیا کو سجانا اور سج کر رہنا اور فساد برپا کرنے تک محدود ہے۔
اِنَّ الْمُؤْمِنِيْنَ مُسْتَكِيْنُوْنَ ؛	88	مومن یقیناً تکبر اور غرور سے دور عاجزانہ بسر کرتے ہیں۔
اِنَّ الْمُؤْمِنِيْنَ مُشْفِقُوْنَ ؛	89	مومنین نرم دل اور شفقت کرنے والے ہوتے ہیں۔
اِنَّ الْمُؤْمِنِيْنَ خَائِفُوْنَ ؛	90	مومنین بُری باتوں سے ڈرا کرتے ہیں۔

تشریحات:

اللہ کے وجود پر عام فہم دلیل یہی ہے کہ ہم یہاں موجود ہیں اور جن چیزوں کے سہارے موجود ہیں وہ ہمارے اپنے اختیار وقابو میں نہیں ہیں۔ لہٰذا یہ ماننا پڑتا ہے کہ ایک ایسی طاقت وہستی موجود ہے جو ہواؤں کو پانی کو موسموں کو اور رزق کے دوسرے ذخائر کو کنٹرول کر رہی ہے۔ اور ایک مستقل ترتیب وتدریج اور نظام کے ماتحت رکھے ہوئے ہے اور اُس نظام و ترتیب وتدریج میں ذرہ برابر فرق اور ابتری پیدا ہونے نہیں دیتی ہے اس نظام اور کنٹرول پر جتنا غور کیا جاتا ہے۔ اللہ کی تمام صفات وحالات اُبھر اُبھر کر سامنے آنا شروع ہو جاتے ہیں اور جب حضرت علی علیہ السلام کے بیانات کو شامل کر لیا جاتا ہے تو گویا اللہ سامنے نظر آنے لگتا ہے۔ اگر ہماری فکری جدوجہد میں سمت بدل جائے تو غلطی کا جلد ہی پتہ لگ جاتا ہے اس لئے کہ ہمارے سامنے اللہ کا تصور دھندلا ہونے لگتا ہے اور ذرا دیر کے بعد غائب ہو جاتا ہے۔ تصور جہاں سے دھندلانے لگے وہاں رُک جایئے اور تسلسل اور غور از سرِ نو شروع کیجئے۔ مدد صرف حضرت علی علیہ السلام سے لیجئے۔ دوسرے لوگ اس راہ میں صحیح راہنمائی نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ اللہ

سے اور کسی کو اتنی قربت حاصل نہیں ہے۔ وہ تنہا ذات پاکؑ ہیں جو انسان کو اللہ سے ممکن حدود تک قریب پہنچانے کے ذمہ دار ہیں۔ اُن کی ہر بات انسانی ذہن سے اُبھار کرلائی جاتی ہے اور دل میں اُترتی چلی جاتی ہے اور سامنے سے تاریکی دُور ہونے لگتی ہے۔ اس کا ایک سبب تو یہی ہے کہ اللہ نے محمدؐ وآل محمد صلوٰۃ اللہ علیہم کو اپنا اور تمام موجودات ومخلوقات کا لامحدود علم عطا کیا ہے اور دوسرا سبب یہ ہے کہ اللہ کو ان سے لامحدود محبت ہے اور اللہ پسند کرتا ہے کہ یہ حضرات اُس کا تعارف کرائیں اور لوگ اُن کی زبان سے اللہ کی معرفت حاصل کریں۔ اس لئے بھی کہ اپنے محبوب کی زبان سے اپنا ذکر پسند آنا ایک فطری بات ہے۔

2۔ محمدؐ اور اجزائے نورِ محمدیؐ کی تخلیق کی غرض ہی یہ تھی کہ مخلوقات سے اللہ کا تعارف کرایا جائے۔

اللہ نے فرمایا تھا کہ میں ایک مخفی خزانہ تھا مجھے یہ پسند آیا کہ ظاہر ہو جاؤں لہٰذا اے محمدؐ میں نے تجھے پیدا کر دیا۔ اور اسی غرض کو حضورؐ نے اس خطبے (27) میں بھی یوں فرمایا ہے کہ ''وَعُرَفَآؤُهُ عَلٰى عِبَادِهٖ ؛ (27) اور اللہ کے بندوں سے اللہ کا تعارف کرانے کے لئے مقرر ہیں'' بتائیے اس انتظام اور اہتمام کے بعد اور کون ہو سکتا ہے جو حقیقی معنی میں اللہ سے روشناس کرا سکتا ہو۔ پھر بات اتنی ہی تو نہیں ہے۔ بات تو بہت آگے تک بڑھتی ہے۔ اور یہی سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے کہ اللہ نے مذکورہ محمدوںؐ کو کیسے پیدا کیا؟ محمدوںؐ ہی کو تھوڑی پیدا کیا تھا۔ یوں کہئے کہ جو کچھ بھی اللہ نے پیدا کرنا تھا۔ وہ محمدوںؐ کے اندر ہی پیدا کر دیا تھا۔ اللہ نے بار بار لفظ کن نہیں کہا ہے۔ جو کچھ کہنا سننا تھا۔ جو کچھ کرنا تھا۔ وہ سب اُسی وقت کہہ سن اور کر دیا تھا۔ جب محمدوںؐ کو پیدا کیا تھا۔ احادیث کی رُو سے اُن کو وجود میں لانے کے لئے کروڑوں اربوں سال صرف ہوئے تھے۔ اور اُن کے لئے کسی ایک متعین وجود کو فرض کر لینا بھی جلد بازی ہوگی۔ اُنہیں کتنے وجود دئے گئے یا اُنہیں کتنے وجودوں میں رکھ رکھ کر دوسرے وجودوں میں سے گزارا گیا؟ یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ کون بتا سکتا ہے کہ لوح وقلم اُن سے کب اور کیسے برآمد ہوا؟ عرش وکرسی کب پیدا ہوئی؟ یہ فضائیں یہ کائناتی گنجائشیں کیسے، کہاں سے اور کب برآمد ہوئیں۔ ملکوت السماوات کب پیدا ہوئے؟ ملائکہ وارواح تو بہت بعد کی پیدائش معلوم ہوتے ہیں۔ اور یہاں سے آگے کو بات قابل فہم ہوتی چلی جاتی ہے۔ مگر اس سے پہلے اُن حضراتؑ کے ساتھ کیا گزری؟ حجابات قدس کب پیدا کرنے کی ضرورت پیش آئی؟ جب کوئی دیکھنے والی آنکھ ہی نہ تھی تو حجاب اور پردہ کس سے اور کیوں کیا جاتا۔ ظاہر ہے کہ دیکھنے والی آنکھیں بعد میں وجود اختیار کریں گی پردے کا انتظام پہلے ہو جانا چاہئے تھا۔ یہ ہی وہ زمانہ ہے جب تخلیق کے نشوونما میں حواس وضمائر ووجدان پیدا ہوئے اور پردہ شروع ہوا۔ ہم نے حضورؐ علیہ السلام کے پہلے خطبے میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کو بڑے غور سے پڑھا ہے۔ وہاں ایک ایسا مرحلہ بیان ہوا ہے جہاں ابھی آنکھیں نورانی نہ ہوئی تھیں۔ مگر بدن اس قابل تھا کہ پسندیدہ وناپسندیدہ احساس رکھتا تھا۔ ناگوار گزرنے والی چیز کو جسم سے دور کرتا تھا اور خوشگوار چیز کو برداشت کرتا تھا۔ سوچنا یہ ہے کہ آنکھوں کے ملنے سے پہلے پہلے محمدوںؐ نے کیا کچھ محسوس کر لیا تھا؟ اور اپنے محسوسات کو کیسے محفوظ کیا تھا کون جانے؟ یہ اُن کی بعض عجیب سی باتیں اُسی زمانے کے احساسات کا راز کھولتی ہیں۔ مثلاً فرمایا کہ ''میں کسی ایسے خدا کی عبادت نہیں کرتا جسے میں نے دیکھا نہ ہو'' اور پھر جو کچھ اس کے بعد فرمایا ہے وہ خود اسی احساس کا ثبوت بنتا ہے۔ الغرض ایسے بہت سے جملے ہیں جن میں اہل تقصیر اُلجھے ہیں۔ لیکن اُن حضرات علیہم السلام کے حالات کو ترتیب اور تسلسل سے پڑھنے والا کہیں نہیں اُلجھتا فطری صورت حال بات کو سلجھاتی چلی جاتی ہے۔ وہ لوگ کیوں اُلجھیں اور کسی مرحلہ پر کیوں رُکیں جو اُن کے رب پر ایمان لائے ہیں اور اُن کو مربوب مانتے ہیں؟ اور جو کہتے ہیں سمجھ کر منہ سے نکالتے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ منہ چھوٹا اور بات بڑی نکل جائے۔

3۔ پوری مخلوقات بہت بڑی بات ہے اور تمام مخلوقات کے قوام ہونا اُس سے بھی بڑی بات ہے۔

یہاں ہم حضورؑ کے جملے (26) پر متوجہ کرنا چاہتے ہیں آپ نے فرمایا ہے کہ:

وَاِنَّمَا الْاَئِمَّۃُ قُوَّامُ اللّٰہُ عَلٰی خَلْقِہٖ ؛(26)

''اس کے سوا اور کوئی معنی نہیں ہیں کہ آئمہ علیہم السلام اللہ کی مخلوق کو قائم رکھنے والے اللہ کے سہارے ہیں''

اللہ کی کائنات اور مخلوقات کا پھیلاؤ یا وسعت کہاں تک ہے؟ ہم نے سابقہ خطبے کی تشریح میں اس پر ہلکی سی روشنی ڈالی ہے۔ یہاں تو مختصراً یہ سمجھ لیں کہ روشنی ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل کی رفتار سے اگر (10) دس کروڑ سال تک چلتی رہے تو کائنات اور مخلوقات کی وسعتوں سے باہر نہ نکل سکے گی یعنی ابھی رب العالمینی اور رحمت اللعالمینی اور آئمہؑ کی قوامیت کی حدود کے اندر ہی اندر کہیں سفر کر رہی ہوگی اور وہاں سے آگے کی مخلوقات کو بھی آئمہؑ برقرار و قائم رکھے ہوئے ملیں گے۔ اور یہ قُوَّامِیّت یاقَیُّومیّت اللہ کی طرح قُوَّامِیّت یاقَیُّومیّت نہیں ہے جس میں قوت وقدرت کی ضرورت ہوتی ہو۔ بلکہ یہ فطری مادی اور روزمرہ کی عملی حالت ہے جس میں نہ کوئی زور لگانا پڑتا ہے نہ کوئی بندوبست کرنا ہوتا ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے آپ کو اپنے ہاتھ یا پیر کو اپنے ساتھ رکھنے میں نہ کوئی زور لگانا پڑتا ہے نہ فکر و کوشش کرنا ہوتی ہے جہاں آپ جاتے ہیں آپ کے ہاتھ پیر سر و سینہ آپ کے ساتھ چلنے پر مجبور و مفطور اور پابند ہیں۔ یعنی جب تک یہ حضرات موجود ہیں تمام مخلوقات مجبور و مفطور رہیں کہ جس حال میں وہ رکھیں برقرار و قائم رہیں۔ یہی معنی ہیں اُن حضراتؑ کے علت مادی وعلت فاعلی وعلتِ صوری وعلت غائی ہونے کے۔

اور یہی مطلب ہے بہت ساری احادیث کا جن میں زمین پر حجۃ خداوندی کے وجود کا ذکر ہوا ہے اور جن میں بقائے کائنات کی بات ہوتی ہے۔ جن میں آئمہ اہل بیت علیہم السلام کو ارکان الارض فرمایا گیا ہے اور جن کے وجود سے زمینوں اور آسمانوں کو قائم رکھنے کی باتیں ہوئی ہیں۔ یہ سب اُن کی فطری قوامیت وقیومیت کی طرف اشارے ہیں۔

اٹھائیس اور انتیس جملوں میں اپنی معرفت کو جنت میں داخلہ کی شرط قرار دیا ہے۔ فرمایا ہے کہ:

4۔ جنت میں اور دوزخ میں داخلے پر اُن کی معرفت اور اقرار وانکار دلیل بنتے ہیں۔

وَلَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ اِلَّامَنْ عَرَفَھُمْ وَعَرَفُوْہُ ؛ ۔وَلَا یَدْخُلُ النَّارَ اِلَّا مَنْ اَنْکَرَھُمْ وَاَنْکَرُوْہُ ؛(29-28)

''اور جنت میں کوئی داخل نہیں ہوسکتا جب تک وہ آئمہؑ کی معرفت نہ رکھتا ہو اور آئمہؑ اُسے قبول نہ کرتے ہوں''

اور دوزخ میں بھی صرف وہی لوگ داخل ہوں گے جو آئمہؑ کے منکر ہوں اور جن کا آئمہ بھی انکار کرتے ہوں''

جنت میں داخلہ یا آخرت میں نجات کا ملنا جن حقائق اور اسباب پر منحصر ہے اُن میں بحثوں کی گنجائش نکالی جاسکتی ہے۔ مگر اس میں تو بحث کی کوئی گنجائش نہیں کہ حضرت علی علیہ السلام تمام صحابہ اور تمام قریش اور تمام مخاطبین کے مجمع عام میں اپنے اس مقام کا اعلان فرما رہے ہیں اور کسی طرف سے کوئی انکار نہیں کرتا۔ اس سے یہ ثابت ہو چکا تھا کہ نجات کا دارومدار محمدؐ و علیؑ اور آل محمدؐ کی خوشنودی پر ہے۔ اور اس سلسلے میں جتنے شکوک وشبہات اور بحثیں نکالی گئی ہیں وہ سب بعد کی قریشی حکومتوں کی پیدا کردہ ہیں۔ یعنی غیر اسلامی ہیں۔ اُن کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لہٰذا دین داروں کو بلا چوں وچرا محمد وآل محمد سلام اللہ علیہم کے معیار پر اعمال بجالانا لازم ہیں۔ تاکہ روز آخر نجات حاصل ہوسکے۔ اور تمام شک وشبہ کرنے والے لوگوں کو نظرانداز کر دینا لازم ہے۔

5۔ نجات کا دارومدار محمدوںؑ پر رکھنے کا سبب اسلام کو بتایا گیا ہے۔

مسلسل فرمایا ہے کہ تمہاری نجات محمدوںؑ سے وابستہ کردینے کا سبب یہ ہے کہ:

''اللہ نے تمہیں اسلام کی خصوصیت اور خلوص عطا کیا ہے اور یہ کہ اسلام درحقیقت سلامتی ہے اور اس میں تمام قسم کی کرامات جمع کردی گئی ہیں اور اسلام کی تمام راہوں کو مصطفیٰ بنایا گیا ہے۔''(32-30)

لہٰذا معلوم ہوا کہ جو لوگ صرف اللہ کی عبادت واطاعت اور اپنی نیک عملی پر اسلامی کامیابی اور نجات کا دارومدار رکھیں گے وہ بڑی غلطی اور ناکامی سے دوچار ہوں گے اس لئے کہ اللہ کی عبادت سے اللہ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا اور تمہاری اطاعت کا اللہ محتاج نہیں ہے اور تمہاری خلاف ورزیاں اور معصیت خود تمہیں نقصان پہنچاتی ہیں۔ اور تمہاری ناکامی ونامرادی کا اصلی سبب تو تمہارا ذاتی اور عقلی اجتہاد ہے کہ تم نے خود ہی اپنی نجات کا فیصلہ کرلیا ہے یعنی تم نے یہ چاہا ہے کہ اللہ تمہارے فیصلے کے ماتحت نجات عطا کرے۔ یہی ایک اتنی بڑی جرأت وجسارت ہے جس سے تمہارے تمام نیک اعمال ضائع اور برباد ہوجانا چاہئیں۔ جو آخرت میں معلوم ہوگا کہ ضائع ہوچکے تھے۔

6۔ محمدؑ کی جانبداری تمہارے بغض کی بناپر ترک کرنے کے بجائے تمہاری بربادی اور تمہاری شامت میں اضافہ کیا جائے گا۔

تمہارا محمدوںؑ سے بغض اور حسد نوٹ کرادیا گیا ہے اور کہہ دیا گیا ہے کہ:

اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا O فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا O(نساء55-4/54)

''کیا لوگوں کی یہ کثرت آلِ ابراہیمؑ سے اس لئے حسد کررہی ہے کہ اللہ نے اُنہیں اپنے فضل سے نواز رکھا ہے؟ یقیناً ہم نے تو آلِ ابراہیمؑ کو مکمل کتاب اور مکمل حکمت عطا کررکھی ہے اور ساتھ ہی ہم نے اُنہیں عظیم الشان حکومت ومملکت دی ہوئی ہے چنانچہ لوگوں کی اس کثرت میں کچھ لوگ تو وہ ہیں جو حسد کرنے کے باوجود اُس کتاب وحکمت اور مملکت کو مانتے ہیں اور کچھ وہ لوگ ہیں جو اُس کی راہیں روکنے میں مصروف ہیں بہرحال تمام حسد کرنے والوں کے لئے جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ کافی ہے''(سورہ نساء55-4/54)

یعنی بغض وحسد اور مزاحمت کی پرواہ نہیں کی گئی ہے۔ اور اُن کے لئے جہنم تیار کھڑی ہے۔

7۔ محمدوںؑ کا احترام نہ کرنے والے لاکھ نماز روزہ حج زکوٰۃ وعبادت بجالائیں نجات سے محروم رہیں گے۔

عبادتوں اور اطاعتوں پر بھروسہ کرنے والے آگے بڑھیں اور اس احترام اور اکرام وپاس وادب پر اعتراض کریں جو قرآن میں لازم کیا گیا ہے۔

فرمایا گیا ہے کہ:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ O يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ O اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ O اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ O وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ O(سورہ حجرات 5-49/1)

مودودی ترجمہ: ''اَے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ اور اُس کے رسولؐ کے آگے پیش قدمی نہ کرو اور اللہ سے ڈرو اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔ اَے لوگو جو ایمان لائے ہو اپنی آواز نبیؐ کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ نبیؐ کے ساتھ اونچی آواز سے بات کیا کرو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا کیا کرایا سب غارت ہو جائے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔ جو لوگ رسولؐ خدا کے حضور بات کرتے ہوئے اپنی آواز پست رکھتے ہیں وہ درحقیقت وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کیلئے جانچ لیا ہے۔ اُن کے لئے مغفرت ہے اور اجرِ عظیم ہے۔ اَے نبیؐ جو لوگ تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں اُن میں سے اکثر بے عقل ہیں۔ اگر وہ تمہارے برآمد ہونے تک صبر کرتے تو اُن ہی کے لئے بہتر تھا۔ اللہ درگزر کرنے والا رحیم ہے۔'' (1 تا 49/5) (تفہیم جلد 5 صفحہ 70 تا 72)

ابھی ہم مودودی کی تشریحات دکھائیں گے پہلے آپ صرف اتنی سی بات نوٹ کرلیں کہ اللہ کو لوگوں کی عبادتیں، اطاعتیں، نمازیں روزے، حج کرنا زکوٰۃ ادا کرنا بالکل پیارا نہیں ہے۔ اور محمدؐوں کی ذرا سی بے ادبی پر ساری امت کے تمام نیک اعمال پر جھاڑو پھرائی جاسکتی ہے۔ اور کسی کو محمدؐوں کی اس طرفداری پر منہ کھولنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ آئیں تمام قریشی علما اور بتائیں کہ اس قدر جانبداری کیوں برتی تھی؟ نہ اپنی توحید کے اعلانات کی پرواہ ہے نہ قیام وقعود اور سجدوں میں گڑگڑانے کی فکر ہے۔ سوچئے اور سوچتے رہئے کہ وہی اللہ یہ طے کرتا ہے کہ جو لوگ محمدؐوں کو پسند آئیں وہی جنت میں جائیں گے۔ کیا اعتراض ہے؟ خود اُن ہی آیات میں دیکھ لو کہ صرف محمدؐوں کے سامنے دھیمی آواز سے بات کرنے والوں کے لئے نجات اور اجرِ عظیم کا وعدہ کیا گیا ہے اعمال کی شرط نہیں لگائی ہے محمدؐوں کا ادب واحترام کرنا تمام عبادتوں اور اطاعتوں سے زیادہ پسند ہے۔ زیادہ قابل قدر ہے۔ زیادہ محبوب ہے۔ ساری دنیا کو بتادو کہ ہم محمدؐوں کا ادب واحترام اللہ کی تمام عبادتوں سے بڑی اور مقبول عبادت سمجھتے ہیں۔ اس لئے اذانیں ہوتی رہتی ہیں ہم ذکرِ محمدؐ وآلِ محمدؐ میں لگے رہتے ہیں۔ نمازیں ہوتی رہتی ہیں محبان محمدؐ وآلِ محمدؐ پرواہ نہیں کرتے۔ اسی لئے کہ وہ تمام عبادتوں کی بنیاد پر عمل کررہے ہوتے ہیں۔ ہمیں نجات کے لئے انتخاب کیا جاچکا ہے۔

8۔ مودودی کی تشریحات پڑھئے اور اُن پر ابوبکر وعمر اینڈ کمپنی کو جانچئے اور اُن کے اور اُن کی قوم کے جہنمی ہونے کا یقین کیجئے۔

مودودی صاحب کے ہر ہر لفظ کو غور سے پڑھئے اور فیصلہ کیجئے لکھتے ہیں کہ:

''یہ ایمان کا اوّلین اور بنیادی تقاضہ ہے۔ جو شخص اللہ کو اپنا رب اور اللہ کے رسولؐ کو اپنا ہادی ورہبر مانتا ہے۔ وہ اگر اپنے اس عقیدے میں سچا ہے تو اُس کا یہ رویہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ اپنی رائے اور خیال کو اللہ اور رسولؐ کے فیصلے پر مقدم رکھے یا معاملات میں آزادانہ رائے قائم کرے اور اُن کے فیصلے بطور خود کرڈالے بغیر اس کے کہ اُسے یہ معلوم کرنے کی فکر ہو کہ اللہ اور اُس کے رسولؐ نے اُن معاملات میں کوئی ہدایت دی ہے یا نہیں اور دی ہے تو وہ کیا ہے؟ اسی لئے ارشاد ہوا ہے کہ اَے ایمان لانے والو اللہ اور اُس کے رسولؐ کے آگے ''پیش قدمی نہ کرو'' یعنی اُن سے آگے بڑھ کر نہ چلو پیچھے چلو۔ مقدم نہ بنو۔ تابع بن کر رہو۔ یہ ارشاد اپنے حکم میں سورہ احزاب کی آیت نمبر 36 سے ایک قدم آگے ہے۔ وہاں فرمایا گیا تھا کہ جس معاملے کا فیصلہ اللہ اور اُس کے رسولؐ نے کردیا ہو اُس کے بارے میں کسی مومن کو خود کوئی الگ فیصلہ کرنے کا اختیار باقی نہیں رہتا۔ (یہاں مودودی نے مومن کے ساتھ مومنہ کو شامل نہیں کیا یعنی مومنہ کو مختار بنادیا ہے۔ احسن۔ 33/36) اور یہاں فرمایا گیا ہے کہ اہل ایمان کو اپنے معاملات میں پیش قدمی کرکے بطور خود فیصلے نہیں کرلینے چاہئیں۔ بلکہ پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ اللہ کی کتاب اور اُس کے رسولؐ کی سنت میں اُن کے متعلق کیا ہدایات ہیں۔ یہ حکم مسلمانوں کے محض انفرادی معاملات تک ہی محدود ہے۔

درحقیقت یہ اسلامی آئین کی بنیادی دفعہ ہے جس کی پابندی سے نہ مسلمانوں کی حکومت آزاد ہوسکتی ہے نہ اُن کی عدالت اور نہ پارلیمنٹ''
(تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 71-70)

9۔ عمر اللہ ورسولؐ کے احکام کے مخالف فیصلے کرنے میں نہایت مستعد اور مشہور ہوئے ہیں۔

آگے بڑھنے سے پہلے عمر کے جہنمی ہونے پر خود اُن کے ہاتھوں سے دستخط کرلیں۔ تمام قریشی علما کا اتفاق ہے کہ ''حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس معاملے میں اس قدر مستعد اور اتنے اولوالعزم انسان تھے کہ سیاست ملکی اور رفاہیہ عامہ کے پیش نظر مخالفتِ نصوص سے بھی دریغ نہ کرتے تھے۔ ہم اس کی چند مثالیں بیان کرتے ہیں۔

پہلی مثال۔ المؤلفة قلوبهم (جن کی تالیفِ قلب کی گئی ہو)

سب جانتے ہیں کہ قرآن کریم نے صدقہ وخیرات کا مصرف اس آیہ کریمہ میں معین کردیا ہے۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَالۡعٰمِلِيۡنَ عَلَيۡهَا وَالۡمُؤَلَّفَةِ قُلُوۡبُهُمۡ وَفِى الرِّقَابِ وَالۡغٰرِمِيۡنَ وَفِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَابۡنِ السَّبِيۡلِ فَرِيۡضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۔۔۔(9/60)

یعنی صدقات تو حق ہے صرف غریبوں کا، محتاجوں کا، صدقہ وصول کرنے والوں کا، اُن نومسلموں کا جن کی دل جوئی منظور ہے۔ غلاموں کے آزاد کرانے میں، اخراجات جہاد میں اور مسافروں کی مدد کرنے میں یہ حق اللہ کی طرف سے مقرر ہے)

باوجود اس صریح نص قرآنی کے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مولفۃ القلوب کا حصہ موقوف کردیا اور اُن سے فرمایا کہ۔ یہ وظیفہ رسولؐ اللہ تمہیں اس لئے عطا فرماتے تھے کہ تمہاری دل جوئی کرکے تمہیں اسلام پر قائم رکھیں۔ لیکن اب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو طاقت ور بنادیا ہے اور تم سے بے نیاز کردیا ہے۔ اگر تم اسلام پر قائم رہو تو تمہارے لئے بہتر ہے ورنہ ہمارے اور تمہارے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی'' (فلسفہ شریعت اسلام ترجمہ تاریخ تشریع اسلامی علامہ صبحی محمصانی صفحہ 252-251) یہاں کئی ایک فیصلے قرآن کے احکامات کے خلاف لکھے ہیں۔ (تفصیلات کیلئے ''فاروقی شریعت'' ملاحظہ فرمائیں)

10۔ مودودی کی دوسری تشریحات۔

مودودی کی باقی تشریحات بھی سن لیں لکھتے ہیں کہ:

''2۔ یعنی اگر کبھی تم نے اللہ اور اُس کے رسولؐ سے بے نیاز ہوکر خود مختاری کی روش اختیار کی یا اپنی رائے اور خیال کو اُن کے حکم پر مقدم رکھا تو جان رکھو کہ تمہارا سابقہ اُس خدا سے ہے جو تمہاری سب باتیں سن رہا ہے اور تمہاری نیتوں تک سے واقف ہے'' (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 71) اور سنئے:

''3۔ یہ وہ ادب ہے جو رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھنے والوں اور آپؐ کی خدمت میں حاضر ہونے والوں کو سکھایا گیا تھا۔ اس کا منشا یہ تھا کہ حضورؐ کے ساتھ ملاقات اور بات چیت میں اہل ایمان آپؐ کا انتہائی احترام ملحوظ رکھیں۔ کسی شخص کی آواز آپؐ کی آواز سے بلند تر نہ ہو۔ آپؐ سے خطاب کرتے ہوئے لوگ یہ بھول نہ جائیں کہ وہ کسی عام آدمی یا اپنے برابر والے سے نہیں بلکہ اللہ کے رسولؐ سے مخاطب ہیں اس لئے عام آدمیوں سے گفتگو اور آپ کے ساتھ گفتگو میں نمایاں فرق ہونا چاہئے اور کسی کو آپؐ سے اونچی آواز میں کلام نہ کرنا چاہئے۔ یہ ادب اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کیلئے سکھایا گیا تھا اور اس کے مخاطب وہ لوگ تھے جو حضورؐ کے زمانے میں موجود تھے مگر بعد کے لوگوں کو بھی ایسے تمام مواقع پر یہی

ادب ملحوظ رکھنا چاہئے۔ جب آپؐ کا ذکر ہو رہا ہو یا آپؐ کا کوئی حکم سنایا جائے یا آپؐ کی احادیث سنائی جائیں۔'' (تفہیم جلد 5 صفحہ 71) اور سنئے:

''4۔ اس ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں ذاتِ رسولؐ کی عظمت کیا ہے۔ رسولؐ پاک کے سوا کوئی شخص خواہ بجائے خود کتنا ہی قابل احترام ہو بہر حال یہ حیثیت نہیں رکھتا کہ اُس کے ساتھ بے ادبی خدا کے ہاں اُس سزا کی مستحق ہو جو حقیقت میں کفر کی سزا ہے۔ وہ زیادہ سے زیادہ ایک بدتمیزی ہے۔ خلاف تہذیب حرکت ہے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام میں ذرا سی کمی اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس سے آدمی کی عمر بھر کی کمائی غارت ہو سکتی ہے اس لئے آپ کا احترام دراصل خدا کا احترام ہے جس نے آپ کو اپنا رسولؐ بنا کر بھیجا ہے اور آپ کے احترام میں کمی کے معنی خدا کے احترام میں کمی ہے'' (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 72-71)

بس یہ ہے قرآن کا فیصلہ اور یہ ہیں مودودی کے تاثرات اور یہ ہیں عمر اور اُس کی قوم کے فیصلے۔ اور یہ ہیں وہ دلائل جن کی بنا پر ہم ثلاثہ اینڈ کمپنی کو نہایت اطمینان سے لعنتی و جہنمی لکھتے اور کہتے ہیں۔

11۔ خلافتِ ظاہری قائم ہونے اور قوم قریش کے دوسری مومن قوم سے تبدیل ہونے کا شدت سے انتظار ہو رہا تھا۔

اس خطبے میں حضرت علی علیہ السلام نے قریشی خلافت کا جنازہ نکلنے پر اور قرآن کا ایک وعدہ پورا ہونے پر اطمینان کا اظہار فرمایا ہے۔ اور اپنے انتظار کو ایک قحط زدہ اور خشک سالی کے مارے ہوئے لوگوں کا انتظار فرمایا ہے۔ (23 تا 25) اور بتایا ہے کہ ''جس نے آخر کار طلوع ہونا تھا وہ طلوع ہو کر رہا۔ اور جس نے بلندیوں سے لمعاتِ خلافت بکھیرنا تھے اُس نے روشنی پھیلا دی اور جس نے قریش کی حق پوشی کے بعد بھی ظاہر ہو کر رہنا تھا وہ ظاہر ہو کر رہا اور وہ تمام بہانے اور غلط دلائل غلط ثابت ہو گئے جو ابوبکر و عمر و عثمان اینڈ کمپنی نے استحقاق خلافت وحکومت کے لئے مشہور کئے تھے۔ اور وہ وقت آ گیا جب قرآن کی پیشن گوئی کے مطابق یہ قریشی قوم مومن قوم سے تبدیل کر دی گئی اور اُن کا زمانہ خلافت بھی بدل گیا اور اس زمانے اور حکومت کے امن وامان سے خود اُن ہی کے ہاتھوں بدلنے کا انتظار ہم نے اسی طرح کیا جس طرح ایک قحط زدہ اور خشک سالی کی ماری ہوئی قوم بارشوں کا انتظار کیا کرتی ہے (23 تا 25)۔

12۔ قریش کی پوری قوم کو ایک پسندیدہ پوری کی پوری مومن قوم سے تبدیل کرنے کی دھمکیاں دی جاتی رہیں۔

قریش کو جہاد سے جی چرانے پر کہا گیا کہ:

''اگر تم اب بھی جہاد کے لئے نہ نکلو گے تو تمہیں دردناک عذاب بھی دیا جائے گا اور تمہیں ایک اور قوم سے تبدیل کر لیا جائے گا اور تم اُس قوم کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکو گے۔ اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔'' (توبہ 9/39)

اور فرمایا کہ: ''اگر تم نے اپنی ولایت قائم کی تب بھی تم سے ایک دوسری قوم کو بدل لیا جائے گا اور وہ تمہارے مانند بُری نہ ہو گی۔'' (محمدؐ 47/38)

یہ بھی فرمایا کہ: ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے مرتد ہو جائے گا تو بہت جلد اللہ ایک ایسی قوم کو تمہاری جگہ لے آئے گا جس سے اللہ کو محبت ہو گی اور وہ قوم بھی اللہ کو محبوب رکھتی ہو گی۔'' (مائدہ 5/54)

اور یہ بھی فرمایا تھا کہ:

''اگر یہ قریش حق کو چھپانا جاری رکھیں گے تو ہم نے اُن پر ایک ایسی قوم کو وکیل بنا دیا ہے جو ہرگز حق پوشی نہ کرے گی۔'' (انعام 6/89)

چنانچہ حضرت علی علیہ السلام کی ظاہری خلافت کا دن وہ نیا اور بدل دیئے جانے والا دن تھا جس روز قاعدے کے مطابق تحریک تشیع بطور محاذ سامنے

آتی ہے۔اور قریشی قوم کو با قاعدہ دندان شکن جواب دینے کی تیاری شروع ہوتی ہے۔ چنانچہ کھلا ہوا حکم دے دیا گیا کہ جو کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کی کھلی مخالفت کرے اُس کے خلاف محاذ بنالیا جائے اور اُن لوگوں کے توڑ میں مخالف راہ عمل اختیار کرنے کی چھوٹ دے دی گئی۔اور ہر اُس بات کو راہ سے ہٹانے کی اجازت مل گئی جو مخالف محاذ کو پسند آتی ہو۔(58 تا 60)اور اُسی دن سے خبیر علیہ السلام (فرقان 59/25) نے تحریک تشیع کی ہدایت کاری کی ہدایت جاری کی تھی (72) اور آئمہ علیہم السلام پر ہدایت کاری کو جاری رکھنا لازم کر دیا گیا تھا۔ دوسرے الفاظ میں یہ خطبہ 174 تحریک تشیع کا منشور ہے۔

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 152

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 153

خُطبہ ﴿175﴾

1۔آلِ محمدؐ کی پوزیشن ۔2۔با بصیرت لوگوں کے عمل کا طریقہ ۔3۔عہد مرتضویؑ میں مسلمانوں کی کثرت فتنوں کے سمندروں میں تیرتے رہنے میں مشغول تھی۔4۔کھیتی اور پھلوں کا دارومدار آبیاری پر ہوتا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَنَاظِرُ قَلْبِ اللَّبِيْبِ بِهٖ يُبْصِرُ اَمَدَهُ ؛	1	ایک دانشور کے دل کی آنکھیں خود اپنے انجام کار کو دیکھتی رہتی ہیں۔
وَيَعْرِفُ غَوْرَهُ وَنَجْدَهُ ؛	2	اور وہ اپنے نشیب وفراز کو پہچانتا رہتا ہے۔
دَاعٍ دَعَا وَرَاعٍ رَّعٰى ؛	3	دعوت دین دینے والے نے دعوت دے دی ہے اور حاکم ونگرانی کرنے والے نے حکومت اور نگرانی کا عمل شروع کر دیا ہے۔
فَاسْتَجِيْبُوْا لِلدَّاعِیْ وَاتَّبِعُوا الرَّاعِیَ ؛	4	چنانچہ اب تم دعوت دینے والے کی دعوت قبول کر کے حاکم ونگرانی کرنے والے کی پیروی کرو۔مگر
قَدْ خَاضُوْا بِحَارَ الْفِتَنِ ؛	5	انہوں نے فتنوں کے سمندر میں اضافہ کے لئے غوروخوض شروع کر رکھا ہے۔
وَاَخَذُوْا بِالْبِدَعِ دُوْنَ السُّنَنِ ؛	6	اور بدعتوں کو فراہم کر کے سنتوں کے مقابلے میں فتنہ انگیز مذہب بنا رہے ہیں۔
وَاَرَزَ الْمُؤْمِنُوْنَ ؛	7	اور مومنین پناہ حاصل کرنے کے لئے سکڑے ہوئے خاموش ہیں۔
وَنَطَقَ الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ (انعام 6/66)	8	قرآن کو جھٹلانے والے اور گمراہ لوگ بحثیں اور لیکچر بگھارتے ہیں ۔(انعام 6/66)
نَحْنُ الشِّعَارُ وَالْاَصْحَابُ (مائدہ 5/2)	9	ہم ہی قرآن والے شعار اور اصحاب ہیں (مائدہ 5/2 وغیرہ)
وَالْخَزَنَةُ وَالْاَبْوَابُ (بقرہ 2/189)	10	اور اللہ کے علوم کے خزانے اور قرآن والے دروازے ہیں (بقرہ 2/189)
وَلَا تُؤْتَى الْبُيُوْتُ اِلَّا مِنْ اَبْوَابِهَا ؛	11	مقدس گھروں میں دروازوں کے علاوہ کسی اور طرح نہ آیا کرو (2/189)
فَمَنْ اَتَاهَا مِنْ غَيْرِ اَبْوَابِهَا سُمِّیَ سَارِقًا ؛	12	جو کوئی دروازوں کے علاوہ کسی اور طرح گھروں میں آتا ہے اسی کا نام چور ہوتا ہے۔(2/189)
فِيْهِمْ كَرَائِمُ الْقُرْاٰنِ ؛	13	ان ہی میں قرآن کی کرامتیں ہیں اور

وَهُمْ كُنُوْزُ الرَّحْمٰنِ ؛	14	وہی رحمٰن کے خزانے ہیں (حجر 13/21)(فرقان 25/8)
اِنْ نَّطَقُوْا صَدَقُوْا ؛	15	اگر وہ بولتے ہیں تو سو فیصد سچ بولتے ہیں۔
وَاِنْ صَمَتُوْا لَمْ يُسْبَقُوْا ؛	16	اور اگر خاموش رہتے ہیں تو ان پر سبقت کرنا منع ہے (حجرات 2-1/49)
فَلْيَصْدُقْ رَائِدٌ اَهْلَهٗ ؛	17	اور ضروری ہے کہ راہنما ہمیشہ اپنے متبعین سے سچ بولا کرے (5/2)(2/189)
وَالْيُحْضِرْ عَقْلَهٗ ؛	18	اور ضروری ہے کہ راہنما کی عقل ہر وقت حاضر اور برسر عمل رہے۔
وَلْيَكُنْ مِّنْ اَبْنَاءِ الْاٰخِرَةِ ، فَاِنَّهٗ مِنْهَا قَدِمَ وَاِلَيْهَا يَنْقَلِبُ ؛	19	اور راہنما کے لئے ضروری ہے کہ وہ آخرت کے بیٹوں میں شامل رہے درحقیقت وہ مقام آخرت ہی سے یہاں آیا ہے اور آخرت ہی کی طرف اس کا انقلاب ہونا ہے۔
فَالنَّاظِرُ بِالْقَلْبِ الْعَامِلُ بِالْبَصَرِ يَكُوْنُ مُبْتَدَاءُ عَمَلِهٖ اَنْ يَّعْلَمَ :	20	ایک ایسا شخص جو دل کی آنکھوں سے دیکھے اور نظر و بصیرت سے عمل کرے اس کے عمل کی ابتدا یوں ہوا کرتی ہے کہ وہ پہلے یہ معلوم کرتا ہے کہ:
اَعَمَلُهٗ عَلَيْهِ اَمْ لَهٗ ؟ فَاِنْ كَانَ لَهٗ مَضٰى فِيْهِ وَاِنْ كَانَ عَلَيْهِ وَقَفَ عَنْهُ ؛	21	آیا وہ عمل اس کیلئے فائدہ مند و صحیح ہے یا مُضر و غلط ہے؟ چنانچہ اگر وہ کام اس کیلئے صحیح ہوتا ہے تو بے دھڑک اس پر کاربند ہو جاتا ہے اور اگر ٹھیک نہ ہو تو ٹھیرا رہتا ہے۔
فَاِنَّ الْعَامِلَ بِغَيْرِ عِلْمٍ كَالسَّائِرِ عَلٰى غَيْرِ طَرِيْقٍ ؛	22	چنانچہ جو شخص بلا علم و تحقیق عمل شروع کر دیتا ہے وہ اس شخص کی مانند ہوتا ہے جو غلط راہ پر چلا جا رہا ہو۔
فَلَا يَزِيْدُهٗ بُعْدُهٗ عَنِ الطَّرِيْقِ الْوَاضِحِ اِلَّا بُعْدًا مِّنْ حَاجَتِهٖ ؛	23	چنانچہ اس کا اس غلط راستے پر بڑھتے چلا جانا اور کچھ نہیں کرتا سوائے اس کے کہ وہ اسے ہر قدم پر صحیح راستے سے دور کرتا چلا جاتا ہے جس کی اسے حاجت نہیں تھی۔
وَالْعَامِلُ بِالْعِلْمِ كَالسَّائِرِ عَلٰى طَرِيْقِ الْوَاضِحِ ؛	24	اور علم کے مطابق عمل کرنے والا شخص صحیح راستہ پر چلنے والے شخص کی طرح ہوتا ہے۔
فَلْيَنْظُرْ نَاظِرٌ اَسَائِرٌ هُوَ اَمْ رَاجِعٌ ؟	25	اب دیکھنے والا یہ دیکھ سکتا ہے کہ آیا وہ آگے بڑھ رہا ہے یا پیچھے ہٹ رہا ہے۔
وَاعْلَمْ اِنَّ لِكُلِّ ظَاهِرٍ بَاطِنًا عَلٰى مِثَالِهٖ؛	26	اور یہ بھی جان لو کہ ہر ظاہر کے لئے ظاہر ہی کی مانند ایک باطن ہوا کرتا ہے۔
فَمَا طَابَ ظَاهِرُهٗ طَابَ بَاطِنُهٗ ؛	27	چنانچہ جو ظاہر عمدہ ہے اس کا باطن بھی پسندیدہ ہوتا ہے۔
وَمَاخَبُثَ ظَاهِرُهٗ خَبُثَ بَاطِنُهٗ ؛	28	اور جو ظاہر میں خبیث ہوتا ہے اس کا باطن بھی خبیث ہوتا ہے۔
وَقَدْ قَالَ الرَّسُوْلُ الصَّادِقُ . صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ . اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْعَبْدَ وَ وَيُبْغِضُ عَمَلَهٗ ؛	29	یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے یہ فرمایا ہے کہ: ''یقیناً اللہ ایک بندے کو محبوب رکھتا ہے اور دوستی کے باوجود اللہ اسی بندے کے عمل سے بغض رکھتا ہے۔

وَيُحِبُّ الْعَمَلَ وَيُبْغِضُ بَدَنَهُ ؛	30	اور عمل کو دوست رکھتا ہے اور اس کے بدن کو ناپسند کرتا ہے۔
وَاعْلَمْ اَنَّ لِكُلِّ عَمَلٍ نَبَاتًا ؛	31	اور یہ بھی جان لو کہ تمام اعمال اگنے والے پودے کی طرح ہوتے ہیں۔
وَكُلُّ نَبَاتٍ لَاغِنٰى بِهٖ عَنِ الْمَآءِ ؛	32	اور ہر اگنے والی چیز کے لئے ضروری ہے کہ اس کی آبیاری ہوتی رہے۔
وَالْمِيَاهُ مُخْتَلِفَةٌ ؛	33	اور پانی مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔
فَمَا طَابَ سُقْيُهُ طَابَ غَرْسُهُ وَحَلَتْ ثَمَرَتُهُ ؛	34	چنانچہ اگر آبیاری عمدہ ہوگی تو پھل بھی پسندیدہ ہوں گے اور کھیتی بھی عمدہ ہوگی اور پھل میٹھے ہوں گے۔
وَمَا خَبُثَ سُقْيُهُ خَبُثَ غَرْسُهُ وَ اَمَرَّتْ ثَمَرَتُهُ ؛	35	اور جب آبیاری خبیث پانی سے ہوگی تو فصل بھی خبیث ہوگی اور پھل بھی کڑوے ہوں گے۔

تشریحات:

اَبھی اَبھی حضرت علی علیہ السلام نے ابوسفیان کی نصرت کو ٹھکرایا ہے وہ اِدھر سے مایوس ہوا تو اُسے ثلاثہ اینڈ کمپنی کو مرعوب کر کے حکومت میں بہرحال اپنا حصہ لینا تھا لہٰذا اُس نے اس فوج کے انچارج کو اشارہ کر دیا جس سے وہ مدینہ کے گلی کوچوں کو بھر دینے کی بات حضرت علی علیہ السلام سے کرتا رہا تھا۔ چنانچہ اشارہ کے ساتھ مدینہ واقعی سواروں اور پیادوں سے چھلکنے لگا۔ کسی کو ابوسفیان کی اسکیم معلوم نہ تھی لوگ گھبرا گئے۔ ہر طرف تلواریں برہنے لئے ہوئے سوار و پیادہ حکم کے انتظار میں ادھر سے اُدھر گشت لگا رہے تھے۔ سارا شہر امان و پناہ کی تلاش میں تھا لوگوں نے گھروں کے دروازے بند کر لئے تھے۔ کوئی نہ سمجھتا تھا کہ کیا ہونے والا ہے ابوبکر اینڈ کمپنی مسجد نبوی میں خوفزدہ سمٹی ہوئی کھڑی تھی۔ اور سب یہ خیال کر رہے تھے کہ حضرت علیؑ نے فوج کی کمک طلب کر لی ہے۔ اور چند لمحات کے بعد قتل عام ہونے والا ہے۔ قریش پچھتا رہے تھے اور اگر ابوسفیان ذرا دیر اور باہر نہ نکلتا تو ابوبکر و عمر وغیرھم دست بستہ حضرت علی علیہ السلام کے سامنے حاضر ہو جاتے اور خلافت کی کہانی یہیں ختم ہو جاتی۔ ابوسفیان حضورؐ کے پاس سے باہر نکلا۔ مسجد نبوی میں آیا۔ سب نے کھڑے ہو کر سلام کیا۔ ابوسفیان نے حالات کو سمجھ کر کڑکتی ہوئی آواز میں پوچھا کہ یہ کیا تماشہ ہے جو تم نے مچایا ہوا ہے۔ جواب ملا کہ ہمارے علم میں یہ تھا کہ آپ باہر گئے ہوئے ہیں۔ ہمیں حالات نے ٹھہرنے کا موقع نہ دیا بہرحال جو کچھ ہوگا وہ آپ کی مرضی کے مطابق ہوگا۔ ہم تو آپ کی نصرت اور اعانت کے محتاج ہیں۔ یہاں اپنے بڑے بیٹے یزید کو فیلڈ مارشل کے عہدے پر متعین کیا اور تمام فوجی نقل و حرکت کے اختیارات لے کر روانہ ہو گیا اور فوج جہاں سے آئی تھی واپس چلی گئی۔ مدینہ میں قریش کی دھاک بیٹھ گئی اور بہت لوگ جو مخالفت کا خیال کر رہے تھے چپ ہو کر بیٹھ رہے۔ یعنی بات اُلٹ گئی اور ابوسفیان قریش کی مضبوطی اور استحکام کا باعث بن گیا۔ اور اگر قریش کو کچھ خطرہ تھا بھی وہ بھی جاتا رہا اور قریش نے ٹولیوں اور ٹکڑیوں میں جا جا کر لوگوں کو ابوبکر کی بیعت کیلئے لانا اور بلانا شروع کیا۔ لوگ حضرت علی علیہ السلام سے حالات معلوم کرنے کے لئے آ رہے تھے اور آپ قریش کی اسکیم بیان فرما رہے تھے۔ یہی صورت حال تھی جس کے لئے آپ نے فرمایا ہے کہ:

صاحبان ایمان لوگ پناہ کے لئے سکڑے ہوئے تھے (7) اور تکذیب قرآن کرنے والے جھوٹے تصورات پر لیکچر دے رہے تھے (8) سنت رسولؐ

کو چھوڑ کر فتنوں کے سمندر سے گزر رہے تھے(6-5)۔

خلافت سازی کے اس ہنگامے میں بھی آپ نے نہ کسی اشتعال اور غصہ کا اظہار فرمایا نہ سخت کلامی اختیار کی البتہ وہ تمام دلائل اعلانیہ پیش کیئے جو عہد رسولؐ میں بار بار ثابت ہو چکے تھے اور جو مومنین کے لئے کافی تھے۔آپ نے وہاں بھی سب کو یہ بتایا کہ دین کی دعوت دینے والے نے برابر دعوت جاری رکھی ہے اور رسولؐ کے بعد حقیقی حکمران نے حکمرانی ونگرانی شروع کردی ہے اب تمہیں چاہئے کہ میری دعوت قبول کرو اور میری پیروی اختیار کرلو(4-3)۔ہم ہی صاحبان قرآن ہیں ہم ہی وہ دروازہ ہیں جن میں سے آنا ضروری ہے اور جو ہمارے ذریعہ سے نہیں آتا وہ یقیناً چور ہے(6 تا 12)۔ہمارے ہی اندر قرآن کی کراماتیں ہیں رحمان کے علمی خزانے ہیں(14-13)۔ہم کبھی نہ جھوٹ بولتے ہیں نہ فضول باتیں کرتے ہیں (16-15) اور راہنما کے لئے ہر حال میں سچ بولنا لازم اور ہمیشہ ہر حالت میں راہنما کی عقل حاضر اور برسرکار رہنا چاہئے (18-17)۔

قارئین غور فرمائیں کہ حضور علیہ السلام کیسے ہنگامی اور جذباتی عالم میں عقل وہوش کو برقرار اور برسرکار رکھ کر عملاً دکھا رہے ہیں حکومت ہاتھ سے چھنی جارہی ہے۔سازش غلبہ پارہی ہے۔مگر آپ مغلوب نہیں ہوتے اور نصیحت کے سلجھے ہوئے موڈ میں ایک دانشور کے عملدرآمد کو بیان فرمارہے ہیں۔صحیح اور غلط رویہ پر نہایت گہری روشنی ڈال رہے ہیں(19 تا 25)۔ظاہر وباطن پر ہدایات دے رہے ہیں اور دکھا دینا چاہتے ہیں کہ میرا ظاہر وباطن دونوں پاکیزہ اور یکساں ہیں(26 تا 28)اور آخر میں اُس بنیاد کو واضح کردیا ہے جس پر انسان کا کیریکٹر بنتا ہے یعنی اگر زمین اور آبیاری صحیح ہوگی تو فصل بہتر ہوگی اور اگر بنیاد ہی غلط وخبیث ہے تو نتیجہ بھی غلط اور بُرا ہوگا(31 تا 35)۔

یہ تھا وہ ہنگامہ جس میں آپ نے نہایت سہولت سے سازش کو گذرنے دیا اور اپنے ماحول میں بھی اشتعال کو اُبھرنے کا موقع نہ دیا تھا۔اُس وقت بھی آپ عثمان کا جنازہ دیکھ رہے تھے۔

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 153

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 154

خُطبہ ﴿176﴾

شپرہ یا چمگیدڑ پر ایک گہری نظر

1۔اللہ کی حیران کن صفات بدلتے ہوئے انداز میں۔2۔چمگیدڑ کا ذکر بھی صفاتِ خداوندی بیان کرنے کے لئے فرمایا ہے۔3۔روشنی اور اندھیرے کی خاصیت بدلنے والی آنکھیں۔4۔دن کسب معاش اور رات آرام وسکون کے لئے نہ رہے۔5۔اُڑنے والے پر بھی تمام پرندوں کے پروں سے مختلف بنائے ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ انۡحَسَرَتِ الۡاَوۡصَافُ عَنۡ کُنۡهِ مَعۡرِفَتِهٖ ؛	1	تمام ستائش وثنا اللہ کے لئے جو کہ اپنی حقیقی معرفت اور حالت میں اتنا بلند ہے کہ جسے بیان کرنے کی خود صفات وخصوصیات کو حسرت ہے۔
وَرَدَعَتۡ عَظَمَتُهُ الۡعُقُوۡلَ فَلَمۡ تَجِدۡ مَسَاغًا اِلٰی بُلُوۡغِ غَایَةِ مَلَکُوۡتِهٖ ؛	2	اور اس کی عظمت و بلندی نے عقلوں کے لئے وہ راہیں بند کر دیں جن سے وہ اللہ کی حکومت کی انتہا تک جاسکتی تھیں۔
هُوَاللّٰهُ الۡمَلِکُ الۡحَقُّ الۡمُبِیۡنُ ؛	3	اللہ وہی ہستی ہے جو حق وحقانیت کی تمام واضح صورتوں کا بادشاہ وحکمران ہے۔
اَحَقُّ وَاَبۡیَنُ مِمَّاتَرَی الۡعُیُوۡنُ ؛	4	اللہ ان چیزوں سے کہیں بہت زیادہ ایک واضح حقیقت کی طرح ثابت ہے جنہیں آنکھیں دیکھتی ہیں۔
لَمۡ تَبۡلُغۡهُ الۡعُقُوۡلَ بِتَحۡدِیۡدٍ فَیَکُوۡنَ مُشَبَّهًا ؛	5	عقلیں اس کی حدود و وسعت کا تعین نہیں کرسکتیں اگر ایسا ہوسکتا تو اللہ بھی دوسری محدود چیزوں کے مشابہ ہوجاتا۔
وَلَمۡ تَقَعۡ عَلَیۡهِ الۡاَوۡهَامُ بِتَقۡدِیۡرٍ فَیَکُوۡنَ مُمَثَّلاً ؛	6	اور کھوج لگانے والے وہم بھی اس پر واقع نہیں ہوتے کہ اس کا قانونی تخمینہ لگاسکیں اگر ایسا ممکن ہوتا تو وہ دوسری مخلوق کی مثال میں آجاتا۔
خَلَقَ الۡخَلۡقَ عَلٰی غَیۡرِ تَمۡثِیۡلٍ ؛	7	اس نے تمام مخلوقات کو بلاکوئی نمونہ اور مثال دیکھے پیدا کیا ہے۔
وَلَا مَشُوۡرَةِ مُشِیۡرٍ ؛	8	اور تخلیق کے معاملے میں کسی کے مشورے سے کام نہیں کیا ہے۔
وَلَا مَعُوۡنَةِ مُعِیۡنٍ ؛	9	اور نہ تخلیق میں کسی معاون اور مددگار سے مدد چاہی تھی۔
فَتَمَّ خَلۡقُهُ بِاَمۡرِهٖ ؛	10	چنانچہ صرف اس کے حکم سے ہی ساری مخلوق درجہ تمام تک پہنچ گئی۔

وَاذْعَنَ لِطَاعَتِهٖ ؛	11	اوراس کی اطاعت کے لئے جھک گئی۔
فَاَجَابَ وَلَمْ يُدَافِعْ؛	12	چنانچہ اطاعت قبول کرنے میں کوئی دفاع نہیں کیا۔
وَانْقَادَوَلَمْ يُنَازِعْ ؛	13	جھگڑا کئے بغیر مطیع ہوگئی۔
وَمِنْ لَطَائِفِ صَنْعَتِهٖ وَعَجَائِبِ حِكْمَتِهٖ ؛	14	اس کی کاریگری کے لطیف پہلوؤں میں سے اوراسکی حکمت کے عجائبات میں سے
مَـا اَرَانَا مِنْ غَوَامِضِ الْحِكْمَةِ فِىْ هٰذِهِ الْـخَـفَـافِيْـشِ الَّتِىْ يَقْبِضُهَا الضِّيَآءُ الْبَاسِطُ لِكُلِّ شَىْءٍ ؛	15	کتنی گہری اور حیران کن حکمت وہ ہے جسے ہم چمگیدڑوں کی تخلیق میں دیکھتے ہیں وہ روشنی جو کائنات کی ہر چیز کی آنکھوں کو پوری طرح کھولتی اور دیکھنے کی قوت دیتی ہے وہی روشنی چمگیدڑوں کی آنکھوں کو سکیڑ کر بینائی کم کردیتی ہے۔
وَيَبْسُطُهَا الظَّلَامُ الْقَابِضُ لِكُلِّ حَيٍّ ؛	16	اور اندھیرا جو تمام زندہ مخلوق کی آنکھوں کی بینائی چھین لیتا ہے وہ چمگیدڑوں کے لئے بینائی بن جاتا ہے۔
وَكَيْفَ عَشِيَتْ اَعْيُنُهَا عَنْ اَنْ تَسْتَمِدَّمِنَ الشَّمْسِ الْمُضِيْئَةِ نُوْرًا تَهْتَدِىْ فِىْ مَذَاهِبِهَا ؛	17	اور یہ کیسے ہوتا ہے کہ سورج کی چمک سے ان کی آنکھیں دیکھنے سے قاصر ہوجاتی ہیں اور وہ سورج کی نور بکھیرنے والی شعاعوں سے مدد لے کر اپنے راستوں میں پرواز نہیں کرسکتی ہیں۔
وَتَصِلَ بِعَلَانِيَةِ بُرْهَانِ الشَّمْسِ اِلٰى مَعَارِفِهَا ؛	18	اور نورِ آفتاب کی موجودگی میں وہ اپنے معلوم ٹھکانوں اور جانی پہچانی چیزوں تک بھی آزادانہ آمدورفت نہیں کرسکتیں۔
وَرَدَعَهَا بِتَلَأْلُؤِ ضِيَائِهَا عَنِ الْمُضِيِّ فِىْ سُبُحَاتِ اِشْرَاقِهَا ؛	19	اور سورج نے تو اپنی روشنی کے دباؤ اور پھیلاؤ سے انہیں نورانی فضا میں پرواز کرنے سے روک دیا ہے۔
وَاَكَنَّهَا فِىْ مَكَامِنِهَا عَنِ الذَّهَابِ فِىْ بَلَجِ ائْتِلَاقِهَا ؛	20	اور انہیں ان کے پوشیدہ ٹھکانوں میں بند رہنے پر مجبور کردیا تاکہ اس کے روشن کئے ہوئے علاقہ کی وسعتوں میں وہ جاہی نہ سکیں۔
فَهِىَ مُسْدِلَةُ الْجُفُوْنِ بِالنَّهَارِ عَلٰى اَحْدَاقِهَا ؛	21	چنانچہ دن میں ان کی پلکیں لٹک کر ان کی آنکھوں کو بند کرلیتی ہیں۔
وَجَاعِلَةُ اللَّيْلِ سِرَاجًا تَسْتَدِلُّ بِهٖ فِى الْتِمَاسِ اَرْزَاقِهَا ؛	22	اور رات کے اندھیرے کو اپنا چراغ بنا کر اس کی مدد سے اپنے رزق کی اور ضرورت کی چیزوں کو حاصل کرتی ہیں۔
فَلَا يَرُدُّ اَبْصَارَهَا اِسْدَافُ ظُلْمَتِهٖ ؛	23	چنانچہ رات کا اندھیرا نہ ان کی آنکھوں کو دیکھنے سے روکتا ہے۔
وَلَا تَمْتَنِعُ مِنَ الْمُضِيِّ فِيْهِ لِغَسَقِ دُجْنَتِهٖ؛	24	اور نہ رات میں گہرے سے گہرا اندھیرا انہیں راستہ طے کرنے سے مانع ہوتا ہے۔

فَاِذَا اَلْقَتِ الشَّمْسُ قِنَاعَهَا ؛	25	چنانچہ جب سورج اپنے چہرے سے پردہ ہٹاتا ہے۔
وَبَدَتْ اَوْضَاحُ نَهَارِهَا ؛	26	اورسورج کے تمام اجالے واضح ہوکر پھیل جاتے ہیں۔
وَدَخَلَ مِنْ اِشْرَاقِ نُوْرِهَا عَلَى الضِّبَابِ فِیْ وِجَارِهَا ؛	27	اورسورج کی چمک وروشنی گوہ کے سوراخ اور بھٹوں کے اندر تک کو روشن کردیتی ہے۔
اَطْبَقَتِ الْاَجْفَانَ عَلٰى مَاقِيْهَا ؛	28	توچمگیدڑیں اپنی پلکوں کو چمک سے بچنے کیلئے اپنی آنکھوں پر جھکالیتی ہے۔
وَتَبَلَّغَتْ بِمَا اكْتَسَبَتْهُ مِنَ الْمَعَاشِ فِیْ ظُلَمِ لَيَالِيْهَا ؛	29	اور جو کچھ رات کے اندھیروں میں اپنے لئے معاش اور روزی جمع کی تھی اس پر سارا دن گزارتی ہیں۔
فَسُبْحَانَ مَنْ جَعَلَ اللَّيْلَ لَهَانَهَارًا وَّمَعَاشًا	30	چنانچہ پاک ہے وہ ذات جس نے چمگیدڑوں کے لئے رات کو ان کا دن اور روزی کمانے کا ذریعہ بنادیا ہے۔
وَالنَّهَارَ سَكَنًا وَّقَرَارًا ؛	31	اوردن کو ان کے لئے سکون اور آرام کے لئے مقرر فرمادیا ہے۔
وَجَعَلَ لَهَا اَجْنِحَةً مِّنْ لَّحْمِهَا تَعْرُجُ بِهَا عِنْدَ الْحَاجَةِ اِلَى الطَّيَرَانِ كَاَنَّهَا شَظَايَا الْاٰذَانِ غَيْرَ ذَوَاتِ رِيْشٍ وَّلَا قَصَبٍ؛	32	اور جس نے ان کے پروں کو ان ہی کے گوشت سے بنایا ہے جن سے جب ضرورت ہوتی ہے بلند ہوتی ہیں اور پرواز کرتی ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے گویا اُڑتے ہوئے وہ کانوں کی لویں ہیں ان کے پروں میں پرندوں والے پروبال نہیں بنائے ہیں۔ نہ ان میں پروں کی قطاریں اور جڑیں بنائی ہیں۔
اِلَّا اَنَّكَ تَرٰى مَوَاضِعَ الْعُرُوْقِ بَيِّنَةً	33	البتہ جب تم خود دیکھو گے تو تمہیں رگوں کے واضح اور نمایاں نشانات ضرور ملیں گے
اَعْلَامًا	34	ان کے دو دو پر بنائے گئے ہیں جو نہ بہت باریک و نازک ہیں کہ پھٹ جائیں۔
لَهَا جَنَاحَانِ لَمْ يَرِقَّا فَيَنْشَقَّا ؛	35	اور نہ ایسے موٹے ہیں کہ بوجھل ہوجائیں۔
وَلَمْ يَغْلُظَا فَيَثْقُلَا ؛	36	جب وہ اُڑتے ہیں تو انکے بچے ان کو چمٹے رہتے ہیں اور انکی پناہ میں رہتے ہیں
تَطِيْرُ وَوَلَدُهَا لَاصِقٌ بِهَا لَاجِئٌ اِلَيْهَا ؛ يَقَعُ اِذَا وَقَعَتْ وَيَرْتَفِعُ اِذَا ارْتَفَعَتْ ؛	37	جب مائیں اُڑتی ہیں تو بچے بھی اڑتے ہیں اور مائیں بیٹھتی ہیں تو بچے بھی بیٹھ جاتے ہیں۔
لَايُفَارِقُهَا حَتّٰى تَشْتَدَّ اَرْكَانُهٗ ؛	38	بچے اس وقت تک آزاد اور الگ نہیں ہوتے جب تک ان کے جوڑ و بند مضبوط نہ ہوجائیں۔
وَيَحْمِلَهُ لِلنُّهُوْضِ جَنَاحُهٗ ؛	39	اور پرواز میں بلند ہونے کیلئے ان کے پر انہیں سنبھالنے کے قابل نہ ہوجائیں۔
وَيَعْرِفَ مَذَاهِبَ عَيْشِهٖ وَمَصَالِحَ نَفْسِهٖ	40	اور وہ اپنی زندگی کی ضرورتوں اور مصلحتوں اور راہ عمل کا پورا تجربہ حاصل نہ کرچکیں

فَسُبْحَانَ الْبَارِئُ لِكُلِّ شَيْءٍ عَلٰى غَيْرِ مِثَالٍ خَلَا مِنْ غَيْرِهٖ ؛	41	پاک ہے اللہ جس نے ہر چیز کو بالکل ابتدا سے اس طرح پیدا کیا کہ اپنے سوا اور کسی کی بنائی ہوئی چیزوں کی مثال یا نمونہ کی نقل کی ہوتی۔

تشریحات:

یہ بات بار بار تجربہ میں آتی رہی ہے کہ ہمارے حواسِ خمسہ میں سب سے زیادہ غلطیاں ہمارے نظامِ مشاہدہ سے سرزد ہوتی ہیں۔ لہٰذا اللہ کا دیکھی جانے والی چیزوں سے زیادہ واضح حقیقت ہونا تو سمجھ میں آنے والی بات ہے۔ لیکن اس کو کیا کریں کہ ہماری سمجھ بھی تو ہمارے حواسِ خمسہ کا نچوڑ ہوتی ہے۔ یعنی ہماری عقل اور عقلی فیصلے اُس وقت تک نا قابل اعتبار ہوتے ہیں جب تک معصومین علیہم السلام کی عقل تصدیق نہ کر دے علامہ جوش علیہ الرحمہ نے اُسی حقیقت کو یوں واضح کیا تھا کہ:

کہ وہ فہم کی وحشت ہے یہ دانش کا جمود کر روح میں باب کفرو ایمان مسدود
اِقرار بایں عقلِ ضعیف و محدود ؟ اِنکار بایں دماغ کمزور و علیل؟

2۔ چمگیدڑوں کی خصوصیات۔

حضور علیہ السلام نے یہ بیان نہیں فرمایا ہے کہ چمگیدڑ اپنے بچوں کو دودھ پلاتے ہیں۔ بچوں کی پرورش کا زیادہ کام مادہ یا مائیں انجام دیتی ہیں البتہ اڑنا سیکھنے کیلئے بچوں کو زیادہ تر باپوں کے ساتھ رہنا ہوتا ہے۔ وہی انہیں گھات لگانا اور چڑیوں کا شکار کرنا سکھاتے ہیں مادہ شکار نہیں کرتی ہے۔ یہ کام صرف نروں کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ وہی چڑیوں کو مارتے ہیں اور اپنے قیام کی جگہ لا کر اُن کے پر صاف کر کے انہیں کھانے کے قابل بناتے ہیں۔ پرواز کے دوران بچے زیادہ تر باپ کے ساتھ رہتے ہیں۔ جب تک بہت چھوٹے ہوتے ہیں ماں یا باپ کے سینے سے چمٹے رہتے ہیں۔ بڑے ہوجاتے ہیں تو ماں باپ کے سامنے تھوڑی تھوڑی دُور تک اُڑ کے جانے اور واپسی کی پریکٹس کرنے لگتے ہیں۔ بچوں سے تمام دوسرے چمگیدڑ بھی محبت کرتے ہیں۔ چمگیدڑ عموماً غیر آباد مکانوں اور مزاروں کو اپنے رہنے کے لئے پسند کرتے ہیں۔ یوں تو اُلو اور چغد بھی پرانی عمارتوں اور مزاروں میں رہنا پسند کرتے ہیں مگر وہ کہیں بھی مستقلاً نہیں رہتے۔ چمگیدڑ جہاں رہنا شروع کرتے ہیں وہاں اپنا گھر سمجھ کر رہتے ہیں۔ آدمیوں سے بہت جلد مانوس ہوجاتے ہیں۔ پُرانے اور آباد مزاروں میں لگاتار جانے والوں کو پہچاننے لگتے ہیں۔ میں اُن کے لئے قیمہ کرا کے گوشت لے جایا کرتا تھا۔ چند دنوں کے بعد اُنہوں نے مجھ سے ڈرنا اور گھبرانا چھوڑ دیا تھا۔ وہ سب میرے چاروں طرف جمع ہوجاتے تھے۔ میں انہیں پکڑ لیا کرتا تھا۔ وہ میرے مصلے پر جمع ہو کر آرام سے بیٹھ جاتے تھے۔ اُن کے بچے بھی مانوس ہو گئے تھے۔ اگر میں رات کو جلدی واپس روانہ ہوتا تھا تو اُن میں ایک گونج پیدا ہوتی تھی جس سے وہ دوسرے کمروں یا دُور رہنے والوں کو میری روانگی کی اطلاع دیتے تھے اور ذرا دیر میں ایک گروہ میرے اوپر ساتھ ساتھ اڑتا ہوا چلتا تھا اور اگر اُنہیں یقین ہوتا تھا کہ صبح ہونے اور روشنی پھیلنے میں کافی دیر ہے تو میرے ساتھ ساتھ میری قیام گاہ تک آتے تھے۔ ایک دفعہ یہ بھی ہوا کہ وہ رات کو ہمارے گھر میں ٹھیر گئے صبح کو والدہ بیدار ہوئیں تو گھر میں اچھا خاصا گونج کا شور تھا۔ نظر اُٹھا کر دیکھا تو چھت میں اور

گردونواح میں سیکڑوں چمگیدڑ لٹک رہے تھے والدہ نے کہا کہ بیٹے گھروں میں چمگیدڑوں کا بسیرا کرنا منحوس ہوتا ہے انہیں ساتھ نہ لایا کرو۔ چنانچہ جب میں رات کومزار کے لئے روانہ ہوا تو سب میرے ساتھ روانہ ہوگئے۔ جدھر جدھر سے میں گزرا اُن کی بھیڑ میرے ساتھ ساتھ جارہی تھی۔ اگر میں کسی سے بات کرنے کورُکا یا کسی نے مجھے روکا تو میرے سر پر چکر لگاتے رہتے تھے۔ لوگ بہت حیران تھے۔ بہرحال آئندہ میں نے انہیں واپسی کا اشارہ کرنا شروع کردیا تو انہیں بادل نخواستہ واپس جانا پڑتا تھا۔ میں انہیں اکثر پھل بھی لے جا کر دیا کرتا تھا۔ ہم میں کافی یگانگت پیدا ہوگئی تھی۔ کئی دفعہ میری تسبیح اُن کے بچے لے جاتے تھے۔ جب میں وہاں سے مستقلاً روانہ ہوا ہوں تو مجھے کئی روز تک جدائی کا قلق محسوس ہوتا رہا۔ یہ مزار قصبہ سرساوہ میں تھا اُسے عاقل شاہ کا مزار کہتے تھے۔ جب بھی میں اس کے بعد مزار پر گیا مجھے پہچاننے والے چمگیدڑ وہاں پر ملتے رہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی عمریں بھی کافی لمبی ہوتی ہیں۔

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر: 154

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 155

خُطبہ ﴿177﴾

عائشہ کے سینے میں کینہ اور دشمنی اور انتقامی منصوبہ تھا مگر زوجہ رسوؐل ہونے کا لحاظ رکھا گیا۔

1۔قرآن کی اور اپنی بات 2۔جنت کی راہ پر لے چلنے کی ذمہ داری۔3۔حرام کو حلال کر لینا۔رشوت کو ہدیہ کہنا، اللہ پر اسلام کا احسان رکھنا، اللہ کے قہر وغضب سے بے فکر ہو جانا۔4۔فتنوں میں مبتلا ہو جانے والے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

فَمَنِ اسۡتَطَاعَ عِنۡدَ ذٰلِکَ اَنۡ يَّعۡتَقِلَ نَفۡسَهُ عَلَى اللّٰهِ فَلۡيَفۡعَلۡ ؛	1	جو شخص اس وقت یہ قوت رکھتا ہو کہ وہ اللہ کی اطاعت کر سکے اسے چاہیئے کہ وہ اپنے آپ کو اطاعت خداوندی پر قائم رکھے۔(یعنی)
فَاِنۡ اَطَعۡتُمُوۡنِیۡ فَاِنِّیۡ حَامِلُكُمۡ .اِنۡشَاءَ اللّٰهِ عَلٰى سَبِيۡلِ الۡجَنَّةِ ؛	2	چنانچہ اگر تم نے میری اطاعت جاری رکھی تو میں انشاء اللہ تمہیں جنت کے راستے پر اٹھا کر لے چلوں گا۔
وَاِنۡ كَانَ ذَامَشَقَّةٍ شَدِيۡدَةٍ وَّمَذَاقَةٍ مَّرِيۡرَةٍ	3	اور وہ راستہ چلنا اور چلانا بڑی محنت ومشقت کا کام ہے اور اس میں تلخیاں چکھنا پڑتی ہیں۔
وَاَمَّا فُلَانَةُ فَاَدۡرَكَهَا رَاۡیُ النِّسَآءِ ؛ وَضِغۡنٌ غَلَا فِیۡ صَدۡرِهَا كَمِرۡجَلِ الۡقَيۡنِ ؛ وَلَوۡدُعِيَتۡ لِتَنَالَ مِنۡ غَيۡرِیۡ مَا اَتَتۡ اِلَیَّ لَمۡ تَفۡعَلۡ	4	اور رہ گیا زوجہ رسوؐل عائشہ کا قائم کیا ہوا محاذ؟ تو اسے مخصوص عورتوں کی متفقہ رائے حاصل ہو چکی ہے اور اب اس کے اپنے سینہ میں بھی قریش کا قدیم منصوبہ ہے(سورہ محمدؐ آیت نمبر 26 تا 30/ 47)وہ بغض وعداوت کو اسی طرح ابال رہی ہے جس طرح لوہار اپنی کٹھالی میں دھات کو پگھلایا کرتا ہے اس منصوبے کے ماتحت جو سلوک وہ میرے ساتھ کر رہی ہے اگر وہی سلوک کسی اور سے کرنے کے لئے اس سے کہا جائے تو وہ ہرگز نہ کرے گی۔
وَلَهَا بَعۡدُ حُرۡمَتُهَا الۡاُوۡلٰى وَالۡحِسَابُ عَلَى اللّٰهِ (تحریم 66/3,6)	5	اور اس سب کے باوجود اسکی سابقہ حرمت(حرام ہونا) مجھے ملحوظ ہے اور اس سے اسکے منصوبے کا مواخذہ اور حساب لینا اللہ نے اپنے ذمہ لیا ہے۔(66/3-6)
سَبِيۡلٌ اَبۡلَجُ الۡمِنۡهَاجِ ؛	6	وہ راہ تمام راستوں سے زیادہ مسرت بخش ہے اور
اَنۡوَرُ السِّرَاجِ ؛فَبِالۡاِيۡمَانِ يُسۡتَدَلُّ عَلٰى	7	سب سے زیادہ نورانی چراغ ہے وہ تو یوں سمجھو کہ ایمان سے نیکیوں کا ثبوت ملتا

الصَّالِحَاتِ ؛		ہے (ایمان نہ ہو تو نیکیاں کہاں)۔
وَبِالصَّالِحَاتِ يُسْتَدَلُّ عَلَى الْاِيْمَانِ ؛	8	اور نیکیاں ایمان کے وجود پر ثبوت و دلیل بنتی ہیں۔
وَبِالْاِيْمَانِ يُعْمَرُ الْعِلْمُ ؛	9	اور ایمان کے وجود سے علم کی تعمیر کی جاتی ہے۔
وَبِالْعِلْمِ يُرْهَبُ الْمَوْتُ ؛	10	علم موت سے ڈرنے کا ذریعہ ہے۔
وَبِالْمَوْتِ تُخْتَمُ الدُّنْيَا ؛	11	اور موت آتے ہی دنیا کے کاروبار سے چھٹکارہ ہو جاتا ہے۔
وَبِالدُّنْيَا تُحْرَزُ الْاٰخِرَةُ ؛	12	اور دنیا میں رہ کر آخرت کا سامان کیا جاتا ہے۔
وَبِالْقِيَامَةِ تُزْلَفُ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ؛	13	اور قیامت پرہیزگاروں کے لئے جنت کو نزدیک لے آتی ہے۔
وَتُبْرَزُ الْجَحِيْمُ لِلْغَاوِيْنَ ؛	14	اور اغوا شدہ لوگوں کے لئے جہنم سامنے آجاتی ہے۔
وَاِنَّ الْخَلْقَ لَامَقْصَرَ لَهُمْ عَنِ الْقِيَامَةِ	15	اور یہ ایک حقیقت ہے کہ مخلوقات کیلئے قیامت سے بچ نکلنے کی گنجائش نہیں ہے۔
مُرْقِلِيْنَ فِيْ مِضْمَارِهَا اِلَى الْغَايَةِ الْقُصْوٰى ؛	16	البتہ سب قیامت ہی کے میدان کی وسعتوں میں آخری منزل کی طرف جلدی جلدی دوڑنے والے ہیں۔
قَدْشَخَصُوْا مِنْ مُّسْتَقَرِّ الْاَجْدَاثِ ؛	17	یقیناً ساری نوع انسان اپنی اپنی قبروں کو مشخص کر کے اُٹھیں گے۔
وَصَارُوْا اِلٰى مَصَآئِرِ الْغَايَاتِ ؛	18	اور وہ سب وہاں سے اپنے آخری مقصد کے ٹھکانوں کی طرف پلٹیں گے۔
لِكُلِّ دَارٍ اَهْلُهَا ؛لَايَسْتَبْدِلُوْنَ بِهَا ؛ وَلَا يُنْقَلُوْنَ عَنْهَا ؛	19	اور ہر مقام کے لئے اس مکان میں رہنے والے بھی ہوتے ہیں نہ وہ ان کو آپس میں تبدیل کر سکتے ہیں اور نہ اپنے اپنے مقام سے نقل مکانی کر سکتے ہیں۔
وَاِنَّ الْاَمْرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيَ عَنِ الْمُنْكَرِ لَخُلْقَانِ مِنْ خُلُقِ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ ؛	20	اور حقیقت میں عالمی پسند کی چیزوں پر عمل کرنے کا حکم دینا اور عالمی ناپسندیدہ چیزوں پر عمل سے روکنا اللہ کے اخلاقیات میں سے دو اخلاق ہیں۔
وَاِنَّهُمَا لَايُقَرِّبَانِ مِنْ اَجَلٍ ؛وَيَنْقُصَانِ مِنْ رِّزْقٍ ؛	21	نہ ان دونوں پر عمل کرنے سے موت جلدی سے قریب آسکتی ہے اور نہ ہی رزق میں کمی ہو سکتی ہے یعنی بے فکری سے لوگوں کو دونوں حکم دیتے رہو نقصان سے نہ ڈرو۔
وَعَلَيْكُمْ بِكِتَابِ اللّٰهِ ؛	22	تمہیں اللہ کی کتاب کے ساتھ ساتھ رہنا لازم ہے۔
فَاِنَّهُ الْحَبْلُ الْمَتِيْنُ ؛	23	وہ یقیناً ایک سنجیدہ سلسلہ کی رسی ہے۔
وَنُوْرُ الْمُبِيْنُ وَالشِّفَاءُ النَّافِعُ وَالرِّيُّ النَّاقِعُ ؛	24	اور منہ بولتا نور ہے اور ہر حال میں فائدہ بخش شفا ہے اور سیراب کر دینے والا مشروب ہے۔
وَالْعِصْمَةُ لِلْمُتَمَسِّكِ ؛	25	اور وابستہ رہنے والوں کے لئے غلطیوں سے حفاظت کرنے والی ہے۔

وَالنّجَاةُ لِلْمُتَعلّقِ ؛	26	اور تعلق رکھنے والوں کے لئے نجات ہے۔
لَایَعْوَجُّ فَیُقَامَ ؛	27	اس میں گراوٹ نہیں آتی کہ اسے کھڑا کیا جائے۔
وَلَا یَزِیْغُ فَیُسْتَعْتَبَ ؛	28	اور نہ غلط منصوبے پیش کرتی ہے کہ اسے صحیح کیا جائے۔
وَلَاتُخْلِقُهُ کَثْرَةُ الرَّدِّ وَوُلُوْجُ السَّمْعِ ؛	29	اسے کثرت سے پڑھا جانا اور بار بار کانوں میں پڑنا اسے پرانا نہیں کرتا کہ لوگ بور ہونے لگیں۔
مَنْ قَالَ بِهٖ صَدَقَ ؛	30	جو قرآن کے الفاظ میں بولے وہ ہمیشہ سچا رہے گا۔
وَمَنْ عَمِلَ بِهٖ سَبَقَ ؛	31	اور جو قرآن کے ساتھ عمل کرے گا وہ سب سے بڑھ جائے گا۔
وَقَامَ اِلَیْهِ رَجُلٌ وَّقَالَ :	32	اس پر ایک شخص کھڑا ہو گیا اور کہا
اَخْبِرْنَا عَنِ الْفِتْنَةِ ؟وَهَلْ سَاَلْتَ عَنْهَا رَسُوْلَ اللّٰهِ .صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآله ؟	33	ہمیں اس خاص فتنے کے متعلق خبر دیجئے اور کیا آپؑ نے اس فتنے کے بارے میں رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ سے معلوم کیا تھا؟
فَقَالَ عَلَیْهِ السلام ؛ لَمَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ قَوْلَهٗ : الٓمّٓo اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْا اَنْ یَّقُوْلُوْا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ " (عنکبوت 29/2) عَلِمْتُ اَنَّ الْفِتْنَةَ لَاتَنْزِلُ بِنَا وَرَسُوْلُ اللّٰهِ .صَلَّى اللّٰهِ عَلَیْهِ وَآلِهٖ .بَیْنَ اَظْهُرِنَا ؛	34	چنانچہ علی علیہ السلام نے فرمایا کہ: جب اللہ پاک نے اپنا یہ قول نازل کیا کہ "کیا لوگوں نے یہ حساب لگا لیا ہے کہ ان کے اتنا کہہ دینے سے کہ "ہم ایمان لا چکے ہیں" انہیں چھوڑ دیا جائے گا اور انہیں فتنہ سے نہیں گزارا جائے گا؟ (عنکبوت 29/2) اس سے میں یہ سمجھا کہ فتنہ ہم پر واقع نہ ہو گا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ ہم میں موجود ہیں۔ چنانچہ
فَقُلْتُ: یَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَاهٰذِهِ الْفِتْنَةُ الَّتِیْ اَخْبَرَكَ اللّٰهُ بِهَا ؟	35	میں نے عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ یہ کیسا فتنہ ہے جس کے متعلق اللہ نے آپ کو (سورہ عنکبوت 29/2 میں) خبر دی ہے؟ اس پر
فَقَالَ : یَاعَلِیُّ اِنَّ اُمَّتِیْ سَیُفْتَنُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ ".فَقُلْتُ	36	رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ اے علیؑ یقیناً میری امت میرے بعد جلد ہی فتنوں میں مبتلا ہو جائے گی۔ چنانچہ میں نے عرض کیا کہ:
یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَوَلَیْسَ قَدْ قُلْتَ لِیْ یَوْمَ اُحُدٍ حَیْثُ اسْتُشْهِدَ مَنِ اسْتُشْهِدَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ وَحِیْزَتْ عَنِّی الشَّهَادَةُ ؛	37	یا رسولؐ اللہ جنگِ اُحد کے دن آپ نے مجھے اس وقت جب کہ مسلمانوں میں سے جس کو شہید ہونا تھا شہید ہو چکا بتایا تھا کہ تم سے شہادت روک لی گئی ہے۔
فَشَقَّ ذٰلِكَ عَلَیَّ فَقُلْتَ لِیْ "اَبْشِرْ فَاِنَّ	38	تو مجھ پر یہ اطلاع گراں گزری تھی تو آپؐ نے فرمایا تھا اے علیؑ خوش ہو جاؤ کہ

الشَّهَادَةَ مِنْ وَّرَائِكَ "؟فَقَالَ لِيْ :		شہادت یقیناً تمہارے لئے اس کے بعد مقرر ہے اور یہ بھی فرمایا تھا کہ:
اِنَّ ذٰلِكَ لَكَذٰلِكَ فَكَيْفَ صَبْرُكَ اِذًا ؟ فَقُلْتُ : يَارَسُوْلَ اللّٰهِ	39	تمہاری شہادت یوں ہی وقوع میں آئے گی تو اس وقت تم کیسے برداشت اور صبر کرو گے؟ اس پر میں نے عرض کیا تھا کہ اے رسولؐ اللہ
لَيْسَ هٰذَا مِنْ مَّوَاطِنِ الصَّبْرِ وَلٰكِنْ مِّنْ مَّوَاطِنِ الْبُشْرٰى وَالشُّكْرِ ؛وَقَالَ:	40	وہ صبر کا موقع نہ ہوگا بلکہ وہ تو خوش ہونے اور بشارت کے پورا ہونے کے مواقع میں سے ایک موقع ہوگا۔اور وقت شکر ہوگا۔اور فرمایا کہ
"يَاعَلِيُّ اِنَّ الْقَوْمَ سَيُفْتَنُوْنَ بَعْدِيْ بِاَمْوَالِهِمْ ؛	41	یا علیؑ یقیناً یہ قریشی قوم میرے بعد جلد ہی اپنے مال و دولت کے سلسلے میں بھی فتنوں میں مبتلا ہونے والی ہے۔
وَيَمُنُّوْنَ بِدِيْنِهِمْ عَلٰى رَبِّهِمْ ؛	42	اور وہ اپنی دینداری کا احسان اپنے پروردگار پر دھرا کریں گے۔
وَيَتَمَنَّوْنَ رَحْمَتَهُ ؛	43	اور اللہ کی رحمتوں کے آرزومندر ہتے ہوئے۔
وَيَاْمَنُوْنَ سَطْوَتَهُ	44	اللہ کے رعب وداب اور قہر سے بے خوف ہو جائیں گے۔
وَيَسْتَحِلُّوْنَ حَرَامَهُ بِالشُّبُهَاتِ الْكَاذِبَةِ وَالْاَهْوَآءِ السَّاهِيَةِ ؛	45	اور اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو اپنے جھوٹے شبہات اور غفلت انگیز مجتہدانہ مصلحتوں سے حرام کو حلال کر لیں گے۔
فَيَسْتَحِلُّوْنَ الْخَمْرَ بِالنَّبِيْذِ ؛ وَالسُّحْتَ بِالْهَدِيَّةِ ؛وَالرِّبَا بِالْبَيْعِ ؛ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ بِاَيِّ الْمَنَازِلِ	46	چنانچہ شراب کو نبیذ کہہ کر جائز کر لیں گے۔اور رشوت کو ہدیہ کہہ کر لیا دیا کریں گے اور سود کو تجارت کے نام پر جائز قرار دیں گے۔چنانچہ میں نے عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ ان حالات میں ان لوگوں کو کون سی منزل میں سمجھنا چاہئے۔
اُنْزِلُهُمْ عِنْدَ ذٰلِكَ ؟	47	کیا انہیں دین سے مرتد ہو جانے والے سمجھیں یا انہیں فتنہ میں مبتلا قرار دیں؟
أَبِمَنْزِلَةِ رِدَّةٍ اَمْ بِمَنْزِلَةِ فِتْنَةٍ ؟ فَقَالَ:بِمَنْزِلَةِ فِتْنَةٍ ؛	48	فرمایا فتنہ کی منزل میں سمجھو۔

تشریحات:

آپؐ نے اطاعت کی شرط پر یہ وعدہ کیا ہے کہ اگر میری اطاعت مسلسل جاری رکھی جائے تو میں اس اطاعت شعار گروہ کو جنت کے راستے پر اُٹھا کر سنبھال کر لے چلوں گا۔یعنی اُن مومنین کو اپنے جنت میں جانے کا یقین اور اطمینان ہونا چاہئے جو حضرت علی علیہ السلام کے مطیع اور عقیدت مندر ہیں گے۔

ظاہر ہے کہ یہ اطاعت اُسی زمانے میں طلب کی جارہی ہے جب امت قریشی فتنے میں مبتلا ہو جائے گی۔اور جس کی اطلاع خطبے کے آخری جملوں میں جنگ اُحد کے آس پاس دی گئی تھی اور جس کا ذکر سورہ عنکبوت (2-1-29) میں کیا گیا تھا۔

سورہ عنکبوت کو دوبارہ سامنے لانا ضروری ہے تاکہ منشائے مرتضوی واضح ہوسکے۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ:

2۔ قریشی فتنہ عام آزمائش نہیں تھی دین کو سر سے پیر تک اُلٹ دینے کی مہم تھی۔

الٓمّٓO اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَO وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْکٰذِبِیْنَO اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ اَنْ یَّسْبِقُوْنَا سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَO (1 تا 29/4)

مودودی ترجمہ: ''الف۔ل۔م۔ کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بس اتنا کہنے پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ''ہم ایمان لائے'' اور اُن کو آزمایا نہ جائے گا؟ حالانکہ ہم اُن سب لوگوں کی آزمائش کر چکے ہیں جو اُن سے پہلے گزرے ہیں۔ اللہ کو تو ضرور یہ دیکھنا ہے کہ سچے کون ہیں اور جھوٹے کون؟ اور کیا وہ لوگ جو بُری حرکتیں کر رہے ہیں یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ وہ ہم سے بازی لے جائیں گے بڑا غلط حکم ہے جو وہ لگا رہے ہیں۔'' (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 675-674)

3۔ مودودی نے سادگی سے صورت حال کی سنگینی کو مسمار کر دیا ہے۔

قارئین کرام اِس ترجمہ کو قرآن کے الفاظ کے ساتھ وابستہ کر کے فطری حالت کا اندازہ فرمائیں۔ آیت بتاتی ہے کہ یہاں مومنین کی بات ہو رہی ہے۔ مگر اللہ اُنہیں مومنین کہتا نہیں ہے۔ بلکہ اُنہیں النَّاسُ فرمایا گیا ہے۔ پھر یہ مان لیا گیا ہے کہ جن کا ذکر ہو رہا ہے اُنہوں نے یہ اقرار کر لیا ہے کہ ''ہم ایمان لا چکے ہیں'' لیکن اللہ نے اُن کے اِس اقرار کو قبول نہیں کیا ہے۔ بلکہ اُن کے سچ اور جھوٹ کو عملی حیثیت سے سب کے سامنے کھول کر رکھ دینے کا اعلان فرما دیا ہے۔ اور اپنے اعلان پر زور اور دباؤ ڈالنے کے لئے لفظ ''لَیَعْلَمَن'' کو دُوہرا کر فرمایا ہے۔ جس سے صورت حال خطرناک ہوگئی ہے۔ یہ لفظ پورے قرآن میں صرف یہیں اور قریش ہی کے حق میں استعمال کیا گیا ہے۔ پھر خاص طور پر قریش کی سازش کی خصوصیت الفاظ ''سَاءَ مَا یَحْکُمُون'' سے اُبھر کر سامنے آتی ہے۔ یعنی قریشی مرکز کے فیصلے احکام کی صورت میں نافذ ہو رہے ہیں۔ اور وہ ایسی حکمت اور تدبر سے کام لے رہے ہیں کہ اسلامی پالیسی پر سبقت لے جائیں گے۔ اسی صورت حال کو واضح کرنے کے لئے فرمایا گیا ہے یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ اَنْ یَّسْبِقُوْنَا یعنی تخریبی پالیسی اس شان سے انجام دے رہے ہیں کہ ہم سے سبقت لے جائیں گے۔ اور اسی کو واضح کرنے کے لئے دو مرتبہ لفظ ''حَسِبَ'' بولا گیا ہے۔ یعنی قریش کا مرکز باقاعدہ حساب لگا کر اپنے احکام دیتا ہے۔ اور سب سے اہم الفاظ فَتَنَّا اور یُفْتَنُوْن بولے گئے ہیں۔ جن پر سوال کیا گیا اور جن کو حضرت علی علیہ السلام نے خاص طور پر سامعین کے سامنے رکھا ہے۔ یہاں یہ نوٹ کرنا بھی مدد دے گا کہ یہ اُسی فتنہ پر سوال کیا گیا ہے جس پر خلیفہ دوم نے ابوحذیفہ سے سوال کیا تھا۔ (بخاری پارہ نمبر 29 جلد دوم صفحہ 1051)

4۔ قرآن سے اس فتنے کی مطابقت اور ہم آہنگی کی ایک مثال دیکھ کر بات کریں۔

اللہ نے جس قسم کے فتنے میں سے قریش کو گزارنے کا ذکر فرمایا ہے اس کی ایک مثال قرآن ہی سے دیکھ لیں۔

اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرما رہا ہے کہ:

وَمَآ اَعْجَلَکَ عَنْ قَوْمِکَ یٰمُوْسٰیO قَالَ ھُمْ اُولَآءِ عَلٰٓی اَثَرِیْ وَعَجِلْتُ اِلَیْکَ رَبِّ لِتَرْضٰیO قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَکَ مِنْ بَعْدِکَ وَاَضَلَّھُمُ السَّامِرِیُّO فَرَجَعَ مُوْسٰٓی اِلٰی قَوْمِہٖ غَضْبَانَ اَسِفًا قَالَ یٰقَوْمِ اَلَمْ یَعِدْکُمْ رَبُّکُمْ وَعْدًا حَسَنًا اَفَطَالَ عَلَیْکُمُ الْعَھْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ یَّحِلَّ عَلَیْکُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِیْO قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا

مَوْعِدَکَ بِمَلْکِنَا وَلٰکِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِیْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰھَا فَکَذٰلِکَ اَلْقَی السَّامِرِیُّ O فَاَخْرَجَ لَھُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّہٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا ھٰذَآ اِلٰھُکُمْ وَاِلٰہُ مُوْسٰی فَنَسِیَ O اَفَلَا یَرَوْنَ اَلَّا یَرْجِعُ اِلَیْھِمْ قَوْلًا وَّلَا یَمْلِکُ لَھُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا O وَلَقَدْ قَالَ لَھُمْ ھٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ یٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِہٖ وَاِنَّ رَبَّکُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِیْ وَاَطِیْعُوْٓا اَمْرِیْ O قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَیْہِ عٰکِفِیْنَ حَتّٰی یَرْجِعَ اِلَیْنَا مُوْسٰی O قَالَ یٰھٰرُوْنُ مَا مَنَعَکَ اِذْ رَاَیْتَھُمْ ضَلُّوْٓا O اَلَّا تَتَّبِعَنِ اَفَعَصَیْتَ اَمْرِیْ O قَالَ یَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْیَتِیْ وَلَا بِرَاْسِیْ اِنِّیْ خَشِیْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَیْنَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِیْ O قَالَ فَمَا خَطْبُکَ یٰسَامِرِیُّ O قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ یَبْصُرُوْا بِہٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُھَا وَکَذٰلِکَ سَوَّلَتْ لِیْ نَفْسِیْ O (83 تا 96/20)

ترجمہ مودودی۔''اور کیا چیز تمہیں اپنی قوم سے پہلے لے آئی اے موسیٰ؟ اُس نے عرض کیا'' وہ بس میرے پیچھے آ ہی رہے ہیں میں جلدی کر کے تیرے حضور آ گیا ہوں۔ اے میرے رب تا کہ تو مجھ سے خوش ہو جائے'' فرمایا'' اچھا تو سنو ہم نے تمہارے پیچھے تمہاری قوم کو آزمائش میں ڈال دیا (فتنے میں ڈال دیا) اور سامری نے انہیں گمراہ کر ڈالا'' موسیٰ سخت غصے اور رنج کی حالت میں اپنی قوم کی طرف پلٹا اور جا کر اس نے کہا'' اے میری قوم کے لوگو کیا تمہارے رب نے تم سے اچھے وعدے نہیں کئے تھے؟ کیا تمہیں دن لگ گئے ہیں؟ یا تم اپنے رب کا غضب ہی اپنے اوپر لانا چاہتے تھے کہ تم نے مجھ سے وعدہ خلافی کی''اُنہوں نے جواب دیا کہ'' ہم نے تم سے وعدہ خلافی کچھ اپنے اختیار سے نہیں کی معاملہ یہ ہوا کہ لوگوں کے زیورات کے بوجھ سے ہم لد گئے تھے اور ہم نے بس اُن کو پھینک دیا تھا۔ پھر اس طرح سامری نے بھی کچھ کر ڈالا اور اُن کیلئے ایک بچھڑے کی مورت بنا کر نکال لایا جس میں سے بیل کی سی آواز نکلتی تھی۔ لوگ پکار اُٹھے یہی ہے تمہارا خدا اور موسیٰ کا خدا موسیٰ اِسے بھول گیا۔ کیا وہ دیکھتے نہ تھے کہ نہ وہ اُن کی بات کا جواب دیتا ہے اور نہ اُن کے نفع ونقصان کا کچھ اختیار رکھتا ہے؟ ہارون موسیٰ کے آنے سے پہلے ہی اُن سے کہہ چکا تھا کہ لوگو تم اس کی وجہ سے فتنے میں پڑ گئے ہو تمہارا رب تو رحمٰن ہے۔ پس تم میری پیروی کرو اور میری بات مانو۔ مگر اُنہوں نے اُس سے کہہ دیا کہ'' ہم تو اسی کی پرستش کرتے رہیں گے۔ جب تک موسیٰ واپس نہ آ جائے۔ موسیٰ قوم کو ڈانٹنے کے بعد ہارون کی طرف پلٹا اور بولا۔'' ہارون تم نے جب دیکھا تھا کہ یہ گمراہ ہو رہے ہیں تو کس چیز نے تمہارا ہاتھ پکڑا تھا کہ میرے طریقے پر عمل نہ کرو۔ کیا تم نے میرے حکم کی خلاف ورزی کی؟ ہارونؑ نے جواب دیا کہ اے میری ماں کے بیٹے میری داڑھی نہ پکڑ نہ میرے سر کے بال کھینچ مجھے اس بات کا ڈر تھا کہ تو آ کر کہے گا تم نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈال دی اور میری بات کا پاس نہ کیا۔ موسیٰ نے کہا اور سامری تیرا کیا معاملہ ہے؟ اس نے جواب دیا میں نے وہ چیز دیکھی جو ان لوگوں کو نظر نہ آئی۔ پس میں نے رسولؐ کے نقش قدم سے ایک مٹھی اُٹھا لی اور اُس کو ڈال دیا میرے نفس نے مجھے کچھ ایسا ہی سمجھایا۔'' (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 112 تا 119)

یہ ترجمہ کر کے علامہ مودودی نے کئی صفحات میں تشریح کے لئے حاشئے لکھے ہیں قدیم وجدید مفسرین پر صحیح تنقید کی ہے۔

یوروپی علما پر نظر ڈالی ہے۔ اور حضرت ہارون علیہ السلام کی تائید میں سورہ اعراف کی آیات (142-150/7) لا کر ثابت کیا ہے کہ حضرت موسیٰ طور پر جاتے ہوئے حضرت ہارونؑ کو اپنی قوم پر خلیفہ بنا کر گئے تھے (7/142) اور یہ کہ موسیٰ کی قوم نے حضرت ہارون علیہ السلام کو قتل کر ڈالنے کا پورا پورا انتظام کر لیا تھا (7/150)۔

5۔ یہ مثال ہر حیثیت سے رسولؐ اللہ کی قوم پر صادق آتی ہے۔ (قرآن وبخاری) حضرت علیؑ کو بھی خلیفہ بنایا گیا تھا یہاں بھی ایک سامری تھا یہاں بھی قومی خلافت کا بت تھا۔

یہ مثال مثیلِ ہارونؑ ومثیلِ موسیٰؑ پر ہر ہر حیثیت سے صادق آتی ہے۔ تمام علمائے اسلام نے مانا ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ مثیلِ موسیٰؑ تھے (73/15)۔ اور آنحضرتؐ میں اور حضرت علیؑ میں ہارونؑ وموسیٰؑ والی منزلت تھی۔ اور سامری وعمر کے اعداد بھی ہم مثل تھے (311۔310) چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اللہ نے قریشی قوم کو زیرِ نظر فتنے سے گزارا اور اُنہوں نے اُس فتنے کو بڑھا چڑھا کر اختیار کرلیا اور دین کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ دیا تھا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں وضاحت کردی گئی ہے کہ حوضِ کوثر سے ملائکہ رسولؐ کے صحابہ کو گھیر کر رسولؐ اللہ سے جدا کر کے لے جائیں گے۔ تو حضورؐ کہیں گے کہ یہ تو میرے صحابہ ہیں اِن کو رہنے دو اللہ بتائے گا کہ تمہارے بعد انہوں نے اسلام چھوڑ کر سابقہ دین اختیار کرلیا تھا مرتد ہو گئے تھے دین میں ایجادات کرلی تھیں۔ (صفحہ 1045 جلد دوم بخاری پارہ نمبر 29) یہیں سے بخاری نے کتاب الفتن شروع کی ہے اور باب کا نام یوں لکھا ہے کہ:

بَابٌ مَاجَآءَ فِیْ قَوْلِ اللّٰہِ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِیْبَنَّ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْکُمْ خَآصَّةً (8/25) وَمَا کَانَ النّبِی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یُحذِرُ مِنَ الْفِتَنِ۔ بخاری کا یہ وہ باب ہے جس میں اللہ کے قول کہ تم اُس فتنے سے ڈرو جو صرف تمہارے ظالم لیڈروں ہی تک محدود نہ رہے گا بلکہ ساری قوم کو لپیٹ لے گا اور جس فتنے سے رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خبردار کیا کرتے تھے اس سلسلے کی تمام احادیث اس باب میں لکھی جائیں گی۔ یہیں پہلی حدیث کے بعد ابن ابی ملیکہ کی یہ دعا بھی لکھی ہے کہ: **اللھم انا نعوذبک ان نرجع علی اعقابنا او نفتن**۔ (صفحہ 1045)

''اَے اللہ ہم فتنوں میں پھنسنے اور اسلام سے پچھلے پیروں پلٹ جانے سے تیری پناہ چاہتے ہیں''

بس اس کے بعد کسی وضاحت کی ضرورت نہیں رہتی۔ رسولؐ اللہ اور حضرت علی علیہ السلام صرف قرآن کی رعایت سے قریش کو مرتد نہیں کہتے اس لئے کہ اللہ نے اُنہیں منکرِ خدا اور رسولؐ اور کتبِ خداوندی کے منکر بتانے کے بعد بھی **یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا** فرمایا ہے (4/136) اور اسی رعایت کی بنا پر انہیں مسلمان کہا جاتا ہے اُن کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال سمجھا جاتا ہے۔ بیاہ شادی جائز مانی جاتی ہے۔

6۔ ذرا عائشہ پر بھی ایک نظر ڈالتے چلیں وہ علیؑ اور محمدؐ دونوں کی دشمن تھی۔

عائشہ کے حالات پر سابقہ خطبات میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اور بار بار پڑھنے اور دہرانے کے قابل ہے۔ یہاں اس خطبے کا تقاضا پورا کرنے کے لئے قرآن کریم سے عائشہ اینڈ کمپنی کا کیریکٹر بطور تبرک دیکھتے ہیں۔ اللہ نے اپنے رسولؐ سے فرمایا کہ:

''اَے نبیؐ اپنی بیویوں سے کہدو کہ اگر تمہیں دنیاوی ٹھاٹ اور بناؤ سنگھار درکار ہے تو آؤ میں تمہیں مال ومتاع دے کر بھلے طریقے پر رخصت کردوں۔ اور اگر تم اللہ ورسوؐل کی رضامندیاں اور آخرت چاہتی ہو تو یقیناً اللہ نے تم میں سے جو نیکوکار عورتیں ہیں اُن کیلئے عظیم الشان اجر تیار رکھا ہوا ہے۔ اَے رسوؐل کی ازواج تم میں سے جو عورت کسی کھلی بے حیائی کا ارتکاب کرے گی اُسے دُوہرا عذاب دیا جائے گا۔ اللہ کے لئے تمہیں دُہرا عذاب دینا آسان کام ہے۔ اور تم میں سے جو کوئی اللہ اور رسولؐ کے سپرد رہے گی اُسے دو دفعہ بدلا دیا جائے گا اور اُس کیلئے مفید رزق مہیا کر رکھا ہے۔ اَے نبیؐ کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ اگر تم پرہیزگار رہو تو تمہیں چاہئے کہ تم للچانے والے لب ولہجے میں گفتگو نہ کیا کرو کہ مریضانِ عشق تمہارے متعلق لالچ میں پڑ جائیں اور غلط اُمیدیں باندھنے لگیں تم سیدھی سیدھی عام

پسند کی باتیں کیا کرو اور تم اپنے گھروں میں ٹِک کر رہا کرو اور سابقہ دور جہالت کی طرح سج دھج اور سنگھار کی نمائش کرتی ہوئی نہ پھرا کرو۔ نماز قائم کیا کرو زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ و رسولؐ کی اطاعت کیا کرو۔ اَے مردمانِ اہلِ بیتؑ یہ تاکید اس لئے کی گئی ہے کہ اللہ تم اہلِ بیتؑ سے ہر قسم کی نجاست کو دُور رکھے اور تمہیں ایسا پاک کردے جو پاک کرنے کا حق ہے۔ اور تم بیویاں اُس سامان کو یاد کرلیا کرو جو تمہارے گھروں میں تلاوت کیا جاتا ہے اللہ کی آیات اور حکمت کو حفظ کرلیا کرو'' (28 تا 33/34)۔

7۔ ازواجِ رسولؐ سے محبت کی پینگیں بڑھانے والوں کو الگ سے تنبیہہ کی گئی اور پردہ کرایا گیا۔

اس کے ساتھ اُن صحابہ کو تنبیہ کی گئی ہے جو رسولؐ کی اطلاع اور اجازت کے بغیر رسولؐ کی جس بیوی کو پسند کرتے تھے گھروں کے اندر جاکر تخلیے میں اُنس و محبت کی باتیں کیا کرتے تھے۔ اُن سے کہا گیا کہ:

''اَے لوگو جو ایمان لائے ہو نبیؐ کے گھروں میں بلا اطلاع و اجازت کے نہ چلے جایا کرو۔ نہ کھانے کا وقت تاکتے رہا کرو۔ ہاں اگر تمہیں کھانے پر بلایا جائے تو آیا کرو۔ مگر جیسے ہی کھانا کھاچکو تو فوراً منتشر ہو جایا کرو وہاں بیٹھ کر اُنس و محبت کی باتوں میں نہ لگے رہا کرو۔ تمہاری یہ شرمناک حرکتیں نبیؐ کو ایذا پہنچاتی ہیں۔ مگر وہ شرم و حیا کی وجہ سے خاموش رہتے ہیں۔ مگر اللہ حق بات کہنے میں نہیں شرماتا۔ نبیؐ کی بیویوں سے اگر تمہیں کچھ مال و دولت لینا ہو تو پردے کے پیچھے کھڑے رہ کر مانگا کرو یہ طریقہ تمہارے اور اُن کے دلوں کی پاکی کا ثبوت ہوگا۔ تمہارے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ تم اللہ کے رسولؐ کو ایذا پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ تم اُس کی بیویوں سے اُس کے بعد تاابد نکاح کرو۔ یہ اللہ کے نزدیک عظیم ترین جرم ہے۔ تمہاری ظاہری اور پوشیدہ تمام اسکیمیں اللہ کو معلوم ہیں'' (33/52-53)۔

یہ تھی وہ اسکیم جس میں قریشی لیڈر اور نبیؐ کی ازواج ایک دوسرے سے تعاون کررہی تھیں اور ان تنبیہات کے بعد اسکیم نے کیا پلٹا کھایا وہ سن کر بات ختم کردیں۔ اللہ فرماتا ہے کہ:

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِہٖ حَدِیْثًا فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِہٖ وَاَظْہَرَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ عَرَّفَ بَعْضَہٗ وَاَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّاَھَا بِہٖ قَالَتْ مَنْ اَنْبَاَکَ ھٰذَا قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ Oاِنْ تَتُوْبَآ اِلَی اللّٰہِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُکُمَا وَاِنْ تَظٰھَرَا عَلَیْہِ فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ مَوْلٰہُ وَجِبْرِیْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ بَعْدَ ذٰلِکَ ظَھِیْرٌ Oعَسٰی رَبُّہٗٓ اِنْ طَلَّقَکُنَّ اَنْ یُّبْدِلَہٗٓ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْکُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَیِّبٰتٍ وَّاَبْکَارًا Oیٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا وَّقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ عَلَیْھَا مَلٰٓئِکَۃٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ O (تحریم 3 تا 66/6)

''جب بھی نبیؐ نے کوئی بات اپنی بیوی سے راز میں کہی تو جیسے ہی اُس بیوی نے وہ راز کی بات دوسری بیوی سے کہہ دی تو نبیؐ نے راز فاش کرنے والی بیوی سے راز فاش کرنے کی کچھ بات تو ظاہر کردی اور کچھ نہ بتائی چنانچہ راز فاش کرنے والی نے پوچھا کہ تمہیں راز فاش کرنے کی اطلاع کس نے دی تو نبیؐ نے کہا کہ مجھے ایک علیم و خبیر نے بتادیا ہے۔ اُن دونوں سے کہہ دو کہ اگر تم دونوں توبہ بھی کرلو تب بھی تمہارے دل تو ٹیڑھے ہو ہی چکے ہیں۔ اور اگر نبیؐ کے مقابلے میں تم دونوں نے جتھابندی اور محاذ جاری رکھا تو سمجھ لو کہ اللہ نبی کا مولیٰ ہے۔ اور اللہ کے بعد جبرائیل اور تمام مومنین میں کا صالح ترین شخص اور تمام ملائکہ اُس کے پشت پناہ ہیں۔ بعید نہیں کہ اللہ تم سب بیویوں

کوطلاق دیدے اورتم سے بہتر ازواج رسولؐ کو بدلے میں لادے جومسلمان بھی ہوں گی مومن بھی اطاعت گزارتوبہ کرنے والیاں عبادت گزار، روزہ رکھنے والیاں اور بیوہ بھی اور کنواریاں بھی۔اَے مومنین تم خوداوراپنے متعلقین کواس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن پتھراور انسان ہیں اوراُس کے محافظ بڑے سخت فرشتے ہیں جونافرمانی نہیں کرتے اوروہی کرتے ہیں جواُن کوحکم دیاجاتا ہے۔''

8۔رسولؐ سے بغض وحسداوردشمنی ایک حدتک تھی مگرعلیؑ سے دشمنی بھی لامحدودتھی اورشکوے بھی لاانتہا تھے۔

عائشہ آنحضرتؐ کی نرم پالیسی کی بناپراتنی خفانہ تھی جتنی وہ حضرت علیؑ سے چڑتی تھی۔اُسے حضور سے مادی اوررشتے کےشکوے بھی تھے اورخلافت کےشکوے بھی تھےقریشی تاریخ میں یہ بات واضح کرکےلکھی گئی ہے کہ جب حضرت علیؑ آتے تھےتوکوشش کرکے عائشہ اوررسولؐ اللہ کے درمیان بیٹھتے تھےیعنی دونوں کوجداجداکردیتے تھے۔یہ عائشہ کونہایت شاق گزرتا ہے۔عائشہ کی یہ تمنادل ہی میں دفن رہی کہ کبھی حضرت علی علیہ السلام دیوروالی مسکراہٹ سےاُس کی طرف ایک نظردیکھیں۔اس کے برخلاف آپ اخلاقی بلندی اورمعیاررسالتؐ وامامتؑ کےمقام سےتنقیدی نظرڈالتے تھے۔عائشہ اینڈ کمپنی پرتمام تنقیدات حضرت علی علیہ السلام کےمقام سے ہوتی تھیں۔وہ حضرتؐ ازواج رسولؐ کوگھٹیادرجے کی عورتیں سمجھتے تھے پبلک میں اُن سے بہتروپاکیزہ ترعورتوں کاوجود مانتے اوردہراتے رہتے تھے۔مذکورہ بالاآیات میں اللہ نے حضرت علی علیہ السلام کے معیارپرباتیں کی ہیں۔جن کاہرلفظ عائشہ اینڈ کمپنی کےسینےکوبرماتاچلاگیاتھا۔مگروہ تومجبورتھی۔البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کےانتقال کے بعد عائشہ آزادہوگئی تھی اوراُس نے ہروہ پابندی توڑدی تھی، جواللہ نے عائدکی تھی اورحضرت علی علیہ السلام کوپسند تھی۔قریش نےکوشش کی ہے کہ عائشہ اورعلیؑ میں صلح صفائی دکھائیں۔مگروہ خلیج کوپاٹ نہ سکے۔

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر: 155

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 156

خُطبہ ﴿178﴾

1۔ حمدِ خداوندی کی غرض و غایت۔ 2۔ دنیا میں دنیا کا سلوک اگلوں اور پچھلوں کے ساتھ یکساں ہے۔ 3۔ ساری نوع انسان قیامت کی طرف ڈھکیلی جارہی ہے۔ 4۔ تقویٰ اور لاقانونیت کی پوزیشن۔ 5۔ دنیا میں آخرت کا سامان کرلو۔ روانگی کا حکم ملا ہوا ہے۔ 6۔ جسے آخرت کے لئے پیدا کیا گیا ہے دنیا اور دنیا کا سامان اس کے کام کی چیزیں نہیں ہیں۔ 7۔ تمہارے اعضاء تمہارے ضمیر کراماً کاتبین پر نگرانی کررہے ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ جَعَلَ الۡحَمۡدَ مِفۡتَاحًا لِذِكۡرِهٖ ؛	1	تمام حمد وثنا اس اللہ کے لئے ہے جس نے حمد کو اپنے ذکر کی کنجی بنادیا ہے۔
وَسَبَبًا لِمَزِيۡدِ مِنۡ فَضۡلِهٖ ؛وَدَلِيۡلًا عَلٰی اٰلَائِهٖ وَعَظَمَتِهٖ ؛	2	اور حمد کو اپنے فضل میں اضافہ کا سبب بنایا ہے اور اپنی بزرگی اور نعمتوں کو دلیل بنادیا ہے۔
عِبَادَ اللّٰهِ اِنَّ الدَّهۡرَ يَجۡرِیۡ بِالۡبَاقِيۡنَ كَجَرۡيِهٖ بِالۡمَاضِيۡنَ ؛	3	اللہ کے بندو یقیناً یہ زمانہ باقی رہ جانے والے کے ساتھ وہی روش جاری رکھتا ہے جو ماضی میں گذر جانے والوں کے ساتھ رکھی تھی۔
لَايَعُوۡدُ مَاقَدۡوَلّٰی مِنۡهُ ؛	4	اس کی روش میں سے جو مسلّط رہی تھی اس کا اعادہ نہیں کرتا ہے۔
وَلَا يَبۡقٰی سَرۡمَدًامَّافِيۡهِ ؛	5	اور جو کچھ زمانہ کے قبضہ میں ہے وہ ہمیشہ کے لئے پائیدار نہیں ہے۔
اٰخِرُفِعَالِهٖ كَاَوَّلِهٖ ؛	6	زمانہ کی آخری روش بھی اس کی اوّل روش جیسی ہی ہے۔
مُتَسَابِقَةٌ اُمُوۡرُهٗ ؛	7	اور اسکے معاملات ایک دوسرے سے بازی اور سبقت لے جانے میں لگے ہوئے ہیں۔
مُتَظَاهِرَةٌ اَعۡلَامُهٗ ؛	8	اس کے پرچم بھی اس کے ساتھ نمایاں ہیں۔
فَكَاَنَّكُمۡ بِالسَّاعَةِ تَحۡدُوۡكُمۡ حَدۡوَ الزَّاجِرُ بِشَوۡلِهٖ ؛	9	لہذا صورت حال یہ ہے گویا تم میدان قیامت میں حاضر ہو اور تمھیں اسی طرح ڈانٹ کر ہانکا جارہا ہے جیسے دودھ خشک کرچکنے والی اونٹنیوں کو ہانکتے ہیں۔
فَمَنۡ شَغَلَ نَفۡسَهٗ بِغَيۡرِ نَفۡسِهٖ تَحَيَّرَ فِی الظُّلُمَاتِ ؛	10	جو شخص اپنی اصلاح کے بجائے اور چیزوں میں مشغول ہو جاتا ہے وہ گمراہی کے اندھیروں میں حیران و سرگرداں رہتا ہے۔

وَارْتَبَکَ فِی الْھَلَکَاتِ ؛	11	اور تباہ کاریوں میں گھل مل جایا کرتا ہے۔
وَمَدَّتْ بِهٖ شَیَاطِیْنُهٗ فِیْ طُغْیَانِهٖ ؛	12	اور اس کے شیطان اسے اس کی سرکشی اور بغاوت میں بہت بڑھا دیتے ہیں۔
وَزَیَّنَتْ لَهٗ سَیِّیَٔ اَعْمَالِهٖ ؛	13	اور اس کے سامنے اس کے اعمال کی برائیوں کو سجا کر حسین بنا دیا کرتے ہیں۔
فَالْجَنَّةُ غَایَةُ السَّابِقِیْنَ ؛	14	لہذا جنت ان کا انتہائی ٹھکانہ ہے جو عبادت میں سبقت کرتے ہیں۔
وَالنَّارُ غَایَةُ الْمُفَرِّطِیْنَ ؛	15	اور جہنم ان کا منتہا و مقصد ہے جو متوازن زندگی بسر نہیں کرتے ہیں۔
اِعْلَمُوْا عِبَادَاللّٰهِ اَنَّ التَّقْوٰی دَارُحِصْنٍ عَزِیْزٍ ؛	16	اللہ کے بندو یہ بھی جان لو کہ تقویٰ ایک عزت فراہم کرنے والی چار دیواری ہے۔
وَالْفُجُوْرَ دَارُحِصْنٍ ذَلِیْلٍ : لَایَمْنَعُ اَهْلَهٗ وَلَا یُحْرِزُ مَنْ لَجَأَ اِلَیْهِ ؛	17	اور لاقانونیت اور آزادروی ایک ذلیل کرنے والی چار دیواری ہے جو اپنے اندر رہنے والوں کو گناہوں سے نہیں بچاتی اور نہ ہی پناہ لینے والوں کو محفوظ رکھتی ہے۔
اَلَا وَبِالتَّقْوٰی تُقْطَعُ حُمَةُ الْخَطَایَا ؛	18	خبردار ہو کر سنو کہ تقویٰ سے گناہوں کا زہریلا ڈنک اور خطائیں دور رہتے ہیں۔
وَبِالْیَقِیْنِ تُدْرَکُ الْغَایَةُ الْقُصْوٰی ؛	19	اور اللہ و رسولؐ میں یقین سے بلند ترین مقصد کامیابی اور سرفرازی حاصل ہوتی ہے۔
عِبَادَاللّٰهِ ،اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِیْ اَعَزِّالْاَ نْفُسِ عَلَیْکُمْ ؛	20	بندگانِ خدا اللہ اللہ کرو اور سوچو کہ تمہیں تمہاری جان کتنی عزیز اور گران قدر معلوم ہوتی ہے۔
وَاَحَبِّهَا اِلَیْکُمْ ؛	21	اور اسی قدر نہیں بلکہ تمہاری ہستی تمہیں حد بھر محبوب اور پیاری بھی ہے۔
فَاِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَوْضَحَ لَکُمْ سَبِیْلَ الْحَقِّ وَاَنَارَ طُرُقَهٗ ؛	22	چنانچہ اپنے لئے غور کرو کہ اللہ نے تمہارے لئے حق تک پہنچنے کا راستہ کتنا واضح اور ہر طرح روشن کر دیا ہے۔ لہذا اپنی جان کو بچاؤ۔
فَشِقْوَةٌ لَّازِمَةٌ اَوْسَعَادَةٌ دَائِمَةٌ ؛	23	ورنہ یقین کر لو کہ تمہاری شقاوت تم پر لازم ہو جائے گی۔ یا پھر دائمی سعادت تمہارے حصے میں آئے گی۔
فَتَزَوَّدُوْا فِیْ اَیَّامِ الْفَنَاءِ لِاَیَّامِ الْبَقَاءِ ؛	24	چنانچہ تم لوگ باقی رہنے والے دنوں کے لئے ان فنا ہو جانے والے دنوں میں سامان جمع کر لو۔
قَدْ دُلِلْتُمْ عَلَی الزَّادِ ؛	25	تمہیں دلیل کے ساتھ وہ تمام سامان بھی بتا دیا گیا ہے جسکی تمہیں ضرورت پڑنا ہے۔
وَاُمِرْتُمْ بِالظَّعْنِ ؛	26	اور تمہیں دنیا سے جدا ہونے کا حکم بھی دیا جا چکا ہے۔
وَحُثِثْتُمْ عَلَی السَّیْرِ ؛	27	اور یہاں سے روانہ ہونے پر اکسایا بھی جا چکا ہے۔
فَاِنَّمَا اَنْتُمْ کَرَکْبٍ وُقُوْفٍ لَاتَدْرُوْنَ	28	یہ سمجھ لو کہ تم لوگ ان سواروں کی مانند ہو جو ذرا دیر کو ٹھہرا دیئے گئے ہوں اور تمہیں مادی

مَتٰی تُؤْمَرُوْنَ بِالسَّیْرِ ؛	28	دلیل سے یہ معلوم نہیں کہ کب روانگی کا حکم مل جائے گا (لہذا پا بہ رکاب رہو)۔
اَلَا فَمَا یَصْنَعُ بِالدُّنْیَا مَنْ خُلِقَ لِلْاٰخِرَۃِ ؟	29	خبردار وہ شخص اس دنیا کے ساتھ اور اس کے سامان کے ساتھ تعلق کیوں رکھے گا جو آخرت کے لئے پیدا کیا گیا ہو؟
وَمَایَصْنَعُ بِالْمَالِ مَنْ عَمَّا قَلِیْلٍ یُّسْلَبُہٗ ؛	30	اور وہ اس مال کی پرواہ کیوں کرے گا جس سے وہ مال جلد ہی چھن جانے والا ہو؟
وَتَبْقٰی عَلَیْہِ تَبِعَتُہٗ وَحِسَابُہٗ ؟	31	اور اس سے اس مال پر باز پرس اور حساب بھی لیا جانے والا ہو؟
عِبَادَاللّٰہِ اِنَّہٗ لَیْسَ لِمَا وَعَدَاللّٰہُ مِنَ الْخَیْرِ مَتْرَکٌ ؛	32	بندگان خدا یقیناً وہ بھلائی چھوڑنے کے قابل نہیں ہوتی جس کا اللہ نے وعدہ کر رکھا ہو۔
وَلَا فِیْمَا نَھٰی عَنْہُ مِنَ الشَّرِّ مَرْغَبٌ ؛	33	اور جس برائی سے اللہ نے منع کر رکھا ہو اس کو حاصل کرنے کی رغبت نہیں رکھنا چاہئے۔
عِبَادَاللّٰہِ احْذَرُوْا یَوْمًا تُفْحَصُ فِیْہِ الْاَعْمَالُ ؛	34	اللہ کے بندو اس دن سے بچ کر رہو جس دن اعمال کی جانچ ہوگی۔
وَیَکْثُرُ فِیْہِ الزِّلْزَالُ ؛	35	اور جس دن زلزلوں اور ڈگمگانے کی بہتات ہوگی۔
وَتَشِیْبُ فِیْہِ الْاَطْفَالُ ؛	36	اور جس دن بچے بھی بوڑھے ہو جائیں گے۔
اَعْلَمُوْا عِبَادَاللّٰہِ اِنَّ عَلَیْکُمْ رَصَدًامِّنْ اَنْفُسِکُمْ وَعُیُوْنًا مِّنْ جَوَارِحِکُمْ ؛	37	اللہ کے بندو یہ جان لو کہ تمہارے اوپر تمہارے اندر سے ایک مشاہدہ گاہ کام کر رہی ہے اور تمہارے اعضاء کی آنکھیں تمہیں زیر نظر رکھے ہوئے ہیں۔
وَحُفَّاظَ صِدْقٍ یَحْفَظُوْنَ اَعْمَالَکُمْ وَعَدَدَ اَنْفَاسِکُمْ ؛	38	اور سچے محافظ تمہارے اعمال کو محفوظ کر رہے ہیں اور تمہاری سانس تک شمار کئے جا رہے ہیں۔
لَاتَسْتُرُکُمْ مِّنْھُمْ ظُلْمَۃُ لَیْلٍ دَاجٍ ؛	39	رات کے اندھیرے تمہیں ان سے چھپا نہیں سکتے ہیں خواہ وہ کتنے بھی گہرے ہوں۔
وَلَا یُکِنُّکُمْ مِّنْھُمْ بَابٌ ذُوْرِتَاجٍ ؛	40	اور تمہیں اور تمہاری حرکات کو ان سے بند دروازے بھی اوجھل نہیں کر سکتے۔
وَاِنَّ غَدًا مِّنَ الْیَوْمِ قَرِیْبٌ ؛	41	اور یہ بھی سمجھ لو کہ کل کا آنے والا دن آج کے دن سے بالکل قریب ہے۔
یَذْھَبُ الْیَوْمُ بِمَافِیْہِ ؛	42	آج کا دن جو کچھ اس کے ساتھ ہے لے کر رخصت ہو جائے گا۔
وَیَجِیْئُ الْغَدُ لَاحِقًّابِہٖ ؛	43	اور کل اس کے ساتھ ہی تمہارے سامنے آجائے گی۔
فَکَاَنَّ کُلَّ امْرِیءٍ مِنْکُمْ قَدْ بَلَغَ مِنَ	44	گویا تم میں سے ہر اک شخص زمین کے اس ٹھکانے پر پہنچ چکا ہے جہاں اسکے تنہا

الْاَرْضِ مَنْزِلَ وَحْدَتِهٖ ؛وَمَخَطَّ حُفْرَتِهٖ ؛		ٹھیرنے کی منزل مقرر ہے اور قبر کا نشان بنا ہوا ہے۔
فَيَالَهٗ مِنْ بَيْتٍ وَّحْدَةٍ ؛	45	کیا کہنا اس خانہ تنہائی کا۔
وَمَنْزِلِ وَحْشَةٍ ؛وَمُفْرَدِ غُرْبَةٍ ؛	46	اور وحشت انگیز منزل کا، اور مسافرت کی حالت میں غربت اور بے بسی کا؟
وَكَاَنَّ الصَّيْحَةَ قَدْ اَتَتْكُمْ ؛	47	اور گویا قیامت کا شور بھی تمہارے گوش گذار ہو رہا ہے۔
وَالسَّاعَةَ قَدْ غَشِيَتْكُمْ ؛	48	اور گویا قیامت کا ہنگامہ تم پر چھا چکا ہے۔
وَبَرَزْتُمْ لِفَصْلِ الْقَضَاءِ ؛	49	اور تم آخری فیصلہ سننے کے لئے میدانِ حشر میں حاضر ہو گئے ہو۔
قَدْ زَاحَتْ عَنْكُمُ الْاَبَاطِيْلُ ؛	50	اور تمہارے تمام باطل بہانے گر چکے ہیں اور حقیقت سامنے ہے۔
وَاضْمَحَلَّتْ عَنْكُمُ الْعِلَلُ ؛	51	اور سارے عذرات اور علتیں مضمحل و کمزور ہو گئے ہیں۔
وَاسْتَحَقَّتْ بِكُمُ الْحَقَائِقُ ؛	52	اور تمام حقائق اپنی اصلی اور حقیقی صورت میں سامنے آکر کھڑے ہو گئے ہیں۔
وَصَدَرَتْ بِكُمُ الْاُمُوْرُ مَصَادِرَهَا ؛	53	اور تمہارے تمام کام اور معاملات اپنے بنیادی ٹھکانوں سے باہر آ چکے ہیں۔
فَاتَّعِظُوْا بِالْعِبَرِ ؛	54	چنانچہ تم لوگ عبرتوں اور نصیحتوں سے اپنی اصلاح کرلو۔
وَاعْتَبِرُوْا بِالْغِيَرِ ؛	55	اور انقلاب و تغیراتِ زمانہ سے سبق لیتے رہو۔
وَانْتَفِعُوْا بِالنُّذُرِ ؛	56	اور تنبیہات سے استفادہ کرتے رہو۔

تشریحات:

یہ خطبہ نہایت سادہ نصیحتوں پر مشتمل رہا ہے اور کوئی متنازعہ مسئلہ درمیان میں نہیں آیا ہے۔ زبان نہایت صاف اور عام فہم استعمال ہوئی ہے کہیں کسی بات کے سمجھنے میں زور نہیں لگانا پڑتا ہے۔ اس سادگی میں یہ بات خاص طور پر نوٹ کرنے کی ہے اور موقع ملے تو سابقہ خطبات پر بھی نظر ڈالنے کی ہے کہ حضورؑ اپنے خطبات میں اُن چیزوں کا ذکر نہیں کرتے جو کہ مارشلزم یعنی ابوبکر و عمر کے جاری کردہ اسلام میں دن رات اور ہر وقت مذکور ہوتی ہیں۔ آپؑ نے نظام کا تذکرہ کرتے ہوئے گنتی کے دو یا تین مرتبہ نماز روزے وغیرہ کا ذکر فرمایا ہے ورنہ آپ کا سارا زور حمد خدا اور سولؐ پر اور روزمرہ کے اختلافات پر صرف ہوتا ہے۔ مختصراً یہ کہیے کہ آپ دنیا کی عملی زندگی کو مختلف حیثیتوں سے سامنے رکھتے ہیں۔ اور دُنیا اور آخرت کی نجات اور کامیابی پر زور دیتے ہیں اور اُن تمام چیزوں کو نظر انداز کرتے ہوئے گذر جاتے ہیں جن پر مسلمان علما چودہ سو سال سے زور دیتے آرہے ہیں۔ اس سے یقین ہو جاتا ہے کہ دُنیا میں تخریب کا سبب وہی دو چیزیں ہیں جن پر یہ قریشی، شیعہ اور سنی، علما زور دیتے ہیں۔ لہٰذا حضور علیہ السلام کے اس مستقل عملدرآمد سے بھی ہمیں یہی سیکھنا چاہئے کہ ہم موجودہ علما اور اُن کے اس نام نہاد اسلامی عملدرآمد سے الگ رہیں اور اپنے روزمرہ کے کاموں اور اخلاقیات کی اصلاح پر نظر رکھیں اور مارشلزم کے تمام کاموں اور طریقوں سے متنفر رہیں اور بھی مفید و مناسب موقع ملے تو اِن ہی کاموں پر لوگوں کو متوجہ کریں۔ آپس کی دوستی اور اخلاق میں تعاون کریں اور ایک پُرامن ماحول پیدا کریں اور نہ سوچیں کہ ہمارا کس مذہب یا فرقے کے لوگوں سے تعلق ہے۔ سب کو حضرت علی علیہ السلام کے اس فرمان سے روشناس کرائیں کہ اللہ نے حمد وثنا کو نعمتوں میں اضافے کی کنجی اور سبب بنایا

ہے۔(178/1-2) آؤمل کر کبھی کبھی اللہ کی حمدوثنا کیا کریں۔یہی طریقہ اُس وقت جاری ہوا تھا جب ہندوستان میں اسلامی تعصّبات اور نمازوں اور اذانوں کی بھرمار تھی اور لوگ ایک دوسرے سے متنفروکشیدہ خاطر رہتے تھے شیعوں اور سنیوں کی مذہبی ٹولیاں مذہب وعبادت کے جنون سے سرشار ادھر سے اُدھر گھومتی اور دندناتی پھرتی تھیں۔سنی اور شیعہ،اہل حدیث اور نجدی اور حنفی وحنبلی ایک دوسرے کو اپنی مسجدوں میں نہ آنے دیتے تھے۔تو ہندوؤں کو کہاں آنے دیتے۔لہٰذا گورونانک نے صوفیا کے نمونے پر گانے بجانے کی ایک محفل قائم کی اور اُس میں آنے پر کوئی پابندی نہ لگائی ہندو بھی شامل ہوتے تھے اور مسلمان بھی آتے تھے۔گورونانک کی زبان میں ٹوٹے پھوٹے بے ترتیب اشعار گاتے تھے جن میں سادہ الفاظ میں اللہ کی حمدوثنا اور انسانوں پر اُس کی مہربانیاں گائی جاتی تھیں۔آپس میں پیار ومحبت سے رہنے کی برکتیں اور مثالیں گائی جاتی تھیں۔لوگوں کو کھانا کھلانے کا انتظام کیا جاتا تھا تاکہ آنے والے جلد جانے کی فکر میں مبتلا نہ رہیں۔کچھ نہیں مٹھی بھر چنے اور پانی مل جاتا تھا۔لوگ جم کر بیٹھتے تھے۔نہ وضو کی شرط تھی نہ کعبہ کی سمت مقدس تھی۔گھنٹوں گھنٹوں لوگ جمے بیٹھے رہتے تھے گورونانک نہ کوئی عالم تھے نہ محدث نہ لکچرار تھے نہ لیڈر تھے۔موقع ملتا یا کوئی پوچھتا تو چند نصیحت آمیز کلمات کہہ دیتے اور یہ یقین دلاتے کہ اللہ ہو یا خدا ہو یا رام ہو سب ایک رحیم ورحمان ہستی کے نام ہیں وہی نوع انسان کا خالق ومالک اور پالنے والا ہے اُسی کے ہاتھ میں رزق وبرکتیں اور نعمتیں ہیں اُسی سے ہمارا تعلق رہنا چاہئے اور اسی کے لئے انسانوں کی خدمت اور عزت کرنا چاہئے کسی سے دشمنی،حسد وبغض اور نفرت نہ رکھنا چاہئے یہی طریقہ تھا جو خوب پھیلا اور رفتہ رفتہ اِسی کو لوگوں نے سکھ مذہب میں ڈھال دیا اور کچھ عرصے کے بعد اس میں بھی وہ تمام لعنتیں آگئیں جو لیڈر لوگ لایا کرتے ہیں۔اور آج تم سکھوں کے حالات بھی سنتے رہتے ہو جو باقی مذاہب سے دوقدم آگے ہی پائے جاتے ہیں۔صوفیا کے طریقے میں بھی رفتہ رفتہ تعصب داخل ہو رہا ہے۔مگر ابھی زور نہیں ہے۔نماز کی پابندی کے پیچھے پیچھے دبے پاؤں تمام خرابیاں مذہبی لباس پہن کر آجاتی ہیں۔اُن سے ہوشیار رہنا چاہئے۔اُن کو سہارا دینے اور اُن کی تائید کرنے کے بجائے الگ ہو جانا چاہئے۔لہٰذا سعید روحوں کو الگ کر کے انہیں حمدوثنائے خداوندی میں لگاؤ برکتوں اور سعادتوں سے مالا مال کرو اور چل دو۔لیڈر نہ بنو نہ لیڈروں کو پاس پھٹکنے دو۔

لیڈر رہے بے پناہ اژدر بھاگو
بھاگوائے اہل جنوں وجوہر بھاگو۔
اگر یہ آکے پاؤں پہ رکھ دے سر بھی۔
تو لازم ہے کہ پاؤں سر پر رکھ کر بھاگو۔جوشؔ

حضورؐ کی یہ بات کبھی اور کسی حال میں نہ بھولیں کہ ہمیں اپنی ذاتی اصلاح کے علاوہ خود کو کسی ایسے کام میں مشغول نہ کرنا چاہئے جس سے ہماری ذاتی اصلاح وترقی کا کوئی تعلق نہ ہو ورنہ یاد رکھو کہ کہیں سے چپکے چپکے گمراہی کی حیرانیاں اور سرگردانیاں نکل کر ہمیں آگھیریں گی اور یہ پتہ چلنا مشکل ہو جائے گا یہ کہاں سے اور کیوں کر آگئیں؟ دوسرے الفاظ میں یہ سمجھ لیں کہ ہر وہ کام یا مشغلہ گمراہی کا خزانہ ہوتا ہے جس سے ہماری اصلاح اور ترقی وابستہ نہ ہو۔خواہ عبادت کے مقدس نام سے مشہور ہو یا دینی خدمت کہلاتا ہو۔یعنی سب سے پہلے یہ سوچئے کہ آپ کی ذاتی اصلاح اور ترقی کس کام میں یقینی ہے اُدھار کام ہاتھ میں ہرگز نہ لیں (178/10) ورنہ ہلاکت سے دوچار ہونا پڑے گا (11) اور اسی آڑ میں سے شیاطین حملہ آور ہو جائیں گے (12) اور تمام ماحول کو سجا کر اپنے جال میں پھانس لیں گے (13) ہم یہ کہتے کہتے رک گئے کہ فرصت ملے تو مجلس کی طرح ایک خطبات پڑھنے

اور سننے کی محفل کا آغاز کر دیں۔شرط وہی ہے کہ لیڈری سے دُور رہ کر اپنی ذاتی اصلاح کو پہلا نمبر دیں۔اور وہ تمام سامان جمع کرتے رہیے جو یہاں جمع کرنا ممکن ہو اور آخرت میں اسٹور کیا جا سکے۔یہ کبھی نہ بھولیں کہ موت ہر لمحہ آ سکتی ہے۔سوائے اس کے کہ حضرت حجۃؑ علیہ السلام سے رابطہ ہو گیا ہو جو بڑی مرادمندی ہے۔

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 156

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 157

خُطبہ ﴿179﴾

قرآن اور علیؑ کی پوزیشن

1۔وہ ازلی وابدی نورؑ جس کی اقتداء اور پیروی ہوتی چلی آئی ہے علیؑ اور محمدؐ ہیں۔2۔قرآن خودنہیں بولتا،علیؑ اس کی طرف سے بولتے ہیں۔3۔قرآن گزشتہ وآئندہ حالات وواقعات کا ریکارڈ اور ہر بیماری کا علاج ہے۔4۔قریشی خلفا خلافت کے لئے نااھل تھے۔اُن کے مظالم کی وسعتیں۔5۔اُن سے انتقام ورجعت بنی امیہ کی دو باتیں۔6۔خُلفائے قریش گناہوں کی سواریاں اور خطاؤں سے لدے ہوئے اونٹ تھے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَرۡسَلَهُ عَلٰی حِیۡنِ فَتۡرَةٍ مِنَ الرُّسُلِ ؛	1	آنحضرتؐ کو اس وقت ارسال کیا گیا جب رسولوں کی آمد کا سلسلہ ختم ہو کر رُکا پڑا تھا۔
وَطُوۡلِ هَجۡعَةٍ مِّنَ الۡاُمَمِ ؛	2	اور امتوں کو خوابِ غفلت میں سوتے ہوئے طویل زمانہ گزر چکا تھا۔
وَانۡتِقَاضٍ مِّنَ الۡمُبۡرَمِ ؛	3	اور محکم واستوار دین میں ٹوٹ پھوٹ اور رخنے پیدا ہو چکے تھے۔
فَجَآءَ هُمۡ بِتَصۡدِیۡقِ الَّذِیۡ بَیۡنَ یَدَیۡهِ ؛	4	چنانچہ ایسی حالت میں آنحضرتؐ اُن قرآنی تصدیقات کو ساتھ لے کر آئے جو اس وقت کی موجودہ کتابوں کی تصدیق کرتی تھیں۔
وَالنُّوۡرِ الۡمُقۡتَدٰی بِهٖ ؛	5	اور اس خاص وکمل نور کو بھی ساتھ لائے جس کی پیروی کی جاتی رہی ہے۔
ذٰلِکَ الۡقُرۡاٰنُ فَاسۡتَنۡطِقُوۡهُ وَلَنۡ یَّنۡطِقَ	6	چنانچہ اگر تم اس قرآن سے بات کرو گے تو وہ تمہارے ساتھ نہ بولے گا۔
وَلٰکِنۡ اُخۡبِرُکُمۡ عَنۡهُ؛	7	ولیکن میں تمہیں قرآن کی طرف سے خبریں دیا کروں گا۔
اَلَا اِنَّ فِیۡهِ عِلۡمَ مَا یَاۡتِیۡ وَالۡحَدِیۡثُ عَنِ الۡمَاضِیۡ وَدَوَآءَ دَآئِکُمۡ وَنَظۡمَ مَابَیۡنَکُمۡ ؛	8	خبردار ہو جاؤ کہ قرآن میں مستقبل کا علم ہے اور گزشتہ زمانہ کی ساری باتیں ہیں اور تمہارے تمام امراض و بیماریوں کا علاج ہے اور تمہارے اندر جو نظام جاری ہے وہ بھی موجود ہے۔
فَعِنۡدَ ذٰلِکَ لَایَبۡقٰی بَیۡتُ مَدَرٍ وَّلَا وَبَرٍ اِلَّا وَاَدۡخَلَهُ الظَّلَمَةُ تَرۡحَةً ؛	9	اور اس حادثہ کے بعد نہ کوئی پختہ گھر ایسا بچے گا اور نہ کوئی خیمہ ایسا رہے گا جس میں ظالم حکمران غم والم نہ پہنچا دیں۔

وَاَوۡلَجُوۡا فِیۡهِ نِقۡمَةً ؛	10	اور جہاں وہ انتقامی مظالم نہ کرلیں۔
فَیَوۡمَئِذٍ لَایَبۡقٰی لَهُمۡ فِی السَّمَآءِ عَاذِرٌ وَّلَافِی الۡاَرۡضِ نَاصِرٌ ؛	11	چنانچہ جب یہ سب کچھ کر چکے ہوں گے تو وہ دن آئیگا جب آسمانوں میں ان کی طرف سے کوئی طرفداری میں عذر کرنیوالا نہ بچے گا۔ اور نہ زمین پر کوئی ان کا ناصر رہے گا۔
اَصۡفَیۡتُمۡ بِالۡاَمۡرِ غَیۡرَ اَهۡلِهٖ وَاَوۡرَدۡتُمُوۡهُ غَیۡرَ مَوۡرِدِهٖ ؛	12	تم نے دینی سربراہی کیلئے ان لوگوں کو انتخاب کرلیا جو خلافت کی اہلیت رکھنے والوں کے غیر اور نااہل تھے اور سربراہی کو وہاں وارد کیا جو اس کے وارد ہونے کی جگہ نہ تھی۔
وَسَیَنۡتَقِمُ اللّٰهُ مِمَّنۡ ظَلَمَ ؛	13	اور اب جلد ہی اللہ تم سے اور خلافت کو غلط مقام پر لے جانے والوں سے انتقام لے گا
مَاكَلاً بِمَاۡكَلٍ وَّمَشۡرَبًا بِمَشۡرَبٍ مِّنۡ مَطَاعِمِ الۡعَلۡقَمِ وَمَشَارِبِ الصَّبِرِ وَالۡمَقِرِ ؛وَلِبَاسِ شِعَارِ الۡخَوۡفِ وَدِثَارِ السَّیۡفِ ؛	14	اور انتقام ایسا کہ کھانے کا انتقام کھانا کھلا کے اور پینے کا انتقام پلا کر یعنی تمہیں تو ھر کھلا کر اور زہر ہلاہل اور ایلوا پلا کر اور خوفزدہ رکھنے والا لباس پہنا کر اور تلوار کے گھاٹ اتارا تار کر انتقام لیا جانے والا ہے۔
وَاِنَّمَاهُمۡ مَطَایَا الۡخَطِیۡئَاتِ ؛	15	اور اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ تمہارے وہ حاکم خطاؤں کی سواریاں تھے۔
وَزَوَامِلُ الۡاٰثَامِ ؛	16	اور گناہوں سے لدے ہوئے اونٹ تھے۔
فَاُقۡسِمُ ثُمَّ اُقۡسِمُ لَتَنۡخَمَنَّهَا اُمَیَّةُ مِنۡ بَعۡدِیۡ كَمَا تُلۡفَظُ النُّخَامَةُ ؛ثُمَّ لَاتَذُوۡقُهَا وَلَاتَطۡعَمُ بِطَعۡمِهَا اَبَدًا مَاكَرَّ الۡجَدِیۡدَانِ ؛	17	میں قسمیہ کہتا ہوں اور پھر قسم کھاتا ہوں کہ میرے بعد بنی امیہ کو یہ خلافت اس طرح تھوکنا پڑے گی کہ جس طرح بلغم کو تھوکا جاتا ہے پھر قیامت تک نہ وہ اس کا ذائقہ ہی چکھیں گے اور نہ ہی جب تک یہ دن رات آتے جاتے رہیں گے وہ خلافت کے مزے اُڑا سکیں گے۔

تشریحات:

یہاں پہلے اُس انتقام کا ذکر کرتے ہیں جو حضور علیہ السلام نے چار جملوں میں بیان فرمایا ہے (11 تا 14) اِس انتقام کا زمانہ وہ بتایا گیا ہے جب ساری دُنیا میں کوئی شخص قریش کا ناصر و مددگار و طرفدار و حمایتی باقی نہ رہے گا (11) تاریخی حیثیت سے ایسا زمانہ اب تک نہیں آیا ہے مسلسل اُن کے ہمدرد و طرف دار موجود رہتے چلے آئے ہیں اور کسی نہ کسی صورت میں اُن کی کہیں نہ کہیں حکومت بھی رہتی رہی ہے۔ اور اُن کے مددگار و طرف دار و حمایتی بھی آج تک موجود رہے ہیں۔ لہٰذا انتقام کا زمانہ خود بخود زمانہ ظہور حضرت قائم آل محمد صلوٰۃ اللہ علیہ قرار پاجاتا ہے۔ اور انتقام عملی صورت (14) میں واقعات رجعت میں ثابت ہوجاتا ہے جب کہ اس امت کا ظالم اوّل اور اُس کا یار و خلیل عدالت کے سامنے یہ کہتے ہوئے پیش ہوں گے کہ:

”کاش میری فردِ جرم مجھے نہ دی گئی ہوتی اور میں نہ جانتا تھا کہ مجھ سے کیا کچھ باز پُرس ہونا ہے کاش میری پہلی ہی موت آخری اور فیصلہ

کن موت ہوتی اور مجھے مواخذہ کے لئے پھر زندہ نہ کیا گیا ہوتا۔آج میری دولت واقتدار میرے کام نہ آیا اور میری سلطانی وحکمرانی بھی تباہ کردی گئی ہے مجھے پابہ زنجیر اور طوق وبیڑیاں پہنا کر آگ کے گڑھے میں بند کردیا گیا ہے اور ستر ہاتھ لمبی زنجیر میں پیش کیا جارہا ہے(25 تا32/69) آج میں اپنے اُن ہاتھوں کو چبا رہا ہوں جن سے میں نے بیعت لی تھی اَے کاش میں نے رسولؐ اللہ کا طے کیا ہوا راستہ اختیار کیا ہوتا۔افسوس اَے کاش میں نے عمر کو اپنا یار نہ بنایا ہوتا۔جس نے مجھے رسولؐ اللہ کی تاکید کے باوجود اپنے راستے پر چلا دیا اور آج وہ شیطان مجھے میرے حال پر چھوڑ کر الگ ہوگیا ہے(27 تا29/25) قرآن کریم کا پیش کردہ یہ نظارہ ثابت کرتا ہے کہ قریش سے مذکورہ انتقام زمانہ رجعت میں حضرت حجۃ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھوں انجام پذیر ہونا ہے۔اور اس کے ساتھ ہی تمام قریش کو المناک عذاب اور سزائیں دی جائیں گی۔

2۔ قرآن کریم تمام علوم خداوندی کا تحریری ریکارڈ ہے اور حضرت علیؑ اللہ کے بولنے والے علم اور ریکارڈ ہیں۔

خطبہ کا دوسرا اور مسلّمہ پہلو یہ ہے کہ قرآن ایک کتاب ہے جو باقی کتابوں کی طرح بولتی ہے نہ سنتی ہے نہ دیکھتی ہے۔ایک خاموش ہستی ہے۔حضرت علی علیہ السلام اللہ کی تائید میں اِسے ایک ایسا ریکارڈ بتاتے ہیں جس میں ماضی اور حال اور مستقبل کی تفصیلات (12/111) ہیں ہر بیماری کا علاج ہے اور نظام وضوابط ہیں (6 تا8) اور آپؑ فرماتے ہیں کہ قرآن تو بات نہ کرے گا مگر میں اُس کی طرف سے تمہیں اطلاعات دیا کروں گا(7)۔

3۔ بنی اُمیہ کا حکومت کو تھوکنا یا اُگلنا ابوبکر وعمر وعثمان کی پالیسی کا شیرازہ بکھرنا۔

خطبے کی وہ پیش گوئی جس میں شیخین کی ساری عمر کی محنت برباد ہوگئی اور ابوسفیان اور اُس کے بیٹوں یزید اور معاویہ کے ہاتھ سے حکومت نکل گئی مدت پہلے مجمع عام میں بیان کردی گئی تھی۔اور جو لفظ بلفظ پوری ہوئی اور نسل ابوسفیان معدوم ہوکر رہ گئی۔اور کوئی دُنیا میں اُموی کہلانے والا باقی نہ رہا۔اُن کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کیا گیا۔اُن کے اُسی طرح ہاتھ پیر کاٹے جاتے تھے۔انہیں جلاء وطن ہونے کا موقع بھی نہ دیا گیا۔معاویہ ویزید اور دیگر مرُدوں کی لاشیں قبروں سے نکال کر آگ میں جلائی گئیں۔تازیانے لگائے گئے اور وہ تمام انتقام لے لئے گئے جو اُن کے ذمہ تھے۔اُن پر باقاعدہ لعنت بھی کی گئی۔یہ لوگ خود ابوبکر وعمر وعثمان کے ٹولے قریش کے لوگ تھے۔یہ اُسی شخص عبداللہ ابن عباس کی اولاد تھے جسے عمر نے اپنا چمچہ تو بنائے رکھا مگر حکومت میں کوئی مقام وعہدہ نہ دیا۔اُس نے حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ سازشی رویہ اختیار کیا مگر چند سکوں کے علاوہ اُسے کچھ نہ ملا آخر تحریک تشیع میں سازشاً اس کی اولاد شریک ہوئی اور حکومت کو ہڑپ کرنے کی تاک میں لگی رہی۔جب امام جعفر صادق علیہ السلام نے آتی ہوئی حکومت کو ٹھوکر ماردی تو بنی عباس نے اُس پر قبضہ کرلیا اور عوام کے دباؤ سے ڈر کر بنی اُمیہ سے اہل بیتؑ کا انتقام لیا۔ازراہِ ہمدردی اور حق کی خاطر نہیں بلکہ حالات کے ڈر سے۔اور پھر اولاد رسولؐ اور اُن کے ہمدردوں سے دشمنوں والا سلوک کرتے رہے یہاں تک کہ پھر تحریک تشیع نے اُنہیں چاروں طرف سے گھیر کر مجبور کردیا اور اُن سے ہتھیار رکھوا کر اُن کی خلافت کا جنازہ نکال دیا۔اور خلافت کا محض نام رہ گیا اور ہر حجام خلیفہ کہلانے لگا۔

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 157

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 158

خُطبہ ﴾180﴿

قریش کے ساتھ اپنے سلوک کا تذکرہ، اور شکریہ ادا کرنے کا عملی طریقہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَلَقَدۡ اَحۡسَنۡتُ جِوَارَکُمۡ ؛	1	میں یقیناً تمہارے لئے ایک اچھا پڑوسی رہا ہوں۔
وَاَحَطۡتُ بِجُھۡدِیۡ مِنۡ وَّرَائِکُمۡ ؛	2	اور بلاشبہ میں نے اپنی کوشش وطاقت بھر مسلسل تمہاری حفاظت جاری رکھی۔
وَاَعۡتَقۡتُکُمۡ مِّنۡ رِّبَقِ الذُّلِّ ؛وَحَلَقِ الضَّیۡمِ	3	اور میں نے تمہیں ذلت وخواری کے پھندوں سے آزادی دلائی اور ظلم وستم کے گھیرنے والے حلقوں سے تمہیں بچائے رکھا تاکہ میں۔
شُکۡرًا مِّنِّیۡ لِلۡبِرِّ الۡقَلِیۡلِ ؛	4	تمہاری قلیل سی اچھائیوں کا شکریہ ادا کردوں۔
وَاِطۡرَاقًا عَمَّا اَدۡرَکَہُ الۡبَصَرُ ؛	5	اور اسی شکریہ کی ادائیگی کے لئے تمہاری ایسی برائیوں سے چشم پوشی کئے رکھی جو میری آنکھوں نے دیکھی ہیں۔
وَشَھِدَہُ الۡبَدَنُ مِنَ الۡمُنۡکَرِ الۡکَثِیۡرِ ؛	6	اور میری جسمانی موجودگی میں تم نے کثرت سے دنیا بھر کے ناپسندیدہ کام کئے تھے۔

تشریحات: حضرت علی علیہ السلام اور اُنکی اولاد اور احباب پر قریش نے جو مظالم کئے اور آج تک کررہے ہیں اُن کو شمار کرنا ہماری قدرت سے باہر ہے بس اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ اُن مظالم کی وجہ سے آج تک صف ماتم بچھی ہوئی ہے اور اپنے پرائے سب آنسو بہارہے ہیں۔ اِس کے باوجود حضرت علی علیہ السلام کا اخلاقی مقام دیکھئے کہ اُن ملاعین کا شکرادا کئے بغیر دُنیا سے نہیں جاتے۔ وہ قلیل سی اچھائیاں کیا تھیں جو اُن خبیث لوگوں سے سرزد ہوئی تھیں؟ وہ یقیناً وہی تھیں جو اُن سے دعوت ذوالعشیرہ سے پہلے وقوع میں آئی تھیں یا اعلانِ نبوت سے پہلے دیکھی گئی تھیں بعض لوگوں کا حضرت محمد وعلی علیہما السلام کو بچپن میں گود میں لینا اور حضرت عبدالمطلب وابوطالب علیہما السلام کی خوشنودی حاصل کرنا۔ اسی طرح عہد رسوؐل میں رسوؐل کو خوش کرنے کیلئے حسنین علیہما السلام کو پیار کرنا گود میں کھلانا۔ یا شعب ابوطالبؑ کے محاصرے کے دوران تین سال میں بعض قریش کا ہمدردی ظاہر کرنا اور پرسشِ احوال کیلئے آتے رہنا۔ یا عمر بن عبدود اور مرحب وعنتر کے قتل پر مبارکباد دینا یا غدیرخم پر حکومت پر مبارک مبارک کہنا۔ یا اہل بیت کہہ کر سلام پیش کرنا۔ یا کبھی کبھی فضائل ومناقب کا اقرار کرتے رہنے پر عمل کرنا۔ یا برادر رسولؐ اور فرزندان رسولؐ جانتے رہنا۔ یا اپنی غلط کاری اور جہالت کا اقرار کرتے رہنا اور اپنے علم کی غپ نہ مارنا۔ یا لولا علیٌ لَھَلَکَ کا اعلان کرنے سے نہ چوکنا۔ معافی طلب کرنے پر آمادہ رہنا۔ مشکلکشا وحاجت روا ماننا۔ لوگوں کو حکم دینا کہ حضرت علیؑ کی موجودگی میں فتوے کیلئے زبان نہ کھولی جائے۔ بہرحال حضور علیہ السلام نے اُن کا شکریہ ادا کردیا اور فارغ ہوگئے۔

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر: 158

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 159

خُطبہ ﴿181﴾

1۔ اللہ کی حمد وثنا ایسے طریقوں اور انداز سے بیان فرمائی ہے کہ جس کی قدر و قیمت اور تعریف ہماری علمی وسعت سے ارفع واعلیٰ ہے۔ 2۔ قریشی مسلمانوں کا اللہ کے ساتھ اور اللہ کے بندوں کے ساتھ اور اس دنیا کے ساتھ رویہ بیان فرمایا ہے۔ 3۔ آنحضرتؐ اور حضرت موسیٰؑ، حضرت داؤدؑ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کی مختصر سیرۃ کا نظارہ۔ 4۔ صرف ایک ایسی بات جسے مان لینے سے پوری زندگی سنور سکتی ہے۔ 5۔ ازواج کا ذوق اور تصویروں والا پردہ۔ 6۔ آنحضرتؐ کی مکانوں سے دل چسپی۔ 7۔ قمیص میں پیوندوں کی قابل شرم تعداد۔ 8۔ حقیقتِ ذاتِ خداوندی فہم و دانش کی قوت سے ارفع و اعلیٰ ہے

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَمۡرُهٗ قَضَآءٌ وَّحِكۡمَةٌ ؛	1	اللہ کا حکم آخری فیصلہ حکمت سے بھرپور ہوتا ہے۔
وَرِضَاهُ اَمَانٌ وَّرَحۡمَةٌ	2	اللہ کی رضا مندی حفاظت میں رکھنے والی اور رحمت ہوتی ہے۔
يَقۡضِىۡ بِعِلۡمٍ وَّيَعۡفُوۡ بِحِلۡمٍ ؛	3	اس کے فیصلے اس کے علم کے ماتحت ہوتے ہیں اور وہ اصلاح کا موقع دینے کے لئے اپنی بردباری سے نظر اندازی کرتا ہے۔
اَللّٰهُمَّ لَكَ الۡحَمۡدُ عَلٰى مَاتَاۡخُذُوَتُعۡطِىۡ ؛	4	اے اللہ تیری حمد وثنا ان تمام حالات میں لازم ہے جب تو کچھ عطا کرتا ہے یا کچھ واپس لیتا ہے۔
وَعَلٰى مَاتُعَافِىۡ وَتَبۡتَلِىۡ ؛	5	اور اس وقت بھی جب تو صحت و عافیت عطا کرتا ہے اور آزمائش میں ڈالتا ہے
حَمۡدًا يَكُوۡنُ اَرۡضَى الۡحَمۡدِ لَكَ ؛	6	تیرے لئے ایسی حمد وستائش کی جانا چاہئے جو حمد تجھے بہت پسند ہو اور جس سے تیری رضامندیاں زیادہ حاصل ہوں اور۔
وَاَحَبَّ الۡحَمۡدِ اِلَيۡكَ ؛	7	ایسی حمد جو تجھے انتہائی درجہ تک محبوب ہو۔
وَاَفۡضَلَ الۡحَمۡدِ عِنۡدَكَ ؛	8	ایسی حمد جو تیرے حضور سب حمد وثنا سے افضل ہو۔
حَمۡدًا يَمۡلَاُ مَاخَلَقۡتَ وَيَبۡلُغُ مَااَرَدۡتَ ؛	9	ایسی حمد جو تیری ساری مخلوقات کو لب ریز کر کے وہاں جا پہنچے جو تیرا ارادہ ہو۔
حَمۡدًا لَايُحۡجَبُ عَنۡكَ ؛	10	ایسی حمد وثنا جس کی رسائی میں کوئی پردہ رکاوٹ نہ بن سکے۔

وَلَا يُقْصَرُ دُوْنَکَ ؛	11	اور نہ اس حمد کی رسائی میں کوئی کمی واقع ہو سکے۔
حَمْدًا لَّايَنْقَطِعُ عَدَدُهٗ وَلَا يَفْنٰى مَدَدُهٗ ؛	12	ایسی حمد کہ نہ اس کی تعداد منقطع ہو سکے اور نہ اس کا سلسلہ فنا ہو سکے۔
فَلَسْنَا نَعْلَمُ كُنْهَ عَظَمَتِکَ اِلَّا اَنَّا نَعْلَمُ اَنَّکَ حَيٌّ قَيُّوْمٌ لَاتَاْخُذُکَ سِنَةٌ وَّلَانَوْمٌ ؛	13	چنانچہ ہم تیری اصل حقیقت کا علم نہیں رکھتے نہ تیری عظمت اس کے سوا جانتے ہیں کہ تو ایک ایسی زندہ ہستی ہے جو ساری کائنات کو قائم رکھنے والا ہے اور یہ کہ نہ تجھے اونگھ آتی ہے اور نہ نیند غلبہ کرتی ہے۔ اور
لَمْ يَنْتَهِ اِلَيْکَ نَظَرٌ ؛	14	نہ نظریں تجھ تک پہنچ سکتی ہیں۔
وَلَمْ يُدْرِكْکَ بَصَرٌ ؛	15	اور نہ بصارت ہی تجھے پا سکتی ہے۔
اَدْرَكْتَ الْاَبْصَارَ وَاَحْصَيْتَ الْاَعْمَارَ ؛	16	اور یہ کہ تو نے تمام آنکھوں اور بصارت کو قابو میں رکھا ہوا ہے اور ہر چیز کی عمر اور حدود کا احاطہ کیا ہوا ہے۔
وَاَخَذْتَ بِالنَّوَاصِي وَالْاَقْدَامِ ؛	17	اور یہ کہ تو نے پیشانیوں کو اور سروں اور پیروں کو اپنے قابو میں رکھا ہوا ہے۔
وَمَا الَّذِيْ نَرٰى مِنْ خَلْقِکَ وَنَعْجَبُ لَهٗ مِنْ قُدْرَتِکَ ؛	18	اور ہم تیری تخلیق و مخلوقات کو جہاں بھی دیکھتے ہیں تو تیری قدرت اور کمال پر تعجب کرتے ہیں۔
وَنَصِفُهٗ مِنْ عَظِيْمِ سُلْطَانِکَ ؛	19	اور تیرے تسلط اور تیری سلطانی کی عظمت کی توصیف و تعریف کرتے ہیں۔
وَمَاتَغَيَّبَ عَنَّامِنْهُ ؛	20	اور جو کچھ ہمارے علم و نظر سے غائب ہے۔
وَقَصُرَتْ اَبْصَارُنَا عَنْهُ ؛	21	اور جس سے ہماری نظریں قاصر ہیں۔
وَانْتَهَتْ عُقُوْلُنَا دُوْنَهٗ ؛	22	اور جہاں تک ہماری عقلیں نہیں پہنچی ہیں۔
وَحَالَتْ سُتُوْرُ الْغُيُوْبِ بَيْنَنَا وَبَيْنَهٗ اَعْظَمُ ؛	23	اور جن مخلوقات کے اور ہمارے درمیان غیب کے پردہ حائل ہیں وہ ہماری معلومہ خلقت سے بھی عظیم الشان ہیں۔
فَمَنْ فَرَّغَ قَلْبَهٗ وَاَعْمَلَ فِكْرَهٗ ؛	24	چنانچہ اگر کوئی اپنے دل کو باقی مصروفیات سے فارغ کر کے اپنی پوری فکر اسی پر لگا دے۔
لِيَعْلَمَ كَيْفَ اَقَمْتَ عَرْشَکَ ؛	25	تا کہ وہ یہ معلوم کرلے کہ تو نے اپنے عرش کو کیسے قائم رکھا ہے؟
وَكَيْفَ ذَرَاْتَ خَلْقَکَ ؛	26	اور یہ کہ تو نے اپنی مخلوقات کو کیسے پیدا کر کے پھیلایا ہے؟
وَكَيْفَ عَلَّقْتَ فِي الْهَوَاءِ سَمٰوٰتِکَ ؛	27	اور یہ کہ اپنے آسمانوں کو ہوا کے اندر کیسے بند رکھا ہے؟
وَكَيْفَ مَدَدْتَ عَلٰى مَوْرِ الْمَآءِ اَرْضَکَ ؛	28	اور یہ کہ تو نے کیسے پانی کی موجوں کے اوپر اپنی زمین کو بچھایا اور پھیلایا ہے؟

رَجَعَ طَرْفُهُ حَسِيْرًا وَّعَقْلُهُ مَبْهُوْرًا وَّسَمْعُهُ وَالِهًا وَّفِكْرُهُ حَائِرًا ؛	29	تو اس شخص کی آنکھیں تھک کر افسوس کی حالت میں پلٹیں گی اور اس کی عقل ناکام ہار کر واپس آئے گی اور اس کے کان وسماعت غم میں حیران ہو کر اور اس کی فکر حیرت زدہ ہو کر پلٹ آئیں گے۔
يَدَّعِيْ بِزَعْمِهٖ اَنَّهٗ يَرْجُو اللّٰهَ ؛	30	وہ شخص اپنے گمان میں یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ اللہ سے اپنی امیدیں وابستہ رکھتا ہے۔
كَذَبَ وَالْعَظِيْمِ ؛	31	خدائے عظیم کی قسم وہ بالکل جھوٹ کہتا ہے۔
مَابَالُهٗ لَايَتَبَيَّنُ رَجَاؤُهٗ فِيْ عَمَلِهٖ ؛	32	اگر اس کی امیدیں اللہ سے وابستہ ہیں تو کیا بات ہے کہ اس کے اعمال سے ایسا واضح نہیں ہوتا؟
فَكُلُّ مَنْ رَّجَا عُرِفَ رَجَاؤُهٗ فِيْ عَمَلِهٖ اِلَّا رَجَاءَ اللّٰهِ فَاِنَّهٗ مَدْخُوْلٌ ؛	33	چنانچہ جو کوئی امید وابستہ کرتا ہے اس کے عمل سے اس کی امید پہچانی جا سکتی ہے سوائے اس امید کے جو اللہ سے وابستہ ہو جب کہ اس میں نیت کا کھوٹ شامل ہو۔
وَكُلُّ خَوْفٍ مُحَقَّقٌ اِلَّاخَوْفَ اللّٰهِ فَاِنَّهٗ مَعْلُوْلٌ؛	34	اور خوفزدگی ایک تحقیق شدہ چیز ہے سوائے اللہ کے خوف سے جب کہ اس میں دوسروں کا خوف بھی شامل ہو۔
يَرْجُو اللّٰهَ فِي الْكَبِيْرِ ؛	35	وہ اللہ سے بڑی بڑی چیزوں کا امیدوار رہتا ہے۔
وَيَرْجُو الْعِبَادَ فِي الصَّغِيْرِ ؛	36	اور بندوں سے معمولی اور چھوٹی چیزوں کی امیدیں باندھتا ہے۔
فَيُعْطِي الْعَبْدَ مَالَا يُعْطِي الرَّبَّ؛	37	اس کے باوجود جس عاجزی سے وہ بندوں کے ساتھ پیش آتا ہے وہ عاجزی اپنے پروردگار سے نہیں رکھتا۔
فَمَا بَالُ اللّٰهِ جَلَّ ثَنَاؤُهٗ يُقَصَّرُ بِهٖ عَمَّا يُصْنَعُ لِعِبَادِهٖ ؟	38	یہ کیا بات ہے کہ اللہ کے معاملے میں اتنی بھی پرواہ نہیں کی جاتی ہے جو یہ لوگ بندوں کے لئے کرتے ہیں۔
اَتَخَافُ اَنْ تَكُوْنَ فِيْ رَجَائِكَ لَهٗ كَاذِبًا	39	کیا تم نے کبھی اس خوف کو محسوس کیا ہے کہ کہیں تمہاری امیدواری کا تخیل جھوٹا نہ ہو؟
اَوْتَكُوْنَ لَاتَرَاهُ لِلرَّجَاءِ مَوْضِعًا ؛؟	40	یا یہ کہ تم درحقیقت اللہ کو اس قابل ہی نہیں سمجھتے کہ اس سے امید رکھی جائے؟
وَكَذٰلِكَ اِنْ هُوَ خَافَ عَبْدًا مِّنْ عَبِيْدِهٖ اَعْطَاهُ مِنْ خَوْفِهٖ مَالَا يُعْطِي رَبَّهٗ ؛	41	اور وہی حالت صحیح ہے کہ اگر کوئی بندہ اللہ کے بندوں میں سے کسی سے ڈرتا ہے تو وہ جس سے خوفزدہ ہے اس کیلئے وہ سب کچھ کرتا ہے جو اپنے پروردگار کیلئے کرنے کو تیار نہیں ہوتا۔
فَجَعَلَ خَوْفَهٗ مِنَ الْعِبَادِ نَقْدًا ؛	42	چنانچہ اس نے انسانوں کے ڈر کو تو نقد کی صورت دے رکھی ہے۔

وَخَوْفَهُ مِنْ خَالِقِهٖ ضِمَارًا وَّ وَعْدًا ؛	43	اور اپنے پیدا کرنے والے کے خوف کو اس نے ادھار وعدوں کی حد تک محدود رکھا ہے۔
وَكَذٰلِكَ مَنْ عَظُمَتِ الدُّنْيَا فِيْ عَيْنِهٖ وَكَبُرَ مَوْقِعُهَا مِنْ قَلْبِهٖ اٰثَرَهَا عَلَى اللّٰهِ فَانْقَطَعَ اِلَيْهَا وَصَارَ عَبْدًا لَهَا ؛	44	اور اسی طرح جس کی نظر میں دنیا کی عظمت سما جاتی ہے اور وہ دنیا کے مواقع کو دل میں اہمیت دینے لگتا ہے تو وہ دنیا کو اللہ پر ترجیح دینے لگتا ہے۔ چنانچہ وہ سب کچھ چھوڑ کر دنیا میں لگ جاتا ہے اور اسی کا بندہ بن کر رہ جاتا ہے۔
وَلَقَدْ كَانَ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ كَافٍ لَّكَ فِي الْاُسْوَةِ ؛	45	اور یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کی زندگی اور عملدرآمد میں ان کا قول وعمل پیروی کے لئے کافی ہے۔
وَدَلِيْلٌ لَّكَ عَلٰى ذَمِّ الدُّنْيَا وَعَيْبِهَا ؛	46	اور ان ہی کے رویہ میں تمہارے لئے دنیا کی خرابیوں اور مذمت کے لئے دلائل موجود ہیں۔ اور
وَكَثْرَةِ مَخَازِيْهَا وَ مَسَاوِيْهَا ؛	47	آنحضرتؐ کی ذات دنیا کی رسوا کرنے والی برائیوں کی کثرت بتانے اور دکھانے کے لئے راہنما ہے۔
اِذْ قُبِضَتْ عَنْهُ اَطْرَافُهَا ؛	48	یہ اس لئے بھی کہ آنحضرتؐ سے اللہ نے اس دنیا کی تمام اطراف کو الگ کر کے قابو میں لے لیا تھا۔
وَوُطِّئَتْ لِغَيْرِهٖ اَكْنَافُهَا ؛	49	اور ان کے مخالفوں کے لئے دنیا کی پوری وسعتیں سونپ دی تھیں۔
وَفُطِمَ عَنْ رِّضَاعِهَا ؛	50	اور دنیا کی چھاتیوں سے ان کا دودھ چھڑا دیا گیا تھا۔
وَزُوِيَ عَنْ زَخَارِفِهَا ؛	51	اور دنیا کے قیمتی سامان سے آپ کا رخ موڑ دیا گیا تھا۔
وَاِنْ شِئْتَ ثَنَّيْتُ بِمُوْسٰى كَلِيْمِ اللّٰهِ .صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ .حَيْثُ يَقُوْلُ "رَبِّ اِنِّيْ لِمَا اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ"	52	اگر تم چاہو تو دوسرا نمونہ موسیٰ حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کا ہے جب انہوں نے اللہ سے عرض کیا تھا کہ اے اللہ تو جو کچھ بھی اچھائی میرے لئے نازل کر دے گا میں بس اسی کا بھکاری ہوں۔
وَاللّٰهِ مَاسَاَلَهُ اِلَّا خُبْزًا يَاْكُلُهُ ؛	53	خدا کی قسم حضرت موسیٰ نے اپنے کھانے کیلئے ایک روٹی کا سوال کیا تھا۔
لِاَنَّهُ كَانَ يَاْكُلُ بَقْلَةَ الْاَرْضِ ؛	54	اس لئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام زمین کی خودرو سبزی کھا لیا کرتے تھے۔
وَلَقَدْ كَانَتْ خُضْرَةُ الْبَقْلِ تُرٰى مِنْ شَفِيْفِ صِفَاقِ بَطْنِهٖ لِهُزَالِهٖ وَتَشَذُّبِ لَحْمِهٖ ؛	55	اور دبلے ہونے اور گوشت کی کمی کی وجہ سے ان کے پیٹ کی شفاف کھال میں سے نباتات اور سبزیوں کا ہرا رنگ جھلکتا رہتا تھا۔

وَاِنْ شِئْتَ ثَلَّثْتَ بِدَاُوٗدَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ صَاحِبِ الْمَزَامِيْرِ ؛	56	اگر تم چاہو تو حضرت داؤد علیہ السلام کا تیسرا نمونہ تمہیں سناؤں جو کہ آلاتِ موسیقی کے ماہر و بانی تھے۔
وَقَارِئِ اَهْلِ الْجَنَّةِ ؛	57	اور اہل جنت کے قاری تھے۔
فَلَقَدْ كَانَ يَعْمَلُ سَفَائِفَ الْخُوْصِ بِيَدِهٖ ؛	58	یقیناً وہ اپنے ہاتھ سے کھجور کی پتیوں سے چٹائیاں بنانے کا پیشہ کیا کرتے تھے
وَيَقُوْلُ لِجُلَسَائِهٖ :اَيُّكُمْ يَكْفِيْنِيْ بَيْعَهَا؟	59	اور اپنے پاس اٹھنے بیٹھنے والوں سے کہا کرتے تھے کہ تم میں سے کون ان چٹائیوں کو فروخت کر کے میری مدد کرے گا؟
وَيَاْكُلُ قُرْصَ الشَّعِيْرِ مِنْ ثَمَنِهَا ؛	60	اور ان چٹائیوں کی قیمت سے جو کی روٹی کھالیا کرتے تھے۔
وَاِنْ شِئْتَ قُلْتَ فِيْ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَلَقَدْ كَانَ يَتَوَسَّدُ الْحَجَرَ ؛	61	اگر چاہو تو عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کا حال سنو کہ وہ سوتے وقت پتھر کا تکیہ بنا لیا کرتے تھے۔
وَيَلْبَسُ الْخَشِنَ ؛	62	اور کھردرا لباس پہنتے تھے۔
وَيَاْكُلُ الْجَشِبَ ؛	63	اور سادہ بدمزہ غذا کھالیا کرتے تھے۔
وَكَانَ اِدَامُهُ الْجُوْعَ ؛	64	اور دائمی غذا ان کے لئے بھوکا رہنا تھی۔
وَسِرَاجُهُ بِاللَّيْلِ الْقَمَرَ؛	65	ان کے لئے رات میں چاند چراغ کا کام دیتا تھا۔
وَظِلَالُهُ فِي الشِّتَاءِ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا ؛	66	سردیوں میں ان کے لئے سایہ کرنے والے زمین کے مشرق اور مغرب ہوا کرتے تھے۔
وَفَاكِهَتُهُ وَرَيْحَانُهُ مَاتُنْبِتُ الْاَرْضُ لِلْبَهَائِمِ ؛	67	اور ان کیلئے پھلوں اور پھولوں کا کام دینے والا وہ گھاس ہوتا تھا جو مویشیوں کے لئے زمین اُگاتی ہے۔
وَلَمْ تَكُنْ لَهٗ زَوْجَةٌ تَفْتِنُهُ ؛	68	ان کی بیوی نہ تھی کہ انہیں کسی فتنہ میں مبتلا کرتی۔
وَلَا وَلَدٌ يَّحْزُنُهُ ؛	69	اور نہ اولاد تھی کہ غم و حزن کا سبب بنتے۔
وَلَا مَالٌ يَلْفِتُهُ ؛	70	اور نہ مال و دولت تھی کہ ان کو ملتفت (متوجہ) رکھتے۔
وَلَا طَمَعٌ يُذِلُّهُ ؛	71	اور نہ لالچ و طمع تھی کہ ذلت کا سامنا ہوتا۔
دَابَّتُهُ رِجْلَاهُ ؛	72	ان کی سواری ان کے دونوں پیر تھے۔
وَخَادِمُهُ يَدَاهُ؛	73	ان کے نوکر اور خادم ان کے دونوں ہاتھ تھے۔
فَتَاَسَّ نَبِيِّكَ الْاَطْيَبِ الْاَطْهَرِ ،صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ	74	تم اپنے پاک و پاکیزہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ کی تاسی (پیروی) کرو۔

فَاِنَّ فِيْهِ اُسْوَةً لِّمَنْ تَاَسّٰى ؛	75	یقیناً جو کوئی اُن کی پیروی کرے اس کے لئے نمونہ عمل موجود ہے۔
وَعَزَاءً لِمَنْ تَعَزّٰى ؛	76	اور جو کوئی دوسروں کے رنج وسوگ میں مسرت فراہم کرنا چاہے اس کے لئے مسرت کا سامان ہے۔
وَاَحَبُّ الْعِبَادِ اِلَى اللّٰهِ الْمُتَاَسِّىْ بِنَبِيِّهٖ ؛	77	اور تمام بندوں میں سب سے محبوب بندہ اللہ کے نزدیک وہ ہے جو اپنے نبیؐ کی تاسّی کرے۔
وَالْمُقْتَصُّ لِاَثَرِهٖ ؛	78	اور ان کے نقش قدم پر چلتا رہے۔
قَضَمَ الدُّنْيَا قَضْمًا ؛	79	آنحضرتؐ نے دنیا کو نمونہ کی بے رغبتی سے استعمال کیا تھا۔
وَلَمْ يُعِرْهَا طَرْفًا؛	80	اور دنیا کو نظر بھر کے بھی نہ دیکھا یعنی کنکھیوں سے یعنی گوشہ چشم سے بھی نہ دیکھا۔
اَهْضَمَ اَهْلِ الدُّنْيَا كَشْحًا ؛	81	آنحضرتؐ بھوک کی تکلیف کی حیثیت سے ساری دنیا کے لوگوں سے لاغر ودبلے تھے۔
وَاَخْمَصُهُمْ مِنَ الدُّنْيَا بَطْنًا ؛	82	اور پیٹ کے معاملے میں وہ تمام دنیا کے لوگوں سے زیادہ بھوکے رہنے والے تھے۔
عُرِضَتْ عَلَيْهِ الدُّنْيَا فَاَبٰى اَنْ يَّقْبَلَهَا ؛	83	آنحضرتؐ کے سامنے دنیا اور دنیا کا سارا سامان پیش کیا گیا تو آپؐ نے اسے قبول کرنے سے انکار کردیا تھا۔
وَعَلِمَ اَنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ اَبْغَضَ شَيْئًا فَاَبْغَضَهٗ ؛	84	اور انہیںؐ یہ علم ہوا کہ اللہ فلاں چیز سے بغض رکھتا ہے تو آپؐ نے بھی اس چیز سے بغض رکھا۔
وَحَقَّرَ شَيْئًا فَحَقَّرَهٗ ؛	85	اور یہ کہ اللہ فلاں چیز کو حقیر سمجھتا ہے تو آپؐ نے بھی اسے حقیر سمجھا۔
وَصَغَّرَشَيْئًا فَصَغَّرَهٗ ؛	86	اور یہ کہ اللہ فلاں چیز کو چھوٹا اور گھٹیا سمجھتا ہے تو آپؐ نے بھی اسے معمولی درجہ کی سمجھا۔
وَلَمْ يَكُنْ فِيْنَا اِلَّا حُبُّنَا مَا اَبْغَضَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ؛	87	اور اگر ہمارے اندر صرف یہی ایک خرابی موجود ہو کہ ہم اس چیز کو محبوب رکھیں جس سے اللہ ورسولؐ بغض رکھتے ہیں۔
وَتَعْظِيْمُنَا مَاصَغَّرَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ؛	88	اور ان چیزوں کی تعظیم کرنے لگیں جنہیں اللہ اور اللہ کے رسولؐ نے گھٹیا سمجھا ہوا ہے
لَكَفٰى بِهٖ شَقَاقًالِلّٰهِ ؛	89	تو یہ اتنی سی خرابی بھی اللہ کے دین میں توڑ پھوڑ کرنے کے لئے کافی ہے۔
وَمُحَادَّةً عَنْ اَمْرِاللّٰهِ ؛	90	اور اللہ کے تمام احکامات کی مخالفت ہے۔
وَلَقَدْ كَانَ .صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ . يَاْكُلُ عَلَى الْاَرْضِ ؛	91	اور یہ واقعہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ زمین پر بیٹھ کر کھانا کھایا کرتے تھے۔
وَيَجْلِسُ جِلْسَةَ الْعَبْدِ ؛	92	اور اسی طرح بیٹھ جایا کرتے تھے جس طرح عرب اپنے غلاموں کو بٹھاتے تھے۔

وَيَخْسِفُ بِيَدِهِ نَعْلَهُ ؛	93	اور حضورؐ خود اپنے ہاتھ سے اپنے جوتے کی مرمت کرلیا کرتے تھے۔
وَيَرْقَعُ بِيَدِهِ ثَوْبَهُ ؛	94	اور خود اپنے ہاتھ سے اپنے کپڑوں میں پیوند لگاتے تھے۔
وَيَرْكَبُ الْحِمَارُ الْعَارِىُ ؛	95	اور ننگی پیٹھ کے گدھے پر سواری کرلیتے تھے۔
وَيُرْدِفُ خَلْفَهُ ؛	96	اور دوسروں کے ساتھ سواری پر پیچھے بھی بیٹھ جاتے تھے۔
وَيَكُوْنُ السِّتْرُ عَلٰى بَابِ بَيْتِهِ فَتَكُوْنُ فِيْهِ التَّصَاوِيْرُ ؛	97	ایک دفعہ ان کے گھر کے دروازہ پر ایسا پردہ لٹکا ہوا تھا جس میں تصویریں بنی ہوئی تھیں اسے دیکھا تو
فَيَقُوْلُ: يَا فُلَانَةُ . لِاِحْدٰى اَزْوَاجِهِ غَيِّبِيْهِ عَنِّىْ فَاِنِّىْ اِذَا نَظَرْتُ اِلَيْهِ ذَكَرْتُ الدُّنْيَا وَزَخَارِفَهَا ؛	98	فرمایا تھا کہ اے فُلانی میری ازواج میں سے ایک عورت اس پردہ کو فوراً میری نظروں سے غائب کردو۔ چنانچہ جب میری نظر اس پر پڑی تو مجھے دنیا اور اس کے گمراہ کن سامان یاد آگئے۔
فَاَعْرَضَ عَنِ الدُّنْيَا بِقَلْبِهِ وَاَمَاتَ ذِكْرَهَا مِنْ نَّفْسِهِ ؛	99	چنانچہ حضورؐ نے دنیا سے اس طرح قلبی طور پر منہ موڑے رکھا کہ اپنی ذات میں سے دنیا کے ذکر تک کو موت کے گھاٹ اُتار دیا تھا۔
وَاَحَبَّ اَنْ تَغِيْبَ زِيْنَتُهَا عَنْ عَيْنِهِ لِكَيْلَا يَتَّخِذَمِنْهَا رِيَاشًا ؛	100	اور محبوب رکھتے تھے کہ ان کی نگاہوں سے دنیا کی زینتیں اور سجاوٹ غائب ہی رہیں تاکہ نہ سامنے ہوں گی اور نہ ان میں سے عمدہ لباس وغیرہ لینے کا موقع ہی رہے گا۔
وَلَا يَعْتَقِدَهَا قَرَارًا ؛	101	اور نہ اس دنیا کی رہائش میں الجھیں گے۔
وَلَا يَرْجُوْ فِيْهَا مُقَامًا ؛	102	اور نہ اس مقام میں اپنا مقام بنائیں گے۔
فَاَخْرَجَهَا مِنَ النَّفْسِ ؛	103	چنانچہ دنیا اور اس کے سامان کو اپنی ذات میں سے بالکل نکال دیا تھا۔
وَاَشْخَصَهَا عَنِ الْقَلْبِ ؛	104	اپنے قلب سے اس کی شخصیت ہی ختم کردی تھی۔
وَغَيَّبَهَا عَنِ الْبَصَرِ ؛	105	اور اسے اپنی نظر سے غائب کئے رکھا تھا۔
وَكَذٰلِكَ مَنْ اَبْغَضَ شَيْئًا اَبْغَضَ اَنْ يَّنْظُرَ اِلَيْهِ ؛	106	چنانچہ جو شخص کسی چیز سے بغض ونفرت رکھتا ہے وہ اسی طرح اس چیز کی طرف دیکھنے سے بھی بغض اور نفرت رکھتا ہے۔
وَاَنْ يُّذْكَرَ عِنْدَهُ ؛	107	اور اس سے بھی نفرت رکھتا ہے کہ اس چیز کا اس کے سامنے ذکر کیا جائے۔
وَلَقَدْ كَانَ فِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ مَايَدُلُّكَ عَلٰى مَسَاوِئِ الدُّنْيَا وَعُيُوْبِهَا	108	اور یقیناً رسولؐ اللہ کی زندگی میں اللہ ان پر اور ان کی آل پر درود وسلام بھیجے، وہ تمام ہدایات ہیں جن سے تجھے دنیا کی برائیوں اور اس کے عیبوں پر دلیل ملے گی۔

اِذْ جَاعَ فِيْهَا مَعَ خَاصَّتِهِ ؛	109	جیسا کہ آنحضرتؐ اپنے مخصوصین سمیت فاقوں سے رہا کرتے تھے۔
وَ زُوِيَتْ عَنْهُ زَخَارِفُهَا مَعَ عَظِيْمِ زُلْفَتِهِ ؛	110	اور اللہ سے عظیم ترین قربت رکھتے ہوئے بھی دنیا اور دنیا کی تمام دل چسپیوں اور مال و دولت سے لاتعلق رہتے رہے۔
فَلْيَنْظُرْ نَاظِرٌ بِعَقْلِهِ اَكْرَمَ اللّٰهُ مُحَمَّدًا ؐ بِذٰلِكَ اَمْ اَهَانَهُ ؟	111	چنانچہ لازم ہے کہ اہل نظر اپنی عقل کو حاضر رکھ کر اس صورت حال پر تحقیقی نظر ڈالیں اور سوچیں کہ کیا اللہ نے محمدؐ کو ایسے حال میں رکھ کر ان کی توہین کی یا ان کی عزت اور نفع رسانی کو بڑھاتا ہے؟
فَاِنْ قَالَ: اَهَانَهُ فَقَدْ كَذَبَ وَاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ؛	112	چنانچہ اگر یہ کہا جائے کہ توہین کی ہے تو یقیناً اللہ کی عظمت کی قسم اس نے سراسر جھوٹ بولا ہے۔
وَاَتٰى بِالْاِفْكِ الْعَظِيْمِ ؛	113	اور وہ ایک بہت بڑا سازشی منصوبہ پھیلانا چاہتا ہے۔
وَاِنْ قَالَ :اَكْرَمَهُ فَلْيَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهَانَ غَيْرَهُ حَيْثُ بَسَطَ الدُّنْيَالَهُ ؛	114	اور اگر یہ کہا کہ اللہ نے اس حالت میں رکھ کر حضورؐ کی عزت افزائی کی ہے تو اسے یہ بھی معلوم ہونا چاہے کہ یقیناً اللہ نے محمدؐ کے غیروں کے لئے دنیا کو چوپٹ کھول کر ان کی توہین کی ہے۔
وَزَوَاهَا عَنْ اَقْرَبِ النَّاسِ مِنْهُ ؛	115	اور تمام انسانوں سے قریب ترین شخصؐ سے دنیا کا رخ موڑے رکھا۔
فَتَاَسّٰى مُتَاَسٍّ بِنَبِيِّهِ ؛	116	چنانچہ ہر پیروی کرنیوالے کو چاہئے کہ اپنے نبیؐ کی پیروی کرتا چلا جائے۔
وَاقْتَصَّ اَثَرَهُ وَلَجَ مَوْلِجَهُ ؛	117	اور انہی کے نقش قدم پر قدم رکھتا ہوا چل کر انہی کے مقدس مکان میں آئے
وَاِلَّا فَلَا يَاْمَنُ الْهَلَكَةَ ؛	118	اور اگر ایسا نہ کیا تو دینی و دنیاوی تباہی سے امان نہیں مل سکتی۔
فَاِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ عَلَمًا لِّلسَّاعَةِ ؛	119	یقیناً اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کو قیامت کے لئے سنگِ میل و نشان و پرچم بنایا ہے نیز،
وَمُبَشِّرًا بِالْجَنَّةِ ؛	120	انہیں جنت کی خوشخبریاں دینے پر تعینات کیا ہے۔
وَمُنْذِرًا بِالْعُقُوْبَةِ ؛	121	اور عذاب اور مواخذہ سے ڈرانے والا بنایا ہے۔
خَرَجَ مِنَ الدُّنْيَا خَمِيْصًا ؛	122	وہ حضورؐ دنیا سے بھوک کے عالم ہی میں نکل کھڑے ہوئے۔
وَوَرَدَ الْاٰخِرَةَ سَلِيْمًا ؛	123	اور سلامتیوں کے ساتھ آخرت پر وارد ہوئے۔
لَمْ يَضَعْ حَجَرًا عَلٰى حَجَرٍ ؛	124	انہوں نے مکان بنانے کے لئے پتھر پر پتھر نہ رکھا۔
حَتّٰى مَضٰى لِسَبِيْلِهِ ؛	125	یہاں تک کہ اپنی راہ پر چلے گئے۔

وَ اَجَابَ دَاعِیَ رَبِّہٖ ؛	126	اور اپنے رب کی طرف دعوت دینے والے کی دعوت کو منظور کرلیا۔
فَمَا اَعْظَمَ مِنَّۃَ اللّٰہِ عِنْدَنَا حِیْنَ اَنْعَمَ عَلَیْنَا بِہٖ سَلَفًا نَتَّبِعُہٗ ؛	127	چنانچہ یہ اللہ کا کتنا عظیم الشان احسان ہم پر ہوا کہ اس نے ہمیں آنحضرتؐ کو بطور انعام بھیجا جن کی ہم پیروی کرتے ہیں۔
وَقَائِدًا نَّطَأُ عَقِبَہٗ ؛	128	اور ہم اسی قائد کی قیادت میں قدم بقدم ان کے پیچھے چلتے ہیں۔
وَاللّٰہِ لَقَدْ رَقَعْتُ مِدْرَعَتِیْ ھٰذِہٖ حَتّٰی اسْتَحْیَیْتُ مِنْ رَّاقِعِھَا ؛	129	خدا کی قسم ان کی پیروی میں میںؑ نے اپنی اس قمیص میں اتنے پیوند لگائے ہیں کہ مجھے پیوند لگانے والے سے اب شرم آنے لگی ہے۔
وَلَقَدْ قَالَ لِیْ قَائِلٌ : اَلَاتَنْبِذُ ھَا عَنْکَ ؟	130	مجھ سے ایک کہنے والے نے کہا کہ کیا تم اب اس قمیص کو چھٹی نہ دو گے؟
فَقُلْتُ اغْرُبْ عَنِّیْ فَعِنْدَالصَّبَاحِ یُحْمَدُ الْقَوْمُ السُّرٰی ؛	131	میں نے جواب دیا کہ دور ہو جا رات بھر سفر کرنے والی قوم کے لوگ صبح ہی کے وقت رات کے سفر کی قدر کرتے اور اس کی مدح کیا کرتے ہیں“

تشریحات:

سب سے پہلے یہ بتاتے ہیں کہ اللہ کے ہر حکم کو آخری حکم سمجھنا چاہئے یعنی یہ اُمید رکھ کر عمل درآمد کرنا چاہئے کہ اِس حکم یا فلاں حکم میں آگے چل کر کچھ ردوبدل یا ترمیم ہو جائے گی۔ مطلب یہ ہے مجتہدین کا یہ تصور اپنی بنیاد ہی میں غلط ہے کہ احکام میں زمانہ اور ضرورت کے ساتھ تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ نئے احکام آتے رہتے ہیں اور پُرانے احکام ختم ہوتے رہتے ہیں اسی کو مجتہدانہ زبان میں منسوخ ہونا یا تنسیخ کہا جاتا ہے اُن کے عقائد میں قرآن یا اسلام کے بہت سے احکام اللہ نے نازل کر کے منسوخ یعنی ختم کر دیئے۔ اُن کی وہ دو قسمیں بیان کرتے ہیں ایک وہ جو قرآن میں موجود ہیں مگر اُن پر عمل ختم ہو چکا ہے اور دوسرے وہ جو قرآن سے بھی ہٹا لئے گئے۔ یعنی خود رسولؐ اللہ کو بھی بھلا دیا گیا اور تمام یاد کرنے والے بھی بھول گئے۔ اور اس غلط تصور کو پھیلانے کے لئے قرآن سے ایک آیت بھی ثبوت میں پیش کی جاتی ہے۔ وہ آیت اور مودودی کا ترجمہ پہلے سنئے:

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَۃٍ اَوْنُنْسِھَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْھَآ اَوْ مِثْلِھَا اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌO (2/106)

مودودی ترجمہ: ”ہم اپنی جس آیت کو منسوخ کر دیتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں اُس کی جگہ اُس سے بہتر لاتے ہیں یا کم از کم ویسی ہی۔ کیا تم جانتے نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔“ (تفہیم جلد اول صفحہ 101)

اس پر تشریح کرتے ہوئے علامہ نے عیسائیوں اور یہودیوں پر الزام عائد کیا ہے اور لکھا ہے کہ:

علامہ کی تشریح:

”109؎ اس کے جواب میں اللہ فرماتا ہے کہ میں مالک ہوں میرے اختیارات غیر محدود ہیں۔ اپنے جس حکم کو چاہوں منسوخ کر دوں اور جس چیز کو چاہوں حافظوں سے محو کر دوں۔ مگر جس چیز کو میں منسوخ یا محو کرتا ہوں اُس سے بہتر چیز اُس کی جگہ پر لاتا ہوں۔ یا کم از کم وہ اپنے محل میں اُتنی ہی مفید اور مناسب ہوتی ہے جتنی پہلی چیز اپنے محل میں تھی۔“ (ایضاً صفحہ 102-101)

یہ تھی وہ آیت اور علامہ کا ترجمہ اور تشریح مگر عیسائیوں اور یہودیوں کا اور ساری دُنیا کا اعتراض اپنے مقام پر برقرار رہ گیا۔ جواب میں یہ بتانا چاہئے

تھا کہ اللہ کو کسی آیت یا آیات کے منسوخ کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی ہے اور وہ مستقل حکم یا آیت کیوں نہیں بھیج سکتا؟

اسی کو حضرت علی علیہ السلام خطبہ میں واضح فرمارہے ہیں کہ: ''اللہ کا حکم آخری فیصلہ ہوتا ہے اور حکمت سے بھرپور ہوتا ہے (181/1)

اس سلسلے میں اپنا ایک بیان اپنی تفسیر سے یہاں نقل کرتے ہیں تاکہ اختصار بھی رہے اور قارئین کی سمجھ میں وہ تمام سازش بھی آجائے جو قریشی علمانے کی تھی اور جس میں شیعہ وسنی تمام مجتہدین برابر کے شریک رہتے چلے آرہے ہیں۔ لہٰذا تفسیر احسن التعبیر کا اقتباس نمبر 79 پڑھئے:

''79۔ناسخ ومنسوخ کو بھی لفظ متشابہات کی طرح قرآن کو مہجور ومشکوک کرنے میں استعمال کیا گیا۔

''یہ آیت (2/106) قومی لیڈروں کیلئے ایک ایسا حربہ بن گئی جس سے تمام سابقہ شریعتیں، تمام الہامی کتابیں تمام انبیا علیہم السلام کی محنتیں، تبلیغ، قربانیاں اور عملی زندگیاں ضائع ہوکررہ گئیں۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ تک لاکھوں سال کی خدائی تعلیمات کو منسوخ کہہ کر بے سود کردیا گیا۔ پھر آنحضرتؐ کی عمر کے بڑے اور تہائی (2/3) زمانہ کو بھی بیکار سمجھا گیا۔ پھر اعلان نبوت کے بعد تیئیس (23) سالوں کی تبلیغ وہدایات میں سے مکے کے تیرہ سال کہیں شمار نہیں ہوئے۔ اس طرح لاکھوں سال کی تبلیغ وہدایات کو منسوخ قرار دے کر الگ کردیا گیا۔ اور اس قرآن کے متعلق مجتہدین نے یہ فیصلہ کیا کہ اس میں صرف چار یا پانچ سوایسی آیات ہیں۔ جن سے دینی احکامات نکلتے ہیں۔ باقی کچھ آیات متشابہات ہیں جن کے معنی ومفاہیم قطعی واضح نہیں ہیں۔ کچھ منسوخ بمعنی متروک یا ساقط العمل (Cancelled) ہیں۔ کچھ آیات مجمل ہیں۔ کچھ عام ہیں کچھ خاص ہیں کچھ مطلق ہیں کچھ مقید ہیں۔ یعنی چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ (6666) آیات میں سے کم از کم چھ ہزار آیات عام انسانوں کے کام کی نہیں ہیں۔

یعنی ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا علیہم السلام اور ان کی کتابوں میں سے ایک کتاب قبول کرکے اُس کے بھی بارہویں حصے کو لیا گیا اور گویا گیارہ حصے امت محمدیہؐ کے لئے نہیں ہیں۔ یہ ایک داستان دردوالم ہے۔ جس کو ہم نے جگہ جگہ بیان کیا ہے اور قارئین کو ہماری آہوں کی گرمی برابر محسوس ہوتی چلی جائے گی۔ اُن حضرات نے منسوخ کے معنی اپنی اسکیم کے زور وجبر سے ''ساقط العمل'' (Cancelled) کرکے ساری دُنیا میں پھیلادیئے۔ لیکن عربی زبان کے قواعد وضوابط اور خود قرآن اُن کا منہ چڑاتا رہا ہے۔ جس طرح پانچ ضرب چھ (5X6) تیس (30) ہی ہوتے ہیں۔ اور کسی کی علمی پوزیشن انہیں تیس (30) سے کم وبیش نہیں کرسکتی اور جس طرح یہاں دوسری جماعت کا بچہ اور ایک ایم ایس سی یا علامہ بالکل برابر ہیں اسی طرح عربی زبان کے الفاظ کے معنی کا حال ہے۔ وہاں ہر تصور کے لئے ایک مستقل لفظ طے شدہ ہے۔ ن۔س۔خ۔ مادہ ہے۔ اس سے مصدر (نَسخٌ) بنتا ہے۔ اور اُس کے مسلّمہ معنی ہیں۔

''کسی پہلے سے لکھی ہوئی عبارت کو ہو بہو نقل کرکے ضابطہ تحریر میں لانا'' نَسخٌ میں اور کتابت میں یہی فرق ہے ورنہ دونوں کے معنی ''لکھنا'' کئے جاسکتے ہیں۔ اس کے علاوہ جتنے معنی کئے گئے ہیں وہ سب کھینچ کر اور مراد درمراد لے کر گھڑے گئے ہیں اور اس گھڑنت کو ثابت کرنے اور صحیح دکھانے کے لئے مثالیں اور روایات گھڑی گئی ہیں۔ اور یہ اور بہت کچھ قرآن کو مہجور ومشکوک کرنے کے لئے کیا گیا ہے۔ اور اس باطل پالیسی کو چلانے پھیلانے اور منوانے کے لئے زروجواہر، تلواروں کی مار اور قومی تعصّبات اور مکروفریب کی تمام ٹیکنیک ختم کردی گئی (تفصیلات کتاب نظام ہدایت وتقلید میں) لیکن قرآن ایک معجزہ ہے۔ اس پر پردہ تو ڈالا جاسکتا ہے اس کے حقائق کو بھی چھپایا جاسکتا ہے مگر اس کے حقائق کو باطل میں تبدیل نہیں کیا جاسکتا ہے۔ بہرحال ہم ان باطل پرستوں کو خود قرآن سے پکڑ کر دکھادیا کرتے ہیں۔ قرآن پھر سُنیئے۔

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَO(اعراف 7/154)

مودودی ترجمہ: ''۔پھر جب موسیٰ کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو اُس نے وہ تختیاں اٹھالیں جن کی تحریر میں ہدایت اور رحمت تھی اُن لوگوں کیلئے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔''(تفہیم 2 صفحہ 82۔83)

آپ نے دیکھا کہ لفظ ''نسخ'' کے معنی تحریر کے گئے ہیں اور کہیں منسوخ یا تارک الاعمالی (cancelled) کا وہم تک بھی نہیں ہوتا ہے۔اس آیت کے سارے ترجمے دیکھ جائیے سب نے وہی معنی کئے ہیں جو اردو زبان میں نسخہ کے معنی ہوئے ایک اور مقام دیکھئے۔

هٰذَا كِتٰبُنَا يَنطِقُ عَلَيْكُم بِالْحَقِّ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنسِخُ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُوْنَO(45/29)

علامہ رفیع الدین کا ترجمہ۔''یہ ہے کتاب ہماری بولتی ہے اُپر تمہارے ساتھ حق کے تحقیق ہم لکھتے تھے جو تھے تم عمل کرتے''۔(علامہ رفیع الدین)

ہمارے علامہ مودودی کو اس آیت کے ترجمہ کے دوران بڑی احتیاط اور اصلاح کی ضرورت پیش آئی ہے اس آیت (45/29) میں لفظ کتاب کچھ جچا نہیں اُنھوں نے اپنی جیب خاص سے اس کا ترجمہ اعمالنامہ کر دیا ہے پھر یہ بھی پسند نہ آیا کہ اعمال لکھنے کا کام خود اللہ کرتا پھرے اس لئے انھوں نے (ہم لکھتے جاتے تھے) کی جگہ ''ہم لکھواتے جاتے تھے'' بہر حال اللہ کی دونوں غلطیاں سنوار دی ہیں۔لہٰذا ثابت ہوا اور خود قرآن سے اور تمام مترجمین کے دھنے ہاتھ سے ثابت ہوا کہ لفظ ''نسخ'' کے معنی ہیں ''ہم لکھتے ہیں'' یا ''ہم لکھیں گے'' اس لفظ میں پہلا نون جمع متکلم ''ہم'' کے لئے ہے اس کے بعد باقی رہجاتا ہے لفظ ''نسخ'' اور اس کے معنی کسی ریکارڈ کو لفظ بلفظ ھو بہو نقل کرنا۔اور بس۔لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قرآن کی آخری آیت کی تلاوت تک اللہ نے اپنا کوئی حکم یا آیت نہ بدلا نہ ساقط العمل کیا نہ موقوف قرار دیا۔البتہ یہ کام مجتہدین نے قاضیوں اور حکمرانوں نے اور دنیا کے مقننین نے ہمیشہ کیا۔یعنی جیسے ہی انہیں اپنے کسی حکم یا قانون میں غلطی نظر آئی یا خامی دکھائی دی تو انھوں نے اس حکم کو ساقط کیا یا تبدیل کیا یا نیا حکم جاری کیا۔قرآن نے بار بار یہ تو کہا ہے کہ میں سابقہ تمام ہی کتابوں کی تصدیق کرتا ہوں یہ کہیں نہیں کہا کہ میں سابقہ کتابوں یا ہدایات و تعلیمات کو یا اُن میں سے بعض کو ساقط و باطل و موقوف یا ممنوع کرتا ہوں۔علامہ لوگ مانیں یا نہ مانیں سمجھیں یا نہ سمجھیں مگر ہر زمانہ میں اور آج بھی تمام سابقہ تعلیمات پر عمل ہوتا چلا آیا ہے اور عیسایوں کو انجیل پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے (5/66) اور یہود و نصارا پر توریت و انجیل کو قائم کرنے کے سلسلے میں نعمتوں کی بارش کرنے کا وعدہ کیا ہے۔لیکن وہ بھی مسلمانوں کی طرح الہامی کتابوں کی جگہ اپنے مجتہدانہ دین پر عمل کر رہے ہیں۔اور وہ بھی مسلمانوں کی طرح احکام کے ساقط العمل ہونے کے معتقد ہیں۔مسلمانوں نے اپنے اجتہاد سے قرآن کا حکم ساقط کر کے آل رسولؐ کے لئے خمس بند کر دیا مولفتہ القلوب کا حق مار کھایا۔پھر ہم کہتے ہیں کہ سارا قرآن منسوخ ہے یعنی لوح محفوظ سے نقل ہو کر تحریر میں آیا ہے۔لکھا ہوا ہے۔اور یہ کہ کسی آدمی پر ہر حکم ہر وقت واجب نہیں ہوتا۔مگر لکھا ہوا یعنی منسوخ ہر وقت ہے۔مثلاً لکھی ہوئی یا منسوختی حیثیت سے ہر بالغ مسلمان پر دین کے تمام احکام حج، زکوۃ، روزہ، نماز وغیرہ وغیرہ سب واجب ہیں۔مگر وہ تمام لکھے ہوئے یا منسوخ پڑے رہیں گے۔جس حکم کی شرطیں پوری ہوتی جائیں گی وہ واجب الادا ہوتا چلا جائے گا۔تب بھی ایک وقت میں ایک ہی پر عمل کرے گا۔باقی تمام منسوخ لکھے ہوئے رہیں گے۔صبح کی نماز پڑھ لی تو اگلی صبح تک صبح کی نماز منسوخ ہے۔مکہ والی حالت پیدا ہوگی تو وہاں والے تمام احکام پر عمل ایک ایک کر کے واجب ہوتا چلا جائے گا۔حج کر لیا تو ساری عمر کے لیے منسوخ ہے۔منسوخ ہونا فطری بات ہے۔مگر منسوخ کے معنی ساقط العمل ہونا ایک شیطانی بات ہے۔اللہ کا ہر حکم مستقل مکمل آخری اور حکمتوں سے لبریز ہوتا ہے (1)۔

ایک اور بحث یہ ہے کہ اس آیت (2/106) میں لفظ آیت کے معنی ''معجزہ'' یا ''نشانی'' لینے سے کس نے منع کیا ہے؟ اور کس لفظ کا تقاضہ ہے کہ آیت کے معنی ضرور قرآن کا جملہ کیا جائے جبکہ آیت میں لفظ ''نسھا'' منع کرتا ہے کہ وہاں آیت کے معنی جملہ نہ کیا جائے۔ کیونکہ جب ایک جملے کو وحی کی صورت میں رسول اللہؐ پر اتار دیا اور اُسے لاتعداد لوگوں نے سن لیا اور یاد کرلیا اور لکھ دیا تو سب کے دماغوں اور حافظوں اور ریکارڈ سے اسے غائب کرنا ایک غیر فطری بات ہے۔ یہ تو صحیح ہے کہ اللہ پاک ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے مگر وہ پاگل نہیں ہے لہٰذا گدھا بن جانے پر ہرگز قدرت نہیں رکھتا ہے۔ غلط کام پر ہرگز قدرت نہیں رکھتا ہے۔ اللہ ہرگز ایسی مجبوری سے دوچار نہیں ہوسکتا کہ اسے خلاف فطرت غلط کام کرنا پڑے بہرحال جس کا دل نہ مانتا ہو وہ نہ مانے ہمارا کام بتانا، سمجھانا اور قرآن سے دلیل لانا ہے۔ معجزات بتدریج فراموش ہوتے رہے ہیں۔ ان کے بعد اچھے معجزات آتے رہے ہیں۔ لوگ قرآن کی سورتیں یاد کر کے بھول جاتے ہیں مگر سب بیک وقت بھول جائیں اس پر دلیل نہیں لائی جاسکتی ہے لہٰذا یہ ایک قریشی سازش تھی وہ قرآن کے ساتھ سازشیں کرتے رہے ہیں خود قرآن نے بتایا ہے (25/30-31) وہ قرآن کو جھٹلاتے رہے ہیں (6/66)۔'' یہاں احسن التعبیر کا اقتباس ختم ہوگیا۔

2۔ انبیاعلیھم السلام کا ادب واحترام اور مختصر سیرت ومخصوص عمل درآمد:۔ دوسرا مخصوص پہلو حضرات انبیاء علیھم السلام کے مختصر حالات ہیں۔ اس میں سب سے پہلے تو یہ دیکھیئے کہ آپؐ انبیاءؑ کے لئے صلی اللہ علیہ ضرور لکھتے ہیں لیکن ان کی آل کا تذکرہ نہیں کرتے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جن انبیاءؑ کا تذکرہ فرمایا ہے اُن کی آل آلِ محمدؐ کی طرح متعین ومشخص نہیں چلی ہے۔ اسی لئے صلوٰۃ کو اُن ہی پر روک دیا ہے اُن میں حضرت داود علیھم السلام زبردست بادشاہ تھے لیکن اُن کی زندگی بالکل فقیرانہ اور محنت کشانہ دکھائی ہے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیھما السلام کو بھی نہایت سادہ زندگی بسر کرنے والا دکھایا ہے۔ سب کو جنگل کا گھانس اور سبزی کھانے پر راغب بتایا ہے۔ حضرت داوٗدٗ علیہ السلام کے لئے لفظ صاحب مزامیر فرمایا ہے اور قاری جنت قرار دیا ہے۔ ان کے لئے قرآن نے بھی حضرت داوٗدٗ کی مدح وثنا کی ہے اللہ نے فرمایا کہ:

وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَO (21/79)

مودودی کا ترجمہ وتشریح ''۔ داوٗدؑ کے ساتھ ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو مسخر کردیا تھا جو تسبیح کرتے تھے اس فعل کے کرنے والے ہم ہی تھے۔'' (تفہیم جلد 3 صفحہ 174)

تشریح ''۔ 71 مَعَ دَاوٗدَ کے الفاظ ہیں لِدَاوٗدَ کے الفاظ نہیں یعنی داوٗد علیہ السلام کے لئے ''نہیں بلکہ اُن کے ساتھ'' پہاڑ اور پرندے مسخر کئے گئے تھے اور اس تسخیر کا حاصل یہ تھا کہ وہ بھی حضرت ممدوح کے ساتھ اللہ کی تسبیح کرتے تھے۔ یہی بات سورہ ص میں بیان کی گئی ہے: اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ Oوَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً كُلٌّ لَّهٗ اَوَّابٌO ہم نے اس کے ساتھ پہاڑوں کو مسخر کردیا تھا کہ صبح وشام تسبیح کرتے تھے اور پرندے بھی مسخر کردیئے تھے جو اکھٹے ہوجاتے تھے سب اس کی تسبیح کو دہراتے تھے۔'' سورہ سباء میں اس کی مزید وضاحت یہ ملتی ہے کہ يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۔ پہاڑ کو ہم نے حکم دیا کہ اس کے ساتھ تسبیح دھراؤ اور یہی حکم پرندوں کو دیا۔'' ان ارشادات سے جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت داوٗدؑ جب اللہ کی حمد وثنا کے گیت گاتے تھے تو ان کی بلند اور سریلی آواز سے پہاڑ گونج اٹھتے تھے پرندے ٹھیر جاتے تھے اور ایک سماں بندھ جاتا تھا۔'' (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 174۔175)

3 ۔ آخر میں آنحضرتؐ کی سیرۃ پر خطبے کو مکمل کر دیا ہے۔

پھر آپؑ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کی سیرۃ اور دنیا کی بے رغبتی پر ہر پہلو سے روشنی ڈالی ہے اور چھوٹی سے چھوٹی بات بھی نظر انداز نہیں فرمائی ہے۔لیکن قریش بھی اُن کی طرز زندگی کو پسند نہ کرتے تھے اور رفتہ رفتہ مسلمان اُن سے بہت دور نکل گئے۔ یہاں تک آج اُن کے طریقوں کو اختیار کرنا سب سے بڑی توہین کی بات ہے۔آج کون اپنا جوتا خود گانٹھنے کو تیار ہے؟ کون خود پیوند لگائے گا۔اور پیوندوں والے کپڑے پہنے گا؟ بہرحال یہ فرما دیا گیا ہے کہ جسے اُن کی صرف ایک بات پسند نہ ہو اس کی عاقبت تباہ و برباد ہو جائے گی۔لیکن مسلمانوں کو عاقبت کی فکر ہی کہاں ہے؟ یعنی یہ نمازی ہوتے ہوئے بھی جہنمی ہیں۔اور جنتی ہونے کا یقین رکھتے ہیں۔ اِنَّالِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر: 159

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 160

خُطبہ ﴿182﴾

1۔رسولؐ اللہ کے ساتھ اللہ نے کیا کیا بھیجا تھا؟ 2۔آنحضرتؐ کا شجرہؐ۔ 3۔شریعت کی کچھ نا معلوم راہیں بھی آشکار کی گئی تھیں۔ 4۔اسلام کے علاوہ دین اختیار کرنے کا نتیجہ۔ 5۔تقویٰ کی تاکید۔ 6۔دنیا کی اچھی معلوم ہونے والی چیزوں سے بچنے کی تاکید کیوں؟ 7۔گزشتگانِ دنیا کا حال۔ 9۔کیسے ڈراجانا مفید ہے؟

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

بَعَثَهُ بِالنُّوْرِ الْمُضِيْٓءِ ؛	1	آنحضرتؐ کو روشن کرنے والے نور کے ساتھ مبعوث فرمایا،
وَالْبُرْهَانِ الْجَلِيِّ ؛	2	اور چمکتے ہوئے برہان و دلیل کے ساتھ بھیجا گیا۔
وَالْمِنْهَاجِ الْبَادِیْ ؛	3	واضح اور ہویدا راہ عمل عطا کی۔
وَالْكِتَابِ الْهَادِیْ ؛	4	اور ہدایت کرنے والی مکمل کتاب دی۔
اُسْرَتُهُ خَيْرُ اُسْرَةٍ ؛	5	ان کو مضبوط کرنے والا خاندان تمام خاندانوں سے بہتر ہے۔
وَشَجَرَتُهُ خَيْرُ شَجَرَةٍ ؛	6	اور ان کا شجرہ تمام شجروں سے بہتر ہے جس کی
اَغْصَانُهَا مُعْتَدِلَةٌ ؛	7	شاخیں اعتدال کے مطابق ہیں۔
وَثِمَارُهَا مُتَهَدِّلَةٌ ؛	8	اور جس کے پھل جھکے اور لٹکے ہوئے ہیں۔
مَوْلِدُهُ بِمَكَّةَ ؛	9	ان کی جائے پیدائش مکہ میں
وَهِجْرَتُهُ بِطَيْبَةَ ؛	10	اور ہجرت مدینہ طیبہ میں ہوئی۔
عَلَا بِهَا ذِكْرُهُ ؛	11	جہاں سے انؐ کا تذکرہ بلند ہوا اور
وَامْتَدَّ مِنْهَا صَوْتُهُ ؛	12	جہاں سے آپ کی آواز پھیلتی گئی۔
اَرْسَلَهُ بِحُجَّةٍ كَافِيَةٍ ؛	13	اللہ نے اُنؐ کو ایسی حجت اور ثبوت کے ساتھ بھیجا کہ جو ہر صورت کیلئے کافی تھی۔
وَمَوْعِظَةٍ شَافِيَةٍ ؛	14	اور شفا دینے والے وعظ اور نصیحتیں عطا کیں۔
وَدَعْوَةٍ مُتَلَافِيَةٍ ؛	15	اور ایسی تحریک عطا کی جو تمام سابقہ خرابیوں کی تلافی و تدارک کر سکتی تھی۔
اَظْهَرَ بِهِ الشَّرَائِعَ الْمَجْهُوْلَةَ ؛	16	اور انؐ ہی کے ذریعہ سے وہ تمام قوانین اور شریعتیں واضح ہوئیں جن کو مجہول اور

		نا معلوم کرلیا گیا تھا ۔
وَقَمَعَ بِهِ الْبِدَعَ الْمَدْخُولَةَ ؛	17	اور ہر معاملے پر عمل دخل اور تسلّط رکھنے والی بدعتوں کو اُکھاڑ پھینکا۔
وَبَيَّنَ بِهِ الْاَحْكَامَ الْمَفْصُولَةَ ؛	18	اور ان تمام احکامات کو واضح طور پر بیان کیا جو مفصل طور پر موجود تھے۔
فَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا تَتَحَقَّقُ شِقْوَتُهُ ؛	19	چنانچہ اب جو کوئی دین اسلام کی وضاحت کے بعد بھی کوئی اور دین پسند کر کے اختیار کرے اسکے محتاجی پھیلانے والے منصوبے کی تصدیق ہوگی۔
وَتَنْفَصِمُ عُرْوَتُهُ ؛	20	اور اس کا نظام درہم و برہم ہوگا۔
وَتَعْظُمُ كَبْوَتُهُ ؛	21	اس کا منہ کے بل گرنا بڑی بات ہوگی۔
وَيَكُوْنُ مَابُهُ اِلَى الْحُزْنِ الطَّوِيْلِ ؛	22	اور اس کا آخری ٹھکانہ اور پناہ بہت طویل رنج و غم ہوگا۔
وَالْعَذَابِ الْوَبِيْلِ؛	23	اور ہلاکت انگیز عذاب میں رہنا ہوگا۔
وَاَتَوَكَّلُ عَلَى اللّٰهِ تَوَكُّلَ الْاِنَابَةِ اِلَيْهِ ؛	24	میں تو اللہ پر ایسا توکل رکھتا ہوں جو اسکی قربت و نیابت کے شایانِ شان توکل ہے۔
وَاَسْتَرْشِدُهُ السَّبِيْلَ الْمُؤَدِّيَةَ اِلَى جَنَّتِهِ الْقَاصِدَةَ اِلَى مَحَلِّ رَغْبَتِهِ ؛	25	اور ایسے راستے کی طرف رشد و ہدایت چاہتا ہوں جو جنت میں پہنچانے اور میری پسند و ارادے کے مطابق منزل مقصود تک لے جانے والا ہے۔
اُوْصِيْكُمْ عِبَادَاللّٰهِ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَطَاعَتِهِ ؛	26	اے بندگان خدا میں تمہیں اللہ کے لئے ذمہ دار بننے اور اس کی اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔
فَاِنَّهَا النَّجَاةُ غَدًا ؛	27	چنانچہ وہ دونوں کل نجاۃ کے ضامن ہیں۔
وَالْمَنْجَاةُ اَبَدًا؛	28	اور نجات بھی دائمی نجات ہوگی۔
رَهَّبَ فَاَبْلَغَ ؛	29	اس نے تمہیں ڈرانے کو حد تک پہنچا دیا ہے۔
وَرَغَّبَ فَاَسْبَغَ؛	30	اس نے رغبت دلائی تو مرغوب چیزیں سامنے رکھ دیں۔
وَوَصَفَ لَكُمُ الدُّنْيَا وَانْقِطَاعَهَا وَزَوَالَهَا وَانْتِقَالَهَا ؛	31	اور تمہاری خاطر دنیا کی صفات میں اس کے چھوٹ جانے اور زوال پذیر ہونے اور منتقل ہونے کو بیان کیا۔
فَاَعْرِضُوْا عَمَّا يُعْجِبُكُمْ فِيْهَا لِقِلَّةِ مَايَصْحَبُكُمْ مِنْهَا ؛	32	ان چیزوں سے بچ کر رہو جو تمہیں پسند آتی ہیں اس لئے کہ ان میں سے بہت کم تمہارے ساتھ رہیں گی۔
اَقْرَبُ دَارٍ مِّنْ سَخَطِ اللّٰهِ ؛وَاَبْعَدُهَا مِنْ رِّضْوَانِ اللّٰهِ؛	33	یہ دنیا ایسا مقام ہے جو اللہ کی ناراضی سے بہت قریب ہے اور اس کی رضا مندی اور خوشیوں سے بہت ہی دور ہے۔

فَغُضُّوا عَنْكُمْ عِبَادَ اللّٰهِ غُمُومَهَا وَاشْغَالَهَا لِمَا اَيْقَنْتُمْ بِهِ مِنْ فِرَاقِهَا وَتَصَرُّفِ حَالَاتِهَا	34	چنانچہ اے خدا کے بندو تم دنیا کے غم وفکر سے اور دنیا کی مصروفیات سے چشم پوشی کئے رکھو اور یہ اس لئے کہ تمہیں یقین آچکا ہے کہ اس سے جدائی اور دوری ہونا ہے اور اس کے حالات نے بدلنا ہے۔
فَاحْذَرُوهَا حَذَرَ الشَّفِيقِ النَّاصِحِ ؛	35	چنانچہ تم لوگ اس دنیا سے اسی طرح بچ کر رہو جس طرح ایک نرم دل نصیحت کرنے والا بچ کر رہا کرتا ہے۔
وَالْمُجِدِّ الْكَادِحِ ؛	36	اور جس طرح ایک کوشش کرنے والا بچا کرتا ہے۔
وَاعْتَبِرُوا بِمَا قَدْ رَاَيْتُمْ مِنْ مَّصَارِعِ الْقُرُونِ قَبْلَكُمْ ؛	37	اور تم اپنے اس آنکھوں دیکھے حال سے سبق لو جو تم نے اپنے سے پہلے کے لوگوں کے مر کر گرنے سے متعلق خود دیکھا ہے۔
قَدْ تَزَايَلَتْ اَوْصَالُهُمْ ؛	38	یقیناً ان کے اعضاء اپنے جوڑوں سے الگ ہوگئے۔
وَزَالَتْ اَبْصَارُهُمْ وَاَسْمَاعُهُمْ ؛	39	اور ان کی آنکھیں اور کان دیکھنے سننے کی طاقت وقوت سے ناکارہ ہوگئے۔
وَذَهَبَ شَرَفُهُمْ وَعِزُّهُمْ ؛	40	اور ان کی شرافت اور عزت جاتی رہی۔
وَانْقَطَعَ سُرُورُهُمْ وَنَعِيمُهُمْ ؛	41	اور ان کی مسرتیں اور نعمتیں منقطع ہوکر رہ گئیں۔
فَبُدِّلُوا بِقُرْبِ الْاَوْلَادِ فَقْدَهَا ؛	42	چنانچہ انہوں نے اپنی اولاد کی قربت کو ان کے فقدان اور گمشدگی سے تبدیل کرلیا۔
وَبِصُحْبَةِ الْاَزْوَاجِ مُفَارَقَتَهَا ؛	43	اور ازواج کی صحبت کو ان کی مفارقت اور جدائی سے بدل لیا۔
لَا يَتَفَاخَرُونَ ؛وَلَا يَتَنَاسَلُونَ ؛وَلَا يَتَزَاوَرُونَ ؛وَلَا يَتَجَاوَرُونَ ؛	44	اب نہ فخر کرنے کا موقع رہا ہے اور نہ اولاد پیدا کرنے کی گنجائش ہے اور نہ ملنا ملانا اور زیارت بجالانا ہے اور نہ ہی ہمسائیگی سے تعلق رہا ہے۔
فَاحْذَرُوا عِبَادَاللّٰهِ حَذَرَ الْغَالِبِ لِنَفْسِهٖ ؛	45	چنانچہ ان حالات سے بچو اسی طرح کا بچنا جس طرح وہ شخص بچتا ہے جو اپنے اوپر قابو رکھتا ہے اور
الْمَانِعِ لِشَهْوَتِهٖ ؛	46	جس طرح اپنی شہوتوں کو روکنے والا ڈرتا ہے اور
اَلنَّاظِرِ بِعَقْلِهٖ ؛	47	جس طرح عقل سے نظر ڈالنے والا ڈرا کرتا ہے۔
فَاِنَّ الْاَمْرَ وَاضِحٌ ؛	48	چنانچہ صورتِ حال واضح ہے۔
وَالْعَلَمَ قَائِمٌ ؛	49	اور ہدایت کے پرچم قائم ہیں۔
وَالطَّرِيقَ جَدَدٌ ؛	50	اور راہِ عمل ہموار اور سیدھی ہے۔
وَالسَّبِيلَ قَصْدٌ ؛	51	اور مقصد کے مطابق منزل پر پہنچانے والا راستہ سامنے ہے۔''

تشریحات:

یہ حقیقت بار بار واضح ہو چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ سے پہلے کے زمانہ میں تمام سابقہ شریعتوں اور قوانین کو قریش کے اباو اجداد نے ملیامیٹ کر کے رکھ دیا تھا۔ اور ایسا تصور پیدا کر دیا تھا جیسے ہزاروں سال سے کوئی نبیؑ نہ آیا ہو اور لوگ اپنی اپنی سُوجھ بُوجھ کے مطابق زندگی گزارتے رہے ہوں یعنی خدا نے اپنی ذمہ داری پوری نہ کی تھی لوگ بےقصور تھے جو کچھ سمجھ میں آتا تھا اور جس قسم کا موقع ملتا تھا نیک عمل کرنے میں کوشاں رہتے تھے۔ چنانچہ عہدرسولؐ میں قریشی لیڈروں کے بیانات قرآن میں ریکارڈ کر کے انہیں جھٹلایا گیا ہے۔

2۔ قریش نظامِ شرک واشراک میں بھی خود کو بےگناہ سمجھتے اور مشیت کو مجرم کہتے تھے۔

چنانچہ اُن لوگوں کا یہ تصور قبل از وقت ہی بتا دیا گیا تھا کہ:

سَیَقُوۡلُ الَّذِیۡنَ اَشۡرَکُوۡا لَوۡ شَآءَ اللّٰہُ مَاۤ اَشۡرَکۡنَا وَلَاۤ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمۡنَا مِنۡ شَیۡءٍ کَذٰلِکَ کَذَّبَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ حَتّٰی ذَاقُوۡا بَاۡسَنَا قُلۡ ہَلۡ عِنۡدَکُمۡ مِّنۡ عِلۡمٍ فَتُخۡرِجُوۡہُ لَنَا اِنۡ تَتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا تَخۡرُصُوۡنَ O (6/148)

''یہ لوگ بہت جلد کہیں گے کہ اگر اللہ نے چاہا ہوتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا شرک کرتے اور نہ ہی ہم کسی چیز کو حرام ٹھیراتے۔ اُسی طریقے سے ان سے پہلے کے لوگ بھی جھوٹی باتیں اور عمل کرتے رہے یہاں تک کہ اُن لوگوں نے ہمارے عذاب کا مزا چکھ لیا۔ اُن سے کہہ کہ کیا تمہارے پاس کوئی علمی ریکارڈ موجود ہے۔ موجود ہو تو ہمیں دکھاؤ۔ تم محض گمان کی پیروی کر رہے ہو اور خالص قیاس واجتہاد سے کام لے رہے ہو۔'' (6/48)

معلوم ہوا کہ عہدرسولؐ تک لوگ اپنے ذاتی خیالات وضروریات اور مصلحت واجتہاد پر عمل کرتے اور اسے صحیح سمجھتے تھے۔ یہ حال قریش اور دیگر اہل عرب کا تھا کہ ان کے نزدیک کوئی شریعت باقی تھی ہی نہیں جس پر عمل کرتے اُدھر یہود ونصاریٰ نے بھی توریت وانجیل کو قطعی طور پر چھوڑ کر اپنے دین کا دارومدار اپنے ظن وتخمین اور قیاس اور اجتہاد پر رکھ لیا ان سے کہا گیا کہ:۔

3۔ یہود ونصاری بھی قیاس واجتہاد پر چل رہے تھے؟؟

قُلۡ یٰۤاَہۡلَ الۡکِتٰبِ لَسۡتُمۡ عَلٰی شَیۡءٍ حَتّٰی تُقِیۡمُوا التَّوۡرٰىۃَ وَالۡاِنۡجِیۡلَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکُمۡ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ ...(5/68)

''۔اَے رسولؐ اہل کتاب سے کہہ دو کہ جب تک تم توریت اور انجیل پر اور جو کچھ تمہارے رب نے توریت اور انجیل کے علاوہ تم پر نازل کیا ہوا ہے اس پر کاربند نہ ہو جاؤ اور اُن کو بطور مذہب اپنے اندر قائم نہ کر لو تم دین ومذہب پر نہیں بلکہ بے دین ہو۔''

معلوم ہو کہ اہل کتاب بھی موجود تھے اور کتابیں بھی موجود تھیں اور وہ دین پر عمل بھی کر رہے تھے۔ مگر بے دین تھے یہی حال اس وقت مسلمانوں کا ہے کہ اُن کے پاس قرآن بھی ہے احادیث بھی ہیں اور وہ اپنے دین پر عمل بھی کر رہے ہیں اور ماشاءاللہ بے دین ہیں۔

4۔ خود یہود ونصارٰی بھی ایک دوسرے کو بے دین کہتے تھے؟

اور سب ایک دوسرے کو بے دین اور جہنمی قرار دیتے ہیں۔ یہی حال عہدرسولؐ میں تھا یہود ونصارٰی بھی ایک دوسرے کو بے دین کہتے تھے قرآن نے بتایا ہے:

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَO(2/113)

''۔یہودی کہتے ہیں کہ عیسائی کسی دین پرنہیں ہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہودی کسی دین پرنہیں ہیں۔حالانکہ دونوں کے پاس کتابیں ہیں اور دونوں اپنی اپنی کتابوں کی تلاوت کرتے ہیں اور جولوگ کتابوں کا علم نہیں رکھتے وہ بھی ایسا ہی کہتے ہیں جن اختلافات میں یہ لوگ مبتلا ہیں اللہ اُن کا فیصلہ قیامت میں کردے گا۔''

یہ حال تھا قریش کا اور یہود ونصارٰی اوراہل عرب کے دیگر مذاہب کا کہ وہ سب بامذہب ہوتے ہوئے بے دین تھے اورسب نے مذہب اجتہاد اختیارکررکھا تھا۔اسلئے حضرت علیؑ نے فرمایا ہے کہ''۔اللہ نے آنحضرتؐ کے ہاتھوں اُن شریعتوں کودوبارہ قائم اورغالب کرایا جنہیں اہل عرب نے ناپیداور بیکارکررکھا تھا۔''(16)اوراُن تمام مجتہدانہ ایجادات اور بدعتوں کوجڑ سے اکھڑوادیا جو ہرہرمعاملے میں مداخلت کررہی تھیں(17)اور مفصل احکام موجود تھےلیکن لیڈروں نے اُن کوغائب کررکھا تھا(18)اور یہ بات خودمسلمان اورعرب مانتے ہیں کہ انہیں اسلام کے آجانے کے بعدبھی اسلام سے ہٹ کرمذہب درکار رتھا(19)آگے چل کرحضورؐ نے عام نصیحت فرمائی ہے۔اوراطاعت وتقویٰ پرزوردیتے چلے ہیں۔دنیا سے اوردنیا کی پسندیدہ چیزوں سے بچ کررہنے کی تاکید فرمائی ہے۔اورمرنے والوں پرگزرنے والے حالات سے خوفزدہ کیا ہے۔اورخودکوپیش کیا ہے اوردین اوردین کے تمام سامان اوردلائل وبراہین کا موجودہونادکھا کرخطبہ ختم فرمادیا ہے۔

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 161

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 162

خُطبہ ﴿183﴾

1۔اللہ کی چند صفات۔2۔کائنات اور مخلوقات کا تخلیقی مادہ قدیم وازلی نہیں ہے۔

3۔انسان سے خطاب اور اس کے پیدا کرنے پر چند باتیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ خَالِقَ الْعِبَادِ ؛	1	تمام حمد وثنا اللہ کے لئے ہے جو کہ بندوں کا پیدا کرنے والا ہے۔
وَسَاطِحِ الْمِهَادِ ؛	2	اور پالے جانے کی جگہ (مھد) کو مناسب سطح دینے والا ہے۔
وَمُسِيْلِ الْوِهَادِ ؛	3	ندیوں نالوں اور دریاؤں کو بہانے اور رواں رکھنے والا ہے۔
وَمُخْصِبِ النِّجَادِ ؛	4	اور بلند زمینوں کو سرسبز کرنے والا ہے۔
لَيْسَ لِاَوَّلِيَّتِهِ الِابْتِدَاءٌ ؛	5	اس کی اوّلیت ایسی نہیں ہے کہ جس کی کوئی ابتدا ہوئی ہو۔
وَلَا لِاَزَلِيَّتِهِ انْقِضَاءٌ ؛	6	اور نہ اس کی ازلیت ہی ایسی ہے جس کا اختتام ہوسکے۔
هُوَالْاَوَّلُ لَمْ يَزَلْ ؛	7	وہ ایسا اوّل ہے کہ ہمیشہ موجود رہا ہے۔
وَالْبَاقِيْ بِلَا اَجَلٍ ؛	8	اور ایسا باقی رہنے والا ہے کہ اس کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔
خَرَّتْ لَهُ الْجِبَاهُ ؛	9	مخلوقات کی پیشانیاں اللہ کے سامنے سجدہ میں جھکی ہوئی ہیں۔
وَوَحَّدَتْهُ الشِّفَاهُ ؛	10	اور ہونٹ اس کی واحدانیت اور یکتائی بیان کرنے میں ہمنوا ہیں۔
حَدَّ الْاَشْيَاءَ عِنْدَ خَلْقِهٖ لَهَا اِبَانَةً لَّهٗ مِنْ شَبَهِهَا ؛	11	تخلیق کے دوران ہی ہر مخلوق کی حدود، خصوصیات اور صورت متعین کردی تھی تاکہ خود کو ان کے ساتھ مشابہ اور ہم شکل ہونے کا سدّ باب کردے۔
لَا تُقَدِّرُهُ الْاَوْهَامُ بِالْحُدُوْدِ وَالْحَرَكَاتِ ؛	12	اللہ کی ذات میں وہم اور اندیشے کرنے والے بھی نہ اس کے لئے حد بندی کرسکتے ہیں اور نہ اسے حرکت اور سکون میں مبتلا ہونے والا قرار دے سکتے ہیں۔
وَلَا بِالْجَوَارِحِ وَالْاَدَوَاتِ ؛	13	اور نہ ہی وہ اسے اعضاء اور آلات کا پابند ثابت کرسکتے ہیں۔
لَايُقَالُ لَهٗ : مَتٰى ؟	14	اللہ کے لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ''وہ کب سے ہے''؟
وَلَا يُضْرَبُ اَمَدٌ بِحَتّٰى ؛	15	اور نہ یہ طے کیا جاسکتا ہے کہ وہ کب تک موجود رہے گا۔

اَلظَّاهِرُ لَایُقَالُ لَهٗ ؛مِمَّا؟	16	وہ ظاہر ہے مگر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ''اس کے ظاہر ہونے کا ذریعہ کیا ہے''
وَالْبَاطِنُ لَایُقَالُ لَهٗ :فِيْمَا ؟	17	وہ پوشیدہ بھی ہے مگر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ''کس چیز میں چھپا ہوا ہے''
لَاشَبَحٌ فَيَتَقَضّٰى ؛	18	نہ وہ ایسا مجسمہ ہے جو دور ہو اور پھر نزدیک آجائے۔
وَلَا مَحْجُوْبٌ فَيُحْوٰى ؛	19	اور نہ کسی پردہ کے پیچھے ہے کہ کوئی چیز اسے احاطہ کر سکے۔
لَمْ يَقْرُبْ مِنَ الْاَشْيَاءِ بِالْتِّصَاقٍ؛	20	اس کا نزدیک ہونا ایسا نہیں کہ کوئی چیز اسے چھو سکے۔
وَلَمْ يَبْعُدْ عَنْهَا بِافْتِرَاقٍ ؛	21	اور نہ اللہ مخلوقات سے اسطرح دور اور بعید ہے کہ دونوں میں جدائی اور تفرقہ حائل ہوا ہے۔
وَلَا يَخْفٰى عَلَيْهِ مِنْ عِبَادِهٖ شُخُوْصُ لَحْظَةٍ ؛	22	اور نہ اللہ سے کسی کا کنکھیوں سے یا جھکی ہوئی آنکھوں سے دیکھنا ہی مخفی رہتا ہے۔
وَلَا كُرُوْرُ لَفْظَةٍ ؛	23	اور نہ ہی لفظوں کی تکرار اور دہرانا اس سے چھپتا ہے۔
وَلَا ازْدِلَافُ رَبْوَةٍ ؛	24	اور نہ ہی کسی اونچی چیز کی جھلک اس سے غائب رہتی ہے۔
وَلَاانْبِسَاطُ خَطْوَةٍ فِيْ لَيْلٍ دَاجٍ وَلَا غَسَقٍ سَاجٍ ؛	25	اور نہ اندھیری رات میں اور نہ گھٹا ٹوپ اندھیرے میں کسی کا قدم اُٹھانا یا بڑھانا پوشیدہ رہ سکتا ہے۔
يَتَفَيَّأُ عَلَيْهِ الْقَمَرُ الْمُنِيْرُ ؛	26	وہ اندھیری رات جس میں روشن چاند اپنی روشنی سے اجالا کرتا ہے۔
وَتَعْقُبُهُ الشَّمْسُ ذَاتُ النُّوْرِ فِي الْاُفُوْلِ وَالْكُرُوْرِ ؛	27	اور نورانی سورج رات اور چاند کا تعاقب کرتا ہوا اپنی روشنی لئے ہوئے آجاتا ہے اور رات اور چاند کے بار بار چلے جانے کی حالت میں مکرر آتا ہے اور روشنی لاتا رہتا ہے۔
وَتَقَلُّبِ الْاَزْمِنَةِ وَالدُّهُوْرِ ؛مِنْ اِقْبَالِ لَيْلٍ مُّقْبِلٍ ؛وَاِدْبَارِ نَهَارٍ مُّدْبِرٍ ؛	28	اور راتوں کے آتے اور جاتے رہنے سے اور دنوں کے ان کے بعد لگاتار پہنچتے رہنے سے اور زمانوں کے انقلاب اور بدلتے رہنے سے اور موسموں اور حالات کے ردّ و بدل سے بھی پہلے سے بلکہ
قَبْلَ كُلِّ غَايَةٍ وَّمُدَّةٍ وَكُلِّ اِحْصَاءٍ وَّعِدَّةٍ ؛	29	ہر انتہا کے پہلے سے اور ہر مدت سے قبل سے اور گنتی کئے جانے سے اور ہر شمار میں آنے والی تعداد کے پہلے سے اللہ موجود رہا ہے۔
تَعَالٰى عَمَّا يَنْحَلُهُ الْمُحَدِّدُوْنَ مِنْ صِفَاتِ الْاَقْدَارِ وَنِهَايَاتِ الْاَقْطَارِ وَتَاَثُّلِ الْمَسَاكِنِ ؛ وَتَمَكُّنِ الْاَمَاكِنِ ؛	30	اور اللہ اس سے بلند و برتر ہے جو حد بندیاں کرنیوالے حدود کے اندازے کرتے رہے ہیں اور اللہ کو سلسلہائے تخلیق کا منتہا سمجھتے رہے ہیں اور مختلف ٹھکانوں میں رہ کر تخلیق کرنے والا اور ممکنات اور مکانات پر قدرت رکھنے کی خاطر رہنے والا خیال کرتے رہے ہیں (یعنی یہ تمام فلسفیانہ بحثیں اور نظریات باطل اور لاعلمی کی دلیل ہیں)

فَالْحَدُّ لِخَلْقِهٖ مَضْرُوْبٌ ؛	31	چنانچہ حدود وانتہا تو اس کی مخلوق کے لئے ہیں۔
وَالٰی غَیْرِهٖ مَنْسُوْبٌ ؛	32	اور اللہ کے سوا دوسروں سے منسوب ہیں۔
لَمْ یَخْلُقِ الْاَشْیَآءَ مِنْ اُصُوْلٍ اَزْلِیَّةٍ ؛	33	اللہ نے مخلوقات اور چیزوں کو کسی ازلی اور ہمیشہ سے موجود مادّہ سے پیدا نہیں کیا ہے
وَلَامِنْ اَوَائِلَ اَبَدِیَّةٍ ؛	34	اور نہ ہی ایسی چیز اور مثال سے پیدا کیا جو ہمیشہ رہنے والی ہو۔
بَلْ خَلَقَ مَاخَلَقَ فَاَقَامَ حَدَّهٗ ؛	35	بلکہ جو کچھ بھی پیدا کیا ہے اس کے لئے حدود وخصوصیات وابتدا وانتہا قائم کر دی تھی۔
وَصَوَّرَ مَاصَوَّرَ فَاَحْسَنَ صُوْرَتَهٗ ؛	36	اور جن جن کو جو صورتیں دیں بہت بہترین صورتیں عطا کیں۔
لَیْسَ لِشَیْءٍ مِنْهُ اِمْتِنَاعٌ ؛	37	ان میں سے کسی بھی چیز کو یہ اختیار نہیں دیا گیا کہ وہ اللہ کی اطاعت کو منع کر سکے یا سرکشی سے پیش آ سکے۔
وَلَا لَهٗ بِطَاعَةِ شَیْءٍ اِنْتِفَاعٌ ؛	38	اور اللہ کو مخلوقات کے اطاعت کرنے اور سرکشی نہ کرنے سے کوئی نفع یا مدد نہیں ملتی ہے
عِلْمُهٗ بِالْاَمْوَاتِ الْمَاضِیْنَ کَعِلْمِهٖ بِالْاَحْیَاءِ الْبَاقِیْنَ ؛	39	اللہ کو ماضی میں گذرے ہوئے لوگوں کے مرنے کا ویسا ہی علم ہے جیسا کہ باقی زندہ لوگوں کے مرنے کا علم ہے۔
وَعِلْمُهٗ بِمَا فِی السَّمٰوٰتِ الْعُلٰی کَعِلْمِهٖ بِمَافِی الْاَرَضِیْنَ السُّفْلٰی ؛	40	اور اسے بلند وبالا آسمانوں میں جو کچھ بھی ہے اس کا اسی طرح علم ہے جیسا کہ پست ترین زمینوں کی مخلوقات کا علم ہے۔
اَیُّهَا الْمَخْلُوْقُ السَّوِیُّ؛	41	اے وہ مخلوق جسے خاص طور پر سنوار کر مناسب تخلیق عطا کی ہے۔
وَالْمُنْشَأُ الْمَرْعِیُّ فِیْ ظُلُمَاتِ الْاَرْحَامِ وَمُضَاعَفَاتِ الْاَسْتَارِ ؛	42	اور جسے رحموں کے اندھیرے میں نشو ونما دیا گیا اور تخلیقی رعایتوں سے نوازا گیا اور بہت سے پردوں کے پیچھے تجھے خاص طور پر آراستہ کیا گیا۔
بُدِئْتَ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ طِیْنٍ ؛	43	تیری تخلیق کی ابتدا ہم نے ترکیب یافتہ مٹی کے خلاصہ سے کی تھی۔
وَوُضِعْتَ فِیْ قَرَارٍ مَکِیْنٍ اِلٰی قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ؛	44	اور ایک معلومہ مقدر کے مطابق تجھے ایک مستحکم قرار گاہ میں وضع (Designed) کیا تھا۔
وَاَجَلٍ مَقْسُوْمٍ ؛	45	اور قسمت شدہ مدّت یا عمر مقرر کی تھی۔
تَمُوْرُ فِیْ بَطْنِ اُمِّکَ جَنِیْنًا ؛	46	اور تو پوشیدہ طور پر (جنین) اپنی ماں کے پیٹ میں حرکت کرتا تھا۔
لَاتُحِیْرُ دُعَآءً ؛	47	اور اسی حالت میں تو کسی کی پکار نہ سن سکتا تھا نہ جواب دیتا تھا۔
وَلَا تَسْمَعُ نِدَآءً ؛	48	اور نہ ویسے تجھے کوئی ندا یا آواز سنائی دیتی تھی۔
ثُمَّ اُخْرِجْتَ مِنْ مَّقَرِّکَ اِلٰی دَارٍ لَمْ	49	پھر تجھے تیری قرار گاہ سے نکال کر ایسے مقام پر لایا گیا جسے تو نے نہ دیکھا تھا۔

تَشۡهَدُهَا ؛		
وَلَمۡ تَعۡرِفۡ سُبُلَ مَنَافِعِهَا ؛	50	اور نہ اس مقام سے استفادہ کی راہیں پہچانتا تھا۔
فَمَنۡ هَدَاکَ لِاِجۡتِرَارِ الۡغِذَآءِ مِنۡ ثَدۡیِ اُمِّکَ ؟	51	تجھے کس نے اپنی ماں کی چھاتیوں سے دودھ چوسنے اور بھوک میں غذا حاصل کرنے کی طرف راہنمائی کی؟
وَعَرَّفَکَ عِنۡدَ الۡحَاجَةِ مَوَاضِعَ طَلَبِکَ وَاِرَادَتِکَ؟	52	اور تجھے کس نے اپنی محتاجی دور کرنے کے طریقے اور مواقع اور ارادت مندی سے تعارف کرلیا؟
هَيۡهَاتَ اِنَّ مَنۡ يُعۡجِزُ عَنۡ صِفَاتِ ذِی الۡهَيۡئَةِ وَالۡاَدَوَاتِ فَهُوَ عَنۡ صِفَاتِ خَالِقِهِ اَعۡجَزُ ؛	53	افسوس! جو ہستی ایک صورت اور شخصیت اور اعضاء و جوارح رکھنے والی سامنے موجود ہستی کی صفات و خصوصیات و تخلیق کو جاننے سے بھی عاجز ہو وہ اپنے خالق کی صفات کو جاننے سے عاجز کیوں نہ ہوگا؟
وَمِنۡ تَنَاوُلِهِ بِحُدُوۡدِ الۡمَخۡلُوۡقِيۡنَ اَبۡعَدُ ؛	54	اور کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ مخلوقات کی سی محدود صورتِ حال کے بغیر اپنے خالق کو جاننے سے دور تر نہ ہو؟''

تشریحات:

یہاں حضورؑ نے دنیا کے تمام فلسفیوں کی عموماً اور یونانی فلاسفر کی خصوصاً جڑیں اکھاڑ دی ہیں اُن کے دلائل کے ہر پہلو کو مضحکہ خیز بنا دیا ہے۔ اور توحید خداوندی کو عام لکھے پڑھے لوگوں کی عقلی سطح تک نیچے اُتار کر دل نشین کر دیا ہے۔ جو لوگ اللہ کو مادی وسائل سے سمجھنے میں اپنا وقت ضائع کرتے ہیں وہ کبھی بھی اللہ کی ذات کو سمجھنے کے قابل نہ ہوں گے۔ اللہ کی ذات پاک کو سمجھنے کے لئے علیؑ و محمد علیہما السلام کی ذواتِ مقدسہ کو سمجھنا ضروری ہے۔ اُن حضرات کی معرفت حاصل ہو جانے کے بعد کسی اور تحقیق و تلاش کی احتیاج ہی نہیں رہتی ہے۔ یہ تو ایک بدہضمی ہے جو بے دینوں نے دین کو مشکوک کرنے اور سیاسی مصالح کو برسر کار لانے کی خاطر پیدا کی تھی۔ لیکن آئمہ اہلبیت صلوٰۃ اللہ علیھم نے ہمیشہ ایسے فلاسفر تیار کر کے مخالف محاذ میں پھیلائے جنھوں نے ہر زمانے کے فلاسفر کو نیچا دکھایا اور رفتہ رفتہ یہ مصنوی علم کا شعبہ ہی دنیا کی تعلیم گاہوں سے رخصت ہو گیا۔ اور مجتہدین کے درس خارجی سے بھی خارج ہو رہے ہیں اور رفتہ رفتہ خود اجتہاد اور مجتہدین فنا کے گھاٹ اُتر رہے ہیں۔ اب تو وہ وقت آ گیا ہے کہ مسلمانوں میں بھی تسخیر کائنات اور بقائے نوع انسانی کے علوم کے حاصل کرنے کی فکر پیدا ہو رہی ہے اور وہ اِن علوم کے حصول کے لئے علمائے انسانیت سے رجوع کر رہے ہیں اور اپنی موجودہ ذلیل ترین حالت اور دماغی کیفیت پر متاسّف ہیں۔ افسوس ہے کہ انھوں نے امامتؑ اور نظام امامتؑ کے خلاف محاذ بنا کر خود کو تباہ و برباد کیا۔ اپنی آخرت بھی کھوئی اور دُنیا میں بھی ذلیل و خوار ہو کر رہ گئے۔ اگر اونیس (19) دسمبر کو ضیا صاحب کو پاکستان کا ووٹ مل گیا اور پاکستانی مذہبی لیڈروں نے اُن کی پالیسی پر عمل شروع کر دیا تو ہمیں امید ہے کہ کم از کم پاکستان کے مسلمان اُن ہدایات کو اختیار کرلیں گے جو حضرت علی علیہ السلام کے خطبات میں گزرتی چلی جارہی ہیں شرط یہ ہی ہے کہ یہ لوگ ثلاثہ اینڈ کمپنی کو نظر انداز کر دیں اور علم و عقل کی پیروی کرنے لگیں۔

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 162

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 163

خُطبہ ﴿184﴾

حضرت علیؑ مملکت اسلام کے مظلوموں کی نمائندگی کرنے کیلئے عثمان سے گفتگو کرتے ہیں

عثمان ان مظالم اور حالات پر مطلع ہے جن کی شکایت لے کر مختلف شہروں کے لوگ مدینہ میں جمع ہوئے تھے۔ کیا علیؑ نے عثمان کو آنحضرتؐ کا داماد کہا ہے؟ اسلام کی مخالفت اور بدعت کا جاری کرنا۔ عثمان کے قتل کی اطلاع دے دی گئی تھی۔

لَمَّا اجْتَمَعَ النَّاسُ اِلَيْهِ وَشَكَوْا مَانَقَمُوْهُ عَلٰى عُثْمَانَ ؛	1	جب حضرت علیؑ کے پاس لوگوں کا اجتماع ہوا اور انہوں نے عثمان کے خلاف وہ
	2	شکایات پیش کیں جو قابل انتقام و مواخذہ تھیں۔
وَسَاَلُوْهُ مُخَاطَبَتَهٗ عَنْهُمْ وَاسْتِعْتَابَهٗ لَهُمْ ؛	3	اور اس سلسلے میں حضرت علیؑ سے درخواست کی کہ وہ عثمان کے سامنے ان کی نمائندگی اور مخاطبہ کریں اور اسے آمادہ کریں کہ وہ ان شکایات کا تدارک کرے۔
فَدَخَلَ عَلَيْهِ السلام عَلٰى عُثْمَانَ فَقَالَ :		چنانچہ حضرت علی علیہ السلام عثمان کے پاس آئے اور اس سے کہا کہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ النَّاسَ وَرَائِیْ ؛	1	یقیناً تمہارے خلاف شکایات لے کر آنے والے تمام مسلمان لوگ باہر میرے پیچھے منتظر ہیں۔
وَقَدِ اسْتَسْفَرُوْنِیْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهُمْ ؛	2	اور حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے مجھے اپنے اور تمہارے درمیان سفیر بنا کر بھیجا ہے۔
وَوَ اللّٰهِ مَا اَدْرِیْ مَا اَقُوْلُ لَكَ ؛؟	3	بخدا میں دراینتاً مادی ثبوت کے ساتھ یہ نہیں جانتا کہ تمہیں کونسی نئی بات بتاؤں؟
مَا اَعْرِفُ شَيْئًا تَجْهَلُهٗ ؛	4	میں کسی ایسے واقعہ کو نہیں پہچانتا جس سے تم جاہل ہو۔
وَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى اَمْرٍ لَا تَعْرِفُهٗ ؛	5	اور نہ ہی میں تمہیں کسی ایسے واقعہ کے وقوع پر استدلال کرنیوالا ہوں جسے تم پہچانتے نہ ہو۔
اِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَانَعْلَمُ ؛	6	یقیناً تم بھی ان تمام واقعات و حالات کا علم رکھتے ہو جن کا ہمیں علم ہے۔
مَاسَبَقْنَاكَ اِلٰى شَیْءٍ فَنُخْبِرُكَ عَنْهُ ؛	7	ہمیں کسی ایسے واقعہ کے علم میں سبقت حاصل نہیں ہے جس کے متعلق تمہیں خبر دے کر تمہاری معلومات میں اضافہ کریں۔
وَلَا خَلَوْنَا بِشَیْءٍ فَنُبَلِّغَكَهٗ ؛	8	اور نہ ہمیں تمہارے علاوہ کوئی ایسی اطلاع ملی ہوئی ہے جو تم تک پہنچائیں۔
وَقَدْ رَاَيْتَ كَمَارَاَيْنَا ؛	9	اور حقیقتاً تم نے وہ سب کچھ دیکھا ہے جو ہم نے دیکھا ہے۔
وَسَمِعْتَ كَمَا سَمِعْنَا ؛	10	اور تم نے بھی وہ تمام کچھ سنا ہوا ہے جو ہم نے سنا ہے۔

وَصَحِبْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ كَمَا صَحِبْنَا ؛	11	تو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کی صحبت میں اسی طرح رہتا رہا تھا جیسا ہم ان کی صحبت میں رہتے رہے ہیں۔
وَمَا ابْنُ اَبِیْ قُحَافَةَ وَلَاابْنُ الْخَطَّابِ بِاَوْلٰى بِعَمَلِ الْحَقِّ مِنْكَ ؛	12	اور نہ قحافہ کا بیٹا ابوبکر اور نہ خطاب کا بیٹا عمر حق پر عمل کرنے کی ذمہ داری میں تم سے بڑھ کر تھے۔
وَاَنْتَ اَقْرَبُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ؛	13	اورتم تو ان دونوں سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ سے قربت بھی رکھتے ہو۔اس لئے حق پر عمل کرنے میں بھی ان دونوں سے زیادہ ذمہ دار ہونا چاہیے تھا۔
وَشِيْجَةَ رَحِمٍ مِنْهُمَا ؛	14	تم ان دونوں سے رحم یا بچہ دانی کے ریشوں سے قریب ہو۔
وَقَدْ نِلْتَ مِنْ صِهْرِهٖ مَالَمْ يَنَالَا ؛	15	اور یقیناً تم رسولؐ اللہ کی سسرال تک پہنچے ہو جہاں وہ دونوں نہیں پہنچے۔
فَاللّٰهَ اللّٰهَ فِیْ نَفْسِكَ فَاِنَّكَ . وَاللّٰهِ .مَاتُبَصَّرُ مِنْ عَمًى ؛وَلَا تُعَلَّمُ مِنْ جَهْلٍ ؛	16	چنانچہ تم اللہ کے معاملے میں کچھ خوف کھاؤ۔اللہ سے ڈر۔خدا کی قسم تم اندھے نہیں ہو کہ تجھے بینائی دی جائے اور نہ تم واقعات وحالات سے جاہل ہو کہ تجھے معلومات فراہم کی جائیں۔
وَاِنَّ الطُّرُقَ لَوَاضِحَةٌ ؛	17	اور یقیناً دینی طریقے اور طرزِ عمل بالکل واضح ہیں۔
وَاِنَّ اَعْلَامَ الدِّيْنِ لَقَائِمَةٌ ؛	18	اور یقیناً دین کے نشانات قائم وموجود ہیں۔
فَاعْلَمْ اَنَّ اَفْضَلَ عِبَادِ اللّٰهِ عِنْدَ اللّٰهِ اِمَامٌ عَادِلٌ هُدِیَ وَهَدٰى ؛	19	چنانچہ یہ جان لو کہ اللہ کے تمام بندوں میں سے اللہ کے نزدیک سب سے افضل عادل امام ہوتا ہے جو خود ہدایت یافتہ ہو اور دوسروں کو ہدایت کرے۔
فَاَقَامَ سُنَّةً مَّعْلُوْمَةً ؛	20	چنانچہ وہ تمام معلومہ سنتوں کو قائم کرے اور قائم رکھے۔
وَاَمَاتَ بِدْعَةً مَّجْهُوْلَةً ؛	21	اور تمام جانی ہوئی اوران جانی بدعتوں کو موت کے گھاٹ اُتارے۔
وَاِنَّ السُّنَنَ لَنَيِّرَةٌ لَّهَا اَعْلَامٌ ؛	22	اور یقیناً تمام سنتیں روشن ہیں اوران کے نشان وثبوت موجود ہیں۔
وَاِنَّ الْبِدَعَ لَظَاهِرَةٌ لَهَا اَعْلَامٌ ؛	23	اور یقیناً تمام بدعتیں ظاہر ومعلوم ہیں اوران کے نشان وثبوت بھی موجود ہیں۔
وَاِنَّ شَرَّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ اِمَامٌ جَائِرٌ ضَلَّ وَضُلَّ بِهٖ ؛	24	اور یقیناً تمام انسانوں میں سے وہ انسان اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ شر پسند ہے جو ظلم وجور پسند امام ہو جو گمراہ ہو اور دوسروں کو گمراہ کرتا ہو۔اور جو
فَاَمَاتَ سُنَّةً مَّاخُوْذَةً ؛	25	رسولؐ سے حاصل کی ہوئی سنتوں کو موت کے گھاٹ اُتارتا ہو۔
وَاَحْيَا بِدْعَةً مَتْرُوْكَةً ؛	26	اور چھوڑی ہوئی بدعتوں کو زندہ کرتا اور رواج دیتا ہو۔
وَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ	27	اور یقیناً میں نے رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ سے سنا ہے وہ حضرت فرمایا کرتے تھے

عَلَيْهِ وَآلِهِ يَقُوْلُ : "يُؤْتَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِالْإِمَامِ الْجَائِرِ وَلَيْسَ مَعَهُ نَصِيْرٌ وَّلَا عَاذِرٌ ؛فَيُلْقَى فِيْ جَهَنَّمَ فَيَدُوْرُ فِيْهَا كَمَا تَدُوْرُ الرَّحَى ثُمَّ يُرْتَبَطُ فِيْ قَعْرِهَا"		کہ: ''ایک ظالم امام کو قیامت کے دن اس طرح لایا جائے گا کہ نہ تو اس کے ساتھ کوئی ناصر ہوگا اور نہ اس کی طرف سے کوئی عذرات پیش کرنے والا ہوگا۔ پھر اس ظالم امام کو جہنم میں ڈالا جائے گا۔ جہاں وہ اسی طرح گھومے گا جس طرح چکی گھوما کرتی ہے۔ اس گھومنے کے بعد اسے جہنم کی گہرائی سے مربوط کر دیا جائے گا۔
وَاِنِّيْ اُنْشِدُكَ اللّٰهَ اَنْ لَا تَكُوْنَ اِمَامَ هٰذِهِ الْاُمَّةِ الْمَقْتُوْلَ ؛	28	میں تمہیں اسی سلسلے میں نصیحت کرتا ہوں اور خدا کی قسم دے کر روکتا ہوں کہ تم اس امت کے وہ امام نہ بن جانا جسے قتل ہونا ہی ہے۔
فَاِنَّهُ كَانَ يُقَالُ ؛يُقْتَلُ فِيْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِمَامٌ يَّفْتَحُ عَلَيْهَا الْقَتْلَ وَالْقِتَالَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ؛	29	چنانچہ یہ بات یقین کے ساتھ کہی گئی کہ اس امت میں ایک ایسا امام قتل کیا جائے گا جو اس امت کے لئے قتل کا اور خون ریزی کا دروازہ قیامت تک کے لئے کھول دے گا۔
وَيَلْبِسُ اُمُوْرَهَا عَلَيْهَا ؛	30	اور امت پر اس کے دینی احکام اور معاملات لباس بدل لیں گے۔
وَيَبُثُّ الْفِتَنَ فِيْهَا ؛	31	اور امت میں فتنوں کو پھیلاتا چلا جائے گا۔
فَلَا يُبْصِرُوْنَ الْحَقَّ مِنَ الْبَاطِلِ ؛	32	چنانچہ امتی لوگ حق سے باطل کو الگ کر کے نہ دیکھ سکیں گے۔
يَمُوْجُوْنَ فِيْهَا مَوْجًا ؛	33	اور وہ فتنوں کے دریا کی امواج میں تہ و بالا ہوتے رہیں گے۔
وَيَمْرُجُوْنَ فِيْهَا مَرْجًا ؛	34	اور اسی حالت میں حد بھر آزادانہ روش جاری رکھیں گے۔
فَلَا تَكُوْنَنَّ لِمَرْوَانَ سَيِّقَةً يَّسُوْقُكَ حَيْثُ شَآءَ بَعْدَ جَلَالِ السِّنِّ وَتَقَضِّي الْعُمُرِ ؛	35	چنانچہ تم مروان کی ایسی سواری نہ بنو کہ وہ جدھر چاہے تمہیں ہانک کر لے جائے اور اس بڑھاپے میں تجھے ذلیل کرتا رہے اور تمہاری عمر بھی ختم ہونے کو آئی ہوئی ہے۔
فَقَالَ لَهٗ عُثْمَانُ كَلِّمِ النَّاسَ فِيْ اَنْ يُّؤَجِّلُوْنِيْ حَتّٰى اَخْرُجَ اِلَيْهِمْ مِّنْ مَّظَالِمِهِمْ ؛	36	عثمان نے حضرت علی علیہ السلام سے کہا کہ آپ ان سے بات کریں کہ وہ لوگ مجھے اتنی مہلت اور وقت دے دیں کہ میں ان پر ہونے والے مظالم کا تدارک کر سکوں۔
فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ ؛مَا كَانَ بِالْمَدِيْنَةِ فَلَا اَجَلَ فِيْهِ ؛	37	حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ جن مظالم کا تعلق خود مدینہ شہر سے ہے ان کے تدارک کے لئے کسی مہلت اور وقت کی ضرورت نہیں ہے۔
وَمَا غَابَ فَاَجَلُهٗ وُصُوْلُ اَمْرِكَ اِلَيْهِ ؛	38	اور جو مقامات دور ہیں ان کے لئے اتنی مہلت اور وقت دیا جاتا ہے کہ تمہارا فرمان وہاں پر وصول ہو جائے''

تشریحات: اس گفتگو کو ہمارے مخالفین پیش کر کے عثمان کے کچھ فضائل منوانے کی بحثیں کرتے رہے ہیں اور اُن کی بحثوں اور دلیلوں کی بنیاد اُن کہانیوں پر ہے جو خود قریش نے گھڑ کر مشہور کی ہوئی ہیں ہم قریشی خود ساختہ تاریخ اور افسانوں کو سرے سے مانتے ہی نہیں ہیں یعنی نہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کی چار بیٹیاں تھیں نہ عثمان کو سیکنڈ ہینڈ داماد بنانے کا موقع ہے۔ رہ گئے وہ نام نہاد شیعہ علما جنھوں نے اپنی کتابوں میں چار بیٹیاں مان لیا یا لکھدیا ہے وہ ملاعین خود قریش کے وظیفہ خوار علما ہیں انہیں شیعہ علما کہنے والے لوگ مغالطہ میں مبتلا رہے ہیں۔ وہ تو وہ علما ہیں جنھوں نے آنحضرتؐ کا غلط شجرہ بھی مان لیا ہے اور عمر کو داماد مرتضوی بھی مانا ہے۔ وہ سب ہمارے یہاں لعنتی ہیں قریش کی تیار کردہ تاریخ واحادیث کی کوئی ایسی بات قانوناً قابل قبول نہیں ہوسکتی جو خود قریش کی طرف داری کرتی ہو۔ اُن کو حق بجانب کہتی ہو۔ انھیں یا ان میں سے کچھ کو سچ مچ کے مومن مانتی ہو۔ یہ عدالت کا اصول اور قانون ہے ہمارا بنایا ہوا نہیں ہے۔ البتہ ہم دعوت دیتے ہیں اور چیلنج کرتے ہیں کہ اس خطبے میں استعمال شدہ الفاظ سے عثمان کے فضائل ثابت کیے جائیں۔

2۔ مغالطے کے لئے جو جملہ استعمال کیا گیا ہے وہی جملہ قریشی اسکیم کا بھانڈا پھوڑنے والا ہے۔

قریش نے بڑی کامیابی اور تدبیرؔ سے رسولؐ کے بعد رسولؐ کی حکومت حاصل کی اور حضرت علیؑ علیہ السلام کو بڑی آسانی سے محروم کیا اور تقریباً سات سو سال تک کامیاب قومی حکومت چلائی اپنی پسند کے مطابق اپنی تاریخ بنائی احادیث کو ترتیب دیا اور جو چاہا وہ کیا مگر اس کے باوجود اُن کی گھڑی ہوئی احادیث و تاریخ اُن کو وہ مقام نہ دے سکی جو انہیں ہر پہلو سے بے داغ اور حق بجانب ثابت کرسکتی۔ جگہ جگہ اُن کا پردہ فاش ہوتا اور انہیں پبلک کو دھوکا دینے کے لئے مغالطے اور فریب دینا پڑے۔ چنانچہ رسولؐ اللہ کی چار بیٹیاں ہونے اور عثمان کے سیکنڈ ہینڈ داماد ہونے میں بھی انہیں فریب و مغالطے دینا پڑے ہیں۔ اور یہ اُن کی سات سو سالہ حاکمانہ شکست کا ثبوت ہے۔ بہر حال حضرت علی علیہ السلام کا وہ جملہ سُنیے جس پر قریشی علما مغالطہ دینے پر مجبور ہوئے ہیں۔ حضورؑ نے فرمایا ہے کہ:

وَقَدۡ نِلۡتَ مِنۡ صِهۡرِهٖ مَالَمۡ يَنَالَا ؛(15) ''۔اور تم رسولؐ اللہ کی سسرال تک پہنچے ہو جہاں وہ دونوں نہیں پہنچے۔''

اس جملے کو فوراً ٹھیک ٹھیک سمجھنے کیلئے مولانا راغب اصفہانی کی لُغت سے لفظ ''۔نِلۡتَ۔'' کے بنیادی معنی دیکھئے اُنھوں نے لکھا ہے کہ:

النیل ما ینالہ الا نسان بیدہ ۔''(صفحہ 531) یعنی ''۔پہنچنا جہاں تک انسان اپنے ہاتھوں سے پہنچے۔''

بات واضح ہوگئی کہ عثمان نے اپنی کوششوں سے آنحضرت کی سسرال تک رسائی حاصل کی تھی اور ابوبکر و عمر اپنی کوششوں میں ناکام رہے تھے اس سے زیادہ اس جملے (15) سے اور کچھ حاصل نہیں کیا جاسکتا اور اُس میں یہ بات کہیں نہیں ہے کہ ''۔عثمان رسولؐ اللہ کا داماد تھا۔'' جو کچھ نکلتا ہے وہ یہی ہے کہ عثمان رسولؐ اللہ کی سسرال تک پہنچ گیا تھا۔'' اور رسولؐ اللہ کی سسرال تک پہنچنا ابوبکر و عمر تک پہنچنا ہی ہے۔ یہ دونوں آنحضرتؐ کے خُسر یا صھر ے تھے یہ لفظ ''۔صِهۡرِ۔'' قرآن میں بھی آیا ہے۔

3۔ قرآن اور لغات القرآن سے بھی عثمان رسولؐ سے دامادی کا رشتہ نہ رکھتا تھا۔ وہاں فرمایا گیا ہے کہ:

وَهُوَ الَّذِىۡ خَلَقَ مِنَ الۡمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهۡرًا ‌ؕ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيۡرًا O (فرقان 25/54)

<u>مودودی کا ترجمہ:</u> ''۔اور وہی ہے جس نے پانی سے بشر پیدا کیا پھر اُس سے نسب اور سسرال کے دو الگ سلسلے چلائے۔ تیرا رب بڑا ہی

قدرت والا ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 458)

لغات القران سے معنی کی وضاحت۔ پرویز کی لغات القران کا بیان سنئے:

''۔اَلصَّھُرُ۔گرم، شَیْءٌ صَھُرٌ گرم چیز ،اَلصَّھُرُ چربی وغیرہ کو گرم کرکے پگھلانا۔سورہ حج میں ہے یُصْھَرُ بِہٖ مَا فِیْ بُطُوْنِھِمْ (22/20) ''۔اس کے ذریعے جو کچھ اُن کے اندر ہے اُسے گلایا اور پکا دیا جائے گا۔اُن کی شدت اور سختی پگھلا دی جائے گی۔''

الصَّھْرُ۔قرابت۔اُس کے متعین مفہوم کیلئے بہت سے اقوال آئے ہیں لیکن اکثریت کا خیال اسی طرف ہے کہ بیوی کے خاندان والے اَصْھَارٌ کہلاتے ہیں اور شوہر کے خاندان والے اَخْتَانٌ۔قرآن کریم میں ہے فَجَعَلَہٗ نَسَبًا وَّصِھْرًا (25/54) نسب سے مراد وہ رشتہ داری ہے جو اپنے آباو اجداد کی طرف سے ہو اور صِھْرًا سے مراد وہ رشتہ داری ہے جو شادی کی وجہ سے پیدا ہو جائے۔'' (جلد 3 صفحہ 1052)

ثابت ہوا کہ عائشہ اور حفصہ کی وجہ سے ابوبکر وعمر حضورؐ کے سسرال یا صھرے تھے۔اور اُن تک جا پہنچنا ہی: قَدْ نِلْتَ مِنْ صِھْرِہٖ کے جملے کے معنی ہیں، نہ کہ رسولؐ کے داماد کے۔

4۔ابوبکر وعمر کا رسولؐ کی سسرال تک نہ پہنچ سکنا۔

جملے کا یہ حصہ صاف ظاہر کرتا ہے کہ عمر وابوبکر نے ہی عثمان کو آنحضرتؐ کا داماد مشہور کیا تھا ورنہ عثمان ابوبکر وعمر تک بھی نہ پہنچتا۔یہ پہنچنا اس سازش میں شریک ہونے کی دلیل ورنہ اُن دونوں کی بیٹیاں عثمان کے گھر میں بیویوں کی حیثیت سے نہیں آئی تھیں۔ابوبکر وعمر ہی نے یہ سازش کر کے عثمان کو رسولؐ اللہ سے قریب تر کرنے کا قصہ بنایا اور پھیلایا تھا۔اور بس۔یہ ہے وہ مغالطہ جو اُن لوگوں نے خلیفہ بن کر پیدا کیا تھا۔

5۔باقی پورا خطبہ عثمان کی سر سے پیر تک مذمت کرتا ہے۔

خطبہ میں پہلے جملے سے آٹھویں جملے تک حضورؐ نے طرح طرح سے عثمان سے یہ قبول کرالیا ہے کہ جو جو شکایات عثمان کے خلاف آپ سے کی گئی ہیں وہ سب عثمان کو معلوم اور صحیح ہیں اُن میں سے کوئی ایک ظلم بھی ایسا نہیں ہے جس کو عثمان کوئی نیا الزام کہہ کر اپنی لاعلمی اور بے قصوری کہہ سکے اور یہی وجہ ہے کہ آخر عثمان نے کوئی عذر وانکار کیئے بغیر سب کو مان کر صرف مہلت حاصل کرنے کی درخواست کی ہے اور تمام مظالم کے تدارک کا اعلان کیا ہے اور حضرت علی علیہ السلام نے ثابت کر دیا ہے کہ مدینہ سے لے کر باقی تمام شہروں میں پبلک پر مظالم ہوتے رہے تھے (37-36) (38) ساتھ ہی ابوبکر وعمر کو حق پر عمل نہ کرنے میں برابر کا شریک قرار دے کر عثمان کو زیادہ ذمہ دار بنایا ہے (9 تا 14) اور ثابت کیا ہے کہ عثمان جان بوجھ کر تمام غلط اقدامات کرتا رہا تھا اور اس کے پاس لاعلمی کا بھی کوئی عذر نہ تھا (16 تا 18)۔

6۔عثمان اینڈ کمپنی کو جابر وظالم امام وخلیفہ بن بیٹھنے،قتل ہونے،فتنہ پھیلانے کی اطلاع دی گئی۔

بڑے واضح اور مدلل انداز میں ثلاثہ اینڈ کمپنی کو ظالم و جابر گمراہ اور گمراہ کنندہ امام بن بیٹھنے کی اطلاع دی گئی (27 تا 34) فتنوں کا موجیں مارنے والا فتنہ بتایا (31) لوگوں کا فتنوں میں مبتلا رہنا دکھایا (32 تا 34) عثمان کو خاص طور پر نصیحت کی ہے کہ تو وہ امام نہ بن جانا جو اس امت میں قتل کیا جانے والا ہے اور جس کے قتل کے بعد امت میں خون ریزی کا دور دورہ ہو جائے گا۔(29-28)

7۔ عثمان کی سوانح عمری کا نام ہی اَلْفِتْنَۃُ الْکُبْریٰ رکھا گیا ہے۔

ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری نے عثمان کے حالات و واقعات کو سمیٹ کر اُن کا نام اَلْفِتْنَۃُ الْکُبْریٰ رکھا ہے جو بہت ہی مقبول ہوا ہے۔ اور واقعی کوئی فتنہ ایسا نہیں رہا ہے جو اس کتاب سے باہر رہ گیا ہو۔

8۔ عثمان کا قتل کیا جانا مشہور چلا آرہا تھا عمر نے بھی عثمان کے قتل ہونے کا اعلان کیا تھا۔

علامہ مودودی لکھتے ہیں کہ: ''حضرت عمر کو اپنے آخر زمانے میں اس بات کا خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں اُن کے بعد عرب کی قبائلی عصبیتیں، جو اسلامی تحریک کے زبردست انقلابی اثر کے باوجود ابھی بالکل ختم نہیں ہو گئی تھیں، پھر نہ جاگ اُٹھیں اور اُن کے نتیجے میں اسلام کے اندر فتنے برپا ہوں۔ چنانچہ ایک مرتبہ اپنے امکانی جانشینوں کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے اُنھوں نے حضرت عبداللہ بن عباس سے حضرت عثمان کے متعلق کہا'' ۔اگر میں عثمان کو اپنا جانشین تجویز کروں تو وہ بنی ابی معیط (بنی امیہ) کو لوگوں کی گردنوں پر مسلط کر دیں گے۔ اور وہ لوگوں میں اللہ کی نافرمانیاں کریں گے خدا کی قسم اگر میں نے ایسا کیا تو عثمان یہی کریں گے۔ اور اگر عثمان نے یہ کیا تو وہ لوگ ضرور معصیتوں کا ارتکاب کریں گے اور عوام شورش برپا کر کے عثمان کو قتل کر دیں گے۔'' (خلافت و ملوکیت صفحہ 99-98)

9۔ عثمان کی اقربا پروری اور امتیازی سلوک مانا ہے۔

آگے چل کر لکھا ہے کہ:

''مگر بد قسمتی سے خلیفہ ثالث عثمان اس معاملے میں معیارِ مطلوب کو قائم نہ رکھ سکے۔ اُن کے عہد میں بنی امیہ کو کثرت سے بڑے بڑے عہدے اور بیت المال سے عطیّے دیئے گئے اور دوسرے قبیلے اسے تلخی کے ساتھ محسوس کرنے لگے۔ اس کا نتیجہ آخر کار وہی ہوا جس کا حضرت عمر کو اندیشہ تھا۔ اُن کے خلاف شورش برپا ہوئی اور نہ صرف کہ وہ خود شہید ہوئے بلکہ قبائلیّت کی دبی ہوئی چنگاریاں پھر سلگ اُٹھیں جن کا شعلہ خلافت راشدہ کے نظام ہی کو پھونک کر رہا۔'' (صفحہ 100)

10۔ عثمان کی اپنے قبیلے پر نوازشات اور عطیات

''لیکن اُن کے بعد جب حضرت عثمان جانشین ہوئے تو رفتہ رفتہ وہ اس پالیسی سے ہٹتے چلے گئے۔ اُنھوں نے پے در پے اپنے رشتے داروں کو بڑے بڑے اہم عہدے عطا کئے اور اُن کے ساتھ دوسری ایسی رعایات کیں جو عام طور پر لوگوں میں ہدفِ اعتراض بن کر رہیں۔'' (صفحہ 106)

11۔ عثمان کی زوجہ نے بھی مروان کی سواری بن جانے سے روکا اور قتل کی دھمکی دی تھی۔

عثمان کی زوجہ نے بھی حضرت علی علیہ السلام کی طرح عثمان سے کہا تھا کہ:

''۔اگر آپ مروان کے کہے پر چلیں گے تو یہ آپ کو قتل کرا کے چھوڑے گا۔ اس شخص کے اندر نہ اللہ کی قدر ہے نہ ہیبت نہ محبت۔'' (صفحہ 116)

ہم عثمان کے حالات سابقہ خطبات کی تشریحات میں بڑی وضاحت سے لکھ چکے ہیں (خطبہ نمبر 30,88,92,93) وغیرہ۔ یہاں تو اسی قدر کافی ہے کہ اُس نے واقعی ایک موجیں مارتا ہوا فتنہ جاری کیا۔ صحابہ رسولؐ پر مظالم کئے دین کو دنیا سے بدل لیا اور آخر ثلاثہ اینڈ کمپنی کی تیار کردہ خلافت کا جنازہ نکال کر بے گور و کفن یہودیوں کے قبرستان میں حضرت علی علیہ السلام کی سفارش سے دفن ہوا۔

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 163

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 164

خُطبہ ﴿185﴾

1۔ ہر مخلوق اللہ کی عجیب و عظیم کاریگری کا بولتا ہوا ثبوت ہے۔ 2۔ مختلف مخلوقات کا حال۔ 3۔ مور کا رنگ اور نقش و نگار اس کی چال، جھومنا اور جنسی تعلق، افواہ کی تردید، پیروں سے رنجیدہ ہونا۔ 4۔ جنت کی صفات، نہریں مشک کے ٹیلے، ساغر و مینا۔ گردشِ جام و سبو۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِبۡتَدَعَهُمۡ خَلۡقًا عَجِیۡبًا مِنۡ حَیَوَانٍ وَّمَوَاتٍ وَّسَاکِنٍ وَّذِیۡ حَرَکَاتٍ ؛	1	اللہ نے تمام ہی مخلوقات کو عجیب تخلیقی کاریگری کے ساتھ ایجاد کیا تھا۔ خواہ وہ جاندار مخلوق ہو یا بے جان ہو حرکت کر سکنے والی مخلوقات ہوں یا بے حس و حرکت رہنے والی مخلوقات ہوں۔
فَاَقَامَ مِنۡ شَوَاهِدِ الۡبَیِّنَاتِ عَلٰی لَطِیۡفِ صَنۡعَتِهٖ وَعَظِیۡمِ قُدۡرَتِهٖ مَنۡ قَادَتۡ لَهُ الۡعُقُوۡلُ مُعۡتَرِفَةً بِهٖ وَمُسَلِّمَةً لَّهٗ ؛	2	چنانچہ اللہ نے اس طرح اپنی عظیم الشان کاریگری اور بزرگ ترین قدرت پر منہ بولتے ایسے گواہ اور نمونے سامنے رکھ دیئے جن کو دیکھ کر عقلوں نے اللہ کے وجود کا اقرار و اعتراف کر لیا اور اس کے سامنے اطاعت اور فرمانبرداری کے لئے سر تسلیم خم کر چکی ہیں۔
وَنَعَقَتۡ فِیۡ اَسۡمَاعِنَا دَلَائِلُهٗ عَلٰی وَحۡدَانِیَّتِهٖ ؛	3	اور یہ سب کچھ اس کی وحدانیت کی دلیلیں بن کر ہمارے کانوں میں گونجتی رہتی ہیں۔
وَمَا ذَرَاَ مِنۡ مُّخۡتَلِفِ صُوَرِ الۡاَطۡیَارِ الَّتِیۡ اَسۡکَنَهَا اَخَادِیۡدَ الۡاَرۡضِ وَخُرُوۡقَ فِجَاجِهَا وَرَوَاسِیَ اَعۡلَامِهَا ؛	4	اور اس نے مختلف صورتیں دے کر بہت سے پرندے پیدا کر کے پھیلا دیئے ہیں اور ان میں سے کچھ کو تو زمین کے شگافوں میں بسایا ہے کچھ کو زمین کے کشادہ دروں میں رکھا ہے اور کچھ کو مضبوط پہاڑوں کی چوٹیوں پر ٹھہرایا ہے۔
مِنۡ ذَاتِ اَجۡنِحَةٍ مُّخۡتَلِفَةٍ وَهَیۡئَاتٍ مُّتَبَایِنَةٍ ؛	5	وہ سب مختلف قسم کے پر و باز و رکھتے ہیں اور ایک دوسرے سے جداگانہ شکل و شمائل والے ہیں مگر۔
مُصَرَّفَةٍ فِیۡ زِمَامِ التَّسۡخِیۡرِ ؛	6	وہ سب مسخر و مطیع رکھنے والی لگام پہنے ہوئے گھومتے پھرتے ہیں۔

وَمُرَفْرِفَةٍ بِاَجْنِحَتِهَا فِيْ مَخَارِقِ الْجَوِّ الْمُنْفَسِحِ وَالْفَضَاءِ الْمُنْفَرِجِ ؛	7	اور وہ سب ہوا کے پھیلے ہوئے کرۂ اور کشادہ فضا کی پہنائیوں میں اپنے پروں کو حرکت دے کر اور بلا حرکت دئے تیرتے (Gliding) پھرتے ہیں۔
كَوَّنَهَا بَعْدَ اَنْ لَمْ تَكُنْ فِيْ عَجَائِبِ صُوَرٍ ظَاهِرَةٍ ؛	8	ان کو اس وقت عجیب عجیب ظاہری صورتیں دے کر وجود بخشا گیا تھا۔ جب کہ وہ موجود نہ تھے۔
وَرَكَّبَهَا فِيْ حِقَاقِ مَفَاصِلَ مُحْتَجِبَةٍ ؛	9	اور انہیں جوڑ و بند اور جسمانی ساخت دینے کے لئے کھال اور اعضاء اور گوشت سے ترکیب دی گئی تھی جواب پوشیدہ ہے۔
وَمَنَعَ بَعْضَهَا بِعَبَالَةِ خَلْقِهٖ اَنْ يَّسْمُوَ فِي الْهَوَآءِ خُفُوْفًا ؛	10	اور ان میں سے بعض کو ان کے بھاری بھرکم جسم کی وجہ سے ایسی حالت میں رکھا ہے کہ وہ کھلی فضا میں تیز اور اونچی پرواز نہیں کرسکتے۔
وَجَعَلَهُ يَدِفُّ دَفِيْفًا ؛	11	اور انہیں ایسا بنایا ہے کہ وہ زمین کے ساتھ ساتھ اُڑاری مار سکتے ہیں۔
وَنَسَقَهَا عَلٰى اخْتِلَافِهَا فِي الْاَصَابِيْغِ بِلَطِيْفِ قُدْرَتِهٖ وَدَقِيْقِ صَنْعَتِهٖ ؛	12	اور اللہ نے اپنی شاندار قدرت اور کاریگری کی پیچیدگیوں کے اظہار کے لئے مختلف پرندوں کو مختلف رنگوں میں ترتیب دیا ہوا ہے۔
فَمِنْهَا مَغْمُوْسٌ فِيْ لَوْنِ صِبْغٍ قَدْ طُوِّقَ بِخِلَافِ مَا صُبِغَ بِهٖ ؛	13	چنانچہ ان میں سے کچھ ایسے بنائے گئے ہیں جو ایک ہی رنگ میں ڈبو دئے گئے ہیں وہ اس طرح سے کہ جس رنگ میں انہیں رنگا گیا ہے اس کے علاوہ اور کسی رنگ کی ان میں ملاوٹ نہیں ہے اور بعض ایسے ہیں کہ جنہیں جس رنگ کا طوق پہنایا گیا ہے وہ طوق ان کے باقی رنگ سے نہیں ملتا ہے۔
وَمِنْ اَعْجَبِهَا خَلْقًا الطَّاوُوْسُ الَّذِيْ اَقَامَهُ فِيْ اَحْكَمِ تَعْدِيْلٍ ؛	14	ان تمام پرندوں سے عجیب تر تخلیق مور کو دی گئی ہے اللہ نے مور کو بہت مستحکم اور متناسب اعضاء اور صورت عطا کی ہے۔
وَنَضَّدَ اَلْوَانَهُ فِيْ اَحْسَنِ تَنْضِيْدٍ ؛	15	اور اسے جو رنگ دئے گئے ہیں انہیں بہت حسین اور دیدہ زیب انداز سے ترتیب دیا ہے۔
بِجَنَاحٍ اَشْرَجَ قَصَبَهُ وَذَنَبٍ اَطَالَ مَسْحَبَهُ ؛	16	اسے ایسے پر دیئے ہیں جن کے جڑوں کو آپس میں جوڑا گیا ہے تاکہ مل کر حرکت کریں اور ایسی دم لگائی ہے جو دور تک پھیلی چلی جاتی ہے۔
اِذَا دَرَجَ اِلَى الْاُنْثٰى نَشَرَهُ مِنْ طَيِّهٖ ؛	17	جب مور اپنی مادہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اپنی لپٹی ہوئی دم کو پھیلاتا ہے اور
وَسَمَا بِهٖ مُظِلًّا عَلٰى رَاْسِهٖ كَاَنَّهُ قِلْعُ دَارِيٍّ عَنَجَهُ نُوْتِيُّهُ ؛	18	اپنی دم کو اس ترکیب سے بلند کرتا ہے کہ وہ اس کے سر پر پھیل کر سایہ کرلیتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے گویا اس کی دم دارین شہر کی اس کشتی کا بادبان ہے جسے کشتی کا ملاح

		ضرورت کے ماتحت ادھر سے ادھر موڑتا رہتا ہے۔
يَخْتَالُ بِأَلْوَانِهِ يَمِيسُ بِزَيْفَانِهِ ؛	19	مور اپنے رنگ وروپ پر نخرے کرتا ہے۔ مٹکتا ہوا جھومتا ہوا بڑھتا ہے اور۔
يُفْضِيْ كَإِفْضَاءِ الدِّيَكَةِ ؛	20	وہ اپنی مادہ سے جنسی تعلق اسی طرح کرتا ہے جیسے مرغا مرغی سے کرتا ہے۔
وَيَؤُرُّ بِمُلَاقَحَةٍ اَرَّ الْفُحُوْلُ الْمُغْتَلِمَةِ لِلضِّرَابِ ؛	21	اور اپنی مادین کو حاملہ کرنے کے لئے نہایت جوش وامنگوں سے بھرے ہوئے باقی نروں کی طرح اپنی مادہ سے یک جان دو قالب ہوجاتا ہے۔
اُحِيْلُكَ مِنْ ذٰلِكَ عَلٰى مُعَايَنَةٍ ؛	22	جو کچھ میں نے مور کے جنسی تعلق پر بتایا وہ تجھے آنکھوں دیکھی اپنے مشاہدہ کی صورت واقعی بتائی ہے۔
لَا كَمَنْ تُحِيْلُ عَلٰى ضَعِيْفِ اِسْنَادِهٖ ؛	23	نا کہ اس شخص کی طرح جو کمزور طریقے سے ایسی باتیں کرتا ہے جن پر اسے خود کو یقین نہیں ہوتا ہے۔
وَلَوْ كَانَ كَزَعْمِ مَنْ يَّزْعَمُ اَنَّهٗ يُلْقِحُ بِدَمْعَةٍ تَسْفَحُهَا مَدَامِعُهٗ فَتَقِفُ فِيْ ضَفَّتَيْ جُفُوْنِهٖ ؛	24	اور اگر واقعہ اس طریقہ سے ہوتا جیسا کہ گمان کیا جاتا ہے کہ مور اپنی مادہ کو ان آنسوؤں سے حاملہ کرتا ہے جو اس کے اپنے گوشہ چشم سے جاری ہوتے ہیں اور اس کی پلکوں کے کناروں پر آ کر جمع ہوتے رہتے ہیں۔
وَاَنَّ اُنْثَاهُ تَطْعَمُ ذٰلِكَ ثُمَّ تَبِيْضُ لَا مِنْ لَّقَاحِ فَحْلٍ سِوَى الدَّمْعِ الْمُنْبَجِسِ ؛	25	اور یہ کہ اس کی مادین اپنی چونچ سے اُٹھا اُٹھا کر کھا پی لیتی ہے۔ اور اس طرح حاملہ ہو کر انڈے دیا کرتی ہے لہٰذا مور کا حمل ٹھیرانا باقاعدہ جنسی تعلق نہیں بلکہ اس کی آنکھوں سے نکلنے والے آنسوؤں سے حمل قرار پاتا ہے۔
لَمَا كَانَ ذٰلِكَ بِاَعْجَبَ مِنْ مُّطَاعَمَةِ الْغُرَابِ ؛	26	اگر اسی خام خیالی سے مورنی کو حمل ٹھہرا کرتا تو یہ بات تو کوے کے متعلق مشہور بات سے زیادہ تعجب خیز نہیں ہے جس میں کہا جاتا ہے کہ کوا اپنی مادہ کی چونچ میں چونچ ڈال کر اپنے پوٹے میں جمع کیا ہوا دانہ پانی کھلا کر انڈے دلواتا ہے۔
تُخَالُ قَصَبُهٗ مَدَارِیَ مِنْ فِضَّةٍ ؛	27	تم اگر مور کے پروں پر ٹکٹکی باندھ کر دیکھو تو اس کے پروں کی درمیانی تتلیاں چاندی کی سلائیاں معلوم ہوں گی۔
وَمَا اُنْبِتَ عَلَيْهَا مِنْ عَجِيْبِ دَارَاتِهٖ وَشُمُوْسِهٖ خَالِصَ الْعِقْيَانِ وَفِلَذَ الزَّبَرْجَدِ ؛	28	اور ان پر جو عجیب عجیب دائرے اور ہالے بنے ہوئے ملتے ہیں اور سورج کی کرنوں کی طرح جو رواں ہے اسے تم زردی کی وجہ سے خالص سونا محسوس کرو گے اور سبزی کی وجہ سے زمرد کے ٹکڑے سمجھو گے۔
فَاِنْ شَبَّهْتَهٗ بِمَا اَنْبَتَتِ الْاَرْضُ قُلْتَ :	29	اگر تم اس صورتِ رنگین کو زمین سے اگنے والی چیزوں سے تشبیہ دینا چاہو تو تم کہو

جَنّیٌ جُنِیَ مِنْ زَهْرَةِ كُلِّ رَبِیْعٍ ؛		گے کہ وہ ہر موسمِ بہار کے پھولوں سے انتخاب کر کے بنایا ہوا پھولوں کا ایک گلدستہ ہے۔
وَاِنْ ضَاهَیْتَهُ بِالْمَلَابِسِ فَهُوَ كَمَوْشِیِّ الْحُلَلِ اَوْ كَمُوْنِقِ عَصْبِ الْیَمَنِ ؛	30	اور اگر تم اسے ملبوسات کے تحت رکھ کر دیکھو گے تو وہ تمہیں نقش ونگار اور پھول پتی سے آراستہ کیا ہوا جبہ یا قبا یا پوشاک معلوم ہوگی یا وہ ایک خوش نما یمنی چادر لگے گی (یعنی وسعتِ ذہنی اور تصورات کی کثرت اسے طرح طرح کی صورتوں اور جلووں میں دکھائے گی اور پھر بھی ہر تصور سے بالاتر پوزیشن برقرار رہے گی)
وَاِنْ شَاكَلْتَهُ بِالْحُلِیِّ فَهُوَ كَفُصُوْصٍ ذَاتِ اَلْوَانٍ قَدْ نُطِّقَتْ بِاللُّجَیْنِ الْمُكَلَّلِ ؛	31	اور اگر تم اسے زیوروں کے ذریعہ سے دیکھو گے تو وہ رنگ برنگ کے ان نگینوں کی صورت میں سامنے آئے گا جن کو جواہرات اور چاندی میں سجا کر سلیقہ سے جڑ دیا گیا ہو۔
یَمْشِیْ مَشْیَ الْمَرِحِ الْمُخْتَالِ ؛	32	وہ چلتا ہے تو وہی چال چلتا ہے جو ایک مسرت سے بھرپور ناز ونخرے اور غرور سے چلنے والے کی ہوا کرتی ہے۔
وَیَتَصَفَّحُ ذَنَبَهُ وَجَنَاحَیْهِ فَیُقَهْقِهُ ضَاحِكًالِجَمَالِ سِرْبَالِهِ وَاَصَابِیْغِ وِشَاحِهِ ؛	33	اور جب وہ اپنے پروں اور دم کو دیکھتا ہے تو اپنے پراہن کے حسن وجمال پر اور گلوبند کی رنگتوں پر ٹھٹھے لگا کر ہنستا ہے۔
فَاِذَا رَمَی بِبَصَرِهِ اِلٰی قَوَائِمِهِ زَقَا مُعْوِلًا بِصَوْتٍ یَّكَادُ یُبِیْنُ عَنِ اسْتِغَاثَتِهِ ؛	34	اور جب وہ اپنے پیروں کا اپنے جسمانی حسن سے مقابلہ کر کے دیکھتا ہے۔تو اس طرح سے بلند آواز کے ساتھ روتا ہے گویا اپنی فریاد اہل دل کو سنا رہا ہے۔
وَیَشْهَدُ بِصَادِقِ تَوَجُّعِهِ ؛	35	اور صدقِ دل سے اپنی بے چینی اور تڑپ سنا رہا ہے۔
لِاَنَّ قَوَائِمَهُ حُمْشٌ كَقَوَائِمِ الدِّیَكَةِ الْخِلَاسِیَّةِ ؛	36	یہ غم اس لئے ہے کہ مور کے پیر مٹیالے رنگ کے ہیں اور ان کی بناوٹ بھی بد نسلے مُرغوں جیسی ہے ۔اور پیر جسمانی ساخت کے مقابلے میں پتلے اور ناموزوں ہیں دوسرے یہ کہ
وَقَدْ نَجَمَتْ مِنْ ظُنْبُوْبِ سَاقِهِ صِیْصِیَةٌ خَفِیَّةٌ ؛	37	اس کی پنڈلی پر پچھلی طرف کو ایک پتلا سا کانٹا بھی دیکھنے والوں کو نظر آتا ہے (باقی تو حسن ہی حسن ہے مثلاً)
وَلَهُ فِیْ مَوْضِعِ الْعُرْفِ قُنْزُعَةٌ خَضْرَاءُ مُّوَشَّاةٌ ؛	38	اور اس کی گردن پر عیاں نما پر نہیں ہیں بلکہ ایک سبز رنگ کے نقش ونگار والے پروں کا ایک گچھا یا گلدستہ بنا ہوا ہے جو سر پر چوٹی معلوم ہوتا ہے۔
وَمَخْرَجُ عُنُقِهِ كَالْاِبْرِیْقِ ؛	39	اور اس کی گردن کا ابھار اور اس کا خم بالکل صراحی کی گردن معلوم ہوتا ہے۔

وَمَغْرِزُ هَا اِلٰی حَیْثُ بَطْنِهِ كَصِبْغِ الْوَسْمَةِ الْیَمَانِیَّةِ ؛اَوْكَحَرِیْرَةٍ مُلْبَسَةٍ مِرْاٰةً ذَاتَ صِقَالٍ؛	40	اوراس کی گردن کے شروع ہونے کی جگہ سے لے کراس کے پیٹ تک یمن کے بنے ہوئے وسمہ (خضاب) کا گہرا سبز کا ہی چمکدار رنگ جھلکتا ہے یا یہ کہا جا سکتا ہے کہ گردن کے سامنے کا نظارا ایسا ہے جیسے ایک قلعی شدہ شفاف آئینہ کوریشمی غلاف میں رکھدیا ہو۔
وَكَاَنَّهٗ مُتَلَفِّعٌ بِمَعْجَرٍ اَسْحَمَ اِلَّآ اَنَّهٗ یُخَیَّلُ لِكَثْرَةِ مَائِهٖ وَشِدَّةِ بَرِیْقِهٖ اَنَّ الْخُضْرَةَ النَّاضِرَةَ مُمْتَزِجَةٌ بِهٖ ؛	41	اورایسا لگتا ہے کہ مور کو کالے رنگ کی اوڑھنی اُڑھادی گئی ہو یہی نہیں بلکہ وہ تو اپنی انتہائی آب وتاب سے اور چمک دمک کے جمگھٹے سے یہ خیال دلاتا ہے کہ اس اوڑھنی میں چمکدار سبز رنگ کی ملاوٹ کردی گئی ہے۔
وَمَعَ فَتْقِ سَمْعِهٖ خَطٌّ كَمُسْتَدَقِّ الْقَلَمِ فِیْ لَوْنِ الْاُقْحُوَانِ اَبْیَضُ یَقَقٌ؛	42	اوراس کے کانوں کے سوراخ سے ملی ہوئی ایک ایسی لکیر ہے جو بابونہ کے پھولوں کی طرح سفیداور چمک دار ہےاورقلم کی باریک نوک معلوم ہوتی ہے۔
فَهُوَ بِبَیَاضِهٖ فِیْ سَوَادِ مَاهُنَالِكَ یَاْتَلِقُ وَقَلَّ صِبْغٌ اِلَّا وَقَدْ اَخَذَمِنْهُ بِقِسْطٍ ؛	43	اور وہ لکیر اپنی چمکدار سفیدی کے ساتھ اس ماحول میں جگمگاتی ہے۔اور وہاں کے رنگوں میں سے کم ہی ایسے رنگ ہیں جنہوں نے اس لکیر سے کچھ نہ کچھ قسطوں پر نہ لے رکھا ہو۔
وَعَلَاهُ بِكَثْرَةِ صِقَالِهٖ وَبَرِیْقِهٖ وَبَصِیْصِ دِیْبَاجِهٖ وَرَوْنَقِهٖ ؛	44	اور وہ اپنے پڑوس کے تمام رنگوں پر اپنی آب وتاب اور چمک دمک کی زیادتی اور اپنے حریری جسم کی زیبائش سے چھائی رہتی ہے۔
فَهُوَ كَالْاَزَاهِیْرِ الْمَبْثُوْثَةِ لَمْ تُرَبِّهَا اَمْطَارُ رَبِیْعٍ وَّلَاشُمُوْسُ قَیْظٍ ؛	45	وہ ان بکھری ہوئی کلیوں کی طرح ہے کہ جن کو نہ فصل بہار کی بارشوں نے پروان چڑھایا ہےاورنہ ہی گرمیوں کے سورج نے پرورش کیا ہے۔
وَقَدْ یَتَحَسَّرُ مِنْ رِّیْشِهٖ وَیَعْرٰی مِنْ لِبَاسِهٖ ؛فَیَسْقُطُ تَتْرٰی وَیَنْبُتُ تِبَاعًا ؛	46	اور یہ بھی حقیقت ہے کہ کبھی وہ اپنے پروبال سے حسرت میں مبتلا ہوجاتا ہےاور اپنے مذکورہ حسین لباس سے ننگارہ جاتا ہے چنانچہ اس کے بال وپر مسلسل گرنا شروع ہوجاتے ہیں اورساتھ کے ساتھ پیچھے پیچھے نکلتے آتے ہیں۔
فَیَنْحَتُّ مِنْ قَصَبِهٖ انْحِتَاتَ اَوْرَاقِ الْاَغْصَانِ ؛	47	اس کے بازوؤں سے اس کے پر اسی طرح جھڑتے ہیں جس طرح پت جھڑ میں ٹہنیوں سے پتے گرا کرتے ہیں۔
ثُمَّ یَتَلَاحَقُ نَامِیًا حَتّٰی یَعُوْدَ كَهَیْئَتِهٖ قَبْلَ سُقُوْطِهٖ ؛	48	پھر وہ بال پر دوبارہ اسی طرح جم جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ اپنی سابقہ صورت پر سارے پر گرنے سے پہلے ہی پلٹ آتا ہے۔
لَایُخَالِفُ سَالِفَ اَلْوَانِهٖ وَلَا یَقَعُ لَوْنٌ	49	اور اپنے پہلے رنگوں کے خلاف نہیں ہوتا اور نہ کوئی رنگ اپنی جگہ سے ہٹ کر دوسری

فِيْ غَيْرِ مَكَانِهٖ ؛		جگہ جاتا ہے۔
وَاِذَا تَصَفَّحْتَ شَعْرَةً مِّنْ شَعْرَاتِ قَصَبِهٖ اَرَتْكَ حُمْرَةً وَّرْدِيَّةً وَتَارَةً خُضْرَةً زَبَرْجَدِيَّةً وَّاَحْيَانًا صُفْرَةً عَسْجَدِيَّةً ؛	50	اور جب بھی تم اس کے پروں کے ریشوں کو دیکھو گے تو وہ کبھی تمہیں گلاب کے پھولوں والی سرخی لئے ہوئے ملیں گے یا کبھی زمرد جیسی سبزی لئے ہوئے معلوم ہوں گے اور اکثر سونے جیسی زردگی کی جھلکیاں نظر آئیں گی۔
فَكَيْفَ تَصِلُ اِلٰى صِفَةِ هٰذَا عَمَائِقُ الْفِطَنِ وَتَبْلُغُ قَرَائِحُ الْعُقُوْلِ ؛	51	سوچنے کی بات ہے کہ ایک ایسی مخلوق کی صفات وخصوصیات تک غور وفکر کی گہرائیاں کیسے پہنچ سکتی ہیں؟ اور کیسے ان تک عقلی طبع آزمائیاں رسائی پاسکتی ہیں؟
اَوْتَسْتَنْظِمُ وَصْفَهٗ اَقْوَالُ الْوَاصِفِيْنَ ؟	52	یا صفات بیان کرنیوالوں کے بیانات کیسے اس کی صفات کو منظم کر سکتے ہیں؟
وَاَقَلُّ اَجْزَائِهٖ قَدْ اَعْجَزَ الْاَوْهَامَ اَنْ تُدْرِكَهٗ وَالْاَلْسِنَةَ اَنْ تَصِفَهٗ؟	53	اور جس کے چھوٹے سے چھوٹے جز نے بھی اوہام کو سمجھنے سے عاجز اور زبانوں کو بیان کرنے سے قاصر کر دیا ہو؟
فَسُبْحَانَ الَّذِيْ بَهَرَ الْعُقُوْلَ عَنْ وَّصْفِ خَلْقٍ جَلَّاهُ لِلْعُيُوْنِ فَاَدْرَكَتْهُ مَحْدُوْدًا مُّكَوَّنًا وَّمُؤَلَّفًا مُّلَوَّنًا ؛	54	چنانچہ پاک ہے وہ ہستی کہ جس نے عقلوں کو ایک ایسی مخلوق کی صفات بیان کرنے سے مغلوب کر دیا ہو جو آنکھوں کے سامنے موجود ہے اور سب کی آنکھوں نے اسے حدود کے اندر رہتے ہوئے اور اعضاء وجوارح رکھتے ہوئے مختلف رنگوں اور جسامت میں دیکھ بھی لیا ہے۔
وَاَعْجَزَ الْاَلْسُنَ اَنْ تَلْخِيْصِ صِفَتِهٖ ؛	55	اور جس نے زبانوں کو اس مخلوق کی صفات کا خلاصہ کرنے سے بھی بے بس کر دیا ہے۔
وَقَعَدَبِهَا عَنْ تَاْدِيَةِ نَعْتِهٖ ؛	56	اور اس کی حیثیت ومنقبت کا حق ادا کرنے سے الگ بٹھا دیا ہے۔
وَسُبْحَانَ مَنْ اَدْمَجَ قَوَائِمَ الذَّرَّةِ وَالْهَمَجَةِ اِلٰى مَا فَوْقَهُمَا مِنْ خَلْقِ الْحِيْتَانِ وَالْفِيْلَةِ وَوَاٰى عَلٰى نَفْسِهٖ اَنْ لَّا يَضْطَرِبَ شَبَحٌ مِّمَّا اَوْلَجَ فِيْهِ الرُّوْحَ اِلَّا وَجَعَلَ الْحِمَامَ مَوْعِدَهٗ وَالْفَنَاءَ غَايَتَهٗ ؛	57	اور پاک ہے وہ ہستی جس نے چیونٹی اور مچھر سے لے کر اس سے بڑی بڑی مخلوقات کو وجود بخشا ہے اور مچھلیوں اور ہاتھیوں کو پیدا کیا ہے اور ان کے پیروں اور ٹانگوں کو مضبوط بنایا ہے (یعنی ان کا بوجھ اُٹھانے اور ان کو لے کر دوڑنے کی طاقت دے کر ان کی ٹانگیں بنائی ہیں) اور اپنی ذات پر یہ لازم کر لیا تھا کہ کوئی ایسی مخلوق جس میں اس نے روح داخل کر کے چلنے پھرنے والا بنایا ہے وہ آخر کار موت اور فنا سے دوچار ہوئے بغیر نہ رہے گا‘‘

’’فِیْ صِفَةِ الْجَنَّةِ‘‘

’’جنت کی صفات بیان فرمائی ہیں‘‘

58 فَلَوْ رَمَیْتَ بِبَصَرِ قَلْبِکَ نَحْوَمَا یُوْصَفُ لَکَ مِنْهَا لَعَزَفَتْ نَفْسُکَ عَنْ بَدَائِعِ مَا اُخْرِجَ اِلَی الدُّنْیَا مِنْ شَهَوَاتِهَا وَلَذَّاتِهَا وَزَخَارِفِ مَنَاظِرِهَا ؛

اگر تم اپنے دل کی نظر ان صفات پر ڈالو اور ان پر غور کرو جو جنت کے سلسلے میں تم سے بیان کی جاتی ہیں تو تمہارے دل دنیا میں ملنے والی عمدہ سے عمدہ چیزوں کی خواہشوں اور لذّتوں اور دنیا کی تمام زیبائشوں اور نظاروں اور قیمتی چیزوں سے ہٹ جائیں گے۔

59 وَلَذَهَلَتْ بِالْفِکْرِ فِیْ اصْطِفَاقِ اَشْجَارٍ غُیِّبَتْ عُرُوْقُهَا فِیْ کُثْبَانِ الْمِسْکِ عَلٰی سَوَاحِلِ اَنْهَارِهَا ؛

اور تم جنت کے ان درختوں کے پتوں کی کھڑکھڑاہٹ میں محو ہو کر رہ جاؤ گے جو درخت جنت کی نہروں کے کنارے کنارے چلے جا رہے ہیں اور جن کی جڑیں مشک کے ٹیلوں میں ڈوبی ہوئی ہیں۔

60 وَفِیْ تَعْلِیْقِ کَبَائِسِ اللُّؤْلُوءِ الرَّطْبِ فِیْ عَسَالِیْجِهَا وَاَفْنَانِهَا ؛ وَطُلُوْعِ تِلْکَ الثِّمَارِ مُخْتَلِفَةً فِیْ غُلُفِ اَکْمَامِهَا ؛

اور وہ ان درختوں کی بڑی اور چھوٹی شاخوں میں الجھ کر رہ جائے گا جہاں موتیوں کے گچھے لٹک رہے ہیں اور سبز پتیوں کے اندر غلافوں میں طرح طرح کے مختلف پھل چمکتے ہوئے دکھائی دیں گے۔

61 تُجْنٰی مِنْ غَیْرِ تَکَلُّفٍ فَتَاْتِیْ عَلٰی مُنْیَةِ مُجْتَنِیْهَا ؛

وہاں کے پھل ایسے ہوں گے جنہیں درختوں سے اتارنے میں کوئی محنت و دقت پیش نہ آئے گی اور حاصل کرنے والے کی پسند اور خواہش کے مطابق وہ بڑھ کر ہاتھ میں آجائیں گے۔

62 وَیُطَافُ عَلٰی نُزَّالِهَا فِیْ اَفْنِیَةِ قُصُوْرِهَا بِالْاَعْسَالِ الْمُصَفَّقَةِ وَالْخُمُوْرِ الْمُرَوَّقَةِ :

وہاں کے محلوں کے آنگنوں میں اترنے والے جنتی لوگوں کے گرد پاکیزہ اور صاف شہد اور صاف ستھری شراب کے جام گردش میں رکھے جائینگے۔

63 قَوْمٌ لَمْ تَزَلِ الْکَرَامَةُ تَتَمَادٰی بِهِمْ حَتّٰی حَلُّوْا دَارَالْقَرَارِ وَاَمِنُوا نُقْلَةَ الْاَسْفَارِ ؛

جنت میں جانیوالی ایک قوم ایسی بھی ہوگی جن پر ہمیشہ اللہ کی کرامتیں اور بخششیں جاری رہیں یہاں تک کہ وہ ہمیشہ رہنے کے مقام پر پہنچ گئے اور سفروں میں مارے مارے پھرنے اور نقل و حرکت کرنے سے محفوظ ہو گئے ہیں

64 فَلَوْشَغَلْتَ قَلْبَکَ اَیُّهَا الْمُسْتَمِعُ بِالْوُصُوْلِ اِلٰی مَایَهْجُمُ عَلَیْکَ مِنْ تِلْکَ الْمَنَاظِرِ الْمُوْنِقَةِ لَزَهَقَتْ نَفْسُکَ شَوْقًا اِلَیْهَا ؛

اے سننے والو اگر تم ان دل ربا اور دل نواز مناظر کے حصول پر اپنے دلوں کو مشغول کر لو جو تمہارے او پر ہجوم کرنے والے ہیں تو تمہاری جانیں ان تک پہنچنے کے شوق میں جسم سے نکل کر چلی جائیں گی۔

65 وَلَتَحَمَّلْتَ مِنْ مَّجْلِسِیْ هٰذَا اِلٰی مُجَاوَرَةِ اَهْلِ الْقُبُوْرِ اسْتِعْجَالاً بِهَا ؛

اور ان کو جلد سے جلد پانے کے لئے تم میری اس مجلس سے اُٹھ کر قبروں میں رہنے والوں کے پڑوس میں رہنے پر آمادہ ہو جاؤ گے۔

جَعَلَنَا اللّٰہُ وَاِیَّاکُمۡ مِمَّنۡ سَعیٰ بِقَلۡبِہٖ اِلٰی مَنَازِلِ الۡاَبۡرَارِ بِرَحۡمَتِہٖ ؛	66	اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں بھی اور تمہیں بھی اپنی رحمت سے ان لوگوں میں سے بنا دے جو نیک بندوں کی اس منزل تک پہنچنے کے لئے دل و جان سے کوشش کرتے رہے ہیں''

تشریحات:

اس خطبے کی تشریح کے لئے یہ عرض کردینا ضروری ہے کہ ہم یہاں سوفیصد جاہل ہیں البتہ یہ ارادہ کررہے ہیں کہ مور کے بچوں کا ایک جوڑا پالا جائے اور بچپن سے اُن کو مسلسل زیرِنظر رکھا جائے اور اپنی معلومات میں حضورؑ کی مدد سے اضافہ اور روشنی پیدا کی جائے۔

2۔ معلومہ حقایق کی تصدیق ضروری ہے

یہ ناقابل انکار ہے کہ مور اپنے سائز کے پرندوں میں سب سے حسین اور ایک حیران وششدر کردینے والا پرندہ ہے اور یہ پرندہ اپنے وزن اور ساخت کی بنا پر مسلسل پرواز نہیں کرسکتا تقریباً دوسوگز کی اُڑان کرسکتا ہے۔ یا اُڑاری مارسکتا ہے۔ اور مورنی کچھ ہلکا ہونے کی وجہ سے کچھ زیادہ لمبی اُڑاری مارسکتی ہے۔

مور کی دُم کے پر تاریخ شروع ہونے سے آج تک مقدس اور بابرکت سمجھے جاتے رہے ہیں ان پَروں کی مورچھل بنائی جاتی رہی ہے اور اکثر بادشاہوں، راجوں مہاراجوں اور پیروں فقیروں کے سرپر جھولی جاتی رہی ہے۔ گلدستوں کی صورت میں بھی رکھی جاتی ہے۔ شوقین حضرات اپنی کتابوں میں بھی رکھتے ہیں۔ الغرض سجاوٹ اور زیبایش کے مواقع پر مور کے پَروں کو نظرانداز نہیں کیا جاتا۔ بہرحال مور کی تعریف وصفات واضح کرنے میں بھی حضرت علی علیہ السلام تمام انسانوں کے رہنما ہیں اور جتنا کچھ حضورؑ سے اس سلسلے میں فرمایا وہ قیامت تک محققین کے لئے گائڈ کا کام دے گا۔

3۔ جنت سے مسلسل وابستہ رہنے والی قوم؟

جس قوم کو حضورؑ نے جنت میں جانے تک اللہ کی رحمتوں، نوازشوں اور کرامتوں سے وابستہ رہنے والا بتایا ہے (63) وہ قوم سوائے اُن حضرات کے اور کوئی نہیں ہوسکتی جو وفات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ کے روز وفات سے برابر دن رات قیام نظام امامت میں مشغول رہتی چلی گئی ہے۔ جسے ہم نے تحریک تشیع کے نام سے رُوشناس کرایا ہے جو امام آخرالزمان صلّی اللہ علیہ وعلیٰ آباۂ واُمہاتہ کے نظام غیبت میں شریک کی گئی اور جو آج بھی لاکھوں کی تعداد میں قائم قیامت علیہ السلام کے نظام کو چلارہی ہے اور ہر اُس سازشی محاذ کو بے اثر و باطل کررہی ہے جو نظام امامت کے خلاف بنتا ہے۔ کاش شیعہ کہلانے والے مسلمانوں کے اِس پہلو پر غور کریں اور خود کو سب طرف سے منقطع کرکے حضرت حجتہ بارہویں امام حسن عسکریؑ کے فرزند صلوٰۃ اللہ علیہ وعلیہم سے وابستہ کریں اور باقی تمام خودساختہ عقاید کو مسمار کردیں اور مذکورہ قوم میں شریک ہوجائیں۔ اس سے زیادہ کہنے کی نہ ضرورت نہ گنجایش ہے۔

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر: 165

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 166

خُطبه ﴿186﴾

1۔ قرآن کریم کی پوزیشن؟ 2۔ مسلمانوں کی محدود شناخت کیا ہے؟

3۔ حرام وحلال کی پوزیشن؟ اسلام کا معمولی رویہ۔ 4۔ موت کی طرف بڑھنا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اِنَّ اللّٰـهَ تَعَالٰى اَنۡزَلَ كِتَابًا هَادِيًا بَيَّنَ فِيۡهِ الۡخَيۡرَ وَالشَّرَّ ؛	1	بلاشبہ اللہ بزرگ وبرتر نے ایک ہدایت کار کتاب نازل کی ہے اور اس میں پوری خیر اور سارا شر بیان فرما دیا ہے۔
فَخُذُوۡا نَهۡجَ الۡخَيۡرِ تَهۡتَدُوۡا ؛	2	چنانچہ تم لوگ خیر کے طریقوں کو اختیار کرو تا کہ ہدایت یافتہ ہو جاؤ۔
وَاصۡدِفُوۡا عَنۡ سَمۡتِ الشَّرِّ تَقۡصِدُوۡا ؛	3	اور شر کے تمام طریقوں سے الگ رہو تا کہ راہِ ہدایت پر برقرار رہ سکو۔
اَلۡفَرَائِضَ الۡفَرَائِضَ اَدُّوۡهَا اِلَى اللّٰهِ تُؤَدِّكُمۡ اِلَى الۡجَنَّةِ ؛	4	تمام فرائض کو ادا کرو اللہ کے لئے تمام فرائض کو ادا کرو تا کہ وہ تمہیں جنت میں پہنچا دے۔
اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ حَرَامًا غَيۡرَ مَجۡهُوۡلٍ ؛	5	یقیناً اللہ نے جن چیزوں کو حرام کیا ہے وہ معلوم ومشہور حرام تھیں۔
وَاَحَلَّ حَلَالًا غَيۡرَ مَدۡخُوۡلٍ ؛	6	اور جن چیزوں کو حلال کیا ہے ان میں کوئی خرابی نہیں ہے۔
وَفَضَّلَ حُرۡمَةَ الۡمُسۡلِمِ عَلَى الۡحُرَمِ كُلِّهَا ؛	7	اور مسلم کی حرمت وعزت کو بحال رکھنا تمام حرمتوں اور عزتوں سے افضل قرار دیا ہے۔
وَشَدَّ بِالۡاِخۡلَاصِ وَالتَّوۡحِيۡدِ حُقُوۡقَ الۡمُسۡلِمِيۡنَ فِيۡ مَعَاقِدِهَا ؛	8	اور مسلمانوں کے حقوق کی بندشوں کو مناسب اوقات میں خلوص اور وحدانیت سے سخت تر کر دیا ہے۔
فَالۡمُسۡلِمُ مَنۡ سَلِمَ الۡمُسۡلِمُوۡنَ مِنۡ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَلَا يَحِلُّ اَذَى الۡمُسۡلِمِ اِلَّا بِمَا يَجِبُ ؛	9	لہٰذا مسلم وہی شخص ہے جس کی زبان اور ہاتھوں سے مسلم لوگ سلامتی پائیں سوائے اس کے کہ حق یہی ہو کہ سلامتی فراہم نہ کی جائے چنانچہ مسلم کو اذیت دینا جرم ہے سوائے اس کے کہ اذیت دینا واجب ہو جائے۔
بَادِرُوۡا اَمۡرَ الۡعَامَّةِ وَخَاصَّةَ اَحَدِكُمۡ وَهُوَ الۡمَوۡتُ ؛	10	اے لوگو تم اس چیز کو سامنے رکھو جو ہمہ گیر ہے اور تم میں سے ہر ایک کے لئے مخصوص کی ہوئی ہے اور وہ موت ہے۔
فَاِنَّ النَّاسَ اَمَامَكُمۡ ؛	11	گزر جانے والے لوگ تمہارے آگے ہیں۔

وَاِنَّ السَّاعَةَ تَحْدُوكُمْ مِنْ خَلْفِكُمْ ؛	12	اور بلاشبہ قیامت اور موت کا وقت تمہیں پیچھے سے ہانک کر نغمہ موت سنا رہا ہے۔
تَخَفَّفُوْا تَلْحَقُوْا ؛	13	لہٰذا تم ہلکے پھلکے سفر کرو اور اپنے اگلوں سے جا ملنے کی تیاری کرلو۔
فَاِنَّمَا يُنْتَظَرُ بِاَوَّلِكُمْ اٰخِرُكُمْ ؛	14	صرف یہی بات صحیح ہے کہ تمہارے آگے گزر جانے والے لوگوں کو پچھلوں کا انتظار کرایا جارہا ہے۔
اِتَّقُوا اللّٰهَ فِيْ عِبَادِهٖ وَبِلَادِهٖ فَاِنَّكُمْ مَسْئُوْلُوْنَ حَتّٰى عَنِ الْبِقَاعِ وَالْبَهَائِمِ ؛	15	اللہ کے حضور میں اس کے بندوں اور شہروں کے لئے ذمہ دار بن جاؤ تم سے ضرور باز پرس ہوگی یہاں تک کہ زمینوں اور چوپاؤں کے لئے بھی سوال ہوگا۔
وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَلَا تَعْصُوْهُ ؛	16	اللہ کی اطاعت کرو نافرمانیاں نہ کرو۔
وَاِذَا رَاَيْتُمُ الْخَيْرَ فَخُذُوْهُ بِهٖ ؛	17	اور جب خیر دیکھو تو اسے اختیار کرلیا کرو۔
وَاِذَا رَاَيْتُمُ الشَّرَّ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُ ؛	18	اور جب شر کو دیکھو تو اس سے بچ کر رہا کرو۔

تشریحات:

یہاں سب سے پہلے نوٹ کرنے کی بات یہ ہے کہ ہدایت کرنے والی کتاب قرآن ہے۔اور قرآن میں خیر کو بھی بیان کیا گیا ہے اور شر کو بھی بیان کر دیا گیا ہے۔لہٰذا قرآن کو ہدایت حاصل کرنے کیلئے استعمال کرنے میں اس کا خیال رکھنا ہوگا کہ آپ کہیں شر میں نہ اُلجھ جائیں ورنہ ہدایت کی جگہ گمراہی سے دوچار ہونا پڑے گا۔چنانچہ قرآن سے ہدایت حاصل کرنے کے لئے ہی رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کو قرآن کا معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔لہٰذا قرآن کو رسولؐ کے ذریعہ سے استعمال کرنا لازم ہے۔قرآن نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:۔

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِO ''۔جب تو قرآن کی قرات کرے تو شیطان رجیم سے خدا کی پناہ مانگ لیا کر۔'' (نحل 16/98) یہ آیت بتاتی ہے کہ قرآن کا کتاب ہدایت ہونا کافی نہیں ہے جب تک انسان ابلیسی مداخلت سے محفوظ نہ ہو۔اس سلسلے میں مودودی کی تشریح پڑھ کر مزید روشنی پڑے گی وہ لکھتے ہیں کہ:۔

<u>شیطانی مداخلت قرآن کی ہدایت ورہنمائی کو گمراہی میں تبدیل کرسکتی ہے مودودی کی تشریح:</u>

''۔101۔ اس کا مطلب صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ بس زبان سے اعوذ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْم کہہ دیا جائے بلکہ اس کے ساتھ فی الوقع دل میں یہ خواہش اور عملاً یہ کوشش بھی ہونی چاہئے کہ آدمی قرآن پڑھتے وقت شیطان کے گمراہ کُن وسوسوں سے محفوظ ہے(2)۔غلط اور بے جا شکوک وشبہات میں مبتلا نہ ہو(3)۔قرآن کی ہر بات کو اُس کی صحیح روشنی میں دیکھے اور(4) اپنے خود ساختہ نظریات یا باہر سے حاصل کئے ہوئے تخیلات کی آمیزش سے قرآن کے الفاظ کو وہ معنی نہ پہنانے لگے جو اللہ تعالیٰ کے منشاء کے خلاف ہوں(5)۔اس کے ساتھ آدمی کے دل میں یہ احساس بھی موجود ہونا چاہیے کہ شیطان سب سے بڑھ کر جس چیز کے درپے ہے وہ یہی ہے کہ ابن آدمؑ قرآن سے ہدایت نہ حاصل کرنے پائے۔یہی وجہ ہے کہ جب آدمی اس کتاب کی طرف رجوع کرتا ہے تو شیطان اُسے بہکانے اور اخذ ہدایت سے روکنے اور فکر وفہم کی غلط راہوں پر ڈالنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتا ہے(6)۔اس لئے آدمی کو اس کتاب کا مطالعہ کرتے وقت انتہائی چوکنا رہنا چاہیے(7)۔اور ہر وقت

خدا سے مدد مانگتے رہنا چاہیے کہ کہیں شیطان کی دراندازیاں اُسے اس سرچشمہ ہدایت کے فیض سے محروم نہ کردیں۔ کیونکہ جس نے یہاں سے ہدایت نہ پائی وہ پھر کہیں سے ہدایت نہ پاسکے گا اور جو اس کتاب سے گمراہی اخذ کر بیٹھا اُسے پھر دنیا کی کوئی چیز گمراہیوں کے چکر سے نہ نکال سکے گی۔'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 571)

موودودی اعوذ باللہ کو یا اللہ کی بتائی ہوئی راہنمائی کو کافی نہیں سمجھتے ایک دو لفظی بات کے بجائے الجھاتے ہیں۔

موودودی کی یہ تشریح پہلے نمبر پر تو اللہ کی بتائی ہوئی ترکیب (16/98) کو ناکافی ثابت کرتے ہیں اور اس کے بعد اور جو کچھ بتاتے ہیں وہ نہ قرآن کی ہدایت ہیں نہ رسولؐ اللہ صلی علیہ وآلہ کی احادیث ہیں۔ بلکہ خود اپنی جیب خاص سے کچھ ترکیبیں لکھ ڈالی ہیں اور وہ ترکیبیں بھی ایسی بتائی ہیں جن پر عمل کرنے کے لئے قاری کو نہ صرف ایک اچھا خاصا مولوی ہونا چاہیے بلکہ کچھ نہ کچھ علم غیب سے بھی واقفیت ہونا چاہیے لیکن اس کے بعد بھی وہ قاری زیادہ سے زیادہ خود موودودی کے برابر احتیاط کر سکے گا۔ اور ہم نے قدم قدم پر جناب علامہ کی غلط تفہیم اور غلط ترجمانی کی مثالوں سے اپنی تفسیر کو بھر دیا ہے اور علامہ کی بعض ایسی غلطیاں لکھی ہیں جو انھوں نے جان بوجھ کر سارے قرآن کے ترجمہ میں برابر کی ہیں مثلاً اُنھوں نے اپنی تفہیم القرآن کی پہلی جلد کے (صفحہ 129) پر خود لکھا ہے کہ:''۔ 161 ''کُفر'' کے اصلی معنی چھپانے کے ہیں۔'' یہ ماننے اور لکھنے کے باوجود اُنھوں نے پورے قرآن کے ترجمہ میں کہیں بھی لفظ ''کفر'' کے معنی چھپانے کے نہیں لکھے ہیں یعنی اُن پر شیطان اس استقلال سے سوار ہوا کہ تفسیر کی یا تفہیم کی چھ جلدیں لکھنے کے دوران ایک منٹ کیلئے اُن کے اوپر سے نہیں اُترا ہے۔ لہٰذا اُن کی نصیحت پر چلنے والا تو ہرگز شیطان سے بچ کر نہ نکل سکے گا۔

2۔ موودودی قرآن اور حدیث سے مدد لے کر نہ خود قرآن سے مستفید ہونا چاہتے ہیں نہ دوسروں کی رہنمائی کرنا چاہتے ہیں۔

اتنی لمبی چوڑی خود ساختہ بکواس لکھنے کے بجائے انہیں یہ لکھنا چاہیے تھا کہ:''۔ قرآن کو اپنی عقل سے سمجھنے کے بجائے رسولؐ اللہ جو کچھ بتائیں اُسے اُسی صورت میں اختیار کرتے جاؤ۔'' یا قرآن کے واضح حکم کی رُو سے جو قرآن کی تعلیم دینے کا مجاز ہو اُس کی ہدایت کے ماتحت قرآن کو سمجھو۔ ایرا غیرا نتھو خیرا سے قرآن کو نہ سمجھو ورنہ گمراہی ہاتھ لگے گی۔ مولانا کو نہ خود معلوم ہے نہ اُنھوں نے یہ جاننے کی کوشش کی ہے کہ رسولؐ کے بعد کون کون حضرات قرآن کی تعلیم کے ذمہ دار تھے اور یہی وجہ ہے کہ خود علامہ گمراہ رہے اور ساری امت کو گمراہ رکھنے کے ذمہ دار بنے حالانکہ علامہ لکھتے ہیں کہ:

3۔ نبیؐ شیطانی مداخلت اور اثراندازی سے سو فیصد محفوظ ہوتا ہے اُن کے لئے غلط فہمی کا قطعی امکان نہیں۔

''۔ پیغمبرؐ کو اس امر کا پورا شعور ہوتا ہے کہ وہ ہر قسم کی شیطانی مداخلت سے قطعی محفوظ و مامون ہے اور جو کچھ اُس تک کسی شکل میں پہنچ رہا ہے وہ ٹھیک ٹھیک اُسکے رب کی طرف سے ہے۔ تمام خداداد احساسات کی طرح پیغمبرؐ کا یہ شعور و احساس بھی ایک ایسی یقینی چیز ہے جس میں غلط فہمی کا کوئی امکان نہیں جس طرح مچھلی کو اپنے تیراک ہونے کا، پرندے کو اپنے پرندہ ہونے کا اور انسان کو اپنے انسان ہونے کا احساس بالکل خداداد ہوتا ہے۔ اور اس میں غلط فہمی کا کوئی شائبہ نہیں ہو سکتا اُسی طرح پیغمبرؐ کو اپنے پیغمبرؐ ہونے کا احساس بھی بالکل خداداد ہوتا ہے اور اس میں غلط فہمی کا کوئی شائبہ نہیں ہو سکتا۔'' (تفہیم القرآن جلد 5 صفحہ 200)

4۔ قریشی مسلمانوں نے کبھی قرآنی ہدایت پر عمل نہیں کیا ایسے کئی حضرات قرآنی تعلیم کیلئے تیار کئے گئے جو ہمہ گیر علم رکھتے تھے۔

کوئی اور پرواہ کرے یا نہ کرے، سمجھے یا نہ سمجھے مگر ہمارے قارئین کی سمجھ میں یہ بات آجانی چاہیے کہ قرآن ایک ہمہ گیر کتاب ہے جس

میں کائنات کی ہر چیز کی تفصیلات سمودی گئی ہیں (یوسف 12/111) اسلئے کوئی ایک شخص بھی اِس کتاب کو مکمل طور پر سمجھ نہیں سکتا اس لئے کہ کوئی بھی دُنیا کے تمام موضوعات، تمام علوم، تمام عنوانات، تمام فنون پر عبور نہیں رکھتا لہٰذا وہ چند ہی پہلوؤں کو سمجھ سکے گا اور کتاب کے کثیر حصے سے محروم رہے گا۔ اور محروم ہی نہ رہے گا بلکہ یقیناً گمراہ ہو جائے گا۔ اِسلئے کہ یہ کتاب باقی کتابوں والی ترتیب سے لکھی نہیں گئی ہے اس میں تمام مضامین الگ الگ بیان نہیں ہوئے ہیں۔ مثلاً حکمت (Medical) اور اخلاق جدا جدا نہیں سائنس اور تجارت الگ الگ نہیں ہیں۔ بلکہ تمام علوم ملے جُلے بیان ہوئے ہیں ابھی ایک جملہ میڈیکل کے متعلق آیا تو فوراً اُس کے بعد تجارت پر دو جُملے آگئے یہ ابھی ختم نہ ہوئے تھے کہ سائنس کی بات ہونے لگی۔ یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہتے ہوئے کتاب ختم ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اس کتاب کی تعلیم دینے کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ جیسا شخص ہونا لازم ہے۔ جنہیں اللہ نے کائنات کا تفصیلی اور عملی علم دیا تھا۔ اور نہ صرف علم دیا تھا بلکہ اس کتاب کا مُعلّم بھی بنایا تھا۔ تفصیلات ہماری تفسیر میں دیکھیں یہاں قرآن سے اختصار کے ساتھ متعلقہ چند آیات دیکھ لیں۔

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًاO (نساء 4/113)

"۔ اللہ نے تم پر مکمل کتاب (الکتاب) اور تمام قسم کی حکمتیں (الحکمۃ) نازل کیں اور تمہیں وہ سب کچھ تعلیم کر دیا جو تم نہ جانتے تھے اور تم پر تو اللہ کا عظیم الشان فضل مسلسل رہتا چلا آیا ہے۔"

اس اکیلی ہی آیت سے حضورؐ کے ہمہ گیر علم کا ثبوت واضح الفاظ میں آپ کے سامنے ہے اور بتا دیا گیا ہے کہ حضورؐ سے لاعلمی، جہالت اور ناواقفیت کی نفی کر دی گئی ہے۔ یعنی جیسی ہمہ گیر کتاب دی گئی ویسا ہی ہمہ گیر علم خود خدا نے دیا تھا۔

5۔ رسول اللہ نے اپنے شاگردوں کو ہمہ گیر کتاب کا ہمہ گیر علم سکھایا اور اُن کا تزکیہ نفس بھی کر دیا۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس ہمہ گیر کتاب کی تعلیم دی اور اس کی تعلیم کو ہمیشہ جاری رکھنے کے لئے ایسے لوگ تیار کئے جن کو اپنے برابر کا ہمہ گیر علم سکھایا تھا۔

يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَO (2/151)

"۔ وہ تم پر ہماری آیات کی تلاوت کرتا ہے۔ اور تمہارا تزکیہ نفس کرتا ہے۔ اور تمہیں ہمہ گیر کتاب کی اور تمام حکمتوں کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں اُن تمام چیزوں کی تعلیم دیتا ہے جن کو تم نہیں جانتے۔"

یہاں اور ہر جگہ جہاں مضارع کا صیغہ آتا ہے وہاں دُہرے معنی ہوتے ہیں یعنی۔ آیات کی تلاوت کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ تزکیہ کرتے ہیں اور تزکیہ کریں گے۔ تعلیم دیتے ہیں اور دیں گے۔ مطلب واضح ہے کہ محمدؐ کے زیر اہتمام قرآن کی تعلیم تا قیامت جاری رہے گی تعلیم دینے والے تمام حضرات ہمہ گیر عالم ہوں گے۔ تب قرآن کریم ایک عالمگیر ہدایت کار کتاب کہلائے گا (186/1) اور جو شخص یہ خطبہ دے رہا ہے اُس کے علم اور علم القرآن کی عظمت کو تمام قریش نے اور قریشی لیڈروں نے اور پوری اُمت نے متفقہ طور پر ہمیشہ تسلیم کیا ہے۔ اُس کے باوجود وہ کبھی بھی قرآنی علوم کو حاصل کرنے کے لئے حضرت علی علیہ السلام پر جمع نہیں ہوئے۔ لہٰذا یہ ماننے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے کہ بقول قرآن (25/30) قریشی لیڈر قرآن کو مہجور کرتے ہوئے عہد رسولؐ ہی میں اتنا آگے بڑھ گئے تھے کہ وہاں سے واپس آکر قرآن کو اُس کی صحیح تعلیم سے اختیار کر سکیں۔ لہٰذا علیؑ اور قرآن الگ رہ گئے اور قریش اور باقی مسلمان جدا ہو گئے اور وہ جدائی آج تک موجود چلی آ رہی ہے۔ اور سارے مسلمان مہجور شدہ قرآن

پرعمل کرنے کے لئے مجبور ہیں۔لہٰذا وہ قرآن سے صرف خیر کو اختیار نہیں کرسکتے (186/2) اور نہ ہی شر سے دامن چھڑا سکتے ہیں (186/3) لہٰذا وہ فرایض خداوندی کبھی ادا نہ کرسکیں گے (186/4) اور نہ جنت میں جاسکیں گے۔

6۔ قریش کے مسلمان لیڈر خود رسولؐ کی موجودگی میں اور نزول قرآن کے دوران ہی حرام وحلال اپنے اجتہاد سے کرتے تھے۔

خطبے میں دوسرا موضوع یہ ہے کہ حرام وحلال کے سلسلے میں اللہ ورسولؐ اور قرآن کو اختیار کیا جائے (7 تا 186/5) مگر مسلمان لوگوں کو عہد رسولؐ ہی میں اس طرح الجھایا گیا کہ وہ آج تک حرام وحلال کے چکر سے بھی نہ نکل سکے۔قرآن میں اللہ کی طرف سے یہ فرمایا گیا تھا کہ:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ O (16/116)

مودودی ترجمہ ''۔اور یہ جو تمہاری زبانیں جھوٹے احکام لگایا کرتی ہیں کہ یہ چیز حلال ہے اور وہ چیز حرام ہے۔تو اس طرح کے حکم لگا کر اللہ پر جھوٹ نہ باندھا کرو۔جو لوگ اللہ پر جھوٹے افترا باندھتے ہیں وہ ہرگز فلاح نہیں پایا کرتے۔'' (تفہیم القرآن 2 صفحہ 578)

قرآن کی آیت کے الفاظ اور مودودی کا ترجمہ ثابت کرتا ہے کہ عہد رسولؐ میں اللہ ورسولؐ اور قرآن سے ہٹ کہ حرام اور حلال پر احکام وفتاویٰ صادر کئے جارہے تھے۔یہاں یہ قریش کو اس جُرم سے بچانے کے لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ فتاویٰ عہد رسولؐ کے مسلمان نہ دیتے تھے۔لیکن آیت یہ بتارہی ہے کہ یہ لوگ دنیاوی اور اخروی فلاح کے لئے یہ فتاویٰ دیتے تھے۔آیت نے آکر اُن کو اللہ پر جھوٹ بولنے والا اور فلاح سے محروم قرار دیا ہے۔لہٰذا وہ مسلمان لیڈر تھے۔رہ گئے یہود ونصارا اُن کا یہ ذکر نہیں ہے وہ تو صدیوں پہلے، غلط یا صحیح، حرام اور حلال کا فیصلہ کئے بیٹھے تھے۔اور اُس کا تذکرہ دوسرے مقامات پر قرآن میں ہوچکا ہے۔اور مودودی بھی دبی زبان سے مجتہدانہ طریقہ پر قریشی شریعت سازوں کی تائید کرنے کے لئے بات یوں شروع کرتے ہیں کہ۔

مودودی کی تشریح قرآن سے استنباط کرکے حرام وحلال جائز وناجائز کرنا صحیح ہے:

''۔یہ آیات صاف تصریح کرتی ہے کہ خدا کے سوا تحلیل وتحریم کا حق کسی کو بھی نہیں یا بالفاظ دیگر قانون ساز صرف اللہ ہے۔دوسرا جو شخص بھی جائز اور ناجائز کا فیصلہ کرنے کی جرات کرے گا وہ اپنی حد سے تجاوز کرے گا اِلّا یہ کہ وہ قانون الٰہی کو سند مان کر اُس کے فرامین سے استنباط کرتے ہوئے یہ کہے کہ فلاں چیز یا فلاں فعل جائز ہے اور فلاں ناجائز ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد دوم صفحہ 578)

یہ آخری جملہ وہ ترکیب ہے، جسے پہلے سارے قریش نے پھر تمام مسلمان علما نے اختیار کئے رکھا۔لیکن یہ جملہ قرآن کی کسی آیت کا ترجمہ نہیں ہے کہ اُسے قرآن ورسولؐ اور اللہ کی طرف سے اجازت مانا جائے۔ورنہ ان لوگوں سے وہ آیت طلب کرو جو یہ قیامت تک نہ دکھاسکیں گے۔یہ جملہ بھی قریشی لیڈروں کا عموماً اور عمر بن الخطاب کا اپنا ذاتی خیال یا اجتہاد خصوصاً ہے۔(دیکھو الفاروق اور فلسفہ شریعت سازی مصنفہ ڈاکٹر صبحی محمصانی اور ہماری کتاب فاروقی شریعت)

7۔ مودودی والے علما کے استنباط کا حال قرآن کے خلاف ہے حرام وحلال کے مسلسل فتووں کا نظارہ مودودی تشریح۔

مندرجہ بالا عمری جملے آیت (16/116) کی ممانعت کے خلاف شریعت سازی، فتویٰ بازی اور حرام وحلال کرتے چلے آنے پر مودودی کا بیان دیکھیں:۔

''121۔فقہائے اسلام میں سے ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ حیوانی غذاؤں میں سے یہی چار چیزیں ہیں۔اوران کے سواہر چیز کا کھا ناجائز ہے۔یہی مسلک عبداللہ ابن عباس اور حضرت عائشہ کا تھا۔لیکن متعدد احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض چیزوں کے کھانے سے یا تو منع فرمایا ہے یا اُن پر کراہت کا اظہار فرمایا ہے۔مثلاً پالتو گدھے۔کچلیوں والے درندے اور پنجوں والے پرندے۔اس وجہ سے اکثر فقہاء تحریم کواُن چار چیزوں تک محدودنہیں مانتے بلکہ دوسری چیزوں تک اُسے وسیع قرار دیئے ہیں۔مگراس کے بعد پھر مختلف چیزوں کی حلّت وحرمت میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہوا ہے مثلاً پالتو گدھے کوامام ابوحنیفہ،امام مالک اورامام شافعی حرام قرار دیتے ہیں۔لیکن بعض دوسرے فقہا کہتے ہیں کہ وہ حرام نہیں ہے۔بلکہ کسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر اُس کی مما نعت فرمادی تھی۔درندہ جانوروں اور شکاری پرندوں اور مردار خوار حیوانات کو حنیفہ مطلقاً حرام قرار دیتے ہیں۔مگرامام مالک اورامام اوزاعی کے نزدیک شکاری پرندے حلال ہیں۔لیث کے نزدیک بلّی حلال ہے۔امام شافعی کے نزدیک صرف وہ درندے حرام ہیں جو انسان پر حملہ کرتے ہیں۔جیسے شیر بھیڑیا چیتا وغیرہ۔عکرمہ کے نزدیک کوّا اور بجّو دونوں حلال ہیں۔اسی طرح حنیفہ تمام حشرات الارض کو حرام قرار دیتے ہیں۔مگرابن ابی لیلی۔امام مالک اوراوزاعی کے نزدیک سانپ حلال ہے۔''(تفہیم اول صفحہ 592 صفحہ 593)

یہ مختصراً نمونہ ہے ورنہ حضرت علی علیہ السلام کے پیروؤں کے علاوہ سارے مسلمانوں نے اپنے اپنے اجتہاد سے اسلام کا نقشہ ہی بدل کررکھ دیا ہے۔

8۔مسلم کی یہ تعریف (Definition) جوسامنے ہے تنگ دل لوگوں کوآگے بڑھانے کے لئے ہے۔

خطبے میں تیسراموضوع مسلم کی تعریف اورحرمت پر ہے(8۔9)اس تعریف سے یہ بات ظاہر ہے کہ ایک غیرمسلم کوہاتھ اورزبان سے اذیت پہنچائی جاسکتی ہے۔جواللہ ومحمدؐ وعلیؑ اور قرآن اور آئمہ اہلبیت کے نزدیک حرام ہے یعنی مسلم ہو یا غیر مسلم ہو کسی قسم کی اذیت یا نقصان پہنچانا ہر گز جائز نہیں ہے۔اسی لئے ہم نے خطبے کے موضوعات میں لکھا ہے کہ:''۔مسلمان کی محدود شناخت کیا ہے؟۔''
(دیکھئے خطبے کی ابتدا)رسولؐ صلی اللہ علیہ وآلہ نے دوسری تعریف یہ کی تھی کہ:''۔مَنْ سَلَّمَ النَّاس۔''جوتمام انسانوں کی سلامتی بحال رکھے۔''
اورحضرت علی علیہ السلام کی وہ تعریف جونہ اُن سے پہلے والوں نے کی نہ بعد والوں نے کی وہ یہ ہے کہ:''۔**اَلْعَمَلُ وَالْعَمَلُ فَالْعَمَل**۔''
مسلمان وہ ہے جو ہر لحہ مفید کام جاری رکھے۔''(Doing Productive Work) حضورعلیہ السلام نے اپنے مخاطبوں کودیکھا کہ کثرت خود مسلمانوں پرظلم وستم کرتی ہے اُن کے حقوق غضب کرتی ہے اُن کے اموال اور جانوں کو چاروں طرف خطرہ ہی خطرہ ہے اس لئے چاہا کہ وہ کم ازکم مسلمانوں کواپنی زبان اور ہاتھ سے محفوظ رہنے دیں۔اس لئے رسولؐ اللہ والی وہ تعریف بیان فرمادی جوآنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ نے عربی درندوں کودرندگی میں محدود کرنے کے لئے بیان فرمائی تھی۔

9۔موت کوسامنے رکھنے کوبطوراپیل استعمال فرمایا ہے تاکہ اللہ سے نہ سہی موت سے توڈریں۔

شریف اورغیورانسان توطرح طرح کی ذمہ داریاں سامنے رکھتا ہے اورلاقانونیت اور بے لگام زندگی سے بچتا ہے مگرعہدرسولؐ کے مسلمان آج کل کے مسلمانوں کی طرح فاسق وفاجروظالم وستم گیر تھے۔شفاعت کی قسم کے بہانوں کو ہروقت سامنے رکھتے تھے اوراللہ وقیامت وروز حساب سے قطعاً بےفکر ہوگئے اُن کا قریشی قانون یہ تھا کہ:
''۔جوکچھ مسلمانوں کی کثرت کو پسند ہے وہی اللہ کو پسند ہے۔''(فلسفہ شریعت صفحہ 123)

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر: 169

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 170

خُطبہ ﴿187﴾

1۔آسمانوں اور فضاؤں کی تخلیق کا بڑا مقصد؟ 2۔زمین کی تخلیق کا مقصد؟ 3۔پہاڑوں کا مقصد؟ 4۔غلبہ کی صورت میں اللہ سے کیا مانگو؟ اور مغلوبیت میں کیا طلب کرو؟ 5۔غیور مسلمانوں کو یاد فرمایا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ وَالْجَوِّ الْمَكْفُوْفِ ؛	1	اے اللہ اے بلند کئے ہوئے آسمانوں اور تھمی ہوئی فضاؤں اور خلاؤں کے پروردگار۔
اَلَّذِیْ جَعَلْتَهُ مَغِيْضًا لِّلَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؛	2	اے وہ ہستی جس نے آسمانوں فضاؤں اور خلاؤں کو دن اور رات کیلئے جمع ہونے اور پناہ لینے کیلئے بنایا ہے۔
وَمَجْرًى لِلشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَمُخْتَلَفًا لِلنُّجُوْمِ السَّيَّارَةِ ؛	3	اور جنہیں تو نے سورج اور چاند اور مختلف ستاروں اور سیاروں کے نمودار ہونے اور سفر کرنے کی جگہ قرار دیا ہے۔
وَجَعَلْتَ سُكَّانَهُ سِبْطًا مِّنْ مَّلَائِكَتِكَ لَا يَسْأَمُوْنَ مِنْ عِبَادَتِكَ ؛	4	اور جہاں کے باشندہ فرشتوں کو تو نے اس گروہ میں منظم کیا ہے جو تیری عبادت واطاعت سے نہ تو تھکتے ہیں نہ اکتاتے ہیں۔
وَرَبَّ هٰذِهِ الْاَرْضِ الَّتِیْ جَعَلْتَهَا قَرَارًا لِّلْاَنَامِ ؛	5	اور اے اس زمین کے پروردگار جسے تو نے جانداروں اور کھانے پینے والوں کے قیام و رہنے کی جگہ بنایا ہے۔
وَمَدْرَجًا لِّلْهَوَامِّ وَ الْاَنْعَامِ ؛	6	اور جسے تو نے کیڑوں مکوڑوں اور موذی جانوروں اور مویشیوں کے رہنے، چلنے پھرنے اور زندہ رہنے کی جگہ بنایا ہے۔
وَمَا لَا يُحْصٰی مِمَّا يُرٰی وَمِمَّا لَا يُرٰی ؛	7	اور اس پوری کائنات کے پروردگار جس کا کوئی حد وحساب نہیں لگا سکتا خواہ وہ دیکھی ہوئی کائنات ہو یا جو دیکھی نہیں جا سکتی ہے۔
وَرَبَّ الْجِبَالِ الرَّوَاسِیِ الَّتِیْ جَعَلْتَهَا لِلْاَرْضِ اَوْتَادًا وَّلِلْخَلْقِ اعْتِمَادًا ؛	8	اور اے مضبوط پہاڑوں کے پالنے والے جنہیں تو نے اس زمین کو سنبھالنے والی میخیں بنایا ہے اور مخلوقات کا سہارا قرار دیا ہے۔
اِنْ اَظْهَرْتَنَا عَلٰی عَدُوِّنَا فَجَنِّبْنَا الْبَغْیَ	9	اے ہمارے پروردگار اگر تو نے ہمیں دشمن پر غلبہ دیا تو ہمیں زیادتی کرنے

وَسَدِّدْنَا لِلْحَقِّ ؛		اور باغی ہو جانے سے روکنا اور حق پر قائم رکھنا۔
وَاِنْ اَظْهَرْتَهُمْ عَلَيْنَا فَارْزُقْنَا الشَّهَادَةَ وَاعْصِمْنَا الْفِتْنَةِ ؛	10	اور اگر تو نے ہمارے دشمنوں کو ہم پر غلبہ دیا تو پھر شہادت عطا کر دینا اور ہمیں فتنوں سے محفوظ رکھنا۔
اَيْنَ الْمَانِعُ لِلزِّمَارِ وَالْغَائِرُ عِنْدَ نُزُوْلِ الْحَقَائِقِ مِنْ اَهْلِ الْحِفَاظِ ؟	11	کہاں ہیں عزت و آبرو کے نگہبان؟ اور کہاں ہیں مصیبتوں کے نزول کے وقت ننگ و ناموس کی حفاظت کرنے والے غیور مومنین؟
اَلْعَارُ وَرَاءَ كُمْ وَالْجَنَّةُ اَمَامَكُمْ ؛	12	سمجھ لو کہ بے عزتی تمہارا تعاقب کر رہی ہے اور جنت تمہارے استقبال کو سامنے موجود ہے۔

تشریحات:

اس خطبے میں آپ کے مخاطب وہ لوگ رہے ہیں جو حضرت علی علیہ السلام کی زبان سے اللہ کی مدح وثنا اور صفات سُن کر خوش ہوا کرتے تھے۔ خطبہ کا اندازہ بتا رہا ہے کہ سامعین بھی جھوم رہے ہیں اور خود حضور علیہ السلام بھی جھوم جھوم کر رب العالمین کی حمد فرما رہے ہیں۔ ایسا ہی ماحول تھا کہ اچانک آپ کو اپنے گزرے ہوئے فدا کار یاد آ گئے اور اُن کے متعلق دو جملے فرما کر سامعین کو اسلام کے اور مسلمانوں کے تحفظ پر اُبھارا ہے اور بتایا ہے کہ چاروں طرف تمہیں ذلیل و پسپا کرنے کی اسکیمیں بن رہی ہیں۔ اور کامیابی سے گزرنے والوں کیلئے اللہ نے جنت تیار کر رکھی ہے۔ یہی لوگ تھے جو وقت پڑنے پر جانیں لڑا دیتے ہیں۔ جن کا دبدبہ تمام قریش مانتے تھے۔ یہی لوگ تھے جن پر کثرت کا رعب نہ پڑتا تھا۔ اور ہمیشہ غالب رہا کرتے تھے اور حق کو نہ چھوڑتے تھے۔

مفتی جعفر حسین: خطبہ نمبر: 171

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 172

خُطبہ ﴿188﴾

مسئلہِ خلافت پر قریشی خلفا کا تصور اور خلافت کے حق دار کی شناخت؟

1۔قریشی دانشوروں کو ان ہی کے مسلمات سے ملزم قرار دیا اور حق پر مجبور کیا گیا ہے ۔2۔کس قسم کے لوگوں سے جنگ ضروری ہے؟3۔دنیا کی پوزیشن اور مسلمانوں کو دنیا میں رہنے کا طریقہ بتایا ہے۔4۔وہ صورتِ حال جس میں دنیا کی چیزوں کا کھویا جانا انسان کو نقصان نہیں پہنچا سکتا ہے۔اور وہ صورت حال جب دنیا کی کوئی چیز نفع نہیں پہنچا سکتی ہے؟

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

اَمِیۡنُ وَحۡیِہٖ وَخَاتَمُ رُسُلِہٖ وَبَشِیۡرُ رَحۡمَتِہٖ وَنَذِیۡرُ نِقۡمَتِہٖ ؛	1	وہ حضرتؐ اللہ کی وحی کے امین تھے،اور اللہ کے رسولوں کے خاتم تھے اور اس کی رحمت کی خوشخبری سنانے والے اور اس کے عذاب سے خبردار کرنے والے تھے۔
اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّ اَحَقَّ النَّاسِ بِھٰذَا الۡاَمۡرِ اَقۡوَاھُمۡ عَلَیۡہِ ؛	2	اے لوگو خلافت کا سارے انسانوں میں سب سے زیادہ حقدار وہ ہوتا ہے جو خلافت کے لئے تمام انسانوں سے زیادہ قوی ہو۔
وَاَعۡلَمُھُمۡ بِاَمۡرِ اللّٰہِ فِیۡہِ ؛	3	اور سب سے زیادہ اللہ کے احکام کا عالم ہو۔
فَاِنۡ شَغَبَ شَاغِبٌ اسۡتُعۡتِبَ فَاِنۡ اَبٰی قُوۡتِلَ ؛	4	اس صورت میں اگر کوئی فتنہ پرداز کوئی فتنہ پیدا کرے تو اسے توبہ کے لئے کہا جائیگا۔اگر وہ فتنہ سے باز نہ آئے اور توبہ نہ کرے تو اس سے جنگ کی جائے گی۔
وَلَعَمۡرِیۡ لَئِنۡ کَانَتِ الۡاِمَامَۃُ لَاتَنۡعَقِدُ حَتّٰی تَحۡضُرَھَا عَامَّۃُ النَّاسِ فَمَا اِلٰی ذٰلِکَ سَبِیۡلٌ ؛	5	اور اپنی جان کی قسم کہ اگر خلافت کے انعقاد کیلئے تمام امت کے افراد کا یک جگہ جمع ہو کر رائے دینا ہے اور ان کی رائے سے خلیفہ بننا ہے تو ایسی خلافت کے قائم ہونے کی کوئی راہ ہے ہی نہیں (یعنی نہ سب جمع ہوں گے نہ خلیفہ بنایا جا سکے گا)
وَلٰکِنۡ اَھۡلُھَا یَحۡکُمُوۡنَ عَلٰی مَنۡ غَابَ عَنۡھَا ؛	6	ولیکن جنہوں نے خود کو خلافت کا اہل سمجھا تھا وہ لوگ اپنے فیصلہ کا ان لوگوں کو بھی پابند کریں گے جو غائب تھے۔
ثُمَّ لَیۡسَ لِلشَّاھِدِ اَنۡ یَرۡجِعَ وَلَا لِلۡغَائِبِ اَنۡ یَخۡتَارَ ؛	7	پھر موجودین کو یہ اختیار نہ رہے گا کہ وہ ان کے فیصلے سے منحرف ہو جائیں اور نہ غیر حاضر لوگوں کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ کسی اور کو خلافت کے لئے اختیار کر سکیں۔

اَلَا وَاِنِّی اُقَاتِلُ رَجُلَیْنِ رَجُلًا ادَّعٰی مَالَیْسَ لَهٗ وَاٰخَرَ مَنَعَ الَّذِیْ عَلَیْهِ ؛	8	دیکھو کہ میں دو شخصوں سے ضرور جنگ کروں گا اول وہ شخص جو ایسی چیز کا دعویٰ کرے جو اس کے لئے نہ ہو اور دوسرا وہ شخص جو اپنے کئے ہوئے عہد کو توڑ ڈالے اور اس کو روکنا چاہے جو اپنے حق پر قائم ہے۔
اُوْصِیْکُمْ عِبَادَ اللّٰهِ بِتَقْوَی اللّٰهِ ؛	9	خدا کے بندو میں تمہیں اللہ کے حضور میں پابندی اور ذمہ داری کی وصیت کرتا ہوں۔
فَاِنَّهَا خَیْرُمَا تَوَاصَی الْعِبَادُ بِهٖ ؛	10	یقیناً تقویٰ ان تمام نیکیوں سے بڑھ کر ہے جن کی لوگ لوگوں کو وصیت کرتے ہیں۔
وَخَیْرُ عَوَاقِبِ الْاُمُوْرِ عِنْدَاللّٰهِ ؛	11	اور اللہ کے نزدیک تمام نتائج اور انجاموں سے بہتر ہے۔
وَقَدْ فُتِحَ بَابُ الْحَرْبِ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَ اَهْلِ الْقِبْلَةِ ؛	12	اور حقیقت یہ ہے کہ تمہارے اور دوسرے اہل قبلہ کے درمیان جنگ کا دروازہ کھل چکا ہے۔
وَلَا یَحْمِلُ هٰذَا الْعَلَمَ اِلَّا اَهْلُ الْبَصَرِ وَالصَّبْرِ وَالْعِلْمِ بِمَوَاقِعِ الْحَقِّ ؛	13	اور ہمارے جنگی پرچم کو صرف وہی شخص لے کر بڑھے گا جو صاحبِ بصیرت ہو اور ہر حال میں صبر کرنے والا ہو اور حق و ناحق کے مواقع کا علم رکھتا ہوگا۔
فَامْضُوْا لِمَا تُؤْمَرُوْنَ بِهٖ وَقِفُوْا عِنْدَمَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ ؛	14	چنانچہ تمہیں جو حکم دیا جائے تم اس کے ماتحت اقدام کرو اور جس معاملے کی ممانعت کردی جائے وہاں قدم روک لیا کرو۔
وَلَا تَعْجَلُوْا فِیْ اَمْرٍ حَتّٰی تَتَبَیَّنُوْا ؛	15	اور کسی بھی معاملے میں تحقیق و تفتیش کئے بغیر جلدی نہ کیا کرو۔
فَاِنَّ لَنَا مَعَ کُلِّ اَمْرٍ تُنْکِرُوْنَهٗ غِیَرًا ؛	16	ہمیں ان تمام معاملات اور صورتوں میں مخالفت اور انقلاب کا یقین ہے جن کا تم لوگ انکار کرتے رہتے ہو۔
اَلَا وَاِنَّ هٰذِهِ الدُّنْیَا الَّتِیْ اَصْبَحْتُمْ تَتَمَنَّوْنَهَا وَتَرْغَبُوْنَ فِیْهَا ؛	17	خبردار ہو کر سنو کہ یہ دنیا جس میں تم تمنائیں لے کر اور رغبت سے بڑھتے ہوئے روزانہ صبح کرتے ہو اور امیدوں سے لپٹے رہتے ہو۔
وَاَصْبَحَتْ تُغْضِبُکُمْ وَتُرْضِیْکُمْ ؛	18	اور دنیا کبھی تمہیں غصہ دلاتی ہوئی صبح کرتی ہے اور کبھی خوش کرتی ہوئی آتی ہے۔
لَیْسَتْ بِدَارِکُمْ وَلَا مَنْزِلِکُمُ الَّذِیْ خُلِقْتُمْ لَهٗ ؛ وَلَا الَّذِیْ دُعِیْتُمْ اِلَیْهِ ؛	19	یہ دنیا نہ تو تمہارا مقام ہے نہ تمہاری وہ منزل ہے جس کے لئے تمہیں پیدا کیا گیا تھا اور نہ ہی تمہیں اس دنیا میں ٹھیرے رہنے کی دعوت دی گئی تھی۔
اَلَا وَاِنَّهَا لَیْسَتْ بِبَاقِیَةٍ لَّکُمْ وَلَا تَبْقَوْنَ عَلَیْهَا ؛	20	اور خبردار رہو کہ یہ دنیا تمہارے لئے باقی رہنے والی جگہ نہیں اور نہ تم اس میں باقی رہنے والے ہو۔
وَهِیَ وَاِنْ غَرَّتْکُمْ مِّنْهَا فَقَدْ حَذَّرَتْکُمْ شَرَّهَا ؛	21	اور یہ دنیا تو ایسی ہے کہ اگر اس نے تمہیں اپنی آرائشوں اور سامان سے فریب دیا ہے تو اس نے ساتھ کے ساتھ تمہیں اپنی شرانگیزی سے خبردار بھی رکھا ہے۔

فَدَعُوْا غُرُوْرَهَا لِتَحْذِيْرِهَا ؛ وَ اطْمَاعَهَا لِتَخْوِيْفِهَا ؛	22	چنانچہ تم اس کے خبردار کرنے سے فائدہ اُٹھا کر اس کے فریبوں سے باہر نکل آؤ اور اس کے ڈرانے سے یہ فائدہ اُٹھاؤ کہ اس کی طمع انگیزی سے بچ نکلو۔
وَسَابِقُوْا فِيْهَا اِلَى الدَّارِ الَّتِيْ دُعِيْتُمْ اِلَيْهَا وَ انْصَرِفُوْا بِقُلُوْبِكُمْ عَنْهَا ؛	23	اور اسی دنیا میں رہتے ہوئے تم اس گھر کی طرف سبقت کر جاؤ جس کی طرف تمہیں دعوت دی گئی تھی اور ساتھ ہی تم اس دنیا سے اپنے دلوں کو ہٹالو۔
وَلَا يَخِنَّنَّ اَحَدُكُمْ خَنِيْنَ الْاَمَةِ عَلٰى مَا ذُوِيَ عَنْهُ مِنْهَا ؛	24	اگر اس دنیا کی کوئی چیز تم میں سے کسی کو نہ دی جائے تو تمہیں اس چیز کے روک لئے جانے پر باندیوں کی طرح منمنانا اور ٹھنکنا نہ چاہیۓ۔
وَاسْتَتِمُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ بِالصَّبْرِ عَلٰى طَاعَةِ اللّٰهِ ؛	25	اور تمہیں چاہیۓ کہ تم اپنے لئے اللہ سے درخواست کرو کہ وہ تم پر اپنی نعمتوں کو مکمل کر دے اور اس کیلئے تمہیں اللہ کی اطاعت کرنا چاہیۓ اور مشکلات میں صبر کرنا چاہیۓ۔
وَالْمُحَافَظَةِ عَلٰى مَا اسْتَحْفَظَكُمْ مِّنْ كِتَابِهٖ ؛	26	اور ان چیزوں کا تحفظ کرتے رہنا چاہیۓ جن کی حفاظت کرنے کے لئے اس نے اپنی کتاب میں تم پر تقاضہ کیا ہے۔
اَلَا وَاِنَّهٗ لَا يَضُرُّكُمْ تَضْيِيْعُ شَيْءٍ مِّنْ دُنْيَاكُمْ بَعْدَ حِفْظِكُمْ قَائِمَةَ دِيْنِكُمْ ؛	27	چنانچہ اگر تم نے صبر و اطاعت سے اپنے دین کے اصول و قواعد اور بنیادوں کی حفاظت جاری رکھی تو پھر اگر تم سے تمہاری اس دنیا کی کوئی چیز ضائع ہو بھی جائے گی تب بھی تمہیں یہاں کوئی نقصان نہ ہونے پائے گا۔
اَلَا وَاِنَّهٗ لَا يَنْفَعُكُمْ بَعْدَ تَضْيِيْعِ دِيْنِكُمْ شَيْءٌ حَافَظْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَمْرِ دُنْيَاكُمْ ؛	28	خبردار یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اگر تم نے دین کی حفاظت نہ کی اور اس کے اصول و قواعد اور بنیادوں کو ضائع کر دیا تو اس کے بعد تمہیں تمہاری اس دنیا کی کوئی بھی چیز فائدہ نہیں پہنچائے گی۔ جسے تم نے محفوظ رکھا تھا۔
اَخَذَ اللّٰهُ بِقُلُوْبِنَا وَقُلُوْبِكُمْ اِلَى الْحَقِّ ؛	29	اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے اور تمہارے دلوں کو راہ راست اور حق پر قائم و متوجہ رکھے۔
وَاَلْهَمَنَا وَاِيَّاكُمُ الصَّبْرَ ؛	30	اور ہمیں اور تمہیں بھی وقت آنے پر صبر کرنے کی توفیق دیتا اور الہام کرتا رہے''

تشریحات: رسالت کی حقیقت

خطبہ کی ابتدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی طرف ایک بنیادی اشارے سے کی ہے یعنی وہ حضرتؐ اللہ کی وحی کے امین تھے۔

2۔ تمام انبیاؑ اور غیر انبیاؑ کو وحی خداوندی کی ترسیل کا ذخیرہ محمد مصطفیٰ صلی علیہ وآلہ کے پاس رہا ہے۔

یہاں یہ بات نوٹ رکھنے کی ہے۔ کہ وہ تمام احکام و اطلاعات جو آسمانوں میں یا تمام انبیا و رسل علیہم السلام میں یا مادر موسیٰؑ یا حضرت مریمؑ یا جناب ہاجرہؑ یا دیگر ذی حیات میں بھیجی گئیں سب حضورؐ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس بطور امانت رہی ہیں اور وہی حضرتؐ وحی کے پورے

ذخیرے کے امین وخازن تھے۔ اُمت میں اُن باتوں کو قریش نے شہرت نہیں دی جو رسولؐ کی عظمت وشان سے متعلق تھیں۔ ہاں جبرئیل علیہ السلام کو قریش نے وحی کے امین مانا اور خوب شہرت دی۔ حالانکہ جبرئیلؑ اور تمام ملائکہ بہت بعد کی تخلیق ہیں اور اُن کے پیدا کئے جانے سے کہیں بہت پہلے وحی کی ترسیل شروع ہو چکی تھی۔ وحی کا امین تو ایسی ذات پاک کو ہونا چاہیے جو پوری کائنات میں سب سے اولین مخلوق ہو اور جس میں وحی کا شعور وعظمت وعلم وفہم موجود ہو۔ اور ملائکہ تو نہ صرف بعد کی پیدایش ہیں بلکہ اُن میں شعور وعلم وفہم بہت محدود تھا اور مانا گیا ہے اور جبرئیل کے لئے قرآن میں کہیں بھی وحی کے امین ہونے کا ذکر نہیں ہے۔

3۔ جبرئیل کے متعلق وحی کے امین ہونے کا محض پروپیگنڈا قریش کی طرف سے کیا گیا ہے وہ وحی پر امین بھی نہ تھے اور وحی لے کر بار بار نازل بھی نہ ہوئے تھے۔

قریش نے جس آیت سے جبرئیل کو وحی پر امین مشہور کیا ہے وہ سامنے رکھ لیں فرمایا گیا تھا کہ:۔

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ O نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ O عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ O بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ O وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ O (شعرا196 تا26/192)

ترجمہ:۔ اور بلاشبہ یہ قرآن ضروری طور پر تیرے رب کی طرف سے نازل شدہ کتاب ہے جو تمام عالمین کا پالنے والا ہے اور اُسی کے ساتھ تیرے قلب پر رُوح امانت بھی نازل کر دی گئی تھی۔ تاکہ تم بھی بُرے انجام سے خبردار کرنے والوں میں سے ہو جاؤ اور کُھلی کُھلی منہ بولتی عربی زبان میں خبردار کرتے رہو اور یہ کتاب پہلے تمام لوگوں کی کتابوں میں بھی آ چکی ہے۔'' (196 تا26/192)

مودودی کی تشریحات اَلروح امین کو جبرئیل کہا:

ان آیات پر تمام مفسرین عموماً اور مودودی خصوصاً الروح الامین کو جبرئیل کہتے رہے ہیں چنانچہ مودودی کی پہلی تشریح سُنیے لکھتے ہیں کہ ''120۔ مراد ہیں جبرئیل علیہ السلام جیسا کہ دوسری جگہ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ O (2/97) کہہ دے کہ جو کوئی دشمن ہے جبرئیل کا تو اُسے معلوم ہو کہ اُسی نے یہ قرآن اللہ کے حکم سے تیرے دل پر نازل کیا ہے۔'' یہاں اُن کا نام لینے کی بجائے اُن کے لئے الروح امین امانت دار روح کا لقب استعمال کیا ہے اور یہ بتانا مقصود ہے کہ رب العالمین کی طرف سے اس تنزیل کو لے کر کوئی مادی طاقت نہیں آئی ہے جس کے اندر تغیر وتبدل کا امکان ہو بلکہ وہ ایک خالص روح ہے، بلاشبہ مادیت کے۔ اور وہ پوری طرح امین ہے۔ خدا کا پیغام جیسا اُس کے سپرد کیا جاتا ہے ویسا ہی بلا کم وکاست پہنچا دیتی ہے۔ اپنی طرف سے کچھ بڑھانا یا گھٹا دینا یا بطور خود کچھ تصنیف کر لینا اس کے لئے ممکن نہیں ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد 3 صفحہ 534۔535)

اس تشریح میں آیت (2/97) لکھ دینے کے بعد بھی الروح الامین کا جبرئیل سمجھا جانا قرآن کی دلیل سے نہیں بلکہ ذاتی قیاس اور استدلال سے مانی گئی ہے۔ اللہ نے ہرگز قرآن میں کہیں نہیں فرمایا کہ الروح الامین جبرئیل کا لقب ہے۔ قرآن سے یہ ضرور ثابت ہے اور اللہ کے الفاظ میں ثابت ہے کہ جبرئیل نے قرآن کو آنحضرتؐ کے دل پر نازل کیا تھا۔ اور یہ بات لفظ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ سے ثابت ہے مگر اس نازل کرنے سے اَلرُّوْحُ الْاَمِيْنُ جبرئیل نہیں بن جاتا۔ اَلرُّوْحُ الْاَمِيْنُ تو وہ ہستی ہے جو نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ہے یعنی قرآن کے ساتھ ہی نازل کر دی گئی تھی۔ (نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۔ اُترا ہے ساتھ اس کے روح الامین یعنی جبرئیل، رفیع الدین کا ترجمہ صفحہ 452)

لہٰذا نازل ہونے والا اور نازل کرنے والا ایک ہی شخص نہیں ہوسکتا پھر الـــروح کے معنی الف لام کی وجہ سے کم از کم ایک خاص روح ہوتے ہیں اور حقیقی اور پورے معنی تمام روحیں یا تمام روحوں کا نمایندہ یا پوری جنس روح ہوتے ہیں او جبرئیل کو قرآن سے ایک خاص روح بھی ثابت نہیں کیا جاسکتا چہ جائیکہ تمام روحیں یا تمام روحوں کا نمائندہ یا روحوں کی پوری جنس ثابت کیا جاسکے۔ علاوہ ازیں تمام علما عموماً اور مودودی خصوصاً مانتے ہیں کہ ملائکہ اور الروح الگ الگ اور دو جداگانہ مخلوق ہیں۔

4۔ ملائکہ اور الروح ایک ہی ہستی نہیں الگ الگ جداگانہ مخلوق ہیں؟ چنانچہ سورہ قدر کی آیت (97/4) کا مودودی ترجمہ دیکھیں۔

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِم مِّنْ كُلِّ اَمْرٍO (97/4)

مودودی: ''۔فرشتے اور روح اُس شب میں اپنے رب کے اذن سے ہر حکم لے کر اُترتے ہیں۔'' (تفہیم القرآن 6 صفحہ 406)

معلوم ہوا کہ ملائکہ اور روح الگ الگ دو مخلوق ہیں۔ بہر حال قریشی مذہب کے علما نے جس طرح بھی ہوسکا قرآن کے الفاظ اور مفہوم کے بغیر ہی جبرئیل کو الروح الامین بنا کر رکھ دیا اور کہیں بھی لفظ الروح کا صحیح ترجمہ نہ کیا۔ اور آنحضرتؐ کے مقام بلند تک لوگوں کی نظریں نہ جانے دیں اس لئے حضرت علی علیہ السلام نے خطبے کے پہلے ہی جملے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کا مقام آپ کے سامنے رکھ دیا۔ (188/1 خطبہ)

5۔ آیات (196 تا 26/192) کے ترجمہ وتشریح میں بہت سے حقائق کو چھپایا گیا ہے۔

قریش سچے دل سے مستقل طور پر کسی حقیقت کو بھی نہیں مانتے۔ اگر وہ الروح الامین کو جبرئیل سچ مچ مان لیں تو انہیں یہ بھی ماننا چاہیے کہ:

(1) سارا قرآن ایک دم اور ایک ساتھ نازل ہوا تھا (نَزَلَ بِهٖ)۔

(2) جبرئیل دل پر نازل ہوا تھا کانوں پر نہیں۔ اور یہ کہ

(3) جبرئیل تیئس 23 سال تک برابر محمدؐ کے دل میں رہے۔

یہ تین باتیں جو قرآن کے الفاظ سے ثابت ہیں اگر مان لی جاتیں تو قریش نہ تو دورانِ نزولِ وحی میں مرگی کے دَورے پڑنا اپنی کہانیوں میں لکھ سکتے نہ جبرئیل کے نام کے کرتب دکھا سکتے۔ نہ تیئس سال تک رسولؐ کو مکمل قرآن کے علم سے محروم اور اپنے برابر کرکے دکھا سکتے۔ قرآن کریم کا سابقہ کتابو ں میں موجود ہونے سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ قرآن ان تمام کتابوں سے پہلے سے موجود تھا اور وحی خداوندی کا سارا ذخیرہ رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کی تحویل اور امانت میں چلا آیا ہے۔ اسی پہلے جملے میں آپ نے خَاتَمُ کی لفظ فرما کر ثابت کردیا کہ خَاتِمُ النبیین کہنا یا خَاتَمُ النبیین کہنا ایک ہی معنی دیتا ہے۔ اور وہ تمام بحثیں غلط اور بے معنی ہیں جو احمدی یا قادیانی حضرات کرتے اور معنی بدلتے رہتے ہیں۔

6۔ خطبے کے دوسرے موضوع میں حضورؐ نے قریش کی خلافت، انتخاب یا خلیفہ کے الیکشن اور طرزِ حکومت کو باطل قرار دیا ہے۔

حضور علیہ السلام نے اپنے دوسرے جملے میں سب سے زیادہ خلیفہ یا سربراہ اسلام کا حق دین میں سب سے قوی تر کو اور تیسرے جملے میں دین کے سب سے عالم تر کو دیا ہے۔ (188/2-3 خطبہ) اور اس کی دلیل قرآن میں موجود ہے (2/247)۔

(الف) خدا اور رسولؐ کے حکم سے خلیفہ رسولؐ یا بادشاہ بنایا جاتا ہے کثرت کی رائے یا انتخاب سے نہیں بنایا جاتا

چنانچہ ہم اس سلسلے میں قریش پرست اور قریشی خلفائے ثلاثہ کو برحق ماننے والے مودودی کو پیش کرتے ہیں پہلے قرآن سے حضرت علی علیہ السلام کی دلیل و فیصلہ سُن لیں اللہ کے رسول حضرت سموئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ:

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌO (2/247)

مودودی کا ترجمہ: ''۔اُن کے نبیؑ نے اُن سے کہا کہ اللہ نے طالوت کو تمہارے لئے ، بادشاہ مقرر کیا ہے یہ سُن کروہ بولے''۔ہم پر بادشاہ بننے کا وہ کیسے حق دار ہو گیا؟ اُس کے مقابلے میں بادشاہی کے ہم زیادہ مستحق ہیں وہ تو کوئی بڑا مالدار آدمی نہیں۔'' نبیؑ نے جواب دیا۔اللہ نے تمہارے مقابلے میں اُسی کو منتخب کیا ہے اور اُس کو دماغی وجسمانی دونوں قسم کی اہلیتیں فراوانی کے ساتھ عطا فرمائی ہیں اور اللہ کو اختیار ہے کہ اپنا مُلک جسے چاہے دے اللہ بڑی وسعت رکھتا ہے اور سب کچھ اس کے علم میں ہے۔''(تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 188-187)

یہ تھی وہ دلیل جو حضرت علی علیہ السلام نے اپنے دوسرے اور تیسرے جملے میں پیش کی اور مودودی نے مان لیا ہے کہ کسی مملکت کا سربراہ، بادشاہ یا حاکم بنانا صرف اللہ کے اختیار میں ہے اور وہی جسے چاہتا ہے اپنا ملک ومملکت سونپتا ہے۔اس سے قریشی عقائد واصول باطل ہو گئے اور اُن کے تینوں خودساختہ خلفا بھی اللہ ورسولؐ اور قرآن اور سابقہ دینی عملدرآمد کے مخالف اور باطل نکل گئے جبکہ قرآن میں وعدہ یہ کیا گیا تھا کہ:۔

(ب)اللہ ورسولؐ اور قرآن کے مطابق بنائے جانے والے خلیفہ اللہ کے سابقہ رویہ کے مطابق بنیں گے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

مودودی ترجمہ ''۔اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے اُن لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ اُن کو اُسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح اُن سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے۔''(نور 24/55)

قارئین جانتے ہیں اور تمام قریشی علما وعوام اور اُن کا ریکارڈ مانتے ہیں کہ خلفائے ثلاثہ کی اللہ ورسولؐ کے کسی حکم کے ماتحت حکومت وخلافت نہ بنی تھی بلکہ انھوں نے خود ہی اپنی خلافت وخلیفہ بنالئے تھے لہٰذا حضرت علی علیہ السلام اور قرآن کی رُو سے وہ خلافت باطل تھی۔

مودودی کی تشریح کے ساتھ ساتھ قرآن کا بیان کہ سابقہ تمام امتوں کا ایمان یہی تھا کہ خلیفہ یا بادشاہ صرف اللہ ورسولؐ بنا سکتے ہیں۔

اس کے بعد پھر قرآن پڑھیں اور دیکھیں کہ بدترین قسم کے بنی اسرائیل بھی یہ مانتے تھے کہ اُمتوں کو خود بخود خلیفہ یا حاکم یا بادشاہ بنا لینے کا اختیار نہیں ہوتا بلکہ برحق خلیفہ یا حاکم یا بادشاہ وہی ہوگا جو اللہ اور رسولؐ کے حکم سے بنایا جائے اسی لئے بنی اسرائیل کے لیڈروں اور سرداروں نے اپنے نبیؑ سے درخواست کی تھی کہ:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا، قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَO (2/246)

مودودی ترجمہ: ''۔پھر تم نے اُس معاملے پر بھی غور کیا جو موسیٰؑ کے بعد سرداران بنی اسرائیل کو پیش آیا تھا؟ اُنھوں نے اپنے نبیؑ سے کہا کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دو تا کہ ہم اللہ کی راہ میں جنگ کریں۔نبیؑ نے پوچھا کہ کہیں ایسا تو نہ ہوگا کہ تم کو لڑائی کا حکم دیا جائے اور پھر تم نہ لڑو۔وہ کہنے لگے کہ بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم راہ خدا میں نہ لڑیں جب کہ ہمیں اپنے گھروں سے نکال دیا گیا ہے اور ہمارے بال

بچے ہم سے جُدا کردئے گئے ہیں مگر جب اُن کو جنگ کا حکم دیا گیا تو ایک قلیل تعداد کے سوا وہ سب پیٹھ موڑ گئے۔ اور اللہ اُن میں سے ایک ایک ظالم کو جانتا ہے۔'' (تفہیم القرآن اول صفحہ 185 تا 187)

یہ وہ بنی اسرائیل تھے جن کو اللہ نے اس آیت میں ظالمین فرمایا ہے مگر ان ظالمین کا عقیدہ قریش سے بہر حال بہتر تھا جنھوں نے اللہ و رسولؐ کے حکم و اجازت کی پرواہ کئے بغیر خود ہی قومی حکومت بنائی تھی۔

(ج) قریشی صحابہ اور مومنین بنی اسرائیل سے بدتر تھے وہ بھی اللہ سے جنگ کی اجازت مانگتے تھے اور حکم کے ملنے پر بدل گئے تھے؟

وہ صحابہ مومنین بھی بنی اسرائیل سے بدتر ثابت ہوئے آیت ترجمہ مودودی سے سنیئے پھر مودودی کی تشریح دیکھ کر قریش کے اسلام کا وزن کیجئے:

مودودی ترجمہ ''تم نے اُن لوگوں کو بھی دیکھا جن سے کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ روکے رکھو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔ اب جو انہیں لڑائی کا حکم دیا گیا تو اُن میں سے ایک فریق کا حال یہ ہے کہ لوگوں سے ایسا ڈر رہے ہیں جیسا خدا سے ڈرنا چاہیے یا کچھ اس سے بھی بڑھ کر کہتے ہیں خدایا یہ ہم پر لڑائی کا حکم کیوں لکھ دیا؟ کیوں نہ ہمیں ابھی کچھ اور مہلت دی؟'' (نساء 4/77)۔

مودودی کی تشریح صحابہ رضی اللہ عنھم کا حال اور ایمان۔ اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ:

''۔ 107 اس آیت کے تین مفہوم ہیں اور تینوں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں: ایک مفہوم یہ ہے کہ پہلے یہ لوگ یعنی قریشی مسلمان اور صحابہ خود جنگ کے لئے بے تاب تھے۔ بار بار کہتے تھے کہ صاحب ہم پر ظلم کیا جا رہا ہے، ہمیں ستایا جا رہا ہے۔ مارا جاتا ہے گالیاں دی جاتی ہیں آخر ہم کب تک صبر کریں ہمیں مقابلے کی اجازت دی جائے۔ اس وقت ان سے کہا جاتا تھا کہ صبر کرو نماز و زکوٰۃ سے ابھی اپنے نفس کی اصلاح کرتے رہو تو یہ صبر و برداشت کا حکم اُن پر شاق گزرتا تھا۔ مگر اب جو لڑائی کا حکم دے دیا گیا تو ان ہی تقاضہ کرنے والوں میں سے ایک گروہ دشمنوں کا ہجوم اور جنگ کے خطرات دیکھ دیکھ کر سہما جا رہا ہے۔

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جب مطالبہ نماز و زکوٰۃ اور ایسے ہی بے خطر کاموں کا تھا اور جانیں لڑانے کا کوئی سوال درمیان میں نہ آیا تھا تو یہ صحابہ پکے دیندار تھے۔ مگر اب جو حق کی خاطر جان جوکھوں کا کام شروع ہوا تو اُن پر لرزہ طاری ہونے لگا۔

تیسرا مفہوم یہ ہے کہ پہلے تو لُوٹ کھسوٹ اور نفسانی لڑائیوں کے لئے ان صحابہ کی تلوار ہر وقت نیام سے نکلی پڑتی تھی۔ اور رات دن کا مشغلہ ہی جنگ و پیکار تھا۔ اُس وقت اُن قریشی مومنین کو خون ریزی سے ہاتھ روکنے اور نماز و زکوٰۃ سے نفس کی اصلاح کرنے کے لئے کہا گیا تھا۔ اب جو خدا کے لئے تلوار اُٹھانے کا حکم دیا گیا تو وہ لوگ جو نفس کی خاطر لڑنے میں شیر دل تھے خدا کی خاطر لڑنے میں بزدل بنے جاتے ہیں۔ وہ دست شمشیر زن جو نفس اور شیطان کی راہ میں بڑی تیزی دکھاتا تھا اب خدا کی راہ میں شل ہوا جاتا ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 375 تا 373)

یہاں ایک فطری اور واقعی بات نوٹ کریں اور قریشی لوگوں کو یاد دلائیں۔

سوچنا یہ ہے کہ جن صحابہ یا مومنین کا مودودی نے اور قرآن نے یہاں ذکر کیا ہے اُن کے لئے یہ بھی ماننا پڑے گا کہ وہ قدرتی قانون کے مطابق لوٹ کھسوٹ کے مواقع ہاتھ سے نکل جانے کی بنا پر جنگی کارکردگی میں سست و لاپرواہ ہو گئے تھے لہٰذا اگر اُسی پابندی کے ساتھ اس کے بعد بھی جہاد و جنگ جاری رہا ہوتا تو وہی لوگ بڑھ چڑھ کر جنگوں میں حصہ نہ لے سکتے تھے اور وہ فتوحات ابوبکر و عمر و عثمان کو ہرگز نصیب نہ ہوتیں جو ہوتی رہیں۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ پھر جنگ و جہاد سے دینی پابندی اٹھائی تھیں جیسی کہ یہ مسلمان پہلے لڑا کرتے تھے یعنی لوٹ کھسوٹ اور قتل و غارت کی

عام اجازت تھی۔اس لئے دھوم دھام سے لڑی گئیں (2/205) اورلوٹ کے اموال کی ریل پیل خود اسی حقیقت کو ثابت کرتی ہے اور تاریخ وقرآن اس کا ثبوت دیتا ہے۔

(د) مودودی کی تشریح خلافت کے انعقاد پر بنی اسرائیل اور آیات (2/246-247) کے متعلق مذمت میں قریش کو نہ بھولیں۔

اب ہم مودودی کے قلم سے بنی اسرائیل کے لیڈروں کی خلافت سازی پر توریت وقرآن سے اُن کی مذمت پیش کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کی سوچ، عملدارآمد اور طریق کار کو پڑھتے ہوئے قریشی لیڈروں اور اُن کے عقاید وعملدارآمد کو نہ بھول جائیں دونوں کا مقابلہ کرتے چلیں سنیئے مودودی لکھتے ہیں کہ:

"268۔ یہ تقریباً ایک ہزار سال قبل مسیحؑ کا واقعہ ہے۔اُس وقت بنی اسرائیل پر عمالِقہ چیرہ دست ہوگئے تھے۔اورانھوں نے اسرائیل سے فلسطین کے اکثر علاقے چھین لئے تھے۔سموئیلؑ نبی اس زمانے میں بنی اسرائیل کے درمیان حکومت کرتے تھے۔مگر وہ بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔اس لئے سرداران بنی اسرائیل نے یہ ضرورت محسوس کی کوئی اور شخص اُن کا سربراہ کار ہو جس کی قیادت میں وہ جنگ کر سکیں لیکن اُس وقت بنی اسرائیل میں اس قدر جاہلیت آچکی تھی اور وہ غیر مسلم قوموں کے طور طریقوں سے اتنے متاثر ہو چکے تھے کہ خلافت اور بادشاہی کا فرق اُن کے ذہنوں سے نکل گیا تھا اس لئے اُنھوں نے درخواست جو کی وہ خلیفہ کے تقرر کی نہیں بلکہ ایک بادشاہ کے تقرر کی تھی۔اس سلسلے میں بائیبل کی کتاب سموئیل اول میں جو تفصیلات بیان ہوئی ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

"سموئیلؑ زندگی بھر اسرائیلیوں کی عدالت کرتا رہا۔۔۔تب سب اسرائیلی بزرگ جمع ہو کر رامہ سموئیل کے پاس آئے اور اُس سے کہنے لگے کہ دیکھ تو ضعیف ہے اور تیرے بیٹے تیری راہ پر نہیں چلتے۔اب تو کسی کو ہمارا بادشاہ مقرر کر دے۔جو اور قوموں کی طرح ہماری عدالت کرے۔یہ بات سموئیل کو بُری لگی اور سموئیل نے خداوند سے دعا کی اور خداوند نے سموئیل سے کہا کہ جو کچھ یہ لوگ تجھ سے کہتے ہیں تو اُس کو مان کیونکہ انھوں نے تیری نہیں بلکہ میری حقارت کی ہے کہ میں اُن کا بادشاہ نہ رہوں۔۔۔۔۔سموئیل نے اُن لوگوں کو جو اُس سے بادشاہ کے طالب تھے خداوند کی سب باتیں کہہ سنائیں اور اُس نے کہا کہ جو بادشاہ تم پر سلطنت کرے اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ وہ تمہارے بیٹوں کو لے کر اپنے رتھوں کے لئے اور اپنے رسالے میں نوکر رکھے گا۔اور وہ اس کے رتھوں کے آگے دوڑیں گے۔اور وہ اُن کو ہزار ہزار کے سردار اور پچاس پچاس کے جمعدار بنائے گا۔اور بعض سے ہل جتوائے گا اور فصل کٹوائے گا۔اور اپنے لئے جنگ کے ہتھیار اور رتھوں کے ساز بنوائے گا۔اور تمہارے کھیتوں اور تاکستانوں اور زیتون کے باغوں کو جو اچھے سے اچھے ہوں گے لے کر اپنے خدمت گاروں کو عطا کرے گا۔اور تمہارے کھیتوں اور تاکستانوں کا دسواں حصہ لے کر اپنے خواجوں اور خادموں کو دے گا۔اور تمہارے نوکر چاکروں اور لونڈیوں اور تمہارے شکیل جوانوں اور تمہارے گدھوں کو لے کر اپنے کام پر لگائے گا۔اور وہ تمہاری بھیڑ بکریوں کا بھی دسواں حصہ لے گا۔سو تم اُس کے غلام بن جاؤ گے۔اور تم اُس اُس بادشاہ کے سبب سے جسے تم نے اپنے لئے چُنا ہوگا فریاد کرو گے پر اُس دن خداوند تمہیں جواب نہ دے گا۔تو بھی لوگوں نے سموئیل کی بات نہ سُنی اور کہنے لگے کہ نہیں ہم تو بادشاہ چاہتے ہیں جو ہمارے اوپر ہو تا کہ ہم بھی اور قوموں کی مانند ہوں۔اور ہمارا بادشاہ ہماری عدالت کرے اور ہمارے آگے آگے چلے اور ہماری طرف سے لڑائی کرے۔۔۔۔خداوند نے سموئیل کو فرمایا تو اُن کی بات مان لے اور اُن کے لئے ایک بادشاہ مقرر کر۔" (باب 7 آیت 15 تا باب 8 آیت 22 تفہیم القرآن جلد اوّل صفحہ 185 صفحہ 186)

حوالہ مسلسل جاری ہے: ’’۔پھر سموئیل لوگوں سے کہنے لگا۔۔۔۔جب تم نے دیکھا کہ بنی عمون کا بادشاہ ناحس تم پر چڑھ آیا تو تم نے مجھ سے کہا کہ ہم پر کوئی بادشاہ سلطنت کرے۔حالانکہ خداوند تمہارا خدا تمہارا بادشاہ تھا۔سواب اس بادشاہ کو دیکھو جسے تم نے چن لیا اور جس کے لئے تم نے درخواست کی تھی۔دیکھو خداوند نے تم پر بادشاہ مقرر کر دیا ہے۔اگر تم خداوند سے ڈرتے اور اُس کی پرستش کرتے اور اُس کی بات مانتے رہو اور خداوند کے حکم سے سرکشی نہ کرو اور تم اور وہ بادشاہ بھی جو تم پر سلطنت کرتا ہے،۔خداوند اپنے خدا کے پیرو بنے رہو تو خیر،پر اگر تم خداوند کی بات نہ مانو،بلکہ خداوند کے حکم سے سرکشی کرو تو خداوند کا ہاتھ تمہارے خلاف ہوگا۔جیسے وہ تمہارے باپ دادا کے خلاف ہوتا تھا اور تم جان لوگے اور دیکھ بھی لوگے کہ تم نے خداوند کے حضور اپنے بادشاہ مانگنے سے کتنی بڑی شرارت کی۔۔۔۔اب رہا میں،سو خدا نہ کرے کہ تمہارے لئے دعا کرنے سے باز آ کر خداوند کا گنہگار ٹھیروں بلکہ میں وہی راہ جو اچھی اور سیدھی ہے تم کو بتاؤں گا۔‘‘(باب 12 آیت 12 تا 23)

مودودی کے ریمارک سموئیل کے توریتی بیان پر:

’’۔کتاب سموئیل کی ان تصریحات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بادشاہت کے قیام کا یہ مطالبہ اللہ اور اس کے نبیؑ کو پسند نہ تھا۔اب رہا یہ سوال کہ قرآن مجید میں اس مقام پر سرداران بنی اسرائیل کی مذمت کیوں نہیں کی گئی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں اس قصے کا ذکر جس غرض کے لئے کیا ہے۔اُس سے یہ مسئلہ غیر متعلق ہے کہ ان کا مطالبہ صحیح تھا یا نہ۔یہاں تو یہ بتانا مقصود ہے کہ بنی اسرائیل کس قدر بزدل ہو گئے تھے۔اور اُن میں کس قدر نفسانیت آ گئی تھی۔اور اُن کے اندر اخلاقی انضباط کی کتنی کمی تھی۔جس کے سبب سے آخر کار وہ گر گئے اور اس ذکر کی غرض یہ ہے کہ مسلمان اس سے عبرت حاصل کریں اور اپنے اندر یہ کمزوریاں پرورش نہ کریں۔‘‘

مودودی کی دوسری تشریح بائبل سے حضرت طالوتؑ کے متعلق:

’’ 269؎ بائبل میں اس کا نام ساؤل لکھا ہے۔یہ قبیلہ بنی یمین کا ایک 30 سالہ نوجوان تھا‘‘۔بنی اسرائیل میں اس سے خوبصورت کوئی شخص نہ تھا اور ایسا قد آور تھا کہ لوگ اُس کے کندھے تک آتے تھے۔‘‘اپنے باپ کے گم شدہ گدھے ڈھونڈنے نکلا تھا۔راستے میں جب سموئیلؑ نبی کی قیام گاہ کے قریب پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے نبیؑ کو اشارہ کیا کہ یہی شخص ہے جس کو ہم نے بنی اسرائیل کی بادشاہی کے لئے منتخب کیا ہے۔چنانچہ سموئیل نبیؑ اُسے اپنے گھر لائے۔تیل کی کُپی لے کر اُس کے سر پر اُنڈیلی اور اُسے چوما اور کہا کہ’’۔خداوند نے تجھے مسح کیا تاکہ تو اس کی میراث کا پیشوا ہو۔‘‘اس کے بعد انھوں نے بنی اسرائیل کا اجتماع عام کر کے اس کی بادشاہی کا اعلان کیا(سموئیل باب 9.10)(تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 185 تا 187)

نتیجہ اور ہمارے ریمارکس۔ پہلی بات تو یہ نوٹ کریں کہ قریش قدم بقدم بنی اسرائیل کی پیروی کرتے چلے گئے۔اللہ ورسولؐ کی خوشنودی کی کبھی پرواہ نہ کی اور رسولؐ کی نصیحت پر کبھی کان نہ دھرا،دوسری بات یہ نوٹ کریں کہ قومی حکومت کو دونوں خلافت الٰہیہ سے بہتر اور مفید تر سمجھتے تھے۔فرق یہ تھا کہ بنی اسرائیل منافق نہ تھے مکر وفریب نہ دیتے تھے اور یہ انتہائی مکار وفریب ساز تھے۔تیسری بات یہ یاد رکھیں کہ اللہ اور رسولؐ نے اپنے ناراض ہونے اور ناگواری کو چھپایا نہیں دونوں کو برابر تنبیہ کی اور عاقبت کی اور انجام کی خرابی کی اطلاع دی مگر اتمام حجت کے لئے قومی حکومت بنایا جانا منظور کر لیا وہاں طالوتؑ کو تعینات کیا اور بنی اسرائیل نے ناگواری کے ساتھ منظور کر لیا۔یہاں یہ فرما دیا کہ:

ثُمَّ جَعَلۡنٰكُمۡ خَلٰٓئِفَ فِى الۡاَرۡضِ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ لِنَنۡظُرَ كَيۡفَ تَعۡمَلُوۡنَ؟(یونس 10/14)

ترجمہ ’’۔پھر ہم نے اے قریش تمہیں بنی اسرائیل کے بعد زمین میں خلیفہ بنا دیا ہے تاکہ یہ دیکھیں کہ تم لوگ کیسی خلافت چلاتے ہو؟‘‘

یہاں مودودی کی تشریح میں سب کچھ مان لیا ہے سُنئے :

''18۔ خیال رہے کہ خطاب اہل عرب سے ہورہا ہے۔اوراُن سے کہا یہ جارہا ہے کہ پچھلی قوموں کو اپنے اپنے زمانہ میں کام کرنے کا موقع دیا گیا تھا۔مگرانھوں نے آخر کارظلم وبغاوت کی روش اختیار کی اور جو انبیاؑ اُن کو راہ راست دکھانے کے لئے بھیجے گئے تھے اُن کی بات انھوں نے نہ مانی (یونس 10/13) اس لئے وہ ہمارے امتحان میں نا کام ہوئیں۔اور میدان سے ہٹا دی گئیں۔اب اَے اہل عرب تمہاری باری آئی ہے۔ تمہیں اُن کی جگہ کام کرنے کا موقع دیا جاتا ہے۔تم اس امتحان گاہ میں کھڑے ہوجس سے تمہارے پیش رونا کام ہوکر نکالے جاچکے ہیں۔اگر تم نہیں چاہتے کہ تمہاراانجام بھی وہی ہو جواُن کا ہوا۔تو اس موقع سے جو تمہیں دیا جارہا ہے صحیح فائدہ اُٹھاؤ پچھلی قوموں کی تاریخ سے سبق لواوراُن غلطیوں کا اعادہ نہ کرو جواُن کی تباہی کا موجب ہوئیں۔'' (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 271)

یہ تھی قریش اور بنی اسرائیل کی حالت اور اللہ و رسولؐ کی ناگواری میں بھی حاکم بنانے کے لئے علم وجسم کی شرط۔اور یہی حضرت علی علیہ السلام خطبے (3-2) میں بیان فرماتے ہیں۔اس کے بعد حضورؑ نے قریش اور بنی اسرائیل اور تمام جمہوریت پسند اقوام کی پول کھول دی ہے اور انتخاب والیکشن کو ناممکن اور ناجائز قرار دے دیا ہے(8 تا4)اس کے بعد آپ نے اُن صورتوں کی تفصیل بیان فرمائی ہے جن صورتوں میں آپ اہل قبلہ بنے ہوئے لوگوں سے جنگ کریں گے(12 تا8)اور اپنی فوج کا دینی کیریکٹر بصیرت علم اور حق پر عملدآمد بیان کیا ہے(13)اور تقویٰ کی وصیت اور دنیا کی حالت پر خطبہ ختم فرمادیا ہے۔یہاں خاص طور پر سولھویں جملے سے حضرت علی علیہ السلام اور قریش کا تقابل کریں کہ اِدھر حضورؑ کو مستقبل میں قریش کی تمام حرکات واقدامات کا یقین حاصل ہے۔اُدھر قریشی لیڈر حضورؑ کو دھوکا دینے کے لئے پوری پوری کوشش کررہے ہیں۔اور حضورؑ اُن سے کوئی بات چھپاتے نہیں ہیں۔یعنی حضور علیہ السلام کا واسطہ ایک منافق وفریب ساز گروہ سے ہے اور آپؑ ایمان وحقانیت پر برابر قائم رہتے ہیں۔

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر:173

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 174

خُطبہ ﴿189﴾

پیغمبرؐ کی رعایت کیلئے اپنے علم غیب کو چھپاتے چلے گئے

1۔خدمت وخاطر فربہ کرنے کیلئے بھی کی جاتی ہے۔2۔علم غیب ان کو دیا گیا جن پر اعتماد تھا کہ برداشت کرلیں گے 3۔رسولؐ کی توقیر بڑھانے کی جدوجہد برابر جاری رکھی۔4۔مسلمان اللہ سے دور ہٹتے جارہے ہیں۔5۔جن باتوں کا حکم دیا اور جن سے روکا پہلے خود ان پر عمل کیا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡم

اَيُّهَا الْغَافِلُوْنَ غَيْرُ الْمَغْفُوْلِ عَنْهُمْ وَلتَّارِكُوْنَ الْمَاخُوْذُ مِنْهُمْ ؛	1	اے وہ غافل لوگو کہ جن کی طرف سے ذمہ دار لوگ غفلت نہیں کر رہے ہیں۔
	2	اور اے وہ دین کو چھوڑنے والو کہ جن کو چھوڑا نہیں جائے گا۔
مَالِیْ اَرَاكُمْ عَنِ اللّٰهِ ذَاهِبِيْنَ وَاِلٰى غَيْرِهٖ رَاغِبِيْنَ ؟	3	مجھے کیا ہو گیا ہے کہ میں تم سب کو اللہ سے دور جانے والا دیکھ رہا ہوں اور اللہ کے مخالفوں کی طرف تم شوق ورغبت سے بڑھ رہے ہو۔
كَاَنَّكُمْ نَعَمٌ اَرَاحَ بِهَا سَائِمٌ اِلٰى مَرْعًى وَبِيٍّ وَّمَشْرَبٍ دَوِيٍّ ؛	4	گویا کہ تم ایسے آزاد اونٹ ہو جن کو ان کا نگران چرواہا خود ہی ہلاکت والے گھاٹ پر اور تباہ کردینے والی چراگاہ میں لاکر کھانے پینے کو چھوڑ گیا ہو۔
اِنَّمَا هِیَ كَالْمَعْلُوْفَةِ لِلْمُدٰى لَاتَعْرِفُ مَاذَا يُرَادُبِهَا اِذَا اُحْسِنَ اِلَيْهَا ؛	5	اور یہی ان چوپاؤں کی طرح ہیں جن کو ذبح کرنے کیلئے خوراک دی جارہی ہے اور وہ یہ نہیں سمجھتے کہ انہیں کھلانے پلانے کا اور ان سے اچھا سلوک کرنے کا مقصد کیا ہے؟
تَحْسَبُ يَوْمَهَا دَهْرَهَا وَشِبَعَهَا اَمْرَهَا ؛	6	اور وہ اونٹ تو یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ ان کا یہی دن ان کی دنیا اور ان کا سارا زمانہ اور عمر ہے اور پیٹ بھر لینا ان کی زندگی کا مقصد ہے۔
وَاللّٰهِ لَوْشِئْتُ اَنْ اُخْبِرَ كُلَّ رَجُلٍ مِّنْكُمْ بِمَخْرَجِهٖ وَمَوْلِجِهٖ وَجَمِيْعِ شَاْنِهٖ لَفَعَلْتُ ؛	7	خدا کی قسم اگر میں چاہوں تو تم میں سے ہر ہر شخص کو یہ بتادوں کہ وہ کس طرح نکلتا نکلتا یہاں تک کہ آدمی کی صورت میں نمودار ہوا ہے اور کہاں کہاں اور کن کن حالات سے گزر کر اسے کہاں جانا ہے؟ اور اسکی تمام حالتیں اور واقعات اسے بتادوں۔

وَلٰکِنۡ اَخَافُ اَنۡ تَکۡفُرُوۡا فِیَّ بِرَسُوۡلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَ آلِہٖ ؛	8	ولیکن میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تم مجھ کو سب کچھ سمجھ کر اور مجھ میں غائب ہو کر رسوؐل اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کو نہ چھپا بیٹھو۔
اَلَا وَاِنِّیۡ مُفۡضِیۡہِ اِلَی الۡخَاصَّۃِ مِمَّنۡ یُؤۡمَنُ ذٰلِکَ مِنۡہُ ؛	9	خبردار رہو کہ میں وہ سب کچھ ان مخصوص لوگوں پر ضرور فاش کردوں گا جن پر یقین ہے کہ وہ میرے متعلق ویسا ہی پختہ ایمان لائے ہیں۔
وَالَّذِیۡ بَعَثَہٗ بِالۡحَقِّ وَاصۡطَفَاہُ عَلَی الۡخَلۡقِ مَا اَنۡطِقُ اِلَّا صَادِقًا؛	10	اس ذات کی قسم جس نے آنحضرؐت کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے اور انہیں تمام مخلوقات میں سے سب پر مصطفٰی بنایا کہ میں کوئی بات منہ سے نہیں نکالتا سوائے اس کے کہ وہ بالکل سچی ہوتی ہے۔
وَلَقَدۡ عَہِدَ اِلَیَّ بِذٰلِکَ کُلِّہٖ وَبِمَہۡلَکِ مَنۡ یُّہۡلَکُ وَمَنۡجٰی مَنۡ یَّنۡجُوۡ ؛وَمَآلِ ھٰذَا الۡاَمۡرِ وَمَا اَبۡقٰی شَیۡئًا یَّمُرُّ عَلٰی رَأۡسِیۡ اِلَّا اَفۡرَغَہٗ فِیۡ اُذُنَیَّ وَاَفۡضٰی بِہٖ اِلَیَّ ؛	11	اور یقیناً اس تمام معلومات پر مجھ سے عہد لیا گیا تھا اور ان سب کا حال بتایا گیا تھا ہلاکت میں پڑنے والوں میں سے کون ہلاک ہوگا اور نجات پانے والوں میں سے کون نجات پائیگا اور اس خلافت پر کیا کچھ گزرے گا؟ اور معلومات میں سے کوئی ایسی چیز تو باقی رہی ہی نہ تھی جو میرے سر کے اوپر سے گزرنے والی ہو اور مجھے مطلع نہ کر دیا گیا ہو اور میرے گوش گزار نہ ہوگئی ہو اور جسے میرے اوپر فاش نہ کر دیا گیا ہو۔
اَیُّہَا النَّاسُ اِنِّیۡ وَاللّٰہِ مَا اَحُثُّکُمۡ عَلٰی طَاعَۃٍ اِلَّا وَاَسۡبِقُکُمۡ اِلَیۡہَا وَلَا اَنۡہَاکُمۡ عَنۡ مَعۡصِیَۃٍ اِلَّا وَاَتَنَاہٰی قَبۡلَکُمۡ عَنۡہَا ؛	12	اے لوگو! خدا کی قسم کہ میں نے تمہیں جس اطاعت کرنے پر اکسایا اور جس کا حکم دیا اس پر عمل کرنے میں تم سے سبقت اور پہل کرتا رہا ہوں۔ اور جس نافرمانی سے تمہیں روکتا رہا ہوں تم سے پہلے میں خود اس سے باز رہتا رہا ہوں۔

تشریحات:

قارئین دیکھتے چلے آرہے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام اپنے خطبوں میں نہ اپنی حقیقی پوزیشن کو چھپنے دیتے ہیں نہ قریشی قوم اور اس کے راہنما لیڈروں کے متعلق کوئی کمی کرتے ہیں۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر حضرت علی علیہ السلام کے یہ خطبات منظر عام پر نہ آئے ہوتے تو نہ صرف حقیقت دین واسلام چھپ کر رہ جاتی بلکہ قریش کی نانہجار پوزیشن پر بھی قریش ساز تاریخ کے پردے پڑے رہ جاتے اور قریش ایک شاندار وایماندار قوم کی حیثیت سے سامنے آتی۔ نہج البلاغہ ہی نے ہمیں مدد دی کہ ہم قریش کی حقیقی پوزیشن کو سمجھیں نہج البلاغہ ہی نے ہمیں قرآن کریم کے سمجھنے میں مدد دی ہے مختصر یہ کہ اگر نہج البلاغہ نہ ہوتی تو ہم نہ قرآن کو سمجھتے نہ حدیث تک رسائی ہوتی اور نہ اللہ ورسوؐل وقرآن ہی سے تعارف ہوتا۔ میرے لئے دین سمجھنے اور سیکھنے کی بنیاد حضورؐ کے یہ خطبات ہیں۔ اسی لئے میں نے اپنی تصنیفات وتالیفات میں سب سے زیادہ وقت نہج البلاغہ کی تشریحات پر صرف کیا ہے۔

2۔ قریش کو اللہ سے دُور اور دشمنانِ خدا کے قریب جانے والا، دین کو ترک کرنے والا ہلاکت کی چراگاہ میں چرنے والا فرمایا ہے۔

اس خطبے میں حضور علیہ السلام قریش کو ایسے غافل لوگ قرار دیتے ہیں جن کو اللہ اور رسولؐ اور ملائکہ بڑے غور وفکر واحتیاط کے ساتھ دیکھ رہے ہیں۔ اور ڈھیل دیے جا رہے ہیں۔ تا کہ وقت آنے پر جھٹکا مار کر انہیں غفلت سے چونکا دیا جائے اور انہیں اُنکے کمائے ہوئے عذاب سے گزارا جائے (189/1) اور دین کو ترک کرنے پر مواخذہ کیا جائے (189/2) اور اللہ سے دوری اور مخالفانِ دین سے قربت کی حتمی اور انتہائی سزا دی جائے۔

3۔ آپؑ نے اپنے علوم کو عموماً اور علمِ غیب کو خصوصاً عامتہ الناس سے پوشیدہ رکھا مگر مخصوصین کو تعلیم کیا۔

مجتہدین کو جانچنے اور نائبانِ امام ہونے کے دعویٰ کی تصدیق کے لئے اُن سے اُن مخصوص علوم پر اور علمِ غیب پر سوال کرنا چاہئے اس لئے کہ اگر وہ نائب امامؑ نہیں ہیں تو کم از کم انہیں مخصوص شیعوں میں تو ہونا لازم ہے اور مخصوص شیعانِ علیؑ کو علمِ غیب سے بے بہرہ نہ ہونا چاہئے اور اگر انہیں اپنے نصاب (syllabus) پر بھی عبور نہ ہو تو انہیں جاہل کے علاوہ کچھ اور قرار دینا غلط ہے۔ بہرحال اس خطبے میں حضورؑ نے اپنے علمِ غیب اور کائناتی علم کا دعویٰ نہایت واضح الفاظ میں بڑی تفصیل کے ساتھ کیا ہے اور یہ دعویٰ اللہ کی قسم کھا کر کیا گیا ہے (8-7) اور اس دعوے میں حضور علیہ السلام تمام انسانوں کی تخلیق کے تمام مرحلوں میں سے چشم دید واقف ہیں اور پھر سب کی پیدائش سے پرورش، جوانی، بڑھاپے، موت اور موت کے بعد قیامت کے ہر فیصلے تک ہر ہر منٹ کے تمام حالات و واقعات پر مطلع ہیں اور ہر شخص کو تفصیل کے ساتھ اُسے خبر دے سکتے ہیں۔ اور اسی دعوے سے اُس آیت کی تصدیق ہوتی ہے جس میں اللہ نے رسول اللہ صلی علیہ وآلہ سے کہا گیا کہ:

الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ الرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِیْرًا O (فرقان 25/59)

ترجمہ: ''۔اللہ وہی ہستی ہے جس نے زمینوں اور آسمانوں کو اور جو کچھ زمینوں اور آسمانوں کے درمیان ہے سب کو چھ دن کے اندر پیدا کر دیا اور اس کے بعد عرش پر متوجہ ہوا وہی رحمٰن ہے اس سلسلے میں جو چاہو ہر بات کی خبر رکھنے والے سے پوچھ لیا کرو۔ (فرقان 25/59)

4۔ اللہ و رسولؐ کے علاوہ اور کون شخص ایسا خبیر یا عالم ہو سکتا ہے جو رسول اللہؐ کی معلومات میں اضافہ کر سکے؟

پہلے قرآن کے فیصلے کو یاد کریں جہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ عَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ اے رسولؐ ہم نے تمہیں اُن تمام چیزوں کی تعلیم دی ہے جن کو تم نہ جانتے تھے (4/113) اور اَے رسولؐ تم اُن تمام چیزوں کی تعلیم دیتے ہو اور دیتے رہو گے جو تمہارے شاگرد نہ جانتے تھے وَیُعَلِّمُکُمْ مَّالَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ (2/151) سوچنا یہ ہے کہ اس ہمہ گیر علم کے بعد آنحضرتؐ کو ایک ایسے خبیر سے معلومات حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے تو اُس خبیر کے علم کا کیا مقام ہونا چاہیے؟ حضرت علی علیہ السلام اپنے ساتویں جملے میں ان ہی سوالات کا جواب دے رہے ہیں اُن کے علم کا حدود اربعہ جاننے کیلئے اس آیت (25/59) سے پہلے کی چودہ آیات (58 تا 25/45) پڑھنا ضروری ہیں جن میں اللہ نے رسول اللہؐ کو اپنے خبیر ہونے کا مقام بتایا ہے۔ وہ آیات آپ کسی کے ترجمہ میں پڑھ سکتے ہیں تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ اللہ نے کن موضوعات پر حضرت علیؑ سے سوال کرنے کیلئے رسولؐ کو متوجہ کیا تھا۔ چنانچہ تفصیلات تو آیات کے ترجموں میں دیکھی جاسکتی ہیں ہم یہاں موضوعات وعنوانات آپ کا دکھاتے ہیں۔

5۔ وہ موضوعات اور عنوانات جن کے متعلق رسولؐ اللہ حضرت علیؑ سے پوچھنے پر مامور ہوئے تھے۔

یہاں قارئین حضرت علی علیہ السلام کے ساتویں جملے کو سامنے رکھ کر یہ موضوعات وعنوانات دیکھیں:

(1) دھوپ چھاؤں اور سائے (2) سورج اور اس پر اللہ کا قبضہ (3) راتیں اور موت کا تعلق (4) دن اور زندگی (5) ہوائیں اور رحمت ۔(6) آسمان سے بارش کا اترنا (7) مردہ بستیوں کو زندگی ملنا ۔(8) جانوروں اور انسانوں کی سیرابی (9) نبیؐ اور نذیر کی بعثت ۔(10) تمام اقسام کے سمندروں پر تسلط خداوندی اور اُن کی قسمیں ۔(11) انسان کی پانی سے تخلیق کے مراحل (12) انسانی نسب اور سسرال (13) رسولؐ اللہ کا مقام و پوزیشن (14) اللہ کی حیات وصفات اور خبیری۔ یہ وہ چودہ عنوانات ہیں جن پر حضرت علی علیہ السلام کو عبور عطا کیا گیا تھا اور وہ ساتواں جملہ ان کے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر ہے۔ اور ان عنوانات کے سامنے لفظ عِلْمَ الْغَیْبِ ایک چھوٹا سا گھٹیا لفظ ہے۔

6۔ حضرت علی علیہ السلام نہیں چاہتے تھے کہ وہ بنیاد ہی مسمار ہو جائے جس پر امامت کی عمارت تعمیر کی گئی ہے۔

حضورؐ کا آٹھواں جملہ اس مقصد کو بیان کرتا ہے جسکے حصول کیلئے آپ اپنی حقیقی پوزیشن کو بیان کرنے میں احتیاط کرتے تھے۔ ورنہ لوگ نبوت کو فراموش کر دیتے اور خود کو حضرت علی علیہ السلام کی پوزیشن میں گم کر ڈالتے۔ نظام امامت کو از سر نو پیچھے پلٹ کر نبوت کو بیان کرنا پڑتا لہٰذا نبوت کو دلوں میں راسخ کرنے کیلئے ایک ہزار سال کا وقفہ دیا گیا اور غیبت کبریٰ کے بعد بتدریج امامت کو سامنے لایا گیا۔ لہٰذا ہم نے بھی ''بیان الامامۃ'' میں بہت سی سابقہ پابندیاں سامنے سے ہٹا دیں اور آج (7098+1328) 8426 صفحات لکھ چکے ہیں اور اس پر فخر ہے۔

7۔ حضرت علیؑ نے اپنے کائناتی علم کو اعلانیہ اپنے معتمد صحابہ و اولاد میں سپرد کیا تھا۔

یہ بھی نوٹ کرا دیا ہے کہ وہ حضرتؑ اپنے کائناتی علم کو چھپا کر نہ رکھیں گے بلکہ قابل اعتماد شاگردوں کے حوالہ کریں گے تاکہ وہ علم انسانی ارتقاء وترقی میں مدد و معاون بنتا چلا جائے لہٰذا یہ ترقی جو آج اندھوں اور بہروں کو بھی نظر آ رہی ہے اُسی بنیاد پر تعمیر ہو رہی ہے اور چونکہ مسلمانوں نے حضرت علی اور اولاد علی علیھم السلام کا آج تک مسلسل بائیکاٹ رکھا ہے اسی لئے آج مسلمان ساری دنیا کی اقوام سے نہ صرف پیچھے ہیں بلکہ ترقی کے میدان میں تمام اقوام کے بھکاری ہیں۔ اور آسایش کی تمام چیزوں کو بھیک یا پیسے کے ذریعہ سے حاصل کرنے پر مجبور ہیں۔ اور اپنی ایجاد کردہ کوئی ایسی چیز نہیں رکھتے جس سے خود یا دوسرے انسان فائدہ اُٹھا سکیں۔ سر سے پیر تک جو کچھ پہنتے ہیں وہ غیر مسلموں کی ایجاد ہیں۔

8۔ خطبے کے آخر میں قسمیہ اپنے علم واطلاعات پر عہد لئے جانے کا ذکر فرمایا اور یقین دلایا ہے۔

جملے نمبر دس میں قسم کھائی ہے کہ میرے منہ سے نکلنے والی ہر ہر بات صحیح وسچ ہوتی ہے (10) اور یہ کہ مجھے جتنے علوم عطا کئے گئے وہ سب معاہدات کے ماتحت تھے اور میری آنکھوں اور کانوں اور ذہن کے سامنے سے گزرنے والے حالات وواقعات ہیں۔ مطلب یہ کہ بطور کہانی نہیں سنائے گئے ہیں بلکہ تخلیقات کے دوران عملاً سکھائے گئے ہیں اور اسی حقیقت کو حدیث میں بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ تمام مخلوقات کی تخلیق کے تمام مراحل میں حاضر رکھنا اور سب سے اُن کی اطاعت کا عہد لیا جانا اور مخلوقات کے تمام کاموں کو اُن حضرات علیھم السلام کو تفویض کرنا اور ہر مخلوق کی تمام ضروریات یعنی رزق کا سونپا جانا وغیرہ وغیرہ مفصل مذکور ہوا ہے اور سابقہ خطبات کی تشریحات میں متعلقہ احادیث کو مع عربی عبارت کے لکھ بھی دیا ہے۔

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 174

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 175

خُطبہ ﴿190﴾

قرآن کریم کی پوزیشن

نجات وکامیابی کا ضامن ہے اس سے اختلاف کرنے والی ہر رائے اور فیصلہ باطل ہے

قرآن گمراہ نہیں کرتا، اس کے بغیر تمام معلومات باطل ہیں

1۔اپنے نفس سے بدگمان رہو۔اس پر الزام عائد کرتے رہو۔2۔قیامت میں علیؑ ہماری طرف سے حجت پیش کریں گے اور ہمارے اعمال پر گواہ ہوں گے۔3۔زبان پر قابو رکھنا ضروری ہے۔4۔حرام وحلال مستقل ہیں۔ 5۔ظلم کی قسمیں، معاف ہوسکنے والا ظلم۔6۔قابل مبارکباد مومن کی صفات۔7۔قرآن سے مدد اور شفا اور ہدایت طلب کرو۔اور وسیلہ بھی بناؤ۔قرآن شافع محشر ہے۔ہادی، صادق، اللہ سے رابطہ کا ذریعہ، اللہ کی مضبوط رسی امانت دار وسیلہ، علم کے سرچشموں والا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِنۡتَفِعُوا بِبَیَانِ اللّٰہِ ؛	1	اللہ کے بیان سے نفع حاصل کرو
وَاتَّعِظُوۡا بِمَوَاعِظِ اللّٰہِ ؛	2	اور اس کے وعظوں سے عبرت حاصل کرو۔
وَقۡبَلُوۡا نَصِیۡحَۃَ اللّٰہِ ؛	3	اور اس کی نصیحتوں کو قبول کرو۔
فَاِنَّ اللّٰہَ قَدۡ اَعۡذَرَ اِلَیۡکُمۡ بِالۡجَلِیَّۃِ ؛	4	چنانچہ اللہ نے تمہارے لئے اپنی واضح دلیلوں سے کسی عذر اور بہانے کی گنجائش نہیں چھوڑی ہے۔
وَاَخَذَ عَلَیۡکُمُ الۡحُجَّۃَ ؛	5	اور اس نے تمہارے اوپر اپنی حجت پوری طرح قائم کردی ہے۔
وَبَیَّنَ لَکُمۡ مَّحَابَّہٗ مِنَ الۡاَعۡمَالِ وَمَکَارِھَہٗ مِنۡھَا ؛	6	اور تمہارے لئے اپنے پسندیدہ اور محبوب اعمال اور ناپسندیدہ ومکروہ اعمال کی تفصیل بھی بتادی ہے۔
لِتَتَّبِعُوۡا ھٰذِہٖ وَتَجۡتَنِبُوۡا ھٰذِہٖ ؛	7	تاکہ تم ان کو بجالاؤ اور مکروہات سے اجتناب کرتے رہو۔

فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ كَانَ يَقُوْلُ :''اِنَّ الْجَنَّةَ حُفَّتْ بِالْمَكَارِهِ وَاِنَّ النَّارَ حُفَّتْ بِالشَّهَوَاتِ ''	8	چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ فرمایا کرتے تھے کہ: ''یقیناً جنت ناگواریوں میں گھری ہوئی ہے اور جہنم پسندیدہ خواہشوں میں گھرا ہوا ہے''
وَاعْلَمُوْا اَنَّهٗ مَا مِنْ طَاعَةِ اللّٰهِ شَیْءٌ اِلَّا يَاْتِیْ فِیْ كُرْهٍ وَمَامِنْ مَّعْصِيَةِ اللّٰهِ شَیْءٌ اِلَّا يَاْتِیْ فِیْ شَهْوَةٍ ؛	9	اور یہ جان لو کہ اللہ کی اطاعت میں سے کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو ناگواریاں ساتھ لے کر نہ آتی ہو اور اللہ کی نافرمانیوں میں سے بھی کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو لبھانے والی خواہشات لے کر نہ آتی ہو۔
فَرَحِمَ اللّٰهُ رَجُلًا نَّزَعَ عَنْ شَهْوَتِهٖ وَقَمَعَ هَوٰی نَفْسِهٖ ؛	10	چنانچہ اللہ اس شخص پر رحم کرے جس نے مرغوب خواہشوں سے دوری اختیار کر رکھی ہے اور نفسانی خواہشات کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا ہے۔
فَاِنَّ هٰذِهِ النَّفْسَ اَبْعَدُ شَیْءٍ مَنْزَعًا ؛	11	کیوں کہ یہ نفس ہی وہ مشکل ترین چیز ہے جو نفس پرستانہ خواہشوں سے باز رہنے میں حائل ہوتا ہے۔
وَاِنَّهَا لَاتَزَالُ تَنْزِعُ اِلٰی مَعْصِيَةٍ فِیْ هَوًی ؛	12	اور یقیناً وہی ہمیشہ نافرمانی اور گناہ کی طرف مائل رہتا ہے۔
وَاعْلَمُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اَنَّ الْمُؤْمِنَ لَا يُمْسِیْ وَلَايُصْبِحُ اِلَّا وَنَفْسُهٗ ظَنُوْنٌ عِنْدَهٗ ؛	13	اور جان رکھو اے بندگانِ خدا کہ مومن اپنے نفس کی مذمت کرتا ہوا اس پر بدگمانی کرتا ہوا صبح اور شام کرتا ہے۔
فَلَا يَزَالُ زَارِيًا عَلَيْهَا وَمُسْتَزِيْدًا لَهَا	14	اور کبھی اپنے نفس پر کوتاہیوں کا الزام عائد کرنے اور اس پر زیادہ عبادت کرنے کا تقاضہ کرنے سے باز نہیں رہتا ہے۔
فَكُوْنُوْا كَالسَّابِقِيْنَ قَبْلَكُمْ وَالْمَاضِيْنَ اَمَامَكُمْ ؛	15	چنانچہ تمہیں تو ان لوگوں کی مانند بننا چاہئے جو آگے جانے والوں میں تم پر سبقت لے جا چکے ہیں اور تم سے پہلے اس راستے پر گزر چکے ہیں۔
قَوَّضُوْا مِنَ الدُّنْيَا تَقْوِيْضَ الرَّاحِلِ وَطَوَوْهَا طَیَّ الْمَنَازِلِ ؛	16	انہوں نے دنیا سے اسطرح اپنا خیمہ اکھیڑا جس طرح ایک مسافر اکھیڑتا ہے اور دنیا میں اس طرح دن بسر کئے جیسے کہ وہ منزلیں طے کر رہے ہوں۔
وَاعْلَمُوْا اَنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ هُوَالنَّاصِحُ الَّذِیْ لَايَغُشُّ ؛	17	اور سمجھ لو کہ یہ قرآن ایسا نصیحت کرنے والا ہے جو دھوکہ نہیں دیتا۔
وَالْهَادِی الَّذِیْ لَايُضِلُّ وَالْمُحَدِّثُ الَّذِیْ لَايَكْذِبُ ؛	18	اور ایسا ہادی ہے جو گمراہ نہیں کرتا اور ایسا محدث ہے جو کسی قسم کا جھوٹ نہیں بولتا۔
وَمَا جَالَسَ هٰذَالْقُرْاٰنَ اَحَدٌ اِلَّا قَامَ عَنْهُ بِزِيَادَةٍ	19	اور کوئی بھی قرآن کے ساتھ نہیں بیٹھتا سوائے اسکے کہ وہ کچھ اضافہ کرکے

اَوْ نُقْصَانٍ زِيَادَةٍ فِيْ هُدًى وَّنُقْصَانٍ مِّنْ عَمًى ؛		اور کچھ کمی کر کے اٹھا ہے زیادتی ہدایت حاصل کرنے میں کرتا ہے اور کمی گمراہی اور بے بصیرتی میں کر کے اُٹھتا ہے۔
وَاعْلَمُوْا اَنَّهٗ لَيْسَ عَلٰى اَحَدٍ بَعْدَ الْقُرْاٰنِ مِنْ فَاقَةٍ ؛	20	اور معلوم ہو کہ قرآنی تعلیمات کے بعد کسی کو بھی کسی اور کی احتیاج نہیں رہتی۔
وَلَا لِاَحَدٍ قَبْلَ الْقُرْاٰنِ مِنْ غِنًى ؛	21	اور نہ ہی کوئی قرآنی تعلیمات سے پہلے قرآن سے مستغنی ہو سکتا ہے۔ (یعنی دنیا کے باقی علوم کا عالم بھی قرآن کی تعلیم کا محتاج رہے گا)
فَاسْتَشْفُوْهُ مِنْ اَدْوَائِكُمْ وَاسْتَعِيْنُوْا بِهٖ عَلٰى لَاْوَائِكُمْ ؛	22	تم لوگ اپنی بیماریوں میں قرآن سے صحت یابی اور شفا طلب کرو اور اپنی مشکلات اور مصائب میں قرآن سے مدد طلب کیا کرو۔
فَاِنَّ فِيْهِ شِفَآءً مِّنْ اَكْبَرِ الدَّاءِ ؛	23	چنانچہ قرآن میں یقیناً سب سے بڑی بیماریوں کے لئے بھی شفا موجود ہے۔
وَهُوَ الْكُفْرُ وَالنِّفَاقُ وَالْغَيُّ وَالضَّلَالُ ؛	24	اور وہ بڑی بیماریاں کفر ہے، نفاق ہے، ہدایت سے محرومی ہے اور گمراہی ہے۔
فَاسْاَلُوا اللّٰهَ بِهٖ وَتَوَجَّهُوْا اِلَيْهِ بِحُبِّهٖ ؛	25	قرآن کو ذریعہ بنا کر اللہ سے مانگا کرو اور قرآن کی محبت دل میں لئے ہوئے اللہ کو مخاطب کیا کرو۔
وَلَا تَسْاَلُوْا بِهٖ خَلْقَهٗ ؛	26	اور قرآن کو لوگوں سے مانگنے کا ذریعہ نہ بناؤ۔
اِنَّهٗ مَا تَوَجَّهَ الْعِبَادُ اِلَى اللّٰهِ بِمِثْلِهٖ ؛	27	بندوں کیلئے اللہ سے متوجہ ہونے کا ذریعہ یقیناً قرآن کی مانند اور کوئی نہیں ہے
وَاعْلَمُوْا اَنَّهٗ شَافِعٌ مُّشَفَّعٌ وَّقَائِلٌ وَّمُصَدَّقٌ	28	اور یہ سمجھ لو کہ قرآن ایسا شفاعت کرنیوالا ہے جس کی شفاعت قبول کی جائے گی اور ایسا بولنے والا ہے کہ جس کی ہر بات کی تصدیق کی جائے گی۔
وَاَنَّهٗ مَنْ شَفَعَ لَهُ الْقُرْاٰنُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُفِّعَ فِيْهِ ؛	29	اور یقیناً جس کی شفاعت قیامت میں قرآن کر دے گا وہ ضرور مقبول ہوگی اور بخشا جائے گا۔
وَمَنْ مَّحَلَ بِهِ الْقُرْاٰنُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صُدِّقَ عَلَيْهِ ؛	30	اور قیامت میں قرآن جس کسی کی مذمت کرے گا اس مذمت کی بھی تصدیق کی جائے گی۔
فَاِنَّهٗ يُنَادِيْ مُنَادٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ : " اَلَا اِنَّ كُلَّ حَارِثٍ مُبْتَلًى فِيْ حَرْثِهٖ وَعَاقِبَةِ عَمَلِهٖ غَيْرَ حَرَثَةِ الْقُرْاٰنِ "	31	یقیناً قیامت کے دن ایک منادی آواز دیگا کہ خبردار آج ہر کھیتی کرنے والا اپنی کھیتی اور اپنے اعمال کے انجام میں مبتلا ہونے والا ہے۔ مگر جس نے قرآن کی کھیتی بوئی تھی وہ نجات یافتہ ہے۔ وہ آج مبتلا نہ ہوگا۔
فَكُوْنُوْا مِنْ حَرَثَتِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ ؛	32	چنانچہ تم لوگ قرآن کے کاشتکار بنو اور اسی کی پیروی کیا کرو۔

وَاسۡتَدِلُّوۡهُ عَلٰى رَبِّكُمۡ ؛	33	اوراسی سے اپنے پروردگار کے حضور پہنچنے کی دلیل اختیار کرو۔
وَاسۡتَنۡصِحُوۡا عَلٰى اَنۡفُسِكُمۡ وَاتَّهِمُوۡا عَلَيۡهِ اٰرَائِكُمۡ وَاسۡتَغِشُّوۡا فِيۡهِ اَهۡوَائِكُمۡ ؛	34	اور اپنے لئے اسی سے نصیحت حاصل کرو اور اس کے معاملے میں اپنی رائے پر تہمت لگایا کرو اور اس کے سلسلے میں اپنی تمام ہی خواہشوں کو غلط اور دھوکے میں مبتلا سمجھا کرو اور اسی کے مطابق
اَلۡعَمَلَ الۡعَمَلَ ثُمَّ النِّهَايَةَ النِّهَايَةَ وَالۡاِسۡتِقَامَةَ الۡاِسۡتِقَامَةَ ثُمَّ الصَّبۡرَ الصَّبۡرَ وَالۡوَرَعَ الۡوَرَعَ اِنَّ لَكُمۡ نِهَايَةً فَانۡتَهُوۡا اِلٰى نِهَايَتِكُمۡ ؛	35	پورا پورا عمل کرو پورا پورا عمل کرتے چلے جاؤ پھر ساتھ ہی اپنی انتہا پر غور کرو اور اپنی انتہا پر غور کرتے چلے جاؤ پھر اپنے عمل کو اپنی انتہا کے مطابق برقرار رکھو اور برقرار رہنے میں استقلال پیدا کرو پھر اس دوران پیش آنے والی مشکلات میں صبر کرو اور صبر کرتے چلے جاؤ۔ اور پاکباز بنو اور پاکبازی میں بڑھتے چلے جاؤ یقیناً تمہارے لئے ایک انتہا ہے چنانچہ تم اس نہایت تک پہنچنے میں کوشاں رہو۔
وَاِنَّ لَكُمۡ عَلَمًا فَاهۡتَدُوۡا بِعَلَمِكُمۡ ؛	36	تمہارے لئے ایک راہنما پرچم ہے اس سے ہدایت حاصل کرو، اور۔
وَاِنَّ لِلۡاِسۡلَامِ غَايَةً فَانۡتَهُوۡا اِلٰى غَايَتِهٖ	37	یقیناً اسلام کی ایک حد اور مقصد ہے تم اس حد تک پہنچو اور وہ مقصد حاصل کرو۔ اور
وَاخۡرُجُوۡا اِلَى اللّٰهِ مِمَّا افۡتَرَضَ عَلَيۡكُمۡ مِنۡ حَقِّهٖ ؛	38	اللہ نے اپنے جن حقوق کی ادائیگی کو تم پر فرض کیا ہے ان کو ادا کرنے کے لئے نکل کھڑے ہو۔
وَبَيَّنَ الَكُمۡ مِنۡ وَّظَائِفِهٖ ؛	39	اور اس نے اپنے جن وظائف یا مستقل پروگراموں کو بیان کر دیا ہے ان پر کاربند ہو جاؤ۔
اَنَا شَاهِدٌ لَكُمۡ وَحَجِيۡجٌ يَّوۡمَ الۡقِيَامَةِ عَنۡكُمۡ ؛	40	میں بروز قیامت تمہارا گواہ ہوں گا اور تمہاری طرف داری میں حجت و دلائل پیش کروں گا۔
اَلَا وَاِنَّ الۡقَدَرَ السَّابِقَ قَدۡ وَقَعَ وَالۡقَضَآءَ الۡمَاضِيَ قَدۡ تَوَرَّدَ ؛	41	خبردار ہو جاؤ کہ جو کچھ اس سے پہلے مقدر کیا گیا تھا وہ وقوع میں آچکا ہے اور جو کچھ اس مقدر شدہ کے سلسلے میں اللہ کا حکم و ارادہ ہو چکا وہ برابر وقوع میں آتا چلا جائیگا۔
وَاِنِّيۡ مُتَكَلِّمٌ بِعِدَةِ اللّٰهِ وَحُجَّتِهٖ ؛	42	اور میں وعدہ خداوندی کے مطابق کلام کرنے والا اور حجتِ خداوندی ہوں۔ جیسا کہ
قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ''اِنَّ الَّذِيۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَيۡهِمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا (اَنۡ لَّا) تَخَافُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّةِ الَّتِيۡ كُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ (41/30)	43	اللہ بزرگ و برتر نے قرآن میں فرمایا ہے کہ ''بلاشبہ جن لوگوں نے یہ اعلان کیا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر اس اعلان پر عملاً قائم رہے تو ایسے لوگوں پر ملائکہ نازل ہوتے ہیں اور ہوتے رہیں گے اور کہتے ہیں کہ تم نہ کسی طرح کا خوف کرو اور نہ رنج سے تعلق رکھو بلکہ اس جنت کے ملنے پر خوشیاں مناتے رہو جس کا تم سے وعدہ کیا جا چکا ہے (حم سجدہ 41/30)

وَقَدْ قُلْتُمْ رَبُّنَا اللّٰهُ فَاسْتَقِيْمُوْا عَلٰى كِتَابِهٖ وَعَلٰى مِنْهَاجِ اَمْرِهٖ وَعَلٰى طَرِيْقَةِ الصَّالِحَةِ مِنْ عِبَادَتِهٖ ثُمَّ لَا تَمْرُقُوْا مِنْهَا وَلَا تَبْتَدِعُوْا فِيْهَا وَ لَاتُخَالِفُوْا عَنْهَا ؛	44	اے میرے مخاطب مسلمانوں یقیناً تم کہہ چکے ہو کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے لہٰذا تم اللہ کی کتاب پر قائم ہو جاؤ اور کتاب کے روشن راستے پر دین کے مطابق کاربند ہو جاؤ۔ اور اللہ کی اطاعت اور عبادت کے صالحہ طریقے پر عمل کرو۔ اور اسکے دین منہاج اور طریقہ سے نہ نکلنا اور کتاب و دین ومنہاج وطریقہ میں کوئی بدعت، خودساختہ طریقہ جاری نہ کرنا اور کتاب و دین اور منہاج اور طریقے کی مخالفت نہ کرنا (سوچنا یہ ہے کہ صحابہ اور بعد کے مسلمانوں پر فرشتے اترے؟)
فَاِنَّ اَهْلَ الْمُرُوْقِ مُنْقَطِعٌ بِهِمْ عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ؛	45	چنانچہ دین سے نکلنے والے لوگ قیامت کے روز اللہ سے منقطع ہو جائیں گے
ثُمَّ اِيَّاكُمْ وَتَهْزِيْعَ الْاَخْلَاقِ وَتَصْرِيْفَهَا ؛	46	پھر تمہیں لازم ہے کہ اپنے رویہ اور اخلاق میں ردوبدل نہ کرو کہ جیسی مصلحت دیکھی ویسا عمل کرلیا۔
وَاجْعَلُوْا اللِّسَانَ وَاحِدًا وَّلْيَخْزُنِ الرَّجُلُ لِسَانَهٗ فَاِنَّ هٰذَا اللِّسَانَ جَمُوْحٌ بِصَاحِبِهٖ ؛	47	اور کوشش کرو کہ تمہاری ایک ہی زبان ہو اور ہر شخص کو چاہئے کہ وہ اپنی زبان کو قابو میں رکھے یقیناً یہ زبان اپنے مالک سے سرکشی اور منہ زوری کراتی رہتی ہے۔
وَاللّٰهِ مَا اَرٰى عَبْدًا يَّتَّقِىْ تَقْوٰى تَنْفَعُهٗ حَتّٰى يَخْزُنَ لِسَانَهٗ ؛	48	بخدا میں نے کسی ایسے پرہیزگار کو نہیں دیکھا جسے زبان پر قابو رکھے بغیر ہی پرہیزگاری یا تقویٰ نے فائدہ پہنچایا ہو۔
وَاِنَّ لِسَانَ الْمُؤْمِنِ مِنْ وَّرَآءِ قَلْبِهٖ ؛	49	اور حقیقت یہ ہے کہ ایک مومن کی زبان اس کے قلب سے پیچھے رہتی ہے پیش قدمی نہیں کرتی ہے (یعنی ماتحتی میں ہوتی ہے)
وَاِنَّ قَلْبَ الْمُنَافِقِ مِنْ وَّرَآءِ لِسَانِهٖ ؛	50	اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ایک منافق کا دل اس کی زبان کے پیچھے یعنی ماتحت ہوتا ہے۔
لِاَنَّ الْمُؤْمِنَ اِذَا اَرَادَ اَنْ يَّتَكَلَّمَ بِكَلَامٍ تَدَبَّرَهٗ فِىْ نَفْسِهٖ فَاِنْ كَانَ خَيْرًا اَبْدَاهُ وَاِنْ كَانَ شَرًّا وَّارَاهُ ؛	51	یہ اس طرح کہ جب مومن یہ ارادہ کرتا ہے کہ وہ کوئی بات کہے یا کچھ کلام کرے تو ساتھ کے ساتھ اپنے طور پر اس بات یا کلام کا تدبر کرتا ہے یعنی اس کا آگا پیچھا دیکھتا ہے اگر اس میں اچھائی ہی اچھائی ہوتی ہے تو کہہ ڈالتا ہے اور اگر اس میں برائی نظر آتی ہے تو اسے ظاہر ہی نہیں کرتا روک لیتا ہے۔

وَاِنَّ الْمُنَافِقَ يَتَكَلَّمُ بِمَا اَتَىٰ عَلٰى لِسَانِهٖ لَا يَدْرِيْ مَاذَالَهٗ وَمَاذَا عَلَيْهِ ؛	52	اور منافق ہر وہ بات کہتا چلا جاتا ہے جو اسکی زبان پر آتی جائے وہ درایت کی رو سے یہ نہیں جانتا کہ آیا وہ بات بری ہے یا اچھی یا خود اسکے حق میں مفید ہے یا مضر ہے۔
وَلَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ لَايَسْتَقِيْمُ اِيْمَانُ عَبْدٍ حَتّٰى يَسْتَقِيْمَ قَلْبُهٗ وَلَا يَسْتَقِيْمُ قَلْبُهٗ حَتّٰى يَسْتَقِيْمَ لِسَانُهٗ ؛"	53	اور یقیناً اسی لئے رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا ہے کہ: "کسی بندے کا ایمان اس وقت تک قائم نہیں رہ سکتا جب تک اس کا دل قائم نہ ہو۔ اور دل قائم نہیں رہ سکتا جب تک اس کی زبان قائم نہ رہتی ہو"
فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ اَنْ يَّلْقَى اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ وَهُوَ نَقِيُّ الرَّاحَةِ مِنْ دِمَآءِ الْمُسْلِمِيْنَ وَ اَمْوَالِهِمْ ؛ سَلِيْمُ اللِّسَانِ مِنْ اَعْرَاضِهِمْ فَلْيَفْعَلْ ؛	54	چنانچہ تم میں سے جس سے ہو سکے کہ وہ اللہ سے ایسے حال میں ملاقات کرے کہ اس کا کسی مسلمان کے قتل میں ہاتھ نہ ہو اور اس کے کسی کے مال و دولت پر ناجائز تصرف نہ کیا ہو اور اس کی زبان سے کسی کی آبروریزی نہ ہوئی ہو تو وہ ضرور ایسی ملاقات میں کوشش کرے۔
وَاعْلَمُوْا عِبَادَاللّٰهِ اَنَّ الْمُؤْمِنَ يَسْتَحِلُّ الْعَامَ مَااسْتَحَلَّ عَامًا اَوَّلَ وَيُحَرِّمُ الْعَامَ مَاحَرَّمَ عَامًا اَوَّلَ ؛	55	اور اے خدا کے بندو یہ بھی جان لو کہ ایک مومن اس سال بھی اُسی چیز کو حلال سمجھتا ہے جسے پچھلے سال حلال سمجھتا تھا اور اس سال بھی اسی چیز کو حرام سمجھتا ہے جو گزشتہ سال حرام تھی۔
وَاِنَّ مَااَحْدَثَ النَّاسُ لَايُحِلُّ لَكُمْ شَيْئًا مِمَّا حُرِّمَ عَلَيْكُمْ ؛	56	اور لوگوں نے جو شریعت میں اضافے کئے ہیں وہ اللہ کی حرام کی ہوئی کسی چیز کو حلال نہیں کرسکتے ہیں۔
وَلٰكِنِ الْحَلَالُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ وَالْحَرَامُ مَاحَرَّمَ اللّٰهُ ؛	57	ولیکن حلال صرف وہی چیزیں ہیں جن کو اللہ نے حلال کیا ہے اور حرام بھی وہی ہے جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔
فَقَدْ جَرَّبْتُمُ الْاُمُوْرَ وَضَرَّسْتُمُوْهَا وَ وُعِظْتُمْ بِمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ ؛ وَضُرِبَتْ لَكُمُ الْاَمْثَالُ وَدُعِيْتُمْ اِلَى الْاَمْرِ الْوَاضِحِ ؛	58	یقیناً تم نے خود اپنے ذاتی تجربوں سے اپنے لئے مسائل اور اپنی راہِ عمل اور معاملات گھڑ کر درست کر لئے اور تم نے شریعت سازی کی ہدایات اپنے سے پہلے لوگوں سے لی تھیں اور تمہارے لئے مثالیں بھی دی گئی ہیں اور تمہیں واضح دین کی طرف دعوت بھی دی جاچکی ہے۔
فَلَا يَصَمُّ عَنْ ذٰلِكَ اِلَّا الْاَصَمُّ وَلَا يَعْمٰى عَنْهُ اِلَّا اَعْمٰى ؛	59	چنانچہ دین کی ان مثالوں اور وضاحتوں کو وہی ان سنا کرے گا جو واقعی بہرا ہو اور ان کو ان دیکھا وہی کرسکتا ہے جو سچ مچ کا اندھا ہو۔
وَمَنْ لَّمْ يَنْفَعْهُ اللّٰهُ بِالْبَلَاءِ وَالتَّجَارِبِ	60	اور جن لوگوں کو اللہ کی بھیجی ہوئی بلاؤں اور آزمائشوں سے اور خود اپنے تجربوں سے

لَمْ يَنْتَفِعْ بِشَيْءٍ مِنَ الْعِظَةِ ؛		فائدہ نہ پہنچے اسے پھر کسی بھی نصیحت سے فائدہ نہیں پہنچ سکتا ہے۔
وَاَتَاهُ النَّقْصُ مِنْ اَمَامِهٖ حَتّٰى يَعْرِفَ مَاأَنْكَرَ وَيُنْكِرَ مَا عَرَفَ ؛	61	مذکورہ تجربات کرکے اپنے لئے مسائل گھڑنے والے کو خود اپنے سامنے سے نقائص نظر آئیں گے یہاں تک کہ وہ اپنے انکار والے مسائل میں یہ تمیز کرلے گا کہ اس نے کہاں کہاں معروفات کا انکار کیا ہے اور کہاں کہاں منکرات کو اختیار کرلیا ہے۔
فَاِنَّ النَّاسَ رَجُلَانِ :مُتَّبِعٌ شِرْعَةً وَّمُبْتَدِعٌ بِدْعَةً لَيْسَ مَعَهٗ مِنَ اللّٰهِ بُرْهَانُ سُنَّةٍ وَّلَاضِيَاءُ حُجَّةٍ ؛	62	چنانچہ سارے انسان درحقیقت دو مرد ہوتے ہیں ایک وہ جو شریعت پر قدم بقدم چل کر پیروی کرتا ہے اور دوسرا وہ جو نئے نئے مسائل گھڑ کر دینی مسائل کہہ کر رائج کرتا ہے۔اس کے پاس نہ اللہ کی طرف سے کوئی سنت ، برہان وثبوت ہوتا ہے اور نہ حجت ودلائل کی روشنی ہوتی ہے۔
وَاِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهٗ لَمْ يَعِظْ اَحَدًا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ ؛	63	اور حق یہ ہے کہ اللہ نے کسی ایک امت کو بھی ایسی نصیحت نہیں کی ہے جو اس قرآن کے مثل کی نصیحت ہوتی۔
فَاِنَّهٗ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِيْنُ وَسَبَبُهُ الْاَمِيْنُ ؛	64	چنانچہ یہ قرآن اللہ کی مضبوط رسی ہے،اس کا امانت دار ذریعہ ہے۔
وَفِيْهِ رَبِيْعُ الْقَلْبِ وَيَنَابِيْعُ الْعِلْمِ ؛	65	اور قرآن میں ہی دلوں کے لئے بہاریں ہیں اور علوم کے چشمے ہیں۔
وَمَا لِلْقَلْبِ جِلَاءٌ غَيْرُهٗ ؛	66	اور اسکے علاوہ کوئی چیز دلوں میں آب وتاب وجلاء پیدا کرنیوالی نہیں ہے۔
مَعَ اَنَّهٗ قَدْذَهَبَ الْمُتَذَكِّرُوْنَ وَبَقِيَ النَّاسُوْنَ اَوِالْمُتَنَاسُوْنَ ؛	67	ادھر تو قرآن کی یہ خصوصیات ہیں اور ادھر قرآن کو سمجھنے اور یاد کرنے والے گزر کر ختم ہوگئے ہیں اور بھول جانے والے اور مغالطوں میں ڈالنے والے باقی رہ گئے ہیں۔
فَاِذَا رَاَيْتُمْ خَيْرًا فَاَعِيْنُوْا عَلَيْهِ وَاِذَا رَاَيْتُمْ شَرًّا فَاذْهَبُوْا عَنْهُ ؛	68	چنانچہ جب تم اچھائی اور خیر کو دیکھو تو اس میں اعانت ومدد کیا کرو اور جب تم برائی اور شر کو دیکھو تو اسے چھوڑ کر چل دیا کرو۔
فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ كَانَ يَقُوْلُ: "يَابْنَ آدَمَ اعْمَلِ الْخَيْرَ وَدَعِ الشَّرَّ فَاِذَااَنْتَ جَوَادٌ قَاصِدٌ"	69	اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے بھی فرمایا ہے کہ: "اے اولاد آدمؑ اچھے کام کیا کرو اور برائی کو دفع کردیا کرو۔اگر تم نے اس پر عمل کیا تو تم ہی نیک رفتار اور راست رو ہوگے"
اَلَاوَاِنَّ الظُّلْمَ ثَلَاثَةٌ : فَظُلْمٌ لَايُغْفَرُ وَظُلْمٌ لَايُتْرَكُ وَظُلْمٌ مَغْفُوْرٌ لَايُطْلَبُ ؛	70	خبردار کہ ظلم تین طرح کا ہوتا ہے چنانچہ ایک وہ ظلم ہے جو کسی صورت اور کبھی بخشا نہ جائے گا۔دوسرا وہ ظلم ہے جس کو انتقام لئے بغیر چھوڑا نہ جائے

		گا تیسرا وہ ظلم ہوتا ہے جو معاف ہو جائے گا اور اس پر مطالبہ نہ ہوگا۔
فَـامَّا الظُّلْمُ الَّذِی لَایُغْفَرُ فَالشِّرْکُ بِاللّٰہِ قَالَ سُبْحَانَہٗ " اِنَّ اللّٰہَ لَایَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِکَ الخ(4/48)	71	لہٰذا ہرگز معاف نہ ہونے والا ظلم اللہ کا شریک ماننا ہے اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ: "اگر اللہ کے ساتھ شریک مانا جائے تو اللہ اسے نہ بخشے گا اور اس کے علاوہ اللہ جو چاہے گا بخش دے گا (نساء 4/48)
وَاَمَّا الظُّلْمُ الَّذِیْ یُغْفَرُ فَظُلْمُ الْعَبْدِ نَفْسَہٗ عِنْدَ بَعْضِ الْھَنَاتِ ؛	72	وہ ظلم جو بخش دیا جائے گا وہ ہے جو کوئی اپنی ذات پر کوئی بُرا عمل کرتا ہے (اور ظاہر ہے کہ خود اپنے اوپر مطالبہ بھی نہیں کیا جاتا ہے)
وَاَمَّـا الـظُّلْمُ الَّذِیْ لَایُتْرَکُ فَظُلْمُ الْعِبَادِ بَعْضُھُمْ بَعْضًا اَلْقِصَاصُ ھُنَاکَ شَدِیْدٌ ؛	73	رہ گیا وہ ظلم جس کو انتقام کے بغیر نہ چھوڑا جائے گا وہ وہ ظلم ہے جو بندے آپس میں ایک دوسرے پر کرتے ہیں۔
لَیْـسَ ھُـوَجَـرْحًـا بِـالْمُدٰی وَلَا ضَرْبًـا بِالسِّیَاطِ وَلٰکِنَّہٗ مَایُسْتَصْغَرُ ذٰلِکَ مَعَہٗ ؛	74	وہ کوئی چُھریوں سے زخمی کرنا نہیں ہے اور نہ ہی کوڑوں سے مارنا ہے۔ ولیکن وہ تو ایسا سخت عذاب ہے جو اس طرح کی تمام اذیت رسانیوں کو بہت کم اور چھوٹا کر دیتا ہے۔
فَاِیَّاکُمْ وَالتَّلَوُّنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ ؛	75	تم لوگ دینِ خداوندی میں رنگ آمیزیوں اور رنگ بدلنے سے خبردار ہو جاؤ اور باز آجاؤ۔
فَـاِنَّ جَـمَـاعَۃً فِیْـمَـا تَکْرَھُوْنَ مِنَ الْحَقِّ خَیْرٌ مِّنْ فُرْقَۃٍ فِیْمَا تُحِبُّوْنَ مِنَ الْبَاطِلِ ؛	76	یقیناً اس جماعت کا حق پر مجتمع اور متفق و متحد ہو جانا جو تمہیں پسند نہیں ہے اس سے بہتر ہے کہ جماعت میں تفرقہ پیدا ہو اور وہ باطل راہوں میں تقسیم ہو جائے اور تمہیں یہ تفرقہ ہی پسند ہے۔
وَاِنَّ الـلّٰـہَ سُبْـحَـانَہٗ لَمْ یُعْطِ اَحَدًا بِفُرْقَۃٍ خَیْرًا مِمَّنْ مَّضٰی وَلَامِمَّنْ بَقِیَ ؛	77	اور حق یہ ہے کہ اللہ پاک نے نہ گزشتہ لوگوں کو تفرقہ کی بنا پر کوئی بھلائی عطا کی اور نہ باقی بچے ہوئے لوگوں کو فرقہ واریت پر کوئی نیکی دے گا۔
یَـا اَیُّھَا النَّاسُ طُوْبٰی لِمَنْ شَغَلَہٗ عَیْبُہٗ عَنْ عُیُوْبِ النَّاسِ ؛	78	اے لوگو مبارکباد اس شخص کا حصہ ہے جو اپنے عیبوں کو سامنے رکھتے ہوئے دوسروں کے عیب تلاش کرنے اور اچھالنے سے باز رہتا ہے۔
وَطُوْبٰـی لِـمَـنْ لَّـزِمَ بَیْتَـہٗ وَاَکَلَ قُوْتَـہٗ وَاشْتَغَلَ بِطَاعَۃِ رَبِّہٖ وَبَکٰی عَلٰی خَطِیْٓئَتِہٖ ؛ فَکَـانَ مِـنْ نَفْسِہٖ فِیْ شُغُلٍ ؛ وَالنَّاسُ مِنْہُ فِیْ رَاحَۃٍ ؛	79	اور وہ بھی قابل مبارکباد ہے جس نے اپنے گھر میں عزلت نشینی خانہ نشینی لازم کر لی ہے اپنی روٹی کھاتا ہے اور اپنے پروردگار کی اطاعت میں وقت گزارتا ہے اور اپنی خطاؤں پر روتا ہے۔ چنانچہ وہ صرف اپنی ذات کے اندر مشغول ہے اور باقی لوگ اس کی طرف سے چین سے ہیں۔

تشریحات:

یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے قریش کی پردہ دری اور دین سازی پر اس خطبے میں اتمام حجت کردی ہے۔ اور اس سے زیادہ قریش کی شریعت سازی اور فریب اندازی پر عام فہم اور واضح خطبہ اور کوئی نہیں ہے۔ اور اسی لئے آپ نے اس خطبہ میں قرآن کریم کی راہنمائی اور پوزیشن پر بہت زور دیا ہے۔ اور اللہ کی طرف سے نصیحتوں کی بھرمار کردی ہے۔ چنانچہ بات ہی یہاں سے شروع فرمائی ہے کہ:

''اللہ کے بیانات سے فائدہ اٹھاؤ، اس کی نصیحتوں کو حاصل کرو اور اُن پر عمل کرو (3 تا 1) یہ اس لئے کہ اللہ نے کسی عذر اور بہانے کی گنجایش نہیں چھوڑی ہے۔ اُس نے اپنی پسند اور ناپسند اعمال وعقائد کی تمام تفصیلات واضح کر کے تمہارے اوپر اپنی حجت قائم کردی ہے۔ (6 تا 4) اور اعمال کے نتائج جنت اور جہنم کی راہوں کو بیان کردیا ہے۔ (9 تا 7) اور یہ بھی بتادیا ہے کہ اچھے اور بُرے اعمال کرنے کے اسباب اور وجوہات کیا ہوئی ہیں؟ (9) اور وہ کون کون سے جذبات اور میلانات ہیں جو برائی اور اچھائی کی طرف رغبت دلاتے ہیں (11.12) اور یہ کہ مومن کو اُن جذبات ومیلانات کے ساتھ کا کیا سلوک کرنا چاہیئے (13-10)۔

2۔ حضرت علیؑ کی وضاحت اور عملی ہدایات اور طریق کار۔

اُنھوں نے نفس انسانی کو نشانہ بنایا ہے اُس کی بات نہ ماننے، اُس کی مذمت کرتے رہنے، اس پر اعتماد نہ کرنے، اس سے بدگمان رہنے اور اُس پر الزامات عاید کرنے کا تقاضہ فرمایا ہے۔ نفس کی اچھی بات اور مشورے کو بھی شک کی نظر سے دیکھنے پر متوجہ کیا ہے۔ (14-13) دنیا کے سازوسامان سے لاپرواہی برتنے کے لئے ایک مسافر کی طرح دن گزارنے کا طریقہ بتایا ہے (15۔16)۔

3۔ قرآن کریم کی پوزیشن، اُس کے ساتھ عمل درآمد اور اُس سے استفادہ کا طریقہ اور قرآن کا مرکزی مقام ونمائندہ۔

یہاں سے قرآن کے متعلق جو باتیں حضورؑ بیان فرمائیں گے غور سے سُنیں اور دیکھیں کہ قرآن پر ایمان لانے والا کوئی شخص بھی اُن کا نہ انکار کرے گا نہ اُنہیں ناپسند کرے گا۔ بلکہ حیران ہو ہو کر انہیں پسند کرے گا اور اس کے ایمان میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ حیران اور متعجب اس لئے ہوگا کہ حضرت علی علیہ السلام سے پہلے وہ باتیں اُس نے کسی سے نہ سُنی تھیں۔ اور یہیں سے یہ بات سمجھ میں آئے گی کہ عہد رسولؐ کے لوگوں اور قریشی لیڈروں نے قرآن کے اس مقام کو کیوں اختیار نہ کیا اور کیوں اس مقام کو عوام کو نہ بتایا؟ وہ یہ بات پہلے سے رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کی زبانی جانتے تھے کہ اگر قرآن کا حقیقی مقام عوام الناس کو بتادیا گیا تو وہ ہرگز نہ قریشی حکومت کو قبول کریں گے اور نہ انہیں علیؑ کی پیروی کئے بغیر قرآن سے وہ فوائد حاصل ہوں گے۔ لہٰذا قریشی لیڈروں کے لئے لازم ہو گیا تھا کہ وہ علیؑ کی ضد میں قرآن کو خود بھی چھوڑیں اور عوام کو بھی قرآن سے دور رکھیں اور جہاں تک ممکن ہو رسولؐ اور رسولؐ کے بیانات پر بھی کنٹرول کیا جائے۔ اسی حقیقت کو ظاہر کرنے کے لئے قرآن کو مہجور کیا گیا تھا (فرقان 25/30-31 اور انعام 6/66) بہرحال حضرت علی علیہ السلام نے اپنے خطبوں اور لکچروں میں دین کے ہر ہر پہلو پر روشنی ڈالی ہے۔ قریشی حکومتیں حضرت علیؑ کو تو نہ روک سکیں مگر اُنھوں نے بتدریج ایسے انتظامات کردئے جن سے رفتہ رفتہ حضرت علیؑ سے عوام کو متنفر کردیا۔ انہیں اسلام اور اپنی اسلامی حکومت کا باغی اور دشمن مشہور کردیا اور بعد کی حکومتوں نے اُن پر تبرّا اور لعنت شروع کرائی اُن کی اولاد کو، خاندانِ رسولؐ کو اور اُن کے پیروؤں کو دنیا سے ختم کرنے کرانے کی داغ بیل رکھ دی اور کربلا میں اُن کا قتل عام کردیا تاکہ علیؑ کی طرح اُن کی اولاد مذکورہ خطبات کا سلسلہ جاری نہ رکھے۔ اور برابر چارسو سال تک شیعوں کا قتل عام، اُن کو لوٹنا، اُن کے گھروں کو مسمار کرنا دین اسلام کی خدمت کے نام سے جاری رکھا

(دیکھو کتاب مذہب شیعہ وغیرہ) اور باقی آئمہ علیہم السلام دین اور شیعوں کو باقی رکھنے کے لئے انڈرگراونڈ یعنی نظام غیبت کی مہم چلاتے رہے اور رفتہ رفتہ قریشی حکومت کی جڑیں کھوکھلی کردیں۔ اور چوتھی صدی میں حضرت علی علیہ السلام کے خطبات مختلف کتابوں سے نکل کر نہج البلاغہ کی صورت میں منظرِ عام پر آگئے اور چاروں طرف تحریک تشیع کے پھیلائے ہوئے انقلاب پر تیل چھڑکنے اور انقلاب کی آگ کو زیادہ شعلہ ور کرنے کا کام دیا۔ اور اُس کے بعد ساتویں صدی میں جناب ہلاکو خان رحمتہ اللہ علیہ نے قریشی خلافت کا جنازہ نکال دیا۔ لیکن پچھلے انتظامات کے نتیجے میں اور اس پسپائی سے متاثر ہو کر قریشی دانشوروں نے شیعوں کے باغی عناصر سے گٹھ جوڑ کرلیا اور شیعہ بن کر دستار و عمامہ جبہ وقبا بردوش کر کے صحابہ ثلاثہ پر لعنت کی اسکیم کے ساتھ شیعوں میں مقبولیت حاصل کر لی اور اُن میں اجتہاد کی اسکیم جاری کردی جو آج تک جاری ہے اور انہیں اُسی راستے پر لے آئے اور اُن ہی قدموں سے چلانا شروع کر دیا جس پر قریشی لیڈر ابوبکر وعمر چلے تھے۔ چنانچہ آج خمینی اینڈ کمپنی سو فیصد اُن ہی کی پالیسی پر گامزن ہے اور شیعیت کے تمام اہم عقاید کو مسمار کر رہی ہے۔ (تفصیلات ''اسلام میں نظام ہدایت وتقلید'' میں)

(الف) قرآن کی پوزیشن۔

(1) قرآن کی ہدایت ونصیحت میں دھوکے کا شائبہ نہیں ہے (2) گمراہی اور جھوٹ سے محفوظ رکھ کر ہدایت کرتا ہے (17۔18)۔ قرآن کا ہم نشین ہدایت میں اضافہ اور بے بصیرتی اور گمراہی میں کمی کرتا چلا جاتا ہے (19) قرآن کے بعد کسی اور کتاب کی احتیاج نہیں رہتی اور قرآن کے بغیر تمام علوم وفنون ناکافی ہیں (20۔21)۔

(ب) قرآن تمام علوم وفنون وتعلیمات خداوندی کی تفصیل وتسخیر کائنات سکھانے کو آیا ہے۔

یعنی حضرت علی علیہ السلام ذمہ دار ہیں کہ تمام علوم وفنون اور تمام ہدایات وتعلیمات خداوندی قرآن سے اخذ کر کے عوام الناس کو ترقی کی انتہا تک لے جائیں اور ثابت کریں کہ یہ قرآن ساری ایمان دار اقوام کی راہنمائی کے لئے آخری کتاب ہے اور پوری کائنات اور تمام مخلوقات وموجواب کی تفصیل اپنے اندر ریکارڈ کئے ہوئے ہے تمام انبیاؑ کی کتابوں کی تعلیمات اور دانشوروں کی خدمات وایجادات کی تصدیق کرتی ہے تَصۡدِيۡقَ الَّذِىۡ بَيۡنَ يَدَيۡهِ وَتَفۡصِيۡلَ كُلِّ شَىۡءٍ وَّهُدًى وَّرَحۡمَةً لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ O (12/111) ہواؤں، فضاؤں، سمندروں اور خُشکیوں میں کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی گئی ہے جو اس قرآن میں تفصیل سے بیان نہ کردی گئی ہو (انعام 6/59) یعنی اس مخصوص کتاب میں بیان کرنے سے کوئی چیز نظر انداز نہیں کی گئی ہے (6/38) اور ہر بات کو اور ہر مسئلے کو عملی مثالیں دے کر بیان کیا گیا ہے وَلَقَدۡ صَرَّفۡنَا لِلنَّاسِ فِىۡ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ مِنۡ كُلِّ مَثَلٍ (17/89,18/54) یہ دوسری بات ہے کہ اکثر لوگ ہر بات میں جھگڑا لے کر بیٹھ جاتے ہیں (18/54) یا اکثر لوگ حقایق کو چھپانے کی مہم چلا رہے ہیں (17/89) بہرحال قرآن کے بغیر مکمل علم حاصل نہیں ہوسکتا۔

(ج) تمام بیماریوں اور امراض کے لئے قرآن سے شفا حاصل کرنا چاہیے۔

پھر حضرت علی علیہ السلام ذمہ داری لیتے ہیں کہ قرآن سے ہر بیماری وعلالت کے لئے شفا حاصل کی جاسکتی ہے۔ آپؑ نے سب سے بڑی بیماریاں حق پوشی اور نفاق، گمراہی اور ہدایت سے محرومی کو قرار دیا ہے اور قرآن ہی میں اُن کا علاج بتایا ہے (22 تا 24) پھر قرآن کو اللہ سے دعا کرنے کا ذریعہ بتایا ہے اور قرآن سے محبت کرنے کا حکم دیا ہے (25) اور منع فرمایا ہے کہ قرآن کے ذریعہ لوگوں سے کچھ مانگا جائے (26) اور قرآن کو وہ ذریعہ بتایا جو اللہ کی توجہ حاصل کرنے کا سب سے بڑا اور لاثانی وسیلہ ہے (27)۔

(د) قیامت میں قرآن کریم ایک مقبول وپسندیدہ شفیع ہے۔

ہم نے جو کچھ دیکھا ہے اور آپ بھی دیکھتے رہے ہیں کہ (99.9) ننانوے اعشاریہ نو فیصد مسلمان قرآن کو نہ سمجھتے ہیں اور نہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اتنے ہی فیصد لوگ قرآن کو بلا سمجھے محض ثواب کے لئے پڑھتے ہیں۔ جہیز میں بیٹیوں اور بہنوں کو ضرور ایک قرآن دیتے ہیں اور خوبصورت جز دان میں لپیٹ کر اتنی بلندی پر رکھتے ہیں کہ نہ اُس تک ہاتھ آسانی سے جائے نہ اُس کی طرف پشت ہو سکے۔ اور مرنے والے کو عالم نزع میں سہولت سے مرنے کے لئے سورہ یٰسین ضرور سنا دیتے ہیں۔ اور بعض گھروں میں بعض آنے والوں یا رخصت ہونے والوں کو قرآن کے نیچے سے گزارتے ہیں۔ مرنے والوں کے ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی کراتے ہیں اور رمضان میں کسی حافظ ریل یا حافظ طوفان میل سے بیس یا کم رکعات تراویح سنتے ہیں مگر نہ حافظ جانتا ہے کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے نہ سامعین سمجھتے ہیں کہ وہ کیا سُن رہے ہیں؟ البتہ قرآن پڑھنے میں ایسی گڑ گڑاہٹ ضرور سنائی دیتی ہے جیسے ریل پٹڑی پر سے گزرنے میں پیدا کرتی ہے۔

لطیفہ: سنا گیا ہے اور مشہور ہے کہ کہیں تراویح کی نماز میں کوئی سچ مچ کا حافظ بھی کسی صف میں کھڑا تھا۔ اُس نے دیکھا کہ پیش نماز حافظ صاحب یہاں کا وہاں اور وہاں کا یہاں غلط قرآن پڑھ رہے ہیں اُس نے مناسب موقع پر لقمہ دیا یعنی حافظ کو خبردار کرنے کے لئے صحیح لفظ یا آیت پڑھ کر سنائی تو پیش نماز نے آگے پڑھا کہ نِصفٌ لِی و نِصفٌ لکَ ھٰذَا قَوۡمُ الۡجَاھِلِیۡنَ (ففٹی ففٹی بانٹ لیں گے بھیا یہ تو جاہل قوم ہے)

یہ ہے وہ ماحول جو قریش نے پیدا کیا تھا اور آج تک موجود ہے۔ مگر حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں قرآن قیامت میں ایک مقبول اور پسندیدہ شفاعت کرنے والا ہے جس کی ہر بات قبول کی جانے والی ہے (29-28) مذمت بھی اور مدح بھی قبول ہوگی۔ اور یہ کہ قیامت میں منادی کے ذریعہ تمام اھل محشر کو قرآن کا یہ مقام بتایا جائے گا کہ اُس سے تعلق رکھنے والے سب نجات یافتہ ہیں (31)۔

(ہ) قرآن کے مقابلے میں ہر رائے فیصلہ اور حکم باطل ہے خود پر تہمت لگایا کرو۔

وفات رسوؐل کے بعد قریشی لیڈر کبھی قرآن کو راہنما نہ بناتے تھے بلکہ قرآن کے خلاف مصلحتوں اور مفاد کو راہنما بناتے تھے کثرت رائے کو آخری اور اللہ کا فیصلہ سمجھتے تھے (دیکھو ڈاکٹر صبحی محمصانی کی کتاب فلسفۃ التشریع) قریش کو حضرت علی علیہ السلام مجمع عام میں باطل پرست ثابت کرتے اور کہتے ہیں کہ تم لوگ قرآن کے مقابلے اپنی رائے اور مصلحتوں اور فیصلوں کو غلط اور قابل تہمت و مذمت سمجھو اپنی رائے کو باطل قرار دو (34)۔

(و) حضرت علیؑ دنیا میں ہدایت کے ذمہ دار اور قیامت میں نجات کے لئے ذمہ دار تھے۔

اب وہ جملہ آرہا ہے جس سے قریش کو بخار ہو جاتا تھا اور وہ نہ چاہتے تھے کہ عوام الناس ایسے جملے اور بیانات سنیں مگر صولت مرتضویؑ اور عوام وخواص کی بھیڑ بھاڑ نے اُن کا منہ بند کر رکھا تھا اور اسی سے پتہ چلتا ہے کہ قریشی خلفا اور لیڈروں کے پاس کوئی اسلامی دلیل وثبوت نہ تھا کہ وہ بول سکتے کیا وہ سامعین کے اس مجمع کے سامنے یہ کہہ سکتے تھے کہ قرآن کا یہ مقام غلط بیان کیا جا رہا ہے؟ وہ لوگ اسلام کے باقی لیڈروں ضیا وغیرہ کی طرح بڑے موقعہ شناس تھے۔ وہ جانتے تھے کہ پہلے نمبر پر حضرت علیؑ قرآن کی کوئی آیت پڑھ کر اُن کے منہ ٹھونس دیں گے اور دوسرے نمبر پر سارا مجمع انہیں قرآن کا مخالف یقین کرلے گا اور بغاوت ہو جائے گی۔ وہ کسی قیمت پر ایسی غلطی کرنے کو تیار نہ تھے۔ لہٰذا حضرت علی علیہ السلام کو حق سے روکنے کے لئے اُن کا باطل ہمت نہ کر سکتا تھا۔ چنانچہ حضورؐ نے فرمایا اور سب کو ماننا پڑا کہ:

میں قیامت میں تم پر گواہ رہوں گا اور تمہاری طرفداری میں تمہارے بچاؤ پر دلیل و حجت پیش کروں گا (40)۔ اور یقیناً تمہارے لئے

ایک پرچم کی طرح تمہارا راہنما بنا کر بلند کیا گیا ہے لہٰذا تم اپنے پرچم سے ہدایت حاصل کرو (36) اور حقائق و فرائض خداوندی کو نافذ کرنے کیلئے نکل کھڑے ہو (38-37)۔

(ز) ایک پھوڑے کی طرح دکھتا ہوا موضوع بھی جو تمام مسلمانوں کو جھوٹا ثابت کرتا چلا آیا ہے۔

حضور علی علیہ السلام نے قرآن سے ایک ایسی آیت بھی پڑھ دی (41/30) جسے سن کر ابو بکر و عمر ہی نہیں بلکہ آج تک کے تمام مسلمان گریبان میں منہ ڈال کر سرنگوں ہو جاتے ہیں اور اپنے باطل مذہب پر ہونے کا اقرار کئے بغیر چارہ نہیں رہتا ہے۔ آیت بتاتی ہے کہ:

''یقیناً جن لوگوں نے یہ اعلان کر دیا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے۔ پھر وہ ہر حال میں اس اعلان پر قائم اور برقرار رہے۔ اُن پر ملائکہ خوشخبریاں لے کر نازل ہوتے ہیں اور برابر نازل ہوتے رہیں گے۔ اور کہتے ہیں کہ تم لوگ کسی قسم کا خوف نہ کرو اور نہ کوئی رنج و ملال کرو اور جنت میں جانے کی خوشخبری سنو جس جنت کا تم سے وعدہ کیا جاتا رہا تھا۔'' (41/30) (43 جملہ)

(ح) حضرت علیؑ سامعین کو شرمندہ نہیں کرتے بلکہ سرسری طور پر اُن کا باطل ہونے کا ذکر کر کے نصیحت کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔

حضورؑ تو یہ آیت سنا کر یہ فرماتے ہیں کہ:

''تم نے اللہ کو اپنا رب کہا ہے۔ 2۔ لہٰذا اللہ کی کتاب پر قائم ہو جاؤ۔ 3۔ اللہ کے دین پر جم جاؤ۔ 4۔ اللہ کی عبادت اور اطاعت کرو۔ 5۔ اس کے دین اور منہاج اور طریقوں میں بدعت نہ کرو۔ 6۔ خود ساختہ طریقے منہاج اور دین جاری نہ کرو۔ 7۔ اور اللہ کے دین اور منہاج اور طریقوں کی مخالفت نہ کرو (44)۔ یہ جملہ پڑھیں اور کم از کم اتنا مان لیں کہ عہد رسولؐ کے بعد بھی تمام مسلمان برابر بلا ناغہ اللہ کو اپنا پروردگار مانتے اور کہتے چلے آئے ہیں لیکن اُن میں کسی پر نزول ملائکہ کا جھوٹ کا بھی ذکر نہیں کیا گیا ہے لہٰذا یہ ماننا پڑے گا کہ مسلمان اپنے خود ساختہ مذہب اور طریقوں پر چلتے رہے ہیں۔ اور اپنی تصنیفات میں اس کا اقرار بھی کرتے رہے ہیں (دیکھو ہماری کتاب فاروقی شریعت)۔ اور حضرت علی علیہ السلام نے فرما دیا کہ یہ لوگ دین سے نکل گئے اور اللہ سے رشتہ منقطع کر لیا (45)۔ پھر خطبے میں مصلحت پرستی سے منع فرمایا ہے اور زبان و عمل کی اور ظاہر و باطن کو یک جہتی فراہم کرنے کی نصیحت فرمائی ہے (46 تا 49)۔

(ط) بڑی تفصیل سے قریشی لیڈروں، خلفاؤں اور راہنماؤں کے کلام کو منافقانہ کلام قرار دیا ہے۔

حضورؑ نے آٹھ جملوں (48 تا 54) میں قریشی وعدوں، اعلانوں، معاهدوں اور فتاویٰ کا دوغلا پن اور منافقانہ علمدر آمد دکھایا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کی ہدایت و نصیحت بھی بیان فرمائی ہے اور بتایا ہے کہ ایمان کے قیام کا سبب مومن کے دل اور زبان کی ہم آہنگی اور قیام پر منحصر ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ تمہارا تمہارے اس اعلان پر ایمان نہیں ہے کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے۔ تم جو کچھ بھی کہتے ہو وہ منافقانہ اقوال ہوتے ہیں اس لئے تمہارے ایمان و عمل کے نتائج برآمد نہیں ہونے پاتے۔

(ی) قریش کی شریعت سازی میں سے صرف ایک مسئلہ حرام و حلال اور جائز و ناجائز کو سامنے رکھا ہے۔

مومن کی ایک شناخت یہ بتائی ہے کہ مومن کے نزدیک حرام و حلال اور ناجائز و جائز مستقل ہیں۔ وہ مصلحتوں اور قومی تقاضوں کے ماتحت بدلتے نہیں رہتے۔ مگر قریش ساز دین میں ضرورت اور مصلحت کو ہر چیز کے بدلنے کی بنیاد بنایا ہے۔

چند شریعت سازی کے اصول۔ یہاں ہم کتاب فلسفۃ التشریع سے چند بنیادی عنوانات لکھتے ہیں جن سے قریشی دین واضح ہوگا۔

(1) ضرورت کے وقت ممنوع چیزیں مباح ہوجاتی ہیں۔(صفحہ 342)

(2) اَلضَّرُوْرَۃُ لَا قَانُوْنَ لَھَا۔ضرورت کسی قانون کی پابند نہیں۔(343)

(3) عرف عام (عوام) کا فیصلہ قرآن وحدیث اور نص کے مانند ہے۔(صفحہ 303)

(4) رواجی پابندی شرعی پابندی کے مانند ہے۔(صفحہ 302)

(5) جسے مسلمان اچھا سمجھتے ہوں اُسے اللہ بھی اچھا سمجھتا ہے۔(صفحہ 301)

(6) اَلْعَادَۃُ مُحَکَّمَۃٌ۔رواج فیصلہ کن یعنی نص خداوندی ہے اور فقہ کی بنیاد عادۃ اور رواج پر ہے۔(صفحہ 301)

بہر حال حضرت علی علیہ السلام دین کے تمام احکام اور فیصلوں کو مستقل مانتے ہیں اور قریش پر کھل کر یہ الزام عاید کرتے ہیں کہ تم نے اپنے مسائل اور راہِ عمل اور معاملات خود گھڑ کر درست کر لئے ہیں اور یہ کہ تم نے شریعت سازی کی ہدایات اپنے سے پہلے لوگوں سے لی ہیں جن کے متعلق تمہیں مثالیں دی ہیں۔اور تمہیں واضح دین کی دعوت بھی دی جا چکی ہے۔چنانچہ تمہارے متعلق اور تمہارے لئے جو مثالیں بیان کر دی گئی ہیں ان کو ایک حقیقی بہرا شخص ہی اَن سنا کر سکے گا اور ایک حقیقی اندھا ہی اُن کو ان دیکھی کر سکے گا (59-58)۔

4۔ قریش کا اپنے تجربہ اور ضرورت کے ماتحت سابقہ لوگوں کے قوانین کی اتباع کرنا۔قرآن وحدیث میں اُس کی مثالیں۔

ان عنوان کا ہر پہلو ہم نے سابقہ خطبات کی تشریح میں بڑی تفصیل سے ثابت کیا ہے چنانچہ علامہ شبلی نے کتاب الفاروق میں مان لیا ہے کہ عمر اپنی ضرورت کے مطابق گزشتہ بادشاہوں اور قدیم حکومتوں کے قوانین بڑی رغبت سے اختیار کرتے تھے۔اور عمر کے تیار کئے ہوئے قوانین ہزاروں کی تعداد میں آگے بڑھے اور اہلسنت فقہ کے چاروں اماموں ابوحنیفہ، مالک، شافعی اور حنبل نے انہیں اختیار کیا۔ادھر بخاری میں رسوؐل اللہ کی حدیثیں موجود ہیں جن میں فرمایا ہے کہ قریش ایرانیوں رومیوں، یہود ونصاری کی قدم بقدم پیروی کریں گے اور جناب مودودی نے اپنی چھ جلدوں کی تفسیر کے دورانِ جو تحقیق کی ہے۔وہ سنئے:۔

(الف) مسلمان شریعت سازی میں یہود ونصارٰی اور تمام اقوام عالم سے بڑھ گئے۔

لکھتے ہیں کہ:

”یعنی پہلے انہوں نے خود ہی عقاید واحکام میں موشگافیاں کیں اور ایک ایک چیز کے متعلق سوال کر کر کے تفصیلات اور قیود کا ایک جال اپنے لئے تیار کرایا۔پھر خود ہی اس میں الجھ کر اعتقادی گمراہیوں اور عملی نافرمانیوں میں مبتلا ہوگئے۔اس گروہ سے مراد یہودی ہیں جن کے نقش قدم پر چلنے میں قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تنبیہات کے باوجود مسلمانوں نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔“

(تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 508 حاشیہ 117)

یعنی مودودی نے احادیث رسوؐل کی تصدیق کر دی اور ساری عمر کی تحقیق یہاں لکھ دی ہے۔

(ب) مودودی کے قلم سے حضرت ابوحذیفہؓ کی رائے مسلمانوں کے متعلق عہد رسوؐل میں۔

اسی جلد میں سورہ مائدہ کی آیات (5/47 تا 5/44) کی ذیل میں اور تفصیلی بیان دینے کے بعد مودودی صاحب نے لکھا ہے کہ:

''77۔ بعض اہل تفسیر نے ان آیات کو اہل کتاب کے ساتھ مخصوص قرار دینے کی کوشش کی ہے۔ مگر کلام الٰہی کے الفاظ میں اس تاویل کے لئے کوئی گنجائش موجود نہیں۔ اس تاویل کا بہترین جواب وہ ہے جو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے دیا ہے۔ اُن سے کسی نے کہا کہ یہ تینوں آیتیں تو بنی اسرائیل کے حق میں ہیں کہنے والے کا مطلب یہ تھا کہ یہودیوں میں سے جس نے خدا کے نازل کردہ حکم کے خلاف فیصلہ کیا ہو وہی کافر وہی ظالم اور وہی فاسق ہے۔ اس پر حضرت حذیفہ نے فرمایا:

نِعۡمَ الۡاُخۡوَۃ لَکُمۡ بَنِیۡ اِسۡرَائِیۡلَ اَنۡ کَانَتۡ لَھُمۡ کُلُّ مُرَّۃٍ لَکُمۡ کُلُّ حُلۡوَۃ کَلَّاوَاللّٰہِ لَتَسۡلُکُنَّ طَرِیۡقَھُمۡ قَدَرَ الشَّرَاک

کتنے اچھے بھائی ہیں تمہارے لئے یہ بنی اسرائیل کہ کڑوا کڑوا سب اُن کے لئے ہے۔ اور میٹھا میٹھا سب تمہارے لئے۔ ہرگز نہیں خدا کی قسم تم اُن ہی کے طریقہ پر قدم بقدم چلو گے۔'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 476)

قارئین نے دیکھا کہ مودودی نے ایک بزرگ صحابی کی کیسی صاف اور واضح پیش گوئی لکھ دی ہے اور ظاہر ہے کہ انہوں نے یہ پیشگوئی رسولؐ اللہ سے سُنی تھی جو بخاری میں مذکور ہوئی ہے۔ (کتاب الفتن پارہ نمبر 29) اور اسی جلد میں مودودی نے لکھا ہے کہ:

مودودی کی تشریح، جس میں قریش کو تنبیہ کی، قریش کو غلط رہبروں کی پیروی سے منع کیا تھا۔

''یہاں خاص طور پر گمراہ کرنے والے پیشواؤں اور لیڈروں اور اُن کے نادان پیرؤوں کے انجام کا اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ جس غلطی میں مبتلا ہو کر پچھلی امتیں بھٹک گئیں اُس سے مسلمان ہوشیار رہیں اور رہبروں میں امتیاز کرنا سیکھیں اور غلط رہبری کرنے والوں کے پیچھے چلنے سے بچیں۔'' (تفہیم اول صفحہ 132)

معلوم ہوا کہ قریش رسولؐ اللہ کے علاوہ بھی بعض رہبروں کی پیروی کرتے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ وہ راہبر غیر مسلم تھے اور حضرت علی علیہ السلام کا جملہ (58) ثابت ہو گیا۔ پھر قرآن کریم میں جگہ جگہ اور بار بار رسولؐ اللہ کو تاکید کی گئی ہے کہ قریش کے اجتہاد واھواء، کی پیروی واطاعت نہ کریں۔ ظاہر ہے کہ یہ اُن کے سابقہ دین اور سابقہ بزرگوں کے خودساختہ قوانین تھے۔ جن کی قریش پیروی کرتے تھے اور رسولؐ اللہ سے چاہتے تھے کہ وہ بھی اُن قوانین کو اختیار کر لیں۔

(د) مودودی مانتے ہیں کہ قریش سابقہ دین پر بھی عمل کرتے تھے اور رسولؐ کو بھی اس پر چلانا چاہتے تھے۔

مودودی سے قرآن کی آیت کا ترجمہ سنئے:

''اے محمدؐ ان لوگوں نے اس کوشش میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی کہ تمہیں فتنے میں ڈال کر اُس وحی سے پھیر دیں جو ہم نے تمہاری طرف بھیجی ہے تا کہ تم ہمارے نام پر اپنی طرف سے کوئی بات گھڑو۔ اگر تم ایسا کرتے تو وہ ضرور تمہیں اپنا دوست بنا لیتے اور بعید نہ تھا کہ اگر ہم تمہیں مضبوط نہ رکھتے تو تم اُن کی طرف کچھ نہ کچھ جھک جاتے۔'' (17/73-74) (تفہیم القرآن جلد 2 صفحہ 632-633)

یہی وہ مرکز تھا جہاں سے قریش اپنی دین سازی میں مدد لیتے تھے۔ اور خود رسول اللہ کو فریب میں مبتلا کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔

5۔ ظلم کی تین قسمیں، قابل معافی ظلم (جملہ 72)۔

حضور علیہ السلام نے یہاں ظلم کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ اور عام مظالم کا ذکر فرمایا ہے یعنی خاص مظالم کی بات نہیں ہے۔

لفظ ظلم کے بنیادی معنی ہیں ''کسی چیز کو اس کے صحیح مقام پر استعمال کرنے کے بجائے غلط مقام پر استعمال کرنا'' اور لغات میں اس کی تعریف

(Definition) یہ ہے کہ: ''وَضۡعُ الشَّیۡءٍ فِیۡ غَیۡرِ مَوۡضِعِہٖ''(مفردات راغب صفحہ 318) کسی چیز کو وہاں نہ رکھنا جہاں اس کی جگہ تھی۔قتل وشرک اور گناہ میں بنیاد یہی ہوتی ہے۔لہٰذا معاف ہو جانے والا ظلم وہ ہوا جس میں انسان خود اپنی ذات کو غلط جگہ استعمال کرتا ہے۔خودکشی بھی اپنی ذات پر ظلم ہے اور یہ ظلم قابل معافی نہیں۔اس لئے حضورؐ کے جملے میں لفظ ''بَعۡضِ الۡهَنَات'' فرمایا گیا ہے اور ہم نے یہاں ھنات کے معنی سہولت کئے ہیں۔یعنی ایسا ظلم جس میں اپنی سہولت مدنظر رکھی ہو یا دوسروں کی سہولت سامنے رہی ہو۔اس قسم کے ظلم میں ناپسندیدہ باتیں بھی آتی ہیں اور پسندیدہ بھی ہوتی ہیں۔عام علمانے چھوٹے چھوٹے گناہان صغیرہ مراد لیا ہے۔اور جان چھڑائی ہے ہم گناہ صغیرہ میں بھی یہ دیکھیں گے کہ وہ سہولت کی غرض سے کیا گیا تھا یا نہیں؟ اور اس سہولت سے کسی اور کی تکلیف یا دقت میں تو اضافہ نہیں ہوا تھا۔جو چیزیں اپنے جسم وجان کے لئے فرض و واجب ہیں اُن میں تو خلل پیدا نہیں کیا تھا۔اور خودکشی اسی میں داخل ہے۔جسمانی قوت وصحت کو برقرار ترقی پذیر رکھنا فرض ہے۔لہٰذا وہ تمام مظالم جو اُن فرائض کے خلاف ہوں قابل مواخذہ ہیں معاف نہیں ہیں۔خود پر ظلم معاف ہونے کا پہلا مطلب یہ ہے کہ ایک سادہ اور جاہل شخص ہے جسے خطرناک ومہلک نتائج کا علم نہیں ہے اور نیت بھی بُری نہیں ہے اور ضرورت بھی اچانک پیدا ہوتی ہے۔

5 (الف)۔ مخصوص لوگوں کا مخصوص حالات میں خود پر ظلم کرنا تمام نیکیوں سے بڑھ سکتا ہے۔

یہ بات سرسری طور پر شروع کیجئے۔ایک پیچش میں مبتلا شخص آپ سے ملنے کے لئے آیا ہے۔گھٹا بھی جھوم کر آئی ہے۔بادل لٹکے ہوئے برسنے کو تیار ہیں۔سیمنٹ کی چند بوریا سامنے کھلے جگہ میں رکھی ہیں۔آپ مریض کو بٹھا کر یہ کہہ کر باہر نکل گئے کہ میں پڑوسیوں کو بلا لاؤں تاکہ سیمنٹ کو بھیگنے سے بچایا جاسکے۔واپس آئے تو سیمنٹ محفوظ جگہ میں رکھا ہوا دیکھا۔یہ کام مریض نے کر دیا مگر درد کے مارے لیٹا ہوا ملا۔یہ خود پر ظلم تھا اور آپ کی سہولت کے لئے اور نقصان سے بچانے کے لئے کیا گیا تھا۔ورنہ جس طرح آپ پانی میں بھیگے ہوئے پلٹتے سمینٹ بھی بھیگ کر پتھر بن گیا ہوتا۔یہ ظلم معاف ہے اور ہوسکتا ہے کہ اللہ بھی آپ کے علاوہ مریض کو اجر دے۔آپ تو ہمیشہ شکر گزار رہیں گے اور مریض کے کام آئیں گے۔ وہ مسافر جو اپنی تازہ بیاہی ہوئی دولھن اور اپنی والدہ کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔یہ دیکھ کر کہ امام حسین علیہ السلام مع اپنے خاندان واحباب خطرے میں ہیں ساتھ ہو لیتا ہے۔ماں اور زوجہ بھی سفر جاری نہیں رکھتیں۔پھر کیا ہوا آپ جانتے ہیں۔یہ تینوں خود پر ظلم کرتے ہیں۔یہ تمام نیکیوں سے زیادہ مقدس ظلم ہے اور انہیں شفاعت کے اختیارات بھی دلاتا ہے۔کربلا میں سب ہی خود پر ظلم کرنے والے تھے۔خصوصاً جب کہ آزاد بھی کر دئے گئے تھے۔یہی کافی ہے کچھ اور لکھیں گے تو طبیعت پریشان ہو جائے گی۔بلکہ ہو چکی ہے اور خود آپ بھی خوش نظر نہیں آتے۔یاد رکھو کہ اس قسم کے ظالم مصطفیٰ لوگوں میں شمار کئے جاچکے ہیں (سورہ فاطر 35 تا 35/32)۔(دیکھو تفسیر احسن التعبیر)۔

مفتی جعفرحسین: خطبہ نمبر: 176

علی نقی طہرانی : خطبہ نمبر: 177

خُطبہ ﴿191﴾

1۔صفاتِ خداوندی کا نیا انداز ۔2۔تشہد کا نیا انداز اور صفات رسولؐ ۔3۔دنیا کا انسانوں سے سلوک ۔ 4۔نعمتوں کا چھن جانا تقدیری جبر نہیں اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے۔5۔نعمتیں واپس مل سکتی ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

لَا يَشۡغَلُهُ شَاْنٌ عَنۡ شَانٍ ؛ وَلَا يُغَيِّرُهُ زَمَانٌ وَلَا يَحۡوِيهِ مَكَانٌ وَلَا يَصِفُهُ لِسَانٌ	1	اللہ کو ایک کام کرنا دوسرے کسی کام کے کرنے سے نہیں روکتا اور نہ ہی زمانہ کے تغیرات اس میں تبدیلی کر سکتے ہیں۔نہ کوئی جگہ اس کا احاطہ کر سکتی ہے اور نہ ہی زبانوں سے اس کی حقیقی صفات بیان ہو سکتی ہیں۔
وَلَا يَعۡزُبُ عَنۡهُ عَدَدُ قَطۡرِ الۡمَآءِ وَلَا نُجُوۡمِ السَّمَآءِ ؛	2	اور اس سے نہ تو پانی کے قطرات پوشیدہ رہ سکتے ہیں اور نہ آسمان کے ستارے چھپے رہ سکتے ہیں اور
وَلَا سَوَا فِي الرِّيۡحِ فِي الۡهَوَآءِ ؛	3	نہ ہواؤں میں واقع ہونے والے جھکڑ او جھل ہو سکتے ہیں اور
وَلَا دَبِيۡبُ النَّمۡلِ عَلَى الصَّفَا ؛	4	وہ آواز بھی پوشیدہ نہیں رہتی جو چیونٹی کے چکنے پتھر پر چلنے سے پیدا ہوتی ہے۔
وَلَا مَقِيۡلُ الذَّرِّ فِي اللَّيۡلَةِ الظَّلۡمَاءِ ؛	5	ننھی چیونٹیوں کا اندھیری راتوں میں ٹھکانہ بھی اس سے غائب نہیں رہتا ہے۔
يَعۡلَمُ مَسَاقِطَ الۡاَوۡرَاقِ ؛	6	وہ پتوں کے گرنے کی جگہوں کا بھی علم رکھتا ہے۔
وَخَفِيَّ طَرۡفِ الۡاَحۡدَاقِ ؛	7	اور آنکھوں کے چوری چوری اشاروں پر بھی مطلع رہتا ہے۔
وَاَشۡهَدُ اَنۡ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ غَيۡرَ مَعۡدُوۡلٍ بِهٖ وَلَا مَشۡكُوۡكٍ فِيۡهِ وَلَا مَكۡفُوۡرٍ دِيۡنُهٗ وَلَا مَجۡحُوۡدٍ تَكۡوِيۡنُهٗ ؛	8	اور میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ اور کوئی قابل عبادت نہیں ہے اور کوئی اس کے ہم پلہ اور برابر کا نہیں ہے۔اور اس کی ذات میں کوئی شک بھی نہیں ہے اور نہ اس کے دین کو چھپایا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کی تخلیق اور کائنات کے انتظام سے انکار ہو سکتا ہے۔
شَهَادَةَ مَنۡ صَدَقَتۡ نِيَّتُهٗ وَصَفَتۡ دِخۡلَتُهٗ وَخَلَصَ يَقِيۡنُهٗ وَثَقُلَتۡ مَوَازِيۡنُهٗ ؛	9	میری شہادت اس شخص کی مانند ہے جس کی نیت سچائی کی حامل ہے جس کا باطن پاکیزہ ہے جس کا یقین خالص ہے اور جس کے اعمال کا پلہ بھاری نکل چکا ہے۔

وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ الْمُجْتَبٰى مِنْ خَلَائِقِهِ وَالْمُعْتَامُ لِشَرْحِ حَقَائِقِهِ وَالْمُخْتَصُّ بِعَقَائِلِ كَرَامَاتِهِ وَالْمُصْطَفٰى لِكَرَائِمِ رِسَالَاتِهِ وَالْمُوَضَّحَةُ بِهِ اَشْرَاطُ الْهُدٰى وَالْمَجْلُوُّ بِهِ غِرْبِيْبُ الْعَمٰى ؛	10	اور میں شہادت دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے بندے اور اسکے رسوؐل ہیں تمام مخلوقات میں سے منتخب اور بزرگ ہیں۔اور اللہ کے متعلق تمام حقائق کی تشریح کرنے میں بزرگ تر ہیں اور اللہ نے انہیں اپنی بہترین کرامات اور معجزات کیلئے مخصوص فرمایا ہے۔اور اپنی تمام رسالتوں کی بزرگیوں اور نفع رسانیوں کیلئے مصطفیٰ (منتخب) بنایا اور ان ہی کے ذریعہ سے ہدایت اور فلاح کے نشانات واضح کئے گئے اور گمراہی اور تاریکی کو روشنی میں لایا گیا۔
اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ الدُّنْيَا تَغُرُّ الْمُؤَمِّلَ لَهَا وَالْمُخْلِدَ اِلَيْهَا ؛	11	اے لوگو دنیا ان کو فریب میں مبتلا کرتی ہے جو اس کی طرف آرزوئیں لے کر بڑھتے ہیں اور اس پر اعتماد و بھروسہ کرتے ہیں۔
وَلَا تَنْفَسُ بِمَنْ نَّافَسَ فِيْهَا ؛	12	اور ان لوگوں سے کنجوسی نہیں کرتی ہے جو اس پر فریفتہ ہو کر اس سے خواہشیں وابستہ کر دیتے ہیں۔
وَتَغْلِبُ مَنْ غَلَبَ عَلَيْهَا ؛	13	اور جو اس پر غلبہ حاصل کرنا چاہتا ہے اس پر قابو پا لیتی ہے۔
وَاَيْمُ اللّٰهِ مَا كَانَ قَوْمٌ قَطُّ فِيْ غَضِّ نِعْمَةٍ مِّنْ عَيْشٍ فَزَالَ عَنْهُمْ اِلَّا بِذُنُوْبٍ اِجْتَرَحُوْهَا ؛	14	اور قسم بخدا کہ ایسی کوئی قوم گزری ہی نہیں کہ جس کے پاس نعمتوں کی فراوانی اور زندگی کی ساری مسرتیں اور آسودہ حالی تھی اور پھر ان سے وہ سب کچھ زائل ہو گیا تھا تو وہ ان گناہوں کے سبب سے زائل ہوا تھا جو وہ برابر کرتے رہے تھے۔
لِاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ؛	15	خواہ مخواہ ایسا نہیں ہوا تھا اسلئے کہ اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے
وَلَوْ اَنَّ النَّاسَ حِيْنَ تَنْزِلُ بِهِمُ النِّقَمُ وَتَزُوْلُ عَنْهُمُ النِّعَمُ . فَزِعُوْا اِلٰى رَبِّهِمْ بِصِدْقٍ مِّنْ نِّيَّاتِهِمْ وَوَلَهٍ مِّنْ قُلُوْبِهِمْ لَرَدَّ عَلَيْهِمْ كُلَّ شَارِدٍ وَاَصْلَحَ لَهُمْ كُلَّ فَاسِدٍ ؛	16	اور اگر لوگ اس وقت جب کہ ان پر مصائب کا ہجوم ہو رہا ہو اور ان کی نعمتیں ان سے زائل ہو رہی ہوں اور وہ سچی نیتوں کے ساتھ اللہ کے سامنے فریاد کریں اور تہہ دل سے اپنے پروردگار سے ملتجی ہوں تو ضروری ہے کہ اللہ وہ نعمتیں واپس دیدے گا اور انکے تمام بگڑے ہوئے کاموں کو سنوار دے گا۔
وَاِنِّيْ لَاَخْشٰى عَلَيْكُمْ اَنْ تَكُوْنُوْا فِيْ فَتْرَةٍ ؛	17	اور میں تمہارے متعلق یہ خدشہ رکھتا ہوں کہ کہیں تم لوگ بھی پھر فترۃ میں نہ پڑ جاؤ یعنی زمانہ جاہلیت میں نہ جا پہنچو۔
وَقَدْ كَانَتْ اُمُوْرٌ مَّضَتْ مِلْتُمْ فِيْهَا مَيْلَةً كُنْتُمْ فِيْهَا عِنْدِيْ غَيْرَ مَحْمُوْدِيْنَ ؛	18	اور یہ اندیشہ اسلئے ہے کہ ماضی میں تمہاری طرف سے ایسے معاملات کا ظہور ہوا جن میں تمہارا میلان طبع فترۃ ہی کی طرف تھا اور اس وقت تم لوگ میرے

		نزدیک مذمت کے قابل تھے۔
وَلَئِنْ رُدَّ عَلَيْكُمْ اَمْرُكُمْ اِنَّكُمْ لَسُعَدَآءُ ؛	19	اور اگر تمہاری اچھی روش دوبارہ واپس آ گئی تو بلاشبہ تم اچھے اور نیک لوگ بن سکتے ہو۔
وَمَا عَلَيَّ اِلَّا الْجُهْدُ ؛	20	اور مجھ پر تو اور کوئی چیز واجب نہیں ہے سوائے کوشش کرنے کے۔
وَلَوْ اَشَآءُ اَنْ اَقُوْلَ لَقُلْتُ ؛	21	اور اگر میں چاہتا کہ کہہ ڈالوں تو ضرور کہہ دیا ہوتا۔ اب تو دعا ہے کہ
عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؛	22	جو کچھ گزر گیا اللہ اسے نظر انداز کر دے''

تشریحات:

یہاں دراصل یہ فرمایا ہے کہ اللہ کی ایک حالت اسکی دوسری حالت میں رخنہ اندازی نہیں کرتی ہے۔یعنی اُسے رحیمی اور مہربانی کی حالت میں غضب وغصے کی حالت میں آنے سے نہیں روک سکتی۔ مطلب یہ ہے کہ ایک ایسی مستقل حالت میں اللہ کو ماننا لازم ہے جس میں نہ کوئی تبدیلی ہوتی ہو اور نہ تبدیلی کی احتیاج پیش آتی ہو۔یعنی اُس کی مختلف المعنی صفات کو الگ الگ معنی میں نہیں سمجھنا چاہئے۔ بلکہ ایک ایسی صفت اور حالت میں سمجھنا چاہئے جس میں اللہ بیک وقت رحیم بھی ہے۔قہار بھی ہے۔کریم بھی ہے اور جبار بھی۔غصہ میں بھی ہے اور خوش بھی۔ دیکھ بھی رہا ہے اور اَن دیکھا بھی کر رہا ہے۔سُن بھی رہا ہے اور اَن سنا بھی کر رہا ہے۔قادر مطلق بھی ہے اور حکیم بھی ہے علیم بھی ہے اور صحیح و غلط کو بھی جانتا ہے۔یعنی ایسا نہیں کہ قادر مطلق ہونے یا ہر بات اور ہر چیز پر قدرت رکھنے کی بنا پر غلط بات یا غلط کام کر لے۔مثلاً عذاب کی جگہ ثواب دے بیٹھے۔جنتی کو جہنم بھیج دے۔وہ غلط چیزوں پر ہرگز قادر نہیں ہے۔ جو ہستی پوری کائنات کو گھیرے ہوئے ہو وہ آدمی یا گدھا بن کر کیسے چند فٹ کے رقبے میں سما سکے گی؟ عالم و علیم و حکیم ہوتے ہوئے کسی صورت میں جاہلانہ کام نہیں کر سکتی۔يَفْعَلُ مَايَشَاءُ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ غلط بات یا غلط کام بھی چاہتا ہے اور غلط کام بھی کرتا ہے۔يَفْعَلُ مَايُرِيْدُ جس کام یا بات کا ارادہ کرتا ہے وہ ہی کرتا ہے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ غلط بات یا احمقانہ کام کرنے کا بھی ارادہ کر سکتا ہے۔حضرت علی علیہ السلام حمد و صفات خداوندی بیان کر کے اُن تمام عقاید کو باطل کرتے جاتے ہیں جو قریش نے ساری دنیا میں مشہور کئے اور پھیلائے تھے۔وہ یہ مشہور کر رہے تھے کہ ثلاثہ اینڈ کمپنی کی حکومت و خلافت اس لئے قائم ہوئی کہ اللہ محمدؐ و علیؑ کی مخالفت اور قریش کی طرفداری کرنا چاہتا تھا۔اس لئے اُس نے محمدؐ کی مرضی کے خلاف علیؑ کو خلافت سے محروم کیا ور قریش کو حکومت عطا کی۔محمدؐ کی مرضی یہ تھی کہ اُنکے چچا ابو طالبؑ ایمان لائیں لیکن اللہ نے ایسا نہ ہونے دیا۔

2۔ اللہ محمدؐ و علیؑ کا مخالف اور عمر بن الخطاب کا طرفدار تھا جو وہ چاہتے تھے نہ ہونے دیا عمر کی اسکیم کو کامیاب کر دیا۔

چنانچہ خلیفہ دوم کا بیان سنئے جو اس عقیدے کے موجد ہیں انہوں نے عبداللہ بن عباس سے باتیں کرتے ہوئے خلافت سے خاندان رسوؐل کو محروم کرنے کے سلسلے میں تفصیلی بیانات دیئے ہیں اور ہم نے وہ بیانات شبلی کی کتاب الفاروق سے اور تاریخ طبری سے سابقہ تشریحات میں لکھ دئے ہیں۔اسی سلسلے میں عمر کا بیان ابن ابی الحدید کی شرح سے یہاں لکھتے ہیں جس سے اس باطل عقیدے کی ایجاد کا سہرا عمر کے سر باندھا جا سکتا ہے۔ سنئے:

’’عمر نے ابن عباس سے پوچھا کہ کیا علیؑ کا خیال ویقین ہے کہ رسوؐل اللہ نے ان کی خلافت کے لئے نص کردی تھی یعنی اُن کو خلیفہ مقرر کردیا تھا؟ ابن عباس نے کہا کہ جی ہاں قطعاً اور اس سے بڑھ کر یہ کہ میں نے اپنے والد سے حضرت علیؑ کے اس دعوے کے متعلق دریافت کیا تھا اور انہوں نے کہا تھا کہ دعویٰ سچ ہے۔ حضرت عمر نے کہا کہ بے شک جناب رسوؐل خدا سے علیؑ کے بارے میں چند ایسی باتیں ہوتی تھیں جن سے کوئی حجت ثابت نہیں ہوتی تھی اور عذر قطع نہیں ہوتا تھا۔ اور بسا اوقات تو جناب رسوؐل خدا علیؑ کے لئے اس معاملے میں حق سے باطل کی طرف مائل ہوجانا چاہتے تھے۔ اور بہت مبالغہ کرتے تھے۔ اور یہ بھی امر واقعہ ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنے مرض موت میں علیؑ کے نام کی تصریح کردینی چاہی تھی مگر میں نے اس سے اُن کو روک دیا تھا جس سے میری غرض محض اسلام کی ہمدردی تھی۔ کعبہ کے رب کی قسم علیؑ کے بارے میں کبھی قریش کا اجتماع نہ ہوگا۔ اور اگر لوگ اُن کو خلیفہ بنا بھی لیں گے تو ہر طرف سے اُن پر شورش کریں گے۔ بس رسوؐل اللہ سمجھ گئے کہ میں نے اُن کے دل کی بات تاڑ لی ہے اور وہ رک گئے اور خدا نے بھی اس سے انکار کیا اور جو خدا چاہتا تھا اس کو ہی جاری کیا۔‘‘

(شرح نہج البلاغہ جز ثالث صفحہ 97)

اُسی بیان کو صفحہ 114 پر دوسری روایت سے یوں لکھا ہے کہ:

’’حضرت عمر نے عبداللہ بن عباس سے کہا کہ میں تم سے تمہارے ابن عم یعنی علیؑ کی شکایت کرتا ہوں میں نے اُن سے کہا تھا کہ میرے ساتھ چلو انہوں نے انکار کردیا اور اکثر میں اُن کو اپنے سے غضب ناک ہی دیکھتا ہوں اس کا کیا سبب ہے؟ عبداللہ نے کہا درست ہے اُن کا یقین ہے کہ جناب رسوؐل خدا نے خلافت اُن کو عطا کی تھی۔ عمر نے کہا کہ اے ابن عباس یہ درست ہے کہ رسوؐل خدا کا یہی ارادہ تھا کہ خلافت علیؑ کو ملے لیکن جناب رسوؐل خدا کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے جب خدا نے نہ چاہا۔ رسوؐل خدا نے چاہا کہ خلافت علیؑ کو ملے خدا نے اس کے خلاف چاہا اور خدا کی مراد جاری ہوگی۔ اور رسوؐل خدا کی خواہش پوری نہ ہوئی۔ دیکھو رسوؐل نے بہت چاہا کہ اُن کا چچا ایمان لائے لیکن وہ ایمان نہ لایا کیوں کہ خدا نے نہ چاہا کہ وہ ایمان لائے۔ رسوؐل خدا نے تو یہ بھی چاہا تھا کہ مرض موت میں خلافت کی وصیت علیؑ کے نام کردیں لیکن میں نے فتنہ اور اسلام کی پراگندگی کے خوف سے روک دیا۔ اور رسوؐل اللہ بھی میرے دل کی بات سمجھ گئے اور رک گئے اور اللہ نے جو مقدر کیا تھا وہی ہوا۔‘‘

مطلب یہ ہوا کہ جو کچھ بھی دنیا میں لوگ کرتے ہیں وہ سب خدا کرتا ہے۔ اور بندوں کے مکروفریب اور سازشیں اور گٹھ جوڑ سب جائز ہیں یہ بات عمر سے پہلے مشرکین بھی بڑے قانونی انداز میں کہا کرتے تھے قرآن سے آیات پیش کی جارہی ہیں یہاں مودودی کا ترجمہ سن لیں۔

3۔ مشرکین اپنے جرائم کو مشیت خداوندی کی آڑ میں چھپاتے چلے آئے ہیں۔

<u>مودودی ترجمہ:</u> ’’یہ مشرک لوگ تمہاری ان باتوں کے جواب میں ضرور کہیں گے ’’اگر اللہ چاہتا تو ہم نہ شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم کسی چیز کو حرام ٹھیراتے‘‘ ایسی ہی باتیں بنا بنا کر ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی حق کو جھٹلایا تھا۔ یہاں تک کہ آخر کار ہمارے عذاب کا مزا انہوں نے چکھ لیا۔ ان سے کہو کہ ’’کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے جسے ہمارے سامنے پیش کرسکو؟ تم تو محض گمان پر چل رہے ہو اور بری قیاس آرائیاں کرتے ہو۔‘‘ (6/148) تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 595-594) اس پر مودودی کی تشریح سنئے:

مودودی کی تشریح عمر کو غلط کار اور مجرم ثابت کرتی ہے۔

''124۔ یعنی وہ اپنے جرم اور غلط کاری کے لئے وہی پرانا عذر پیش کریں گے جو ہمیشہ سے مجرم اور غلط کار پیش کرتے رہے ہیں۔ وہ کہیں گے کہ ہمارے حق میں اللہ کا چاہنا (مشیت) یہی ہے کہ ہم شرک کریں اور جن چیزوں کو ہم نے حرام ٹھیرا رکھا ہے انہیں حرام ٹھہرائیں ورنہ اگر خدا نہ چاہتا کہ ہم ایسا کریں تو کیونکر ممکن تھا کہ یہ افعال ہم سے صادر ہوتے؟ پس چونکہ ہم اللہ کی مشیت کے مطابق یہ سب کچھ کر رہے ہیں اس لئے درست کر رہے ہیں اس کا الزام اگر ہے تو ہم پر نہیں اللہ پر ہے۔ اور جو کچھ ہم کر رہے ہیں ایسا ہی کرنے پر مجبور ہیں کہ اس کے سوا کچھ اور کرنا ہماری قدرت سے باہر ہے۔'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 595)

اس سے اگلی تشریح میں لکھتے ہیں کہ:

''پہلی بات یہ فرمائی گئی ہے کہ اپنی غلط کاری و گمراہی کے لئے مشیت الٰہی کو معذرت کے طور پر پیش کرنا اور اسے بہانہ بنا کر صحیح راہنمائی کو قبول کرنے سے انکار کرنا مجرموں کا قدیم شیوہ رہا ہے۔ اور اس کا انجام یہ ہوا ہے کہ آخر کار وہ تباہ ہوئے۔۔ پھر فرمایا کہ یہ عذر جو تم پیش کر رہے ہو یہ دراصل علم حقیقت پر مبنی نہیں ہے بلکہ محض گمان اور تخمینہ ہے۔ تم نے محض مشیت کا لفظ کہیں سے سُن لیا اور اس پر قیاسات کی ایک عمارت کھڑی کر لی تم نے یہ سمجھا ہی نہیں کہ انسان کے حق میں فی الواقع اللہ کی مشیت کیا ہے۔ تم مشیت کے معنی یہ سمجھ رہے ہو کہ چور اگر مشیت الٰہی کے تحت چوری کر رہا ہے تو وہ مجرم نہیں ہے کیونکہ اُس نے یہ فعل خدا کی مشیت کے تحت کیا ہے۔ حالانکہ دراصل انسان کے حق میں خدا کی مشیت یہ ہے کہ وہ شکر اور کفر، ہدایت اور ضلالت طاعت اور معصیت میں سے جو راہ بھی اپنے لئے منتخب کرے گا اور خدا وہی راہ اس کے لئے کھول دے گا۔ اور پھر غلط یا صحیح جو کام بھی انسان کرنا چاہئے گا خدا اپنی عالم گیر مصلحتوں کا لحاظ کرتے ہوئے جس حد تک مناسب سمجھے گا اُسے اس کام کا اذن اور اس کی توفیق بخش دے گا۔ لہٰذا اگر تم نے اور تمہارے باپ دادا نے مشیت الٰہی کے تحت شرک اور تحریم طیبات کی توفیق پائی تو اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ تم لوگ اپنے ان اعمال کے ذمہ دار اور جوابدہ نہیں ہو۔ اپنے غلط انتخاب راہ اور اپنے غلط ارادے اور سعی کے ذمہ دار تو تم خود ہی ہو۔'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 596)

قارئین دیکھیں کہ اللہ کے چاہنے یا مشیت کی آڑ لے کر عمر نے خلافت دئے جانے کو اللہ کا کام قرار دیا تھا۔ یعنی اللہ نے خود قریش کو خلافت دی تھی اور علیؑ کو محروم کیا تھا۔ لیکن مشیت کے معنی کی رو سے قریش مجرم ثابت ہوئے۔ انہوں نے طے کیا کہ خلافت کو خاندان رسولؐ میں نہ رہنے دیں گے۔ یہ ارادہ کیا اور اس سلسلے میں کوششیں کیں۔ اللہ نے اُن کی راہ میں رکاوٹ نہ ڈالی انہیں کامیاب ہونے دیا اس لئے کہ مشیت یہی ہے کہ انسانوں کو اُن کے ارادوں اور کوششوں سے نہ روکا جائے۔ لہٰذا قریش اپنے غلط ارادے۔ غلط کوشش میں مجرم تھے۔ اور مجرمانہ بہانہ کرتے رہے۔ اور خدا کی دی ہوئی آزادی اور مشیت کو خدا کی رضا مندی بنا کر غلط عقیدہ دنیا میں پھیلایا مگر خدا کی مشیت اور رضا میں جو فرق ہے وہ مودودی سے سنئے:

4۔ مودودی کی تشریح سے ابوبکر وعمر کی خلافت باطل تھی انہوں نے مشیت کو رضا مندی کہہ کر فریب دیا تھا۔

''80۔ یہاں ہماری سابقہ تشریحات کے علاوہ یہ حقیقت بھی اچھی طرح ذہن نشین ہو جانی چاہئے کہ قرآن کی رو سے اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اُس کی رضا میں بہت بڑا فرق ہے۔ جس کو نظر انداز کر دینے سے بالعموم شدید غلط فہمیاں واقع ہوتی ہیں۔ کسی چیز کا اللہ کی مشیت اور اس کے اذن کے تحت رونما ہونا لازمی طور پر معنی نہیں رکھتا کہ اللہ اُس سے راضی بھی ہے۔ اور اُسے پسند بھی کرتا ہے۔ دنیا میں کوئی واقعہ کبھی

صدور میں نہیں آتا جب تک اللہ اس کے صدور کا اذن نہ دے اور اپنی عظیم الشان اسکیم میں اس کے صدور کی گنجائش نہ رکھے اور اسباب کو اُس حد تک مساعد نہ کر دے کہ وہ واقعہ صادر ہو سکے۔ کسی چور کی چوری کسی قاتل کا قتل، کسی ظلم اور مفسد کا ظلم وفساد اور کسی کافر ومشرک کا کفرو شرک اللہ کی مشیت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اور اُسی طرح کسی مومن اور کسی متقی انسان کا ایمان وتقویٰ بھی مشیت الٰہی کے بغیر محال ہے۔ دونوں قسم کے واقعات یکساں طور پر مشیت کے تحت رونما ہوتے ہیں۔ مگر پہلی قسم کے واقعات سے اللہ راضی نہیں ہے اور اس کے برعکس دوسری قسم کے واقعات کو اس کی رضا اور اس کی پسندیدگی ومحبوبیت کی سند حاصل ہے۔ اگرچہ آخر کار کسی خیر عظیم ہی کے لئے فرمانروائے کائنات کی مشیت کام کر رہی ہے۔ لیکن اُس خیر عظیم کے ظہور کا راستہ نور وظلمت، خیر وشر اور اصلاح وفساد کی مختلف قوتوں کے ایک دوسرے کے مقابلے میں نبرد آزما ہونے ہی سے صاف ہوتا ہے۔ اس لئے اپنی بزرگ تر مصلحتوں کی بنا پر وہ طاعت ومعصیت، ابراہیمیت اور نمرودیت، موسوویت اور فرعونیت، آدمیت اور شیطنت دونوں کو اپنا اپنا کام کرنے کا موقع دیتا ہے۔ اس نے اپنی ذی اختیار مخلوق (جن اور انسان) کو خیر وشر میں سے کسی ایک کے انتخاب کر لینے کی آزادی عطا کر دی ہے۔ جو چاہے اس کارگاہ عالم میں اپنے لئے خیر کا کام پسند کر لے اور جو چاہے شر کا کام پسند کر لے۔ دونوں قسم کے کارکنوں کو جس حد تک خدائی مصلحتیں اجازت دیتی ہیں اسباب کی تائید نصیب ہوتی ہے لیکن اللہ کی رضا اور اُس کی پسندیدگی صرف خیر ہی کے لئے کام کرنے والوں کو حاصل ہوتی ہے۔ اور اللہ کو محبوب یہی بات ہے کہ اُس کے بندے اپنی آزادی انتخاب سے فائدہ اٹھا کر خیر کو اختیار کریں نہ کہ شر کو۔ اس کے ساتھ یہ بات سمجھ لینا چاہئے کہ یہ جو اللہ تعالیٰ دشمنان حق کی مخالفانہ کاروائیوں کا ذکر کرتے ہوئے اپنی مشیت کا بار بار حوالہ دیتا ہے۔ اس سے مقصود دراصل نبی صلی علیہ السلام وسلم کو اور آپؐ کے ذریعہ سے اہل ایمان کو یہ سمجھانا ہے کہ تمہارے کام کی نوعیت فرشتوں کے کام کی سی نہیں ہے جو کسی مزاحمت کے بغیر احکام الٰہی کی تعمیل کر رہے ہیں۔ بلکہ تمہارا اصل کام شریروں اور باغیوں کے مقابلے میں اللہ کے پسندکردہ طریقہ کو غالب کرنے کیلئے جدوجہد کرنا ہے۔ اللہ اپنی مشیت کے تحت اُن لوگوں کو بھی کام کرنے کا موقع دے رہا ہے۔ جنہوں نے اپنی سعی وجہد کے لئے خود اللہ سے بغاوت کے راستے کو اختیار کیا ہے۔ اگرچہ اُس کی رضا اور ہدایت وراہنمائی اور تائید ونصرت تمہارے ہی ساتھ ہے کیونکہ تم اس پہلو میں کام کر رہے ہو جسے وہ پسند کرتا ہے لیکن تمہیں یہ توقع نہ رکھنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اپنی فوق الفطری مداخلت سے اُن لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کر دے گا۔ جو ایمان نہیں لانا چاہتے۔ یا اُن شیاطین جن وانس کو زبردستی تمہارے راستے سے ہٹا دے گا۔ جنہوں نے اپنے دل ودماغ کو اور دست وپا کی قوتوں کو اور اپنے وسائل اور ذرائع کو حق کی راہ روکنے کے لئے استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ نہیں۔ اگر تم نے واقعی حق اور نیکی اور صداقت کے لئے کام کرنے کا عزم کیا ہے تو تمہیں باطل پرستوں کے مقابلہ میں سخت کشمکش اور جدوجہد کر کے اپنی حق پرستی کا ثبوت دینا ہوگا۔ ورنہ معجزوں کے زور سے باطل کو مٹانا اور حق کو غالب کرنا ہوتا تو تمہاری ضرورت ہی کیا تھی اللہ خود ایسا انتظام کر سکتا تھا کہ دنیا میں کوئی شیطان نہ ہوتا اور کسی شرک وکفر کے ظہور کا امکان نہ ہوتا۔'' (تفہیم القرآن جلد اول صفحہ 574)

5۔ مودودی کی تشریحات میں سب کچھ ہوتے ہوئے بھی فریب کا سامان وامکان موجود وشامل رکھا گیا ہے۔

یہاں یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ وہ لوگ جو کائنات میں کسی خدا کا تصور نہیں رکھتے وہ بھی غلط کاریاں، جرائم اور گناہ کرتے ہیں مگر اُن کی غلط کاریوں، جرائم اور گناہوں میں فریب اور فریب سازی نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ اللہ ورسالت اور وحی اور کتابوں کے ماننے والوں کو فریب خوردہ یا

فریب ساز سمجھتے ہیں اور اُن کا مقابلہ یہ سمجھ کر کرتے ہیں کہ ایک فطری قانون برسر کار ہے جو اُس سے فائدہ اٹھانے میں زیادہ عقل وبصیرت اور دیانت سے کام لے گا وہی مقابلے میں غالب آئے گا لہٰذا اُن کے ساتھ مقابلہ کرنے میں کسی فریب کاری کا اندیشہ کم سے کم ہوتا ہے۔اور اس کے برعکس اللہ ورسولؐ کے ماننے والے جب غلط کاری جرم گناہ کا راستہ اختیار کرتے ہیں تو وہ اپنے مدمقابل بامذہب لوگوں کو ہر ممکن فریب دینے کی کوشش کرتے ہیں۔اور اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ اُن کی غلط کاری، جرم گناہ کی دوصورتیں ہوتی ہیں۔یعنی یا تو وہ جان بوجھ کر غلط کاریاں، جرائم یا گناہ کرتے ہیں یعنی اپنے مذہب کی رو سے یہ جانتے ہیں کہ فلاں عملدرآمد غلطی ہے جرم ہے، گناہ ہے۔لہٰذا وہ اپنے مدمقابل بامذہب لوگوں کو دھوکا دینے میں تکلف نہیں کرتے کیونکہ دھوکا بھی ایک غلطی یا جرم یا گناہ ہی تو ہے۔یا پھر وہ اپنے غلط کام کو غلطی یا جرم سمجھ کر نہیں بلکہ اپنے دین کے مطابق سمجھ کر کرتے ہیں اور دوسرے بامذہب مدمقابل کو غلط کار ومجرم وگناہگار سمجھ کر مقابلہ کرتے ہیں۔اور اللہ سے اچھی امید رکھتے ہیں۔ایسی صورت میں یہ دیکھنا ہوگا کہ اُن کے مذہب میں وہ سب جائز ہے یا نہیں کہ جو کچھ وہ کررہے ہیں۔زیر بحث عمر کا یہ بیان ہے کہ رسولؐ اللہ کا، بقول عمر یہی ارادہ تھا کہ خلافت علیؑ کو ملے اور خدا نے نہ چاہا کہ خلافت علیؑ کو ملے۔خدا نے رسولؐ کے خلاف چاہا یعنی خدا نے چاہا کہ خلافت قریش کو ملے۔لہٰذا خلافت ابوبکر کو دے دی۔

لہٰذا عمر کے مذہب میں رسولؐ، اللہ کے خلاف اور اللہ، رسولؐ کے خلاف چاہ سکتے ہیں۔یعنی رسولؐ بقول عمر، حق سے باطل کی طرف مائل ہوجانا چاہتے ہیں۔"اور"علیؑ کی خاطر بہت مبالغہ کرتے تھے۔"

اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے عمر کے مذہب کو قرآن سے جانچنا ہوگا اور دیکھنا ہوگا کہ اللہ ورسولؐ ایک دوسرے کے خلاف ارادہ کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اور رسولؐ جان بوجھ کر حق کے خلاف میلان ومبالغہ کرسکتا ہے یا نہیں؟ قرآن سے عمر کے اس مذہب کی تائید ہرگز نہ ملے گی۔اور عمر کا نام لئے بغیر اگر آپ یہی سوال تمام اہل مذہب، یہود ونصاریٰ اور ہنود وغیرہ سے عموماً اور تمام علمائے اہلسنت وعوام سے خصوصاً پوچھیں گے تو سب متفقہ طور پر ایسے مذہب کو باطل قرار دیں گے جس میں رسولؐ کا ارادہ غلط کام کرنے اور خدا کے خلاف چلنے کا ہو۔جس میں ایک رسولؐ حق کے خلاف باطل کی طرف میلان رکھتا ہو۔

معلوم ہوتا ہے کہ عمر اینڈ کمپنی کے مذہب میں یہ جائز تھا کہ کسی بھی مقصد کو حاصل کرنے کا ارادہ کیا جائے۔ہر قسم کی سعی و کوشش اور جدوجہد اور فریب کاری کی جائے اور اگر وہ مقصد حاصل ہوجائے تو سمجھ لیا جائے کہ اللہ نے انہیں اُن کے مقصد میں کامیاب کیا ہے اور اُن کا مقصد اللہ کا پسندیدہ اور جائز مقصد تھا۔

قارئین نے دیکھا کہ ایسے مذہب اور ایسے مقصد کو مودودی کی لمبی چوڑی تشریحات نے بھی باطل قرار دیا ہے۔مگر چونکہ مودودی بھی ابوبکر وعمر کو برحق خلیفہ ماننے والوں میں سے ہیں۔لہٰذا اپنی تشریحات میں فریب دینے اور فریب کھانے میں لفظی گنجائش رکھی ہے۔لفظ اذن، توفیق کسی خیر عظیم، عالم گیر مصلحتوں کو لا کر قریشی مذہب کو لپیٹ دیا ہے۔سرسری طور پر پڑھنے والا کہیں نہیں چونکتا۔مگر ذرا یہ جملہ پڑھئے۔

"ایک شخص نے اللہ کے اذن وتوفیق سے ایک عورت سے زنا کیا اور خوب لطف اندوز ہوا۔"

"یزید کی افواج نے اللہ کے اذن اور توفیق وتائید سے کربلا میں حسین علیہ السلام اور اُن کے پورے خاندان اور ساتھیوں کو تہ تیغ کیا تھا۔"

"یزید کی فوج نے اللہ کے اذن وتوفیق وتائید سے مدینہ میں مسلمانوں کی عورتوں سے تین شب وروز تلک زنا جاری رکھا اور اللہ کے اذن وتوفیق و

تائید سے مدینہ میں دس بارہ ہزار حرامی بچے پیدا ہوئے۔‘‘

اب ہمیں بتائیے کہ یہ تینوں الفاظ ’’اذن، توفیق، تائید‘‘ ان جملوں میں پسند آئے؟ اور کیا ان کی ضرورت تھی؟ اور کیا ان تینوں الفاظ کے بغیر جملوں میں کوئی خامی رہ جاتی؟ اور کیا یہ تینوں الفاظ اللہ کو زنا اور قتل میں مددگار ثابت نہیں کرتے؟ یعنی اگر اللہ نے زانی کو زنا کی اجازت نہ دی ہوتی اور زنا کے دوران اس کی تائید نہ کی ہوتی اور توفیق نہ ہوتی تو کیا وہ زنا کرسکتا تھا؟ مطلب یہ ہوا کہ ہر زنا، ہر قتل ہر چوری میں اللہ مددگار رہتا ہے۔ کیوں مودودی نے کھل کر یہ نہ لکھا کہ:

’’تمام جن وانس آزاد اور اپنے افعال میں مختار، صاحب عقل وارادہ پیدا کئے ہیں۔ اور ہمہ گیر قانون کے ماتحت پوری کائنات کو رکھا گیا ہے۔ ہر چیز کو چند صفات وخصوصیات دی گئی ہیں انسان اُن صفات وخصوصیات کو اپنے علم وقدرت وقوت کے ماتحت استعمال کرتا ہے وہ چیزیں استعمال میں آنے سے انکار نہیں کرتیں۔ اسی ہمہ گیر قانون کو قانون مشیت کہتے ہیں۔ لہٰذا زانی قاتل وچور اپنے علم وارادہ سے اور اپنی خداداد قدرت وقوت واختیار سے زنا وقتل وچوری کرتے ہیں۔ اللہ ہر مجرم کو اس کے جرم کے وقت نہ مدد دیتا ہے نہ توفیق تائید کرنے آتا ہے۔ اپنے افعال کے سر سے پیر تک زانی وقاتل اور چور ذمہ دار ہوتے ہیں۔ لہٰذا ابوبکر وعمر نے اپنی عطا شدہ آزادی اور قدرت واختیار وعلم وبصیرت کے ماتحت سازشیں کیں گٹھ جوڑ کئے قرآن کو مہجور کرکے مذہبی عقاید وتصورات کو تبدیل کیا اور فریب دے کر خلافت حاصل کی اور بس۔ خدا کے یہاں وہ مجرم ہیں۔ (25/30-31) جہنمی ہیں (29 تا 25/27) اور سارے قرآن کی رو سے لعنتی ہیں۔ 1۔ کاذب ہونے کی وجہ سے (3/61,6/66)۔ 2۔ ظالم ہونے کی وجہ سے (29 تا 3/86-87,25/27)(7/44)(11/18)۔

یہاں تک یہ معلوم ہوا کہ حضرت علی علیہ السلام صفات خداوندی بیان فرماتے ہوئے قریش کے عقاید واعمال کو باطل ثابت کرتے چلے جاتے ہیں۔ اور یہ ثابت ہوتا چلا جاتا ہے کہ آپ جس انداز ویقین سے بیان فرمارہے ہیں وہ علم الیقین ہے حق الیقین ہے۔ نظری معلومات نہیں۔ سُنی سنائی اور لکھی پڑھی معلومات نہیں ہیں۔ مادی ومحسوس اور مشاہدے اور تجربے میں آئی ہوئی حقیقتیں ہیں۔ اسی بنا پر آپ اپنے یقین کو خالص یقین فرمارہے ہیں (9)۔ اور اسی قسم کی بنیاد پر آپ اپنے اعمال کے میزان یا پلے کو بھاری ثابت ہوجانے والا پلہ فرماتے ہیں۔ یعنی قیامت سے پہلے ہی اُن کے اعمال کا وزن ہوچکا ہے اور پلڑا بھاری نکل چکا ہے (9)۔

6۔ آنحضرتؐ کو اللہ کی کرامات کے لئے اور رسالتوں کے ذریعہ نفع رسائی کا مرکز بنانے کی بات کی ہے۔

قریشی لیڈر چونکہ آنحضرت صلی علیہ وآلہ کے معجزات کے قائل نہ تھے۔ اس لئے حضور علیہ السلام نے یہاں بھی (10) اور دوسرے خطبات میں بھی یہ بتایا ہے کہ تمام معجزات وکرامات کے لئے آنحضرتؐ ہی کو مخصوص فرمایا تھا اور جس طرح تمام انبیاء ورسل علیھم السلام کو وحی اُن ہی کی معرفت ملتی تھی اسی طرح معجزات وکرامات بھی اسی مرکز کے ذریعہ ملتی تھیں۔ اور ہم نے معجزات کو ذریعہ تعلیم کی حیثیت دی ہے نہ کہ قریش کی طرح پبلک کو حیران وششدر کرنے کا ذریعہ۔ یعنی معجزہ وہ ذریعہ ہے جس سے مافوق الفطرت قوانین سکھائے جاتے ہیں جو تسخیر کائنات میں کام آتے ہیں۔ اور جو اپنی پوری وسعت کے ساتھ تو حضرت حجۃ امام آخرالزمان علیہ السلام کے ظہور کے بعد تعلیم گاہوں میں عام ہوں گے۔ لیکن سابقہ امتوں کو بھی تدریجی ترقی کی غرض سے سکھائے جاتے رہے تھے۔